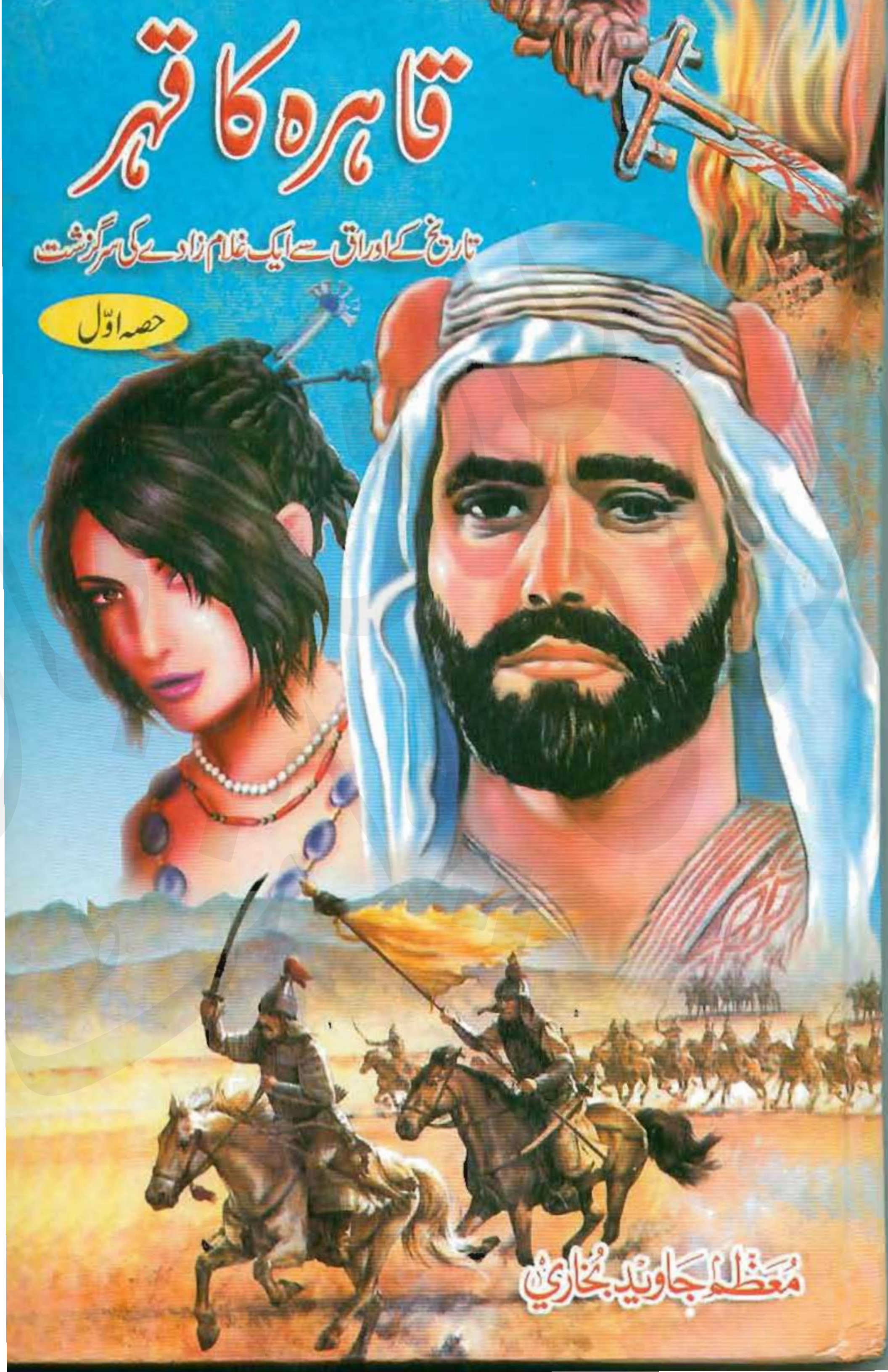
قاہرہ کا قہر
تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت
حصہ اوّل
معظم جاوید بخاری

تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت، جس نے تاجِ سلطانی پہن کر مسلمانوں پر وہ عظیم احسان کیے جنہیں فراموش کرنا ناممکن ہے!

قاہرہ کا قہر

معظم جاوید بخاری

(پہلا حصہ)

محمد طارق اقبال
پاکستانی پوائنٹ

مکتبہ داستان / حکایت پبلشرز بٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ لاہور

جملہ حقوق بحق مکتبہ داستان محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکینگ اور کسی بھی قسم کی اشاعت ماہنامہ حکایت لاہور کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی

رابطہ کے لیے:

ماہنامہ حکایت 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

آپ اپنا آرڈر یا کوئی شکایت بذریعہ ای میل بھیج سکتے ہیں

ای میل: e-mail:maktabaedastan@yahoo.com
e-mail:monthlyhikayat@yahoo.com

ٹائٹل: نیکس ایج

کمپوزنگ: شاہد امان

قیمت: =/220 روپے

ناشر: حکایت پبلشرز۔ 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ داستان 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

فون: 7321898-7356541

تعارف

ساتویں صدی ہجری کے عین وسط میں جب عباسی خلافت کا انحطاط انتہا کو پہنچ چکا تھا، قاہرہ کی فاطمی خلافت دم توڑ چکی تھی، سلجوقی، زنگی اور ایوبی حکمران اپنی طاقت کو باہمی چپقلش میں ختم کر چکے تھے، خوارزمی سلطنت منگولوں کے عتاب کا شکار ہو چکی تھی۔ منگول حریص نگاہوں سے بغداد کی جانب دیکھ رہے تھے۔ مسلمان امراء سازشوں سے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے تھے، علماء سر بازار دوسرے مسالک پر کیچڑ اچھال رہے تھے۔ ایسے میں مصر کی سرزمین نے ایک عجب نظارہ دیکھا۔ دشت قپچاق، قزوین اور کوہ قاف کے سفید فام باشندے جو کہ چنگیز خان کے ظلم وستم کا شکار ہو کر غلام بنا لئے گئے اور اہل مصر کے پاس پہنچ گئے تو وہ طوفان کی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے اور مصر کے تخت وتاج کے مالک بن گئے۔ پونے تین سو سال تک انہوں نے ایسی خوبی سے حکومت کی کہ مغربی ومشرقی مورخین متعجب رہ گئے۔ ممالیک مصر کا دور حکومت تاریخ اسلامیہ کا ایک شاندار باب ہے۔ الملک الظاہر رکن الدین بیبرس انہی غریب الدیار غلاموں کی جماعت کا ایک فرد تھا جو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور بخت آوری کی بدولت مصر کے تاج وتخت اور خزائن کا مالک بن گیا۔ کہنے کو تو وہ ممالیک کے سلسلے کا چوتھا حکمران تھا مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ پہلا مملوک فرمانروا تھا جس نے مملوک سلطنت کی بنیادیں استوار کیں اور اس کو ایک ایسی طاقت بنا ڈالا جس کا نام سن کر دشمنان اسلام کے جسم لرز اُٹھتے تھے۔ وہ ایک ایسے نازک اور پرآشوب دور میں جریدہ عالم پر نمودار ہوا جب مسلمان تقریباً ڈیڑھ صدی سے صلیبی طالع آزماؤں کی ستم رانیوں کا ہدف بنے ہوئے تھے اور رہی سہی کسر فتنہ تاتار نے پوری کر دی تھی۔ وحشی تاتاریوں کی بربریت نے جہاں خلافت کے احترام کو پامال کیا وہیں ان کی غارت گری سے مسلمانوں پر ایسی دہشت مسلط کر دی کہ وہ خود کو بے بس اور بے یار ومددگار محسوس کرنے لگے۔ ایک معمولی تاتاری سپاہی پورے

گاؤں کو روند ڈالتا مگر کوئی اس کے سامنے پر مارنے کی ہمت نہ کر پاتا۔ ہلاکو خان نے شام و عراق کو کھنڈرات بنا ڈالا تھا۔ ایسے میں مسلمان مصر کی جانب جان بچا کر ہجرت کرنے لگے۔ تاتاریوں کے ساتھ صلیبیوں کے اتحاد نے ایک بڑے عرصے تک مسلمانوں پر قیامت برپا کیے رکھی۔ ایسے میں جب مسلمان اللہ کے حضور گڑگڑا کر کسی نجات دھندہ کی دعائیں مانگ رہے تھے بیبرس سامنے آیا اور تاتاریوں کے سامنے چٹان بن کر کھڑا ہو گیا۔ ہلاکو خان اس کی بہادری اور شجاعت کے قصے سن کر دنگ رہ گیا۔ صلیبی اس کی ہیبت کے سامنے جم کر کھڑے نہ رہ سکے۔ سلطان بیبرس کی یہ درخشاں عسکری کامیابیاں ہی تھیں جنہوں نے متعصب مغربی مورخین سے بھی کسی نہ کسی صورت میں اس کی عظمت کا اعتراف کرایا۔ یوں تو اس کی عساکر میں متعدد قابل سپہ سالار موجود تھے مگر بیبرس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں خود سالاری کا فریضہ ادا کرے۔ عباسی خلفاء کے بعد یہ بڑا اہم حکمران تھا جس نے شوق شہادت میں میدان جنگ میں بار بار اترنا گوارا کیا۔ اس کی ولولہ انگیز قیادت نے فوجیوں میں بھی بے پناہ عزم و ہمت اور ناقابل تسخیر جذبہ جہاد پیدا کر دیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شوق جہاد کے معاملہ میں بیبرس، الپ ارسلان، عمادالدین زنگی، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمد فاتح جیسے مجاہد فرمانرواؤں کی صف کا آدمی تھا تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ بیبرس نے جہاں فرانس کے شاہ لوئیس نہم کو گرفتار کر کے رہائی دلوائی وہیں اس نے احیاء خلافت کا دوبارہ اجراء کر کے مسلمانوں میں ایک مرکز اور یگانگی پیدا کر دی تھی۔ سلطان بیبرس جیسی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں یہ تاریخی کہانی حکایت کے صفحات کی زینت بن چکی ہے۔

معظم جاوید بخاری

انتساب!

محترم عنایت اللہ کے نام!

جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔

گھوڑوں اور اونٹوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا قافلہ نہایت سست روی سے دمشق کے صدر دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ یہ کوئی عام سا قافلہ نہیں تھا بلکہ سرزمین کوہ قاف کی اس خونخوار تاتاری اور منگول قوم کا تھا جنہوں نے کئی برس قبل سلطنت خوارزم کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ مسلمانوں کے سروں کے مینار بنا ڈالے تھے۔ آندھی و طوفان کی طرح یہ قوم آن ہی آن میں یوں چھا گئی کہ بڑے بڑے بہادر ان کے سامنے جھکتے اور پھر ٹوٹتے چلے گئے۔ یوں تو منگولوں کے قافلے عرصہ دراز سے سلطنت مسلمہ میں تجارت کے سلسلے میں آیا کرتے تھے اور ریچھ اور بھیڑیے کی گرم کھالوں کی بڑی مقدار تہذیب یافتہ قوم کو میسر آتی تھی۔ منگول تاجروں کو عموماً جن اشیاء کی اشد ضرورت پڑتی تھی ان میں خصوصاً خورد ونوش کی اشیاء اور کپڑے وغیرہ شامل تھے۔ ممکن تھا کہ یہ لوگ تجارت کے بہانے تہذیب وتمدن سے آگاہی حاصل کر لیتے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مسلمانان اسلام دن بدن احکام شرعیہ سے غافل ہو کر بدمتوں کا شکار ہو رہے تھے۔ ان کی اصلاح میں بڑی بڑی برگزیدہ ہستیاں ناکام ہو چکی تھیں۔ قدرت نے انہیں سزا دینے کی ٹھان لی اور یہ سزا بڑی عبرت انگیز اور خوفناک تھی۔ منگول جو کہ بے خبری کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں تموچن جیسا رہنما میسر آ گیا جو کہ چنگیز خان کے لقب سے سلطنت خوارزم پر عتاب بن کر ٹوٹ پڑا۔ مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے۔ ان کی سرزمین منگولوں کے گھوڑوں تلے روندی گئی۔ شہروں کے شہر خاک اور ملبے کا ڈھیر بن گئے۔ جیتے جاگتے لوگ کھوپڑیوں کے میناروں میں بدل گئے۔ یہ سلسلہ ابھی اختتام پذیر نہیں ہوا تھا۔ منگولوں اور تاتاریوں کے لشکر مسلمانوں کے علاقوں کو مسلسل پامال کئے جا رہے تھے۔ ایسے میں ان کے قافلوں کی آمد سے تمام شہروں میں خوف وہراس پھیل جاتا۔ منگولوں کی دھاک اتنی تھی کہ وہ جو مطالبہ کیا کرتے ان کی تعمیل کرنا لازمی سمجھا جاتا۔ عباسی خلیفہ بغداد کسی حد تک اس اثر کو زائل کرنے میں کامیاب ضرور تھا۔ اس کا وجود ہی مسلمانوں کے لئے آخری سہارا تھا۔

بغداد میں کثیر التعداد افواج کی موجودگی سے کسی حد تک اطمینان ضرور تھا۔ ایسا ہی ایک قافلہ 630ھ میں دمشق میں داخل ہوا۔ کوتوال شہر کو پہلے ہی خبر مل چکی تھی۔ اس نے تاتاری قافلے کا شہر کے صدر دروازے پر استقبال کیا۔ یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس قافلے کو قیام کے دوران کسی دہشت گردی کا شکار نہ ہونے دے۔ سرزمین خوارزم سے بچ کر آنے والے لوگ کئی شہروں میں پناہ گزین تھے۔ ان کی طرف سے یہ خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا کہ وہ کسی تاتاری تاجر کو اپنے انتقام کا نشانہ نہ بنا ڈالیں جو کچھ ماضی میں بیت چکا تھا اس کا دوہرانا آنے والی نسلوں کی تباہی کا باعث بن سکتا تھا لہٰذا احتیاط راہ اپنانا ہی بھلائی کے حق میں تھا۔ وہ قافلہ دمشق کے شمالی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ کوتوال شہر اپنے ہرکاروں کے ہمراہ اس کے عقب میں رہا۔ جب اس قافلے نے بیت الاحضر نامی حصے میں پڑاؤ ڈالا تو کوتوال شہر نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور اپنی طرف سے مکمل تحفظ کی یقین دہانی کرائی۔ اس قافلے کا امیر بلاقہ خان نامی تاتاری تھا۔ یہ اپنے قافلے میں واحد شخص تھا جسے عربی زبان سے آگاہی تھی۔ اس

نے کوتوال شہر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے قیام کے بارے میں تفصیل بتائی۔ تھوڑی ہی دیر میں کوتوال شہر چند ضروری اقدام اُٹھا کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

قافلے کے لوگ وہاں اپنے خیمے گاڑنے لگے۔ بیت الاحضر ایک چھوٹا سا میدان تھا جہاں کسی کو مستقل آباد ہونے یا مکان تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ جگہ سرکاری طور پر ایسے تاجروں کے لئے وقف تھی جنہیں دمشق میں عارضی طور پر ٹھہرنا ہوتا تھا۔ اس میدان کے بائیں کنارے پر ایک کنواں تھا جہاں پانی ہر وقت میسر رہتا۔ بلاقہ خان نے اپنے ساتھیوں کو کچھ ہدایات دیں اور اپنے خیمے میں ایک بڑے ایرانی قالین پر بیٹھ گیا۔ یہ قالین اسی کے لئے لگایا گیا تھا۔ دن ڈھل رہا تھا۔ بلاقہ خان آج آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس عمدہ کھالوں کا بڑا ذخیرہ تھا جو اسے دمشق میں فروخت کرنا تھا۔ دمشق کے لوگ بیت الاحضر کے قریب سے گذرتے تو حیرت و خوف سے ان پر ایک نگاہ ڈالے بنا نہ رہ پاتے۔ بلاقہ خان دل ہی دل میں ان کے چہروں پر چھائے ہوئے خوف کو دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا۔ شام ڈھل گئی اور رات کی تاریکی بڑھنے لگی۔ ایسے میں ایک مقامی شخص اپنا چہرہ لپیٹے ہوئے وہاں آیا۔ اس کی آمد اور انداز بڑا مشکوک تھا۔ قافلے کے محافظوں نے اس کا رستہ روکنا چاہا تو اس نے بلاقہ خان کا نام لیا اور اپنا نام بتایا۔ جس پر انہیں قدرے اطمینان ہو گیا۔ نو وارد دمشق کی بردہ منڈی کا نامی تاجر ابو داؤد تھا۔ وہ ایک محافظ کی معاونت میں بلاقہ خان کے خیمے تک پہنچ گیا۔ اس نے خیمے کا پردہ ہٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ بلاقہ خان اس کی صورت دیکھ کر محض مسکرا دیا۔ اس نے محافظ کو اشارہ کیا تو وہ باہر نکل گیا۔ بلاقہ خان نے ابو داؤد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ابو داؤد نے ایک گاؤ تکیے سے ٹیک لگا لی۔ دونوں ایک دوسرے کی جانب کئی لمحے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ بلاقہ خان نے پہلو میں پڑی صراحی میں سے دو جام بھرے اور ایک اس کی جانب بڑھا دیا۔ ابو داؤد نے وہ جام یوں لیا جیسے کوئی خاص نعمت ہو۔

''ابو داؤد!'' بلاقہ خان ایک گھونٹ لیتا ہوا بولا۔ ''مجھے تمہارا ہی انتظار تھا، تمہاری راہ تکتے تکتے سارا دن بیت گیا میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید تم یہ علاقہ ہی چھوڑ کر چلے گئے ہو''۔

''پہلے اگر کام کی بات ہو جائے تو......''

''ٹھیک ہے تم پہلے تجارت کے خواہش مند ہو تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے''۔ بلاقہ بولا۔

''تمہارے پاس کتنے دانے ہیں؟''

''دانے تو تھوڑے ہی ہیں مگر......''

''مگر کیا؟'' ابو داؤد کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔

''نہایت قیمتی ہیں......'' بلاقہ خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ جس پر ابو داؤد کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''کیا لو گے؟''

''میں ان کی فروخت میں خود دلچسپی رکھتا ہوں میرا خیال ہے کہ کسی دوسرے کو زیادہ فائدہ دینے کے بجائے مجھے خود سارا نفع سمیٹنا چاہئے''۔ بلاقہ خان نے جام کی چسکی لگائی اور سر دھننے لگا۔

''تمہاری یہ بات مجھے بھلی نہیں لگی''۔

''یہ کاروبار ہے ابو داؤد! فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے تم میرے تنہا ہی خریدار ہوا کرتے تھے مگر اب خریدار کئی لوگ ہوں گے۔ جو منافع تم حاصل کرتے تھے۔ میں اب وہ سب خود رکھنا چاہتا ہوں''۔ بلاقہ خان کے لہجے میں بے اعتنائی سی پھیلنے لگی۔

''ٹھیک ہے تم جو چاہو کر سکتے ہو، تمہارا مال ہے...... میں اب چلتا ہوں''۔ ابو داؤد کا چہرہ ناکامی سے

پژمردہ ہو رہا تھا۔ اس نے جام ایک جانب رکھا اور کھڑا ہو کر لباس صحیح کرنے لگا۔ وہ پردے کی جانب بڑھ گیا۔ اچانک وہ دوبارہ مڑا جیسے کچھ یاد آیا ہو۔ بلاقہ خان اس کی جانب لاپروائی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اچانک مڑنے پر فوراً سنبھل گیا۔

''ایک بات تمہیں بتانا ضروری سمجھوں گا''۔

بلاقہ خان اس کی جانب استفسارانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ابو داؤد کے چہرے پر کچھ ہی دیر قبل چھانے والی پژمردگی یکدم غائب ہو چکی تھی بلکہ اس کی جگہ کراہت آمیز مسکان لے چکی تھی۔

''یہاں تم آزادانہ ایک بھی دانہ نہیں بیچ پاؤ گے کیونکہ ہر جگہ کے کچھ قوانین و اصول ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں پر نو وارد تاجر مال براہ راست گاہک کو نہیں بیچ سکتا۔ وہ پابند ہے کہ مال صرف مقامی تاجر کو دے کر چلا جائے۔ تمہارا تو مال ہی دوسری نوعیت کا ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس میں سے ایک بھی دانہ کسی کو بیچ نہیں پاؤ گے۔ یہاں کے لوگ تم سے ضمانت بھی طلب کریں گے کہ خریدا ہوا دانہ انہیں دھوکا دے کر فرار تو نہیں ہو جائے گا۔ یہ ضمانت صرف مقامی تاجر کی ہی ہوتی ہے۔ باہر سے کبھی کبھار آنے والے تاجروں کی نہیں''۔

ابو داؤد کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی جبکہ بلاقہ خان اس کی بات پر قدرے پریشان ہو گیا۔ اس کی بات کسی حد تک درست بھی تھی اس کی ضمانت معتبر نہیں تھی۔

''ہونہہ! تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

بلاقہ خان نے استفسار کیا۔

''میں نے کیا چاہنا ہے تم اپنی بات کرو۔ مال مجھے بیچنا ہے یا نہیں''۔

''ٹھیک ہے آؤ ادھر بیٹھو''۔

ابو داؤد مسکراتا ہوا واپس گاؤ تکیے پر دراز ہو گیا۔ بلاقہ خان نے دو جام مزید بھرے اور ایک اس کی جانب بڑھا دیا۔

''دیکھو! یہ مال عام لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ خاص قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا......'' بلاقہ خان نے کہا۔

''ہاں! کتنے دانے ہیں''۔

''چالیس''۔

''کیا لو گے؟''

''جو قیمت لگے گی اس کا دو تہائی حصہ''۔

''نہیں...... نہیں! یہ بہت زیادہ قیمت ہے''۔

''مال دیکھو گے تو تمہیں خود ہی اہمیت کا احساس ہو جائے گا کہ یہ قیمت کچھ بھی نہیں''۔

''نہیں بلاقہ خان! میں ایسا سودا نہیں کر سکتا۔ مال چاہے جیسا مرضی ہو۔ تم فی دانہ کے لحاظ سے قیمت لگاؤ۔ یہ بات بھی دھیان میں رکھو کہ اگر کوئی دانہ فرار ہو گیا تو اس کی قیمت تم نہیں، میں نے ہی لوٹانی ہے''۔

''میرا خیال ہے کہ مال دیکھنے کے بعد ہی بات آگے بڑھائی جائے تو زیادہ بہتر ہو گا''۔ بلاقہ خان نے باہر کسی کو آواز لگائی۔ کچھ ہی لمحوں میں ایک تنومند شخص خیمے میں داخل ہوا جو کہ صورت سے ہی تند مزاج معلوم ہوتا تھا۔ بلاقہ خان نے اسے تاتاری زبان میں کچھ کہا تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا۔ ابو داؤد اس دوران خاموشی سے بیٹھا رہا۔ بلاقہ خان نے فرصت کے دوران دو جام اور بنائے اور ایک اس کی جانب بڑھا دیا۔ ابو داؤد جب بھی جام

اپنی جانب بڑھتے دیکھتا تو اس کی نگاہوں میں حرص کی چمک عیاں ہو جاتی تھی۔ بلاقہ خان اس کی بھوک کو تاڑ چکا تھا۔ اس نے اس بار صراحی کچھ ایسے انداز میں رکھ دی کہ وہ جب چاہتا جام بھر لیتا۔ کچھ ہی لمحوں میں باہر سے وہی تنومند شخص خیمے میں دوبارہ داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اس بار وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس کے ہمراہ ایک دس سالہ خوبصورت لڑکا بھی تھا۔ سرخ و سپید رنگت اور نزاکت نے اسے مزید پرکشش بنا ڈالا تھا۔ ابوداؤد کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ جام کو بھول کر اسے تکتا ہی رہ گیا۔

''واللہ! یہ تو غلمان جنت کی مانند دکھائی دیتا ہے''۔ ابوداؤد بے اختیاری سے بڑبڑا اُٹھا۔

''میں نے کہا نہیں تھا کہ مال بے حد قیمتی ہے۔ یہ خاص دانے صرف میرے ہی پاس ہیں اور یہ صرف صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہی ہو سکتے ہیں''۔ بلاقہ خان نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔ ''ابوداؤد! یہ خاص دانے میں دشت قپچاق اور الف لیلوی کوہ قاف کی وادی سے لے کر آیا ہوں۔ ویسے تو تم سے پہلے بردہ منڈی کا تاجر عبدالرحیم ثمر قندی بھی آیا تھا...... '' بلاقہ خان جان بوجھ کر خاموش ہو گیا۔

ابوداؤد جو کہ ابھی تک اسی لڑکے کو تکے جا رہا تھا عبدالرحیم کا نام سن کر یکدم چونک اُٹھا۔

''اسے کیا تمیز تجارت کی...... '' ابوداؤد جل بھن سا گیا۔ ''بلاقہ خان تجارت کرنا ہے تو مجھ جیسے شخص سے کرو، میری منڈی میں ساکھ اعلیٰ ہے اور یاد رکھو کہ کوئی دوسرا تاجر یہاں میری رفتار سے زیادہ آج تک مال نہیں بیچ پایا''۔

''ابوداؤد!'' بلاقہ خان مسکرا کر بولا۔ ''مال کے بکنے کی بات چھوڑو، یہ دانے اتنے لاجواب ہیں کہ یہ خود اپنے خریدار ڈھونڈ لیں گے، ان کے لئے کسی کی اعلیٰ ساکھ کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''تم نے کتنے دانے بتائے تھے؟''

''چالیس دانے''۔

''دیکھو بلاقہ خان!'' ابوداؤد اب پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''تم مال کی قیمت بولو، حصوں کے چکر میں نہ پڑو۔ حصوں کے چکر میں شاید تم گھاٹے میں رہ جاؤ''

''کاروبار کرنا ہے تو گھاٹے اور نفع کا کیا سوال؟''

''تم اگر چاہو تو میں پانچ دینار سرخ فی دانہ دے سکتا ہوں۔ حالانکہ میں نے ابھی پورا مال نہیں دیکھا ہے......'' ابوداؤد نے قیمت لگا دی۔

''ابوداؤد!'' بلاقہ خان منہ بنا کر بولا۔ ''مال کے مطابق قیمت بولو۔ پانچ دینار تو ان کے جوتے کی قیمت نہیں۔ بہرحال قیمت تو وہی رہے گی یعنی آخری بولی کا دو تہائی حصہ۔ اگر کوئی اس قیمت پر تیار نہیں تو میں مال کسی دوسرے شہر میں نہ لے جانا زیادہ پسند کروں گا''۔

''اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں''۔

''نہیں''۔

''میں آخری بات کہوں؟''

''ہاں! شوق سے کہو''۔

''اگر تم اسی طرح مصر ہو تو آخری بولی کا دو تہائی نہیں ایک تہائی لے لو''۔

''نہیں! قیمت کم نہیں ہو سکتی''۔

''ٹھیک ہے تو پھر میں چلتا ہوں''۔

''سوچ لو...... پھر شکوہ نہ کرنا میں کسی اور سے سودا کر لوں گا''۔ بلاقہ خان اس کی جانب غور سے دیکھ رہا تھا۔ ابوداؤد نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر نفی میں گردن ہلا دی۔ بلاقہ خان اس کی بات سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ابوداؤد دمشق کے اعلیٰ تاجروں میں سے نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو شاید ہی کوئی اور تاجر اس کے مال کو خریدنے کی حامی بھرتا۔ دوسرا جو قیمت بلاقہ خان کے ذہن میں تھی اس پر کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

''ابوداؤد! میں بھی آخری بات بولوں''۔ بلاقہ خان نے کچھ سوچ کر کہا۔ ابوداؤد نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔ ''نہ تمہاری بات اور نہ ہی میری بات...... وسط میں سودا کر لیتے ہیں...... آدھا آدھا''۔

اس کی بات سن کر ابوداؤد کان کھجانے لگا۔ نہ جانے کیوں وہ یہ سودا اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے مسکرا کر حامی بھر لی۔ بلاقہ خان کے چہرے پر بھی بشاشت پھیل گئی۔ اسی خوشی میں جام پر جام چلنے لگے۔ بلاقہ خان جہاں کھالوں کا تاجر تھا، وہیں وہ غلاموں اور لونڈیوں کی تجارت بھی کرتا تھا۔ یہ خیال اسے کچھ ہی عرصے پہلے آیا تھا جب خاقان اعظم کی جانب سے اس کے حصے میں کوہ قاف اور دشت قپچاق سے وافر مقدار میں غلام ملے تھے۔ ان علاقوں میں کچھ ہی سال قبل اسلام کی روشنی پہنچی تھی۔ ابھی ایمان دلوں میں پوری طرح روشن بھی نہیں ہو پایا تھا کہ منگولوں نے اسلام دشمنی میں ان علاقوں کو بھی پامال کر ڈالا۔ یہاں کے معصوم شہریوں کو صرف اس بات کے جرم میں موت و ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ مسلمانوں کے گروہ میں کیوں شامل ہوئے۔ نوجوانوں اور بوڑھوں کو ہلاک کر کے ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ پھر مزید ستم یہ ہوا کہ ماؤں سے ان کے بچوں کو جدا کر کے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا جہاں منگول تاتاری لوگوں نے انہیں خوراک پر بوجھ سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے آگے بیچ ڈالا۔ بلاقہ خان بھی ایک ایسی ہی کھیپ لے کر دمشق آیا تھا۔

❀ ❀ ❀

دمشق کی بردہ منڈی دوسرے دن کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ابوداؤد کے خاص ہرکاروں نے پورے شہر میں ڈھنڈورا پیٹ ڈالا تھا کہ جنت کے غلمان کی نیلامی لگائی جا رہی ہے۔ دمشق کے متمول افراد جنت کے غلمان دیکھنے کے اشتیاق میں یہاں جمع تھے۔ بلاقہ خان ایک اونچے چبوترے پر ایک جانب بیٹھا ہوا تھا۔ چبوترے کے اطراف میں وہ سب معصوم بچے سفید چادروں میں لپٹے کھڑے تھے جن کی نیلامی ہونے والی تھی۔ ابوداؤد نے اس سلسلے میں ایک خاص اہتمام کیا تھا کہ لڑکوں کے چہروں پر سفید نقاب چڑھا دیئے تھے۔ ابوداؤد نے نیلامی کے آغاز سے پہلے ان حسین و جمیل لڑکوں کی تعریفوں میں ایسے قلابے ملائے کہ دمشق کے در و دیوار تک محظوظ ہو گئے۔ نیلامی کا آغاز کیا گیا اور پہلے ایک لڑکے کو سامنے لایا گیا۔ جب اس کا نقاب کھلا تو حاضرین محفل پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ابوداؤد بڑے فخر سے سر دھننے لگا۔ محفل میں سے کسی نے سو درہم کی آواز لگائی۔ پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک ایک کر کے لڑکے سامنے آتے رہے اور حاضرین محفل میں سے بولیاں لگتی رہیں۔ جب کوئی بولی رُک جاتی تو اسے اس معصوم کا مالک بنا دیا جاتا۔ یہ سلسلہ تمام دن چلتا رہا۔ سینکڑوں کی بولی ہزاروں میں جا کر اختتام پذیر ہو جاتی۔ سہ پہر کے قریب جب دو لڑکے باقی رہ گئے تھے تو ابوداؤد نے تھکن سی محسوس کی۔ وہ بلاقہ خان کے برابر نشست پر جا بیٹھا۔ اس نے اپنے دیوہیکل غلام کو اشارہ کیا تو وہ لڑکے کو دھکیلتا ہوا سامنے لے آیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا نقاب اُٹھا دیا گیا۔ وہ لڑکا پہلے بکنے والے لڑکوں سے قدرے مختلف دکھائی دے

رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کرنجی اور بال سرخ تھے۔ یہ خوبی تو پہلے لڑکوں میں بھی موجود تھی مگر اس میں جو خاص چیز تھی وہ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت اور دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ مجمع نے جب اس کا حسن دیکھا تو عش عش کر اُٹھے پھر اس کی بولی لگنا شروع ہوگئی۔ دوسری طرف بلاقہ خان نے خفیف سے اشارے سے ابوداؤد کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ ابوداؤد چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''کیا بات ہے؟''

''مجھے امید نہیں کہ یہ لڑکا کسی اچھی قیمت پر بک سکے۔ اس کی داہنی آنکھ میں سقم ہے۔ پہلی نظر میں تو محسوس نہیں ہوتا مگر غور سے دیکھنے سے اصلیت معلوم ہو جاتی ہے''۔ بلاقہ خان تشویش کے عالم میں بولا۔ ابوداؤد نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔ ''تم بے فکر رہو۔ ہمیں یہ بات بتانا ہی نہیں کہ اس کی آنکھ میں کوئی سقم ہے۔ یہ سب کے سامنے کھڑا ہے لوگ دیکھ بھال کر ہی بولی لگا رہے ہیں''۔

کچھ ہی لمحوں میں اس لڑکے کی بولی آٹھ سو درہم پر پہنچ کر رُک گئی۔ ابوداؤد نے بلاقہ خان کی جانب فاتح انداز میں مسکرا کر دیکھا۔ وہ شخص جس نے بولی لگائی تھی۔ کچھ ہی لمحوں میں اس کا مالک بن گیا۔ وہ قیمت چکانے کے لئے چبوترے پر چڑھا اور ابوداؤد کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا اور درہم نکال کر گننے لگا۔ اسی اثناء میں وہ لڑکا اس کے پہلو میں لا کھڑا کیا گیا۔ اس نے اس کی جانب ایک نگاہ ڈالی اور دوبارہ رقم گننے لگا۔ اچانک اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دوبارہ اس لڑکے کی جانب دیکھا۔ اس کی داہنی آنکھ کا سقم اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہ پایا تھا۔ اس نے اسے دھوکا دہی سمجھ کر اس بات پر واویلا مچا دیا۔ ابوداؤد نے اسے سمجھانا دھمکانا چاہا مگر وہ متمول شخص تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اپنی بولی منسوخ کر کے واپس لوٹ گیا۔ اس شور شرابے میں تمام مجمع کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ لڑکے کی دائیں آنکھ میں سقم ہے۔ ابوداؤد کو یہ ناکامی اپنی ہتک محسوس ہونے لگی۔ کچھ ہی دیر پہلے بلاقہ خان کے سامنے وہ جو عمارت بنا رہا تھا وہ یکدم منہدم ہوگئی تھی۔ اس نے غصے کے عالم میں اس لڑکے کو ایک گھونسا رسید کر دیا۔ اس کی جگہ دوسرا لڑکا کچھ ہی لمحوں میں بک گیا مگر وہ نہ بک سکا۔ لوگ مال کے خاتمے پر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ صرف چند لوگ وہاں محض اس خیال میں موجود رہے کہ دیکھیے سقم والی آنکھوں والا غلام بک پاتا ہے یا نہیں۔ اسی چکر میں شام ہوگئی۔ اب وہاں پندرہ بیس افراد سے زائد نہیں تھے۔ بلاقہ خان بضد تھا کہ جہاں سب بالائی ختم ہوگئی ہے وہاں یہ بال بھی باقی نہیں رہنا چاہئے۔ ابوداؤد نے آخری بار اسے دوبارہ نیلامی کے لئے کھڑا کیا۔ اس بار اس نے اپنا پرانا حربہ استعمال کیا۔ اس کے دو خاص غلام حاضرین محفل میں شامل ہو گئے۔ ابوداؤد نے کوہ قاف کی وادی کے بارے میں چھوٹا سا تبصرہ کرتے ہوئے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ بولی کا آغاز کریں۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایک شخص نے ہمت کر کے دس درہم کی آواز لگائی۔ بلاقہ خان دس درہم کی آواز سن کر کھول اُٹھا۔ ابوداؤد کے آدمیوں نے بولی کو بڑھایا مگر بیس دینار سرخ پر یہ بولی رُک گئی۔ کافی دیر تک کوئی آواز نہ پا کر ابوداؤد نے بلاقہ خان کی جانب مایوسانہ انداز میں دیکھا۔ بلاقہ خان خود بھی سارے دن کی مصروفیت سے تھک چکا تھا اور اس لڑکے کے نہ بکنے سے تنگ آ چکا تھا۔ وہ اب جلد از جلد اس معاملے کو نبٹا کر اپنا حصہ لے کر واپس بیت الاحضر جانے کا خواہش مند تھا۔ وہ کچھ ہی لمحے پیشتر یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر یہ لڑکا نہ بک پایا تو وہ اسے واپسی پر کسی گہری کھائی میں دھکیل دے گا۔ بیس دینار تو کچھ بھی قیمت نہیں تھی۔ بلاقہ خان نے اسے غنیمت سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ بولی منظور ہوگئی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ لڑکا اس شخص کے حوالے کر دیا گیا جس کی بولی بیس دینار سرخ کی تھی۔ اس نے لڑکے کا ہاتھ تھاما اور بردہ منڈی سے باہر نکل گیا۔

❀ ❀ ❀

رات کا وقت تھا دمشق کی بردہ منڈی کا تاجر ابوداؤد اپنے تاتاری دوست کے ہمراہ ایک بلند و بالا مکان

میں موجود تھا۔ تیسری منزل پر خاص محفل کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں تاتاری شراب کے ہمراہ ساز و رقص کا انتظام بھی تھا۔ دمشق کی خاص بجلیاں وہاں اپنے جسموں کو لچکا مٹکا کر احباب محفل پر جادو گرا رہی تھیں۔ ایک کونے میں سازندے میٹھی سی دھن چھیڑے ہوئے تھے۔ بلاقہ خان اپنے دو خاص ساتھیوں کے ساتھ موجود تھا۔ یہ محفل خصوصاً اس کے لئے منعقد کی گئی تھی۔ ابوداؤد کو اپنے تصور سے بھی کہیں زیادہ نفع ہوا تھا۔ سرخ و سپید غلاموں نے جہاں اس کی جیب گرم کی تھی وہیں اس کی ساکھ کو بھی مزید مستحکم کیا تھا۔ رات بھر یہی تماشہ چلتا رہا۔ جام پر جام لنڈھائے گئے۔ دمشق کی یہ شعلہ جو پری پیکر دوشیزائیں اپنے نازک اندام بدن کی لچکاہٹ سے احباب محفل کو محظوظ کرتی رہیں۔ رات کے آخری پہر میں بلاقہ خان کو ہوش آیا کہ واپس لوٹنا چاہئے۔ وہ تو شام ڈھلتے ہی لوٹنے کا خواہش مند تھا مگر ابوداؤد نے اسے زبردستی روک لیا۔ بلاقہ خان نے اس کا دل رکھنے کے لئے ٹھہرنا مناسب سمجھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس محفل میں شمولیت تو کی تھی مگر انہوں نے شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلاقہ خان نے ابوداؤد کو اشارہ کیا کہ وہ جانا چاہتا ہے۔ ابوداؤد اشارہ سمجھ کر اس کے ہمراہ دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ محفل اندر یونہی جاری رہی۔ بلاقہ خان کے ساتھ اس کے دونوں ساتھی بھی چلے آئے تھے۔ ابوداؤد نے انہیں ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک بڑی الماری کی جانب بڑھ گیا۔ نیلامی کا تمام حساب کتاب ایک بڑے کاغذ پر موجود تھا۔ جمع تفریق ہو چکی تھی۔ بلاقہ خان کو چوالیس ہزار دینار سرخ اس سے لینا تھے اور کام ختم۔

ابوداؤد نے ایک بڑی سی گٹھڑی نکالی اور اس کے سامنے رکھ دی۔ کچھ ہی لمحوں میں رقم گن لی گئی۔ چوالیس ہزار دینار بلاقہ خان نے اپنے ساتھیوں کی جانب بڑھائے اور نشست چھوڑ دی۔ ابوداؤد نے رقم ان کے حوالے کرتے ہوئے لہک لہک کر اپنی اتنی بڑی کامیابی پر گنگنانا شروع کر دیا۔ بلاقہ خان نے مسکرا کر اس بہکے ہوئے شرابی کی جانب دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ٹھٹھکنا پڑا کیونکہ دروازے سے کئی نقاب پوش اندر داخل ہونے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ بلاقہ خان ابوداؤد کی چال فوراً سمجھ گیا۔ نقاب پوشوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

''تاتاری!'' ایک نقاب پوش غراتے ہوئے بولا۔ ''یہ سب رقم یہیں رکھ دو اور خاموشی سے باہر کا رستہ ناپو۔ اگر تم میں سے کسی نے چالاکی دکھانے کی یا دوبارہ یہاں قدم رکھنے کی کوشش کی تو وہ اپنی جان سے جائے گا''۔

''ابوداؤد!'' بلاقہ خان طیش کے عالم میں پھنکارا۔ ''یہ کھیل تمہیں مہنگا پڑے گا۔ ابھی بھی وقت ہے اپنی بے وقوفی پر تائب ہو جاؤ''۔

ابوداؤد شراب کے نشے میں جھومتا ہوا آگے بڑھا اور ایک ہی جھٹکے میں اس نے رقم کی گٹھڑی بلاقہ خان کے ساتھی سے چھین لی۔

''بلاقہ خان! میرے دوست...... دھمکی دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نہ صرف مقامی ہوں بلکہ یہاں کے قاضی بھی میری مٹھی میں ہیں۔ تم لاکھ واویلا مچاؤ۔ یہاں تمہاری کوئی بھی نہیں سنے گا۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس اپنے خیموں میں لوٹ جاؤ...... ورنہ......''

''ورنہ کیا ابوداؤد؟''

''زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے''۔

''کس کی زندگی؟'' بلاقہ خان نے زہر خند لہجے میں کہا۔ دوسرے ہی لمحے ایک چھوٹا سا خنجر اُڑتا ہوا ابوداؤد کے سینے میں اتر گیا۔ یہ سب اتنی سرعت میں ہوا کہ نقاب پوش سمجھ نہ پائے۔ ابوداؤد کے حلق سے دبی سی

چیخ نکلی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ نقاب پوش گومگوئی کے عالم میں کھوئے ہوئے تھے کہ بلاقہ خان کے ساتھیوں کی تلواریں آناً فاناً چمکی اور وہ اسی حالت میں ایک ایک کر کے زمین پر بکھرتے چلے گئے۔ چند ہی لمحوں میں بساط الٹ دی گئی۔

بلاقہ خان کو شام کے وقت ہی ابوداؤد کے حساب کتاب کے معاملے کو لٹکانے اور ضیافت کی شرارت چھوڑنے سے شک ہو چلا تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ اس نے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا بجھا دیا تھا اسی لئے انہوں نے شراب کو منہ تک نہیں لگایا۔ وہ دونوں شمشیر زنی میں بلا کا ملکہ رکھتے تھے۔

بلاقہ خان نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، انہوں نے بڑھ کر الماری میں موجود تمام رقم اپنے قبضے میں کر لی۔ دائیں بائیں تلاشی کے دوران ایک چور دروازہ ان کی نگاہوں میں آ گیا جہاں سے وہ فرار ہو سکتے تھے۔ منصوبے کے مطابق وہ دونوں رقم سمیت کر چور دروازے سے خیموں میں لوٹ گئے۔ آدھ گھنٹے میں وہ دونوں اسی راستے وہاں واپس لوٹ آئے تھے۔ بلاقہ خان نے ایک دوسرے خنجر سے خود کو اور انہیں زخمی کر ڈالا اور شور مچانے لگا۔ شور وغل کی آواز پر دوسرے کمرے میں چلنے والی محفل رُک گئی اور کئی لوگ اس جانب بڑھ آئے۔ جب دوسرے لوگوں نے وہاں کا حال دیکھا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فوراً کوتوالی میں اطلاع کر دی۔ منگولوں پر حملے کی اطلاع پاتے ہی کوتوال قریباً بھاگتا ہوا وہاں پہنچا۔ کوتوال کو بلاقہ خان نے تمام تفصیل بتائی کہ کس طرح ابوداؤد نے اسے وہاں بلایا اور رقم دینے کے بہانے ان پر قاتلانہ حملہ کرایا۔ رقم سمیٹنے والا معاملہ وہ گول کر گیا تھا۔ کوتوال نے وہاں کی تلاشی لی، وہاں کسی رقم کا وجود نہیں تھا۔ دیگر لوگوں کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ چاروں اس کمرے میں جاتے دیکھے گئے۔ نقاب پوش کس جانب سے وہاں پہنچے اس بارے میں کسی کو علم نہیں۔ حالات وشہادت بلاقہ خان کے حق میں جا رہی تھی۔ بلاقہ خان کو تھوڑی بہت پوچھ گچھ کے بعد واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔ بلاقہ خان اپنی خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ بے گناہ بھی ثابت ہو گیا اور اپنی رقم کے ساتھ ساتھ وہ ابوداؤد کے اثاثے کا بھی مالک بن چکا تھا۔ ابوداؤد کو لالچ اور دھوکا دہی بے حد مہنگی پڑی تھی۔

❁ ❁ ❁

جس شخص نے سقم زدہ آنکھ والا غلام خریدا تھا وہ حماۃ کا رہنے والا تھا۔ تجارت اس کا پیشہ تھا۔ وہ بڑا صاف گو اور راست باز شخص تھا اس کا نام علاءالدین بندقداری تھا۔ وہ ان دنوں دمشق میں ریشم کی ڈوری والی کمانیں بیچنے آیا ہوا تھا۔ دمشق کے لوگوں میں وہ اتنا زیادہ معروف نہیں تھا۔ اس نے دو شادیاں کی تھیں مگر قدرت کو منظور نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ زندگی گذارے۔ ایک کے بعد ایک بیوی بخار میں مبتلا ہوئی اور اسے داغ مفارقت دے گئی۔ وہ گذشتہ تین سال سے تنہا زندگی گزار رہا تھا۔ بیویوں کے ساتھ ساتھ اسے اولاد جیسی نعمت بھی نصیب نہ ہو سکی۔ وہ اپنی حالت میں خوش رہنے والا انسان تھا۔ حالات سے سمجھوتا کر لینا اس کی فطرت بن چکا تھا۔ وہ نیلامی والے دن دوپہر کو وہاں پہنچا تھا۔ اس کا مقصد کوئی غلام وغیرہ خریدنا نہیں تھا کیونکہ وہ اتنا متمول نہیں تھا کہ مہنگے داموں غلام خرید پاتا۔ سارا دن وہیں بیت گیا۔ جب آنکھ کی خرابی سے اُس غلام کی نیلامی منسوخ ہو گئی تو وہ محض اس اشتیاق میں وہاں کھڑا رہ گیا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے؟ پھر جب شام ڈھلنے لگی اور اس غلام کو نیلام نہ کیا جا سکا تو اس کے دل میں اس کے لئے ہمدردی کا جذبہ عود کر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ نہ بک سکنے والے غلاموں کے ساتھ یہ بردہ فروش کیا سلوک کرتے ہیں؟ غیر انسانی مار پیٹ اور ایذائیں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ اس نے دل ہی میں دُعا کی کہ اگر ہو سکا تو وہ اس کے لئے کچھ کرے گا۔ پھر اس کی دعا قبولیت کی منازل پار کر گئی اور وہ خود

اس کا مالک بن گیا۔ وہ اسے لے کر اس سرائے میں چلا آیا تھا جہاں وہ اقامت پذیر تھا۔ تمام راہ اس نے اس لڑکے سے کوئی بات نہیں کی۔ سرائے میں پہنچ کر اس نے اسے ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ لڑکا آنکھ کے سقم کے باوجود بے حد خوش شکل تھا۔ اس کا سہما ہوا چہرہ بندقداری کا دل چیرتا چلا گیا۔ جانے کیوں آج اسے اولاد اتنی شدت سے یاد آنے لگی تھی۔ اس نے اپنے خیالوں کو جھٹکا اور اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''لڑکے! تم جانتے ہو نا کہ آج سے میں ہی تمہارا مالک ہوں''۔

لڑکے نے سہمے ہوئے انداز میں سر ہلایا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''محمود!'' ایک کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''اوہ! مسلمان ہو''۔

اس نے دوبارہ سر ہلا دیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو''۔

''یہاں سے بہت دور وادی قپچاق کا''۔

''عربی سمجھ لیتے ہو...... بول بھی سکتے ہو''۔

''تھوڑی بہت!''

''خوب!'' علاءالدین بندقداری مسکرایا۔ ''کھانا کھاؤ گے بلکہ یقیناً کھاؤ گے۔ میں بھی سارا دن تمہیں دیکھ رہا ہوں''۔

وہ لڑکا کچھ نہیں بولا۔ علاءالدین نے کھانا منگوایا اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر ایک ہی تھالی میں کھانا کھانے لگے۔ کھانے سے فرصت پا کر علاءالدین نے اسے سونے کے لئے ایک چٹائی دی۔ وہ چٹائی پر لیٹتے ہی خراٹے بھرنے لگا۔ علاءالدین اپنے بستر پر لیٹے چھت کو گھورتا رہا۔ نیند جیسے اس کی آنکھوں سے غائب ہو گئی تھی۔ اس کا ذہن مسلسل محمود کی جانب مرتکز تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالوں میں الجھا جانے کب نیند کی آغوش میں اُتر گیا۔ چند ہی دن بعد وہ دمشق میں اپنے کام وغیرہ نبٹا کر واپس حماۃ لوٹ گیا۔ محمود بھی اسی کے ہمراہ رہا۔ وقت گذرتا گیا محمود اپنے آقا بندقداری کے رویئے سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ غلاموں کے ساتھ بے حد بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے مگر بندقداری کے ساتھ رہتے ہوئے اسے پدرانہ شفقت نصیب ہوئی۔ وہ خصوصاً اس کا بڑا خیال رکھا کرتا تھا۔ دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدل گئے۔ محمود وقت کے ساتھ عمدہ انداز میں عربی بولنا سیکھ گیا بندقداری نے اسے معمولی سی تعلیم بھی دلائی۔ محمود اپنے آقا کے ہمراہ مختلف علاقوں میں تجارت کی غرض سے جاتا رہا۔ محمود خوش شکل ہونے کے ساتھ خوش مزاج اور خاصا ذہین بھی تھا۔ مختلف شہروں میں سفر کرنے کے دوران ایک خوبی جو اس میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ محمود کو دوسرے علاقوں کی زبانیں سیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا جلد ہی وہ عربی، مصری، حبشی اور ترکی زبان سیکھ گیا۔ وہ نہایت عمدگی کے ساتھ مختلف زبانوں میں اہل زبان کی طرح بات کر لیا کرتا۔ بندقداری محمود کی اس خوبی سے بڑا خوش ہوا۔ اس کی تجارت میں دن بدن اضافہ ہونے لگا۔ محمود اپنے آقا کی جگہ تاجروں سے مقامی زبان میں مہارت سے گفتگو کیا کرتا۔ ریشم کی ڈوریوں والی کمانیں، عمدہ قالین، گرم مصالحہ جات اور قیمتی کپڑوں کی تجارت میں بندقداری کو ایک نمایاں کامیابی حاصل ہو گئی۔

633ھ میں بندقداری کا تجارتی قافلہ شام کی سرحد کے قریب مصیاف نامی قلعے کے پاس سے گذر رہا تھا کہ قلعے کے باطنی فدائیوں نے اس پر حملہ کر دیا اور تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ قافلے کے چیدہ چیدہ افراد کو

چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ بندقداری اس حملے میں نہایت زخمی ہوگیا اور محمود بمشکل اسے ایک عربی گھوڑے پر ڈال کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ زخمی حالت میں اسے واپس حماۃ لایا گیا۔ محمود نے اس کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دو ماہ کے مسلسل علاج کے بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا۔ اس برے زمانے میں گھر میں موجود جمع سرمایہ خرچ ہوگیا۔ بندقداری کو محمود کی خدمت کا احساس نہایت شدت سے ہوا۔ حالات کی کروٹ نے بندقداری کو بلندی سے پستی میں لا پھینکا تھا۔ باطنی فدائیوں نے اس کا تمام اثاثہ لوٹ لیا تھا۔ مزید تجارت کے لئے اس کے پاس کچھ نہ بچا تھا اگر کوئی چیز پاس تھی تو وہ سابقہ ساکھ ہی تھی۔ بندقداری نے کئی امراء سے رابطہ قائم کیا مگر کچھ نہ بن پایا۔ امراء کو بندقداری کی صلاحیت پر تو بھروسہ تھا مگر وہ دوبارہ لٹ جاتا تو اپنی رقم کی واپسی ناگزیر دکھائی دیتی تھی۔ اس عرصے میں صرف ایک ہی شخص درد کی دوا بنا۔ اس کا نام علی بن الورقہ تھا۔ وہ حماۃ کا نہایت دولت مند امیر تھا۔ اس کے تعلقات جہاں تاجروں سے تھے، وہیں حکومتی عہدے دار بھی اس کا دم بھرتے تھے۔ یوں تو وہ طویل عرصے سے بندقداری کا دوست تھا مگر کبھی ایسی نوبت نہیں آئی کہ تعلقات مستحکم کیے جا سکتے۔ علی بن الورقہ دو سال قبل سے بندقداری کے زیادہ قریب ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ بندقداری نہیں محمود تھا۔ سفید فام محمود کو دیکھ کر اسے یہ خیال بری طرح ستاتا تھا کہ وہ بھی ایسے کسی سفید فام غلام کا مالک کیوں نہیں۔ اس کے علاوہ وہ اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر رشک کیا کرتا۔ اس کے دل میں یہ خواہش ایک عرصے سے پنپ رہی تھی کہ بندقداری محمود کو اس کے ہاتھوں بیچ دے مگر بندقداری محمود کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا۔

ایک دن علی بن الورقہ صبح سویرے بندقداری کے پاس چلا آیا۔ بندقداری نے نہایت خوش دلی سے اسے خوش آمدید کہا۔ دونوں نے نشستیں سنبھال لیں تو علی بن الورقہ نے محمود کے بارے میں پوچھا۔

''تمہارا غلام نہیں دکھائی دے رہا''۔

''وہ جامع مسجد گیا ہوا ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد اسے واپسی پر کھانے کے لئے کچھ اشیاء لانی تھیں''۔

''بندقداری!'' علی بن الورقہ توقف سے بولا۔ ''تم اب ماشاء اللہ تندرست ہو چکے ہو میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے کاروبار کی جانب توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم خاصے مقروض بھی ہو چکے ہو''۔

''بس یہ تقدیر کا ہیر پھیر ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اس بار روئی کی تجارت کروں سردی کا موسم آنے والا ہے۔ ان دنوں مصر میں روئی کی خاصی مقدار کھپ جاتی ہے''۔ بندقداری نے کہا۔

''مگر روئی تو خاصی مہنگی جا رہی ہے۔ تم ایسا کرو کہ اپنا سابقہ کام یعنی ریشم کی ڈوری والی کمانیں لے جاؤ۔ اس کام میں تمہیں تجربہ بھی ہے اور مجھے امید ہے کہ تم کامیاب بھی رہو گے''۔

''نہیں!'' بندقداری نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''یہ موسم ریشم کی ڈوری والی کمانوں کا نہیں ہے۔ ویسے میں صرف روئی ہی صحیح رہے گی''۔

''مگر تم روئی کے لئے رقم کہاں سے لاؤ گے۔ جب کہ تم پہلے ہی مقروض ہو''۔ علی بن الورقہ نے استفسار بھرے لہجے میں کہا۔

''تم فکر مت کرو! اللہ بڑا مہربان ہے۔ میں نے دو ایک تاجروں سے بات چیت کی ہے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے کچھ عرصے کے لئے مال ادھار دے دیں گے''۔ بندقداری نے جواب دیا۔

''بندقداری!'' علی بن الورقہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ میں بڑا صاف گو انسان ہوں۔ جو بات دل میں ہوتی ہے وہ کہہ دیا کرتا ہوں۔ یہ بھی تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں دینے

تو کسی کے کام نہیں آتا مگر جانے کیا بات ہے کہ میرا دل کہتا ہے تمہیں اس کڑے وقت میں سے کسی طرح نکال لوں''۔

''ابن الورقہ!'' بندقداری اس کی بات سن کر مسکرایا۔ ''میں تمہارے اس جذبے کی دلی طور پر قدر کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں۔ تمہاری حوصلہ افزائی ہی میرے لئے کافی ہے''۔

''تمہاری یہی عادت تو میرے دل کو تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔ تم ایسا کرو کہ مجھ سے کچھ رقم بطور قرض لے لو اور روئی نقد قیمت میں خرید لو۔ میرا خیال ہے کہ ادھار کی نسبت نقد خریداری میں تم فائدے میں رہو گے''۔ علی بن الورقہ نے پیشکش کی۔

''اس میں تمہارا کیا مفاد ہوگا؟''

''دیکھو! اب دل جلانے والی باتیں مت کرو۔ میں تمہیں یہ رقم بطور قرض دے رہا ہوں ناکہ کسی مفاد کے تحت''۔ علی بن الورقہ مصنوعی غصے سے بولا۔

''دیکھو ابن الورقہ!'' بندقداری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں پہلے ہی مقروض ہوں، تجارت میں قرض لے لینا کوئی بری بات نہیں ہے مگر دوست واحباب سے قرض لینا تعلقات کو ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ میں تمہارے نیک جذبات کی بے حد قدر کرتا ہوں مگر تم سے قرض لینے کے لئے معذرت خواہ ہوں''۔

''برادر!'' علی بن الورقہ تیزی سے بولا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں قرض سے اچھی بھلی دوستی تباہ ہو جاتی ہے مگر یہ صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب قرض دار قرض لوٹانے کی نیت ہی نہ رکھتا ہو۔ میں تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں''۔

''مگر میں دوستوں سے قرض نہیں لینا چاہتا''۔

''یہ اپنائیت والی باتیں نہیں ہیں بلکہ میرے خیال میں تم بے کار میں ضد پر تلے ہو''۔

علی بن الورقہ نے ایک پوٹلی اس کی جانب بڑھادی۔ بندقداری نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''تمہیں نئے سرے سے منظم کرنے کے لئے یہ ایک دوست کی جانب سے پانچ سو دینار سرخ کا چھوٹا سا قرض نما تحفہ ہے۔ تم ان کی مدد سے اس مقام کو واپس پا سکو گے جو تم حادثاتی طور پر کھو چکے ہو''۔ علی بن الورقہ کی آنکھوں میں خلوص اتر آیا۔

''مگر......مگر......!!!''

''اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گے''۔ علی بن الورقہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''تم جو چاہتے ہو......وہ میں نہیں چاہتا۔ پھر بھی تمہاری ضد ہے کہ میں تم سے قرض لوں تو یہ صرف ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم میرے اس کاروبار میں ساجھے دار بن جاؤ۔ نفع کی صورت میں مجھے جو کچھ ملے گا وہ تمہیں نصف لینا ہوگا''۔

''میں نے تمہیں اس نیت سے قرض نہیں دیا کہ میں نفع کی صورت میں اس میں سے حصہ لوں''۔

''یہ میرا آخری فیصلہ ہے دوسری صورت میں میں تم سے قرض لینے سے قاصر ہوں''۔ بندقداری اڑ گیا۔

علی بن الورقہ خاموش ہوگیا۔

''چلو ٹھیک ہے اگر تم ایسا چاہتے ہو تو ایسے ہی سہی''۔ علی بن الورقہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

ان دونوں میں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد علی بن الورقہ نے اجازت لی اور واپس

لوٹ گیا۔ بندقداری کو جانے کیوں نہیں یقین آرہا تھا کہ علی بن الورقہ نے یہ قرض اسے پرخلوص نیت سے ہی دیا ہے۔ اس نے اس ضمن میں مزید سوچنا نامناسب سمجھا اور اسی دن دمشق کے روئی کے تاجروں سے ملاقات کرکے خاصا مال جمع کرلیا۔ دو تین ہفتے تیاری میں گذر گئے۔ نصف مال کی قیمت ادا کی گئی تھی جبکہ نصف مال کے واجبات اس کے ذمے باقی تھے۔ پانچویں ہفتے اس نے رخت سفر باندھا۔ بندقداری کی امارت میں ایک چھوٹا سا قافلہ مصر کی جانب روانہ ہوگیا۔

1097ء میں بیزنطینی (قسطنطنیہ) شہنشاہ الیکسیس کومنیس کی درخواست پر پوپ اربن ثانی نے کلرموں (جنوبی فرانس) کے مقام پر شعلہ بیان خطبہ دیا جس کا موضوع مسلمانوں سے ارض مقدس کو چھڑانا تھا۔ موسم بہار تک ڈیڑھ لاکھ کے قریب مسیحوں نے اس خطبے کی تعمیل میں قدم اُٹھایا۔ انہوں نے صلیب کو اپنا نشان منتخب کیا جو کہ بعد میں ان کی پہچان بن گیا۔ ان کی تمام لڑائیوں کا سلسلہ صلیبی جنگوں سے معروف ہوا۔ انہوں نے قسطنطنیہ سے آبنائے کو عبور کیا اور نبقیہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد دوری لائم فتح کیا گیا۔ کوہستان طارس سے گذر کر یہ لوگ عرب علاقوں میں داخل ہوگئے، یہاں ان کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ ہر رہنما اپنی بات منوانے پر بضد تھا۔ ''لوتھار نجیا کے بالڈون'' نے ایک صلیبی گروہ کی قیادت سنبھالی اور صلیبیوں کو لے کر مشرقی جانب سے الرقحا کا قصد کیا۔ 1098ء میں یہاں قبضہ کرلیا گیا اور یوں پہلی لاطینی سلطنت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہی بالڈون آگے چل کر بہ لقب بالڈون اوّل یروشلم کا دوسرا بادشاہ بنا۔ صلیبیوں کا دوسرا گروہ ایک نارمن سپہ سالار ٹینکرڈ کی سرکردگی میں مغربی جانب سے مڑ کر سیلشیا میں داخل ہوگیا۔ وہ طرطوس اور گردونواح کے علاقے روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اسے انطاکیہ کے پاس ایک مسلمان سلجوقی امیر یاغی سیان کے سامنے ٹھہرنا پڑا۔ سلجوقی امیر کو مزید کمک نہ ملنے پر وہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر پایا اور اپنوں کی غداری سے یہ شہر صلیبیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہاں کی آبادی کو تہ تیغ کر دیا گیا اور شہر کو نذر آتش کر دیا گیا۔

صلیبی فوج کا ایک حصہ کاؤنٹ ریماں (سینٹ جلز ابی صنجیل) کی زیر قیادت وادی عاصی کے راستے آگے بڑھا۔ یہ صلیبی جنگجوؤں کا دولت مند اور ممتاز سالار تھا اس کا تعلق پرووینس (فرانس) سے تھا۔ اس نے جنوب کی سمت پیش قدمی کی اور معرۃ النعمان نامی شہر کو نذر آتش کر دیا۔ یہ ابو العلاء معری (متوفی 1057ء) کا وطن تھا جو کہ ایک مایہ ناز نابینا شاعر تھے۔ اس نے حصن الاکراد پر قبضہ کرلیا اور کچھ آگے چل کر ایک وسیع میدانی علاقے میں ایک نئی صلیبی آبادی قائم کی جو کہ دریائے عاصی کے کنارے واقع تھا۔ اس نئے شہر کا نام کریک دا شولیزر رکھا گیا۔ یہاں ایک مسیحی روایت کے تحت تاریخی گرجے الناصرہ کی تعمیر کی گئی جو بعد میں صلیبی جنگجوؤں کی قیام گاہ بن کر رہ گیا۔ عربوں میں یہ شہر الکرک کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں مضبوط صلیبی قلعے کی تعمیر کی گئی۔ بعد میں الناصرہ کو مقدس مسیحی ہستی سے منسوب کرکے اس کی قدر و منزلت مزید بڑھا دی گئی۔

ان صلیبیوں کی کارستانیاں بڑھتی چلی گئیں۔ الرہا (ایڈیسہ) انطاکیہ اور یروشلم کے بعد عکہ، صور طرابلس الشام اور بہت سے دوسرے شہر چھین لئے گئے۔ وہاں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا گیا۔ عباسی اور فاطمی خلافتیں موجود ہونے کے باوجود کچھ نہ کرسکیں۔ ان خلافتوں میں اب پہلے جیسا دم خم باقی نہ تھا۔ فلسطین، شام اور لبنان کے مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آن پڑا تھا، وہ کئی برسوں تک مسیحی وحشیانہ مظالم کی چکی میں پستے رہے۔ آخر غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ایک چھوٹے سے مسلمان حکمران کو ان کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ یہ مجاہد حلب اور موصل کا حکمران عماد الدین زنگی تھا۔ اس نے صلیبیوں کو پے در پے شکستیں دے کر بہت سے شہر اور علاقے واپس لے

لئے لیکن وہ اپنے مقصد کو جاری نہ رکھ سکا اور 541ھ (1146ء) کو ایک بد بخت غلام نے اس کا چراغ حیات گل کر دیا۔ قدرت کو اس مقصد کا خاتمہ منظور نہ تھا اس کی جگہ اس کا فرزند نور الدین زنگی منتخب ہوا، اور اس نے باپ کے کام کو جاری رکھا۔ صلیبی جہاں عماد الدین کی موت پر خوش تھے وہیں ان کی خوشیاں ایک بار پھر ماند پڑ گئیں۔ نور الدین زنگی کی شدید خواہش تھی کہ وہ بیت المقدس کو ان وحشی اقوام سے آزاد کروالے مگر وہ 569ھ (1173ء) کو یہ تمنا دل میں لئے دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کے مشن کو اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی نے جاری رکھا اور بیت المقدس صلیبیوں سے چھین لیا۔ نوے برس بعد یہ علاقہ مسلمانوں کے پاس واپس لوٹ آیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کے جانشین خانہ جنگی کا شکار ہوگئے۔ صلیبیوں کے حوصلے دوبارہ بلند ہوئے۔ 1195ء میں انہوں نے چوتھی صلیبی جنگ کا طبل بجا دیا۔ صلاح الدین ایوبی کے سب بیٹے ان دنوں آپس میں اقتدار کی جنگ میں مصروف تھے۔ یہ صلیبیوں کے لئے سنہرا موقعہ تھا انہوں نے بیروت کی طرف سے پیش قدمی کی۔ صلاح الدین ایوبی کے چچا ملک العادل والی الکرک کو حالات کی نزاکت کا بھرپور احساس تھا، اس نے تیزی سے پیش قدمی کی اور صلیبی افواج کو بیروت کے پاس روک دیا۔ دونوں لشکروں میں جنگی جھڑپیں جاری رہیں مگر وہ آگے بڑھنے سے معذور رہے۔ بالآخر انہوں نے مجبور ہو کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

601ھ (1203ء) میں پاپائے روم اینوسینٹ ثالث کی دعوت پر اہل یورپ نے پانچویں صلیبی جنگ کا ارادہ کیا۔ مگر وہ فلسطین میں داخل ہونے کے بجائے قسطنطنیہ میں گھس کر اپنی ہم مذہب بازنطینی مملکت کو تاخت و تاراج کر کے واپس لوٹ گئے۔

613ھ (1215ء) میں صلیبیوں نے چھٹی جنگ کے لئے تیاریاں شروع کیں اور مصر کے راستے مملکت اسلامی میں داخل ہوئے۔ ملک العادل ان دنوں شام میں تھا۔ صلیبی لشکر نے دمیاط کا محاصرہ کیا۔ ملک العادل نے بڑے لشکر کے ساتھ مصر کی راہ لی مگر راستے میں ہی اسے پیغام اجل آپہنچا اور وہ 7 جمادی الاوّل 615ھ (1218ء) میں عالم فانی سے عالم بقا کو سدھار گیا۔ اس کے مقصد جہاد کو اس کے فرزند ناصر الدین محمد ملک الکامل نے اپنے بھائی ملک المعظم کے ساتھ مل کر پورا کیا۔ انہوں نے صلیبیوں کو اس وقت گھیر لیا جب وہ دمیاط کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد قاہرہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ انہیں دریائے نیل کا بند توڑ کر گہرے پانی میں پھنسا دیا گیا۔ مجبوراً انہوں نے صلح کی درخواست کی اور یوں چھٹی صلیبی جنگ ختم ہوگئی۔ اس جنگ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ملک الکامل کی اپنے بھائی ملک المعظم سے ناچاقی پیدا ہوگئی۔ اس موقع پر ملک الکامل نے بڑی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور فریڈرک ثانی حکمران جرمنی و صقلیہ سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کا مقصد فریڈرک کو شام میں آنے کی دعوت دینا تھی۔

فریڈرک 629ھ (1231ء) کو شام پہنچا۔ ملک الکامل نے اس سے ملک المعظم کے خلاف تحفظ طلب کیا اور ایک معاہدہ تیار کیا گیا جس میں دس سال چھ ماہ اور دس دن کی حکومت کے لئے اس شرط پر دوستانہ معاہدہ کیا گیا کہ بیت المقدس، بیت اللحم اور ناصرہ کے علاوہ یافا اور عکہ کے درمیان جتنے شہر ہیں سب اس کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس ناپاک معاہدے نے صلیبیوں کی دیرینہ خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جس ارض مقدس کی خاطر ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے، فریڈرک ثانی خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس میں داخل ہوگیا تھا۔ اس عظیم سانحہ سے عالم اسلام میں قیامت برپا ہوگئی۔ رنج و غم کے ماتمی جلوس نکالے گئے۔ مسجدوں میں اذانیں موقوف کر دی گئیں۔ مسلمان شاہ یروشلم فریڈرک ثانی کے ظلم و ستم کی چکی میں مسلسل

پس رہے تھے۔ صلیبی ایک ایک کر کے کئی شہروں کو نگل گئے۔ معاہدے کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی گئیں۔

ارض مقدس کے جنوب میں الکرک نامی قلعہ واقع تھا۔ مصر سے حجاز اور دمشق جانے والے راستے اسی مقام کے قریب تھے۔ یہ ایک مستحکم قلعہ تھا۔ یہاں بدخصلت صلیبی قابض تھے جن کا پیشہ مسلم آزاری، قتل و غارت اور قافلوں کو لوٹنا تھا۔ حجاج کا کوئی قافلہ جونہی ادھر سے گذرتا تو شریر النفس صلیبی ان پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے اور ان کے مال و اسباب لوٹ لیتے۔ حجاج کو قتل کرنا دینی فریضہ خیال کیا جاتا تھا۔

634ھ (1237ء) میں حماۃ کے تاجر بندقداری کا قافلہ مصر سے واپس لوٹ رہا تھا۔ بندقداری نے خلاف توقع زیادہ نفع کمایا۔ وہ بے حد مسرور لوٹ رہا تھا۔ اس نے اپنے نفع کو دوچند کرنے کے لئے قاہرہ سے بھاری مقدار میں شکر خریدی۔ وہ دمشق اور حماۃ میں شکر کی مانگ سے باخبر تھا۔ یہ کوئی پہلی بار نہیں تھی کہ اسے کسی نئے تجربے سے گذرنا پڑتا۔ وہ ہمیشہ قاہرہ سے شکر ہی خریدتا تھا۔ وہ اس خیال سے محظوظ ہو رہا تھا کہ قدرت نے اسے جس مقام سے زمین پر لا کھڑا کیا تھا وہ اب اس سے دور نہیں ہے۔ وہ جب حماۃ پہنچے گا تو مال و متاع کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طبقات میں اسے پہلے سا مقام دوبارہ مل جائے گا۔ مگر یہ قدرت کو منظور نہیں تھا۔ الکرک کے پاس پہنچتے ہی قلعے کے صلیبیوں نے اس کے قافلے پر بلہ بول دیا۔ وہ اس ناگہانی آفت کے لئے ذرہ بھی تیار نہیں تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے قبل کبھی اس کے قافلے پر اس مقام پر کوئی حملہ ہوا ہو۔ البتہ ریگستانی علاقوں میں لٹیروں کے حملوں سے وہ اچھی طرح آگاہ تھا۔ صلیبی لوگوں نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے قافلے کو تہ و تیغ کر ڈالا۔ محمود بھی اس کے ہمراہ تھا۔ اس کی عمر اس وقت صرف چودہ برس تھی۔ اس نے اپنے آقا پر ٹوٹنے والے پہاڑ کی نزاکت کو سمجھ لیا تھا اسی لئے اس نے اپنے آقا کے عربی گھوڑے پر چھلانگ لگا کر اس کی باگیں اپنے ہاتھوں میں تھام لیں۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ان وحشی لٹیروں کی گرفت سے نکل کھڑا ہوا۔ صلیبی کسی بھی شخص کو وہاں سے زندہ بچ نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ بندقداری کے تو ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس موقعہ پر کیا کرے۔ ایک طرف تو اس کی ساری محنت لٹ گئی تھی تو دوسری طرف اس کی جان جانے کا خوف بھی لاحق تھا۔ ایسے میں محمود کی ہوش مندی اس کے کام آئی۔ وہ دونوں صلیبیوں کی تیروں کے بارش میں سے بچتے بچاتے اس منحوس مقام سے نکل آئے۔ بندقداری کو دو تیر دائیں ران میں لگے وہ زخمی حالت میں وہاں سے نکل آیا۔ صلیبیوں نے جب شکر کے ذخیرے دیکھے تو انہوں نے ان دونوں کا تعاقب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ محمود اپنے حواس باختہ، زخمی اور مایوس آقا کو لے کر کسی نہ کسی طریقے سے دمشق آ پہنچا۔ سلطان دمشق اسمٰعیل ایوبی کے دربار کا در کھٹکھٹایا گیا مگر وہ اندرونی ریشہ دوانیوں کا شکار تھا۔ فریاد رسی نہ ہونے پر وہ دونوں مایوسی کے عالم میں حماۃ واپس لوٹ آئے۔ اس جان گسل واقعہ نے بندقداری کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ محمود کو اپنے آقا کی تکلیف کا شدید احساس تھا مگر وہ اپنے مالک کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کی دلجوئی کرتا رہا، ہمت بندھاتا رہا......

مگر بندقداری میں پہلے جیسا جذبہ جگانے میں ناکام رہا۔ وہ حماۃ میں آ کر گھر بندی بن کر رہ گیا تھا۔ شرم کے مارے وہ باہر بھی نہیں نکلتا تھا کہ مقامی تاجر قرض کے لئے اس کی بے عزتی ہی نا کر ڈالیں۔ شریف آدمی کے پاس صرف ایک عزت ہی تو ہوتی ہے اگر وہ بھی داؤ پر لگ جائے تو وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ بندقداری کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ محمود بھی اپنے آقا کی اس حالت پر غمگین دیدہ تھا۔ محمود سارا دن مقامی منڈیوں میں محنت مشقت کرتا اور اپنے آقا کے لئے دو وقت کی روٹی اور دوا کا بندوبست کرتا۔

بندقداری کی واپسی کی خبر کسی نہ کسی طرح علی بن الورقہ تک پہنچ گئی۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ بندقداری واپس لوٹ آیا ہے مگر اپنی آمد سے اسے مطلع کرنا گوارا نہیں سمجھا۔ اسی شام وہ اطلاع کی صداقت

پرکھنے کے لئے بندقداری کے گھر پہنچا۔ جب اس نے بندقداری کی خستہ حالت دیکھی تو ایک لمحے کے لئے اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ بندقداری اسے دیکھتے ہی آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا۔ علی بن الورقہ نے اس کی ڈھارس بندھائی اور ماجرا پوچھا۔ بندقداری نے سسکیوں میں قدرت کے مذاق کا حال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ الکرک کے قلعے کے باہر جو کچھ اس کے ساتھ بیتا، وہ سن کر ایک لمحے کے لئے علی بن الورقہ بھی دہل کر رہ گیا۔ اسی دوران محمود بھی دن بھر کی مشقت سے لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی سلام و دعا کی اور پھر اپنے آقا کو اُٹھا کر اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اسے بستر پر بٹھا کر اس نے پہلے کھانا کھلایا جو وہ بازار سے لایا تھا۔ بعد ازاں اس نے دوا پلائی اور تکیہ جھاڑ کر اپنے آقا کو واپس لٹا دیا۔ علی بن الورقہ یہ خدمت دیکھ کر خاصا متاثر ہوا۔ بندقداری کی نقاہت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ ٹانگ کا زخم بھرنے کے بجائے بگڑ چکا تھا۔ طبیب نے بھی اسے دیکھنے کے بعد دعا کا مشورہ دیا تھا۔ بندقداری موت کی دہلیز تک پہنچ چکا تھا۔ علی بن الورقہ نے باتوں سے اس کی ڈھارس بندھائی اور اگلی صبح آنے کا کہہ کر رخصت ہو گیا۔ دو دن گذر گئے مگر کوئی بندقداری کے پاس نہ آیا۔ محمود اپنے آقا کی خدمت میں پوری تندہی سے جتا رہا۔ تیسرے دن علی بن الورقہ اچانک صبح ہی سویرے آن وارد ہوا۔ اس دن بندقداری کی طبیعت زیادہ خراب تھی۔ بندقداری کو اس کے آنے سے کچھ سکون سا نصیب ہوا۔ علی بن الورقہ نے پہلے حال احوال پوچھا بعد میں آنے کے مقصد کی جانب متوجہ ہوا۔

''بندقداری!'' علی بن الورقہ مسکین صورت بنا کر بولا۔ ''بات موقع مناسبت سے ہی بجتی ہے مگر کیا کروں؟ مجبوری ہے بات بے وقت چھیڑنا پڑ رہی ہے''۔

''ابن الورقہ!'' بندقداری نے ایک لمحہ اس کی جانب حیرت سے دیکھا پھر گویا ہوا۔

''کھل کر بولو۔ میں تمہاری بات سمجھا نہیں''۔

''بندقداری!'' علی بن الورقہ لفظوں کو ترتیب دینے لگا۔ ''زندگی اور موت تو بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے، میں چاہوں گا کہ اللہ تمہیں شفا کاملہ نصیب فرمائے مگر تمہاری حالت دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تم اب چند دنوں کے ہی مہمان ہو لہٰذا میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ تم مقروض ہو کر دربار الٰہی میں جاؤ۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم جلد از جلد میرا قرض چکا دو''۔

''ابن الورقہ!'' بندقداری لیٹے لیٹے مرغ بسمل کی طرح تڑپ اُٹھا۔ ''یہ کیسی اغیاری باتیں کر رہے ہو؟ میری حالت تمہارے سامنے ہے ایسی حالت میں میں تمہیں ایک کھوٹی پائی بھی نہیں دے سکتا اور تم مجھ سے اپنے پانچ سو دینار طلب کر رہے ہو......تم کیسے دوست ہو؟ کیسے مہربان ہو؟''

محمود جو ابھی نماز کی ادائیگی سے واپس آیا تھا اس کے کانوں میں بھی علی بن الورقہ کی بات کی بھنک پڑ گئی تھی۔ وہ بھی حیرت و پریشانی میں اندر چلا آیا۔

''امیر محترم!'' محمود خاموش نہ رہ سکا۔ ''آپ میرے آقا کی زبوں حالی سے بخوبی واقف ہیں پھر آپ اصرار کر رہے ہیں......''

''دیکھو لڑکے!'' علی بن الورقہ کا لہجہ یکدم بگڑ سا گیا۔ ''تم محض ایک غلام ہو، تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم ہماری بات میں دخل اندازی کرو''۔

''محمود! تم چپ رہو''۔ بندقداری نحیف سی آواز میں بولا۔ ''ابن الورقہ اب تم ہی بتاؤ کہ میں تمہارا قرض کس طرح ادا کر سکتا ہوں۔ میرے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا''۔

''اس مکان کو فروخت کر ڈالو''۔

''تم صحیح کہتے ہو کہ اپنے سر چھپانے کی جگہ فروخت کر کے خود در بدر دھکے کھاؤں۔ میں تمہاری اس بات کو یقیناً پورا کر دیتا مگر میں مجبور ہوں کیونکہ یہ گھر میں نے روئی کے سوداگروں کے ہاں پہلے ہی رہن رکھ دیا تھا جب میں نے ان سے مال اُٹھایا تھا۔ اس معاہدے کی دستاویز ان لوگوں کے پاس موجود ہے۔ میں یہ مکان کسی صورت میں بھی بیچ نہیں سکتا''۔

''کیا تم یہ چاہتے ہو؟ میں تمہیں اس بُری حالت میں قاضی کے پاس کھینچوں۔ میں اسی وقت اپنے قرض کی بازیابی چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم مرتے ہو یا زندہ بچتے ہو''۔ علی بن الورقہ غصیلے انداز میں بولا۔ وہ کمینگی کی تمام حدیں پار کرتا جا رہا تھا۔ بندقداری کے لئے یہ مقام ڈوب مرنے کے مترادف تھا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اس سے رقم پکڑی تھی۔

''دیکھو ابن الورقہ!'' بندقداری سنجیدگی سے بولا۔ ''تم میرے کاروبار میں میرے حصے دار تھے اگر نفع ہوتا تو تم برابر کے حصہ کے مالک بنتے۔ اب نقصان ہو چکا ہے لہٰذا اصول کے تحت تمہیں بھی نقصان کا ساجھے دار بننا چاہئے۔ اگر یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی خوف نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ فیصلہ میرے حق میں ہوگا''۔ بندقداری اب منت سماجت نہیں کرنا چاہتا تھا

''بندقداری! یہ تو صریحاً بے ایمانی ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمہارے کاروبار میں حصہ دار ہوں۔ میں نے تو تمہیں رقم بطور قرض دی تھی۔ اگر تم قاضی کی بات کرتے ہو تو تم ہی جھوٹے پڑ جاؤ گے کیونکہ کاروبار زبانی نہیں ہوا کرتے ان کے لئے باقاعدہ تحریریں لکھی جاتی ہیں۔ کیا تمہارے پاس ایسی کوئی تحریر موجود ہے''۔

بندقداری اس کی بات سے مزید پریشان ہو گیا۔ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ اُس کی دلیل میں وزن تھا۔ زبانی کاروبار کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اگر وہ ضد بھی کرتا تو معاملہ قرآن پر چھوڑ دیا جاتا...... قرآن ..... یہ خیال آتے ہی وہ لرز اُٹھا۔ وہ اپنے کاروبار میں کبھی کتاب اللہ کو نہیں لایا تھا۔ مرنے سے پہلے وہ ایسی کوئی حرکت کرنا نہیں چاہتا تھا جس سے روزِ محشر اس کا دامن داغ دار ہو جاتا۔ وہ اپنے خیالوں کی بھول بھلیوں میں گم تھا کہ اسے علی بن الورقہ کی آواز نے چونکا دیا۔

''جلدی جلدی کرو بندقداری! مجھے اور بھی کام نبٹانا ہیں۔ میں آج یہاں سے قرض لے کر ہی جاؤں گا''۔

''اب تم خود ہی بتا ڈالو کہ تمہاری نظر میں میری کونسی چیز ایسی ہے جس کے عوض میں تمہارے قرض سے نجات پا سکوں گا''۔

بندقداری روہانسا ہو کر بولا۔

''بہت خوب!'' علی بن الورقہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''اب یہ بھی میں طے کروں کہ تم میرا قرض کیسے لوٹاؤ گے۔ میں کچھ نہیں جانتا سیدھی طرح میری رقم لوٹا دو......''

''امیر محترم!'' محمود سے چپ نہ رہا جا سکا۔ ''آپ خوف خدا کھائیں، میرے آقا اس حالت میں نہیں ہیں کہ وہ آپ کا قرض اسی وقت لوٹا سکیں۔ انہیں کچھ مہلت دیں...... اللہ نے چاہا کوئی نہ کوئی سلسلہ بن ہی جائے

''غلام! تم حد سے مت بڑھو۔ تمہارا آقا میرا قرض دار ہے اور یہ اس وقت موت کے بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ کسی بھی وقت اس کا دم نکل جائے گا تو پھر میری رقم کا کون ذمہ دار ہوگا؟''

علی بن الورقہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''محترم امیر!'' محمود توقف سے بولا۔ ''اللہ میرے آقا کو شفاء بخشے گا۔ خدانخواستہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں آپ کی رقم لوٹانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ جیسے بھی ہوا، میں آپ کی ایک ایک پائی لوٹا دوں گا''۔

''غلام زادے!'' علی بن الورقہ آنکھیں گھما کر بولا۔ ''تم دن بھر کی مشقت کے بعد صرف چند درہم کما سکو گے، میری رقم پانچ سو دینار سرخ ہیں۔ اگر تم چاہو بھی تو میری رقم لوٹانے کے لئے تمہیں کئی برس بیت جائیں گے''۔

''امیر محترم!'' محمود ٹھوس لہجے میں گویا ہوا۔

''آپ پانچ سو دینار کی بات کرتے ہیں اگر انسان ہمت اور مدد الٰہی کو اپنے دامن سے باندھ لے تو وہ دیناروں کے پہاڑ کو بھی ہلا دیتا ہے

''زیادہ باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زیادہ بہتر ہوگا کہ تم میرے منہ نہ لگو''۔ علی بن الورقہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ محمود خاموش ہو گیا۔ اس کی باتوں نے بندقداری کی ڈھارس بندھا دی تھی۔ وہ واقعی آج اسے اپنے سگے بیٹے کی مانند دکھائی دیا تھا۔ وہ اپنی حالت زار کو دیکھ کر رو دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے کڑے وقت میں ایسے ہونہار غلام نما فرزند سے نوازا جب وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں تو اس کے ذمے قرض کی ادائیگی کی صورت میں نہ جانے اسے ابھی کتنے دھکے کھانا پڑیں گے۔

''ابن الورقہ!'' بندقداری اپنے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ ''کیا تمہارے دل میں رتی بھر بھی خوف خدا نہیں۔ تم کیسے خود غرض اور دولت کے پجاری بن گئے ہو کہ تمہیں ایک بیمار اور معذور شخص کی مجبوری دکھائی نہیں دے رہی''۔

''بندقداری!'' علی بن الورقہ منہ بسور کر بولا۔ ''سیدھی طرح میری رقم نکالو۔ مجھے نصیحت کرنے یا میرے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے قرض نہیں دیا تھا کہ تم آنے والے وقت میں مجھے طعنے دو۔ جہاں تک رہا خوف خدا...... تو میں نے قرض تمہیں اسی جذبے کے تحت دیا تھا''۔

''تو اب وہ جذبہ کہاں گیا ہے''۔

''بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ میں تمہیں... '' علی بن الورقہ دانت پیس کر رہ گیا۔

''ورنہ کیا......؟''

''ایک تو میری رقم واپس نہیں کر رہے اوپر سے باتیں بناتے ہو''۔ علی بن الورقہ چیخا۔

''امیر محترم!'' محمود کے لہجے میں کڑواہٹ ابھر آئی۔ ''انسانیت کا راستہ اختیار کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ براہ کرم آپ میرے آقا کو پریشان کرنے کے بجائے انہیں کچھ مہلت عطا فرمائیں کہ وہ آپ کے قرض کے بارے میں کچھ کر سکیں''۔

''اونہہ! کچھ کر سکیں!'' علی بن الورقہ کی آواز میں خنجر کی سی کاٹ تھی۔ ''بھلا یہ لنگڑا کیا انتظام کرے گا۔ بچ جائے گا تو ساری زندگی بستر پر معذور پڑا رہے گا۔ میں کس کے بھروسے پر اسے مہلت دوں''۔

''آپ حد سے گذر رہے ہیں!'' محمود کی آواز فرط جوش سے کانپ رہی تھی۔

''نہیں نہیں محمود! تم خاموش رہو''۔ بندقداری کراہتے ہوئے بولا۔ ''ابن الورقہ اتنے کٹھور مت بنو۔ کچھ تو عقل سے کام لو''۔

''اور کیا اب تک میں جھک مارتا دکھائی دے رہا ہوں۔ عقل ہی سے کام لے رہا ہوں تو ہی اسی وقت

قرض کی واپسی چاہتا ہوں''۔

''میں کیا کروں؟ خود کو بیچ ڈالوں''۔ بندقداری جھنجھلا اُٹھا۔

''تم ایسا کرو کہ......'' علی بن الورقہ کچھ سوچنے لگا پھر توقف سے بولا۔ ''تم اپنا یہ غلام مجھے بیچ ڈالو۔ حالانکہ یہ پانچ سو دینار سرخ کا نہیں ہے مگر میں اسے غنیمت سمجھوں گا''۔

''علی بن الورقہ!'' بندقداری خود پر قابو نہ رکھ پایا اور غصے سے بستر پر سے اُٹھا۔ محمود تیزی سے آگے بڑھا اور اپنے بپھرے ہوئے آقا کو تھاما۔ اگر وہ بروقت نہ پہنچتا تو بندقداری فرط جوش میں زمین پر جا گرتا۔

''تم مجھ سے میرا آخری سہارا ابھی چھیننا چاہتے ہو۔ یہ میرا غلام نہیں بیٹا ہے۔ میرے آخری لمحوں کی امید ہے۔ اسی کے بل بوتے پر میں شاید کچھ دن زندہ رہ جاؤں...... یا شاید دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جاؤں''۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ قرض لوٹانے کے لئے تمہارے پاس یہی آخری پونجی بچی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اسے بھی کوئی دوسرا لے اُڑے۔ آج تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ تم قرض کی حالت میں مرنا پسند کرو گے یا پھر اپنا قرض ادا کر کے''۔ علی بن الورقہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''کچھ تو میری حالت پر رحم کھاؤ...... کم از کم اسے اتنے عرصے تک تو نہ لے جاؤ جب تک میں زندہ ہوں میری موت کے بعد بے شک اسے تم قرض کی ادائیگی سمجھ کر رکھ لینا''۔

''بندقداری! میں کسی طرح کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ میں آج ہی قرض کی ادائیگی چاہتا ہوں۔ بھلا کل کس نے دیکھی ہے؟''

''معزز آقا!'' محمود کی آنکھیں بھی تر بتر ہو رہی تھیں۔ ''آپ فکر نہ کریں۔ جس اللہ نے آپ کو اس حال تک پہنچایا ہے وہی اس کا تریاق عطا کرے گا۔ آپ بس اس کے گھر سے پرامید رہئے۔ اگر میری صورت میں آپ کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے تو خدارا اس موقعہ کو مت گنوایئے''۔

''تم شاید ٹھیک کہتے ہو میرے فرزند!''

بندقداری کا چہرہ الم و رنج کی تصویر بن گیا تھا۔ ''مجھے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ انسانوں کے سامنے گڑگڑانے سے کچھ حاصل نہیں۔ ٹھیک ہے ابن الورقہ! تم لے جاؤ میرے فرزند کو۔ آج سے یہ تمہارا ہوا۔ یاد رکھنا کہ میں اب تمہارا مقروض نہیں رہا۔ اللہ اس بات کا گواہ ہے''۔

''ہاں ہاں! ٹکے کا غلام دے کر کہہ رہے ہو کہ میں تمہارا مقروض نہیں رہا۔ یہ تو میری مہربانی ہے کہ تم سے اتنے مہنگے داموں اپنی مجبوری خرید رہا ہوں۔ ہاں یہ بات یاد رکھنا کہ جب بھی تمہارے پاس میری رقم پوری ہو جائے تو مہربانی کر کے اپنے اس غلام کو لے کر رقم مع سود لوٹا دینا''۔

''میرے فرزند!'' بندقداری محمود کی جانب متوجہ ہوا۔ ''تم سچے مسلمان ہو، یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں مگر میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا کہ غلام کو ہر حال میں اپنے مالک کا تابعدار رہنا چاہئے۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ غلام یا بیوی اگر اپنے مالک سے دھوکا کرے یا اسے نقصان پہنچائے یا فرار ہو جائے تو اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ آج سے میں تمہارا آقا نہیں ہوں بلکہ یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے''۔

محمود کی جھکی گردن میں خفیف سی جنبش ہوئی۔ اس نے اپنا چہرہ اوپر نہیں اُٹھایا کیونکہ وہ اپنے آقا کی آنکھوں میں بے بسی اور لاچاری کے ڈبڈبتے بادل نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ منتظر رہا کہ کب اس کا نیا آقا اسے ساتھ

چلنے کا حکم سنائے۔ بندقداری نے علی بن الورقہ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے، اس کے کندھوں پر پڑے بھاری بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے مگر وہ اپنی نخوت میں اتنا محو تھا کہ اس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں کی۔ وہ چلتے ہوئے خدا حافظ تک کہنے کا روادار نہ ہوا۔ محمود سر جھکائے نہایت خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ آخری بار مڑ کر اپنے آقا کی صورت دیکھ لے جو اسے دوبارہ شاید ہی نظر آپاتی۔ مگر وہ اپنے اندر اتنی سکت مجتمع نہ کر پایا۔ وہ بے بس اور نڈھال آنکھیں اس کے ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی تھیں۔

❀ ❀ ❀

محمود کو علی الورقہ کے گھر آئے دس بارہ دن گذر چکے تھے۔ اسے بندقداری کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ کس حال میں ہوگا؟ مگر وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ محمود کا نیا آقا حماۃ کے شاہی دربار میں معزز عہدے دار بھی تھا۔ اس کے اثر ورسوخ کا دائرہ بڑی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ علی بن الورقہ نے بندقداری کو قرض صرف اسی نیت سے دیا تھا کہ وہ اس سے سفید فام کرنجی آنکھوں والا غلام ہتھیانا چاہتا تھا۔ اسے توقع تھی کہ بندقداری ایک طویل عرصہ تک اس کی رقم نہیں لوٹا سکے گا۔ یہ تو تقدیر کی ستم ظریفی تھی کہ اسے خود ہی ایسا موقع میسر آ گیا۔ ورنہ بندقداری تو اس کی رقم کا انتظام کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ محمود کو علی بن الورقہ کی غلامی میں جانا تھا اسی لئے قدرت نے الکرک کے مقام پر بندقداری کو دوسری بار مفلس وقلاش بنا ڈالا۔ محمود نے ان دس دنوں میں چوری چھپے اپنی محنت ومشقت جاری رکھی وہ دن کے مختلف اوقات میں موقع پا کر نکل جاتا اور جو بھی مزدوری ملتی کر لیتا۔ اس کے پاس چند دنوں میں دو سو درہم کے قریب رقم جمع ہو گئی۔ ایک منجھے ہوئے تاجر کا تجربہ اس کے پاس تھا، کبھی کبھار وہ اس کے بڑے کام آتا۔ ایک دوکان سے مال لے کر وہ دوسری دوکان پر بیچ کر اپنا نفع حاصل کر لیتا۔ علی بن الورقہ کو بھی محمود کی حرکتوں کی سن گن مل رہی تھی مگر وہ اسے حاسد امراء کی سازش سمجھ کر نظر انداز کر دیتا تھا۔

علی بن الورقہ سارا سارا دن دربار شاہی میں گذار دیا کرتا۔ اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو چکی تھی وہ بھی ایک سفید فام غلام کا مالک بن چکا تھا۔ حماۃ میں علی بن الورقہ دوسرا شخص تھا جس کے پاس ان دنوں سفید فام غلام تھا۔ بیس دن کے بعد محمود کو اپنے سابق آقا علاء الدین بندقداری کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ دیوانہ سا ہو گیا۔ اس نے علی بن الورقہ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے آقا کا آخری دفعہ چہرہ دیکھنا چاہتا ہے مگر سنگ دل علی بن الورقہ نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھا کئی گھنٹے زار وقطار روتا رہا۔ علی بن الورقہ کی بیوی ام داجلہ کو اس پر رحم آ گیا اور اس نے شوہر کی غیر موجودگی میں اسے اجازت دے دی کہ وہ آخری رسومات میں شرکت کر لے۔ محمود نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور فوراً وہاں سے بندقداری کے مکان پر چلا آیا۔ بندقداری کی میت جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ ناگ کا زہر پورے جسم میں پھیل چکا تھا۔ لاش سے تعفن پھوٹ رہا تھا۔ کسی کو اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر اس کی تدفین کا انتظام کر دیتا۔ محمود نے ان کمائے ہوئے درہموں سے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا اور اپنے سابق آقا کو ہمیشہ کے لئے لحد میں اتار دیا۔ وہ جب وہاں سے لوٹا تو تھکن سے چور تھا۔ گھر لوٹنے پر اس کا واسطہ علی بن الورقہ سے پڑا۔ استفسار پر جب اس نے حقیقت بیان کر دی تو اسے ایک ایسی سزا کا مزہ چکھنا پڑا کہ اس کی ہڈیاں تک جھنجھنا اُٹھیں۔ اسی دن سے محمود کا گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا گیا۔ علی بن الورقہ کا ہاتھ کھل گیا تھا اس کا جب دل چاہتا وہ محمود کو اس بری طرح پیٹتا کہ کئی کئی دن محمود چلنے پھرنے سے معذور رہتا۔

وقت کا پہیہ آہستہ آہستہ گھومتا چلا گیا۔ 635ھ کے وسط میں علی بن الورقہ کو اپنے ننھے فرزند احمد کے لئے

اتالیق کی ضرورت پیش آئی تو یہ ذمہ داری محمود کے سر ڈال دی گئی۔ اس دور میں غلاموں سے تعلیم و تربیت کا کام لینا کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اسے ان کی بڑی ذمہ داری قرار دیا جاتا تھا۔ محمود بالکل ان پڑھ بھی نہیں تھا۔ تعلیمات اسلامی کے زیور سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسے لکھنے کا فن بھی بخوبی آتا تھا۔ اس میں جو خوبی سب سے ممتاز تھی وہ دوسری زبانوں سے آگاہی تھی۔ وہ بڑی روانی اور اہل زبان کے انداز میں بولا کرتا تھا۔ یہ خوبیاں اسے سابق آقا بندقداری کی عطا کردہ تھیں۔ اتالیق بننے کی صلاحیت سے وہ ابھی بہت دور تھا۔ علی بن الورقہ اسے جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا؟ اس کے خیال میں محمود سے بہتر کوئی دوسرا شخص احمد کو ابتدائی تعلیم و تربیت نہیں دے سکتا۔ احمد ایک کند ذہن اور کھیل تماشوں کا شوقین بچہ تھا۔ اسے سنبھالنا کافی محنت طلب کام تھا۔ محمود کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ بچہ اس کے بس کا روگ نہیں۔ اس نے اپنے آقا سے اس ضمن میں بات چیت کرنا چاہی مگر علی بن الورقہ نے دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا۔ جس پر محمود مجبور سا ہو گیا۔ اس نے اللہ کا نام لے کر اسے ابتدائی اور اخلاقی تعلیم کا آغاز کر دیا۔ احمد کے پاس روزانہ لاکھ بہانے ہوتے۔ وہ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کر دیا کرتا۔ محمود نے بڑے پیار محبت سے اسے سنوارنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ احمد کبھی کبھار تو اس کی باتیں آسانی سے سمجھ جاتا اور کبھی کبھار بے حد تنگ کیا کرتا۔ محمود کو جہاں احمد کی تعلیم کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہیں گھر کے کام کاج اور امراء کے پاس آنے جانے کی خدمت بھی کرنا پڑتی۔ محمود میں یہ عادت آہستہ آہستہ پختہ ہو چکی تھی کہ وہ کام کو ہر حال میں پورا کیا کرتا۔ چاہے کام کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ وقت نے اسے ننھی سی عمر میں مصیبتوں اور آزمائشوں سے دوچار کر دیا تھا۔ سال و ماہ گذرتے جا رہے تھے اور محمود جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ایک باعمل اور پرعزم شخصیت کا مالک بنتا جا رہا تھا۔ اس کی کرنجی آنکھوں کا سقم اس کی خوش کلامی اور مزاح کے پردوں میں چھپ چکا تھا۔ دشت قپچاق کی یادیں ہی اس کا کل سرمایہ حیات تھیں جنہیں وہ کبھی بھی فراموش نہیں کر پایا۔ اس کی ننھی آنکھوں نے سلطنت خوارزم کی تباہی دیکھی تھی۔ مسلمانان اسلام کی کئی پھٹی لاشیں اور ان کی کھوپڑیوں کے مینار اس کے ذہن میں آج بھی محفوظ تھے۔ اسے وحشی تاتاریوں سے سخت نفرت تھی جنہوں نے اسے گھربار سے اکھاڑ کر غلام بنا ڈالا۔ اس کی ماں اور بہنوں کو روند ڈالا۔ اس کے ننھے ساتھیوں کو غلامی کا طوق پہنا کر وطن سے دور نہ جانے کہاں کہاں پہنچا دیا۔ مسلمانوں میں رہ کر وہ خاصا اذیت کا شکار بھی تھا کیونکہ مسلمانوں میں شعائر اسلام اور کتاب اللہ کے احکامات سے کھلا انحراف عیاں تھا۔ اس کا خاندان نومسلم کہلاتا تھا۔ اس کے دادا نے بلخ اور ثمرقندی مسلمان تاجروں کی تبلیغی مساعی کی بدولت اسلام قبول کیا۔ اس کے باپ تجحق نے سلطنت خوارزم میں پرورش پائی اور شعائر اسلامی کی بجا آوری میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے شاہ علاؤالدین خوارزم نے اپنے دربار میں ایک معزز رتبے سے نوازا۔ محمود کے خاندان میں اطمینان اور مالی خوشحالی کی فضا پروان چڑھنے لگی مگر کچھ حاسد درباریوں نے تجحق کے خلاف شاہ علاؤالدین کے کان ایسے بھرے کہ وہ اپنی مدافعت میں کچھ بھی نہیں کر پایا اور اسے عتاب شاہی کو جھیلنا پڑا۔ وہ پابند سلاسل ہوا اور زنداں خانے میں دھکیل دیا گیا۔ یہی وہ دور تھا جب سے محمود کے گھرانے پر آزمائشوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ اس کی مشفق ماں نے خود کو اور اپنے بچوں کو حاسد درباریوں کے ستم سے بچانے کے لئے اپنے آبائی وطن دشت قپچاق میں پناہ لی مگر تقدیر کی آزمائش کا دور ابھی اختتام کو نہیں پہنچا تھا۔ اسی لئے منگولوں اور تاتاریوں کے لشکر ان علاقوں کو روندتے ہوئے ہر طرف دندنانے لگے۔ اس کی ننھی آنکھوں نے اپنی ماں اور بہنوں پر ٹوٹنے والے ستم کو بھی دیکھا تھا۔ اپنے دوسرے بھائیوں کو قتل ہوتے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھا تھا۔ تہذیب و تمدن سے ناآشنا وحشیوں نے اسے کئی سال تک اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور پھر

مسلمانوں سے اس کی قیمت وصول کر لی۔ یہ کیسا انصاف تھا کہ مسلمانوں کے آزاد بچے پہلے تو قیدی بنائے گئے اور انہی کو قیمتاً لوٹا دیے گئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انہیں خرید کر آزاد کر دیا جاتا اور اپنے بچوں میں ملا کر اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جاتا مگر ان کے آقاؤں نے بھی انہیں غلام کے درجے سے زیادہ نہ سمجھا اور ان میں سے کئی ان کے ظلم و ستم کی چکی میں پس کر موت کے گھاٹ اتر گئے۔ کاکیشی سفید فام غلاموں کی آمد نے جہاں مسلمان امراء میں رقابت کی فضا پیدا کی، وہیں ان کی جوانمردی اور بہادری نے بڑوں کے دل بھی جیت لئے۔ محمود کو ایسا موقع میسر نہ آیا کہ اس کی بہادری اور جوانمردی کے جوہر کھل کر سامنے آتے۔ وہ تو علی بن الورقہ کے گھر میں کسی بے کار شے کی مانند زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ علی بن الورقہ اسی زعم میں اتراتا پھرتا تھا کہ اس کے پاس سفید فام غلام ہے۔ پھر جب حماۃ کے دوسرے امراء کے پاس بھی سفید فام غلام آ گئے تو محمود کی حیثیت ثانوی سی ہو گئی۔ وہ احمد کے ساتھ مغز ماری میں الجھا رہتا۔ احمد کی نالائقی نے اسے بے حد تنگ کر رکھا تھا ایک آدھ بار اس نے طیش کے عالم میں اس کو دو ہاتھ لگا دیئے جس پر اسے اچھی بھلی سزا سہنا پڑی۔ علی بن الورقہ کی بیوی ام واجلہ اپنے شوہر کی طرح بدمزاج اور اترانے میں دو ہاتھ آگے تھی۔ وہ احمد پر سختی کو برداشت کرنا اپنی توہین سمجھتی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ احمد کی نالائقی اور خرابی کا کوئی صحیح معنوں میں ذمہ دار تھا تو وہ ام واجلہ ہی تھی۔ محمود علی بن الورقہ کے گھر میں رہ کر وقت کے ساتھ ساتھ محتاط ہو گیا تھا۔ وہ ہر کام کو بڑی سوچ بچار کے بعد عمل میں لایا کرتا۔ اسے مار پیٹ کا کوئی رنج نہیں تھا مگر وہ اپنی ذات کو ذلت کی پستیوں میں گرانے سے اجتناب برتتا۔

ایک دن ام واجلہ کی نند فاطمہ اپنے بھائی سے ملنے دمشق سے حماۃ آئی۔ وہ ایک ہفتہ تک وہاں مقیم رہی۔ وہ اکثر محمود کو دیکھ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب جایا کرتی۔ بھاوج نے ایک ہفتہ تک اس کی خوب خاطر مدارت کی اور اس کے سامنے اپنی امارت کے ایسے ایسے پل باندھے کہ فاطمہ جل بھن کر رہ گئی۔ فاطمہ کا شوہر دمشق کے دربار میں پہرے دار کی حیثیت سے متعین تھا۔ ام واجلہ کو اس بات کا بڑا زعم تھا کہ اس کی نند ایک معمولی گھر میں بیاہی گئی ہے۔ وہ جب بھی اس سے ملتی تو اس بات کا احساس دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھیں کہ اس کی مالی اور معاشرتی حیثیت بھائی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ جس دن فاطمہ نے واپس لوٹنا تھا اس دن علی بن الورقہ گھر میں موجود نہیں تھا۔ اگر بھائی کا انتظار کیا جاتا تو رات پڑ جاتی۔ فاطمہ نے فیصلہ کیا کہ وہ بھائی سے ملے بغیر ہی رخصت ہو جائے۔ اس نے ام واجلہ کو اپنی خواہش سے آگاہ کیا تو اس نے بلا کو ٹلتے دیکھ کر فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ اسی دوران احمد کھیلتا ہوا وہاں آ گیا۔ فاطمہ نے اسے اپنی جھولی میں بٹھایا اور پیار کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں ام واجلہ نے بڑ ہانکی کہ اس کا بیٹا بڑا لائق ہے۔ فاطمہ نے غیر شعوری انداز میں اس سے ایک دو سوال کئے جن کے وہ صحیح طور پر جواب نہیں دے پایا۔ فاطمہ نے بچہ سمجھ کر بات کو ذہن سے نکال دیا اور کسی لمحے احمد بھی اس کی جھولی سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ام واجلہ کے دل میں احمد والی بات مسلسل چبھتی رہی۔ اس کا سارا خیال احمد کے معاملے میں مرتکز رہا۔ جو خفت و خجالت اسے محسوس ہو رہی تھی اس سے فاطمہ لاعلم تھی۔ محمود اچانک کسی معاملے کے بارے میں پوچھنے کے لئے وہاں چلا آیا۔ ام واجلہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ وہ اس کی شکل دیکھتے ہی پھٹ پڑی۔ چھڑی سے اس نے محمود کو خوب مارا۔ محمود حیران و پریشان چپ چاپ مار کھاتا رہا۔ فاطمہ پہلے تو کچھ سمجھ نہ سکی کہ ماجرا کیا ہے؟ مگر جلد ہی بات کی تہہ تک پہنچ گئی اس نے فوری طور پر دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔ مگر جب ام واجلہ کا غصہ کسی حد تک ٹھنڈا ہو گیا اور محمود نیل زدہ بدن کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گیا تو فاطمہ نے اپنی بھاوج کو نصیحت کرنا چاہی۔ ام واجلہ نند کی نصیحت بھلا کیسے سن سکتی تھی؟ اس نے جلاپے میں کہا۔ ''فاطمہ خاتون! اگر تمہیں اس غلام سے اتنی ہی ہمدردی ہو رہی ہے تو اسے اپنے گھر لے جاؤ''۔

فاطمہ اس کی بات سن کر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

''سوچ لو ام واجلہ! اگر میں اسے لے گئی تو تم ہی پچھتاؤ گی''۔

''تم ایک دفعہ لے جا کر تو دیکھو۔ خبیث اتنا کھاتا ہے کہ تمہارا میاں ایک اور ملازمت بھی کر لے تب بھی اس کی خوراک پوری نہیں کر سکے گا''۔ ام واجلہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

''ام واجلہ!'' فاطمہ نرمی سے بولی۔ ''کھانے والے کے رزق کا انتظام خدا کرتا ہے۔ تمہیں وہ اگر بار لگتا ہے تو مجھے دے دو''۔

''لے جاؤ بلکہ ابھی اسی لمحے اسے لے کر اپنی شکل گم کرو۔ اسی وقت میرے گھر کی دہلیز پار کر جاؤ...... میں تمہیں ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کر سکتی''۔

ام واجلہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے محمود کو آواز دی۔ محمود ابھی اپنی چوٹیں سہلا رہا تھا کہ دوبارہ طلبی پر سہم سا گیا۔ وہ سستی سے چلتا ہوا وہاں پہنچا۔

''خبیث!'' ام واجلہ نے آنکھیں نکالیں۔ ''تجھے کہا گیا تھا کہ احمد کو اچھی تعلیم دے تاکہ وہ آقا کی طرح دربار میں اعلیٰ عہدے کا مالک بن سکے مگر تو نے اسے نکما بنا کر رکھ دیا۔ تیری اس گھر میں اب کوئی جگہ نہیں۔ تو اس خاتون کے ساتھ اسی وقت یہاں سے نکل جا''۔

''مگر آقا کیا کہیں گے......؟'' محمود بمشکل بولا۔

''آقا کی فکر چھوڑ۔ انہیں میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ تو یہاں سے شکل گم کرنے کی بات کر''۔

فاطمہ نے محمود کا ہاتھ پکڑا اور اپنے برقعے کو سمیٹتی ہوئی وہاں سے نکل آئی۔ محمود اس اچانک تبدیلی پر دنگ رہ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ فاطمہ کوئی اور نہیں ہے اس کے آقا کی بہن ہی ہے۔ وہ اس کے پاس رہے یا آقا کے پاس...... وہ انہی کا ہی غلام رہے گا۔ اس نے اپنے ذہن پر زیادہ زور دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خاموشی سے فاطمہ کے ساتھ چلتا رہا۔ حماۃ سے روزانہ مختلف اوقات میں قافلے دمشق روانہ ہوتے تھے۔ اس دور میں تنہا عورت کے سفر کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ فاطمہ اکیلی تھوڑی تھی اس کے ساتھ محمود تھا۔ وہ دونوں ایک قافلے کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے۔ وہی دمشق جہاں محمود چند سال پہلے بکا تھا۔

❀ ❀ ❀

شام کو علی بن الورقہ دربار سے واپس لوٹا۔ اس نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنی بہن کی بابت پوچھا۔ ام واجلہ نے بڑی لاپروائی سے اس کے رخصت ہو جانے کی اطلاع دی۔ علی بن الورقہ نے بھی بہن کی رخصتگی کو اہمیت نہیں دی۔ اس کا دھیان ادھر ادھر کے کاموں میں بٹا رہا۔ کسی موقع پر اسے محمود کی ضرورت پیش آئی تو اس نے کمرے میں ہی سے آواز دی۔ محمود تو نہیں آیا البتہ ایک دوسرا غلام فوراً پیش ہو گیا۔ علی بن الورقہ نے اس کی جانب گھور کر دیکھا اور محمود کو بلانے کا حکم دیا۔

''مالک! وہ گھر میں نہیں ہے اسی لئے میں حاضر ہوا ہوں''۔ غلام نے مؤدب لہجے میں بتایا۔

''کہاں گیا ہے یہ خبیث؟''

''مجھے معلوم نہیں!''

''جاؤ اپنی مالکہ کو یہاں بھیجو!'' علی بن الورقہ نے اسے حکم دیا۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ محمود بنا بتائے یا اس کی اجازت کے بغیر رات کے وقت کہیں گیا ہو۔ اتنے میں ام واجلہ وہاں آ گئی۔

''محمود کہاں ہے؟'' سوال کیا گیا۔

''اسے میں نے فاطمہ کو بخش دیا ہے وہ اسے اپنے ساتھ دمشق لے گئی ہے''۔ ام واجلہ نے زلفیں جھٹک کر ایک ادا سے بتایا۔ علی بن الورقہ پر تو جیسے بجلی ٹوٹ پڑی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دوسرے اسی لمحے وہ جھٹکے سے اکھڑ گیا۔ کمرے میں تیز چھناکے کی سی آواز گونجی۔ ام واجلہ کا چہرہ پڑنے والے تھپڑ سے دوسری جانب گھوم گیا۔ وہ حیرت و خوف میں مبتلا اپنے شوہر کی جانب دیکھنے لگی۔

''تم نے مجھے تھپڑ مارا......'' ام واجلہ تڑپ اٹھی۔ ''اس دو ٹکے کے غلام کے لئے تمہارا ہاتھ آج مجھ پر اٹھ گیا''۔

علی بن الورقہ شدید غصے میں کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی سانسیں تیز تھیں اور وہ بار بار اپنی مٹھیوں کو بھینچ رہا تھا۔

''تمہیں وہ غلام کیا تکلیف دے رہا تھا کہ تم نے اسے اپنے گلے سے اتار دیا؟'' علی بن الورقہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

''خبیث! سارا دن روٹیاں توڑتا ہے اور کام ذرہ بھر نہیں کرتا۔ ایک احمد کی پڑھائی کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اس میں بھی کام چور نکلا۔ آج تمہاری بہن کے سامنے میری ہتک کروا دی۔ اس نے احمد سے سوال پوچھے اور احمد جاہلوں کی طرح منہ ہلاتا رہا۔ بھلا میں ایسے غلام کو کیسے برداشت کر سکتی ہوں؟ شکر کا کلمہ پڑھو ایک بوجھ تو ٹلا......'' ام واجلہ اپنی گمن میں بولے گئی جب کہ علی بن الورقہ محض دانت پیستا رہ گیا۔

''تم دنیا کی احمق ترین عورت ہو...... تم ایک ایسے غلام سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو جس کی بدولت تمہارا بیٹا آنے والے وقت میں کسی ممتاز مقام پر پہنچ سکتا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ احمد نالائق اور نکما ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر ہی یہ ذمہ داری اسے سونپی تھی اوہ خدایا...... میں اب کیا کروں؟ میں کل ہی دمشق جاؤں گا اور اسے فاطمہ سے واپس لے کر آؤں گا۔ میں نے پانچ سو دینار سرخ کی قربانی یونہی نہیں دی تھی میں نے اس میں ایسے گن دیکھ لئے تھے جو آنے والے وقت میں ہمارے خاندان کا نام روشن کرنے کے کام آ سکتے تھے۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ میں نے اسے کوئی خاص کام نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بے کار کی روٹیاں توڑتا ہے۔ کام کرنے کے لئے میں نے تمہیں دوسرے غلام لا کر دیے ہیں وہ میرے بیٹے کا روشن مستقبل ہے۔ ابھی تو وہ لڑکپن میں ہے مگر تم خود ہی دیکھ لیتی کہ جوانی میں یہ کیا کیا کر گزرتا''۔

علی بن الورقہ ہاتھوں کو ملتا رہا۔ ام واجلہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا وہ خاموشی سے وہاں سے کھسک گئی۔ علی بن الورقہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی۔ دوسرے دن وہ صبح سویرے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ پہلے قافلے کے ساتھ وہ دمشق روانہ ہو گیا۔ سہ پہر کے وقت وہ اپنی بہن فاطمہ کے گھر پہنچ گیا۔ بھائی کی شکل دیکھتے ہی فاطمہ اس کے آنے کا مقصد سمجھ گئی تھی۔

''علی! خیریت تو ہے؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

''ہاں بہن!'' علی بن الورقہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں دراصل محمود کو واپس لینے آیا تھا۔ اس کی مجھے بے حد ضرورت ہے۔ ام واجلہ تو بے وقوف عورت ہے، اس نے بنا سوچے سمجھے محمود تمہیں دے دیا''۔

''بنا سوچے سمجھے نہیں بلکہ بلا جبر و اکراہ''۔

''چلو ایسے ہی سہی۔ بہر حال وہ میرا زر خرید غلام ہے میں اسے واپس لینے آیا ہوں''۔

''اگر میں اسے واپس لوٹانے سے انکار کر دوں تو......؟'' فاطمہ نے بھنویں سکیڑ کر کہا۔

''کیوں انکار کردو...... کس حیثیت سے انکار کرو گی تم...... وہ تمہارا غلام نہیں ہے وہ صرف میرا غلام ہے میں ہی اس کا آقا ہوں''۔ علی بن الورقہ بپھر گیا اسے اپنی بڑی بہن کا ذرہ لحاظ باقی نہیں رہا۔

''تمیز کے دائرے میں رہو علی! اور یہ بات کان کھول کر سن لو کہ محمود اب میرا ہے اور میرے پاس ہی رہے گا۔ تم کیا کوئی بھی اسے مجھ سے نہیں چھین سکتا''۔ فاطمہ سخت لہجے میں بولی۔

علی بن الورقہ کے لئے حالات سنگین ہو رہے تھے وہ کسی بھی صورت میں محمود کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ایک ہی لمحے میں فیصلہ کر لیا۔ ایک لمبا اور چمکتا ہوا خنجر اس نے پہلو میں سے نکالا۔ فاطمہ بھائی کے اطوار دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

''تمہاری اتنی جرأت...... ! بڑی بہن کو خنجر دکھا کر دھمکاؤ''۔ فاطمہ اس کی بے ہودہ حرکت پر جہاں صدمے سے دوچار ہوئی تھی، وہیں اس کے غصے کی انتہا باقی نہ رہی۔

''میں اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر ہر طرح کی حرکت کا مظاہرہ کر سکتا ہوں۔ اسے تم محض دھمکی مت سمجھو''۔

علی بن الورقہ آنکھیں دکھاتا ہوا بولا۔

''ہونہہ! تمہاری یہ بدتمیزانہ جرأت...... آج تمہاری محبت اور اخلاقی اقدار کی عمارت منہدم ہوگئی ہے''۔

فاطمہ کے چہرے پر کسی طرح کے خوف کے بجائے گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا جیسے اسے خنجر کی پرواہ ہی نہ ہو۔ علی بن الورقہ بہن کے اس استحکام پر دیوانہ ہو کر جوش میں لرزنے لگا۔ اس کے ہاتھوں پر لرزش سی طاری ہوگئی۔ وہ حقیقتاً بے حد بے صبرا شخص تھا۔ اس کے قدم بڑھنے لگے۔ فاطمہ کے چہرے پر چھایا ہوا استقلال لمحہ بھر کے لئے تھرکا مگر وہ بھی کسی اہم فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے اگر تم آج اپنی اصلیت دکھانے کے درپے ہو اور مجھے مارنے پر تل گئے ہو تو آج میں بھی دیکھوں گی کہ بزدل بھائی کے ہاتھوں میں قدرت نے بہن کی موت لکھی ہے یا نہیں''۔ فاطمہ ڈٹ کر مقابلے پر کھڑی ہوگئی۔ علی بن الورقہ اپنے مفادات کے جنون میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ اسے اپنے سامنے کھڑی بہن کا چہرہ دشمن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب رشتے ناطے بھول چکا تھا۔ اس کے قدموں میں حرکت ہوئی اور وہ فاطمہ کے مقابل پہنچ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے کے عالم میں دہکنے لگی۔ اس کا خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔ فاطمہ نے مزاحمت کے بجائے سینہ تان کر کھڑا ہونا پسند کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ خنجر فاطمہ کے سینے کی جانب بڑھتا، ایک آہنی گرفت نے آگے بڑھ کر علی بن الورقہ کی کلائی جکڑ لی اور اس کے جارحانہ عزم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ ہاتھ کیا تھا...... ؟ کسی فولادی پنجے سے کم نہیں تھا۔ علی بن الورقہ نے متحیر نگاہوں سے اس آہنی گرفت کے مالک کی جانب دیکھا تو لمحہ بھر کے لئے اسے یوں لگا کہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔ وہ ہاتھ اس کے غلام محمود کا تھا۔ سولہ سالہ محمود اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا۔ اس کا دراز قد علی بن الورقہ سے کہیں نکلتا زیادہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بازوؤں میں شیر جیسی قوت بھی ابھی نوخیز تھی۔ علی بن الورقہ کو محمود سے اس حرکت کی توقع بالکل نہیں تھی۔

''چھوڑ میرا ہاتھ!'' علی بن الورقہ سنبھلتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔ ''تو تو میرا غلام ہے''۔

''تھا، اب نہیں ہوں...... !'' محمود مختصراً بولا۔

''کیا مطلب...... ؟'' علی بن الورقہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کا اُٹھا ہوا ہاتھ خود بخود ڈھیلا پڑ گیا۔

''میں اب تمہارا غلام نہیں بلکہ تمہاری بہن کا غلام ہوں۔ میرا فرض بنتا ہے کہ اپنی مالکن پر اُٹھنے والے ہر ناجائز ہاتھ کو توڑ کر رکھ دوں''۔

محمود قدرے درشت لہجے میں بولا۔

علی بن الورقہ یہ سن کر بھڑک اُٹھا۔ غصے اور بے بسی سے وہ نڈھال سا ہو گیا۔ اس کے قدم غیر شعوری طور پر پیچھے ہٹنے لگے۔ جسم میں بڑھاپے کے باعث نقاہت کی لہریں اٹھنے لگی۔ محمود نے قوت سے اس کا ہاتھ پیچھے جھٹک دیا۔ اسے ایک طرف تو یہ صدمہ تھا کہ محمود نے آج اس کا سامنا کر لیا تھا۔ دوسری طرف اپنی بہن سے ہونے والا انکار بھی خلاف توقع تھا۔

''تیری اتنی جرأت کیسے ہوگئی کہ تو ......''

علی بن الورقہ کو خود اپنی آواز کہیں دور سے سنائی دیتی محسوس ہوئی۔

''یہ جرأت مجھے میری قوت ایمان نے بخشی ہے۔ میرے مرحوم آقا بندقداری کی آخری نصیحت یہی تھی کہ میں جس کے پاس بھی جاؤں، صرف اسی کا تابعدار بن کر رہوں۔ میں ان کی نصیحت کو وصیت سمجھ کر ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہوں''۔ محمود اب اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''تت...... تجھے بندقداری یاد رہا مگر میں کیسے بھول گیا؟ جس نے تجھے اتنا عرصہ کھانے کو روٹی دی، سر چھپانے کو اپنا گھر دیا۔ میں نے تو تجھے نہیں بیچا...... نہ ہی کسی کو بخشا ہے کہ میں اب تیرا آقا نہیں رہا''۔ اب علی بن الورقہ گھٹے گھٹے لفظوں میں بات کر رہا تھا۔

''ابن الورقہ!'' محمود فاطمہ کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم نے جو کچھ بھی میرے ساتھ کیا وہ کوئی احسان نہیں تھا۔ وہ تیرا فرض بنتا تھا۔ تم نے نہیں، مجھے میرے اللہ نے رزق دیا...... تم تو اتنے ظالم ہو کہ کسی کو ایک وقت کی روٹی بھی نہیں دے سکتے۔ خود غرضی میں شیطان بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔ آج تمہیں اپنے احسان یاد آ رہے ہیں مگر اس کل کو بھول گئے کہ جب ایک معذور شخص تمہارے سامنے گڑگڑا رہا تھا، منت سماجت کر رہا تھا اور تم اس سے اس کا آخری سہارا بھی چھین لائے۔ اس نے تو تم سے صرف اپنے مرنے تک کی مہلت مانگی تھی مگر تمہیں وہ دینا عذاب دکھائی دیا تھا۔ تم کسی کو کیا دے سکتے ہو؟ اگر تم نے مجھ پر کچھ خرچ کیا ہے تو اس کا بدلہ بھی فوراً چکا لیا۔ میں آج کے بعد تمہارا غلام نہیں...... زندگی مکافات عمل ہوتی ہے۔ کل جو کچھ تم نے کسی کے ساتھ کیا تھا آج قدرت نے ایسا ہی تمہارے ساتھ کر دکھایا۔ اس لئے جو بھی قدم اٹھانا ہو، اسے سوچ سمجھ کر ہی اٹھانا۔ میں اب جوان بھی ہوں اور مضبوط بھی''۔

''ناخلف! میں یہ معاملہ قاضی کی عدالت میں لے جاؤں گا۔ تو نے مجھ سے بغاوت و سرکشی کی ہے اور سزا میں تجھے زندگی بھر زنداں خانے کی ہوا کھلاؤں گا...... تو نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے؟'' علی بن الورقہ طیش کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہاری بیوی نے یہ غلام مجھے بخش دیا اور بخشی ہوئی چیز واپس مانگنا، امراء کی شان کے خلاف ہے۔ اگر تم بھری عدالت میں اپنا مضحکہ اڑوانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔ محمود کے عقب میں سے فاطمہ بول پڑی۔ وہ خود کو محمود کے عقب میں بے حد محفوظ سمجھ رہی تھی۔

''بہت خوب! یہ میرا غلام ہے کہ میری بیوی کا...... اور وہ کون ہوتی ہے؟ میری ملکیتی چیز مجھ سے اجازت لئے بنا کسی دوسرے کو بخشنے والی''۔

علی بن الورقہ تڑک کر بولا۔

''ٹھیک ہے تم یہاں سے سیدھے قاضی کے پاس جاؤ اب وہی تمہارا مسئلہ حل کرے گا''۔ فاطمہ نے ہاتھ جھٹک کر لاپرواہی سے کہا۔ محمود سیسہ پلائی دیوار بنا اپنی مالکہ کے سامنے کھڑا رہا۔ علی بن الورقہ کافی دیر تک اپنی بیوی اور بہن کو ہذیان بکتا رہا۔ وہ محمود کی جانب بار بار کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتا مگر جونہی اس کی نگاہ اس کے چوڑے چکلے سینے پر پڑتی تو وہ خود کو بے بسی کے بھنور میں پھنسا محسوس کرتا۔ علی بن الورقہ نے جب دیکھا کہ بات بننے کے بجائے اب بالکل بگڑ چکی ہے تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور چکنی چپڑی باتوں پر اتر آیا اور پستی کی انتہاء گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ نہ صرف اس نے اپنی بہن سے فوراً معافی مانگی بلکہ محمود سے بھی دونوں ہاتھ جوڑ کر واپس چلنے کی استدعا کی۔ فاطمہ اپنے بھائی کی اس دیرینہ عادت سے بخوبی واقف تھی۔ اس نے معافی تو دے دی مگر محمود کو واپس بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ تماشہ کافی دیر تک یونہی چلتا رہا۔ محمود خود بھی اس کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا تھا اسے فاطمہ کا سہارا میسر آ گیا تو وہ خود کو مضبوط حصار میں محسوس کرنے لگا۔ علی بن الورقہ نے جب دیکھا کہ بات کسی بھی طور نہیں بن پا رہی تو اس نے انتقاماً ایک خنجر زیریں جانب سے نکالتے ہوئے ایک تیز دار محمود پر کر دیا۔ محمود بے شک پوری جو کنا کھڑا تھا مگر وہ اس ناگہانی حملے کو فوری طور پر سمجھ نہ سکا۔ ذاتی مدافعت میں اس کا بایاں بازو لاشعوری پر سامنے پھیل گیا اور خنجر بائیں بازو میں گھستا چلا گیا۔ محمود کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ علی بن الورقہ نے اسے کمزور پاتے ہی مزید چڑھائی کرنا چاہی۔ محمود محض زخمی ہوا تھا، اس کی قوت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس نے علی بن الورقہ کی کمر میں پشت سے ہاتھ ڈالا اور اسے دائیں بازو سے اُٹھا کر اپنے پورے زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ علی بن الورقہ کی ناتواں اور بوڑھی ہڈیاں جھنجھنا اُٹھیں۔ وہ تکلیف سے کراہتا ہوا دوبارہ اُٹھنے کے قابل نہ سکا۔ فاطمہ کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ اسے اپنے بھائی کی اس جارحانہ حرکت پر شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے پاؤں سے جوتی اتار لی۔ پھر کیا تھا ....؟ بھائی بڑی بہن کے ہاتھوں جوتیوں سے پٹنے لگا۔ علی بن الورقہ نے پھر گڑگڑا کر معافی مانگنا شروع کر دی۔ فاطمہ کو اپنے بھائی پر اب ذرا اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس نے محمود کو حکم دیا کہ وہ اس کے درندہ صفت بھائی کو اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دے۔ محمود اس اثناء میں ایک چھوٹا سا کپڑا اپنے بازو پر باندھ چکا تھا۔ اس کی قمیض خون سے تر بتر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی مالکہ کی خواہش بجا لاتے ہوئے علی بن الورقہ کو اپنے کندھے پر بورے کی مانند لادا اور دروازے کے باہر اُٹھا کر گلی میں پٹخ ڈالا۔ اس کے بھاری بھرکم جسم کے گرنے سے خاصی آواز بلند ہوئی تھی۔ باہر کئی راہ گیر اس جانب متوجہ ہوئے تھے مگر کسی کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ٹھہر کر ماجرا پوچھتے۔ علی بن الورقہ زمین پر گرا، بری طرح سے کراہ رہا تھا۔ وہ کراہتے ہوئے بھی اپنی بہن اور محمود کو صلواتیں سنانے سے باز نہیں آیا۔ شاید اس بار اس کی دو ایک ہڈیاں ضرور ٹوٹ گئی ہوں گی۔ محمود نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔

❁ ❁ ❁

قاضی عماد الدین الصالح ظہر کی نماز ادا کر کے واپس اپنی عدالت میں داخل ہوئے تو عدالت میں موجود لوگوں کے چہروں پر بے چینی سی پھیل گئی۔ یہ ملک الصالح اسمٰعیل ایوبی سلطانِ دمشق کی جانب سے قاضی مقرر تھے۔ ملک الصالح، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل کی اولاد میں سے تھا۔ قاضی عماد الدین لوگوں کے مسائل اور مقدمات کو نبٹانے میں ایک عمر بتا چکے تھے۔ آج کا مقدمہ بڑا دلچسپ تھا جس میں ایک مالک اور ایک غلام دونوں ایک ساتھ مدعی بھی تھے۔ صبح سے اس مقدمے پر کارروائی جاری تھی، شہادتیں سن لی گئی تھیں۔ دونوں فریقین کا موقف بھی واضح ہو چکا تھا اب فیصلے کی گھڑی تھی۔ ایک طرف انصاف کا دامن گیر علی بن الورقہ تھا تو دوسری طرف اس کی بہن فاطمہ محمود کی مالکہ کی حیثیت سے مدعیہ تھی۔

قاضی عماد الدین اس معاملہ میں خاصے پریشان تھے کیونکہ کوئی واضح شہادت ایسی نہیں تھی کہ جس پر فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی۔ مدعیہ کی شہادت نصف شمار کی گئی تھی۔ اسی طرح ام واجلہ کی شہادت بھی نصف گنی گئی تھی۔ ام واجلہ نے اپنے شوہر کے حق میں شہادت دی کہ میں نے فاطمہ کو غلام بخشا نہیں تھا بلکہ صرف فاطمہ کو گھر تک پہنچانے کے لئے ساتھ روانہ کیا تھا؟ اگر کوئی شہادت فاطمہ کی طرف داری میں تھی تو وہ محمود کی تھی۔ محمود چونکہ خود ایک فریق بن چکا تھا اس لئے اس کی شہادت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ لوگوں کو اس بات میں دلچسپی تھی کہ قاضی اس الجھے ہوئے تضیئے کو کیسے نبٹائیں گے......؟

قاضی عماد الدین نے ظہر کی نماز کے بعد مصلّٰی پر کافی دیر تک اس بارے میں غور کیا کہ انہیں کس فریق کے حق میں فیصلہ دینا چاہیے۔ فاطمہ کے پاس شہادت کی کمی تھی مگر اس کے چہرے پر سچائی جھلک رہی تھی۔ علی بن الورقہ کے چہرے پر انہیں تکبر اور خود نمائی سی محسوس ہوئی۔ وہ فاطمہ کے حق میں فیصلہ دینا چاہتے تھے مگر حالات و واقعات اس کے برعکس تھے۔ محمود کا چہرہ ایسا تھا کہ کوشش کے باوجود قاضی عماد الدین اس پر کوئی واضح صورت تلاش نہیں کر پائے۔ علی بن الورقہ کی استدعا یہ تھی کہ غلام بے شک اسے نہ لوٹایا جائے مگر اس کی بغاوت پر سختی کا رد یہ اپنایا جائے اور اسے کڑی سزا کے طور پر قید بامشقت دی جائے تاکہ آنے والے وقت میں غلامان کو کڑی نصیحت و عبرت ہو۔ کسی حد تک اس کی استدعا درست بھی تھی مگر جانے کیوں علی بن الورقہ کے مطالبے میں قاضی عماد الدین کو قرار نہیں مل رہا تھا۔ انہیں فاطمہ کے ذاتی وصف پر شہادت مل چکی تھی کہ وہ اپنے ہمسائیوں اور احباب میں سچائی اور دیانتداری میں خاصی شہرت رکھتی ہے مگر وہ اس مقدمے میں اپنے حق میں کوئی سچائی پیش نہیں کر سکی تھی۔ اس کے گھریلو حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ وہ غلام رکھنے کی متحمل ہو سکتی جبکہ اس کے مقابلے میں علی بن الورقہ کی امارت اور سماجی حیثیت نہایت مضبوط تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ کھنکار کر گویا ہوئے۔ وہاں موجود لوگوں کی چہ میگوئیاں یکلخت تھم گئیں۔

''اے مومنو! بے شک اعلیٰ و ارفع عدل و انصاف کرنے والی ایک ہی اللہ کی ذات ہے۔ میں نے اس معاملے کی سماعت کے بعد جو فیصلہ کیا ہے ممکن ہے کہ آپ لوگوں کو صحیح نہ لگے مگر میرا دل اس پر مطمئن ہے۔ علی بن الورقہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کی بہن اس کے خاص غلام محمود کو زبردستی ہتھیانا چاہتی ہے اور وہ غلام مکمل طور پر فاطمہ کی مٹھی میں ہے، اس کے ثبوت میں جو واقعہ پیش کیا گیا ہے اس کے گواہ بھی قابل غور ہیں۔ علی بن الورقہ پر مار پیٹ اور تشدد مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ محمود کے بازو پر موجود زخم بھی اپنی ہی کہانی سنا رہا ہے۔ علی بن الورقہ ایک معزز اور حکومتی عہدے دار ہے، علاوہ ازیں وہ صاحب ثروت بھی ہے۔ اس کے مقابلے میں فاطمہ کا مؤقف یہ ہے کہ ام واجلہ یعنی علی بن الورقہ کی بیوی نے اپنی خوشی اور رضامندی سے محمود کو اسے سونپا ہے۔ جس پر ام واجلہ منحرف ہے۔ میرے خیال میں بھی کچھ اسی قسم کا معاملہ ہوا ہے۔ دو خواتین کی آپس میں لڑائی ہونا یا ایک دوسری کو کوئی شے دے دینا عام سی بات ہے۔ محمود کے مؤقف سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محمود کا مالک علی بن الورقہ ہے یا فاطمہ......؟ فاطمہ کی منکسر مزاجی اور سابقہ شہرت کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو وہ غلام رکھنے کی زیادہ حق دار ہے۔ یہ اس کی دنیاوی اچھائیوں کا انعام ہے۔ علی بن الورقہ کو صرف اس بات کی تمنا ہے کہ غلام بے شک اسے نہ دیا جائے، مگر اسے زنداں خانے میں ضرور ڈالا جائے۔ یہ انتقامی کارروائی دکھائی دیتی ہے جو کہ وہ محمود اور اپنی بہن دونوں سے لینے کا خواہش مند ہے۔ غلام پر قاتلانہ حملے کے جرم میں اسے بھی سزا دی جا سکتی ہے مگر میں یہ فیصلہ سناتا ہوں کہ اگر علی بن الورقہ اپنے جرم کی سزا سے بچنے کا خواہشمند ہے تو اسے محمود سے اور اس کی سزا کی استدعا سے محروم ہونا پڑے گا ورنہ

دونوں فریقین برابر کے جرم دار ہیں اور دونوں کو ان کے جرم کی نوعیت مدنظر رکھتے ہوئے سزا دی جائے گی''۔

قاضی عماد الدین کا فیصلہ پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ لوگ اپنی سی ہانکنے لگے۔ علی بن الورقہ نے جب اپنے جرم کی بابت سنا تو اس کا رنگ اُڑ گیا۔ اگر اسے سزا ہو جاتی تو وہ حماۃ واپس لوٹنے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ وہاں خود پر اُٹھنے والی انگلیوں کو وہ کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ پہلو بدلنے لگا۔ محمود یوں کھڑا تھا جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہ ہو۔ اگر سزا ہو گئی تو بھی کچھ نہیں ہوگا اور نہ ہوئی تو بھی کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹے گا۔ چند ہی لمحوں بعد علی بن الورقہ نے اپنی حشمت و جاہ پر محمود کو قربان کر دیا۔ وہ اپنا مقام نہیں کھونا چاہتا تھا۔ محمود کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس تو اسے ضرور تھا مگر وہ ایسے دوراہے پر آن کھڑا ہوا تھا کہ جہاں اسے دو سے میں ایک شے کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے شاید غلط انتخاب کیا تھا..... محمود کے ساتھ اس کے بیٹے کا مستقبل جڑا تھا جبکہ عزت و ناموس صرف اسی کی زندگی تک باقی رہ پاتی۔ قاضی عماد الدین نے محمود فاطمہ کے حوالے کرتے ہوئے یہ بات خصوصاً محسوس کی کہ ان کے قلب پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا جیسے ان کا فیصلہ واقعی صحیح ہو۔

❀❀❀

''تم پھر آج ادھر آ دھمکے..... تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ میرے باپ یا بھائیوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری لاش کے ٹکڑے کسی ویرانے میں چیل کوے کھاتے دکھائی دیں گے''۔ وہ تیزی سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے لفظ چباتے ہوئے بولی۔

''چلو! ایسا ہی سہی..... میری بدولت چیل کوؤں کا پیٹ تو بھر جائے گا۔ میں نے ہر طرح کے ڈر اور خوف کو اپنے دل سے نکال پھینکا ہے۔ تمہارا باپ یا بھائی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے..... کیونکہ میں تو عاشق ہوں، تمہاری زلف کا اسیر ہوں''۔ وہ لاپروائی سے ہنستا ہوا بولا۔

''مطیع الدین.....!'' وہ بے بسی کے عالم میں بولی۔ ''میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ میرا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میں تمہیں کبھی نہیں مل پاؤں گی۔ میرا تعلق منگول قبیلے سے ہے اور ہمارے بزرگ کسی باہر کے شخص سے رشتہ داری نہیں بنایا کرتے اور پھر کسی مسلمان سے..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ اس بات کو اپنی ذلت سمجھتے ہوئے تمہارے سارے خاندان کو تہ تیغ کر دیں گے۔ مجھ پر نہ سہی کم از کم اپنے خاندان والوں پر ترس کھاؤ''۔

''اے آفتاب پرست مہ جبیں!'' مطیع الدین نے سینے پر ادائے دلآویزی سے ہاتھ رکھتے ہوئے صدا لگائی۔ ''محبت میں خاندان نہیں ہوتے، صرف ایک محبوبہ ہوتی ہے اور دوسرا اس کا محبوب باقی سب ظالم سماج..... جب میں محبوب فہرست میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں تو ظالم سماج سے ٹکر تو لینا ہی پڑے گی نا.....''

''لگتا ہے کہ تمہارا دماغ ضرورت سے زیادہ کھسک گیا ہے۔ اسے ٹھکانے پر لانے کے لئے کسی نہ کسی کی تلوار ضرور حرکت میں آئے گی''۔

''تلوار داوزار کی باتیں مت کرو..... میں تو نگاہ کے وار سے ہلاک ہونے کا متمنی ہوں۔ بس تم ایک نگاہ الفت مجھ پر ڈال دیا کرو، میرے کئی شب و روز اسی خمار میں بیت جائیں گے''۔ مطیع الدین نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''تم باز نہیں آؤ گے مطیع!'' وہ چڑ سی گئی تھی۔ ''میں کہتی ہوں کہ یہ فریب کاری ختم کرو اور اپنے آنے کا مدعا بیان کرو''۔

''مدعا تو گوش گذار کر دیا ہے ایک نگاہ..... صرف ایک نگاہ الفت کے حریص ہیں، وہ جب پائیں گے تو

خاموشی سے لوٹ جائیں گے''۔

''میرے خیال میں میرے باپ کی آنکھیں تمہاری اس حسرت کو ضرور پورا کریں گی''۔ وہ چہک کر بولی۔

''کچھ تو خیال کرو..... اتنی خوشگوار تنہائی میں کس جلاد کا نام لے رہی ہو۔ اس کی موٹی موٹی کبوتر کی سی سرخ آنکھوں سے خمار نہیں بخار ہو جائے گا۔ اس موقع تنہائی میں کچھ تو عشق و محبت کی فضا برقرار رہنے دو''۔ مطیع الدین پر شکوہ لہجے میں بولا۔

''مطیع الدین!'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''مذاق کی بات چھوڑو اور عقل سے کام لو۔ تمہارا یہاں اس طرح چوری چھپے آنا بے شک تمہارے خیال میں بہادری سے موسوم کیا جاتا ہوگا مگر میرے خیال میں یہ خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ منگول و تاتار مسلمانوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وہ ان کے سروں کو حریصانہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے تمہارے خاندان کو منگولوں نے امان دے رکھی ہے تو اسے یوں گنوانا ٹھیک نہیں''۔

''تم صحیح کہہ رہی ہو گل دقوز! مگر میں کیا کروں.....؟ تمہیں جب تلک دیکھ نہ لوں مجھے ایک پل بھی قرار نہیں آتا۔ آنکھوں سے نیند کھو جاتی ہے۔ کسی کام میں من ہی نہیں لگتا..... ہر وقت صرف تمہاری صورت میری نگاہوں کے سامنے رقصاں رہتی ہے۔ جوں جوں عالم فراق بڑھتا ہے تو تمہاری صورت کے خدوخال مدھم پڑنے لگتے ہیں..... اور میں ایسے میں تڑپ اُٹھتا ہوں.....'' مطیع الدین حال دل بیان کرنے میں منہمک تھا کہ گل دقوز نے اس کی بات کاٹ دی۔

''بس..... بس! جس خرابی سے میں تمہیں دور رکھنے کی سعی کرتی ہوں تم پھر اسی کا قضیہ لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے باز رکھوں؟ تم خوبصورت ہو..... بہادر اور جی دار ہو..... جوان و شریف النفس ہو..... یہ سچ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہاری یا تم میری خاطر کسی خون خرابے کی شروعات کر دیں''۔

''کیا بات ہے؟ میں آج جب سے یہاں آیا ہوں تم بار بار خون خرابے کا ذکر کئے جا رہی ہو۔ تاتاری خون کی وراثت کا اثر اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس سے ہٹ کر تم بھی تو کوئی اچھی بات کر سکتی ہو''۔

''اچھی بات.....!'' گل دقوز نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ''اب اچھی بات یہی ہوگی کہ میں زور سے اپنے بھائی کو آواز دوں اور تمہیں اس کے حوالے کر دوں''۔

''جب بھی بات کرو گی تو کوئی الٹی سیدھی ہی ہانکو گی۔ میں یہاں تمہاری ایسی باتیں سننے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ صرف اور صرف تمہارے رُخ ماہتاب کا دیدار کرنے آیا ہوں.....''

''تمہارا حقیقتاً دماغ چل گیا ہے۔ میں بھلا اب کیا کر سکتی ہوں؟ میری دعا ہے کہ کل صبح طلوع ہونے والا خدائے جاودانی آفتاب تمہیں عقل و ہدایت بخشے''۔ گل دقوز بے بسی سے بولی۔

''تم اب شاید مجھ سے اکتا چکی ہو، لہٰذا میرا لوٹ جانا اب ضروری ہو گیا ہے۔ وہ عاشق ہی کیا؟ جو موقعہ خلوت میں اپنی محبوبہ کو اداس کر کے لوٹے؟ مگر میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم میری ہو اور میری ہی رہو گی۔ میں تمہیں پا کر ہی دم لوں گا چاہے اس کے لئے مجھے آسمان سے تارے ہی کیوں نہ توڑ کر لانے پڑیں۔ اچھا اے محبوبہ دل نواز! میں اب جاتا ہوں''۔

مطیع الدین نے اس کے بگڑتے تیور دیکھ [illegible]

بالکونی کی دوسری جانب سے اس پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پھر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ گل دتوز دھڑکتے دل سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ حقیقتاً کسی کی نگاہوں میں نہ آجائے۔ مگر مطیع الدین کو جانے کون سا چور راستہ مل چکا تھا، جہاں سے وہ جب دل چاہے آجایا کرتا۔ وہ کافی دیر تک وہیں کھڑی اس کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی رہی۔ وہ ایک منگول قبیلے کے سالار کی بیٹی تھی جو دریائے دالگا کے کنارے آباد سرائے نامی شہر میں آباد تھا۔ اس کے علاوہ اس کا باپ منگولوں میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ اس کا نام تونائی خاں تھا۔ چنگیز خان کے لشکر میں اس نے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ جب 624ھ میں چنگیز خان نے وفات پائی تو وہ سرائے چلا آیا۔ نئے قاآن اعظم نے سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کیا تو یہ علاقہ قبائی خان کے حصے میں آیا۔ یہ علاقہ اردوئے زریں کے نام سے مشہور تھا کیونکہ یہاں کے منگول قبائل کے خیمے سنہری رنگ کے ہوتے تھے اس لئے انہیں خیام زریں یا زریں خیل کہا جاتا تھا۔ اس منگولی ریاست میں سرزمین خوارزم، مغربی قپچاق، اردوئے زریں اور روس کا لاکھوں مربع میل رقبہ شامل تھا۔ سرائے اس پوری سلطنت کا دارولخلافہ بن چکا تھا۔ خوارزمی تہذیب کی نقالی کرتے ہوئے یہاں کے لوگوں نے بھی پختہ مکانات تعمیر کر لئے تھے۔ یہاں مسلمانوں کے تجارتی قافلے اکثر آتے تھے۔ منگول خود ان قافلوں کو تحفظ فراہم کرتے۔ مگر جونہی کوئی تاجر کوئی مشکوک حرکت کرتا پایا جاتا تو اسے بلا تحقیق قتل کر دیا جاتا۔ چنگیز خان نے مسلمانوں کے سروں کی ایک قیمت لگائی ہوئی تھی جو اس کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ منگولوں نے مسلمانوں کے سروں کی ایک عرصہ تک قیمتیں وصول کی تھیں، اب بھی وہ ان کے سروں کی جانب حریصانہ نگاہوں سے دیکھتے۔ نیا ضابطہ قانون بڑا سخت رکھا گیا تھا جس میں تاجروں اور سفارت کاروں کو مکمل تحفظ کی یقین دھانی کرائی گئی تھی۔ شکست خوردہ سلطان جلال الدین خوارزم اسی سلطنت کے زیریں حصوں میں اپنے اقتدار کی دوبارہ حصولیابی کے لئے سرگرم رہا تھا اور 628ھ میں ایک کرد کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

مطیع الدین کا باپ نور الدین بڑا دیندار اور متقی شخص تھا اس نے اپنی زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ بلخ کا رہنے والا تھا جب چنگیز خان وہاں حملہ آور ہوا تو وہ ان دنوں معہ اہل و عیال مدینہ گیا ہوا تھا۔ واپس پہنچ کر اس نے بلخ کی بربادی اور تباہ حالی دیکھی تو وہ کئی دن تک آنسو بہاتا رہا۔ اس نے اسی دن سے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر ان بگڑے وحشیوں کو راہ راست پر لائے گا۔ ایک مشکل ترین امر کا پختہ عزم کئے اور مدد خدا کو اپنا محافظ خیال کرتے ہوئے اس نے اپنا رخت سفر باندھا اور سرائے چلا آیا۔ اس نے کسی زمانے میں تاتاری علاقوں میں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیئے تھے جس کی بدولت اسے تاتاری زبان سے کسی حد تک واقفیت ہو گئی تھی۔ وہ مہارت سے تاتاری زبان نہیں بول سکتا تھا مگر کچھ عرصے بعد اس کی یہ خامی مٹ گئی۔ یہاں اس کی آمد کا مقصد تبلیغ و اشاعت اسلام تھا۔ وہ اپنے ساتھ اپنی بیوی اور بچوں کو لایا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی علامہ عبدالعزیز الکندی بھی اس کے ہمراہ ہو گیا۔ سرائے میں مستقلاً رہائش پذیر ہونا بے حد کڑا کام تھا مگر قدرت نے اس کی نیت کا پھل دیا اور اسے وہاں رہنے کی اجازت مل گئی۔ نور الدین روزانہ سینکڑوں تاتاریوں کو اسباق ہدایت سمجھاتا۔ پہلے پہل تو کوئی بھی اس کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ دلوں میں ایمان کی گرمی پیدا ہونے لگی اور ایک دو تاتاری حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ تعداد نہ ہونے کے برابر تھی پھر بھی یہ امید افزا ضرور تھی۔ دن آہستہ آہستہ گذرتے رہے۔ نور الدین کے مکان کے عقب میں تونائی خان کا گھر تھا جس کی بیٹی گل دتوز گذرتی ساعتوں میں جانے کب اپنا دل مطیع الدین کو دے بیٹھی تھی۔ مطیع الدین بھی اس کے فراق میں آہیں بھرنے لگا تھا۔ نور الدین کے تونائی خان سے بے حد عمدہ تعلقات تھے مگر ان میں ابھی ایسی کوئی منزل

نہیں آئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عزیز داری بڑھاتے۔

❀ ❀ ❀

فاطمہ محمود کے معاملے میں اپنے بھائی کی پسپائی پر بے حد مسرور تھی۔ وہ محمود کو اپنے ساتھ لے کر جب گھر لوٹی تو اس کے خاوند ابو مسعود نے اسے مبارکباد دی۔ وہ چاہتا تو دربار سلطانی کا دروازہ کھلوا کر مقدمہ جیت سکتا تھا مگر وہ بے حد اصول پسند اور مذہبی شخص تھا۔ اس نے محمود کو اپنے گھر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ محمود کو ان کے حسن سلوک میں اپنا سابق آقا بند قداری یاد آجاتا۔ محمود کو اس گھر میں کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ وہ غلام ہے۔ فاطمہ کو بچوں سے بے پناہ محبت تھی اس کی ایک وجہ اکلوتا فرزند تھا جو کہ سات سال کی عمر میں بیماری کا شکار ہو کر وفات پا گیا تھا۔ اللہ نے اس کی گود دوبارہ ہری نہیں کی۔ دونوں میاں بیوی اولاد کی محرومی کے باوجود شاکر رہے۔ محمود کو پا کر جیسے انہیں جنت مل گئی تھی۔ ابو مسعود اس کے لئے نئے کپڑوں اور ضروریات کی اشیاء کی فراہمی میں جتا رہتا جبکہ فاطمہ اس پر اپنے سب چاؤ ایک ایک کر کے اتارا کرتی۔ زندگی کے تین سال محمود نے جس جہنم میں کاٹے تھے، اس کا احساس تک معدوم ہوتا جا رہا تھا۔ فاطمہ نے اسے ایک درمیانے درجے کے مدرسے میں داخل کرا دیا۔ جہاں وہ مزید تعلیم حاصل کرنے لگا۔ وہ چونکہ بے حد ذہین تھا اس لئے جلد ہی اساتذہ میں مقبول ہو گیا اور وہ بھی اس پر خصوصی توجہ دینے لگے۔ محمود میں ایک عادت بڑی پختہ تھی جو کہ اس نے کڑے حالات میں بھی اپنائے رکھی تھی۔ وہ نماز پنج گانہ باقاعدگی سے ادا کیا کرتا۔ مسجدوں میں جانے سے اسے جہاں سماجی برائیوں کے خلاف ترغیب ملتی تھی وہیں وہ دوسروں کو اپنی مشاہداتی نگاہوں سے پرکھتا۔ وقت گذرتا گیا فاطمہ کی محنت رنگ لانے لگی۔ محمود کو عمدہ تعلیم تک رسائی حاصل ہو گئی۔ قرآن و فقہ میں اس کو عبور تو نہیں ہو سکا مگر وہ اسلام کے بنیادی شعائر سے بخوبی واقف ہو گیا۔

636ھ کے وسط میں ایک دن جب محمود نے اپنی نئی کامیابی کی خبر فاطمہ کو سنائی تو اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آج اسے اپنا فوت شدہ بیٹا بڑی شدت سے یاد آنے لگا۔ محمود فاطمہ کو روتے دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اُس نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ان کے کوئی اولاد ہوئی تھی یا نہیں۔ وہ اپنے طور پر یہی اخذ کئے بیٹھا تھا کہ اولاد نہ ہونے پر یہ دونوں میاں بیوی رنجیدہ رہتے ہیں۔ اسے یہ معلوم تھا کہ وہ اسے اپنا غلام نہیں بلکہ بیٹا سمجھتے ہیں، محمود نے آگے بڑھ کر فاطمہ کے آنسو اپنی ہتھیلی سے پونچھ ڈالے۔ وہ آج بڑا مضطرب تھا کہ آخر ایسی کونسی وجہ ہے کہ وہ جب بھی کوئی خوشی کی خبر سناتا ہے تو فاطمہ رو پڑتی ہے۔

''میری اُم محسنہ!'' محمود ہمت کر کے بولا۔ ''ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گی''۔

''نہیں تو...... میں کیوں کر برا مانوں؟''

''میں اس بات پر بڑا پریشان ہوں کہ آپ میری کامیابی پر خوش ہوتی ہیں یا غمگین...... خدا کے لئے مجھے آج یہ حقیقت بتا ہی ڈالیے''۔

''نہیں میرے بیٹے!'' فاطمہ اس کی بات پر تڑپ سی گئی۔ ''تیری کامیابی ہی سے ہم زندہ ہیں۔ تجھے دیکھ دیکھ کر ہماری زندگی کٹ رہی ہے''۔

''مجھے کہنا تو نہیں چاہئے مگر سچائی کڑوی ہی ہوتی ہے۔ اللہ نے اگر آپ کو نعمت فرزند سے نہیں نوازا تو اس میں بھی کوئی بھلائی مضمر ہوگی۔ دیکھئے فرزند کے روپ میں اللہ نے مجھے جو آپ کے پاس بھیج دیا ہے''۔ محمود نگاہ جھکا کر بولا۔

''تو صحیح کہتا ہے محمود!'' فاطمہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''اللہ کے کاموں میں بھلائی ہی ہوتی ہے اس

لئے اس نے سات سال کی عمر میں ہی اپنی دی ہوئی نعمت واپس لے لی۔ اگر آج وہ زندہ ہوتا تو...... میں جس طرح تیری کامیابی کی خبر پا کر دلشاد ہو جاتی ہوں۔ ذرا سوچ تو، اس کی کامیابی مجھے کتنی مسرت پہنچاتی۔ تو بے فکر رہ میں تیری کامیابی پر غمگین نہیں ہوں بلکہ اس میں میں اپنے فرزند کو دیکھتی ہوں''۔

محمود اس کی بات پر جہاں حیرت زدہ رہ گیا تھا وہیں اسے بے حد تاسف ہوا کہ اسے ایسی بات چھیڑنا نہیں چاہیے تھی۔

''آپ کے بیٹے کو ہوا کیا تھا؟''

''اسے بخار آ گیا تھا میں نے بہتیرے جتن کئے مگر اسے نہ بچا سکی......'' فاطمہ کی نگاہوں میں گذرے پلوں کی تصویر اُمڈ آئی، وہ سسکنے لگی۔ محمود سے نہ رہا گیا اس نے آگے بڑھ کر فاطمہ کو اپنی مضبوط بانہوں کی آغوش میں لے لیا اور اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔ وہ کسی بیٹے سے کم نہیں تھا۔

''محمود!'' فاطمہ پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرتی ہوئی بولی۔ ''آج اگر میرا بیٹا زندہ ہوتا تو بالکل تمہارے جیسا ہوتا۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ جیسے اُس نے تیری صورت میں مجھے میرا بیٹا واپس لوٹا دیا ہو''۔

''اس میں شک والی کون سی بات ہے۔ میں آپ ہی کا بیٹا ہوں''۔ محمود تیزی سے بولا۔

''تو میرا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ تیرا نام تو محمود ہے اور اس کا نام تو بیبرس تھا''۔ فاطمہ نے سسکتے ہوئے ایک سرد آہ بھری۔ محمود اس کے غم کی شدت کو اپنے دل و دماغ کے دریچوں پر دستک دیتا ہوا محسوس کرنے لگا۔

''میرا نام محمود ہے تو کیا ہوا؟ نام بدلے بھی جا سکتے ہیں۔ میرا نام آج سے بیبرس ہے...... آپ کا بیبرس!'' اچانک محمود فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ فاطمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نگاہیں ایک عرصے سے پیاسی تھیں۔ ان میں ممتا کی محبت کا گہرا درد دکھائی دے رہا تھا پھر فاطمہ سے نہ رہا گیا اس نے محمود کو اپنے سینے سے چمٹا کر آنسوؤں کے دریا بہا دیے۔

غلامی ماں بیٹے کے رشتے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ محمود اب بیبرس ہو گیا تھا۔

''بیبرس بندقداری...''

اسے اپنے مہربان آقا کی یاد کسی پل بھی نہیں بھولی تھی۔ اس نے اپنے اس نئے نام کے ساتھ اس کے لقب کو ہمیشہ کے لئے ساتھ جوڑ دیا تھا۔ فاطمہ دن بھر اسے بیبرس کے نام سے پکارا کرتی۔ وہ کبھی کبھار شفیق فاطمہ میں اپنی ماں کو دیکھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اس کی تلاش ختم ہو گئی ہے۔ اکثر اس کی نگاہیں بھی نم ہو جایا کرتیں۔ ابو مسعود بھی اس نئی تبدیلی سے مسرور ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین نے بڑی عجلت میں دیوار سے دوسری جانب چھلانگ لگائی۔ وہ آج بڑی مشکل سے توتائی خان کی نگاہوں سے بچ پایا تھا۔ وہ ان دنوں کے حالات کی نزاکت سے بخوبی واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ توتائی خان کے سامنے وہ اس کے گھر میں اپنی موجودگی کا کوئی جواز نہیں پیش کر پائے گا اور نتیجتاً اس کے ساتھ ساتھ اس کا گھرانہ بھی منگولیانہ بربریت کا شکار ہو جائے گا۔ یہ گل وقوتڑ کی ڈھیل تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ وہ اس قدر حواس باختہ ہو رہا تھا کہ اس نے دوسری جانب دیکھے بنا ہی چھلانگ لگا دی۔ جب اسے ایک مضبوط گرفت نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا تو اسے ہوش آیا۔ وہ نوجوان منگول تھا، خوش شکل ہونے کے ساتھ اس کے چہرے پر منگولوں کی سی درشتی نہیں تھی۔ مطیع الدین اس نئی افتاد پر گھبرا سا گیا۔ وہ اس کی بانہوں میں جھولتا رہا۔ منگول نوجوان کے چہرے پر رونق سی پھیلی۔

''برادر! آسمان سے ٹپکے ہو یا کسی نے ٹپکا ڈالا ہے؟'' اس کا چہرہ لمحہ بھر میں کشت زعفران بن گیا۔ مطیع الدین اس کی طرف حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے وہم و خیال میں بھی منگول ایسے نہیں ہو سکتے تھے۔

''نہ ٹپکا ہوں اور نہ ہی ٹپکایا گیا ہوں بس ذرا اچھل کود کی مشق کر رہا تھا''۔

مطیع الدین نے بات بنائی۔

''ذرا دھیان سے ایسی مشقیں کیا کرو۔ آج تو میں نے سنبھال لیا ہے ورنہ کسی روز اپنی پسلیاں تڑوا بیٹھو گے''۔ نوجوان نے مسکرا کر کہا اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ مطیع الدین اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل کر زمین پر جا گرا۔ کمر میں ہلکی سی چوٹ نے اس کے منہ کا ذائقہ خراب کر دیا تھا۔

''تمہارا شکریہ......'' مطیع الدین منہ بنا کر بولا۔ نوجوان نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ مطیع الدین اپنے کپڑوں پر لگی دھول جھاڑنے لگا۔

''تم چہرے سے تو ترک لگتے ہو''۔ نوجوان نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''عمدہ پہچان ہے...... تمہاری نگاہ کی داد دینا چاہئے ورنہ اکثر لوگ مجھے عرب خیال کرتے ہیں۔ ویسے تم ہو کون......؟ خدوخال سے تو منگول دکھائی دیتے ہو مگر تمہارا چہرہ اس کی نفی کرتا ہے''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''میں منگول ہی ہوں۔ سنا ہے کہ میری پیدائش ترک علاقے میں ہوئی تھی۔ میری ماں ان دنوں حاملہ تھی اور میرے باپ کے ساتھ جنگ پر نکلی تھی۔ گرجستان میں یا پھر اس کے قرب و جوار میں ہی میری پیدائش ہوئی تھی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ مجھ پر وہ پانی اپنے نقش چھوڑ گیا ہے''۔

اس نے مطیع الدین کی تشنگی مٹا دی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے تھے؟'' نوجوان نے یکدم چونک کر پوچھا۔ اچانک سوال پر مطیع الدین گڑبڑا سا گیا۔

''میں سمجھ گیا ہوں کہ کیا معاملہ ہے؟''

اس نوجوان نے کچھ دیر تک جواب نہ پا کر ہنستے ہوئے کہا۔

''کک...... کیا مطلب؟'' مطیع الدین کی حالت اب ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ چند لمحے پہلے کی بے فکری کافور ہو چکی تھی، ایک رنگ اس کے چہرے پر آتا، دوسرا جاتا۔

''اس کا نام کیا ہے؟'' نوجوان نے جھک کر پوچھا۔ مطیع الدین کو یوں لگا کہ جیسے آج اس کی خیریت نہیں، گردن تو لازماً اتر جائے گی۔

''کک...... کس کا...... مم مم میرا نام تو مطیع الدین ہے''۔ وہ ایک منگول کے سامنے گھبرا گیا تھا۔

''میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا؟...... مگر تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو، تمہاری تو ٹانگیں بھی کانپتی دکھائی دے رہی ہیں''۔ نوجوان نے اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالی۔

''نن...... نہیں تو......!''

''مسلمان ہو اسی لئے اناڑی پن کا مظاہرہ کر رہے ہو...... خیر مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں میرا نام برقائی خان ہے''۔ اس نے ڈھارس بندھائی۔

''شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو کہ تم سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم روایتی منگول نہیں دکھائی دیتے''۔ مطیع الدین اس کے لہجے سے سنبھل چکا تھا۔ وہ خود کو آنے والی کسی بھی مصیبت سے نپٹنے کے لئے تیار کرنے میں مصروف تھا۔

"لگتا ہے.....اب تمہارے عزائم جارحیت کی طرف قدم بڑھانے لگے ہیں"۔ برقائی خان نے اس کی نگاہوں میں مزاحمت کی کرنیں دیکھ لی تھیں۔ مطیع الدین اب قدرے حیرت سے اس کی صورت دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"تم کیا چیز ہو.....؟ دل کی بات آنکھوں سے پڑھ لیتے ہو" مطیع الدین الجھے لہجے میں بولا۔

"تمہاری بات سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ تم نے میری صلاحیت کے لئے اچھے الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ یہ صلاحیت جاودانی آسمان کی بخشی ہوئی ہے۔ جس پر کبھی کبھار میں خود بھی دنگ رہ جاتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ دوستی کرنا پسند کرو گے؟" برقائی خان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یقیناً!" مطیع الدین نے اس کی پیشکش کا خیر مقدم کیا۔ "مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہوگا کہ میں ایک نگاہ شناس رفیق کے ساتھ زندگی کے آئندہ پل بیتا سکوں گا"۔

برقائی خان نے اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ مطیع الدین نے اس ہاتھ کو پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچ کر اسے اپنے گلے لگالیا۔ دونوں کی اچانک ملاقات نے انہیں گہری دوستی کے بندھن میں باندھ دیا۔ ایک ایسی دوستی، جس میں آئندہ آنے والے برسوں میں کئی لازوال سوز پنہاں تھے۔

"اب تو اس کا نام بتا دو.....؟" برقائی خان نے منہ بسور کر کہا۔ جس پر مطیع الدین نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

❀❀❀

636ھ کے آخر میں فاطمہ کا ماموں زاد بھائی جمال الدین المراحی اسے ملنے دمشق چلا آیا۔ وہ سلطان مصر سیف الدین ابوبکر ایوبی الملک العادل ثانی کے دربار میں ایک معزز عہدے دار تھا۔

سلطان الملک العادل ثانی اپنے باپ الملک الکامل کی وفات کے بعد 635ھ میں سلطان مصر بنا تھا۔ اس کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی کہ اسے سلطان مصر بنا دیا گیا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی الملک العادل اول کا پوتا تھا۔ درباری امور سے اسے کوئی شد بد نہیں تھی، وہ سارا دن مختلف انواع کی تفریحوں میں مگن رہا کرتا اور امور سلطنت اتابک، درباری عہدیدار اور امراء سنبھالتے۔ جمال الدین المراحی بھی انہی خاص عہدیداروں میں سے ایک تھا۔ وہ دمشق کے سلطان الملک الصالح اسمٰعیل ایوبی سے ملنے آیا تھا۔ سفارت سے فراغت پا کر اس کا دل فاطمہ سے ملنے کو چاہا تو وہ اس کے گھر چلا آیا۔ فاطمہ اس کی غیر متوقع آمد پر جہاں متحیر ہوئی وہیں اسے بے حد خوشی ہوئی۔ سارا دن پرانی یادوں اور قصوں کی نذر ہوگیا۔ اچانک جمال الدین المراحی نے علی بن الورقہ کے بارے میں پوچھ لیا تو فاطمہ نے اس کا حسن سلوک بیان کرنا شروع کر دیا۔ محمود بیبرس بھی اسی اثناء میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ فاطمہ نے جب اپنا قصہ ختم کیا تو محمود بیبرس نے علی بن الورقہ کی اپنے آقا بندقداری کی داستان اس کے سامنے گوش گزار دی۔ جمال الدین اپنے پھوپھی زاد بھائی علی بن الورقہ کی ناشائستہ حرکات پر بڑا مغموم ہوا۔ فاطمہ نے اپنے بھائی کی ناپسندیدہ حرکات پر تاسف کا اظہار کیا تھا۔ جمال الدین المراحی محمود بیبرس میں خاصی دلچسپی لے رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ محمود بڑی مہارت سے مصری عربی زبان میں بھی بات کر سکتا ہے تو اس نے فرمائش کی کہ وہ اس کے ساتھ مصری زبان میں بات کرے، جب محمود بیبرس نے بات چیت شروع کی تو وہ دنگ رہ گیا تھا کہ اس کے لہجے میں ذرا بھی اجنبیت موجود تھی۔ وہ اس کی خوبی سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ باتوں باتوں میں مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ فاطمہ کا شوہر ابو مسعود بھی لوٹ آیا۔ محمود بیبرس نماز کے لئے وہاں سے اُٹھ گیا۔ فاطمہ ان دونوں کے لئے کھانے کے انتظام میں مصروف ہوگئی۔ ابو مسعود اور جمال

الدین میں حکومتی امور پر بات چیت ہوتی رہی۔ جمال الدین المراحی نے اگلی صبح واپسی کا بتایا تو ابو مسعود خاصا جز بز ہوا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ کم از کم ایک ہفتہ تو ان کے پاس رہتا۔

رات کو جمال الدین المراحی جب اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا تو محمود بیبرس اس کے پاس چلا آیا کہ شاید اسے کسی چیز کی ضرورت ہو یا دبوانے کی حاجت ہو۔ جمال الدین نے اسے منع کرتے ہوئے فاطمہ کو بلانے کے لئے کہا۔ محمود نے فاطمہ کو جمال الدین کا پیغام دیا تو وہ اس کے پاس چلی آئی۔ جمال الدین نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فاطمہ نے ایک تکیہ دیوار کے ساتھ لگایا اور اس پر ٹیک لگاتے ہوئے اس کے بالمقابل بیٹھ گئی۔

"فاطمہ بہن!" جمال الدین قدرے توقف سے بولا۔ "میں نے تمہارے گھر کا حال بغور دیکھا ہے جو کہ تمہاری محرومیوں اور افلاس کی داستان چیخ چیخ کر سنا رہا ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم نے ایسے میں کبھی اپنے اس بھائی کو یاد نہیں کیا"۔

"جمال الدین!" فاطمہ اس کی بات پر دھیما سا مسکرائی۔ "میں نہیں سمجھتی کہ محرومیاں اور افلاس کبھی ہمارے گھر میں داخل ہو پائے ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں بہتر زندگی سے نوازا ہے۔ مجھے ایسی امارت کبھی نہیں چاہیے تھی جو مجھے اپنے بھائی جیسا مغرور اور ظالم بنا دیتی۔ میرے پاس محبت، دل کے سکون اور عاجزی و انکساری جیسی نعمتیں ہیں۔ جن کا اکثر امراء کے پاس فقدان ہوتا ہے"۔

"فاطمہ بہن!" جمال الدین بولا۔ "تم صحیح کہتی ہو مگر دنیا کے کچھ نہ کچھ لوازمات بھی ہوتے ہیں، مجھے تمہارے انکار پر فخر ہے مگر تم نے اپنے بعد کے لوگوں کے بارے میں کبھی کچھ سوچا ہے"۔

"کیا مطلب؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

فاطمہ چونک پڑی۔

"میرا اشارہ بیبرس کی جانب ہے"۔ جمال الدین نے کہا۔

"صاف صاف کہو! میں کچھ سمجھی نہیں"۔

فاطمہ اس کی بات پر الجھ سی گئی۔

"بیبرس کی عمر تقریباً کتنی ہوگی؟"

جمال الدین نے ایک نیا سوال کر دیا۔

"میرے خیال میں وہ ستارھویں برس میں قدم رکھ چکا ہے"۔ فاطمہ سوچتے ہوئے بولی۔

"تم نے کبھی اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے کہ وہ آنے والے وقت میں کیا کرے گا.....؟ اس کا ذریعہ معاش کیا ہوگا؟" جمال الدین نے پوچھا۔ فاطمہ اس کی بات سن کر پریشان سی ہوگئی۔

"اس جانب مجھے کبھی سوچنے کا خیال نہیں آیا۔ میں ابو مسعود سے مشورہ کروں گی کہ وہ اسے سفارش کر کے دربار میں کوئی کام دلوا دے"۔ فاطمہ جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی۔

"فاطمہ بہن!" جمال الدین تیزی سے بولا۔ "یہ خیال دل سے نکال دو کہ ابو مسعود کی سفارش پر اسے کوئی ڈھنگ کا کام مل سکے گا۔ اگر تمہارے شوہر میں ایسی کوئی قابلیت ہوتی تو وہ آج تک اس معمولی عہدے پر ہی ٹکا نہ رہتا"۔ جمال الدین کا لہجہ آخر میں کڑوا ہو گیا تھا۔

"تم کسی حد تک صحیح کہتے ہو..... مگر میں ایسے میں اور کیا سوچ سکتی ہوں؟" فاطمہ زچ سی ہوگئی۔

"دیکھو فاطمہ بہن!" جمال الدین سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "تمہارے پاس کوئی خزانہ تو ہے نہیں کہ تم آنے والے کل میں نکال کر بیبرس کے حوالے کر دو کہ وہ تجارت کر سکے اور نہ ہی تمہارے شوہر کے مراسم کی کوئی ایسی

نوعیت ہے کہ تم اسے کوئی اچھا عہدہ دلوا سکو"۔ وہ یکدم خاموش سا ہو گیا۔

"تم بولتے رہو میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں"۔ فاطمہ اس کی جانب غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میرے پاس ایک چھوٹی سی تجویز ہے جس کی بدولت تمہارے بیٹے کو ایک اچھا اور روشن مستقبل میسر آ سکتا ہے"۔ جمال الدین نے کہا۔

"میں تمہاری تجویز سننے کے لئے بے تابی کا مظاہرہ کروں یا تم اب جان بوجھ کر بات میں اسراریت پیدا کرنے پر تلے ہو"۔ فاطمہ نے اس پر طنز کیا۔

"اوہ! برا مت ماننا فاطمہ بہن!" جمال الدین کھسیانا ہو کر دانت نکالنے لگا۔ "سلطانوں کے دربار میں رہ کر کچھ ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ بات کرتے میں دائیں بائیں بھٹک جاتا ہوں۔ تمہید باندھنا وہاں تو مجبوری ہوتی ہے مگر عام زندگی میں بھی اس کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میرے پاس ایک تجویز ہے اگر بیبرس کو میرے ساتھ مصر بھیج دو تو میں اسے اپنے دربار میں کسی اچھے عہدے پر پہنچا سکتا ہوں۔ میں نے اس میں ایک عمدہ صلاحیت دیکھی ہے جو کہ اسے ایک دن کسی اچھے مقام تک پہنچا دے گی"۔

یہ سن کر جیسے فاطمہ کے دل پر چوٹ لگی۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں اس کے بغیر رہنے کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی"۔ فاطمہ اس کی بات سن کر مزید پریشان ہو گئی۔

"دیکھو بہن!" جمال الدین سمجھاتے ہوئے بولا۔ "بچوں کے اعلیٰ اور روشن مستقبل کے بارے میں والدین اس وقت سے سوچنا شروع کر دیتے ہیں جب وہ ان کی گود میں کلکاریاں مارتے ہیں، پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب والدین کو بچوں کو عملی زندگی کے میدان میں اتارنا پڑتا ہے تو اس وقت وہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں سعادت دیتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بیبرس کی عملی زندگی کا وقت اب شروع ہو چکا ہے، تمہیں اسے گھر میں بٹھا کر نکھٹو بنانے کے بجائے کسی کام دھندے میں لگا کر اسے اجنبیوں کے درمیان تنہا بھیج دینا چاہئے تا کہ وہ اپنے کردار کی تعمیر کر سکے، اپنے مستقبل کی اہمیت سے آگاہ ہو جائے اور کوئی ہدف مقرر کر کے اس کی جانب بڑھنا شروع کر دے۔ اگر تم سے اس کی جدائی برداشت نہیں ہوتی تو تم بھی اس کے ہمراہ مصر چلی چلو۔ اپنے بیٹے کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو اور اس کی ترقی اپنی آنکھوں سے دیکھو"۔

"مصر! نہیں نہیں......" فاطمہ یکلخت گھبرا اٹھی۔ "میں دمشق سے باہر نہیں جا پاؤں گی۔ تم تو جانتے ہو کہ میں یہاں اسی گھر میں پلی بڑھی، جوان ہوئی، پھر ایک دن بیاہ کر میکے چلی گئی۔ میکے والوں نے جب گھر بدر کیا تو میں نے دوبارہ اسی گھر میں آ کر پناہ لی تھی۔ اسی گھر میں میری آنکھوں کے سامنے میرے والدین گذر گئے اور ان کے بعد میں نے جوانی سے بڑھاپے تک کا سفر یہیں طے کیا۔ ... اب میں آخری عمر میں مصر چلی جاؤں ...... یہ مجھ سے کبھی نہیں ہو گا"۔

"تمہیں اپنے بیٹے کی زندگی بنانے کے لئے یہ قربانی تو دینا ہی ہو گی"۔ جمال الدین بولا۔

"تم اگر کچھ کر سکتے ہو تو یہیں کر دو...... تم سلطان دمشق سے سفارش کر کے بیبرس کو کوئی عہدہ دلوا دو"۔ فاطمہ کا لہجہ رندھ سا گیا تھا۔

"فاطمہ بہن!" جمال الدین فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "دمشق میں کسی سفارش کی میں تمہیں کوئی طفل تسلی نہیں دوں گا۔ میں یہاں محض حکومتی کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ دربار تک رسائی تو ضرور ہے مگر یہاں میری سفارش کی کوئی حیثیت نہیں۔ البتہ مصر میں میں جو چاہوں گا کر سکوں گا"۔

"ٹھیک ہے...... تمہارا بے حد شکریہ کہ تم نے میری توجہ ایک ضروری معاملے کی جانب مبذول کرائی جس سے میں بے خبر تھی۔ میں خود ہی کوئی تدبیر کروں گی شاید کوئی سبیل نکل آئے"۔ فاطمہ نے جواب دیا۔ جمال الدین اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اسی اثناء میں ابومسعود بھی وہاں آ گیا۔ وہ کسی کام کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ جمال الدین نے بات کو ختم کرنے کے بجائے مزید بڑھا دیا۔ کافی دیر تک ان تینوں میں گرما گرم بحث جاری رہی۔ ابومسعود نے فاطمہ کو سمجھایا کہ جمال الدین کا مؤقف درست ہے، دمشق کے بجائے مصر میں بیبرس کو اچھے مواقع مل سکیں گے۔ باتوں باتوں میں تہجد کا وقت ہو گیا۔ ابومسعود نے صبح دربار حاضری کا عذر پیش کرتے ہوئے وہاں سے رخصت لی۔ فاطمہ بھی جمال الدین کو وہاں تنہا چھوڑ کر اٹھ گئی تا کہ وہ کچھ دیر سو سکے۔ فاطمہ مہمان خانے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہاں بھی کچھ دیر ابومسعود نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ بیبرس کو خود سے جدا کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ کافی دیر تک ان دونوں میں حیل و حجت چلتی رہی، بالآخر فاطمہ نے فیصلہ کر لیا کہ اسے بیبرس کے روشن مستقبل کے لئے عارضی جدائی کا صدمہ برداشت کر لینا چاہئے۔

❀ ❀ ❀

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مطیع الدین اور منگول نوجوان برقائی خان میں قربت بڑھتی چلی گئی برقائی خان بلا روک ٹوک اس کے گھر آنے جانے لگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کیا کرتے۔ عمر رسیدہ نورالدین کو ان دونوں کی دوستی پر بڑا ناز تھا۔ مطیع الدین سے برقائی خان نے کئی بار پوچھا کہ وہ کس حسینہ کے پیچھے دیوانہ ہوا پھرتا ہے مگر مطیع الدین لاشعوری طور پر اسے بتانے سے گریز کرتا رہا۔ برقائی خان نے کبھی بھی اس پر دباؤ نہیں ڈالا اور نہ ہی اصرار کیا کہ وہ اسے اس بارے صحیح بتائے۔ حالانکہ جس گھر میں سے وہ کودا تھا اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ دونوں اکثر ریچھ اور بھیڑیوں کے شکار پر دریائے والگا کے ملحقہ جنگلوں میں چلے جاتے تھے۔ یہ برف کا جنگل کہلاتا تھا کیونکہ یہاں کے درخت ہمیشہ برف سے لدے رہتے۔ برف میں سفید ریچھ اور سفید بھیڑیوں کو ڈھونڈنا اور پھر انہیں اپنے نوکیلے نیزے کا نشانہ بنانا بڑا دشوار کام سمجھا جاتا تھا۔ منگولوں کے لئے یہ کام عام سی بات تھی۔ ان کے بچے ابتدائی عمر میں ہی اس کام کی تربیت پاتے تھے۔ برقائی خان کی عقاب جیسی نگاہوں سے جانور بھی پناہ مانگتے تھے۔ مطیع الدین اس کی صلاحیت کی اکثر داد دیئے بنا نہ رہ پاتا۔

حسب عادت وہ آج پھر شکار کی نیت سے علی الصبح گھر سے روانہ ہوئے۔ برقائی خان والگا کے جنگل سے اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا اس نے ضد کی کہ وہ سرکیشی پہاڑی پر چلیں گے۔ جہاں دوسرے کئی خونخوار جانور موجود ہوتے ہیں۔ مطیع الدین نے پہلے پہل تو انکار کیا مگر وہ اس کی ضد کے سامنے زیادہ دیر تک جم نہ سکا۔ اسے سرکیشی پہاڑی پر چلنا ہی پڑا۔ یہ دریائے والگا کے جنگل سے قریباً سو کوس دور تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے کم از کم نصف دن خرچ ہو جاتا تھا جبکہ پہاڑی پر چڑھائی باقی نصف دن ہڑپ کر جایا کرتی۔ بڑے مشکل حالات میں ہی منگول ادھر کا رُخ کیا کرتے تھے، جب والگا کے جنگل میں شکار ختم ہو جاتا۔ البتہ منگولوں کا ایک قبیلہ اس پہاڑی پر ہر ہفتے روانہ ہوتا تھا۔ یہ منگول سمنائی کہلاتے تھے۔ ان کا ذریعہ معاش ہی ریچھ اور بھیڑیئے تھے۔ وہ ان کو شکار کرنے کے بعد ان کی کھالیں بڑی نفاست سے اتار لیا کرتے اور انہیں سرائے لا کر مناسب داموں میں فروخت کر دیتے۔ انہی لوگوں سے منگول تاجر کھالیں خرید کر دوسرے شہروں میں جاتے تھے۔ سمنائی قبیلے کے بارے میں مشہور تھا کہ اگر ان کا شکار چھیننے کی کوشش کی جائے تو وہ اپنے مخالف کو نہ صرف جان سے مار دیتے تھے بلکہ اس کی کھال اتار کر اپنے جوتے بنوایا کرتے۔ وہ اس بارے میں بڑی مسرت سے بتاتے کہ انسانی کھال کے جوتے

ہر قسم کی سردی کو زائل کر دیتے ہیں۔ سرکیشی پہاڑی کے علاوہ دوسری کئی پہاڑیوں پر ان کے مسکن تھے۔ شدید ترین سردی میں رہنا بڑی ہمت کی بات تھی۔ وہ شہروں کی زندگی کو عیاشی کہا کرتے۔

برقائی خان نے چلتے وقت جب سنائی قبیلے کے بارے میں مطیع الدین کو بتایا تو جہاں اسے ان کی دشوار ترین زندگی پر حیرت ہوئی، وہیں ان کا طرز عمل جان کر اس کے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے چھوٹے قد کے گھوڑے ہمراہ لئے اور اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگے۔ یہ گھوڑے لمبے لمبے بالوں کے باعث عربی گھوڑوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے جسم پر قدرتی طور پر اضافی چربی چڑھی ہوتی ہے اور ان کی ٹانگیں لمبے لمبے بالوں سے ڈھکی رہتی ہیں۔ جس کے باعث وہ شدید ترین سردی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہی گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر چنگیز خان نے سلطنت خوارزم روند ڈالی تھی۔ تینوں گھوڑے برف کے میدان میں اپنے سم دھنساتے ہوئے سرکیشی پہاڑی کی جانب بڑھتے رہے۔

دوپہر ڈھلنے تک وہ سرکیشی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے تھے۔ مطیع الدین نے سر اٹھا کر عقب میں دیکھا تو اسے برف کے طویل میدان کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیا۔ سورج آسمان پر موجود تو تھا مگر اس کی بے رونق ہلکی دھوپ برف کا کچھ بھی نہیں بگاڑ پا رہی تھی۔ البتہ برف کے میدان پر دھوپ طلائی رنگت بکھیر کر اسے دلکش ضرور بنا رہی تھی۔ کہیں کہیں اونچے درخت بھی دکھائی دیتے جو برف سے ڈھکے پڑے تھے اور دھوپ کی ملمع سازی کا لاجواب شاہکار بنے ہوئے تھے۔ ایسے مناظر مطیع الدین نے محض سن رکھے تھے۔ اسے انہیں کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ نہ مل پایا تھا۔ آج وہ قدرت کے ان حسین ولطیف نظاروں سے محظوظ بھی ہو رہا تھا، اسے بھی کبھار یہ دنیا زمین پر نہیں آسمان پر محسوس ہوتی۔ برقائی خان اس کے چہرے پر ایک آدھ نظر ڈالتا اور اسے مسحور پا کر زیر لب مسکرا دیتا۔

جب برقائی خان نے اسے بتایا کہ اب پہاڑی پر چڑھائی کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے تو مطیع الدین کوہ قاف کے تخیل سے نکل کر محتاط ہو گیا۔ انہوں نے اپنے تینوں گھوڑوں کو ترتیب سے قطار میں چلانا شروع کر دیا۔ وادی کا سفر تو انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھ پر طے کیا تھا مگر چڑھائی میں انہیں پیدل چلنا تھا۔ اکثر راستے بے حد دشوار اور غیر متوازن تھے جن سے پھسل جانے کا خطرہ تھا۔ برقائی خان نے اسے خصوصی طور پر ان راہوں کے بارے میں قبل از وقت آگاہی دینا مناسب سمجھی۔ جونہی ایسا کوئی رستہ قریب ہوتا تو وہ خبردار کر دیتا۔ اس نے صاف الفاظ میں متنبہ کر دیا کہ یہاں سے گرنے والے کی لاش تک نہیں مل پاتی۔ ان رستوں کے ہمراہ کئی گہری کھائیاں منہ کھولے انہیں اپنی جانب کھینچ رہی تھیں۔ وہ دونوں مسلسل مسافت کے بعد سورج ڈھلنے سے پہلے ہی اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔ یہیں انہوں نے اپنے خیمے لگانا تھے۔ رات بسر کرنے کے بعد اگلی صبح وہ جانوروں کے شکار پر نکل پڑتے۔ برقائی خان نے تیسرے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھے ہوئے بڑے تھیلے کو اتارا اور اس میں سے ایک بڑا خیمہ نکالا جو سنہری رنگت کا تھا۔ دونوں دوست مل کر خیمہ کو برف میں گاڑنے لگے۔ مطیع الدین نے دن بھر کی مسافت کے دوران تھکن محسوس نہ کی۔ خیمے لگتے ہی بھوک اور تکان دونوں اس پر حملہ آور ہو گئیں۔ اس نے بھوک کی شدت کا ذکر جب برقائی خان سے کیا تو اس نے قہقہہ لگا کر کھانے پینے کا سامان نکالا اور پھر دونوں اپنے خیموں کے دامن میں کھانا کھانے لگے۔ کھانے سے فراغت پاتے ہی مطیع الدین ایک بستر پر دراز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار دکھائی دینے لگا۔ برقائی خان اسے یونہی چھوڑ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر گذر گئی تو مطیع الدین کو اس کا خیال آیا کہ برقائی خان کہاں چلا گیا ہے؟ اس خیال کے کوندتے ہی اس کی نیند کافور ہو گئی۔ اس نے بستر چھوڑا اور باہر نکل آیا۔ رات ہو چکی تھی اور ہر سو چاند کی مدھم سی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے چاروں جانب نگاہ دوڑائی مگر برقائی خان کا دور تک پتہ نہیں تھا۔ تینوں گھوڑے اپنی جگہ بندھے تھے۔ مطیع الدین کچھ فاصلے تک چاروں جانب اسے تلاش کرتا رہا مگر وہ یوں غائب ہو چکا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ جانے کیوں مطیع الدین کو خوف سا محسوس ہونے لگا۔ وہ سردی سے کانپتا ہوا واپس اپنے خیمے پر لوٹ آیا۔ شدید سردی کے عالم میں وہ خیمے کے اندر بیٹھنے کے بجائے باہر بیٹھا برقائی خان کی راہ تک رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

اگلی صبح جب جمال الدین کو ابو مسعود نے بتایا کہ وہ فاطمہ کو راضی کر چکا ہے تو کامیابی کی مسرت سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ فاطمہ نے آنسوؤں کے جلو میں ہیرس کو تیار کیا اور اسے روانگی مصر کی خبر دی۔ ہیرس اس فوری فیصلے پر ششدر رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اگلی صبح جمال الدین کے ساتھ ہی رخصت ہونا پڑے گا۔ فاطمہ نے اسے جی بھر کر پیار کیا اور نرمی سے سمجھایا کہ اسے ایک جگہ ٹھہر کر زندگی کو منجمد نہیں کرنا چاہئے بلکہ کسی اچھے مقام کی جانب قدم بڑھاتے رہنا چاہئے۔ یہ دوری محض عارضی ہو گی۔ جب وہ کسی مقام تک پہنچ گیا تو وہ خود اس کے پاس چلی آئے گی۔ ہیرس کا دل بے حد مغموم تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں ماں جیسی شفیق مالکن سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پہلے تو مصر جانے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ اسے تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا مگر فاطمہ اپنے دل کو تھامے اسے سمجھاتی رہی۔ ہیرس کو مصر بھیجنے پر اس کا من بھی رضامند نہیں تھا مگر وہ اپنے شوہر سے وعدہ کر چکی تھی کہ وہ ہر قیمت پر ہیرس کو مصر بھیجے گی تاکہ اس کا مستقبل اندھیروں سے نکل کر تابناکی کی جانب رواں ہو۔ صبح کے پہلے پہر ہیرس کا ضروری سامان باندھ کر اسے روانہ کر دیا گیا۔ چلتے وقت فاطمہ نے ہیرس کو حکم دیا تھا کہ وہ جمال الدین کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے اور اس کی حکم عدولی کا مرتکب نہ ہو۔ فاطمہ اور ابو مسعود دونوں اسے قافلے میں سوار کرانے ساتھ آئے تھے۔ جب تک قافلہ روانہ نہیں ہو گیا، فاطمہ ہیرس کو پند و نصائح کرتی رہی۔ جب قافلہ روانہ ہوا تو فاطمہ کی آنکھیں چھلک پڑیں اس نے تیزی سے دوسری جانب منہ پھیر لیا، کہیں اس کے آنسو ہیرس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائیں۔ جمال الدین نے ہاتھ ہلا کر اسے خدا حافظ کہا۔ ہیرس گردن موڑے ان دونوں کی جانب حسرت سے دیکھتا رہا۔ وہ کیسے آقا تھے؟ جنہوں نے اس کی غلامی کو فرزندی میں بدل ڈالا اور اس کے دامن میں اتنی خوشیاں بھر دیں کہ وہ سابقہ تلخی اور کڑواہٹ کو بھول گیا۔ آج انہوں نے ہیرس کے روشن مستقبل کے لئے خود کو تنہا کر لینا گوارہ کر لیا تھا۔

قافلہ کئی دن کی مسافت طے کر کے مصر کے دارالخلافہ قاہرہ جا پہنچا۔ جب ہیرس کو قاہرہ کی فصیل دکھائی دی تو اس کی نگاہ کے سامنے بند قداری کا چہرہ گھوم گیا۔ وہ اس کے ہمراہ کئی بار اس شہر آ چکا تھا۔ مگر آج وہ یہاں بند قداری کے بغیر آیا تھا، ایک ایسے اجنبی کے ساتھ جو محض چند دن پہلے ہی اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا اور اس نے آتے ہی ہیرس کی دنیا بدل ڈالی تھی۔ قپچاق سے شروع ہونے والا سفر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ کاکیشیا، بلخ، دمشق، حماۃ اور اب قاہرہ۔ ہیرس صبر و تحمل سے جمال الدین کے ساتھ رہا۔ جمال الدین نے چند دن تک اسے اپنے پاس رکھا۔ ہیرس کے مشاہدے میں ایک بات آئی تھی کہ جمال الدین میں امارت کا تکبر جہاں تھا، وہیں اس کا سلوک اس کے ساتھ مناسب نہیں تھا وہ اسے فاطمہ کا بیٹا نہیں بلکہ غلام سمجھتا تھا۔ طوق غلامی اس کے گلے سے اترنے کے بعد دوبارہ اپنا حلقہ تنگ کر رہا تھا۔ ہیرس نے ایک دن جمال الدین سے بات کرنے کی کوشش کی۔

''جمال ماموں!'' ہیرس نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ ''کیا بات ہے؟ میں چند دن سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں...... کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے؟'' جمال

الدین نے اس کی جانب غور سے دیکھا اور استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''ہیرس!'' ہیرس کو اس کے لہجے میں درشتی محسوس ہوئی۔ ''غلام کسی کی مجبوری اور بے بسی کا فائدہ اٹھا کر اس کی نگاہ میں ہر دلعزیز تو بن جاتا ہے مگر اسے اپنی حیثیت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ فاطمہ اپنے بچے کی جدائی میں شدید صدمے سے دوچار تھی...... ایسے میں تمہاری آمد نے اس پر بھلا اثر ڈالا، تم نے اس کا دل اپنی چکنی چپڑی باتوں سے جیت لیا اور ماں بیٹے کا کھیل شروع کر دیا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ میں وہاں پہنچ گیا ورنہ تم اپنے کھیل میں پوری طرح کامیاب تھے۔ اب یاد رکھو کہ میں تمہارا ماموں نہیں صرف آقا ہوں۔ آج کے بعد اگر تم نے حدِ تمیز پار کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارے ساتھ آقاؤں والا سلوک کروں گا...... میرا خیال ہے کہ تم سمجھ گئے ہو''۔

ہیرس اس کا رنگ ڈھنگ یوں بدلتے دیکھ کر جہاں حیران رہ گیا تھا، وہیں وہ اپنے اوپر اتنا بڑا بہتان برداشت نہ کر پایا۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور آنکھوں سے دو ننھے سے آنسو پلکوں پر آ کر ٹھہر گئے۔ جمال الدین نے کھلے لفظوں میں اسے اپنے آقا ہونے کا احساس دلایا۔

ہیرس سمجھ چکا تھا، اس نے معصوم فاطمہ کو دھوکا دے کر اسے ہتھیا لیا ہے، اسے بڑھاپے کے سہارے سے محروم کر دیا ہے۔ فاطمہ نے چونکہ اسے اپنی رضامندی سے اس کے حوالے کیا تھا لہٰذا اب اس پر فرض تھا کہ وہ اسے اپنے نئے آقا کے طور پر قبول کر لے۔

''آپ نے ایک معصوم عورت کو صریحاً دھوکا دیا ہے، وہ آپ کو جانے کیا سمجھتی تھی اور آپ کیا نکلے؟'' ہیرس تلخی سے بولا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں مچل رہی تھیں مگر وہ جمال الدین پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کر رہا تھا۔ عنفوانِ شباب کی منزل تھی اگر وہ ایسے میں کچھ کر گزرتا تو اسے جائز سمجھا جاتا۔ جمال الدین کے چہرے پر اس کی بات سن کر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آج اپنے کھیل میں ناکامی پر تم کتنا تاؤ کھا رہے ہو، اپنی دھوکہ دہی کو مجھ پر ملتزم کر رہے ہو۔ بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا...... میں اس کے لئے تمہیں معاف کرتا ہوں...... یاد رکھو آئندہ کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ تم نے آج تک میرا شفقت بھرا روپ دیکھا ہے، مجھے مجبور مت کرنا کہ میں جلاد بن جاؤں۔ تمہاری جوانی پر مجھے رحم آتا ہے...... خیال رکھنا کہ میرا رحم برقرار رہے''۔

جمال الدین کے لہجے میں سختی کے ساتھ ساتھ دھمکی بھی تھی۔ ہیرس نے اس کی بات پر منہ بنایا۔ وہ فوری طور پر اسے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اسے کسی مناسب موقعہ کی تلاش تھی، جب وہ اسے اس کے کیے پر سزا دے سکتا۔ فاطمہ سے جدائی اور جمال الدین کے بے اعتنائی نما دھوکے نے اسے شدید صدمے سے دوچار کیا تھا مگر اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا کیونکہ ایسے ابھی کئی موڑ اس کی زندگی میں آنا تھے جن کے لئے اسے قبل از وقت تیاری کرنا تھی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کا سردی کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ دو گھنٹے گزر چکے تھے مگر برقائی خان کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ مطیع الدین اچھی طرح جانتا تھا کہ برقائی خان غیر ذمہ دار شخص نہیں ہے، نہ ہی وہ کوئی ایسا مذاق اس کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اگر اس نے مذاق بھی کیا ہے تو سرد ترین موسم میں اسے بھی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ مطیع الدین نے دونوں ہتھیلیاں رگڑ کر گرم کیں۔ سردی اس کے جسم میں سرایت کر رہی تھی مگر وہ فکر مندی کے عالم میں اسے فراموش کئے ہوئے تھا۔ اچانک اسے دور جھاڑیوں میں سرسراہٹ سی سنائی دی۔ وہ تیزی سے سنبھل گیا، وہ مدھم

روشنی میں آنکھیں پھاڑے جھاڑیوں کی جانب گھور رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اسے یوں لگا کہ جیسے برقائی خان واپس لوٹ آیا ہو مگر دوسرے ہی لمحے اسے کسی جانور کا خیال آ گیا۔ ممکن ہے کہ کوئی جانور وہاں آ نکلا ہو۔ اگر بھیڑیا ہوا تو وہ اس سے نمٹ سکتا تھا مگر سفید ریچھ ہوا تو اس کے لئے مشکل کام ثابت ہوتا۔ جنگلی جانور کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے جھرجھری سی بدن میں دوڑتی محسوس ہوئی اور چہرے پر بے چینی سی پھیل گئی۔ سرسراہٹ دوبارہ سنائی نہیں دی۔ اس نے اسے واہمہ سمجھا مگر جب دوبارہ سرسراہٹ ہوئی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے پہلو میں سے لمبا سا خنجر نکال لیا۔ خیمے کے دروازے پر ان کے نیزے گڑے ہوئے تھے۔ مطیع الدین نے محتاط انداز میں اٹھ کر ایک نیزا اکھاڑ لیا۔ نیزہ یخ ہو چکا تھا۔ وہ اب پوری طرح خبردار تھا۔ لمحہ بھر میں دوبارہ سرسراہٹ سنائی دی۔ اس مرتبہ سرسراہٹ زیادہ قریب تھی۔ مطیع الدین ذہنی طور پر پوری طرح کسی بھی ناگہانی افتاد سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔

اچانک جھاڑی پوری طرح اطراف میں کھسکتی چلی گئی اور اس میں سے ایک دیوہیکل سایہ برآمد ہوا۔ سایہ کو یوں برآمد ہوتے دیکھ کر مطیع الدین کو لمحہ بھر کے لئے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔ وہ سایہ بڑا عجیب سا تھا۔ اس کا سر تین گنا بڑا دکھائی دے رہا تھا اور وہ دو پیروں پر چل رہا تھا۔ مطیع الدین سمجھ گیا کہ یہ کوئی بڑا سفید ریچھ ہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کی رنگت سفید نہیں تھی۔ سفید ریچھ چاہے جیسی جسامت کے ہوں ان کی سفید رنگت دور سے ہی ان کی پہچان کرا دیتی تھی۔ مطیع الدین نے نیزہ اس کی جانب بالکل سیدھا کر دیا۔ وہ سایہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جونہی وہ قریب پہنچا تو مطیع الدین حملہ کرنے کے لئے چاق و چوبند ہو گیا۔

''ارے...... ارے! حملہ نہ کر دینا''۔ ایک چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ایک گہرا سانس سیٹی کی آواز نکالتا ہوا اس کے ہونٹوں سے خارج ہو گیا۔ وہ کوئی اور نہیں تھا برقائی خان ہی تھا جس کے سر پر لکڑیوں کا ایک بڑا سا گٹھا لدا تھا۔ اس نے خیمے کے قریب ہی وہ گٹھا پھینک دیا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں اتنی دیر سے تمہارے انتظار میں یہاں باہر بیٹھا پریشان ہو رہا ہوں''۔ مطیع الدین نے پرشکوہ لہجے میں کہا۔

''ابھی ٹھہرو، دم بھر سانس تو لینے دو بھئی۔ سب بتاتا ہوں''۔ برقائی خان نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کے کندھے پر بھی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس نے وہ شے کندھے سے اتاری تو مطیع الدین نے دیکھا، وہ ایک اوسط جسامت کا جانور تھا وہ خون سے لت پت تھا۔ برقائی خان نے خیمے کے پاس پڑے پتھر تیزی سے چننا شروع کر دیئے۔ مطیع الدین اس کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے کام میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ دونوں نے مل کر دائرے کی شکل میں پتھر جوڑ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر برقائی خان نے لکڑیاں اس دائرے میں ڈال کر ان پر شراب کی بوتل کھول کر انڈیل دی۔ لکڑیاں بالکل خشک تھیں، جن پر مطیع الدین کو بھی حیرت تھی۔ جب لکڑیوں کو آگ دکھائی گئی تو وہ تیزی سے بھڑک اٹھیں۔ آگ کا بڑا سا الاؤ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ خیمے کے اطراف میں آگ کی تیز روشنی پھیل گئی۔ مطیع الدین کو ایسا لگا جیسے دن نکل آیا ہو۔

برقائی خان نے خاموشی سے اس جانور کو سیدھا کیا، اور خنجر سے اس کی کھال اتارنے لگا۔ آگ کی روشنی میں مطیع الدین نے دیکھا، وہ بڑا عجیب سا جانور تھا۔ دیکھنے میں وہ مینڈھا لگتا تھا مگر اس کے بدن پر لمبے لمبے بال موجود تھے۔ بال بھی کچھ ایسے تھے جیسے کسی نے گوند کر ان کی موٹی موٹی لٹیں بنا دی ہوں۔

''یہ کیا چیز ہے؟ آج سے پہلے تو میں نے اسے نہیں دیکھا''۔ مطیع الدین نے سوال کیا۔

''اسے یاخ کہتے ہیں!'' برقائی بولا۔ ''یہ نایاب جانور ہے۔ عموماً پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پایا جاتا ہے۔ اسے بلندی کی جانب چڑھنے کی عادت ہوتی ہے۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ یہ جب نیچے کی طرف دیکھتا ہے تو گہرائی دیکھ کر اس کا دل دہل جاتا ہے اور یہ اسی خوف میں مزید اوپر چڑھتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ چوٹیاں سر کر لیتا ہے''۔

''مجھے تو یہ مینڈھے جیسا لگتا ہے''۔ مطیع الدین نے کہا، وہ عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں نے بھی سنا ہے، یہ مینڈھے کے خاندان میں سے ہے''۔

برقائی خان اس سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی کھال اتارنے میں بھی مصروف تھا۔

''یہ تمہیں اچانک شکار پر نکل جانے کی کیا سوجھی، میں یہاں الگ پریشان رہا کہ کہیں تمہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو''۔ مطیع الدین نے منہ بسور کر پوچھا۔ اس کی بات سن کر برقائی خان کے دانت نکل آئے۔

''میرا ارادہ شکار کا نہیں تھا۔ میں تو ان جھاڑیوں میں لکڑیاں چننے گیا تھا۔ رات کو اگر آگ جلا دی جائے تو خیمہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ جنگلی جانور آگ کی روشنی دیکھ کر دور ہی سے بھاگ جاتے ہیں۔ میں ابھی لکڑیاں چن رہا تھا کہ میری نظر اس پر جا پڑی، میں نے اس پر چھلانگ لگائی مگر یہ میرے ہاتھوں سے پھسل کر نکل گیا۔ مجھے ہاتھوں سے شکار نکلتا دیکھ کر جوش آ گیا پھر کیا تھا؟...... یہ آگے آگے اور میں اس کے تعاقب میں...... یہ چوکڑیاں بھرتا ہوا کافی دور نکل گیا تھا اسی لئے مجھے دیر ہو گئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ تم دن بھر کی تکان کے باعث گہری نیند سو رہے ہو گے''۔ برقائی خان نے اس کی کھال اتار کر ایک جانب پھینکتے ہوئے کہا۔ ''جانتے ہو یاخ کی کھال سب سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہے۔ منگول اس کھال کو اپنے سرداروں کو پیش کر کے انعامات حاصل کرتے ہیں''۔

''یاخ کی کھال میں ایسی کونسی منفرد بات ہوتی ہے؟'' مطیع الدین نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کھال برف پر رہنے والے تمام جانوروں کی کھال میں سے زیادہ گرم ہوتی ہے۔ یاخ اپنی اسی کھال کے باعث تو پہاڑی کی چوٹی پر بھی زندہ رہ پاتا ہے۔ دیکھو کتنی حیرت کی بات ہے کہ یاخ سردی سے نہیں بلکہ بھوک سے مر جاتا ہے۔ چوٹی پر اسے کھانے کو کچھ نہیں ملتا اور وہ اپنی فطرت کے باعث نیچے آ نہیں پاتا''۔ برقائی خان خود ہی ہنسنے لگا۔ مطیع الدین یاخ کی جانب تکتا رہا۔ چند لمحوں میں برقائی خان نے یاخ کا پیٹ چاک کر دیا۔ انتڑیاں وغیرہ نکال کر یاخ کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اس نے اسے ایک لمبے سے بانس میں دھاگے کی طرح پرو دیا۔ اس نے مطیع الدین کو اشارہ کیا تو مطیع الدین نے آگے بڑھ کر بانس کو ایک کنارے سے پکڑا اور اسے آگ کے سامنے ایک بڑے چوپان پر لٹکا دیا گیا۔ یہ چوپان شام کو ہی برقائی خان نے خیمہ گاڑتے وقت ساتھ بنا لیا تھا۔

''چلو! اب خیمے میں چلتے ہیں''۔ برقائی خان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ پھر وہ دونوں خیمے میں چلے آئے۔ آگ کی حدت سے خیمہ اندر سے بھی گرم ہو رہا تھا۔ برقائی خان نے اپنا کمبل نکالا اور لیٹ گیا۔ مطیع الدین اس کی جانب دیکھ کر دل میں سوچ رہا تھا کہ پہاڑوں پر رہنے والے یہ منگول اتنا عرصہ تہذیب و تمدن سے کیسے دور رہ پائے تھے۔ ان کا طرز حیات کٹھن مرحلوں میں مضمر تھا۔ سہولیات و آسائشیں ان کے وہم و گمان میں نہیں تھیں۔ وہ انہی خیالوں میں مگن جانے کب نیند کی آغوش میں اتر گیا۔ وہ جانتا تھا کہ صبح تک یاخ بھن کر تیار ہو جائے گا۔

❀ ❀ ❀

ایک دن جمال الدین نے بیبرس کو نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہننے کا حکم دیا۔ بیبرس اس کے

''مہربان'' حکم پر چونک سا گیا۔ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ اتنا ضرور جان گیا تھا کہ جمال الدین آج اسے کہیں ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ صبح کے پہلے پہر کے آخر میں جمال الدین اسے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ جمال الدین ایک عمدہ عربی گھوڑے پر سوار تھا جبکہ بیبرس نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ وہ دونوں قاہرہ کے بازاروں میں گذرتے ہوئے ایوان شاہی کی جانب جا نکلے۔ بازاروں میں گھومتے ہوئے بیبرس کو اپنا بیتا ہوا وقت یاد آیا۔ قاہرہ میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ ایوان شاہی کے پاس جا کر جمال الدین نے اسے ایک بڑے محل نما مکان کے پاس رُکنے کا کہا۔ بیبرس نے گھوڑے کے منہ پر اپنے بازو کا حلقہ بنا کر اسے ٹھہرا دیا۔ جمال الدین گھوڑے سے اترا اور گھوڑے کو پہلو میں بنے عارضی اصطبل میں باندھنے کے لئے کہا۔ بیبرس گھوڑا لے کر اصطبل کی جانب ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں گھوڑا باندھ کر لوٹ آیا۔ جمال الدین اس کے انتظار میں وہیں کھڑا تھا۔ وہ اسے لے کر محل کے اندر داخل ہو گیا۔ دربان نے اس کی جانب دیکھا اور سر ہلا دیا۔ وہ بڑے بڑے دروازوں سے گذرتا ہوا مہمان خانے میں پہنچ گیا۔ اس کی یہاں تک رہنمائی ایک غلام نے کی تھی۔ یہ محل کسی عام شخص کا نہیں تھا بلکہ ایوبی خاندان کے بڑے ذی وقار شخص نجم الدین ایوب کا تھا جو کہ موجودہ نوعمر سلطان الملک العادل ثانی کا اتالیق تھا۔ یہ سلطان الملک العادل کا رشتے میں چچا بھی تھا۔ درباری و معزز مصری امراء نے اسے باہمی اتفاق رائے سے سلطان کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ جمال الدین اس کے مہمان خانے میں بیٹھا اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ لمحوں بعد نجم الدین ایوب مہمان خانے میں داخل ہوا۔ تو جمال الدین اس کے استقبال میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ سلام و دعا کے بعد نجم الدین ایوب نے اس سے استفسار کیا۔

''کیسے آنا ہوا جمال الدین الراحی؟''

''امیر محترم!'' جمال الدین نے روایتی انداز میں تمہید باندھی۔ ''اللہ آپ کی شان و مرتبہ بلند فرمائے اور جاہ و جلال ہمیشہ برقرار رہے۔ میں خصوصی ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا''۔

''ٹھیک ہے! بات مختصر کرنا''۔ نجم الدین کو اس کا خوشامدی رویہ ناگوار لگا۔

''میں پچھلے دنوں دمشق گیا ہوا تھا......''

''ہاں! میں نے تمہاری وہ سفارت والی دستاویز دیکھ لی ہے جو تم لائے تھے کیوں......؟ کوئی بات ایسی رہ گئی ہے جو تم اس میں تحریر نہیں کر سکے''۔ نجم الدین ایوب نے اس کی بات بیچ میں سے ہی کاٹ دی۔

''ن...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس سفارت کے متعلق کوئی بات کرنے حاضر نہیں ہوا بلکہ ایک عمدہ اور لاجواب تحفہ آپ کی نذر کرنے آیا ہوں''۔ جمال الدین جلدی سے بولا۔ اسے خدشہ تھا کہ نجم الدین بات کا رُخ کسی اور جانب نہ پھیر دے۔

''ہونہہ!'' نجم الدین نے اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا۔ ''کیا لائے ہو؟''

''یہ سرکیشی غلام! جس کی خوبیاں آپ دیکھنے کے بعد مجھے یاد کئے بنا نہیں رہ پائیں گے''۔ جمال الدین نے بیبرس کی جانب اشارہ کیا جو کہ اس کے پہلو میں مؤدب کھڑا تھا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری بات پر حیرت ہوئی گی، آپ کا حیران ہونا بھی بجا ہے لیکن یہ کوئی معمولی غلام نہیں...... اس میں خاص باتیں پوشیدہ ہیں جو جناب کی نگاہیں جلد ہی جان جائیں گی''۔

بیبرس جمال الدین کا منہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس کے خواب خیال میں بھی نہیں تھا کہ جمال الدین اس حد تک پستی میں گر جائے گا کہ اسے بیچ کر اس کی قیمت بٹورے گا۔ نجم الدین ایوب نے نگاہ اُٹھا کر بیبرس کی جانب غور سے دیکھا۔ اس کے بعد اس کی نگاہیں جمال الدین کے چہرے پر گڑ گئیں۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

''اپنا مفاد بیان کرو......!''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' مطیع الدین خجل سا ہو کر رہ گیا تھا۔

''بات کو دائیں بائیں گھمانے کی ضرورت نہیں ..... میں تمہارے چہرے کو اچھی طرح پڑھ رہا ہوں کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ اس لئے جو بات دل میں لئے یہاں آئے ہو......وہ کہہ دو''۔ نجم الدین کی زمانہ شناس نگاہیں اس پر جمی تھیں۔

''وہ بات کچھ یہ تھی کہ......'' جمال الدین نگاہیں جھکائے لفظوں کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔''میرا بڑا بیٹا فرقان الدین اب اس قابل ہو چکا ہے کہ اسے کسی عہدے پر لگایا جا سکے۔ میں چاہتا تھا کہ آپ اسے قاضی القضاۃ یا صیغہ احتساب میں صاحب دیوان لگانے کا نامہ جاری کر دیتے......'' وہ خود ہی خاموش ہو گیا۔

''قاضی القضاۃ یا صیغہ احتساب ہی کیوں؟'' نجم الدین ایوب کڑے لہجے میں پوچھا۔

''وہ......وہ تو یونہی منہ سے نکل گیا......!'' جمال الدین گڑبڑا سا گیا۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم جیسے لوگ عدل و انصاف میں ڈنڈی مارتے ہیں اور غرباء کے حقوق غصب کر لیتے ہیں، بے ایمانی و لوٹ مار کی دوکان کھولنا چاہتے ہو اور مجھ ہی سے اس کار غلط کی اجازت مانگتے ہو۔ میرے ہاتھوں سے غلط کام کروانے چلے آئے ...'' نجم الدین ایوب گرج اُٹھا، اس کی آواز فرط جوش سے پورے مہمان خانے میں گونج رہی تھی۔ بیبرس جمال الدین کا مقصد جان کر جہاں تڑپا تھا وہیں اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کو دیکھ کر زیر لب مسکراتا رہا۔

''آپ نہ صرف میرے بارے میں غلط اندازہ لگا رہے ہیں بلکہ مجھ پر الزام بھی تھوپ رہے ہیں، یہ میں برداشت نہیں کر سکتا''۔ جمال الدین براہ راست حملے کو برداشت نہیں کر پایا اور تڑک کر بولا۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔

''یہ بناوٹ میرے سامنے نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔ جمال الدین تم جیسے لوگوں کی رمز سے میں بخوبی واقف ہوں''۔ نجم الدین ایوب نے طنز کی۔ ساتھ ہی اس نے اپنے غلام کو اشارہ کیا، اشارہ پاتے ہی غلام وہاں سے چلا گیا کچھ دیر بعد لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی کتاب اور ایک قلمدان تھا۔ نجم الدین نے کتاب اپنی گود میں رکھ کر اس میں سے ایک کاغذ نکالا اور اس پر تیزی سے کچھ لکھنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں میں اس نے تحریر کی ایک دوسری کاپی بنا ڈالی۔ جمال الدین اس کی جانب دیکھتے ہوئے بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔

''یہ لو......اپنا غلام بھی لے جاؤ''۔

''حضور! غلام تو میں نے آپ کو نذر کیا ہے، اور میں نذر کی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیا کرتا...... چاہے میری اس فریق سے صلاح ہو یا جھگڑا......''

جمال الدین نامہ پا کر تیزی سے بولا۔ اس کے دل میں نامہ ملنے کی خوشی میں گدگدی سی ہونے لگی۔

''کیا نام ہے تمہارا نوجوان؟''

''بیبرس بندقداری''۔ بیبرس نے اچانک اس کا رُخ اپنی جانب مڑتے دیکھ کر جواب دیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو''۔

''قپچاق کا''۔

''تاتاری ہو؟''

''نہیں ترک ہوں......!''

''تلوار چلانا جانتے ہو''۔

''جی ہاں! تاتاریوں سے سیکھی ہے''۔

''اگر تمہاری صلاحیتوں کا امتحان لیا جائے تو .....'' نجم الدین اس سے بات کرنے کے دوران کوئی خاص بات محسوس کر رہا تھا۔

''تلوار تھامے ایک طویل زمانہ گذر گیا ہے کچھ دن کی مہلت ضرور چاہوں گا''۔

''ہونہہ! جرأت بھی ہے اور صاف گوئی بھی۔ تم کام آ سکتے ہو''۔ نجم الدین نے اپنے غلام کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔''اسے ساتھ لے جاؤ! اور اس کی منشاء کے مطابق مہلت دو۔ جب یہ مکمل تیاری محسوس کرے تو ہمیں خبر دینا۔ میں خود اس کا امتحان لوں گا''۔

غلام آگے بڑھا اور اسے ساتھ لے کر مہمان خانے سے باہر نکل گیا۔ نجم الدین نے جب سوالیہ نگاہوں سے جمال الدین کی جانب دیکھا تو وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے رخصت ہو جانے پر نجم الدین ایوب اُٹھا اور مسکراتا ہوا محل کے اندر لوٹ گیا۔

❁ ❁ ❁

کوئی نوکیلی سی چیز مطیع الدین کو اپنے پہلو میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے پیچھے ہٹانا چاہا مگر وہ مسلسل اپنی جگہ پر قائم رہی بلکہ اس میں دباؤ بڑھتا گیا۔ چبھن درد میں بدل گئی تو مطیع الدین تڑپ اُٹھا۔ اس نے یکدم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے بستر میں ہی تھا، اس نے تیزی سے پہلو میں چبھنے والی چیز کی طرف دیکھا تو اسے نیزے کی چمکتی ہوئی انی دکھائی دی۔ اس نے تیزی سے نگاہ اُٹھائی تو اسے اپنے سامنے تین توی ہیکل اور خونخوار منگول چہرے دکھائی دیے۔ ان میں سے ایک نے اسے نیزے کی انی چبھو کر بیدار کیا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو برقائی خان کا بستر خالی پڑا تھا۔ وہ اب نیند کے خمار سے مکمل طور پر باہر آ چکا تھا۔ مطیع الدین نے منگول کی اس حرکت پر کسی فوری رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اس کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ منگول نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول پا کر اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ مطیع الدین جب باہر نکلا تو سورج خاصا اونچا ہو چکا تھا۔ الاؤ میں جلائی گئی لکڑیاں اب بھی سلگ رہی تھیں۔ باہر نکل کر مطیع الدین نے دیکھا کہ وہ صرف تین نہیں تھے بلکہ پورا قبیلہ ہی وہاں موجود تھا۔ انہوں نے سرخ رنگ کے عجیب سے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کی پنڈلیاں عریاں تھیں۔ پاؤں میں کھال کے بنے ہوئے جوتے تھے اور سروں پر مختلف جانوروں کے خول سجے تھے۔ ان خولوں کے نیچے کسی جانور کی کھال کے بال لٹکے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ افراد کے پاس تو چپٹی تلواریں تھیں جبکہ باقی سب کے پاس دوہرے منہ والے نیزے تھے۔ مطیع الدین ابھی تک صورت حال سمجھ نہیں پایا تھا۔ برقائی خان کو اس کی نگاہوں نے تلاش کرنا چاہا مگر وہ ان میں موجود ہوتا تو دکھائی دیتا۔ مطیع الدین کی نگاہ دوسری طرف پڑی تو وہاں ایک بڑے خول کی ٹوپی پہنے ایک منگول بڑی بے دردی سے گوشت کے بڑے ٹکڑے پر دانت گاڑ رہا تھا۔ گوشت کا ٹکڑا اس کے ہاتھوں میں دیکھ کر اسے یاخ کا خیال آیا اس نے تیزی سے الاؤ کی جانب نظر پھیری تو وہاں ہڈیوں کے ڈھانچے کے سوا اسے کچھ نہ ملا۔ برقائی خان کا شکار کیا ہوا یاخ کھا گئے تھے۔

''تم کون لوگ ہو؟ اور یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' مطیع الدین تیز آواز میں بولا۔

''تاتاری بولتا ہے......!'' ان میں کوئی بولا۔

''ہونہہ!'' بڑے پتھر پر بیٹھا ہوا منگول جوان کا سردار تھا، زور سے ہنکارا۔''شکل سے تو تو عرب لگتا ہے

مگر تاتاری بول رہا ہے۔ خیر تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ہمارا علاقہ ہے اور کسی کو یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے''۔

''مجھے میرا دوست یہاں لایا ہے...... وہ مجھ سے زیادہ ان علاقوں کو جانتا ہے۔ کیونکہ وہ یہیں پلا بڑھا ہے''۔ مطیع الدین کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے۔

''دلیر لگتے ہو!'' سردار دانت نکالتا ہوا بولا۔ ''مگر تم یہ نہیں جانتے کہ سرکیشی پہاڑی پر صرف سرخے ہی شکار کر سکتے ہیں، کسی مقامی یا مسافر کو یہاں شکار کرنے کی اجازت نہیں...... تم نے نہ صرف سرخوں کے قانون کو توڑا ہے بلکہ مقدس یاخ کو بھی اپنا نشانہ بنایا ہے، جسے شکار کرنا گناہ عظیم ہے''۔

''جنگلی جانور صرف جانور ہی ہوتے ہیں، ان میں کوئی مقدس نہیں اور نہ ہی کوئی گھٹیا۔ سب کو ایک ہی اللہ نے پیدا کیا ہے، سب اسی کی مخلوق ہیں۔ تم اپنا خیال نیک کر لو تو تمہیں فائدہ ہوگا''۔

مطیع الدین اسے اسلامی فلسفہ سمجھانے لگا۔

''مسلمان ہے اس کا سر میں لوں گا...... !'' ایک نے زور سے کلکاری لگائی، پھر کیا تھا کوئی اس کی کھال مانگ رہا تھا تو کوئی اس کے بال، اس کے بدن کے تمام اعضاء وہ بڑی بے تابی سے ٹٹولنے لگے۔ مطیع الدین نے انہیں ہٹانا چاہا تو ایک زوردار گھونسے نے اس کی قوت مدافعت کو یکدم توڑ ڈالا۔ وہ اپنا پیٹ پکڑ کر دوہرا ہوتا چلا گیا، لمحہ بھر میں وہ زمین پر منہ کے بل جا گرا۔ کئی لاتیں ایک ساتھ حرکت میں آئیں اور اس کے پیٹ پر برسنے لگیں۔

''رُک جاؤ...... اسے ہم جلب گائی میں لے جا کر قربان کریں گے''۔ سردار کی آواز پر وہ یکلخت رُک گئے۔ ایک منگول ان سب سے الگ ایک جانب کھڑا ان کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سُست روی سے سردار کے پاس آیا۔

''سردار دقباژائی خان!'' وہ پاس جا کر بولا تو سرادر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا بات ہے......؟ فسطائی!''

''تم شاید یہ نہیں دیکھ رہے کہ خیمے کا رنگ کیا ہے؟'' فسطائی خان متنبہ انداز میں بولا۔

''میں نے دیکھ لیا ہے یہ سنہری خیمہ ہے جس کے مالک اس سرزمین کے مالک کہلاتے ہیں...... مگر یہ علاقہ میرا ہے۔ میں کسی کا غلام نہیں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے علاقے میں دخل اندازی کرے وہ چاہے اردوئے زریں کا زریں خیل ہو یا ایل خانی''۔ سردار دقباژائی خان نے غصے سے کہا۔

''سردار سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا...... یہ سرخ قبیلہ کی بقا کا مسئلہ ہے''۔ فسطائی خان نے اسے مستقبل میں درپیش خطرے سے آگاہ کیا۔

''سردار میں ہوں یا تم...... اپنی حدود سے تجاوز نہ کیا کرو فسطائی''۔ وہ غصے سے بولا۔

''اسے رسیوں سے باندھ کر جلب گائی کی راہ لو''۔ سردار دقباژائی نے بلند آواز میں حکم دیا۔

قبیلے کے افراد نے اسے رسیوں سے مضبوطی سے باندھا اور اسی بانس پر لٹکا کر اُٹھا لیا جس پر رات کو برقائی خان نے یاخ کو پروڈالا تھا۔

مطیع الدین دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ برقائی خان لوٹ آئے۔ وہ اسے سوتا پا کر پھر کسی جانور کے پیچھے نکل پڑا ہوگا، اگر وہ لوٹ آتا تو وہ ان وحشی منگولوں کو سنبھال لیتا۔ اسے چونکہ نیند کے عالم میں سے بیدار کیا گیا تھا، اس لئے اس کے بدن پر صرف کپڑے ہی تھے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ کوئی ہتھیار ہوتا تو شاید وہ کچھ مزاحمت کرنے کی کوشش کرتا۔ بانس پر جانوروں کی طرح الٹا لٹکا ہوا وہ خود کو بھی جانور ہی محسوس کر رہا تھا جو کہ بے خبری

میں شکار کر لیا گیا تھا۔ قبیلہ سرخ کے افراد تاتاری زبان میں کوئی عجیب سا گیت گا رہے تھے۔ جس کے بول مطیع الدین کو صحیح طرح سمجھ نہ آ پائے۔

برقائی خان اگر وقت پر پہنچ نہ پایا تو......

مطیع الدین جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔ سرخ قبیلے والے تو اس کی تکا بوٹی الگ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، وہ لمحہ دور نہیں تھا کہ جب وہ ان کی بربریت کا شکار ہو جاتا۔ تقریباً نصف دن تک مسافت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اتنی مہلت تک مطیع الدین کو کسی نہ کسی معجزے کے رونما ہونے کی پوری امید تھی۔ الٹا لٹکے لٹکے مطیع الدین کا سر چکرانے لگا تھا۔ اچانک آوازوں میں تیزی آ گئی۔ قبیلے کے افراد کی آوازیں اسے زیادہ محسوس ہونے لگیں۔ اس نے اپنی پوری قوت مجتمع کر کے اپنی گردن اُٹھائی اور اپنے سامنے دیکھا تو سرخ خیموں کا ایک بھرا ہوا میدان دکھائی دیا۔ وہ ان کی جائے رہائش تھی۔ جہاں قبیلے کے دوسرے لوگ ان کے استقبال میں وہی گیت گا رہے تھے جو کہ کافی دیر سے مطیع الدین سن رہا تھا۔ پٹائی سے اس کے بدن کا ایک ایک عضو درد کر رہا تھا دوسرا جب بھی بانس کو کوئی جھٹکا لگتا تو اس کی ساری ہڈیاں جھنجھنا اُٹھتیں۔ مسلسل دوہرا بندھا رہنے کے باعث اس کا خالی معدہ بری طرح متاثر ہوا تھا۔ درد کی ٹیسیں جب ناقابل برداشت ہوئیں تو اس کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ اس نے بہتیرا اپنی گردن کو جھٹکا مگر بے سود...... اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی۔

❀ ❀ ❀

جمال الدین المراحی بے حد مسرور واپس لوٹا تھا۔ اس نے اپنا اصل مقصد حاصل کر لیا تھا، وہ ایک تیر سے دو شکار کر کے بے حد خوش تھا۔ ایک جانب تو اس نے فاطمہ سے سیریس ہتھیا لیا تھا تو دوسری طرف اُسی کو ڈھال بنا کر اُس نے نجم الدین ایوب سے اپنے نالائق بیٹے کے لئے اعلیٰ عہدے کا مراسلہ حاصل کر لیا تھا۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی بڑی مسرت سے اپنی بیوی کو یہ خوشخبری سنائی۔ بیوی اپنے شوہر کا دمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر پھولے نہ سمائی۔ اسی اثناء میں اُس کا بیٹا فرقان الدین بھی وہاں چلا آیا۔ اُس نے آتے ہی اتنی زیادہ خوشی کے بارے میں استفسار کیا، جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ اس کے لئے اعلیٰ عہدے کا بندوبست کر چکا ہے تو وہ بھی سرشاری کے عالم میں اچھلنے لگا۔

''پدر محترم......!'' فرقان الدین فرط مسرت سے اپنے جذبات دباتا ہوا بولا۔ ''آپ ابھی تک اس اعلیٰ عہدے کو پوشیدہ کئے ہیں، بھلا مجھے بھی پتہ چلے کہ آپ اپنے بیٹے کے لئے کس مستقبل کا دروازہ کھول آئے ہیں؟''

''کیوں نہیں!'' جمال الدین مستی کے عالم میں جھومتا ہوا بولا۔ ''آخر یہ سب تمہارے مستقبل کے لئے ہی تو ہے، تمہیں بتانا تو اشد ضروری ہوگا''۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے جُبے میں ہاتھ ڈالا اور کاغذ کا لپٹا ہوا سنہرا رول اس کی جانب بڑھا دیا۔ فرقان الدین نے بڑے اشتیاق سے اس رول کو پکڑا اور اس کی تہیں کھولنے لگا۔ کاغذ کھلتے ہی اس کی نگاہیں تحریر پر پھسلنے لگیں۔ جوں جوں وہ عبارت پڑھتا چلا گیا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

جمال الدین المراحی اُس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کے لئے وہ ہاتھ مارا تھا جسے سن کر دوسرے لوگ ایک بار تو دانتوں میں انگلیاں لینے پر مجبور ہو جاتے۔

''یہ کیا مذاق ہے......؟''

فرقان الدین بگڑ کر بولا۔ اس کا لہجہ خاصا جارحانہ تھا، جسے جمال الدین نے فوراً محسوس کیا۔ اس نے

حقارت سے مراسلہ کو فرش پر پھینک دیا۔ جمال الدین کینہ توز نگاہوں سے اُسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ کر نیچے جھکا اور مراسلہ اُٹھا لیا۔ اس نے مراسلہ کو پہلے تو اچھی طرح سے جھاڑا پھر اس کی نگاہیں کاغذ پر موجود تحریر پر پھسلنے لگیں۔ جوں جوں تحریر کا مفہوم اس کے دماغ میں اترتا چلا گیا توں توں اس کا چہرہ طیش واستعجاب سے کرخت و سرخ ہوتا چلا گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ غصے کی شدت سے کانپنے لگا۔ یہ مراسلہ کسی اعلیٰ عہدے کی سفارش نہیں تھا بلکہ قاضی القضاۃ کے نام ایک سادہ سا پیغام تھا کہ مراسلہ کے حامل جمال الدین المراحی کے ہونہار فرزند فرقان الدین کی کڑی آزمائش لی جائے اور اس کی قابلیت کو ہر لحاظ سے پرکھا جائے اور اس کے مطابق اس کے لئے کسی بھی عہدے کی سفارش کی جائے، اس ضمن میں جمال الدین المراحی کے شاہی مراتب تک کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے۔ قاضی القضاۃ کو خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ آداب شاہی کی بجا آوری میں مگن ہونے کے بجائے عدل و انصاف سے کام لیں۔

''نجم الدین ایوب...... تمہیں یہ مذاق بہت مہنگا پڑے گا......'' جمال الدین دانت پیستا ہوا زیرلب غرایا۔ فرقان الدین نے جب اپنے باپ کے تیور دیکھے تو اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت سمجھی، اس نے راہ فرار اختیار کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا تھا، ممکن تھا کہ چند لمحے قبل اس نے جس استہزائیہ ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا، اسی کا خمیازہ اُسے بھگتنا پڑ جاتا۔ جمال الدین بے بسی کے عالم میں محض مٹھیاں بھرتا رہ گیا۔ اس کی بیوی بھی حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے باہر نکلنے لگی تو جمال الدین نے اسے فوراً اپنے خاص غلام ابی جریدہ کو حاضر ہونے کا حکم سنایا، وہ محض اپنی گردن اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔

''کیا ہوا......؟ میرے آقا......!''

جمال الدین المراحی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اُس کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس نے نگاہیں اُٹھائیں تو اس کے سامنے ایک اوسط قامت کڑیل سیاہ فام موجود تھا۔

''آؤ...... ادھر بیٹھو''۔ جمال الدین تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ابی جریدہ خاموشی سے اس کے سامنے دوزانو بیٹھتا چلا گیا۔ جمال الدین کمرے میں موجود اونچی نشست سنبھالے ہوئے تھا۔ ابی جریدہ اُلجھی نگاہوں سے اپنی طلبی کے بارے میں منتظر تھا۔ جمال الدین نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے گھمبیر لہجے میں اپنی بات کا آغاز کیا۔

''آج ایک دیرینہ ہمدرد نے ہمارے ساتھ مکر و فریب کیا ہے، اس نے اپنے رُتبے کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے عقب سے وار کر کے ہماری غیرت وعزت کو للکارا ہے۔ وہ تو ہمارا مقدر اچھا تھا کہ بروقت حقیقت کا حال کھل گیا۔ ورنہ ہمیں کس قدر خواری کا سامنا کرنا پڑتا...... وہ شاید ہم بھی صحیح طرح نہیں جانتے۔ وہ مکار دھوکا دہی کے انجام سے شاید واقف نہیں ہے''۔

''آقا......!'' ابی جریدہ ابھی تک خود کو اُلجھا اُلجھا محسوس کر رہا تھا، وہ استفہامیہ لہجے میں بولا۔

''میں ابھی تک آپ کے مفہوم کو صحیح طرح سمجھ نہیں پایا ہوں، ذرا کھل کر بتایئے، ایسا کون بدبخت ہے جو آپ کے ساتھ دھوکا دہی کا مرتکب ہوا ہے؟ کس کی مت ماری گئی ہے جو آپ کی راہ میں روڑے اٹکانا چاہتا ہے؟''

جمال الدین اس کی بات سن کر دھیما سا مسکرایا۔ اس مسکراہٹ میں پہلے جیسا دم خم نہیں تھا۔ کھوکھلا پن اور یاسیت بے نقاب ہو رہی تھی۔ اس نے ابی جریدہ کو مختصراً حالات کی نوعیت سے آگاہ کیا، کچھ ہی لمحوں میں ابی جریدہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔

''میرے آقا۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''سزا...... بلکہ خوفناک ترین سزا، جو نجم الدین ایوب کو باقی عمر تک یاد رہے''۔

''میرے پاس دو قسم کی تجاویز ہیں، جن سے ممکن ہے آپ کی انانیت کو تسکین مل سکے اور آپ کا دیرینہ ہمدرد ہزیمت اُٹھائے''۔

''میں دونوں تفصیل سے سننا پسند کروں گا''۔

جمال الدین المراحی کے چہرے پر یکدم بشاشت سی پھیل گئی۔ وہ قدرے نیچے جھکتے ہوئے سراپا گوش ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان واپس خیمے پر لوٹا تو اس کی نگاہیں حیرت سے پھیلتی گئی۔ خیمہ کے اطراف کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ اس نے تیزی سے کندھے سے کوئی چیز زمین پر پھینکی اور پہلو میں موجود خنجر نکال کر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ محتاط قدموں سے خیمے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خیمے کے باہر یاخ کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں، چوپان پر موجود یاخ کا پنجر اس کو منہ چڑا رہا تھا۔ سورج بادلوں کے عقب میں چھپ چکا تھا اور ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو چکی تھی۔ برقائی خان پوری طرح چوکس تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم جماتا ہوا خیمے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس کی توقع کے مطابق خیمے میں کچھ نہیں تھا۔ مطیع الدین کی تلوار اور خنجر ایک جانب گرے ہوئے تھے۔ اس کا جبہ بھی خیمے کی کمانی پر لٹک رہا تھا۔ برقائی خان کو صورت حال سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ منگولوں کا کوئی گروہ وہاں وارد ہوا ہوگا اور اس نے مطیع الدین کو گرفتار کر لیا ہوگا۔ یقیناً وہ نیند کے عالم میں ہوگا، اسی لئے اس کی اشیاء اس کے بدن پر نہیں تھیں۔ برقائی خان نے خنجر پہلو میں واپس رکھ دیا اور خیمے سے باہر نکل کر چوپان کی جانب بڑھا۔ یاخ پر ایک انچ بھی گوشت باقی نہیں بچا تھا۔ اس نے چوپان کا اچھی طرح جائزہ لیا اس کے بعد وہ زمین پر گری ہوئی ہڈیوں کی جانب متوجہ ہوا۔

برقائی خان ایک ایک ہڈی اُٹھاتا اور اسے تمام زاویوں سے دیکھتا رہا۔ کافی دیر تک وہ اسی کام میں مشغول رہا۔ ہڈیوں سے فارغ ہو کر وہ خیمے کے گرد پڑے ہوئے پتھروں کو جانچنے لگا۔ اس تمام کام سے فرصت پانے پر اس نے گہرا سانس لیا۔

''ہونہہ! اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے مطیع الدین کو کوئی جسمانی گزند نہیں پہنچائی، وہ اسے زندہ گرفتار کر کے لے گئے ہیں''۔

وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔ ہڈیوں پر دانتوں کے خاص نشانات سے وہ اس گروہ تک پہنچ چکا تھا جس نے اس کی غیر موجودگی میں یہ کارانجام دیا تھا۔ اس نے خیمے میں موجود لکڑیوں کے ایک چھوٹے سے گٹھے کو نکالا اور چوپان کے احاطے میں آگ روشن کی۔ کچھ ہی لمحوں میں آگ بھڑکنے لگی۔ برقائی خان نے کندھے سے پھینکی ہوئی چیز کی جانب توجہ کی جو کہ شکار کیا ہوا سفید ہرن تھا۔ برقائی خان نے اسے خنجر کی مدد سے کاٹنا بنانا شروع کر دیا اور اس کے پارچے کر کے آگ کے گرد اس طرح بکھیر دیئے جیسے کپڑے سکھانے کے لئے رکھ دیئے جائیں۔ وہ ہرن کا گوشت محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اچانک اسے کوئی خیال آیا تو اس نے تیزی سے خیمے کے دائیں جانب نیچے کی اترائی میں نگاہ ڈالی، وہ لوگ اس کے گھوڑے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

''سنہرے خیموں کی اتنی بے حرمتی...... اس کی انہیں بھاری قیمت چکانا پڑے گی''۔

برقائی خان دانت پیستا ہوا بڑبڑایا۔ اسی لمحے اسے کسی کے چلنے کی چاپ سنائی دی۔ برقائی خان کا ہاتھ لاشعوری طور پر خنجر کے دستے پر مضبوط ہوتا چلا گیا۔ اس کے کان چاپ پر لگے تھے۔

❁ ❁ ❁

بیبرس کو نجم الدین ایوب کے محل کے بائیں جانب ایک بڑے احاطے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ اس احاطے کے کناروں پر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے سے کمرے غلاموں کی رہائش گاہیں تھیں۔ اس احاطے میں صرف اُن غلاموں کو رکھا جاتا تھا جو محافظ کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ تمام غلام نجم الدین ایوب کی ذاتی ملکیت تھے۔ یہاں جو چیز خاص طور پر بیبرس کے مشاہدہ میں آئی تھی، وہ یہ تھی کہ نجم الدین کے غلاموں میں ترک اور سلجوقی افراد اکثریت میں تھے۔ یہ غلام جسمانی ساخت کے لحاظ سے حیرت انگیز صحت وقوت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی وفاداری میں بھی بہترین تسلیم کئے جاتے تھے۔ نجم الدین ایوب نے اپنے ایک خاص ترک غلام ابوخویلد کو بیبرس کی جانچ وامتحان کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہ ترک غلام ایک سخت منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ خوش مزاج بھی تھا۔ بیبرس کو اس کے ہمراہ کبھی بدمزگی یا بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ ابوخویلد نے بیبرس سے فن مبارزت کے مختلف امور سے متعلقہ ابتدائی امتحان لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس نوجوان پر معمولی سی توجہ اسے ایک ایسا شاہکار بنا سکتی ہے جو مستقبل میں اپنا لوہا منوائے گا۔

ابوخویلد نے نجم الدین ایوب کی توجہ بیبرس کی چند اہم خوبیوں کے بارے میں مبذول کرائی تھی۔ اس نے بیبرس کی فنون حرب کی تعلیم کو نامکمل قرار دیتے ہوئے اس کی ازسرنو تربیت کی سفارش بھی کی تھی۔ نجم الدین ایوب کو ابوخویلد پر مکمل بھروسہ تھا، اسی لئے اس نے بیبرس کے معاملے میں اسے کامل اختیار سونپ دیا۔ ابوخویلد نے اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے دن رات کڑی محنت شروع کردی۔ بیبرس کو کسی دوسرے کام میں شمولیت کی اجازت نہیں تھی۔ وہ صبح سے رات گئے تک فنون حرب کی باریکیوں کو سمجھنے میں مصروف رہتا۔ بیبرس کے مکمل ارتکاز ویکسوئی، ذوق وشوق اور انہماک نے ابوخویلد کو بڑی حد تک مطمئن کردیا تھا۔ اسے اپنی محنت جلد ہی کارگر ہوتی دکھائی رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل جو کہ والیٔ الکرک تھا، نے 596ھ میں نابالغ سلطان مصر ملک المنصور کو علماء کے فتویٰ کے مطابق تخت سے اتار کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ملک العادل نے ایوبی سلطنت کو جو کئی ٹکڑوں میں منقسم تھی، ازسرنو متحد کیا اور 598ھ تک سارے مصر، میسوپوٹیمیا اور عرب میں ایک بار پھر طاقتور حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے دور حکومت میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ 615ھ میں ملک العادل صلیبی لشکر سے مقابلے کے لئے مصر روانہ ہوا تو راستے میں بخار کے باعث وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا جواں بیٹا ابوالمعالی ناصر الدین محمد الملک الکامل کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس نے چھٹی صلیبی جنگ میں اپنی مہارت اور جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ نصرانیوں کو اپنی جانیں بچانا دشوار دکھائی دینے لگا۔ بالآخر انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ یوں چھٹی صلیبی جنگ ختم ہوگئی۔ ملک الکامل نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور اپنے اقتدار کی بقا کے لئے یروشلم نصرانیوں کی تحویل میں دے دیا۔ 635ھ میں ملک الکامل والیٔ مصر وفات پا گیا تو اس کی جگہ امراء نے باہمی مشورے سے اس کے نوعمر بیٹے سیف الدین ابوبکر کو الملک العادل ثانی کا لقب دے کر مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کے چچا نجم الدین ایوب کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ نجم الدین ایوب بظاہر اتالیق تھا مگر حقیقتاً عنان سلطنت امراء کے ہاتھوں میں تھی۔

نوعمر سلطان کے مشاغل عجیب ہی تھے، وہ چونکہ وقت سے پہلے ایک بڑی سلطنت کا حکمران بن گیا تھا، اس لئے اسے تفریح کے علاوہ کسی اور بات کی پرواہ نہیں تھی۔ سارا سارا دن وہ مسخروں کی فوج ظفر موج اپنے ہمراہ رکھتا اور ان کے لطائف سے محظوظ ہوتا۔ کبھی وہ کنیزوں کے جھرمٹ میں آنکھ مچولی جیسے کھیلوں میں مشغول

رہتا۔ اسے کسی غم وفکر سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ کبھی کبھار امراء میں کوئی اس کے پاس آجایا کرتا اور اس کی خوشامد ودلجوئی کیا کرتا۔ سوائے نجم الدین ایوب کے کوئی اسے پند ونصیحت نہیں کرتا تھا۔ امراء ذاتی آسائشوں یا اپنی مطلب براری کے لئے ہی اس طرف قصد کیا کرتے تھے۔

ذی الحجہ 636ھ کی ایسی ہی ایک شام میں سلطان سیف الدین ابوبکر کو کنیز نے کسی امیر کی آمد کی اطلاع دی تو اس کے منہ کا ذائقہ کڑوا سا ہوگیا۔ اس نے مجبوراً اس سے ملنے کی حامی بھری۔ سلطان نے اسے ہدایت کی کہ امیر کو عزت واحترام سے شاہی مہمان خانے میں بٹھایا جائے۔ وہ کچھ ہی دیر میں اس سے ملاقات کریں گے۔ کنیز حکم پا کر وہاں سے رخصت ہوگئی۔

سلطان سیف الدین ابوبکر نے شاہی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے شاہی لباس زیب تن کیا اور اپنے درباری مسخروں کے جلو میں مہمان خانے کی جانب بڑھ گیا۔ مہمان خانے میں اس کی آمد کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ نووارد امیر سلطان کے استقبال کے لئے خود مہمان خانے کے صدر دروازے تک چلا آیا۔ جونہی دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو امیر نے جھک کر اس کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ لیا اور آداب شاہی بجالایا۔ سلطان سیف الدین بڑی رعونت ونخوت سے چلتا ہوا شاہی نشست پر براجمان ہوگیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد امیر بھی قریبی نشست پر بیٹھ گیا۔ یہ نشست آداب شاہی کو مدنظر رکھتے ہوئے قدرے نیچے بنائی گئی تھی۔

''کہو امیر مصر......! کیسے آنا ہوا؟''

''سلطان عالی مقام......! اگر اجازت ہو تو میں نزدیک آکر کچھ کہنا چاہوں گا''۔

امیر نے عرض کیا۔

''ایسی کیا بات ہے......؟ جو تم وہیں بیٹھے نہیں کہہ سکتے''۔ نوعمر سلطان مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ جس پر سلطان کے خاص محافظ چوکنے ہوگئے۔

''میں سلطان کا سچا نمک خوار ہوں، آپ کی عظمت پر اگر کوئی آنچ آئے، یہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔ میں آپ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان درباریوں کو رخصت فرمادیں''۔

''امیر......!'' سلطان سیف الدین برہم سا ہوگیا۔ ''یہ سب ہمارے خاص احباب ہیں، ہم ان سے کسی قسم کا پردہ نہیں رکھتے۔ تمہیں جو کچھ بھی بیان کرنا ہے، بے فکری سے کہہ دو''۔

''میں سلطان محترم سے معذرت خواہ ہوں کہ میں اپنا مدعا ان کی موجودگی میں بیان کرنے سے قاصر ہوں''۔ امیر سر جھکا کر بولا۔

''ٹھیک ہے پھر تم جا سکتے ہو''۔

سلطان سیف الدین اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہمراہ سب لوگ تیزی سے کھڑے ہوگئے تھے۔ سلطان کی بے اعتنائی سے امیر کے چہرے پر مایوسی چھانے لگی، وہ خاصا بے چین دکھائی دے رہا تھا، وہ خود پر قابو نہ پا سکا...... تیزی سے بولا۔

''میں سلطان محترم کو شاہی محل میں پروان چڑھنے والی ایک اہم سازش سے باخبر کرنا چاہتا تھا مگر آپ سننے کی خواہش نہیں رکھتے تو کوئی بات نہیں، میں بلاتامل واپس لوٹ جاتا ہوں''۔

امیر کی بات میں دم تھا جس پر سلطان سیف الدین کے قدم خودبخود رک گئے۔ وہ شکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''کیسی سازش ......؟''

''اگر آپ مجھے خلوت میں موقع دیں تو میں کچھ عرض کرسکوں گا۔ ممکن ہے کہ آپ کی محفل میں کوئی ایسا فرد موجود ہو جو پس پردہ اس سازش میں شریک ہو اور میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ ......!'' امیر سرگوشی نما لہجے میں بولا۔

''مجھے تمہارے تیور ٹھیک دکھائی نہیں دے رہے''۔

''سلطان محترم کو میری طرف سے کسی قسم کا شائبہ ہو تو میری جامہ تلاشی لی جاسکتی ہے''۔

''امیر کی اچھی طرح جامہ تلاشی لی جائے''۔

سلطان سیف الدین ابوبکر نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔ دو محافظ تیزی سے آگے بڑھے اور امیر کے بدن کو اچھی طرح ٹٹولنے لگے۔ کوئی مشتبہ شے نہ ملنے پر انہوں نے سلطان کو اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے ...... تمام درباری ان دونوں محافظوں کے علاوہ مہمان خانے سے باہر چلے جائیں ....'' سلطان نے دوسرا حکم سنایا۔

درباری آہستہ آہستہ وہاں سے ایک ایک کر کے نکلتے چلے گئے۔ کچھ ہی لمحوں میں سلطان، امیر اور دو محافظوں کے علاوہ کوئی اور فرد وہاں موجود نہیں تھا۔

''ہاں ...... اب بولو کیا کہنا چاہتے ہو''۔

''اگر سلطان بہتر سمجھیں تو ایک محافظ کو ہدایت فرمائیں کہ وہ صدر دروازے کے پاس جا کر خاموشی سے جائزہ لے کہ وہاں کوئی درباری چھپا ہوا ہماری باتیں سننے کی کوشش تو نہیں کر رہا''۔

''امیر تم حد سے زیادہ وہمی معلوم ہوتے ہو، جاؤ تم صدر دروازے کے پاس جا کر اچھی طرح ٹٹولو کہ وہاں کوئی موجود تو نہیں ہے''۔

سلطان نے ناگواری کے عالم میں ایک محافظ کو حکم دیا۔

محافظ نے بھی برا سا منہ بنایا اور صدر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد اس نے واپس آ کر تلخ نگاہ امیر پر ڈالتے ہوئے نفی کا اشارہ کیا۔

''ابھی بھی کسی قسم کی کوئی تسلی باقی ہے''۔

''سلطان محترم! اپنے مزاج کو بدمزہ نہ ہونے دیں کیونکہ صورت حال ہی کچھ ایسی ہے کہ میں اتنی احتیاط پر مجبور ہوں''۔

''ہم تمہاری لب کشائی کے کب تک منتظر رہیں''۔

''معاف کیجئے سلطان محترم ......!''

امیر کھسیانا ہو کر بولا۔ ''پہلے میں اپنا تعارف کرا دوں تاکہ آپ کو میری بات پر یقین ہو سکے۔ میرا نام جمال الدین الراحی ہے۔ اگر آپ کے علم میں ہو تو آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ دنوں دمشق کی سفارت کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی''۔

سلطان سیف الدین ابوبکر اس کی تمہید سے ناخوش دکھائی دے رہا تھا۔ اسے مطلب کی بات سننے میں جلدی دکھائی دیتی تھی۔ امیر جمال الدین الراحی نے جب سلطان کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات محسوس کئے تو وہ تیزی سے مطلب کی بات پر آ گیا۔

''سلطان کا جاہ و جلال سدا قائم رہے۔ میرے منہ میں خاک ...... آپ کی تخت نشینی سے کچھ لوگ ناخوش

ہیں اور وہ پس پردہ آپ کو تخت شاہی سے معزول کرنے کی منصوبہ سازی کر رہے ہیں''۔

''کک ...... کک ...... کیا مطلب؟''

سلطان سیف الدین اس کی بات سن کر بوکھلا اٹھا۔ جمال الدین الراحی معصوم سی صورت بنائے خاموش کھڑا تھا۔

''کون ہیں وہ لوگ ......!'' سلطان قدرے سنبھل گیا اور اس کے لہجے میں درشتی چھا گئی۔

''میں ان کے نام لینے سے پہلے اپنی جان کی امان چاہوں گا کیونکہ اُن کے نام جاننے کے بعد آپ کو دلی صدمہ پہنچے گا''۔ جمال الدین الراحی سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولا۔

''تمہیں جان کی امان ہے۔ کھل کر ان کے نام بتاؤ''۔ نوعمر سلطان پریشانی کے عالم میں بولا۔

''سلطان کے چچا نجم الدین ایوب ان میں سرفہرست ہیں''۔ جمال الدین الراحی نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اُسے خوف تھا کہ چچا کا نام سن کر سلطان بھتھے سے اکھڑ جائے اور اسے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

''تم ہوش میں تو ہو امیر ......!''

سلطان سیف الدین ابوبکر فرط جوش سے بری طرح چیخا۔

''سلطان محترم! میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں''۔

''ہم تمہاری بات پر کیسے یقین کرلیں؟''

''میرے پاس ثبوت ہے مگر ......!'' جمال الدین الراحی بولتے بولتے اچانک رُک گیا۔

''مگر کیا ......؟''

''ثبوت پیش کرنے کی صورت میں مجھے اپنی جان کے جانے کا خوف ہے''۔ جمال الدین بولا۔

''تمہیں جان کی امان دی جا چکی ہے''۔

''یہ خطرہ آپ کی جانب سے نہیں بلکہ آپ کے چچا کی جانب سے ہے''۔

''تم بلاخوف ثبوت پیش کرو۔ تمہاری ہر طرح سے حفاظت کی ذمہ داری ہماری ہے''۔ نوعمر سلطان نے اُسے یقین دلایا۔

جمال الدین نے ایک سنہرے کاغذ کا رول نکال کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ ایک غلام نے آگے بڑھ کر وہ مراسلہ لیا اور کھول کر اسے ایک نگاہ ڈالتے ہوئے سلطان کو پیش کر دیا۔

سلطان سیف الدین ابوبکر نے کاغذ پر نگاہ ڈالی تو ایک تحریر اس کی نگاہوں کے سامنے تھی، سلطان کی نگاہیں اس تحریر کو پڑھنے میں مشغول ہو گئیں۔ اس پر کچھ یوں تحریر تھا۔

''جمال الدین الراحی ...... اللہ تم پر اپنی رحمتوں کا نزول کرے اور تمہارے کاموں کو سہل بنائے۔ سر زمین مصر کو ایک اہم ضرورت درپیش ہے جس کے لئے تمام محب الوطن امراء اپنی جان و مال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک خاص مقصد کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ اس اجتماع میں میں تمہارا بھی خیر مقدم کرتا ہوں۔ اگر تم ہمارا ساتھ نہ دینا چاہو تو تمہیں خاموشی اختیار کرنا ہوگی۔ یہی تمہاری بھلائی میں ہوگا ورنہ حب الوطنی کے جذبے سے معمور امراء تمہارا خون بہانے سے گریز نہیں کریں گے۔ والسلام نجم الدین ایوب''۔

''یہ کوئی ثبوت نہیں ہے کہ چچا میرے خلاف کوئی سازش تیار کر رہے ہیں''۔ سلطان سیف الدین ابوبکر بگڑ کر بولا۔

''سلطان محترم! یہ مراسلہ مجھے آپ کے بھائی نجم الدین ایوب کے خاص غلام نے دیا تھا۔ اس پر آپ کے بھائی کی مہر بھی موجود ہے۔ اس مراسلہ کو پانے کے بعد میں نے چند دن قبل ان سے ملاقات کی۔ جس کی تصدیق آپ اپنے ذرائع سے کر سکتے ہیں۔ ملاقات میں یہ عقدہ کھلا کہ وہ نیک مقصد جس کے لئے وہ سب امراء کو ہم خیال بنانے میں کوشاں ہیں، آپ کی معزولی اور ان کی تخت نشینی ہے۔ انہوں نے آپ کے لڑکپن، غفلت امور سلطنت اور آپ کی بے جا خواہشات پر بے دریغ پیسے کے ضیاع پر کڑی تنقید کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مصر کی بھلائی کے لئے یہ قدم ناگزیر ہے۔ اس بات کا میں خود گواہ ہوں اور میں حلفیہ بیان کر رہا ہوں''۔

نوعمر سلطان اس کی بات سن کر قدرے سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جمال الدین خاموشی سے کھڑا رہا۔

''لیکن انہیں مجھے معزول کرنے کا خیال کیونکر آیا حالانکہ امور سلطنت تو میں نے انہیں ہی سونپ رکھے ہیں''۔ سلطان بے خودی کے عالم میں بڑبڑایا۔ اس نے دوبارہ مراسلہ کی تحریر کو پڑھا اور نجم الدین ایوب کی مہر کو غور سے دیکھا۔ مہر بالکل اصلی دکھائی دیتی تھی، سلطان نے یہ مہر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی تھی۔

''مجھے تمہاری وفاداری کا یہ انداز پسند آیا ہے مگر میں اس معاملے میں بلاتحقیق کوئی قدم نہیں اُٹھاؤں گا۔ تم اب جا سکتے ہو، دو خفیہ ہرکارے تمہاری حفاظت میں تعینات کر دیئے جائیں گے۔ اگر یہ بات سچ نکلی تو ہم تمہیں ایسا بدلہ چکائیں گے کہ تمہاری آنے والی نسلیں کبھی افلاس کا منہ نہیں دیکھیں گی''۔ نوعمر سلطان نے کہا۔

''سلطان محترم!'' جمال الدین تیزی سے بولا۔ ''اگر اجازت ہو تو میں ایک گذارش گوش گذار کرنا چاہتا ہوں''۔

''بلا دھڑک کہو......!''

''میری زندگی یوں تو اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر سلطان محترم کی وفاداری میں اگر چلی بھی گئی تو مجھے کوئی ملال نہیں ہوگا۔ بس ایک بات کی فکر دامن گیر ہے کہ میرے بعد میرے بچے بھی اس عتاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر سلطان محترم تھوڑی سی عنایت کریں تو میرے بچوں کا مستقبل نہ صرف محفوظ ہو سکتا ہے بلکہ وہ اپنی حفاظت بھی بخوبی کر سکیں گے''۔

''تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے''۔

''سلطان محترم!'' جمال الدین توقف سے بولا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ میرے ہونہار فرزند کو صیغہ احتساب میں کوئی چھوٹا موٹا عہدہ دے دیا جائے تاکہ وہ آپ کی خدمت کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اپنی حفاظت بھی کر سکے''۔

''بس......! یا اور کچھ بھی......!''

''سلطان محترم! میرے لئے آپ کی نگاہ کرم ہی کافی ہے''۔ جمال الدین خوشامدی لہجے میں گویا ہوا۔ نوعمر سلطان نے اسی وقت اپنے درباری کاتب کو طلب کیا اور صیغہ احتساب میں ایک اعلیٰ عہدہ پر جمال الدین کے فرزند کو فائز کرنے کے لئے مراسلہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے چند ہی ساعتوں میں مراسلہ تیار ہو گیا جس پر سلطان نے اپنی شاہی مہر ثبت کی اور مراسلہ جمال الدین کے حوالے کر دیا گیا۔ جمال الدین شکریے کے کورنش بجالاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ سلطان سیف الدین ابوبکر نے وہیں اپنے خاص معتمدین کو طلب کر لیا تاکہ وہ اس گھمبیر معاملے کے بارے میں کوئی صلاح و مشورہ کر سکے۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان پوری طرح چوکنا اس جانب نگاہیں مرکوز کئے ہوئے تھا جدھر سے کسی کے چلنے کی چاپ

سنائی دے رہی تھی۔ آگ کے دھوئیں سے اُٹھنے والے کالے بادل دیکھ کر شاید کوئی اُدھر نکل آیا تھا، یا پھر کوئی دشمن ابھی اس کی تلاش میں وہیں چھپا بیٹھا تھا جو شاید اسے اب غافل سمجھ کر اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خنجر کے دستے پر برقائی خان کی مضبوط گرفت بدستور قائم تھی۔ کچھ ہی لمحوں بعد چاپ قدرے نزدیک سے دوبارہ سنائی دی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی جان بوجھ کر دبے قدموں چلنے کی کوشش کر رہا ہو مگر برف میں دھنسی ہوئی جھاڑیوں پر پاؤں پڑتے ہی اس کی کوشش بے کار جاتی۔ برقائی خان اپنی جگہ جما بیٹھا تو وارد کے سامنے آنے کا منتظر تھا۔

اچانک دائیں جانب کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ بڑھ گئی اور جھاڑیوں کے بیچ میں سے ایک اجنبی چہرے نے جھانکا۔ برقائی خان مقناطیسی انداز میں آواز کی سمت میں گھوم گیا۔ چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس نے سکون کی سانس لی۔ وہ چہرہ بھی برقائی خان کا چہرہ حیرت بھری نگاہوں سے دیکھنے میں محو تھا۔

''سمنائی!...... چلے آؤ''۔ برقائی خان نے دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ وہ چہرہ جھاڑیوں کے عقب میں سے نکل کر اب بالکل سامنے آ گیا تھا۔ ارغوانی رنگ کے مخصوص سمنائی لباس میں ملبوس وہ چہرے سے ہی شکاری دکھائی دیتا تھا۔

''برقائی خان ......!'' اجنبی سمنائی حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر تعجب ہو رہا ہے۔ تمہیں تو اپنے بھائی کے ساتھ دارالحکومت سرائے میں ہونا چاہئے تھا''۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں خون خرابے سے باغی ہوں۔ بے شک میں منگول سہی مگر میرے خون میں منگولوں جیسی دہشت و بربریت نہیں ہے''۔ برقائی خان نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''جانے کیوں......؟ تم مجھے کبھی کبھار سرے سے ہی منگول نہیں لگتے''۔ وہ سر جھٹک کر بولا۔

''جو چاہے سمجھ لو، میں بُرا ماننے والوں میں سے نہیں''۔ برقائی خان نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

''یہی باتیں تو مجھے حیران کر دیتی ہیں کہ تم آخر کس چیز کے بنے ہوئے ہو''۔

''چھوڑو......! کوئی اور بات کرو''۔

''میں دھوئیں کی لکیر دیکھ کر اِدھر نکل آیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اپنے قبیلے کا کوئی آدمی ہوگا''۔ وہ دھیرے سے ہنسا۔

''اپنے شکار کی سناؤ۔ آج کل کیسا جا رہا ہے؟ اب تو جانور سرکیشی پہاڑیوں پر بھی مٹتے دکھائی دینے لگے ہیں''۔ برقائی خان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ بھی جھینپے انداز میں ہنسنے لگا۔

''برقائی خان......! تم اس موسم میں اس طرف کہاں آ نکلے؟ تم تو بہار میں شکار کرنے اِدھر آیا کرتے ہو''۔ اس نے سوال کیا۔

''اوہ......! باتوں میں تم نے بھلا ہی دیا۔ تم نے آج صبح کے بعد سرخ قبیلہ کے افراد کو تو قرب و جوار میں نہیں دیکھا؟'' برقائی خان نے اچانک پوچھا۔

''سرخ قبیلہ کے لوگوں کو......!''

وہ غیر متوقع سوال پر چونک پڑا۔

''ہاں دیکھا تو ہے مگر تمہیں یہ بات پوچھنے کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟''

''وہ میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا تھا کہ میں تنہا اِدھر نہیں آیا تھا بلکہ ایک دوست کی محبت کھینچ لائی تھی۔ اسی نے خواہش ظاہر کی کہ شکار کھیلا جائے میں اس کے ہمراہ اس طرف نکل آیا۔ آج صبح میں ذرا اطراف میں نکل گیا اور واپسی پر دیکھا کہ میرا دوست غائب ہے اور رات کے بھنے ہوئے شکار پر کوئی ہاتھ صاف کر گیا ہے۔ نشانات

سے تو مجھے یہی اندازہ ہوا تھا کہ یہ حرکت سرخ قبیلے والوں کی ہی ہو سکتی ہے مگر اب تمہاری تصدیق سے معاملہ مکمل طور پر میری سمجھ میں آ گیا ہے"۔

"نہیں تمہارا دوست عرب تو نہیں......؟"

"ہاں...... ہاں! مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

برقائی خان اس کی بات پر چونک اُٹھا۔

"آج صبح میں نے سرخ قبیلے کے سردار دقبازائی خان کو سرخوں کے ہمراہ سرکیشی پہاڑیوں پر دیکھا تھا۔ سہ پہر کے بعد ایک دوسری پہاڑی کی چوٹی پر سے میں نے انہیں جلب گائی کی جانب جاتے دیکھا۔ انہوں نے بانس سے کچھ باندھ رکھا تھا۔ میں نے اشتیاق سے ان کے شکار کو غور سے دیکھا تو میں پل بھر کے لئے متحیر رہ گیا کہ ان کا شکار کوئی جانور نہیں کوئی عربی دکھائی دیتا تھا"۔

وہ برقائی خان کے چہرے پر جاہ وجلال کی شکنیں گہری ہوتے دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔ چند لمحے قبل کا برقائی خان اب حقیقتاً منگول ہی دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے سپید چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت آتش انتقام میں دہکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ان خبیثوں کی اتنی جرأت کہ وہ سنہرے خیمے کے تقدس کو پامال کریں اور میرے عزیز دوست کو قیدی بنا کر لے جائیں۔ میں ان کی تمام نسلوں کو مٹا ڈالوں گا"۔ برقائی خان کی منگولانہ فطرت بے قابو ہونے لگی۔

"کیا......؟ انہوں نے تمہارے دوست کو سنہرے خیمے میں سے گرفتار کیا......؟"

اجنبی اس حیرت انگیز انکشاف پر دہل کر رہ گیا تھا۔ سنہرے خیمے پر ہاتھ ڈالنا بغاوت کے مترادف تھا۔ یہ چنگیز خان کے بیٹے توشی خان کے تقدس کی علامت تھا۔

چنگیز خان جب عالم اسلام کے بڑے رقبے کو تباہ و برباد کر کے واپس لوٹا تو تنکت میں اس نے ہنگری خان کو خوفناک شکست دی اور اس کے ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اس کا زور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا۔ چنگیز خان تمام عمر جنگ و جدل میں گذارنے کے بعد اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا اور اس کی عمر تہتر برس ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک ایسا خواب دیکھا تھا جس میں اس کی موت کا واضح اشارہ دیا گیا تھا۔ اس خواب کے بعد اس نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کر لیا اور دیگر سرداروں کو بھی بلایا۔ اس نے منگول سلطنت کی وفاداری کا ان سب سے حلف لیا اور اس کے بعد ایک ملاقات اپنے بیٹوں سے علیحدگی میں کی۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں نے اتنی بڑی سلطنت بنا دی ہے کہ جس کی ایک سمت سے دوسری سمت تک جاتے ہوئے قریباً ایک سال کی مدت صرف ہو جاتی ہے، اب تم بتاؤ کہ تم کسے میرے بعد جانشین بناؤ گے؟ تو سب نے بالاتفاق کہا کہ آپ ہمارے باپ ہیں جو فرمان دیں گے ہم اسی کی پیروی کریں گے۔ چنگیز خان توشی خان کو ولی عہد بنانے کا خواہش مند تھا مگر وہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گیا تھا لہٰذا اس نے بڑے بیٹے اوکتائی (اوغدائی) خان کو جانشین مقرر کیا۔ مستند روایات کے مطابق چنگیز خان کا انتقال 624ھ میں ہوا۔ اس کے بعد ڈیڑھ سال تک کوئی تخت نشین نہیں ہو پایا۔ اس کے بعد اوکتائی خان کی مسند نشینی عمل میں لائی گئی۔ منگول و تاتار سب نے اسے سلطنت کا دوسرا قاآن اعظم چنا تھا۔ اس نے قریباً تیرہ سال، تین ماہ حکومت کی۔ اوکتائی خان نے شراب نوشی کی کثرت کے باعث 638ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے قیوق خان کو حکمران چنا گیا۔ قیوق خان بنیادی طور پر نصرانیت کی جانب مائل تھا، اسی لئے اس نے اسلام دشمنی کی انتہا کر دی۔ اس کے دور میں عارف و زاہد لوگوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ اسلام کی تبلیغ کو سنگین جرم قرار دے دیا گیا۔ چنگیز خان اور اوکتائی خان نے محکوم مسلمانوں کو جو حقوق دے رکھے تھے، ان میں امتیاز برتا جانے لگا۔ جب قیوق خان نے کفر پرستی اور مسلمانوں پر ظلم و ایذا کے نقوش گہرے کر دیے تو قدرت کاملہ کو جوش آیا اور قیوق خان کو عذاب درد میں مبتلا کر دیا گیا۔ ناقابل برداشت درد کے عالم میں تڑپتے تڑپتے اس دشمن اسلام نے دم توڑا تو مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے خدائے باری تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

منگول سردار اب باتو خان کی جانب دیکھنے لگے اور اس کی حکمرانی پر متفق ہو گئے جو کہ اپنے باپ توشی خان کے ملک اردوئے زریں پر بڑی کامیابی سے انتظامِ حکومت چلا رہا تھا۔ چنگیز خان نے اپنی زندگی میں ہی ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد توشی خان کو ان کا منتظم بنا دیا تھا، توشی خان کے انتقال کے بعد اس کے فرزند باتو خان کو چنگیز خان نے اس بڑے خطے کا منتظم بنا دیا۔ وہ بااختیار ہونے کے ساتھ چنگیز خان کا ماتحت تھا۔ باتو خان نے منگول سلطنت کی دشوار ترین ذمہ داری سے معذرت اختیار کرتے ہوئے اپنا دامن صاف بچا لیا۔ منگول سرداروں نے بالآخر چنگیز خان کے دوسرے بیٹے تولی خان کے فرزند منگو خان کو متفقہ طور پر اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ باتو خان نے بھی آگے بڑھ کر اس کی اطاعت کا اعلان کیا۔ باتو خان کی حکومت پہلے بھی قاآن اعظم کے تحت تھی۔

باتو خان اسی توشی خان کا بیٹا تھا جو کہ تاریخ میں جوجی خان کے نام سے مشہور ہوا اور اسی باتو خان کا چھوٹا بھائی برقائی خان سرکیشی پہاڑی کی ایک چوٹی پر بیٹھا غم و غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

بیبرس علی الصبح نماز سے فارغ ہو کر نجم الدین ایوب کے محل کے صدر دروازے کی جانب نکل آیا۔ دروازے پر موجود پہرے دار نے اس کی جانب مشکوک نگاہوں سے دیکھا تو اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اسے مطمئن کر دیا۔ گفتگو کا فن اُسے خوب آتا تھا، کسی کو مطمئن کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کھلی فضا میں چہل قدمی کا خواہش مند تھا۔ جب سے وہ شاہی محل میں آیا تھا، اس کی آزادی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ آج کچھ جولانی سی طاری تھی۔ وہ دھیرے قدموں سے چلتا ہوا شاہی محل سے دور نکل آیا۔ بازار ابھی تک بند ہی تھے۔ دو ایک دوکانیں کھلی دکھائی دیں۔ بازار میں پہنچ کر بیبرس کے دل پر چوٹ سی لگی۔ انہی بازاروں میں چند سال پیشتر وہ اپنے مرحوم آقا بند قداری کے ہمراہ آیا تھا۔ زندگی کا وہ رُخ کتنا حسین تھا۔ اس نے ایک پل کے لئے سوچا۔

اچانک اس کے کندھے پر کسی کے ہاتھ کے دباؤ نے اس کے خیالوں کا تسلسل منتشر کر ڈالا۔ اس نے چونک کر دیکھا تو جو صورت اسے دکھائی دی، وہ اس کی طبیعت کو مکدر کرتی چلی گئی۔ وہ صبح سویرے کسی ایسے چہرے کو دیکھنے کا قطعی خواہش مند نہیں تھا۔

"بیبرس! سناؤ کیسی گذر رہی ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے، دل مطمئن ہے اور ضمیر میں کوئی خلش باقی نہیں"۔ بیبرس نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

"آخر اطمینان کیوں نہ ہو؟ شاہی محلوں کے مزے جو لوٹے جا رہے ہیں"۔ وہ استہزائیہ چہکا۔

"شاہی محل میں بھی مشیت ایزدی ہی لے گئی ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے؟"

بیبرس اس کی طنز کو نظر انداز کر گیا۔

"باتیں بنانا بھی خوب آ گئی ہیں"۔

"کوئی کام کی بات کرو"۔

ہیرس اب اکتاہٹ محسوس کرنے لگا۔

''ہونہہ! تیور بھی بدل چکے ہیں۔ چلو کوئی بات نہیں۔ یہ عیاشی چند ہی دن کی مہمان ہے''۔ وہ دیدے مٹکاتا ہوا بولا۔

''رحمت خداوندی کو عیاشی مت کہو''۔

''چلو! جو تم کہتے وہی سہی۔ میرے آقا کا کہنا ہے کہ چند ہی دن کی بات ہے ہیرس پھر انہی کے در پہ جوتیاں گھسایا کرے گا''۔

''ٹھیک ہے اگر میرے مقدر میں یہی لکھا ہوا ہے تو میں اسی پر شاکر رہوں گا''۔ ہیرس لاپروائی سے بولا۔ وہ اب حیرانگی سے اس کا منہ دیکھنے لگا تھا۔

''تمہیں کوئی خوف نہیں کہ آقا اپنی ذلت کا بدلہ لینے کے لئے تمہاری کھال اتروا ڈالیں گے''۔

''ان کی کیسی عزت...... جو خود ہی پستی میں گرا ہو، اسے ذلت عزت سے کیا سروکار؟''

''لگتا ہے کہ شاہی محل کے پانی نے تمہیں نڈر و بے باک بنا دیا ہے''۔

''یاد رکھو کہ خوف صرف ذات باری تعالیٰ سے ہی ہونا چاہئے۔ بندے اور تمہارے آقا جیسے حقیر و پست ذہنیت کے مالک بندے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ تو خود خوف زدہ رہتے ہیں، انہیں کبھی جاہ و حشمت کے چھن جانے کا خوف ہوتا ہے، تو کبھی مال و اسباب کے لٹ جانے کا خدشہ ان کا سکون برباد کئے رکھتا ہے۔ میں ایسے لوگوں سے قطعی خوفزدہ نہیں ہوتا''۔

''داناؤں جیسی باتیں کرنے لگے ہو، مجھے تو تمہاری جوانی پر ترس آتا ہے۔ میرے آقا کے ارادے بڑے خوفناک ہیں''۔

''مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟'' ہیرس نے پوچھا۔

''جانے کیوں......؟ تم سے ہمدردی سی محسوس ہونے لگی ہے''۔ اس کا لہجہ اس کی سچائی کا عکاس تھا۔ ہیرس اس کی صورت دیکھ کر دھیما سا مسکرایا اور اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

''گھر جاؤ اور اس بات کا اطمینان رکھو کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میرا حامی و ناصر اللہ ہے اور میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں''۔

''جی میں آتا ہے کہ تمہیں اپنے آقا کی سچائی سے آگاہ کر ہی ڈالوں''۔ وہ لمحہ بھر توقف سے بولا۔

''سچائی...... سچائی ہی ہوتی ہے۔ ایک نہ ایک دن خود ہی سب پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ تم اپنے مالک کی پشت پر اگر اس کا کوئی راز منکشف کرو گے تو تم روز محشر جرم دار بن جاؤ گے۔ اس دنیا میں شاید تم اسے چھپا کر سزا و جزا سے بچ جاؤ مگر اُس دنیا کی فکر کرو جہاں کوئی کسی کو محفوظ نہیں رکھ پائے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم اپنے آقا کے رازوں کی حفاظت کرو اور مجھے کسی قسم کی کوئی بات بتائے بغیر اپنا مطلوبہ کام مکمل کر کے گھر لوٹ جاؤ''۔ ہیرس نے اسے سختی سے منع کر دیا۔

وہ ہیرس کی بات سن کر اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ آسمان سے اُتری ہوئی کوئی انوکھی مخلوق ہو۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں جب امراء اسباب و اختیار کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے سے باز نہیں آتے تھے اور غریب شخص بھی پیٹ کے دوزخ کی آگ مٹانے کے لئے نیکی و بدی کا امتیاز کھوتا جا رہا تھا، ایسے دور کشاکش میں ہیرس واقعی کسی دوسری دنیا کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نگاہیں جھکائیں اور ہیرس سے مصافحہ کیا اور اپنے بدتمیزانہ انداز کی معافی مانگی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ہیرس نے اسے ذرا بھر بھی محسوس نہیں

ہونے دیا کہ وہ اس کے لب و لہجہ سے ملول تھا بلکہ رخصت ہونے سے قبل اُسے ایک لطیف چٹکلہ سنا کر اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند تک کو صاف کر دیا۔ پل بھر کے لئے ہیرس نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور اس کی جانب سے منہ موڑ کر واپسی کی راہ اختیار کی۔ اس کے ذہن میں اس غلام کی باتیں تیزی سے رواں تھیں۔ وہ اس کے چالاک آقا جمال الدین المراحی کا ایک پرانا اور منہ چڑھا غلام تھا۔ ہیرس اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ خود کو مہان شے سمجھتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی نگاہ میں حقیر و پست ہیں۔ خوشامدانہ طرز طبیعت نے اسے جمال الدین المراحی کا خاص غلام تو بنا ڈالا تھا مگر اس کی بڑھکیں ہانکنے کی عادت اکثر اس کے مالک کے خلاف جاتی تھی۔ یقیناً جمال الدین المراحی کسی نئی کمینگی کا مرتکب ہونے والا تھا جس میں اس کی ذات بھی ملوث تھی۔

اس بارے میں اسے کیا کرنا چاہئے......؟ وہ اب اس بارے میں سوچ و بچار میں محو تھا۔ جانے کب وہ نجم الدین ایوب کے محل میں داخل ہوا اور کب اپنے جائے قیام میں پہنچ گیا، اسے خبر نہ ہو پائی تھی۔ اس کا ذہن مسلسل متحرک تھا۔

❁ ❁ ❁

تونائی خان اپنے جوان فرزند بوغائی خان کے ہمراہ کچھ ہی لمحے قبل جلب گائی پہنچا تھا۔ یہاں اس کی تیسری بیوی رُبابہ کا میکہ تھا۔ کچھ دن قبل وہ اپنے والدین سے ملنے کے لئے یہاں آئی تھی۔ واپسی میں تاخیر ہونے کے باعث تونائی خان خود ہی بیٹے کے ہمراہ وہاں چلا آیا۔ اس کی آمد معلوم پڑنے پر سردار دقباژائی خان نے خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ تونائی خان چنگیز خان کا رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ حیثیت کا حامل فرد تھا۔ ماضی میں سلطنت منگولیانہ کے لئے اس کی خدمات سب کے سامنے عیاں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سلطنت کے کسی بھی حصے میں جہاں کہیں بھی جاتا وہیں اس کا استقبال پرتپاک انداز میں کیا جاتا۔ سردار دقباژائی خان نے اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا اور اسے رات کے کھانے کی دعوت دی۔ تونائی خان نے اس دعوت کو قبول کر لیا مگر وہ جلد از جلد اپنی بیوی کے گھر پہنچنے کا متمنی تھا، اس لئے اس نے معذرت کرتے ہوئے مزید گفتگو کا سلسلہ ختم کیا اور وہاں سے سیدھا سسرالی خیمے میں چلا آیا۔ جلب گائی کہنے کو ایک بڑا قصبہ تھا مگر یہاں کے لوگ مستقلاً بڑے گول خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ انہیں اپنی روایات سے بے حد محبت تھی۔ وہ پختہ مکانات کو بدارواح کا مسکن قرار دیتے تھے۔ منگولوں میں بدارواح کا تصور بڑا مضبوط تھا۔ وہ جس قدر بدارواح سے خوفزدہ ہوتے تھے، اتنا خوف انہیں میدان جنگ میں بھی نہیں محسوس ہوتا تھا۔

اس کا سسر عمر رسیدہ تاتاری تھا جس کا نام منک آنہ تھا، تنگری کے خلاف مہم میں اس شخص نے چنگیز خان کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑی تھیں۔ وہ جوانی ڈھل جانے کے بعد اب مستقلاً جلب گائی میں مقیم تھا۔ اس نے جب تونائی خان کو خیمے کے دروازے پر پایا تو وہ استعجاب و خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اس کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ تونائی اپنی بیوی رُبابہ کے لئے یہاں چلا آئے گا۔ منگولوں کی روایات میں بیوی کی حیثیت بے حد کمتر سمجھی جاتی تھی۔ وہ عورتوں کو محض دل افروزی اور گھریلو خدمات کا پابند سمجھتے تھے۔ ایک سے زیادہ عورتوں کو زوجیت میں رکھنا ان کے لئے عام سی بات تھی۔ سرداروں میں تو بیویوں کی تعداد دہائیوں میں پہنچ جایا کرتی۔

''ایک لمبے عرصے کے بعد تمہاری شکل دیکھنے کو ملی ہے...... تونائی خان!'' منک آنہ بولا۔

''بس اسے مصروفیت کا ہی نام دوں گا۔ دل [illegible] عرصہ سے چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے، جانے کب آپ کا بلاوا آ جائے اور میں اس شرف سے بھی محروم رہ جاؤں، اس دفعہ رُبابہ آئی ہوئی تھی، سوچا ابھی کے

بہانے ہی میں بھی ذرا ہوا خوری کرلوں''۔ تو نائی خان مسکرایا۔

''چلو اچھا کیا جو ادھر چلے آئے۔ دقباژائی کا ایک کام تو آسان ہوا، ورنہ وہ تمہیں قاصد بھیج کر بلانے کا قصد کرتا''۔

''خیریت!'' تو نائی ڈھلکے ہوئے پپوٹوں کو قدرے اُٹھا کر بولا۔ ''ایسی کیا بات ہوگئی؟ کہ دقباژائی کو مجھے مدعو کرنا پڑتا''۔

''دقباژائی طویل عرصہ کے بعد اپنے اجداد کی عبادت کو زندہ کرنے کا خواہش مند ہے، اب اس نے اعلان کیا ہے کہ یہ عبادت نئے چاند کی روشنی پر کی جائے گی۔ نئے چاند میں ابھی اٹھارہ دن باقی ہیں''۔ منک آنہ نے وضاحت کی۔

''سرخوں کی عبادت!'' تو نائی جیٹھے بیٹھے اپنی جگہ اچھل پڑا۔ ''کہیں آپ کا اشارہ عبادتِ خون گیس کی جانب تو نہیں ہے......؟''

''ہاں تم بالکل صحیح سمجھے ہو، عبادت خون گیس......یعنی نئے چاند کی رات انسانی قربانی خدائے جاودانی آفتاب کی نذر کی جائے گی۔ تاکہ اس برس خدائے جاودانی آفتاب پر بُری ارواح کا سایہ نہ پڑ سکے اور وہ پوری آب وتاب سے روشن رہے''۔

''یہ ناممکن ہے......!'' تو نائی قریباً چیختے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ استعجاب کی زیادتی سے بگڑ گیا۔

''کیوں؟ ناممکن کیوں......؟ آج سے پیشتر بھی تو منگول یہ عبادت سرانجام دیتے آئے ہیں''۔

منک آنہ کے تیور بدلنے لگے۔

''آپ جانتے ہیں کہ قاآن اعظم نے اس عبادت پر پابندی عائد کر رکھی ہے، تموچن نے پہلی بار اس عمل کو غیر انسانی قرار دیا تھا اور پابندی لگائی تھی۔ سب قبائل اُس وقت پابندی پر باہم رضامند ہوئے تھے۔ اب اسے دوبارہ جاری کرنا سلطنت کے قوانین توڑنے والی حرکت کے مترادف ہے، دوسرا اس عبادت میں کوئی تاتاری یا منگول قربان نہیں کیا جا سکتا''۔

''میں سب جانتا ہوں، قبیلے والے خود اس عبادت کے خلاف ہیں''۔ منک آنہ کا لہجہ حیرت انگیز طور پر بدل گیا۔ اس کے لہجے میں پہلے سی چاشنی پھر لوٹ آئی تھی۔ ''انہوں نے سردار کے اس فعل کی بھرپور مذمت کی ہے مگر دقباژائی کا کہنا ہے کہ تموچن کے ساتھ ساتھ اس کی لگائی گئی ہر پابندی بھی مر چکی ہے۔ اب تمام قبائل آزاد ہیں اور ان کی آزادی سلب کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے''۔

''یعنی دقباژائی ارادۂ بغاوت میں ملوث ہے، آپ کو اُسے سمجھانا چاہئے تھا کہ وہ اکیلا قاآن اعظم کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ کیوں اپنے قبیلے کو موت کے منہ دھکیلنے کا خواہش مند ہے''۔ تو نائی خان پریشان سا ہوگیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے اُسے کچھ نہیں سمجھایا ہوگا...... بہتیرا سمجھایا بجھایا مگر وہ اپنے اجداد کی روایت زندہ کرنے کی خواہش میں اندھا ہو چکا ہے، تم اب آ ہی نکلے ہو تو اسے طریقے سلیقے سے سمجھاؤ کہ وہ اپنی اس روش سے باز رہے''۔

''اوہ......! میں اب سمجھا کہ وہ خصوصاً میرے استقبال کے لئے کیوں آیا تھا اور پھر آج رات کے کھانے کی دعوت کے پیچھے کیا راز پوشیدہ تھا......؟''

تو نائی خان نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے خود رفتگی کے عالم میں جواب دیا۔

''پھر تو تمہیں یہ موقعہ گنوانا نہیں چاہئے۔ اسے جلد از جلد قائل کرو۔ اس نے تو کئی سرداروں کو باضابطہ آمد کی دعوت دے ڈالی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منگول اپنی عبادات کے چکر میں الجھ کر تفرقے کا شکار ہو جائیں، دشمنوں کا خون بہانے والے اپنوں کی گردنیں کاٹنے لگیں''۔

منک آنہ حقیقتاً دقباژائی کے فیصلے سے خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔ تو نائی خان اپنے سسر کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا، اس کے ماتھے کی شکنیں گہری ہونے لگیں۔ وہ اس وقت کو تخیل کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا، جب منگول کسی بھی غلط فیصلے کے مرتکب ہو کر آپس میں برسرِ پیکار ہو جائیں گے۔ اس نے اس وقت کو اپنی نگاہوں کے سامنے محسوس کیا تو اس کی روح تک دہل گئی، تموچن نے دن رات کی لگاتار محنت سے جس تہذیب کا دروازہ ان پر کھولا تھا، دقباژائی اسے بند کرنے پر تلا ہوا تھا۔

تو نائی خان نے اس ضمن میں دقباژائی سے خود بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے باقی ماندہ دن دیگر لوگوں سے ملاقاتوں میں گذارا۔ رات کے آغاز پر ہی وہ دقباژائی کے خیمے کی طرف روانہ ہوا۔ دقباژائی نے اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی طعام کی فوری تیاری کا حکم صادر کر دیا۔ تو نائی خان کو ایک خاص خیمے میں بٹھایا گیا جو کہ دقباژائی خان کا سب سے قیمتی خیمہ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں آنے کی خواہش ہر سرخ کی تھی مگر چند خاص غلاموں کے علاوہ اس خیمے کی جانب کسی کو نگاہ اُٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ خیمہ سرخ یاخ کی کھال سے تیار کیا گیا تھا جو کہ کمیابی میں اوّل درجے کا جانور تھا۔ تو نائی خان نے خیمے میں نشست سنبھالی تو شراب پیش کی گئی۔ جام کی چسکیاں خیمے کی فضا میں ابھرنے لگیں۔ دقباژائی بوڑھا دکھائی تو ضرور دیتا تھا مگر اس کے چہرے پر بشاشت کسی جوان سے کم نہ تھی۔

''میں عظیم تو نائی کی آمد پر بے حد ناز کرتا ہوں۔ دقباژائی کے لئے یہ کسی اعزاز سے کم نہیں کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے سب رُفقاء کو اپنے پاس ایک ساتھ دیکھے گا''۔

اس کا چہرہ سرشاری کے عالم میں دہک رہا تھا۔ تو نائی اس کی بات کا مطلب سمجھ رہا تھا مگر اس نے خاموشی برقرار رکھی تاکہ وہ خود ہی بات کو چھیڑ سکے۔ دقباژائی اس کی جانب پوری طرح متوجہ تھا مگر تو نائی خان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اُس کی نگاہ سے اوجھل تھے۔ وہ شراب کے خمار میں مست دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔

''تو نائی! جاودانی آفتاب نے مجھے ایسی ہمت وقوت بخشی ہے کہ میں اس کی حیات کی گمبھیرگی کو دور کرنے کی سعی کر سکوں اور عبادت خون گیس کو انجام دے کر منگولوں کو نہ صرف بد ارواح سے محفوظ کر دوں بلکہ انہیں ان کی سابق روایات کی طرف واپس موڑ دوں۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس نئے چاند کی آمد پر عبادت خون گیس پورے اہتمام سے کی جائے۔ لہٰذا میں تم سے باضابطہ استدعا کروں گا کہ تم بھی میرے ہمراہ کندھے سے کندھا جوڑ کر منگولوں کی روایات کو دم توڑنے سے بچاتے ہوئے آئندہ نسلوں کی بہتری کے لئے یہ فریضہ انجام دو''۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا دقباژائی۔ تم جانتے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ لگتا ہے کہ شراب کا خمار اب تمہارے دماغ کو چڑھنے لگا ہے''۔ تو نائی خان نے ناگواری سے جواب دیا۔

''یہ شراب کا خمار نہیں تو نائی......! حقیقت ہے۔ میری نگاہیں منگولوں کو جاودانی آفتاب سے دور ہٹتے دیکھ رہی ہیں۔ مسلمان ونصاریٰ آہستہ آہستہ انہیں پراگندہ کر رہے ہیں۔ اگر اس وقت کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا تو وہ وقت دور نہیں جب جاودانی آفتاب کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا''۔

"تم تخیل کی آنکھ سے جو کچھ دیکھ رہے ہو، وہ سراب کے سوا اور کچھ نہیں۔ مسلمان و نصاریٰ لاکھ سعی کریں مگر وہ جاودانی آفتاب کو کبھی نہیں مٹا پائیں گے۔ وہ روزِ ازل سے ابد تک یونہی پوری آب و تاب سے روشن رہے گا۔"

"تم خوش فہمی میں مبتلا ہو توقائی ہوش کے ناخن لو، کیا تمہاری آنکھیں دیکھ نہیں پا رہیں کہ مسلمان و نصاریٰ ہمارے بچوں کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں، ہمارے بچوں کی منگول روایات سے لاعلمی ان لوگوں کے لئے کامیابی بنتی جا رہی ہے، دشت قپچاق سے لے کر خوارزم تک جتنے منگول موجود ہیں ان کے بچوں کی اکثریت تیزی سے حلقہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے، ایل خانی سلطنت میں نصرانی چھاتے جا رہے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا گیا تو وہ قوم جو ہماری تلواروں نے بٹھا دی تھی، جن کے مستقبل کو ہم نے اپنے گھوڑوں تلے روند دیا تھا اور جنہیں غلامی کا بدترین طوق پہنایا گیا تھا، وہ بیدار ہو جائے گی اور منگولوں کو پھر سر چھپانے کے لئے جگہ ڈھونڈنا دشوار ہو جائے گی۔"

"مجھے اب واقعی یقین ہو چلا ہے کہ تمہارے دماغ میں واقعی خلل پیدا ہو گیا ہے، تم بزدل بنتے جا رہے ہو، تمہیں منگول کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔" توقائی خان یکدم بھڑک اٹھا۔

"خود کو قابو میں رکھو توقائی ! میری بات تحمل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ سلطنت اور دولت ایک نہ ایک دن ہمارا ساتھ چھوڑ جائے گی، تموچن کی مثال لے لو، اس کی موت کے بعد کیا کچھ نہیں ہوا، قاآن اعظم نے نہ صرف مسلمان و نصاریٰ کو اعلیٰ عہدے دے ڈالے بلکہ انہیں امان بھی عطا کر رکھا ہے۔ ماضی میں منگول سلطنت میں کبھی مسلمان مستقل رہائش پذیر نہیں ہو سکتے تھے، اب ان کے بڑے بڑے محل نما مکانات ہیں۔"

"دقباژائی! تم حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے واقعی دوسروں کو بدظن کر سکتے ہو مگر مجھے نہیں، میں بخوبی سمجھ رہا ہوں کہ تم اپنے مطلب کی برآوری کے لئے منگولوں میں منافرت کی فضا پیدا کر رہے ہو۔ منگول کل بھی عظیم تھے اور آج بھی عظیم ہیں، آنے والا کل بھی اس بات کی تصدیق کرے گا۔ میں اب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم اپنی فطری خونخواری اور سرداری چمکانے کی ہوس میں مبتلا ہو۔ عبادت خون کیس کی انجام دہی کے پس پشت اصل مقصد صرف یہی ہے کہ تمام قبائل میں تمہاری عظمت کا اعتراف کیا جا سکے۔"

توقائی نے اسے منہ توڑ جواب دیا۔

"میری عظمت!" دقباژائی استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "توقائی ! تم بات کو گھما پھرا کر میری ہی جانب کیوں لے آتے ہو۔ جب میں منگول قبائل کی بات کرتا ہوں تو تم اسے سمجھنے کے بجائے میری ذات میں الجھ جاتے ہو۔ میری ذات سے باہر نکل کر ٹھنڈے دماغ سے ذرا سوچو گے تو تمہیں میری باتیں اچھی طرح سمجھ آ سکیں گی۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عبادت خون کیس کے قضیئے کو چھیڑنے کا مطلب سراسر بغاوت بھی ہو سکتا ہے۔" توقائی خان نے متنبہ کیا۔

"یہی سمجھ لو! میں منگولیانہ روایات کو بچانے کے لئے اقدامِ بغاوت سے بھی باز نہیں آؤں گا۔"

"میں قاآن اعظم کے خلاف کچھ کرنے کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں، اس لئے تم مجھے اپنے ساتھ شامل نہ سمجھو۔"

توقائی فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

دقباژائی اس کے بگڑے ہوئے چہرے کی جانب غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں درد سا آیا

تھا۔

"تمہیں روایات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ٹھیک ہے میں تنہا ہی اس مقصد کو لے کر آگے بڑھوں گا۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگ میرے ساتھی بن جائیں اور کچھ لوگ میرے دشمن ہو جائیں۔ اگر میں کامیاب ہوا تو ہر پل روایات کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ اگر میں ناکام ہو گیا تو میری بات یاد رکھنا کہ آنے والی نسلیں جاودانی آفتاب کو بھول جائیں گی اور ہر طرف دوسرے مذاہب کا ڈنکا بجنے لگے گا۔"

دقباژائی کا لہجہ بے حد کڑوا تھا۔ توقائی خان نے سرتم نگاہوں سے اسے دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آنے والے وقت میں دقباژائی اور سرخ قبیلے پر کڑی آفت کے بادل دیکھ رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

نجم الدین ایوب ظہر کی نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو کر اپنے محل کی جانب روانہ ہوا۔ وہ سیدھا محل پہنچا۔ آج چند حکومتی امور نے اسے ضرورت سے زیادہ ہی تھکا دیا تھا۔ اسی لئے وہ محل واپس لوٹ آیا۔ وہ دوپہر کو آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ کمرۂ خاص میں داخل ہوا ہی تھا کہ اسے کسی نے عقب سے مخاطب کیا۔ اس نے گردن گھمائی تو اسے ابو خویلد کا چہرہ دکھائی دیا۔

"کیا بات ہے ابو خویلد ؟"

"آقا ایک ضروری بات کرنا تھی۔"

"میں اس وقت خاصا تھک گیا ہوں، کیا ممکن نہیں کہ شام کو بات کی جائے۔"

"بات کی نوعیت میرے خیال میں سنگین ہے۔ اگر آپ ابھی نہیں سننا چاہتے تو شام کو سہی۔" ابو خویلد نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"کہو ! میں سن رہا ہوں۔"

"آج صبح بیبرس نماز سے فراغت کے بعد محل سے باہر سیر کے لئے گیا تھا کہ اسے راہ میں جمال الدین المراحی کا ایک غلام ملا اور اس نے باتوں باتوں میں ایسا اشارہ دیا کہ اس کا مالک بیبرس کے حصول کے لئے کوئی شاطرانہ چال چلنے کا سوچ رہا ہے۔ بیبرس نے اپنی فطرت کے تحت اس غلام کو مزید کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ بعد میں بیبرس نے واپس لوٹ کر میرے ساتھ بات کی تو میں نے اسے تسلی دی کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا مگر بیبرس جانے کیوں مطمئن نہیں ہو پایا۔ اس نے استدعا کی کہ اسے چند گھنٹوں تک باہر جانے کی مہلت دی جائے تاکہ وہ حقیقت حال معلوم کر سکے کہ جمال الدین المراحی کیا گل کھلانے والا ہے؟ میں نے اس کے اصرار پر اپنے تئیں اسے باہر جانے کی اجازت دے دی، جس کے لئے میں معافی کا خواستگار ہوں۔" ابو خویلد نے گردن جھکا لی۔

"تو کیا ہوا؟ بیبرس تمہیں بے وقوف بنا کر فرار ہو گیا ؟" نجم الدین ایوب کے چہرے پر شگفتگی سی پھیل گئی۔

"نہیں ایسی بات نہیں، وہ جو اطلاعات لے کر واپس لوٹا ہے، وہ خاصی تعجب انگیز ہیں، اسی لئے میں نے سوچا کہ جونہی آپ کی واپسی ہو، میں آپ کے گوش گزار کر دوں۔ بیبرس کی اطلاع کے مطابق جمال الدین المراحی کا بیٹا جو کہ محکمۂ احتساب میں صاحب دیوان ہے، اس نے آپ کے خلاف کوئی فرد بغاوت تیار کی ہے جو کہ جلد ہی سلطان و امراء کے سامنے پیش کی جانے والی ہے۔ جمال الدین المراحی نے اپنی حیثیت کا استعمال کرتے ہوئے قاضی القضاۃ پر بھی دباؤ ڈالا ہے کہ وہ آپ کو مجرم قرار دے کر سخت ترین سزا دیں۔"

نجم الدین ایوب بے یقینی سے ابو خویلد کا چہرہ دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی انہونی بات کر رہا ہو۔

"کیا تم پورے یقین و وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ بیبرس کی طرف سے فراہم کی گئی اطلاعات بالکل صحیح اور مصدقہ ہیں"۔

"جی ہاں! میں نے بیبرس کو بے حد قریب سے دیکھا ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ جھوٹ و مکر سے سخت نفرت کرتا ہے"۔

"ٹھیک ہے میں اپنے تئیں بھی اس بارے میں چھان بین کراؤں گا۔ اگر ایسا کچھ ہے تو پھر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ اتنی کھچڑی پک رہی ہے اور میرے مخبر ابھی تک بے خبر ہیں۔ میرے خیال میں بیبرس کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ دوسرا قاضی القضاۃ تک اگر یہ بات پہنچ چکی ہوتی..... تو وہ کب کا مجھے آگاہ کر چکے ہوتے"۔

نجم الدین ایوب کو جہاں یہ بات سن کر سخت حیرت ہوئی تھی وہیں وہ گومگوئی حالت کا شکار بھی تھا۔ بیبرس کی اطلاع پر یوں یقین کر لینا شاید اس کے بس میں نہیں تھا۔

اسی لمحے دوسرے غلام نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، نجم الدین ایوب نے ابوخویلد کی جانب دیکھا تو وہ اس کا مفہوم سمجھ گیا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"کیا بات ہے.....؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آقا اس وقت آرام کرنا چاہتے ہیں"۔

ابوخویلد نے تیز لہجے میں کہا۔

"قاضی کی جانب سے قاصد کوئی پیغام لایا ہے اور وہ فوراً آقا سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ میں نے اسے دوبارہ آنے کا کہا تو اس نے ابھی ملنے کا اصرار کیا تو میں چلا آیا"۔

"اچھا! اسے مہمان خانے میں بٹھاؤ"۔

ابوخویلد اسے ہدایت دینے کے بعد نجم الدین ایوب کی جانب بڑھا اور قاصد کی آمد اور فوری ملاقات کی خواہش سے باخبر کیا۔ نجم الدین ایوب قاضی القضاۃ کی جانب سے پیغام کی خبر پا کر گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے مہمان خانے کا رُخ کیا۔ مہمان خانے میں ایک نوجوان شخص موجود تھا جو کہ اس کے داخل ہونے پر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلام و دعا کے بعد نجم الدین نے اس سے آمد کی وجہ طلب کی تو اس نے ایک سنہرے کاغذ کا مراسلہ اس کی جانب بڑھا دیا۔ نجم الدین ایوب نے کاغذ کی تہہ کھولی اور پیغام پڑھنے لگا۔

"نجم الدین ایوب! اسلام علیکم! مجھے آج صبح بے حد حیرت کا سامنا ہوا، جب تمہارے مراسلے کی تکمیل کے لئے میں نے دو ہرکارے جمال الدین الراحی کے گھر روانہ کئے تھے۔ تم نے مجھے ہدایت کی تھی کہ اس کے بیٹے کو بلا کر اس کا کڑا امتحان لیا جائے اور اس کے بعد اس کی قابلیت و لیاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے لئے کسی عہدے کی سفارش کی جائے۔ میں نے اس کام کی انجام دہی کے لئے کئی بار پیغام بھیجا مگر الراحی کی جانب سے کوئی معاونت نہیں ہوئی۔ بہانہ بازی سے کام لیا گیا۔ جس پر میں نے آج خصوصاً اپنے مخبروں کو ہدایت کی کہ وہ معاملے کی اصلیت سامنے لائیں۔ انہوں نے جو خبر یہاں پہنچائی ہے وہ بے حد حیرت انگیز ہے۔ الراحی کے جس بیٹے کے لئے تم نے مراسلہ بھیجا تھا وہ صیغہ احتساب میں صاحب دیوان ہے۔ اسے صاحب دیوان کس کے حکم سے بنایا گیا ہے، مجھے علم نہیں ہو سکا۔ اسی لئے فوری طور پر تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ معاملہ کی تحقیق کر کے دفتر القضاۃ کو باخبر کرو.....قاضی القضاۃ"۔

نجم الدین ایوب تعجب سے مراسلے کو پڑھ رہا تھا۔ جمال الدین الراحی کو اتنا بڑا اختیار کس نے دے دیا کہ وہ براہِ راست صیغہ احتساب پر اثر انداز ہو سکے۔ اگر ایسا تھا تو بیبرس کی اطلاع بالکل درست ہو سکتی تھی کیونکہ

صیغہ احتساب ہی وہ ادارہ تھا جو کہ کسی بھی امیر یا حکمران کے مستقبل کو تاریکیوں میں بدل سکتا تھا۔ نجم الدین ایوب نے مراسلہ پڑھنے کے بعد قاصد کو روانہ کر دیا مگر تھکا ماندہ ذہن ایک الجھی ہوئی صورت حال کو صحیح طرح سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

نورالدین پریشانی کے عالم میں تونائی خان کے دروازے پر دستک دینے کے بعد کھڑا اس کی آمد کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر گہری بے چینی تھی۔ تونائی خان سے اس کی گذشتہ ملاقات محض چند بار ہی ہو پائی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تونائی خان کی سوچ مسلمانوں کے بارے میں حقیرانہ اور منفی تھی۔ نورالدین چونکہ تبلیغ اسلام کا مقصد لے کر سرائے آیا تھا اس لئے تونائی خان کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ وہ تونائی خان کا ہمسایہ تو ضرور تھا مگر ان دونوں کے درمیان حق ہمسائیگی کی نوبت کبھی نہیں آ پائی۔ آج بیٹے کی جدائی نے نورالدین کے قدموں کا رُخ تونائی خان کے گھر کی جانب موڑ دیا تھا۔ تونائی خان اپنا لباس درست کرتا ہوا دروازے پر آیا۔ اس کی نگاہ جونہی نورالدین پر پڑی تو اس کا منہ بن گیا۔

"کہو عرب.....نورالدین.....! ادھر کا رستہ کیسے بھول گئے.....؟" تونائی خان کے لہجے میں بے اعتنائی کے ساتھ ساتھ گہرا طنز بھی تھا۔ اس کی بات سن کر نورالدین کے چہرے پر پھیکی سی ہنسی پھیل گئی۔

"تونائی خان! جب ساتھ میں رہنا پڑے تو بندے کو ایک دوسرے سے کام نکل ہی آتے ہیں، میں ایک اچھے ہمسائے کے پاس آیا ہوں، کیا تم حق ہمسائیگی نبھانے پر آمادہ ہو"۔

"چھوڑو! میری اور تمہاری کیا ہمسائیگی؟ تم اپنا مطلب بیان کرو!.....کیا چاہتے ہو؟"

"بات کچھ یوں ہے کہ مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ میرے بیٹے مطیع الدین کو کسی منگول قبیلے نے سرائے کے باہر سے اغوا کر لیا ہے، تمہاری تو سرکاری دربار تک اچھی خاصی رسائی ہے، کیا تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو"۔

نورالدین کے لبوں پر بیٹے کا نام جونہی آیا اس کی آواز رندھ سی گئی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سرائے کے کسی باشندے کو باہر کا کوئی قبیلہ اغوا کرے۔ بے شک وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ سرزمین اردوئے زریں کے کچھ اپنے قواعد و قانون ہیں جن پر سختی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے"۔

تونائی خان اس کی بات پر یوں حیرت زدہ رہ گیا کہ جیسے اس نے کوئی مافوق الفطرت بات کہہ ڈالی ہو۔ اس کا لہجہ بے حد غیر یقینی تھا۔

"یہ اطلاع جس شخص نے مجھے دی ہے، میں اس کی صداقت پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتا ہوں۔ تونائی خان.....! میری بوڑھی آنکھوں میں سچائی پرکھنے کی قوت ابھی باقی ہے۔ میں لفظوں اور مکالموں کی گہرائی میں اتر جایا کرتا ہوں"۔

"مجھے تمہاری خوبیوں سے کوئی سروکار نہیں، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں کس نے اطلاع دی ہے کہ تمہارا بیٹا اغوا کیا گیا ہے.....ہو سکتا ہے کہ اس نے خود ہی کسی ذاتی رنجش پر اسے قتل کر ڈالا ہو اور تمہیں اغوا کی فرضی کہانی سنا کر حقیقت کا رُخ بدل رہا ہو" تونائی خان بے اختیاری سے بولا۔

"تونائی خان! تم صرف یہ وضاحت کر دو کہ کیا تم مجھے دربار شاہی تک پہنچا سکتے ہو یا نہیں"۔ نورالدین اس کی بے اعتباری پر تڑپ کر رہ گیا۔

"نورالدین!" تونائی خان اس کی آنکھوں میں جھلکنے والی یاسیت اور رنجیدگی کو محسوس کر چکا تھا۔ اس بار

وہ قدرے ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوا۔ ''اندر آؤ اور سکون سے بیٹھ کر مجھے سب تفصیل سے بتاؤ کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا......؟''

تونائی خان دروازے کے پہلو میں ہٹ گیا۔ نورالدین بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اندر داخل ہوا، اگلی ساعت میں وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہاں نہایت قیمتی ساز وسامان سے زیبائش کی گئی تھی۔ نورالدین کی نگاہیں جونہی اس آرائش پر پڑیں تو دل پر چوٹ لگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایک طرف تو بیٹے کی جدائی کا غم تھا تو دوسری جانب وہ زیبائش تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں۔ وہ سامان اپنی الگ ہی کہانی سنا رہا تھا۔ وہ ماضی میں شاید کسی اعلیٰ ذوق کے حامل مسلمان رئیس کے گھر کی زینت رہ چکا ہوگا۔ یقیناً یہ سامان منگولی حملوں اور لوٹ مار میں بطور مال غنیمت اس کے ہاتھ لگا ہوگا۔

''بیٹھو نورالدین!'' اس کی ساعت سے ایک آواز ٹکرائی۔ نورالدین نے قریب ہی موجود ایک نشست سنبھال لی۔ تونائی خان نے دروازے میں کھڑے ہو کر کسی کو قہوہ لانے کی ہدایت کی۔ پھر وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سوالیہ نگاہیں مسلسل نورالدین کے چہرے پر مرتکز تھیں۔ نورالدین نے اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اپنی بات کا آغاز کیا۔

''ہوا کچھ اس طرح کہ چند ماہ پیشتر ایک منگول نوجوان میرے بیٹے مطیع الدین کا دوست بن گیا۔ وہ بلا تکلف گھر میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ میں نے جب اُسے دیکھا تو اس کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت نے میرا دل بھی موہ لیا۔ میں نے اُسے اپنے گھر میں آنے جانے کی اجازت دے دی۔ کچھ دنوں بعد وہ میرے بیٹے کے ہمراہ شکار کے لئے نکل گیا۔ وہ دونوں ایک دو روز بعد واپس آ جایا کرتے تھے۔ میں مطمئن تھا کہ اس طرح میرا بیٹا آنے والے دنوں میں اس ریاست میں خود کو اجنبی محسوس نہیں کرے گا۔''

تونائی خان اس کی بات پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو اپنی سرزمین سے باہر نکالنے کا خواہشمند تھا مگر نورالدین مستقبل میں بھی یہیں بسنے کی بات کر رہا تھا۔ نورالدین اُس کے چہرے کی کیفیت سے بے خبر بولے جا رہا تھا۔

''مگر گذشتہ دونوں قریباً ایک ہفتہ قبل وہ دونوں سرکیشی پہاڑی پر شکار کے لئے روانہ ہوئے حالانکہ مجھے آگاہ نہیں کیا گیا تھا کہ وہ سرکیشی پہاڑی پر جائیں گے۔ مجھے ایک دو دن تک تو کوئی فکر نہیں ہوئی مگر جب چار پانچ روز بیت گئے تو میں پریشان ہو گیا۔ میں نے تمہارے گھر پر دستک دی تو معلوم ہوا کہ تم کہیں باہر گئے ہو۔ لہٰذا میں نے کوتوالی میں جا کر اس کی گمشدگی کی اطلاع دی، انہوں نے مجھے کچھ دن تک انتظار کرنے کا کہہ کر ٹال دیا۔ میں بے حد پریشان ہوں کہ وہ مجھے بتائے بنا، اتنے دنوں کے لیے کہیں نہیں جایا کرتا تھا تو پھر اس نے اس مرتبہ کیا کیا ہے؟ آج صبح اس کا دوست واپس لوٹ آیا۔ اس کا چہرہ کافی پریشان اور ستا ہوا دکھائی دیا تو میں گھبرا گیا۔ اس نے بات کو گھما پھرا کر کرنے کے بجائے صاف لفظوں میں کہا کہ آپ کے بیٹے کو سرخ نامی قبیلے کے لوگ اغوا کر کے لے گئے ہیں، بہرحال آپ فکر نہ کیجئے، میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ اسے کوئی گزند نہ پہنچ سکے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں چند ہی دنوں میں اسے صحیح سلامت واپس لے آؤں گا۔ اس کی بات پر جہاں مجھے پریشانی ہونے لگی، وہیں اس کے لہجے میں موجود مضبوط عزم نے میرے اعتماد اور بھروسہ کو بھی کسی حد تک بندھا دیا مگر اس کے جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ وہ بھلا تنہا کیا کر سکتا ہے......؟ مجھے خود بھی اس بارے میں کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہیے۔ اسی لئے میں نے تمہارے پاس آنے کا سوچا۔ پھر رُک گیا کہ تم تو سرائے میں موجود نہیں۔ میرے غلام نے مجھے آگاہ کیا کہ اس نے تمہیں رات کو دیکھا ہے۔ میں فوری طور پر چلا آیا ہوں کہ کیا تم مجھے دربارِ شاہی تک پہنچا سکتے ہو۔''

تونائی خان محویت سے اس کی باتیں سننے میں مگن تھا، اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کب اس کی جواں سالہ بیٹی گل وتوژ قہوہ کی طشت لے کر وہاں آ پہنچی۔ جب اس نے اپنی چوڑیوں دھیرے سے کھنکھنائیں تو وہ چونک پڑا۔ تونائی خان نے اس کی جانب ایک نظر ڈالی اور اسے لوٹ جانے کا کہا۔ وہ خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔ اس نے نورالدین کی کافی باتیں سن لی تھیں۔

''مطیع الدین سرخ قبیلے کی قید میں ہے!''

اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کے سینے میں نشتر اتار دیا ہو۔ اس کے معصوم دل پر ضرب سی لگی تھی۔ تونائی خان اپنی بیٹی کے چہرے پر اتار چڑھاؤ کو دیکھ نہیں پایا۔ گل وتوژ آنسوؤں کو دبائے دروازے کے اوٹ میں کھڑی رہی، شاید وہ اپنے محبوب کے بارے میں ابھی مزید سننا چاہتی تھی۔

''تمہیں پورا یقین ہے کہ تمہارے بیٹے کے اس دوست نے سرخ قبیلے ہی کا نام لیا تھا......!'' تونائی خان نے قہوہ پیالی میں انڈیلتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں گہری تشویش موجود تھی۔

''ہاں......! اس نے سرخ قبیلہ کا نام لیا تھا''۔ نورالدین یقین کے ساتھ بولا۔

''تم شاید نہیں جانتے کہ سرخ قبیلہ میں میرا سسرال ہے اور میں رات جلب گائی سے ہی واپس لوٹا ہوں، جو کہ سرخ قبیلہ کی مرکزی بستی ہے''۔

''پھر تو تمہیں یقیناً میرے بیٹے کی بابت میں کچھ نہ کچھ تو معلوم ہوا ہوگا......!'' نورالدین کے چہرے پر بے چینی پھیل گئی۔

''ہونہہ......!'' تونائی خان نے قہوہ کی چسکی لیتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ ''میں یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتا مگر وہاں کچھ گڑبڑ موجود ہے...... میں اس بارے میں آج ہی باتو خاں سے ملنے جاؤں گا''۔

''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو......؟ کھل کر صاف صاف الفاظ میں کہو''۔ نورالدین پریشانی کے عالم میں پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

''دیکھو کچھ باتیں ایسی ہیں، جنہیں تم سمجھ نہیں سکتے۔ اگر میرا شبہ صحیح ہے تو یقیناً تمہارے بیٹے کی جان واقعی خطرے میں ہے۔ بہرحال میں اسے بچانے کی پوری کوشش کروں گا...... تم خود پر قابو رکھو اور حوصلہ کا دامن مت چھوڑو''۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا......!''

''اس کی ضرورت نہیں......!'' تونائی خان کو اس کی یہ بات ناگوار گذری تھی۔ نورالدین اپنی جگہ پر پہلو بدلنے لگا۔

''ہاں ایک بات تو میں تم سے پوچھنا ہی بھول گیا، تمہارے بیٹے کے دوست کا کیا نام ہے؟ جس نے تمہیں اطلاع دی تھی''۔

''اس کا نام برقائی خان ہے''۔ نورالدین نے ڈھیلے سے انداز میں بتایا۔

''ک......کیا؟'' تونائی خان کو جیسے برقی رو کا جھٹکا لگا تھا۔ ''وہ سفید فام، قدرے دراز قد، جس کے چہرے پر ہر وقت معصومیت سی چھائی رہتی ہے''۔

''ہاں...... ہاں! کیا تم اُسے جانتے ہو؟''

''میں تو اسے جانتا ہوں مگر کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون ہے؟'' تونائی خان تیزی سے بولا۔

''شریف النفس منگول نوجوان ہے البتہ اُس میں منگولوں والی خصوصیات نمایاں نہیں ہیں۔ اس کا چہرہ

سچائی کا علمبردار دکھائی دیتا ہے''۔ نورالدین سادہ لہجے میں اسے بتا رہا تھا جب کہ تونائی خان حیرت بھری نگاہوں سے اس کی صورت دیکھے جا رہا تھا۔

''واقعی تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ نورالدین......! وہ اس سلطنت کا حکمران ہے، وہ باتو خان کا چھوٹا بھائی ہے۔ اگر وہ تمہیں کہہ گیا ہے کہ تمہارے بیٹے کو ساتھ لے آئے گا تو پھر تمہیں اطمینان سے گھر لوٹ جانا چاہئے''۔

اب حیرت کی باری نورالدین کی تھی۔ وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے واقعی اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔ تونائی خان نے اس مرتبہ خود اُٹھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کا انداز ہی بدل گیا تھا۔ نورالدین فرطِ حیرت میں ڈوبا اپنے اللہ پر بھروسہ کئے گھر لوٹ آیا۔

❁ ❁ ❁

ابوخویلد نے نجم الدین ایوب کا کندھا جھنجھوڑ کر اسے بیدار کیا۔ نجم الدین ایوب آنکھیں مسلتا ہوا بستر پر اُٹھ بیٹھا۔ وہ حیرت سے ابوخویلد کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ آج سے پہلے تو اس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ بے شک وہ اس کا سب سے بااعتماد اور وفادار غلام تھا مگر ایسی بے تکلفی کا مرتکب ہونا بھی اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ ابوخویلد کے چہرے پر گہری پریشانی عیاں تھی۔

''کیا بات ہے ابوخویلد.....؟''

''آقا! میرے منہ میں خاک، معاملہ ہی کچھ ایسا آن پڑا کہ مجھے اس گستاخی کا مرتکب ہونا پڑا''۔ ابوخویلد کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

''ہاں بولو......کیا ہوا؟''

''اسمٰعیل ایوبی نے دیگر امراء کے ساتھ مل کر بغاوت کا علم بلند کر دیا ہے، ابھی ابھی مخبر نے اطلاع دی ہے کہ وہ دمشق سے نکل کر قریبی شہروں پر حملہ آور ہونے اور انہیں لوٹ مار کا نشانہ بنانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں''۔

''ٹھیک ہے۔ تم فوراً میری روانگی کا انتظام کرو، میں خود وہاں پہنچ کر ان کو دیکھ لوں گا''۔

نجم الدین ایوب بستر میں سے نکلتا ہوا بولا۔ علی الصبح ایک بری خبر سننے کے بعد بھی اس کا چہرہ پریشانی کے تاثر سے پاک تھا۔ اس نے اس خبر کو یوں سنا تھا جیسے کوئی بڑی بات رونما نہیں ہوئی تھی۔ ابوخویلد حکم پاتے ہی تیزی سے باہر نکل گیا۔ نجم الدین ایوب اپنے منتخب کردہ گورنر اسمٰعیل ایوبی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ مذموم حرکت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس نے وسوسوں کو جھٹکا اور نہانے کے لئے حمام میں گھس گیا۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ملک الکامل نے اپنی زندگی میں شام، فلسطین اور مصر کے تمام علاقوں کو فتح کرلیا تھا۔ اس کی زندگی میں ہی بیت المقدس اور فلسطین کے کچھ علاقے فریڈرک ثانی کو دے دیئے گئے تھے۔ جن میں بیت المقدس، بیت اللحم، ناصرہ اور یافا کے علاقے شامل تھے، عکہ کے وسطی شہر بھی اس کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔ اس تمام صورتحال کا بنیادی مقصد صرف ملک الکامل کی وسیع و عریض حکومت کو مضبوط تر بنانا تھا۔ جب اس کی وفات کا وقت آن پہنچا تو اس نے اپنی سلطنت کو چار حصوں میں بانٹ دیا۔ مصر اپنے نوعمر بیٹے سیف الدین ابوبکر کو دے دیا، بلاد مشرقیہ نجم الدین ایوب کو دے دیئے گئے جبکہ شام اور اس سے ملحقہ علاقے ملک الجواد کو دیئے گئے۔ ان چاروں حکومتوں کو ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کیا گیا تھا کہ ان میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی، نجم الدین ایوب کو بلاد مشرقیہ کی حکمرانی کے ساتھ ساتھ نوعمر سلطان کا اتالیق بھی مقرر کیا گیا تھا۔ نجم الدین

ایوب نے اسمٰعیل ایوبی کو دمشق میں اپنا گورنر بنا رکھا تھا۔ بصریٰ، واسط، اور نابلس کے علاقوں میں اس کا ایک نہایت وفادار ترک غلام حکمرانی کے فرائض سنبھالے ہوئے تھا۔ اسمٰعیل ایوبی کی بغاوت بے حد پریشان کن تھی کیونکہ اس طرح سلطنت کے دیگر حصوں میں بھی پھوٹ پڑ سکتی تھی اور صلیبیوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا سنہرا موقع مل سکتا تھا۔ اُسی دن عجلت میں تیاری مکمل کی گئی اور نجم الدین ایوب اپنے غلاموں کی کثیر جماعت کے ساتھ دمشق روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ اسے دوسری اطلاع ملی کہ شاہ روم کیقباد بن کیخسرو بن قلیچ ارسلان نے اپنی افواج کے ساتھ دمشق پر حملہ کر دیا ہے، اسمٰعیل ایوبی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور دمشق پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ رومی افواج دمشق میں لوٹ مار کر رہی ہیں اور اسے تاخت و تاراج کرنے میں مشغول ہیں۔ نجم الدین ایوب نے اپنے بھائی ملک الجواد کے ساتھ نابلس میں ملاقات کی اور اس سے مدد مانگی۔ دونوں نے مل کر رومی لشکر پر حملہ کر دیا۔ دمشق شہر سے باہر گھمسان کا رن پڑا۔ رومی لشکر کا دایاں بازو حملے کے ساتھ مالِ غنیمت کی نگرانی پر مامور تھا۔ نجم الدین ایوب نے اپنے دستوں کے ہمراہ اسی جانب سے حملوں کی شدت بڑھائی۔ اس کے ترک، گرجستانی اور افریقی غلام بھی اس کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے۔ بیبرس کا کسی عملی جنگ میں حصہ لینے کا پہلا موقع ملا تھا۔ یہ اس کا پہلا عسکری تجربہ تھا۔ بیبرس نے اپنی زندگی کی پہلی جنگ ایک بڑے حریف رومی لشکر کے ساتھ لڑی تھی۔ رومیوں کے شانہ بشانہ صلیبی نائٹ بھی تھے۔ بیبرس نے اپنے مخصوص ترک اور منگولیانہ حکمت عملی سے رومی افواج کو پریشان کر دیا تھا۔ نجم الدین ایوب نے بیبرس کی لڑائی کا انداز بغور دیکھا۔ کئی بار اس کے لبوں سے بے اختیار تحسین و آفرین آمیز کلمات نکل جاتے۔ تمام دن حق و باطل کا یہ معرکہ جاری رہا۔ کچھ صلیبی دستے رومی افواج کے ساتھ تو ضرور تھے مگر انہوں نے براہ راست جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ ملک الکامل سے کئے گئے معاہدے کا اثر تھا یا وہ پہلے ہی تاڑ گئے تھے کہ یہاں ان کی دال نہیں گل پائے گی۔

شام ہونے سے پہلے ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ رومی لشکر مالِ غنیمت چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ ملک الجواد اور نجم الدین ایوب نے کافی دور تک ان کا تعاقب کیا۔ دونوں صاحبان فتح و نصرت سے ہمکنار مغرب کے وقت دمشق میں داخل ہوئے۔ دمشق میں حالات کو دوبارہ قابو میں لایا گیا۔ جب امن و امان کی فضا قائم ہو گئی تو نجم الدین ایوب کو مصر واپسی کا خیال آیا۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ وہ مصری لشکر کو ساتھ نہیں لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسمٰعیل ایوبی اور باغیوں کو وہ غلاموں کی فوج سے ہی سنبھال لے گا۔ رومی لشکر کے حملہ آور ہونے کا تو اسے دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ نجم الدین ایوب نے مصر واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور بلاد شرقیہ کی قیادت خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مشورہ اسے ملک الجواد نے ہی دیا تھا۔ اس نے دمشق کو ذیلی صوبہ بناتے ہوئے بصریٰ کو اپنا مرکز بنایا۔ وہ اپنے غلمان، اتباع اور امراء کے ہمراہ بصریٰ چلا آیا۔

یہیں اس نے اپنی زندگی میں پہلا دربار سجایا۔ اس دربار میں بیبرس کو امراء کے ساتھ بٹھایا گیا اور اعلیٰ عہدہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ بیبرس کے علاوہ دوسرے غلمان کو بھی حکومتی اختیارات دیئے گئے۔ یہ اسلامی تاریخ میں طویل عرصہ کے بعد پہلا موقعہ تھا کہ غلمان کی اتنی بڑی تعداد کو امورِ سلطنت میں شامل کیا گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں شاہی محل کے ایک مخصوص کمرے میں کچھ افراد موجود تھے۔ وہ سب ایک اہم مسئلہ پر صلاح مشورے میں مشغول تھے۔ یہ مجلس شاہی مراتب سے قطع نظر منعقد کی گئی تھی۔ اس مجلس کا امیر بلادِ مصر کا نوعمر سلطان سیف الدین ابوبکر ملک العادل ثانی تھا۔ اس کے ہمراہ قاہرہ کے چاپلوس اور دور اندیش امراء کی ایک جماعت اور خاص محافظ وفادار غلام تھے۔ امراء میں جمال الدین الراحی اور غازی عبداللہ شافعی

بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

''سلطان محترم......!'' غازی عبداللہ شافعی اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''آپ کے بھائی نجم الدین ایوب نے رومی افواج کو شکست سے ہمکنار کر کے بلادِ شرقیہ پر اپنی گرفت دوبارہ مستحکم کر لی ہے اور یہ امر آپ کی حکمرانی کے لئے کسی خطرے سے کم نہیں ہے۔ قاہرہ میں تو وہ آپ کے خلاف محض چند لالچی امراء پر ہی تکیہ کئے ہوئے تھا مگر بلادِ شرقیہ کے مکمل استحکام کے بعد اب اس کے پاس ایک بڑا لشکر بھی موجود ہے۔ وہ فرصت پاتے ہی کسی بھی وقت مصر کا رُخ کر سکتا ہے۔ آپ کو قبل از وقت اپنی حفاظت کے بارے کامل توجہ دینا چاہئے۔ خصوصاً ان امراء کو گرفتار کرتے ہوئے زندان خانے میں ڈال دینا چاہئے جو کہ اس سے تعاون کر رہے ہیں اگر فوری یہ قدم نہ اُٹھایا گیا تو آپ کو بیرونی خطرے کے ساتھ ساتھ اندرونی سازش کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ اس بارے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لینا چاہئے''۔

''سلطانِ مکرم......!'' جمال الدین المراحی اس کی بات مکمل ہوتے ہی تیزی سے بولا۔ ''میں نے آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ نجم الدین ایوب کے ارادے نیک نہیں ہیں، وہ آپ کی کم عمری کا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد محض اقتدار کا حصول ہے، رشتے ناطے اس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ویسے امور سلطنت میں کوئی کسی کا بھائی یا بیٹا نہیں ہوا کرتا۔ آپ کو فوراً کوئی عملی قدم اُٹھانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے''۔

''ابن مقسقر......!'' سیف الدین ابوبکر نے اپنے دانا اور وفادار غلام کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''آقا!'' وہ مؤدب انداز میں گویا ہوا۔ ''آپ کا اقبال بلند ہو۔ امراءِ مصر کی موجودگی میں بھلا میری کیا رائے ہو سکتی ہے۔ بہر حال میری ناقص رائے میں نجم الدین ایوب کو کسی ایسی دشواری میں مبتلا کر دینا مناسب ہو گا جس میں اُلجھ کر وہ بلادِ مصر کا رُخ کرنا بھول جائے''۔

''امیر الحاجب......! تمہارا کیا مشورہ ہے؟''

''میں آپ کے غلام سے کامل متفق ہوں، یہی واحد اور محفوظ راستہ ہے کہ نجم الدین ایوب کو دوسرے امور میں اُلجھا دیا جائے، لیکن یہ سلسلہ کڑی در کڑی جاری رہنا چاہئے تا کہ اسے اپنی فکر پڑ جائے اور وہ انہی مشکلات میں اُلجھ جائے۔ اس طرح آپ کی حیثیت بھی پردہ میں رہ جائے گی اور اسے ذرا بھر شک نہیں ہو گا کہ یہ سب آپ کا کیا دھرا ہے''۔

''غازی......! تم کیا کہتے ہو؟''

''سلطان محترم!'' غازی عبداللہ شافعی تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ ''یہ تجویز بری نہیں ہے مگر یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ نجم الدین ایوب کوئی بچہ نہیں ہے کہ اسے معلوم نہ ہو سکے کہ حالات کا یہ کھیل کس کا رچایا ہوا ہے؟ اور اسے جان بوجھ کر کسی جال میں پھنسایا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں شاہ روم کو دوبارہ جنگ کی ترغیب دی جائے اور مصری افواج کے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی جائے۔ اس طرح آپ کو دو فائدے حاصل ہوں گے، ایک تو شاہ روم سے آپ کے دوستانہ تعلقات کی نوعیت مزید مستحکم ہو جائے گی، جن کی بناء پر وہ بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور دوسرا گذشتہ دنوں دمشق کے معرکے میں نجم الدین ایوب کے ہاتھوں اُٹھائی گئی ہزیمت کو بھی تسکین ملے گی۔ ممکن ہے کہ اس جنگ میں نجم الدین ایوب مارا جائے، ورنہ دوسری صورت میں اسے گرفتار کر کے قیدی بنا لیا جائے گا اور آپ کے مستقبل پر موجود ایک بڑا خطرہ ہمیشہ کے لئے دم توڑ دے

گا''۔

''تمہاری بات میں دم ہے......!'' سلطان ابوبکر سر دھنتے ہوئے بولا۔ ''مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ شاہِ روم بلادِ شرقیہ پر قبضہ کرنے کے بعد بلادِ مصر کا رُخ کبھی نہیں کریں گے بلکہ اگر وہ بلادِ شرقیہ پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے تو وہ اردگرد کی تمام ریاستوں کو بھی ہڑپ کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیا تم ماضی کی مثالیں بھول گئے ہو؟ نصاریٰ ہمیشہ وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ میں کم از کم شاہِ رُوم پر کسی قیمت پر بھروسہ نہیں کر سکتا، کوئی اور حل تم لوگوں کے ذہن میں ہو......تو وہ بیان کرو''۔

''سلطان محترم!'' عقبی جانب پہلو میں بیٹھا امیر دھیمے لہجے میں بولا۔ تمام لوگوں کی نگاہیں اس پر مرتکز ہو گئیں۔ وہ امیر تمام گفتگو میں بالکل خاموش رہا تھا۔ ''آپ اگر اپنے چچا عمادالدین سے مدد حاصل کریں تو وہ سب سے زیادہ مناسب ہو گا''۔

''کھل کر بتاؤ......تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''سلطان محترم! میری ناقص رائے یہ ہے کہ آپ اپنے چچا عمادالدین اسماعیل کو ایک مراسلہ بھیجیں جس میں نجم الدین ایوب کی سابقہ سازشوں اور کارستانیوں کا حال تفصیل سے موجود ہو۔ ان سے گذارش کی جائے کہ وہ نجم الدین ایوب کے علاقوں پر حملہ کر کے قابض ہو جائیں اور اسے گرفتار کر کے زندان خانے میں ڈال دیں، ہمیں بلادِ شرقیہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، عمادالدین اسماعیل آپ کے حقیقی چچا ہیں، ان سے یقیناً آپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو گا۔ جہاں تک میری معلومات ہیں، انہیں بلادِ شرقیہ سے خاصی رغبت ہے، وہ بلادِ مصر کا رُخ کرنا خلافِ طبیعت سمجھیں گے''۔

''بہت خوب......!'' سلطان سیف الدین ابوبکر اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بے اختیار جھوم سا گیا۔ ''تمہاری رائے سب سے زیادہ معقول ہے۔ میں ابھی چچا عمادالدین اسماعیل کو ایک مراسلہ جاری کرنے کا انتظام کرتا ہوں''۔

سلطان سیف الدین ابوبکر اس تجویز سے خاصا متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ سلطان کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے خوشامدی امراء نے بھی بھرپور چاپلوسی کا مظاہرہ کیا اور اس آخری فیصلے پر زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ نوعمر سلطان نے اسی وقت کاتب کو طلب کیا اور ان امراء کے باہمی صلاح و مشورے سے شاہی مراسلہ چچا عمادالدین اسماعیل کے نام لکھوایا۔ جس میں نجم الدین ایوب پر محل سلطانی کے خلاف سازش کرنے کے علاوہ کئی دوسرے کڑے الزامات عائد کئے گئے تھے۔ اسے حصولِ اقتدار کا حریص کہا گیا۔ اسی شام وہ مراسلہ عمادالدین اسماعیل کی جانب روانہ کر دیا گیا۔

❀ ❀ ❀

اردوئے زریں کے دارلحکومت سرائے سے ایک گھڑسوار تیزی سے نکلتا ہوا شرق کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ سیاہ لباس میں ملبوس تھا اور اس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ اس کی تیز رفتاری سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے اپنی منزل پر پہنچنے میں جلدی تھی۔ نصف دن کے مسلسل اور تھکا دینے والی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک بستی کے پاس جا پہنچا جو کہ قرناقہ کے نام سے مشہور تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا جہاں منگولوں کا خاص قبیلہ ازقائی آباد تھا۔ یہ قبیلہ منگولوں میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ حب الوطنی کے علاوہ جو چیز ان میں عام پائی جاتی تھی، وہ انسانی اقدار کا احترام تھا۔ چنگیز خان کے لشکر میں رہتے ہوئے بھی ان لوگوں نے قتل و غارت اور تاخت و تاراجی سے ممکنہ طور پر گریز کیا تھا۔ اُجڑے ہوئے شہروں کو آباد کرنے اور لوگوں میں خوف و ہراس کو ختم

کرنے میں ان کا کردار بڑا نمایاں رہا تھا۔

گھڑ سوار تیزی سے ان کی بستی میں داخل ہوا اور سیدھا وسطی حصے میں جا پہنچا۔ کئی لوگوں نے مڑ کر اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ شاید اس طرح کے لوگوں کی آمد ان کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ گھڑ سوار ایک بڑے پختہ مکان کے سامنے جا ٹھہرا۔ پختہ مکانات تو اس بستی میں چند ہی تھے۔ زیادہ تر لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ یہ پختہ مکان ان کے سردار مانجی خان کا تھا۔ مکان کے باہر کھڑے محافظ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھامی۔ دوسرے ہی لمحے گھڑ سوار جھٹکے سے زمین پر اتر آیا۔ اس نے گردن کو جنبش دی تو وہ محافظ گھوڑے کو لے کر ایک طرف چل پڑا۔ گھڑ سوار نے لمحہ بھر کے لئے اس پر نگاہ ڈالی، اس کے بعد اس کے قدم مکان کے صدر دروازے کی جانب اُٹھ گئے۔ کچھ ہی لمحوں بعد وہ سردار مانجی خان کے روبرو موجود تھا۔ مانجی خان اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش کے ساتھ ساتھ کئی سوال منڈلا رہے تھے۔

گھڑ سوار نے اپنے چہرے سے جونہی ڈھاٹا ہٹایا تو مانجی خان اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ بے حد خوبصورت منگول دوشیزہ تھی۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتی ہو؟'' مانجی خان شاید ابھی تک کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

''سردار مانجی خان......!'' اس کے نرم و نازک لب ہلے۔ ''میں تم سے جاودانی آسمان کے نام پر مدد طلب کرنے آئی ہوں، میں کون ہوں؟ یہ تمہارے لئے اہم نہیں ہے، بس یہ سمجھ لو کہ میں مصائب کی ماری ہوں''۔

''بھلا میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''میرے باپ نے ایک مسلمان خاندان کو امان دے رکھی تھی، اس طرح وہ ہمارے معزز مہمان تھے۔ ہمیں منگولیانہ روایات کے مطابق ان کی مکمل حفاظت کرنا تھی۔ اس مسلمان خاندان کے سربراہ کا ایک طاقتور قبیلے سے جھگڑا ہو گیا جس پر وہ اسے قتل کرنے پر تل گیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کا ایک فرد مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ یہ ان کے غصے کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔ انہوں نے سب باتوں کو پس پشت رکھتے ہوئے اس خاندان پر حملہ کر دیا، ان لوگوں کے تحفظ کی خاطر میرا باپ اور بھائی دونوں خونی میدان میں اتر آئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس قبیلے نے اُس مسلمان خاندان کے بزرگ لوگوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ عورتوں کی پامالی کی گئی اور میرے باپ اور بھائی کو ان کی مدد کرنے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا''۔ وہ پری پیکر بولتے بولتے رُک گئی تھی، دبی دبی سی سسکیاں اس کے لگیں، اس کی آنکھوں میں شبنم کے موتی جگمگانے لگے۔

''میں سب سمجھ گیا ہوں، تم بالکل فکر نہ کرو۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں، تم یہ واضح کرو کہ تم اب کیا چاہتی ہو؟''

''میں اس لئے آپ کے پاس آئی ہوں کہ اس مسلمان خاندان کا ایک نوجوان ابھی تک ان لوگوں کے قبضے میں ہے اور مجھے پتہ چلا ہے کہ اسے چند دنوں میں قتل کر دیا جائے گا۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ میرے باپ نے جس خاندان کو امان دی تھی کم از کم اس کا آخری چشم و چراغ زندہ بچ جائے''۔ وہ اپنے پلو سے آنسو صاف کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں اپنے تئیں پوری کوشش کروں گا کہ اسے زندہ بچا لوں مگر ابھی تک تم نے ان لوگوں کی بابت کچھ نہیں بتایا جنہوں نے یہ ظلم ڈھایا ہے''۔

''وہ سرخ قبیلے کے لوگ تھے، میں نہیں جانتی کہ ان کا تعلق کس طبقہ سے تھا''۔

''سرخ قبیلہ......!'' مانجی خان حقارت سے بولا۔ ''منگولوں میں سے اگر یہ قبیلہ مٹ جائے تو خون کی ندیاں بہنا ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں،......خون کے پیاسے.. ...وحشی درندے''۔ اس کے لہجے میں اُن کے لئے گہری نفرت موجود تھی۔

''دیکھو میں خون خرابہ پسند نہیں کرتا مگر ایک اچھے انسان کی بے حد قدر کرتا ہوں، میں انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اس نوجوان کو ہر قیمت پر بچاؤں گا۔ تم بے فکر ہو کر یہاں رہو، میں آج ہی اُس کی مدد کے لئے روانگی کا بندوبست کرتا ہوں اور ہاں! تم یقیناً ازقائی قبیلے کی روایات تو جانتی ہو گی، ہم بلا معاوضہ کسی کی مدد نہیں کرتے''۔

''سردار مانجی! میں جانتی ہوں اسی لئے تمہارے پاس آئی ہوں، یہ رہا تمہارا معاوضہ......!'' اس نے پہلو میں بندھی ہوئی چھوٹی سی تھیلی اس کی جانب بڑھائی۔ سردار مانجی خان نے تیزی سے وہ تھیلی تھامی اور اپنے ہاتھ پر اُلٹ دی۔ اس میں بڑی مقدار میں سونے کے سکے موجود تھے۔ سردار مانجی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور گویا ہوا۔

''ازقائی روایات کے مطابق تمہیں یہاں پناہ مل سکتی ہے، اگر تم چاہو تو یہیں مستقل طور پر مقیم ہو سکتی ہو''۔

''میں یہاں نہیں رہ سکوں گی، میرے گھر میں دو چھوٹی بہنیں اور ماں تنہا ہے اور مجھے اندھیرا ہونے سے پہلے ان کے پاس واپس لوٹنا ہے۔ آپ بس اتنی مہربانی کر دیجئے کہ اس نوجوان کو رہائی دلا کر آزاد کر دیجئے، وہ خود ہی میرے پاس چلا آئے گا''۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''جیسی تمہاری مرضی! اگر تم چاہو تو اپنے کنبے کے ہمراہ مستقل طور پر یہیں آ سکتی ہو''۔

''اس امر کا فیصلہ میں وقت آنے پر کروں گی کہ کیا کرنا چاہئے؟ پہلے آپ اس نوجوان کے بارے میں کچھ کیجئے، یہ نہ ہو کہ وہ بھی بے گناہ مارا جائے۔ میں آپ کی اس مدد کے لئے ہمیشہ مشکور رہوں گی۔ میرے باپ اور بھائی کی ارواح آپ پر سلامتی بھیجیں گی''۔

''مانجی خان اگر کوئی وعدہ کر لے تو اس پر ہر قیمت پر پورا اُترتا ہے، چاہے اس میں اس کی اپنی جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔ تم بے فکر ہو کر اپنے گھر جاؤ، جلد ہی وہ نوجوان اپنے قدموں پر چل کر تمہارے پاس پہنچ جائے گا''۔ مانجی خان فرط جذبات میں سرشار دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، اس نے اپنے لبادے کو درست کیا اور چہرے کو دوبارہ نقاب میں چھپا لیا۔ اس نے روانگی کی اجازت طلب کی تو مانجی خان چونک کر بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟ میں اس نوجوان کو کیا بتاؤں گا؟ کہ تمہاری اس آزادی کی سفارش کس ماہ پیکر نے کی تھی؟''

''اس سے صرف اتنا کہہ دیجئے گا کہ جو کچھ گل سے ہو سکا اس نے کر دیا''۔

مانجی خان ہونقوں کی طرح دیدے پھاڑے کھڑا رہا۔ وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکی اور دیکھتے ہی دیکھتے بستی سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ گل دقوز تھی۔ قونائی خان کی بیٹی اور مطیع الدین پر جان نثار کرنے والی محبوبہ۔ اس کے ذہن میں یہ انوکھی ترکیب آئی تھی۔ اس نے بظاہر جھوٹ سے کام لیا تھا مگر اس کا جھوٹ ہی مطیع الدین کی زندگی بچا سکتا تھا۔ مانجی خان براہ راست حملے کے بجائے چوری چھپے واردات کرنے کا عادی تھا۔ اسے اپنے طریقوں پر بے حد ناز تھا کہ وہ انسانی زندگی کو بچانے کے لئے انوکھے انداز میں کام کرتا ہے۔ گل دقوز کی بھی یہی خواہش تھی کہ کسی بھی انسانی جان کے ضیاع کے بغیر ہی مطیع الدین اپنے گھر لوٹ آئے۔ سرخ قبیلہ اس کی سوتیلی

ماں کا میکہ بھی تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ لوگ مسلمانوں سے بے حد نفرت کرتے ہیں اور انہیں قتل کرنے میں ذرا بھر تساہل سے کام نہیں لیتے۔ اس کے ذہین دماغ نے اسے اُکسایا اور وہ اپنے گھر سے دور تن تنہا یہاں تک پہنچ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

بصریٰ میں رہتے ہوئے دمشق کی گلیاں بیبرس کو یاد آ رہی تھی۔ اسے بلادِ شرقیہ میں آئے ہوئے چھ ماہ بیت چکے تھے مگر وہ دیگر کاموں میں اتنا مصروف رہا کہ اسے اپنی خبر تک نہ رہی۔ آج فرصت کی گھڑیاں جو میسر آئیں تو اس کے دل و دماغ پر ہیجان سا طاری ہو گیا۔ ماں جیسی مشفق خاتون فاطمہ کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ دمشق یہاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اس کے دل میں دمشق جانے کی خواہش مچلنے لگی۔ وہ اتنا بااختیار ہو چکا تھا کہ کسی کو کچھ بتائے بغیر دمشق روانہ ہو جاتا مگر اس کی طبیعت میں نافرمانی اور سرکشی نہیں تھی۔ اس کے دل نے بغیر اطلاع کے کہیں جانا گوارہ نہیں کیا۔ وہ سیدھا نجم الدین ایوب کی خدمت میں پہنچا۔ نجم الدین ایوب اس وقت اپنے محل کی بالائی منزل پر موجود تھا۔ وہ کسی کام میں مصروف تھا کہ بیبرس کی صورت دیکھ کر سنبھل گیا۔

''آقا!'' بیبرس لفظوں کو ترتیب دینے لگا۔ ''میں دو ایک دن کے لئے دمشق جانا چاہتا ہوں آپ کی رضامندی مطلوب ہے''۔

''دمشق.....؟'' نجم الدین ایوب اس کی اچانک اور غیر متوقع فرمائش پر چونک پڑا۔ ''وہاں کس کام کی حاجت آن پڑی ہے؟''

''میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں......!'' بیبرس نگاہیں جھکا کر بولا۔ وہ فاطمہ کے ذکر پر مغموم سا ہو گیا۔ نجم الدین ایوب اس کے جواب پر ششدر رہ گیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''مگر تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا کوئی رشتہ دار زندہ ہے یا نہیں، اس بارے میں تم بالکل لاعلم ہو؟''

''یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے کسی سگے کے بارے میں وثوق سے کچھ کہہ نہیں سکتا مگر ایک ہستی ایسی ہے جس کو میں اپنی ماں سمجھتا ہوں، اس کی شفقت اور صلہ رحمی میں مجھے میری ماں کی جھلک دکھائی دیتی ہے''۔

''ٹھیک ہے تم دو دن میں واپس لوٹ آنا''۔

نجم الدین ایوب نے لاپرواہی سے جواب دیا شاید اسے اس بات کی کوئی پرواہ ہی نہیں تھی کہ بیبرس واپس لوٹے گا یا نہیں۔

''میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں......!''

بیبرس کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی۔ وہ وہاں سے تیز قدموں سے نکلا اور محل میں اپنے خاص کمرے میں پہنچا، وہاں سے ضروری سامان لے کر وہ سیدھا بصریٰ کے بازار گیا۔ اس نے ابومسعود کے لئے ایک عمدہ لباس خریدا اور اپنی ماں جیسی مالکہ کے لئے کچھ اشیاء لیں۔ وہ سفید رنگ کے اعلیٰ نسل گھوڑے پر سوار دمشق کی جانب نکل کھڑا ہوا۔ یہ گھوڑا اس نے شاہ روم کے لشکریوں سے چھینا تھا۔ نجم الدین ایوب نے اس کی شجاعت اور بہادری کے عوض یہ گھوڑا اُسے ہی بخش دیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر ہواؤں سے باتیں کرتا ہوا دمشق کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے معمور تھا۔ وہ فاطمہ خاتون کو اپنی اس منزل کی بابت آگاہ کرنے جا رہا تھا جس کے لئے اس نے اسے خود سے جدا کیا تھا۔ ایک پہر کی مسلسل مسافت کے بعد وہ دمشق کے بازاروں میں داخل ہوا۔ دمشق کی گلیوں میں چلتے ہوئے اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ یہ جانے کیسے جذبات تھے؟ جو اسے مغلوب

کئے جا رہے تھے۔ اس کا گھوڑا بالآخر منزل پر پہنچ ہی گیا۔ ابومسعود کے گھر کا دروازہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ وہ ہمت بندھا کر گھوڑے سے اترا اور فاطمہ خاتون کے سامنے پیش ہونے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں ہاتھ میں پکڑیں اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازے کے پہلو میں گڑھے کھونٹے سے اس نے اپنا گھوڑا باندھا اور دروازے پر کانپتے ہاتھوں سے دستک دی۔ کافی دیر گذر گئی مگر کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اس نے توقف کرتے ہوئے دوبارہ دستک دی مگر جواب ندارد۔ بیبرس پریشان سا ہو گیا۔ اس نے دروازے کو ہلا جلا کر دیکھا۔ دروازہ اندر ہی سے بند تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی تو اندر موجود ہے، مگر وہ دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں کر رہا تھا؟ کئی سوال اس کے ذہن میں اُلجھنے لگے۔ اس مرتبہ اس نے قدرے زور سے دستک دی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد کسی کے شکستہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بیبرس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں یقیناً فاطمہ خاتون ہی ہوگی اس نے سوچا۔

آہستگی سے کنڈا کھلنے کی آواز سنائی دی، دوسرے ہی لمحے دروازے کا پٹ کھل گیا جو چہرہ بیبرس کو دروازے کی اوٹ میں دکھائی دیا وہ فاطمہ کا ہرگز نہیں تھا......وہ تو ابومسعود تھا۔ اس کی سابقہ مالکہ کا شوہر...... مگر اس کی حالت اتنی شکستہ تھی کہ بیبرس اسے دیکھ کر ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ ابومسعود چہرے سے ہی بیمار دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بمشکل پپوٹے اُٹھا کر بوجھل نگاہوں سے بیبرس کی جانب دیکھا۔ وہ شاید اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ بیبرس اس کی حالت دیکھ کر تڑپ سا گیا۔

''بابا! یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ ماں کہاں ہے......؟'' بیبرس بے اختیار بولتا چلا گیا۔ اس کی سانسیں متزلزل تھیں۔

''کک...کون......بیبرس!'' وہ نحیف سی آواز میں بولا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا ناتواں جسم لڑکھڑانے لگا۔ بیبرس نے ہوشمندی کا مظاہرہ کیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اُسے زمین پر گرنے سے بچا لیا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں بیبرس کی بانہوں میں جھول رہا تھا۔ بیبرس نے اسے اپنے کندھے پر اُٹھایا اور سامان صحن میں ایک جانب پھینکتا ہوا اندرونی کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے کمرے میں موجود میلے سے بستر پر اسے نرمی سے لٹایا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں فاطمہ خاتون کو ڈھونڈ رہیں تھی۔ وہ تیزی سے صحن میں پڑے مٹکے کی جانب بڑھا اور پیالہ میں پانی بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر کی کاوش کے بعد وہ ابومسعود کو کچھ دیر کے لئے ہوش میں لانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ابومسعود تیز بخار میں بھن رہا تھا۔ بیبرس نے اسے ہوش میں دیکھ کر طبیب کو لانے کا اشارہ کیا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

دو سائے رات کی تاریکی میں ایک خیمے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ یہ ایک خاصی بڑی بستی تھی جس میں خیموں کی لمبی چوڑی قطاریں موجود تھی۔ کئی خیموں کے دروازوں پر نصب بانسوں پر مشعلیں روشن تھیں۔ بستی پر نیم تاریکی سی چھائی ہوئی تھی۔ بستی کے وسط میں ایک بڑے اصطبل میں موجود گھوڑے بندھے اونگھ رہے تھے۔ سرد موسم میں بستی کے لوگ خیموں کے اندر دبکے پڑے نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔ بستی میں چونکہ واردات یا چوری چکاری کی نوبت کبھی نہیں آئی تھی، اس لئے وہاں کوئی چوکیدار یا محافظ مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ دونوں سایوں نے آپس میں کوئی مخصوص اشارہ کیا اور وہ ایک خیمے کی جانب تیزی سے بڑھ گئے۔ یہ خیمہ دوسرے خیموں سے قدرے مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ کپڑے کے علاوہ اس کے چاروں جانب لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں لپٹی گئی تھیں۔ شاید یہاں کوئی اہم چیز موجود تھی جس کی حفاظت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ ایک سائے نے اپنے کندھے

سے تھیلا اُتارا اور اس میں سے ایک بڑی قینچی نکالی۔ یہ خاص قسم کی قینچی تھی جس سے تلواروں کو ڈھالنے سے پہلے ٹکڑوں میں تبدیل کیا جاتا تھا۔ عموماً ایسی قینچیاں لوہاروں یا شمشیر گروں کے پاس ہوا کرتی تھی۔ دوسرا سایہ قینچی دیکھ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ ہر جانب خاموشی کا راج پا کر اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔ پہلے سائے نے تیزی سے قینچی زنجیر پر رکھی اور اس کے اوپر موٹا سا کپڑا لپیٹ دیا اور زور لگانے لگا۔ وہ بے حد محتاط دکھائی دے رہا تھا۔ کٹاک کی مدھم سی آواز آئی اور زنجیر کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ آواز بے حد دھیمی تھی، یہ اس کی مہارت کا کمال تھا کہ اس نے قینچی سے لوہا کاٹا اور آواز کو دبا ڈالا۔

''خبردار رہنا، کوئی آواز سنو تو مجھے گھٹنا لگا دینا''۔ پہلے سائے کی دھیمی آواز ابھری۔

''ہاں...... ہاں! تم اپنا کام تیزی سے مکمل کرو، مجھے سب اندازہ ہے''۔ دوسرے نے ناگواری سے جواب دیا۔

چند ہی ساعتوں میں اس نے بھاری بھرکم زنجیروں کا جال کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اب وہ دونوں محتاط انداز سے زنجیروں کو اطراف میں کھسکا رہے تھے کہ کسی قسم کا شور پیدا نہ ہو۔ اس کام سے فراغت کے بعد ایک سائے نے خیمے کے اندر جھانکا۔ وہاں مکمل اندھیرا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے ٹوہ لگائی۔ اسے وہاں لکڑی کے تابوت جیسی کوئی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے اس کے چاروں جانب چھوا۔ وہ خیمے کی زمین کے برابر کا بڑا ڈبہ تھا جس میں ایک جانب سے خلا تھا، اس نے جھک کر خلا میں جھانکا۔ اسے کچھ بھائی نہیں دیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے اس بابت بات کی تو وہ کوئی جواب نہیں دے پایا۔

''تم نے پوری چھان بین تو کر لی تھی کہ یہی خیمہ ہے......؟ پہلے سائے نے مڑ کر اس سے پوچھا۔

''یہ پوچھنے کا بھلا کوئی وقت ہے؟ چلو جلدی کرو وہ یقیناً اسی تابوت کے اندر ہوگا، اسے جلدی سے باہر نکالو''۔ دوسرا سایہ چڑ کر بولا۔

''تم باہر کا خیال رکھنا، میں ذرا اچھی طرح اندر دیکھ لوں''۔ پہلے سائے نے تحمل سے جواب دیا اور وہ تابوت کے اندر رینگتا ہوا داخل ہو گیا۔ تابوت کے فرش پر سیلن زدہ قالین موجود تھا، جس میں سے ناگوار سی بو اُٹھ رہی تھی۔ اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے اپنا ناک سکوڑا۔ وہ تابوت کی زمین پر تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ جیسے وہاں اس کے لئے کچھ پڑا ہو۔ اچانک وہ چونک پڑا۔ اس کا ہاتھ کسی گٹھڑی سے جا ٹکرایا۔ اس نے پھرتی سے اس گٹھڑی کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے گٹھڑی میں کچھ حرکت ہوئی اور موٹے کمبل میں لپٹی ہوئی وہ چیز اُٹھ بیٹھی۔

''کک...... کون...... کون ہے......؟''

ایک کانپتی ہوئی تیز آواز فضا میں گونجی۔

''شش...... شش تم مسلمان ہو...... نا!''

''ہاں! مگر تم کون ہو......؟'' آواز اب قدرے سنبھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''دوست! بس اب جلدی سے باہر نکلو''۔

''مگر میرے پاؤں میں تو بیڑیاں ہیں''۔

''کوئی بات نہیں! تم ذرا کھسک کر دروازے کی جانب بڑھو، میں ان کا انتظام کئے دیتا ہوں''۔

''میں کوشش کرتا ہوں''۔

پہلا سایہ تابوت سے باہر نکل کر تیزی سے خیمے کے دروازے کی جانب بڑھا اس نے گردن باہر نکالی تو

دوسرے نے پوچھا۔

''کیا رہا......؟''

''وہ اندر ہی ہے مگر پاؤں میں بیڑیاں ہیں''۔ اس نے سرگوشی میں بتایا۔

''درست کرو جلدی انہیں کاٹو''۔ وہ غرایا۔

''وہی تو کرنے جا رہا ہوں''۔ اس نے منہ بسور کر جواب دیا اور بڑی قینچی ہاتھ میں پکڑ کر واپس اندر لوٹ گیا۔ تابوت میں موجود قیدی کافی حد تک باہر نکل آیا تھا اور خیمے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا تھا۔

''کافی ہمت والے لگتے ہو......!''

اس کی بات سن کر قیدی بے بسی میں مسکرایا۔ نو وارد نے بڑی مہارت سے اس کی بیڑیاں کاٹ دیں اور اسے قریباً گھسیٹتا ہوا خیمے سے باہر لے آیا۔ دوسرے نے جب قیدی کو باہر نکلتے دیکھا تو وہ بے تابی سے اپنے گرد کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے لمحہ بھر میں چاروں اطراف کو اپنی باریک بین نگاہ سے کھنگال ڈالا اور قیدی کو کھینچ کر خیمے سے مکمل طور پر باہر نکال لیا۔ دوسرے لمحے اس کا ساتھی بھی باہر نکل آیا۔

''اسے کندھے پر اُٹھانا پڑے گا یہ چلنے کے قابل نہیں ہے''۔ پہلے نے سرگوشی کی۔

''کندھے پر اُٹھانا مناسب نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسے یونہی گھسیٹتے ہوئے بستی سے باہر لے چلیں، وہاں گھوڑے پر ڈال دیں گے''۔

''نڈھال ویسے ہی ہے، زخمی ہو جائے گا''۔

''آزادی کے لئے اتنی قیمت کو چکانا ہی پڑے گی''۔ دوسرے نے کندھے اُچکائے۔

''تم دونوں فضول بحث میں مت پڑو۔ میں گھسٹ کر بھی چلنے کو تیار ہوں''۔ قیدی نے نحیف لہجے میں کہا۔

''چلو مزید دیر کرنا خطرے کا باعث ہوگا''۔

ان دونوں نے قیدی کے بازوؤں کو دبوچا اور قریباً اسے گھسیٹتے ہوئے لے کر چلنے لگے۔ وہ دبے قدموں خود بھی بلی کی مانند جھکے جھکے چل رہے تھے۔ ان کی حتیٰ الامکان کوشش یہی تھی کہ کہیں وہ روشنی کی زد میں نہ آ جائیں۔ وہ تاریکی میں ہوتے ہوئے بستی سے باہر نکل آئے۔ بستی سے کچھ ہی دور اُن کے تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے قیدی کے بازو چھوڑ دیے۔ قیدی اب اپنے بازو دبانے لگا۔

''جھک جھک کر چلنے سے تو میری کمر میں درد ہونے لگی ہے''۔ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اس وقت دشمن کے علاقے میں موجود ہیں، روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے ہمیں یہاں سے کافی دور نکل جانا چاہئے''۔ دوسرے ساتھی نے آگاہ کیا۔

''تم ہر وقت غصہ ناک پر کیوں رکھتے ہو؟''

''بس کام کے دوران تم میرے ساتھ سنجیدہ رہنے کی کوشش کیا کرو''۔

''تمہارے پاس پانی تو ہوگا......؟'' وہ قیدی نقاہت زدہ لہجے میں بولا۔

''پانی یہاں نہیں ملے گا، دوسرا تم نے گھوڑے کی پشت پر لیٹے ہوئے سفر کرنا ہے، بہتر یہی ہوگا کہ تم ابھی پانی نہ پیو''۔

قیدی نے آہستگی سے سر ہلایا پھر ان دونوں نے مل کر اسے گھوڑے کی پشت پر ڈالا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیئے تاکہ وہ راہ میں گر نہ پڑے۔ دونوں نے کچھ دیر خاموش رہ کر ارد گرد

کا جائزہ لیا اور پھر اپنے اپنے گھوڑے سنبھالے اور اپنی منزل کی جانب بڑھ گئے۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان ایک بڑے فوجی دستے کے ہمراہ جلب گالی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر و تردد، غصے اور انتقام کے ملے جلے جذبات رقصاں تھے۔ وہ جلد از جلد جلب گالی پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں اس کا عزیز دوست مطیع الدین اسیر تھا۔ وہ سرکیشی پہاڑی سے سیدھا اپنے بھائی باتو خان کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے سرخوں کی کارستانی جب اس کے گوش گذار کی تو باتو خان فقط مسکرا کر رہ گیا۔ برقائی خان عجیب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے باتو خان سے اپنی بے عزتی اور ناقدری کا شکوہ کیا تو وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

''برقائی! امور سلطنت میں ایسی چھوٹی موٹی باتیں تو رونما ہوتی ہی رہتی ہیں۔ بس ٹھنڈے دماغ سے کام لو اور جذباتیت سے جس قدر ہو سکے دامن بچائے رکھو۔ امن کے ساتھ رہنا اور سب امور کو اپنی گرفت میں رکھنا ہی اصلی مردانگی ہے، اگر تم کبھی اردوئے زریں یا کسی علاقے کے حکمران بنے تو ایسی باتوں سے تمہیں روز پالا پڑے گا۔ ان سے آدمی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ بس انسان میں ذرا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہونی چاہئے جب کسی پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو اپنے ساتھ دیگر کئی مسائل بھی لاتی ہے۔ ایسے مسائل جنہیں حل کرنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔ تم مطیع الدین کی فکر میں گھلنا چھوڑ دو اور جاؤ دوسرے امور نبٹاؤ۔ جب موقع آئے گا تو یہ معاملہ بھی دیکھ لیا جائے گا''۔

برقائی خان اپنے بھائی باتو خان کی دلیل سے متفق نہیں ہوا۔ اس نے بھرپور انداز میں اصرار کیا کہ اگر مطیع الدین کے لئے سرکاری سطح پر کچھ نہ کیا گیا تو وہ ذاتی طور پر قدم اُٹھانے سے گریز نہیں کرے گا۔ باتو خان نے جب اسے بضد دیکھا تو سو سپاہیوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا دستہ اس کے ساتھ روانہ کرتے ہوئے اسے سرخوں پر چڑھائی کی اجازت دے دی۔ کاکیشیا اور اردوئے زریں کو باہم متحد رکھنا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری باتو خان کے سر پر تھی۔ باتو خان کے اس فعل سے سرخوں کے حلیف قبائل میں ناراضگی اور غصے کی لہر دوڑ سکتی تھی۔ باتو خان برقائی کی ضد کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔ اسی شام جب توتائی خان نے سردار دقبا ژائی کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ وہ بغاوت خونِ گیس کا آغاز کرنے پر تلا ہوا ہے، اور اسے منگولیانہ ریاست کے نافذ قانون سے کوئی سروکار نہیں تو باتو خان کو برقائی کے عقب میں مزید دستے روانہ کرنا پڑے۔ وہ بخوبی سمجھ گیا کہ مطیع الدین پر حملہ اور اسے سنہرے خیمے سے اغوا کرنا ایک روایتی چال ہے جس کے تحت سردار دقبا ژائی خان اپنی بغاوت کے مقصد کو ہوا دینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کو کسی صورت میں شکست زدہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اب چونکہ حالات کی نوعیت بدل چکی تھی۔ پہلے وہ اس معاملے کو مسلمانوں سے نفرت کا محرک سمجھا تھا مگر صورتحال کی جدید وضاحت سے اس کی دوربین نگاہوں نے کھرے کھوٹے تمام تجزیہ کر لیا تھا۔ اس نے سرخوں کے حلیف قبائل کے سرداروں کو بھی سرائے میں طلب کر لیا تھا تاکہ ان کی جانب سے بھی ردعمل سامنے آسکے۔

برقائی خان کی آمد کی اطلاع سرخ قبیلے تک پہلے پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے اپنی بستی کے خیموں کے چاروں جانب کانٹوں کی گھنی باڑ لگا دی تھی۔

سردار دقبا ژائی خان نے برقائی خان کو مات دینے کے لئے کئی اقدامات کئے تھے۔ سہ پہر ہونے سے پہلے ہی برقائی خان اپنے دستے سمیت وہاں پہنچ گیا۔ کانٹوں کی باڑ دیکھ کر اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنے دستے کو حکم دیا کہ وہ تمام بستی کو چاروں جانب سے گھیر لیں۔ آن کی آن میں بستی کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ابھی برقائی خان اپنی مختصر سپاہ کو عسکری ہدایات دے رہا تھا کہ باتو خان کے بھیجے ہوئے مزید دستے بھی

وہاں پہنچ گئے۔ وہ بے حد تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے آئے تھے۔ برقائی خان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ ان دستوں کے ہمراہ ایک منجھا ہوا سپہ سالار بھی بھیجا گیا تھا۔ اس نے آتے ہی برقائی خان کو مختصراً حالات بتائے اور سردار دقبا ژائی کی ہر قیمت پر ہلاکت یا گرفتاری کا مراسلہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ بستی کے لوگ سرکاری لشکر کے اجتماع کو دیکھ کر پریشان ہونے لگے۔ سردار دقبا ژائی خان نے نوجوانوں اور لڑکوں کو مختلف مورچوں میں فائز کر دیا تھا۔ اس نے برقائی خان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی ایک جوشیلی تقریر کرتے ہوئے اس لڑائی کو منگولیانہ تہذیب کے بقاء کی جنگ قرار دیا تھا اور سب لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ اس لڑائی کو ہر قیمت پر جیتیں تاکہ دوسرے قبائل کو یہ احساس ہو کہ ہماری روایات اور تہذیب ہمارے لئے جانوں کے مقابلے میں کتنی اہم ہیں۔ اس کی جذباتی تقریر سے کچھ لوگ تو فرط جوش میں دیوانے ہو رہے تھے مگر نصف کے قریب لوگ اس لڑائی کو سردار دقبا ژائی کی ذاتی دشمنی کا نتیجہ قرار دے رہے تھے۔ پہل سردار دقبا ژائی کی جانب سے کی گئی تھی۔ اس نے تیروں کی بارش کی۔ محاصرہ کرنے والی سپاہ ایسے ہتھکنڈوں سے واقف تھی۔ اس نے ڈھالوں کو سامنے رکھتے ہوئے تیروں کی بارش ناکام بنا دی۔ اس کے بعد برقائی خان نے آتشی تیر بستی میں لگائے ہوئے مورچوں پر پھینکوانا شروع کر دیئے۔ دونوں طرف سے رات گئے تک ایسا ہی تبادلہ ہوتا رہا۔ دونوں فریق لڑائی بند کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ آدھی رات کے بعد اچانک بستی کے وسطی حصے میں عجیب سا شور بلند ہوا۔ سرکاری لشکر کے سب لوگ خوفزدہ نگاہوں سے بستی کی جانب دیکھنے لگے۔

❀ ❀ ❀

نجم الدین ایوب اپنے شاہی محل میں تھا کہ ابو خویلد ایک مخبر کے ہمراہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سلام کیا اور مخبر کی جانب اشارہ کیا۔

''کیا اطلاع لائے ہو......؟'' نجم الدین ایوب نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

''اطلاع بڑی اہم اور نامناسب ہے''۔

''جو کچھ کہنا چاہتے ہو! جلدی سے کہہ ڈالو اور یاد رکھو کہ مجھے تمہید باندھنے والے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں''۔ نجم الدین ایوب کا لہجہ بڑا سخت تھا۔ تنبیہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ پر کرختگی بھی بڑھ گئی۔

''معافی چاہتا ہوں! اطلاع یہ ہے کہ آپ کے چچا حاکم بعلبک عماد الدین اسماعیل نے اپنے بھتیجے الملک المجاہد اسد الدین شیر کوہ بن ناصر الدین محمد کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ اس کے ساتھ الحاق کر لے تاکہ وہ دونوں اپنی اپنی افواج کے ہمراہ دمشق پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں۔ اس نے یہ بھی پیغام دیا ہے کہ نجم الدین ایوب نے چونکہ دمشق سے نکل کر ایک بڑی تجارتی منڈی کو یوں آزاد چھوڑ رکھا ہے، اس پر قبضہ کرنا مالی منفعت کے لحاظ سے بے حد مفید ہے، دمشق میں چونکہ افواج موجود نہیں ہیں اس لئے اس پر قبضہ کر لینا آسان ہوگا''۔

''کیا یہ خبر مصدقہ ہے......؟'' نجم الدین ایوب نے مخبر کی جانب گھور کر دیکھا۔

''بالکل......! اس بارے میں میں نے ایک اہم سرکردہ شخصیت سے تصدیق کی ہے''۔

''حرص و طمع...... ! جانے کب یہ لعنت امت مسلمہ کا پیچھا چھوڑے گی۔ اپنے پاس جو کچھ بھی ہے، ناشکرے لوگ اس پر صبر و قناعت نہیں کرتے۔ یہ حریص و خسیس دوسروں کے مال و اقتدار چھیننے کی فکر میں کب تک مبتلا رہیں گے۔ اللہ ہی بس ہدایت دینے والا ہے''۔

نجم الدین ایوب کو چچا کی اس حرکت پر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے بعد سب لوگوں کو آپس میں ہی برسرپیکار دیکھا تھا۔ جس کا داؤ چلتا وہی ہاتھ صاف کر لیتا۔ یہ دوسرا موقعہ تھا کہ بلاد شرقیہ

اس سے چھیننے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی افواج کو فوری تیاری کا حکم دے دیا۔ اس نے اپنے مخبر کو سختی سے تنبیہہ کی کہ وہ ان کی روانگی اور راستے کی مکمل معلومات فراہم کرتا رہے۔ مخبر نے اپنے فرض میں کوئی کوتاہی نہ برتنے کا وعدہ کیا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ابوخویلد نے نجم الدین ایوب کی حوصلہ افزائی کی کوشش کی تو اسے بھی سخت جھاڑ کا سامنا ہوا۔ نجم الدین ایوب اس غیر متوقع اطلاع پر بے حد مغموم اور رنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ ابوخویلد اس کا بگڑا امزاج دیکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

چار گھنٹے کی مسلسل آرام دہ نیند کے بعد ابومسعود کی آنکھیں کھلیں تو بیبرس نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔ بیبرس فوری طور پر طبیب کو ساتھ لے آیا تھا جس کے باعث اس کی جان بچ گئی تھی، ورنہ طبیب نے ابومسعود کی اتنی خستہ حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا تھا۔ طبیب اتنی لاپرواہی اور دیر پر بھی برہم ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بیبرس نے ابومسعود کا منہ دُھلایا اور اس کے کپڑے تبدیل کیے۔ طبیب کے دیئے ہوئے معجون کو اس کی ہدایت کے مطابق وقفے وقفے سے اس کے حلق میں اتارتا رہا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی ماتھے پر رکھیں تاکہ بخار کی شدت ٹوٹ سکے۔ یہ بیبرس کی محنت ولگن کا ثمر تھا کہ ابومسعود ہوش میں آ گیا تھا۔ ابومسعود نے بیبرس کی جانب مترحم نگاہوں سے دیکھا۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بیبرس نے اسے منع کر دیا۔ اسی اثناء میں مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوئی۔ بیبرس نے اسے نماز کے بارے بتا کر جامع مسجد کی راہ لی۔ ابومسعود بستر پر پڑے اپنی لاچاری پر آنسو بہاتا رہا۔ بیبرس نماز سے فارغ ہو کر سیدھا طبیب کے پاس چلا آیا۔ اسے تازہ صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے کچھ اور ادویہ اسے بتا کر دیں کہ اب ان کا استعمال کیا جائے۔ بیبرس کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر ابومسعود کے گھر چلا آیا۔ ابومسعود ایک بار پھر نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ بیبرس نے اس کی نبض ٹٹولی اور اطمینان کرنے کے بعد دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ابومسعود کی کراہ اُس کے کان میں پڑی تو وہ تیزی سے اس کے پاس چلا آیا۔ ابومسعود نے اسے اپنا جسم ٹوٹتا ہوا محسوس ہونے کی بابت بتایا تو وہ اسے نرمی سے دبانے لگا۔ اُسے کچھ سکون ملا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے بیبرس کو روک دیا۔ بیبرس نے کھانا نکال کر اسے کھلایا اور خود بھی کھایا۔ بعد میں اسے دوا دی۔ ابومسعود کچھ دیر میں دوبارہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔ بیبرس نے اُسی کمرے میں زمین پر اپنا بستر لگایا۔ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے بعد وہ پرسکون ہو کر بستر پر لیٹ گیا تھا۔ بظاہر اس کا چہرہ پرسکون تھا مگر دل ودماغ میں سوالات کا جم غفیر تھا۔ وہ بار بار فاطمہ خاتون کے متعلق سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اب زندہ ہی نہ ہو۔ وہ اپنے خیالوں کو مثبت انداز میں مرتب کرنے کی کوشش کرتا مگر چند ساعتوں میں وسوسے دوبارہ سر اُٹھانے لگتے۔ اسی کشمکش میں جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح فجر کے وقت خود بخود اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب اس کی نگاہ ابومسعود پر پڑی۔ وہ شاید اس سے پہلے بیدار ہوا تھا۔ وہ اپنے بستر سے نکلا اور غسل کیا۔ وہ اب ایک بڑے کپڑے سے اپنا بدن خشک کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ رات کو جیسا نڈھال اور پژمردہ دکھائی دے رہا تھا اب ڈھونڈے سے بھی ایسے آثار نہیں مل رہے تھے۔ طبیب کی دوا نے اپنا جادو کر دکھایا تھا۔ اس نے بیبرس کی جانب دیکھا تو محض مسکرا کر رہ گیا۔ دونوں نے جامع مسجد دمشق میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد وہ دونوں دمشق کی گلیوں میں ٹہلتے ہوئے دریا کی جانب جا نکلے۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کل سے کیا جاننا چاہ رہے ہو؟'' ابومسعود سنجیدگی سے بولا پھر کچھ توقف کے بعد اس نے خود ہی اپنی بات آگے بڑھائی۔ ''تم یقیناً فاطمہ کے بارے میں جاننا چاہتے ہو، لیکن میں تمہیں کوئی اچھی خبر

نہیں دے سکوں گا۔ دو ماہ پہلے وہ بھی اسی طرح بخار میں مبتلا ہو کر چل بسی، میں ان دنوں دمشق میں نہیں تھا، واپسی پر معلوم ہوا کہ وہ مجھے ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئی ہے''۔

ابومسعود کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ بیبرس اس کے الفاظ سن کر سکتے میں چلا گیا تھا۔ وہ صدمے سے نڈھال ہو کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ ابومسعود نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم اُس سے بے حد محبت کرتے ہو، حالانکہ تم ہمارے کچھ بھی نہیں لگتے۔ تمہیں غلام کہنا تمہارے احسن سلوک اور جذبات کی توہین ہوگی۔ وہ بھی تمہیں بے حد چاہتی تھی۔ تم سے جدائی کے بعد اس نے کئی راتیں اپنی آنکھوں میں بتائی تھیں۔ بہر حال یہ سب قدرت کا لکھا تھا، اس کی سانسیں پوری ہو گئیں اور وہ چلی گئی، میری سانسیں ابھی باقی تھیں کہ تم آخری وقت میں چلے آئے اور میری زندگی کا چراغ بجھنے سے پہلے مل گئے۔ ہم نے تم پر جو احسان کیا تھا، تم نے اس کا حق ادا کر دیا۔ میں تم سے بے حد خوش ہوں اور تمہاری ترقی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گا۔ کاش وہ آج زندہ ہوتی اور اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھتی، تمہارا لباس، تمہارا یہ انداز اور تمہارے منصب کے بارے میں جان کر اُسے کتنی خوشی ہوتی...... اس کا اندازہ بھی لگانا دشوار ہے''۔ ابومسعود اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔ بیبرس اس کی باتیں سننے کے بجائے فاطمہ کے مشفق چہرے کو اپنی تصور کی آنکھ سے دیکھنے میں مشغول تھا۔

اسی شام بیبرس ابومسعود کے ہمراہ فاطمہ خاتون کی آخری آرامگاہ پر گیا۔ وہاں فاتحہ خوانی کے بعد وہ دونوں واپس گھر لوٹ آئے۔ ابومسعود ابھی مکمل تندرست تو نہیں ہوا تھا البتہ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ اپنے لئے خود بھی کچھ کر سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ اگر اُس دن بیبرس وقت پر نہ پہنچتا تو اسے فاطمہ کے ساتھ ساتھ ابومسعود کی وفات کی خبر سننا پڑتی۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان نے اپنے سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ بستی کے مختلف حصوں میں آگ لگی ہوئی تھی جو کہ آتشی تیروں کی کارستانی تھی۔ کئی خیمے جل کر خاک ہو چکے تھے۔ اب ان میں سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ بستی کے وسطی حصے میں عجیب سی چیخ دپکار مچی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے دو گروہ آپس میں متصادم ہو گئے ہوں۔ برقائی خان بے حد عجلت کا مظاہرہ کر رہا تھا حالانکہ اس کے سپہ سالار نے مشورہ دیا تھا کہ ابھی لڑائی کو ختم کر دیا جائے، صبح ہونے پر یہ قضیہ نبٹا لیا جائے گا مگر وہ بضد تھا کہ سورج نکلنے سے پہلے ہی سرخوں کو شکست سے ہمکنار کر دیا جائے۔ رات کی تاریکی میں فتح کے امکانات زیادہ واضح تھے۔ کچھ دیر بعد شور قریب آتا ہوا محسوس ہوا۔ برقائی خان نے سپاہ کو خبردار رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے برقائی خان کے سامنے سے بستی کی باڑ اکھڑ کر اطراف میں بکھرنے لگی۔ سپاہیوں نے ڈھالوں کے حصار میں خود کو محفوظ کرتے ہوئے اپنی تلواروں کے دستوں پر گرفت مضبوط کر لی۔ یوں لگتا تھا کہ سرخ قبیلہ کے لوگ مدافعت کے بجائے کھلی جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ برقائی خان کو تاریکی میں ایک بڑا غول اپنی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ برقائی خان پوری یکسوئی سے ان پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ غول چند لمحوں بعد برقائی خان کے مدمقابل پہنچ کر تھوڑے فاصلے پر رُک گیا۔ ان کے ہاتھوں میں سفید کپڑے لہرا رہے تھے۔

''ہم لڑنا نہیں چاہتے..... !'' ان کی جانب سے ایک آواز بلند ہوئی۔ ''پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' برقائی خان نے بلند آواز میں پوچھا۔

''ہم نے منک آتہ کو اپنا سردار بنا لیا اور دقباژائی کو ہلاک کر دیا ہے، سرخ قبیلہ قاآن اعظم کے احکامات کی پیروی کرنے میں ہی فخر سمجھتا ہے۔ ہم خلوص دل سے اطاعت گذار ہیں''۔

"منک آنہ کو آگے پیش کرو"۔ برقائی خان نے تیز آواز میں کہا۔ ایک عمر رسیدہ شخص اس مجمع میں سے نکل کر آگے بڑھا اور اس نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار برقائی خان کے قدموں میں رکھ دی۔

"وہ مسلمان قیدی کہاں ہے؟" برقائی تلخی سے بولا۔ وہ منک آنہ پر بھی اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"اسے کل رات یہاں سے کوئی بھگا لے گیا ہے"۔ منک آنہ گردن جھکائے بولا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو......!" برقائی خان آپے سے باہر ہونے لگا۔ "مجھے ہر قیمت پر وہ شخص ابھی اور اسی وقت چاہئے"۔

"لیکن! وہ اب یہاں نہیں ہے، آپ میری بات پر یقین کریں میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں"۔

"کیا تم مجھے بچہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرلوں گا۔ مجھے ابھی اور اسی وقت وہ چاہئے، ورنہ میں سرخ قبیلہ کا ہر فرد قتل کردوں گا"۔ برقائی خان غصے سے بپھرنے لگا۔

"ہماری جانیں آپ کے حضور موجود ہیں، چاہے جتنے سر اتار لیجئے مگر وہ واقعی کل رات فرار ہو گیا ہے یا اُسے اس کا کوئی مددگار یہاں سے لے گیا ہے"۔ منک آنہ بے بسی کے عالم میں بولا۔

برقائی خان اس کے لہجے اور صاف گوئی پر گومگو کا شکار ہونے لگا۔

"ٹھیک ہے، تم اس وقت اپنی بستی میں واپس جاؤ، میں صبح اس بات کا فیصلہ کروں گا کہ تم کتنا سچ بول رہے ہو اور کتنا جھوٹ۔ میری سپاہ تمام رات بیدار رہے گی، اگر تم نے ایسی ویسی کوئی حرکت کی تو یاد رکھنا کہ میں ایسی خوفناک سزا دوں گا کہ دوسرے قبائل عبرت پکڑیں گے"۔ برقائی خان پھنکارتا ہوا بولا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ اس کے تعاقب میں تمام لوگ بھی واپس بستی میں لوٹ گئے۔ ان کے جاتے ہی برقائی خان نے ایک دستے کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر بستی کے گرد لگائی گئی کانٹوں کی تمام باڑ ہٹا دے اور خیمے نصب کر لئے جائیں۔ صبح سورج نکلنے سے قبل ہی وہ لوگ ایسا انتظام کر چکے تھے کہ بستی میں سے کسی شرارت کا منہ توڑ جواب دیا جا سکتا۔ سپہ سالار برقائی خان کی اس حکمت عملی پر بے حد نالاں تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ رات بھر سپاہ کو بیدار رکھنے سے اگر صبح بستی کی جانب سے کوئی حملہ ہوا تو وہ انہیں بے حد مہنگا پڑے گا۔ برقائی خان اس کے نظریے سے متفق نہیں تھا۔ سورج جب خاصا بلند ہو گیا تو منک آنہ خود بستی سے باہر آیا اور اس نے برقائی خان کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔ برقائی خان کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں انہوں نے مطیع الدین کو ہلاک نہ کر دیا ہو اور اب اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے فرار کی من گھڑت کہانی سنا رہے ہوں۔ منک آنہ کے لہجے سے سچائی جھلک رہی تھی۔ برقائی خان اس کے اصرار پر پریشان سا ہو گیا۔ مطیع الدین کو فرار ہونے میں کون مدد دے سکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ رقابزائی خان نے اپنے کسی حلیف کو ایسی حرکت کے لئے اکسایا ہو۔ اس نے موقعہ واردات پر خود جا کر جانچ پڑتال کا فیصلہ کیا۔ وہ محافظ دستے کے ہمراہ بستی میں داخل ہوا۔ بستی کے بیچوں بیچ رقابزائی خان کی کٹی پھٹی لاش پڑی تھی۔ برقائی خان پہلی نگاہ میں اسے پہچان گیا تھا۔ برقائی خان نے اس لاش کو روایات کے مطابق جلانے کی ہدایت کی تو کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر اس لاش پر ایک بڑا کپڑا ڈال دیا۔ وہ منک آنہ کی رہنمائی میں اس خیمہ تک آیا جہاں مطیع الدین کو اسیر کیا گیا تھا۔ خیمے کے گرد کٹی پھٹی زنجیروں کے ٹکڑے موجود تھے۔ برقائی خان نے زنجیر کے ایک ٹکڑے کو اُٹھایا اور غور سے دیکھنے لگا۔ کٹا ہوا حصہ خاصا مجروح دکھائی دے رہا تھا۔ یہ کسی بڑی قینچی کا کمال ہی ہو سکتا تھا۔ کاٹنے والے نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا کہ اس نے زنجیر کو کٹ لگانے سے پہلے ہی کمزور کر دیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے برقائی خان کے چہرے پر اطمینان سا پھیل گیا۔ اسے منک آنہ کی سچائی پر یقین ہو چکا تھا۔ وہ اس فرد تک پہنچ گیا تھا جو زنجیریں کاٹنے کا ماہر تھا۔ برقائی خان نے سرخ قبیلے سے اطاعت

اختیار کئے رکھنے اور بغاوت سے گریز پر چھوٹا سا خطاب کیا۔ منک آنہ کو باضابطہ طور پر قبیلہ کا سردار مقرر کیا گیا۔ منک آنہ اس کی آمد پر شاندار ضیافت کرنے کا خواہش مند تھا مگر برقائی خان نے اس سے معذرت کرتے ہوئے اپنی سپاہ کو شمال کی جانب کوچ کا حکم دیا۔ سپہ سالار نے چوں چراں کرنا چاہی، جس پر برقائی خان نے اُسے واپس سرائے روانہ کر دیا۔

❁ ❁ ❁

12 محرم 637ھ میں نجم الدین ایوب کو اطلاع ملی کہ اس کا چچا عمادالدین اسماعیل حاکم بعلبک اپنے بھتیجے الملک المجاہد اسدالدین شیرکوہ حاکم حمص کے ساتھ الحاق کر کے اپنی سپاہ کے ساتھ دمشق کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔ اس کی آمد کے راستے کا پتہ چلتے ہی نجم الدین ایوب نے فوری طور پر آگے بڑھ کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ 16 محرم 637ھ کو بصریٰ سے نکلا اور تین دن کی مسافت کے بعد نابلس کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے اسی مقام کو فیصلہ کن مبارزت کے لئے منتخب کیا۔ اس کے ہمراہ دس ہزار کے قریب افواج تھیں۔ جن میں عمائدین سلطنت اور امراء بھی شامل تھے۔ نجم الدین ایوب اپنے چچا کو منہ توڑ جواب دینے کی حکمت عملی بنا رہا تھا کہ تیسرے دن مخالف لشکر اس کے سامنے پہنچ گیا اور اس نے میدان جنگ میں اپنے خیمے گاڑنا شروع کر دیئے۔

نجم الدین ایوب نے جنگ سے پہلے روایتی سفارت روانہ کی تا کہ لڑائی کے بجائے افہام وتفہیم کی راہ نکالی جا سکے۔ سفارت جب واپس لوٹی تو اس نے نیا انکشاف کیا کہ سامنے خیمہ زن ہونے والا لشکر اس کے چچا عمادالدین اسماعیل یا اسدالدین شیرکوہ کا نہیں بلکہ اس کے عم زاد الملک الناصر داؤد کا ہے جو کہ اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے وہاں پہنچا ہے۔ نجم الدین ایوب کو اپنے عم زاد کی اس حرکت نے خاصی تکلیف سے دوچار کیا اور وہ شدید بیمار پڑ گیا۔ الملک الناصر حملہ کرنے سے گریز کر رہا تھا اسے شاید عمادالدین اسماعیل کا انتظار تھا۔

دن گذرتے چلے گئے، یہاں تک کہ پڑاؤ ڈالے ہوئے قریباً ایک ماہ گذر گیا۔ نجم الدین ایوب خود بھی حملہ آور ہونے سے گریز کر رہا تھا، اس کی ایک وجہ بیماری سے پیدا ہونے والی جسمانی کمزوری تھی۔ دوسرا وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے عم زاد بھائی کو قیدی بنائے یا قتل کرے۔

29 صفر 637ھ کو اچانک بیبرس نابلس آ پہنچا۔ وہ نجم الدین ایوب سے اجازت لے کر دمشق گیا ہوا تھا۔ ابوسعود کی تیمارداری میں اس نے ایک ماہ گذار دیا تھا، جب ابوسعود مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا تو اس نے بصریٰ روانہ ہونے کا قصد کیا مگر نجم الدین ایوب کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ وہ نابلس میں خیمہ زن ہے، تو وہ سیدھا وہاں چلا آیا۔ اس نے آتے ہی نجم الدین سے رازداری سے تنہائی میں ملاقات کی۔ اس نے جب یہ انکشاف کیا کہ عمادالدین اسماعیل نے دوسری راہ اختیار کرتے ہوئے دمشق پر قبضہ کر لیا ہے تو نجم الدین ایوب بے حد پریشان ہوا۔ اس کا جاسوسی نظام اس موقعہ پر بری طرح سے ناکام ثابت ہوا تھا۔ عمادالدین اسماعیل نے اسے غلط راہ پر لگا کر بغیر جنگ کئے دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔ نجم الدین ایوب کی جانب سے مقرر کئے گئے دمشق کے گورنر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ نجم الدین ایوب نے فوری طور پر دمشق روانہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے چلنے سے پہلے اپنے با اعتماد اتباع اور عمائدین کے ساتھ نئی صورت حال پر مشورہ کیا اور انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ وہ سب فوری طور پر دمشق روانہ ہونے پر متفق تھے۔

اسی دوران نجم الدین ایوب کے لشکر کے ایک حریص و کمینہ خصلت امیر احمد رئیس تک عمادالدین اسماعیل کے ایک مخبر کی رسائی ہو گئی۔ اس نے اعلیٰ عہدے اور ہزاروں درہم کی پیشکش کرتے ہوئے اُسے اپنے دام

فریب میں جکڑ لیا۔ اس امیر نے عین اس وقت جب لشکر چلنے کی تیاری کر رہا تھا، دمشق پر قبضے کی اطلاع عام کر دی۔ سپاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ دمشق پر پہلے ہی قبضہ ہو چکا ہے تو ان میں پھوٹ پڑنے لگی۔ امراء نے اپنے دستوں کو سمجھانا چاہا مگر وہ کوئی بات سننے پر تیار نہیں تھے۔ پل بھر میں سب محنت اکارت ہو گئی۔ کثیر جماعت نے کھلے الفاظ میں نجم الدین ایوب کا ساتھ چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ وہ دمشق میں خون کی ہولی نہیں کھیلنا چاہتے تھے۔ دمشق میں ان کے اہل وعیال اور اقارب موجود تھے۔ دمشق میں جنگ کی صورت میں بے شمار لوگوں کی ہلاکت کا امکان تھا۔ نجم الدین ایوب نے انہیں سمجھانے کی بے حد کوشش کی کہ جنگ دمشق کے اندر نہیں بلکہ باہر لڑی جائے گی مگر وہ اپنی ہی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے امیر احمد رئیس کو اپنا سربراہ مقرر کیا اور عماد الدین اسماعیل کی حمایت میں نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے۔ نجم الدین ایوب کی حامی جماعت نے ان سے الجھنا چاہا تو اس نے بڑی مشکل سے انہیں روکا۔ نجم الدین ایوب اس عجیب صورت حال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اُسے اب حقیقتاً بلاد شرقیہ کی حکومت اپنے ہاتھوں سے نکلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

30 صفر 637ھ کو اس کی سپاہ کی ایک تہائی سے زیادہ تعداد نے اسے بے یار و مددگار چھوڑتے ہوئے دمشق کا قصد کیا۔ نجم الدین ایوب اپنے خاص غلاموں، محافظوں اور اتباع کی جماعت کے ساتھ میدان جنگ میں تنہا رہ گیا تھا۔ بیبرس کو خصوصی طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی محفوظ مقام کی جانب نکلنے کا راستہ ہموار کرے۔ افواج کی بغاوت اور واپسی کی اطلاع الملک الناصر داؤد تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے فوری طور پر آگے بڑھ کر نجم الدین ایوب اور اس کی حلیف جماعت کے خیموں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ وہ کسی جانب فرار نہ ہو سکیں۔

❁ ❁ ❁

ازقائی قبیلے میں مطیع الدین کو آئے ہوئے آج پانچواں دن تھا۔ اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ان لوگوں نے کس مقصد کے تحت اسے سرخ قبیلے کی اسیری سے چھڑایا ہے اور اب ان کے ارادے کیا ہیں؟ وہ ان کے سلوک پر بھی حیران تھا۔ کیونکہ انہوں نے اسے یوں رکھا ہوا تھا جیسے وہ ان کا عزیز ترین مہمان ہو۔ مطیع الدین آزادی سے ان کی بستی میں گھوم پھر سکتا تھا مگر اسے بستی سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ مطیع الدین ایک آدھ دفعہ اس پابندی پر آگ بگولا بھی ہوا تھا۔ انہوں نے باہر کے حالات کو خطرناک قرار دے کر اسے وہیں رُکنے کی تلقین کی۔ مطیع الدین فوری طور پر سرائے پہنچنا چاہتا تھا مگر وقت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ وہ لوگ مار دھاڑ کے قائل نہیں تھے پھر بھی مطیع الدین ان سے جان چھڑانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے مطیع الدین کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہ لوگ کچھ زیادہ حساس اور ہوشیار ہیں۔ یہ وقت سے پہلے ہی خبردار ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس خوبی نے اسے خاصا متحیر بھی کیا تھا۔ برقائی خان کے بعد اگر وہ کسی سے اتنا متاثر ہوا تھا تو وہ ازقائی قبیلہ تھا۔

مطیع الدین نے آج ٹھان لیا تھا کہ وہ سردار مانجی خان سے خود بات کرے گا کہ اسے روانہ ہونے کی اجازت دی جائے۔ اسی لئے وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے مکان تک آ پہنچا۔ سردار مانجی خان نے اس پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور اپنے کام میں مگن ہو گیا۔

''سردار! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔

''میں جانتا ہوں کہ تم یہاں سے جانے کی بات کرو گے مگر میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ تم ابھی یہاں سے نہیں جا سکتے کیونکہ باہر خطرہ ہے۔ سرخ قبیلہ کے لوگ تمہیں کتوں کی مانند ڈھونڈ رہے ہیں اگر تم اپنی زندگی سے اتنے ہی اُکتا چکے ہو تو یہیں کسی سے خنجر لو اور اپنا کام تمام کر لو''۔ بات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سر جھکائے اپنے کام میں بھی مصروف تھا۔

''ہونہہ! پھر یہی بتا دو کہ تم نے مجھے درندہ صفت سرخ قبیلے کے چنگل سے کیوں چھڑایا ہے؟''

''میں اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھتا''۔ وہ قدرے ناگواری سے بولا۔

''عجیب بات کر رہے ہو تم!'' مطیع الدین اس کے ردعمل پر تلملا اُٹھا۔

''تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے خیمے میں جاؤ اور آرام کرو، کھاؤ پیو اور عیش کرو۔ جب وقت آئے گا تو میں خود تمہیں سرائے پہنچاؤں گا''۔ سردار مانجی خان نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا۔

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں......!'' مطیع الدین نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

سردار مانجی خان نے اس کی جانب ایک نظر ڈالی اور استہزائیہ انداز میں مسکرانے لگا۔

''تم ایسا نہیں کر سکو گے کیونکہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ تم اس وقت کہاں موجود ہو......؟ اور یہاں سے تنہا نکلنے کی صورت میں میلوں دور تک تمہیں کوئی ایسا فرد نہیں ملے گا جو سرائے تک پہنچنے میں تمہاری رہنمائی کر سکے، تم ہمارے محتاج ہو''۔

''یاد رکھو! مسلمان کسی کا محتاج نہیں ہوتا''۔ مطیع الدین پرعزم لہجے میں بولا۔

''زیادہ جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ہوش کے ناخن لو، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں اور نہ ہی یہاں تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ وقت کی مصلحت کے تحت یہ قدم اُٹھایا گیا ہے''۔

''میں تمہاری اس منطق سے عاجز ہوں، میں فوری طور پر سرائے واپس لوٹنا چاہتا ہوں اور اب میں اپنا آخری فیصلہ سنا رہا ہوں کہ میں اسی وقت یہ بستی چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے مجھے روکنا چاہا تو میں ہتھیار اُٹھانے سے گریز نہیں کروں گا''۔

''اگر میں یہ کہوں کہ تمہیں یہاں ٹھہرانے کی ذمہ داری کسی لڑکی نے ہمیں سونپی ہے تو کیا پھر بھی تم یہاں سے جانا چاہو گے؟''

''لڑکی نے......!'' مطیع الدین کو اپنی سماعت پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ ''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، بھلا کسی لڑکی کو مجھ غریب سے کیا دلچسپی......؟''

''سوچو......! کوئی لڑکی جو تمہاری ہمدرد ہو، تم پر مہربان ہو......!'' مانجی خان دھیمے سے مسکرایا۔ مطیع الدین حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے ذہن میں گل وتوز کا چہرہ اُبھرا تھا مگر اس نے اس خیال کو رد کر دیا تھا۔ گل وتوز کا ان لوگوں سے کیا واسطہ......؟ وہ گومگو کی حالت میں کھڑا تھا۔

''تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ کوئی لڑکی تمہارے ذہن میں موجود ضرور ہے''۔ مانجی خان نے شرارتی لہجے میں انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

''تم جو بھی اندازہ لگاؤ، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں اپنے فیصلے پر اٹل ہوں، کسی لڑکی کا جھانسہ دے کر تم مجھے مزید نہیں روک سکو گے''۔ مطیع الدین نے ہر قسم کے خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔ وہ یہاں سے نکلنے کا پختہ عزم کر چکا تھا۔ سردار مانجی خان نے اسے پھر بھی بضد دیکھتے ہوئے آخری تیر اس کی جانب پھینکا۔

''اگر اس لڑکی کا نام گل ہو تو کیا پھر بھی تم یہاں سے جانا چاہو گے؟''

مطیع الدین گل کا نام سنتے ہی دم بخود رہ گیا۔ اس کے دماغ کی تمام نسیں جھنجھنا اٹھی تھیں۔ واقعی گل وتوز نے اس کی مدد کی ہے......؟ مگر اس نے یہ سب کیسے کیا ہو گا......؟ کئی سوال اس کے ذہن میں سر اُٹھانے لگے۔

❁ ❁ ❁

خیمے کے بستر پر پڑے بیماری سے نڈھال نجم الدین ایوب کو جب یہ اطلاع ملی کہ اس کے عم زاد الملک الناصر داؤد بن الملک المعظم نے چاروں جانب سے ان کا محاصرہ کر لیا اور فرار کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں تو اسے خاصی پریشانی کا سامنا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی طرح بصریٰ واپس پہنچ کر حالات کو قابو میں لانے کی کوشش کرے گا مگر حاکم الکرک اس کی راہ میں دیوار بن گیا تھا۔ نجم الدین ایوب نے اپنے حلیفوں اور اتباع کی جماعت سے اس نئی صورتحال کے بارے میں باہم صلاح مشورہ کیا۔ سب بھانت بھانت کی بولیاں بولتے رہے، مگر کوئی واضح صورت دکھائی نہیں دی۔ نجم الدین ایوب نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ زندہ رہنا ہے تو عزت کے ساتھ ہی جیا جائے، اگر مرنا ہی مقدر بن چکا ہے تو پھر کیوں نہ لڑتے ہوئے رُتبہ شہادت حاصل کیا جائے۔ اس نے اپنے غلاموں پر مشتمل محافظ دستے اور باقی ماندہ فوج کو سر دھڑ کی بازی لگانے کا حکم دے دیا۔ بیبرس کو اس محافظ دستے کا امیر مقرر کیا گیا۔ بیبرس کے لئے کسی دستے کی قیادت کرنا بالکل نئی بات تھی، اسے سپاہ کو ساتھ لے کر جنگی حکمت عملی تشکیل دینے کا کوئی خاص تجربہ بھی نہیں تھا۔ وہ کڑے حالات کے شکار آقا کی حکم عدولی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کام میں ابوخویلد نے اس کی کافی مدد کی۔ نئی صورت حال سے نبٹنے کے لئے اس نے خیموں کے چاروں جانب محافظوں کا ایسا جال بچھایا تھا کہ مخالف سپاہ کو نجم الدین ایوب تک پہنچنے سے پہلے کافی نقصان اُٹھانا پڑتا۔ اسی دوران بہاء الدین زہیر نے نجم الدین ایوب کے ساتھ تنہائی میں طویل ملاقات کی۔ یہ شخص نجم الدین ایوب کی جانب سے نابلس کا امیر مقرر کیا گیا تھا اور اپنی سپاہ کے ہمراہ جنگ میں شرکت کے لئے آیا تھا۔ اس نے اپنی تجویز پیش کی کہ الملک الناصر سے ایک بار پھر جنگ بندی اور صلح جوئی کی سفارت کی جائے اور افہام و تفہیم کی کوئی راہ نکالی جائے تاکہ ہماری مٹھی بھر سپاہ کے جان کا بے مقصد ضیاع نہ ہو۔ اس نے اُمید ظاہر کی کہ ممکن ہے کہ ہماری سفارت کامیابی سے ہمکنار ہو۔ نجم الدین ایوب نے اس کی صلاح کو ترجیح دیتے ہوئے بہاء الدین زہیر کو ہی اپنا سفیر مقرر کرتے ہوئے اپنے عم زاد الملک الناصر کے پاس روانہ کر دیا۔ بہاء الدین زہیر بے حد ہوش مند اور دور اندیش شخص تھا، اس نے الملک الناصر سے اس انداز سے بات چیت شروع کی کہ اس نے بآسانی جنگ کے بجائے امن کی راہ پر چلنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ دونوں لشکروں کے درمیان یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہا۔ الملک الناصر نے نجم الدین ایوب کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ نجم الدین ایوب کو بظاہر اس کے قیدی کی حیثیت سے الکرک چلنا ہوگا۔ اس کے ساتھ مناسب سلوک کیا جائے گا۔ جونہی حالات سازگار ہوئے تو میں اسے باعزت رہا کر دوں گا۔ اگر نجم الدین ایوب یہ سمجھتا ہے کہ میری نیت میں کوئی کھوٹ ہے تو وہ ابھی اسی وقت بصریٰ کی جانب لوٹ سکتا ہے مگر وہ اُس بات کو ذہن نشین رکھے کہ عماد الدین اسماعیل اسے اپنے لئے خطرہ جان کر اس پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئے گا اور یہ یقینی بات ہے کہ طاقت کی عدم موجودگی میں نجم الدین ایوب اس سے نہ صرف شکست کھا جائے گا بلکہ موت کے گھاٹ بھی اُتار دیا جائے گا، اگر اُسے مجھ پر ذرا سا بھی بھروسہ ہے تو وہ میرا ساتھ دے۔ بہاء الدین زہیر نے الملک الناصر کی پیشکش نجم الدین ایوب کے سامنے رکھ دی۔ نجم الدین ایوب پہلے تو اپنے عم زاد کی بات سن کر رنجیدہ ہو گیا۔ وہ پہلے ہی اپنی سپاہ کے باغیانہ رویئے سے سخت آزردہ تھا۔ اسے اب بصریٰ و نابلس کی باقی ماندہ افواج پر بھی کامل بھروسہ نہیں تھا۔ مجبوراً اس نے اپنے عم زاد الملک الناصر داؤد کی یہ پیشکش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور 22 ربیع الاول 637ھ بروز ہفتہ کو اپنے اتباع اور حلیفوں کی جماعت کے ساتھ خود کو الملک الناصر کے حوالے کر دیا۔ نجم الدین ایوب نے اپنی باقی ماندہ سپاہ کو واپس بصریٰ و نابلس لوٹ جانے کا حکم دے دیا۔ بہاء الدین زہیر نے نجم الدین ایوب کی اطاعت کو ہی اپنے لئے پسند کیا اور نابلس کی امارت ترک کرتے ہوئے الکرک کی

راہ لی۔ الملک الناصر داؤد ان کے ساتھ بے حد عزت سے پیش آیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر الکرک شہر آ گیا۔ اس نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے بظاہر نجم الدین ایوب کو ایک قلعے میں نظر بند کر دیا تھا۔ یہاں نجم الدین ایوب اور اس کی جماعت کو خفیہ طور پر تمام مراعات مہیا کی گئیں اور کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں دی گئی۔ نجم الدین ایوب اپنے عم زاد پر بھروسہ تو کئے ہوئے تھا مگر وہ اپنی حفاظت سے ذرا غافل نہیں تھا۔ ابوخویلد، غازی جان اور بیبرس اس کے خاص اور وفادار غلام تھے، جنہیں خصوصاً آنکھیں کھلی رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

غازی عبداللہ شافعی بلاد مصر کی حکومت میں شامل ایک بااعتماد امیر تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ایوبی خاندان میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عیوب و نقائص پیدا ہوتے چلے گئے جو ان کے زوال کا باعث بننے لگے، صلاح الدین ایوبی کے پوتوں اور پڑپوتوں میں اپنے اپنے اقتدار کی ہوس بے حد عروج پر دکھائی دیتی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے خلاف نصاریٰ سے مدد لینے سے بھی نہیں چوکتے تھے، انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ نصاریٰ ان کے دوست نہیں ہیں، وہ ان کی مدد کرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ انہیں کمزور کر کے اس سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ حال کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ماضی سے عبرت لینے کا کسی کے پاس وقت نہیں تھا۔ مستقبل کس چڑیا کا نام ہے، اس بارے میں کچھ جاننا ان کے لئے بے معنی و بے مقصد تھا۔ عیش و نشاط کی رنگ رلیوں میں ڈوبے ان سلطانوں کی ذات پر جب کبھی آنچ آتی تو ہی یہ نصاریٰ کو سبق سکھانے کا رُخ کیا کرتے۔

بلاد شرقیہ، بلاد عرب، بلاد شام، بلاد یمن، بلاد عراق و فارس اور بلاد افریقہ پر ایوبی سلطانوں کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے بڑے رقبے پر حکومت کے باوجود نصاریٰ بیت المقدس پر قابض تھے۔ فلسطین اور لبنان کے ساتھ ساتھ تیونس تک بحیرہ روم کی ہزاروں میل لمبی پٹی پر شیطانی آنت کی طرح صلیبیوں کے مستحکم قلعوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ انہوں نے براہ راست حملوں کے بجائے اب انہیں آپس میں ہی نبرد آزما کر ڈالا تھا۔ بغداد میں موجود امت مسلمہ کا داعی خلیفہ بھی بے بسی کی تصویر دکھائی دیتا تھا۔ اُسے اپنی درباری سازشوں اور شعر و ادب کی محفلیں سجائے رکھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس کی حکومت محض بغداد تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر کوئی باغی حاکم اس کا حکم مان لیتا تو وہ خوشی سے سرشار ہو کر اُسے خلعت عطا کر دیا کرتا۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اُسی خلیفہ کی اجازت سے بنائی گئی حکومت کو ہی جائز اور سرکاری قرار دیا جاتا تھا۔ ایوبی سلطان اس بات سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ کر جب خود تخت نشین ہوتے تو فوراً اپنی اطاعت و بیعت کا نامہ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دیتے۔ اس نامے کے ہمراہ تحائف کا بڑا انبار بھی ہوتا تھا۔ خلیفہ بغداد محض ان کی اطاعت و بیعت پر ہی صبر و شکر کر کے انہیں خلعت روانہ کر دیا کرتا۔ جب خلیفہ کے حکم منوانے کا وقت آتا تو وہی سلطان خلیفہ کے حکم پر کان بھی نہیں دھرا کرتے تھے۔

سیف الدین ابوبکر بلاد مصر و افریقہ کا نوعمر ایوبی سلطان تھا۔ اس کی حکومت محض نام کی ہی تھی۔ عنانِ حکومت امرائے مصر کے ہاتھ میں تھی۔

غازی عبداللہ شافعی ایسے ہی مصری اشراف و امراء میں سے ایک تھا۔ مصر میں شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد بے حد زیادہ تھی، اسی لئے آئے دن شافعی اور حنفی مسلک کے افراد میں مختلف انواع کی چپقلش پیدا ہوتی رہتی۔ غازی عبداللہ شافعی کی ایک بیٹی باختہ کو اس کے شوہر نے مسلک کے اختلاف پر طلاق دے دی تو اس نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے اپنے داماد رضی الدین کو بغاوت کے من گھڑت مقدمہ

میں پھنسوا دیا۔ یہ محض انتقامی کارروائی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ رضی الدین کی دور کی رشتہ داری جمال الدین الراحی سے بھی تھی۔ رضی الدین کی ماں روتی پیٹتی ہوئی جمال الدین الراحی کی چوکھٹ پر جا پہنچی۔ جمال الدین الراحی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں غازی عبداللہ شافعی بھی ملوث ہے تو اس کی شیطانی رگ پھڑک اُٹھی۔ وہ عرصے سے اُسے نیچا دکھانے کے چکر میں تھا مگر کوئی ایسا موقعہ ہاتھ نہ لگا۔ رضی الدین کے معاملے میں اس نے اپنی ٹانگ اڑائی اور اپنے بیٹے کے ذریعے جو کہ صیغہ احتساب میں افسر مقرر تھا، از سرِ نو چھان بین کا حکم جاری کروا دیا۔ رضی الدین پر چونکہ جھوٹا مقدمہ بنایا گیا تھا اس لئے چند ہی دنوں کی تحقیق و تفتیش کے بعد اصل حقائق کی قلعی کھل گئی۔ غازی عبداللہ شافعی نے اپنے عہدے کا ناجائز اور بے جا استعمال کیا تھا۔ تمام چھان بین کے بعد جو رپورٹ تیار ہوئی، اُسے جمال الدین الراحی خود لے کر سلطان سیف الدین ابوبکر کے حضور پیش ہوا۔ بھرے دربار میں جمال الدین الراحی نے غازی عبداللہ شافعی کی ایک بے گناہ شخص پر من گھڑت مقدمے کی روداد اور ظلم وستم ڈھانے کا واویلا اس قدر بے چارگی سے مچایا کہ سب امراء غازی عبداللہ شافعی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ غازی عبداللہ شافعی سر جھکائے لاچار کھڑا رہ گیا۔ اس کی اپنے حق میں پیش کی گئی صفائیاں بھی امراء مجلس کا دل مطمئن نہ کر پائیں۔ بالآخر اس نے اپنی بیٹی پر کئے جانے والے ستم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیا کہ واقعی یہ مقدمہ من گھڑت تھا مگر اس کا مقصد ظلم کرنا نہیں بلکہ احساس ذلت پیدا کرنا تھا تاکہ مستقبل میں رضی الدین کسی دوسرے کی بیٹی کے ساتھ ایسا نہ کر پاتا۔ غازی عبداللہ شافعی کے اعتراف جرم نے جہاں سب کو ششدر کر ڈالا تھا، وہیں کئی ایک امراء نے سلطان سیف الدین ابوبکر سے اس کی معزولی کی سفارش بھی کر دی۔ سلطان نے جب امراء کو باہم متفق دیکھا تو اس نے غازی عبداللہ شافعی کی معزولی کے ساتھ ساتھ اس کی قاہرہ سے بھی جلاوطنی کا حکم جاری کر دیا۔ غازی عبداللہ شافعی کو بھرے دربار میں جو خفت وخجالت اُٹھانا پڑی تھی، اس پر اندر ہی اندر جل بھن رہا تھا۔ اس نے جمال الدین الراحی کی جانب کینہ توز نگاہوں سے دیکھا تو جمال الدین الراحی کے چہرے پر اس کے لئے استہزائیہ مسکان سجی ہوئی تھی۔ جمال الدین الراحی نے اپنی راہ کا ایک اور کانٹا ہٹا دیا تھا۔ وہ بلاد مصر پر اپنے اختیارات مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ سلطان مصر کو بھی اپنے دام میں پھنسانے کا خواہش مند دکھائی دے رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

ایک شام بیبرس نجم الدین ایوب کے پاس چلا آیا اور اس کی نشست کے پہلو میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ نجم الدین ایوب کسی گہری فکر میں مبتلا تھا۔ خفیف سی حرکت محسوس ہونے پر اس نے سر گھما کر اس کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''آقا!'' بیبرس ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''ہم یہاں کب تک یونہی پڑے رہیں گے؟''

نجم الدین ایوب اس کی بات سن کر دھیما سا مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں کڑے وقت کی سب تلخیاں عود کر آئی تھیں۔ وہ بڑی اپنایت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے بیبرس کا سر سہلانے لگا۔

''بیبرس! تم دوسروں کے دُکھ درد جلد محسوس کر لیتے ہو۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ تمہارے سینے میں ہر وقت خیر خواہی اور وفاداری کے جذبات کا سمندر موجزن رہتا ہے۔ مجھے یہ بھی احساس ہے کہ تم سے میری یہ بے چارگی اور صعوبت زدہ زندگی برداشت نہیں ہو پا رہی مگر قدرت کی جانب سے کبھی کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ جن کے سامنے انسان بالکل بے بس ولاچار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اُمور جہانبانی بھی کچھ اسی طرح سے ہیں۔ بخدا.....! مجھے لوگوں یا اُن کی زمینوں پر حکومت کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ ہی میں جاہ وحشمت کا

دلدادہ ہوں۔ مجھے تو صرف دین اسلام کے حریفوں کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے جو ہمارے عقب سے بدستور اپنے گھناؤنے وار کئے جا رہے ہیں۔ مسلمان اُن کی پس پردہ عیاریوں اور مذموم حرکات سے بے خبر ہیں۔ وہ انہیں ذلیل وخوار کر کے اس سرزمین پر قبضہ جمانے کی فکر میں ہیں۔ یہاں انہیں اپنے مذہبی مقامات سے بھی کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی وہ خود کو مذہب کے دائرے میں مقید کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی حریصانہ نگاہیں صرف یہاں کی تجارت، پیداوار اور مال ومتاع پر جمی ہوئی ہیں۔ یہ سرزمین اُن کے لئے سونا اُگلتی ہے۔ جو انہیں اپنے ممالک میں نہیں مل سکتا۔ مسلمان حقیقت کو جاننے کے بجائے بدستور اپنی آنکھیں موندے ہوئے ہیں۔ اِن میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں محض اپنی سلطنت کی حدود بڑھانے کی حرص وطمع ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے غلام بن چکے ہیں۔

نجم الدین ایوب کی آواز بھرآنے لگی۔ اس نے توقف کیا اور ایک نگاہ بیبرس پر ڈالی۔ بیبرس کی آنکھیں بھی اس کے کرب زدہ لہجے سے نم آلود ہو چکی تھیں۔ نجم الدین ایوب نے گہرا سانس لیا اور اپنی نشست سے ٹیک لگا کر دوبارہ گویا ہوا۔

''بیبرس! تم شاید یہ جاننا چاہتے ہو کہ ہم یہاں سے کب نکل کر واپس اپنے محلوں میں پہنچیں گے؟ تو یہ بات یاد رکھو کہ ہمارا ملک وہی ہے، جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ یہی زنداں خانہ ہمارا محل ہے۔ دشمنوں سے تو مقابلہ کیا جا سکتا ہے مگر مشیت ایزدی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ ہم اگر یہاں پڑے ہیں تو یہ مشیت ایزدی کا ہی فیصلہ ہے مگر ہماری نیت صاف ہے۔ اس لئے ہمیں جلد ہی اس کا اجر ملے گا۔ ہم چونکہ دشمنان اسلام کے جانی دشمن ہیں، اس لئے ہماری مدد غیب سے کی جائے گی۔ دین اسلام کے لئے ہماری یہ خدمت ہی ہمارا اولین مقصد ہونا چاہیے۔ محل کی عیش وعشرت ایک دن یہیں رہ جائے گی۔ بس یہ دُعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں لڑتے ہوئے شہادت کی موت نصیب کرے اور آخرت میں اپنے حضور سرخرو رکھے''۔

''آقا!'' بیبرس سر جھکائے بولا۔ ''آپ واقعی عظیم انسان ہیں، آپ کی آنکھوں میں دین کے لئے جو جذبہ میں نے دیکھا ہے۔ وہ پہلے مجھے کبھی دکھائی نہیں دیا۔ انشاءاللہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے اور مجھے ہر جگہ اپنا محافظ ومعاون پائیں گے''۔

''تم میری فکر چھوڑو! ان لوگوں کا خیال رکھو جنہوں نے ہمارے ساتھ غلامی کی زندگی کو ترجیح دی ہے، اگر وہ چاہتے تو ہمارا ساتھ چھوڑ کر آج آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہوتے۔ مجھے اپنے عم زاد سے بھلائی کی توقع بالکل نہیں''۔

''آپ فکر وتردد نہ کریں۔ وہ سب اپنے فعل پر مطمئن ہیں اور آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں ذرا بھی ملال نہیں کہ وہ مقید ہیں''۔

''کوئی نئی خبر تو نہیں پہنچی''۔

''نہیں! دمشق پر بدستور عماد الدین اسماعیل کا ہی قبضہ ہے۔ لوگوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان کا حاکم بدل گیا ہے۔ اُمراء ریاست بھی اسی کی چاپلوسی میں لگے ہیں''۔

''اُمراء کی بات چھوڑو۔ وہ تو اپنی غرض اور نہ ختم ہونے والی خواہشات کے غلام ہیں۔ جہاں سے ان کی جھولی میں کچھ پڑا، بس اُسی کا کلمہ ان کی زبان پر آیا''۔ نجم الدین ایوب منہ بناتے ہوئے بولا۔ بیبرس اس کے چہرے پر چھائی ہوئی یاسیت دیکھ کر جہاں مغموم ہو رہا تھا۔ وہیں اُسے محسوس ہوا کہ اس کا آقا اب تنہائی چاہتا ہے، لہٰذا اس نے وہاں سے اُٹھنے میں ذرا تامل سے کام نہیں لیا اور وہاں سے نکل آیا۔ طرح طرح کے خیالوں کے ہجوم

میں غرق نیرس بالائی منزل کے آخری حصے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اچانک کسی کی سرگوشی نما آواز نے اسے چونکا دیا۔ یہ اس کی تربیت کا خاصہ تھا کہ وہ اجنبی سرگوشیوں سے فوراً ہوشیار و چوکنا ہو جایا کرتا تھا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان گذشتہ کئی دنوں سے پہاڑوں اور دور دراز کے قبائلی علاقوں میں مسلسل محوِ سفر تھا۔ وہ مطیع الدین کی تلاش میں کونہ کونہ چھانتا پھر رہا تھا۔ اس کے ہمراہ سپاہ کا دستہ بھی اس کے جارحانہ انداز سے خاصا بدگمان دکھائی دیتا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اس کے سب انداز ے غلط ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے تلواریں اور بڑی زنجیریں کاٹنے والی تمام بڑی قینچیوں کے مالک قبائل پر اچانک چھاپے مارے مگر انہیں مطیع الدین یا سرخوں کے قبیلے میں ہونے والی واردات کا کچھ علم نہیں تھا۔ برقائی خان اپنی لگاتار ناکامی پر زچ ہو کر رہ گیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ منگولوں کے مسلمانوں سے تعصب کا نشانہ نہ بن جائے۔ البتہ اسے یہ حیرت ضرور تھی کہ وہ کون شخص تھا؟ جس نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر مطیع الدین کو سرخوں کے چنگل سے اُڑا لیا تھا۔ دوسرا اُسے مطیع الدین سے کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ ایک جگہ رُک کر کڑکتی دوپہر میں برقائی خان نے سرسبز وادی میں خیمے لگوائے۔ سپاہ نے مجبوراً خیمے گاڑتے ہوئے کینہ توز نگاہوں سے برقائی خان کو دیکھا۔ جبکہ برقائی خان نے ان کی اس حرکت پر ذرا سا بھی ردِعمل نہیں دکھایا۔ سپاہ کا کماندار خیمے لگوا کر برقائی خان کے پاس چلا آیا۔ برقائی خان نے اس پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔

''قاآن زادے......!'' کماندار اپنی عادت کے تحت چیختے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔ ''اس بے کار کی سیر و سیاحت سے میں اور میرے سپاہی تنگ آ چکے ہیں۔ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے، اس بارے میں تو ہمیں کوئی واضح علم نہیں مگر سپاہ کے ساتھ تمہارا سلوک ناروا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ سپاہ کا مزاج کیا ہوتا ہے؟ اس کے باوجود تم انہیں یوں گھسیٹتے پھر رہے ہو جیسے یہ تمہارے مجرم ہیں اور تم انہیں کوئی سزا دینا چاہتے ہو''۔

''کماندار......!'' برقائی خان اس کی جانب شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔ ''میرے ساتھ بات کرتے ہوئے تمہیں اپنی حدود میں رہنا چاہئے۔ تمہارا لہجہ حد سے زیادہ گستاخانہ ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں اس بات کی سزا اسی خوفناک ویرانے میں دے سکتا ہوں اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قاآن زادوں سے گستاخی کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟''

''ہم... ہم...... میرا مطلب یہ نہیں تھا''۔ وہ لمحہ بھر میں ممیا اُٹھا۔ پل بھر میں اس کی ساری اکڑ غائب ہو گئی۔

''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا مطلب کیا ہے......؟ کیا تم مجھے نہیں دیکھ رہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ برابر یہ صعوبت کاٹ رہا ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں کہ ویرانے میں مارا مارا پھرتا پھروں۔ مجھے اپنے دوست کی تلاش ہے جو کسی قبیلے کی قید میں ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس قبیلے کی قید میں ہو سکتا ہے۔ محض شک کی بنیاد پر میں اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ اگر تم میں مزید ہمت باقی نہیں رہی تو میری جانب سے تمہیں کھلی اجازت ہے کہ تم واپس اپنی سپاہ کو لے کر سرائے لوٹ جاؤ''۔

''ہم واپس نہیں لوٹ سکتے۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر قیمت آپ کے ہمراہ رہیں اور جب بھی واپس لوٹیں تو آپ ہمارے ہمراہ ہوں''۔

کماندار کا لہجہ خاصا بدل گیا تھا۔

''میں قاآن اعظم سے اس بارے میں خود بات کر لوں گا۔ تم کھانے پینے کا ضروری سامان اور دو

گھوڑے یہاں چھوڑ دو۔ جس قدر چاہو آرام کرو اور اس کے بعد واپس لوٹ جاؤ۔ کل صبح تک تم سرائے پہنچ جاؤ گے''۔ برقائی خان نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ یہاں تنہا رہ جائیں گے...... !''

''میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ اپنی حفاظت کرنا مجھے خوب آتی ہے''۔

''ہم قاآن اعظم کو واپس جا کر کیا جواب دیں گے......؟'' اس نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے......!''

وہ کچھ نہیں بولا۔ بس خاموشی سے اپنے خیمے کی جانب لوٹ گیا۔ برقائی خان خود بھی سپاہ کے ساتھ خود کو پابند سا محسوس کر رہا تھا۔ اسے ایسے لگ رہا تھا کہ سپاہ کے ساتھ نے اس کی تمام صلاحیتیں سلب کر ڈالی ہیں۔ دو گھنٹے کے آرام کے بعد کماندار نے اپنے دستے کو واپسی کا مژدہ سنایا تو ان کے مرجھائے چہرے جیسے کھل اُٹھے۔ وہ بڑے جوش و خروش سے تیاریاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد سپاہ کا دستہ دھول اُڑاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ برقائی خان کو ایسے لگا جیسے اس کے کندھوں پر سے کوئی بڑا بوجھ اُتر گیا ہو۔

❁ ❁ ❁

تونائی خان کی بیٹی گل دتوژا اپنے محبوب کے انتظار کے کرب میں مبتلا تھی۔ اُسے اب تک لوٹ آنا چاہئے تھا مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ بے چینی و بے تابی کے عالم میں کئی مرتبہ اُس کے قدم خود بخود اُسی بالکونی کی جانب اُٹھ جایا کرتے، جہاں سے اُسے کبھی مطیع الدین کی معصوم سی صورت دکھائی دیا کرتی تھی۔ ذقائی قبیلے کے سردار مانجی خان نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ سرخوں کی قید سے مطیع الدین کو ضرور رہا کرائے گا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وعدہ خلافی کرنا مانجی خان کے مزاج کے خلاف تھا۔ پھر ایسی کون سی بات تھی کہ مطیع الدین ابھی تک واپس لوٹ نہیں پایا۔ حالانکہ مانجی خان نے اس سے معاوضہ بھی پیشگی موصول کر لیا تھا۔ وہ انہی خیالوں میں کھوئی اِدھر اُدھر سارا دن بھٹکتی رہتی۔ وہ اس بات سے بھی بالکل بے خبر تھی کہ اس کا باپ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ وہ اس کی حرکات و سکنات کئی دن سے بغور دیکھ رہا تھا۔ ایک شام جب وہ بالکونی میں تنہا مطیع الدین کی خوشگوار یادوں میں محو بیٹھی تھی، کہ تونائی خان وہاں چلا آیا۔ اُس نے گل دتوژ کو عقب میں سے آواز دی۔ گل دتوژ کچھ زیادہ ہی کھوئی ہوئی تھی۔ اس نے باپ کی آواز نہ سنی۔ تونائی خان اس بار قدرے غصے میں مخاطب ہوا تو وہ بری طرح سے بڑبڑا اُٹھی۔ اس نے تیزی سے اُٹھنے کی کوشش کی مگر اپنے ہی کپڑوں میں اُلجھ کر رہ گئی۔

''میں کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے آپ میں نہیں ہو''۔ تونائی خان قریباً اسے گھورتے ہوئے بولا۔ گل صورتِ حال کچھ ایسی تھی کہ جیسے اسے چوری کرتے پکڑ لیا گیا ہو۔

''ن... ن...... نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں...... !''

''دیکھو لڑکی......! مجھ سے فضول میں کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو''۔

''میں کیا چھپاؤں گی بھلا......!''

''میں نادان نہیں ہوں گل......! میں نے دنیا کی خاک چھانی ہے۔ جوانی کے جس دور سے تم گزری ہو۔ وہاں سے میں بھی گزر کر آیا ہوں۔ جوانی میں اکثر قدم بہک جایا کرتے ہیں۔ تمہاری بے چینی اور بے تابی بھی مجھے کوئی ایسی ہی کہانی سنا رہی ہے''۔ تونائی خان قدرے نرم لہجے میں بولا۔

''بابا...! آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اگر آپ میری تنہائی سے کوئی غلط مطلب نکال بیٹھے ہیں تو اس میں میری طبیعت میں ناسازی کو دخل ہے''۔

''بہانہ بازی مت کرو لڑکی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جوانی کے بہانوں میں خرابی، طبیعت کا ہی سہارا لیا جاتا ہے''۔ وہ تمسخرانہ ہنسا۔ اس کے لہجے میں گہرا طنز عیاں تھا۔ گل دقوژ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

''دیکھو......! اگر تمہارا دل کسی پہ آ گیا ہے تو اس کا نام دپتہ مجھے بتا دو۔ میں تمہارا باپ ہوں، کوئی دشمن نہیں۔ ویسے بھی تمہاری عمر اب شادی کی ہو رہی ہے۔ اگر تمہاری ماں آج زندہ ہوتی تو یہ باتیں وہی پوچھتی۔ سوتیلی مائیں بھلائی نہیں، برائی سوچا کرتی ہیں۔ اسی لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری رائے کو فوقیت دینا چاہئے''۔

گل دقوژ کا چہرہ حیا کی سرخی سے سرخ ہونے لگا۔ وہ نگاہیں نیچی کئے خاموش بیٹھی رہی۔

''کیا اُس کا تعلق ازقائی قبیلے سے ہے......؟'' تونائی خان نے قدرے توقف سے اچانک سوال کیا۔

گل دقوژ حیرت سے گرتے گرتے بچی۔

''ٹھیک ہے......! میں سمجھ گیا ہوں''۔

''نن......نن......نہیں آپ غلط سمجھے ہیں''۔ گل دقوژ بے اختیاری کے عالم میں تیزی سے بولتی چلی گئی۔

تونائی کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں دبیز ہونے لگیں جیسے وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا ہو۔

''میں یہی جاننے کی خواہش لئے یہاں آیا ہوں......!'' تونائی خان کا لہجہ بے حد مشفقانہ تھا۔

''ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے''۔ وہ بے دلی سے بولی۔ اس کا ہاتھ لگاتار پلو سے کھیلنے میں مصروف تھا۔ اس کے دل پر عجب سی گدگدی طاری تھی۔ وہ اپنا مدعا زبان پر لانا بھی چاہتی تھی مگر اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''تو تم ازقائی قبیلے میں کیا کرنے گئی تھی؟''

تونائی خان نے اس بار قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ اس پیچیدہ سوال کے بارے میں گل دقوژ کے پاس کوئی واضح جواب نہیں تھا۔ وہ اپنے ذہن میں لفظوں کو ترتیب دینے کی کوشش کرنے لگی۔

''تم خاموش کیوں ہو......؟'' تونائی خان اس کی چپ پر جھنجھلا اُٹھا۔

''میرے پاس! اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے کہ میں ازقائی قبیلے میں کیوں گئی تھی؟ اگر میں یہ کہوں کہ یہ محض اتفاق تھا۔ میں سیر کی نیت سے گھر سے نکلی تھی کہ میرا گھوڑا بے قابو ہو گیا اور جب تک وہ تھکا......میں ازقائی قبیلے پہنچ چکی تھی۔ میں کچھ دیر کے لئے وہاں ستانے کی نیت سے رُک گئی تھی۔ اگر میں یہ کہوں کہ یہ سب اتفاق تھا تو شاید آپ یقین نہیں کریں گے''۔

''میرا خیال ہے کہ تم اس وقت اس بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ میں فی الحال جا رہا ہوں اس موضوع پر پھر دوبارہ بات ہوگی۔ تم اس بارے میں اچھی طرح غور وخوض کر لو......ہاں ایک بات کان کھول کر سن لو کہ میں جلد ہی تمہاری شادی طے کرنے والا ہوں۔ وقت ضائع کرنا تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا''۔ تونائی خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ گل دقوژ اپنے باپ کے آخری الفاظ پر پریشان ہو گئی تھی۔ وہ کافی دیر تک سکتے کے عالم میں گم صم بیٹھی رہی......!!!

❀ ❀ ❀

مطیع الدین وہاں سے خاموشی کے عالم میں اپنے خیمے میں لوٹ آیا تھا۔ اس کا ذہن مسلسل ادھیڑ بن کا شکار تھا۔ گل......گل......یہ نام لگاتار اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح ضربیں لگا رہا تھا۔ یہ سب کیا تھا؟ کیا واقعی گل دقوژ نے درندہ صفت قبیلے سے اس کی جان خلاصی کرانے میں معاونت کی تھی؟ مگر کیسے......؟

مطیع الدین کا دماغ پھٹنے کے قریب ہو چکا تھا۔ سوالات کی لمبی قطار اس کے دل ودماغ میں سرایت کئے

جا رہی تھی۔ جس سے روح میں تشنگی کا عالم بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کئی بار ان سوچوں کا دھارا موڑنے کی کوشش کی مگر ہر بار ناکامی ہی اس کا مقدر بنی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔

''یہی ہو سکتا ہے''۔ وہ زیرلب بڑبڑایا۔ ''یقیناً میں نے مدہوشی کے عالم میں گل دقوژ کے بارے میں کوئی جملہ کہا ہوگا۔ جس کی اطلاع سردار مانجی خان کو دی گئی ہوگی۔ اس نے مجھے صرف اسی نام پر ہی یہاں روکنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے گل کہہ کر میری دکھتی رگ پر ہاتھ تو ڈال دیا ہے مگر اس نے پورا نام نہیں لیا۔ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کو صرف گل ہی سمجھ آیا ہو۔ یقیناً یہی بات ہوگی''۔

ایک گہرا سانس اس کے ہونٹوں سے خارج ہو گیا۔ وہ خود کو یوں بے وقوف بنتے دیکھ کر خود ہی مسکرانے لگا۔ ''سردار مانجی خان تم بھی کمال کے داؤ پیچ کھیلتے ہو......!'' اس نے اُسے دل میں داد دی مگر اسے میرے یہاں قیام سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ایک دوسرا سوال ذہن میں اُبھرا۔ ممکن ہے کہ یہ اسی درندہ صفت قبیلہ کی ہی کوئی کارستانی ہو۔ انہوں نے شاہی عتاب سے بچنے کے لئے ایسا کیا ہو مگر شاہی عتاب ان پر کیسے نازل ہو سکتا ہے؟ میرے باپ کی اتنی حیثیت تو ہے نہیں کہ وہ شاہی دربار تک رسائی حاصل کر لے۔ باپ کے مشفقانہ چہرے کو تصور کے پردے پر دیکھ کر وہ بے چین سا ہو گیا تھا۔ جوان بیٹے کی گمشدگی نے اس کے باپ پر کیا اثر ڈالا ہوگا؟ وہ یہ محسوس کر کے تڑپ سا گیا۔ خیالوں کا ہجوم ایک بار پھر اس کے ذہن پر چھانے لگا۔ اچانک اُسے برقائی خان کی یاد آ گئی۔ اس کا مہربان دوست اسے خیمے میں نہ پا کر کتنا پریشان ہو رہا ہوگا۔ جانے وہ اس کی تلاش میں کہاں کہاں بھٹک رہا ہوگا؟ باپ اور مہربان دوست کے خیال نے اُسے اتنا بے تاب کر دیا تھا کہ اس نے فوراً واپس جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اُسے ازقائی قبیلے سے فرار ہونے کے لئے کسی تدبیر کا سہارا مطلوب تھا۔

❀ ❀ ❀

ہیرس نے تیزی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دبی دبی سی آوازیں آخری حصے میں موجود ایک چھوٹے سے کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ چپکے سے آگے بڑھا اور دروازے میں موجود چھوٹے سے سوراخ میں سے اندر جھانکنے لگا۔ اندر جو کوئی بھی تھا۔ وہ اُسے واضح طور پر دکھائی نہیں دیا۔ اس نے آوازوں پر غور کیا تو معلوم پڑا کہ ان میں سے ایک آواز اس کے ترک استاد اور آقا کے سب سے وفادار غلام ابوخویلد کی ہے۔ دوسری آواز کچھ انجانی سی لگی۔ اس نے بہتیری کوشش کی کہ آوازوں کا مفہوم سمجھ میں آ سکے مگر اس کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ البتہ ایک آدھ دفعہ نجم الدین ایوب کا نام لیا گیا تھا جو اس کی سماعت میں اتر گیا تھا۔ اس نے لمحہ بھر میں فیصلہ کیا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔ اندر موجود صاحبان چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ شاید ہیرس کی آمد ان کی توقع کے خلاف تھی۔ ہیرس نے تیز نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔ کمرے میں روشنی زیادہ نہیں تھی۔ دیوار پر آویزاں مشعل کی ملگجی زرد روشنی ماحول کو مزید پراسرار بنائے ہوئے تھی۔ ایک چھوٹی سی لکڑی کی میز کے گرد تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ابوخویلد کے علاوہ بہاءالدین زہیر اور ایک ناشناسا شخص تھا۔ وہ تینوں ہیرس کی صورت دیکھ کر حیرت کے عالم سے باہر نکل آئے۔ کچھ توقف کے بعد ابوخویلد اس سے گویا ہوا۔

''ہیرس......! تمہیں پہلے باہر دروازے پر دستک دینا چاہئے تھی۔ پھر اندر آنا چاہئے تھا''۔

''استادِ محترم! میں اِس کوتاہی کی معافی چاہتا ہوں۔ میں اپنے خیالوں میں گمن یہاں سے گزر رہا تھا کہ در و دیوار نے مجھے مخاطب کیا کہ یہاں کچھ گڑبڑ ہے۔ کوئی میرے آقا کے خلاف سازش کا تانا بانا تیار کر رہا ہے۔ اس لئے بلا اجازت بے دھڑک اندر گھس آیا''۔

''ہیرس! تمہارے انداز میں جارحیت کے ساتھ ساتھ بے ادبی بھی جھلک رہی ہے۔ تم یہ مت بھولو کہ تم

نجم الدین کے معمولی سے غلام ہو"۔ بہاء الدین زہیر اس کے انداز پر پھٹ پڑا۔

"معزز امیر! میں آپ کی تہہ دل سے عزت کرتا ہوں مگر اپنے آقا کی حفاظت کرنا بھی میری ذمہ داری ہے۔ یاد رکھئے کہ جب تک میں زندہ ہوں اُن کی ذات پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا"۔

بہاء الدین زہیر نے کچھ بولنا چاہا تھا کہ ابوخویلد نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔

"بیبرس! یہاں آؤ! تم شاید ہماری گفتگو کو غلط مطلب دے رہے ہو"۔ ابوخویلد نرمی سے بولا۔ "یہاں نجم الدین ایوب کے بارے میں کسی قسم کی سازش کی منصوبہ بندی نہیں کی جا رہی، بلکہ ان کی نادیدہ مدد کے لئے علاح و مشورے کئے جا رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم بھی چلے آئے ہو۔ یقیناً ہم اکٹھے بیٹھ کر کوئی عمدہ لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں"۔

ابوخویلد کے چہرے پر چھائی ہوئی سچائی کی جھلک دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لئے خود کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بیبرس نے بھی آگے بڑھ کر ان کے برابر نشست سنبھال لی۔

❀ ❀ ❀

غازی عبداللہ شافعی کو قاہرہ سے رسوا کر کے نکالا گیا تھا۔ وہ مایوسی کے عالم میں قاہرہ سے خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نکلا اور 7 شعبان 637ھ کو شہر الکرک پہنچا۔ اس کا ارادہ دمشق جانے کا تھا مگر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ نجم الدین ایوب قلعہ الکرک کے زندان خانے میں مقید ہے تو اس نے دمشق جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ نجم الدین ایوب سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں جمال الدین المراحی سے خوفناک انتقام لینے کی خواہش کروٹیں لینے لگی۔

وہ ان دنوں الکرک کی ایک چھوٹی سی سرائے میں مقیم تھا۔ ایک شام اُس نے عمدہ پوشاک زیب تن کی اور قصر شاہی کی راہ لی۔ اس کے انداز و اطوار سے دربان محافظوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص امراء کے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ پوچھ گچھ کے بعد اسے شاہی مہمان خانے تک پہنچا دیا گیا۔ کافی دیر تک اسے انتظار کرنا پڑا پھر جا کر حاکم الکرک الملک الناصر داؤد کی آمد ہوئی۔ اس کی آمد پر وہ مؤدب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ الملک الناصر داؤد نے اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالی اور پھر استفہامیہ انداز میں اسے تکنے لگا۔

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ میں نے آپ کے قیمتی وقت میں جو نقب لگائی ہے۔ اس کے لئے تہہ دل سے معذرت کا خواستگار ہوں۔ میرا نام غازی عبداللہ شافعی ہے اور میں بلادِ مصر کا باسی ہوں۔ ایک خاص امر کے لئے آپ کو تکلیف دینے کی خواہش لئے یہاں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری خواہش کو رد نہیں فرمائیں گے"۔

"میرا خیال ہے کہ میں تمہاری گفتگو کا مطلب سمجھ نہیں پایا ہوں۔ تم صاف الفاظ میں بیان کرو کہ تمہیں کیا چاہئے......؟"

"حاکم الکرک......! آپ تو سلطانِ باکمال ہیں۔ جو کچھ مجھے چاہئے وہ آپ کی قدرت و دسترس میں ہے، صرف آپ کا قول درکار ہے کہ واقعی مجھے مل جائے گا"۔

"مدعا جانے بغیر میں تمہیں کوئی قول و قرار کیونکر دے سکتا ہوں......؟"

"میں سلطان عالی کو مجبور بھی نہیں کر سکتا اگر قولِ ایفا میسر آ جاتا تو میں پرامید ہو جاتا"۔

"مصری امیر......!" الملک الناصر داؤد نرم لہجے میں گویا ہوا۔ "تم بے فکر رہو، ہم حتی الامکان کوشش کریں گے کہ تمہاری ہر جائز بات کو پورا کیا جا سکے تا کہ تم یہاں سے ناخوش نہ جاؤ"۔

"میرے علم میں آیا ہے کہ بلادِ شرقیہ کے سلطان نجم الدین ایوب کو آپ نے کسی قلعہ میں قید کر رکھا ہے۔

مم ...مم ... میں اُن سے ایک ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔ غازی عبداللہ شافعی نے ہمت باندھ کر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی یہ الگ بات تھی کہ اس کی آواز فرط خوف سے لرزتی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا کہا تم نے ... نجم الدین سے......؟" الملک الناصر داؤد اس کی غیر متوقع فرمائش پر چونک اُٹھا۔ غازی عبداللہ شافعی کا سر غیر ارادی طور پر اثبات میں ہل گیا۔ دوسرے لمحے جیسے اسے کچھ ہوش آیا تو وہ متوحش نگاہوں سے سلطان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ دوسری طرف الملک الناصر بھی کوئی ایسی بات سننے کے لئے پہلے سے تیار نہیں تھا۔ اس لئے ابھی تک اس کا چہرہ تصویرِ حیرت بنا ہوا تھا۔

"مصری امیر! تم نے مجھے لمحہ بھر کو پریشان کر ڈالا ہے۔ بہرکیف میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہیں اُس سے کیا کام ہے......؟"

"میں اُن کے ساتھ کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ خصوصاً اُن کے چھوٹے بھائی سیف الدین ابوبکر کے حوالے سے ... !"

"کیا کوئی سرکاری پیغام وغیرہ ہے......؟"

"نہیں......نہیں یہ سرکاری معاملہ نہیں بلکہ میری ان سے نجی ملاقات کہی جا سکتی ہے"۔

"اگر میں تمہیں اس امر کی اجازت نہ دوں تو......؟" الملک الناصر قدرے گھورتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ ناچیز کے ساتھ ایسا ناروا سلوک نہیں کریں گے"۔

الملک الناصر اس کے اندازِ بیان پر لاشعوری طور پر ہنس پڑا۔ "ٹھیک ہے تم کل صبح یہاں آ جانا اور یہاں سے اجازت نامہ وصول کر لینا لیکن یاد رکھو تمہیں صرف ایک ہی ملاقات کی اجازت دی گئی ہے......!"

"میں آپ کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ میرے پاس موزوں الفاظ نہیں، جن سے میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں"۔

"ملاقات کل شام تک مکمل ہو جانا چاہئے۔ کہیں یہ نہ ہو کہ زنداں خانے میں ایک اور باسی کا اضافہ ہو جائے"۔ الملک الناصر کے چہرے پر شگفتگی چھائی ہوئی تھی۔ غازی عبداللہ نے اس کی جانب دیکھا تو زچ سا ہو گیا۔ اُس نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا۔ اسے اتنی زیادہ امید نہیں تھی کہ الملک الناصر یوں آسانی کے ساتھ نجم الدین ایوب سے ملاقات کی اجازت پر رضامند ہو جائے گا۔ اس کا دل اپنی پہلی کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ اُس نے نجم الدین ایوب سے بغیر ملے ہی بے شمار امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ وہ بڑی بے تابی سے اگلی صبح کا انتظار کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین تیسرے دن کی رات کی تاریکی میں چپکے سے اُٹھا اور خیمے سے نکل کر دبے قدموں اصطبل کی جانب بڑھ گیا۔ اصطبل کے پاس پہنچ کر وہ ٹھٹھک سا گیا، کیونکہ جو اُسے وہاں دکھائی دیا تھا اس کے لئے وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار نہیں تھا۔ وہاں سردار مانجی خان پہلے ہی سے دو افراد کے ساتھ موجود تھا۔ مطیع الدین کے ماتھے پر پریشانی کی شکنیں نمودار ہونے لگیں کیونکہ اس کا ارادہ وہاں سے گھوڑا چرا کر فرار ہونے کا تھا۔ اس نے ان کی گفتگو پر کان لگانے کی کوشش کی تو جو کچھ اس کے کانوں میں پڑا۔ اس سے اُس کی پریشانی جاتی رہی اور چہرے پر خوشگواری کا عالم چھانے لگا۔ وہ لمحہ بھر میں اپنے اگلے قدم کے بارے میں طے کر چکا تھا۔ سردار مانجی خان انہیں کسی خاص مہم پر روانہ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔ اُسے اب اپنی نئی منصوبہ بندی کے مطابق محض ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں سے نکلنا تھا۔ اگر وہ کامیابی کے ساتھ اُن کا تعاقب کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ نہ

صرف اس بستی کی حدود سے دور نکل سکتا تھا بلکہ کسی دوسرے مقام پر پہنچ کر اسے سرائے کا پتہ معلوم کرنا آسان دکھائی دیا تھا۔ اس کے ذہن میں سردار مانجی خان کی وہ بات ابھی تک گونج رہی تھی کہ اسے وہاں سے نکل کر لمبی مدت تک پہاڑی علاقوں میں دربدر بھٹکنا پڑے گا۔ اُس کے بیان کے مطابق وہاں اس بستی کے سوا دور دور تک کوئی دوسری انسانی بستی موجود نہیں تھی۔

مطیع الدین کے لئے یہ کڑا امتحان تھا کہ وہ نہ صرف ازقائی قبیلے کی نگاہوں میں آئے بغیر وہاں سے فرار ہو جاتا بلکہ اُسے اپنے آگے سفر کرنے والے دونوں صاحبان کی نگاہوں سے بچنا بھی ضروری تھا۔ وہ کافی دیر تک وہیں دبکا بیٹھا رہا۔ سردار مانجی خان اُن سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ کافی دیر کے بعد سردار مانجی خان نے انہیں اپنے سامنے روانہ کیا۔ کچھ دور جا کر وہ تاریکی میں گم ہو گئے تو سردار مانجی خان اطمینان سے چلتا ہوا واپس اپنے مکان کی جانب بڑھ گیا۔ مطیع الدین نے اس کے جانے کے کچھ دیر بعد حرکت کی اور دبے قدموں سے چلتا ہوا اصطبل کے پاس پہنچ گیا۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے اصطبل کے چاروں جانب نہایت احتیاط سے جائزہ لیا۔ وہ ہر ممکنہ خطرے کو قبل از وقت اچھی طرح جانچ لینا چاہتا تھا۔ اسے اگر کسی بات کا قلق تھا تو وہ ہتھیار کی عدم موجودگی تھی۔ اگر اس کے پاس تلوار ہوتی تو شاید اس کی ہمت بڑھ جاتی۔ خالی ہاتھوں کے ساتھ وہ اپنا دفاع کرنے سے بھی معذور تھا۔ کافی دیر تک وہ یونہی اصطبل کے گردونواح کا جائزہ لینے میں مصروف رہا۔ جب ہر طرح سے تسلی ہو گئی تو اس نے ایک سیاہ گھوڑے کا انتخاب کیا۔ گھوڑے کی باگیں تھام کر اس نے آہستگی کے ساتھ ایک جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ پوری طرح چوکنا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے باگیں تھامے ہوئے تھا تو دوسرے ہاتھ سے مسلسل اس کی گردن سہلا رہا تھا۔ اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں گھوڑا اُسے اجنبی جان کر بے وقت ہنہنانے نہ لگے۔ تقدیر اس کے ساتھ تھی۔ وہ خیریت کے ساتھ بستی سے باہر نکل آیا۔ اندھیری رات میں اُسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ کہیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ یہ یقیناً وہی گھڑ سوار تھے جو کچھ دیر پہلے وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ مطیع الدین نے اللہ کا نام لیتے ہوئے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کی۔ زین کے بغیر کسی گھوڑے پر سفر کرنا اس کے لئے پہلا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد مطیع الدین نے ایک بار پھر چاروں جانب نگاہ دوڑائی۔ ہر طرف گہری خاموشی کا قبضہ تھا۔ اس نے دھیرے سے ایڑ لگائی اور اسی سمت میں روانہ ہو گیا جدھر وہ دونوں سوار گئے تھے۔ وہ ٹاپوں کی آواز کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ اندھیری رات نے اس کا کام قدرے دشوار کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ خدائی مدد کے سہارے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک ایسی نامعلوم منزل کی جانب جس کے بارے میں وہ خود بھی بے خبر اور لاعلم تھا۔

❁ ❁ ❁

''ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ نجم الدین ایوب بڑا راسخ الایمان اور بااصول شخص ہے۔ اسے کسی قسم کی بے ایمانی پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج اس حال تک آن پہنچا ہے۔ اُمور جہانبانی میں فہم و فراست کے ساتھ سیاست سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ نجم الدین ایوب میں ایسی صلاحیت مفقود ہے بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار اپنی حفاظت کے لئے غلط راہ کو اپنانا ضروری بلکہ مجبوری بن جاتا ہے۔ نجم الدین ایوب اپنی مخصوص تربیت کے باعث سچائی کی خاطر اس سودا پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا''۔

بہاء الدین زہیر نے کچھ لمحے توقف کے بعد اپنی بات شروع کی۔ ہیرس اِن کے درمیان بیٹھ تو گیا تھا مگر اُسے ابھی یہ معلوم نہیں ہو پایا تھا کہ آخر اس مجلس کا مرکزی مقصد کیا ہے......؟ اُسے بہاء الدین زہیر کی باتوں سے اختلاف تو نہیں تھا مگر غلط راہ پر چلانے کا مشورہ اسے بھی پسند نہیں آیا۔

''تم کھل کر کہو بہاء الدین......! تمہارے خیال میں وہ کون سا راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے ہم اپنے آقا کو اس مصیبت سے نکال پائیں گے''۔ ابوخویلد نے پوچھا۔

''میں اسی راہ کی تو بات کر رہا ہوں۔ اس راہ کا نام ہے دوہرا ردیہ، تصنع اور بدی کا جواب صرف اور صرف بدی...... اگر آپ چاہتے ہیں کہ نجم الدین ایوب اپنا اقتدار واپس لینے میں کامیاب ہو جائے اور اس کے حریف اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں تو اُسے اسی راہ کو اپنانا ہو گا۔ یہ موجودہ وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ جو کچھ اس کے دل میں ہے، وہ اس کے برخلاف عمل کرتا دکھائی دے۔ جس کو نیچا دکھانا ہو اس کے ساتھ دشمنی کے ساتھ ساتھ دوستانہ مراسم بھی بنا کر رکھے اور وار اس وقت کرے، جب وہ مکمل طور پر نرغے میں آ چکا ہو۔ دشمن کو آواز دے کر وار کرنے سے تو وہ خبردار ہو جاتا ہے۔ پھر کامیابی اسی کو ہوتی ہے جو عمدہ چالیں چلتا ہے۔ البتہ اگر دشمن کو یہ باور کرایا جائے کہ ہماری جانب سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں تو وہ غافل ہو جائے گا۔ اس کو اپنی لپیٹ میں لینا آسان امر ہو گا''۔

''کیا تم اس بات کی مزید وضاحت کر سکو گے؟'' محفل میں موجود اجنبی شخص اچانک بولا۔

''بالکل...... اس کی تازہ مثال حاکم الکرک ہے۔ اس نے نابلس میں حتی الامکان جنگ سے گریز کیا اور یہ باور کرایا کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتا اگر وہ جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا تو وہ میدان جنگ میں سپاہ کے ساتھ کیوں اُترا تھا؟ وہ جنگ روایتی انداز میں لڑنے کے بجائے عقلی انداز میں لڑنے کا خواہش مند تھا۔ روایتی جنگ میں تو جو طاقت ور ہوتا وہ جیت جاتا۔ عقلی جنگ میں طاقت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور تم لوگوں نے یہ دیکھا کہ اس نے نجم الدین ایوب کو قصر سلطانی سے نکال کر زنداں خانے میں پہنچا دیا۔ یہ ایک سیاسی حربہ ہے۔ اس نے پیچ کی راہ اپناتے ہوئے اور دوہرا ردیہ اختیار کرتے ہوئے اپنا اصل مقصد پا لیا۔ نجم الدین ایوب کو بھی اسی راہ پر چلنے کی اشد ضرورت ہے''۔

''معزز امیر! اگر میرے آقا بھی ایسا ہی عمل اختیار کریں گے تو اُن میں اور اُن کے حریفوں میں کیا فرق باقی رہ جائے گا''۔ ہیرس ناگواری سے بولا۔ اس کا چہرہ خاصا برہم دکھائی دے رہا تھا۔

''اقتدار میں فرق نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اصل اہمیت نیت کی ہے اگر سلطان کی نیت صاف ہے اور وہ ایک ٹیڑھے معاملے کو موزوں طریقے سے سنوارنے میں ناکام رہ جاتا ہے تو یہ امر ضروری ہو جاتا ہے کہ اس ٹیڑھے معاملے کو اسی ترکیب سے حل کیا جائے۔ جس کا وہ متقاضی ہے۔ اس کی مثال امام ابی حنیفہؒ سے دی جا سکتی ہے۔ جب ایک عیسائی مبلغ نے اپنے چند پیچیدہ سوالات سے عالم اسلام کے ذہین و فطین علماء و اسلاف کو پریشان کر ڈالا تو انہوں نے آگے بڑھ کر اُسی کے انداز میں اسے لاجواب کرتے ہوئے دشمنان اسلام کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر ڈالا تھا''۔

ہیرس اس کی بات سن کر خاموش تو ہو گیا تھا مگر اس کا دل بہاء الدین زہیر کی باتوں سے مطمئن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ابوخویلد نے یہ بات سختی سے محسوس کی تھی۔

''برخوردار......!'' ابوخویلد نے نرم لہجے میں ہیرس کو مخاطب کیا۔ ''میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ تم جذبات کی رو میں بہہ کر خود پر قابو نہیں رکھ پا رہے اور ہمارے خلوص پر پے در پے بدگمانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ صحیح طرز فکر نہیں ہے۔ تمہیں یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم سب اپنے آقا سے محبت کرنے والے لوگ ہیں اور آج اگر یہ صعوبت زدہ زندگی گذار رہے ہیں تو یہ بھی انہی کی بدولت ہے۔ یہاں مل بیٹھ کر مشورہ کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ کوئی ایسی راہ نکالی جائے کہ آقا واپس مصر پہنچ جائیں اور وہاں مدد حاصل کرتے ہوئے بلاد شرقیہ کی

حکمرانی پر دوبارہ فائز ہوسکیں۔ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ مصر میں ہمارے کئی حریف موجود ہیں۔ ان سے نپٹنا اور عساکرِ مصر کی معاونت حاصل کرنا کافی دشوار کام ہے۔ ہمیں کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالنی ہے کہ جس پر آقا کی دل آزاری بھی نہ ہو اور کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اگر ہم اپنی منشاء ان کے سامنے کھلے الفاظ میں بیان کردیں تو یقین کرو کہ وہ کبھی کسی ایسے امر کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہمارا اولین مقصد یہی ہے کہ ان کی مدد غیر محسوس طریقے سے کی جائے''۔

''میں تہہ دل سے معذرت چاہتا ہوں''۔ ببرس کے لہجے میں خجالت و ندامت عیاں تھی۔ ''میں نے آپ سب لوگوں کی باتوں کو غلط آئینے میں دیکھا۔ میں کچھ لمحوں کے لئے یہ بھول گیا تھا کہ آپ لوگ میرے آقا کے محسن ہیں۔ بہر حال ایسے ہر امر میں آپ لوگ ببرس کو سب سے اوّل پائیں گے''۔

''شکر ہے تمہیں سمجھانے میں ہمارا زیادہ وقت نہیں لگا''۔ دوسرا اجنبی ہنستا ہوا بولا۔

''مذاق چھوڑو کام کی بات کرو۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں کسی طریقے سے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ میں اس بارے میں الملک الناصر سے بات کروں گا کہ وہ کم از کم مجھے نابلس واپس جانے کی اجازت دیدے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مجھے انکار نہیں کر سکے گا۔ وہاں سے میں ایسے لوگوں تک رابطہ کروں گا جو نجم الدین ایوب کے حامی ہوں۔ ان کی اکثریت ہی ہمارا مقصد پورا کرسکتی ہے''۔

''یہ تو کافی وقت طلب کام ہوگا''۔

''ظاہر ہے کچھ وقت تو لگے گا''۔

''کوئی اور راہ نکالنا ہوگی۔ ببرس تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے......؟'' ابوخویلد نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اس بارے میں پہلے کبھی کچھ سوچا نہیں۔ فوری طور پر میں کیا رائے دے سکتا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس مجلس کو پھر کسی روز پر اٹھا رکھیں۔ اس اثناء میں کوئی راہ نکال لوں گا''۔

کچھ دیر تک ان میں مزید گفت و شنید جاری رہی۔ پھر اس مجلس کو برخاست کردیا گیا۔

❁ ❁ ❁

دوسرے روز پہلے ہی پہر غازی عبداللہ شافعی اعلیٰ پوشاک میں ملبوس قصر شاہی جا پہنچا اور وہاں سے باآسانی اجازت نامہ حاصل کرکے ایک محافظ کی رہنمائی میں قلعہ الکرک کے زنداں خانے چلا آیا۔ ضروری مراحل نبٹانے کے بعد اُسے سیدھا نجم الدین ایوب کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ نجم الدین ایوب کو اس ملاقات کی اطلاع کچھ ہی دیر پہلے دی گئی تھی۔ مصری امیر کی آمد کی اطلاع نے زنداں خانے کے سب مقیموں کو حیرت زدہ کردیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نجم الدین ایوب کے گرد تمام وفادار اور مخلص رفقاء موجود تھے۔ نجم الدین ایوب کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دھیما سا مسکرایا۔ وہ اسے پہلی نگاہ میں ہی پہچان گیا تھا۔

''غازی عبداللہ......! کہو کیسے ہو؟ آج ہماری یاد کیسے آگئی''۔

''میں کل ہی الکرک پہنچا ہوں۔ مجھے جب یہ معلوم پڑا کہ آپ اس حال میں ہیں تو خیریت طلب کرنے چلا آیا۔ مجھے آپ کی خستہ حالی دیکھ کر بے حد افسوس ہورہا ہے''۔

''اس بات کو چھوڑو......!'' نجم الدین گہرا سانس لے کر بولا۔ ''یہ سب تو تقدیر کے کھیل ہیں۔ وہ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے''۔

''اسے قدرت کے کھیل مت کہئے......!'' غازی عبداللہ تیزی سے بولا۔ ''اپنوں کا ذ سازیادہ موزوں

لفظ ہے''۔

''تم چاہے جو بھی کہہ لو''۔

''آپ نہیں جانتے کہ آپ کو اس حال میں پہنچانے کا ذمہ دار کون ہے......؟ لیکن میں اسے بخوبی پہچانتا ہوں۔ دمشق کی بغاوت، عماد الدین اسماعیل کا اچانک حملہ اور الملک الناصر کا آپ کو یوں محصور کرلینا۔ کیا آپ کو یہ سب باتیں ایک ہی کڑی کا سلسلہ نہیں لگتی''۔

''کیا مطلب......؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''ان سب باتوں کا ذمہ دار ایک شخص ہے جس نے آپ کے بھائی کو ورغلایا اور اسے اس بات پر اُکسایا کہ وہ اپنے چچا سے مدد حاصل کرکے آپ کو اس حال تک پہنچا دے''۔

''تم جو بھی کہنا چاہتے ہو......؟ کھل کر کہو''۔

''اس گھناؤنی سازش کا مرتکب مصری امیر جمال الدین الراحی ہے۔ جب آپ نے اس کے کسی کام میں مداخلت کی تھی تو اس نے اسی وقت بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی۔ اس نے آپ کے خلاف آپ کے بھائی کے کان بھرنے شروع کردیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے حاکم دمشق کے ساتھ بھی خط و کتابت کی اور اسے بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس کی بغاوت کی اطلاع پاتے ہی آپ مصر سے نکل گئے تو کافی اطمینان ہوگیا، لیکن جب آپ نے اپنی فہم و فراست سے بلادِ شرقیہ کا نظام سنبھال لیا تو اس نے سلطان سیف الدین ابوبکر کو یہ باور کرایا کہ اس کی اطلاعات کے مطابق جلد ہی آپ بلادِ مصر کا رُخ کرنے والے ہیں۔ آپ کا بھائی یہ سمجھا کہ آپ اس سے تخت چھیننے کی خواہش رکھتے ہیں تو امیر صدر الدین کے مشورے پر اس نے عماد الدین اسماعیل سے بلادِ شرقیہ پر قابض ہوکر آپ کو حکومت سے محروم کرنے کی استدعا کی۔ دوسری جانب اس نے الملک الناصر کے سامنے اپنے حق کا رونا روتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ آپ کو بلادِ مصر کی جانب بڑھنے سے روکے رکھے۔ جمال الدین الراحی نے صرف آپ ہی کو اپنے گھناؤنے مقصد کا نشانہ نہیں بنایا۔ بلکہ کئی دوسرے امراء بھی اس کا شکار بن چکے ہیں۔ اُن میں سے ایک شکار میں بھی ہوں''۔

''تم جانتے ہو کہ تم کس کے سامنے کیا کہہ رہے ہو......؟ تم مجھے میرے بھائی کے خلاف حتی الامکان بھڑکانے کی کوشش کررہے ہو۔ تمہارا چہرہ اس بات کا غماز ہے کہ اس سارے معاملے کے پیچھے صرف تمہارا انتقامی جذبہ کارفرما ہے''۔ نجم الدین ایوب غصے کے عالم میں بولا۔

''آپ کا غصہ بجا ہے۔ میں یہ سچائی کھلے لفظوں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کو آگاہ کرنے کے پیچھے میرا انتقامی جذبہ بھی موجود ہے مگر یہ سب سچ ہے جو میں نے آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح رکھ دیا ہے''۔

''میں تمہاری اس من گھڑت کہانی کو تسلیم نہیں کرتا......!'' نجم الدین ایوب دوٹوک انداز میں بولا۔

''یہ آپ کی منشاء ہے مگر آنے والا وقت اس کڑوے سچ کو ایک دن کھول کر آپ کے سامنے رکھ دے گا''۔ غازی عبداللہ شافعی لاپروائی سے بولا۔

''مجھے تمہاری باتوں میں سے کسی خطرے کی بو محسوس ہورہی ہے۔ تم کس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہو......؟'' نجم الدین ایوب تذبذب میں پڑ گیا۔

''آپ کا خدشہ بالکل صحیح ہے۔ میں بھی یہی باور کرانا چاہ رہا ہوں کہ جمال الدین الراحی بلادِ مصر پر خود قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے''۔

''یہ ناممکن ہے......! اس میں ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اتنا بڑا قدم اُٹھا سکے۔ سیف الدین

کے مشیر اور وفادار ابھی زندہ ہیں۔ وہ اس کے ناپاک ارادے کو ہرگز پورا نہیں ہونے دیں گے''۔

''ان میں سے کئی سرزمین مصر سے نکال دیئے گئے ہیں اور بعض کی وفاداری خریدی جا چکی ہے''۔ غازی عبداللہ شافعی کے مستحکم لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔ وہاں موجود سب لوگ ان حیرت انگیز انکشافات پر انگشت بدنداں تھے۔

''تمہارے لہجے میں سچائی کے ساتھ ساتھ عیاری ٹپک رہی ہے اور تمہارا چہرہ بھی معصومیت کی عکاسی کر رہا ہے۔ میں تمہارے اس ملے جلے انداز میں تمہاری بات کا اعتبار کیسے کر سکتا ہوں.....

''میں یہاں اپنی سچائی ثابت کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ قبل از وقت اس خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں جو جلد ہی بلاد مصر پر چھانے والا ہے اور پھر اس بدطینت شخص کی حریصانہ نگاہیں بلاد شرقیہ کی جانب بڑھیں گی۔ وہ بلا کا عیار و چالاک شخص ہے اس کے بارے میں آپ کا اندازہ نامکمل ہے اگر اسے بروقت نہ روکا گیا تو وہ ایوبی خاندان کو ان علاقوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دے گا''۔ غازی عبداللہ شافعی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ نجم الدین ایوب اس کی بات سن کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''ممکن ہے تم جو بیان کر رہے ہو وہ سچ ہو مگر میں تو یہاں زنداں خانے میں قید ہوں۔ میں بھلا اب کیا کر سکتا ہوں.....؟''

''مجھے صرف آپ کی رضامندی کی ضرورت ہے۔ باقی کی فکر کرنا میرا سر درد ہوگا۔ آپ کو یہاں سے نکالنا اور مصر تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے''۔

''اس کے پیچھے یقیناً تمہارا کوئی مفاد ہوگا۔ تم شاید یہ نہیں جانتے کہ میں کسی بھی غلط کام کے لئے حامی نہیں بھرتا''۔

''اگر غلط کام کروانا ہی مقصود ہوتا تو میں مقید و مجبور سلطان کے پاس نہ آتا بلکہ کسی دوسرے برسر اقتدار ایوبی سلطان کی مدد حاصل کرتا''۔ وہ زہرخند لہجے میں بولا۔

''تم بولتے رہو میں سن رہا ہوں''۔

''آپ کو بلاد مصر کی حکومت سے اپنے بھائی سیف الدین ابوبکر کو معزول کر کے اقتدار کا تخت خود سنبھالنا ہوگا''۔ اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

''یہ ناممکن ہے.....! میں اپنے باپ سے کئے ہوئے وعدے کو توڑ نہیں سکتا۔ اس نے مجھے اس کا اتابک صرف اسی لئے مقرر کیا تھا کہ میں نگرانی کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت بھی کرتا رہوں''۔

''یہ سب جانتے ہوئے بھی.....! یہ سارا کیا دھرا آپ کے اسی بھائی کا ہے.....؟'' غازی عبداللہ شافعی کے لہجے میں حیرت عود کر آئی۔

''تمہارا الزام ابھی ثابت نہیں ہوا کہ وہی ذمہ دار ہے۔ یاد رکھو کہ اگر میں کبھی مصر پہنچ گیا تو سب سے پہلے میں اسی بات کی چھان بین کروں گا۔ اس کے بعد یہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے گا۔ یاد رکھو! اگر تم وہاں اپنا یہ الزام ثابت نہ کر پائے تو میں تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دلواؤں گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی''۔

نجم الدین ایوب کے لہجے میں شیر کی سی گرج تھی۔ غازی عبداللہ شافعی کو بھی خوف کی شدید لہر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں اب اجازت چاہوں گا''۔ وہ بے دلی سے اٹھتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے عیاں تھا کہ اسے مایوسی

اٹھانا پڑی ہے۔ اسے نجم الدین ایوب کی آخری بات ناگوار گزری تھی۔ نجم الدین ایوب نے بھی لاپرواہی سے سر ہلا دیا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ نجم الدین ایوب نے اس کے باہر نکلتے ہی مسہری سے ٹیک لگائی تھی۔ اسے اپنے بھائی سے اس قسم کی گھٹیا حرکت کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہی سچ نکلا تو..... اچانک درد کی تیز لہر اسے اپنے سینے میں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ابوخویلد شاید اس کی حالت بھانپ گیا تھا۔ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے جسم کو دبانے لگا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان اپنے گھوڑوں کے ساتھ تھکا ماندہ ازقائی قبیلے کی بستی میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت میلے سے زرد رنگ کے لباس میں ملبوس تھا جو کہ شاہی لباس سمجھا جاتا تھا۔ کئی دن ہوئے، اسے نہانے دھونے کی مہلت نہ مل سکی۔ سرد علاقوں میں یوں بھی بلاناغہ نہانے کی روایت موجود نہیں تھی۔ قبیلے کے لوگوں میں اس کی آمد سے سراسیمگی سی پھیلنے لگی۔ ازقائی قبیلے میں جب بھی کوئی شاہی فرد وارد ہوتا تھا۔ اسے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برقائی خان کے لباس سے ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک اور شاہی ہرکارے کی آمد ہو چکی ہے، جانے اب کونسی آفت ٹوٹے۔ سردار مانجی خان کو شاہی آدمی کی آمد کی خبر پل بھر میں پہنچا دی گئی۔ شاہی آدمی کا سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پا لیا۔ وہ خود اٹھ کر اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ جونہی اس کی نگاہ برقائی خان پر پڑی تو حیرت و تعجب سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔ کئی بار سرائے میں وہ اسے دیکھ چکا تھا۔

''چھوٹے قاآن!'' وہ آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ''آپ کی اچانک آمد پر جہاں ازقائی قبیلہ بے حد متحیر ہے، وہیں وہ اپنی اس عزت افزائی پر بھی نازاں ہے''۔ سردار کو جھکے دیکھ کر قبیلے کے دوسرے لوگ بھی گھٹنوں کے بل جھکتے چلے گئے۔ برقائی خان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس قسم کے تکلفات و رسومات کا قائل نہیں تھا۔ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا۔ دونوں گھوڑوں کی باگیں اس کے ایک ہاتھ میں تھی۔ سردار مانجی خان نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر باگیں برقائی خان کے ہاتھ سے لے لیں اور گھوڑے کو ایک جانب لے گیا۔ برقائی خان سردار مانجی خان کی رہنمائی میں اس کے پختہ مکان کی جانب بڑھ گیا۔ نشستیں سنبھالنے کے فوراً بعد برقائی خان کی خوب خاطر مدارات کی گئی۔ سردار مانجی خان نے تواضع کے بعد شراب کا دور شروع کرنا چاہا مگر برقائی خان نے بڑی سختی سے منع کر دیا۔ سردار مانجی خان اس ممانعت پر دنگ رہ گیا۔ کچھ لمحے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہی۔ برقائی خان نے آتے ہی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ وہ لوگ اس کی آمد پر گھبرائے ہوئے ہیں۔ اسی لئے اس نے فوراً اپنی بات شروع نہیں کی تھی۔ اب جبکہ ان کا خوف دھیرے دھیرے جاتا رہا تو وہ اپنے مقصد کی جانب متوجہ ہوا۔

''مانجی خان.....!'' برقائی خان ٹیک لگاتے بولا۔ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ قاآن اعظم کے لئے ہلالی تلواریں کاٹا کرتے تھے اور ان کے ٹکڑوں کو ڈھال کر نئی چپٹی تلواریں بنایا کرتے تھے۔ کیا یہ سچ ہے.....؟''

''چھوٹے قاآن.....! آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ ماضی کا ایک ایک پل اس بات کا عینی شاہد ہے کہ ازقائی قبیلے نے مسلمانوں کے خلاف اپنا کردار پوری دیانت داری سے نبھایا ہے''۔

''میں یہی پوچھنا چاہ رہا تھا۔ تم لوگ ہلالی تلواروں کو کاٹنے کے لئے یقیناً بڑی قینچی کا استعمال کرتے ہوگے؟''

''ظاہر ہے، تلواریں کاٹنے کے لئے بڑی قینچی ایک ضروری اوزار ہے''۔

''اور اُس سے فولادی زنجیریں بھی تو کاٹی جا سکتی ہیں......!'' برقائی کا لہجہ قدرے گھمبیر ہو گیا۔

سردار مانجی خان کا چہرہ پل بھر کو فق پڑ گیا تھا۔ ''ہہ...... ہا...... ہاں کاٹی تو جا سکتی ہیں......؟''

''تو پھر تم یہ بتانے میں یقیناً تردد نہیں کرو گے کہ تم نے اُسے کہاں چھپا رکھا ہے......؟''

''کک...... کک...... کسے......؟''

''تمہارا چہرہ جھوٹ چھپانے کی سکت نہیں رکھتا مانجی خان......! بہتر ہے جو میں پوچھ رہا ہوں وہ صاف صاف بتا دو''۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ پایا۔ آپ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں''۔ مانجی خان کے چہرے پر گہرا اضطراب پھیل چکا تھا۔

''میں اُسی قیدی کی بات کر رہا ہوں جسے تم سرخوں کی قید سے چھڑا لائے ہو''۔

''آپ پورے قبیلے کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ یہاں ایسا کوئی قیدی موجود نہیں ہے''۔

''دیکھو مانجی خان......! میں کون ہوں؟ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے سامنے جھوٹ بول کر تم اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہو۔ میرا خنجر تمہیں لمحہ بھر میں موت کی نیند سلا دے گا''۔ برقائی خان کی آنکھیں یکا یک شعلے اگلنے لگیں۔

''وہ...... تین دن پہلے یہاں سے فرار ہو گیا ہے''۔ مانجی خان کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے خود کو مضبوط نہیں رکھ پایا ایک ہی لمحے میں اس کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی۔

''تم صریحاً جھوٹ بول رہے ہو''۔

''خدائے جاودانی کی قسم......! میں بالکل سچ بیان کر رہا ہوں''۔

''مگر یہ کیسے ممکن ہے......؟'' برقائی خان اس کے لہجے پر پریشان سا ہو گیا۔

''گذشتہ ہفتے اس نے یہاں سے جانے کی خواہش ضرور کی تھی مگر میں نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا۔ شاید اسی لئے وہ تین دن پہلے رات کے اندھیرے میں ہمارا ایک گھوڑا چرا کر فرار ہو گیا''۔

''تم نے اسے یہاں کیوں روکا ہوا تھا......؟'' برقائی خان کا لہجہ مزید زہریلا ہو گیا۔

''میں مجبور تھا۔ جس نے اس کی رہائی کی قیمت چکائی تھی اس کی منشاء یہی تھی کہ خطرہ دور ہونے پر ہی اسے سرائے پہنچایا جایا جائے''۔

''قیمت چکائی تھی...... مگر کس نے......؟'' حیران ہونے کی باری اب برقائی خان کی تھی۔

''ایک لڑکی نے...... وہ کچھ عرصہ پہلے یہاں تنہا آئی اور اس نے قیدی کی رہائی کے بارے میں میرے ساتھ سودا طے کیا۔ اس نے رقم کی تھیلی مجھے دیتے ہوئے یہ ہدایت کی تھی''۔

''لڑکی......! کون تھی وہ؟'' برقائی خان اچنبھے میں پڑ گیا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا۔ البتہ وہ منگول تھی''۔

''تم نے اس کا نام بھی نہیں پوچھا......؟''

''نام...... ہاں یاد آیا اس نے اپنا نام شاید گل بتایا تھا۔ وہ بھی میں بڑے اصرار کے بعد جان پایا تھا''۔

''گل......!'' برقائی خان سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا ذہن تو نائی خان کی بیٹی کی جانب مبذول ہو گیا۔ اس کا نام بھی تو گل ہی تھا۔ مگر اس کا از قائی قبیلے کے ساتھ کیا واسطہ......؟ وہ خاموش الجھا بیٹھا رہا جبکہ مانجی خان کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا۔ قیدی کی حیثیت کوئی اعلیٰ تھی یا پھر اس لڑکی کا تعلق شاہی افراد سے تھا۔ اس نے بظاہر یہ جھوٹ بولا تھا کہ اسے قیدی روکنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اب اس کی یہ حرکت کیا رنگ لائے گی......؟ وہ اسی فکر میں گھلا جا رہا تھا۔ برقائی خان نے وہاں وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اسی لمحے وہاں سے روانگی اختیار کی۔ وہ رخصت ہوتے ہوئے سردار مانجی خان کو سختی سے خبردار کر گیا تھا کہ اگر اس کی بات غلط ثابت ہوئی تو وہ اپنی موت یقینی سمجھے۔ سردار مانجی خان اس کی دھمکی پر دہل کر رہ گیا۔ اب کیا ہونے والا تھا؟ اس بارے میں وہ بالکل لاعلم تھا۔

❀ ❀ ❀

جمال الدین الراحی کی خوش بختی کا ستارہ ان دنوں پورے عروج پر تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کئی سلطانی وفادار امراء کو بھرے دربار میں ذلیل و رسوا کر چکا تھا۔ شرفاء و امراء کا بڑا طبقہ اس سے لگاتار خائف رہنے لگا تھا۔ دربار میں موجود شرفاء و امراء بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور تھے۔ انہیں خدشہ لاحق تھا کہ کہیں کسی دن ان کی شامت اعمال نہ آ جائے۔ سلطان سیف الدین ابوبکر دن بہ دن جمال الدین الراحی کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو بڑی شدت و بے چینی سے محسوس کر رہا تھا مگر یہ نوعمر سلطان بھی اس کے جارحانہ انداز کے سامنے کوئی مدافعت نہ کر پایا۔ اُسے یہ خواہش ضرور تھی کہ کوئی اس کے خلاف ٹھوس معاملہ پیش کرے تاکہ وہ اسے بھی ہمیشہ کے لئے ملک بدر کر دے مگر ایسی نوبت نہیں آ سکی۔ جمال الدین الراحی نے صرف اپنی انہی کارستانیوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے 9 رمضان المبارک 637ھ میں اپنے گھر پر ایک خفیہ مجلس کا انعقاد کیا۔ جس میں قاہرہ کے کئی امراء و شرفاء نے شرکت کی۔ اس نے ان کے سامنے اپنا نیا منصوبہ رکھ دیا کہ وہ نوعمر سلطان کو معزول کر کے کسی مضبوط شخص کو سلطان بنانے کا خواہش مند ہے جو کہ بلادِ مصر پر مکمل اختیار رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ امراء و شرفاء اس کی بات سن کر لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں آ گئے تھے مگر اس کی چکنی چپڑی باتوں اور بلاد مصر کو بیرونی حاکموں سے خطرات کے پیش نظر وہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ایک ہفتے بعد رمضان المبارک کے دوسرے عشرے میں جمال الدین الراحی اپنی عیارانہ چالوں سے سالارِ عساکر وجیہہ الدین الباقری کو بھی اپنے دامِ فریب میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی اس بدطینت حکمت عملی کے بارے میں کسی کو کانوں کان بھنک نہ پڑ سکی۔ سلطان سیف الدین ابوبکر اپنی موج مستی میں مگن رہتا تھا۔ کبھی کبھار وہ امراء کے اصرار پر دربار میں قدم ڈال دیا کرتا۔ امراء جہاں جمال الدین الراحی سے خائف تھے، وہیں وہ کمزور اور ناسمجھ سلطان سے بھی ترساں تھے۔ وہ جمال الدین کا ساتھ محض اس لئے دینے پر آمادہ ہو گئے تھے کہ کم از کم ایک کمزور سلطان سے تو گلوخلاصی ہو گی۔ انہیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ جمال الدین الراحی انہیں سیڑھی بنا کر عنانِ سلطنت پر خود قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں نوعمر سلطان نے اعتکاف میں بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی۔ خوشامدی امراء نے اس کے اقدام کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا ڈالے۔ اعتکاف میں ہی سلطان کے وفادار امیر احمد العنابی نے جمال الدین الراحی کی سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ سلطان کو جب اس کے خوفناک عزائم کا علم ہوا تو وہ دہل کر رہ گیا۔ اس نے اعتکاف میں ہی سالار وجیہہ الدین الباقری کو طلب کیا اور فوری طور پر جمال الدین الراحی کی گرفتاری کا مژدہ سنا دیا۔ وجیہہ الدین الباقری پہلے ہی سلطان کے خلاف سازش کا حصہ بن چکا تھا اور اس نے جمال الدین الراحی سے بڑی رقم اینٹھ لی تھی۔ اس نے شاہی حکم کی فوری تعمیل کرانے کی یقین دہانی کرتے ہوئے وہاں سے اجازت لی اور سیدھا جمال الدین الراحی کی خدمت میں پیش ہو کر سلطان کی باخبری اور حکم کی بابت سب کچھ بتا دیا۔ جمال الدین الراحی نے مخبری کرنے والے کے بارے میں پتہ لگانا چاہا مگر وہ اس معاملے میں ناکام رہا۔ اس نے سوچ و بچار کے بعد یہ حکمت عملی طے

کی کہ اسے گرفتاری دے دینا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان وجیہہ الدین الباقری سے بدگمان ہو جائے اور اسے معزول کر کے کوئی دوسرا سالار مقرر کر دیا جائے۔

اس نے دوسرے دن وجیہہ الدین الباقری کو بلا کر تمام حکمت عملی سمجھائی اور خود کو اس کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا۔ اس کی گرفتاری سے امراء و شرفاء میں ہراس پھیل گیا۔ جمال الدین الراحی سے تمام امراء نے فرداً فرداً کوتوالی میں ملاقات کی۔ جمال الدین الراحی نے انہیں صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ اگر انہوں نے اس کی منصوبہ بندی کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا تو وہ ان سب کے نام سلطان کے سامنے بیان کر دے گا۔ جان و ناموس کے خوف کی خاطر وہ جمال الدین الراحی کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے۔ بالآخر 27 رمضان 637ھ ہفتے کی رات کو سپاہ کے ایک دستے کے ساتھ نوعمر سلطان سیف الدین ابو بکر کو اعتکاف کی حالت میں حراست میں لے لیا گیا اور اسے راتوں رات قاہرہ کے باہر قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ نوعمر سلطان کو زنداں خانے میں ڈال کر اگلی صبح اس پر الزامات کی بھرمار کرتے ہوئے اس کی معزولی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان سالار عسا کر وجیہہ الدین الباقری نے کیا تھا۔ اسی شام جمال الدین الراحی کو رہائی دی گئی اور عید الفطر سے ایک روز قبل دربار کا انعقاد کیا گیا۔ امراء و شرفاء کی قرارداد کے مطابق ایک ماہ کے اندر اندر نئے سلطان کا انتخاب عمل میں لانا طے پایا۔ اس کے لئے امراء کی ایک جماعت مقرر کی گئی جو کہ یہ بات طے کرے گی کہ نیا سلطان کون ہوگا؟ جو لوگ سلطان بننے کے خواہش مند تھے انہیں ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے نام ایک ہفتہ کے اندر اندر اس جماعت کو دے دیں۔ تاکہ وہ اُن کے بارے میں اپنی سفارشات مرتب کر سکے۔ جمال الدین الراحی نے ایک لمحہ توقف نہیں کیا۔ سب سے پہلے اُسی نے اپنا نام حاکم بلادِ مصر کے لئے پیش کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

بیبرس غیر محسوس انداز میں غازی عبداللہ شافعی کے پیچھے وہاں سے نکل آیا تھا۔ زندان خانے کے صدر دروازے پر اُس نے اسے جا لیا۔

''ٹھہرو......! میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں!'' بیبرس نے اسے آواز دی۔ غازی عبداللہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور رُک گئے تھے۔

''تم کون ہو......؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں''۔ اس کے لہجے میں تحیر عیاں تھا۔

''میں نجم الدین ایوب کا محافظ غلام ہوں۔ میں تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

''تمہارے آقا تو میری بات پر یقین نہیں کر رہے''۔ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''تمہیں شاید نہیں معلوم کہ وہ پے در پے صدموں سے بے حد شکستہ ہیں۔ اوپر سے بیماری نے انہیں قدرے چڑچڑا بنا دیا ہے۔ وہ جلد کسی بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے ہیں۔ بہرکیف اس بات کو چھوڑو۔ میں انہیں سمجھا بجھا لوں گا کہ تم ان کے دوست ہو۔ تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ تم میرے آقا کے لئے کیا کر سکتے ہو......؟ میرا اشارہ تمہاری اُسی بات کی جانب ہے''۔

''اگر نجم الدین ایوب بلادِ مصر کی حکمرانی پر آمادہ ہو جائے تو میں اس کے لئے راہ ہموار کر سکتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے خاصی محنت کرنا پڑے گی، لیکن یہ میرا سر درد ہے''۔

''اس تمام معاملے میں تمہیں کیا غرض ہوگی......؟''

''میں اس کمینہ خصلت شخص جمال الدین الراحی کو تمام زندگی اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرے در پر کتے کی سی مجبور زندگی گذارے۔ بس میری یہی دلی تمنا ہے۔ ظاہر ہے قانون کے مطابق کسی بھی

آزاد شخص کو زبردستی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ میں سلطان کے سامنے یہی شرط رکھوں گا۔ وہ مجھے اس انتقامی کاروائی کے لئے سرکاری طور پر اجازت دے''۔

غازی عبداللہ شافعی کی آواز فرطِ جوش سے لرز رہی تھی۔ اس کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہو چکا تھا۔

''بس صرف یہی یا اور بھی کچھ......؟''

''میرے لئے یہی سب کچھ ہے''۔

''مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ میں نجم الدین ایوب کی جانب سے یہ وعدہ کرتا ہوں اگر تم انہیں بلادِ مصر کی حکمرانی دلانے میں کامیاب ہو گئے تو میں جمال الدین الراحی کو خود تمہاری غلامی میں دوں گا اور اس کی حیثیت ہر لحاظ سے سرکاری و قانونی ہوگی......!'' بیبرس نے مستحکم لہجے میں اس سے وعدہ کیا۔ وہ بیبرس کی بات سن کر ہی سرشار ہو گیا۔ اس کے چہرے پر مسرت و انتقام کے ملے جلے تاثرات دکھائی دینے لگے۔ وہ اس کے ساتھ بڑے جوشیلے انداز میں مصافحہ کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ بیبرس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی تھی۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ایک طرف اُسے ماں جیسی شفیق عورت فاطمہ کو چھانسہ دیئے جانے کا قلق تھا تو دوسری جانب اس کے آقا نجم الدین کو اس برے حال تک پہنچائے جانے کا رنج بھی تھا۔ وہ خود بھی جمال الدین الراحی کو پستی میں گرانے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس کے تکبر کے بت کو پاش پاش کر دینا چاہتا تھا۔ شاید وہ وقت اب زیادہ دور نہیں تھا بلکہ قریب آ چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

یکم شوال 637ھ کو عید الفطر کے دن حاکم الکرک الملک الناصر داؤد اپنے تایا زاد بھائی نجم الدین ایوب کے پاس آیا۔ نجم الدین ایوب نے نماز عید اپنے اتباع اور رفقاء کے ہمراہ زندان خانے کے ایک بڑے کمرے میں ادا کی تھی۔ عید کے دن اس نے سادہ سفید لباس زیب تن کیا تھا۔ الملک الناصر نے اُسے پیشکش کی تھی کہ وہ الکرک کی عیدگاہ میں نماز عید ادا کر سکتا ہے مگر نجم الدین ایوب کو غلامی کے عالم میں عیدگاہ جانے کی تمنا نہیں تھی۔ اس نے زندان خانے کو ہی ترجیح دی۔

الملک الناصر نے آگے بڑھ کر نجم الدین ایوب سے عید ملنا چاہی تو اس نے بڑی سرد مہری سے انکار کر دیا۔ الملک الناصر نے بڑی کوشش کی کہ عید کے پر مبارک موقعہ پر ایسی بدمزگی پیدا نہ ہو مگر نجم الدین ایوب نے اس امر کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے سختی سے رد کر دیا۔

''عم زاد!'' الملک الناصر سنجیدگی سے اس کے سامنے فرش پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے بے حد ناراض ہو، بخدا......میری کبھی ایسی نیت نہیں رہی کہ میں تمہیں اپنی حراست میں رکھوں اور تمہاری سلطنت بزور طاقت چھین لوں۔ میں الکرک کے نظام کو ہی اچھی طرح نبٹا لوں۔ میرے لئے یہی کافی ہوگا۔ تم اُرنابلس کی جانب نہ بڑھتے تو شاید میں بھی مدمقابل نہ آتا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم شاید الکرک پر قبضہ کرنے کے خواہش مند ہو''۔

''اب جبکہ سب کچھ میرے ہاتھوں سے نکل چکا ہے تو تم میرے پاس کیا کرنے آئے ہو؟'' نجم الدین ایوب کا تند لہجہ کڑواہٹ سے بھرپور تھا۔

''یقین کرو کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ کسی کی مدد کی خاطر تھا۔ تمہارے بھائی نے میرے آگے فریاد کی تھی کہ تم اس سے اس کی سلطنت ہتھیانا چاہتے ہو۔ میں نے صرف اسی لئے آگے بڑھ کر مداخلت کی تھی۔ عماد الدین اسماعیل کا فعل اس کے ساتھ ہے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں''۔ الملک الناصر سنجیدگی کے عالم میں بولا۔

''میرے بھائی نے......؟'' نجم الدین ایوب کو اپنی سانس رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ''مگر میں نے تو ایسی بات کبھی خواب میں بھی سوچی نہیں۔ یا اللہ......! یہ سب مجھے سنوانے سے پہلے تو نے مجھے اُٹھا کیوں نہیں لیا''۔ نجم الدین ایوب تلخ حقیقت جاننے پر آزردہ دل ہو گیا۔

''میں بھی اپنے اس فعل پر سخت نادم ہوں، میں زرِ ہمدردی میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ میرا چچازاد ابھی کم سن ہے اور وہ کسی کے بھی فریب میں آ سکتا ہے، یہ تو خدا کا شکر ہے کہ مصری امیر غازی عبداللہ شافعی نے بروقت میری آنکھیں کھول دیں''۔

''اوہ میں سمجھا......!'' نجم الدین ایوب کو جیسے سینے سے پہاڑ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ ''غازی عبداللہ کی چکنی چپڑی باتوں میں تم بھی آ گئے۔ وہ اوّل درجے کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔ وہ اپنے کسی انتقام کے لئے مجھے میرے بھائی کے مقابل لا کھڑا کرنا چاہتا ہے''۔

''تم کس بھائی کی بات کر رہے ہو.....؟ وہ جو مصر کے زنداں خانے میں پڑا ہے''۔ الملک الناصر کا لہجہ نہایت سفاکانہ ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' نجم الدین ایوب بے قراری کے عالم میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو.....؟''

''تمہارے بھائی کو اعتکاف کی حالت میں حراست میں لے کر بلادِ مصر کی حاکمیت سے ہمیشہ کے لئے معزول کر دیا گیا ہے''۔ وہ مختصراً بولا۔

''یہ کبھی نہیں ہو سکتا......!'' نجم الدین ایوب کو جانے کیوں یقین نہیں ہو پا رہا تھا۔

''میں تمہارے علم میں یہ بھی اضافہ کر دوں کہ یہ سب کاروائی جمال الدین المراحی نامی امیر نے کی ہے اور نئے سلطان کے تقرر کے لئے نام بھی طلب کر لئے گئے ہیں۔ مجھے یہ سب اطلاعات آج ہی صبح ملی ہیں، اور یہ رہا وہ خط جو تمہاری بھائی نے مجھے لکھا تھا''۔ اس نے ایک نامہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ نجم الدین ایوب کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اسے زندہ درگور کر دیا گیا ہو۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کی حکومت چھن جائے یا اسے قید کر دیا جائے۔ یہ اس کی قوتِ برداشت سے باہر تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس نامہ کو کھولا اور پڑھتا چلا گیا۔ آخر میں ثبت مہر اسی کے بھائی ہی کی تھی۔ یہ بڑا سخت صدمہ تھا جسے اس نے نہایت تکلیف سے برداشت کیا تھا۔ الملک الناصر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے بھائی......! یہی سچ ہے جو ہم دونوں کے لئے نہایت تکلیف کا باعث بن رہا ہے۔ میں اب یہ خواہش کروں گا کہ تم تمام پرانی باتوں اور رنجشوں کو بھلا کر میرے ساتھ شاہی محل میں چلو اور میرے سابقہ سلوک کی تلافی کا ایک موقع مجھے دو''۔ اس کے لہجے میں اپنائیت چھلک رہی تھی۔

نجم الدین ایوب قریباً روتا ہوا اس کے گلے لگ گیا۔ وہ اس کے حسنِ سلوک سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ عید الفطر کے دن نجم الدین ایوب اپنے رفقاء و اتباع کی جماعت کے ساتھ شاہی محل چلا آیا۔ اسے اب بلادِ مصر کی حکومت کو نہ صرف ایوبی خاندان میں واپس لانا تھا بلکہ اپنے بھائی کو بھی گھناؤنی سازش سے بچانا تھا۔ یہی دو مقصد تھے جن کی خاطر وہ الملک الناصر کی ہر بات تسلیم کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کو منگولوں کی سرزمین پر بھٹکتے ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ وہ جن گھڑ سواروں کے تعاقب میں نکلا تھا، انہیں تو اُسی رات میں کھو چکا تھا۔ اُسے اب کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی کہ کس جانب سفر کرنا چاہئے؟

اس نے ایک چشمے پر ٹھہر کر اچھی طرح نہا دھو کر اپنی حالت قدرے سنواری۔ چشمے کا پانی بڑا یخ بستہ تھا مگر اسے پریشانی نے اتنا مگن کر ڈالا تھا کہ وہ پانی کی یخ بستگی کو بھی فراموش کر گیا۔ اس نے نہایت خشوع و خضوع سے خدا کے حضور گڑگڑا کر غیبی مدد کی استدعا کی۔ وہاں سے نکل کر وہ مشرق کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ یہ تو برقائی خان کی رفاقت کا ثمر تھا کہ اسے کھانے پینے کی اشیاء ڈھونڈنے میں ذرا بھی تنگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اس کے ہمراہ رہ کر وہ کئی ایسی چیزوں سے آگاہ ہو چکا تھا جن سے وقت پڑنے پر پیٹ کی آگ کو سرد کیا جا سکتا تھا۔ راہ میں جہاں کہیں اُسے ایسا پودا دکھائی دیتا تو فوراً اس سے مطلوبہ مقصد پورا کر لیتا۔ وہ مسلسل محوِ سفر رہا۔ دن رات میں بدلتا رہا اور رات دن میں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسے دن اور رات کے گذرنے کا احساس ختم ہونے لگا۔ وہ صحیح طرح شمار کرنے سے قاصر ہو گیا کہ اسے ازقائی قبیلے سے نکلے ہوئے کتنے روز بیت چکے ہیں۔ وہ اور اس کا گھوڑا دونوں کسی نامعلوم منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

ایک صبح اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا پھینکا ہو۔ وہ نیند سے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کا جسم پانی سے شرابور تھا۔ عالمِ مدہوشی میں ہی اسے خیال آیا کہ رات کو سوتے وقت تو آسمان بالکل صاف تھا مگر کسی پہر بارش شروع ہو گئی ہو گی اور اسے نیند کے خمار میں پتہ ہی نہیں چل سکا۔ اس نے اپنی آنکھیں مسل کر خود کو پوری طرح بیدار کیا۔ اس کی نگاہ جب کھلے آسمان پر پڑی تو حیرت سے چہرے کی رگیں کھنچنے لگیں۔ آسمان پر چمکتا ہوا بڑا زرد سورج اس کے خیال کو رد کئے دے رہا تھا۔ اس نے چونک کر اپنے گرد نگاہ ڈالی تو دوسری بار حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس کے قریب ہی ایک جوان منگول لڑکی موجود تھی اس کے ہاتھ میں موجود مشکیزہ اس بات کا عکاس تھا کہ اسی نے اسے پانی کے چھینٹے سے بیدار کیا تھا۔ وہ اس ویرانے میں منگولی لڑکی کو پا کر جہاں متحیر تھا وہیں اسے ایک نئی امید کا سہارا بھی ملا تھا۔

❁ ❁ ❁

غازی عبداللہ شافعی الکرک سے سیدھا مصر پہنچا اور قاہرہ کے باہر ایک چھوٹے سے قصبے الحماء میں قیام کیا۔ یہاں پہنچنے پر اُسے یہ الم زدہ اطلاع ملی کہ جمال الدین المراحی اپنے ناپاک مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو چکا ہے۔ اس کے بچھائے ہوئے جال میں نوعمر سلطان سیف الدین ابوبکر پھنس کر پایۂ تخت سے معزول کر دیا گیا ہے۔ وہ لمحہ بھر کے لئے دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ سیف الدین ابوبکر جیسا بھی حکمران تھا، غازی عبداللہ شافعی کے دل میں ان کے لئے اب بھی عزت باقی تھی۔

جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا، ہونی کو بھلا کون ٹال سکتا تھا؟ اس نے متاسف بیٹھے رہنے کے بجائے فوری طور پر عملی قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اب اس کے پاس وقت زیادہ نہیں بچا تھا۔ ایک جانب اسے جمال الدین المراحی کو مزید پیش قدمی سے روکنا تھا تو دوسری جانب نجم الدین ایوب کے لئے راہ ہموار کرنا تھی۔ اس نے فوری طور پر قاہرہ میں موجود ایسے امراً سے رابطہ قائم کرنا شروع کر دیا جو جمال الدین المراحی سے کسی نہ کسی وجہ سے خائف تھے یا پھر اُسے دل ہی دل میں ناپسند کرتے تھے۔ چونکہ جمال الدین المراحی کا منصب ہی کچھ ایسا تھا کہ امراً اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار بھی نہیں کر پاتے تھے۔ غازی عبداللہ شافعی کا پیغام پاتے ہی ایسے امراً کی ایک مختصر جماعت نے اس سے فوراً رابطہ قائم کر لیا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ غازی عبداللہ شافعی نجم الدین ایوب کو بلادِ مصر کا منتظم بنانے کا خواہش مند ہے تو انہوں نے مکمل ساتھ دینے کا عندیہ دے دیا۔ اسی جماعت نے واپس قاہرہ پہنچ کر نجم الدین ایوب کے حق میں تحریک چلانا شروع کر دی۔ امراً کا بڑا حلقہ اسی بات کا خواہش مند تھا کہ عنانِ حکومت ایوبی خاندان میں رہنی چاہئے۔ سیف الدین ابوبکر کے بعد کوئی ایسا نام اِن کے سامنے موجود نہیں

تھا جو بلادِ مصر کی حکومت سنبھالنے کا اہل ہوتا۔ نجم الدین ایوب بھی ایک عرصہ سے ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ دوسرا اس کے بارے میں متضاد خبریں پھیلی ہوئی تھیں کہ وہ شاید زندہ نہیں ہے۔ جب انہیں یہ خبر ملی تو وہ سب مل کر بڑے جوش و خروش سے نجم الدین ایوب کے حق میں سرگرم ہو گئے۔ بطور سربراہ حکومت، جو نام ابھی تک مجلس امرأ میں پہنچے تھے، ان میں ایک نام تو امیر جمال الدین الراحی کا تھا اور دوسرا نام الملک الصالح عماد الدین اسماعیل حاکم دمشق و بعلبک کا تھا۔ الملک الصالح کا نام امرأ کی اُس جماعت نے پیش کیا تھا، جو یہ سمجھتی تھی کہ انتظام حکومت کے لئے کسی تجربہ کار اور بارعب شخصیت کی ضرورت ہے۔ ان کی نگاہ میں عماد الدین اسماعیل ایک سخت گیر حاکم ہونے کے ساتھ بے حد شجاع بھی تھا۔ بلادِ مصر کو کسی ایسے ہی منتظم کی ضرورت تھی۔ جب اُس مجلس میں امرائے مصر کی دوسری بڑی جماعت نے نجم الدین ایوب کا نام پیش کیا تو مجلس میں شامل کئی اراکین کے چہرے کھل اُٹھے۔ جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک جانب جمال الدین الراحی امرائے مصر کے بالا خانوں میں خود جا کر چاپلوسی اور منت وسماجت کرتا رہا کہ وہ اسے نیا سلطان بنانے میں اس کی معاونت کریں۔ وہ مصری امرأ کی بڑی اکثریت کو اعلیٰ عہدوں کے لالچ کے جال میں پھنسا چکا تھا۔ مجلس انتخاب نے بلادِ مصر کے نئے حکمران کے لئے تینوں ناموں کا اعلان کرتے ہوئے 15 ذی قعدہ 637ھ فیصلے کی آخری تاریخ مقرر کر دی تھی۔ تمام معززین اور امرأ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی آراء اس تاریخ تک ان کے پاس جمع کروا دیں تا کہ رعیت کی خواہش کا احترام کیا جا سکے۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان وسیع و عریض حصے پر پھیلی ہوئی منگولیانہ سلطنت میں کئی ماہ کی دربدری اور خواری کے بعد اردوئے زریں خیل کے دارالحکومت سرائے میں واپس داخل ہوا۔ اس کا چہرہ خاک آلود تھا، کپڑے گرد سے اَٹے پڑے تھے۔ وہ پہلی نگاہ میں کسی بھکاری سے کم نہیں دکھائی دیتا تھا۔ زرد لباس عجیب سی مٹیالی رنگت میں بدل چکا تھا۔ سرائے کے لوگوں نے اس پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ کوئی اُسے پہچان نہیں سکا تھا کہ یہ اردوئے زریں کے حاکم عظیم باتو خان کا چھوٹا بھائی برقائی خان ہے۔ اس نے سرائے میں داخل ہونے کے بعد پل بھر ٹھہر کر چاروں جانب دور تک نگاہ دوڑائی۔ اپنائیت کے احساس کی شدت اُسے اپنی شریانوں میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جسم کا رُواں رُواں پھڑکنے لگا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے اُسے یہ سب بھلا سا لگا مگر جونہی اس کا دھیان اپنے گمشدہ دوست کی جانب مبذول ہوا تو طبیعت پر تکدر سا چھانے لگا۔ لاشعوری طور پر اس نے اپنے گھوڑے کے قدموں کا رُخ نور الدین کے گھر کی جانب موڑ دیا۔ اُمید کا ایک مدھم سا ہیولا اس کے ذہن کے کسی گوشے میں مچل رہا تھا، شاید مطیع الدین ازقائی قبیلے سے نجات پا کر واپس لوٹ چکا ہو۔ چند ساعتوں کے بعد وہ نور الدین کے دروازے کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ نور الدین ظہر کی نماز کی ادائیگی سے فارغ ہی ہوا تھا کہ وہ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز پر چونک گیا۔ بیٹے کی واپسی کی اُمید میں اس کے قدم خود بخود صدر دروازے کی جانب اُٹھتے چلے گئے۔ دروازے کے باہر برقائی خان گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھامے شش و پنج میں مبتلا کھڑا تھا۔ چند لمحے قبل دل و دماغ میں چھائی امید کی کرن نور الدین کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی دم توڑ گئی۔ دونوں خاموشی کے عالم میں ایک دوسرے کا چہرہ تکتے رہے۔ دونوں کی آنکھوں میں گہرا استفسار جھلک رہا تھا، دونوں کے اُترے ہوئے چہروں نے خود ہی جواب بھی فراہم کر ڈالا تھا۔ آنکھیں ہی سوال اُٹھاتی اور آنکھیں ہی جواب دے دیتی۔

''اے اللہ.....! تو ہی میرے بیٹے کا نگہبان ہے، اُسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا''۔ ڈوبتے ہوئے دل

سے ایک لرزتی ہوئی دُعا نکلی۔

''بابا.....! آپ مایوس مت ہوں، آپ کا بیٹا جہاں بھی ہے خیریت سے ہی ہے، وہ جلد واپس آ جائے گا۔ میں نے جان توڑ کوشش کی تھی کہ اسے اپنے ساتھ لے کر آتا مگر شاید یہ جاودانی آسمان کو ابھی منظور نہیں ہے، وہ میرے آگے آگے بھاگتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے.....''

''قاآن زادے.....! بے فکر رہو میں کبھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوا۔ میرا اللہ میرا مددگار ہے، وہ مجھ سے اولاد کی محبت کی آزمائش لینا چاہتا ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کے امتحان میں سرخرو ہوں گا''۔

''بابا.....! آپ کو کس نے بتایا کہ میں قاآن زادہ ہوں؟'' برقائی خان ایک لمحے کے لئے متحیر رہ گیا۔

''اعلیٰ نصب لوگوں کی شخصیت چھپائے سے بھلا چھپتی ہے کیا.....؟''

''آپ کو معلوم ہو گیا خیر کوئی بری بات نہیں''۔ وہ خود سے باتیں کرنے لگا۔ ''آپ مجھے غیر مت سمجھئے، میں بھی آپ کا بیٹا ہی ہوں۔ مطیع الدین کو میں نے اپنے بھائی سے کم کبھی نہیں سمجھا''۔

''تمہیں زبان سے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، تمہاری حالت منہ بولتا ثبوت ہے''۔

''میں نہیں جانتا میرے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے.....؟ میں آج تک کبھی ناکام و نامراد نہیں رہا مگر .....'' برقائی خان کا لہجہ رندھنے لگا۔ وہ لگام کو ہاتھوں میں بری طرح مسل رہا تھا۔ نور الدین خود بھی غم سے نڈھال تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر برقائی خان کا کاندھا تھپتھپایا اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔ عجب بات تھی کہ دونوں کا غم مشترکہ تھا۔ دونوں گردشِ زمانہ کا شکار تھے۔ ایک غم خوار دوسرے غم زدہ کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔

''میں دو ایک دن میں دوبارہ اپنے بھائی مطیع الدین کی تلاش میں نکلوں گا، میرے سپاہی بدستور اُس کے بارے میں کھوج نکالنے میں جتے ہوئے ہیں''۔

''اللہ تمہاری مدد کرے گا.....''

برقائی خان بوڑھے غم زدہ باپ کے سامنے مزید ٹھہرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ اس نے وہاں سے رخصت ہو جانا مناسب سمجھا اور گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے وہ اپنے شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

جمال الدین الراحی کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ نجم الدین ایوب کا نام پیش کرنے میں غازی عبداللہ شافعی کا ہاتھ ہے اور وہ آج کل قاہرہ کے باہر قصبے الحماء میں مقیم ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بڑے زور شور سے اس کے عتاب زدہ اور اس سے ناراض امراء کی جماعت کے ہمراہ نئے سلطان کے بارے میں تحریک چلا رہا ہے۔ امراء کی وہ جماعت جسے وہ ماضی میں ذلیل کر کے قاہرہ سے نکلوا چکا تھا۔ اس کے ساتھ مل چکی تھی اور وہ سب باہمی اتفاق سے جمال الدین الراحی کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ یہ صورت حال جمال الدین الراحی کے لئے بڑی تشویش ناک تھی۔ اس نے غازی عبداللہ شافعی سے خود ملنے کا فیصلہ کیا، اگر وہ اسے منانے میں کامیاب ہو گیا تو نجم الدین ایوب کا پتہ ایک بار پھر صاف ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ الحماء پہنچا اور اس سرائے چلا آیا جہاں غازی عبداللہ شافعی ٹھہرا ہوا تھا۔ غازی عبداللہ شافعی نے جب اس کی صورت دیکھی تو اس کے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی۔ بہر حال وہ ابھی ایسے مقام پر نہیں تھا کہ اپنے غصے کا برملا اظہار کر پاتا اس نے جمال الدین الراحی کو بیٹھنے تک کا نہیں کہا۔

''میرے دوست..... میرے بھائی!''

جمال الدین اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے ناروا سلوک اور سابقہ کوتاہی [illegible]

اور معذرت طلب کرنے کے لئے خود چل کر تمہارے پاس آیا ہوں''۔

''الراحی......! وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا تمہیں یوں گڑگڑانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تم جاؤ اور اُس وقت کا انتظار کرو جب مجھ سے کوتاہیاں سرزد ہوں گی، میرا حسنِ سلوک تمہیں برداشت کرنا پڑے گا''۔ غازی عبداللہ شافعی کے چہرے پر نفرت انگیز مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ جمال الدین الراحی فرطِ طیش میں محض پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

''غازی......! میں تم سے معافی مانگنے آیا تھا مگر یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں کسی انسان کے پاس نہیں بلکہ پتھر پر ماتھا ٹھونکنے آیا ہوں۔ بہر حال یہ میری غلطی ہے مگر تم اس وقت سے پناہ مانگو جب میں بلادِ مصر کی گدی پر براجمان ہوں گا اور تم میرے سامنے پابہ زنجیر کھڑے ہو گے''۔ وہ اس کا سرد رویہ برداشت نہ کر پایا اسی لئے الفاظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا۔

''الراحی......! تم نے پہلے کون سی کسر چھوڑی تھی بہر کیف مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے، وہ ہی میرا نگہبان ہے۔ انشاءاللہ تم اپنے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے''۔

''یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کیا ہونے والا ہے......؟ میں یہاں تمہاری اوٹ پٹانگ سننے نہیں آیا ہوں بلکہ تمہیں متنبہ کرنے آیا ہوں کہ تم نے نجم الدین ایوب کے سلسلے میں جو گمراہی پھیلا رکھی ہے، اس سے باز آ جاؤ......ورنہ......!!!''

جمال الدین الراحی پر رعشہ سا طاری ہونے لگا۔ وہ دونوں مٹھیاں بار بار بھینچ رہا تھا۔

''نجم الدین ایوب کے معاملے سے تمہارا کیا تعلق......؟ وہ مجلسِ انتخاب کا مسئلہ ہے کہ وہ کیا طے کرتی ہے؟ دوسرا نجم الدین ایوب میری ہی نہیں تمام بلادِ مصر کی متفقہ آواز ہے''۔

''نجم الدین ایوب بلادِ مصر تک پہنچے گا تو ہی سلطان بن سکے گا، اگر تم نے اِس کے متعلق یہ پروپیگنڈا بند نہ کیا تو خواہ مخواہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے''۔

''مجھے گیدڑ بھبھکیاں دینے کے بجائے اپنی خیر مناؤ الراحی......! میں نے جو کرنا ہے وہ کر کے ہی رہوں گا، بس تم وقت کا انتظار کرو''۔

غازی عبداللہ شافعی کے چہرے پر گہرا اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ جمال الدین الراحی خود کو زچ محسوس کرنے لگا۔ اس نے اِدھر اُدھر کی ڈینگیں ماریں اور پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ غازی عبداللہ شافعی اسے مرغِ بسمل کی طرح تڑپتا دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا۔

❁ ❁ ❁

وجیہہ الدین الباقری بلادِ مصر کی عساکر کا امیرِ اعلیٰ تھا۔ اسی نے جمال الدین الراحی کے ایماء پر نوعمر سلطان سیف الدین ابوبکر کو اعتکاف کی حالت سے گرفتار کیا تھا۔ جہاں وہ جمال الدین الراحی کا ہمراز تھا، وہیں اسے اپنی ذات کے حوالے سے بھی اُس سے سخت خطرہ لاحق تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر جمال الدین الراحی سلطانِ مصر بننے میں کامیاب ہو گیا تو ممکن تھا کہ وہ اپنا راز دار سمجھتے ہوئے اُسے اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ بظاہر تو جمال الدین الراحی اسے کامل تحفظ کی ضمانت دے چکا تھا مگر سلطان کی حیثیت سے وہ اس سے کہیں زیادہ بااختیار بن جاتا۔ وہ گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ بدلتے حالات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اُس کے دل میں ملک الصالح عماد الدین اسماعیل کو سلطانِ مصر بنانے کی خواہش پنپ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے عماد الدین اسماعیل کے ساتھ خفیہ مراسلت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ جمال الدین الراحی اس امر سے بے خبر

تھا۔ ایک شام غازی عبداللہ شافعی اس کے پاس چلا آیا اس کے ہمراہ اُمرائے مصر کی ایک جماعت بھی تھی۔ وجیہہ الدین الباقری جہاں غازی عبداللہ شافعی کی اس دلیری پر متحیر تھا، وہیں وہ امرائے مصر کو اس کے ہمراہ دیکھ کر خاموش رہا۔ ورنہ وہ اُسے زنداں خانے میں ڈالنے میں ایک پل نہ لگاتا۔ غازی عبداللہ شافعی کو قاہرہ سے بلادِ طن کیا جا چکا تھا۔ اس کی وہاں موجودگی بذاتِ خود کسی جرم سے کم نہیں تھی۔ اس نے سب احباب سے نشست سنبھالنے کے لئے کہا۔ جب سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے وہ اُن کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے متوجہ ہوا۔

''امیر العساکر......!'' ایک امیر قدرے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہ بات تو جانتے ہی ہیں کہ آج کل بلادِ مصر کی سلطانی کا معاملہ زد دوں پر ہے، جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہم اسی سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اپنی رائے کسی ایسے شخص کے حق میں دیں جو کہ حقیقتاً بلادِ مصر کی حاکمیت کا اہل ہو''۔

''معززین......!'' وجیہہ الدین الباقری گویا ہوا۔ ''میں آپ کے خیال سے بالکل متفق ہوں میری خود بھی دلی خواہش ہے کہ ہمارا سلطان کوئی ایسا شخص ہو جو ہماری زمین و مفادات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہمارے مستقبل کو محفوظ رکھنے کے قابل ہو، میں اس بارے میں غور و خوض کرتا رہتا ہوں، ابھی تک جو نام مجلس میں سامنے آئے ہیں، ان میں سے عماد الدین اسماعیل ہی ایک ایسا نام ہے جس کے بارے میں سنجیدگی سے میں سوچ رہا ہوں، جمال الدین الراحی کے سلطان بننے سے فتنہ و فساد کا امکان دکھائی دے رہا ہے۔ ہمیں اس وقت صلیبی دشمنوں سے بھی خطرہ ہے، الحمدللہ ہماری عساکر میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ انہیں دنداں شکن جواب دے سکیں مگر عساکر اسی وقت اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکیں گی جب انہیں سلطان کی حمایت حاصل ہو گی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ عماد الدین اسماعیل ہی ایسا شخص ہے جو ہماری سرحدوں کی حفاظت کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے''۔

وجیہہ الدین الباقری نے ان کی جانب سے کسی دوسرے کے نام پیش ہونے سے قبل ہی اپنی رائے ان پر ٹھونس دی تھی، وہ شاید انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اسے کسی دوسرے نام کی حمایت کرنے پر مجبور کرتے۔ وہ کن انکھیوں سے ان کے چہروں پر تذبذب کے آثار بھی دیکھ رہا تھا امرأ اس کی بات پر بے چین دکھائی دینے لگے۔

''امیر عساکر......!'' ایک دوسرا امیر بولا۔ ''آپ کی رائے سے ہم متفق نہیں ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ بلادِ مصر کے بارے میں کیا جذبات رکھتے ہیں......؟ ہم آپ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں مگر عماد الدین اسماعیل کا نام سلطانِ مصر کے لئے منتخب کرنا صحیح امر نہیں ہے''۔

''میں آپ کی بات کا برا نہیں مناؤں گا''۔ وجیہہ الدین الباقری مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آپ معززینِ مصر ہیں، آپ کے دم سے سلطنت میں امن و امان قائم ہے مگر میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ عماد الدین اسماعیل میں ایسی کون سی برائی ہے کہ اسے سلطان نہیں بننا چاہئے......؟''

''معزز امیر......!'' غازی عبداللہ شافعی نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا......''میں اپنی ناقص معلومات کے اعتبار سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ عماد الدین اسماعیل کے بجائے نجم الدین ایوب زیادہ بہتر نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عماد الدین اسماعیل عمر کے اس حصے میں ہے جہاں انسان کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، جب کہ نجم الدین ایوب ایک نوجوان ہے۔ عماد الدین اسماعیل کو بلادِ مصر سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے، اگر وہ پرزور اصرار پر اس امر کی حامی بھر لیتا ہے تو وہ کسی بھی درباری امیر کو منتظم بنا کر یہاں بھیج دے گا، بلادِ شام و شرقیہ کو بلادِ مصر پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ ہماری حیثیت محض خراج دینے والوں کی سی ہو گی۔ یہ قدم ہماری خود مختاری اور آزادی پر مہلک ضرب ثابت ہو گا۔ وقت گواہ ہے کہ صلیبیوں کے لئے عماد الدین اسماعیل کا رویہ بے حد ہمدردانہ رہا ہے اگر اس

کے دل میں ایمان وجہاد کی ذرا سی بھی خواہش ہوتو وہ بلاد شام دشرقیہ کا اتنا طاقتور حکمران ہے کہ اب تلک صلیبیوں کا نام ونشان مٹا چکا ہوتا۔ ایسا شخص بھلا ہمارے مستقبل کی کیا حفاظت کر سکتا ہے؟ رہا سوال نجم الدین ایوب کا تو اس میں ایسی بات موجود ہے جو اسے سلطان بننے کا اہل ثابت کرتی ہے۔ وہ ایک عرصہ تک مصر میں مقیم رہا ہے، یہاں کے لوگ اسے جانتے ہیں، وہ اسے پسند کرتے ہیں، دوسرا وہ اس سرزمین سے محبت کرتا ہے''۔

''غازی!'' وجیہہ الدین الباقری کا چہرہ ناگواری سے تننے لگا۔ ''تم کل تک قصرِ سلطانی میں نجم الدین ایوب کے خلاف سازشوں کا جال بنتے رہے ہو اور آج اس کی حمایت وطرف داری میں دلیلیں پیش کر رہے ہو، تمہارے کس انداز پر یقین کیا جائے؟ تم بخوبی جانتے ہو کہ قاہرہ میں تمہیں داخل نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر تم یہاں موجود ہو؟ میں اسے یہی سمجھوں گا کہ کل تک تم جس شخص کے خلاف تھے آج اسی کے ساتھ کسی خفیہ سمجھوتے کے تحت اس کی مہم چلا رہے ہو''۔

وجیہہ الدین الباقری کی بات میں وزن تھا، کئی امیر ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ غازی عبداللہ شافعی خود کو زچ ہوتے دیکھ کر تلملا سا گیا۔

''الباقری......! میں خوب جانتا ہوں کہ تمہیں عماد الدین اسماعیل سے کیا بغض ہے؟ کل تک جمال الدین الراحی کا ساتھ دیتے رہے، اسی کے منصوبے پر عمل درآمد کرتے ہوئے تم نے سیف الدین ابوبکر کو حراست میں لیا۔ حالانکہ اُس کا کوئی قصور نہیں تھا، اس پر جھوٹے بہتان باندھ کر تم نے اپنی مطلب برآری کی اور اب تم جمال الدین الراحی کو مکھی کی طرح نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔ تم بے حد مکار شخص ہو، میں اچھی طرح جانتا ہوں جو تم منصوبہ بنائے بیٹھے ہو، عماد الدین اسماعیل تو یہاں آنے کا نہیں، تم چاپلوسی کرتے ہوئے اس سے امارت کا عندیہ حاصل کر لوگے اور پھر تمام سلطنت تمہارے قبضے میں ہوگی۔ اگر تمہیں حکمرانی کی خواہش ہے تو مردوں کی طرح اپنا نام مجلس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔ تم یہ نہیں کر سکتے کیونکہ تم یہ جانتے ہو کہ بننے والا سلطان سب سے پہلے اُن امیدواروں کو اپنی راہ سے ہٹاتا ہے جنہیں خواہش حکمرانی ہو''۔

غازی عبداللہ شافعی کی باتیں امراء کے دل پہ لگیں، کچھ لمحے قبل وہ امیر عساکر سے متاثر دکھائی دے رہے تھے مگر اب حالات کی نئی کروٹ نے ان کے ذہن پر چھائی دبیز چادر ہٹا ڈالی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ غازی عبداللہ شافعی سے واقعی بدظن ہو چکے تھے مگر اس نئے انکشاف نے ان کے ذہن پر چھانے والے غبار کو مٹا ڈالا تھا۔ وہ ایک بار پھر غازی عبداللہ شافعی کے حامی دکھائی دینے لگے۔ صورت حال اپنے خلاف جاتے دیکھ کر وجیہہ الدین الباقری کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا۔ وہ یکدم ہتھے سے اکھڑ گیا، اس کے منہ سے ہذیان جاری ہونے لگا۔ امراء نے فوراً بیچ میں پڑ کر معاملہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ غازی عبداللہ شافعی نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر وہاں سے نکلنا مناسب سمجھا۔ اس کی لگائی ہوئی ضرب صحیح نشانہ پر لگی تھی۔ وجیہہ الدین الباقری کا پوشیدہ روپ کھل کر سامنے آ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تجسس بھری نگاہوں سے منگول لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خاموش کھڑی تھی، اس کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت نے اُسے بے حد حسین بنا دیا تھا۔ اس کے جسم پر موجود قبائلی لباس کے ساتھ لدے ہوئے زیورات نے اسے خاصا منفرد بنا رکھا تھا۔ مطیع الدین لمحہ بھر کے لئے اپنی حالت زار بھول کر اس کے دلربانہ حسن میں مگن سا ہو گیا۔ جب وہ اس کی بدستور تکنگی سے نظریں کترانے لگی تو مطیع الدین کو جیسے ہوش آیا۔ وہ اپنے تئیں جھینپ سا گیا۔ دوسرے لمحے اسے اپنی صعوبت زدہ حالت یاد آ گئی تو وہ چونک پڑا۔

''تت تم کون ہو......؟''

''اوہ! تم تاتاری ہو......!''

وہ چونک سی گئی۔

''نہیں......! میں نسلاً ترک ہوں، تاتاری بھی بول سکتا ہوں، مگر تم تاتاری نہیں دکھائی دیتی، کیا تم تاتاری زبان سمجھ لیتی ہو؟''

''ہاں! تھوڑی بہت!''

''مگر تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو......؟'' مطیع الدین کافی حد تک سنبھل گیا تھا۔

''مسافر ہو شاید! راہ بھٹک کر ادھر نکل آئے ہو......؟''

وہ اپنی کہے جا رہی تھی، مطیع الدین اس کے اندازوں سے جز بز سا ہونے لگا۔ چند لمحے قبل وہ اسے باور کرا چکا تھا کہ وہ ترک ہے۔

''تمہارا اندازہ صحیح ہے، میں بھٹکا ہوا مسافر ہوں، مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کہ تم کون ہو......؟''

وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑی، مطیع الدین کو پل بھر کے لئے یوں لگا کہ ہزاروں سازینوں پر بے اختیاری کے عالم میں ہاتھ پڑ گیا ہو۔

''میں تو یہیں رہتی ہوں، پاس ہی میرا گاؤں ہے۔ میں اس طرف سے روزانہ گذر کر پانی بھرنے جاتی ہوں، وہ سامنے دریا دکھائی دے رہا ہے نا۔ وہاں......!''

مطیع الدین کی نگاہ اس کی انگلی کے تعاقب میں اُٹھ گئی۔ کچھ فاصلے پر اسے دریا کا چمکتا ہوا پانی دکھائی دیا۔ اسے حیرت بھی ہوئی کہ جب وہ یہاں پہنچا تھا تو اسے قریبی دریا کا احساس نہیں ہوا تھا۔ شاید تکان کی زیادتی کے باعث اس کی توجہ اس جانب نہیں ہو سکی ہوگی۔

''کہاں سے آئے ہو اجنبی......؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا کہ میں اب کہاں سے آیا ہوں مگر یہ جانتا ہوں کہ مجھے کہاں جانا ہے......؟''

''میں کچھ سمجھی نہیں......!''

''تم نہ ہی سمجھو تو بہتر ہے۔ تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ سرائے جانے والا راستہ کون سا ہے؟ میں جلد از جلد سرائے پہنچنا چاہتا ہوں''۔

''سرائے......!!؟'' اس کے چہرے پر حیرت پھیلنے لگی۔ ''یہ کس جگہ کا نام ہے؟''

مطیع الدین اس کی بات پر چونک اُٹھا۔

''تم سرائے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، سرائے، زریں خیل منگولوں کا دارالحکومت ہے''۔

''اجنبی......!'' اس کے چہرے پر خوف سا دکھائی دینے لگا۔ ''تم شاید بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم نے کتنے دن سے کھانا نہیں کھایا؟''

مطیع الدین اس کی باتوں سے پریشان ہو گیا وہ کیا سمجھ رہی تھی یا وہ خود کہاں نکل آیا تھا دونوں باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ اگر وہ یہاں سے سرائے کا سراغ نہ پا سکا تو جانے اسے کب تک یونہی بھٹکنا پڑے گا۔

''تم نے پانی بھر لیا ہے یا ابھی بھرنے جانا ہے''۔ مطیع الدین نے اچانک سوال کیا۔

''تم میرے ساتھ گاؤں جانا چاہتے ہو؟''

''تمہارا اندازہ صحیح ہے''۔

''تم اپنا سامان سمیٹو، میں اتنی دیر میں پانی بھر کر آتی ہوں''۔ اس نے مٹکا نما برتن کو گھماتے ہوئے کہا۔ مطیع الدین نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دریا پر جا پہنچی۔ مطیع الدین کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھا اور گھوڑے کو تھپتھپانے لگا۔ سامان نام کی کوئی چیز اس کے پاس تھی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اجنبی لڑکی واپس لوٹ آئی۔ اس نے مطیع الدین کو چلنے کا اشارہ کیا۔ پانی کا برتن اس کے پہلو میں دبا ہوا تھا۔ مطیع الدین اس کے ہمراہ ایک جانب بڑھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ گاؤں میں سے یقیناً اُسے سرائے کا راستہ معلوم ہو جائے گا۔ اجنبی لڑکی کو سرائے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ''اگر وہ یہاں سے کبھی باہر نکلی ہوتی تو جان پاتی کہ دنیا کتنی بڑی ہے......؟'' وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔

❀ ❀ ❀

باتو خان بے حد مسرور تھا، اس کا بھائی برقائی خان واپس لوٹ آیا تھا۔ کئی ماہ کی جدائی کے بعد یہ ملاقات مسرت آمیز تھی۔ برقائی خان کو اس بات کا قلق تھا کہ وہ مطیع الدین کو تلاش کرنے میں ناکام رہا۔ باتو خان نے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی اور اسے ایک بار پھر یہ باور کرایا کہ مطیع الدین کی حیثیت کچھ ایسی نہیں ہے کہ اس کے لئے غم زدہ رہا جائے۔ وہ برقائی خان کی ایک مسلمان زادے سے اتنی وابستگی سے خوش نہیں تھا۔ دوسرے دن دربار میں جب برقائی خان آیا تو خاص جشن کا اہتمام کیا گیا۔ ان تمام امور کا مقصد محض یہی تھا کہ اس کی طبیعت بہل جائے اور مطیع الدین کا خیال ذہن سے اتر جائے۔ برقائی خان کا سامنا جب تونائی خان سے ہوا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ پایا۔

''تونائی خان......!'' برقائی خان اسے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تمہاری بیوقوف بیٹی کی چھوٹی سی نادانی نے مجھے میرے دوست سے ایک عرصے کے لئے جدا کر دیا ہے''۔

''میری بیٹی نے......! اس معاملے سے اس کا کیا تعلق......؟'' تونائی خان برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''تعلق ہے تونائی خان......! تمہاری بیٹی نے اسے سرخوں کے عتاب سے بچانے کے لئے ازقائی قبیلے سے مدد لی اور پھر اسے ان کے پاس محصور کروا دیا۔ اس نے ایسا کیونکر کیا......؟ میں نہیں جانتا اگر وہ یہ سب نہ کرتی تو میں اسے سرخوں سے چھڑا کر اب تک واپس لا چکا ہوتا''۔

''تم میری بیٹی پر الزام لگا رہے ہو۔ تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ کہ میری بیٹی نے ایسا کچھ کیا ہے......؟'' تونائی خان کرختگی سے بولا۔ اس کے لہجے میں کھوکھلے پن کا عنصر موجود تھا۔ وہ چند دن پہلے ہی اس بات کی تصدیق کر چکا تھا کہ اس کی بیٹی ازقائی قبیلے میں گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی ازقائی نوجوان سے تعلق جوڑ بیٹھی ہے مگر یہاں کچھ اور ہی سننے کو مل رہا تھا۔

''ثبوت تمہاری لرزتی ہوئی آواز ہے تونائی خان......؟ اس کے علاوہ ثبوت ازقائی قبیلے کا سردار مانجی خان ہے، وہ تمہاری بیٹی کو بھری محفل میں بھی پہچان لے گا''۔ برقائی خان کے لہجے میں تلخی تھی۔

''قاآن زادے......! تم سر محفل مجھے ذلیل کر رہے ہو......؟ تم میری بیٹی کو ایک مسلمان سے منسوب کر رہے ہو؟ جو کہ میری برداشت سے باہر ہے''۔

''میں تمہیں ذلیل نہیں کر رہا بلکہ احساس دلا رہا ہوں کہ تمہاری بیٹی کی چھوٹی سی غلطی نے مجھے ناکامی کا منہ دکھایا ہے، جہاں اس نے مجھے ایک غم زدہ باپ کے سامنے شرمندہ کر ڈالا ہے وہیں ایک اچھے دوست سے جدا کر دیا ہے''۔

''بس کرو برقائی خان......! میرے لئے اتنی ذلت کافی ہے، اگر یہ سچ ہوا تو جس بیٹی کے باعث مجھے یہ دن دیکھنا پڑا ہے، میں اُسے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار دوں گا''۔

برقائی خان نے غصے سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ درباری استعجابیہ نظروں سے دونوں کا منہ تک رہے تھے۔ زرّیں خیل کا قاآن باتو خان بھی برقائی خان کے اس جارحانہ انداز پر پریشان تھا۔ وہ بظاہر کچھ نہیں بولا۔ مگر اسے پیدا ہونے والے حالات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ تونائی خان اپنی رسوائی اور جگ ہنسائی کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ قدم پٹختا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔ باتو خان نے محفل جشن کو برخاست کرنے کا حکم دیا۔ برقائی خان کے اعزاز میں دی گئی یہ محفل بدمزگی پر تمام ہوئی تھی۔

❀ ❀ ❀

جمال الدین الراحی کے خلاف چلائی گئی جارحانہ مہم میں اب تیزی آنے لگی۔ امراٗ کے ساتھ ساتھ رعیت میں بھی اس کے لئے نفرت کا اظہار دکھائی دینے لگا۔ یہ سب غازی عبداللہ شافعی اور اس کے حلیف جماعت کا کیا دھرا تھا۔ انہوں نے رعیت میں یہ ہوا اُڑا دی تھی کہ دراصل سابق نوعمر سلطان سیف الدین ابوبکر کو معزول کرنے کے پیچھے جمال الدین الراحی کی ذاتی ہوسِ اقتدار کا ہاتھ تھا۔ ایسے امراٗ جنہیں وہ خصوصی مراعات اور اعلیٰ عہدوں کا لالچ دے کر ساتھ ملائے ہوئے تھا وہ بھی اب اس سے نظریں چرانے لگے تھے۔ جمال الدین الراحی کو واضح دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی دال مزید نہیں گلے گی، آنے والے وقت میں کوئی نہ کوئی بڑی مصیبت اس کی جان کو آئے گی۔ بازی پلٹتی دکھائی دے رہی تھی، اس نے سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ سلطان مصر کے لئے جو نام ابھی تک مجلس انتخاب کے پاس پہنچے تھے، ان میں نجم الدین ایوب اور عماد الدین اسماعیل شامل تھے۔ یہ دونوں شخص ایوبی خاندان سے تعلق رکھنے کے باعث عوام میں نہایت مقبول تھے۔ جمال الدین الراحی کا تعلق کسی طور کسی بڑے حکمران خاندان سے ثابت نہیں تھا۔ اس لئے زیادہ امکان اسی فیصلے کا تھا کہ اسے عہدہ سلطانی سے رد کر دیا جائے گا۔ نجم الدین ایوب کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اسے کسی صورت بھی نہیں بخشے گا۔ صرف عماد الدین اسماعیل ہی ایک شخصیت اسے دکھائی دی جس سے اسے تحفظ حاصل ہو سکتا تھا۔ اس نے خفیہ طور پر عماد الدین اسماعیل کی حمایت کا منصوبہ بنایا۔ اس نے 20 شوال 637ھ کو ایک طویل مراسلہ عماد الدین اسماعیل کے نام تحریر کر کے بعلبک روانہ کیا۔ جس میں اس کی مکمل حمایت کی یقین دہانی کے علاوہ نجم الدین ایوب کی گرفتاری کی بھی استدعا کی گئی تھی۔ اس مراسلے میں نجم الدین ایوب کی الکرک میں موجودگی اور حاکم الکرک الملک الناصر کے تعاون کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے نجم الدین ایوب سے ہتھیائے گئے علاقوں کا بھی ذکر کیا تھا جو کہ عماد الدین اسماعیل نے کچھ عرصہ پہلے اپنے قبضے میں لے لئے تھے۔ اس نے واضح کیا کہ نجم الدین ایوب بلادِ مصر کا سلطان بننے کے بعد اس قدر مضبوط ہو جائے گا کہ بلادِ شرقیہ کی واپسی اس کے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہوگی۔ بلاد شرقیہ اور بلاد فلسطین و لبنان پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے ضروری ہوگا کہ عماد الدین اسماعیل آگے بڑھ کر الکرک میں موجود نجم الدین ایوب کو فوری طور پر حراست میں لے لے۔ اگر دیر ہوگئی تو معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ جمال الدین الراحی نے اس قدر فصاحت و بلاغت سے یہ مراسلہ تیار کیا تھا کہ عماد الدین اسماعیل نامہ پڑھ کر وقت کی نزاکت بخوبی سمجھ گیا۔ اس نے بلادِ مصر کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے فوراً کوچ کا منصوبہ بنا لیا۔ اس کا پہلا ہدف الکرک تھا، جہاں الملک الناصر داؤد حاکم تھا۔ الکرک کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے بعد وہ نجم الدین ایوب کو بھی گرفتار کر سکتا تھا اور پھر بلاد مصر تو خود

اسے دعوت دے رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تھوڑی دیر میں اس لڑکی کے ہمراہ اس کے گاؤں پہنچ گیا۔لڑکی کے بیان کے مطابق گاؤں نزدیک ہی تھا مگر جب وہ اس کے ساتھ چلا تو معلوم ہوا کہ گاؤں کم از کم دو گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ راستے میں بھوک نے ستایا تو مطیع الدین نے ایک چھوٹی سی جنگلی بوٹی کے پھل سے پیٹ کا جہنم ٹھنڈا کیا۔ وہ لڑکی تعجب سے اس کا منہ تکتی رہی۔

مطیع الدین نے گہری نظر گاؤں پر ڈالی تو اسے عجیب سا محسوس ہوا کہ جیسے یہ گاؤں مستقلاً یہاں آباد نہیں تھا بلکہ اسے کچھ ہی عرصہ پہلے یہاں آباد کیا گیا ہو۔اپنے اس احساس کو وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔گاؤں میں اسے کئی عورتیں دکھائی دیں جنہوں نے زیورات کے بوجھ جسم پر لادے ہوئے تھے۔ وہاں موجود مردوں کی ہیئت بھی منفرد تھی۔ انہوں نے اپنے گلوں میں بڑے بڑے توے نما طوق ڈال رکھے تھے۔ ان توؤں پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ مطیع الدین استعجابیہ نگاہوں سے انہیں تکے جا رہا تھا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ انسان نما کون سی مخلوق ہے؟ جہاں وہ پہنچ گیا ہے۔ مطیع الدین کے گاؤں میں داخل ہونے پر بے ہنگم سا شور مچ گیا۔سب لوگ حیرت و خوف سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔کئی چہرے تو اسے ایسے دکھائی دیئے جو خوف کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا توے نما طوق پہنے ایک شخص اس کی جانب بڑھا۔اجنبی لڑکی اسے دیکھتے ہی وہاں سے کھسک لی تھی۔

''تم شاید ادھر راہ بھول کر آ نکلے ہو نوجوان''

''ہاں'' مطیع الدین نے اختصار سے کام لیا۔

''نوجوان غالباً تم یہ نہیں جانتے کہ یہ علاقہ ہماری ملکیت ہے اور ہم اپنے علاقے میں اجنبیوں کی آمد سخت ناپسند کرتے ہیں''۔ اس کا لہجہ خونخوار تھا۔ مطیع الدین نے اس کے انداز سے متاثر ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''تم شاید اس بستی کے سردار ہو ؟''

''تمہارا اندازہ صحیح ہے۔تم چونکہ لاشعوری طور پر اس جانب نکل آئے ہو اس لئے پہلی خطا کو معاف کرنا ہمارا قانون ہے۔تمہیں شام تک کی مہلت دی جاتی ہے کہ ہمارے علاقے سے نکل جاؤ ورنہ ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے''۔

''سردار !'' مطیع الدین اس کی جانب گھورتے ہوئے غرایا۔''مجھے کسی کی گیدڑ بھبکیاں سننے کی عادت نہیں ہے۔ بہرکیف مجھے تمہاری بستی میں آنے یا ٹھہرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے، میں اپنے راستے سے بھٹک گیا ہوں۔تم صرف اتنی مہربانی کرو کہ مجھے میری راہ پر لگا دو''۔

سردار اس کے لہجے پر دنگ رہ گیا۔اس نے آج تک کسی میں اتنی جرأت و اعتماد نہیں دیکھا تھا۔

''بہادر دکھائی دیتے ہو ؟ میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔تمہارا انداز مناسب نہیں ہے پھر بھی میں اپنے قول کے مطابق تمہیں آج شام تک کچھ نہیں کہوں گا حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آج شام تک ہمارے علاقے سے باہر نہیں جا سکو گے اور تم آج ہمارے شکار بنو گے''۔اس کا لہجہ بے حد سفاکانہ ہو گیا تھا۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ شکار کون بنے گا اور شکاری کون ؟ تم میرے سوال کا جواب جلدی دے دو تاکہ میں تمہارے کھیل سے محفوظ ہونے کی کوشش کر سکوں''۔

''مجھے تمہارے شکار میں لطف آئے گا''۔

''میرے خیال میں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔مجھ کو چلنا چاہئے''۔

''نہیں تم ایسے نہیں جا سکو گے''۔ وہ اڑ گیا۔

''کیا مطلب ؟'' مطیع الدین چونکا۔

''تمہیں حفاظتی تعویذ اپنے گلے میں لٹکانا ہوگا تاکہ ہمارے علاقے میں موجود اپسرائیں تمہیں اپنا شکار نہ بنا سکیں''۔

''تمہارا اشارہ غالباً اس توے کی جانب ہے ؟'' مطیع الدین منہ بناتے ہوئے اس کے گلے میں موجود طوق کی جانب دیکھنے لگا۔

''سمجھدار بھی ہو''۔

''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، دوسرا میں بلاؤں اور اپسراؤں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا''۔

''تم اس حفاظتی تعویذ کے بغیر یہاں سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے''۔

''بیکار کی ضد چھوڑو، میرا حامی و نگہبان میرا اللہ ہے !''

''میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو ؟'' سردار الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''کیا تم اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گے کہ تم کون لوگ ہو اور یہ کون سا علاقہ ہے ؟''

''ہم !'' اس نے قہقہہ لگایا۔''تم ہمیں نہیں جانتے، حیرت کا مقام ہے۔تمام جینان جانتا ہے کہ ہم قازہیں''۔

''یہ جینان کون ہے ؟''

''اجنبی تم بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو۔کیا تم نہیں جانتے ؟ کہ تم اس وقت عظیم ژار کی سلطنت جینان میں ہو''۔ سردار الجھی نگاہوں سے اسے تکنے لگا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ہلکا سا خوف بھی دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ ژار کون ہے؟ اور یہ جینان کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ میں تو منگولی سلطنت کا باسی ہوں۔خیام زریں خیل منگولوں کا دارالحکومت سرائے میری منزل ہے''۔

''منگولی سلطنت ؟'' سردار ہچکچاتے ہوئے بولا۔''کہیں تمہارا اشارہ تموچن کے ملک کی طرف تو نہیں ہے''۔

''ہاں !وہی تموچن جو چنگیز خان کے نام سے معروف ہے''۔مطیع الدین نے بتایا۔

''نوجوان !'' سردار قدرے توقف کے بعد نرمی سے بولا۔''تم تموچن کے ملک سے بہت دور نکل آئے ہو۔ یہ جینانی (روسی) سلطنت ہے۔ یہاں ژار کی حکومت چلتی ہے۔اگر تم تموچن کے ملک کی جانب چلنا شروع کرو گے تو تمہیں کم از کم تین ماہ کی مسافت طے کرنا ہوگی تب جا کر تم اس کی سرحدوں پر پہنچ پاؤ گے''۔

سردار کی بات سن کر مطیع الدین کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پھیل گئے۔ وہ پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔کیا واقعی وہ اتنی دور نکل آیا ہے؟

''تموچن کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بڑا ظالم اور ہیبت ناک حکمران تھا مگر وہ ہم سے بڑھ کر ظالم نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم تو انسانوں کے شکاری ہیں''۔

اس کے چہرے پر سفاکی گہری ہونے لگی۔

مطیع الدین اس کی بات پر غور نہیں کر رہا تھا وہ چینائی سلطنت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ کہاں واقع ہے؟ اس نے کبھی اس بارے میں کچھ سنا نہیں تھا۔ سردار نے اسے پریشان دیکھا تو ایک جانب اشارہ کیا۔ ایک شخص ایک اوسط قامت کا تعویذ لے کر وہاں چلا آیا۔ مطیع الدین اسے دیکھ کر جیسے ہوش میں آ گیا۔ سردار شاید اسے بے خبری کے عالم میں طوق پہنانے کا خواہش مند تھا۔ اس نے سرعت کا مظاہرہ کیا اور سردار کے پہلو میں موجود چینی تلوار کھینچ لی۔ یہ بڑا اہم موقع تھا۔ سردار اس کی ہوش مندی اور دلیرانہ جرأت پر عش عش کر اٹھا۔ تلوار مطیع الدین کے ہاتھ میں لہرا رہی تھی۔ سردار اس شخص سمیت تیزی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہوگی تو کوئی میری جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کرے گا"۔

مطیع الدین نے تیز لہجے میں کہا اور دوسرے لمحے جست لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ قبیلے میں کئی مرد نکل کر اس کی جانب بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھالے اور تلواریں موجود تھیں۔ مطیع الدین کے لئے وقت ضائع کرنا بیوقوفی تھی اس لئے اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

"نوجوان!"۔ سردار چیختی ہوئی آواز میں بولا۔ "حفاظتی تعویذ تمہیں آفات سے بچا سکتا ہے۔ تم خواہ مخواہ بدگمان ہو رہے ہو"۔

"سردار ؟" مطیع الدین ہنستے ہوئے بولا۔ "میں مسلمان ہوں اور میرا یقین ہے کہ کوئی آفت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بشرطیکہ وہ اللہ کی جانب سے نہ ہو"۔

"نوجوان ! کھیل اب شروع ہو گیا ہے، اگر تم آج شام سے پہلے پہلے ہمارے علاقے سے زندہ نکل گئے تو کل صبح کا سورج دیکھ پاؤ گے"۔

"تم میں سے کوئی میری راہ میں آیا تو یاد رکھے کہ کل کا سورج وہ نہیں دیکھ پائے گا"۔

مطیع الدین تلوار لہراتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ سردار نے اپنے باسیوں کو صبر و تحمل کی تلقین کی۔ وہ رات کو بآسانی مطیع الدین کو پکڑ سکتے تھے۔ ابھی رات ہونے میں دو پہروں کا فاصلہ باقی تھا۔

❀ ❀ ❀

الملک الناصر داؤد الکرک کے شاہی محل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود تھا۔ اسے چند ہی لمحے پہلے اطلاع ملی تھی کہ عماد الدین اسماعیل اب الکرک کا رخ کرنے والا ہے۔ وہ جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ کسی وقت بھی وہ بعلبک سے نکل پڑے گا۔ الملک الناصر داؤد اس کے مقابلے میں خاصا کمزور حکمران تھا۔ اس کا فوجی لشکر اتنا طاقتور اور تعداد میں زیادہ نہیں تھا کہ وہ جم کر عماد الدین اسماعیل کا مقابلہ کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عماد الدین اسماعیل براہ راست میدان جنگ میں لڑنے کے بجائے نفسیاتی داؤ کھیلنے کا ماہر تھا۔ وہ اپنے حریف کو لڑنے سے پہلے ہی ذہنی طور پر مفلوج کر دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی سوچ کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں الملک الجواد کی مدد لینا مناسب ہوگی۔ یہ اس کا چچیرا بھائی تھا اور حکمران تھا۔ اس نے ایک تیز ہرکارے کے ذریعے تازہ صورت حال اس کے گوش گذار کی اور الملک الصالح عماد الدین اسماعیل کو باز رکھنے کی استدعا کی۔ الملک الجواد چند شرائط پر مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس نے اپنی افواج کے ساتھ 2 ذی قعدہ 637ھ کو عماد الدین اسماعیل پر اچانک حملہ کر دیا۔ الملک الجواد الملک الناصر کی آڑ میں شاید کسی پرانے زخم کا بدلہ چاہتا تھا اسی لئے اس نے الملک الناصر کو بنیاد بناتے ہوئے بلہ بول دیا۔ عماد الدین اسماعیل کو الملک الجواد کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ نہیں تھا۔ اس کے اچانک حملے کے باعث وہ الجھ کر رہ گیا۔ الملک الجواد کے ساتھ صلیبی گروہ ٹیمپلرز کی اکثریت بھی شامل تھی۔ صلیبیوں کو عماد الدین اسماعیل سے کافی شکایات تھیں انہوں اس موقع کا

فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ عماد الدین اسماعیل نے ناگہانی آفت سے نمٹنے کے لئے فوری عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بعلبک کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ الملک الجواد کی افواج محاصرے ڈال کر بیٹھ رہیں۔ الملک الناصر کو جب محاصرے کی اطلاع ملی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

❀ ❀ ❀

تو تائی خان شام کے وقت نور الدین کے گھر چلا آیا۔ بھرے دربار میں برقائی خان نے جس تلخ انداز میں اس کی عزت افزائی کی تھی وہ اب بھی سانپ بن کر اس کے سینے پر لوٹ رہی تھی۔ اس نے کافی سوچ بچار کے بعد نور الدین سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔ نور الدین عصر کی نماز سے فارغ ہوا تھا کہ اسے تو تائی خان کی آمد کی اطلاع ملی۔ وہ عجلت کے عالم میں مہمان خانے چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی، جس کے دانے وہ بے خیالی میں گرائے جا رہا تھا۔ تو تائی خان نے جب نور الدین کا پرنور چہرہ دیکھا تو وہ بڑی اپنائیت سے اٹھ کر اس سے گلے ملا۔ نور الدین نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تو تائی خان !" نور الدین تشکر آمیز لہجے میں گویا ہوا۔ "میں اپنے گھر میں تمہاری آمد پر بے حد خوش ہوا ہوں، میرا خیال تھا کہ شاید تم کبھی مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھو گے"۔

"نور الدین ! تم بڑے کم ظرف نکلے، میرے بارے میں ایسا سوچتے ہوئے تمہیں ذرا بھی عار نہیں آئی۔ میں آخر تمہارا ہمسایہ ہوں، ہم نے ساتھ ساتھ رہنا ہے، ہنسی خوشی ساتھ رہیں گے تو وقت اچھا گذرے گا۔ دوسرا تم بھی ایک باپ ہو اور میں بھی، ہم دونوں غیر مذہب سہی مگر پدرانہ تقاضے تو بدل نہیں سکتے"۔

"میں معذرت چاہتا ہوں کہ میری بات سے تمہارا دل دکھا۔ میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا"۔

"چھوڑو یہ بیکار کی باتیں، اپنے بیٹے کے بارے میں بتاؤ۔ اس کا کچھ پتہ لگا ؟"

"کچھ نہیں !" نور الدین یکدم آزردہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر یاسیت چھانے لگی۔ "اللہ جانے وہ کس حال میں ہے؟ بس وہی اس کا حامی و ناصر ہے۔ وہ جہاں بھی ہے اللہ اسے اپنے امان میں رکھے"۔

"برقائی خان واپس آ گیا ہے ؟ تمہیں معلوم ہے کیا؟" تو تائی خان نے جھک کر پوچھا۔

"ہاں ! وہ سیدھا میرے پاس ہی آیا تھا اور اپنی ناکامی پر خاصا برہم دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اسے صبر و شکر کی تلقین کی تھی"۔

"اوہ ! میرا اندازہ صحیح نکلا"۔

"کیا مطلب ؟"

"برقائی خان تمہیں بے وقوف بنا گیا ہے"۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟"

نور الدین بے چین سا ہو گیا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ وہ تمہیں سچائی بتا گیا ہوگا مگر اس میں سچائی بیان کرنے کا حوصلہ ہی نہیں پیدا ہوا"۔ تو تائی خان جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو تائی خان ! صاف صاف کہو کہ کیا بات ہے ؟"

تو تائی خان کا چہرہ اچانک اتر گیا۔ وہ اپنا سر جھکائے رنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"تو تائی خان ! تم چپ کیوں ہو؟" نور الدین کی آواز کانپنے لگی۔

"نور الدین ! میں بھی ایک باپ ہوں، اولاد کیسے پالی جاتی ہے اور اس کا درد کیا ہوتا ہے؟ یہ میں

اچھی طرح جانتا ہوں۔ کسی کو اس کی اولاد کے بارے میں کوئی بری خبر سنانا کتنا مشکل امر ہوتا ہے؟ یہ شاید میں ہی جانتا ہوں۔ میں تمہارے پاس تعزیت کے لئے آیا تھا مگر یہ دیکھ کر مجھے مزید تکلیف ہوئی کہ تمہیں صریحاً دھوکے میں رکھا گیا ہے، تم ابھی تک بے خبر ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا بیٹا زندہ ہے۔ میں تمہیں یہ کیسے بتاؤں؟ تم جس بیٹے کی زندگی کا تصور کئے بیٹھے ہو وہ اب اس دُنیا میں نہیں رہا''۔

''خدا کے لئے ایسے جملے تو منہ سے مت نکالو تو نائی خان''۔ بے ساختگی میں اس کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ دوسرے لمحے وہ کسی کٹنے پیڑ کی مانند زمین بوس ہو گیا۔ تو نائی خان تیزی سے اس کی جانب لپکا اور اسے سہارا دیتے ہوئے اُٹھا کر بمشکل کرسی پر بٹھایا۔ اس نے قریب موجود پانی کی صراحی سے نور الدین کے چہرے پر چھینٹے مارے۔ کافی کوشش کے بعد نور الدین کو ہوش آیا۔ وہ بے رونق آنکھوں سے اس کی صورت دیکھے جا رہا تھا کہ شاید تو نائی خان اپنے سابقہ جملے کی تردید میں کچھ کہے۔ وہ بجھا بجھا سا اور مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کچھ بولنا چاہا مگر تو نائی خان نے ہاتھ سے اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ نور الدین کی حالت ایسی تھی جیسے اس پر پہاڑ آن پڑا ہو۔

''میں تمہاری بات پر کیسے یقین کرلوں ؟'' وہ نحیف سی آواز میں بولا۔

''یقین !'' تو نائی خان نے ایک گہرا سانس لیا، خود اس کا چہرہ بھی اترا ہوا دکھائی دینے لگا۔ ''میرے عزیز !اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو شاید ایسا ہی سوال کرتا۔ کسی باپ کے لئے یہ یقین کر لینا کہ وہ اولاد کی نعمت سے محروم ہو گیا خاصا دشوار امر ہوتا ہے۔ مگر جو ہو چکا ہوتا ہے اس سے منہ بھی نہیں موڑا جا سکتا''۔

''تو نائی خان !تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' نور الدین نے سوال کیا۔ تو نائی خان جواب اپنے ذہن میں ترتیب دینے لگا۔

''میں آج ہی شاہی دربار گیا تھا وہاں برقائی خان کی آمد پر شاندار ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ میں بھی اس میں شامل تھا۔ برقائی خان سرود ومستی میں ایسا کھویا کہ اسے کچھ ہوش باقی نہ رہا۔ شراب کے خمار نے ایسی باتوں کو اُگل ڈالا جو شاید وہ ہوش میں کبھی تسلیم نہ کرتا۔ اس نے بڑے فخریہ انداز میں یہ اقرار کیا کہ اس نے خود سرکیشی پہاڑی پر مطیع الدین کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور الزام سرخوں کے سر تھوپ دیا۔ میں چونکہ اس کے بے حد قریب تھا، اس لئے دیگر احباب کی نسبت مجھے اس کی باتوں کی زیادہ سمجھ آئی۔ میں اس کے اچانک انکشاف سے چونک پڑا۔ صرف میں ہی دربار میں ایسا شخص تھا جو یہ جانتا تھا کہ مطیع الدین کون ہے؟ اور سرکیشی پہاڑی کا معاملہ کیا تھا؟ ہمارے پاس ہی باتو خان بھی موجود تھا۔ اس نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوری طور پر دربار برخاست کر دیا اور برقائی خان کو وہاں سے ہٹا دیا۔ بعد میں باتو خان نے مجھے یہ خاص ہدایت کی تھی کہ میں اس راز کو طشت از بام نہ کروں، ورنہ سلطنت میں بدامنی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف ایک نئی لہر اُٹھ کھڑی ہوگی۔ برقائی خان انجانے میں حماقت کر بیٹھا ہے''۔

تو نائی خان اپنی سی کہے جا رہا تھا۔ نور الدین ڈوبتے دل سے اس کے زہر آلود جملے سن رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی سماعت اس کا ساتھ چھوڑتی جا رہی ہو۔ تو نائی خان کا جملہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ اسے ہوش میں لانے میں کامیاب ہوا۔ نور الدین کا چہرہ صدیوں کے بیمار کا سا دکھائی دے رہا تھا۔ تو نائی خان اس کی ڈھارس بندھاتا رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ نور الدین اسے اپنا ہمدرد سمجھ رہا ہے تو وہ اپنے اصلی مدعا کی طرف متوجہ ہوا۔

''نور الدین! میں نے سنا ہے کہ تمہارے مذہب میں ظلم برداشت کرنا بھی گناہ ہے ؟''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟''

''میں ایک باپ ہونے کے ناطے تمہارے درد کا حصہ دار بننا چاہتا ہوں اور ایک ظالم کو کیفر کردار پہنچانے کا خواہش مند ہوں۔ باتو خان سے میں وعدہ کر چکا ہوں، میں اپنی زبان بند رکھوں گا مگر مجھ سے تمہارا حال دیکھا نہیں جا رہا۔ اس لئے حقیقت تمہارے گوش گذار دی۔ اب میں اتنا کچھ کر چکا ہوں تو میری خواہش یہ بھی ہے کہ تمہیں ہر قیمت پر انصاف دلایا جائے''۔

''میں صبر کے علاوہ اب کیا کر سکتا ہوں ؟'' نور الدین روہانسا ہو کر بولا۔

''تم یہ مت سمجھو تم منگولی سلطنت میں ہو اور یہاں تمہیں انصاف نہیں ملے گا۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا اور تمہیں انصاف دلانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھوں گا۔ تم میرے ساتھ کل کوتوالی چلنا اور برقائی خان کے خلاف مقدمہ درج کرا دینا''۔

''میں اس بارے میں ابھی سوچوں گا کہ مجھے کیا قدم اُٹھانا چاہئے؟ دوسرا میرے پاس برقائی خان کے خلاف کوئی ثبوت بھی تو نہیں ہے''۔

''ثبوت میں ہوں نا !'' تو نائی خان تیزی سے بولا۔ ''تم اب آرام کرو۔ میں کل صبح پھر آؤں گا پھر اس سلسلے میں مزید بات ہوگی''۔

نور الدین نے نحیف انداز میں اثبات میں گردن ہلائی۔ تو نائی خان کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اس کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ تو نائی خان کی اطلاع نے نور الدین کو نڈھال کر دیا تھا۔ ایسی تکلیف دہ حالت میں بھی اس کے دل کے کسی گوشے سے دبی دبی سی آواز اُٹھ رہی تھی ایسا کچھ نہیں ہے۔ تو نائی خان صریحاً جھوٹ بول رہا ہے۔ برقائی خان ایسا نہیں کر سکتا؟ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کے پیچھے کوئی وجہ تو ہوتی۔ تو نائی خان کی باتوں میں کچھ ایسا ضرور موجود تھا جو نور الدین کو مطمئن نہیں کر پایا تھا۔

❀ ❀ ❀

7 ذی قعدہ 637ھ میں مصری امرأ کی مجلس انتخاب نے رائے شماری کا عمل مکمل کر لیا اور اسی شام بلادِ مصر کے لئے نئے سلطان کے طور پر نجم الدین ایوب کے نام کا حتمی اعلان کر دیا گیا۔ جمال الدین المراحی نے جانب داری کا الزام لگاتے ہوئے خاصا واویلا مچایا مگر اس کی ایک نہ چلی۔ غازی عبداللہ شافعی کی چلائی گئی تحریک نے کام دکھا دیا تھا۔ امرأ کا مختصر طبقہ جو کہ عماد الدین اسماعیل کا حامی تھا محض اس لئے خاموش ہو کر رہ گیا تھا کہ عماد الدین اسماعیل کے بارے میں الملک الجواد کی جنگ کی متضاد خبروں نے اس کی شہرت خراب کر دی تھی۔ یہ بھی غازی عبداللہ شافعی کا ہی کارنامہ تھا۔ اعلان کے اگلے دن نجم الدین ایوب کو قاہرہ آنے کی باقاعدہ دعوت بھجوا دی گئی تھی۔ جمال الدین المراحی نے حالات کو پوری طرح اپنے ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر قاہرہ سے فرار ہونا چاہا مگر چند امرأ نے اس کے منصوبے کو بروقت ناکام بنا دیا۔ یہ اُمرأ کا وہ طبقہ تھا جو ماضی میں اس کی چال بازیوں کا شکار ہوا تھا، وہ کسی صورت میں اسے وہاں سے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کے گھر کے گرد پہرہ لگا دیا گیا۔ اعلان کے اگلے ہی دن جمال الدین المراحی کے خلاف الزامات کی طویل فہرست قاضی القضاۃ کے دفتر میں داخل کرا دی گئی تھی۔ جمال الدین المراحی کو اب صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بننے والی ہے۔ اسے اپنی ذلت کا احساس ہونے لگا مگر وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ عماد الدین اسماعیل کی جانب سے ہلکی سی امید ابھی تک باقی تھی مگر وہ خود الملک الجواد کے ہاتھوں محصور تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین اس عجیب گاؤں سے نکل تو آیا تھا مگر وہ ابھی تک صحیح راستے سے بے خبر تھا۔ کوئی واضح اشارہ موجود نہیں تھا۔ وہ سرائے کی جانب بڑھنا چاہتا تھا مگر قدرت اسے سرائے سے اتنا ہی دور کئے جا رہی تھی۔ وہ بھٹکتا ہوا روسی سلطنت کے بالائی حصوں میں پہنچ گیا تھا۔ سرد ہواؤں نے اسے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ ازقائی سردار مانجی خان نے اسے سچ کہا تھا کہ وہ اس کی رہنمائی کے بغیر سرائے نہیں پہنچ سکے گا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگا جب اس نے بے وقوفی کرتے ہوئے ازقائی قبیلے سے قدم نکالا تھا کم از کم وہ اس وقت محفوظ تو تھا اور سرائے کے قریب بھی تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ وقت ہاتھوں سے پھسل چکا تھا۔ اسے سرائے تک پہنچنے کے لئے تین ماہ کی مسافت طے کرنا تھی اور ساتھ ہی عجیب قاژ باشندوں سے بھی محفوظ رہنا تھا۔ قاژی سردار نے بڑے اعتماد سے اسے کہا تھا کہ وہ رات تک اُن کا شکار بن جائے گا۔ اسے جلد از جلد اس بھیانک علاقے سے نکلنا تھا۔ مگر وہ کس طرف سفر کرتا؟

اس کا گھوڑا اس کے ذہن میں اُٹھنے والی سوچوں کے دھارے کی رفتار کے ساتھ مسلسل بھاگ رہا تھا۔ اچانک کسی بات نے اس کے ذہن پر دستک دی تو وہ چونک پڑا۔ گھوڑے کی لگامیں خود بخود کھنچتی چلی گئیں۔ وہ یکدم رُک گیا پھر دوسرے ہی لمحے وہ جست لگاتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ ایک خفیف سا اشارہ اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔ قاژ سردار نے تموچن کے ملک کا ذکر کرتے ہوئے ایک مخصوص جانب گردن گھمائی تھی۔ یہ نہایت اہم بات تھی۔ اس نے لاشعوری طور پر اسے اشارہ دے دیا تھا کہ تموچن کا ملک کس جانب ہے؟ اس وقت مطیع الدین کا ذہن دوسری جانب الجھا ہوا تھا اس لئے وہ فوری سمجھ نہیں پایا تھا۔ اب جبکہ وہ گھوڑے کی پشت پر قاژی سردار کی باتوں پر لگاتار غور کر رہا تھا تو اس کی یہ حرکت ذہن میں آ گئی۔ اب مشکل یہ تھا کہ وہ اس اشارے کو صحیح سمت دے پاتا کیونکہ وہ راستے میں کئی بل کھا چکا تھا۔ یہ خدائی مدد ہی تھی کہ اسے قاژی سردار کی معمولی سی حرکت یاد آ گئی تھی۔ اس نے گھوڑے کی لگامیں ڈھیلی چھوڑتے ہوئے اپنے ذہن پر مزید زور دینے کی کوشش کی کہ اُس گاؤں سے نکلنے کے بعد اب تک وہ کتنے موڑ کاٹ چکا ہے۔ یہ خاصا پیچیدہ مرحلہ تھا۔ اسے سفر کرنا چاہئے تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی قاژی باشندے اس کے شکار پر نکل پڑتے۔

• مطیع الدین کافی دیر تک اسی کشمکش میں الجھا رہا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے زمین پر چھپٹی تلوار کی نوک سے گاؤں کا نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے حافظے کی تمام قوتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کس جانب سے گاؤں میں داخل ہوا، وہ اجنبی لڑکی کس جانب چلی گئی۔ سردار کس طرف سے اس کی جانب بڑھا۔ دونوں کس رُخ سے آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اس نے گاؤں میں موجود تمام چیزوں کو زمین پر نشانات کے ذریعے کھود ڈالا تھا۔ وہ سردار کی گردن کے اشارے کی مناسبت سے وہ رُخ معلوم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ گاؤں سے جس رُخ نکلا تھا وہ اسے معلوم ہو گیا تھا مگر اب وہ کہاں پہنچ گیا تھا؟ یہ ابھی تک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے ذہن کو مزید کھنگالنے کی کوشش کرنے لگا مگر ہر طرف سے ناکامی ہی سامنے آتی رہی۔

وہ اب سوچ رہا تھا کہ کیا اُسے دوبارہ اسی گاؤں لوٹنا چاہئے؟ تاکہ وہ صحیح سمت کی جانب گامزن ہو سکے مگر قاژی سردار نے اسے سورج غروب تک کی مہلت دی ہے۔ اگر وہ واپسی کے بارے میں سوچتا تو سورج غروب ہونے تک وہ گاؤں سے زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا۔ اچانک ایک خیال بجلی کی مانند اس کے ذہن میں کوندا۔ جب وہ سردار کے ساتھ محو گفتگو تھا تو سورج کس سمت میں تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر سورج کو دیکھا بھی

تھا۔ یہ بات بڑی اہم تھی۔ اس نے تھوڑا سا ذہن پر زور دیا تو وہ سورج کی سمت یاد کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت سورج اس کے دائیں پہلو پر تھا اور سردار کی گردن خفیف انداز میں بائیں جانب گھومی تھی۔ یعنی اسے ڈھلتے سورج کے بائیں پہلو کی جانب سفر کرنا چاہئے۔ اس نے سورج کی جانب دیکھا تو چہرے پر بشاشیت سی پھیل گئی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے عالم سرشاری میں نعرہ لگایا اور سرعت سے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ اس نے ایڑ لگائی اور گھوڑا ایک بار پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اسے اپنی منزل کا سراغ مل چکا تھا۔ اب وہ سرائے پہنچ سکتا تھا۔ اس نے کسی قیام کے بغیر اپنے سفر کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اسے چینائی سلطنت سے جلد از جلد نکلنا تھا۔ قاژی باسی اس وقت تک اس کا مسلسل تعاقب کرتے رہیں گے جب تک وہ ان کی حدود سے نکل نہیں جاتا۔ ویسے بھی تین ماہ بہت زیادہ مدت تھی۔

❀ ❀ ❀

27 ذی قعدہ 637ھ کو نجم الدین ایوب مصری امراء کی دعوت پر مصر پہنچا۔ مشہور مورخ ابن خلکان بھی اس دن مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں موجود تھا۔ وہ خصوصی طور پر اس دن کی مناسبت سے نئی تاریخ رقم ہوتی دیکھ رہا تھا۔ جس دن نجم الدین ایوب مصر میں داخل ہوا وہ اتوار کا دن تھا اور دوپہر کے دو بجے کا وقت تھا۔ مصری امراء کی بڑی جماعت نے بڑے پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ دوسرا استقبال تھا۔ اس سے پہلے قاہرہ سے باہر الحماء میں غازی عبداللہ شافعی اور اس کے حلیف امراء نے انہیں خوش آمدید کہا اور پھر وہ بڑے جلوس کی شکل میں قاہرہ میں داخل ہوئے۔ نجم الدین ایوب کے ہمراہ اس کا عم زاد الملک الناصر داؤد حاکم الکرک بھی تھا۔ بہاء الدین زہیر، ابوخولید اور بیبرس اس کے اطراف میں چل رہے تھے۔ مصری امراء کے ساتھ ساتھ رعیت کا جوش و خروش بھی دیکھنے کے لائق تھا۔ نجم الدین ایوب خود بھی متحیر تھا کہ اس کی ذات کب سے اتنی اہم بن گئی تھی؟ وہ امراء اور رعیت کے جلو میں شاہی محل کے سامنے پہنچا۔ یہاں عام دربار لگایا گیا تھا۔ زریں مزیب قالینوں نے خاک اور دھول کا نام و نشان مٹا ڈالا تھا۔ نجم الدین ایوب اس دن سفید عربی لباس میں ملبوس تھا، سفید عمامہ اس کے سر پہ تھا اور سفید جبہ اس کے کاندھوں پر لہرا رہا تھا۔ وہ بڑی شان سے تخت کے چبوترے پر جلوہ افروز ہوا۔ امراء کی خاص جماعت بھی اس کے ہمراہ موجود تھی۔ جبکہ دیگر امراء معززین تخت کے چبوترے کے نیچے کھڑے اس کے حق میں نعرہ بازی کر رہے تھے۔

یہ سلسلہ کچھ دیر یونہی چلتا رہا۔ ایک ضعیف العمر شخص آگے بڑھ کر چبوترے کے کنارے پر آن کھڑا ہوا تو لوگوں پر سکوت چھا گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کی جانب بلند کئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے آغاز کیا پھر وہ اپنے موضوع کی جانب پلٹا۔

"برادرانِ اسلام! یہ بڑا اہم وقت ہے، ہم گزشتہ ایک ماہ سے ایک غیر محفوظ زندگی بسر کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم مل بیٹھ کر باہمی رضامندی سے اپنے جان و متاع کی حفاظت کا انتظام کر سکیں۔ ہمارے ملک میں چند شر پسند عناصر کے منصوبوں کے تحت بدامنی پھیل رہی تھی، سابق سلطان چونکہ کم عمر تھا اور وہ ملک کے انتظام سنبھالنے سے قاصر تھا اس لئے اسے معزول کر دینا ہی بہتر تھا۔ سلطان سیف الدین ابوبکر نے ملکی انتظام نااہلوں کے سپرد کر کے بیت المال کو بھی نقصان پہنچایا اور خوشامدی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتے ہوئے شرفاء کی پگڑیاں بھی اچھالیں ایسے میں ہمیں ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو رائج کر کے ملک میں سے بدامنی کی اس ناپاک فضا کو صاف کرے۔ آپ سب لوگوں نے مجھے مجلس انتخاب کا سربراہ بنا کر بھاری ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی تھی۔ میں نے

امرأ و شرفاء سے فرداً فرداً رائے طلب کرتے ہوئے جس شخص کو آپ کے نئے سلطان کے طور پر چننا تھا اس میں وہ سب خوبیاں ہونا ضروری تھیں جو آپ کی اور ملک کی ضرورت تھی۔ ایسے شخص کو منتخب کرنا میرے لئے بڑا اہم تھا۔ میں نے ذات باری تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ مجھے صحیح راہ دکھا کر سب کے سامنے سرخرو کرے۔ الحمد اللہ ہمیں رب تعالیٰ نے ایسا شخص میسر کیا کہ ہم اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے نفاذ کی توقع کر سکیں۔ مجھے جو رائے شماری آپ کی جانب سے ملی اس میں بھاری اکثریت نجم الدین ایوب کے حق میں تھی۔ میں نے آپ کی آراء و خواہش کا احترام کرتے ہوئے نجم الدین ایوب کو یہاں آنے کی دعوت دی۔ ابوالمظفر نجم الدین ایوب اب آپ کے سامنے موجود ہیں، میں آپ سب کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے ان کی بیعت کر کے انہیں بلاد مصر کا نیا سلطان تسلیم کرتا ہوں''۔

وہ قدرے مڑ کر نجم الدین ایوب کی جانب متوجہ ہوا۔ نجم الدین ایوب بڑی سادگی سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے برابر آ کھڑا ہوا۔ اس عمر رسیدہ شخص نے دونوں ہاتھوں سے اس کا دایاں ہاتھ پکڑا اور اس کی پشت پر بوسہ دیا۔ اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ بلند ہوا۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ امرأ ایک ایک کر کے چبوترے پر آتے اور بیعت کرتے۔ یہ سلسلہ عصر کی نماز تک جاری رہا۔ نماز کی ادائیگی جامع قاہرہ میں ہوئی۔ نماز کے بعد معزول سلطان کے بارے میں فیصلے کا اختیار نجم الدین ایوب کو سونپ دیا گیا۔ اسی وقت معزول سلطان سیف الدین ابوبکر کو ایک بڑی پالکی میں بٹھا کر سپاہیوں کے دستے کے جلو میں وہاں لایا گیا۔ شاہی محل کے چبوترے کے سامنے سیف الدین ابوبکر کو پالکی میں نکالا گیا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈالی گئی تھیں۔ نجم الدین ایوب اپنے چھوٹے بھائی کی حالت دیکھ کر بے چین سا ہو گیا۔ وہ بھائی جسے اس نے بڑی محبت سے اپنے ساتھ رکھا تھا، وہ اس کے سامنے پابہ زنجیر کھڑا تھا۔ سیف الدین ابوبکر نے جب بڑے بھائی کو سامنے دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کی گردن ندامت کے مارے جھک گئی تھی۔ وہ بھائی، جس کے خلاف وہ دوسروں کی باتوں میں آ کر دشمنوں کو اکساتا رہا اور اسے جان سے مارنے کی راہیں ڈھونڈتا رہا۔ وہ آج اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھے ہوئے تھا۔

امرأ و عام بڑے انہماک سے فیصلے کے منتظر تھے۔ حاضرین ایسے خاموش تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ نجم الدین ایوب کو بڑا تکلیف دہ فیصلہ کرنا تھا۔ نجم الدین ایوب نے ایک گہرا سانس لیا اور دھیمے قدموں اس کی جانب بڑھا۔ وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ سیف الدین ابوبکر نے نگاہ اُٹھا کر اس کی جانب مترحم نگاہوں سے دیکھا۔ اسی لمحے ان کا عم زاد الملک الناصر داؤد چبوترے سے نیچے اتر کر دونوں کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا ہمارے باپ نے وراثت کی تقسیم میں کوئی دھاندلی یا جانبداری کی تھی؟ کیا اس نے ہمیں ہماری حیثیت کے مطابق ہمیں پورا پورا حصہ نہیں دیا تھا؟ کیا اس نے مرتے وقت ہم سب کو باہم اتفاق و محبت سے رہنے کی تلقین نہیں کی تھی؟ اگر ایسا ہی تھا تو پھر تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' نجم الدین ایوب کی آواز میں گہرا درد اور شکوہ تھا۔ سیف الدین ابوبکر سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

''تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو ؟''

سیف الدین ابوبکر نے نظریں جھکا لیں۔

''میں تمہیں پورا پورا موقع دے رہا ہوں میرے بھائی ! میں یہ نہیں چاہتا کہ غم و غصہ میں مجھ سے کوئی غلط قدم اُٹھ جائے''۔

''میں ناسمجھی و نادانی میں بہک گیا تھا بھائی جان '' سیف الدین ابوبکر کے لبوں پر حرکت ہوئی۔

اس کے لہجے میں ندامت عیاں تھی۔ نجم الدین ایوب اس کے جواب پر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کا پورا جسم فرط طیش میں لرزنے لگا۔ چہرہ سرخی سے دہکنے لگا۔ اسے توقع تھی کہ وہ کوئی ایسی بات کرے گا جس سے وہ اپنا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپ دے گا مگر اس کے براہ راست اقرار جرم نے نجم الدین ایوب کو گہرے صدمے سے دو چار کیا تھا۔

''نجم الدین '' ایک ہاتھ اس کے کندھے پر دباؤ ڈالنے لگا۔ ''غصہ تھوک دو، یہ حرام ہوتا ہے''۔

نجم الدین ایوب کی شعلہ بار نگاہیں اس آواز کی جانب گھوم گئیں۔ الملک الناصر داؤد اسے آنکھوں سے اشارہ کرتا دکھائی دیا۔ دوسرے لمحے نجم الدین ایوب کا سر غم و غصہ سے جھک گیا۔

''اگر عام فرد غلطی کرے تو شاہ معاف کرتے ہیں مگر جب شاہ غلطی کرتے ہیں تو قدرت انہیں سزا دیتی ہے۔ یہی دستور ہے۔ تم نے غلطی کی، میرے ساتھ زیادتی کی، میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں مگر تم تو رعیت کے بھی جرم دار ہو، رعیت نے تمہیں معاف نہیں کیا اور آج اس حال میں پہنچا دیا اور آج وہ مجھ سے انصاف کی توقع لئے کھڑے ہیں اور میں سخت مشکل میں ہوں کہ امور جہانبانی کا تحفظ کروں یا خون کے رشتوں کے تقدس کا''۔

''نجم الدین !'' الملک الناصر داؤد بول پڑا۔ ''بہتر یہی ہوگا کہ تم اسے زنداں خانے میں بھیج دو۔ اس طرح تمہاری ذات پر حرف بھی نہیں آئے گا اور اللہ کے سامنے تم شرمندہ بھی نہیں ہو گے۔ اگر تم اسے ہلاک کر دیتے ہو تو بظاہر یہ عمل خراج تحسین ہو گا لوگ خوش ہو جائیں گے مگر تم روز محشر اپنے باپ کو کیا جواب دو گے؟ جس نے اپنا یہ بیٹا تمہارے سپرد کیا تھا اور پھر اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے''۔

نجم الدین ایوب اس کی بات سن کر تڑپ سا گیا وہ قدرے چیختے ہوئے بولا۔ ''میری نظروں کے سامنے سے اسے دور لے جاؤ۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کے لئے میری نگاہوں سے اوجھل کر دو اور زنداں خانے میں پڑا رہنے دو، وہی اس کا انجام ہے''۔

سپاہیوں کے دستے نے فوری حکم کی تعمیل کی اور اسے پالکی میں بٹھا کر واپس اسی زنداں خانے کی جانب لے گئے، جہاں سے اسے کچھ دیر پہلے لایا گیا تھا۔ نجم الدین ایوب حسرت بھری نگاہوں سے اپنے جان سے عزیز بھائی کو بدترین انجام کی جانب جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے پہلے فیصلے پر امرأ نے اس کے حق میں نعروں کا طوفان برپا کر دیا۔ وہ نجم الدین ایوب کی دلی کیفیت سے ناآشنا اپنی دھن میں ہلہ گلہ کر رہے تھے۔ الملک الناصر داؤد نے اس کی ڈھارس بندھائی اور گلے سے لگایا۔

❁ ❁ ❁

تو نائی خان اگلی صبح نور الدین سے ملنے کے بجائے قبیلہ سرخ کی جانب نکل گیا۔ وہ بڑی احتیاط سے ایک بڑا کھیل رچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک جانب اس نے نور الدین کو ورغلانے کی کوشش کی تھی اور تمام الزام برقائی خان کے سر تھوپ دیا تھا۔ دوسری جانب وہ اپنے بیان کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس نے ایک عقل مند اور ہوش مند باپ ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ دربار میں ہونے والی ذلت و رسوائی کے بعد اپنی بیٹی پر چڑھائی کر دیتا۔ اس نے گل وتوژ کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی کہ وہ جان چکا ہے کہ مطیع الدین ہی اس کا محبوب ہے جس کے لئے وہ ازقائی قبیلے میں گئی تھی اور اپنے باپ سے جھوٹ بولنے پر مجبور ہوئی تھی۔ ممکن تھا کہ اس کی بیٹی کی پسند کوئی منگول ہوتا تو وہ حالات سے سمجھوتہ کر لیتا مگر ایک مسلمان سے رشتہ جوڑنا اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔ تمام زندگی اس نے چنگیز خان کی قیادت میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ اب وہ ان کے سامنے کیسے جھک جاتا؟ یہ کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا۔ اس نے برقائی خان کی عزت افزائی

کا بدلہ اسی کے ہتھیار سے لینے کی ٹھانی تھی۔ وہ نورالدین کے ہاتھوں برقائی خان کو ذلیل کرانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ باتو خان کے شاہی عتاب سے بھی بچ سکتا تھا اور اپنی بیٹی کو بھی مطیع الدین سے متنفر کر سکتا تھا۔ بس اسے صرف اس بات کی فکر لاحق تھی کہ اس کے منصوبے کی تکمیل سے قبل مطیع الدین واپس نہ لوٹ آئے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ برقائی خان جیسا شخص اگر اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہا ہے تو واقعی مطیع الدین جلد واپس نہیں آسکے گا۔ یا وہ کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہے یا پھر وہ منگولوں کی سرزمین میں بھٹک گیا ہے۔ بھٹکے ہوئے مسافر دیر سے گھر لوٹا کرتے ہیں۔ یہ ایک مشہور منگولی کہاوت بھی تھی۔

وہ شام ہونے سے پہلے ہی قبیلہ سرخ میں پہنچ گیا تھا۔ سرخوں کے نئے سردار اور اس کے سسر منک آنہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اس کی صورت دیکھ کر متعجب بھی ہوا تھا۔ اس نے اس سے خیریت طلب کی تو توتائی خان نے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بات کرنے کا عندیہ دیا۔ جس پر وہ چپ ہو گیا۔ جب رات کا آغاز ہوا تو کھانے کا دسترخوان لگایا گیا۔ دونوں نے گھر کے افراد سے الگ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ جب وہ دونوں کھانا کھا چکے تو منک آنہ نے اس کی اچانک آمد کی وجہ دریافت کی۔ توتائی خان کافی دیر سے لفظوں کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ بات کا سلسلہ کہاں سے شروع کرے؟ اس نے بڑے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے اسے مختصر لفظوں میں مطیع الدین کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کی وابستگی کا بھی ذکر کیا۔ منک آنہ بھی ایک مسلمان سے نواسی کا تعلق سن کر سنانے میں آگیا۔ جب برقائی خان کے بھرے دربار کا سلوک توتائی خان نے بیان کیا تو منک آنہ جل بھن کر رہ گیا۔ وہ برقائی خان کی بڑی عزت کرتا تھا مگر اپنے خاندان پر وہ کسی بھی حملے کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ توتائی خان نے اسے اپنے پھینکے ہوئے تیر کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا اور نورالدین کے ہاتھوں برقائی خان کو ذلیل کرانے کا بھی منصوبہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ جب توتائی خان اپنی کہہ کر خاموش ہو گیا تو منک آنہ بولا۔

''توتائی خان! مجھے تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے، تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ ہی پاؤ گے۔ برقائی خان نے تمہاری بیٹی پر نہیں بلکہ میری نواسی پر انگلی اٹھائی ہے۔ اس کی انگلی کے جواب میں پورا ہاتھ توڑ دینا ہی مردانگی ہے۔ میں ابھی تک یہ سمجھ نہیں پایا کہ تمہیں فوری طور پر میرے پاس آنے کی ضرورت کیوں پڑی؟''

''آپ شاید میرا مقصد نہیں سمجھ پائے۔ میرا یہاں آنے کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ کسی بھی صورت یہ اقرار نہیں کریں گے کہ مطیع الدین کو کبھی سرخوں نے اغوا کیا تھا۔ جب جزجائی کا قضیہ ابھرے گا تو اسے عبادت شب خوں کے آغاز کا شوشہ قرار دیا جائے گا۔ سردار قباڑائی خان اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بغاوت کر کے منگولیانہ قوانین کو توڑنا چاہتا تھا اسی لئے برقائی کے حملہ کی نوبت آئی''۔

''اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

''اس میں ہی تو میرا فائدہ ہے، جب نورالدین بھرے دربار میں برقائی خان پر الزام لگائے گا کہ وہ اس کے بیٹے کا ہتھیارا ہے تو برقائی خان ثبوت میں آپ کا نام لے گا کہ سرخوں نے مطیع الدین کو اغوا کر لیا تھا اس نے اسے قتل نہیں کیا تو آپ کو طلب کیا جائے گا اور تصدیق مانگی جائے گی۔ اگر آپ اس موقع پر تردید ہو تو وعدے سے منکر ہو جاتے ہیں تو برقائی خان مجرم بن جائے گا۔ اس کے پاس دوسرا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ مطیع الدین کو اس نے نہیں قتل کیا۔ رہا ذقائی قبیلے کا تعلق، تو وہ میں سنبھال لوں گا۔ انہیں بھی سرخوں کے گھر میں دراندازی کی سزا ملنا چاہئے۔ بس ایک چھوٹا سا پیغام آپ کی جانب سے انہیں پہنچ جانا چاہئے''۔

منک آنہ نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ وہ توتائی خان کی فتنہ انگیزی کو اب پوری طرح سمجھ پایا تھا۔ توتائی خان

اس کے قہقہے پر مطمئن دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب برقائی خان کیسے بچ سکے گا؟

❁ ❁ ❁

دوسرے روز صبح کے وقت جمال الدین الراجی کو پابہ زنجیر نجم الدین ایوب کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ ابھی تک اپنے خاص شاہی کمرے میں ہی تھا۔ طبقہ امراء نے جہاں اس سے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھی وہیں وہ تمام معاملے جلد از جلد نمٹانے کے خواہش مند تھے۔ سابقہ حکومت کے بہت سے امور ادھورے پڑے تھے۔ وہ سب ایک ہی دن میں مکمل کرانے کے خواہش مند دکھائی دیتے تھے۔ نجم الدین ایوب کو ان کی جلد بازی پر غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی۔ صبح سویرے جمال الدین کا چہرہ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہی وہ منحوس شخص تھا جس کے باعث اس کا معصوم بھائی زنداں خانے میں پہنچ چکا تھا۔ اسی کی بدولت نجم الدین ایوب کے ہاتھوں سے بلادِ شرقیہ نکل گئے تھے اور قید کی صعوبت برداشت کرنا پڑی تھی۔

''اس بدبخت کو کیوں صبح صبح میرے سامنے لائے ہو؟''

''سلطانِ محترم! امراء و شرفاء کا خیال ہے کہ اس کا قضیہ جلد از جلد نمٹا دینا چاہئے۔ اس پر الزامات کی ایک طویل فہرست موجود ہے، اس کی بدعنوانیوں اور لوٹ مار کے ثبوت مل چکے ہیں لہٰذا اسے سزا سنا دینی چاہئے''۔

''یہ معاملہ دربار میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا، ہماری خلوت میں کیوں اسے لایا گیا ہے؟''

''یہ میری خواہش تھی ابوالمظفر کہ دربار میں پیش کرنے سے پہلے مجھے ایک بار تخلیے میں ملاقات کا موقع ضرور دیا جائے''۔

''تمہیں میرے ساتھ ملاقات کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ تمہیں اپنے کیے کا پھل تو مل کر ہی رہے گا''۔ نجم الدین ایوب استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''کسے کس چیز کا پھل ملے گا؟ یہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا پہلے تم اپنی سلطانی تو مضبوط کر لو''۔

''تم جیسی گیدڑ بھبھکیاں دینا چاہتے ہو، بعد میں دیتے رہنا، کام کی کوئی بات کرنا چاہتے ہو؟''

''میں تمہیں قبل از وقت تنبیہ کرنے آیا ہوں کہ میرے خلاف نام نہاد الزامات بے بنیاد ہیں اگر تم نے ان کی بنیاد پر کوئی غلط فیصلہ کرنے کی کوشش کی تو تمہیں اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا''۔

''یہ معاملہ دربار میں دیکھوں گا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ اب کیا کہنا چاہتے ہو؟''

جمال الدین الراجی نے جب یہ دیکھا کہ نجم الدین ایوب اس سے دبنے والا شخص نہیں تو وہ خود دبنے لگا۔

''میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں!''

''تم اپنی خباثتوں سے کبھی باز نہیں آسکتے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں''۔

''تم مجھے اگر آزاد کر دو تو ہمیشہ کے لئے بلادِ مصر چھوڑنے کو تیار ہوں''۔

''تاکہ تم کسی دوسری جگہ جا کر منافرت کا سامان پیدا کر سکو۔ تمہارے لئے کون سی جگہ زیادہ بہتر ہونا چاہئے، اس کا فیصلہ دربار میں کیا جائے گا''۔

''میں اپنا تمام مال و دولت بیت المال میں جمع کرا دوں گا۔ خالی ہاتھ یہاں سے جاؤں گا۔ کسی دوسرے شہر جا کر اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے مجھے کافی تگ و دو کرنا پڑے گی۔ میں ایک دن میں دوبارہ سیر دریئس نہیں بن جاؤں گا''۔

اس کے لہجے میں لجاحت آمیز تلخی ٹپک رہی تھی۔

''چلو......! ایسے لوٹا ہوا مال تو واپس مل جائے گا مگر تم نے جن لوگوں کی عزتیں اچھالی ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے......؟ انہیں کیا حساب دو گے......؟''

''میں سب سے فرداً فرداً معافی مانگ لوں گا، اگر کسی کا دل میری وجہ سے دکھا ہے تو میں خلوصِ نیت سے معذرت خواہ ہوں''۔

''میں نے تمہاری وجہ سے جو دن قید کی صعوبت میں گذارے ہیں ان کا کیا ہوگا......؟''

''آپ تو سلطان ہیں۔ کھلے ظرف کا مظاہرہ کیجئے''۔ اس کے لہجے میں یکا یک احترام عود کر آیا۔

''فیصلہ دربار میں ہی سنایا جائے گا۔ اسے واپس لے جاؤ''۔ نجم الدین ایوب کے چہرے پر مسکان پھیلنے لگی۔ وہ اس کی منت و سماجت سے قلبی طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

نجم الدین ایوب نے قاہرہ میں بلادِ مصر کی عنان سنبھالنے کے بعد 29 ذی قعدہ 637ھ کو بلادِ مصر کے دارلحکومت قاہرہ میں اپنا پہلا دربار منعقد کیا۔ اس دربار میں خاص وفاداروں کے ساتھ بہاء الدین زہیر، ابوخولید، امیر فارس اقطائی، قاضی القضاۃ ابن مستقز اور بیبرس کے علاوہ دیگر مصری امراء و رؤساء کی بھاری تعداد موجود تھی۔ پہلے نجم الدین ایوب کی تعریف و توصیف میں درباری امراء قصائد پیش کرتے رہے۔ بعد ازاں نجم الدین ایوب نے حمد و ثناء سے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ اس نے بلادِ مصر کے پیچیدہ معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کرنے اور صلیبی دشمنوں سے نبٹنے کا عہد کیا۔ اس نے تمام تر مساعی جمیلہ سے ایوبی سلطنت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس کے لہجے میں اولوالعزمی اور شجاعت کی جھلک نمایاں تھی جسے امرائے مصر محسوس کئے بنا نہ رہ سکے۔ امراء کی جماعت نجم الدین ایوب سے بے حد متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ جب نجم الدین ایوب نے اپنا خطاب مکمل کیا تو قاضی القضاۃ ابن مستقز نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چوم لیا اور اس کے لئے الملک الصالح کا لقب تجویز کیا۔ امراءِ مجلس کی اس لقب کی تائید میں آوازیں گونج اٹھیں۔ نجم الدین ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ لقب اس کے چچا کا ہے مگر اُن کے پرزور اصرار پر نجم الدین ایوب کو اسی لقب کو اپنے لئے منتخب کرنا پڑا۔ اب وہ الملک الصالح نجم الدین ایوب ہو گیا تھا۔ دربار میں اس کے حق میں نعرہ بازی کی گئی جسے اس نے سخت ناپسند کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعریف و توصیف کے علاوہ کسی قسم کی نعرہ بازی کو ممنوع قرار دے دیا۔ یہ شاہی دربار تمام دن مختلف مصروفیات کے ساتھ جاری رہا۔ دوسری مسلمان ریاستوں سے مبارکباد کے پیغام موصول ہوتے رہے۔ شام کے وقت والی حران ابونصر داؤد کے قاصد نے نجم الدین ایوب کے حضور میں پیش ہو کر والی حران ابونصر داؤد کی جانب سے مبارکباد کا پیغام سنایا اور پھر نوید سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے والی حران کو یہ شرف بخشا ہے کہ وہ صلیبیوں کو سبق سکھا سکے۔ بحکم باری تعالیٰ اس نے شاہ یروشلم فریڈرک کو عبرت ناک شکست سے دوچار کر کے بیت المقدس واپس لے لیا ہے۔ اب شاہ فریڈرک بلادِ فلسطین میں جائے پناہ تلاش کر رہا ہے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ صحیح وقت پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ورنہ اسے پابہ زنجیر زنداں خانے کی ہوا کھلائی جاتی۔ اس خوشخبری نے نجم الدین ایوب کو بے حد مسرور کیا۔ اس نے قاصد کے لئے اعلیٰ پوشاک اور بھاری انعام کا اعلان کیا اور والی حران ابونصر داؤد کے لئے نیک تمناؤں کے ساتھ خاصی بڑی رقم روانہ کرنے کا حکم دیا تاکہ یروشلم میں ہونے والے نقصان اور تاخت و تاراجی کا بھرپور مداوا کیا جا سکے۔ یروشلم گذشتہ آٹھ برس سے صلیبیوں کے رحم و کرم پر تھا۔ انہوں نے اسے بنانے کی بجائے بے حد اجاڑا تھا۔ مسلمان آٹھ برس سے ان کے

تسلط میں رہے تھے۔ یہ صلیبیوں کے لئے بڑی تکلیف دہ اور سخت چوٹ تھی۔ ان کا مرکز ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز جیسے خونخوار گروہوں کی موجودگی میں یروشلم کا ہاتھ سے نکل جانا، ان کے لئے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔

❁ ❁ ❁

تیسرے روز دن چڑھے تونائی خان نور الدین کے پاس چلا آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔ وہ گذشتہ رات میں سرخوں کے قبیلے سے واپس لوٹا تھا، اسی لئے اس کی نیند پوری نہیں ہو پائی نور الدین نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ بجھ سا گیا۔ تونائی خان اس سے جو کچھ چاہتا تھا، اسے انجام دینے کے لئے نور الدین ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔ وہ گذشتہ دو دن سے تونائی خان کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ اسے برقائی خان سے ایسی کسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔ دوسرا اس کی عمر کا تجربہ و مشاہدہ اس کے قدم روک رہا تھا۔ وہ چہروں کو پڑھنے کے فن سے بھی آشنا تھا۔ جب وہ ترکستان میں تھا۔ وہاں بھی شاہی درباری عہدے دار اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ اس کے سامنے اپنی کالی کرتوتوں کی داستانیں یوں مزے لے لے کر سنایا کرتے کہ جیسے انہوں نے حقیقتاً کوئی بڑا معرکہ سر کیا ہو۔ شاید اسی بات کی سزا انہیں قدرت کی جانب سے ملی کہ ان کی زمین کو منگولوں کے گھوڑوں تلے روند ڈالا گیا۔ ان کے عالی شان محل نما گھروں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ ان کے بیٹوں کے سر ان کے سامنے تھالوں میں رکھ کر پیش کئے گئے۔ نور الدین نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا تھا مگر اس طرح کی لرزہ خیز داستانیں ضرور سنی تھیں اور چنگیز خان کے تعمیر کردہ کھوپڑیوں کے مینار آج بھی اس کے ذہن میں تازہ تھے۔

تونائی خان اس کے ہمراہ مہمان خانے چلا آیا۔ نور الدین خیالوں میں الجھا اس کے چہرے پر کسی ایسے سراغ کو تلاش کرنے کی کوشش میں تھا، جس سے وہ اس کے عزائم کی بھنک پالیتا۔

''نور الدین......!'' تونائی خان بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔ ''میں کل نہیں آسکا اس کے لئے سخت معذرت خواہ ہوں۔ دراصل کل میں یہاں موجود نہیں تھا۔ برقائی خان کے انکشاف اور اپنی بات کی تصدیق کے لئے میں سرخوں کے قبیلے گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ آنے والے کل میں مجھے کوئی سبکی اٹھانا پڑے۔ میں ہر طرح سے جانچ پڑتال اور سوچ بچار کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانے کا عادی ہوں۔ مجھے سرخوں کے قبیلے میں یہ جان کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی کہ انہوں نے کبھی کسی مسلمان فرد کو قیدی نہیں بنایا۔ بلکہ وہ میرے استفسار پر حیران و پریشان ہو رہے تھے۔ برقائی خان کے حوالے سے میں نے ان سے پوچھا کہ اس نے گذشتہ دنوں جو حملہ کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟ تو انہوں نے وضاحت کی کہ وہ حملہ سابق مردہ سردار قباژائی خان کی عظیم منگولیانہ سلطنت کے خلاف بغاوت کا نتیجہ تھا۔ میں ابھی مزید کوشش کر رہا ہوں کہ تمام ملاقوں سے کامل تصدیق کر لوں کہ مطیع الدین کے بارے میں انہیں کسی بات سے آگاہی ہو''۔

نور الدین اس کی بات سن کر الجھ گیا۔ اس کے لہجے میں بناوٹ و تصنع نہیں تھا۔ اس کا چہرہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ وہ واقعی کسی تگ و دو میں مصروف رہا ہے۔ وہ جس بات کی نفی پر خود کو آمادہ کئے ہوئے تھا وہ آہستہ آہستہ سچائی میں بدلنے لگی۔ وہ زمانہ شناس تو تھا ہی...... مگر ایک شفیق باپ بھی تھا۔

''میں تمہارا بے حد شکر گذار ہوں کہ تم مجھ جیسے ناپسندیدہ شخص کیلئے اتنی مشقت میں مبتلا ہو، مگر میرا دل اب اس سرزمین سے اٹھ سا گیا ہے۔ یہاں میں اپنا بیٹا کھو چکا ہوں۔ میں چند دنوں تک اپنے عیال کے ساتھ یہاں سے واپس لوٹ جاؤں گا۔ یہ رب جلیل کی مرضی ہے۔ بہر کیف میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ اپنے بیٹے کا کسی سے انتقام لوں......!'' نور الدین نے اپنا پہلو بچانا چاہا۔ جس پر تونائی خان پریشان سا ہو گیا۔

"جاوداں آسمان کی قسم! میری برتائی خان سے کوئی دشمنی نہیں"۔ توتائی خان اس کے فیصلے پر تڑپ کر بولا۔ "تم میرے جذبات کی توہین کرنے کے ساتھ ایک ظالم کو اس کے کئے کی سزا نہ دے کر گناہ عظیم کے مرتکب بھی ہو رہے ہو۔ تم یہ اچھی طرح جانتے ہو۔ میں منگول سپاہی رہا ہوں، میں نے ساری زندگی مسلمانوں کا خون بہایا ہے مگر میں عمر کے اس حصے میں پہنچ گیا ہوں، جہاں مجھے اپنے کئے پر سخت ندامت ہو رہی ہے۔ شاید اسی لئے میں تم جیسے کمزور مسلمان کا ساتھ دے رہا ہوں تم مجھ سے پشیمانی و پچھتاوے کی گہری دلدل سے نکلنے کا موقع مت چھینو۔ تم یہ بات بھی جانتے ہو کہ مجھے تم سے یا تمہارے بیٹے سے کوئی غرض نہیں حالانکہ مجھے اپنے منگول بھائی کی طرف داری کرنا چاہئے مگر میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں۔ صرف اپنے ضمیر پر لدے بھاری بھرکم بوجھ کے خاتمے کے لئے۔ جاوداں آسمان کے لئے ایسا ظلم مجھ پر مت ڈھاؤ"۔ اس کے لہجے میں بلا کا درد گھور کرتا یا تھا۔ چہرے پر ندامت کے آنسو بہتے دکھائی دینے لگے۔ نورالدین اس کی حالت دیکھ کر بے چین سا ہو گیا۔ وہ ابھی تک یہی تصور کئے ہوئے تھا کہ وہ برتائی خان سے کوئی دیرینہ عداوت رکھتا ہے اور اسے ڈھال بنا کر اپنا مقصد پانا چاہتا ہے۔ مگر اس کی بات سن کر وہ دم بخود سا رہ گیا تھا۔ توتائی خان چہرے سے جیسا سخت گیر دکھائی دیتا تھا اسے اپنے کئے پر ندامت کا احساس ہو سکتا ہے یہ ناقابل یقین سی بات تھی۔

"توتائی خان!" نورالدین پل بھر کے توقف سے بولا۔ "یہ میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے دل میں کیا چھپا ہے؟ اگر تم واقعی اپنے کئے پر شرمندہ ہو اور اس کی تلافی چاہتے ہو تو تمہیں اس طرح کے فعل انجام دینے کی ضرورت نہیں۔ اللہ بڑا رحیم و رحمٰن ہے۔ وہ گناہوں سے لوٹنے والوں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کے بندوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے رب کی دوبارہ نافرمانی سے بچنے کی کوشش کیا کریں"۔

"دیکھو نورالدین!" توتائی خان الجھے لہجے میں بولا۔ "تمہارا فلسفہ و منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں کہ تمہاری بات کو سمجھ سکوں۔ مجھے جس طرح اپنی خجالت مٹانے کا طریقہ آتا ہے میں اسی طرح سے ہی مطمئن ہو سکوں گا۔ اگر تم اس معاملے سے ہٹنا چاہتے ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ البتہ میں اس نیک کام کو ضرور جاری رکھوں گا کہ برتائی خان جیسے منہ زور اور گنہ گار کو اس کے کئے کا پھل۔ شاید اسی طرح میرے ضمیر و قلب کو اطمینان نصیب ہو"۔

"ٹھیک ہے تم جو نیکی کرنا چاہتے ہو وہ کرو۔ اگر تمہاری تشنگی میرے سبب بجھ سکتی ہے اور تم اپنے گناہوں کا بوجھ کچھ کم کر پاؤ۔ میں تمہاری اس معاملے میں ضرور مدد کروں گا۔ تم کل چلے آنا میں تمہارے ساتھ کوتوالی چلوں گا۔ میں برتائی خان کے خلاف اپنا مقدمہ درج کرواؤں گا۔ باقی تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم کس طرح اپنا حساب گن دمنا پاتے ہو"۔ نورالدین اس کی عیاری اور بذدنی ضمع داری کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کی سادہ لوحی اور مروت و شرافت نے اسے اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ توتائی خان کے خوفناک منصوبے کا حصہ بن کر برتائی خان کے لئے اذیت کا بندوبست کر ڈالتا۔

❁ ❁ ❁

رات کے پہلے پہر نجم الدین ایوب قصر سلطانی کی بالائی منزل پر چلا آیا۔ وہ دن بھر کی گہما گہمی اور مصروفیت سے بے حد تھک چکا تھا۔ وہ ابھی بستر کا قصد کر رہا تھا کہ اسے بہاء الدین زبیر کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ وہ لمحہ بھر کے لئے متحیر رہ گیا کہ ایسی کون سی بات تھی کہ اس نے صبح کا انتظار کرنا گوارا نہیں کیا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حاضر ہونے کا عندیہ دیا۔ بہاء الدین زبیر تیزی سے اندر چلا آیا۔ اس کے ہمراہ بیبرس اور ابوخویلد بھی تھے۔ نجم الدین ایوب انہیں ایک ساتھ دیکھ کر قدرے پریشان ہو گیا۔

"خیریت ہے آپ سب لوگ!"

"سلطان مکرم!" بہاء الدین زبیر ایک جانب نشست پر بیٹھتے ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے خفیہ ہرکاروں نے ابھی ابھی اطلاع دی ہے کہ سپہ سالار وجیہہ الدین البا قری آپ کے خلاف پوری طرح سرگرم ہے۔ وہ دراصل عمادالدین اسماعیل کو یہاں کا سلطان بنانے کا متمنی تھا۔ ناکامی کے باعث وہ اپنے آپ میں نہیں رہا اور اب اس نے خفیہ طور پر عمادالدین اسماعیل کو مراسلہ بھیجا ہے کہ وہ کسی نہ طرح بعلبک سے نکل کر بلاد مصر پر سنہ کردے۔ مصری افواج اس کے خلاف مدافعت نہیں کریں گی"۔

"وجیہہ الدین البا قری!" نجم الدین ایوب کے ہونٹوں پر اس کا نام تھرکا۔ "یہ وہی سپہ سالار نہیں جس نے جمال الدین الرامی کے ساتھ مل کر ابوبکر کا تختہ الٹ دیا تھا"۔

"بالکل صحیح اندازہ ہے آپ کا!"

"آقا! اسے فوراً گرفتار کر کے زنداں خانے میں ڈلوا دیا جائے"۔ ابوخویلد نے اپنی تجویز پیش کی۔

"یہ کوئی حل نہیں ہے"۔ نجم الدین ایوب نے نفی میں گردن ہلائی۔

"آقا! اسے منصب سپہ سالاری سے ہی معزول کر دیا جائے تاکہ اس کا زور ٹوٹ جائے"۔ بیبرس نے گرہ لگائی۔

"امراء کا ایک حلقہ اسے بے حد پسند کرتا ہے اور فوری طور پر اس کی معزولی کا حکم سنانا اپنے لئے ان کی مخالفت کا باعث بنے گا۔ کیا ہمیں آغاز میں ہی مصائب کو یوں نادانی سے حل کرنا مناسب ہوگا۔ ایسا کوئی بھی قدم نئے حریف کھڑے کرنے کے مترادف ہے"۔

"سلطان مکرم!" بہاء الدین زبیر بولا۔ "آپ کسی تیز گھڑ سوار کو بعلبک کی جانب روانہ کیجئے تاکہ وہ اس قاصد کو راہ سے ہی گرفتار کر سکے جو خفیہ مراسلہ لئے محو سفر ہے"۔

"یہ کام غیر تسلی بخش ثابت ہوگا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی اس بارے میں نہیں جانتا کہ بعلبک کی جانب جانے والا قاصد کب اور کس راستے سے گیا ہے اور وہ کتنی منزل دور پہنچ چکا ہے اور دوسرا ایسے کاموں میں احتیاط کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے۔ وہ قاصد یہاں آ کر وجیہہ الدین البا قری کے بجائے کسی اور شخص کا نام لے لے تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے؟ البا قری نے اسے ایسے مرحلے سے نبٹنے کے لئے مکمل تربیت دے رکھی ہوگی"۔

ابوخویلد نے اس کی بات کو رد کر دیا۔

"ابوخویلد صحیح کہہ رہا ہے۔ اس مشکل کا یہ کوئی حل نہیں۔ اگر میں وجیہہ الدین البا قری پر کوئی الزام تھوپ کر اسے عہدہ و سالاری سے فوری طور پر برخاست بھی کر دوں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے؟ کہ کل کلاں کوئی ایسا ہی دوسرا سپہ سالار سامنے نہیں آئے گا"۔ نجم الدین ایوب استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"آقا!" بیبرس حیرت سے بولا۔ "تو کیا اسے یونہی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ یہاں کا کھائے پئے اور کھلم کھلا آپ کے خلاف دوسرے سلطانوں کو بھی بھڑکاتا رہے"۔

"نہیں! میں نے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا"۔

"تم لوگ اطلاع پاتے ہی بدحواسوں کی طرح میرے پاس دوڑے چلے آئے ہو۔ کیا تمہارے ذہن میں اس کا حل بھی موجود ہے؟" نجم الدین ایوب کے چہرے [illegible] بلکے پھلکے انداز میں۔ بیبرس اپنے آقا کی بے فکری پر لمحہ بھر کے لئے [illegible] زنداں خانے کی صعوبتیں اٹھا کر یہاں پہنچے تھے [illegible]

"سلطان مکرم! " بہاء الدین زہیر قدرے توقف سے گویا ہوا۔ "آپ وجیہ الدین الباقری کو محض اس لئے معزول نہیں کر سکتے کہ آپ کو امراء و رؤساء کی ناراضگی کا خدشہ ہے۔"

"تمہارا اندازہ کسی حد تک درست بھی ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو امراء و رؤساء کو پس پشت ڈال سکتے ہیں، وہ اپنی رائے یا فیصلے آپ پر ٹھونس نہیں سکیں گے اور تو اور آپ کے سامنے ان کے اختیارات کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ ان کی مجلس انتخاب بھی آپ کے حکم بجالانے کی پابند ہو جائے گی۔"

"کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

ابوخویلد اور بیبرس بھی اس کی جانب متعجب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسی پراسراریت پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہے۔

"سلطان مکرم" بہاء الدین سنجیدگی سے بولا۔ "جب تک آپ امراء و رؤساء کے چنگل سے نہیں نکل پائیں گے تو آپ بااختیار نہیں ہو سکیں گے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ انہیں ثانوی درجہ میں دھکیل دیں اور ان کی حیثیت کو دربار سلطانی میں سے کم کرنے کے لئے ضروری امر یہ ہے کہ آپ فوری طور پر امیر المومنین سے رابطہ قائم کریں اور ان سے سرکاری سطح پر سلطان مصر کا پروانہ حاصل کریں۔ میرے خیال میں یہاں کی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہی واحد حل ہے۔"

"سبحان اللہ" نجم الدین ایوب اس کی بات پر جھوم سا گیا۔ "بہاء الدین تم نے وہ بات کہہ ڈالی ہے، جس کی جانب میرا ذرا بھی دھیان نہیں گیا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت بھی ہے۔ بہرکیف میں کل ہی اس سفر کا انتظام کروائے دیتا ہوں تم خود امیر المومنین کے پاس جاؤ۔ ان سے امارت مصر کا پروانہ حاصل کرو۔"

"سلطان مکرم! میں اس ضمن میں معافی کا خواستگار ہوں، میں یہ سفر نہیں کر پاؤں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"سلطان مکرم! میری جان بھی آپ کے لئے حاضر ہے مگر کیا کروں؟ یہ خبیث بیماری میری راہ میں رکاوٹ بن گئی ہے۔ کئی ماہ سے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے، درد سے بھی برا حال تھا۔ گذشتہ دنوں طبیب سے مشورہ کیا تو معلوم پڑا کہ بواسیر کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ طبیب نے لاپرواہی برتنے پر یہ کہا ہے کہ مرض جڑ پکڑ چکا ہے اسے اکھاڑنے میں خاصا وقت لگے گا۔ میں آپ کے لئے دل سے دعاگو ہوں، آپ بے فکری سے میری جگہ کسی اور شخص کو روانہ کر دیجئے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ تم نے میرے لئے زندان خانے کا انتخاب کیا اور اس مرض کو گلے لگا لیا۔ اگر تم بروقت کوئی اور فیصلہ کرتے تو شاید یہ مرض یوں پنپ نہ سکتا۔ مجھے تمہارے خلوص اور نیت پر پورا بھروسہ ہے۔ اب تم ہی مشورہ دو کہ تمہاری جگہ کون پوری کر سکتا ہے۔"

"ابوخویلد کو روانہ کر دیجئے۔"

"نہیں! میں اسے ابھی کہیں نہیں بھیجنا چاہتا کیونکہ میرے ذہن میں اور مسئلہ درپیش ہے جس میں مجھے فوری طور پر اس کی یہاں ضرورت پڑے گی۔"

"آقا!" بیبرس قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی جائے تو..."

"تمہیں ایسے امور کا ابھی کوئی تجربہ نہیں ہے بیبرس! مگر تمہاری سچائی اور خلوص بے داغ ہیں۔ دل تو

یہی چاہ رہا ہے کہ تمہیں روانہ کر دوں مگر ذہن مخالفت کر رہا ہے۔"

"میری سفارش بیبرس کے حق میں سمجھئے۔" بہاء الدین تقریباً ہنستے ہوئے بولا۔ وہاں موجود سبھی لوگ اس سنجیدہ موقعہ پر اس کے مزاح سے محظوظ ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کی تکرار کے بعد یہی طے پایا کہ بیبرس کو ہی امیر المومنین کے پاس روانہ کر دیا جائے علاوہ ازیں اور نام بھی زیرغور رہے۔ نجم الدین ایوب کسی دوسرے فرد کو نامزد کر کے کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسے صرف اپنے قریبی قائدین اور غلاموں پر ہی بھروسہ تھا۔ علاوہ ازیں فوری طور پر یہ راز منکشف ہونے کی صورت میں وجیہ الدین الباقری سمیت کئی امراء اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ ممکن تھا کہ مجلس انتخاب نجم الدین ایوب کے اس قدم کو آمریت کا لقب دے کر اسے معزول کرنے میں دیر نہ لگاتی۔ مصری درباری امراء کی ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ سلطان کسی نہ کسی مقام پر ان کا محتاج ہو کر رہے۔ بہاء الدین زہیر نے ان کی حاکمیت ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی راہ تجویز کر دی تھی۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ شام کا وقت ہو چکا تھا۔ وہ تاتاری باشندوں کے گاؤں سے کافی دور نکل آیا تھا۔ سورج اس کے سامنے آہستہ آہستہ سفید و سنگلاخ پہاڑوں کے دامن میں اترتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مطیع الدین ڈھلتے سورج کے ساتھ ساتھ شدید دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں ایڑیاں گھوڑے کو مزید تیز دوڑنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ گھوڑا شاید ایسی مشقت کا عادی رہا تھا کہ وہ اس کا حکم بجالا رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دن رات میں بدل گیا۔ مطیع الدین کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا وہ اپنی طے کردہ سمت میں اڑا جا رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں تاتاری سردار اور ان کی گردنوں میں موجود عجب توے گردش کر رہے تھے۔ وہ کسی صورت میں کسی اور قبیلے کا بندی نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی وہ کسی نہ کسی طرح ان کی حدود سے نکل جائے اور سرائے تک بخیریت پہنچ جائے۔ وقت اس کے ساتھ ذرا کھیل کھیل رہا تھا۔ وہ بھٹکتے بھٹکتے کہیں کا کہیں پہنچ گیا تھا۔ تمام رات سفر یونہی جاری رہا۔ برفانی زمین پر چمکتی ہوئی چاندنی اس کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئی تو نہ۔ وہ رات کیا تھی؟ یوں لگتا تھا کہ سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا ہو۔

رات آخری پہر کے وقت مسلسل سفر کے باعث اس کا جسم بری طرح سے جھنجھنانے لگا۔ گھوڑا بھی اب قدرے سست پڑ گیا تھا۔ دونوں مسافر تھکان سے بے حال ہو چکے تھے۔ مطیع الدین نے کافی تگ و دو کے بعد ایک چشمہ ڈھونڈ نکالا۔ وہ قدرے سست روی سے چشمہ پر جا پہنچا گھوڑے سے اتر کر اس نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور اسے کھلا چھوڑ دیا۔ گھوڑا اس سے مانوس ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ اسے چھوڑ کر نہیں فرار ہوا تھا۔ گھوڑا ٹانگیں بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی تھکان مٹانے میں مصروف ہو گیا اس کی کھال کبھی کبھار ہل جاتی۔ شاید تھکاوٹ اتارنے کا اس کا اپنا انداز تھا۔ مطیع الدین نے چشمے کے پانی سے چہرے پر چھینٹے مارے اور ایک جانب بیٹھ گیا۔ کچھ لمحوں تک وہ یونہی بیٹھا رہا۔ پھر اس نے چشمے کے پانی سے وضو کیا اور سنگلاخ زمین پر نماز ادا کی۔ وہ محض اندازے سے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو کر وہ چشمے کے ایک جانب زمین جھاڑ کر لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر سستانا چاہتا تھا۔ اس نے اللہ کے حضور عاجزی و انکساری سے مدد کی درخواست کی تھی۔ وہ سونا نہیں چاہتا تھا مگر تھکان کی زیادتی کے باعث اس کی آنکھیں خودبخود بند ہونے لگیں۔

❀ ❀ ❀

غازی عبداللہ شافعی دوپہر کے وقت بیبرس کی قیام گاہ پر چلا آیا۔ اسے کہیں سے بھنک پڑ گئی تھی کہ بیبرس

آج رات بلادِ مصر سے باہر روانہ ہو جائے گا۔ وہ جمال الدین الراحی کے معاملے میں خاصا فکرمند تھا۔ عمرس سفر کی تیاری میں مصروف تھا۔ وہ ضروری سامان سمیٹ رہا تھا کہ اسے غازی عبداللہ شافعی کا متفکر چہرہ دکھائی دیا۔

''خیریت غازی عبداللہ ! '' عمرس اپنا کام چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ تم آج رات کہیں باہر جا رہے ہو۔ شاید واپسی میں چند دن بھی لگ جائیں گے ''

''تمہاری معلومات درست ہیں، میں آقا کا کچھ سامان لینے الکرک جا رہا ہوں جو وہ وہاں چھوڑ آئے تھے۔ دوسرا میں راہیں سے ان کے اہل و عیال کو بھی مصر روانگی کی اطلاع دوں گا''۔

''یعنی تم کم از کم دس پندرہ دن بعد ہی واپس لوٹو گے '' غازی عبداللہ شافعی کا چہرہ اتر گیا۔

''ہاں ! اتنے دن تو لگ جائیں گے۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو''۔ عمرس اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑتا ہوا بولا۔

''اگر تمہارے پیچھے الراحی کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کر دیا گیا تو

''اوہ ! میرا ذہن کسی اور جانب بھٹک گیا تھا۔ بہرحال تم بےفکر رہو میں تمہیں ہر صورت میں الراحی دلواؤں گا''۔

''یاد رکھو عمرس ! تم نے میرے ساتھ الراحی کو میری غلامی میں دینے کا وعدہ کیا ہے''۔

''میں اپنے قول سے نہیں پھرا کرتا''۔

''ٹھیک ہے میں تمہارے بھروسے پر واپس جا رہا ہوں، تمہاری واپسی تک میں بےصبری سے تمہارا منتظر رہوں گا۔ یہ میں ہی جانتا ہوں کہ انتظار کی یہ گھڑیاں میرے لئے کتنی طویل و تکلیف دہ ثابت ہوں گی''۔

''مجھے تمہاری حالت کا بخوبی اندازہ ہے۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ آقا سے اس سلسلے میں جانے سے پہلے کوئی بات کر سکوں''۔

''اگر ایسا ممکن ہو سکے تو میں تمہارا بےحد مشکور رہوں گا''۔ اس کے لہجے میں لجاجت جھلکنے لگی۔

عمرس نے اسے تسلی دے کر رخصت کیا۔ عمرس کے دل میں خوف تھا کہ اس نے اپنے تئیں اتنا بڑا وعدہ کر لیا تھا جس کے بارے میں آقا کو ذرا سا معلوم نہیں تھا اگر نجم الدین ایوب نے اس کی بات رد کر دی تو

البتہ ایک امید کی کرن اسے دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے نجم الدین ایوب نے حران کے قاصد کے منہ سے ایک اچھی خبر پر اسے مالامال کر دیا تھا، ممکن تھا کہ امیر المومنین کے امارت نامے کو پا کر وہ اس کی بات کو تسلیم کر لیں۔ اب اسے ہر حال میں یہ کوشش کرنا تھی کہ امیر المومنین سے نجم الدین ایوب کی سلطانی کا نامہ حاصل کیا جائے۔

❀ ❀ ❀

اردوئے زریں کے قاآن اعظم باتو خان کے خفیہ ہرکاروں نے کچھ ہی لمحے پہلے تشویشناک اطلاع دی تھی کہ نورالدین اپنے گمشدہ بیٹے کے سلسلے میں برقائی خان کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے چکر میں ہے۔ اس قسم کی خبریں اسے کافی دنوں سے مل رہی تھیں مگر وہ ان پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔ خصوصاً توتائی خان کی جانب سے وہ متفکر تھا کیونکہ برقائی خان نے بھری محفل میں جو رسوائی کی تھی وہ اس کا بدلہ لئے بغیر نہیں ٹل سکتا تھا۔ وہ منگولوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ خود بھی ایک منگول تھا۔ اس نے پہلے ہی دن سے اس کے پیچھے اپنے خفیہ ہرکارے دوڑا دیئے تھے کہ وہ اس کے معمول پر نگاہ رکھیں اور کوئی خاص بات معلوم ہو تو اسے فوری آگاہ

کریں۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ توتائی خان اب کیا روش اختیار کرے گا؟ اس کی توقع کے مطابق عمل وقوع پذیر ہوا تھی۔ اگر کوئی اور باپ ہوتا تو اپنی بیٹی کو سزا دیئے بنا نہ رہ پاتا۔ وہ سمجھ گیا کہ توتائی خان کچھ اور کرنے کے چکر میں ہے۔ جب وہ نورالدین کے گھر جاتا دیکھا گیا تو باتو خان اچھی طرح سمجھ گیا کہ وہ اپنی ہتک کا بدلہ لینے کے لئے کی تکمیل کرنے جانے والا ہے۔ جب اسے توتائی خان کی سرخوں کے قبیلے میں جانے کی خبر ملی تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ اس نے دوسرے ہی دن منک آنہ کو سرکاری طور پر منصب سرداری سے معزول کر کے اس کی جگہ سابق منگول سردار دقبا ژائی کے بیٹے جبروت خان کو مقرر کر دیا تھا۔ سرخوں کے قبیلے سے جو معاونت توتائی خان کو حاصل تھی اسے اس کی لاعلمی میں ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ توتائی خان تک اس واقعے کی خبر نہ پہنچ پائے اس کے لئے فوری انتظامات بھی کر لئے گئے تھے۔ منک آنہ پر خراج کی رقم میں خورد برد کا الزام لگا کر اسے مختصر عرصے کے لئے زنداں خانے میں بھجوا دیا گیا۔

باتو خان بےحد بیدار مغز اور غیر معمولی طور پر ذہین تھا اس نے اپنے مرحوم باپ توشی (جوجی) خان کی سلطنت کو کمال ہوشیاری سے سنبھال رکھا تھا۔ بغاوتوں کے چھوٹے موٹے فتنوں کو وہ یوں فرو کر ڈالتا کہ ان کا وجود تاریخ کے صفحات کی زینت نہ بن پاتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی سلطنت میں کوئی بڑی ہنگامہ آرائی نہیں تھی۔ ہر سو امن و امان کا دور دورہ تھا۔ روس کی سرحدوں سے لے کر ترکستان کے زیریں علاقوں تک اس کا سکہ چلتا تھا۔ برقائی خان اس کا بھائی تھا اور وہ اپنے بھائی پر کسی ایسے الزام کی تہمت نہیں لگنے دینا چاہتا تھا کہ جس سے اس کا تابناک مستقبل تاریک پڑ جاتا۔ برقائی خان سے پہلے ہی ایک مسلمان زادے کی محبت میں کئی نادانیاں سرزد ہو چکی تھیں۔ اب اس کے سر یہ دوہری ذمہ داری تھی کہ برقائی خان کو نہ صرف مسلمان زادے کے سحر سے نکالے بلکہ اس کی توجہ امورِ جہانبانی کی جانب کرائے۔ وہ اپنے بھائی سے بےحد محبت کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر کوئی سختی نہیں کر پایا۔ چنگیز خان کے بیٹوں میں سے توشی خان اور پوتوں میں سے برقائی خان ایک سی طبیعت کے مالک نکلے تھے۔ توشی خان منگول ہونے کے باوجود بلامقصد خون خرابے سے حتی الامکان پہلوتہی برتتا رہا۔ اسی وجہ سے چنگیز خان نے اسے زہر دلوا دیا تھا۔ اب برقائی خان بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ باتو خان اس کی جانب سے متفکر تو رہتا تھا مگر اسے راہ سے ہٹا دینے کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے خدشہ تھا تو صرف اتنا کہ برقائی خان کی عادات کی خبر کہیں بڑے قاآن اعظم منگو خان تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اسے اسی لئے امورِ سلطنت سے دور رکھتا تھا۔ وقت تیزی سے گذرتا جا رہا تھا۔ سلطنت کی وسعت اتنی پھیل چکی تھی کہ باتو خان کو بھائی کی معاونت کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس نے فوری طور پر توتائی خان پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے خاص اور وفادار فرد کو اپنے پاس بلایا اور تنہائی میں توتائی خان کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلانے کا حکم جاری کر دیا۔ تمام معاملے کی جڑ تو توتائی خان ہی تھا۔ دوسرا اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ توتائی خان کی موت کے فوراً بعد برقائی خان کو کسی مہم پر روانہ کر دیا جائے گا اور اس کی عدم موجودگی میں نورالدین کو ملک بدری کا نامہ بھیج دیا جائے گا۔ یہ مرحلہ بھی رازداری سے مکمل کیا جائے گا تاکہ برقائی خان کو اس بارے میں بھنک نہ پڑ سکے۔ بیٹے سے جدائی کے غم سے تھک ہار کر باپ کا واپس لوٹ جانا کوئی خاص بات نہیں ہوگی۔ باتو خان کی منصوبہ بندی میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ سانپ کا منہ کچل دینا چاہتا تھا مگر لاٹھی کو بچانا بھی اس پر فرض تھا۔ اس کے خیال میں اس کے علاوہ اب کوئی اور راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

❀ ❀ ❀

قاژی سردار نے سرِشام ہی اپنے قبیلے کے بہادر اور تربیت یافتہ افراد کو جمع کیا اور نئے شکار کی بابت

انہیں ضروری نوعیت کی ہدایات دیں۔ سورج کے مکمل چھپ جانے کے بعد وہ اپنے جوانوں کی معیت میں گاؤں سے نکلا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں لکڑی کے لمبے لمبے بھالے تھے۔ جن کے کناروں پر تیز دھار کے پتھر رسیوں سے باندھے گئے تھے۔ ان میں کچھ افراد کے پاس چپٹی تلواریں بھی تھیں۔ وہ تیزی سے اسی سمت میں نکلے جس جانب مطیع الدین گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں سے فرار ہوا تھا۔ ان میں ایک شخص تیزی سے زمین پر جھک کر گھوڑے کے کھروں کے نشانات کو ڈھونڈ نکالتا اور اسی سمت میں بڑھنے کا عندیہ دیتا۔ ان لوگوں کی رفتار حیرت انگیز تھی۔ وہ پیدل بھاگ رہے تھے مگر دیکھنے میں یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ زمین پر تیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں۔ کافی فاصلے پر پہنچ کر وہ اچانک رُک گئے۔

''کیا ہوا راہ نما......؟'' سردار نے استفہامیہ نگاہوں سے راہ نما سے پوچھا۔

''حیرت انگیز......!'' وہ بڑبڑایا۔ سب لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

''کیا دکھائی دیا ہے......؟'' سردار نے بے تابی سے پوچھا۔

''سردار......! یہاں دیکھیے۔ گھوڑے کے سم کتنے گڑھے پڑے ہیں۔ یہاں اس سوار کے اچانک رُکنے کا اشارہ مل رہا ہے۔ وہ کچھ لمحوں کے لئے یہاں رُکا ہے۔ میں نے اطراف میں اچھی طرح دیکھ لیا ہے یہاں کسی دوسرے فرد یا جانور کے نشانات نہیں مل سکے ہیں۔ یہاں اس سوار کا یکدم رُکنا معنی خیز ہے۔ حالانکہ پہلے اس کی رفتار قریباً یکساں رہی تھی''۔

''تمہارا خیال ہے کہ وہ یہاں کسی انہونی چیز کو دیکھ کر ٹھٹھکا ہوگا''۔ سردار نے پوچھا۔

''کوئی اپسرا دیکھ لی ہوگی''۔ ایک نے شوشہ چھوڑا۔ سردار نے اس کی جانب غصے کے عالم میں گھور کر دیکھا تو وہ ایک طرف نکل گیا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس کے گھوڑے کو کوئی ٹھوکر لگی ہو، اسی لئے وہ یکدم دوڑتے ہوئے رُک گیا ہو''۔ سردار نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''نہیں سردار......! گھوڑا از خود رُکا نہیں بلکہ اسے روکا گیا ہے۔ سموں کے دباؤ سے صاف عیاں ہے کہ اسے سوار نے خود روکا ہے''۔

اسی لمحے ایک تیز آواز نے ان کی توجہ بٹا دی وہ شخص جو ابھی شوشہ چھوڑنے پر وہاں سے کھسک لیا تھا، تھوڑے فاصلے پر موجود انہیں اپنی جانب بلا رہا تھا۔ سردار تیزی سے اس کی جانب بڑھ گیا۔ دوسرے افراد بھی اس کی تقلید میں اس طرف بڑھ گئے۔ سردار وہاں پہنچا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے زمین پر کچھ دکھانے کی کوشش کرنے لگا۔ رات کا پہلا پہر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ سپید چاندنی نے تمام ماحول کو منور کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سردار کو زمین پر کھدا ہوا بستی کا نقشہ صاف دکھائی دیا۔ وہ حیرت سے جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ پہلی نظر میں پہچان چکا تھا کہ یہ نقشہ اسی کی بستی کا ہے مگر اسے یہاں کیوں بنایا گیا ہے؟ یہ سوال اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ مطیع الدین بستی کا نقشہ بنا کر اپنے سوال کو حل کرنے میں تو کامیاب ہو گیا تھا مگر وہ خوشی اور سرشاری کے عالم میں اسے مٹانا بھول گیا تھا۔ راہ نما بھی تیزی سے وہاں چلا آیا۔ وہ جھک کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور اس نے اس کھدے ہوئے نقشے میں اپنی انگلیاں پھیرنا شروع کر دیں۔ وہ تمام لوگ پاس کھڑے اُلجھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ سردار ابھی تک نقشے کو یہاں بنانے کا مقصد نہیں جان پایا تھا۔

''سوار نے اُس مقام پر اپنے گھوڑے کو تیز رفتاری کے عالم میں روکا اور پیدل اتر کر یہاں تک آیا۔ گھوڑے کے کھر کے نشان یہاں موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے گھوڑا کچھ لمحوں کے لئے چھوڑا

اور یہاں بیٹھ کر کچھ سوچتا رہا ہے۔ زمین پر کھدی ہوئی لکیروں کا جال ہماری بستی کا ہی ہے۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں یہ اس وقت کا ہے جب وہ ہمارے درمیان موجود تھا''۔ راہ نما یکدم چپ سا ہو گیا پھر جیسے وہ اس نقشے کا راز جان گیا ہو اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ وہ جوشیلے انداز میں بولا۔

''بلکہ یقیناً ایسا ہی ہے۔ یہاں یہ گول گول نشان جو دکھائی دے رہے ہیں یہ سب ہم لوگ ہیں۔ اس سوار نے ہماری بستی میں اپنی موجودگی اور ہم لوگوں کو یہاں کھود کر کسی صورت حال کا جائزہ لیا ہے''۔ راہ نما اب سردار کی جانب دیکھنے لگا۔

''یہ سوار کچھ ضرورت سے زیادہ ہی چالاک دکھائی دیتا ہے اس کا شکار کرنے میں ہمیں خاصی ہوشیاری اور حاضر دماغی سے کام لینا ہوگا۔ اس نے ہمیں یہ نقشہ شاید چکمہ دینے کے لئے یہاں بنایا ہے کہ ہم اس کے تعاقب میں جب یہاں پہنچیں گے تو اس نقشے میں الجھ جائیں گے اور وہ اس اثناء میں وقت کا فائدہ اُٹھا کر ہماری حدود سے باہر نکل جائے گا''۔

''نہیں سردار......! میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ یہ لکیریں اس کی گہری پریشانی کا مظہر ہیں۔ جب انسان فکر میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھوں میں اتنی سکت باقی نہیں رہتی کہ وہ بھرپور انداز میں کوئی کام انجام دے سکے۔ یہاں لکیروں کی گہرائی اس کی گہری فکر کی عکاسی کر رہی ہے۔ البتہ یہ آخری لکیر پہلی لکیروں سے کچھ مختلف ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ جو کچھ سوچ رہا تھا یا یہاں بنا کر وضع کرنا چاہ رہا تھا......وہ اسے مل گیا ہو''۔

''کون سی لکیر......؟'' سردار کو جیسے کچھ یاد آ گیا اس نے تیزی سے سوال کیا۔ راہ نما نے اسے ایک چھوٹی سی لکیر دکھائی۔ اس نے لکیر کو کچھ دیر دیکھا اور پھر آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں سمجھ گیا ہوں، یہ سب کیا ہے......؟'' سردار کے چہرے پر خباثت آمیز گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب لوگ تعجب سے اس پہیلی کے بارے میں جاننے کے خواہش مند دکھائی دے رہے تھے۔

''یہ اُس کے سوال کا جواب ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اُسے یہ جواب کیسے مل گیا......؟''

''کیسا سوال......؟''

''وہ منگولوں کی سرزمین کی جانب جانے کا خواہش مند تھا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ اُسے منگولوں کے ملک جانے کے لئے کس جانب سفر کرنا چاہئے تو میں نے اُسے بتانے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اسے غلط بتایا کہ وہ علاقہ تین ماہ کی دوری پر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف تین دن کی دوری پر ہے۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی کلیے کے تحت صحیح سمت تلاش کر لی ہے۔ ہمارے پاس اب تین دن ہیں۔ اُسے تین دن سے پہلے پہلے پکڑنا ہوگا۔ اگر وہ تاتاری سرحدوں پر پہنچ گیا تو ہم اسے نہیں پکڑ پائیں گے۔ وہ اگر رات بھر اس سمت میں مسلسل سفر کرے تو صبح ہونے تک نیلے پتھروں کے چشمے تک پہنچ جائے گا۔ اگر وہ وہاں زیادہ دیر رُکے بغیر آگے بڑھ گیا تو ہمیں اُسے پکڑنے میں خاصی دقت کا سامنا ہوگا''۔

''ہمیں نیلے پتھروں کے چشمے کی جانب مختصر راستے سے سفر کرنا چاہئے تا کہ ہم صبح کے وقت وہاں پہنچ جائیں۔ اگر وہ آرام کرنے کی غرض سے وہاں رُک گیا تو باآسانی ہماری گرفت میں آ جائے گا''۔

''اس شکار کو اتنا آسان مت سمجھو۔ وہ خاصا چالاک ہے، اسے پکڑنے کے لئے ہمیں اپنی خاص صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا......راہ نما......! اس کے گھوڑے کی بھلا صحیح رفتار کیا ہوگی......؟'' سردار نے سوال کیا۔

''سردار......! اس کے پاس سنہلی قسم کا گھوڑا ہے، میں نے خود گاؤں میں اُسے دیکھا تھا۔ اس کی رفتار

کے بارے میں آپ سے بھلا اچھی طرح اور کون جان سکتا ہے......؟''

''سنہلی گھوڑا......! ٹھیک ہے، چلو مختصر راستے کی جانب تیزی سے بڑھو۔ ہمارا ہر قیمت پر صبح کے وقت چشمے تک پہنچنا ضروری ہے''۔

ان سب نے سردار کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلا دیئے اور وہ اس کی رہنمائی میں تیزی سے ایک مختلف سمت میں مڑ گئے۔ وہ کسی ایسے مختصر رستے سے آگاہ تھے جس کے ذریعے وہ صبح تک مطیع الدین تک پہنچ جاتے۔

❀ ❀ ❀

ہبرس 7 ذی الحجہ کو بلادِ فلسطین سے ہوتا ہوا سرزمینِ عرب میں داخل ہوا۔ سورج قریباً ڈھل چکا تھا۔ مدین نامی شہر سے چند میل کے فاصلے پر اس نے اپنا پڑاؤ ڈالا۔ یہاں قریب ہی ایک دوسرا قافلہ بھی مقیم تھا۔ ہبرس اپنی فطرت کے باعث نہ رہ سکا اور ان لوگوں میں جا پہنچا۔ قافلے میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ ادائیگی حج کے لئے گھروں سے نکلے ہیں اور یہ لوگ کل صبح یہاں سے نکلیں گے اور نو ذی الحجہ کی شام تک وہ میدان عرفات میں پہنچ جائیں گے یہ عازمین حج کا آخری قافلہ تھا جو ادائیگی حج کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ ہبرس نے حج کی بابت سنا تو۔ اس کے دل میں ادائیگی حج کی خواہش سر اُٹھانے لگی۔ وہ ابھی فریضہ حج نہیں ادا کر سکتا تھا کیونکہ اس کے پاس اپنے آقا کی اس ضمن میں کوئی اجازت نہیں تھی۔ بلا اجازت حج کرنا اس کے خیال میں مناسب نہیں تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنی بے چارگی کا احساس ہوا کہ وہ ایک مکمل آزاد انسان نہیں ہے۔ اسے اپنی مرضی سے کوئی کام کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ وہ غلام ہے۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا غلامی کے طوق کو ہی اپنی گردن میں پایا۔ باپ کے زنداں خانے میں جانے کے بعد اس کی ماں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور پھر جب منگولوں کا عذاب نازل ہوا تو وہ ماں کے مشفق گود سے نکل کر ٹھوکروں کی زد میں آ گیا۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک کا یہ سفر بڑا اذیت ناک تھا۔ اس کی اپنی حیثیت کھو چکی تھی۔ وہ دوسروں کے نام سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ بچپن سے مصائب برداشت کرنے کی اسے عادت سی ہو گئی تھی۔ بچپن گذر چکا تھا۔ شباب ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ ایک بار پھر محرومی کا احساس شدت سے ستانے لگا۔ نماز کی حد تک وہ بااختیار تھا مگر حج کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر سسکنے لگا۔ آنسوؤں کا سیلاب اس کے چہرے پر پھیل کر چپچپاہٹ پیدا کرنے لگا۔ وہ یونہی سسکتے سسکتے جانے کب نیند کی آغوش میں اُتر گیا۔ عالم خواب میں بھی اسے مکہ اور بیت اللہ کے ایمان افروز مناظر دکھائی دیتے رہے۔ وہ انہیں دیکھ کر دیوانہ سا ہو رہا تھا کہ ایک نرم و نازک ہاتھ نے اس کے شانے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ مڑ کر اُس جانب متوجہ ہوا۔ ایک لمحے کے لئے وہ حیرت سے گرتے گرتے بچا۔ اس کے عقب میں اس کا آقا نجم الدین ایوب چہرے پر تبسم سجائے کھڑا تھا۔

''آقا......آپ......؟''

''ہاں میرے بیٹے......! کیا ہوا......؟ تمہارا چہرہ کیوں اترا پڑا ہے اور آنکھیں سرخ و متورم ہو رہی ہیں۔ ...کیوں رو رہے ہو''۔

''آقا......! آج مجھے اپنی بے بسی کا احساس رہا ہے۔ میں فریضہ حج ادا کرنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس آپ کی اجازت نہیں ہے''۔

''فرائض اسلامی کے لئے میرے بیٹے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تم جاؤ اور اس فرض کو ادا کرو۔ میں خوش ہوں کہ مجھے ایسا باایمان غلام ملا ہے''۔

''آقا......! کیا واقعی میں ادائیگی حج کے لئے جا سکتا ہوں۔ مگر آپ نے جو ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی ہے اس میں کوتاہی و دیر ہو جائے گی''۔

''تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ جو کام جب ہونا ہے، تب ہی ہوگا۔ اس میں کوئی مصلحت ہے کہ حج کا مبارک دن ہمارے مقصد کے بیچ آیا ہے۔ تم اسے سعد سمجھو اور جاؤ اپنا پہلا مقصد پورا کرو''۔

''مگر......'' ہبرس نے مزید کچھ کہنا چاہا تھا کہ نجم الدین ایوب کا چہرہ اچانک اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے پورے جسم پر رعشہ سا طاری تھا۔ وہ ہڑبڑا کر بستر پر اُٹھ بیٹھا۔ اسی لمحے قریب موجود حاجیوں کے قافلے میں سے اذانِ فجر سنائی دی۔ ہبرس پریشان و حیران بیٹھا تھا۔ یہ سب کیا تھا......؟ وہ اسے کوئی نام نہیں دے پایا۔ اس نے عالم خواب میں آقا سے اجازت پالی تھی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا......!'' وہ خودی کے عالم میں بڑبڑایا۔ ''یہ گذشتہ رات کا خیال تھا جو میرے سامنے خواب بن کر آیا ہے۔ آقا تک بھلا میری خواہش کیسے پہنچ سکتی ہے......؟ میں شاید ضرورت سے زیادہ ہی اس بارے میں سوچ رہا ہوں''۔

اس کے چہرے پر پھیکی سی ہنسی پھیل گئی۔ وہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ قافلے والوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتا تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ قافلے کے لوگوں کے ہمراہ نماز کے لئے کھڑا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے اپنے گھوڑے کو دانہ ڈالا اور پانی وغیرہ پلایا۔ وہ چند لمحوں بعد وہاں سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جانا چاہتا تھا۔ خواب اس کے ذہن سے اتر چکا تھا۔ وہ اسے محض اپنا وہم سمجھ کر رد کر چکا تھا۔ فریضہ حج کے لئے ابھی کافی عمر باقی تھی۔

قافلے میں سے ایک شخص اُسے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ اس کا حلیہ کوئی خاص نہیں تھا۔ میلا سا لباس اور سر پر روایتی عربی عمامہ اور ہاتھ میں تسبیح موجود تھی۔ ہبرس نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ وہ اجنبی قریب آ کر ٹھہر گیا۔

''میرا خیال ہے کہ تم نے حج کے لئے جانے کا ارادہ بدل دیا ہے''۔ اس کی آواز سنائی دی۔

ہبرس نے غور سے سر اُٹھاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ اس کا سپاٹ چہرہ دکھائی دیا۔

''آپ کو کس نے کہا ہے کہ میں ادائیگی حج کے لئے جا رہا ہوں، میں تو اپنے آقا کے ایک ضروری نوعیت کے کام کے لئے گھر سے نکلا ہوں میری منزل بغداد ہے''۔

''رات تو تم بے حد دیوانے ہو رہے تھے''۔

مختصر سے جملے نے ہبرس کو چونکا دیا۔

''کک......کک......کیا مطلب؟''

''برخوردار......!'' وہ اجنبی دھیما سا مسکرایا۔ ''جب نیک نیتی سے کسی کام کا ارادہ کیا جائے تو اس کی راہ خود بخود نکل آتی ہے، جب تک نیک نیتی تمہارے من میں شامل تھی تمہارا چہرہ جگمگا رہا تھا اب قدرے ماند پڑنے لگا ہے''۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا......''

''کیا تم رات کو حج پر روانہ ہونے کے لئے بے تاب نہیں تھے......؟''

''آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہ میری ایسی حالت تھی......؟'' ہبرس نے سوال کیا۔ اس کے سوال میں ہی اس کے اقرار کا جواب موجود تھا۔ جس پر وہ اب محض پہلو بدل کر رہ گیا۔

''جب تم رات کو حج پر جانا چاہتے تھے تو صبح شیطان کے غلبے میں کیوں آ گئے......؟''

''شیطان کا غلبہ مت کہیں۔ میں ایک غلام ہوں اور جب تک مجھے میرے آقا کی اجازت نہ حاصل ہو جائے میں بھلا کیسے حج کے لئے روانہ ہو سکتا ہوں......؟'' حمرس نے بات کھول دی تھی۔

''اجازت تو تمہیں مل چکی ہے......!''

''کیسی اجازت......؟'' حمرس ایک بار پھر چونک سا گیا۔ وہ اب اُس اجنبی کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا صبح سحر کے وقت تمہارے آقا نے تمہیں خواب میں اجازت نہیں دی''۔

حمرس اس کی بات سن کر لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں آ گیا مگر اُس نے خود کو فوراً سنبھال لیا۔

''آپ میرے خواب کے بارے میں کیسے جانتے ہیں......؟ حالانکہ میں نے ابھی تک اُسے کسی پر ظاہر بھی نہیں کیا''۔

''کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں برخوردار...... جنہیں جاننا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ وہ اجازت اصلی تھی۔ کسی واہمے یا وسوسے کی بدولت نہیں تھی تو کیا تم یقین کر لو گے''۔

''اندھا یقین کر لینا علامت کفر ہوتا ہے''۔

''تم خدا پر کیوں یقین کرتے ہو''۔

''آپ کی باتیں اب ناخوشگوار ہونے لگی ہیں''۔ حمرس کا لہجہ بگڑ سا گیا۔

''میری بات کو غلط رنگ مت دو۔ کچھ باتیں اُسی کی جانب سے ہوتی ہیں۔ تمہیں تمنائے حج نے بے قرار کیا تو اُسی اللہ نے تمہاری مشکل آسان کر دی۔ اب تم اس اللہ پر یقین رکھو اور جو اجازت تمہیں نصیب ہوئی ہے اس کا فائدہ اُٹھاؤ''۔

''میں فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کر رہا ہوں''۔ حمرس صاف گوئی سے بولا۔

''اللہ کا نام لو اور اس کی راہ میں نکل پڑو''۔

''مگر آپ کون ہیں......؟''

''میں اللہ کا بندہ ہوں اور کچھ نہیں''۔

حمرس نے کچھ اور کہنا چاہا تھا مگر وہ اجنبی قافلے کی جانب لوٹ گیا۔ وہ تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ حمرس نے اجنبی کی آمد اور اپنے خواب کو سچ تسلیم کیا اور سامان وغیرہ سمیٹ کر قافلے کی جانب بڑھ گیا۔ نجم الدین ایوب کے کچھ تحائف ساتھ لے کر بغداد جا رہا تھا جو اس نے امیر المومنین کو پیش کرنا تھے۔ ان تحائف کو ساتھ لے کر چلنا خاصا دشوار کام تھا مگر اُس نے انہیں کسی دوسرے کے سپرد کرنا گوارا نہیں کیا اور قافلے کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ قافلے میں اُسے دو ایک بار وہ اجنبی چہرہ بھی دکھائی دیا تھا اس نے اشتیاق و تجسس سے اپنے قریبی ساتھی سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ ہنسنے لگا۔

''حیرت ہے کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ امیر المومنین نے انہیں جامع دمشق میں خطیب مقرر کر رکھا ہے۔ یہ مسلمانان اسلام میں شیخ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں۔ بڑی نیک اور برگزیدہ شخصیت ہیں''۔ اسے جواب ملا۔

حمرس اپنے احساسات کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔ وہ نہ رہ سکا تو اپنی سے ان کا نام پوچھا۔

''شیخ عز الدین......؟'' مختصر سا جواب ملا۔

حمرس اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا رہا کہ وہ اجنبی کے روپ میں اُسی کے پاس کیوں آئے تھے۔ کیا یہ اجازت

ان کی بدولت ملی ہے......؟ اسی طرح کے خیالات کے ہجوم میں وہ ریگستانوں کو پار کرتا ہوا مکہ مکرمہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

❁❁❁

شیخ ابو الخالق نجدوانیؒ صحرائے ترکستان کے برگزیدہ مشائخ میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مقرب بندوں میں شامل کیا تھا۔ روشن قلبی اور بصیرت میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ وہ ان دنوں ہرات میں مقیم تھے کہ ان کے دل میں منگول شہر سرائے کی طرف روانہ ہونے کی خواہش مچلی۔ وہ جدھر سے گذرتے لوگ دور دور سے ان کے دیدار کے لئے جمع ہو جاتے۔ ضرورت مندوں اور عقیدت مندوں کے ہجوم سے فارغ ہو کر وہ کئی دن کی صعوبت اُٹھانے کے بعد سرائے جا پہنچے۔ صبح کا وقت تھا۔ سادہ سا لباس زیب تن تھا۔ پاؤں کے کھڑاؤں بھی گھس چکے تھے۔ ایڑی بار بار زمین سے رگڑ کھانے سے زخمی تھی۔ سرائے میں داخل ہونے کے بعد منگولوں کے وحشی چہروں پر جب ان کی نگاہ پڑی تو دل میں کسک سی اُٹھی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کے بڑے بڑے شہر اور کئی آبادیاں ویران کر ڈالی تھیں۔ انہوں نے سرائے کے صدر دروازے میں ٹھہر کر ایک پل کے لئے سوچا کہ انہیں کس جانب چلنا چاہئے؟ ابھی کوئی فیصلہ کر نہ پائے تھے کہ ایک چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے سے گذر گیا۔ انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو مخفی پردے ہٹتے چلے گئے۔ سچائی و نور کی کرن دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے اس شخص کو پیچھے سے آواز دی۔

''نور الدین......!''

وہ شخص حیرت کے عالم میں تیزی سے پلٹا۔ وہ نور الدین ہی تھا جو تو نائی خان کے ہمراہ کوتوالی کی جانب جا رہا تھا۔ تو نائی خان بھی اس کا نام پکارے جانے پر چونک پڑا اور مڑ کر اس عمر رسیدہ شخص کی جانب دیکھنے لگا۔ جس نے اُسے آواز دی تھی۔ تو نائی خان نے حلیے سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی مسلمان ہے۔ ممکن ہے کہ وہ نور الدین کا کوئی پرانا شناسا ہو۔ اس کے چہرے پر ناگواری سی پھیلنے لگی۔ مسلمانوں کو وہ پسند نہیں کرتا تھا اور سرائے میں دن بدن مسلمانوں کی آمد بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس نے اس عمر رسیدہ شخص کی جانب زیادہ توجہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ نور الدین دھیمے قدموں سے ان کی جانب بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی وہ شاید انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''معاف کیجئے میں آپ کو پہچان نہیں سکا''۔

''مگر میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ الحمد اللہ میں صحیح وقت پر پہنچ گیا ہوں ورنہ غضب ہو جاتا''۔

''لگتا ہے آپ بڑی دور سے آئے ہیں''۔ نور الدین ان کی بات سمجھ نہیں سکا تھا اس لئے بات بدل گیا۔

''ہاں......! میں خاصی تکان محسوس کر رہا ہوں، چلو تمہارے گھر چلتے ہیں''۔

''میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں، آپ کچھ دیر یہیں میرا انتظار کریں۔ میں واپسی پر آپ کو ساتھ لیتا جاؤں گا......'' نور الدین تو نائی خان کے ٹہوکے پر تیزی سے بولا۔ وہ کسی وقت ان کے قریب چلا آیا تھا۔ تو نائی خان وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جلد از جلد اپنی مطلب برآری چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی تھی۔ اگر نور الدین اس اجنبی کے ہمراہ گھر لوٹ جاتا تو معاملہ پھر کسی دوسرے روز پر پڑ سکتا تھا۔ اسی لئے اس نے ٹہوکا لگایا تھا۔

''تمہارا ضروری کام بے کار اور بے مقصد ہے نور الدین......! تمہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ تمہارے ساتھی کو بھی رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگے گا''۔

''کیا مطلب ہے بڈھے کھوسٹ......؟'' تو نائی خان اپنے ذکر پر بھڑک گیا۔ نورالدین بھی اس کے بدتمیزانہ لہجے پر جز بز ہوا۔ شیخ ابوالحائق نجددیؒ نے ہاتھ اُٹھا کر نورالدین کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''منگول......! تم جو کھیل رچانے نکلے ہو، قدرت کو وہ منظور نہیں لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ باز آ جاؤ اور ذلت کے گڑھے میں مت گرو''۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو کہ میں کوئی غلط کام کرنے جا رہا ہوں......؟'' تو نائی خان غصے سے بولا دے۔

''وہ ذات باری سب جانتی ہے۔ تم جو قصد لئے نکلے ہو۔ اِسے ترک کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سزا کے دائرے میں مت آؤ''۔

''فضول بکواس کر کے میرا وقت برباد مت کرو۔ میں کسی بے گناہ کا خون رائیگاں نہیں جانے دوں گا۔ میں حق و انصاف کی راہ میں نکلا ہوں...... چلو نورالدین......! جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے''۔ وہ ڈھٹائی سے بولا اور نورالدین کا بازو کھینچنے لگا۔ نورالدین کو تو نائی خان کی نیت پر پہلے ہی کچھ شک تھا کہ وہ اسے استعمال کر کے اپنا کوئی مقصد نکالنے کے چکر میں ہے۔ اب سرِراہ شیخ نجددیؒ سے ملاقات اُسے مدد خداوندی لگی۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے ابھی تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔ فی الحال میں اِن کے ساتھ واپس گھر جا رہا ہوں۔ اس بارے میں میں سوچ بچار کے بعد فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا قدم اُٹھانا چاہئے......؟''

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے......!'' تو نائی خان طیش میں چیخا۔ ''میں نے تمہارے لئے اپنے دن رات کا چین و سکون اجاڑا ہے اور اب جب میں اپنی منزل کے قریب پہنچنے والا ہوں تو تم مجھ سے دامن چھڑا رہے ہو''۔

''کیسی منزل......؟'' نورالدین اس کی بات پر چونک کر بولا۔

''میری منزل، میرے ضمیر کے چین و سکون کی منزل، میرے پچھتاوے اور پشیمانی کے مٹنے کی منزل......!'' تو نائی خان فوری طور پر سنبھل گیا تھا ورنہ اس کے منہ سے غلط بات نکل گئی تھی۔

''کیسے پچھتاوے منگول......؟'' شیخ نجددیؒ مسکرانے لگے۔ وہ ان کی مسکراہٹ پر محض پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اپنی تلوار کا فوراً استعمال کرتا۔ اب چونکہ وہ نورالدین کو یہ باور کرا چکا تھا کہ اُس کی مدد کرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ ماضی کے گناہوں سے تائب ہونا چاہتا ہے اسی لئے وہ اس کا ساتھ دے رہا ہے۔ وہ اپنا کھیل اتنی جلدی بگڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

''نورالدین......! چلو تمہارے گھر چلیں، میں بے حد تکان اور بھوک محسوس کر رہا ہوں''۔ شیخ نجددیؒ نے بات بدلی۔ نورالدین خاموشی سے کھڑا تھا۔ ان کی بات سن کر تیزی سے ان کا بازو اپنی گردن میں ڈالے ایک جانب چل پڑا۔ تو نائی خان بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑا محض دانت پیس رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین کو نیند کی کے عالم میں ہلکی سی تھرتھراہٹ کا احساس ہوا۔ وہ اس خفیف سی آواز سے بیدار ہو گیا تھا۔ وہ تھرتھراہٹ کے متعلق سوچ رہا تھا مگر کوئی نام نہیں دے پایا۔ خوابیدہ حالت میں وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ سب کچھ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک اس کے ذہن پر چھایا ہوا نیند کا خمار کافور ہو گیا۔ وہ ہوش میں آ چکا تھا۔ چشمے پر نگاہ پڑتے ہی جیسے اُسے سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے تیزی سے چشمے سے پانی کے چند چھینٹے اپنے چہرے پر مارے اور گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔ سورج ایک جانب دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے سوئے ہوئے کچھ زیادہ وقت نہیں گذرا۔ تکان ابھی بھی باقی تھی مگر اس نے فوراً

سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ چینائی سلطنت میں زیادہ دیر تک قیام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں تھرتھراہٹ کا خیال آیا۔ جس کے باعث اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے غور سے سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہیں دیا۔ یکلخت اس کے ذہن میں برقائی خان کی ایک بات یاد آئی۔ وہ پل بھر میں تھرتھراہٹ کا سبب جان گیا۔ دوسرے لمحے اس نے اپنے کان زمین کے ساتھ لگا دیئے۔ خفیف سی تھرتھراہٹ اسے صاف سنائی دینے لگی۔ اس نے بہتیری کوشش کی کہ وہ اس تھرتھراہٹ کا مرکز جان پاتا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاڑی باشندے اس کا تعاقب کرتے ہوئے قریب ہی کہیں پہنچ چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں مزید ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا''۔ وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ اب وہ وقت ضائع کئے بغیر مشکیزے میں پانی بھرنے لگا۔ پانی بھرتے ہی جست لگا کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ اس نے ایڑ لگائی اور گھوڑا ایک بار پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی سمت کا اندازہ لگانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ چشمے سے کافی دور نکل چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

مسلمانانِ اسلام کا دینی مرکز اور الف لیلوی شہر بغداد میں ان دنوں امیر المومنین کے منصب پر خلیفہ ابو جعفر منصور بن ظاہر المستنصر باللہ براجمان تھا۔ وہ رجب 623ھ میں خلافت کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کی ماں خلیفہ ظاہر بامراللہ کی ترکن لونڈی تھی۔ وہ بے حد عادل اور نیک دل خلیفہ تھا۔ اس کا ثبوت اُن روایات کا اجراً تھا جنہیں ایک عرصے سے نام نہاد علماء نے متروک قرار دے رکھا تھا۔ علماء کی جماعتیں اپنے مسالک کو عمدہ ثابت کرنے میں شعائرِ اسلامیہ کو بھی رد کر چکی تھیں۔ خلیفہ المستنصر باللہ نے شعائرِ اسلامیہ کو روحِ حقیقی پر از سرِ نو گامزن کیا۔ مؤرخ عبداللطیف کا بیان ہے کہ اس زمانہ کے لوگ سرِعام اسلامی محاسن یاد کرنے لگے، خلیفہ وقت کی تعریف و توصیف ہر شخص کی زبان پر تھی، اس کی عیب جوئی کا دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ نیک خصائل و عادات کے باعث اس کے دادا خلیفہ الناصر الدین اللہ نے اسے ہر دم عزیز رکھا۔ وہ اسے پیار سے قاضی پکارا کرتا تھا خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے زمانے میں اتنی فوج جمع کر لی تھی کہ اس سے پہلے آباء و اجداد میں سے کسی کے پاس اتنا بڑا جری لشکر نہیں تھا۔ تاتاری جب سلطنت خوارزم روند کر بغداد کی جانب بڑھے تو خلیفہ کی بہادر فوج نے خفاجی کی زیرِ قیادت انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ خفاجی امیر المومنین کا سگا بھائی تھا اس کی خواہش تھی کہ تاتاریوں پر کاری ضرب لگائی جائے اور اسے حملہ کی اجازت دی جائے مگر امیر المومنین نے بغداد سے خطرہ ٹل جانے پر ہی تکیہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تاتاری لشکر مکمل طور پر کامیابی نہیں حاصل کر پایا تھا۔ خفاجی کا کہنا تھا کہ وہ بہت جلد بغداد پر دھاوا بول دیں گے۔ مگر اس کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔

خلیفہ مستنصر باللہ کا دربار یکتائے روزگار اور بے مثل شخصیات سے بھرا رہتا تھا، ان میں شیخ السلام عزالدین بن عبدالسلام، وجیہہ قیروانی، امام ابوالقاسم رافعی، یاقوت حموی، حافظ ابوالحسن بن قطان، حافظ عزالدین علی بن اثیر، ابن نغشی، شہاب سہروردی، بہاء بن شداد، ابوالعباس عوفی، علامہ ابوالخطاب بن دحیہ، ابولبرکات بن مستوفی، ضیاء بن اثیر، ابن عربی، کمال بن یونس شارح شامل تھیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے نامی گرامی حضرات وہاں موجود رہتے تھے۔

جبرس ادائیگی حج سے فارغ ہو کر وقت ضائع کئے بغیر بغداد کی جانب نکل پڑا۔ نکلتے وقت شیخ عزالدین نے اسے اپنے مقصد میں کامیاب لوٹنے کی پیش گوئی کی۔ جس پر وہ بے حد مسرور ہوا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے 23 ذی الحجہ کو بغداد میں داخل ہوا۔ مسلمانانِ اسلام کے مرکز میں پہنچ کر اسے عجیب سرشاری کا

احساس ہوا۔ بغداد جس کا نام اس نے کئی بار سنا تھا مگر یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔ واقعی الف لیلوی داستانوں جیسا حسن و جمال کا شاہکار تھا۔ شاہراہوں اور گلی محلوں کو ایک خاص ترتیب سے بنایا گیا تھا۔ وہ ایک بڑے حمام میں پہنچا۔ وہاں اُس نے غسل کیا اور صاف لباس پہن کر قصر خلافت کی راہ لی۔ صدر دروازے پر موجود درباری نے اُسے روک کر آنے کا مقصد دریافت کیا۔ بیبرس نے جب اُسے بتایا کہ وہ قاصد ہے اور امیر المومنین سے ملاقات کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس سلطانِ مصر کا پیغام ہے تو درباری نے اسے قاصدوں کے دفتر کی جانب جانے کی ہدایت کی جہاں ناظم امور سفارت بیٹھتا تھا۔ بیبرس سیدھا اس کے پاس پہنچا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے بیبرس کا چہرہ دیکھ کر حیرت کا مظاہرہ کیا۔ کسی بڑے سلطان کی جانب سے کم عمر نوجوان کو قاصد بنا کر روانہ کرنا واقعی عجیب سی بات تھی۔ اس نے بیبرس کو مہمان خانے میں ٹھہرایا اور جلد ہی ملاقات کروانے کا وعدہ کیا۔ ایسے میں تین دن بیت گئے۔ بیبرس فارغ اوقات میں بغداد کے گلی کوچوں میں گھومتا رہتا۔ اگلی شام اسے یہ نوید سنائی گئی کہ کل صبح اسے دربار خلافت میں حاضر ہونا ہے۔ یہ اس کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا کہ اسے امیر المومنین کے سامنے پیش کیا جاتا اور وہ اپنا مدعا بیان کرتا۔ یہ ذمہ داری واقعی بڑی تھی۔ ناظم بیبرس کی حالت سے سمجھ گیا کہ اسے ایسے امور کا تجربہ نہیں ہے، وہ خوفزدہ ہونے کے ساتھ جھجک بھی رہا ہے۔ اس نے بیبرس کی ہمت بندھائی اور اسے آداب ملاقات بھی سمجھائے۔ بیبرس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ تمام رات آنے والی صبح کے بارے میں سوچتا رہا۔

دوسرے روز وہ اعلیٰ پوشاک زیب تن کئے خاص تحائف ساتھ لئے امیر المومنین خلیفہ ابو جعفر المستنصر باللہ کے حضور پیش ہوا۔ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھی۔ خلیفہ ابو جعفر بڑے قیمتی تخت پر سب سے اونچی مسند پر موجود تھا۔ اس کے اطراف میں خاص عمائدین اور نیچے عام درباریوں کا مجمع دکھائی دے رہا تھا۔

''کہو قاصد......! کیا پیغام لائے ہو؟''

امیر المومنین کے پاس کھڑے وزیر اعظم نے اسے مخاطب کیا تو وہ جلدی سے سنبھل گیا۔ اس نے چاندی کے چھوٹے سے بکس کا منہ کھول کر تخت کی جانب بڑھایا۔ اس میں موجود سنہرے کپڑے پر نجم الدین ایوب کا اطاعت و بیعت نامہ دکھائی دے رہا تھا۔ وزیر اعظم نے ایک درباری کو اشارہ کیا۔ اس نے بڑھ کر وہ بکس بیبرس کے ہاتھوں سے لے لیا اور سر جھکائے بڑے احترام سے تخت کی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں میں وزیر اعظم نے نجم الدین ایوب کا پیغام پڑھ کر امیر المومنین کو سنا دیا۔ اس پیغام میں بیت المقدس پر دوبارہ مسلمانوں کے قبضے کی خوشخبری بھی موجود تھی۔

خلیفہ ابو جعفر المستنصر باللہ نے جب تمام حال سنا تو اس نے فوری طور پر نجم الدین ایوب کے لئے مصر کی حکومت کا پروانہ جاری کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں بیبرس نے دوسرے تحائف بھی امیر المومنین کے حضور پیش کر دیئے۔

''نوجوان اوپر یہاں آؤ......'' خلیفہ نے بیبرس کو پاس بلایا۔ بیبرس اپنی اس عزت افزائی پر بے حد مسرور ہوا اور ادب و احترام سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا خلیفہ کے پاس پہنچ گیا۔

''تمہارے سلطان نے اپنی جانب سے بیعت کا اختیار تمہیں تفویض کیا ہے، کیا تم ہماری بیعت کرتے ہو......''

بیبرس نے یہ سنا تو دونوں ہاتھ امیر المومنین کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی جانب بڑھائے اور ان کی پشت پر

بوسہ دیتے ہوئے نجم الدین ایوب اور اپنی جانب سے بیعت کا اقرار کیا۔ خلیفہ ابو جعفر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پا کر فرطِ مسرت سے اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ امیر المومنین کی صورت میں خاندانِ نبوت کی جھلک دیکھ رہا تھا۔ حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے کسی فرد سے ملاقات کا شرف حاصل ہونا کسی زیارت سے کم نہیں تھا۔ وہ ابھی اپنے محسوسات کے دائرے میں الجھا تھا کہ پروانہ حکومت تیار ہو کر آ گیا۔ خلیفہ ابو جعفر نے پروانہ اس کی جانب بڑھایا۔

''نوجوان......!'' خلیفہ ابو جعفر بولا۔ ''ہمیں تمہاری کم عمری اور اتنے بڑے فرض کی ذمہ داری دونوں پر تعجب ہے۔ تم سلطان کے بہت قریبی اور وفادار ساتھی ہو، شاید اسی لئے تمہیں یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ بہر حال اپنے سلطان سے کہنا کہ ہمیں خاندان ایوبی پر بے حد فخر ہے۔ انہوں نے بغداد کے کمزور ایام میں مسلمانانِ اسلام پر جو مہربانیاں کی ہیں، ان کے لئے ہم ان کا جتنا شکریہ ادا کریں وہ کم ہے۔ تمہارے سلطان کا نام نجم الدین ایوب ہے نا......''

بیبرس نے تیزی سے اثبات میں جواب دیا۔

''اس سے کہنا کہ اس کے جد اعلیٰ نجم الدین ایوب نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ہم ویسے کارناموں کی توقع اس سے بھی رکھیں گے''۔

''امیر المومنین......! آپ بے فکر رہیں۔ میرا آقا بے حد شجاع اور سچا مسلمان ہے''۔ بیبرس نے کہا۔

''تمہارے شجاع آقا کے لئے ہماری جانب سے تاج شاہی، شاہی خلعت، بیس کڑیل غلام اور پانچ حسین کنیزیں ہماری جانب سے تحفہ خاص ہیں......'' خلیفہ نے بارعب لہجے میں کہا۔ بیبرس نے سر جھکا کر اُسے سلام کیا اور اپنا مدعا پورا ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ وہاں سے فراغت پا کر سیدھا اپنی قیام گاہ پر واپس لوٹا۔ یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ امیر المومنین نے اس کے لئے مزید دو دن تک یہاں ٹھہر کر ضیافت اُڑانے کا حکم بھی جاری کیا ہے۔ اس کے بعد ہی اس کی واپسی ممکن ہو سکے گی۔ دو دن تک مزید بغداد میں قیام کیا۔ جب وہ روانہ ہونے لگا تو پانچ نقاب پوش کنیزیں اور بیس غلام اور پچاس کے قریب عربی گھوڑے اس کے ساتھ روانہ کئے گئے۔ وہ سب گھوڑے تحائف سے لدے پڑے تھے۔ بیبرس خود بھی نہیں جانتا تھا کہ ان پر لدے تحائف میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ تنہا بغداد پہنچا تھا مگر جب وہاں سے نکلا تو ایک بڑا قافلہ اس کے ہمراہ تھا۔

❀ ❀ ❀

نور الدین شیخ نجدیؒ کے ہمراہ اپنے گھر چلا آیا۔ اس نے سب سے پہلے انہیں غسل کروایا اور اس کے بعد صاف لباس پہننے کو دیا۔ دورانِ غسل ہی اس نے طبیب کو بلوانے کا انتظام کر لیا تھا۔ جب شیخ نجدیؒ غسل سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو طبیب نے ان کے پاؤں پر مرہم پٹی کی۔ شیخ نجدیؒ نے منع کرنا چاہا مگر انہیں نور الدین کی ضد کے سامنے خاموش ہونا پڑا۔ مرہم پٹی کے بعد رنگ برنگے پکوان مہمان خانے میں لائے گئے۔ شیخ نجدیؒ نے صرف ایک ہی کھانے کو کافی قرار دیا۔ نور الدین نے دوسرے پکوان کے لئے بہتیرا زور لگایا مگر انہوں نے صاف منع کر دیا۔ جب کھانے سے فرصت ہوئی تو تخت پوش کے ساتھ ٹیک لگائی نور الدین نے بڑھ کر گاؤ تکیہ پیش کرنا چاہا تو انہوں نے ''اس کی ضرورت نہیں''۔ کہہ کر منع کر دیا۔

''میں ابھی تک آپ کو پہچان نہیں سکا ہوں'' نور الدین جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔

''نور الدین!'' شیخ نجدیؒ نے مسکرا کر کہا۔ ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس کے لئے شناخت ضروری نہیں۔ میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ بس دل کیا تم سے ملنے یہاں چلا آیا''۔

''آپ بجا فرما رہے ہیں مگر ہر بھائی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے نام سے تو کم از کم آگاہ ہو''۔

''بہت خوب......! تمہاری بات نے میرا دل خوش کر دیا۔ نام پوچھنے کا اچھا انداز اپنایا ہے''۔

''اب آپ میری بات گول کر رہے ہیں''۔

شیخ نجدیؒ نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''میرا نام ابوالخالق ہے لوگ مجھے شیخ نجدی کے نام سے پکارتے ہیں''۔

''الحمدللہ......! میں آپ کو پہچان گیا ہوں۔ آپ کا نام عرصہ سے سن رکھا تھا۔ آج ملاقات کا شرف بھی حاصل ہو گیا''۔ نورالدین کے چہرے پر بشاشیت سی پھیل گئی۔

''مجھے آسمان پر مت بٹھاؤ نورالدین! میں حقیر سا بندہ ہوں جو بحکم باری تعالیٰ سے اس کے بندوں کو راستی کی جانب بلانے کی کوشش کرتا ہوں''۔

''شیخ جی!'' نورالدین تیزی سے ان کے قریب ہو گیا ''میں ایک عرصے سے کرب میں مبتلا ہوں کیا آپ اللہ کے حضور میری سفارش کر سکتے ہیں وہ میرے ذہن کو سکون و اطمینان بخشے''۔

''میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا ہوں۔ کیا تم اس منگول سے میری گفتگو نہیں سمجھ پائے''۔

''ہاں مجھے اس کا کچھ اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ میرے شک کے مطابق واقعی کسی اپنے مقصد کے لئے مجھے ڈھال بنا کر استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرے مرحوم بیٹے کا ناجائز فائدہ اُٹھانے کے چکر میں تھا''۔

''کیا کہا؟ نورالدین! مرحوم بیٹا......''

''ہاں میرا ایک ہی بیٹا تھا جو ایک عرصہ سے لاپتہ ہو گیا تھا اب کچھ اس قسم کی اطلاعات ملی ہیں کہ شاید وہ اب دنیا میں نہیں رہا''۔

''جھوٹی خبروں پر مت کان دھرا کر، اور اللہ کی ناشکری مناسب نہیں''۔

''تو کیا میرا بیٹا ابھی زندہ ہے؟'' نورالدین الجھ سا گیا۔

''زندہ بھی ہے اور جلد ہی واپس لوٹے گا''۔

''وہ تو نائی خان تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا''۔ نورالدین مسرت و استعجاب میں ڈوب گیا۔

''تم شاید اس منگول کی بات کر رہے ہو۔ وہ اپنے کئے کی جلد ہی سزا پائے گا مگر ابھی کچھ دیر ہے''۔ شیخ نجدیؒ نے جواب دیا تو نورالدین کو ایسے لگا جیسے اس کو نئی زندگی مل گئی ہو۔ شیخ نجدیؒ کا اچانک اس سے آملنا مدد خداوندی سے کم نہیں تھا۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس سے جلد بازی میں کوئی غلط قدم نہیں اُٹھ گیا ورنہ وہ پشیمانی کے عالم میں جان دے دیتا۔

❀ ❀ ❀

قاتری باشندے اپنے سردار کے ہمراہ نیلے پتھروں والے چشمے پر دن چڑھے پہنچے تھے۔ انہوں نے جو مختصر راستہ اختیار کیا تھا وہ خاصا دشوار اور کئی جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے کے باوجود مقررہ وقت پر اپنی منزل پر نہیں پہنچ پائے۔ وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ وہ سوار وہاں سے اگلی منزل کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ سردار اس جوان کی دلیری اور ہمت پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''سردار......! اب کیا کریں وہ تو ہاتھوں سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے''۔

''ہمت نہ ہارو۔ وہ ہماری پہنچ سے اتنی آسانی سے نہیں نکل پائے گا''۔

''سردار......! گھوڑے کے کھر تازہ ہیں اور دوسرا یہاں قدموں کے نشانات سے بھی واضح ہے کہ اسے یہاں سے روانہ ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا''۔ راہ نما نے کہا۔

''تم ذرا زمین پر کان لگا کر پتہ کرو کہ وہ کتنا دور ہو گا......؟'' سردار نے ہدایت کی۔

ایک قاتری جوان تیزی سے زمین پر لیٹ گیا اس نے اپنا دم سادھ لیا تھا۔ اس کے کان زمین سے چپکے پڑے تھے۔ وہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی لیٹا رہا۔ سردار سمیت تمام لوگ اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

''سردار......! وہ ہم سے تین منزل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی رفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رات پڑنے تک درّہ کے پاس پہنچ جائے گا''۔

''حیرت انگیز......!'' سردار تعجب سے بول اُٹھا ''اس جوان کی رفتار بے حد تیز ہے۔ درّہ کے دوسری جانب ضرگامی قبیلہ آباد ہے اور وہ ہمارا جانی دشمن ہے۔ اگر وہ درّہ پار کر گیا تو ہم اسے پکڑ نہیں سکیں گے''۔

''سردار......! ضرگامی قبیلہ کے لوگ اسے کسی بھی حال میں تاتاری سرحد کی جانب نہیں بڑھنے دیں گے''۔ ایک قاتری بولا۔

''ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اسے ہر حال میں ہمارا شکار بننا ہو گا۔ میں اپنی شکست تسلیم نہیں کروں گا چلو تیزی سے درے کی جانب شمالی جانب سے بڑھو۔ میں اس گھڑ سوار سے پہلے وہاں اپنا جال بچھانا چاہتا ہوں۔ یہ آخری اور فیصلہ کن معرکہ ہو گا''۔

''یاد رکھو سردار......! اگر تم یہ بازی ہار گئے تو تم ہمارے سردار نہیں رہ سکو گے۔ ہم تمہیں اپنا شکار بنا لیں گے۔ یہ اصول ہمارے بڑوں کے وضع کردہ ہیں''۔ ایک قاتری تنک کر بولا۔

''مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم لوگ بھی کان کھول کر سن لو اگر تم شام سے پہلے اس درّہ تک نہ پہنچ سکے تو میں بطور سردار تم سب کو سزا دینے کا اختیار رکھتا ہوں۔ یہ میری آخری تنبیہ ہے''۔ سردار کا لہجہ یکدم سرد اور خونخوار ہو گیا تھا۔ وہ محض گردن ہلا کر رہ گئے۔ وہ سب اپنے سردار کے ساتھ نہایت سرعت سے اس درّے کی جانب بڑھنے لگے جہاں مطیع الدین شام تک پہنچنے والا تھا۔

❀ ❀ ❀

بیبرس بغداد سے مختلف مقامات پر قیام کرتا ہوا 16 محرم 638ھ کو قاہرہ کے قریب آن پہنچا۔ اس نے تین منزل دور سے ہی اپنی آمد کی خبر دربار مصر بھجوا دی تھی۔ اس نے اپنا آخری پڑاؤ قیروان نامی بستی میں ڈالا۔ یہ بستی کسی زمانے میں عظیم الشان شہر کی صورت میں آباد تھی۔ فرعونِ مصر سے لے کر مسلمانوں کے اوّلین دور تک اسے بڑی اہمیت حاصل رہی تھی۔ فاطمی دورِ حکومت میں اس سے کچھ فاصلے پر نیا شہر آباد کیا گیا جسے قاہرہ کا نام دیا گیا۔ کارخانہ اقتدار قاہرہ میں منتقل ہو گیا اور پھر اس شہر کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ شہر اپنے سابقہ کھنڈرات کے ہمراہ سکڑ کر چھوٹے سے قصبے کی صورت میں باقی رہ گیا۔ بیبرس اسی بستی سے کچھ فاصلے پر قیام کئے ہوئے تھا۔ اس نے اپنی کامیابی کی اطلاع اور دیگر تحائف کی خبر اسی بستی کے ایک سرکاری عہدے دار کے ذریعے قاہرہ بھجوائی تھی۔ نجم الدین ایوب بیبرس کی کامیاب واپسی سے بے حد مسرور ہوا۔ فوری طور پر ابوخویلد کی امارت میں پچاس گھڑ سواروں کا دستہ بیبرس کی جانب روانہ کیا گیا۔ امرائے مصر کو جب کسی کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ سخت متحیر ہوئے کہ ایسا کون سا فرد آ رہا ہے جس کے لئے اتنا بڑا اور نہایت سرعت سے بندوبست کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر سے کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی مگر کسی کو معلوم ہی نہیں کہ یہ سب کیوں کیا جا رہا ہے؟ بیبرس کے بھیجے ہوئے قاصد کو دربار

کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا تھا اور اسے باہر نکل کر کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ابوخویلد صبرس کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی تعریف وتوصیف میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ صبرس اپنے استاد کے منہ سے اپنی تعریف سن کر بس خوش ہوا اور ان کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی خوش بختی پر رونے لگا۔ ابوخویلد نے اس کی کمر تھپتھپا کر ہمت بندھائی کہ وہ ایک ایسے امتحان میں سے بخوبی نکل آیا تھا جس میں بڑے بڑے سورما ناکام رہ جایا کرتے ہیں۔ صبرس اور اس کا قافلہ ابوخویلد کے گھڑسوار دستے کی رہنمائی میں شام ہونے سے قبل ہی قاہرہ کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ وہاں امرأ واشراف کی بڑی تعداد موجود تھی جو کہ محض اس تجسس سے وہاں جمع تھے کہ کون آرہا ہے؟ جب ان کی نگاہ صبرس پر پڑی تو ان میں سے کئی ایک نے منہ بسور لئے۔ البتہ اس کے ہمراہ پالکیوں میں خواتین اور حبشی مردوں کا ساتھ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ نجم الدین ایوب خود ان کے استقبال کے لئے صدر دروازے تک آیا تھا۔ صبرس اور ابوخویلد نے جب اپنے آقا کو سامنے دیکھا تو گھوڑوں سے نیچے اتر کر اس کے پاس آن پہنچے۔ صبرس نے اپنے آقا سے مصافحہ کیا اور اپنی کامیابی کی نوید سنانا چاہی تو نجم الدین ایوب نے اشارے سے منع کر دیا۔ یہ قافلہ سلطان نجم الدین ایوب کے جلو میں شاہی محل تک پہنچ گیا۔ سلطان نجم الدین ایوب شاہی محل کے باہر دیوان کے چبوترے پر چڑھ آیا۔ پھر تمام بغدادی کنیزوں اور غلاموں کو چبوترے کے پہلو میں ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ امرأ واعیانِ شہر کی جماعت اس عجیب وغریب کھیل کو دیکھ کر اندازے لگانے میں مصروف تھی، قیاسات کی بھرمار ہو رہی تھی۔ مجمع کی آوازوں نے کچھ بھی سننا دشوار کر رکھا تھا۔ اچانک نجم الدین ایوب نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''میرے مصاحبو اور ساتھیو! میں نے گذشتہ دنوں ایک درخواست بھجوائی تھی جسے بحکم باری تعالیٰ منظوری نصیب ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سب یہ جاننے کے لئے بے چین ہیں کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں چاہوں گا کہ قاضی القضاۃ ابن مستقر یہاں میرے پاس تشریف لائیں اور آپ سب کو تجسس کے دائرے سے آزاد کر ڈالیں''۔

قاضی القضاۃ ابن مستقر خود لاعلم تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ وہ آہستہ آہستہ چبوترے کا زینہ طے کر کے سلطان نجم الدین ایوب کے مقابل پہنچ گیا اس کی آنکھوں میں گہرا استفسار موجود تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولنے کی کوشش کرتا، نجم الدین ایوب نے اُسے روک دیا اور صبرس کو اشارہ کیا۔ صبرس اشارہ پاتے ہی جست لگا کر چبوترے پر پہنچ گیا۔

''فرمان شاہی ان کے حوالے کر دو تا کہ وہ پڑھ کر دوسرے تمام لوگوں کو سنا سکیں''۔

صبرس نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ایک سنہرے بکس کو اپنے لبادے سے نکالا اور اس کا ڈھکن کھول کر بکس ان کی جانب بڑھا دیا۔ ابن مستقر کی مشاق نگاہیں پہلی نظر میں پہچان گئی تھی کہ یہ شاہی فرمان کہاں سے آیا ہے؟ ایک دھیمی سی مسکان اس کے چہرے پر پھیلی۔ اس نے سلطان نجم الدین ایوب کی جانب دیکھ کر اس کی ذہانت کی داد دی۔ شاہی مراسلہ اس نے نہایت غور سے پڑھا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر نجم الدین ایوب کو امیر المؤمنین کی جانب سے بلادِ مصر کی قانونی امارت ملنے پر مبارکباد دی اس کا چہرہ خوشی سے دمکتا دکھائی دیا۔ لوگ مزید وقت گذرنے پر شدید اُلجھن کا شکار ہونے لگے۔ ابن مستقر نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بلند آواز میں امیر المؤمنین ابوجعفر مستنصر باللہ کا شاہی مراسلہ پڑھ کر سنایا جس میں نجم الدین ایوب کو خلیفہ بغداد کی جانب سے بلادِ مصر کے تمام اختیارات تفویض کر دیئے جانے اور امیر المؤمنین کے لئے بیعت لینے کا اختیار بھی سونپے جانے کا تذکرہ موجود تھا۔ امرأ مصر نے جب امیر المؤمنین کے شاہی فرمان کو سنا تو ان کے چہروں پر بشاشیت پھیل گئی۔

سلطان نجم الدین ایوب، الملک الصالح اور امیر المومنین کے نعروں سے فضا گونجنے لگی۔ قاہرہ کے لوگوں نے امیر المومنین کے بارے میں محض سن رکھا تھا، امیر المومنین کو دیکھنے کی توفیق انہیں نصیب نہیں ہوئی تھی، اسی لئے ان میں فرطِ مسرت سے اتنا جوش دکھائی دے رہا تھا۔ نجم الدین ایوب خود بھی آج بے حد خوش تھا۔ وہ اب بلادِ مصر کا مکمل اور بااختیار حاکم تھا۔ کوئی امیر اس کی ٹانگ کھینچنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ مجمع میں موجود کئی چہرے بجھے اور پژمردہ بھی دکھائی دیئے تھے جو کہ چند ساعتوں بعد وہاں سے نکل آئے تھے۔ وہ ایسے امرأ تھے جنہیں سلطان کے اس اقدام پر بے حد افسوس ہوا تھا یا پھر اپنی حاکمیت خطرے میں پڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

شیخ الاسلام علامہ عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی کا شمار علمائے حق کی اُس بابرکت اور مقدس جماعت میں ہوتا ہے جس کے علم وفضل، زہد وورع، حق گوئی وبے باکی اور جرأت واستقامت کے درخشندہ واقعات سے تاریخ اسلام کے صفحات منور ہیں۔ علامہ عزالدینؒ 578ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اپنے دور کے مشاہیر وجید علماء کے سایہ شفقت میں رہ کر ان کے دست مبارک پر بیعت کی۔ شیخ عزالدینؒ نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں سیف الدین آمدیؒ، حافظ ابومحمد القاسمؒ اور فخر الدین بن عساکر جیسے اکابر علماء شامل تھے۔ شیخ عزالدینؒ نے سن بلوغت میں قدم رکھنے سے قبل ہی قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور دوسرے علوم اسلامیہ میں درجۂ تبحر پالیا تھا۔ انہیں سلطان العلماءؒ اور امام وقت تسلیم کیا گیا۔ ان کے ہم عصر علامہ شیخ جمال الدین ابن حاجبؒ انہیں فقہ میں امام غزالیؒ کے پایہ کا عالم گردانتے تھے۔ امام ذہبیؒ انہیں درجہ اجتہاد میں کامل اور مستند تسلیم کیا کرتے۔ علامہ عزالدینؒ کئی سال سے دمشق کے زاویہ غزالیہ میں درس وتدریس میں مشغول تھے۔ اس کے ساتھ امیر المومنین کے فرمان کے مطابق جامع اموی دمشق میں خطابت اور امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ الملک الکامل نے جب دمشق کا دورہ کیا تو انہیں دمشق کا عہدہ قضاۃ بااصرار پیش کیا لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ دربار بغداد میں ایوبی حکومت کا سفیر بننا پسند کیا اور کچھ عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ الملک الکامل کی وفات کے بعد وہ واپس دمشق لوٹ آئے، اپنے سابقہ طرز حیات کو اپناتے ہوئے درس وافتاء اور وعظ وہدایت میں مشغول ہو گئے۔

شیخ عزالدینؒ بڑے خوددار، باوقار اور بارُعب شخصیت کے مالک تھے۔ وہ خود کو شاہی مراتب اور درباری پیچیدگیوں اور جھنجھٹوں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے تبحر علمی، زہد وریاضت اور حق گوئی کی بدولت وہ شام کی سب سے بڑی دینی شخصیت متصور کئے جاتے۔ 637ھ میں جب الملک الصالح عمادالدین اسماعیل نے نجم الدین ایوب سے دمشق ہتھیایا تو انہوں نے عمادالدین اسماعیل کے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ عمادالدین اسماعیل نے ان کی پسند وناپسند کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ جب عمادالدین اسماعیل کو قاہرہ سے مراسلے ملنا شروع ہوئے تو اس کی نیت میں فتور پیدا ہونے لگا وہ بلادِ شرقیہ وشام کے ساتھ ساتھ بلادِ مصر پر بھی للچائی نگاہیں ڈالنے لگا۔ جس دن اس نے مصر کی جانب کوچ کرنا تھا اسی دن الملک الجواد کے محاصرے نے اس کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا۔ وہ نجم الدین ایوب کی اس چال کو بخوبی سمجھ گیا کہ وہ وقت کی نزاکت سے فائدہ اُٹھا لے گا۔ حالانکہ یہ چال نجم الدین ایوب کے علم میں بھی نہیں تھی۔ یہ قدم الملک الناصر نے محض اپنی حکومت بچانے کے لئے اُٹھایا تھا۔ اس نے اپنی حکمت وبصیرت سے الملک الجواد کے لشکر کو محاصرہ ختم کرنے اور واپس لوٹنے پر راضی کر لیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی والی غلطی دہرانے میں ذرا گریز نہیں کیا۔ اس نے فوری طور پر مغرور شاہِ یروشلم فریڈرک اور صلیبی گروہوں کے ساتھ دوستی کا ہاتھ ملایا اور ان سے اپنے بھتیجے سلطان مصر نجم الدین ایوب

کے خلاف مدد طلب کی۔ اس مدد کے عوض اس نے نہ صرف انہیں صیدا، شقیف اور دوسرے اہم قلعوں کا پروانہ لکھ کر دے دیا بلکہ انہیں کھلے بندوں دمشق میں گھومنے پھرنے اور ہتھیار خریدنے کی اجازت بھی دے دی۔ صلیبی بے دھڑک دمشق میں داخل ہوتے اور یہاں سے ہتھیار خریدتے اور مسلمانوں کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے واپس لوٹ جاتے۔ ان کی آنکھوں میں ان کی نادانی کا تمسخر جھلکتا کہ آنیوالا کل انہی ہتھیاروں سے انہی کی گردنیں کاٹے گا۔ مسلمانوں میں غلط قسم کی تجارت کی وباء چل نکلی تھی، وہ دوسروں کی ریس میں صلیبیوں کو ہتھیار بیچنا زیادہ پسند کرتے۔ شیخ عز الدینؒ نے جب یہ صورت دیکھی تو انہیں عماد الدین اسماعیل کی بے حمیتی سے سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے فوراً جامع اموی میں فتویٰ جاری کر دیا کہ نصرانیوں اور یہودیوں کے ہاتھ ہتھیار بیچنا حرام ہے کیونکہ وہ دشمنان اسلام ہیں اور وہ یہی ہتھیار مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے شاہ دمشق عماد الدین اسماعیل کا نام خطبۂ جمعہ سے خارج کر دیا اور اس کے لئے دعا موقوف کرتے ہوئے صرف یہ دعا مانگی۔

''الٰہی! اسلام اور دین محمد ﷺ کے حلقہ بگوشوں کی مدد فرما اور انہیں نصرت سے نواز، اور دشمنانِ اسلام کو ذلیل وخوار فرما اور ہمیں ایسے بے دین گروہ سے محفوظ رکھ''۔

عماد الدین اسماعیل کو جب شیخ عز الدینؒ کے بارے میں اطلاع پہنچی تو وہ سخت غضبناک ہوا، اس نے فوری طور پر انہیں تمام سرکاری و دینی مناصب سے برطرف کرتے ہوئے ان پر اپنی اطاعت کا دباؤ ڈالا۔ شیخ عز الدینؒ کے دل میں جو کچھ تھا انہوں نے اس کے منہ پر صاف کہہ ڈالا۔ عماد الدین اسماعیل نے انہیں کچھ دن تک نظر بند رکھا، لیکن شیخ عز الدینؒ تمام تر سختیوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ عمائدین شہر کے سخت دباؤ کے باعث اس نے قید کی صعوبت ختم کر دی، لیکن جب عماد الدین اسماعیل کے ساتھ ساتھ والی حمص الملک الاشرف بھی صلیبی پرچم تلے چلا آیا تو آپ کا دل اُٹھ گیا، دمشق و حمص کے مسلمانوں کی بے بسی حد سے گذرنے لگی تو شیخ عز الدینؒ بددلی سے اپنا بستر سمیٹنے لگے۔ انہوں نے سرزمین مصر کو اپنی جائے قیام کے لئے منتخب کیا تھا، دمشق کے لوگوں کو جب آپ کی روانگی کا علم ہوا وہ گروہ در گروہ آپ کے گرد جمع ہونے لگے، ان میں شیخ عز الدینؒ کی اچانک مصر روانگی کے بارے میں گہرا اضطراب پیدا ہونے لگا۔ آپ نے انہیں وہاں سے ہٹ جانے کے لئے کہا تو وہ مایوس واپس لوٹ گئے۔ اسی شام اعیان اور امرأ شہر کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے استدعا کی کہ آپ مصر جانے کا ارادہ ترک کر دیں، ہم والئی دمشق کو راضی کر لیں گے، آپ صرف اتنا کر دیں کہ الملک الصالح اسماعیل کے پاس جا کر اس کی دست بوسی کر لیں۔

یہ سن کر شیخ عز الدینؒ دھیما سا مسکرا کر بولے۔

''صاحبو! مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ بادشاہ میرے ہاتھ کو بوسہ دے چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس آفت سے آزاد رکھا ہے، جس میں تم لوگ گرفتار ہو۔ لوگو! تم کسی اور عالم میں ہو اور میں کسی اور عالم میں۔ اس لئے میرا راستہ نہ روکو''۔

اعیان و امرأ شہر اپنا سامنہ لے کر لوٹ گئے۔ اس کے چند دن بعد ہی شیخ عز الدینؒ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ دمشق سے نکل پڑے۔

❁ ❁ ❁

قوتائی خان شیخ نجد دیؒ کی اچانک آمد پر بے حد پریشان تھا، اس کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچنے والا تھا کہ وہ بیچ میں کود پڑے۔ قوتائی خان بے چینی کے عالم میں کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ جب گھر سے نکلا تھا تو اس کا

چہرہ خوش و خرم تھا مگر جب واپس لوٹا تو چہرے کے خد و خال بگڑے ہوئے تھے۔ گھر کے کسی فرد نے اس سے کوئی سوال جواب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے، ایسی حالت میں پوچھے گئے کسی بھی سوال کی صورت میں انہیں شدید عتاب سے گذرنا پڑے گا۔ تھوڑی دیر بعد قوتائی خان نے ایک غلام کو حاضر ہونے کا حکم سنایا۔ وہ غلام گھر سے باہر کے امور پر مقرر تھا۔ اپنی طلبی پاتے ہی اندر چلا آیا۔ پل بھر میں وہ قوتائی خان کے سامنے مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔ قوتائی خان اپنے تئیں غصے اور ناکامی کے ملے جلے جذبات کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ اس نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی تو وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے کانپ کر رہ گیا۔ قوتائی خان نے نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹائیں اور کمرے کے پہلو کی جانب بنے ہوئے چھوٹے سے طاق کی جانب بڑھ گیا، طاق میں سے اس نے نفیس سیاہ پتھر کی صراحی نکالی۔ دوسرے پل شراب کی صراحی اس کے منہ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ شراب اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ کپڑوں کو بھی تر بتر کر رہی تھی۔ وہ غلام خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ اُسے کچھ کچھ سمجھ آ چکا تھا کہ اس کا مالک کسی سنگین اُلجھن میں مبتلا ہے۔ شراب نے اس کے غصے کو قدرے زائل کر دیا تو وہ ایک جانب بیٹھ گیا۔ اب وہ غلام کو بے تکے انداز میں گھورے جا رہا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے......؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

غلام نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تم بھلا کیسے جانو گے......؟ میں نے تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں''۔ وہ خود ہی قہقہہ لگا کر بولا۔ ''بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں''۔

غلام خاموشی سے اس کے سامنے فرش پر دوزانو بیٹھ گیا۔ وہ چہرے کے خد و خال سے ازبک باشندہ دکھائی دیتا تھا۔

''چند دن پہلے کی بات ہے، قاآن اعظم باتو خان کے چھوٹے منہ زور بھائی، برقائی خان نے سر دربار میری عزت اچھالی تھی، میں نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور اس کے ہتھیار کو اسی پر استعمال کرنا چاہا، وہ ہتھیار اس کا ایک مسلمان دوست تھا، جو کہ کچھ عرصہ پہلے اس کے ساتھ شکار پر گیا اور لاپتہ ہو گیا۔ میں نے اس مسلمان نوجوان کے باپ کو اپنی مٹھی میں لے کر اسے یقین دہانی کرا دی، کہ درحقیقت اُس کے بیٹے کو برقائی خان نے قتل کر کے سرکیشی پہاڑی کی کسی گہری کھائی میں پھینک دیا ہے۔ اس نے میری بات پر پہلے پہل تو بے یقینی کا مظاہرہ کیا مگر میری کامیاب اداکاری رنگ لائی وہ یقین کرنے پر مجبور ہو گیا، میں نے اُسے مشورہ دیا، وہ کوتوالی میں برقائی خان کے خلاف اپنے بیٹے کے قتل کا مقدمہ درج کرائے تا کہ اُسے انصاف مل سکے اور برقائی کو موت کی سزا، مگر عین موقعہ پر ایک خبیث بوڑھا بیچ میں آن کودا اور سارا کھیل بگاڑ کر رکھ دیا، وہ نور الدین یعنی اس مقتول لڑکے کے باپ کو بہلا پھسلا کر گھر لے گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں چونکہ غلط کام کرنے جا رہا ہوں، اس لئے نور الدین کو مجھ سے دور رہنا چاہئے''۔

شراب کے نشے کی سرخی قوتائی خان کی آنکھوں میں نظر آنے لگی۔ اب اس کے چہرے پر یہ امتیاز کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ غصے کے عالم میں ہے یا نشے کے

''خان......! اب آپ کیا چاہتے ہیں......؟ اس اجنبی بوڑھے کو راستے سے ہٹا دیا جائے جس کے باعث آپ کا منصوبہ بگڑ گیا ہے''۔

''اس سے کچھ نہیں ہو گا......! اس نور الدین کے بچے کو اب یہ سمجھانا بڑا مشکل ہو گا کہ وہ بوڑھا جھوٹ بول رہا ہے''۔

''خان......!'' غلام اپنی نیلی پتلیوں کو تیز تیز حرکت دینے لگا۔ ''آپ خاصے ذہین ہیں، کوئی نہ کوئی حل تو آپ کے ذہن میں ہوگا''۔

''تمہیں میں نے یہاں کہانی سنانے کے لئے بلایا ہے کیا......؟'' قوتائی خان یکدم آپے سے باہر ہوگیا۔

''مم......میرا یہ مطلب نہیں تھا خان! بھلا میں آپ کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں''۔

''میں کچھ نہیں جانتا......! تمہیں چند ساعتوں میں مجھے کوئی ایسا مشورہ دینا ہوگا جو میرے ذہن میں ابھی تک نہیں آپایا''۔

وہ غلام حکم سن کر تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ انتہائی ذہین تھا، اسی ذہانت کے باعث اسے قوتائی خان نے ایک دوسرے منگول کو راہ سے ہٹا کر حاصل کیا تھا۔ چونکہ پہلے بھی کئی معاملوں میں اسی غلام کے مشورے کام آچکے تھے اسی لئے قوتائی خان کو آخری امید اسی سے وابستہ تھی۔

''خان......!'' غلام متفکر لہجے میں گویا ہوا۔ ''میری عقل کے مطابق ایک ہی حل ہے کہ تمام منصوبے کو الٹا دیا جائے''۔

''کیا مطلب......؟'' قوتائی خان نے تیوری چڑھائی۔

''میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ گذشتہ کئی دن سے اس مسلمان سے مل جل رہے ہیں، یقیناً اب تک اُس گھر کے باقی مکین بھی آپ کی صورت سے واقف ہو چکے ہوں گے۔ آپ پہلے نورالدین کے ذریعے مقدمہ دائر کرنے کوشش کر رہے تھے، اب اس کوشش کو اس گھر کے کسی اور مکین کے سپرد کر دیا جائے تو کام نکل جائے گا''۔

''ذرا کھل کر بتاؤ''۔ قوتائی خان سنبھل کر سیدھا ہو گیا تھا۔

''دیکھئے خان......! کل رات میں دو سپاہی زردِ لباس میں نورالدین کے گھر میں شب خون ماریں گے اور صرف نورالدین اور اجنبی بوڑھے کو قتل کر دیں گے۔ قتل کرنے کے بعد وہ گھر کے مکینوں کو دھمکائیں گے کہ وہ لوگ یہ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں ورنہ ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا اور پھر صبح آپ تو ان کے گھر جائیں گے ہی''۔

''لاجواب......!'' قوتائی خان کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ ''میں اگلی صبح اس کے گھر جاؤں گا اور قتل کے سانحے پر پہلے حیرت اور پھر افسوس کروں گا جب وہ مجھے دھمکی کے بارے میں بتائیں گے تو میں ان کی دلجوئی کرتے ہوئے انہیں پوری مدد کی پیش کش کروں گا، ان میں سے کوئی فرد تو میرے دام میں آہی جائے گا''۔

غلام محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کو اپنے سامنے ایک بڑا سا پہاڑی درّہ دکھائی دے رہا تھا۔ درّے میں سے گذرنے والا راستہ قدرے تنگ ہو گیا تھا۔ مطیع الدین پر درّے کی صورت دیکھ کر جانے کیوں اضمحلال سا طاری ہونے لگا۔ اس نے بے خیالی میں اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی انجانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ جو اس درّے کے قرب و جوار میں موجود تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ گھوڑے کی لگام تھامے وہ درّے کے اطراف میں گہری نگاہ سے انجانے خطرے کو تلاش کرنے لگا۔ اسے دور دور تک کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کیا درّے کے دوسرے جانب کوئی موجود ہے یا وہ کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے۔ اس نے درّے

کے سلسلے کو بھرپور انداز میں دیکھا۔ پہاڑیوں کا چھوٹا سا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ برف سے لپٹی ہوئی ان پہاڑیوں میں صرف یہی واحد درّہ ایسا دکھائی دے رہا تھا جو اسے دوسری جانب پہنچنے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا اس نے ایک پل کے لئے سوچا کہ اگر وہ اس درّے کے بجائے پہاڑی کے اوپر سے گھوم کر پار کرنے کی کوشش کرے تو کیا قباحت درپیش ہو سکتی ہے۔ پہاڑی کی اونچائی خاصی تھی، ممکن تھا کہ پورا دن اسی سلسلے میں صرف ہو جاتا۔ پھر یکایک اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس درّے میں نہیں گذرے گا بلکہ پہاڑی کے اوپر سے چکر کاٹ کر دوسری جانب اترے گا اس طرح اسے درپیش کسی انجانے خطرے سے نمٹنے میں قدرے آسانی ہو سکتی ہے۔ اس نے ایک بار پھر گھوڑے پر سواری کی اور اسے درّے کے پہلو کی جانب رُخ موڑتے ہوئے ایڑ لگائی۔ گھوڑا اپنے سوار کی خواہش کے مطابق پہاڑی کے پہلو میں دشوار راستے پر گامزن ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

غازی عبداللہ شافعی بڑے اہتمام سے جمال الدین الراحی سے ملاقات کے لئے زنداں خانے میں پہنچا۔ وہ اس کی خستہ حالی دیکھ کر دلی تسکین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ زنداں خانے میں اسے جمال الدین کا اُترا ہوا چہرہ دکھائی دیا تو طمانیت کا گہرا احساس محسوس ہوا۔ جمال الدین کی نگاہ جب اس پر پڑی تو وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ غازی عبداللہ شافعی نے پہرے دار کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے لئے زنداں خانے کا دروازہ کھول دے۔ پہرے دار اس کا حکم بجالایا۔ بھیانک سی چرچراہٹ سے زنداں خانے کا دروازہ کھل گیا۔ غازی عبداللہ شافعی نخوت بھرے انداز سے اندر داخل ہوا۔ وہ اس کے مدمقابل پہنچ گیا۔

''سناؤ الراحی......! کیسے ہو......؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی یہاں''۔

''غازی......! میں جانتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے، تمہیں اپنی ذلت کا احساس یہاں کھینچ لائے گا۔ میں تم سے بہت بہتر حال میں ہوں کیونکہ مجھے کسی قسم کی ذلت کا کوئی احساس نہیں جھنجھوڑتا۔ میں نے سب کو ذہنی طور پر ایسا بنا دیا ہے کہ وہ آرام و سکون میں رہنے کے باوجود اپنے تئیں اندر ہی اندر گھلتے رہیں گے۔ تم بھی انہیں میں سے ایک ہو، تمہاری یہاں آمد میری کامیابی کی علامت ہے''۔

غازی عبداللہ اس کے تضحیک آمیز لہجے پر کھولنے لگا۔ اس کے چہرے پر غصے کے سائے لرز رہے تھے جنہیں وہ کافی کوشش سے دبانے میں مصروف تھا۔

''الراحی......! بے فکر رہو، تمہارے اطمینان کی عمر زیادہ لمبی نہیں، میں تمہیں ایک ایسی زندگی سے متعارف کرانے والا ہوں جس کے بارے میں تم نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا ہوگا۔ تم بہت جلد میری غلامی میں ذلت کی روٹی کھایا کرو گے''۔

''تم مجھے اپنا غلام بناؤ گے......؟'' جمال الدین الراحی اس کی بات پر چونک اُٹھا۔ ''مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ دستور کے مطابق امراء میں سے کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا''۔

''میں ایک نیا دستور رقم کروں گا۔ میں نے اسی شرط پر نجم الدین ایوب کو سلطان مصر بنوایا ہے کہ وہ تمہیں قانونی طور پر میری غلامی میں دیں گے اور اب بہت جلد وہ وعدہ وفا ہونے والا ہے''۔

''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا......! امراء کی جماعت سلطانِ مصر کے اس اقدام کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوگی، اگر سلطانِ مصر نے ان کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تو پھر وہ دن دور نہیں کہ وہ اسے معزول کر ڈالیں''۔

''نجم الدین ایوب کو اب کوئی معزول نہیں کر سکتا، اس کے ہاتھ بڑے مضبوط ہو چکے ہیں''۔ غازی عبداللہ اس کی لاعلمی پر چہکنے لگا۔ جمال الدین الراحی اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان اور پختہ عزم کو دیکھ کر

پریشان سا ہو گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں''۔ وہ بمشکل بولا۔

''الراحی......! سلطان مصر نجم الدین ایوب کے پاس امیر المومنین کی جانب سے بلادِ مصر کی امارت کا حکم نامہ موجود ہے، اب مصری امرأ کی جماعت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی''۔

''یعنی نجم الدین ایوب میرے اشارے کو سمجھ گیا تھا''۔ جمال الدین الراحی مبہم انداز میں بڑبڑایا۔

''کیسا اشارہ......؟'' اب چونکنے کی باری غازی عبداللہ شافعی کی تھی۔

''خیر چھوڑو......! اس بات کو، مجھے پورا یقین ہے کہ نجم الدین ایوب مجھے کسی کا غلام نہیں بنائے گا کیونکہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ ایک با اصول شخص ہے''۔

''وقت ہی تمہاری اس خوش فہمی کو غلط ثابت کرے گا، مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو تمہیں اس امر سے آگاہ کرنے آیا تھا کہ میں نے اپنے محل کے عقبی حصے میں جہاں گھوڑوں کا اصطبل واقع ہے، اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تمہاری رہائش کے لئے بنوا دیا ہے۔ ہاں ایک بات تو میں بھول ہی گیا کہ تم تنہا میری غلامی میں آنا پسند کرو گے یا بمعہ اہل و عیال۔ میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ تمہیں تمہارے بیوی بچوں سے جدا کر دوں''۔

جمال الدین کے چہرے پر زلزلے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ غازی عبداللہ اس وقت ارباب اقتدار میں سے ایک ہے اس کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا امرأ کی ایک ایسی جماعت بھی موجود تھی جو کہ اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بن چکی تھی، وہ غازی عبداللہ کے اس اقدام کی تعریف کرے گی۔ سب لوگ اسے نیچا دکھانے اور ذلت کے گڑھے میں پھینکنے میں کوشاں دکھائی دے رہے تھے۔ غازی عبداللہ وہاں دیر تک موجود رہا اور اس تمام عرصے میں وہ اسے طنز و طعن کے نشتر چبھوتا رہا۔ جمال الدین الراحی نے مزید کچھ بات چیت کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خاموشی کا دامن تھامے رکھا، وہ خیالات کی رو میں بہہ کر اپنی ذلت آمیزی کو بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں غازی عبداللہ شافعی تو وہاں سے رخصت ہو گیا تھا مگر اسے یونہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یہیں کہیں موجود ہے۔ وقت نے اسے عروج سے پستی کی جانب دھکیل دیا تھا مگر وہ پستی میں بھی بلندی پر پہنچنے کا عزم باندھے ہوئے تھا مگر غلامی کی ذلت نے اس کے عزم کو پل بھر میں پاش پاش کر ڈالا۔

❁ ❁ ❁

امیر المومنین کی جانب سے نجم الدین ایوب کو مصر کی امارت تفویض کئے جانے پر بلادِ مصر کے امرأ کی ایک جماعت میں ہلچل سی مچ گئی، ان میں بیشتر ایسے لوگ تھے جو نجم الدین ایوب کو سلطان بنانے کے خلاف تھے۔ ان سب کا اجتماع سپہ سالار وجیہہ الدین الباقری کے گھر پر ہوا۔ وجیہہ الدین الباقری خود بھی نجم الدین ایوب کے اس قدم پر دم بخود رہ گیا تھا، اُسے اب اپنا مستقبل بھی صاف خطرے میں دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے محل میں امرأ بیٹھے اپنی اپنی بولیاں بولنے میں مصروف تھے۔

''معززین......!'' وجیہہ الدین الباقری نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا ''آپ اگر جانوروں کی مانند یہاں غل مچائیں گے تو میں آپ سب کو رخصت کر دوں گا''۔

''کیا مطلب......؟ کیا ہم یہاں اپنا وقت یونہی برباد کرنے کے لئے آئے ہیں''۔ ایک امیر تنک کر بولا۔ وجیہہ الدین الباقری نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ کہا۔ ''دیکھئے......! ہمیں جو مسئلہ درپیش ہے اس کے بارے میں سنجیدگی سے گفتگو کی جائے تا کہ سلطان مصر کو آمر بننے سے روکا جا سکے۔ اس نے ایسی طاقت حاصل کر لی ہے جس کے زور پر وہ اپنی مرضی ہم سب پر ٹھونس سکتا ہے اور کوئی اس کی منشاء کے خلاف سوچ نہیں

سکتا، جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ میں نے پہلے ہی امرأ کی جماعت کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نجم الدین ایوب کے بجائے عماد الدین اسماعیل کو حاکم مصر بنائیں مگر اشرافِ مصر نے میری سنی ان سنی کر دی''۔

''تم ہمیں الزام نہ دو، اگر ہم نجم الدین ایوب کے حامی ہوتے تو آج تمہارے پاس نہ آتے بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے''۔ ایک امیر نے صفائی پیش کی۔

''بخدا......! میں آپ کو الزام نہیں دے رہا بلکہ آپ کے جذبات کی تہ دل سے قدر کرتا ہوں کہ آپ سب لوگ یہاں صرف اس لئے آئے ہیں کہ بلادِ مصر پر آمریت کا آغاز نہ ہونے دیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے کوئی ایسا لائحہ عمل بتایئے کہ جس سے ہمارے مقاصد کامیابی سے ہمکنار ہوں''۔

''سالارِ اعظم...... ! اب ہم بھلا کیا بتائیں، کچھ بھی تو سجھائی نہیں دے رہا''۔ ایک امیر مایوسی کے عالم میں بولا۔ دوسرے کئی امرأ کے چہرے بھی کچھ ایسے ہی جذبات کی غمازی کر رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں سلطان کے پاس خود جا کر اسے متنبہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنے امور کو دیکھ بھال کر ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کرے، اگر اس نے کوئی ایسی روش اختیار کرنے کی کوشش کی جو ہمارے اور رعایا کے مفادات کے منافی ہوئی تو ہم اس کی راہ میں آہنی دیوار ثابت ہوں گے''۔

''یہ تو بے بسی و ناتوانی کا کھلا اعلان ہوگا''۔

''آپ اسے بے بسی کہئے یا کچھ اور، سلطان کو باور کرانے سے وہ معاملات میں احتیاط برتے گا''۔

''میرے پاس ایک تجویز ہے''۔ وجیہہ الدین الباقری نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''میرا رابطہ عماد الدین اسماعیل سے ابھی تک قائم ہے، میں نے اسے بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی پیشکش بھی کی ہے۔ ایسے میں خفیہ طور پر اپنی افواج کو عین موقعہ پر میدان سے ہٹا لوں گا جب جنگ کا آغاز ہونے والا ہوگا۔ ایسے میں نجم الدین ایوب نہتا رہ جائے گا اور اس کے حلیف اتنے قلیل ہوں گے کہ جنگ کے پہلے ہی ہلے میں فیصلہ ہو جائے گا۔ آپ لوگ صرف اتنا کیجئے کہ اپنے تئیں عماد الدین اسماعیل کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ بلادِ مصر کے سب امرأ اس کے ہمقدم ہیں''۔

وجیہہ الدین الباقری کی بات سن کر ان کے ستے ہوئے چہروں پر رونق سی آ گئی تھی۔

''سالارِ اعظم آپ بے فکر رہئے، اس کام میں آپ ہمیں بے حد فعال پائیں گے، ہم آج ہی سے مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیں گے''۔

''اگر سلطان مصر نے آپ کو جنگ برپا ہونے سے پہلے ہی معزول کر دیا تو......؟'' ایک امیر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

''اس بات کی فکر مت کیجئے۔ میں نے اس کا بھی پیشگی انتظام کر رکھا ہے جو وقت آنے پر ہی عیاں ہوگا۔ یاد رکھئے نجم الدین ایوب پر اگر عماد الدین نے حملہ کر دیا تو اس کی شکست یقینی ہے، چاہے میں عہدہ سالاری پر رہوں یا نہ رہوں''۔ وجیہہ الدین ٹھوس و مستحکم لہجے میں بولا۔ امرأ کی جماعت کے چہروں پر اطمینان دکھائی دینے لگا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان کو اردوئے زریں کے قاآن اعظم باتو خان نے اچانک طلب کیا۔ وہ اس وقت اپنے محل میں بربط پر میٹھی سی دھن چھیڑے ہوئے تھا، اپنی اچانک طلبی پر اسے حیرت بھی ہوئی اور تجسس بھی۔ وہ اپنی کمین گاہ

سے نکل کر سیدھا باتو خان کے محل میں جا پہنچا۔ باتو خان ایک بڑے وسیع و عریض کمرے میں تنہا موجود تھا۔ اس نے زرد رنگ کا جھلملاتا ہوا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ برقائی خان نے حاضر ہونے کے بعد منگولی انداز میں زمین پر بیٹھ کر جھک کر اسے سلامی دی۔ باتو خان نے اسے اُٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ اُٹھ گیا۔ باتو خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ برقائی خان نفیس شاہی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ باتو خان اس کے سامنے ٹہلنے لگا۔

''بڑے قاآن......!'' برقائی مؤدب لہجے میں بولا ''خیریت تو ہے۔ مجھے یوں اچانک طلب کیا گیا''۔

''برقائی......! میں کئی دن سے کچھ معاملوں میں فکرمند ہوں، قزوین میں آئے دن مسلمانوں کے بیچ میں فرقہ وارانہ ہنگامے ہوتے رہتے ہیں، دل تو چاہتا ہے کہ انہیں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دوں، مگر کچھ ایسی وجوہات ہیں کہ انہیں اپنی رعیت میں شامل رکھنا ضروری ہے''۔

''اس میں کیا مشکل ہے مسلمانوں کے ان گروہوں کو اِدھر اُدھر بکھیر دیجئے جو ہنگامہ آرائی کا موجب بنتے ہیں''۔

''خیر وہ معاملہ تو میں سنبھال ہی لوں گا، تمہیں ایک خاص کام کے لئے بلوایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں امورِ حکومت میں اب دلچسپی لینا چاہئے۔ میں کئی بار خود کو اکیلا محسوس کرتا ہوں۔ یوں تو عہدیداران کی ایک لمبی قطار میرے گرد موجود رہتی ہے جو کہ میرے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر میں کئی جگہ پر ایسے اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں جو کہ اخلاقیات کے منافی ہوتے ہیں، یہ کچھ خامیاں ہیں جنہیں میں ان عہدیدران پر منکشف نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہونا''۔

''جی ہاں......! بڑے قاآن، میں بخوبی آپ کا مسئلہ سمجھ رہا ہوں، آپ مجھے حکم دیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''گزشتہ دو سال سے ہماری سلطنت کی ایک سرحدی شاہراہ پر ایک باغی منگول قبیلہ قابض ہے، جو کہ وہاں سے گذرنے والے تمام قافلوں سے خراج کی مد میں بڑی رقم بٹور لیتا ہے۔ اگر کوئی اسے خراج نہ دے تو اسے لوٹ مار کا نشانہ بنا لیا جاتا ہے۔ تاجر حضرات کئی بار شکایت لے کر آئے ہیں۔ میں نے اس مہم پر تین منگول سردار روانہ کئے ہیں مگر وہ قبیلہ انہیں چکمہ دینے میں کامیاب رہا۔ وہ کئی ماہ تک وہاں کی خاک چھان کر واپس لوٹ آئے۔ اس قبیلے کی تربیت کچھ ایسی ہے کہ وہ خطرہ محسوس ہونے پر پہاڑی سلسلوں میں روپوش ہو جاتے ہیں کہ تلاش کرنے والا بے بس ہو جاتا ہے''۔

''بڑے قاآن......! مجھے اس معاملے میں کیا کرنا ہوگا، آپ مجھے حکم دیجئے''۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم اس مہم کی ذمہ داری سنبھالو اور پورے قبیلے کو گرفتار کر کے یہاں پیش کرو۔ میں ان لوگوں کی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوں اور یہ چاہتا ہوں ان کی منفی سوچ بدل دی جائے اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان سے مثبت کام لئے جائیں''۔

''ٹھیک ہے بڑے قاآن......! میں آج ہی اس مہم پر نکل پڑتا ہوں، جلد ہی آپ کو کامیابی کی نوید سناؤں گا''۔

''میں نے اس مہم میں تمہارا انتخاب بڑا سوچ سمجھ کر کیا ہے، مجھے پوری توقع ہے کہ تمہاری صحرانوردی کی عادت تمہیں ضرور کامیابی کی منزل تک لے جائے گی''۔

''میں آپ کی حوصلہ افزائی پر مشکور و ممنون ہوں۔ مجھ سے وابستہ آپ کی توقعات یقیناً پوری ہوں گی''۔

''میں نے شاہی دستوں کو روانگی کی تیاری کا حکم دے دیا ہے تم جتنی سپاہ لے جانا چاہو، لے جا سکتے ہو''۔

''ٹھیک ہے میں اس ضمن میں سوچ کر فیصلہ کروں گا۔ ہاں ایک بات تو آپ نے مجھے بتائی نہیں کہ وہ قبیلہ کہاں اور کس نام سے پایا جاتا ہے؟''

''اس قبیلے کا نام ضرگام ہے اور کوہ فلک بوس کے دامن میں مقیم رہتا ہے''۔

''اب آپ بے فکر ہو جائیے''۔ برقائی نے مؤدب لہجے میں جواب دیا اور رخصت کی اجازت طلب کی۔

❀❀❀

گل وتوژ کے دل و دماغ پر گذشتہ کئی دن سے عجیب سی کیفیت طاری تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے پائی۔ جانے کیوں اسے شک سا ہونے لگا تھا کہ اس کا باپ قونائی خان مطیع الدین کے بارے میں اس کی وابستگی اور پوشیدہ تعلقات جان گیا ہے اور اسی لئے وہ کئی دن سے نورالدین کے آگے پیچھے دکھائی دے رہا ہے، وہ اپنے باپ کی کمینگی سے بخوبی واقف تھی کہ وہ کسی مسلمان کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ نورالدین کے گھر میں ضرورت سے زیادہ اس کی آمد و رفت ضرور کسی بڑی سازش یا تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

گل وتوژ نے اپنے تئیں معاملے کی کھوج لگانے کا ارادہ کیا۔ اس نے مطیع الدین کی تلاش میں خود روانہ ہونے کے لئے اسباب کا بندوبست کیا۔ وہ اپنے باپ کو بغیر کچھ بتائے چپکے سے گھر سے نکلی اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسی جانب روانہ ہو گئی جہاں ازقائی قبیلہ موجود تھا۔ وہ ازقائی قبیلے سے اپنی تلاش کا کام شروع کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے چھوٹی تلوار اور ایک لمبا خنجر ساتھ رکھ لیا تھا۔ وہ تمام دن سفر کرتی رہی اور سہ پہر کے وہ ازقائی قبیلے میں پہنچ گئی۔ ازقائی قبیلے نے حیرت و استعجاب سے اس کا خیرمقدم کیا۔ سردار مانجی خان اس کی صورت دیکھتے ہی اسے پہچان گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

''آؤ گل......! سردار مانجی خان تمہیں اپنے قبیلے میں خوش آمدید کہتا ہے''۔

''سردار......! میں نے تمہیں ایک کام سونپا تھا جو آج تک مکمل نہیں ہو پایا۔ کیا تمہارے قبیلے کی صلاحیتوں کو زنگ لگ چکا ہے'' گل وتوژ کا لہجہ طنز سے بھرا ہوا تھا۔

''کیا مطلب......؟ تمہارا کام تو کب کا مکمل ہو گیا تھا اور تمہاری ہدایت کے مطابق اس نوجوان کو میں نے ایک رہنما کے ہمراہ سرائے کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ کیا وہ تم تک نہیں پہنچا......؟''

''نہیں پہنچا ہے تو ہی میری صورت تمہیں دوبارہ دکھائی دے رہی ہے''۔

''گل......! میں عہد و قول کے معاملے میں بے حد پکا ہوں، میں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ تم مجھ پر بے وجہ شک مت کرو۔ میرے جوانوں نے اپنی جان پر کھیل کر اس نوجوان کو سرخوں کے قبیلے سے نکالا تھا''۔ سردار کا لہجہ بگڑنے لگا۔

''میں نے سنا ہے کہ ازقائی قبیلہ کام مکمل ہونے پر ثبوت سنبھال کر رکھتا ہے''۔ گل وتوژ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سردار مانجی خان پہلو بدل کر رہ گیا۔ جانے وہ اس کی مسکراہٹ پر مضطرب ہوا تھا یا اس کی بات پر۔

''تم نے صحیح سنا ہے، ثبوت یہ ہے کہ اس نوجوان کا نام مطیع الدین تھا''۔

''یہ کوئی ثبوت نہیں مانجی خان......!'' گل وتوژ تیز لہجے میں بولی۔ ''ممکن ہے کہ گذشتہ ملاقات میں میں نے ہی تمہیں اس کا نام بتا دیا ہو یا سرائے میں تمہیں یہ نام بآسانی مل گیا ہو کیونکہ شاہی دربار تک مطیع الدین کے

بارے میں سرگوشیاں عام سنائی دیتی ہیں''۔

''لڑکی! تم حد سے بڑھ رہی ہو، تم میرے قبیلے کی مہارت اور ذمہ داری پر شک کر رہی ہو۔ اگر میں کہہ رہا ہوں کہ اسے سرخوں سے آزادی دلا دی گئی ہے تو یہی سچ ہے''۔

''مجھے تم پر یا قبیلے پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے تو صرف وہ ثبوت درکار ہے جو از قاقی لوگ کسی کام کو مکمل کرنے کے بعد خصوصی طور پر سنبھال کر رکھتے ہیں''۔

''میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں کیونکہ اس نوجوان کے پاس تن پر کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے بطور ثبوت رکھا جا سکتا''۔

''ایسے میں کپڑے ہی ثبوت میں رکھ لئے جاتے ہیں مانجی خان۔ تمہارے قبیلے میں دوسرے کپڑوں کی کوئی کمی نہیں ہے''۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر وہ اپنے کپڑے کسی کو دینے پر آمادہ ہی نہیں تھا میں بھلا کیسے اس کے کپڑے رکھ لیتا''۔ سردار مانجی خان نے جواب دیا۔

''چلو میں ایک لمحے کے لئے تمہاری بات پر یقین کر لیتی ہوں کہ تم نے اسے سرخوں کے قبیلے سے آزادی دلا دی تھی تو پھر وہ اب کہاں ہے؟ جبکہ تمہارا ارادہ تو اس کے ساتھ تھا''۔

''میرا ارادہ تھا اسے سرائے کے راستے پر چھوڑ کر واپس لوٹ آیا تھا، اُسے گھر تک پہنچانا تو میری ذمہ داری نہیں تھی۔ وہ کہیں بھی نکل گیا ہوگا یا ممکن ہے کہ وہ گھر پہنچ چکا ہو اور تم مجھ سے جھوٹ بول کر اپنی رقم واپس لینا چاہتی ہو''۔ سردار کا لہجہ سرد ہونے لگا۔

''مجھے رقم کی کوئی فکر نہیں، مجھے وہ نوجوان چاہئے۔ تم چاہو تو تمہیں مزید رقم بھی دی جا سکتی ہے''۔

نئی پیشکش کافی پرکشش تھی مانجی خان کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک مزید بڑھنے لگی

''میں اپنے کھوجی اس مقصد کے روانہ کر دیتا ہوں کہ وہ کوئی نشان ڈھونڈ نکالیں کہ وہ نوجوان کس جانب نکل گیا ہے۔ ویسے مجھے کوئی توقع نہیں کہ اتنے دن گذرنے کے بعد وہ کسی قسم کی کامیابی حاصل کر سکیں گے''۔

''میں کسی ایسے کام کے لئے تمہیں رقم نہیں دے سکتی جس میں اگر مگر شامل ہو۔ مجھے صرف یقینی نتیجہ چاہئے''۔ گل دتوڑ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''میں اسی وقت اپنی تمام کوشش کرتا ہوں، کل شام تک شاید کوئی خبر آ جائے''۔

''مگر میں کل شام تک یہاں رکنا نہیں چاہوں گی، تم ان کھوجیوں کو میرے ساتھ روانہ کر دو، تا کہ اگر کوئی نشان معلوم پڑے تو میں اسی پر روانہ ہو جاؤں''۔

''رکنا تو تمہیں پڑے گا گل خاتون''۔ سردار مانجی لاپروائی سے سر جھٹکتا ہوا بولا۔

''کیا مطلب؟'' گل دتوڑ کے لہجے میں ہلکی سی لرزش عیاں تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

''تمہیں میری میزبانی کا شرف حاصل کئے بغیر یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ہوگی''۔ وہ پر اسرار مسکراہٹ چہرے پر سجائے بولا۔

''مجھے تمہاری نیت میں فتور دکھائی دے رہا ہے مانجی خان! یاد رکھو میں ایک منگول لڑکی ہوں''۔

''کسی مسلمان کے پیچھے یوں مارا مارا پھرنا بھی منگول لڑکیوں کو زیب نہیں دیتا گل خاتون!'' سردار استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''تمہیں میری ذاتیات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے، تم قیمت لے کر کام کرتے ہو، اب جبکہ تم قیمت وصول کر چکے ہو، مجھے کام مکمل چاہئے''۔ گل دتوڑ اس اثناء میں کافی سنبھل گئی تھی۔

''جس کام کی قیمت لی گئی تھی وہ تو کب کا مکمل کیا جا چکا ہے گل خاتون، اب تو مہمان نوازی کا مرحلہ درپیش ہے''۔ وہ بھدے سے دانت نکال کر ہنسنے لگا۔ گل دتوڑ کے چہرے پر اس کے لئے نفرت کی لہر دوڑنے لگی۔

''مجھے تمہاری مہمان نوازی سے کوئی غرض نہیں، میں یہاں بے مقصد رکنا نہیں چاہتی''۔

''بے مقصد نہ کہو، اصل مقصد تو رات میں ہی سامنے آئے گا۔ مجھے شراب کی مستی میں مسرور لڑکیاں بے حد بھاتی ہیں''۔

''سردار مانجی خان! اپنی حدود کو پار کرنے کی کوشش مت کرو، میں اسی وقت واپس لوٹ رہی ہوں، اگر تم میں ذرا سی ہمت ہے تو میرا راستہ روک کر دکھاؤ''۔ گل دتوڑ نے خود کو ذہنی طور پر ہر قسم کی صورت حال سے نبٹنے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ غیر محسوس انداز میں لباس میں چھپے لمبے پھل کے خنجر کے دستے پر اپنی گرفت جما چکا تھا اس نے اسی لمحے اپنا رخ موڑا اور گھوڑے پر سوار ہونا چاہا۔ سردار مانجی خان شکار کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر دیوانہ سا ہو گیا اور وہ تیزی سے عقبی سمت سے اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے اپنی مضبوط بانہوں کے حصار میں گل دتوڑ کو لینا چاہا تھا اسی لمحے گل دتوڑ کا دایاں ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور خنجر کے کئی پے در پے وار اس کی پسلیوں میں اترتے چلے گئے۔ سردار مانجی خان کا چہرہ تکلیف کی شدت سے بگڑنے لگا۔ وہ کسی اچانک ردعمل کے لئے تیار نہیں تھا۔ بے خبری میں وہ گل دتوڑ کے ہاتھوں گھائل ہو گیا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ خنجر کے کئی وار اترنے پر بھی اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل پائی۔ وہ اپنے بائیں پہلو کو تھامے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ گل دتوڑ نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایڑ لگا دی۔ اس سے پہلے کہ قبیلے کے دوسرے لوگ سردار پر حملے سے واقف ہو جاتے، وہ ان کے علاقے سے نکل جانا چاہتی تھی۔

❀ ❀ ❀

سلطان مصر نجم الدین ایوب کے پاس امراً کی کارستانیوں کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ وہ حالات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ چاہتا تو ایک ہی پل میں ان سب کو گرفتار کر کے زنداں خانے کی تاریکیوں میں دھکیل دیتا مگر وہ انہیں سدھرنے کے مواقع دینا چاہتا تھا۔ ویسے تو اسے امراً کی ریشہ دوانیوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ امیر المومنین کی جانب سے موصول ہونے والے مراسلے کی رو سے اس کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی۔ امیر المومنین کی جانب سے بھیجے گئے بغدادی غلاموں کو اس نے اپنے حفاظتی دستے میں شامل کر دیا تھا جو کہ ہر وقت اس کے قریب رہتے۔ ایک شام نجم الدین ایوب اپنے خاص مصاحبین میں موجود تھا کہ امراً کی شورشوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ نجم الدین ایوب نے اس معاملے کو زیادہ توجہ دینا مناسب نہیں سمجھی مگر بہاء الدین زہیر نے اصرار کیا کہ امراً کو غلط روش اختیار کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔

''بہاء الدین! تم چاہتے ہو کہ میں ایک ایسے معاملے کو جان بوجھ کر ہوا دے دوں جس کا دبے رہنا ہی ہمارے حق میں ہے''۔

''سلطان عالی! میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ طبقہ امراً پر کسی قسم کی زیادتی سے کام لیا جائے مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی بے کار کی کالی کرتوتوں میں توانائیاں ضائع کرنے کے بجائے مملکت کی فلاح و بہبود میں حصہ لیں''۔

''بہاء الدین! یہ لوگ فلاح و بہبود کے لئے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کی نس نس میں خود غرضی اور حرص زر رچی ہوئی ہے۔ اپنے معاشرے میں اعلیٰ درجات پانے کے لئے یہ کسی پاگل کتے سے کم نہیں۔ اگر انہیں چھیڑا گیا تو یہ ہمیں ہی کاٹ کھانے کو دوڑیں گے۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم ان کی بابت سوچنا چھوڑ دو''۔

''سلطان مکرم! انہیں اتنی لاپروائی سے نہیں لینا چاہئے، وہ خفیہ طور پر کوئی ایسی بھیانک سازش کر سکتے ہیں جس سے آپ کسی بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے''۔

''ان میں اتنی قوت باقی نہیں کہ وہ کوئی ایسا کھیل رچا سکیں، وہ جس تالاب کی مچھلیاں ہیں میں بخوبی جانتا ہوں''۔

''سلطان مکرم!'' ایک کھنکھتی ہوئی مترنم آواز کمرے میں گونجی۔ ''اگر اس باندی کو اجازت ہو تو وہ کچھ عرض کرے''۔

سب لوگوں کی گردنیں یک لخت اس آواز کی جانب گھوم گئیں۔ وہ سفید ریشم کے زریں لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا چہرہ آدابِ شاہی کے مطابق نقاب کی اوٹ میں تھا۔ اس کے لباس پر موجود زریں نقش و نگار کی چمک سے سب کی آنکھیں خیرہ ہوئے جا رہی تھی۔ سلطان نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا۔ وہ پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گیا تھا وہ بغدادی کنیزوں میں سے ایک تھی۔

''کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''میں ادھر سے گذر رہی تھی کہ آپ کی باتیں میرے کانوں میں پڑیں، میں رُک کر بات سننے لگی جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ کا سوچنا اپنی جگہ درست سہی مگر دشمن کو کمزور سمجھنا عقلمندی نہیں۔ امراء کے طبقوں میں اس قسم کی حرکتیں کوئی نئی بات نہیں۔ امیر المومنین کے دربار میں بھی روزانہ ایسی ہی حرکتیں دیکھنے کو ملتی تھیں۔ میں اس ضمن میں یہ تجویز پیش کرنے کی جسارت کرنا چاہتی ہوں کہ ایسے امراء کو قابو کرنے میں ذرا دیر نہیں کرنا چاہئے''۔

''کیا مطلب؟ کیا ہم ان کی ناجائز اور بے جا فرمائشوں کو پورا کردیں؟''

''میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں سلطان مکرم! میں نے جو بات کہی ہے آپ اسے سمجھ نہیں سکے''۔

''تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو مکمل کر اور صاف لفظوں میں بیان کرو''۔

''سلطان مکرم!'' وہ قدرے سہٹ کر بولی۔ ''میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان پر کسی نہ کسی موقع پر عنایات کی جاتی رہیں۔ کیوں نہ آپ وقت کے انتظار کے بجائے پہلے ہی ان پر خاص قسم کے انعامات کی بارش کر دیں''۔

''تاکہ وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو جائیں''۔ ایک امیر نے تنک کر کہا۔

''اسے بات پوری کرنے دو۔ ہاں تم بولتی رہو میں سن رہا ہوں''۔ نجم الدین ایوب نے سخت لہجے میں امیر کو خاموش کرادیا تھا۔

''آپ سب سے پہلے ایسے امراء کی فہرست بنائیے جو کسی نہ کسی طور پر آپ کے خلاف سازش کا حصہ بن رہے ہیں۔ اس کے بعد ان امراء کو اپنے پاس بلائیے اور انہیں اس طرح کی ذمہ داریاں سونپ دیں جو کہ قدرے مشکل ہوں۔ اس کے بعد انہیں ایک جگہ اکٹھا رہنے کا موقعہ بھی نہ دیجئے بلکہ اپنی مملکت کے مختلف حصوں میں انہیں بکھیر دیں۔ اس طرح یہ لوگ سازشوں میں ملوث ہونے کے بجائے اپنے ذمے لگے امور کی انجام دہی میں اُلجھ جائیں گے اور دوسرا انہیں قطعی احساس بھی نہیں ہوگا کہ انہیں جان بوجھ کر علیحدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان ذمہ

داریوں کو اپنی شایانِ شان سمجھتے ہوئے آپ کے احسانوں تلے دب جائیں گے۔ صرف اس موقع پر یہ کوشش کرنا ہوگی کہ ان کے ذمے لگائے گئے امور کی نوعیت ایسی ہو جس میں انہیں کسی قسم کا اجتماع کرنے کا موقعہ میسر نہ ہو''۔

''سبحان اللہ!'' نجم الدین اس کی بات سن کر جھوم سا گیا۔ ''باندی ہمیں تمہارا مشورہ بے حد بھایا ہے۔ تم نے صحیح معنوں میں ثابت کر دیا ہے کہ امیر المومنین کے حرم میں نایاب گوہر پائے جاتے ہیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''کنیز کو ''وردالمعنی'' کہا جاتا ہے''۔ اس نے سرخم کر کے جواب دیا۔

''اچھا تو یہ بتاؤ کہ اگر ان میں کوئی امیر اپنی سابقہ روش سے باز نہ آئے تو پھر کیا کیا جائے؟''

''اس کے لئے بھی ایک تجویز ہے کہ اس امیر کو ایک موقع مزید دیجئے کہ وہ اپنی روش کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ اسے کسی ایسے عہدے پر فائز کیجئے جو پہلے سے بہتر ہو اور اس کے لئے خصوصاً ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں اس کے رشتہ دار موجود ہوں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنوں کو دیکھ کر اترانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ انہیں رعب سے مرعوب کر کے دلی تسکین پاتا ہے۔ اگر ایسے بھی بات نہ بن سکے تو پھر اس کی تحقیقات کا حکم جاری کر دیا جائے کہ اس پر جو ذمہ داری عائد کی گئی تھی اس میں اس نے کتنی تیزی اور ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ امیر قسم کے لوگ، ہمیشہ کام سست روی اور دیر سے کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس کی بہت سی خامیاں تحقیق میں سامنے آجائیں گی۔ ایسے وہ یقیناً خوفزدہ ہوگا اور تحقیقاتی گروہ کی منت سماجت پر اتر آئے گا۔ میرے خیال میں اس کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا۔ اگر وہ پھر بھی ڈھٹائی پر قائم رہے تو اُسے سزا دینے کا جواز تو آپ کے پاس موجود ہے ہی''۔

''واہ!'' نجم الدین ایوب اس کنیز سے بے حد متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پاس ایک ایسے مسئلے کا آسان حل موجود تھا جسے سلجھانے میں کئی ذہین دماغ بھی ناکارہ دکھائی دے رہے تھے۔ سلطان نجم الدین ایوب نے کچھ ضروری امور پر غور کیا اور محفل برخاست کردی۔ محل میں ذاتی کمرے میں پہنچ کر اس نے وردالمعنی کو دوبارہ طلب کیا۔ کچھ ہی دیر میں کنیز وہاں پہنچ گئی۔ نجم الدین ایوب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ فوراً حکم بجا لائی۔

''میرے ذہن میں ایک اور اُلجھن ہے جس کے بارے میں میں کوئی واضح فیصلہ نہیں کر پا رہا، اسی لئے تمہیں یہاں بلوایا ہے کہ شاید تمہارے پاس کوئی حل موجود ہو''۔

''آپ ارشاد فرمائیے! باندی اپنے فہم و ادراک کو بروئے کار لاتے ہوئے پوری سعی کرے گی کہ آپ کو اُلجھن سے نجات مل سکے''۔

''معاملہ کچھ یوں ہے کہ جب میں بلادِ شرقیہ میں تھا تو عین اس وقت میری سپاہ نے دھوکا دیا تھا جب دشمن ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سپاہ کی بغاوت کے باعث میں میدانِ جنگ میں تنہا رہ گیا اور حریف لشکر کے ہاتھوں مجھے قید کی صعوبت اُٹھانا پڑی۔ میں نے سپاہ کی تنخواہ کی ادائیگی میں بھی کبھی دیر نہیں کی پھر بھی انہوں نے مجھے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب پھر اُسی طرح کا ماحول بن رہا ہے۔ مجھے خفیہ طور پر اس قسم کی اطلاعات مل رہی ہیں کہ سپاہ کا سالارِ اعلیٰ میرے خلاف کسی سازش کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ سپاہ مکمل طور پر اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں میرے حق میں بھی کچھ مخلص لوگ موجود ہوں، مگر اکثریت باغیوں کی ہی ہے''۔

''سلطان عالی! کیا آپ مجھے اس سازش کے بارے میں آگاہ کر سکیں گے؟''

''اس سازش کے بارے میں صحیح طور پر تو کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کس انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچائی جائے گی۔ البتہ ایسے شواہد ضرور ملے ہیں کہ میرے چچا عمادالدین اسماعیل کو میرے مقابلے پر لایا جا رہا ہے تاکہ وہ مجھے شکست دے کر بلادِ مصر پر قابض ہو سکے۔ ماضی میں بھی وہ مجھ سے بلادِ شرقیہ چھین چکا ہے''۔

''میں سمجھ گئی ہوں کیا کیا جا رہا ہوگا ؟ سپہ سالار پس پردہ اس سے ملا ہوا ہے یا اس کا کوئی خاص بندہ ترقی پا کر اس عہدے تک پہنچ چکا ہے۔ جب آپ کا چچا اپنی افواج کے ساتھ قاہرہ کے گرد محاصرہ قائم کرے گا تو سپاہ بغاوت کا اعلان کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دیں گی''۔

''ہاں ! مجھے بھی کچھ کچھ اندازہ ہے مگر اس کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا''۔

''اس کا حل میرے پاس موجود ہے '' وہ دلربایانہ مسکراہٹ سجائے بولی۔ باتوں باتوں میں جانے کب اس نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تھا یا خود ہی چہرے سے گر پڑا تھا جس کا اسے احساس تک نہیں ہوا تھا۔ نجم الدین ایوب کی نگاہ جب اس کے حسن پر پڑی تو چکا چوندی ہو گئی۔ ہر طرح کا خیال یکدم اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ خلیفہ بغداد نے واقعی شہ پارہ اسے عطا کیا تھا۔ وہ خیالات کے ہجوم میں مستغرق تھا کہ وردالمعنی نے اپنے نازک ہاتھ سے اسے دھیرے سے ہلا دیا۔ نجم الدین ایوب چونک کر سنبھل سا گیا۔

''میں سلطان عالی کی ہی ملکیت ہوں، اس لئے سلطان عالی کو متحیر/متعجب ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے چہرے پر پھیلا ہوا حسن جو آپ کو متاثر کر رہا ہے، یہ عارضی ہے، وقت کے دھارے کے ساتھ یہ پھیکا اور ماند پڑ جائے گا''۔

اس کی باتیں سلطان کے دل میں گھر کر رہی تھیں۔ سلطان اس کی ذہانت کا تو قائل ہو چکا تھا مگر خودسپردگی کے اس انداز سے وہ تڑپ سا گیا۔ وردالمعنی سلطان کی دلی کیفیت سے آگاہ تھی مگر اس نے چہرے کو چھپا کر خود کو اہم بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

''میں کہہ رہی تھی کہ اس الجھن کا آسان حل یہ ہے کہ آپ رضاکارانہ طور پر رکھی ہوئی فوج سے جان چھڑا لیں بلکہ باقاعدہ فوج کے رواج کو اپنائیں۔ باقاعدہ فوج میں آپ کو کسی قسم کی تنگی یا سبکی نہیں اٹھانا پڑے گی''۔

''تم باقاعدہ فوج سے کیا مراد لیتی ہو ؟''

''باقاعدہ فوج سے مراد، ایسے لوگ ہیں جو کہ آپ کے زیر سایہ عسکری تربیت حاصل کریں اور وہ آپ کے مکمل وفادار ہوں۔ ان کی تعداد اتنی ہونی چاہئے کہ وہ کم ہوتے ہوئے بھی زیادہ دکھائی دیں اور ان کی عسکری تربیت میں خصوصی توجہ سے کام لیا جائے تاکہ ایک ایک سپاہی مکمل سپہ سالار جیسی خوبیوں کا حامل ہو۔ اگر آپ کا خزانہ اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہے تو نوعمر بچوں اور بارہ چودہ سال کے غلاموں کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میں نے سن رکھا ہے کہ سرکیشی غلام بے حد بہادر اور وفادار ہوتے ہیں''۔

''تمہاری تجویز شاندار ہے مگر اس پر عمل درآمد میں کچھ عرصہ لگے گا اور پھر کوئی مثبت نتیجہ نکلے گا''۔

''فوری طور پر آپ کو یہ کرنا چاہئے کہ موجودہ سپہ سالار کو سرحدی علاقوں میں تعینات کر دیا جائے تاکہ وہ صلیبی لٹیروں کو چن چن کر قتل کرتا رہے۔ اس طرح وہ ایک نہ ختم ہونے والی مصروفیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ میری اطلاعات کے مطابق صلیبی لٹیروں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ اس سے جہاں آپ کا ایک دشمن ختم ہوتا رہے گا وہیں مسلمان رعایا بھی سکھ کا سانس لے سکے گی''۔

''اگر سپہ سالار انہی افواج کو ساتھ لے کر مصر پر حملہ آور ہو گیا تو ؟'' نجم الدین ایوب سارے پہلو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں آپ کی طرف سے ایسی غلطی کا تصور بھی نہیں کر سکتی کہ آپ تمام کی تمام سپاہ اس کے ہمراہ کر دیں گے۔ سب سے پہلے افواج کو تین بڑے حصوں میں بانٹ دیجئے۔ دو حصوں پر اپنے وفادار سپہ سالار مقرر کیجئے اور تیسرے حصے کی کمان اسے سونپ دیجئے۔ اس کا ظاہری منصب سپہ سالارِ اعلیٰ کا ہی رکھا جائے گا مگر اسے طاقت صرف ایک حصہ کی حاصل ہوگی۔ اس طرح اگر وہ کسی قسم کی شرارت کا مرتکب ہوتا ہے تو باآسانی اس سے نبٹا جا سکتا ہے''۔

''بخدا ! تم واقعی امورِ جہانبانی میں ماہر ہو، تم نہ صرف خوبصورت ہو بلکہ ذہانت میں بھی تمہارا کوئی جواب نہیں۔ میں تمہاری باتیں سن کر دنگ رہ گیا ہوں۔ اتنی سی عمر اور ایسی پختہ ذہنی۔ تمہاری جگہ باندیوں میں نہیں بلکہ ایوانِ اعلیٰ میں ہونی چاہئے''۔

''سلطان کا ایوان میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے''۔ وہ شوخی بھرے لہجے میں بولی۔

وردالمعنی نے ایک ہی دن میں سلطان کی کایا پلٹ ڈالی تھی، جہاں وہ اس کی اعلیٰ ذہانت کا گرویدہ ہوا تھا وہیں اس کے حسن کی بھی تاب نہ لا سکا تھا۔ پل بھر میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وردالمعنی کو کنیز بنائے رکھنا ظلم ہوگا۔ اگلی ہی صبح اس نے وردالمعنی سے عقد کر لیا۔ یہ اس کا عقد ثانی تھا۔ پہلی بیوی سے اس کے تین بیٹے تھے جو کہ ابھی تک مصری سرزمین تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ نجم الدین ایوب کے اس اچانک اقدام پر طرح طرح کی باتیں بنائی گئیں مگر یہ نجم الدین ایوب ہی جانتا تھا کہ اس کا فیصلہ کتنا درست اور صحیح تھا۔ نجم الدین ایوب نے تیسرے دن دربار میں وردالمعنی کو بطور ملکہ متعارف کرایا اور اسے شجرۃ الدر کا لقب دیا۔ وہ کنیز جس نے خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ کے حرم خاص میں ہوش سنبھالا تھا، آج سلطانِ مصر کے دل کے تخت پر براجمان ہو کر مصر کی ملکہ بن چکی تھی۔ اسے آدابِ شاہی سے مکمل واقفیت اور امورِ جہانبانی سے خصوصی آگاہی رکھنے کا یہ صلہ ملا تھا کہ نجم الدین ایوب جیسا سلطان بھی اس کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان اپنی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے ایک ملاقات نورالدین سے کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے اپنی روانگی کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ یہ تسلی بھی دینا چاہتا تھا کہ اسے قوی امید ہے کہ درپیش مہم میں وہ مطیع الدین کو تلاش کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو جائے گا۔ وہ اسی نیت سے نورالدین کے گھر چلا آیا۔ نورالدین اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ جب سے شیخ نجد دیؒ نے بیٹے کی زندگی کی خبر سنائی تھی نورالدین کا دل برقائی خان کی جانب سے بالکل صاف ہو چکا تھا۔ نورالدین برقائی خان کو ساتھ لے کر اندر چلا آیا۔ مہمان خانے میں ایک اجنبی صورت دیکھ کر برقائی خان چونک سا گیا۔ نورالدین نے اس اجنبی شخص کا تعارف کرایا کہ یہ ترکستان کی برگزیدہ شخصیت شیخ ابوالخالق نجد دیؒ ہیں۔ برقائی خان نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے آگے بڑھا دیا۔ شیخ نجد دیؒ بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر برقائی خان کا ہاتھ تھاما تو برقائی خان کے جسم میں بجلی سی کوندنے لگی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ خود کو یکلخت نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔ شیخ نجد دیؒ کے ہاتھ میں جانے کیا بات تھی کہ برقائی خان کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''خان زادے !'' شیخ نجد دیؒ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ''امتحان کا مرحلہ شروع ہوا اور تم ابھی سے گھبرا گئے ہو''۔

''م م میں کچھ سمجھا نہیں''۔ برقائی خان بمشکل بولا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ نورالدین، برقائی خان کے چہرے پر کرب دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔

''شیخ جی !'' نورالدین تیزی سے بولا۔ ''یہ اپنا بچہ ہے، اس پر نگاہِ کرم رہنی چاہئے''۔

''جس پر اللہ کی نگاہ ہو جائے اسے کسی دوسرے کی نگاہ کی حاجت نہیں رہتی نورالدین''۔

''یہ منگول شہزادہ ہے''۔

''مجھے کئی دن سے اسی کی تلاش تھی، میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟ اس کی صورت دیکھتے ہی سارے پردے ہٹ گئے ہیں''۔

''مگر میں تو آپ کو نہیں جانتا''۔ برقائی خان شیخ نجدیؒ کے سامنے خود کو کمزور پا رہا تھا۔

''خان زادے......!'' شیخ نجدیؒ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ ''تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، ذرا اپنے دل میں جھانک کر تو دیکھو، کیا تمہارے اندر عرصہ سے طلب و جستجو کی وہ بے چینی موجود نہیں تھی جسے دور کرنے کے لئے تم پہاڑوں، ویرانوں اور بیابانوں کی خاک چھانا کرتے تھے''۔

''میں ایسی جگہوں پر محض سکون کی تلاش میں جاتا رہا ہوں، شہروں میں مجھے دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ میرے خیال میں اور کوئی وجہ نہیں ہے''۔

''سرکیشی پہاڑی کی چوٹی پر تم کیوں جاتے تھے؟'' شیخ نجدیؒ توقف کے بعد بولے۔

''یاخ کے شکار کے لئے''۔

''آسمان کی جانب گردن اُٹھا کر تم وہاں کیا تلاش کرتے تھے؟''

''انتہا اور اونچائی کی حدیں''۔

''کیا تمہیں اپنے سوال کا جواب کبھی ملا؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا''۔

''اگر میں تمہیں جواب مہیا کر دوں تو؟''

''میں ابھی تک سمجھ نہیں پایا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور آپ کے سامنے میری قوت جواب کیوں دے گئی ہے......؟''

''تمہاری قوت برقرار ہے لڑکے! اسے نکلنے کے لئے صحیح سمت کی ضرورت ہے''۔

''آپ ہی صحیح سمت متعین کر دیں''۔

''اسی لئے تو میں یہاں آیا ہوں۔ آگے آؤ......! اپنا سر ذرا میرے سینے سے لگا کر دیکھنے کی کوشش کرو، صحیح سمت تمہیں دکھائی دے گی''۔

برقائی خان غیر ارادی طور پر آگے بڑھ گیا، دوسرے لمحے اس کا سر شیخ نجدیؒ کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ سر سینے سے لگتے ہی اس کے آنکھوں کے سامنے سے سیاہ دبیز پردہ ہٹتا چلا گیا۔ روشنیوں کا سیلاب اس کے دماغ کو منور کرنے لگا۔ وہ سرشاری اور خوف میں ڈوبا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے کسی کا ہاتھ اسے اپنے سر کے بالوں میں رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ جوں جوں ہاتھ کی حرکت بڑھتی گئی قلب و دماغ میں تسکین کے سمندر بہنے لگے۔ جہاں عجیب سا شور برپا تھا وہاں سکوت سا طاری ہو گیا۔ اسی لمحے شیخ نجدیؒ نے برقائی خان کا سر اپنے سینے سے الگ کر دیا۔ نورالدین خاموشی سے بیٹھا سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ برقائی خان کے چہرے پر پڑی تو وہ عجیب سے نور سے سرفراز دکھائی دیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔ دوسرے لمحے برقائی خان کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ ہچکیاں بھر کر رونے لگا۔ نورالدین نے آگے بڑھنا چاہا مگر شیخ نجدیؒ نے اشارہ سے روک دیا۔ جب برقائی خان کے آنسو تھم گئے اور نڈھال ہونے کے باوجود وہ پُرسکون دکھائی دینے لگا تو شیخ نجدیؒ نے نورالدین سے کہا۔

''نورالدین......! جاؤ پانی کا برتن لاؤ، خان زادے کو وضو کراؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت بخشی ہے اور

صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے منتخب کر لیا ہے''۔

نورالدین شیخ نجدیؒ کی بات سن کر لمحہ بھر کے لئے ہکا بکا رہ گیا اور جونہی مطلب اس کی سمجھ میں آیا تو وہ فرطِ مسرت سے دوڑتا ہوا اندر چلا گیا۔ کچھ دیر میں شیخ نجدیؒ نے اپنے ہاتھوں سے برقائی خان کو وضو کرایا اور کلمہ حق پڑھا کر اسے ہمیشہ کے لئے اس تلاش سے نجات دلا دی جس میں وہ ایک عرصہ سے بھٹک رہا تھا۔ اس کی صحیح راہ متعین کر دی گئی تھی۔ منگولوں کے شاہی خاندان بلکہ چنگیز خان کے خاندان میں سے وہ پہلا فرد تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی تھی۔ ایک طویل عرصہ سے صحراؤں میں بھٹکنے والی قوم، جس کا پیشہ غارت گری تھا، جو تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھی، جس کے نزدیک انسانی جان کی کوئی وقعت نہیں تھی، جس کا ظلم و ستم حد سے بڑھ چکا تھا، اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا تھا۔ اب اسے آگے چل کر دین اسلام کی خدمت و حفاظت کرنا تھی۔ برقائی خان اسلام قبول کرنے کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے سینے سے ہر قسم کا بوجھ ہٹ چکا تھا۔ اس نے نورالدین کو اپنی مہم اور مطیع الدین کی دوبارہ تلاش کی بابت بتایا۔

''خان زادے......!'' شیخ نجدیؒ بولے۔ ''جاؤ، اس بار تمہیں کوئی ناکامی نہیں ہوگی، تمہاری مہم بھی کامیاب رہے گی اور جہاں تم جا رہے ہو، وہیں تمہیں اپنا دوست بھی مل جائے گا''۔

''کیا واقعی......؟'' برقائی خان بے یقینی کے عالم میں بولا۔

''جب بھی کوئی کام شروع کرنے لگو تو ایک بار سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیا کرنا۔ تمہاری منزل آسان ہو جائے گی۔ وہ خالق اعلیٰ ہے، اپنی مخلوق پر بے حد شفقت کرنے والا ہے''۔

شیخ نجدیؒ نے برقائی خان کو اسلام کے بنیادی ارکان کے بارے میں کچھ ضروری ہدایات دیں اور دروازے تک رخصت کرنے کے لئے کر ساتھ آئے۔

''خان زادے......! یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے، آئندہ تم مجھ سے نہیں مل سکو گے، مجھے تلاش کرنے کی کوشش بھی نہ کرنا بلکہ راستی کی جانب شروع کیے گئے اس سفر کو جاری رکھنا، تمہاری اولاد سے ابھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام لینے ہیں''۔ شیخ نجدیؒ نے تنبیہ و ہدایت کی۔ برقائی خان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ شیخ نجدی سے جدا ہو مگر ادائیگی فرض کے احساس اور دوست کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے جسم میں شرارے سے پھوٹ رہے تھے۔ اس نے دونوں کو سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ وہ محض اطلاع دینے کی غرض سے وہاں آیا تھا مگر جب لوٹا تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔

❀ ❀ ❀

گل وتوژ گھوڑے کو دیوانہ وار بھگاتی ہوئی ازقائی قبیلے سے باہر لے آئی تھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جب سردار مانچی خان زخمی ہو کر زمین پر گرا تھا اس وقت دوسرے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور انہوں نے اس کی واپسی پر کوئی توجہ نہ دی۔ گل وتوژ جب کافی دور نکل آئی تو اس کے حواس کچھ ٹھکانے آئے۔ قریب ہی ایک چشمہ موجود تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر آئی اور پانی کے چھینٹے چہرے پر مارے۔ جب وہ ازقائی قبیلے سے نکلی تھی تو اس کے حواس مختل ہو چکے تھے، وہ خود کو جتنا مضبوط سمجھتی تھی اتنی مضبوطی کا مظاہرہ شاید اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آیا اب اسے واپس لوٹ جانا چاہیے یا مطیع الدین کی تلاش میں نکلنا چاہیے؟ مطیع الدین اس وقت کہاں ہو سکتا ہے یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اس نے گھوڑے کی لگام کو چشمے کے کنارے پر موجود ایک بڑے پتھر کے نیچے دبا دیا تھا۔ وہ کچھ تھکاوٹ کے لئے سستانا چاہتی تھی۔ وہ پورے انہماک سے صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھی کہ اسی لمحے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ بدک

کراُٹھی۔ تیزی سے اس نے گھوڑے کی لگام پتھر کے نیچے سے کھینچی اور اسے کھینچتے ہوئے ایک جانب لے گئی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ گھڑسوار کس طرف سے چشمے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ پل بھر میں اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے کوئی مصیبت مول لئے بغیر اپنے گھر کی راہ لینا چاہئے۔ اس نے گھوڑے پر چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اس کا رُخ سرائے کی جانب ہی تھا لیکن جب گھڑسواروں کا ایک چھوٹا سا دستہ اسے اپنے سامنے دکھائی دیا تو اسے اپنی سٹی گم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکی تھی، گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے جانے کب نکل گئی، اسے خبر نہ ہو سکی۔

❀ ❀ ❀

جمال الدین الراجی زنداں خانے میں زندگی کی گھڑیاں گن گن کر گزار رہا تھا۔ جب سے اسے غازی عبداللہ شافعی کے خوفناک عزائم کی خبر ہوئی تھی اس کی نیند و سکون اُڑ گیا تھا۔ وہ قید کی صعوبت تو برداشت کر سکتا تھا مگر غلامی کی ذلت برداشت کرنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ کئی دن تک غور کرتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اسے بخوبی علم تھا کہ غازی عبداللہ شافعی وہ شخص ہے جس نے نجم الدین ایوب کو سلطانِ مصر بنوانے کے لئے تحریک کا آغاز کیا تھا۔ وہ اس مہم کو محض اس کی ملک بدری ختم کرانے کا باعث سمجھتا رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کسی ایسی شرط کے بل بوتے پر نجم الدین ایوب کی مدد کر رہا ہے جو کہ اسے ذلت کے گڑھے میں پھینک دے گی۔ اسے اپنا انجام بے حد خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک شام پہرے دار سے درخواست کی وہ اپنے گھر کے کسی فرد سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ جواب طلبی پر اس نے اپنے وفادار غلام کا نام پیش کیا۔ پہرے دار اس عجیب سی فرمائش پر متحیر ہوا۔ بہرحال اس نے اس غلام سے ملاقات کا بندوبست کرا دیا۔ وہ غلام جب اس سے ملنے آیا تو جمال الدین الراجی نے اسے اپنی کوٹھری میں بلوالیا۔ خلوت میں اس نے غلام سے دھیمے لہجے میں بے شمار باتیں کی اور کچھ معاملوں کے بارے میں پتہ لگا کر کل تک جواب دینے کے لئے کہا۔ پہریدار کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ غلام کل دوبارہ ملاقات کے لئے آئے گا تو وہ جز بز سا ہوا۔ غلام بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے چند سکے پہریدار کی جھولی میں ڈال دیئے جس پر اس کا اعتراض ختم ہو گیا۔ دوسرے دن غلام جمال الدین الراجی کی ہدایات کے مطابق معلومات حاصل کر کے واپس لوٹا اور تمام حالات اس کے گوش گذار کر دیئے۔ اس کے بعد اس نے اس سے مطلوبہ شے کی بابت پوچھا تو اس نے کانپتے ہاتھوں سے ایک چھوٹی سی پڑیا اس کی جانب بڑھا دی۔ یہ زہر تھا جو کہ جمال الدین الراجی نے اپنے لئے تجویز کیا تھا۔ وہ ایک بار پوری طرح اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ غازی عبداللہ شافعی نے جو کچھ اس سے کہا ہے۔ کیا وہ واقعی سچ ہے یا یونہی اس نے اس کے سامنے ڈینگ ماری ہے۔ غلام نے تحقیق کر کے بتایا کہ یہ سب سچ ہے۔ امرأ کے حلقے میں اس ضمن میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں جاری ہیں۔ غلام سے تصدیق کے بعد اس کی آخری امید بھی دم توڑ گئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے اپنے غلام کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ اگر اس کے بارے میں جو کچھ اس نے سن رکھا ہے سب سچ ہو تو وہ اسے زہر کی پڑیا لا دے اور اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ غلام نے جب زہر کی پڑیا اس کی جانب بڑھائی تھی تو وہ اپنے مالک کی بے بسی پر رو دیا۔ جمال الدین الراجی نے اسے اپنے اہل و عیال کے بارے میں کچھ ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ وہ غلام بوجھل قدموں سے اپنے آقا کی صورت دیکھتا ہوا چلا گیا۔ اسی رات کھانے کے ہمراہ جمال الدین الراجی نے زہر کی پڑیا اپنے جسم میں اتار دی۔ زہر سریع الاثر تھا جس نے پلک جھپکتے ہی اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

❀ ❀ ❀

شیخ عزالدینؒ 638ھ میں قاہرہ تشریف لے آئے۔ سلطان نجم الدین ایوب کو جب ان کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ خود ان کے استقبال کے لئے پہنچا۔ وہ شیخ عزالدینؒ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور قاہرہ میں ایک بڑے محل میں ٹھہرایا۔ شیخ عزالدینؒ نے اسے بہتیرا روکنا چاہا مگر وہ فرطِ عقیدت سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ شیخ عزالدینؒ نے اس کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔ سلطان نجم الدین ایوب نے شیخ عزالدین کو محکمہ اوقاف کا سربراہ مقرر کیا اور ساتھ ہی جامع عمرو بن العاصؓ کی خطابت بھی ان کے سپرد کر دی۔ کچھ عرصہ بعد سلطان نجم الدین ایوب نے مدرسہ صالحیہ کی بنیا رکھی تو شیخ عزالدینؒ کو اس مدرسہ کا استاذ اعلیٰ مقرر کیا۔ شیخ عزالدینؒ پورے انہماک اور دل جمعی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے مصر میں موجود چاروں مسالک کو اس خوبی و کمال سے سنبھالا کہ سب مسالک کے لوگ آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ ان کے خطبات میں کوئی ایسا معاملہ زیر بحث نہ ہوتا جس سے قاہرہ میں مذہبی منافرت پیدا ہو پاتی۔ قاہرہ میں مقیم رہ کر انہوں نے بندگانِ خدا کو مستفیض کیا۔ دمشق کی طرح انہوں نے یہاں بھی اپنا شیوۂ حق گوئی قائم رکھا اور کسی دینی معاملہ میں کبھی مداہنت یا سکوت مصلحت آمیز سے کام نہیں لیا۔

ایک دفعہ سلطان نجم الدین ایوب کے حاجب امیر فخر الدین نے ایک مسجد کی چھت پر طبل خانے کی عمارت تعمیر کرادی جس میں بوقت ضرورت نوبت بجائی جاتی تھی۔ شیخ عزالدینؒ کے پاس جب لوگوں نے شکایت کی تو انہوں پل بھر میں بحیثیت قاضی و مہتمم مسجد پر سے اس عمارت کو گرانے کا حکم جاری کر دیا۔ امیر فخر الدین کو اس تعمیر کے جرم میں ساقط الشہادۃ قرار دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے عہدۂ قضا سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا اور عدالت سے اُٹھ کر گھر تشریف لے آئے۔ سلطان نجم الدین ایوب کو جب علم ہوا تو وہ ننگے پاؤں دوڑتا ہوا ان کے گھر پہنچا اور ان سے معافی طلب کی۔ انہیں راضی کر کے وہ واپس مسند عدالت تک لایا اور خود جا کر اپنی نگرانی میں مسجد پر سے نوبت خانہ کی عمارت کو منہدم کرایا۔ اس غیر معمولی واقعہ سے شیخ عزالدینؒ کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی تھی۔ امیر فخر الدین نے شیخ عزالدینؒ کے اس اقدام کو ناپسند کیا اور ان کی جانب سے ساقط الشہادۃ قرار دیئے جانے پر کوئی توجہ نہ کی۔ کچھ دن بعد امیر المومنین خلیفہ بغداد مستعصم باللہ کے پاس نجم الدین ایوب کی جانب سے ایک سفارت بھیجی گئی۔ سفیر نے امیر المومنین کی خدمت میں باریاب ہو کر سلطان مصر کا پیغام سنایا تو امیر المومنین نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ پیغام تم نے خود سلطان نجم الدین ایوب کی زبانی سنا ہے یا کسی اور سے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ پیغام حاجب سلطانی امیر فخر الدین کی زبانی سنا ہے تو اس پر خلیفہ بغداد نے ارشاد فرمایا کہ امیر فخر الدین کی زبان کا کہا ہوا معتبر نہیں ہو سکتا کیونکہ شیخ الاسلام عزالدینؒ نے اسے ساقط الشہادۃ قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ سفیر واپس مصر آیا اور براہ راست سلطان نجم الدین ایوب کی خدمت میں پیش ہو کر امیر المومنین کا پیغام سنایا۔ سلطان نجم الدین ایوب نے خود اسے پیغام کے جملے کہے اور وہ دوبارہ بغداد روانہ ہوا۔ اس غیر معمولی واقعہ نے سلطان نجم الدین ایوب کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا اور اس نے امیر فخر الدین کو حاجب کے عہدے سے معزول کر دیا۔

❀ ❀ ❀

رات کے وقت ایک سیاہ پوش سایہ تیزی سے ایک دیوار پھلانگ کر ایک گھر میں کود گیا۔ دیوار سے کودنے کے بعد تیزی سے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی۔ ہر طرف گہری خاموشی پا کر وہ جھکے جھکے سامنے دکھائی دینے والے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے دروازے پر ہاتھ ڈال کر اسے اندر کی جانب دھکا دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اندر سے بند کیا گیا ہے۔ اس نے پیچھے ہٹ کر مکان کی بناوٹ پر نگاہ ڈالی۔ سامنے ایک بالکونی دکھائی دے رہی

تھی۔ اس کے علاوہ کچھ کھڑکیاں بھی تھیں مگر وہ سب بھی بند تھیں۔ گھر میں داخل ہونے کا واحد راستہ وہی بالکونی تھی۔ اس نے قدرے توقف کے بعد اپنے لباس میں سے ایک باریک سی ڈوری کا گچھا نکالا اور اس کے ایک سرے پر چھوٹا سا آنکڑہ باندھنے لگا۔ کچھ دیر میں وہ اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اس نے ڈوری کو عمودی رخ گھمانا شروع کیا۔ اس کی نگاہیں تیزی سے قرب وجوار میں متحرک تھیں۔ وہ کسی قسم کے خطرے سے نمٹنے کے لئے پوری طرح سے تیار دکھائی دے رہا تھا۔ دوسرے لمحے ڈوری اس کے ہاتھ سے نکل کر بالکونی کی جانب بڑھ گئی۔ اس کی پہلی ہی کوشش کامیاب ہوئی تھی۔ آنکڑہ بالکونی میں کسی جگہ پھنس چکا تھا۔ اس نے ڈوری کو کھینچ کر دو تین جھٹکے دے کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا۔ اگلے لمحے وہ ڈوری کے ساتھ چپکا ہوا اوپر کی جانب چڑھ رہا تھا۔ باریک ڈوری کے سہارے اوپر کی جانب چڑھنا کسی عام شخص کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ اس میں بڑی مہارت درکار تھی۔ وہ واقعی اپنے کام میں مشاق تھا۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ بالکونی میں پہنچ گیا۔ بالکونی کے سرے پر اسے دروازہ دکھائی دیا جو کہ بھڑا ہوا تھا۔ دروازے کی درز میں سے اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ بستر پر بچھی ہوئی بے شکن چادر چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھی کہ اس پر استراحت کرنے والا ابھی تک پہنچا نہیں۔ اس نے کمرے میں سے گذر کر دوسرے دروازے کی جانب حرکت کی۔ دروازہ حسب توقع کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازے سے نکل کر گھر کے اندر موجود راہداری میں پہنچ گیا۔ کچھ دیر تک وہ مختلف کمروں میں جھانکتا رہا۔ شاید اسے مطلوبہ شے نہیں مل رہی تھی۔ کئی ایک کمروں میں اسے کچھ لوگ بھی سوتے دکھائی دیے۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نچلی منزل پر آ گیا جہاں ایک بڑا کمرہ پہلو میں موجود تھا۔ وہ اس کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ نہایت آہستگی سے کھول کر اس نے درز میں سے اندر جھانکا تو بستر پر سونے والی شخصیت اسے صاف دکھائی دینے لگی۔ بستر کے پہلو میں بنے ہوئے طاق میں موجود دیئے کی روشنی سے کمرے کا تمام ماحول اس کے سامنے واضح ہو رہا تھا۔ اس نے دائیں بائیں مڑ کر اچھی طرح دیکھا اور احتیاط سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے بستر کے قریب جا کر ایک بار اس شخصیت کو غور سے دیکھا۔ شاید وہ اپنا اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔ وہ بڑی بڑی مونچھوں والا شخص گرد و پیش سے بے خبر نیند میں ڈوبا خراٹے بھر رہا تھا۔ سیاہ پوش نے تیزی سے ایک لمبے پھل کا خنجر نکالا اور اس کی نوک کو دیکھنے لگا۔ خنجر کی نوک پر سیال دار چیز چمک رہی تھی۔ یہ انتہائی سریع الاثر زہر تھا۔ اجنبی نے جھٹکے سے چادر اس سوتے شخص سے اتار پھینکی اور اس کی گردن پر اپنے مضبوط ہاتھ سے گرفت جما دی۔ سوتا ہوا شخص ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا خنجر کا پھل اس کے سینے میں اتر چکا تھا۔ اس کے حلق سے عجیب کی خرخراہٹ نکلی اور دوسرے پل وہ اس سیاہ پوش سائے کی گرفت میں ڈھیلا پڑتا چلا گیا۔ اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تھی۔ کھلی بے جان آنکھوں میں خوف کے سائے ابھی تک لرزتے دکھائی دے رہے تھے۔ سائے نے اس کے جسم کو ٹٹول کر اچھی طرح دیکھا کہ کیا وہ مر چکا ہے۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔ چہرہ کچھ ہی دیر میں نیلا پڑنے لگا۔ سیاہ پوش سایہ اس کی جانب حقارت سے دیکھتا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ وہ پوری احتیاط سے اس گھر سے صحیح سلامت نکل آیا تھا۔ وہ جس مہم پر نکلا تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ مرنے والا ایک نامی گرامی منگول سردار قونائی خان تھا جس نے چنگیز خان کے ہمراہ کئی بڑی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ منگول سلطنت کی تشکیل میں اس کا بھی ہاتھ تھا مگر وہ اپنے بستر پر آج بے خبری کے عالم میں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان نجم الدین ایوب نے اپنی نئی ملکہ شجرۃ الدر کی تجاویز پر عمل کرتے ہوئے فوج کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے پر اپنے خاص غلام ابوخویلد کو، دوسرے حصے پر ایک مملوک امیر ارسلان الطائی کو جبکہ

تیسرے حصے پر وجیہہ الدین الباقری کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس نے واضح طور پر یہ قانون بنایا کہ تینوں حصوں کے سالار دوسرے حصوں کی سپاہ پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے، اس کے ساتھ ہی اس نے دشت قپچاق، سرکیشی، قزدینی اور ترکستان کے سفید فام غلاموں کو بڑی تعداد میں خریدنا شروع کر دیا۔ ان غلاموں کی عمریں بہت کم تھیں۔ بردہ فروش تاجروں کی ان دنوں چاندی تھی، وہ بڑی تعداد میں غلام بچوں کو قاہرہ میں لاتے اور نجم الدین ایوب کے خدمت میں پیش کر کے اچھی قیمت حاصل کرتے۔ قاہرہ میں ان غلاموں کی مانگ کے باعث صاحب ثروت لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں ان غلاموں کو خرید کر نجم الدین ایوب کی خدمت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ کہنے کو تو غلام تھے مگر ان کی گوناں گوں خوبیوں نے انہیں ممتاز بنا دیا۔ انہیں مملوک (غلام) کہا جاتا تھا۔ نجم الدین ایوب نے قریباً بارہ ہزار سے زائد مملوک خریدے۔ اس نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انہیں حربی فنون بڑی توجہ سے سکھائے گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں اکثر نہ صرف فنونِ حرب میں غیر معمولی قابلیت کے مالک بن گئے بلکہ علوم اسلامی (قرآن، حدیث، فقہ) میں بھی درجہ کمال تک جا پہنچے۔ سلطان نجم الدین ایوب نے ان ممالیک کی باقاعدہ فوج تشکیل دی جو نہایت منظم اور فن حرب وضرب میں طاق تھی۔ اس نے اپنے ذاتی محافظ دستے کے لئے بھی اسی فوج میں سے مہارت یافتہ جوان چنے۔ مصری کو اس محافظ دستے کا امیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ سلطان نجم الدین ایوب نے حکومتی انتظامیہ میں مصری امرا کے اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لئے عمدہ صلاحیتوں کے مالک ممالیک کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا۔ ان اقدامات سے سلطان نجم الدین ایوب کی پوزیشن مزید مستحکم ہو گئی تھی، اسے اندرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات مل گئی۔ سازشی قسم کے امرا کو اس نے آغاز میں ہی مختلف علاقوں میں ان کی حیثیت کے مطابق عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔ امرا کے منتشر ہونے سے وجیہہ الدین الباقری کی سازش ناکام ہو گئی۔ عماد الدین اسماعیل جو کہ بلادِ مصر پر حملہ کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، مصری امرا کی یکدم لاتعلقی پر مایوس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ سلطان نجم الدین ایوب نے ممالیک کی بڑی تعداد کو فعال بنا لیا تھا اور ان کی رسائی دربارِ عالیہ تک کر دی تھی، اس لئے یہ خطرہ منڈلانے لگا تھا کہ کہیں یہ بے قابو نہ ہو جائیں۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اس مسئلہ کا حل یہ پیش کیا کہ انہیں بھی دو بڑے حصوں میں منقسم کر دیا جائے اور ان میں آگے بڑھنے اور دوسرے سے افضل ہونے کی دوڑ شروع کرا دی جائے۔ سلطان نجم الدین ایوب نے ان کی بڑی تعداد کو قاہرہ سے باہر جزیرہ روضہ میں آباد کر دیا جہاں ان کی رہائش کے لئے بیرکیں بنوائی گئیں۔ بعض مملوک سرداروں نے سلطان نجم الدین کی اجازت سے وہاں اپنے طور پر مکانات بھی تعمیر کر لئے۔ یہ سردار بعد میں امرا میں شمار ہونے لگے۔ کچھ ہی عرصہ میں یہاں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کر لیا گیا۔ یہ مقام دریائے نیل کے اس حصے میں واقع تھا جہاں سے دریا دو شاخوں میں بٹ جاتا تھا۔ اس لئے ان ممالیک کو دریائی یا بحری ممالیک کے نام سے جانا جانے لگا۔ ممالیک کے دوسرے بڑے گروہ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے تعمیر کردہ قلعہ قاہرہ کے برجوں میں سکونت فراہم کی گئی۔ وہ ممالیک برجی کہلائے جانے لگے۔ سلطان نجم الدین ایوب پانچ سال کے عرصے میں مسلسل مصروف رہا اور اپنے دفاع کو مضبوط بنانے میں مشغول رہا۔ سلطان نے خاندان کے بکھرے ہوئے شیرازے کو سمیٹنے کا آغاز کیا۔ بحری، برج اور رضا کارانہ فوج کی موجودگی میں چھوٹے چھوٹے حکمران خود بخود سلطان نجم الدین کی اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ سلطان نے انہیں معزول کرنے کے بجائے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں امن وراستی کا رستہ اختیار کرنے پر اپنی خوشنودی کا عندیہ دیا۔

❀ ❀ ❀

گل وقوتز کا گھوڑا بے لگام ہو چکا تھا۔ وہ منہ اٹھائے گھڑ سواروں کی جانب سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ گل

دقوز گھوڑے کی باگیں چھٹ جانے پر مزید خوفزدہ ہوگئی۔ گھڑ سوار اپنی جانب بڑھنے والے گھوڑے کو دیکھ کر چونک پڑے۔ ان میں سے ایک صورتِ حال کو شاید سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ گل دقوز کے گھوڑے کو قابو کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ گھوڑے پر ایک حسین و جمیل لڑکی کو پاکر وہ بے حد حیران ہوا۔ گل دقوز سہمی سہمی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسی اثناء میں باقی گھڑ سوار بھی اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ وہ سب منگول سپاہی تھے۔ ان کے لباس پر زرد رنگ کے مخصوص نشان صاف دکھائی دے رہے تھے۔

''لڑکی تم کون ہو اور اس ویرانے میں کیا کرتی پھر رہی ہو......؟'' ایک گھڑ سوار سخت لہجے میں بولا۔

''مم...... میں شاہی خاندان میں سے ہوں، سیر کے لئے ادھر آنکلی تھی کہ گھوڑا بے قابو ہوگیا''۔

''کس کی بیٹی ہو......؟''

''میں توتائی خان کی بیٹی ہوں''۔

''اوہ ....! کیا تم جانتی ہو کہ تمہارا باپ آج کل کہاں ہے......؟'' دوسرا سپاہی قدرے نرم لہجے میں بولا۔ گل دقوز اس کے لہجے سے چونک پڑی اس نے حیرت و پریشانی سے گردن نفی میں ہلائی۔

''لڑکی......! سیر و تفریح کے بجائے اپنے گھر کی راہ لو۔ تمہارے باپ کو گذشتہ رات قتل کر دیا گیا ہے۔ پورے سرائے میں اس کی پُراسرار موت پر چہ میگوئیاں کی جا رہی ہیں''۔

''کک... کیا مطلب......؟'' گل دقوز لمحہ بھر کے لئے ساکت ہوگئی تھی۔

''مطلب وہی ہے جو تم نے سنا اور سمجھا ہے۔ چلو اب یہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے گھر کی طرف بھاگو''۔

''مگر میرے باپ کی تو کسی سے دشمنی نہیں تھی''۔ وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

''لڑکی یہ تمہارے پہلو میں خون کیسا لگا ہے......؟'' ایک سپاہی نے اس کی قمیض کے دامن کی جانب اشارہ کیا۔ گل دقوز خون کی بابت سن کر چونک پڑی۔ وہ تیزی سے جھک کر اپنے پہلو کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی قمیض کے دامن کے ایک طرف خون کے چھینٹے صاف دکھائی دیئے۔ وہ خون دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ سردار مانجی خان کے پہلو میں خنجر اتارتے وقت خون کے یہ چھینٹے اس کے دامن پر آلگے ہوں۔ سردار مانجی خان کا خیال آتے ہی اس کے چہرے پر بدحواسی سی چھانے لگی۔ وہ کسی کے قتل کے جرم کی مرتکب ہو چکی تھی۔ وہ خود کو سپاہیوں کے بیچ مجرم محسوس کرنے لگی۔ گھبراہٹ کے عالم میں اسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ صرف گھر جانے کے حوالے سے بولتی رہی۔ خون کے چھینٹے دیکھنے کے بعد سپاہی اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہ یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ کہیں اس لڑکی نے ہی خود اپنے باپ کو قتل نہ کیا ہو۔ انہوں نے سختی سے جواب طلبی کی تو وہ روہانسی سی دکھائی دینے لگی۔ سپاہیوں نے معاملہ گھمبیر سمجھتے ہوئے اسے اپنی حراست میں لے لیا اور سرائے کی جانب روانہ ہوگئے۔

❁ ❁ ❁

ربیع الاوّل 643ھ تک نجم الدین ایوب بلادِ مصر اور اور بلادِ فلسطین میں امن و امان کی فضا قائم کرنے میں بھرپور انداز میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے ماضی کے پرانے زخم کا بدلہ لینے کی غرض سے تمام لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ اپنے چچا الملک الصالح عماد الدین اسماعیل سے بلادِ شرقیہ کے تمام علاقے واپس حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی عماد الدین اسماعیل کی ڈھیل کے باعث ایک عرصہ سے صلیبی لٹیرے ان علاقوں میں من مانی

کرتے پھر رہے تھے۔ ان کی اوچھی حرکتوں کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں کے لئے زندگی گذارنا دوبھر ہو چکا تھا۔ یہاں کے رئیس و امرأ کئی بار نجم الدین ایوب سے مدد طلب کر چکے تھے مگر وہ فوری طور پر اس طرف توجہ نہیں دے پایا تھا۔ عماد الدین اسماعیل کو نجم الدین ایوب کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے پورے زور و شور سے تیاریاں کرتے ہوئے بڑے لشکر کے ساتھ دمشق کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ نجم الدین ایوب مسلسل تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا 4 جمادی الاوّل 643ھ کو اس کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ دونوں کے درمیان سفارت کا آغاز ہوا مگر وہ کسی بہتری کی جانب نہیں بڑھ پایا۔ بالآخر 8 جمادی الاوّل کو فیصلہ کن معرکے کا آغاز ہوا۔ نجم الدین ایوب کے لشکر میں فارس اقطائی، وجیہ الدین البافری، بیبرس، امیر فخر الدین، ارسلان الطائی جیسی سرکردہ شخصیات موجود تھیں جو کہ فنِ حرب میں یکتائے روزگار سمجھی جاتی تھیں۔ دن کے دوسرے پہر میں ہی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئی۔ عماد الدین اسماعیل کے ساتھ صلیبی حلیف بھی شامل تھے جو کہ نجم الدین ایوب کو کسی صورت بھی بلادِ شرقیہ پر قابض نہیں ہونے دینا چاہتے تھے کیونکہ اس سے ان کے تمام مفادات پر کاری ضرب لگتی۔ ممالیک کی تیار کی گئی فوج کے لئے میدانِ جنگ میں اترنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ انہوں نے جان توڑ کر لڑائی کی۔ تیسرے پہر کے آغاز سے قبل ہی عماد الدین کی سپاہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ عماد الدین اسماعیل کے سالاروں نے جب میدان کا نقشہ بدلتے دیکھا تو انہوں نے بھی جان بچانے میں سپاہ کی تقلید کی۔ عماد الدین اسماعیل نے بے حد کوشش کی کہ فوج میں انتشار نہ پیدا ہو مگر وہ ناکام رہا اور لڑتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گیا۔ جنگ میں فتح نجم الدین ایوب کے حصے میں آئی۔ اس نے عماد الدین اسماعیل کی گرفتار فوج کی جان بخشی کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا اور 9 جمادی الاوّل کو دمشق میں فاتح کی حیثیت سے قدم رکھا۔ دمشق کے امرأ نے حسبِ عادت نئے سلطان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ سلطان نجم الدین ایوب نے یہیں ٹھہر کر کچھ عرصہ تک مختلف بگڑے ہوئے معاملات کو درست کیا اور صلیبی لٹیروں کو گرفتار کر کے سخت سزائیں دیں۔ صلیبی علاقوں پر مختلف امرأ کی زیرِ قیادت مہمات روانہ کی گئیں اور انہیں پیچھے دھکیل کر ساحلی قلعوں کی جانب ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان نجم الدین ایوب بلادِ مصر و فلسطین کی طرح دوسرے علاقوں میں بھی اصلاحات کرنے کا خواہشمند تھا اسی لئے اس نے مصر واپسی کے بجائے 644ھ کے اوائل میں حماۃ کی جانب کوچ کیا اور ایک فیصلہ کن لڑائی کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ بلادِ شرقیہ واپس اس کی حکمرانی میں شامل ہو چکے تھے۔ دمشق کی طرح حماۃ میں بھی ضرورت کے تحت نئی نئی اصلاحات کی گئیں اور قریباً پورا سال یہیں گذار دیا۔ سال کے آخر میں ذی قعدہ کے مہینے کی 19 تاریخ کو سلطان نجم الدین ایوب حماۃ سے واپس ہوا اور دمشق پہنچا۔ یہاں چند دن کے قیام کے بعد اس نے واپسی اختیار کی اور مصر لوٹ آیا۔ اب اس کے زیرِ سایہ علاقوں میں بلادِ مصر، بلادِ فلسطین اور بلادِ شرقیہ شامل تھے۔ سلطان نجم الدین ایوب نے پوری جانفشانی سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے جگہ جگہ مدارس بنوائے تاکہ نئی نسلیں صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات سے روشناس ہو سکیں۔ ان مدارس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں فوجی کیمپ قائم کئے گئے جہاں نوجوانوں کو حربی فنون کی تربیت دی جاتی تھی۔

12 شوال 645ھ میں اس کا چھوٹا بھائی سیف الدین ابوبکر قلعہ قاہرہ کے زنداں خانے کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا چل بسا۔ یہ بلادِ مصر کا سابق سلطان تھا۔ وہ قریباً ساڑھے آٹھ سال سے حالتِ اسیری میں تھا۔ نجم الدین ایوب کو جب اس کا علم ہوا تو وہ خود وہاں آیا اور اسے غسل دے کر باب النصر کے باہر شمس الدین کے قبرستان میں نہایت خاموشی کے ساتھ قبر میں اتار دیا گیا۔

646ھ میں سلطان نجم الدین ایوب بلادِ شام میں شورشوں کی اطلاع پا کر دوبارہ قاہرہ سے مکمل افواج

کے ساتھ نکلا اور شعبان کے آغاز تک دمشق پہنچ گیا۔ یہاں ٹھہر کر اسے معلوم ہوا کہ حمص کے والی نے بغاوت کا علم بلند کر دیا ہے تو اس نے ارسلان الطائی کی زیرِ قیادت ایک بڑا لشکر روانہ کیا جس نے حمص کا محاصرہ کر لیا اور اہلِ شہر نے تنگ آ کر والئی حمص الملک الاشرف کو خود ہی گرفتار کر کے ارسلان الطائی کے حوالے کر دیا۔ الملک الاشرف کو سلطان نجم الدین ایوب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے معافی کی استدعا کی۔ اس کی جان بخشی کرتے ہوئے بغاوت کے جرم میں ہمیشہ کے لئے زنداں خانے میں دھکیل دیا گیا۔ الملک الاشرف کے باپ نے سلطان کے چچا عماد الدین اسماعیل کے ساتھ الحاق کر کے ماضی میں بلادِ شرقیہ پر قبضہ کیا تھا۔ اس فعل کی سزا اس کے بیٹے کو دی گئی تھی۔

نجم الدین ایوب پورا سال دمشق میں ہی ٹھہرا رہا یہاں اس کی طبیعت خراب رہنے لگی تو مصر کی جانب لوٹ گیا۔ اب شام سے لے کر مصر تک اس کا کوئی حریف باقی نہیں رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بعد یہ دوسرا بڑا حکمران تھا جس نے اتنے بڑے رقبے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

❀ ❀ ❀

فارس الدین اقطائی سرزمین قزدین کا رہنے والا تھا۔ وہ چھ سال قبل مصر آیا تھا۔ فارس اقطائی بھی تاتاریوں کی وحشیانہ بربریت کا شکار تھا۔ اس کے والدین کو اس کی نگاہوں کے سامنے بے رحمی سے قتل کر دیا گیا اور اُسے ہمیشہ کے لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ جب یہ سانحہ ہوا اس وقت اس کی عمر چھ برس تھی۔ زمانے کی صعوبتیں اُٹھاتے اُٹھاتے وہ بلادِ مصر آن پہنچا۔ نجم الدین ایوب جب ممالیک کی فوج مرتب کر رہا تھا اس وقت اسے بھی خرید لیا گیا۔ بیبرس کے بعد یہ دوسرا خاص فرد تھا جسے ابو خویلد نے حربی علوم کے لئے خصوصی طور پر منتخب کیا تھا۔ فارس اقطائی عمر میں بیبرس سے سات سال بڑا تھا۔ صحیح تعلیم و تربیت نے اُسے فراست و دانائی جیسی صفات سے آراستہ کر دیا تھا۔ وہ جلد ہی عمائدین سلطنت میں شامل ہو گیا اور فوج کے ایک بڑے حصے کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ سلطان نجم الدین کی زیرِ قیادت اس نے دمشق اور اس کے اطراف میں کئی لڑائیاں لڑی تھیں۔ اپنی جوانمردی اور جوہرِ شجاعت کے باعث یہ سلطان کی نگاہوں میں مقبول و معروف تھا۔ اس کی عمدہ طبیعت و عادتوں نے دیگر احباب کی طرح بیبرس کو بھی اس کے قریب کر دیا تھا۔ دونوں میں گہری دوستی قائم ہو چکی تھی۔ بیبرس سلطانی محافظ دستے کا امیر ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر امور پر بھی مقرر تھا۔ اسے جب بھی موقعہ ملتا تو وہ شیخ عز الدینؒ کی خدمت میں جا بیٹھتا۔ شیخ عز الدینؒ بھی اسے خصوصی توجہ دیا کرتے۔ فارس اقطائی مسلمان تو تھا مگر شعائرِ اسلامی میں خاص رغبت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اکثر و بیشتر ان امور سے کنی کترا جایا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شیخ عز الدینؒ کے پاس بیٹھنے سے ہچکچاتا۔ بیبرس نے کئی بار اسے ساتھ چلنے کی پیشکش کی لیکن وہ کسی نہ کسی بہانے سے ٹال جاتا۔

❀ ❀ ❀

647ھ میں سلطان نجم الدین ایوب شامی علاقوں میں ہی موجود تھا۔ اس کی طبیعت بار بار خراب ہو جاتی جس پر سفر کی رفتار کم کر دی جاتی۔ وہ دمشق سے نکل کر قاہرہ پہنچنا چاہتا تھا مگر خرابی طبیعت کے باعث اسے کئی کئی ماہ تک قیام کرنا پڑتا۔ طبیب اپنی کوششوں میں مصروف تھے کہ سلطان نجم الدین ایوب کو صحت یابی ہو۔ ملکہ شجرۃ الدر بھی سلطان کے ہمراہ تھی اور وقتاً فوقتاً اس کی ڈھارس بندھاتی رہتی۔ ایک شام ساحلی علاقوں سے قاصد نے آ کر سلطان نجم الدین ایوب کو اطلاع دی کہ صلیبی لشکر سمندر کے راستے بلادِ مصر پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ اطلاع پاتے ہی نجم الدین ایوب اپنی بیماری وغیرہ سب بھول گیا اور پوری رفتار سے سفر کرتا ہوا اشموم جا پہنچا اور صلیبی لشکر کا انتظار کرنے لگا۔

اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ 647ھ میں صلیبیوں میں ایک بار پھر سرزمین مقدس واپس لینے کا خیال پیدا ہوا۔ اس بار اس مہم کا بار شہنشاہِ فرانس لوئی نہم (لوئیس) کے کندھوں پر تھا۔ بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کے لئے تمام تر تجاویز پر غور کیا گیا۔ مختلف مشوروں کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جب تک سلطان مصر نجم الدین ایوب کو شکست سے دوچار نہیں کیا جاتا تب تک بیت المقدس پر مکمل قبضہ ممکن نہیں۔ عیسائی مؤرخین کا بیان ہے کہ تمام صلیبی جنگوں کے مقابلے میں یہ حقیقی معنوں میں مقدس صلیبی جنگ کہلائے جانے کی مستحق تھی، جس میں سرزمین مقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد کارفرما نہیں تھا۔ مؤرخوں کے مطابق، شاہ فرانس لوئی نہم نے مشرق پر محض دینی جذبہ اور مذہبی جوش کے تحت چڑھائی کی تھی اور اس کا مقصد وحید مقدس علاقوں کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا کر مسیحیت کے جھنڈے بلند کرنا تھا۔ اس کے پیش رو صلیبی جنگجو ارضِ مقدس پر صرف دینی جذبہ کی بناء پر حملہ آور نہیں ہوئے تھے بلکہ اموال اور قیدیوں سے اپنے آپ کو مالا مال کرنا اور وہاں کے سرسبز و شاداب خطوں میں اپنی مملکت قائم کرنا بھی ان کے مدنظر تھا۔ ان مؤرخین نے لوئی نہم کے بارے میں کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر لکھا ہے خصوصاً اس کی سیرت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ وہ ایک نہایت پرہیزگار، بے لوث، درویش صفت، عبادت گذار اور نیک طینت بادشاہ تھا جس کا دل و دماغ دینِ مسیحی کے جذبے سے معمور تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ شجاعت کا پیکر بن جاتا تھا اور مصیبت کے وقت صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اسی لئے مسیحی آج بھی اسے سینٹ لوئی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی حقیقی وجہ بھی یہی تھی کہ یہی وہ واحد مضبوط مملکت تھی جو اس کی راہ میں مزاحم ہو سکتی تھی۔ اگر اس خطے پر وہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر کوئی ایسی طاقت باقی نہیں تھی جو ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی۔ شاہ لوئی اپنے جرار لشکر کے ساتھ 20 صفر 647ھ میں جمعہ کے دن سمندر سے خشکی پر اترا اور ہفتہ کے دن انہوں نے آسانی سے حیرہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ صلیبی اپنی وحشیانہ خصلت سے مجبور تھے انہوں نے یہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور تمام شہر کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔ حیرہ سے فارغ ہو کر وہ دمیاط کی جانب بڑھے۔ یہاں انہیں تھوڑی سی مزاحمت کا سامنا ہوا مگر جلد ہی وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو گئے اور شہر ان کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہاں بھی ان کا سلوک کچھ مختلف نہ تھا۔ شہر کو بے دردی سے تاخت و تاراج کیا گیا۔ کئی لوگ صلیبیوں کے خوف سے اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ 22 صفر تک صلیبیوں نے دمیاط پر مکمل قبضہ کر لیا تھا۔

سلطان نجم الدین ایوب اشموم میں خیمہ زن صلیبیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اسے دمیاط پر قبضے کی خبر ملی تو وہ برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا منصورہ کے میدان میں آ پہنچا۔ اس نے یہیں پڑاؤ ڈال دیا تھا کیونکہ صلیبی اسی میدان سے گذر کر دوسرے کسی شہر کی جانب جا سکتے تھے۔ ادھر شاہ لوئی کو بھی سلطانِ مصر کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ دونوں جانب زور و شور سے ایک بڑی جنگ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ اسی دوران سلطان مصر نجم الدین ایوب کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ عمائدین سلطنت میں بے چینی سی پیدا ہونے لگی۔ دشمن ان کے سامنے تھا اور سلطان نجم الدین ایوب بستر پر پڑا تھا۔ سلطان نے ان کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی کہ وہ بےفکر رہیں۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی وہ بھلا چنگا ہو جائے گا اور بذاتِ خود میدان جنگ میں اتر کر صلیبیوں کو سرزمین مصر میں داخل ہونے کی سزا دے گا۔

15 شعبان 647ھ پیر کی رات سلطان نجم الدین ایوب پر کھانسی کا ایسا طویل دورہ پڑا کہ وہ اس کی روح نکلنے پر ہی ختم ہوا۔ سلطانِ مصر صلیبیوں کو شکست دینے کا خواب دل میں لئے دنیا چھوڑ چکا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر اور عمائدین خاص کے لئے یہ مرحلہ بےحد اہم تھا۔ سامنے دشمن کی افواج خیمہ زن ہو چکی تھیں۔ ان کی تعداد بہت

زیادہ تھی۔ ادھر قدرت نے سلطان نجم الدین ایوب کا وقت پورا کر دیا تھا۔ اس کی موت کی خبر سے پوری فوج ہل کر رہ جاتی۔ مسلمانوں کی واضح شکست کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ سرائے شہر کی سرکاری کوتوالی کے تنگ احاطے میں دو دن سے بند تھی۔ اسے سرائے سے کئی کوس دور گرفتار کیا گیا تھا۔ قمیص کے دامن پر لگے خون کے دھبوں نے اسے مجرم بنا دیا تھا۔ اس کے باپ تونائی خان کو رات کی تاریکی میں نامعلوم حملہ آور نے موت کی نیند سلا دیا تھا، جس کا علم ہونے پر وہ غم سے نڈھال ہو گئی تھی۔ اس کا باپ جیسی بھی خصلت کا شخص تھا، سرائے کے متمول امراء میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ سلطنت کے منتظمین میں سے ایک تھا۔ انہیں ایک مضبوط ریاستی شخص کے ایسے وحشیانہ قتل کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جو شدید خوف میں تھے۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اب کہیں ان کی باری نہ آ جائے۔ کوتوالی میں گل وقوژ کی آمد پر جب یہ بات کھلی کہ جب اسے گرفتار کیا گیا تو وہ اپنے باپ کو قتل کر کے فرار ہو رہی تھی تو ان امراء کے چہروں پر اطمینان دکھائی دینے لگا۔ وہ تونائی خان کی موت کا سبب گھریلو رنجش کو قرار دینے لگے۔ البتہ کئی ایک افراد میں تشویش برقرار رہی۔ ان میں زیادہ تر ایسے تھے جن کی تونائی خان کے گھر تک رسائی تھی۔ انہوں نے باپ اور بیٹی کے درمیان کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی تھی جو قتل کا سبب بنتی۔ ان کا خیال تھا کہ معاملہ درحقیقت کچھ اور ہے اور اسے زبردستی گھریلو رنجش بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کے ذہن میں برقائی خان کی تونائی خان کے ساتھ تکرار بھی محفوظ تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اسی شام برقائی خان سرائے سے سپاہیوں کے ہمراہ ضرگائی قبیلے کی سرکوبی کے لئے نکلا تھا جس رات تونائی خان کا قتل ہوا۔ ڈھکی چھپی سرگوشیوں میں وہ لوگ تونائی خان کے قتل کو برقائی خان کا کیا دھرا قرار دے رہے تھے۔

گل وقوژ کو ایک ہفتے کی نظر بندی کے بعد باہر لایا گیا۔ اس نے اپنے باپ کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ منگولوں میں مردوں کو دفنانے کا رواج قدرے مختلف تھا۔ وہ ایک بڑا سا تہہ خانہ بناتے اور وہاں گھر کا پورا ساز و سامان سجا کر ایک بڑے بیج نما بستر پر میت ڈال دیتے۔ اس کے بعد کسی ایسے غلام کو لاش کی حفاظت کے لئے مامور کر دیتے جو آقا کا خاص وفادار سمجھا جاتا۔ اس کے بعد تہہ خانے میں لاش کو بڑے اہتمام سے رکھ دیا جاتا اور اس تہہ خانے کو اوپر سے مکمل طور پر بند کر دیا جاتا۔ تہہ خانے کی سطح پر منوں کے حساب سے مٹی اور پتھر پھینک دیئے جاتے۔ یوں مالک کی لاش کے ساتھ وفادار غلام کو بھی زندہ درگور ہونا پڑتا تھا۔ لاش کو تہہ خانے میں رکھنے پر جاودانی آسمان کی عبادت کی جاتی۔ اس عبادت میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین بھی شریک ہوتیں۔

گل وقوژ بھی اپنے باپ کی آخری رسومات میں شامل ہوئی تھی۔ سرائے کی خواتین کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ کی قاتلہ ہے تو وہ اسے جلی کٹی بھی سناتی رہیں۔ گل وقوژ کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس قتل سے بری ثابت کر پاتی۔ اس کی قمیض پر جو خون کے دھبے موجود تھے وہ تو ازقائی قبیلے کے سردار مانجی خان کے تھے۔ اگر وہ سچ کا اعتراف کرتی تو بھی اس کی گردن میں موت کا پھندا پڑتا کیونکہ وہ منگول قانون کے خلاف ایک سردار کے قتل کی مرتکب ہوئی تھی۔

تونائی خان کی آخری رسومات کے بعد اسے پھر نظر بند کر دیا گیا۔ قریباً دس دن کے بعد اسے دوبارہ وہاں سے نکالا گیا اور منگول منصف کی عدالت میں لایا گیا۔ وہاں سرائے شہر کے بیشتر رئیس و امراء موجود تھے جو کہ تونائی خان کے قتل کے مقدمے کا حال سننے کے لئے بے تاب تھے۔ گل وقوژ کو مجرموں والے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالی گئی تھیں۔ اس کی حالت بے حد پتلی ہو رہی تھی۔ چہرہ آنسوؤں کے

نشانات اور خاک سے اٹا پڑا تھا۔ بال کئی دن سے صاف نہ ہونے کی وجہ سے کھچڑی سے دکھائی دے رہے تھے۔ لباس پر خون کے دھبے سیاہ پڑ چکے تھے۔

منگول منصف نے اس پر تیز نگاہ ڈال کر مقدمے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے منگول کوتوال نے اس پر قتل عمد کی فردِ جرم عائد کی اور سرائے کے باہر سے گرفتاری کو فرار کی کہانی قرار دیا۔ بعد ازاں ان سپاہیوں کا فرداً فرداً بیان لیا گیا جنہوں نے اسے گرفتار کیا تھا۔ ان سب کے بیانات قریباً ملتے جلتے تھے۔ انہوں نے یہ بیان دیا تھا کہ گل وقوژ خون کے دھبوں کے استفسار پر گھبرا گئی اور کوئی معقول جواب دینے سے قاصر رہی جس کے باعث انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ تونائی خان کے قتل کے بارے میں کھوجی کی ماہرانہ رائے کو بھی سنا گیا۔ کھوجی کا کہنا تھا کہ قتل کرنے والا فرد بے حد مضبوط جسم کا مالک ہے اور اس کے وار کی گہرائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خنجر کے استعمال میں مہارت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بارے میں کوئی اندازہ قائم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کس جانب سے گھر میں داخل ہوا ہوگا۔ یہ کہنا بھی بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس قتل کا ذمہ دار گھر ہی کا کوئی فرد ہو۔ گل وقوژ کے خنجر پر موجود خون کے دھبوں کو ایک مسلمان طبیب نے جانچا تھا جس نے اپنے بیان میں خنجر پر موجود نشانات انسانی خون سے تعبیر کئے تھے۔ علاوہ ازیں لباس پر موجود خون کے دھبوں کا نمونہ بھی اُسی طبیب نے ملاحظہ کیا تھا۔ اس بارے میں اس کا کہنا تھا کہ خنجر اور لباس پر موجود خون کے نشانات ایک ہی شخص کے خون کے ہیں۔ کارروائی کے دوران یہ بات تو ثابت ہو چکی تھی کہ گل وقوژ کسی نہ کسی قتل میں ضرور ملوث ہے۔ تمام تحقیق مکمل ہونے پر گل وقوژ سے اصلیت طلب کی گئی۔

گل وقوژ مقدمے کی کارروائی کے دوران یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے حقیقت بیان کر دینی چاہئے وہ اپنے باپ کے قتل کی مرتکب نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ اب خاموش رہی تو اس کے باپ کا قاتل ہمیشہ سزا سے بچا رہے گا۔ وہ گویا ہوئی۔

''معزز منصف...! میں پہلے بھی یہ کہہ چکی ہوں کہ میں نے اپنے باپ کو قتل نہیں کیا ہے اور اب بھی اپنے بیان پر قائم ہوں۔ رہا سوال ان خون کے دھبوں کا جنہوں نے میرے کردار اور عزت کو داغ دار کر ڈالا ہے، ان کی حقیقت بیان کرنے سے میں پہلے خوفزدہ تھی مگر اب میں اپنے باپ کے اصلی قاتل کو سزا دلوانے کے لئے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھاؤں گی''۔ گل وقوژ پُر اعتماد تھی اور چہرے سے گہرا اطمینان جھلک رہا تھا۔ گل وقوژ کی بات سن کر وہاں موجود افراد میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جسے منصف کی تنبیہ نے ختم کیا۔ گل وقوژ نے ان سب لوگوں کی جانب نگاہ دوڑائی اور توقف کے بعد دوبارہ بولی۔

''یہ خون کے دھبے میرے باپ کے خون کے نہیں بلکہ ازقائی قبیلے کے سردار مانجی خان کے ہیں''۔ یہ ایک نیا انکشاف تھا جس پر سب دم بخود رہ گئے۔ گل وقوژ نے ان کے چہروں پر استہزائیہ نگاہ ڈالی۔

''میں اس روز صبح سویرے ہی گھر سے تیار ہو کر نکلی تھی۔ میں نے ازقائی سردار کو ایک گمشدہ شخص کی تلاش کا کام سونپا تھا جو کہ اس نے طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی پورا نہیں کیا تھا۔ میں نے اسے اس شخص کی تلاش کا پورا پورا معاوضہ ادا کیا تھا۔ اسی سلسلے میں، میں گھر سے نکلی اور دن کی دوسری ساعت میں ازقائی قبیلے میں پہنچ گئی۔ سردار مانجی خان نے مجھے دیکھ کر حیلہ جوئی کا سہارا لیا۔ اس نے کام کے مکمل ہونے کا دعویٰ کرنے اور مجھے جھوٹا قرار دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب میں نے ذرا سختی کا لہجہ اختیار کیا تو اس نے کام نہ ہو سکنے کا عذر پیش کیا۔ اس سے دوبارہ نیا وعدہ لے کر میں جب وہاں سے واپس لوٹنے لگی تو اس نے مجھے وہیں قیام کے لئے کہا، میرے انکار پر وہ بدتمیزی پر اتر آیا۔ اس کی نیت میں کھوٹ دیکھ کر میں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو وہ مجھ پر

جھپٹ پڑا۔ اسی لمحے میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا حماقت ہوگی لہٰذا میں نے اپنا خنجر اس کے جسم میں اتار دیا۔ وہ زخم کھا کر پیچھے کی جانب ہٹا تو میں تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ میں اس وقت سخت گھبراہٹ کی شکار تھی کہ راستے میں مجھے یہ سپاہی مل گئے۔ انہوں نے جب مجھے یہ بتایا کہ میرے باپ کو قتل کر دیا گیا ہے تو میں شدید صدمے سے دوچار ہوگئی۔ اسی دوران ان میں سے کسی کی نگاہ میرے کپڑوں پر موجود خون کے دھبوں پر پڑی تو انہوں نے اس کے بارے میں وضاحت طلب کی۔ میں بوکھلاہٹ، خوف اور صدمے کی شکار تھی لہٰذا میں انہیں کوئی جواب نہ دے سکی۔ اب وقت آگیا ہے کہ اصلیت کو کھول دیا جائے تاکہ جس کسی نے بھی میرے باپ کو قتل کیا ہے اسے گرفتار کیا جائے اور اسے سزا دی جائے۔ میں نہیں جانتی کہ سردار مانجی خان میرے خنجر کے وار سے ہلاک ہو چکا ہے یا محض زخمی ہوا ہے۔ میرے لئے آپ جو سزا تجویز کریں گے مجھے منظور ہے''۔

گل وقوژ چپ ہوگئی تھی۔ سب لوگ اس کی باتیں سن کر انگشت بدنداں تھے۔ اگر گل وقوژ نے اپنے باپ کو قتل نہیں کیا ہے تو پھر تونائی خان کو کس نے قتل کیا ہے؟ منگول منصف نئی صورتِ حال سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس نے کوتوال کو ہدایت کی کہ وہ اس مقدمے کی دوبارہ تفتیش کرے اور لڑکی کے بیان کے مطابق ازقائی قبیلے میں مانجی خان کی بابت تمام حالات معلوم کئے جائیں۔ تمام تحقیقات مکمل ہونے پر ہی دوبارہ مقدمہ پیش کیا جائے۔ گل وقوژ کو ابھی نظر بند رکھا جائے۔ اس معاملے کی مکمل چھان بین کے بعد ہی اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ منگول منصف کے فیصلے کے بعد کوتوالِ شہر نے گل وقوژ کو دوبارہ تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ وہ اب نئے خطوط پر قتل کی تحقیقات کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

خیمے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سب لوگ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ ایسے حالات میں کیا کیا جائے؟ سلطان ملک الصالح نجم الدین ایوب کی اچانک وفات سے کئی مسائل سر اُٹھاتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامنے طاقتور صلیبی لشکر خیمہ زن تھا جو کہ فیصلہ کن معرکہ لڑنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ بلادِ مصر سے لے کر ارضِ مقدس تک ایک طاقتور نصرانی مملکت کا قیام اس کا عزم تھا۔ نجم الدین ایوب نے اپنے دس سالہ عہد حکومت میں حکومتی ڈھانچے کو مضبوط بنائے رکھا تھا۔ اس نے اندرونی شورشوں کو دبانے کے ساتھ ساتھ ایوبی خاندان کے شہزادوں اور سلطانوں کو مٹھی میں لے رکھا تھا۔ ان میں سے بیشتر ایسے لوگ تھے جو کہ اپنی حکمرانی کی خواہش دل میں لئے پھرتے تھے۔ ایسے وقت میں نجم الدین ایوب کی وفات ان کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر سکتی تھی۔ نصرانی لشکر کی موجودگی میں ان ایوبی شہزادوں کا انتشار اسلامی سلطنت کو ناقابلِ یقین حد تک مشکلات سے دوچار کر سکتا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے سلطان نجم الدین ایوب کے خیمے پر کڑا پہرہ لگا دیا تھا۔ خاص معتمد افراد ہی خیمے میں داخل ہو سکتے تھے۔ بیبرس، نجم الدین ایوب کا خاص غلام ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حفاظتی دستے کا امیر بھی تھا۔ یہ ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈالی گئی۔ وہ خود صدمے سے نڈھال ہوا جا رہا تھا۔ اس کے شفیق اور مہربان آقا کا سایہ اس کے سر سے ہمیشہ کے لئے اُٹھ چکا تھا۔ وہ اس بھری دنیا میں خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اسے خصوصاً ہدایت کی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے جذبات کو قابو میں رکھے بلکہ ہر ممکن کوشش کرے کہ سلطان کی وفات کی خبر کسی قیمت پر بھی اس خیمے سے باہر نہ نکل سکے۔ اسے ایسے امرأ اور رئیسانِ مصر و شام کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے کی بھی کھلی اجازت دے دی گئی تھی جو نجم الدین ایوب سے ملنے کی ضد کریں۔ بیبرس نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ پاتا۔ اس نے

آنسوؤں کو سمیٹنے کے لئے آنکھوں کی دکھن کا بہانہ کیا ہوا تھا کہ شاید ایسے ہی اس کے دل کا غبار نکلتا رہے۔ کئی امرأ نے اس کا بہانہ سن کر اسے آرام کرنے کا مشورہ بھی دیا مگر اس نے اپنے فرض سے کوتاہی مناسب نہ سمجھنے کا جواز پیش کر کے انہیں خاموش کر دیا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے سب سے پہلے بحری مملوک امرأ کے ساتھ، جو کہ نجم الدین ایوب کے قریبی ساتھی تھے، مشورہ کر کے نجم الدین ایوب کے جواں سال بیٹے توران شاہ کو بلوا بھیجا۔ توران شاہ ملکہ شجرۃ الدر کا سوتیلا بیٹا تھا۔ نجم الدین ایوب کے بعد یہی ایک ایسا نوجوان تھا جسے امورِ جہانبانی کی کسی حد تک سمجھ بوجھ تھی۔ ملکہ شجرۃ الدر کا حقیقی بیٹا خلیل کم عمری میں ہی علالت کے باعث وفات پا چکا تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو شاید ملکہ شجرۃ الدر تاجِ حکمرانی اس کے سر پر رکھنے کے بارے میں سوچتی۔ لشکر میں ابھی تک سلطان نجم الدین ایوب کی شدید علالت کی خبریں زیرِ بحث تھیں۔ سپاہی دن رات اپنے مہربان سلطان کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگتے۔ حکومتی امرأ اور رئیس نصرانی لشکر کی موجودگی کے باعث سخت بے چین تھے۔ انہیں ایسے میں سلطان سے ملاقات کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی مگر خیمے کے محافظ انہیں خیمے کے نزدیک بھی پھٹکنے نہ دیتے۔ ان کا بس یہی جواب تھا کہ یہ سلطان کا اپنا حکم ہے کہ انہیں مکمل آرام کی سخت ضرورت ہے لہٰذا انہیں آرام کرنے دیا جائے۔ ضرورت پڑنے پر وہ خود ہی ملاقات کریں گے۔

''ملکہ عالیہ.....!'' فارس الدین اقطائی مؤدب لہجے میں بولا۔ ''آخر ہم یہ کب تک چھپائیں رکھیں گے کہ سلطان اب دنیا میں نہیں رہے؟''

''اقطائی......! ہم سمجھتے ہیں کہ صورتِ حال بے حد تشویش ناک ہے مگر ہمیں یہ خبر تب تک پوشیدہ رکھنی ہے جب تک توران شاہ یہاں نہیں پہنچ جاتا''۔

''ملکہ عالیہ......!'' بہاء الدین زہیر بے تابی سے بولا۔ ''توران شاہ تو حصین کیفا میں ہے۔ اسے یہاں پہنچنے میں کم از کم بارہ دن لگ سکتے ہیں۔ دیگر امرأ بار بار سلطان سے ملنے کی ضد کر رہے ہیں انہیں ایسے کب تک روکا جا سکتا ہے؟ دوسرا سلطان کی میت کو فوری طور پر دفنانا ضروری ہے۔ زیادہ دن تک طبیب اُسے نہیں سنبھال سکے گا''۔

''تمہارا کہنا بجا ہے مگر میں اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتی۔ جب تک توران شاہ خود نہ پہنچ جائے سلطان کی میت کو دفنا دینا نئے فساد کو جنم دینے کے مترادف ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ امرأ کے مسائل کو آپ لوگ سن کر ان کی تشفی کرتے رہیں تاکہ انہیں سلطان سے ملاقات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو''۔

''ملکہ عالیہ......! یہ ممکن نہیں ہے۔ امرأ کا حلقہ ہماری بات سے مطمئن نہیں ہوتا۔ انہیں سلطان کے منہ سے جواب سننے کی عادت ہے۔ جب تک سلطان ان کے سامنے نہیں جائیں گے وہ ایسی ہی بے یقینی کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ اگر انہیں زیادہ دیر تک ملاقات سے روکا گیا تو ممکن ہے کہ کچھ فسادی امرأ افواہوں کا بازار گرم کر دیں۔ اس وقت کوئی بھی الٹی سیدھی افواہ مسلمان سپاہیوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے کافی ثابت ہو سکتی ہے''۔ احمد طولائی نے کہا۔

''ایسے حالات میں تو میں صرف اتنا ہی کر سکتی ہوں کہ سلطان کی میت کو نہایت خاموشی سے یہاں سے ہٹا دیا جائے اور لشکر میں یہ مشہور کر دیا جائے کہ طبیب کے مشورے کے باعث انہیں دس بارہ دن کے لئے منصورہ کے سرکاری طبیب خانے میں منتقل کر دیا گیا ہے، یہاں کی آب و ہوا انہیں موافق نہیں''۔

''یہ خیال بالکل صحیح ہے''۔ رئیس العساکر جاشنگیر ایبک نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اس طرح امرأ میں بددلی پھیلنے کا اندیشہ ٹل جائے گا۔ بس یہ حکم سنانا پڑے گا کہ سلطان کی سختی سے ہدایت ہے کہ کوئی فرد میدان جنگ

سے اتنی دیر تک نہیں ہٹ سکتا، جب تک سلطان صحت یاب ہو کر واپس نہ لوٹ آئیں۔ اس طرح امراء کا غول ان کے تعاقب میں منصورہ جانے سے بھی گریز کرے گا۔ ایک چھوٹا سا دستہ سرکاری طبیب خانے میں تعینات کر دیا جائے تا کہ کسی کو شک بھی نہ ہو سکے اور دوسرا چند سپاہیوں کو اس مقام پر عام لباس میں مقرر کر دیا جائے جہاں سلطان کی میت رکھی جائے گی تا کہ کسی کو شک بھی نہ گذرے اور حالات ہمارے قابو میں رہیں''۔

''ملکہ عالیہ......!'' ابوخولید نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ ''میرے منہ میں خاک، خدانخواستہ نصرانی لشکر نے ان حالات میں حملہ کر دیا تو پھر کیا کیا جائے گا......؟''

''غلام زادے......!'' رئیس العساکر جاشنگیر ایک طنزیہ لہجے میں گویا ہوا۔ ''کڑے حالات میں بھی ہم دشمن کا منہ توڑ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں''۔

''امیر عساکر......! مجھے سپاہوں کی صلاحیتوں پر کوئی شک نہیں مگر سپاہی سلطان کو اپنے ساتھ دیکھ کر پر جوش ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کے لئے پہلا موقعہ ہوگا کہ وہ سلطان کو اپنے ساتھ نہیں پائیں گے''۔

''تم لوگ اس مسئلے پر آپس میں بحث مت کرو۔ میں جنگ کے معاملے کو اتنی دیر تک سنبھال لوں گا جب تک نئے سلطان کا تقرر نہیں ہو جاتا''۔ بہاء الدین زہیر نے بدمزگی پیدا ہوتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ ملکہ شجرۃ الدر ان دونوں افراد کے درمیان مداخلت کرنے والی تھی کہ بہاء الدین زہیر کی بات سن کر وہ خاموش رہی۔ کڑواہٹ والا موضوع ختم ہو گیا تو ملکہ شجرۃ الدر نے جنگ اور سپاہیوں کے حوالے سے کچھ حکم جاری کئے اور یہ طے پایا کہ میت کو آج رات ہی منصورہ کی جامع مسجد میں پہنچا دیا جائے۔ توران شاہ کی آمد پر اسے فوراً قاہرہ لے جایا جائے اور کفن دفن کا اہتمام کیا جائے۔ میدان جنگ کے معاملات کو نیا سلطان خود سنبھال لے گا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین درّے کے الٹی جانب کئی میل دور نکل آیا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا ایک چٹیل پہاڑ پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں سے دوسری جانب کا منظر اسے دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر دوسری جانب پھیلے ہوئے پتھریلے میدان میں نگاہ دوڑائی جہاں کہیں کہیں سبزہ موجود تھا۔ اس کی نگاہ گھومتی ہوئی ایک خاص مقام پر ٹھہر گئی اور وہ چونک کر اس مقام کو غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ خیموں کا جھرمٹ تھا جو کہ کافی فاصلے پر اسے دھندلے دھبے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو ہاتھ سے ڈھانپ کر ان خیموں کو صحیح طرح دیکھنے کی کوشش کی۔ اچانک اسے اپنے رگ و پے میں بجلی کی سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ وہ پہچان گیا تھا کہ ان خیموں کی بناوٹ منگولوں کے خیموں جیسی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیا وہ واقعی منگولیانہ ریاست کے قریب پہنچ گیا ہے۔ ان خیموں میں منگولوں کا کون سا قبیلہ ہو سکتا تھا، اس بارے میں کچھ اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مطیع الدین نے گھوڑے کی پیٹھ تھپتھپائی اور کچھ لمحوں کے لئے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اس چٹیل پہاڑ پر چڑھتے وقت سوچ رہا تھا کہ گھوڑے کو آرام ملنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھوڑے سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ سرائے تک پیدل پہنچنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔ اگر وہ قبیلہ انسانیت سے روشناس ہوا تو ممکن ہے کہ اسے کچھ دنوں کے لئے سہارا مل جائے اور سرائے کی جانب جانے والے صحیح راستے کا پتہ بھی چل جائے۔ وہ ایک بڑے پتھر سے ٹیک لگا کر سستانے لگا۔ اسی لمحے اچانک اس کے ذہن میں تاتاری باشندوں کا خیال کوندا۔ وہ اس کی تلاش میں تعاقب کرتے ہوئے کہاں تک پہنچ چکے ہوں گے۔ اس نے اپنی گردن جیتالی سرزمین کی جانب دوڑائی۔ وہ بڑے انہماک سے دور تک مشاہدہ کر رہا تھا کہ کہیں کوئی حرکت ہو تو اس کی نگاہ میں آ جائے۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔ اسے تاتاری سردار کا کھوکھلا دعویٰ یاد آنے لگا جو کہ اسے اپنا شکار بنانے کا منصوبہ بنائے کہیں

بھٹک رہا ہوگا۔ اچانک اسے پہاڑ کی ایک جانب سے کسی قسم کی حرکت کا احساس ہوا اور وہ تیزی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے پُرسکون چہرے پر سراسیمگی پھیلنے لگی۔ اس نے تلوار نیام سے نکال کر دائیں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لی تھی۔ وہ قدرے جھکے ہوئے انداز میں اس جانب بڑھ گیا جہاں حرکت کا شبہ ہوا تھا۔ وہ جگہ پہاڑ سے نیچے کی جانب جانے والا کوئی راستہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ذہن میں تاتاری قبیلہ چھایا ہوا تھا۔ وہ منگول قبیلے کی جانب جانے سے پہلے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے خود کو تیار کر چکا تھا۔ وہ سست روی سے اس نیچے جانے والے رستے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کی نگاہیں پوری طرح چوکنا تھیں اچانک اسے اپنے جسم پر پہاڑ گرتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ جو کچھ بھی تھا اُس کی عقبی جانب سے جسم پر آن پڑا تھا۔ مطیع الدین اس بوجھ سے غیر متوازن سا ہو گیا اور لڑکھڑاتے ہوئے گر گیا۔ وہ پہاڑ سے نیچے کی جانب جانے والے رستے پر قلابازیاں کھانے لگا۔ اچانک کسی پتھر سے اس کا سر ٹکرایا اور اس کے ہوش و حواس گم ہونے لگے۔ مطیع الدین نے بڑی کوشش کی کہ وہ سنبھل جائے اور خود کو تاریکی کے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لے مگر وقت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

قابع ارسفند منصورہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی عمر قریباً اڑتیس برس تھی۔ اس کی تمام زندگی محنت و مشقت کی چکی پیستے گذری تھی۔ وہ خوشحال گھرانے کا فرد تو تھا نہیں کہ کچھ عرصہ اچھے دن دیکھ پاتا۔ اس کے پاس کوئی ہنر بھی نہیں تھا کہ کوئی صحیح راہ متعین کر پاتا۔ اسی لئے اُس نے دھوکا دہی اور فریب کا پیشہ اپنا لیا تھا۔ وہ دولتمند و متمول لوگوں کے لئے مختلف مقدمات میں جھوٹی شہادت فراہم کرتا اور بددیانت امراء کے پاس چند ٹکوں کے لئے اپنا ایمان بیچ ڈالتا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس کا گھر منصورہ کی جامع مسجد کے بالکل سامنے تھا۔ مسجد کے واعظ بھی اسے راہِ راست پر نہ لا سکے۔ وہ جب انہیں سنا کرتا تو حقارت بھری مسکان سے انہیں فریب اور سراب کے نام دیتا۔ وہ جامع مسجد کے امام اور مؤذن کو اپنے سے بڑا فریبی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ فریبی لوگوں کو بہلا پھسلا کر ان کا مال بٹورتے ہیں، اور تو اور حکومت سے بھی سرکاری وظیفے حاصل کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی ''مستحق'' کے لئے جھوٹ بول کر اسے فائدہ پہنچا دیتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔ وہ جھوٹ گھڑتا ہے تو کسی کی بھلائی کے لئے، انہیں بیوقوف بنانے کے لئے تو نہیں۔ یہ اس کا اپنا فلسفہ تھا۔

وہ کئی دن سے کچھ اجنبی لوگوں کو مسجد کے صحن در دروازے پر دیکھ رہا تھا۔ ان کی دن رات وہاں موجودگی اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ تجسس سے کئی بار ان کے قریب پہنچا اور ان سے وہاں ٹھہرنے کا مدعا پوچھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مسافر کہہ کر اسے ٹال دیا مگر وہ ان کے بیان سے مطمئن نہیں ہو سکا۔ اسے یقین تھا کہ جامع مسجد میں ان لوگوں کی موجودگی کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال پنپ رہا تھا کہ یہ لوگ کسی نہ کسی سازشی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ کسی خاص مہم پر یہاں آئے ہیں۔ اس نے حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوتوالی میں بھی ان لوگوں کی شکایت کی مگر الٹا کوتوالی کے امیر نے اسے سختی سے ڈانٹ پلائی کہ اسے اس معاملے میں دلچسپی لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ کوتوال شہر کے غیر تسلی بخش رد یے نے اس کے شک کو مزید پختہ کر دیا تھا کہ واقعی کوئی بڑی گڑبڑ ہے۔ حالات ویسے نہیں ہیں جیسے وہ سمجھ رہا تھا۔ یہ معاملہ اس کی سمجھ سے بالاتر بنتا جا رہا تھا۔ پھر اُس دن تو وہ واقعی چونک اُٹھا جب ایک بوڑھا شخص وہاں مستقل ہی مقیم ہو گیا۔ وہ بوڑھا شخص مسجد کے حجرے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے سارا سارا دن وہیں بیٹھا رہتا۔ بس نماز اور وضو کے لئے ہی وہ وہاں سے چند لمحوں کے لئے ہٹتا۔ جب وہ وہاں سے ہٹ جاتا تو اس کی جگہ ایک دوسرا آدمی لے لیتا۔ قابع ارسفند نے دو تین دن لگاتار مختلف اوقات میں ان کے معمول کا جائزہ لیا تو کچھ کچھ اس کی

سمجھ میں آنے لگا کہ اصل راز حجرے کے اندر موجود ہے جس کی حفاظت کی جارہی ہے۔ حجرے کے اندر کیا تھا؟ اسی بات کا پتہ لگانا اس کا مقصد بن گیا۔ یہ تجسس کا غلبہ ہی تھا کہ وہ پانچوں وقت باقاعدگی سے مسجد میں پہنچ جایا کرتا۔ نماز پڑھنا تو محض بہانہ تھا۔ بوڑھے شخص کے بارے میں جب اسے یہ پتہ چلا کہ وہ مسجد کے مؤذن کا باپ ہے اور آخری ایام بیٹے کے پاس گذارنے کے لیے وہاں آیا ہے تو اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بن گیا۔ بوڑھے شخص نے محافظوں کو قابع ارسفند کی جانب سے چوکنا رہنے کی ہدایت کر رکھی تھی مگر محافظ بوڑھے شخص کے شک پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ایک ہفتہ ایسے ہی گذر گیا۔ قابع ارسفند اپنے تجسس کی تسکین میں بری طرح ناکام رہا تھا۔ اس نے اجنبی افراد کی موجودگی کے اوقات کی مکمل فہرست بھی تیار کر لی تھی کہ کون سے وقت وہاں کون سا فرد موجود ہوتا ہے اور ان افراد کے مشاغل کیا کیا ہیں؟ علاوہ ازیں اس نے رات کے محافظوں کے اونگھنے کا مخصوص وقت بھی اپنی فہرست میں درج کر رکھا تھا۔ وہ اس عرصے میں کوئی سراغ پا سکتا تھا بس وہ بوڑھا شخص آڑے آجاتا تھا جو کہ رات بھر اونگھتے ہوئے معمولی سے کھٹکے سے چوکنا ہو جاتا تھا۔

سوموار کا دن تھا کہ اس کی لگاتار محنت رنگ لے آئی۔ وہ بوڑھا آج اسے شام سے ہی مسجد میں دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کے بارے میں پوچھا تو کسی نے جواب دیا کہ وہ کئی دن سے بیمار تھا اور طبیعت زیادہ بگڑنے پر اسے سرکاری طبیب خانے بھجوا دیا گیا ہے۔ قابع ارسفند نے رات کے دوسرے پہر تک اس کا انتظار کیا مگر وہ واپس نہیں لوٹا۔ جب اسے کامل یقین ہو گیا کہ بوڑھا شخص آج واپس نہیں آئے گا تو اس نے آج رات اس راز کا پتہ لگانے کا تہیہ کر لیا جو کئی دنوں سے اسے بے چین کئے ہوئے تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین کو منہ میں کسیلے ذائقے کا احساس ہوا تو اس کے حواس بیدار ہونے لگے۔ اس کے جسم کا حال کچھ ایسا تھا کہ جیسے کسی نے اسے چکی کے پاٹوں میں رکھ کر پیس ڈالا ہو۔ مطیع الدین کراہتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک اس کے ذہن کے پردے پر بے ہوشی سے پہلے کی ناگہانی صورت حال گردش کرنے لگی۔ اس پر کوئی بھاری بھرکم چیز گری تھی جس نے اس کا توازن بگاڑ ڈالا اور وہ پہاڑ کے زیریں رستے پر پٹخنیاں کھاتا ہوا گرتا چلا گیا تھا۔

اس نے گردن گھمانے کی کوشش کی تو گردن کی رگیں جھنجھنا اٹھیں۔ وہ محض کراہ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے جسم کی قوت کو بحال کرنے کی کوشش کی اور ہمت کر کے بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ بیٹھنے کے بعد اس نے نظریں گھمائیں تو حیرت سے لب کھلے رہ گئے۔ وہ پہاڑی کے اسی پتھر کے ساتھ ٹیک لگائے لیٹا ہوا تھا جہاں اسے کسی قسم کی حرکت کا احساس ہوا تھا۔ نیچے کی طرف جانے والا راستہ اسے اپنے سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ مطیع الدین نے دائیں بائیں بھی دیکھا مگر وہاں اُسے کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ تو نیچے گر گیا تھا، پھر اوپر کیسے آن پہنچا؟ یقیناً کوئی نہ کوئی ضرور یہاں موجود ہے۔ تھوڑی دیر میں کھڑا ہو چکا تھا۔ جسم میں شدید درد پھیلا ہوا تھا۔ کسی خیال کے پیش نظر مطیع الدین نے اپنے جسم کو ٹٹولا اور جسم پر کوئی زخم نہ پا کر مطمئن ہو گیا البتہ ہلکی پھلکی خراشیں گھٹنوں اور کہنیوں پر موجود تھیں۔ وہ اپنے جسم کو ہلکے پھلکے انداز میں حرکت دینے لگا۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ ابھی تک دشمن کی حدود میں ہے۔ قاڑی باشندے اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں کسی بھی وقت پہنچ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسے خود پر گرنے والی اس بھاری بھرکم چیز کو تلاش کرنا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں اس قابل ہو گیا کہ آسانی سے چہل قدمی کر سکتا تھا۔ مطیع الدین نے اپنے دائیں بائیں اس نامعلوم وزنی چیز کو تلاش کرنے کی بے حد کوشش کی مگر وہاں کچھ نہیں تھا۔ اچانک اسے اپنے گھوڑے کا خیال آیا۔ گھوڑے کا دور دور تک

پتہ نہیں تھا۔ گھوڑے کی غیر موجودگی نے اسے لمحہ بھر میں حواس باختہ کر ڈالا، گھوڑے کے بغیر تو سفر جاری رکھنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نے نگاہ اُٹھا کر سفید خیموں کے جھرمٹ کی جانب دیکھا تو قدرے اطمینان ہوا۔ خیموں کا جھرمٹ اپنی جگہ موجود تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قبیلے تک پہنچ کر مدد حاصل کر سکتا تھا۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ اسے اس قبیلے سے بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔

مطیع الدین نے اللہ کا نام لے کر پہاڑ سے نیچے اترنے کا عزم کیا اور منگول قبیلے کی جانب قدم بڑھا دیا۔ وہ اب دن ڈھلنے سے پہلے پہلے اس قبیلے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہ نیچے اترنے والے پتھریلے راستے پر سست روی سے رواں تھا۔ بکھرے پتھروں کے ریزوں پر کسی بھی وقت پھسل جانے کا امکان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نہایت احتیاط برت رہا تھا۔ اچانک عقبی جانب سے بلند ہونے والی ایک تیز آواز نے اسے چونکا دیا، مطیع الدین مشینی انداز میں عقبی جانب گھومتا چلا گیا، پہاڑ کی سطح کافی دور تھی مگر جو کچھ اسے وہاں دکھائی دے رہا تھا، اس کی سٹی گم کر دینے کے لئے کافی تھا۔

❀ ❀ ❀

قابع ارسفند نے خاموشی سے سیاہ لباس پہنا اور چہرے پر سیاہ رومال لپیٹا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ وقت ان محافظوں کے اونگھنے کا ہے۔ وہ انہی لمحات سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ وہ نہایت خاموشی سے اپنے کمرے کی بالکونی کے ذریعے جامع مسجد کے ساتھ برگد کے واحد درخت پر چڑھا۔ یہ درخت اس کے گھر کو مسجد سے ملانے کا کام کرتا تھا۔ وہ برگد پر جھولتا ہوا تھوڑی سی محنت کے بعد مسجد کی دیوار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مسجد کے صدر دروازے سے وہ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان دنوں مسجد کے صدر دروازے پر رات کے وقت بڑا سا قفل ڈال دیا جاتا تھا۔ دیوار پر پہنچنے کے بعد وضو خانے تک پہنچ گیا۔ وضو خانے کے قریب دو محافظ موجود تھے جو کہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔ شاید محافظوں کو یقین تھا کہ جامع مسجد میں بھلا رات کے وقت کس نے داخل ہونا ہے؟ جبکہ مسجد بھی بند تھی۔ قابع ارسفند پوری احتیاط برت رہا تھا۔ وہ آواز پیدا کئے بغیر فرش پر اتر آیا۔ وہ دائیں بائیں جائزہ لیتا ہوا حجرے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ حجرے کے پاس چھوٹی سی مشعل روشن تھی۔ مسجد میں اندھیرا اس قدر تھا کہ سیاہ لباس میں اس کا دکھائی دینا محال تھا۔ وہ حجرے کے دروازے کی اوٹ میں دیوار کے ساتھ لگا کچھ دیر تک یونہی کھڑا رہا۔ جب اسے کسی قسم کا کھٹکا محسوس نہ ہوا تو اس نے دھیرے سے دروازے کو اندر کی جانب دھکیلا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ قابع ارسفند کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ وہ دروازے سے ہٹ کر کچھ دیر تک دبکا رہا کہ اگر کوئی اندر موجود ہے تو وہ باہر نکل آئے۔ مگر جب دیر تک کوئی جواب نہ ملا تو اس نے ہمت کر کے حجرے کے دروازے کو مکمل طور پر کھول دیا اور سرعت کے ساتھ اندر گھس گیا۔

حجرے کے اندر پہنچ کر اس نے اپنی آنکھوں کو اچھی طرح جھپکا۔ حجرہ مکمل طور پر تاریک تھا۔ اُس نے کچھ دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی سعی کی مگر کچھ دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس راز کو جاننے کے لئے وہ وہاں پہنچا تھا، وہ ابھی تک اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے آخری داؤ کے طور پر باہر لگی ہوئی مشعل اندر لانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اب خود کو ہر قسم کے حالات سے نبٹنے کے لیے تیار کر چکا تھا۔ وہ حجرے سے باہر نکلا اور محافظوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے آہستہ سے مشعل اتاری اور پھر تیزی سے مشعل سمیت حجرے میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچتے ہی اس کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا۔ وہاں ایک چارپائی پر کوئی شخص سفید چادر لپیٹے سو رہا تھا۔ پل بھر کے لئے تو قابع ارسفند کی سٹی گم ہو گئی تھی۔ اس نے سوئے ہوئے شخص میں کوئی حرکت نہ پا کر اپنی ہمت کو دوبارہ مستحکم کیا اور دبے پاؤں اس کے قریب پہنچا۔ اچانک اسے عجیب سا احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر حجرے کے گرد طرح طرح کی

حرکتیں کر رہا تھا پھر بھی اس سوئے شخص کی آنکھ نہیں کھلی۔ پھر جب وہ مشعل حجرے میں لے آیا تو بھی اس کے جسم میں کسمساہٹ پیدا نہیں ہوئی۔ اس نے مشعل دیوار کے طاق پر ٹانگی اور اس سوئے شخص کے سر کی جانب پہنچ گیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے تقریباً کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چادر کا کنارہ سرکایا۔ سر کے بال اسے دکھائی دینے لگے۔ وہ ٹھہر کر جوابی ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ کسی حرکت کو نہ پا کر اس نے سفید چادر کو اتنا سرکا ڈالا کہ اب چہرہ بھی صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا نہایت گہری نیند سویا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ قدرے جھک کر اس شخص کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ قابع ارسفند نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا سکوت اور جلد کی سفیدی دیکھ کر وہ کچھ خوفزدہ سا ہونے لگا۔ پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ سوئے ہوئے شخص میں زندگی کی رمق باقی نہیں ہے۔ اس نے تنفس کی آمد و رفت محسوس کرنے کے لئے اپنا ہاتھ دھیرے سے اس کی ناک کے پاس کیا مگر سانس ہوتی تو اس کے ہاتھ سے ٹکراتی۔ جب اسے مکمل یقین ہو گیا کہ یہ لاش ہے تو ایک لمحے کے لئے اسے شدید خوف محسوس ہوا لیکن فوراً ہی اس کا تجسس خوف پر غالب آ گیا بلکہ تجسس سے زیادہ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ ایک لاش کی اتنی کڑی حفاظت کی کیا ضرورت ہے اور دوسرا اُسے دفن کرنے کے بجائے یہاں رکھنے کی کیا تک ہے؟ اب وہ بے فکری سے اس لاش کا جائزہ لینے لگا۔ جب اس کی نگاہ لاش کے ہاتھ میں پہنی ہوئی قیمتی انگوٹھیوں پر پڑی تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اس نے تیزی سے ایک قیمتی انگوٹھی اتار لی۔ وہ چاہتا تو تمام انگوٹھیاں اتار سکتا تھا مگر اس نے ایک ہی انگوٹھی کو غنیمت سمجھا تھا۔ اچانک اسے کسی کھٹکے کی آواز سنائی دی تو وہ بوکھلا اٹھا۔ اس نے تیزی سے سر باہر نکال کر دیکھا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی مسجد کے باہر موجود ہے۔ یکایک بوڑھے شخص کا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ عجلت میں حجرے سے باہر نکلا اور تقریباً بھاگتے ہوئے وضو خانے کی جانب بڑھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ محافظ گہری نیند سو رہے تھے۔ دیوار میں بنے طاقچوں میں سے ایک پر پاؤں جما کر وہ دیوار پر چڑھا اور احتیاط سے بڑھتا ہوا برگد کے درخت تک پہنچ گیا۔ اسی لمحے مسجد کے صدر دروازے کے کھلنے کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے جان بچ جانے پر شکر ادا کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ اپنی بالکونی میں موجود کھڑا گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے اپنی کھڑکی کی درز میں سے مسجد کی جانب نگاہ ڈالی۔ اس کے اندازے کے مطابق بوڑھا شخص ہی وہاں پہنچا تھا جو کہ محافظوں پر برستا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مسجد میں کھلبلی مچی محسوس کر کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے پہلی فرصت میں لاش کے ہاتھ سے اتاری قیمتی انگوٹھی کو فرش کے چور خانے میں محفوظ کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

توران شاہ سلطان نجم الدین کے حکم پر حصین کیفا آیا تھا۔ یہاں کے امیر نے بغاوت کا علم بلند کر دیا جس پر سلطان نجم الدین ایوب نے ایک لشکر کے ساتھ اسے اس باغی امیر کی سرکوبی کے لئے یہاں بھیج دیا۔ باغی امیر کو شکست دینے کے بعد اسے گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا۔ پھر اسے یہ حکم موصول ہوا کہ وہ حصین کیفا میں ہی رُکے اور وہاں کا انتظام سنبھال لے۔ جب اسے صلیبی لشکر کی آمد کا علم ہوا تو اس نے اپنے باپ سلطان نجم الدین کی خدمت میں عرض پیش کی کہ یہ مہم اسے سونپی جائے لیکن سلطان نجم الدین ایوب نے اُسے وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر خود صلیبی لشکر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جب اسے اطلاع ملی کہ منصورہ میں اس کا باپ شدید علالت کے باعث وفات پا چکا ہے اور صلیبی لشکران کے سامنے خیمہ زن ہے، علاوہ ازیں ملکہ شجرۃ الدر کی خواہش ہے کہ سلطانی کا بار اس کے کندھوں ڈال دیا جائے تو اس نے اپنے مملوک امرا کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے فوری روانگی کا حکم دیا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ سلطان نجم الدین ایوب کے امرا میں ان مملوکوں کی تعداد زیادہ تھی جو بحری مملوک کہلاتے تھے جبکہ توران شاہ کے امرا میں مملوکوں کا وہ گروہ شامل تھا جو برجی مملوک کہلاتے تھے۔ برجی مملوکوں میں سب سے قابل اور معزز امیر برکیارک تھا۔ اسے توران شاہ کا دست راست کہا جاتا تھا۔ برکیارک نے توران شاہ کو اس طرح اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا کہ کئی معاملات میں خود فیصلے سنا دیا کرتا اور توران شاہ چاہتے ہوئے بھی اس کے فیصلوں پر کوئی مزاحمت نہ کر پاتا۔ برکیارک بے حد ذہین اور زمانہ شناس شخص تھا۔ اس نے بہت پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ سلطان نجم الدین ایوب کے بعد کوئی طاقت توران شاہ کو سلطان بننے سے روک نہیں سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ توران شاہ کے ساتھ رہا۔

سلطان نجم الدین ایوب کی وفات کی خبر سن کر اسے عجیب سی مسرت ہوئی پھر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ توران شاہ کو نئے سلطان کے طور پر نامزد کر دیا گیا ہے اور تاجپوشی کے لئے فوری طور پر منصورہ میں بلایا گیا ہے تو اس کی عجلت دیکھنے کے لائق تھی۔ تقریباً پندرہ ہزار سپاہ کے لشکر کے ساتھ توران شاہ حصین کیفا سے نکلا اور برق رفتاری سے منصورہ کی راہ لی۔ اس کے ہمراہ سپاہ کا جو لشکر تھا اس میں نو ہزار سے زیادہ برجی مملوک شامل تھے۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ تیز رفتاری سے شمالی سرحد کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کا ہدف ضرگامی قبیلہ تھا جس کی سرکوبی کی ذمہ داری اس کے بھائی باتو خان نے اسے سونپی تھی۔ اس کے ساتھ سفر کرنے والا لشکر اس کی اس عادت سے نالاں تھا کہ برقائی خان مختصر وقفوں کے بعد پڑاؤ ڈالنے کے بجائے مسلسل سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا جبکہ سپاہ کو تھوڑے تھوڑے سفر کے بعد آرام کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔ وہ طوعاً و کرہاً اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

برقائی خان سپاہ کے حال سے بھی خوب واقف تھا۔ وہ زیر لب ان کی ناگفتہ بہ حالت پر مسکراتا رہا اور اپنا سفر بھی جاری رکھا۔ وہ سپاہ کو مضبوط اور ہر دم توانا دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ چنگیز خان کی رفات کے بعد سپاہ کو کوئی ایسا بڑا معرکہ میسر نہیں آ پایا تھا کہ ان کی پھرتی و چستی برقرار رہ پاتی۔ چھوٹے چھوٹے معرکوں نے انہیں نکما کر ڈالا تھا۔ برقائی خان اپنے ساتھ رہنے والی سپاہ کو از سر نو منظم اور پہلے جیسا توانا بنانے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ ضرگامی قبیلے کو بے خبری کے عالم میں گرفتار کرنے کا پختہ ارادہ کر چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی سپاہ کو قیام کے لئے بے حد کم وقت فراہم کرتا۔ اسے اس بات کا خوف تھا کہ لشکر کی آمد کی اطلاع قبل از وقت ضرگامی قبیلے کو نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ پہاڑوں میں گم ہو جاتے اور پہاڑوں میں ان کو تلاش کرنا اور جنگ کرنا سپاہ کے حق میں بہتر نہیں تھا۔

کئی روز کے طویل سفر کے بعد وہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں ضرگامی قبیلے کے پڑاؤ کی اطلاع ملی تھی۔ وہاں جلی ہوئی لکڑیوں اور بکھری ہوئی بے کار اشیاء کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ برقائی خان نے اس جگہ کا بغور جائزہ لیا تو اسے یہ اندازہ لگانے میں ذرا مشکل نہیں ہوئی کہ ضرگامی قبیلہ اس جگہ کو کچھ دن پہلے تک استعمال کرتا رہا تھا۔ اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یا تو اسے منگول لشکر کی آمد کی بھنک پڑ گئی تھی جس کے باعث وہ یہاں سے کہیں اور روانہ ہو گیا تھا یا وہ اپنی مرضی سے خوراک کی تلاش میں آگے کی جانب نکل گیا ہے۔ برقائی خان خود گھوم پھر کر اس جگہ کو جانچنے میں مصروف تھا کہ اسے سپاہ میں موجود ایک کھوجی نے یہ اطلاع پہنچائی کہ اس نے ضرگامی قبیلے کے کوچ کی سمت تلاش کر لی ہے۔ برقائی خان اس کے ساتھ اس جگہ پہنچا جہاں کچھ ایسے نشانات ابھی تازہ تھے جو ضرگامی قبیلے کے سفر کی سمت کا اشارہ دے رہے تھے۔ برقائی خان نے لشکر میں موجود اس علاقے سے آشنائی رکھنے والے افراد کو طلب کیا اور اس سمت کے متعلق ضروری معلومات حاصل کیں۔ جب اسے یہ معلوم ہوا

کہ یہ رستہ جینانی سلطنت میں داخل ہونے والے واحد درے کی جانب جاتا ہے تو اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔ جینانی سلطنت کے زاردوں کی منگولوں سے ذرا بھی نہیں بنتی تھی۔ منگولوں اور ان کے درمیان طویل سنگلاخ سرخ پہاڑی سلسلے کی دیوار ہی امن وامان کو قائم رکھے ہوئے تھی۔ چنگیز خان جب زندہ تھا تو صرف ایک بار اس پہاڑی سلسلے کو عبور کیا گیا تھا۔ دوبارہ اس جانب جانے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

برقائی خان نے اپنے لشکر کو ایک طویل صف میں آراستہ کیا اور جینانی سلطنت کی جانب پیش قدمی کرنا شروع کردی۔ برقائی خان کو ضرگاہی قبیلے کے ساتھ ساتھ جینانی لشکر سے مبارزت کا بھی اندیشہ تھا۔

تمام دن کی مسافت کے بعد برقائی خان ضرگاہی قبیلے کے نئے ٹھکانے تک پہنچ گیا۔ اسے دور سے ہی سفید خیموں کا جھرمٹ دکھائی دیا تو اس نے سپاہ کی پیش قدمی روک دی اور پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ لشکر تمام دن ضرگاہی قبیلے کی تلاش میں سفر کرتے ہوئے تکان محسوس کر رہا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ برقائی خان کہیں اسی وقت حملے کا حکم نہ ٹھونس دے۔ خیمے لگانے میں خاصا وقت لگا۔ شام ہو چکی تھی۔ برقائی خان سوچ رہا تھا کہ وہ ضرگاہی قبیلے کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے، ممکن ہے کہ انہیں منگول لشکر کی آمد کا پتہ چل جائے اور وہ رات کی تاریکی میں ہی فرار ہو جائیں۔ اس کی باریک بین نگاہوں نے لشکر کی خستہ حالی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اسی لئے پڑاؤ کا حکم دیا گیا تھا۔ اگلی صبح تک سپاہ یقیناً تازہ دم ہو چکی ہوں گی۔ رات کے پہلے پہر میں برقائی خان کے خیمے میں اطلاع پہنچی کہ ضرگاہی قبیلے کا سردار دیگر عمائدین کے ہمراہ شرف باریابی کا طلب گار ہے تو برقائی خان حیران رہ گیا۔ وہ ضرگاہی قبیلے کی سرکوبی کے لئے اتنا سفر طے کرکے آیا تھا اور یہاں ماجرا ہی کچھ اور تھا۔ برقائی خان نے سپاہی کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو اس کے خیمے میں بھیج دیا جائے۔ سپاہی حکم پا کر باہر نکل گیا اور برقائی خان یکایک پیدا ہونے والی نئی صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔

❀ ❀ ❀

ابوخویلد بے تابی اور تیز رفتاری سے جامع مسجد منصورہ کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اندر پہنچا۔ اندر پہنچنے پر اس کی نگاہ ایک محافظ پر پڑی جو کہ سر جھکائے غافل سا کھڑا تھا۔ ابوخویلد اس کے قریب آیا اور ایک زوردار چانٹا اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ محافظ ابوخویلد کی صورت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ چانٹے سے زیادہ ابوخویلد کی شخصیت کا خوف اس کے چہرے پر طاری تھا۔

''ہیرس کہاں ہے؟''

''اس طرف اندر!''

ابوخویلد نے اس پر تیز نگاہ ڈالتے ہوئے مسجد کے اندرونی حصے کی راہ لی۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا مسجد کے حجرے کے پاس پہنچ گیا۔ حجرے کے قریب موجود بوڑھے شخص نے اس کی صورت دیکھی تو وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ ابوخویلد ابھی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ ہیرس کی صورت اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مسجد میں چند ایک لوگ موجود تھے جو کہ نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوخویلد نے مڑ کر دروازے کی جانب نگاہ دوڑائی، وہاں ایک محافظ کھڑا تھا۔ بوڑھا شخص نحیف قدموں سے ابوخویلد کی جانب بڑھا۔ ابوخویلد بوڑھے شخص کو اپنی جانب آتا دیکھ کر تیز نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ وہ بوڑھا اس کے بالکل نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ابوخویلد اب استفسارانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''استاد محترم! میں کل کے واقعے پر بے حد نادم ہوں، نادانی کے مرتکب محافظوں کو کوتوال کے پاس پہنچا دیا گیا ہے تاکہ حالات کی مناسبت سے ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔'' وہ بوڑھا شخص گمبھیر آواز میں بولا۔ اس کی آواز سن کر ابوخویلد کا چہرہ حیرت کی تصویر بنا دکھائی دینے لگا۔ وہ بلاشبہ ہیرس کی ہی آواز تھی مگر دکھائی دینے والا چہرہ کسی اور کا تھا۔

''تت... تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟'' ابوخویلد حیران ہوتا ہوا بولا۔

''یہ وقت کا تقاضا ہی سمجھئے، میں نہیں چاہتا تھا کہ محافظ میری موجودگی سے باخبر ہیں۔ انہیں یہی معلوم ہو کہ میں یہاں موجود نہیں ہوں اور میں آقا کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کی حرکات وسکنات کا جائزہ بھی لیتا رہوں۔''

''مگر کل یہ سب کیسے ہوا؟''

''مجھے کوتوال نے خبر دی تھی کہ دو امیر سلطان سے ملنے کے لئے طبیب خانے آن پہنچے ہیں اور وہ کسی صورت بھی نہیں ٹل رہے ہیں تو میں طبیب خانے پہنچا اور ان امرا کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے جب بے حد اصرار کیا اور میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیا تو میں نے انہیں حکم سلطانی کے مطابق گرفتار کرکے نظر بند کرا دیا۔ بس اسی دوران میری غیر موجودگی کا کسی نے فائدہ اٹھایا۔''

''کچھ پتہ چلا کہ وہ کون ہو سکتا ہے اور اس کا یہ سب کرنے کا مقصد کیا تھا؟''

''میں نے بغور جائزہ لیا ہے، میرے خیال کے مطابق کسی عادی چور کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ جاتے ہوئے سلطان کی ایک انگوٹھی چرا کر لے گیا ہے۔ صرف ایک انگوٹھی چرانا کسی کم ظرف اور بزدل چور کی ہی علامت ہو سکتی ہے۔ میں نے کوتوال شہر کو خبردار کر دیا ہے کہ وہ تمام جوہریوں کے پاس جائے اور انگوٹھی کی بابت معلوم کرے۔ علاوہ ازیں شہر سے باہر جانے والے افراد کی تلاشی بھی لے۔''

''وہ بھلا اب کہاں ملے گا؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کل رات ہی شہر سے نکل گیا ہو۔''

''بہرحال میں اس کا پتہ لگا کر چھوڑوں گا۔ وہ چاہے پاتال میں کیوں نہ پہنچ جائے، اپنے کیے کی سزا ضرور پائے گا۔'' ہیرس کا لہجہ خونخوار ہونے لگا۔

''تمہارے ذمے جو کام لگایا گیا ہے اسے آنکھیں کھول کر انجام دو۔ آئندہ کوئی امیر طبیب خانے پہنچے گا اسے سیدھا زنداں خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ میں اس بارے میں کوتوال کو آگاہ کر دوں گا۔ تم اب یہاں سے اتنی دیر تک نہیں ہل سکتے جب تک نئے سلطان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔ ملکہ عالیہ کا حکم ہے کہ کسی صورت میں سپاہ یا امرا کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے ورنہ منصورہ کے میدان میں مسلمان زبردست شکست سے دوچار ہو جائیں گے۔''

ابوخویلد ایک ایک لفظ چبا کر ادا کر رہا تھا۔ ہیرس اس کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا، وہ اپنے چہرے پر ایسا تاثر طاری کئے ہوئے تھا جیسے کسی مذہبی مسئلے کا جواب سن رہا ہو۔ ابوخویلد اپنی بات مکمل کرکے تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ ہیرس نے مسجد میں موجود نمازیوں پر ایک بار پھر نگاہ ڈالی اور حجرے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

نمازیوں میں سے ایک آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھا، اپنی ٹوپی اتار کر بغل میں دبائی اور بوجھل قدموں سے باہر نکل آیا۔ ہیرس نے اسے باہر نکلتے ہوئے بغور دیکھا، وہ اسے پہچان گیا تھا کہ یہ وہی سامنے مکان میں رہنے والا تابع ارسفند تھا جو کہ کچھ دنوں سے اجنبی افراد کی کھوج لگانے میں مصروف تھا۔ اس کی بے جا معروفیت کا خیال آتے ہی ہیرس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہیرس کوتوال شہر کو خصوصاً اس شخص پر کڑی نظر رکھنے کا حکم پہلے دے چکا تھا۔ مسجد سے باہر نکل کر تابع ارسفند کے چہرے پر اطمینان چھا گیا تھا۔ وہ نماز کے بہانے

ان دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔ اسے اپنی تلاش کا واضح جواب مل چکا تھا کہ مسجد کے حجرے میں جس شخص کی لاش موجود تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ سلطان مصر ہی تھا۔ جس کی موت کو کسی وجہ سے پوشیدہ رکھنے کی سعی کی جا رہی تھی۔ وہ اب یہ سوچ رہا تھا کہ اس پوشیدگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟

❁ ❁ ❁

وہ چھوٹے قد کا خاصا فربہ منگول تھا۔ اس کا تعلق ضرگامی قبیلے سے تھا۔ اس کے والدین اس کے بے جا موٹاپے سے بے حد پریشان تھے۔ وہ گھر بھر کے کھانے کی اچھی خاصی مقدار چٹ کر جایا کرتا۔ بے ہنگم انداز میں اسے پاؤں اتنے زور سے پٹخنے کی عادت تھی کہ چھوٹے چھوٹے پتھر پس جایا کرتے۔ ضرگامی قبیلے کے لوگ اسے پپو کہہ کر چھیڑا کرتے۔ بھاری بھرکم ڈیل ڈول کے باوجود وہ بے حد خوش مزاج اور منکسار طبیعت کا مالک تھا۔ منگول روایات کے مطابق اسے شمشیرزنی اور دیگر فنون کی مکمل تربیت دی گئی تھی۔ وہ تربیت یافتہ تو نہیں تھا مگر اکثر اپنے وزن اور اضافی قوت کے سبب مقابلوں میں جیت جایا کرتا تھا۔ اس کا نام فوئنا جو خان تھا۔ اس کا باپ اس کی سے بے حد عاجز تھا۔ وہ اکثر و بیشتر اسے برا بھلا کہتا رہتا۔ اس نے فوئنا جو خان کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ روزانہ سامنے کے پہاڑوں پر پیدل چل کر جائے اور کسی نہ کسی جانور کو شکار کر کے اپنے کندھے پر اٹھا کر قبیلے میں لایا کرے تاکہ اس کی خوش خوراکی کا سامان پیدا ہو اور اس مشقت کے باعث اس کے وزن میں بھی کسی حد تک کمی ہو۔ ان پہاڑوں کے دوسری جانب جینانی سلطنت تھی جس کے بارے میں اسے سختی سے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اسے شکار کے پیچھے دوسری جانب اترنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے مگر جوانی کے جوش اور سیلانی طبیعت کے باعث اکثر وہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کر لیا کرتا۔ وہ اس دن ایک ریچھ کا تعاقب کرتے کرتے پہاڑ کی بالائی سطح پر آن پہنچا تھا۔ اس نے خنجر کے کنیلے وار سے ریچھ کو گھائل کر دیا تھا۔ فوئنا جو خان کے ساتھ ریچھ نے کافی دیر تک زور آزمائی کی۔ یہ تو فوئنا جو خان کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے بروقت ریچھ کے پیٹ میں خنجر گھونپ ڈالا۔ ریچھ جبلی طور پر دھینگا مشتی میں مصروف رہا جس کے باعث خنجر کے پھل نے اس کے پیٹ کو کافی گہرائی تک چاک کر دیا۔ پیٹ میں سے بدستور خون بہہ رہا تھا۔ تیزی سے ایک جانب بھاگ نکلا۔ فوئنا جو خان کو بخوبی اندازہ تھا کہ یہ ریچھ زیادہ دور تک نہیں جا پائے گا۔ اسی لئے وہ اس کے تعاقب میں نکل پڑا۔ وہ اپنے وزنی ڈیل ڈول کے باعث زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھا مگر وہ ریچھ کے پیٹ سے بہنے والے خون کی لکیر کے سہارے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ ریچھ پہاڑ کے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ بالائی سطح پر ایک دوسرے انسان کو موجود پا کر وہ غضبناک ہو گیا تھا۔ وہ شخص اس کی جانب پیٹھ کئے دوسری جانب کچھ دیکھنے میں مشغول تھا۔ ریچھ نے غصے کی حالت میں اس پر چھلانگ لگاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ وہ شخص بے خبری کے عالم میں اپنے توازن پر قابو نہ رکھ سکا اور منہ کے بل لڑھکنیاں کھاتا ہوا گہرائی میں گرتا چلا گیا۔ ریچھ نے پوری طاقت کو جمع کرتے ہوئے چھلانگ لگائی تھی، وہ بھی اپنے توازن کو بروقت سنبھال نہ سکا اور لڑھکتا ہوا ایک بڑے درخت سے جا ٹکرایا۔ زخمی ہونے کے علاوہ درخت کے ساتھ خطرناک ٹکر نے اسے دنیا سے ہمیشہ کے لئے بیگانہ کر دیا۔ اس کا سر ایک جانب ڈھلک گیا۔ فوئنا جو خان ہانپتا ہوا پہاڑ کی بالائی سطح پر پہنچا تو وہاں خون کے بکھرے چھینٹے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس مقام پر زخمی ریچھ کی کسی نہ کسی سے مڈبھیڑ ضرور ہوئی ہے۔ اسی لمحے اسے اپنے شکار کا خیال آیا۔ وہ تیزی سے آگے کی جانب بڑھا۔ اسے خدشہ تھا کہ یہاں موجود کوئی دوسرا فرد اس کے شکار پر قابض نہ ہو جائے۔ اس نے خون کی پھیلی ہوئی لکیر کے سہارے آگے بڑھ کر اس گہرائی کی جانب دیکھا تو اسے مردہ ریچھ درخت کے پاس گرا ہوا دکھائی دیا۔ وہ قدرے نیچے اتر کر اس کی جانب بڑھا تو اسے

گہرائی میں کسی شخص کی لاش دکھائی دی۔ وہ لاش دیکھ کر ٹھٹک رہ گیا، اس نے قیاس کیا کہ ممکن ہے کہ اسی شخص سے ریچھ کی آخری ملاقات ہوئی ہو اور زخمی ریچھ نے اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنا ڈالا ہو۔ ریچھ کے قریب پہنچ کر اس نے ریچھ کو خنجر کی نوک چبھو کر ہلایا جلایا، جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی مر چکا ہے تو اس کے ہونٹوں سے اطمینان کا سانس نکلا۔ ریچھ کو قریباً گھسیٹ کر وہ پہاڑ کی بالائی سطح تک لے آیا۔ یہ چھوٹا سا عمل تھا مگر اس کی سانس یوں پھول رہی تھی جیسے وہ صدیوں کا سفر طے کر کے آیا ہو۔ فوئنا جو خان نے چند لمحے ایک پتھر پر بیٹھ کر سانس لی۔ اسی اثناء میں اسے گہرائی میں پڑی لاش کا خیال آیا۔ اس کے دل میں ہمدردی کا جذبہ عود کر آیا۔ وہ دھیمے قدموں سے گہرائی میں اترتا چلا گیا۔ گہرائی میں موجود شخص کی سانس چل رہی تھی۔ البتہ وہ بے ہوش تھا۔ فوئنا جو خان نے اس کے جسم کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس کی کمر پر خون کے دھبے دکھائی دیے جو کہ ریچھ کے خون کے ہی تھے۔ اس نے کمر عریاں کر کے دیکھی تو وہاں کوئی زخم موجود نہیں تھا۔ بے ہوش شخص کے جسم پر ہلکی پھلکی خراشیں تھیں۔ اس نے بے ہوش شخص کو کندھے پر اٹھایا اور اوپر کی جانب چل پڑا۔ اسے آج پہلی بار کسی شخص کو کندھے پر اٹھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشگواری کا احساس ہوا کہ کسی زندہ یا بے ہوش صحت مند شخص کا وزن اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ بے ہوش شخص کو یوں اٹھائے چل رہا تھا جیسے اس نے کوئی بچہ اٹھا رکھا ہو۔ پہاڑ کی بالائی سطح پر پہنچ کر اس نے ایک پتھر کے ساتھ اسے نرمی سے لٹا دیا۔ اسی لمحے اسے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا، کچھ پرے ایک گھوڑا موجود تھا۔ فوئنا جو خان نے پل بھر میں فیصلہ کیا کہ وہ ریچھ کو گھوڑے پر لاد کر اپنی بستی میں لے جائے گا۔ بے ہوش شخص کا خیال آتے ہی اس نے اسے بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ پھر کسی خیال سے اس نے ریچھ کو گھوڑے پر لادا اور اپنی بستی کی جانب روانہ ہو گیا جو تھوڑے فاصلے پر سفید خیموں کی صورت میں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ ریچھ کو بستی میں چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ دوبارہ وہاں لوٹے گا تاکہ وہ اس بے ہوش شخص کے بارے میں کوئی واضح فیصلہ کر سکے کہ اس اجنبی کو ضرگامی بستی میں لانا مناسب ہے یا نہیں۔

❁ ❁ ❁

قابع ارسفند بے چینی کے عالم میں پورا دن سلطان کی لاش کی حجرے میں موجودگی کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتا رہا۔ شام تک وہ معاملے کی تہہ میں پہنچ چکا تھا۔ سلطان کی وفات کو محض اس لئے صیغہ راز میں رکھا جا رہا تھا کہ مسلمان لشکر صلیبی لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ایسے میں سلطان کی وفات کی خبر سپاہ کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ علاوہ ازیں صلیبی لشکر سے نبٹنے کے لئے کسی دوسری اہل شخصیت کا انتظار کیا جا رہا تھا جو کہ منصورہ سے بہت دور تھی۔ ایسے حالات میں اگر صلیبی لشکر کو ذرا سی بھنک پڑ جاتی کہ اسلامی لشکر کو اب سلطان نجم الدین ایوب کی قیادت حاصل نہیں رہی تو وہ ان پر وقت ضائع کئے بغیر حملہ آور ہو جاتا۔ مسلمانوں کے لئے کسی مستحکم قیادت کے بغیر جنگ لڑنا خاصا دشوار کام تھا۔ قابع ارسفند جب مکمل طور پر اپنا تجزیہ کر چکا تو وہ محض مسکرا کر رہ گیا کہ وہ ابھی بھی اتنی اہلیت کا حامل تھا کہ دوسروں کی اصلیت کے نقاب الٹ دے اور گمراہی پر ایسا پردہ ڈال دے کہ کسی کو رتی بھر شک نہ ہو۔ وہ ساری زندگی عیش و عشرت کے تعاقب میں بھاگتا رہا مگر وہ اس کے ہاتھ آنے کے بجائے اس سے دور بھاگتی رہی۔ اب ان کے ہاتھ ایک سنہرا موقعہ لگا تھا۔ بے شمار دولت حاصل کرنے کا اس سے عمدہ موقعہ شاید ہی اس کی زندگی میں دوبارہ آپاتا۔ اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ وہ آج رات تک منصورہ سے نکل جائے گا اور کل صبح تک حیرہ کے عقب میں پہنچ جائے گا۔ یہ راستہ تھوڑا طویل ضرور تھا مگر ہر لحاظ سے محفوظ تھا۔ وہ صلیبی لشکر میں سلطان کی وفات کی اطلاع پہنچانے کا مذموم ارادہ کر چکا تھا۔ اسے امید تھی کہ

صلیبی سالار اس کی اطلاع پر اسے اتنا بھاری انعام ضرور دے گا کہ اس کی باقی زندگی عیش و نشاط میں گذر سکے گی۔ قایع ارسفند کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اگر وہ شخصیت جس کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے، بروقت پہنچ گئی تو اس کی تمام محنت اکارت جائے گی، اس لئے اسے جو کچھ کرنا ہے وہ فوری ہونا چاہئے، اس کے پاس وقت بے حد کم تھا۔ اسی لئے اس نے آج رات میں ہی منصورہ چھوڑنے کا پختہ عزم کر لیا تھا۔ جب رات کا پہلا پہر شروع ہوا تو اس نے سفر کی تیاری مکمل کر لی، اچانک اس کے ذہن میں اس بوڑھے کی بات گونجی کہ اس نے کوتوال شہر کو شہر سے باہر جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھنے کی ہدایت کر رکھی ہے۔ قایع ارسفند یہ سوچ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ آج ہی اسے شہر سے نکلنا تھا اور باہر موجود سپاہیوں سے واسطہ پڑنے پر اسے کوئی نہ کوئی جواز بھی چاہئے تھا۔ اسی لمحے اس کے ذہن کے پردوں پر بوڑھے کی دوسری بات گونجی کہ وہ اصلی صورت کے بجائے بوڑھے کے بہروپ میں تھا۔ یہ خیال باعث تسکین تھا کیونکہ وہ خود بھی مختلف مقدمات میں ایسے بہروپ بدل کر جاتا رہا تھا۔ اس کے بہروپ پر آج تک کسی کو شک نہیں گذرا۔ اس نے ایک صندوق سے اپنا روپ بدلنے والا سامان نکالا اور تھوڑی سی محنت کے بعد وہ خود کو یکسر بدل چکا تھا۔ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تو وہ اپنی عمر سے بیس سال بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ کوتوال کو دھوکا دینا اب کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس نے فرش کے چور خانے سے سلطان کی انگوٹھی نکالی اور اپنے جوتے کے خفیہ خانے میں چھپائی۔

ایک بڑی سی لاٹھی لے کر وہ گھر سے باہر نکلا۔ اس نے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نشان نہیں تھا۔ وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے شہر کے صدر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں حسب توقع سپاہیوں کے دستے نے اسے روکا اور اس کی مکمل جامہ تلاشی لی۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے سوال جواب کئے۔ قایع ارسفند نے چالاکی و عیاری سے انہیں یہ یقین دلایا کہ وہ نزدیکی بستی میرداں تک جا رہا ہے جہاں اس کے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا ہے۔ اسے صبح سے پہلے وہاں پہنچنا ہے تاکہ اس کے جنازہ میں شرکت کر سکے۔ سپاہیوں نے اس سے میرداں کے متعلق کئی قسم کے سوالات کئے، وہاں کے چند ایک معروف افراد کے نام بھی اس سے پوچھے گئے۔ قایع ارسفند کے لئے میرداں بستی کوئی اجنبی نہیں تھی۔ وہاں کے کئی امراء کے لئے اس کی ''گواہی'' کام میں لائی گئی تھی۔ اس لئے وہ اطمینان سے تمام سوالات کے جواب دیتا رہا۔ البتہ اس نے اس امر پر حیرت کا اظہار ضرور کیا تھا کہ وہ آج سے پہلے بھی رات کے اوقات میں میرداں جاتا رہا ہے مگر پہلے تو ایسی پوچھ گچھ کبھی نہیں کی گئی تھی۔ سپاہیوں نے کسی مجرم کی تلاش کا عذر پیش کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دیدی۔ قایع ارسفند وہاں سے نکلنے کے بعد سیدھا میرداں بستی میں پہنچا اور وہاں کے ایک امیر سے گھوڑا حاصل کیا اور حیرہ کا رستہ لیا۔ وہ کامیابی کی خوشی میں سرشار حیرہ کی جانب اڑا جا رہا تھا جو کہ کچھ عرصہ پہلے صلیبی جنگجوؤں کے ستم کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ ایک ایسا راز لگ چکا تھا جو مسلمانوں کے لئے کڑے امتحان کا آغاز ہو سکتا تھا۔

قایع ارسفند کے لئے یہ راہیں انجانی نہیں تھیں۔ فجر تک وہ حیرہ پہنچ گیا۔ حیرہ کی حالت زار دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی کہ خوش و خرم جیتا جاگتا شہر کھنڈرات کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر کسی پشیمانی کا احساس نہیں ہوا کہ شہر کی حالت جن لوگوں نے ایسی بگاڑ ڈالی تھی، وہ انہی کے پاس اسلامی لشکر کی سب سے بڑی کمزوری کا راز لئے جا رہا ہے۔

وہ حیرہ سے ہوتا ہوا صلیبی لشکر کی پشت پر پہنچ گیا۔ صلیبی محافظوں نے جب ایک گھڑ سوار کو لشکر کی جانب آتے دیکھا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ وہ جب صلیبی لشکر میں پہنچا تو صبح ہو چکی تھی۔ لشکر کے پاس پہنچنے پر محافظ سپاہ

نے اسے تلواروں اور نیزوں کے حصار میں لے لیا۔ قایع ارسفند نے چیخ کر خود کو ان کا دوست قرار دیا اور ایک اہم اطلاع کے لئے امیر لشکر سے ملاقات کی استدعا کی۔ محافظ سپاہ نے اس کے گھوڑے کی باگ تھام کر اسے نیچے اتارا اور اس کی جامہ تلاشی لی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ قایع ارسفند اپنے اصلی صورت میں وہاں آیا تھا۔ اس نے اپنا بہروپ میرداں نامی بستی میں ہی بدل ڈالا تھا۔ صلیبی لشکر کے امیر شاہ لوئی نہم تک قایع ارسفند کی اطلاع پہنچائی گئی۔

جب لوئی نہم کو یہ بتایا گیا کہ نووارد نہ صرف مسلمان ہے بلکہ نہتا بھی ہے تو اسے سن کر حیرت ہوئی۔ قایع ارسفند کو دوپہر کے بعد شاہ لوئی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ قایع ارسفند نے شاہ لوئی کو جھک کر سلامی دی۔ شاہ لوئی نے بیزاری سے اس کے آنے کے مقصد کے بارے میں دریافت کیا۔

''معزز امیر کا اقبال بلند ہو۔ میرے پاس آپ کے لئے قیمتی اطلاع ہے جو کہ اس معرکہ میں آپ کی یقینی فتح کا سبب بن سکتی ہے''۔

''کوئی بھی اطلاع سنانے سے پہلے یاد رکھو، گر اس کا کامل ثبوت تمہارے پاس موجود ہو تو ہی الفاظ منہ سے نکالنا ورنہ ہم تمہاری اطلاع کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے بلکہ تمہاری اس لشکر میں آمد کو جرم سمجھتے ہوئے کڑی سزا بھی دی جائے گی''۔ ایک سالار کڑکتی ہوئی آواز میں بولا۔ شاہ لوئی نہم نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''ہاں تم کہو جو کہنا چاہتے ہو''۔

''امیر لشکر !'' قایع ارسفند دونوں ہاتھ ملتا ہوا بولا ''میں منصورہ کا ایک چھوٹا سا تاجر ہوں، آپ کے لئے وہاں سے رات بھر سفر کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں، میرے پاس جو اطلاع ہے وہ سو فیصد درست ہے۔ علاوہ ازیں اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے میرے پاس اس کا ثبوت بھی ہے''۔

قایع ارسفند یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ صلیبی سردار اور شاہ لوئی نہم اس کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''میں تمہاری منشاء سے خوب آگاہ ہوں، تم بے فکر رہو، تمہاری فراہم کردہ اطلاع اگر ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوئی تو اس کا بڑا معاوضہ ادا کیا جائے گا''۔

''میں امیر لشکر کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے فوراً ہی میری دلی خواہش سے آگاہی حاصل کر لی۔ میں اپنے راز کے انکشاف سے پہلے امیر لشکر سے عہد کے چند جملے سننے کی استدعا کروں گا''۔ قایع ارسفند نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم شاید نہیں جانتے ہو کہ شاہ لوئی کے دربار سے آج تک کسی کو بے مراد واپس نہیں بھیجا گیا۔ تمہیں بھی خالی ہاتھ نہیں جانے دیا جائے گا''۔

''آپ لوگوں کو یہ جان کر شدید حیرت ہوگی کہ بلاد مصر کے سلطان کا گذشتہ ہفتے انتقال ہو چکا ہے اور مسلمان سپاہ اس وقت بغیر کسی قیادت کے میدان جنگ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سلطان کی موت کو ابھی تک سینہ راز میں رکھا گیا ہے کہ سپاہ کے حوصلے نہ ٹوٹ جائیں''۔

صلیبی سردار اس عجیب خبر پر حیران رہ گئے۔ ان کے مخبروں کی اطلاعات کے مطابق سلطان منصورہ کے طبیب خانے میں داخل تھا۔ علاوہ ازیں سلطان کی جانب سے صلیبی لشکر کے ساتھ لگاتار پیغامات و مراسلات کا سلسلہ جاری تھا۔

''تمہیں یقیناً کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے یا تم ہمیں بھٹکانے کا سامان پیدا کر رہے ہو''۔ شاہ لوئی برہمی

سے بولا۔

''امیر لشکر!'' قابع ارسفند کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''مجھے آپ کو بہکا کر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اگر آپ کو میری خبر سے کوئی سروکار نہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں واپس اپنے شہر لوٹ کر اس دوسرے سلطان کا انتخاب ہوتا دیکھ سکوں جس کے ساتھ آپ کا جلد سابقہ پڑنے والا ہے''۔

''مگر ہمارے مخبروں کی اطلاعات یکسر مختلف ہیں''۔ ایک صلیبی سردار بولا۔

''مجھے آپ کے مخبروں سے بھی کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی میں کوئی مخبر یا سپاہی ہوں کہ میدان جنگ میں موجود رہ کر یہ جاننے کی کوشش کروں کہ وہاں کیا کھیل رچایا جا رہا ہے''۔

''تم کچھ دیر پہلے کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے مکمل ثبوت بھی موجود ہے''۔

''امیر لشکر!'' قابع ارسفند مسکراتے ہوئے بولا ''اگر آپ اپنے مخبروں کی بات پر ہی تکیہ کرتے رہے تو آپ کو صرف یہی اطلاع ملے گی کہ فلاں وقت میں نئے سلطان کا انتخاب ہو چکا ہے۔ آپ کو کبھی یہ اطلاع نہیں مل پائے گی کہ منصورہ کی جامع مسجد میں سفید پوش محافظ سلطان کی لاش کی حفاظت کر رہے ہیں اور طبیب خانے کے خاص کمرے میں ایسا بندوبست کیا گیا ہے کہ وہاں سلطان کی موجودگی کا ڈھونگ برقرار رکھا جا سکے''۔

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' ایک صلیبی سردار تنک کر بولا۔

''میں اس جامع مسجد کے سامنے رہائش پذیر ہوں، میری نگاہوں سے کوئی ایسی بات چھپی رہنا محال ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے سلطان کی سفید کفن میں لپٹی ہوئی لاش دیکھی ہے''۔

''ٹھیک ہے، ہم مانتے ہیں کہ تم اپنی اطلاع میں سچے ہو مگر وہ ثبوت کہاں ہے جس کا کچھ دیر پہلے تم نے دعویٰ کیا تھا؟'' شاہ لوئی نہم نرمی سے بولا۔ وہ نووارد کی اطلاع کے تمام پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔ ممکن تھا کہ صلیبی لشکر میں سے اسے کسی سازش کے تحت بھیجا گیا ہو۔

قابع ارسفند نے جھک کر اپنی جوتی اتاری تو صلیبی محافظوں کی تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ ایک تلوار کی نوک اس کی شہ رگ میں چبھنے لگی تھی۔ قابع ارسفند کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس جوتی کی جانب تیزی سے اشارے کرنا شروع کر دیئے۔ شاہ لوئی نہم اس کی حرکت پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اس نے تلواروں کو ہٹانے کا اشارہ دیا۔ تلواریں اس کے جسم سے دور تو ہٹ گئی تھیں مگر ان کا رُخ بدستور اس کی جانب تھا۔ قابع ارسفند نے جوتی کے خفیہ خانے میں سے انگوٹھی نکالی اور سب لوگوں کو دکھانے لگا۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' شاہ لوئی نے دریافت کیا۔

''یہ میری بات کا ثبوت ہے امیر لشکر!'' قابع ارسفند تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''یہ انگوٹھی مرحوم سلطان کی ہے جو کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی لاش کے ہاتھ میں سے اتاری تھی۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا فرد موجود ہو جو اس انگوٹھی کو پہچانتا ہو تو میری بات کی تصدیق کر دے گا''۔

شاہ لوئی نہم کے اشارے پر ایک امیر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے انگوٹھی لی اور شاہ لوئی نہم کی خدمت میں پیش کی۔ شاہ لوئی نہم انگوٹھی کو بغور دیکھنے لگا۔ انگوٹھی میں بیش قیمت نگینہ جڑا ہوا تھا ایسی انگوٹھی کا کسی شاہ کے پاس ہونا ہی ممکن تھا۔ اس نے باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد اس کے گرد سے سپاہ کا محاصرہ ہٹا دیا اور اسے لے کر اپنے امراء کے ہمراہ خیمے میں چلا آیا۔ خیمہ اندر سے کسی محل سے کم نہیں تھا۔ یہاں اسے اطمینان سے بٹھایا گیا اور تمام واقعہ پوری تفصیل سے دوبارہ سنا گیا۔ واقعہ سننے کے بیچ میں اس سے طرح طرح کے سوال کئے

گئے۔ یہ جرح محض اس کی گفتگو کی سچائی کو جانچنے کے لئے تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے شراب کا جام پیش کیا گیا۔ اس نے امراء کے ہمراہ بیٹھ کر چند ایک بار شراب نوشی کی تھی مگر ایسی قیمتی شراب پہلے اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ ابھی پہلے جام کی چسکیاں لے رہا تھا کہ وہاں موجود سازندوں نے بھڑکیلی سی دھن چھیڑ دی، دھن چھڑتے ہی کئی حسین وخوبرو دوشیزائیں خیمے میں داخل ہوئیں اور محورقص ہو گئیں۔ ان کے لچکیلے جسموں پر لباس برائے نام تھا۔ شباب وشراب کی محفل نے قابع ارسفند کے رہے سہے ہوش بھی اُڑا دیئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ جھومنے لگا۔ شراب کے نشے میں وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔ شاہ لوئی نے اسی دوران دوبارہ سلطان کی لاش والا معاملہ چھیڑ دیا۔ قابع ارسفند شراب کے نشے میں دھت اب جوش وخروش سے وہی واقعہ بیان کر رہا تھا۔

شاہ لوئی نہم نے اپنے مخصوص طریقے سے قابع ارسفند کی سچائی پرکھنے کے بعد سالار وامراء کو فوری طور پر جنگ کے لئے تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ وہ ارادہ کر چکا تھا کہ اب اسلامی لشکر میں نئے سلطان کے انتخاب کی نوبت بھی نہیں آنے دی جائے گی۔ اس نے امراء وسالاروں کو واضح الفاظ میں یہ حکم سنا دیا تھا کہ کل صبح ہر قیمت پر فیصلہ کن معرکے کا آغاز کر دیا جائے گا تاکہ ارضِ مقدس تک تیزی سے رسائی ممکن ہو سکے۔ بلادِ مصر کی حکومت ہی صلیبی جنگجوؤں کے لئے سب سے بڑی اور آہنی دیوار تھی، اسے گرا دینا بے حد ضروری خیال کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں سلطان کی اچانک موت کی اطلاع کو یسوع مسیح کی رضامندی کا ساتھ قرار دیا گیا۔

❀ ❀ ❀

ضرگامی سردار تین آدمیوں کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے عقب میں دو سرکاری سپاہی بھی اندر چلے آئے۔ برقائی خان نے ضرگامی سردار اور اس کے ساتھیوں کو بیٹھنے کے لئے کہا اور دونوں سپاہیوں کو باہر نکل جانے کا حکم سنایا۔ سپاہی اس حکم پر متحیر رہ گئے۔ ہو سکتا تھا کہ ضرگامی لوگ برقائی خان کو نقصان پہنچانے کی سعی کرتے اس لئے برقائی خان کی حفاظت کرنا بھی ضروری تھا۔ ضرگامی سردار اس کی بے خوفی سے متاثر دکھائی دے رہا تھا۔ جب سب لوگوں نے نشستیں سنبھال لیں تو برقائی خان اصل مقصد کی جانب آیا۔

''ضرگامی سردار کی غیر متوقع آمد میرے لئے باعث حیرت ہے۔ میں برقائی خان ہوں، بہرحال آپ لوگ کہیے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں''۔ برقائی خان نے کہا۔

''ہم قاآن زادے کو اپنے علاقے میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ میرا نام اژلائی خان ہے، قبیلے کے لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اس لشکر کے امیر آپ ہیں، ہم لوگ شام کے وقت سے آپ کے خیموں کو دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں کہ آخر کیا ماجرا ہے کہ عظیم باتو خان کی زریں خیل فوج اچانک اس علاقے میں آن وارد ہوئی؟ کیا ہمارے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے یا چینائی سلطنت کی سرکوبی پیش نگاہ ہے؟''

''سردار اژلائی خان!'' برقائی خان قدرے تلخ لہجے میں بولا۔ ''زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں، تم نے اپنے قبیلے کے ساتھ شمالی گذرگاہوں پر جو طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے میں اسی کی سزا دینے کے لئے یہاں آیا ہوں''۔

''قاآن زادے کی بات کا مطلب میں سمجھ نہیں پایا۔ ہماری کس بدتمیزی کی جانب اشارہ ہے؟'' سردار اژلائی خان بولا۔

''تم لوگوں نے عرصے سے ان گذرگاہوں پر لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور مجھ سے سوال کرتے ہو کہ ہماری غلطی کیا ہے؟'' برقائی خان اس کی اداکاری پر بھڑک اُٹھا۔

''قاآن زادے!'' سردار اژلائی اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''لوٹ مار اور ضرگامی قبیلہ، دونوں

متضاد لفظ ہیں۔ ہم لوگ تو پُر امن زندگی گذارتے ہیں۔ رہی بات شمالی گذرگاہوں کی تو وہ یہاں سے کم از کم پانچ دن کی مسافت پر ہیں۔ ہم لوگ محض لوٹ مار کے لئے وہاں جائیں اور پھر اپنے علاقے میں واپس لوٹیں تو کم از کم دس بارہ دن کا عرصہ لگے گا۔ دوسرا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو لٹنے کے لئے کوئی تجارتی قافلہ وہاں پہلے سے ہمارا منتظر ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ آپ کو کسی نے بہکایا ہے یا پھر ہمارے ساتھ دشمنی کرتے ہوئے کسی نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور آپ بلا تصدیق اس جانب آ نکلے ہیں''۔

''یعنی تم مجھے یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ ضرگا می قبیلہ پُر امن اور نیک خصائل کا حامل ہے......؟'' برقائی خان کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

''قا آن زادے......!'' سردار اثرلائی خان اپنے جوش کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ حاکم ہیں اور ضرگا می قبیلہ آپ کا اطاعت گزار ہے۔ آپ بلا تحقیق ہماری نیک نیتی پر شک نہ کیجئے۔ ہم کل بھی زریں خیل قا آن کے محکوم تھے اور آج بھی ہیں۔ آپ ایسی نوبت پیدا مت کیجئے کہ ہماری سلامتی اور اطاعت دونوں خطرے میں پڑ جائے۔ ہم بھی منگول ہیں''۔

''تمہارے پاس اپنی بات کی سچائی کا کیا ثبوت ہے......؟'' برقائی خان اس کی گفتگو سے کچھ کچھ اُلجھ رہا تھا۔ اسے انسانوں کو پرکھنے کا فن خوب آتا تھا۔ اثرلائی خان کی باتوں سے قطعاً ایسا تاثر نہیں مل رہا تھا کہ وہ لوگ ایسی گھناؤنی حرکات کے مرتکب رہے ہوں گے۔

''ثبوت......! ہمارے خیمے ہیں، آپ خود چل کر دیکھئے۔ اگر کوئی ایک بھی ایسی چیز آپ کو مل جائے تو پورا قبیلہ آپ کا مجرم ہوگا''۔ سردار اثرلائی خان نے مستحکم انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے کل تمہارے قبیلے کی مکمل تلاشی لی جائے گی۔ ابھی اسی وقت میری سپاہ کے دستے تمہارے قبیلے میں جائیں گے جو کہ تمہاری کسی بھی غلط حرکت پر طبل بجا دیں گے۔ یاد رکھو کہ طبل رات کے کسی بھی پہر میں بجا تو صبح تک تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔ دوسری بات، اگر میرے سپاہیوں کو تمہاری جانب سے ذرا سی خراش بھی پہنچی تو اس کی بھاری قیمت تمہیں ادا کرنا ہوگی''۔ برقائی خان نے سخت لہجے میں کہا۔

سردار اثرلائی محض سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے بعد برقائی خان نے ایک دستے کے سالار کو طلب کیا اور اسے صورتِ حال سمجھائی۔ سرکاری فوج کا ایک دستہ ضرگا می سردار کی رہنمائی میں قبیلے کی جانب روانہ ہوگیا۔ برقائی خان ان لوگوں کے جانے کے بعد گہری سوچ میں پڑ گیا کہ ان لوگوں کی گفتگو اور انداز و اطوار سے یہ اندازہ لگانا بے حد مشکل تھا کہ وہ کبھی کسی ایسی واردات کے مرتکب ہوئے ہوں۔ دوسرا ضرگا می سردار کے بقول شمالی گذرگاہ بھی اتنا قریب نہیں تھی پھر باتو خان کو غلط اطلاعات کیوں دی گئیں؟ دوسرا قا آن اعظم کا یہ کہنا کہ ضرگا می قبیلے پر جب بھی لشکر کشی کی جاتی ہے تو وہ پہاڑوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ بڑی عجیب سی بات تھی، پہاڑ تو سامنے دکھائی دے رہے تھے مگر وہ جینائی سلطنت کا حصہ تھے۔ منگولی باشندے ایک مصیبت سے بچنے کے لئے دوسرے عذاب میں خود کو کیسے ڈال سکتے تھے؟ جینائی سلطنت میں منگولوں کی موجودگی خود کسی جرم سے کم نہیں تھی زار کے سپاہی ان منگولوں کی اپنے علاقوں میں موجودگی پر موت کی سزا دینے کے عادی تھے۔ جو کچھ بھی تھا بڑا غیر واضح اور مبہم تھا۔ ضرگا می قبیلہ قصور وار نہیں تھا تو کیا باتو خان نے جان بوجھ کر اسے اس جانب بھیجا تھا؟ جبکہ اس کے ذہن میں شیخ نجد ریؒ کی بات موجود تھی کہ اسے اس مہم میں کامیابی نصیب ہوگی۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں اُلجھا رہا ت کے کسی پہر میں سو گیا تھا۔

اگلی صبح برقائی خان لشکر کے ساتھ ضرگا کی بستی میں چلا آیا۔ اس کے تعینات کردہ دستے نے رات بھر کی

کارروائی کی تفصیل اسے پیش کی۔ ضرگا کی بستی میں پہنچ کر برقائی خان کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اثرلائی خان کا بیان سچائی پر مبنی تھا۔ بستی میں بے سروسامانی کا عالم تھا۔ بستی کے لوگوں کے پاس ڈھنگ کے لباس تک نہیں تھے۔ جگہ جگہ جانوروں کی ہڈیوں کے انبار لگے دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا گذر بسر صرف ان ویرانوں میں پائے جانے والے جانوروں پر ہی تھا۔ برقائی خان مختلف گھروں میں خود گیا اور وہاں موجود اشیاء کا بھی جائزہ لیا۔ ضرگا می سردار کے بیان کے عین مطابق ان کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہو پائی تھی جو کسی بھی تجارتی قافلے سے کوئی تعلق جوڑ سکتی۔ خیموں کا کپڑا دور سے سفید دکھائی دیتا تھا مگر قریب سے ان کی زردی مائل اصلیت بھی چھپی نہ رہ سکی۔ اثرلائی خان نے برقائی خان کے ٹھہرنے کا مکمل بندوبست پہلے سے کر رکھا تھا۔ اسے ایک عمدہ اور صاف ستھرے خیمے میں لایا گیا۔ خیموں کے وسط میں آگ کا چھوٹا سا الاؤ روشن تھا۔ ضرگا می خواتین نے برقائی خان کی آمد پر خوشی کے اظہار پر ایک روایتی گیت گانا شروع کر دیا۔ اسی دوران ایک ریچھ کی کھال اتار کر اسے بڑے سے بانس کے ذریعے آگ پر چڑھا دیا گیا۔ یہ اس قبیلے کا طعام تھا۔ برقائی اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ اسے اپنے بھائی باتو خان کی تضاد بیانی پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کتنے وثوق سے ضرگا می قبیلے کے بارے میں مجرمانہ حرکات کی تفصیل اس کے سامنے بیان کی تھی اور یہاں سب کچھ اس کے برعکس دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک اس کے دماغ میں ایک برق سی کوندی۔ ہو نہ ہو باتو خان نے جان بوجھ کر اسے سرائے سے باہر روانہ کیا ہے مگر اسے سرائے سے باہر بھیجنے کا اصل مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ برقائی خان اُلجھ سا گیا۔ صورتِ حال واضح نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ان تمام امکانات پر نگاہ دوڑانے کی کوشش کر رہا تھا جن کے باعث باتو خان نے اسے اتنی دور بھیجنے کی ضرورت محسوس کی۔ ضرگا می خواتین اپنے آپ میں مگن روایتی گیت لہک لہک کر گاتی رہیں۔ برقائی خان کے سپاہی بھی ان کے بے ہنگم سے گیت پر سر دھن رہے تھے۔ اسی لمحے کوئی زور سے چیخا۔ خواتین گھبرا کر خاموش ہوگئیں۔ ایک ضرگا می تقریباً دوڑتا ہوا بستی میں داخل ہوا۔ سب لوگ حیرت و پریشانی سے اس کا منہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنے عقبی جانب اشارہ کرتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

''قاڑی آ گئے......!''

قبیلے میں عجیب سی بھگدڑ مچ گئی۔ برقائی خان جو خیالات کے بھنور میں ڈوبا بیٹھا تھا، اس عجیب سی صورتِ حال پر چونک پڑا۔ وہ تیزی سے نکل کر باہر آیا۔ باہر لوگ اپنے خیموں میں سے ہتھیار نکالتے دکھائی دے رہے تھے۔

برقائی خان تیز قدموں سے خیموں کے جھرمٹ میں سے باہر نکلا۔ خیموں کے باہر اسے سردار اثرلائی خان دکھائی دیا جو اپنے قبیلے کے لوگوں کو پُر سکون رہنے کی ہدایت دے رہا تھا۔

''سردار اثرلائی خان......! کیا ہوا......؟'' برقائی خان نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''قا آن زادے......! وہ سامنے دیکھئے، پہاڑوں پر قاڑی قبیلے کے لوگ دکھائی دے رہے ہیں، وہ اکثر و بیشتر یہاں آتے ہیں اور ہمارے قبیلے کے لوگوں میں سے کسی نہ کسی کو ہلاک کر کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ آج بھی ان کی آمد کسی بڑے خطرے کا اعلان کر رہی ہے''۔

برقائی خان نے سامنے نگاہ دوڑائی تو قاڑی قبیلے کے لوگوں کے چمکتے بھالے اور نیزوں کی انیاں دکھائی دیں۔ برقائی خان نے سردار کو حوصلہ دیا۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اگر آج قاڑی قبیلے نے اس جانب آنے کی کوشش کی تو انہیں ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ وہ ہمیشہ کے لئے یہ راستہ ہی بھول جائیں گے''۔

سردار نے سرکاری لشکر کا حوالہ دے کر اپنی بستی کے لوگوں کو قدرے پُر سکون کیا۔ اسی لمحے ایک عورت

چیختی چلاتی سردار اثرلائی خان کے قدموں میں آگری۔

''جاودانی آسمان کے لئے! میرے خاوند اور بچے کو بچا لیجئے''۔ وہ مسلسل چیخے جا رہی تھی۔

''اطمینان سے بات کرو، یہ بتاؤ کہ تمہارا مسئلہ کیا ہے......؟'' سردار اثرلائی خان نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''میرا شوہر اور بیٹا دونوں تھوڑی دیر پہلے اس جانب گئے ہیں''۔ وہ عورت پہاڑ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے چیخی۔

''تم اس بیٹو فونتا جو کی بات کر رہی ہو جو صبح یہ ریچھ شکار کر کے لایا تھا''۔ سردار اثرلائی بے یقینی کے عالم میں بولا۔

''ہاں ہاں......! وہ ریچھ ہم لوگوں کے حوالے کر کے کچھ دیر تک اپنے باپ کے ساتھ باتیں کرتا رہا پھر وہ اس کے ساتھ دوبارہ پہاڑ کی جانب چلا گیا تھا''۔ عورت چیخنے کے ساتھ ساتھ اب زار و قطار رونے لگی۔

برقائی خان نے دوبارہ پہاڑ کی جانب دیکھا۔ اس بار وہ قاڑی باشندوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر لمحہ بھر میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس عورت کے بیٹے کو ہر حال میں بچانا ضروری ہے۔ اس نے اپنے ایک دستے کے امیر کو فوری طور پر پہاڑ کی جانب روانہ کر دیا۔ سردار اثرلائی خان نے برقائی خان کو روکنے کی بہتیری کوشش کی کہ وہ قبیلے کے لوگوں کو روانہ کر کے معاملہ سنبھال لے گا مگر برقائی خان نے اسے سختی سے چپ کرا دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برقائی خان اپنے خاص دستے کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار پہاڑ کی جانب اُڑا جا رہا تھا۔ وہ اپنے میزبان کے گھر پر قیامت ٹوٹتی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اس علاقے کے قاآن کا بھائی تھا۔ اپنے علاقوں کی حفاظت کرنا بھی تو اسی کی ذمہ داری تھی۔ وہ قاڑی باشندوں کو سبق سکھانے کا عزم کر چکا تھا۔ ضرگامی قبیلے کے لوگوں کی نگاہیں اُڑتی ہوئی دُھول کا تعاقب کر رہی تھیں۔

❁ ❁ ❁

بیبرس کو صبح کوتوال شہر نے اطلاع دی کہ جس شخص پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا وہ رات کے وقت اپنے گھر میں جاتا تو دیکھا گیا مگر رات کے کسی پہر میں نظر بچا کر شہر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ خبر کوتوال شہر نے خود دینے کے بجائے ایک سپاہی کے ہاتھ بھیجی تھی۔ بیبرس خبر سننے کے بعد لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں آ گیا۔ اسے اس شخص پر کئی دن سے شک تھا کہ وہ کوئی مخبر ہے جو کہ سلطان کے راز کو جاننے کے درپے ہے۔ بیبرس کی عدم موجودگی میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو چکا تھا مگر کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالا جا سکتا۔ بیبرس نے کوتوال شہر کو کڑی تاکید کی تھی کہ اس شخص کو کسی قیمت پر شہر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے، اس کے علاوہ اس کے پاس آنے جانے والے ہر شخص کو بھی نگرانی میں رکھا جائے۔ کوتوال شہر نے بیبرس کی بات پر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ اس سے غلطی ہو چکی تھی اس لئے وہ اس کے سامنے آنے سے کترا رہا تھا۔ بیبرس نے کوتوال کی گوشمالی کرنے کے بجائے تیزی سے اپنی جگہ ایک دوسرے قابل مملوک کو متعین کیا اور خود لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس تازہ صورتِ حال کے بارے میں امراء کو آگاہ کرنا بے حد ضروری تھا۔ وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا لشکر اسلامی میں پہنچا۔ دہاں موجود امراء نے اس کی صورت دیکھی تو سلطان کی طبیعت کی بابت سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ بیبرس نے انہیں یہ کہہ کر خود سے الگ کیا کہ وہ سلطان کا ایک اہم پیغام لے کر آیا ہے۔ فارغ ہونے پر وہ طبیعت کے بارے میں بات کرے گا۔ وہ سیدھا رئیس العساکر جاشنکیر ایبک کے پاس جا پہنچا۔ ملکہ شجرۃ الدر کو بھی بیبرس کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ خود رئیس العساکر کے خیمے میں چلی آئی۔ کئی دیگر امراء وہاں

پہنچ چکے تھے۔ بیبرس نے چند لوگوں کے علاوہ سب لوگوں سے درخواست کی کہ وہ باہر چلے جائیں کیونکہ یہ پیغام صرف رئیس العساکر کے لئے ہے۔ کئی امراء منہ بنا کر باہر نکل گئے۔ جب صرف قابل اعتماد لوگ وہاں رہ گئے تو جاشنکیر ایبک نے آنے کی وجہ طلب کی۔

''مجھے یہ بتاتے ہوئے بے حد ندامت کا سامنا ہے کہ آقا کی وفات کی خبر منصورہ کی جامع مسجد سے اُڑا دی گئی ہے''۔ بیبرس نگاہیں جھکا کر بولا۔

''اس بارے میں تو ابوخویلد نے ہمیں پہلے آگاہ کر دیا تھا۔ میں نے ایک خصوصی دستے کو منصورہ کے صدر دروازے پر تعینات کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ تم اس بارے میں فکر مت کرو''۔

''امیر العساکر......!'' بیبرس لفظ چبا کر بولا۔ ''آپ کے حکم کے عمل درآمد میں ابھی دیر ہو گی۔ جس شخص نے سلطان کی میت کے بارے میں خبر چرائی تھی، وہ کوتوال شہر کی نادانی کے باعث کل رات کسی وقت شہر چھوڑ کر روانہ ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک نصرانیوں تک یہ بات پہنچا چکا ہو''۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو......؟'' جاشنکیر نے شدید حیرت سے کہا۔ ''اگر اس شخص کی بابت تمہیں معلوم ہو گیا تھا تو اسے فوراً گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟ اس معاملے میں ذرا سی بھی لاپروائی کا انجام کیا ہو سکتا ہے، یہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے''۔

''رئیس العساکر......! اس شخص پر محض شک تھا۔ پھر وہ برسوں سے اسی جگہ پر مقیم تھا، اس کے نصرانیوں سے کسی رابطے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ ایسے میں اسے گرفتار کر کے اس کی اہمیت کو خواہ مخواہ ہر ایک کی نظروں لانا مناسب نہیں تھا''۔ بیبرس نے جواب دیا۔

ملکہ شجرۃ الدر نے کہا۔ ''میرا خیال ہے آپ لوگ آپس میں الجھنے سے گریز کریں، اگر یہ خبر نصرانیوں کی جانب سے ہمارے لشکر میں پھیلانے کی کوشش کی گئی تو اسے روکنا آسان ہے، سپاہ کو صرف یہ باور کرا دینا کافی ہے کہ دشمن ان کے سلطان کی بیماری کا ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہا ہے اور ایسی افواہیں پھیلا کر وہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنا چاہتا ہے۔ رہا یہ امکان کہ نصرانی قبل از وقت جنگ کا اعلان کر دیں گے تو اس کے لئے آپ سب لوگوں کو ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہئے کیونکہ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ وہ وقت قریب ہی ہے۔ اب آپ سب لوگوں کے باہمی اتحاد اور ہم آہنگی کا کڑا امتحان شروع ہونے والا ہے۔ بیبرس تم اپنے دستے میں پہنچ کر جنگ کی تیاری کرو۔ جامع مسجد میں جتنے سپاہ موجود ہیں وہ کافی ہیں، جس خبر کو چھپانے کا مسئلہ درپیش تھا جب وہ ہی افشا ہو چکی ہے تو وہاں رُکنے کا کیا فائدہ؟ احمد طولائی تم نے بائیں بازو کی ذمہ داری سنبھالنی ہے۔ فارس الدین اقطائی تمہیں دائیں بازو کو سنبھالنا ہے۔ رئیس العساکر جاشنکیر ایبک قلب میں رہنے کے ساتھ ساتھ وہیں سے ہدایات جاری کریں گے۔ تمام افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ جنگ کی حکمت عملی میں رئیس العساکر کا مکمل ساتھ دیں، کسی کو اپنی مرضی برتنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ آپ سب لوگ اسی وقت اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر جت جائیے تاکہ جس وقت نصرانی لشکر ہمیں جنگ کے لئے للکارے آواز دے تو ہمیں ہمہ تن تیار پائے''۔

ملکہ شجرۃ الدر نے اپنی بات مکمل کی۔ سب لوگوں نے اس بات کا عہد کیا کہ وہ اس جنگ میں سلطان نجم الدین ایوب کی عدم موجودگی کے باوجود فتح کو یقینی بنائیں گے۔ بیبرس بھی اپنے مخصوص دستے میں پہنچ گیا۔ وہ اس اسلامی لشکر میں دو سو سپاہیوں کے دستے کا امیر تھا۔

❁ ❁ ❁

پہاڑ کی بالائی سطح پر قاڑی سردار اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھا۔ قاڑی باشندوں کے خونخوار چہروں کو

ایسے عالم میں دیکھ کر مطیع الدین کی سٹی گم ہونے لگی۔ حالانکہ وہ ان کی پہنچ سے کافی دور تھا مگر جسم میں پوری توانائی کے فقدان پر اسے ان کے ساتھ نبٹنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ قاڑی سردار نے اپنے قبیلے کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ کسی بھی صورت اجنبی کو اس پہاڑ سے نیچے نہ اُترنے دیں، اگر اجنبی پہاڑ سے نیچے اترنے میں کامیاب ہوگیا تو تمام لوگوں کی لاشیں اسی پہاڑ پر عبرت کا نشان بنا دی جائیں گی۔ قاڑی نوجوان اپنے سردار کا حکم پاتے ہی تیزی سے پہاڑ سے نیچے اترنے لگے۔ وہ اپنی حدود سے نکل کر منگولی ریاست کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ قاڑی سردار کی ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ جلد از جلد اجنبی کو قابو میں کرلیں تاکہ انہیں ضرگامی قبیلے سے الجھنے کی نوبت پیش نہ آئے۔ قاڑی نوجوانوں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر مطیع الدین کے جسم میں بجلیاں بھر گئیں۔ وہ جسم میں اُٹھنے والی ٹیسوں کی پرواہ کئے بغیر تیزی سے نیچے اتر رہا تھا۔ ایسے حالات میں اگر اس کے پاس گھوڑا موجود ہوتا تو قاڑی باشندے مایوسی کے عالم میں ہاتھ ملتے دکھائی دیتے۔ اسے اپنی تلوار کے بارے میں پہلی بار خیال آیا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنی نیام پر ہاتھ ڈالا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ فوئنا جوخان نے اسے بے ہوشی کے عالم میں چھکڑے کے ساتھ، لٹاتے وقت ایک جانب گری تلوار اُٹھا کر اس کی نیام میں ڈال دی تھی۔ مطیع الدین نے تلوار نیام سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی۔ وہ تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ محتاط بھی تھا۔ وہ دوبارہ گہرائی میں لڑھکنے سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی رفتار میں اتنی سرعت نہیں تھی جتنی پھرتی کا مظاہرہ قاڑی جوان کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں قاڑی جوانوں نے مطیع الدین کو نرغے میں لے لیا۔ وہ اس کے چاروں جانب گھیرا ڈالنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ مطیع الدین خود کو نرغے میں پا کر ان سے آخری مبارزت کے لئے خود کو تیار کر چکا تھا۔ اسی دوران قاڑی سردار بھی نیچے اتر آیا۔

''اجنبی......! میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ تم ہمارے شکار ہو اور کوئی طاقت تمہیں ہماری دسترس سے بچا نہیں سکتی۔ مجھے تمہاری ذہانت پر بے حد حیرت ہے کہ تم نے کس عمدگی سے منگولیانہ ریاست کا نہ صرف پتہ لگا لیا بلکہ ورّے میں ہماری موجودگی کو بھی بھانپ لیا۔ تمہارے اس طویل چکر کے باعث ہمیں اس جانب آنے میں کافی وقت کا سامنا رہا، مگر پھر بھی ہم بروقت پہنچ گئے''۔

''قاڑی سردار......! میرے ساتھ میرا اللہ ہے، تم بے فکر رہو، میں تمہارے لئے تر نوالہ ہرگز ثابت نہ ہوں گا۔ تم یہاں تک میرا تعاقب کرتے کرتے تو پہنچ ہی گئے ہو، بہرحال اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم آپس میں اپنی اپنی مہارت کا مظاہرہ کریں''۔

''مجھے خوشی ہے کہ اس بار ہمارا پالا ایک ہوشیار اور نڈر شخص سے پڑا ہے۔ جہاں مجھے تمہاری سرکوبی پر خوشی ہوگی وہیں تمہاری موت پر افسوس بھی رہے گا۔ کاش کہ تم قاڑی ہوتے''۔

سردار نے اپنے جوانوں کو حملے کا اشارہ کیا۔ قاڑی جوان مختلف زاویوں سے مطیع الدین پر حملہ آور ہونے لگے۔ ان کے پاس لمبے لمبے نیزے اور بھالے تھے۔ مطیع الدین اپنی مہارت سے ان کے واروں کو روکتا رہا۔ وہ مسلسل کوئی ایسا موقعہ تلاش کر رہا تھا کہ اسے خلاء ملے اور وہ نیچے کی جانب پہنچ سکے۔ ڈھلوانی سطح پر اسے اپنے دفاع میں خاصی دشواری ہو رہی تھی۔ قاڑی باشندوں نے اسے اس طرح گھیر رکھا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نیچے نہیں کھسک سکتا تھا۔

خود کو پوری طرح گھرا ہوا دیکھ کر مطیع الدین دیوانہ سا ہوگیا۔ اس کی تلوار کے واروں میں تیزی پیدا ہو گئی۔ دیوانگی کے عالم میں وہ تین جوانوں کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اسی لمحے کسی کی للکار سنائی دی۔ سب لوگ چونک پڑے۔ مطیع الدین کی توجہ پل بھر کے لئے چوک گئی۔ تھوڑی دور دو ضرگامی بھاگتے ہوئے اس

کی مدد کے لئے بڑھ رہے تھے۔ مطیع الدین کو غافل پا کر ایک قاڑی جوان کا وار چل گیا اور نیزے کی نوکیلی انی اس کی ران میں اتر گئی۔ مطیع الدین کو یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کی ران کو چیر کر رکھ دیا ہو۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا گر پڑا۔ قاڑی جوان نے نیزے کو گوشت میں گھمایا اور ناقابل برداشت درد کے باعث مطیع الدین کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں۔ ضرگامی مطیع الدین کو گرتے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان کے پاس صرف تلواریں تھیں۔ قاڑی سردار نے مطیع الدین کے گرنے پر چیخ نما نعرہ بلند کیا جو شاید اس کی نصرت کا اعلان تھا۔ اس نے ضرگامی افراد پر نظر ڈالی تو ایک موٹا تازہ شکار دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اپنے بے ڈھنگے عصا سے جوانوں کو اشارہ کیا۔ جوان خونخوار انداز میں اپنے نیزے گھماتے ہوئے ان کی جانب بڑھنے لگے۔ وہ ضرگامی افراد درحقیقت فوئنا جوخان اور اس کا باپ تھا جو کہ مطیع الدین کی مدد کرنے کے لئے وہاں پہنچے تھے۔ فوئنا جوخان کے باپ نے اسے مطیع الدین کو وہاں چھوڑ کر آنے پر برا بھلا کہا تھا اور فوراً اسے لانے کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ پہاڑ پر ان کا پالا قاڑی قبیلے کے لوگوں سے پڑ جائے گا۔

❀ ❀ ❀

جس بات کا خدشہ تھا وہی عمل پذیر ہوئی۔ قابع ارسفند کی مخبری نے لشکر اسلام کے لئے اس صلیبی جنگ کا آغاز کر دیا تھا جسے ملکہ شجرۃ الدر ابھی ٹال دینا چاہتی تھی۔ شاہ لوئی نہم کے حکم پر 11 ذی الحجہ 647ھ کی صبح طبل جنگ بجا دیا گیا اور منصورہ کے باہر میدان میں صلیبی سپاہ صف آرا ہونے لگیں۔ ملکہ شجرۃ الدر کا اندازہ صحیح نکلا۔ گذشتہ شام کو کئے گئے فیصلے کے مطابق تمام امرائے عساکر ذہنی طور پر پہلے سے ہی تیار تھے۔ ملکہ شجرۃ الدر نے سلطان نجم الدین ایوب کی جگہ اسلامی لشکر سے ایک پُر جوش خطاب کیا اور مسلمانوں کو جہاد کے فریضہ کی اہمیت یاد دلائی، وہاں کے بے گناہ افراد کو صلیبی افواج نے نہایت بیدردی سے اپنی اسلام دشمنی کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ملکہ شجرۃ الدر نے سپاہ میں جوش وخروش کو بڑھانے کے لئے سلطان کی بیماری کا ذکر کر کے اس مرحلے کو ان کے لئے امتحان کی گھڑی قرار دیتے ہوئے کہا کہ سلطان منصورہ میں مقیم اپنی جانباز عساکر کی اعلیٰ کارگذاری کے منتظر ہیں۔ وہ اپنی بیماری کے ہاتھوں فی الحال معذور ہیں ورنہ وہ شوقِ جہاد میں آپ کے شانہ بشانہ موجود ہوتے۔ ملکہ شجرۃ الدر کے خطاب نے سپاہ کے تن بدن میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ وہ اپنے دیرینہ حریف کو سبق سکھانے کے لئے بے قرار ہونے لگے۔ رئیس العساکر جاشنکیر ایبک نے نہایت تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی سپاہ ترتیب سے میدان میں اتاریں۔ دائیں اور بائیں بازو کے سالار بھی اس سے بھرپور تعاون کر رہے تھے۔ مملوک سپاہ کا جوش وجذبہ دیکھنے کے لائق تھا۔ وہ پہلی بار صلیبی قوت سے نبرد آزما ہونے والے تھے۔ یہ ایک طرح سے ان کا کڑا امتحان بھی تھا کہ وہ ایک بڑے حریف کے مقابلے میں کیسی کارگذاری کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ تمام مملوک امرا اپنی سپاہ کے ضمن میں مطمئن اور بے خوف دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں افواج کی صف آرائی کا عمل کافی دیر تک جاری رہا۔ ایک جانب شاہ لوئی نہم اپنے سالاروں اور عمائدین کے ساتھ اسلامی لشکر کا مشاہدہ وتجزیہ کرنے میں مصروف تھا تو دوسری طرف میلوں تک پھیلے ہوئے صلیبی لشکر کی صف بندی پر ملکہ شجرۃ الدر اور رئیس العساکر جاشنکیر ایبک کی گہری نگاہیں گڑی تھیں۔ صلیبی لشکر ایک مخصوص لباس میں ملبوس تھا جس میں صلیب کا نشان نمایاں تھا۔ شاہ لوئی نہم لشکر کے قلب میں موجود تھا۔ اس کے عقب میں ایک بڑی صلیب بھی موجود تھی جسے ایک بڑے رتھ پر نصب کیا گیا تھا۔ صلیب کو ساتھ رکھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ صلیبی سپاہی کسی مرحلے پر کمزور پڑنے پر بھی میدان جنگ سے بددل نہ ہوں اور فرار ہونے کی کوشش نہ کریں بلکہ یسوع کے حق کی سربلندی کے لئے موت کو گلے لگانے والی مثال کو ہمیشہ یاد رکھیں۔

صلیبی لشکر میں ان کے کچھ حلیف مسلمان امیر بھی ان کے شانہ بشانہ موجود تھے جو اپنے اپنے سبز جھنڈوں کو اُٹھائے دور سے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان مسلمان حلیفوں میں ایک شخصیت امیر مونس کی تھی۔ اسے ذی الحجہ 637ء میں سلطان نجم الدین ایوب نے جزیرہ سے معزول کرتے ہوئے مصر طلب کیا تھا۔ اسے اپنی جان کا خوف دامن گیر ہوا اور اس نے صلیبی علاقوں میں پناہ لینا بہتر سمجھا۔ اس نے وہاں پر پناہ گزین رہتے ہوئے جزیرہ کے رئیس العسا کر کو نہ صرف اپنی مٹھی میں کیا بلکہ خفیہ طور پر امیر الکرک الملک الناصر اور امیر حمص ابراہیم کو اپنے ساتھ ملا یا۔ وہ ابھی نجم الدین ایوب کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے تھے کہ انہیں شاہ لوئی نہم کی آمد کی خبر مل گئی۔ انہوں نے سلطان نجم الدین ایوب کے مقابلے میں خود کو کمزور محسوس کرتے ہوئے چند شرائط پر شاہ لوئی نہم جیسی بڑی اور مضبوط قوت سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

ملکہ شجرۃ الدر کے ساتھ ساتھ کئی امرا کو صلیبی لشکر میں اسلامی پرچم دیکھ کر تاسف ہوا۔ جنگ کے آغاز سے قبل بہاء الدین زہیر خود سفارت لے کر صلیبی لشکر پہنچا۔ شاہ لوئی نہم جنگ کی مکمل تیاری کر چکا تھا۔ وہ مصر سے یروشلم تک ایک عظیم مسیحی سلطنت کے قیام کا خواب لے کر یہاں پہنچا تھا۔ پہلے معرکے کے آغاز پر اس کے مذہبی جنون کا پیمانہ انتہا کو چھو رہا تھا۔ اس نے نہایت حقارت سے نہ صرف سفارت ٹھکرا دی بلکہ کسی بھی صورت میں جنگ نہ ٹلنے کا واضح اعلان کیا۔ دن کے دوسرے پہر میں باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے میدان میں موجود لشکر اسلامی کو آٹھ بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے بائیں بازو کو آگے بڑھایا۔ شمشیریں ٹکرانے لگیں، میدان کٹے پھٹے اعضاء سے بھرنے لگا۔ کشت و خون کا معرکہ شروع ہو چکا تھا۔ مملوک سپاہ بڑی شجاعت اور بہادری سے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ پہلے معرکے میں اسلامی لشکر کا سالار احمد طولائی تھا جس نے صلیبیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں سبق سکھانے کی پوری کوشش کی۔ شاہ لوئی نہم نے پہلے دن میں صرف ایک بڑے دستے کو میدان میں اتارا تھا۔ وہ ممالیک کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ دونوں جانب دفاعی حکمت عملی اختیار کی گئی تھی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ شاہ لوئی نہم نے صلیبی لشکر کو استعمال کرنے کے بجائے اپنے مسلمان حلیفوں کو پہلے دن کے معرکے میں استعمال کیا تھا۔ شاید مقابلے پر مسلمان بھائیوں کو پا کر اسلامی لشکر نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر پایا۔ پہلے دن میں صلیبیوں کی جانب سے پینسٹھ اور مسلمانوں کی جانب سے تیس افراد کام آئے۔

❁ ❁ ❁

نوئنا جو خان اجنبی کو گرتے دیکھ کر پریشان سا ہو گیا تھا مگر اس نے خود پر بدحواسی کو مسلط نہیں ہونے دیا۔ ایک تیز چیخ کے ساتھ اس نے قاڑی باشندوں کو للکارا اور اپنی چپٹی تلوار گھماتا ہوا اُن کی جانب بے ہنگم انداز میں بڑھتا چلا گیا۔ نوئنا جو خان کا باپ بدلتی ہوئی صورتِ حال کو بھانپ چکا تھا۔ شاید اسی لئے اس نے اپنے بیٹے کو باز رکھنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ بیٹے کو موت کے منہ میں جاتے دیکھ کر اس کے جذبۂ پدری نے جوش مارا اور وہ بھی للکارتا ہوا بیٹے کے تعاقب میں لپکا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اتنے افراد کے ساتھ بھڑنا خودکشی کے مترادف ہوگا مگر اسے پیٹھ دکھا کر بھاگنا یا لڑے بغیر مرنا بھی گوارا نہیں تھا۔

قاڑی سردار کا حکم پا کر قبیلے کے نوجوان مطیع الدین کو اسی حالت میں چھوڑ کر ان دونوں کی جانب بڑھے۔ وہ تیز رفتاری سے ان کے گرد پھیلتے گئے۔ نوئنا جو خان اور اس کا باپ مکمل طور پر ان کے حصار میں تھے۔

''تمہارا سردار اپنے وعدے پر پورا اترا ہے۔ اس اجنبی کو نہ صرف شکار کر لیا گیا ہے بلکہ ایک نیا شکار بھی اب تمہارے سامنے موجود ہے۔ میرا حکم ہے کہ اسے کم سے کم زخم لگا کر قابو کیا جائے اور زندہ قبیلے میں لے جایا

جائے تاکہ قبیلے والوں کی پیاس بجھائی جا سکے'' ۔ قاڑی سردار اپنی لاٹھی بے ہنگم انداز میں گھماتے ہوئے بولا۔ قاڑی نوجوان سردار کا حکم پاتے ہی جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگے۔

نوئنا جو خان کا جسم بھاری بھر کم تھا، اس لئے وہ چستی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس کا باپ اس کی کمر کی جانب آ گیا تھا۔ قاڑی نوجوان دائرے کی شکل میں گھومتے ہوئے نیزے کی انیاں ان کو مارتے۔ وہ دونوں تلوار کی دھار سے ان کے واروں کو دائیں بائیں کر دیتے۔ یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ دونوں باپ بیٹے نہایت محتاط انداز میں مقابلہ کر رہے تھے۔ قاڑی سردار وقت گذرنے پر جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے لگا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ کھلے میدان میں اُٹھنے والے گرد و غبار پر پڑی جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُٹھ رہا تھا۔ وہ غور سے اس جانب دیکھنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں میں اسے اندازہ ہونے لگا کہ گھوڑوں پر سوار لوگوں کے ارادے کیا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس نے آواز بلند کرتے ہوئے اپنے نوجوانوں کو خطرے کا احساس دلایا۔ سردار کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ اس وقت منگولوں کی حدود میں موجود ہیں، اگر انہیں یہاں گھیر لیا گیا تو جان بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

قاڑی نوجوان اپنے سردار کے اشارے پر اب جارحانہ انداز میں حملے کرنے لگے۔ وہ جلد از جلد موٹے منگول کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتے تھے۔ اگر سردار انہیں منگول کو جان سے مارنے کا حکم دیتا تو شاید اب تک وہ اس کا کام تمام کر چکے ہوتے۔ اسے زندہ گرفتار کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ نوئنا جو خان کے بائیں کندھے کے پاس نیزے کی انی رگڑ کھاتی ہوئی گذرنے لگی تو اس نے اس پر ہاتھ ڈال کر تیزی سے جھٹکا دیا۔ قاڑی نوجوان کے پاؤں زمین سے اکھڑتے چلے گئے اور وہ نوئنا جو خان کے سر سے اُڑتا ہوا دوسری جانب موجود قاڑی نوجوانوں کے نیزوں میں گڑ گیا۔ ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور اس کا سر ڈھلک گیا۔ قاڑی سردار یہ دیکھ کر غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے موٹے منگول کو موت کی سزا سناتے ہوئے قاڑی نوجوانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ تیزی سے اس کا کام تمام کر کے یہاں سے اپنی حدود کی جانب بڑھنے کی کوشش کریں۔

میدان میں دکھائی دینے والے گھوڑے اب کافی واضح ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر سردار نے واپسی اختیار کرنا مناسب سمجھی۔ اگر وہ اپنی حدود میں پہنچ کر قیام کرتا تو شاید وہ منگولوں کو یہ باور کرنے میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ مجرم نہیں ہے۔ اس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹنا شروع کر دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے تیزی سے واپس لوٹنے کی کوشش کی تو قاڑی نوجوان اپنے سردار کو بزدل سمجھیں گے اور اس کے عمل کو فرار قیاس کرتے ہوئے منگول کو چھوڑ کر اس پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اسی لمحے اس کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ قاڑی نوجوان اپنے سردار کی چیخ سن کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ سردار کو زمین بوس ہوتے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

❁ ❁ ❁

جینانی سلطنت کے سرحدی محافظ کا سالار جوزیف آرام کر رہا تھا کہ اسے خبر ملی کہ منگول سپاہ کا ایک لشکر جینانی سلطنت کی جانب بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ سرحدی محافظوں کا یہ دستہ دو سو افراد پر مشتمل تھا جو اس پہاڑی سے جنوب کی جانب دس فرلانگ کے فاصلے پر ایک غار میں مقیم تھا۔ اس کا کام سرحدی دخل اندازیوں کا قلع قمع کرنا اور جینانی سلطنت پر ہونے والے ہر قسم کے حملوں کی پیشگی خبر زار کے دربار تک پہنچاتا تھا۔ چنگیز خان کی وفات کے بعد کسی دوسرے قاآنِ اعظم کی نگاہ جینانی سلطنت کی جانب نہیں اُٹھی، شاید اسی لئے سرحدی اخراجات کو کم کرنے کے لئے سپاہیوں کا ایک بڑا حصہ یہاں سے واپس بلا لیا گیا تھا۔ جوزیف منگول حملہ آوروں کی بابت سن کر لمحہ بھر کے لئے حیران رہ گیا۔ اس نے اس خبر کو پہلے پہل اپنا خواب تصور کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے

خبر لانے والے سے دوبارہ استفسار کیا تھا۔ جب اسے یقین ہوا تو وہ تیزی سے غار میں سے باہر نکلا۔ باہر نکلتے ہی وہ اس جانب نگاہیں دوڑانے لگا جہاں ایک چھوٹا سا دستہ برقائی خان کی قیادت میں جینانی سرحد کی جانب بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔

''حیرت انگیز!'' جوزنیف بڑبڑایا۔ ''مگر یہ منگول درّے والے راستے کی جانب بڑھنے کے بجائے اس جانب کیوں جا رہے ہیں؟''

اس کا نائب بھی اس کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ جوزنیف نے پشت پر کسی کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے گردن گھمائی۔ نائب کا چہرہ دیکھ کر اس نے اپنے سوال کو دہرایا۔

''مجھے بھی اس حرکت پر حیرت ہے کہ اگر یہ لوگ جینانی سلطنت میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو یہ پہاڑی کی جانب کیوں بڑھ رہے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس جانب کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے''۔

''وہاں کیسی گڑبڑ ہو سکتی ہے؟'' جوزنیف اُلجھے انداز میں بولا۔ ''بہرحال تم فوری طور پر اپنے سپاہیوں کو تیار کرو۔ ہم خود وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے''۔

''کیا دربار خبر بھجوا دی جائے؟''

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں ہے''۔

''تمام سپاہی ساتھ لئے جائیں یا ایک دستہ کافی ہوگا؟''

جوزنیف اس پر ایک تیز نگاہ ڈال کر بولا۔ ''تم فضول باتیں بہت کرتے ہو۔ جتنے سپاہی ہو سکیں، تیار کر دو۔ دوسرا تمہیں میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہیں رہ کر نظر رکھو گے۔ اگر کوئی گھمبیر معاملہ درپیش ہوا تو میں تمہیں سرخ کپڑے کا اشارہ دے دوں گا۔ تم اسی وقت دربار کے لئے ایک قاصد روانہ کر دینا۔ سمجھ گئے ہو یا مزید کچھ سمجھانا باقی ہے؟''

نائب کھسیانا سا ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ جوزنیف ضرگامی قبیلے سے نکلنے والے اس چھوٹے سے دستے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شکل و صورت سے وہ سپاہی معلوم ہوتے تھے، کیونکہ ان کے لباس قریباً ایک سے دکھائی دے رہے تھے۔ ضرگامی قبیلے کے لوگ مختلف رنگوں کے لباس میں دکھائی دیا کرتے تھے۔ کبھی اسے کوئی ایسا واقعہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ جب ضرگامی قبیلے کے لوگوں نے ایک ہی رنگ کا لباس زیب تن کیا ہو۔ اس نے خیالوں کو پرے دھکیلا اور رفیعی پہاڑی کی سمت کچھ آگے بڑھ کر ایک بڑے پتھر پر پہنچا اور آگے کو جھک کر اس جانب ہونے والی سرگرمیوں کو غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہاں جو کچھ بھی تھا اس کی نگاہوں کے حصار میں نہیں آ پایا۔

❁ ❁ ❁

صلیبی لشکر سے نبرد آزمائی میں اٹھارہ دن بیت چکے تھے۔ رئیس العساکر ملکہ شجرۃ الدر کی ہدایت پر جارحانہ حملوں سے گریز کر رہا تھا۔ اس کی دفاعی حکمت عملی ایسی مؤثر تھی کہ صلیبی لشکر اٹھارہ دنوں میں پورا زور لگا لینے کے باوجود کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر پایا۔ اسلامی لشکر کی جانب سے ابوخویلد نے دفاعی حکمت عملی سے انحراف کیا اور وہ جارحانہ انداز میں صلیبی صفوں میں گھستا چلا گیا۔ اس کے جرأت مندانہ فعل اور اعلیٰ شمشیر زنی کے مظاہرے نے صلیبی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا تھا۔ صلیبی سپاہیوں کی گردنیں تن سے جدا کرتا ہوا جب وہ واپس لوٹا تو اس کا تمام جسم خون سے تربتر تھا اور جسم پر بارہ گہرے زخم آئے تھے۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اسے فوری طور پر سرکاری طبیب خانے میں منتقل کرتے ہوئے کہا تھا کہ صحت یابی کے بعد اسے اپنے اس جرم کی کڑی سزا بھگتنا

ہوگی۔ ملکہ شجرۃ الدر کی جانب سے یہ نہایت سخت اقدام تھا، جس نے دوسرے جوشیلے امرائے لشکر کو مقررہ قاعدے کی حدود پھلانگنے سے باز رکھا تھا۔

ملکہ شجرۃ الدر کو توران شاہ کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اسے گزشتہ ہفتے میں پہنچ جانا چاہیے تھا مگر وہ راستے میں بیمار پڑ گیا اور کئی دن تک بستر پر پڑا رہا۔ صحت یابی کے بعد اس نے تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا اور 29 ذی الحجہ کو دوپہر کے وقت منصورہ کے میدان میں پہنچ گیا۔ جنگ جاری تھی۔ توران شاہ کی آمد پر فلک شگاف نعرہ بلند ہوا اور جنگ میں تیزی پیدا ہوگئی۔ شاہ لوئی نہم مسلمانوں کی نئی کمک کی اطلاع پا کر پریشان ہو گیا۔ اس نے دفاعی حکمت عملی کو برقرار رکھتے ہوئے وہ دن نہایت مشکل سے گزارا۔ شام کو جنگ بندی پر لاشوں کا شمار کیا گیا تو میدان میں صلیبی سپاہیوں کی لاشیں کثرت سے پائی گئیں۔ یہ منظر صلیبی لشکر کے حوصلے پست کرنے کے لئے کافی تھا۔ توران شاہ نے خود آگے بڑھ کر پے در پے حملوں کا سلسلہ شروع کیا تھا جس پر وہ جوشیلے سپاہی جو حکم نہ ملنے پر دبے دبے انداز میں جنگ لڑ رہے تھے، شہ پاتے ہی اپنے جوہر دکھانے لگے۔

شام کو توران شاہ کی ہدایت پر سلطان نجم الدین ایوب کی موت کا باضابطہ اعلان کیا گیا۔ اپنے محبوب سلطان کے انتقال کی خبر پا کر مسلمانوں میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ ملکہ شجرۃ الدر نے مملوک امراء کو پہلے سے توران شاہ کے انتخاب کی ہدایت کر رکھی تھی، اسی لئے توران شاہ کے نام کو متفقہ طور پر نئے سلطان کے لئے منظور کر لیا گیا۔ اگلی صبح جنگ کے آغاز سے پہلے باقاعدہ رسم تاجپوشی کا اعلان کیا گیا۔ تمام رات اسلامی لشکر میں سلطان نجم الدین ایوب کے لئے مغفرت کی دعائیں کی جاتی رہیں۔

❁ ❁ ❁

ایک گھڑ سوار تیز رفتاری سے برقائی خان کے نزدیک آیا۔ برقائی خان قاژی باشندوں کی سرکوبی کے خیال میں مستغرق تھا، پہلو میں حرکت محسوس کر کے چونک پڑا۔ برقائی خان نے سر کو جنبش دیتے ہوئے اس سے استفسار کیا تو اُس نے ہاتھ کے اشارے سے برقائی خان کی توجہ شمال کی جانب مبذول کرانے کی سعی کی۔ برقائی خان نے سر گھما کر دیکھا تو اُسے شمال کی جانب سے جینانی سپاہ کے سفید گھوڑوں کا دھندلا سا غول پہاڑی سے اُترتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ فیصلہ بڑا مشکل تھا کہ قاژی باشندوں سے نبٹنے کے ساتھ ساتھ جینانی لشکر کو بھی دعوتِ مبارزت دی جائے یا ان سے کنی کترا کے نکل جائے۔ برقائی خان نے لمحہ بھر میں انہیں بھی دیکھنے کا فیصلہ کیا اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اسے اشارہ کیا تو اُس سپاہی نے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑتے ہوئے واپسی کا رستہ اختیار کیا۔ اس نے تمام سپاہیوں کے گذرنے کے بعد گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالا گیا ایک بڑا سا کپڑا اپنی تلوار کی نوک پر اُٹھا کر ضرگامی قبیلے کی جانب تیزی سے لہرانا شروع کر دیا۔ یہ ایک طرح کی علامت تھی کہ وہاں موجود باقی تمام سپاہی فوری طور پر ان کے عقب میں مدد کے لئے روانہ ہو جائیں۔ برقائی خان نے اپنے سواروں کو تیز رفتاری سے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ قاژی باشندوں کو جینانی دستے کی مدد حاصل ہونے سے پہلے پہلے سبق سکھانا چاہتا تھا۔ منگول سپاہی جینانی دستے کو پہاڑی سے اترتا دیکھ کر حالات کی نزاکت کو سمجھ چکے تھے۔ گھوڑوں کی رفتار میں نمایاں اضافہ اس بات کا ثبوت تھا۔

❁ ❁ ❁

سیرس جنگ کے دوران دو بار صلیبی سپاہی کا بہروپ بدل کر صلیبی لشکر میں داخل ہوا تھا۔ وہ نہ صرف وہاں صلیبی سپاہیوں کے فن حرب کا بغور جائزہ لیتا رہا بلکہ وہاں سے کسی بڑی خبر کو اڑانے کی فکر میں بھی رہا مگر اس معاملے میں اسے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل ہو پائی تھی۔ آج توران شاہ کی آمد پر صلیبی لشکر کو کافی نقصان اُٹھانا

پڑا تھا، اسی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر وہ دوبارہ صلیبی لشکر میں داخل ہوگیا۔ چند دن صلیبیوں میں رہ کر اس نے اپنی مخصوص صلاحیت کے بل پر رومی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ ان کے درمیان اس انداز میں رومی زبان میں بات چیت کرتا کہ صلیبی اسے مقامی سمجھنے کے بجائے ٹمپلرز کے گروہ کا کوئی فرد سمجھتے۔ ہبرس نے اپنی ہردلعزیز عادت سے کئی سپاہیوں کو گرویدہ کر لیا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ کسی بھی فرد کو اس پر شک نہ ہو پایا کہ وہ مسلمان جاسوس ہے۔ رات کے وقت شراب کا دور شروع ہوا تو ہبرس کے لئے امتحان کی گھڑی شروع ہوگئی۔ شراب سے انکار اس کے لئے برے نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ وہ اس وقت ایک بڑے دستے کے سالار کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

''تم قسطنطنیہ میں کس جگہ رہا کرتے تھے؟'' صلیبی سالار نے شراب کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔

''قسطنطنیہ میں، میں مقدس کلیسا کے بائیں جانب واقع سینٹ پطرس نامی محلے میں رہا کرتا تھا۔ وہ بھی کیا دن تھے ماسٹر! بس مقدس باپ ایک دن خواب میں چلا آیا اور بولا تم میرے کیسے بیٹے ہو کہ میرے گھر پر باہر سے آ کر دشمن قابض ہو گئے ہیں اور تم یہاں غفلت کی نیند سو رہے ہو۔ بس پھر کیا تھا، میں نے سب کچھ اپنے بھائی جوزف کے پاس چھوڑا اور لشکر کے ساتھ چلا آیا''۔ ہبرس گہری سانس بھر کر بولا۔

''قسطنطنیہ میں سینٹ پطرس نامی محلّہ میں نے کبھی سنا نہیں!'' سالار چہرے کو ہاتھ سے مسلنے لگا۔ ''خیر ہوگا کہیں؟ تم جام کیوں نہیں لے رہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''ماسٹر! میں جام نہیں لوں گا، میں نے مقدس ماں کے سامنے قسم کھائی ہے کہ جب تک خداوند یسوع کے گھر کو ناپاک دشمنوں سے چھڑا نہیں لوں گا ایک قطرہ شراب بھی حلق سے نیچے نہیں اتاروں گا''۔

''وہ دن اب زیادہ دور نہیں''۔ سالار بے ڈھنگے انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''دو ایک روز میں ہم یہ میدان مار ہی لیں گے۔ تم بے فکری سے دل کھول کر پیو۔ یہ شاہ لوئی کا مال ہے''۔

''مجھے افسوس ہے ماسٹر کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا، میں اگر اب بہک گیا تو شاید وہ کام کبھی نہ کر پاؤں جس کے لئے مجھے میرے باپ نے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری ضد پر غصہ آ سکتا ہے مگر میں مقدس ماں کے سامنے کئے گئے وعدے کو توڑ نہیں سکتا''۔

''تم تو برا مان گئے برادر!'' سالار جلدی سے بولا۔ ''چلو آج کی شراب تمہاری طرف ادھار رہی، یروشلم میں پہنچ کر ساتھ ہی پئیں گے۔ میں یروشلم میں تمہیں تلاش کروں گا۔ مگر میں تمہیں تلاش کہاں کروں گا؟ اچھا کوئی بات نہیں۔ اتوار کی سروس میں کبھی نہ کبھی تو ملاقات ہو ہی جائے گی''۔ وہ شراب کے نشے میں بہکنے لگا تھا۔

''میں تو آج بڑا فکر مند ہوا ہوں کہ دشمنوں کی نئی کمک پہنچ گئی ہے اور افواہ گرم ہے کہ ابھی مزید کمک پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ان کی تعداد ہم سے بڑھ جائے گی''۔ ہبرس تاسف بھرے لہجے میں رنجیدگی سے بولا۔

''یوں دل نہ چھوڑو!'' سالار خمار کے عالم میں اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ''ایک چھوڑ دس بار کمک پہنچ جائے۔ شاہ لوئی کے بازوؤں میں بڑا دم ہے۔ اس نے یہاں کے کافی لوگ خرید لئے ہیں۔ تم دیکھ لینا ایک آدھ دن میں کوئی نہ کوئی بڑا عہدے دار شاہ لوئی کی مٹھی میں ہوگا۔ شاہ کے پاس بے شمار دولت ہے، حریص مسلمان خود بخود خوشبو سونگھتے سونگھتے پہنچ جاتے ہیں۔ اسی تاجر کی بات لے لو جس نے سلطان کی موت کی خبر شاہ لوئی کو لا کر دی تھی، خبیث اپنے انجام سے بے فکر شاہی خیمے میں رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ ذرا جنگ ختم تو ہو لینے دو، دیکھ لینا اس کا حشر کیا کیا جائے گا؟'' سالار جام کو لہراتے ہوئے بول رہا تھا۔

اس کی بات سن کر ہبرس کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ تیزی سے بولا۔ ''تم اسی شخص کی بات کر رہے ہو جو یہ کہتا تھا کہ میں جامع مسجد منصورہ کے سامنے رہتا ہوں اور میں نے اپنی آنکھوں سے سلطان کی لاش دیکھی تھی؟''

''ہاں ہاں! مگر یہ سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟'' سالار چونک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ اب مشکوک نگاہوں سے ہبرس کو گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کبھی شراب پی ہی نہ ہو۔ ہبرس دل ہی دل میں اس کی قوتِ ارادی کا معترف ہوگیا۔

''اس میں چونکنے والی کون سی بات ہے؟'' اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''یہ بات تو صرف چند بڑے سالاروں کو ہی معلوم ہے۔ تم تو عام سپاہی ہو!'' سالار مطمئن نہیں ہوا۔

''تم خوامخواہ شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہو، میں کوئی غیب نہیں جانتا۔ تم جیسے ایک مہربان سے یہ سب معلوم پڑا تھا، میں تو اس خبیث کو جانتا تک نہیں، تمہارے منہ سے اس کا ذکر سنا تو اپنی بات کی تصدیق کرنا چاہی''۔ ہبرس نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر سالار کے رویئے سے ناگواری جھلکنے لگی۔

''بھئی خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' سالار اس کے مزاج کو سمجھ گیا تھا، اسے مناتے ہوئے بولا۔

''کیا کروں؟ ایسی جگہ پر ہوں جہاں ہر کوئی دشمن دکھائی دیتا ہے، دوسرے میرا منصب بھی کچھ ایسا ہے کہ ہر جانب سے آنکھیں کھلی رکھنا ضروری ہے''۔

''ممکن ہے کہ تم اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے یہ سب صحیح سمجھتے ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے تمہارے اس بے ہودہ رویئے سے سخت تکلیف پہنچی ہے''۔ ہبرس روکھے لہجے میں بولا۔

''چلو بھئی اب غصہ تھوک دو۔ میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ایک ایک جام ہو جائے۔ شاید اسی طرح تمہارا غصہ پہلے جیسی خوش مزاجی میں بدل جائے۔ خداوند کی قسم! آج بڑے دنوں بعد میں خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں''۔ سالار منت سماجت پر اتر آیا تھا۔ ہبرس کے چہرے پر اس کی بات سن کر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کھل کر ہنسو یار!'' سالار ایک ہی سانس میں جام حلق میں اتار گیا۔ ساتھ بیٹھے سپاہی نے تیزی سے بڑھ کر اس کا خالی جام دوبارہ بھر دیا۔ شراب کی گندی بو سے ہبرس کا سر چکرا رہا تھا مگر وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔

''میں نے ایک ہمدرد سے سنا ہے کہ یروشلم میں ہمارے استقبال کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں''۔ ہبرس نے نئی بات شروع کی۔

''یروشلم میں ہی نہیں، بلادِ فلسطین کے ہر شہر میں کہو''۔ سالار سرشاری کے عالم میں بولا۔ ''شاہِ یروشلم عکہ میں تیار بیٹھا ہے، بس ایک خبر اسے پہنچنے کی دیر ہے، وہ اپنے لشکر سے بلادِ فلسطین میں ایسی قیامت برپا کرے گا کہ مسلمانوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔ شاہ لوئی کا کہنا ہے کہ وہ اس معرکہ میں کامیابی حاصل کر لیں پھر شاہ یروشلم کو بھی پیش قدمی کا عندیہ دے دیا جائے گا۔ سنا ہے کہ سلطان نجم الدین ایوب بڑا ازورآور اور تجربہ کار شخص تھا، یہ اسی کا کارنامہ تھا کہ بلادِ مصر سے بلادِ شام تک اس کا سکہ چلتا تھا۔ شاہ لوئی نے اس کی موت کو مبارک خیال کرتے ہوئے یہ قیاس کیا ہے کہ اب کوئی طاقت ہمیں یروشلم پہنچنے سے نہیں روک سکے گی''۔

''مقدس باپ تمہاری باتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے''۔ ہبرس آہ بھر کر بولا۔ ''شاہ لوئی کو چاہئے تھا کہ وہ یروشلم کا محاذ بھی کھول دیتے۔ اس طرح مسلمان دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتے اور انہیں جلد ہی مغلوب کر لیا جاتا۔ خیر یہ تو بادشاہوں کا کام ہے۔ وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کیا مناسب ہے؟'' ہبرس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ بالآخر وہ ایک بڑی خبر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا مگر اس نے اپنی خوشی اور کامیابی کو سپاٹ چہرے

کے تلے ایسے دبا رکھا تھا کہ کوئی جان نہ پائے۔ ہبرس نے صلیبی لشکر میں انتشار کے حوالے سے یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ صلیبی سالار گومگو کا شکار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ مہلت ملنے کی صورت میں مزید کمک ملتی رہے گی۔ کوئی بھرپور فیصلہ کن حکمت عملی اختیار کی جائے۔ کچھ لوگ بلادِ مصر پر حملے کو شاہ لوئی کا غلط فیصلہ قرار دے رہے تھے۔ ہبرس جان چکا تھا کہ اب صلیبی لشکر میں زیادہ دن تک مدافعت کا دم باقی نہیں ہے۔ وہ نصف رات کے قریب سالار سے اجازت لے کر اٹھا اور صلیبی لشکر میں گھومنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ ایک سپاہی بدستور اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ سالار اس کی جانب سے واقعی مشکوک ہوگیا تھا۔ اس نے شاہ یروشلم کی باتیں جان بوجھ کر اس سے کی تھیں تاکہ اگر وہ مسلمان جاسوس ہے تو اپنے سالاروں کو یہ باور کرا دے کہ بہت جلد ہی صلیبی ان سے اپنی زمین واپس لے لیں گے۔ یہ سالار کی نادانی تھی یا عقلمندی کہ اس نے اپنی مجلس میں موجود ایک سپاہی کو ہبرس کے پیچھے لگا دیا تھا جسے ہبرس پہلے دیکھ چکا تھا، اسی لئے وہ جلد ہی اس کے تعاقب سے آگاہ ہوگیا۔ ہبرس شاہی خیموں کی جانب نکل آیا تھا۔ یہاں پہرے دار اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہوشیار دکھائی دے رہے تھے۔ ایک محافظ نے اسے متنبہ کیا کہ وہ واپس لوٹ جائے، اس علاقے میں عام سپاہیوں کی آمد ممنوع ہے۔ ہبرس نے کندھے اچکاتے ہوئے واپسی اختیار کی۔ وہ جان بوجھ کر اسی سپاہی کی جانب بڑھا تھا جو کافی دیر سے اس کے تعاقب میں تھا۔ صلیبی سپاہی ہبرس کو یکایک اپنی جانب آتا دیکھ کر گھبرا گیا۔ چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ تیزی سے اپنا رُخ دوسری طرف کر کے قریب موجود خیمے میں کچھ دیکھنے لگا۔ ہبرس جونہی اس کے پاس پہنچا تو اس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا اور وہ سپاہی زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ ہبرس نے دائیں بائیں دیکھا۔ مشعلوں کی روشنی تاریکی مٹانے کے لئے ناکافی تھی۔ کئی سپاہی کھلے میدان میں پڑے اونگھ رہے تھے۔ ہبرس نے اس سپاہی کو سہارا دے کر خیمے کے ساتھ بٹھا دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ مختلف خیموں کے بیچ میں گھومتا رہا پھر موقع پاکر وہاں سے نکل آیا۔ اپنے لشکر سے تھوڑی دور اس نے صلیبی لباس اتار کر پھینک دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صلیبی بھی کیسے واہیات لباس پہنتے ہیں کہ سانس ہی گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ وہ اب اپنے خیمے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں دور دور تک کا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر وہ اسلامی لشکر میں داخل ہوگیا۔

❁ ❁ ❁

برجی مملوک امیر برکیارک رات کے پہلے پہر میں توران شاہ کے خیمے میں چلا آیا۔ کچھ دیر پہلے اس نے خیمے میں سے رئیس العساکر جاشنگیر ایبک اور دیگر عمائدین کو نکلتے دیکھا تھا۔ توران شاہ کو تنہا پاکر اس نے ملاقات کر لینا مناسب سمجھا۔ خیمے کے محافظ نے اس کا چہرہ دیکھ کر اسے اندر جانے سے نہ روکا۔ وہ خیمے کا دبیز پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہوگیا۔ توران شاہ بستر پر لیٹ چکا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے سفر اور دن بھر کی جنگ کے باعث نہایت تھک چکا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ برکیارک کی شکل دیکھ کر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

''خیریت ہے برکیارک؟''

''میں سلطان کی خدمت میں کچھ ضروری امور پیش کرنے کا خواہشمند تھا، اسی لئے چلا آیا''۔

''اگر صبح ان امور پر بات چیت کر لی جائے تو کوئی ہرج نہیں ہوگا''۔ توران شاہ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

''میں سلطانِ محترم کی تھکان سے بخوبی آگاہ ہوں مگر مجبوری ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں دیر کرنا سلطان کے لئے درست نہیں ہوگا''۔ امیر برکیارک مؤدب انداز میں بولا۔

''بیٹھو!'' توران شاہ بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''سلطان بخوبی جانتے ہیں کہ بندہ آپ کا پرانا وفادار اور خیر خواہ ہے''۔

''تمہید مت باندھو، کام کی بات کرو''۔

امیر برکیارک کے چہرے پر دھیمی سی ناگواری کا تاثر ابھرا مگر اس نے تیزی سے اسے مسکراہٹ میں بدل لیا۔ ''میں یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ یہاں پہنچنے کے بعد کچھ ایسی باتیں سننے میں آئی ہیں جو آنے والے کل میں آپ کے لئے بہتر ثابت نہیں ہوں گی''۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' توران شاہ اس کے پُراسرار لہجے پر جز بز ہو کر بولا۔

''مجھے معلوم ہے کہ کل صبح جنگ کے آغاز سے پہلے آپ کو باہمی رضامندی سے نیا سلطان منتخب کیا جائے گا مگر یہ منصب سلطانی عارضی ہوگا''۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' توران شاہ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''میں نے وہی عرض کیا ہے جو آپ نے سماعت فرمایا ہے۔ مجھے یہاں پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری مگر میں اپنے محسن آقا اور نئے سلطان کے بارے یہاں کے لوگوں سے ان کی رائے حاصل کرنے سے غافل نہیں رہا۔ میں نے بڑی محنت سے یہ بات کھوج نکالی ہے کہ تمام امرا اور عمائدین آپس میں متحد و متفق ہیں۔ وہ صرف صلیبی جنگ کے لئے آپ کو استعمال کر رہے ہیں۔ جونہی صلیبی جنگ کا فیصلہ ہوا وہ آپ کو اس منصب سے ہٹا دیں گے۔ آپ یہ بات تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ منصب سلطانی کے لئے ایک علیحدہ سرکاری مجلس انتخاب موجود ہے''۔

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تمام امرا اور عمائدین سے میری بات چیت ہو چکی ہے، مجھے تو کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی۔ غالباً تمہیں وہم ہوا ہے یا کسی نے کوئی غلط خبر دی ہوگی''۔

''سلطانِ محترم! آپ میری قابلیت اور وفاداری پر شک کر رہے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی''۔

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ عمائدین سلطنت یہ طے کئے بیٹھے ہیں کہ صلیبی جنگ کے اختتام کے بعد وہ مجھے معزول کر دیں گے اور میری جگہ کسی دوسرے فرد کو سلطان بنائیں گے، مگر تم خود ہی سوچو کہ میرے بعد ایسا کون ہے جو بلادِ مصر سے لے کر بلادِ شام تک سلطنت کو سنبھال سکے۔ میرے پاس امورِ جہانبانی کا تجربہ ہے اور تو اور میرے باپ نے مجھے اپنی زندگی میں ہی بلادِ شام و شرقیہ کا منتظم بنا دیا تھا''۔

''امرا و عمائدین کس فرد کو سلطان بنانے کے متمنی ہیں اس ضمن میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ایسا کچھ ضرور ہوگا۔ آپ بااختیار سلطان ہیں، آپ جو مناسب سمجھیں وہی کریں''۔ امیر برکیارک سر جھکا کر بولا۔ اس کے چہرے پر اندیشے لرزتے دکھائی دے رہے تھے۔ توران شاہ اس کے چہرے کو کچھ دیر تک بغور دیکھتا رہا۔ اسے ماضی میں کوئی ایسی مثال یاد نہ تھی جب امیر برکیارک نے اس کے حق میں غلط سوچا یا کیا ہو، البتہ یہ شکایت ضرور تھی کہ وہ اپنے منصب کی حدود سے تجاوز کر جایا کرتا تھا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے توران شاہ کو کوئی نقصان پہنچتا۔ امیر برکیارک نے توران شاہ کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ توران شاہ نے اس بات کو محسوس کر لیا۔

''تم شاید جانا چاہتے ہو؟''

''میرا خیال ہے کہ میں نے اپنی بات مکمل کر لی ہے، اب آپ کو آرام کرنا چاہئے تاکہ صبح کے لئے تازہ دم ہوسکیں''۔

''تم شاید مجھے کوئی مشورہ دینا چاہتے تھے؟''

''میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں''۔

''ممکن ہے کہ جیسا تم نے بیان کیا ہے ویسا ہی کوئی کھیل میرے ساتھ رچایا جا رہا ہو۔ ایسے حالات میں، میں کوئی نیا تجربہ کرنے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ تم بتاؤ ان حالات میں مجھے کیا قدم اُٹھانا چاہئے؟''

''میرے خیال میں آپ کو ایسے امراٗ سے تعلق مضبوط بنانا چاہئے جو تہ دل سے آپ کے وفادار اور خیر خواہ ہوں۔ کچھ حریص امراٗ کو داد و دہش کے ذریعے قابو میں رکھا جا سکتا ہے''۔

''ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔ تم اب جانا چاہو تو جا سکتے ہو''۔ توران شاہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ امیر برکیارک اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ وہ جس مقصد کے لئے آیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ وہ ان عمائدین سلطنت کو کمزور کرنا چاہتا تھا جو انتظامِ سلطنت میں مضبوط خیال کئے جاتے تھے۔ اس کی نگاہ میں، کمزور اور زر خرید عمائدین کے ساتھ حکومت کرنا آسان کام تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ توران شاہ تو نام کا ہی سلطان ہوگا، اصل حکومت تو وہ ہی کرے گا۔ اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مخالفین کو پہلے مرحلے میں ہی کچل ڈالا جائے۔ توران شاہ امیر برکیارک کے عزائم سے بے خبر اپنے منصب سلطانی کو مضبوط بنانے کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین نیزے کے گھاؤ سے زمین پر گر پڑا تھا۔ اسے ان منگولوں کی بے وقوفی پر غصہ بھی آ رہا تھا، اگر وہ بے وقت نہ چیخ مارتے تو وہ اپنا دفاع عمدہ انداز میں جاری رکھتا اور کم از کم اس گھاؤ سے تو محفوظ رہ پاتا۔ قاڑی سردار کے منگولوں کی طرف متوجہ ہونے نے اسے موقع فراہم کر دیا تھا کہ وہ اپنے جسم سے بہنے والے خون کو روکنے کا بندوبست کر سکے۔ زبان دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے ران میں دھنسے ہوئے نیزے کو نکالنے کی کوشش کی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد نیزہ اس کی ران سے نکل آیا مگر خون کے بہاؤ میں تیزی آ گئی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ سے زخم کو دبائے رکھا اور بائیں ہاتھ سے اپنی قمیض گلے سے اتاری۔ وہ زمین پر گرے گرے منگولوں کو لڑتے ہوئے بھی دیکھ رہا تھا۔ یہ مرحلہ بڑا مشکل تھا۔ تکلیف کی شدت اور خون بہنے سے اس پر نقاہت غالب آ رہی تھی۔ وہ خود کو سنبھالے رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کچھ ہی دیر میں اپنے زخم کو قمیض سے اچھی طرح لپیٹ کر باندھ دیا تھا۔ قاڑی نوجوانوں پر بھی اس کی کڑی نگاہ تھی۔ وہ اس کی جانب سے غافل ہو کر سنگولوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے تھے۔ قاڑی سردار کچھ فاصلے پر اس کی جانب پشت کئے کھڑا اپنے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی میں مصروف تھا۔ مطیع الدین نے سر گھما کر اوپر پہاڑ کی جانب دیکھا۔ وہاں کوئی دوسرا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ اپنی تلوار پر پڑی جو کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر گری پڑی تھی۔ وہ آہستگی سے گھسٹتا ہوا تلوار کے پاس پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی نگاہیں بدستور سردار پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اچانک قاڑی سردار نے مڑ کر اس کی جانب دیکھ لیا تو اسے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں مشکل پیش آئے گی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ تلوار کو اپنے قبضے میں لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے تلوار کو سہارا بناتے ہوئے اُٹھنا چاہا۔ ٹانگ سے اُٹھنے والے شدید درد سے اس کے حلق سے دبی دبی چیخ نکل گئی تھی مگر لڑائی کے شور اور ہنگامے نے قاڑی سردار کو اس سے بے خبر رکھا تھا۔ اچانک قاڑی سردار کے جسم میں حرکت دیکھ کر مطیع الدین کو اپنے جسم میں بجلیاں کوندتی محسوس ہوئیں۔ قاڑی سردار نہایت آہستگی سے پیچھے کی جانب ہٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ مطیع الدین کے بالکل سامنے پہنچ گیا تھا۔ وہ اس بات سے غافل تھا کہ اس کے پیچھے بھی کوئی موجود ہو

سکتا ہے۔ مطیع الدین نے اپنی تمام تر قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے جسم کا وزن ایک ٹانگ پر ڈالا اور تلوار اٹھا کے پورے زور سے وار کیا۔ تلوار قاڑی سردار کے کندھے کو کاٹتی ہوئی نیچے اتر گئی تھی۔ قاڑی سردار کے حلق سے اذیت بھری چیخ نکلی۔ اس کا بایاں شانہ کٹ کر جھولنے لگا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور بری طرح تڑپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے مطیع الدین کے لئے اب بھی نفرت جھلک رہی تھی۔ مطیع الدین اس کی صورت دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔ اس نے اپنی کہی ہوئی بات آج پوری کر دی تھی کہ وقت آنے پر پتہ چلے گا کہ کون کس کا شکار بنے گا؟ قاڑی سردار مطیع الدین کے شکار کو نکلا تھا مگر قدرت نے اسے خود شکاری سے شکار بنا ڈالا تھا۔ قاڑی نوجوان اپنے سردار کی چیخ سن کر جونہی اس جانب متوجہ ہوئے تو نوئنا جوخان کا وار چل گیا۔ اس کی تلوار کئی نوجوانوں کو گھائل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ سردار کے مارے جانے سے قاڑی نوجوانوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ بازی پلٹتے دیکھ کر وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ مطیع الدین ابھی ان کی زد میں کھڑا تھا لیکن قدرت کی جانب سے اس کی عمر ابھی باقی تھی کہ قاڑی نوجوان اس کے دائیں بائیں سے نکلتے چلے گئے۔ ان میں سے کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ مطیع الدین پر حملہ کرے۔ نوئنا جوخان تقریباً ہانپتا ہوا ان کے عقب میں بھاگ رہا تھا۔ جونہی نوئنا جوخان کا باپ مطیع الدین کے پاس پہنچا تو مطیع الدین اس کی بانہوں میں جھول گیا۔ نوئنا جوخان کا باپ اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر مطیع الدین کی بے ہوشی کے باعث اس کا سوال ادھورا رہ گیا۔ نوئنا جوخان نے بمشکل پہاڑی کے بالائی حصے تک قاڑی نوجوانوں کا پیچھا کیا۔ انہیں فرار ہوتا دیکھ کر وہ آہستہ قدموں سے نیچے چلا آیا۔ اجنبی کو اپنے باپ کی بانہوں میں بے ہوش دیکھ کر اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''بابا! قسم ہے جادوانی آسمان کی، میں نے آج تک اتنی جلدی جلدی بے ہوش ہونے والا یہ پہلا آدمی دیکھا۔ میں جب بھی اس کے پاس آیا ہوں یہ بس..... بابا! میں اتنی خوفناک بُتے تو نہیں''۔

''اپنی بیہودہ بکواس بند کرو اور اسے کندھے پر اُٹھا۔ شکر کر کہ اس نے قاڑی سردار کو بروقت ہلاک کر ڈالا ورنہ آج ہماری لاشیں بستی میں جانے کے بجائے قاڑی قبیلے میں جا رہی ہوتیں''۔

نوئنا جوخان نے اپنے باپ کی بات سن کر برا سا منہ بنایا۔ دوسرے لمحے اس نے ایک بار پھر مطیع الدین کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ مطیع الدین کو کندھے پر اُٹھانا اس کے لئے کوئی نیا کام نہیں تھا۔ اس کی نگاہ قریب آتے ہوئے گھوڑوں پر پڑی تو وہ چونک اُٹھا۔ اس نے اپنے باپ کو بھی اس جانب متوجہ کیا۔ یہ وہی منگول سپاہی دکھائی دیتے تھے جو آج صبح ہی ان کے قبیلے میں آئے تھے۔

❁ ❁ ❁

توران شاہ کی رسم تاجپوشی کا انعقاد منصورہ کے پڑاؤ میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے بوقت صبح صادق ایک طویل ملاقات میں اُسے دیگر پیش آمدہ امور سے باخبر کر دیا تھا۔ توران شاہ نے دبے لفظوں میں عمائدین کی رضامندی اور وفاداری کے ضمن میں استفسار کیا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے تمام لوگوں کو سلطان نجم الدین ایوب کا وفادار قرار دیا۔ ملکہ شجرۃ الدر اس کے دل میں چھپے اندیشوں کو نہ بھانپ سکی ورنہ عمائدین سلطنت کی طرف سے اس کے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیتی۔ توران شاہ نے اپنے باپ کی تقلید کرتے ہوئے سفید ریشمی شاہی لباس زیب تن کیا جس پر چمکدار نقرئی پٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے حفاظتی دستے کے جلو میں اپنے خیمے سے نکلا اور پڑاؤ کے وسط میں تیار کئے گئے چبوترے پر پہنچ گیا۔ اس کے دائیں جانب قاضی عزالدینؒ اور بائیں جانب رئیس العسا کر جاشنگیر ایبک موجود تھے۔ چبوترے پر لگائی گئی کرسیوں پر دیگر عمائدین اور امراٗ موجود تھے۔ قاضی عزالدینؒ نے سب سے پہلے سلطان نجم الدین ایوب کے لئے فاتحہ خوانی کی، اس کے بعد اس نے

مجلس انتخاب کا وہ فیصلہ سنایا جس میں متفقہ طور پر توران شاہ کو تخت بلادِ مصر و شام کا خود مختار سلطان منتخب کیا گیا تھا۔ غیاث الدین توران شاہ کی سلطانی کے اعلان پر لشکر اسلامی میں تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ توران شاہ نے اپنے خطاب میں نجم الدین ایوب کے سابقہ طرزِ عمل کو جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا اور تمام مسلمان حکمرانوں سے استدعا کی کہ وہ صلیبی لشکر کی مدد کرنے کے بجائے اپنے دین اسلام کی خدمت کو ترجیح دیں۔ علاوہ ازیں اس نے صلیبی لشکر کے خلاف جارحانہ جنگ کا بھی اعلان کیا۔ اس نے اپنے لئے الملک المعظم کا لقب اختیار کیا۔ ان معاملات سے فارغ ہو کر اس نے سابقہ امرأ اور عمائدین کے عہدوں میں بھی تبدیلیاں کیں۔ امیر برکیارک کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتے ہوئے اس نے چیدہ چیدہ مناصب پر برجی ممالیک کو مقرر کیا۔ برجی ممالیک کی بڑی تعداد اس کے ساتھ حصن کیفا سے آئی تھی۔ جن امرأ نے اسے اپنا سلطان منتخب کیا تھا، اُن میں سے قریباً اسی فی صد لوگوں کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا گیا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر سلطان توران شاہ کے ان اقدامات پر محض پہلو بدل کر رہ گئی۔ وہ اب امورِ سلطنت میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ البتہ اس نے دبے الفاظ میں توران شاہ کے ان غیر متوقع فیصلوں کو غلط قرار دیا۔ برجی ممالیک ایک عرصے سے عسکری معاملات میں پھنسے رہے تھے۔ توران شاہ کی اس عنایت پر وہ خوشی سے دیوانے دکھائی دے رہے تھے۔ بحری ممالیک کافی عرصے سے سلطان نجم الدین ایوب کے ساتھ مختلف مقامات پر اپنی خدمات انجام دے رہے تھے چنانچہ ان کے لئے یہ اعلان بے حد دل شکن تھا۔ توران شاہ اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کی فکر میں یہ بات بھول چکا تھا کہ سلطان نجم الدین ایوب نے ان امرأ کو ان کی خاص صلاحیتوں کی بنا پر اعلیٰ عہدے سونپ رکھے تھے۔ توران شاہ کے خطاب و اعلانات کے بعد اس کی عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ بحری ممالیک نے نہایت خاموشی سے اس کی بیعت کرتے ہوئے اپنے عہدے توران شاہ کے ساتھ آئے ہوئے برجی ممالیک کے حوالے کر دیئے۔ بیعت کا سلسلہ زیادہ وسیع نہیں کیا گیا تھا۔ دن کے پہلے پہر میں تمام امور کو نبٹا لیا گیا۔ اسی وقت شاہ لوئی نہم کی جانب سے سفارت پہنچی جس میں توران شاہ کو سلطان منتخب کئے جانے پر مبارکباد کے علاوہ آج کے دن میں جنگ نہ کرنے کا مژدہ بھی دیا گیا تھا۔ توران شاہ نے قاصد کو یہ پیغام دے کر واپس کر دیا کہ یہ معاملات ہمارے لئے ایسے ہی ہیں جیسے ایک وقت کا کھانا۔ تم اپنی افواج میدان میں اتارو، ہم انشاء اللہ آج ہی فیصلہ کر دیں گے کہ کون معرکہ میں بازی لے جائے گا۔ قاصد نو منتخب سلطان کا پیغام لے کر واپس لوٹ گیا لیکن شاہ لوئی نہم نے اس دن اپنی فوجیں میدان میں نہیں اتاریں۔ شاید وہ یہ بات جانتا تھا کہ نئے سلطان کی موجودگی میں مسلمانوں کا جوش و جذبہ دیوانگی سے کم نہیں ہوگا۔ وہ تمام دن دیگر مصروفیات کی نذر ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیجی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا تھا۔ اسے قاڑی باشندے فرار ہوتے دکھائی دیئے تو وہ یہ سمجھا کہ شاید منگول سپاہیوں کی آمد سے وہ خوفزدہ ہو کر میدان چھوڑ گئے ہیں۔ اُسے اب جینائی دستے کا بھی انتظار تھا جو کافی قریب دکھائی دے رہا تھا۔ فوئنا جو خان اور اس کے باپ کو پہاڑی سے نیچے آتا دیکھ کر برقائی خان نے وہیں رُکنے کا فیصلہ کیا۔ سوئے فوئنا جو خان کے کندھے پر کچھ دکھائی دے رہا تھا جسے برقائی خان شناخت نہ کر پایا۔ وہ کبھی فوئنا جو خان پر نگاہ ڈالتا تو کبھی جینائی سپاہیوں کی جانب۔ تھوڑی دیر میں فوئنا جو خان اپنے باپ کے ساتھ نیچے اُتر آیا۔ اس کے باپ نے برقائی خان کو سامنے پا کر تیزی سے زمین پر جھک کر تعظیم پیش کی۔ فوئنا جو خان نے اپنے باپ کی تقلید کرنا چاہی مگر برقائی خان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ اس کے کندھے پر لدے انسانی جسم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کسے اُٹھا رکھا ہے اور اوپر کیا ہو رہا تھا؟'' برقائی خان نے سوال کیا۔

''قاآن زادے! میں بتاتا ہوں''۔ بوڑھا منگول آگے بڑھ کر بولا۔ ''میرا یہ بیٹا تھوڑا سا بے وقوف ہے، صبح اس نے خبر دی کہ ایک اجنبی پہاڑی پر بے ہوش پڑا ہے، میں اسے چھوڑ کر شکار کئے ہوئے ریچھ کو لے آیا ہوں تو مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں اس کے ہمراہ فیجی پہاڑی پر چلا آیا کہ اس اجنبی کو ساتھ لے کر بستی میں پہنچوں مگر یہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ قاڑی باشندوں سے نبرد آزما ہے۔ ہم نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی، ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی قاڑی باشندوں نے اسے زخمی کر ڈالا۔ جانے کیوں قاڑی اسے لے جانے کے بجائے ہماری جانب متوجہ ہو گئے اور انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ بس جاودانی آسمان کا کرم تھا کہ جان بچ گئی۔ اس اجنبی نے بروقت قاڑی سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قاڑی لوگ اپنے سردار کی موت دیکھ کر فرار ہو گئے''۔

''زندہ ہے کیا؟''

''ہاں نبض دیکھی ہے میں نے، چل رہی ہے''۔

''کچھ پتہ چلا کہ کون ہے؟''

''نہیں! میں پوچھنے ہی والا تھا کہ یہ بے ہوش ہو گیا''۔

''ذرا اس کا چہرہ تو دکھاؤ''۔

بوڑھے منگول نے فوئنا جو خان کو اشارہ کیا۔ فوئنا جو خان نے آہستگی سے اجنبی کو کندھے سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ اس کے کپڑے خون سے سرخ ہو رہے تھے اور گردن ڈھلکی ہوئی تھی۔ فوئنا جو خان نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کا چہرہ برقائی خان کی جانب کیا۔ مطیع الدین کا چہرہ دیکھتے ہی برقائی خان کا پورا جسم جیسے زلزلے کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس پر کپکپی سی طاری ہونے لگی۔ وہ گھوڑے سے پھسلتا ہوا تیزی سے نیچے اُتر آیا۔ وہ دوست جس کی تلاش میں اس نے بلادِ اردوئے زریں کے سارے ویرانے چھان مارے تھے، وہ اس کے سامنے زمین پر خون میں تر بتر پڑا تھا۔

''میرا بھائی..... میرا دوست!'' برقائی خان کے منہ سے بمشکل نکلا۔ وہ اس کا سر اپنی گود میں لئے دیوانہ وار اُسے چومے جا رہا تھا۔ منگول سپاہی تعجب سے اپنے سالار کی حرکات دیکھ رہے تھے۔ فوئنا جو خان اور اس کے باپ کے چہرے کے تاثرات بھی اُن سے مختلف نہ تھے۔ اسی لمحے جینائی دستے کا سالار جوزیف اپنے سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ منگول سپاہی اپنے سالار برقائی خان کی بے ساختہ حرکات کی جانب متوجہ تھے، جنیائی سپاہیوں کی چاروں جانب موجودگی بھانپ کر چونکنے ہو گئے۔ جنیائی دستے نے منگولوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

ایک بڑے خیمے میں تیس کے قریب لوگ موجود تھے۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ یہ سب بحری ممالیک تھے جنہیں آج سلطان توران شاہ نے ان کے عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔ وہ اب اعلیٰ عہدیداروں کے بجائے عام سپاہی بن چکے تھے۔ انہیں ان کے اعلیٰ خیموں میں سے نکال کر عام سپاہ کے خیموں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر پر غم و غصے کی کیفیت طاری تھی۔

انہی میں بیبرس بھی تھا۔ وہ نجم الدین ایوب کے عہد میں سلطانی دستے کا امیر مقرر تھا۔ توران شاہ نے اسے بھی معزول کر دیا تھا۔ یہاں موجود شخصیات میں فارس الدین اقطائی، احمد طولائی، آقنسر، علم الدین جینی، بلی چولاک، احمد قزوینی اور عبداللہ قاف نمایاں تھے۔ یہ لوگ سابقہ دور میں اہم عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ

دیگر لوگ بھی اعلیٰ عہدیدار تھے مگر ان کی اہمیت صرف مخصوص علاقوں تک محدود تھی۔ سلطان توران شاہ کے حکم نے ان کے دل میں نفرت بھر رکھی تھی۔

''یوں چپ بیٹھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا''۔ علی چولاک بولا۔

''اب ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟'' ایک امیر بے بسی کے عالم میں بولا۔

''میں نے سوچ لیا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا''۔ فارس الدین اقطائی گھمبیر لہجے میں بولا۔ اس کی بات سن کر سب چونک پڑے۔

''مجھے آپ سب لوگوں کی حمایت درکار ہے۔ میں جو سوچ رہا ہوں، اس کی کامیابی راز داری اور مکمل اتحاد کی متقاضی ہے۔ مجھے امید ہے آپ سب لوگ اپنے اپنے مناصب پر دوبارہ فائز ہونے کے خواہشمند ہوں گے''۔

''تم کھل کر بتاؤ، ہماری فکر نہ کرو، ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہماری منزل بھی ایک ہی ہے۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ اب اگر یہ ناؤ بھی ڈوبے گی تو سب کا ایک ہی انجام ہوگا''۔ احمد چولاک جلدی سے بولا۔

فارس الدین اقطائی کی نگاہیں دوسرے لوگوں کی جانب اُٹھ گئیں۔ وہ سب اس کا ساتھ دینے پر پوری طرح آمادہ دکھائی دے رہے تھے۔

''تم سب لوگ یاد رکھو کہ میری منصوبہ بندی ناکامی کا شکار ہوئی تو تم میں سے کوئی زندہ نہیں بچ پائے گا۔ اس لئے ایک بار پھر سوچ لو''۔

''اقطائی! تم بجھارتیں بجھوائے جاؤ گے یا کچھ منہ سے بھی پھوٹو گے؟'' عبداللہ قاف منہ بنا کر بولا۔

''اقطائی تو ہمیں پہلے ہی خوفزدہ کرنے پر تلا ہے کہ اگر کچھ کرنا بھی ہو تو ہم پہلے ہی خوف کا شکار ہو جائیں تا کہ وقت پڑنے پر ہمارے ہاتھ پیر ہی پھول جائیں''۔ احمد قزوینی ہنستا ہوا بولا۔

''بات مذاق میں مت اُڑاؤ''۔ فارس الدین اقطائی بدستور سنجیدگی سے بولا ''میں توران شاہ کو راہ سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہوں اور یہ کام کوئی مذاق نہیں ہے''۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا اقطائی!'' علم الدین جینی بے اختیاری کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ میری بات تحمل سے سنو اور پھر فیصلہ کرو کہ کیا تم سب لوگ میرا ساتھ دے سکتے ہو یا نہیں؟''

''اقطائی!'' بیبرس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اس وقت ایک نازک صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ہمارے سامنے صلیبی لشکر موجود ہے جو ہمیں ہر قیمت پر مٹانے کے درپے ہے۔ اسی سلسلے میں پہلے سلطان نجم الدین ایوب کی موت کو کافی دن تک مخفی رکھا گیا تھا کہ کہیں اسلامی لشکر بددلی کا شکار نہ ہو جائے۔ اگر ان حالات میں سلطان توران شاہ کے ساتھ کوئی ایسا ناگہانی واقعہ رونما ہوا تو اس کے نتائج کیا نکل سکتے ہیں؟''

''میں نے سب پہلوؤں پر اچھی طرح غور کر لیا ہے۔ تم صلیبی لشکر کی فکر نہ کرو۔ ہمارا ہر منصوبہ صلیبی لشکر کی سرکوبی کے بعد ہی عمل میں آئے گا۔ میں اس بات کو فراموش نہیں کر سکتا کہ جب تک ہماری زمین ہمارے قبضے میں ہے تب تک ہی ہمارا عہدہ اور منصب باقی ہے۔ صلیبی لشکر پر کل ایسا خوفناک حملہ کیا جائے گا کہ وہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا''۔

''اگر صلیبی لشکر کا معاملہ نبٹ جائے تو اس کے بعد میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں''۔ بیبرس نے جواب دیا۔ اس کے بعد فارس الدین اقطائی نے اپنا منصوبہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ وہ لوگ فارس الدین اقطائی کے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔ گفتگو کے آخر میں فارس الدین اقطائی نے مسکراتے ہوئے جب یہ انکشاف کیا کہ اس تمام منصوبہ سازی میں رئیس العساکر جاشنگیر ایبک کی رضامندی بھی شامل ہے تو وہاں موجود سب لوگوں کے چہروں پر حیرت و مسرت چھانے لگی۔

❁❁❁

برقائی خان جینائی دستے کی آمد پر اُٹھا۔ اس نے فوکنا جو خان کے باپ کو قریب بلایا۔ قریب آنے پر برقائی خان نے مطیع الدین کو اس کے حوالے کیا اور ہدایت دی کہ وہ اسے گھوڑے پر لاد کر تیز رفتاری سے بستی میں لے جائے اور اس کی مرہم پٹی کا بندوبست کیا جائے۔ برقائی خان نے اسے واضح لفظوں میں بتا دیا کہ اس اجنبی کی جان ہر قیمت پر بچانی ہے کیونکہ وہ اس کے لئے بڑا اہم ہے۔

مطیع الدین کے بے ہوش جسم کو گھوڑے پر لاد کر جونہی بوڑھا منگول روانہ ہونے لگا تو جوزنیف نے اسے روک دیا۔

''یہاں سے کوئی شخص اتنی دیر تک واپس نہیں لوٹ سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ منگولوں کو جرأت کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے علاقے میں بلا اجازت دندناتے پھریں''۔

''جینائی! ہوش کے ناخن لو اور تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں اردوئے زرّیں کے قاآنِ اعظم کے چھوٹے بھائی برقائی خان موجود ہیں''۔ ایک سپاہی آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

''قاآن کا بھائی ہو یا کسی غریب کا۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، مجھے صرف اپنے سوال کا جواب چاہئے''۔ جوزنیف اکھڑ لہجے میں بولا۔

''تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا، ہم سب یہیں ہیں۔ یہ شخص زخمی ہے، کافی خون بہہ چکا ہے اس کا۔ اسے طبی مدد کی فوری ضرورت ہے۔ اسے جانے دو، میں خود تمہیں تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔ میرا نام برقائی خان ہے''۔

''میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا......''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو اور یہ بھی مت بھولو کہ تم اس وقت منگولوں کی سرزمین پر کھڑے ہو۔ میں چاہوں تو تمہارے گھوڑوں کے نیچے سے اسی وقت یہ زمین کھینچ لی جائے گی''۔ برقائی خان نے سرد لہجے میں اسے متنبہ کیا۔

''قاآن زادے! ایسی باتیں کرنا بند کرو اور سیدھی طرح سے میری بات کا جواب دو۔ دوسری صورت میں، میں اپنے سپاہیوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دوں گا''۔ جوزنیف سخت لہجے میں بولا۔

''ذرا پیچھے مڑ کر دیکھو''۔ برقائی خان نے اطمینان سے اس کی توجہ منگول سپاہ کی جانب مبذول کرائی جو کہ ضرگامی قبیلے سے برقائی خان کا تعاقب کرتے ہوئے پہنچ چکی تھیں اور اب جینائی سپاہیوں کو اپنے حصار میں لے رہی تھیں۔ جوزنیف یہ دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔

''میں تمہیں ایک موقعہ اور دیتا ہوں۔ اس زخمی کو روانہ ہونے دو۔ میں ابھی یہیں موجود ہوں''۔ برقائی خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ اسے جانے دو''۔ جوزنیف نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ بوڑھا منگول تین سپاہیوں کے ساتھ مطیع الدین کو گھوڑے پر لادے وہاں سے ضرگامی بستی کی جانب روانہ ہوگیا۔ اسے جاتا دیکھ کر برقائی خان نے جست لگائی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ وہ گھوڑے کو بڑھاتے ہوئے جوزنیف کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

''جینانی امیر!'' برقائی خان سرد لہجے میں گویا ہوا۔ ''آج مجھے ایک ایسی خوشی نصیب ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تمہارا سر ابھی تک دھڑ پر موجود ہے۔ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔ اگر تم نے کوئی شرارت کرنے کی کوشش کی تو میں صرف ایک بار جان بخشتا ہوں دوسری بار میری تلوار بات کرتی ہے۔ میں یہاں تم سے مقابلہ کرنے نہیں آیا ہوں۔ میری آمد کا مقصد وہی زخمی شخص تھا، اس کی مجھے ایک عرصے سے تلاش تھی۔ سمجھ گئے تم؟''

''قاآن زادے! تمہارے اس خونخوار لہجے سے میں خوفزدہ ہونے والا نہیں۔ بے شک میرے سپاہیوں کی تعداد تھوڑی سہی مگر ان کی جرأت منگولوں نے ابھی دیکھی نہیں''۔ جوزنیف بگڑ کر بولا۔

''میرا خیال ہے تم واقعی اپنی جان گنوانے پر تلے ہو''۔ برقائی خان نے کہا۔

''میں بہادر جینانی ہوں، جان کی پرواہ بزدل منگولوں کو ہوتی ہوگی''۔ جوزنیف طنزیہ لہجے میں بولا۔

برقائی خان اس کی بات پر محض مسکرا کر رہ گیا۔

''جینانی سپاہیو!'' برقائی خان بلند آواز میں بولا۔ ''میرا مقصد تم لوگوں سے اُلجھنا نہیں ہے۔ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ تم اس وقت منگولوں کی زمین پر کھڑے ہو۔ میں نے تمہارے امیر کو واپس لوٹنے کا مشورہ دیا ہے مگر وہ جان بوجھ کر تم لوگوں کو ہلاکت میں ڈالنے پر تلا ہے۔ تم اپنے عقب میں دیکھ سکتے ہو کہ منگول سپاہی کتنی تعداد میں ہیں اور کیسے چاق و چوبند کھڑے ہیں۔ میں یہاں خون خرابہ نہیں چاہتا۔ میں تمہارے امیر کو تنہا مقابلے کی دعوت دے رہا ہوں، وہ اپنی مردانگی کا جس قدر مظاہرہ کرسکتا ہے کر لے، تاکہ اس کے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ اگر تم لوگوں میں سے کسی نے اس کی مدد کرنا چاہی تو وہ اپنے انجام سے واقف رہے''۔

جینانی سپاہی خود کو منگولوں کے نرغے میں دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ جب انہوں نے برقائی خان کی بات سنی تو لمحہ بھر کے لئے حیرت میں مبتلا ہوگئے کہ منگولوں کی سفاکی اس قدر نرمی میں کیسے بدل گئی ہے۔

''تم میری توہین کر رہے ہو۔ میرے سپاہیوں کو میرے خلاف بھڑکانے کے ارتکاب میں تمہاری سزا موت مقرر کردی گئی ہے قاآن زادے۔ سپاہیو! اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کرو اور منگولوں پر ٹوٹ پڑو، ان میں ایک بھی واپس جانے نہ پائے''۔ جوزنیف تیز لہجے میں بولا۔ دوسرے لمحے اس کی سٹی گم ہونے لگی۔ تمام سپاہی اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے۔ وہ حالات کی نزاکت بھانپ چکے تھے۔

''تم دیکھ چکے ہو کہ کوئی سپاہی خوامخواہ موت کے منہ میں جانے کو تیار نہیں ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ اپنی سپاہ کو لے کر واپس لوٹ جاؤ''۔ برقائی خان نے کہا۔ جوزنیف اپنی ہتک پر تلملا اُٹھا۔ اس نے تنہا ہی مقابلے پر آنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اپنی نیام سے تلوار نکالتا ہوا گھوڑے سے نیچے اتر آیا تھا۔ وہ تلوار کو ہوا میں لہراتے ہوئے برقائی خان کو مقابلے پر اکسا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ برقائی خان گھوڑے سے نیچے اترتا، فوئنا جو خان اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

''قاآن زادے! اگر اس غلام کو یہ شرف بخشا جائے تو مہربانی ہوگی''۔

برقائی خان گول مٹول نوجوان کی جرأت پر مسکرایا اور سر سے اثبات کا اشارہ کیا۔

''مجھے امید ہے کہ تم منگولوں کی عزت برقرار رکھوگے''۔ برقائی خان نے اس کی ہمت بندھائی۔

فوئنا جو خان تلوار لہراتا ہوا جوزنیف کے مقابل پہنچ گیا تھا۔ جوزنیف ایک ادنیٰ منگول کو مقابلے میں پا کر مشتعل ہوگیا۔ اس نے پوری قوت سے وار کیا۔ فوئنا جو خان اپنے وزن کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے نہ صرف اسے روکنے میں بلکہ ایک بھاری بھرکم گھونسے سے جوزنیف کے ہوش اڑانے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ جوزنیف گھونسے کی ضرب سے اچھل کر زمین پر گرا۔ برقائی خان فوئنا جو خان کی حاضر دماغی دیکھ کر متاثر ہوا۔ فوئنا جو خان نے تھوڑی دیر میں جوزنیف کی تلوار دور پھینک کر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ جوزنیف کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ جسم پر پڑنے والی ضربوں کے نیل واضح دکھائی دے رہے تھے۔ جب وہ بالکل نڈھال ہوگیا تو فوئنا جو خان پیچھے ہٹ گیا۔ اسی لمحے ایک تیر جوزنیف کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ یہ تیر کسی جینانی نے چلایا تھا۔ برقائی خان نے جینانی سپاہیوں کو واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تو وہ جوزنیف کی لاش وہیں چھوڑ کر واپس روانہ ہوگئے۔ برقائی خان نے اچٹتی نگاہ جوزنیف پر ڈالی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر ضرگامی بستی کا رُخ کیا۔ اس کی سپاہ بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہوگئی۔ البتہ موٹا فوئنا جو خان پیچھے رہ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

امیر برکیارک کو اس کے خفیہ مخبر نے چند ہی لمحے پہلے اطلاع دی تھی کہ معزول امرأ نے بڑے خیمے میں کوئی سازش تیار کی ہے۔ وہ ٹھیک طرح سے ان کی باتیں نہیں سن پایا۔ البتہ ان کی گفتگو میں سلطان توران شاہ کا نام بار بار آ رہا تھا۔ امیر برکیارک کے لئے یہ ایک نہایت اہم خبر تھی۔ توران شاہ کی سلطانی اس کے لئے نہایت ضروری امر بن چکی تھی۔ اس نے اپنی عیاری سے بحری ممالیک کو معزول کروا کر نہ صرف اپنا مقصد پا لیا تھا بلکہ اس کی توقع کے مطابق اسے نائب السلطنت کا عہدہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اب اس عہدے کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ تمام معزول امرأ کو اس حد تک بے بس کر دیا جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہ رہے کہ اس کے خلاف آواز بلند کر سکے۔ اس نے معزول امرأ کی کڑی نگرانی کے احکامات جاری کرتے ہوئے ان کی حرکات و سکنات کے بارے میں پل پل کی خبر حاصل کرنے کا بندوبست کیا۔ اس نے توران شاہ تک یہ خبر پہنچانا ضروری سمجھا۔ وہ رات میں سلطان توران شاہ کے شاہی خیمے میں جا دھمکا۔ توران شاہ اس کی بے وقت آمد پر جھنجھلا گیا۔

''اب کیا بات ہوگئی ہے؟ بے وقت ہی منہ اُٹھائے چلے آتے ہو''۔

''سلطان!'' امیر برکیارک نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ ''ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے معزول کردہ امرأ آپ کے خلاف کوئی سنگین سازش کر رہے ہیں۔ اسی لئے آپ کو باخبر کرنے چلا آیا ہوں''۔

''تم جب بھی آتے ہو کوئی منحوس خبر ساتھ ہوتی ہے۔ بولو! کیسی سازش پنپ رہی ہے؟''

''سازش کی تہہ تک پہنچنے کے لئے میں نے ان امرأ کی کڑی نگرانی کا حکم دے دیا ہے۔ میرے خیال میں وہ زخم خوردہ ہیں، اس لئے آپ کو منصب سلطانی سے معزول کرانے کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں''۔

''میرے منصب کی بات چھوڑو۔ اس کے بارے میں، میں نے انتظام کرلیا ہے۔ مجھے کوئی معزول نہیں کرسکتا''۔

''بہرحال اب آپ آرام کیجئے۔ میں اس ضمن میں مزید کھوج لگا کر آپ کو مطلع کردوں گا، البتہ میری ایک رائے ہے.....'' امیر برکیارک بولتے بولتے رُک گیا۔

''میں سن رہا ہوں''۔

''اگر ان معزول امرأ کو کل کے معرکے میں ہراول دستے میں بھیج دیا جائے تو آپ ان کی سازشوں سے

ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ درباری عشرت میں مبتلا یہ لوگ پہلے ہی ہلے میں صاف ہو جائیں گے“۔

”تمہاری تجویز معقول ہے مگر ابھی تک ان کے خلاف تم کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے کہ وہ واقعی کسی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں“۔

”سلطان محترم کو یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ میں آپ کا نمک خوار ہوں اور ان لوگوں سے میری کوئی دشمنی بھی نہیں۔ میں تو کل تک انہیں جانتا بھی نہیں تھا۔ آپ کے ساتھ یہاں آنے پر ہی ان کی حرکات و سکنات معلوم ہوئیں جو میں نے آپ کے گوش گذار کر دیں“۔

”شاید تم صحیح کہتے ہو“۔ توران شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ”ٹھیک ہے۔ تم جاؤ، میں خود ہی ان کا بندوبست کرلوں گا“۔

امیر برکیارک نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ وہ گذشتہ چند دنوں میں سلطان توران شاہ میں پیدا ہونے والی ایک نئی تبدیلی بھانپ چکا تھا۔ وہ کرتا وہی سب کچھ تھا جو امیر برکیارک اُسے تجویز کرتا تھا مگر امیر برکیارک کے سامنے وہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتا کہ وہ خود فیصلہ کرے گا۔ وہ خوشی سے سرشار اپنے خیمے میں چلا آیا۔ وہ اپنے تصور کی آنکھ سے کل کے معرکے میں ان تمام معزول امرأ کی لاشیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر اتنا غافل تھا کہ اسے محسوس ہی نہ ہو سکا کہ اس کے تعاقب میں آنے والا بیبرس، توران شاہ سے اس کی تمام گفتگو سن چکا ہے اور وہ کل کے معرکے میں کی جانے والی اس سازش کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو آگاہ کرنے جا رہا ہے۔

* * *

مطیع الدین کو جب ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک نرم بستر پر موجود پایا۔ وہ دیر تک آنکھیں جھپکتا رہا۔ اس کے ذہن کے پردوں پر نیبی پہاڑی پر پیش آنے والے واقعات گھومنے لگے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ منگول قبیلے نے اس کی مدد کی ہے۔ خیمے کی اندرونی بناوٹ پر غور کرنے سے اسے احساس ہوا کہ یہ خیمہ عام خیموں سے مختلف ہے۔ اسے بخوبی یاد تھا کہ عموماً سرداروں کے خیمے ہی ایسی سج دھج لئے ہوتے تھے۔ اس نے اپنے جسم کو حرکت دینا چاہی۔ درد کی شدید لہر نے اس کے پورے بدن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ہلکی سی کراہ اس کے منہ سے نکلی۔ اس کی دائیں ٹانگ شدید دُکھ رہی تھی۔ کسی خیال کے تحت اس نے اپنی ٹانگ کو ٹٹولا۔ شاید اسے ٹانگ کاٹ دیئے جانے کا خدشہ ہوا تھا۔ ٹانگ اپنی جگہ موجود تھی۔ البتہ اسے کسی ٹھوس شے کے ساتھ سختی سے باندھا گیا تھا۔ اس کا لباس بھی تبدیل کیا جا چکا تھا۔ مطیع الدین ایک لمحے کے لئے منگول قبیلے کی اتنی مہربانی پر حیران رہ گیا۔ اس نے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ٹانگ اس قدر سختی سے باندھی گئی تھی کہ اسے ہلانا جلانا دوبھر ہو رہا تھا۔ مطیع الدین کو اپنے حلق میں کانٹے چبھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے نحیف لہجے میں آواز دی۔ ”کوئی ہے؟“

مطیع الدین کی آواز باہر موجود شخص کے کان تک جا پہنچی۔ اسے برقائی خان نے خاص طور پر خیمے کے باہر تعینات کیا تھا۔ وہ ضرگامی نہیں بلکہ منگول دستے کا سپاہی تھا۔ وہ خیمے کا پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے مطیع الدین کو ہوش میں دیکھا تو لمحہ بھر کے لئے متحیر ہوا کیونکہ طبیب نے کم از کم چوبیس گھنٹے سے پہلے تک اس کے ہوش میں نہ آنے کی پیش گوئی کر رکھی تھی جبکہ وہ نصف دن گذرنے پر ہی ہوش میں آ گیا تھا۔ محافظ سپاہی اس کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ مطیع الدین نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے پہلو میں موجود ایک صراحی سے پانی چھوٹے سے کوزے میں بھرا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین نے ایک بار پھر اُٹھنے کی کوشش کی مگر

پھر ناکام رہ گیا۔ محافظ سپاہی یہ دیکھ کر اس کے سرہانے کی جانب آ بیٹھا اور اس کی گردن میں بازو ڈال کر اسے سہارا دے کر پانی پلانے لگا۔ مطیع الدین نے بمشکل تمام پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتارے۔ نقاہت کا غلبہ ایسا شدید تھا کہ اتنی سی مشقت میں ہی وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ چند لمحوں بعد اس کی سانسیں بحال ہوئیں۔ محافظ برتن رکھنے کے بعد دوبارہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”تم بتا سکتے ہو کہ یہ کون سا قبیلہ ہے؟“

”یہ ضرگامی قبیلہ ہے“۔ محافظ نے مختصراً جواب دیا۔ مطیع الدین سر ہلا کر رہ گیا پھر اس نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔ ”تم جانتے ہو کہ سرائے شہر یہاں سے کتنی دور ہے؟“

محافظ سپاہی اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔

”بالکل! اگر میں نہیں جانوں گا تو کون جانے گا۔ میں سرائے کا ہی رہنے والا ہوں“۔

اس کی بات سن کر مطیع الدین کو ایسے لگا جیسے اسے اپنی منزل مل گئی ہو۔ اس نے بے اختیار ہو کر اُٹھنے کی کوشش کی مگر درد کے شدید جھٹکے نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”آپ آرام سے لیٹے رہئے۔ طبیب کا کہنا ہے کہ آپ کو کچھ دن تک آرام کی ضرورت ہے۔ آپ کا زخم کافی خراب ہو چکا تھا، اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو آپ کی جان جا سکتی تھی“۔

”سنو تم ابھی کچھ دن یہیں ٹھہرنا، جب تک میں تندرست نہیں ہو جاتا تم سرائے مت لوٹنا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میرا گھر بھی وہیں ہے“۔ مطیع الدین بے تابی سے بولا۔

”میں اپنے قیام کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ میں تو عام سپاہی ہوں۔ جب بھی مجھے حکم ملا سرائے روانہ ہو جاؤں گا۔ بہرحال آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں اپنے سالار سے آپ کے بارے میں بات کروں گا“۔

”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا۔ کیا تم یہاں کے مکین نہیں ہو؟“ مطیع الدین تذبذب میں بولا۔

”آپ کا اندازہ درست ہے، میں چند دن قبل ہی ایک مہم کے سلسلے میں اپنے سالار کے ساتھ یہاں آیا ہوں“۔ وہ بولا۔

”تم اپنے سالار کو مجھ سے ضرور ملانا، میں خود اس سے بات کروں گا“۔ مطیع الدین نے اسے ہدایت کی۔ وہ سر ہلانے لگا۔ اسی لمحے ایک چہکتی ہوئی آواز مطیع الدین کے کانوں میں پڑی۔

”مجھ سے تم کیا بات کرو گے اناڑی عاشق؟“

مطیع الدین آواز سن کر بری طرح چونک پڑا۔ یہ وہ آواز تھی جو اس کی سماعت میں ایک عرصے محفوظ تھی اور جسے سننے کو اس کے کان ترس گئے تھے۔ وہ غیر شعوری طور پر کمر کے بل اُٹھتا چلا گیا۔ درد کا کوئی احساس تک اس کے بدن میں باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے چینی و بے قراری سے اس آواز کے مالک کو تلاش کر رہی تھیں۔

* * *

یکم محرم 648ھ کو منصورہ کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا۔ صلیبی لشکر کی دفاعی حکمت عملی کو بھی ناکام بنا دیا گیا۔ بحری اور برجی ممالیک نے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا تھا۔ بیبرس اپنے دستے کے ہمراہ دو دفعہ صلیبی لشکر کے قلب پر حملہ آور ہوا مگر اُسے قلب میں زیادہ اندر تک داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ بیبرس کے لئے یہ دن بڑی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ توران شاہ نے اس کے کئی ساتھیوں کو ہراول دستے میں بھیج دیا تھا۔ معزول امرأ کے لئے جنگ لڑنا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہیں ابھی تلوار چلانا بھی

ڈھنگ سے نہیں آتا تھا۔ وہ حصولِ علم میں اس قدر مشغول رہے تھے کہ انہیں کبھی فنونِ حرب میں مہارت حاصل کرنے کا خیال بھی نہیں آیا۔ ان کی علمی صلاحیتوں نے ہی انہیں اعلیٰ مناصب تک پہنچا دیا تھا، ایسے امراً کو فارس اقطائی نے تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ وہ نہ صرف صلیبی لشکر کے دانت کھٹے کرنے میں مصروف رہے بلکہ ان امراً کی حفاظت کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے۔ امراً کی زیادہ تعداد بیبرس کے ساتھ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بیبرس کئی بار قلب پر حملہ آور ہونے کے باوجود پیچھے ہٹتا رہا۔ امیر برکیارک کے رچائے ہوئے خوفناک کھیل کو بحری ممالیک نے باہمی تعاون سے شام تک بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔

مغرب سے کچھ دیر پہلے دونوں جانب سے جنگ بندی کا طبل بجا۔ شاہ لوئی نہم اپنی سپاہ کی ناقص کارکردگی پر خاصا برہم دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کئی سالاروں کو برطرف کر کے ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو تعینات کیا۔ یہ سب تبدیلیاں محض دل کی تسلی تھی۔ صلیبی لشکر کی مجموعی کارکردگی اسلامی لشکر کے سامنے ماند پڑ چکی تھی۔ شاہ لوئی نہم کو اپنا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بلادِ مصر کی جانب سے اپنی پوری قوت کے ساتھ صرف اس لئے حملہ آور ہوا تھا کہ یہی ایک ایسی حکومت تھی جو یروشلم تک رسائی میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی تھی۔ اس نے تمام سپاہیوں کو اتنا نوازا تھا کہ وہ اس کے دیوانے دکھائی دے رہے تھے۔ شاہ لوئی نہم کو بھی ان سے اعلیٰ کارکردگی کی توقع تھی جو اب دن بہ دن یاسیت میں بدلتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی پرجوش تقریروں سے بھی ان میں وہ جذبۂ ایمانی بیدار نہیں کر پایا جس کے بل بوتے پر وہ سردھڑ کی بازی لگاتے۔ مسلمانوں کی عجیب سی دہشت ان پر طاری تھی حالانکہ وہ ان کے مقابلے میں تعداد میں کم تھے۔ شاہ لوئی نہم نے چیدہ چیدہ سالاروں کے ساتھ ایک خفیہ مجلس منعقد کی جس میں آنے والی کل کے معرکے کے بارے میں کئی اہم امور موضوعِ بحث رہے۔ شاہ لوئی نہم اب زیادہ دیر تک منصورہ کے میدان میں نہیں رُکنا چاہتا تھا۔ وہ آنے والی کل میں کوئی فیصلہ کن کارروائی کرنے پر مصر دکھائی دے رہا تھا۔ سابق شاہ یروشلم فریڈرک ثانی نے مراسلات کے ذریعے یہ واضح انداز میں باور کرا دیا تھا کہ وہ اتنی دیر تک اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی نہیں کر سکتا جب تک اسے شاہ لوئی نہم کی اسلامی لشکر کے خلاف واضح فتح کی اطلاع نہ مل جائے۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے صلیبی لشکر کو بلادِ فلسطین سے نکال کر بلادِ مصر کی جانب لانے سے بھی کھلے لفظوں میں انکار کر دیا تھا۔

شاہ لوئی نہم پریشان کن صورتِ حال میں پھنس چکا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ خاموشی سے میدان چھوڑ کر فرار ہو جائے مگر یہ بات اس کے شاہانہ غرور کے سراسر خلاف تھی۔ اٹھارہ بیس دن کے معرکے میں صلیبی لشکر کی ایک بڑی تعداد میدان میں کام آ چکی تھی۔ یہ صورتِ حال صلیبی سپاہیوں کے لئے بے حد تشویش ناک تھی۔ وہ دبے لفظوں میں شاہ لوئی نہم کی اس ڈھٹائی کو خودکشی قرار دے رہے تھے۔ صلیبی لشکر میں ہونے والی چہ میگوئیاں شاہ لوئی نہم تک بھی پہنچ رہی تھیں مگر وہ ان حالات میں جنگی حکمتِ عملی میں تبدیلی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ جنگ کا میدان تو سپاہیوں نے جیتنا ہوتا ہے، تنہا سالارِ اعظم بھلا کیا کر سکتا ہے؟ دو محرم 648ھ (5 اپریل 1250ء) کو منصورہ کے میدان میں فیصلہ کن جنگ کا آغاز ہوا۔ شاہ لوئی نہم کی طرف سے کی گئی تبدیلیوں کے باعث کسی حد تک صلیبی لشکر کی کارکردگی میں بہتری دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر شاہ لوئی نہم کی ہمت بندھنے لگی مگر دوپہر ڈھلتے ہی اسلامی لشکر کی جانب سے ایک ایسا ریلا آیا کہ وہ کارکردگی بھی صفر ہو گئی۔ بحری و برجی ممالیک نے توران شاہ کی قیادت میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھاتے ہوئے صلیبی لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ شام تک اسلامی لشکر کافی حد تک آگے بڑھ چکا تھا۔ شاہ لوئی نہم نے اپنی ناکامی دیکھ کر رات کو کیے گئے فیصلے کے دوسرے حصے پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا۔ اس کے اشارے پر چیدہ چیدہ سالاروں نے اپنے دستوں کو بڑے منظم طریقے سے پیچھے ہٹانا

شروع کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دمیاط کے شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ رئیس العساکر جاشنگیر ایبک صلیبی چال کو ان کی کمزوری سمجھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ فارس الدین اقطائی نے صلیبی لشکر کو حصار میں لینے کی تجویز پیش کی جسے فوری طور پر منظور کر لیا گیا اور اسلامی لشکر کو سرعت سے پسپا ہونے والے صلیبی لشکر کے پہلوؤں میں بکھیر دیا گیا۔ ممالیک پہلے ہی صلیبیوں سے فیصلہ کن انداز میں دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ اجازت ملتے ہی انہوں نے حملوں کا ایسا میدان گرم کر دیا کہ صلیبی لشکر کے وہم و گمان سے باہر تھا۔ ہر طرف لاشوں کے انبار لگنا شروع ہو گئے۔ ممالیک کے جارحانہ حملوں سے دائیں و بائیں بازو میں انتشار پیدا ہو گیا۔ بھگدڑ سے سارا نظم و ضبط چوپٹ ہو کر رہ گیا۔ صلیبی سالاروں نے حالات کو قابو کرنے میں بہتیرا زور لگایا مگر وہ لشکر میں پھیلنے والی افراتفری پر قابو نہ پا سکے۔ رئیس العساکر جاشنگیر ایبک نے بروقت عمدہ قدم اُٹھایا تھا۔ مغرب کے وقت تک تمام صلیبی لشکر اسلامی لشکر کے نرغے میں آ چکا تھا۔ ابھی تک قلب میں نظم باقی تھا جس کے باعث مسلمانوں کو اندر داخل ہونے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ بیبرس نے اللہ کا نام لیتے ہوئے اپنے دستے کو قلب میں داخل کرنے کی جان توڑ کوشش کا آغاز کیا۔ وہ کئی دن سے مسلسل قلب میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر کوئی نہ کوئی وجہ آڑے آ جاتی تھی۔ وہ جان ہتھیلی پر رکھتے ہوئے اتنی جوانمردی سے لڑا کہ صلیبی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ وہ اپنے جانبازانہ حملوں سے قلب کو توڑ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ قلب کا نظم و نسق ٹوٹنے کی دیر تھی کہ صلیبی لشکر کے چھکے چھوٹ گئے۔ رات کے پہلے پہر تک جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ساتویں صلیبی جنگ صلیبیوں کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہو گئی۔ اس جنگ میں بیبرس کی اعلیٰ کارکردگی نے اس کا مقام خاصا اونچا کر دیا تھا۔ توران شاہ نے خوش ہو کر اسے ایک ہزار سپاہیوں کے دستے کا سالار مقرر کیا تھا۔ علاوہ ازیں اسے بیش قیمت انعامات سے بھی نوازا گیا تھا۔

عرب مؤرخین کے بیان کے مطابق اس دن کے معرکے میں صلیبی مقتولوں، زخمیوں اور قیدیوں کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی اور ان کے مال اسباب کے نقصان کا کوئی حساب نہیں تھا۔ شاہ لوئی نہم کو اس کے اعلیٰ سالاروں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان توران شاہ کے سامنے جب شاہ لوئی نہم کو پیش کیا گیا تو اس نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی جان بخش دی۔ بحری امراً کی بڑی تعداد شاہ لوئی نہم کو قتل کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ سلطان توران شاہ نے قابو میں آئے دشمن کو قتل کرنے کے بجائے محض نظر بند کرنے پر اکتفا کیا۔ شاہ لوئی کو منصورہ کے رئیس امیر فخر الدین بن لقمان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کی خدمت کے لئے ایک ہمہ وقتی خادم صبیح المعظمی کو مقرر کیا گیا۔ اس صلیبی جنگ میں ایک فرانسیسی مؤرخ دی جان ویل بھی مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

”میں نے سارا انتظام کر لیا ہے، کل دوپہر کو جب سلطان اپنے محل سے باہر نکلے گا تو ہمارا کام شروع ہو جائے گا۔ تم لوگ پوری طرح تیار رہنا، کسی قسم کی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے۔ سپاہیوں پر بھی کڑی نگاہ رکھنا ہو گی، کہیں ان سے کوئی چوک نہ ہو جائے“۔ فارس الدین اقطائی بولا۔

”تم نے ان لوگوں سے سلیقے سے بات چیت کر لی ہے، تمہیں پورا یقین ہے ناکہ وہ عین وقت پر ہمیں دھوکا نہیں دیں گے؟“ علی چولاک دائیں بائیں دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھے تو ان پر پورا بھروسہ ہے، باقی سب اللہ ہی جانتا ہے کہ سلطان کی تقدیر میں کیا لکھا ہے“۔

”اگر سلطان قلعے سے باہر نہ نکلا تو ہمارے لئے مشکل ہو جائے گی“۔ عبداللہ قاف نے خدشہ ظاہر کیا۔

فارس الدین اقطائی نے اس کی بات پر اسے گھور کر دیکھا۔ ''ہمت ہارنے والی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے اپنی جان داؤ پر لگا دی ہے۔ اگر سلطان کے کسی وفادار کو بھنک بھی پڑ گئی تو اس کی کم از کم سزا موت ہوگی۔ جب میں روشنی کی کرن دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں تو پھر تم لوگ کیوں میری توجہ تاریکی کی جانب بٹانے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''سلطان کے بعد کوئی دوسرا فرد دکھائی نہیں دے رہا جسے سلطان بنایا جائے گا۔ کیا تمہیں کامل بھروسہ ہے کہ آنے والے دنوں میں نیا سلطان ہمارے مناصب بحال کر دے گا؟'' علی چولاک بولا۔

''اس بارے میں تو میں بھی نہیں جانتا کہ آنے والے کل میں کون سا چہرہ سامنے آئے گا۔ جاشنکیر ایبک نے ہمارے عہدوں کی واپسی کی مکمل ضمانت دی ہے''۔ فارس الدین اقطائی نے کہا۔

''اقطائی!'' بیبرس نے اسے مخاطب کیا۔ ''میرے تمام سپاہی تمہارے لئے حاضر ہیں مگر میں اس معاملے میں براہِ راست حصہ نہیں لینا چاہتا''۔

''بیبرس میرے دوست!'' فارس الدین اقطائی اُسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ''ہم میں سے کوئی بھی اس معاملے میں براہِ راست حصہ نہیں لے رہا ہے۔ ہمیں اپنے محفوظ کل کے لئے پس پردہ ہی رہنا ہوگا۔ منصورہ میں موجود تمہارے سپاہی ہی ہماری اصل طاقت ہیں''۔

''پھر بھی مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا''۔

''میں جانتا ہوں کہ تم تھوڑے سے جذباتی آدمی ہو لیکن یہ صرف میرا یا تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ اس سے ان تمام لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں جو اپنی قابلیت کی ناقدری کے غم میں مبتلا ہیں۔ ہم یہ سب صرف ان کی بہتری کے لئے کر رہے ہیں۔ کیا تم یہ چاہو گے کہ اتنی بڑی اسلامی ریاست پارہ پارہ ہو جائے؟ سلطان نجم الدین ایوب نے کڑی محنت سے جس بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کیا ہے، وہ دوبارہ بکھر جائے؟ سلطان توران شاہ ایک ناکام اور نااہل حکمران کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس کا زیادہ دیر تک اقتدار میں رہنا مسلمانوں کے لیے بہتر نہیں ہے۔ مجھے مختلف علاقوں سے بدستور ایسی خبریں مل رہی ہیں کہ برجی امیر نجم الدین ایوب کی موت کا فائدہ اُٹھانے کی فکر میں ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ آج کل میں ہی ایسی خبریں موصول ہونا شروع ہو جائیں گی کہ فلاں علاقے میں بغاوت ہوگئی۔ توران شاہ اگر اپنے درباری فیصلوں میں ہی غلطی کر رہا ہے تو کیا وہ ان باغی امرأ کی سرکوبی کے لئے صحیح فیصلے کر سکے گا؟ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کوئی درست فیصلہ کر پائے گا۔ برجی امرأ کو فوقیت دینے کا سیدھا سادا یہی مطلب ہے کہ وہ صرف اپنا اقتدار مضبوط کرنا چاہتا ہے''۔

''اقطائی!'' بیبرس دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مجھے تمہاری تمام باتوں سے اتفاق ہے مگر جو کچھ تم کل کرنے والے ہو، مجھے ایک آنکھ نہیں بھا رہا''۔

''تو کیا ہم تمہاری وفاداری پر شک کریں؟'' عبداللہ قاف تیز لہجے میں بولا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پہلے بھی خاموش رکن کی حیثیت سے تمہارے ساتھ تھا اور آج بھی ہوں مگر میں اپنی رائے کا اظہار کرنے میں عار نہیں سمجھتا''۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تم لوگ آپس میں مت الجھو۔ تمام معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر کسی وقت اس بات کی ذمہ داری لینے کی نوبت آئی تو میں خود اس سازش کو اپنی گردن پر لے لوں گا''۔ فارس الدین اقطائی نے کہا۔

وہ لوگ آپس میں کافی دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ وہ خفیہ طور پر منصورہ کے ایک مکان میں مقیم تھے۔ وہ سرکاری لشکر میں واپس جانے کے بجائے لوٹ کر منصورہ میں داخل ہوگئے تھے۔ بیبرس کے مشورے پر

رئیس العساکر جاشنکیر ایبک نے تمام برجی سپاہیوں کو بیبرس کے دستے سے نکال کر ان کی جگہ بحری ممالیک کو شامل کر دیا تھا۔ یہ عمل نہایت رازداری سے انجام پذیر ہوا تھا۔ اب منصورہ میں سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ موجود تھا جس کی قیادت بیبرس کے ذمے تھی اور اس دستے میں تمام سپاہی بحری مملوک تھے۔ انہیں آنے والے کل کے بارے اچھی طرح سمجھایا جا چکا تھا۔

کافی دیر تک بات چیت کا سلسلہ جاری رہا تو بیبرس نے ان سے اجازت طلب کی کیونکہ دیر تک اس کا اپنی جگہ سے غائب رہنا اسے مشکوک بنا سکتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے دروازے تک رخصت کرنے کے لئے آئے اور کل کے بارے میں دوبارہ یاد دہانی کرائی۔ بیبرس انہیں تسلی دیتا ہوا وہاں سے رخصت ہوگیا۔ فارس الدین اقطائی واپس اندر آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ علی چولاک اور عبداللہ قاف کمرے کے وسط میں بے قراری سے ٹہل رہے تھے۔ فارس الدین اقطائی نے انہیں آرام سے بیٹھنے کا مشورہ دیا تھا۔ اچانک دروازے پر زوردار ضربیں پڑنا شروع ہوگئیں۔ کمرے میں موجود سب لوگوں کی سانسیں ایک بار رُکی کی رُکی رہ گئی تھیں۔

''دروازہ کھولو۔ اندر کون ہے؟'' ایک بلند آواز گونجی۔ آواز سنتے ہی اندر موجود سب لوگوں کے رنگ زرد پڑ گئے تھے۔ بلاشبہ وہ آواز نائب السلطنت امیر برکیارک کی ہی تھی۔ وہ خوف کے مارے ایک دوسرے کے چہرے دیکھنے لگے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ عبداللہ قاف پہلے ہی کمزور دل کا مالک واقع ہوا تھا۔ خوف سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ چکا تھا۔ ''تو کیا بیبرس نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے؟'' فارس الدین اقطائی کے دل میں خیال پیدا ہوا۔

❁ ❁ ❁

گل وتوژ زنداں خانے میں نظربند تھی۔ اسے یہ رعایت دی گئی تھی کہ پسند کے کھانے اور حسب خواہش لباس کی تبدیلی میں آزادی حاصل تھی۔ وہ جب سے زنداں خانے میں آئی تھی، پہلی بار اُس نے اِس رعایت کا استعمال کیا تھا۔ نہا دھو کر جب اس نے پرانے بوسیدہ لباس سے چھٹکارا حاصل کیا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ بے حد ہلکی پھلکی ہوگئی ہو۔ وہ اپنی بہتر حالت میں بھی رنجیدہ دکھائی دیتی تھی کیونکہ اسے وہ آزادی حاصل نہیں تھی جس کی اسے تمنا تھی۔ وہ نہ صرف اپنے مقتول باپ کے لئے جاودانی آسمان کی مخصوص عبادت سے محروم تھی بلکہ اس قاتل کی تلاش میں بھی کوئی معاونت نہیں کر سکتی تھی جس نے رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھایا تھا۔ محبوب سے جدائی کا غم جان پہ پہاڑ بنا کھڑا تھا۔ وہ جب بھی مطیع الدین کے بارے میں سوچتی تو اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ یہ کیسی بے بسی تھی کہ اس کے ہم وطنوں نے ہی اسے ایک بے بنیاد الزام میں دھر لیا تھا۔ اسے رہ رہ کر اذقائی سردار پر طیش آتا کہ نہ اس کی نیت میں فتور پیدا ہوتا، نہ وہ اس پر حملہ کرتی اور نہ ہی اس کے خون کے چھینٹے اس کے لباس کو داغدار کرتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟ کبھی کبھی تو اسے یوں لگتا کہ جیسے اس اندھیرے زنداں خانے میں ہی اس کی زندگی تمام ہو جائے گی۔ وہ اندازے سے وقت کا تعین کرتی اور جاودانی آسمان سے گڑگڑا گڑگڑا کر مدد مانگا کرتی۔

پھر ایک دن اس کی دُعائیں قبولیت کی منزل پر جا پہنچیں اور اسے صاف ستھرے لباس میں ایک بار پھر منگول منصف کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا۔ دن کا اُجالا اور لوگوں کے چہرے دیکھ کر کسی حد تک اس کی ڈھارس بندھی۔

منگول منصف نے اس پر تیز نگاہ ڈالتے ہوئے کارروائی کے آغاز کا اشارہ کیا۔ سب سے پہلے کوتوال شہر نے اپنی کارگزاری پیش کی۔ اس کی تفتیش ایسی حیرت انگیز تھی کہ گل وتوژ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

اس نے اپنی تفتیش کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ازقائی قبیلے کے سردار تک رسائی حاصل کرتے ہوئے گل وقوژ کے بیان کو جانچنے کی کوشش میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ازقائی قبیلے میں ایک عرصہ سے کوئی اجنبی خاتون نہیں دیکھی گئی، دوسری بات یہ سامنے آئی ہے کہ ازقائی قبیلے کے کسی سردار کا نام مانجی خان نہیں ہے۔ ازقائی قبیلے کا سردار جموروش خان میرے ساتھ اپنا بیان قلم بند کرانے کے لئے یہاں موجود ہے۔ تمام تفتیش کی روشنی میں میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ لڑکی ہی اپنے باپ کی قاتلہ ہے اور یہ ہماری توجہ بھٹکا کر محض ہمارا وقت ضائع کر رہی ہے۔ کوتوال شہر کے بعد ازقائی قبیلے کے سردار کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔

ازقائی قبیلے کا سردار جموروش خان جب سامنے آیا تو گل وقوژ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پچاس سال کا عمر رسیدہ منگول تھا جس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور کرختگی کا تاثر لئے ہوئے تھا۔ یہ واقعی مانجی خان نہیں تھا۔

''کیا تم اس لڑکی کو جانتے ہو یا پہلے کبھی اس کا چہرہ دیکھا ہے؟'' منگول منصف نے سوال کیا۔

جموروش خان نے گل وقوژ کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

''تم کب سے ازقائی قبیلے کے سردار ہو؟''

''قریباً سات آٹھ برس ہو گئے ہیں''۔

''تم اپنے دماغ پر ایک بار پھر زور دے کر یاد کرو۔ کیا یہ لڑکی کبھی تمہارے قبیلے میں آئی تھی؟''

''جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے، میں نے اس لڑکی کو کبھی بھی اپنے قبیلے میں نہیں دیکھا''۔

''کیا تمہارے قبیلے میں کوئی مانجی خان نام کا شخص موجود ہے؟''

''اب کوئی نہیں ہے، البتہ مجھ سے پہلے سردار کا نام مانجی خان ہی تھا، جسے مرے ہوئے قریباً سات آٹھ برس ہو چکے ہیں''۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ ازقائی قبیلے کا سردار مانجی خان ہی تھا اور گذشتہ قرولتائی میں وہ مجھ سے ملا بھی تھا''۔ منگول منصف نے آنکھیں نکالتے ہوئے اسے گھورا۔ ''تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''عظیم منصف! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یقیناً آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں''۔ ازقائی سردار نے اپنی ذلت پر تلملا کر کہا۔

''نہ میری یادداشت کمزور ہے اور نہ ہی مجھے کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ازقائی قبیلے کا حقیقی پیشہ کیا ہے اور وہ کیسے بلاخوف ہر طرح کا غیر قانونی کام سرانجام دیتے ہیں؟'' منگول منصف الفاظ چبا کر بولا۔

''آپ اب نہ صرف میرے ساتھ بلکہ میرے قبیلے کے سادہ لوح لوگوں کے ساتھ بھی زیادتی کر رہے ہیں''۔ جموروش خان اپنے جوش پر بند باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بہر حال یہ بات طے ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، میں کوتوال کو دوبارہ ہدایت کرتا ہوں کہ وہ جلد از جلد معاملے کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے اور ازقائی سردار مانجی خان کو ہر قیمت پر اس معزز عدالت میں پیش کرے اور جموروش خان کو آخری بار تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ خود ہی پوشیدہ سچ کا اظہار کر دے ورنہ حقیقت سامنے آنے پر اسے معزز عدالت کی توہین اور دروغ گوئی کے جرم میں موت کی سزا دی جائے گی''۔

جموروش خان منگول منصف کی بات سن کر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گذر گئے۔ منگول منصف اس کی کیفیت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا، اس کی باریک بین نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ ازقائی سردار یقیناً زخمی ہوا ہوگا اور وہ اب پوشیدہ رہ کر اس لڑکی سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ اس نے کوتوال شہر سے اس بابت میں جواب طلب کیا تو اس نے اپنی ساری توجہ اور مصروفیت کا بار ازقائی قبیلے کے سر پہ ڈال کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔

منگول منصف نے اس معاملے کو جلد از جلد نبٹانے کی ہدایت کرتے ہوئے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ گل وقوژ کے بارے میں پہلا حکم برقرار رکھا گیا کہ معاملہ کی حقیقت سامنے آنے تک اسے بدستور نظر بند رکھا جائے گا۔ کوتوال شہر نے گل وقوژ کو تین سپاہیوں کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اسے ابھی ایک دوسرے مقدمے کی کاروائی میں شریک ہونا تھا۔ سپاہی گل وقوژ کو لے کر زنداں خانے کی جانب چل پڑے۔

گل وقوژ حالات کی نئی کروٹ پر ششدر تھی۔ اچانک وہ اپنے پہلو میں اُٹھنے والے بے ہنگم شور پر چونک کر متوجہ ہوئی۔ وہ دس بارہ افراد تھے جنہوں نے اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے کمال سرعت سے سپاہیوں کو زخمی کر کے گرا دیا اور ان میں سے ایک تیزی سے گل وقوژ کی جانب بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کپڑا لہرا رہا تھا۔ گل وقوژ خوف وحیرت سے بت بنی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اجنبی کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی۔ اجنبی کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور لہراتا ہوا کپڑا گل وقوژ کے چہرے کا احاطہ کرنے لگا۔ گل وقوژ کو بس اتنا یاد رہا کہ ایک کپڑا اس کے چہرے کی جانب بڑھا پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گہرا اندھیرا چھا گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکی کہ سب کیا ہو رہا تھا۔ ان افراد نے تیزی سے گل وقوژ کو ایک گھوڑے پر لادا اور خود بھی جست لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ چند لمحوں میں وہ بے ہوش گل وقوژ کو لئے سرائے کی گلیوں میں گم ہو گئے۔ وہاں موجود راہگیر حیرت واستعجاب کی تصویر بنے رہ گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

وہ رات کی تاریکی میں دبے قدموں ایک محل نما مکان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس مکان کے گرد کڑے پہرے کا انتظام کیا گیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سپاہی دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان سب کی نگاہوں سے بچ کر مکان کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ سیاہ موٹا لبادہ اُسے تاریکی کا جزو بنائے ہوئے تھا۔ وہ قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اُسے کسی ایسے حصے کی تلاش تھی جہاں سے وہ دیوار پھاند کے اندر داخل ہو جاتا۔ کافی دیر تک یونہی رینگتے رہنے کے بعد اس کے دل کی مراد بر آئی۔ وہ شمالی جانب پہنچ چکا تھا جہاں دو سپاہی نیند سے اونگھ رہے تھے۔ اس نے کافی دیر تک خاموشی سے وہاں دبک کر ان کا جائزہ لیا۔ وہ سپاہی بدستور اسی حالت میں دکھائی دیتے رہے۔ وہ آہستگی سے حرکت میں آیا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ دیوار کے ساتھ جا چپکا۔ سپاہی بدستور اونگھ رہے تھے۔ اس نے ان پر ایک حقارت بھری نگاہ ڈالی اور نہایت مہارت سے کسی مکڑی کی مانند دیوار پر چڑھنے لگا۔ اینٹوں کے درمیان بنے ہوئے رخنوں اور کونوں کھدروں پر پاؤں جماتا اور سہارے تلاش کرتا وہ اوپر چڑھتا گیا اور تھوڑی دیر میں دیوار کی بالائی سطح تک پہنچ گیا۔

وہ دیوار پر کچھ دیر اکڑوں بیٹھا رہا۔ وہ اب دونوں جانب دیکھ رہا تھا۔ اندر پہرے کا کوئی انتظام دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد دیوار سے چھلانگ لگا دی۔ نیچے گھاس کا فرش تھا، اسی وجہ سے اس کے کودنے کی دھمک کچھ زیادہ نہیں ہوئی۔ اس کی نگاہیں تیزی سے دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اپنے تئیں مطمئن ہونے کے بعد وہ نہایت سرعت سے کیکڑے کی مانند رینگتا ہوا مکان کی اندرونی جانب بڑھنے

لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں ایک شخص زمین پر بستر لگائے گہری نیند سو رہا تھا۔ آنے والے نے اس کی سانسوں کی ہموار آمد ورفت سے اس کی نیند کی گہرائی کا اندازہ کیا اور مطمئن ہونے کے بعد اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اس محل نما مکان کے اندر کئی کمرے دکھائی دیئے۔ ان میں سے وہ کمرہ کہاں ہو سکتا تھا جہاں اسے پہنچنا تھا؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کمروں میں نگاہ ڈالتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ نیچے کے تمام کمرے خالی دکھائی دیئے۔ وہ زینے سے اوپر پہنچ گیا۔ یہاں سب کمروں کے دروازوں پر قفل پڑے ہوئے تھے۔ اس نے کمروں کی سلاخدار کھڑکیوں سے اندر جھانکا یہاں کچھ لوگ بے خبری کے عالم میں سوئے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس نے ہلکا سا کھٹکا کرتے ہوئے انہیں اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ آواز نیچے سوئے ہوئے شخص کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد ان میں سے ایک شخص بیدار ہو گیا۔ وہ کھٹکے کی آواز کے تعاقب میں کھڑکی کی طرف بڑھا اور وہاں کسی کو پا کر وہ چونک پڑا۔

''کک...... کک...... کون ہے؟'' اس کے حلق سے بمشکل نکلا۔

''دوست! میرے پاس وقت کم ہے، مجھے جلدی سے بتاؤ کہ شاہ فرانس کس جانب؟''

''اس قطار کے آخری کمرے میں......''

''خاموشی سے اپنی جگہ جا کر لیٹ جاؤ، اور کسی قسم کا شور نہ پیدا ہونے دینا، میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کے یہاں پہنچ پایا ہوں''۔ سیاہ پوش نے اسے ہدایت کی۔

''مگر تم کون ہو؟''

''میرا وقت ضائع نہ کرو''۔

سیاہ پوش تیزی سے آخری کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ آخری کمرے کی کھڑکی کے سامنے پہنچ کر اس نے اندر جھانکا۔ وہاں ایک ہی بستر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے لوہے کی سلاخ میں ہاتھ ڈال کر دھیمے انداز میں کھڑکی کھٹکھٹائی۔ چند ایک بار کی کوشش پر بستر پر سوئے ہوئے شخص نے کروٹ لی تو اس نے ایک مخصوص انداز میں دستک دینا شروع کر دی۔ بستر پر لیٹا ہوا شخص اس مخصوص دستک پر چونک کر بیدار ہو گیا۔ وہ بستر پر بیٹھے دائیں بائیں دیکھنے لگا، شاید وہ آواز کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ آواز دروازے کے پہلو میں موجود کھڑکی کے پاس سے آ رہی ہے تو وہ اس جانب بڑھ گیا۔

''میں شاہ فرانس کی خدمت میں شاہ یروشلم کا سلام پیش کرتا ہوں''۔ سیاہ پوش اس کے قریب پہنچنے پر دھیرے سے بولا۔

''کہو ٹیمپلر! کیسے آنا ہوا؟''

''شاہ یروشلم نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ فرانسیسی لشکر کی شکست اور آپ کی گرفتاری کی بابت سن کر ارضِ مقدس کے نصاریٰ کو بے حد صدمہ پہنچا ہے، آپ جس مقصد کے لئے فرانس سے یہاں تک پہنچے ہیں، وہ بڑا کٹھن اور دشوار ہے، بہرکیف آپ ہمت نہ ہاریئے گا۔ تمام مسلمان حکمران مال و دولت کے حریص ہوتے ہیں، آپ انہیں فدیہ کی صورت میں وہ جو رقم مانگیں دے کر اس جگہ سے نکلنے کی کوشش کریں۔ جونہی آپ کو ان سے چھٹکارا نصیب ہو، فوری طور پر عکہ تشریف لے آیئے۔ یہاں ایک بڑا لشکر آپ کے استقبال کے لئے موجود ہے۔ ماضی میں مجھ سے سرزد ہونے والی کوتاہی کو دل سے نکال دیں کیونکہ وہ وقت کا تقاضا تھا۔ میری افواج کسی صورت ارضِ مقدس سے باہر نکلنے پر رضامند نہیں تھیں۔ اگر آپ کے پاس فدیے کے لئے کافی رقم نہ ہو تو اس ضمن میں فوری طور پر مجھ سے رابطہ کیجئے۔ میں بلا تاخیر اس کا بندوبست کر دوں گا''۔

شاہ فرانس لوئی نہم نے ٹیمپلر کی باتیں سننے کے بعد تاسف بھری مسکراہٹ چہرے پر بکھیری۔ وہ وقت گذرنے کے بعد اس کی مدد کی یقین دہانی پر محض پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

''اپنے شاہ سے جا کر کہو کہ میں ایک بار تمہارے پاس ضرور آؤں گا، وہ میرا انتظار کرے، ابھی کئی شکوے ایسے ہیں جنہیں دور کرنا باقی ہے۔ ان مسلمانوں سے کیسے نبٹنا ہے، اس بارے میں میں اچھی طرح جانتا ہوں''۔

''میں شاہ فرانس کے لئے فی الحال کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ یہاں کافی تعداد میں سپاہی موجود ہیں جن کے ساتھ بھڑنا جان گنوانے کے مترادف ہوگا دوسرا ٹیمپلرز کا قلعہ بھی یہاں سے کافی دور ہے''۔ سیاہ پوش نے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔

''میں سب جانتا ہوں، تمہیں میرے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے''۔

سیاہ پوش نے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کی۔ شاہ لوئی نہم نے سر ہلا کر جانے کی اجازت دی۔ وہ وہاں سے دبے قدموں واپس لوٹ گیا۔ نیچے موجود ہمہ وقتی خادم صبیح اعظم کی بے خبر سو رہا تھا۔ ٹیمپلر چوکنے انداز میں شمالی دیوار تک آیا اور چھلاوے کے سے انداز میں دوسری طرف اتر گیا۔ باہر موجود سپاہی اب اونگھنے کے بجائے نیند کی خوابناک وادی میں پہنچ چکے تھے۔ اس نے ان پر نگاہِ غلط انداز ڈالتے ہوئے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں کی تھی۔

❁ ❁ ❁

امیر برکیارک ہاتھوں کو مسلتا ہوا بے قراری کے عالم میں دروازے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی کوئی امید نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہیرس کے تعاقب میں یہاں تک پہنچ پایا تھا۔ اس کے ذاتی مخبر نے ہیرس کی پُراسرار سرگرمیوں کی اطلاع جب دی تھی تو وہ ہیرس کی جانب سے چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے ہیرس کے محتاط تعاقب کی ذمہ داری تین دوسرے مخبروں کو سونپ دی۔ آج جب اس کے مخبر نے ہیرس کی اس مکان میں پہنچنے کی اطلاع دی تو وہ وقت ضائع کئے بغیر بیس سپاہیوں کا دستہ لئے اس مکان تک آ دھمکا۔

سپاہی پوری قوت سے دروازہ پیٹنے میں مصروف تھے۔ جوں جوں وقت گذرتا جا رہا تھا امیر برکیارک کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر جب اس کی جھنجلاہٹ نکتۂ عروج پر جا پہنچی تو اس نے سپاہیوں کو دروازہ توڑنے کا حکم دے دیا۔ سپاہیوں نے حکم پاتے ہی دروازے پر زور آزمائی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دروازہ قبضوں سے اکھاڑ دیا گیا۔ دوسرے گھروں کے مکین شور کی آواز سن کر وہاں جمع ہونے لگے۔ امیر برکیارک نے انہیں قرب و جوار میں جمع ہوتا دیکھ کر تیز لہجے میں اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ جمع ہونے والے لوگ سمجھ چکے تھے کہ یہ کوئی سرکاری معاملہ ہے۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں وہ بھی نہ دھر لئے جائیں، آہستہ آہستہ وہاں سے کھسکنے لگے۔

دروازہ ٹوٹنے پر امیر برکیارک نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ محتاط انداز میں اندر داخل ہو گئے۔ سپاہی ہر قسم کی غیر متوقع صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے پوری طرح تیار دکھائی دے رہے تھے۔ امیر برکیارک بھی تلوار بے نیام کئے ان کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔ دو راہداریوں کو پار کرنے کے بعد وہ اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں تین افراد موجود تھے۔ ان کے چہروں پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ اُن لوگوں کی صورت دیکھ کر امیر برکیارک کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ انہیں تحقیر بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ آئے ہوئے سپاہی عجب تذبذب کا شکار تھے۔ ان کے سامنے جو لوگ موجود تھے، وہ ان کے سالارِ اعلیٰ تھے۔ اپنے سالاروں کو گرفتار

کرنے کی ذمہ داری نبھانے کا وقت آن پڑا تھا۔ وہ مخمصے میں مبتلا ہونے لگے۔ ان کی ننگی تلواروں کا رُخ ان تینوں کی جانب تھا۔

''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم لوگ قاہرہ واپس نہیں لوٹو گے۔ میں نے جان بوجھ کر سلطان سے کہہ کر بیبرس کا مخصوص دستہ منصورہ میں رکوایا تھا تاکہ تم لوگوں تک آسانی سے رسائی حاصل ہو سکے۔ اب میں تمہیں پابہ زنجیر سلطان توران شاہ کے سامنے پیش کر کے اپنی بات کا ثبوت دوں گا کہ میں نے زندگی میں کبھی غلطی نہیں کی اور میرا شک ہمیشہ درست نکلتا ہے''۔

''امیر برکیارک!'' فارس الدین اقطائی جو اس دوران سنبھل چکا تھا تمسخرانہ لہجے میں بولا۔ ''یہ تو تمہارا خواب ہی رہے گا کہ تم ہمیں پابہ زنجیر سلطان کے سامنے پیش کر سکو گے''۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی بھی بچ نکلنے کی امید لگائے ہوئے ہو''۔

''ٹھیک ہے، تم ہم سب لوگوں کو یہاں سے گرفتار کر کے لے جاؤ، مگر ہمیں سلطان کے سامنے پیش کرنے کے لئے تمہارے پاس کیا جواز ہے؟''

''تم نے سلطان کی حکم عدولی کی ہے، تمہیں قاہرہ لوٹنے کا حکم دیا گیا تھا مگر تم وہاں جانے کے بجائے یہاں چھپ کر کوئی خفیہ کھیل کھیلنے میں مصروف ہو۔ کیا یہ تمہارے جرم کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟''

''ٹھیک ہے کہ ہم منصورہ میں موجود ہیں۔ یہ احکامِ شاہی کی خلاف ورزی سہی مگر یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کہ تم ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش کرو''۔

''یہ تو تمہیں سلطان کے سامنے پیش ہو کر بتانا ہی پڑے گا کہ تم چوروں کی طرح جو یہاں چھپے بیٹھے ہو، اس کے پیچھے کیا سازش پل رہی ہے''۔

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ہم یہاں محض اس لئے مقیم ہیں کہ سلطان توران شاہ کے خلاف سازش تیار کریں؟'' احمد چولاک تنک کر بولا۔

''برکیارک!'' فارس الدین اقطائی نرم لہجے میں بولا۔ ''تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو''۔

''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو، مجھے تمہاری ہڈیوں سے بھی راز اگلوانے کا فن آتا ہے۔ سپاہیو! ان کے دونوں ہاتھ زنجیروں سے باندھ کر قلعے میں لے چلو۔ اگر ان میں سے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرے تو اس کا سر تن سے جدا کر دینا''۔

امیر برکیارک کا حکم سن کر سپاہی تذبذب کے شکار ہو گئے۔ وہ دونوں کی صورت دیکھ رہے تھے۔ امیر برکیارک سپاہیوں کی جھجک کو تاڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ماضی میں یہ لوگ چونکہ ان پر افسران مقرر تھے، اسی لئے سپاہی اپنے معزول افسروں کی گرفتاری سے جھجک رہے ہیں۔ اس نے گرجتی ہوئی آواز میں انہیں تنبیہ کی۔

''وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟ تم سلطان کے وفادار ہو، اپنے سلطان کی حفاظت تم پر فرض ہے، یہ اسی فرض کا ایک حصہ ہے''۔

دو سپاہی حکم کی تکمیل کے لئے آگے بڑھے۔ احمد چولاک کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔ اسی وقت ایک گرجدار آواز سپاہیوں کے عقب سے گونجی۔

''ٹھہرو!''

سپاہیوں کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ وہ اس جانب دیکھنے لگے جدھر سے انہیں رُکنے کا حکم سنانے والی

آواز سنائی دی تھی۔

❀ ❀ ❀

گل دتوژ جب عالم بے ہوشی سے بیدار ہوئی تو اس نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔ اس نے اپنے اردگرد حیرت سے دیکھا۔ پھر اس کے ذہن کے پردوں پر بیتے ہوئے واقعے کی کڑیاں مربوط ہو گئیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ڈھاٹے سے چھپائے گئے چہرے گھومنے لگے۔ وہ سہمی نگاہوں سے اس خیمے کے در و دیوار دیکھ رہی تھی جہاں وہ اس وقت موجود تھی۔ خیمے کی اندرونی بناوٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی، جس پر وہ کوئی اندازہ قائم کر پاتی۔ ایک خیال کے تحت اس نے خود کو ٹٹولا۔ اس کا جسم پوری طرح آزاد تھا۔ وہ بستر سے نکل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دھیمے قدموں سے خیمے کے دروازے کی جانب بڑھی۔ خیمے کا پردہ اُٹھا کر جب اس نے باہر نظر ڈالی تو لمحہ بھر کے لئے دنگ رہ گئی۔ وہ اس وقت کسی کھلے علاقے میں موجود تھی، جہاں پتھریلی زمین پر کہیں کہیں برف کے گالے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ خیمے سے باہر نکل آئی۔ ایک بار پھر اسے حیرت کا شکار ہونا پڑا۔ وہاں صرف اسی کا اکیلا خیمہ ایستادہ تھا۔ دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسے اس ویرانے میں تنہا کس نے چھوڑا ہے؟ یہ سوال اس کے ذہن کو جھنجھوڑنے لگا۔ اسے محض اتنا یاد تھا کہ کسی نے کپڑا اس کے چہرے پر ڈال کر اسے ہوش سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں اندازہ لگانا دشوار تھا۔ وہ ازقائی قبیلے کے اجنبی سردار کے بارے میں سوچنے لگی، جس نے حالات کو ناقابلِ یقین حد تک تبدیل کر دیا تھا۔ مانجی خان کو اس نے خنجر گھونپا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ کارستانی اسی کی نہ ہو۔ اگر واقعی یہ حرکت سردار مانجی خان نے ہی کی ہے تو وہ کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حرکت اس نے نہ کی ہو، مطیع الدین کے حوالے سے بھی اسے یہ شک گذرا، مگر وہ تو خود ایک عرصے سے لاپتہ تھا۔ خیالوں کے بھنور میں پھنسی وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ اس نے اِدھر اُدھر گھوم کر گرد و نواح کا جائزہ لیا کہ شاید کہیں کوئی چھپا بیٹھا دکھائی دے مگر وہاں حقیقتاً کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دوبارہ خیمے میں داخل ہوئی۔ وہاں موجود سامان کو الٹ پلٹ کر وہ کوئی سراغ تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔ اسے اپنے باپ تونائی خان کے ساتھ چند بار سفر کرنے کا موقع ملا تھا جس کے سبب وہ کئی منگول قبیلوں کے رہن سہن اور ان کے خیموں کے طرزِ تعمیر سے واقف ہو چکی تھی۔ خیمے کی بناوٹ کو پہچاننے میں وہ پہلے ہی مات کھا چکی تھی۔ وہ عام خیموں جیسا ہی لگ رہا تھا۔ اس کا سفید رنگ عام شکاری منگولوں کے استعمال میں آنے والے خیموں جیسا تھا البتہ وہ قدرے سیلا دکھائی دے رہا تھا۔ خیمے میں عام سا سامان موجود تھا، جس کی ضرورت کسی بھی سفر میں پیش آ سکتی تھی۔

وہ اپنی مسلسل ناکامی پر جھنجھلا سی گئی۔ تھک ہار کر وہ ایک بار پھر باہر نکل آئی۔ آخر وہ کون تھا جس نے اسے زنداں خانے سے نکال کر اس ویرانے میں لا پھینکا تھا؟ وہ خیمے کے قریب ایک پتھر پر ٹانگیں پسار کر بیٹھ گئی اور اس نامعلوم فرد کا انتظار کرنے لگی۔ اسے زیادہ دیر تک انتظار کی صعوبت برداشت نہیں کرنا پڑی۔ تھوڑی دیر بعد دور سے ایک چھوٹا سا غبار اُٹھتا دکھائی دیا۔ وہ غبار کو دیکھ کر چونک پڑی اور آنکھیں پھاڑ کر اسے غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں اس غبار سے ایک گھڑ سوار برآمد ہوا۔ وہ تیز رفتاری سے اسی جانب بڑھتا آ رہا تھا۔ گل دتوژ کو جانے کیوں کسی اَن دیکھے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ وہ بے تابی سے ہاتھ مسلنے لگی۔ خیمے میں تلاشی کے دوران اسے کوئی ایسی چیز نہیں مل پائی تھی جسے وہ بطور ہتھیار استعمال کر پاتی۔

❀ ❀ ❀

خیمے کا پردہ اُٹھا اور بلند قامت برقائی خان اندر داخل ہوگیا۔ مطیع الدین اسے بے یقینی کے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی بصارت پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ کیا واقعی برقائی خان ہی اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ اس کی صورت دیکھ کر گنگ سا رہ گیا تھا۔ کافی دیر تک اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا بات کرے؟ ایک پل کے لئے تو اسے یہ سب خواب محسوس ہوا۔ اس نے خود کو چٹکی بھری اور تکلیف ہونے پر کراہ کر رہ گیا۔ وہ کوئی خواب نہیں تھا، برقائی خان بذاتِ خود اس کی نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ برقائی خان نے اس کے ششدر چہرے کو دیکھتے ہوئے سپاہی کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''تم اب کچھ منہ سے پھوٹو گے کہ یونہی ہونق بنے بیٹھے رہو گے؟'' برقائی خان نے اس کے انداز پر پھبتی کسی۔

یکا یک مطیع الدین کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ برقائی خان اس کی جانب بڑھا اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔ مطیع الدین اسے اچانک اپنے سامنے پا کر خوش بھی تھا اور غمگین بھی۔

''چلو اب بس کرو، مجھے لڑکیوں کی طرح آنسو بہانے والے مرد ہرگز پسند نہیں''۔ برقائی خان کی اپنی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔ مطیع الدین نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا جیسے کوئی وہ چھوٹا بچہ ہو جسے اپنوں سے بچھڑ جانے کا خوف لاحق ہو۔ برقائی خان اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا مطیع الدین روتے روتے ہنس پڑا۔

''یہ کس قسم کی اداکاری کر رہے ہو بھئی؟ کبھی رو کر دکھاتے ہو اور کبھی روتے میں ہنس کر۔ اتنے دن دور رہ کر یہی کچھ سیکھا ہے کیا؟'' برقائی بولا۔

''تم میرے جذبات کا مذاق اُڑا رہے ہو کیا؟'' مطیع الدین کا منہ بن گیا۔

''واہ بھئی واہ! عورتوں کی طرح ناز و ادا بھی''۔

مطیع الدین اس کی بات پر کھل اُٹھا۔ وہ دونوں آپس میں گذرے وقت کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ بڑے دنوں کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ گذرے وقت کے بے شمار قصے ان کے پاس موجود تھے جو وہ ایک دوسرے کو سنانے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔ مطیع الدین نے اپنے باپ کے بارے میں پوچھا تو برقائی خان نے اسے تسلی دی۔ مطیع الدین نے جھجکتے انداز میں جب گل دتوخ کے بارے میں پوچھا تو برقائی خان کے لبوں سے بلند قہقہہ نکل گیا۔ اس نے بے اختیار ایک زوردار ہاتھ اس کے کندھے پر دے مارا۔ مطیع الدین پہلے ہی تکلیف سے دوچار تھا، ہاتھ پڑتے ہی وہ تڑپ اُٹھا۔ اس کے لبوں سے تیز کراہ نکلی۔ برقائی خان کو دوسرے لمحے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ ہڑبڑا کر وہ معذرت طلب کرنے لگا۔ مطیع الدین کی تیز کراہ پر اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ مطیع الدین اس کا سٹپٹایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف لمحہ بھر کے لئے بھول گیا اور اس کی شکل دیکھ کر ہنسنے لگا۔ برقائی خان محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ مطیع الدین کی سنگین حالت سے آگاہ تھا۔ اسے اس کی قوتِ ارادی پر رشک آرہا تھا کہ اس قدر تکلیف سے دوچار ہونے کے باوجود وہ خوش و خرم دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اب مطیع الدین کی صحت یابی کا انتظار تھا تا کہ وہ واپسی کا سفر اختیار کرتا۔ اس نے اپنے لشکر کو ایک دوسرے سردار کی قیادت میں واپس لوٹنے کا حکم دے دیا۔ بیس سپاہی اس نے اپنے ساتھ رکھے تا کہ جینانی محافظوں کی جانب سے کسی شرارت کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اسے امید تھی کہ اب جینانی محافظوں میں سے کوئی اس کی طرف نہیں بڑھے گا، پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو واضح طور پر یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ اپنے کھانے کے بندوبست

کے ساتھ ساتھ میزبان ضرگامی قبیلے کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھیں۔ سرگامی سردار نے میزبانی کے فرائض کے حوالے سے تمام ذمہ داریاں نبھانے کی پیشکش کی تھی مگر برقائی خان اُن کی خستہ حالی دیکھتے ہوئے اس بات پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

امیر برکیارک اپنے عقب میں کسی کی موجودگی پر چونک کر پلٹا۔ نیبرس اس کے سامنے کھڑا اُسے درشت نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ نیبرس کی شکل دیکھتے ہی برکیارک کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''تم بھی یہیں موجود ہو، اب تو میری بات کو کوئی جھٹلا ہی نہیں سکتا۔ سپاہیو! اسے بھی گرفتار کرلو۔ اس کی بات پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ پورا ٹولہ ہی غداروں کا ہے''۔ امیر برکیارک نے سپاہیوں کو ہدایت کی۔ سپاہی ابھی تک ساکت کھڑے تھے۔

''برکیارک!'' نیبرس چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''کہتے ہیں کہ شیطان کی جب کم بختی آتی ہے تو وہ اللہ کے نیک بندوں کے پاس چلا آتا ہے، تمہارے بخت بھی کچھ ایسے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ نائب السلطنت کا عہدہ پا کر تم اتنے طاقتور ہو گئے ہو کہ جہاں چاہو دندناتے پھرو اور جو کچھ کہو وہ سچ مان لیا جائے''۔

''نیبرس! تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو۔ میری زبان تم سے زیادہ لمبی ہے۔ یہ سپاہی تمہیں گرفتار کر کے لے جائیں گے کیونکہ یہ سلطان کے وفادار ہیں اور اسی سے تنخواہ پاتے ہیں''۔ برکیارک سخت لہجے میں بولا۔

''ان میں کوئی سپاہی بھی تمہاری بات نہیں مانے گا۔ تم چاہو تو کوشش کر کے دیکھ سکتے ہو''۔ نیبرس نہایت اطمینان سے چلتا ہوا فارس الدین اقطائی کے پہلو میں پڑی ہوئی نشست پر جا بیٹھا۔

''سپاہیو!'' امیر برکیارک نے انہیں آنکھیں دکھائیں۔ ''یاد رکھو میری حکم عدولی کرو گے تو میں تمہاری کھال کھنچوا دوں گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری کیا حیثیت ہے''۔

''تمہاری جو بھی حیثیت ہے، وہ ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی، کیونکہ اس وقت ان کا سالار ان کے سامنے موجود ہے۔ جب دستے کا سالار سامنے ہو تو تمام سپاہی صرف اسی کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ سپاہیوں کی تربیت کا بنیادی جزو ہے''۔

امیر برکیارک نے جب یہ محسوس کر لیا کہ یہاں اس کی دال نہیں گل سکتی تو وہ پاؤں پٹخ کر بولا۔ ''میں تم سب کو دیکھ لوں گا''۔

وہ غم و غصے کی حالت میں دروازے کی جانب مڑا۔ اسی لمحے نیبرس نے اسے آواز دے کر روک دیا۔

''امیر برکیارک! تم آئے تو اپنی مرضی سے ہی تھے مگر تم اپنی مرضی سے یہاں سے جا نہیں سکتے، جب تک ہم اجازت نہیں دیں گے''۔

''کک......کیا......مطلب؟'' وہ گڑبڑا گیا۔

''مطلب تو تم سمجھ رہے ہو نائب السلطنت''۔ فارس الدین اقطائی ہنس کر بولا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے!'' امیر برکیارک بازی پلٹتے دیکھ کر پریشان دکھائی دینے لگا۔

''جو تم کرنا چاہتے تھے وہ تو تم کر نہیں سکے مگر جو ہم کرنا چاہتے ہیں اس سے تم ہمیں باز نہیں رکھ سکتے''۔ فارس الدین اقطائی نے کہا۔

دوسرے لمحے سپاہیوں نے امیر برکیارک کو زنجیروں کے جال میں ایسے لپیٹ ڈالا کہ اس کے لئے معمولی سی حرکت کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ وہ بری طرح مچل رہا تھا، اس کی زبان سے ہذیان جاری تھا۔ امیر برکیارک اس بارے میں کسی کو کچھ بتا کر نہیں آیا تھا، کیونکہ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ معاملہ یہ شکل اختیار کر جائے گا۔ ضرورت سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔

فارس الدین اقطائی نے تھوڑی دیر اس کی بکواس سنی پھر جب اکتا گیا تو اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کا منہ بند کر دیا۔ اس امر سے فارغ ہو کر فارس الدین اقطائی نے سبرس کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی بروقت آمد نے معاملے کو بگڑنے سے بچا لیا۔ سبرس نے اس کی ڈھارس بندھائی اور اس امر کا انکشاف کیا کہ وہ اُس کی آمد سے پہلے سے باخبر تھا۔ اس کے جاسوسوں کو وہ پہلے ہی دن سے تاڑ گیا تھا۔ آج وہ اسی لئے جلدی یہاں سے نکل گیا تھا کہ کہیں وہ چوہے دان میں نہ پھنس جائے۔ جب اس نے اسے اس جانب آتا دیکھا تو ایک جانب ہٹ گیا۔ پھر اس کے تعاقب میں واپس لوٹ آیا۔

❀ ❀ ❀

تھوڑی دیر میں وہ گھڑ سوار گل وتوژ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ طویل القامت شخص تھا۔ وضع ولباس سے وہ منگول ہی دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ ڈھاٹے سے اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا، اسی لئے گل وتوژ کوئی اندازہ نہیں قائم کر پائی کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ اس نے گل وتوژ کو دور سے ہی دیکھ لیا تھا، اسی لئے وہ اپنے گھوڑے کو اس کی جانب بڑھا لایا۔ قریب پہنچ کر اس نے گل وتوژ کے گرد ایک چکر کاٹا۔ گل وتوژ پریشانی کے عالم میں اس کے ساتھ ساتھ گھومتی چلی گئی۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ٹھہرایا اور جست لگا کر نیچے آ گیا۔ وہ گل وتوژ کی جانب بڑھا اور اس کے بالکل مدمقابل آن کھڑا ہوا۔

''تت...... تم کون ہو اور مجھے یہاں اس ویرانے میں کیوں لائے ہو؟'' گل وتوژ ہمت کر کے بولی۔ اس کی بات سن کر نووارد ہنسنے لگا۔

''میرا خیال تھا کہ تم مجھے پہلی نظر ہی میں پہچان جاؤ گی مگر چہرہ دیکھ کر ہی میں پہچانا جا سکوں گا، یہ مجھے ہرگز امید نہیں تھی''۔

گل وتوژ اس کی آواز سن کر مخمصے میں پڑ گئی۔ یہ آواز اور لہجہ اس کی سماعت میں محفوظ تھا مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں اس کا ذہن اس کی مدد نہیں کر پایا۔ اجنبی نے اسے یوں پریشان دیکھ کر اپنے چہرے کو بے نقاب کر ڈالا۔ وہ ایک خوش شکل اور وجیہہ تاتاری نوجوان تھا۔ گل وتوژ اس کی صورت دیکھتے ہی سناٹے میں آ گئی۔ اسے یہ ہرگز توقع نہیں تھی کہ اس کے سامنے موجود نوجوان اس کا ماموں زاد اور منگ آنہ کا پوتا ہو سکتا ہے۔ اسے دیکھے ایک زمانہ بیت چکا تھا۔ کئی برس پہلے جب وہ اپنے نانا منگ آنہ کے پاس گئی تھی تو اسے ملی تھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قد میں غیر معمولی اضافہ ہوا تھا، چہرے کے خدوخال میں کوئی زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

''شنگ! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میرا ذہن تو ماؤف ہونے والا ہے۔ تم مجھے سرائے سے اس طرح اغوا کر کے یہاں لے آئے؟''

''اور کیا میں تمہیں ان لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا جو تمہیں موت کی سزا سنانے پر تلے بیٹھے تھے؟''

''یہ تم نے بہت غلط کیا شنگ! وہ لوگ مجھے اب حقیقتاً اپنے باپ کی قاتل سمجھیں گے''۔ گل وتوژ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''بے وقوف! تم نہیں جانتیں کہ وہاں کیا کھیل رچایا گیا ہے۔ چلو اندر، میں تمہیں تفصیل سے سب بتاتا ہوں۔ یہاں کافی خنکی ہے، کچھ دیر اور یہاں رکیں تو بیمار پڑ جاؤ گی''۔ شنگ نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں خیمے کی جانب بڑھ گئے۔ خیمے میں پہنچ کر شنگ نے ایک کونے میں پڑے صندوق میں سے شراب کی صراحی نکالی۔ وہ شاید کافی دیر سے شراب کی طلب محسوس کر رہا تھا، اسی لئے اس نے صراحی سے دو تین گھونٹ اپنے حلق میں اتار لئے۔ گل وتوژ خیمے کے وسط میں کھڑی اس کی صورت دیکھتی رہی۔ شنگ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گل وتوژ نڈھال سی بستر پر بیٹھ گئی۔ شنگ وہیں صندوق پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

''شنگ جلدی سے بتاؤ، میں سخت اضطراب میں ہوں''۔ گل وتوژ نے کہا۔

''گل! بڑے افسوس کی بات ہے، تم نے نہ تو مجھ سے میرا حال دریافت کیا اور نہ ہی یہ پوچھا کہ میں اب تک کہاں تھا''۔ اس نے شکوہ کیا۔

''یہ سب میں بعد میں پوچھ لوں گی، تم نہیں جانتے کہ میں گذشتہ چند دنوں سے کس اذیت کا شکار ہوں، نہ صرف میرے باپ کے قتل کا الزام مجھ پر لگا دیا گیا بلکہ حالات کو یوں توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے کہ میں سوچ سوچ کر ہی ہلکان ہو گئی ہوں''۔

''اچھا بابا! بتاتا ہوں، تم پیو گی کیا؟'' شنگ نے شراب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے ایسی علت نہیں ہے''۔ گل وتوژ نے ناگواری سے جواب دیا۔

''ناراض کیوں ہوتی ہو؟ میں نے سوچا کہ سردی بڑھ رہی ہے شاید گرمائی کے لئے تمہیں اس کی ضرورت ہو''۔

''تم جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہے ہو''۔

''تسلی رکھو! کچھ ہی دیر میں تم سب کچھ سمجھ جاؤ گی، تم نے کون سا ابھی واپس لوٹنا ہے''۔

شنگ کچھ دیر تک شراب نوشی میں مشغول رہا پھر اس نے صراحی ایک جانب رکھ دی۔ وہ ویسے بھی زیادہ نہیں پیتا تھا مگر آج اس نے خود بھی گریز کرنا ضروری سمجھا۔ اس کے قریب ایک خوبصورت لڑکی موجود تھی، تنہائی بھی تھی، وہ ایسے میں بہکنے سے خود کو باز رکھنا چاہتا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی جاننا چاہو گی''۔

''ہاں!'' گل وتوژ نے ٹکا سا جواب دیا۔ اسی لمحے اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ''کہیں تم تو...... !''

''ارے نہیں...... نہیں! خواہ مخواہ شک نہ کیا کرو۔ دراصل تمہارے باپ کے قتل کے پیچھے شاہی خاندان کے ارکان کا ہاتھ ہے''۔ اس نے انکشاف کیا۔ گل وتوژ اس کی بات سن کر لمحہ بھر کے لئے دنگ رہ گئی، اس کی پھیلی آنکھوں میں بے یقینی جھلک رہی تھی۔

''کچھ دن قبل اچانک شاہی حکم آیا کہ منگ آنہ کو سرداری کے عہدے سے معزول کر دیا جائے اور اس پر بدعنوانی کا مقدمہ تھوپ کر اسے بے بس بنا دیا جائے۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ کوئی سمجھ نہیں سکا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں اپنے طور پر وہاں سے نکلا کہ تمہارے باپ کو یہ ساری صورت حال بتا سکوں۔ یہاں یہ بھی جان لو کہ اس شاہی فرمان سے دو دن پہلے تمہارا باپ عجلت کی حالت میں سرخوں کے قبیلے میں آیا تھا۔ میں جب یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ تونائی خان کو گذشتہ رات کسی نے قتل کر ڈالا ہے۔ جانے کیوں یہ بات مجھے کچھ عجیب سی لگی۔ میں سرائے ٹھہر گیا کہ قاتل کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہیں اپنے باپ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے تو میرا شک یقین میں بدل گیا کہ یہ واقعی کوئی بڑی منصوبہ بندی ہی ہے۔ تونائی خان

ریاست کا اہم عہدے دار تھا۔ اس کے بارے میں شاہی خاندان کی خاموشی میرے شک کو مضبوط بنانے لگی۔ جب میں نے تمہارا بیان سنا تو تیزی سے از قائی قبیلے جا پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ سردار مانجی خان کوئی گہرا گھاؤ کھا کر بستر پر پڑا ہے، جس پر مجھے یقین ہو گیا کہ تم سچ کہہ رہی تھیں۔ ابھی میں وہیں موجود تھا کہ ایک شاہی فرمان وہاں پہنچا۔ مانجی خان کو معزول کر کے اس کی جگہ فوری طور پر نیا سردار نامزد کر دیا گیا۔ مجھے اُس وقت مکمل طور پر یقین ہو گیا کہ واقعی شاہی خاندان کا کوئی فرد تمہارے باپ کے قتل میں ملوث ہے اور وہ اس قتل کی واردات کو غلط رنگ دینا چاہتا ہے۔ میں اسی وقت سیدھا اپنے قبیلے میں پہنچا اور وہاں اپنے دادا سے مل کر ساری صورتِ حال ان کے گوش گذار کر دی۔ انہوں نے میری بات سن کر مجھے ہدایت کی کہ میں کسی بھی طریقے سے تمہیں زنداں خانے سے نکال لاؤں کیونکہ تونائی خان کی موت کو جلد ہی سرد خانے میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ اس ناکردہ جرم میں تم ماری جاؤ''۔

شنک اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔ گل دقوژ کے ذہن میں خوف سا طاری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس گھناؤنے کھیل میں اُسے پھانس لیا جائے گا۔ ایسے حالات میں تو اس کے خلاف گواہیوں کی قطار لگ سکتی تھی۔

''تم سمجھتے ہو کہ تمہاری اس حرکت سے میں زندہ رہ پاؤں گی؟'' گل دقوژ نے اچانک سوال کیا۔

''کیا مطلب؟ تم سمجھتی ہو کہ ریاستی سپاہی اب تمہاری کھوج میں نکل پڑیں گے؟''

''میں اب واپس سرائے نہیں جا پاؤں گی؟''

''وہاں اب رکھا ہی کیا ہے؟ اپنے نانا کے قبیلے میں رہ کر باقی زندگی وہیں بسر کرنا''۔

''تم یہ سب آسانی سے کہہ سکتے ہو۔ مگر میرے لئے یہ ممکن نہیں۔ میں ہر قیمت پر سرائے میں ہی رہنا پسند کروں گی''۔

''بے کار ضد مت کرو۔ فی الحال تو اپنے نانا کے پاس چلو۔ وہ خود ہی تمہیں سمجھا لیں گے''۔

''نہیں! میں واپس سرائے ہی جاؤں گی''۔ گل دقوژ کا لہجہ چٹان کی طرح مضبوط تھا۔

''تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا؟'' شنک تیز آواز میں بولا۔ ''وہاں موت تمہاری منتظر ہے''۔

''میں سرائے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی''۔ گل دقوژ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ وہ ایک ایسے دوراہے پر پہنچ گئی تھی جہاں پر وہ اپنے باپ کو کھونے کے بعد اپنے محبوب مطیع الدین کو کھو رہی تھی۔ سرائے میں رہتے ہوئے اسے یہ امید تو تھی کہ کبھی وہ واپس لوٹے گا تو اس سے ملاقات ہو گی، مگر سرائے کو چھوڑ کر تو یہ امید بھی اندھیرے میں گم ہو جاتی۔

''بہر حال میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تمہیں منک آنہ کے پاس تو جانا ہی پڑے گا۔ وہاں پہنچ کر جو تم کرنا چاہو گی وہی کرنا''۔ شنک کے چہرے پر یاسیت چھا گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بات سن کر گل دقوژ بے حد خوش ہو گی مگر اس کا ردِ عمل بڑا جارحانہ تھا۔ گل دقوژ کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ وہ شنک کے بارے میں اتنا جانتی تھی کہ وہ جس بات کو ایک بار ٹھان لے تو اسے پورا کر کے ہی دم لیتا ہے۔ وہ اسے منک آنہ کے پاس ضرور لے جائے گا۔ بے شک اس کی مرضی اس میں شامل نہ ہو۔

❁ ❁ ❁

9 صفر 648ھ کو صبح کے وقت سلطان توران شاہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر کھلے آسمان تلے وسیع و عریض صحن میں آن بیٹھا۔ اس کی پسندیدہ کنیزیں بھی اس کے ہمراہ تھیں۔ صبح کا ناشتہ منصورہ کے شاہی قلعے کے

دالان میں ہی لگایا گیا تھا۔ شاہی کنیزیں مختلف پکوان باری باری لاتیں اور ان کے دسترخوان پر سجاتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد رقص و سرود کی محفل شروع ہو گئی۔ خوبصورت کنیزیں لچک لچک کر اپنے حسن و جمال کی بجلیاں گرا رہی تھیں۔ سلطان توران شاہ نے کھانے کے دوران اپنی خاص کنیزوں سے مختلف امور پر گفتگو بھی جاری رکھی۔ اس کا حفاظتی دستہ دالان کے چاروں سمت اپنے فرائض کی انجام دہی میں چوکنا کھڑا تھا۔ سلطان توران شاہ نے اپنے حفاظتی دستے میں برجی مملوک شامل کر رکھے تھے۔ یہ لوگ حصن کیفا میں بھی اس کے ساتھ رہے تھے۔ سلطان توران شاہ کو ان کی وفاداری پر مکمل بھروسہ تھا۔ شاہ لوئی نہم اپنے عمائدین کے ساتھ ابھی تک نظر بند تھا۔ اس کے بارے میں کوئی واضح فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔ سلطان توران شاہ پہلے اسے اپنے ساتھ قاہرہ لے جانا چاہتا تھا۔ بعد ازاں وہ اسے پابہ زنجیر بلادِ فلسطین میں گھمانے کا خواہش مند تھا۔ یہ اَمر طے تھا کہ ربیع الاوّل کا چاند دیکھ کر منصورہ سے قاہرہ کی جانب کوچ کیا جائے گا۔

سلطان توران شاہ کھانے سے فارغ ہو کر رقص کی جانب متوجہ ہو گیا۔ دسترخوان سے برتن سمیٹے جانے لگے۔ اچانک ایک محافظ سپاہی اس کی جانب بڑھا۔ توران شاہ اس کی آمد پر چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا کیونکہ پہلے کبھی ایسا ہوا نہیں تھا۔

''کہو کیا بات ہے؟'' سلطان توران شاہ نے قریب پہنچنے پر اس سے دریافت کیا۔ سپاہی نے جھک کر اسے تعظیم دی اور پھر اچانک اس نے اپنے لباس میں سے ایک لمبے پھل والا خنجر نکالا اور سلطان توران شاہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان توران شاہ کو ایسی کوئی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلا گیا۔ خود کو بچانے کے لئے اس نے تیزی سے پہلو بدلنا چاہا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ خنجر کا پھل اس کی پسلیوں میں اتر گیا۔ تیز کراہ اس کے حلق سے نکلی۔ کنیزیں سلطان پر حملہ ہوتا دیکھ کر گھبرا گئیں۔ دالان میں چیخ و پکار پھیل گئی۔ دوسرے محافظ سپاہیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ اپنی تلواریں نکال کر اس جانب لپکے۔ سلطان توران شاہ کے قریب پہنچنے پر ان میں سے کچھ سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ وہ دو حصوں میں منقسم ہو کر آپس میں ہی نبرد آزما ہو گئے۔ خنجر والے سپاہی نے دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی مگر ایک کنیز نے شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس نے توران شاہ کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ پسلیوں کے درمیان گہرا گھاؤ دکھائی دے رہا تھا۔ سلطان توران شاہ نے اپنا جبہ اتار کر ایک طرف پھینکا اور دونوں ہاتھوں سے زخم کو دبا لیا۔ خون بہہ رہا تھا۔

''سلطان محترم!'' وہ کنیز بولی۔ ''یہ جگہ غیر محفوظ ہے''۔

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم فوری طور پر گھوڑا تیار کرو میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں''۔

کنیز حکم پاتے ہی اصطبل کی جانب لپکی۔ تین وفادار محافظ توران شاہ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ وہ حملہ آوروں سے سلطان کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ دالان میں موجود تمام سپاہی آپس میں بری طرح الجھے دکھائی دے رہے تھے۔

''مجھے سہارا دے کر اصطبل کی جانب لے چلو''۔ سلطان توران شاہ نے قریب موجود اپنے وفاداروں سے کہا۔ ان میں دو تیزی سے اس کی جانب بڑھے اور انہوں نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ اسے اُٹھائے اصطبل کی جانب بڑھنے لگے۔ تیسرا سپاہی انہیں محفوظ رکھنے کی غرض سے پشت پر موجود رہا اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے پیچھے ہٹتا رہا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب اصطبل میں پہنچ گئے۔ انہوں نے سلطان توران شاہ کو ایک گھوڑے پر سوار کرایا اور کنیز کو سلطان کے پیچھے بٹھا دیا تاکہ وہ سلطان کے گھوڑے کو سنبھال سکے۔ انہوں نے بھی گھوڑے سنبھالے اور چار گھوڑے منصورہ کے شاہی قلعے سے باہر نکل گئے۔

سلطان توران شاہ کو اس وقت فوری طبی امداد کی ضرورت تھی مگر یہاں کے حالات ان کے حق میں نہیں تھے۔ وفاداروں نے منصورہ سے باہر نکل کر استفسار کیا کہ کس جانب کوچ کیا جائے تو سلطان توران شاہ نے دمیاط کا رُخ کرنے کی ہدایت کی کیونکہ وہ قریب ترین شہر تھا جہاں سے اسے طبی مدد مل سکتی تھی۔ انہوں نے تیز رفتاری سے اس جانب رُخ کیا۔ اسی لمحے ایک وفادار نے جب یہ اطلاع دی کہ باغی سپاہیوں کا بڑا دستہ ان کا تعاقب کر رہا ہے تو سلطان توران شاہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔

❀ ❀ ❀

ملکہ شجرۃ الدر کو جب اطلاع ملی کہ سلطان توران شاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے تو وہ دم بخود رہ گئی۔ اس نے تفصیل طلب کی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حملہ آور سلطان کے اپنے محافظ تھے تو وہ بے یقینی کے عالم میں مبتلا ہوگئی۔ اطلاع لانے والے نے جب اسے سلطان توران شاہ کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ اپنے حلیف سپاہیوں کے ساتھ منصورہ سے باہر نکل گیا ہے تو اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ وہ تاسف سے ہاتھ مل رہی تھی کہ توران شاہ کو کسی صورت بھی منصورہ نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ اس نے فوراً بیبرس کو پیش ہونے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنے دستے کے ساتھ سلطان کی مدد کو روانہ ہو۔ اطلاع دہندہ نے جب یہ انکشاف کیا کہ تمام دستہ سلطان کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہے تو ملکہ شجرۃ الدر کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔

''تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ سلطان توران شاہ کے خلاف عسکری بغاوت کی گئی ہے؟''

''جی یقیناً...... میں نے خود سالار فارس الدین اقطائی کو گھوڑے پر سوار دستے میں موجود دیکھا ہے''۔

''فارس الدین اقطائی!'' ملکہ شجرۃ الدر اس کا نام سن کر چونک پڑی۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ بحری ممالیک نے اپنے ردعمل کا اظہار کر ڈالا۔ اس منصوبہ بندی میں جاشنگیر ایبک کا بھی ہاتھ ہوگا''۔ وہ بڑبڑائی پھر کچھ سوچتے ہوئے سپاہی سے مخاطب ہوئی۔ ''ٹھیک ہے، تم جاؤ میں دیکھتی ہوں کہ کیا ہوسکتا ہے؟''

ملکہ شجرۃ الدر نے اسے روانہ کیا اور خود قلعے کے اس حصے کی جانب بڑھ گئی جہاں بیبرس مقیم تھا۔ اسے جانے کیوں یقین تھا کہ نجم الدین ایوب کا یہ وفادار غلام اس حرکت میں ملوث نہیں ہوسکتا۔ بیبرس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے ٹھہر کر بیبرس کو آواز دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ محتاط انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ کمرے کی کھلی کھڑکی کے باعث اندر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اس کی نظر زمین پر گٹھڑی بنے ہوئے شخص پر جا پڑی۔ اس کے پاس ہی خون کے چھینٹے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکے۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی اور اسے سیدھا کیا۔ اس کی توقع کے مطابق وہ بیبرس ہی تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بے ہوش تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اس کی سانس دیکھی اور تیزی سے باہر نکل کر غلاموں کو آواز دی۔ بیبرس کے ہاتھ کھول کر اسے بستر پر لٹایا گیا اور شاہی طبیب کو طلب کیا گیا۔ شاہی طبیب نے آ کر بیبرس کا معائنہ کیا۔ بیبرس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ شاہی طبیب نے اس کے زخم کی مرہم پٹی کی اور اس کام سے فارغ ہو کر ملکہ شجرۃ الدر کو بتایا کہ کسی بھاری شے سے اس کے سر پر ضرب لگائی گئی ہے۔ فی الحال اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ممکن تھا کہ اگر زیادہ دیر ہو جاتی تو جسم کا کافی خون نکل جاتا۔

ملکہ شجرۃ الدر نے دو کنیزوں کو وہیں رُکنے کا حکم دیا کہ جونہی بیبرس کو ہوش آئے تو اسے خبر کی جائے۔

❀ ❀ ❀

سلطان توران شاہ تیز رفتاری سے دمیاط پہنچ گیا۔ اس کے وفاداروں نے اسے دمیاط کے قلعے کے ایک برج میں چھپا دیا، وہیں طبیب کو رازداری سے لایا گیا اور اس کے زخم کی مرہم پٹی کی گئی۔ دمیاط شہر کی حالت کچھ

اچھی نہیں تھی۔ صلیبی لشکر اس کی شان و شوکت کو بری طرح روندتا ہوا گذرا تھا۔ فارس الدین اقطائی مملوک دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور سلطان توران شاہ کی تلاش میں جت گیا۔ نصف دن ڈھل چکا تھا مگر سلطان کی جائے پناہ کے بارے میں انہیں کچھ آگاہی نہ ہوسکی۔ احمد چولاک نے فارس الدین اقطائی کو مشورہ دیا کہ سلطان کے بارے میں آخری خبر یہی ملی تھی کہ وہ زخمی ہوگیا ہے، یقیناً اس نے کسی نہ کسی طبیب کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔ طبیبوں سے اگر پوچھ گچھ کی جائے تو ہمیں کوئی سراغ مل سکے گا۔ فارس الدین اقطائی کو یہ مشورہ پسند آیا اور مختلف سپاہیوں کو اس کام پر مامور کر دیا گیا۔ سپاہیوں نے وہ طبیب کھوج نکالا جو سلطان توران شاہ کی مرہم پٹی کر کے آیا تھا۔ اس طبیب کو منہ بند رکھنے کی تلقین کی گئی تھی مگر فارس الدین اقطائی نے حالات کا ایسا رُخ اس کے سامنے پیش کیا کہ وہ خود ہی بک پڑا کہ سلطان قلعے کے برج میں موجود ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی فارس الدین اقطائی نے وقت ضائع کئے بغیر پانچ سو مملوک سپاہیوں کو یکجا کر کے قلعے کے اس برج کو گھیر لیا۔ سلطان توران شاہ کے وفاداروں نے جب یہ منظر دیکھا تو انہوں نے توران شاہ سے استدعا کی وہ رسی کی مدد سے برج کے عقبی جانب اتر جائے اور دریا عبور کر کے کسی طرح قاہرہ پہنچنے کی کوشش کرے۔ وہ ان سپاہیوں کو کچھ دیر کے لئے الجھائے رکھنے کی کوشش کریں گے۔ سلطان توران شاہ نے اس تجویز پر عمل کیا اور برج کی عقبی جانب بڑھ گیا۔ اسی لمحے ممالیک دستے نے نفط کی پچکاریاں برج کی جانب پھینکنی شروع کر دیں۔ مملوک سپاہیوں پر عجیب سا غیظ و غضب طاری تھا۔ برج کے اندر پچکاریوں کے مسلسل گرنے سے آگ لگ گئی۔ وفادار سپاہی اس آگ کو کپڑوں کی مدد سے بجھاتے رہے۔ اسی دوران برج دھوئیں کی لپیٹ میں آگیا۔ دھوئیں کا فائدہ اُٹھا کر سلطان توران شاہ کمند کے ذریعے نیچے اترنے میں کامیاب ہوگیا۔ برج میں موجود سپاہی آگ کی شدت کو برداشت نہ کر پائے اور انہوں نے جھروکوں سے چھلانگیں لگا دیں۔

سلطان توران حملہ آوروں کی نظروں سے چھپتا ہوا دریا کی جانب بڑھ رہا تھا کہ ایک مملوک سپاہی کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو باخبر کیا۔ مملوک یہ سنتے ہی دیوانہ وار اس جانب بھاگے۔ انہیں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر سلطان توران شاہ دریا کی طرف بھاگ اٹھا۔ نزدیک ترین مملوک سپاہی نے اسے ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر دور ہی سے نیزہ کھینچ مارا جو اُڑتا ہوا سلطان کے جسم کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔

خون کا فوارہ توران شاہ کے جسم سے پھوٹ پڑا۔ وہ اس شدید ضرب سے زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ دریا کا کنارہ دو قدم کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ سلطان توران شاہ نے ایک بار پھر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی طاقت کو یکجا کر کے اُٹھا اور خود کو کسی طرح دریا میں پھینک دیا اور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے تیرنے کی کوشش کرنے لگا۔

مملوک سپاہی دریا کے کنارے آ جمع ہوئے۔ وہ دریا میں زخمی سلطان کو تیرتا دیکھ رہے تھے۔ فارس الدین نے پہنچ کر جب یہ منظر دیکھا تو اس نے طیش کے عالم میں سپاہیوں کو اسے دریا سے باہر نکالنے کا حکم دیا۔ سپاہی یہ حکم پاتے ہی دریا میں کود گئے اور تھوڑی دیر بعد سلطان توران شاہ کو کنارے پر کھینچ لائے۔

توران شاہ کی سانس ابھی چل رہی تھی۔ وہ بے بسی کے عالم میں زمین پر پڑا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ فارس الدین اقطائی نے اس کی جانب حقارت سے دیکھتے ہوئے اپنی تلوار بلند کی اور دوسرے لمحے سلطان کا سر تن سے کٹ کر جدا ہوگیا۔ اس کے کٹے سر کو ایک نیزے پر چڑھا کر ساتھ لئے مملوک سپاہی منصورہ کی جانب لوٹ گئے۔

❀ ❀ ❀

بیبرس کو جب ہوش آیا تو ملکہ شجرۃ الدر کو اطلاع پہنچا دی گئی۔ وہ وقت ضائع کئے بغیر وہاں پہنچی۔ بیبرس اس کی آمد پر اُٹھ بیٹھا۔ وہ شاید کھڑا ہونا چاہتا تھا مگر نقاہت سے اس کا سر چکرا گیا۔

''لیٹے رہو بیبرس!'' ملکہ شجرۃ الدر نے ہدایت کی۔ ''ہمیں یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''سلطان محترم خطرے میں ہیں......'' بیبرس اچانک کچھ یاد آنے پر تیزی سے بولا۔

''میں جانتی ہوں، سلطان پر قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے اور وہ منصورہ سے نکل گئے ہیں۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ سپاہ کے سالار تم ہو، پھر سپاہی کیوں سلطان کے تعاقب میں گئے ہیں؟''

''یہ سب نائب السلطنت کا کیا دھرا ہے۔ وہ صبح سویرے میرے پاس آیا اور مجھے بتانے لگا کہ اس کا ارادہ سلطان کو قتل کرنے کا ہے اور میں اس کا ساتھ دوں۔ اس نے نے مجھے اعلیٰ عہدے اور بلادِ شرقیہ کی امارت اور اَن گنت وظائف کی پیش کش کی۔ میں اس کی باتیں سن کر حیران ہو گیا۔ میں نے حملے کی منصوبہ بندی جاننے کی غرض سے اس کے سامنے حامی بھر لی۔ اس نے مجھے بتایا کہ سلطان توران شاہ کے محافظ اس کی مٹھی میں ہیں، بس اسے میرے سپاہی درکار ہیں تاکہ وہ معاملے میں مداخلت کرنے کے بجائے اس کا ساتھ دیں۔ میں اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی کہ اس فعل سے نقصان ہو سکتا ہے۔ صلیبی لشکر بے شک شکست کھا چکا ہے مگر بھگوڑے سپاہی اس کمزور صورتِ حال کا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اس نے سمجھنے کے بجائے مجھے ہراساں کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے مجھے خبردار کیا کہ وہ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور یہ وقت گذرنے کے بعد مجھے سخت سزا بھی دے سکتا ہے۔ میں اس کی بات سن کر غصے میں آ گیا۔ میں اسے سبق سکھانے کی نیت سے اس کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اچانک اس نے تلوار کے دستے سے میرے سر پر ضرب لگائی اور میرے ہوش گم ہو گئے''۔ بیبرس نے جواب دیا۔

''مگر مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ تمہارے دستے کی سالاری فارس الدین اقطائی کر رہا تھا''۔ ملکہ شجرۃ الدر اس کی جانب شک زدہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں تو صبح سے یہاں پڑا تھا''۔ بیبرس نے کہا۔

''مجھے شک ہے کہ تم سب بحری مملوک آپس میں ملے ہوئے ہو۔ بہر حال وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ تم فی الحال آرام کرو۔ یاد رکھو، اگر تم قصوروار نکلے تو تمہیں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ کڑی سزا دی جائے گی''۔ ملکہ شجرۃ الدر نے متنبہ کیا اور وہاں سے لوٹ گئی۔ وہ بیبرس کی باتوں میں صداقت تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اپنے مرحوم شوہر نجم الدین ایوب کی وہ بات یاد تھی کہ بیبرس بکنے والا غلام نہیں ہے، وہ تہ دل سے اس کا وفادار غلام ہے۔ جس پر وہ اپنی آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتا ہے۔

❀ ❀ ❀

9 محرم 648ھ کی شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے باغی مملوک سلطان توران شاہ کا بریدہ سر نیزے پر لٹکائے منصورہ میں داخل ہوئے۔ وہ بے ہنگم انداز میں نعرے لگاتے ہوئے شہر میں آئے تھے۔ پانچ سو سپاہیوں کے دستے کی اس انداز کی آمد سے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگ معاملے کی تہہ میں پہنچنے کے بجائے اپنے اپنے گھروں میں دبک گئے۔ ملکہ شجرۃ الدر نے شور شرابے پر اپنے کمرے کی بڑی بالکونی میں سے منصورہ کے بازار میں جھانکا۔ اس بالکونی پر امیر شہر قیام کر کے اپنے فرمان سنایا کرتا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر کی نگاہیں جب سلطان توران شاہ کے کٹے ہوئے سر پر پڑیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بے اختیار اس کی زبان سے اناللہ کا کلمہ جاری ہو گیا۔ وہ تاسف بھری نگاہوں سے ان باغی سپاہیوں کی مسرت دیکھ رہی تھی جو اپنی کامیابی پر پھولے

نہ سما رہے تھے۔ شاہی قلعے سے کچھ فاصلے پر امیر لقمان کے محل نما مکان کی بالائی منزل پر کھڑا شاہ فرانس لوئی نہم یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے پہلو میں فرانسیسی مؤرخ دی جان دیل بھی موجود تھا۔ شیخ عز الدینؒ بن عبدالسلام دمشقی نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ رہ نہ سکے اور سپاہیوں کے ہجوم میں گھس گئے۔ سپاہیوں نے جب انہیں دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے اور ہٹ کر انہیں راستہ دینے لگے۔ شیخ عز الدینؒ بڑھ کر فارس الدین اقطائی کے مدمقابل جا کھڑے ہوئے۔ فارس الدین اقطائی انہیں اپنے سامنے پا کر شرمندہ سا ہو گیا۔

''تم نے جو کچھ کیا ہے، کیا یہ صحیح تھا؟'' شیخ عز الدینؒ بلند آواز میں بولے۔

''اللہ بہتر جانتا ہے''۔

''اپنے اس گناہ میں اللہ کو شامل نہ کرو، تمہیں جس شخص نے اس قابل بنایا کہ تم سر اُٹھا کر جی سکو آج اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی تم نے اپنے ہاتھ اس کی اولاد کے خون سے رنگ لئے۔ یہ سب کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی؟''

''میں نے جو کچھ بھی کیا ہے، اس ریاست کے بہتر مفاد کے لئے کیا ہے، سلطان توران شاہ کے فیصلے بچگانہ تھے جو آنے والے وقت میں امت مسلمہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے تھے''۔

''تمہیں کون روک سکتا ہے؟ طاقت آج تمہارے پاس ہے، دلیلیں تم گھڑ سکتے ہو، مگر آخرت میں اپنے اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے اسے کیسے مطمئن کر سکو گے؟ وہ تو دلوں کے بھید سے خوب آشنا ہے''۔ شیخ عز الدینؒ نے کہا۔

''دیکھئے حضرت! آپ اس معاملے کو میرے اور اللہ کے درمیان چھوڑ دیں، اور میرے سپاہی کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھیں''۔ فارس الدین اقطائی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

شیخ عز الدینؒ اس کی بات سن کر برہم ہونے لگے کہ اسی وقت ملکہ شجرۃ الدر بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے شیخ عز الدینؒ سے وہاں سے ہٹ جانے کی درخواست کی کیونکہ ایسے مخدوش حالات میں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ ان کی لعن طعن پر باغی سپاہ بھڑک سکتی تھیں۔ شیخ عز الدینؒ نے سلطان توران شاہ کے سر کو فوراً نیزے سے اتارنے کا حکم دیا اور اس کے دھڑ کو دمیاط سے منگوانے کا حکم سنایا تاکہ اس کی لاش کی مزید بے حرمتی نہ ہو۔ ملکہ شجرۃ الدر نے آگے بڑھ کر فارس الدین اقطائی کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انسانیت پر قائم رہنے کی تلقین کی۔ فارس الدین اقطائی شیخ عز الدینؒ سے خائف تھا۔ اس نے فوراً سلطان کا سر نیزے سے اتار دیا اور چند سپاہیوں کو سلطان توران شاہ کا دھڑ لانے کے لئے دمیاط روانہ کر دیا گیا جو وہ وہیں دریا کے کنارے پر چھوڑ آئے تھے۔ سر بریدہ دھڑ کے پہنچنے پر ہی سلطان توران شاہ کی تدفین کرنا تھی۔

شیخ عز الدینؒ کے جانے کے بعد فارس الدین اقطائی گھوڑے سے اتر کر ملکہ شجرۃ الدر کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ سب غلط ہے مگر میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں آگے نہ آتا تو آج میری جگہ کوئی اور امیر ہو سکتا تھا۔ برجی امراء کو فوقیت دینا ہی سلطان توران شاہ کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اگر وہ سارا انتظام حسب سابق رہنے دیتے تو شاید یہ دن کبھی نہ دیکھنا پڑتا''۔

''مجھے تمہاری صفائی کی ضرورت نہیں ہے''۔ ملکہ شجرۃ الدر نے کرخت لہجے میں کہا۔

''میں جانتا ہوں۔ آپ مجھے جو سزا دینا چاہیں بے شک دیں تاکہ آپ کا غصہ ختم ہو سکے''۔

''میں سزا و جزا پر قادر نہیں ہوں۔ یہ تم لوگوں کا اجتماعی فعل ہے، میں کس کس کو سزائیں دوں؟ اگر میں

تمہیں سزا دے دوں تو میں یہ بات بخوبی جانتی ہوں کہ تمہارے گروہ میں سے دوسرا فرد سامنے آئے گا اور انتقامی جذبے کے تحت مجھے بھی ہلاک کرنے سے باز نہیں رہے گا''۔

''مجھے معلوم ہے کہ تخت کا اب کوئی وارث باقی نہیں رہا۔ جو لوگ خود کو وارث سمجھتے ہیں ان میں کوئی بھی اتنا اہل نہیں کہ وہ اتنی بڑی سلطنت کو قابو میں رکھ سکے۔ میں آپ کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دیتا ہوں۔ میرے خیال میں ایوبی خاندان میں آپ سے بہتر کوئی فرد نہیں ہے''۔

''مجھے اقتدار کی کوئی تمنا نہیں''۔ ملکہ شجرۃ الدر نے ٹکا سا جواب دیا۔

''اسی لئے تو میں آپ کو یہ دعوت دے رہا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں ایسی ہوس موجود ہوتی تو شاید میں یہ قدم کبھی نہیں اُٹھاتا''۔

''کیا تمہیں اس بات کا خدشہ نہیں ہے کہ اگر میں تخت حکومت پر آ گئی تو تم زندہ نہیں رہ سکو گے؟''

ملکہ شجرۃ الدر کی بات سن کر فارس الدین اقطائی ہنس پڑا۔ ''مجھے اپنی موت کے عوض اس ریاست کو بچانا منظور ہوگا''۔

ملکہ شجرۃ الدر اس کی بات سن کر خاموش ہوگئی اور کوئی جواب دیئے بغیر واپس لوٹ گئی۔ فارس الدین اقطائی نے تمام دستوں کو اپنی اپنی رہائش گاہوں پر جانے کا حکم دیا۔ منصورہ کے کئی امیر اپنے تجسس کو دور کرنے کے لئے شاہی دربار میں پہنچنے لگے۔ امیر فارس الدین اقطائی کی جانب سے شہر کی انتظامیہ کو خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ امن عامہ کو برقرار رکھیں۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین کافی حد تک تندرست ہو چکا تھا۔ ران کا زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہو پایا تھا البتہ وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ طبیب نے اگرچہ اسے ابھی زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا تھا مگر وہ ایک ہی چھت تلے پڑا اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک دن وہ طبیب کی ہدایت کو پس پشت ڈال کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اسے چلنے میں تھوڑی بہت دشواری ہو رہی تھی۔ باہر نکل کر جب اس کی نگاہ نیلے آسمان پر پڑی تو اسے یوں لگا کہ جیسے وہ قید تنہائی کاٹ کر نکلا ہو۔ خیمے کے باہر موجود محافظ نے اسے دیکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر مطیع الدین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ ضرگامی لوگ اس کی جانب حیرت سے دیکھتے رہے پھر اپنے اپنے کاموں میں مگن ہو گئے۔ اس کی نگاہیں برقائی خان کو تلاش کرنے لگیں۔ برقائی خان نے اپنے خیمے بستی سے باہر لگوا رکھے تھے۔ وہیں اس کے باقی ماندہ سپاہیوں کے خیمے بھی موجود تھے۔ وہ شاید بستی میں رہ کر وہاں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھا تو ایک بوڑھا شخص اس کی جانب بڑھ آیا۔ مطیع الدین اس کی صورت دیکھ کر چونک سا گیا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ وہ کریاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ بوڑھا شخص اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر خود ہی بولا۔

''شاید مجھے پہچان نہیں پا رہے ہو''۔

''میں کوشش کر رہا ہوں''۔ مطیع الدین بولا۔

''ارے میں تم سے وہیں ملا تھا پہاڑی پر۔ تم قاڑی باشندوں سے نبرد آزما تھے۔ میں نے اور میرے بیٹے نے مل کر تمہاری جان بچائی تھی''۔ وہ تیزی سے بولا۔

''اوہ ہاں یاد آیا...... میں تمہارا بڑا مشکور ہوں۔ تمہاری مداخلت کے باعث ہی قاڑی سردار اپنی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا پایا''۔

''اس میں شکریے والی کون سی بات ہے، وہ تو میرے بیٹے نے بے وقوفی کی تھی کہ تمہیں وہیں بے ہوشی کے عالم چھوڑ آیا تھا ورنہ تمہاری یہ حالت نہ ہوتی''۔ بوڑھا ہنستا ہوا بولا۔

''وہ موٹا سا...... تمہارا بیٹا ہے؟'' مطیع الدین اس کی صحت کو دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''بالکل! موٹا تو کھانے پینے سے ہوا ہے۔ ویسے ہے بڑا نرم دل''۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ نوئنا جو خان ادھر آ نکلا۔ اس کی نظر جب مطیع الدین پر پڑی تو وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھ آیا۔ اسے شاید یہ خدشہ لاحق تھا کہ اسے بات کرنے کا موقع نہ مل سکے اور وہ پھر سے بے ہوش ہو جائے۔ نوئنا جو خان کو آتا دیکھ کر بوڑھا ہنس کر بولا۔ ''تم نے اس کا ذکر کیا، لو وہ آن حاضر ہوا''۔ مطیع الدین نوئنا جو خان کی صورت دیکھنے لگا۔ نوئنا جو خان نے قریب آتے ہی اس سے زوردار مصافحہ کیا۔

''شکر ہے کہ اس مرتبہ میرے قریب آنے پر تم ہوش میں ہی ہو۔ ورنہ جب بھی تمہیں دیکھا بے ہوشی کے عالم میں ہی دیکھا ہے''۔

''تم نے مجھے کب دیکھ لیا؟'' مطیع الدین حیرت سے بولا۔

''پہلی بار اس وقت جب تم بڑے ریچھ کی ٹکر کھا کر کھائی میں جا گرے تھے تو میں نے ہی تمہیں وہاں سے اُٹھا کر پہاڑی پر پہنچایا تھا، دوسری مرتبہ اس وقت جب میں قاڑیوں کو بھگا کر تمہارے پاس آیا تو تم بے ہوش تھے''۔

''اچھا تو وہ تم ہی تھے جس نے میرا گھوڑا چرایا تھا''۔ مطیع الدین آنکھیں نکال کر بولا۔

''ارے بھئی ناراض مت ہو، میں نے چرایا نہیں تھا بلکہ کچھ دیر کے لئے اپنے تصرف میں لیا تھا۔ وہ تمہاری امانت یہیں موجود ہے۔ اگر مجھے معلوم پڑ جاتا کہ وہاں قاڑی موجود ہیں تو میں ریچھ کے بجائے تمہیں گھوڑے پر لاد کر بستی لے آتا۔ بہر حال اب تو وقت گذر گیا ہے''۔

''وہ طبیب تو بتا رہا تھا کہ ابھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور تم باہر نکل آئے''۔ بوڑھا شخص چونک کر بولا۔

''بابا! تم بھی بے تکی بات کرتے ہو، اتنے دن سے بے چارا خیمے میں پڑا ہے۔ خیمہ تو اسے کاٹنے کو دوڑتا ہوگا۔ اچھا کیا کہ باہر نکل آیا۔ چہل قدمی سے فائدہ ہی ہوتا ہے کوئی نقصان تو نہیں''۔ نوئنا جو خان بگڑ کر بولا۔ بوڑھا شخص اسے گھورنے لگا۔

''ارے بھئی آپس میں مت الجھو۔ میں واپس چلا جاتا ہوں''۔ مطیع الدین نے فوراً بات گھمائی۔

''ارے نہیں...... نہیں! ایسی کوئی بات نہیں، جب تک میں بابا کو ایسی باتیں نہ سناؤں، انہیں بھی چین نہیں آتا''۔ نوئنا جو خان بول پڑا۔

''آؤ...... میں تمہیں چہل قدمی میں مدد دوں۔ میرا نام نوئنا جو خان ہے''۔

مطیع الدین نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اس کا ہاتھ تھامے بستی سے باہر کی جانب چل پڑا۔

''ایک بات پوچھوں! برا تو نہیں مانو گے؟''

''کیا......؟''

''یہ قاآن زادہ تمہارا کیا لگتا ہے؟''

''کون قاآن زادہ؟'' مطیع الدین نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے وہی سالار۔ جس نے تمہاری چینائی محافظوں سے جان بچائی تھی''۔

''تمہارا اشارہ شاید برقائی خان کی جانب ہے مگر یہ جینائی محافظوں کا کیا قصہ ہے؟''

''میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ تمہیں بھلا اس بارے میں کیا پتہ ہوگا۔ تم تو اس وقت روایتی عادت کا شکار تھے۔ تمہاری بے ہوشی کے عالم میں جنیائی سرحدی سپاہی تمہیں پہاڑی سے لانے میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے جس پر سالار نے انہیں باز رکھا اور مجھے ان کے امیر سے لڑنے کا موقعہ دیا۔ میں نے تو ایک ہی داؤ میں اسے چت کر دیا تھا''۔

مطیع الدین اس کی باتیں سن رہا تھا مگر اس کا ذہن قا آن زادے کے الفاظ پر اٹکا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لقب صرف شاہی خاندان کے اس فرد کے لئے مخصوص تھا جو بادشاہ کا خون کا رشتہ دار ہوتا تھا۔

''تم نے برقائی خان کو قا آن زادہ کیوں کہا؟ اس کا تعلق تو شاہی خاندان سے نہیں ہے''۔ مطیع الدین اُلجھے ہوئے انداز میں بولا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ اردوئے زریں کے عظیم قا آن اعظم باتو خان کا چھوٹا بھائی ہے''۔ فوئنا جوخان اس کی جانب یوں دیکھنے لگا جیسے اس نے کوئی انوکھا سوال کر دیا ہو۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر لمحہ بھر کو دنگ رہ گیا۔ اس نے کبھی برقائی خان سے اس ضمن میں کوئی سوال نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو اسے عام سا منگول سمجھتا رہا تھا۔ برقائی خان میں عام منگولوں والی بھی کوئی بات نہیں دکھائی دیتی تھی پھر اس کا تعلق چنگیز خان کے خاندان سے ہونا اس کے لئے واقعی اچنبھے کی بات تھی۔ چنگیز خانی گرم خون اتنا سرد پڑ سکتا ہے یہ حیرت انگیز امر تھا۔ وہ دونوں چلتے چلتے بستی سے باہر نکل آئے تھے۔

''کیا تمہیں مکمل یقین ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟'' مطیع الدین نے دوبارہ پوچھا۔

''تم مجھے حیران کئے دے رہے ہو، وہ شخص تمہارے لئے اتنا بے چین ہو رہا تھا، تمہیں بھائی اور دوست کہہ رہا تھا اور ایک تم ہو کہ اسے صحیح طرح جانتے تک نہیں''۔ فوئنا جوخان اُلجھن کا شکار دکھائی دینے لگا۔

''تم ایسا کرو کہ مجھے اس کے پاس لے چلو''۔

''وہ سامنے جو زرد خیمے دکھائی دے رہے ہیں اسی کے ہیں''۔ فوئنا جوخان نے اشارہ کیا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان خیموں تک پہنچ گئے۔ محافظوں نے برقائی خان کو ان کی آمد کی خبر کر دی تھی۔ اسی لئے برقائی خان خود باہر نکل آیا۔ مطیع الدین کو اپنے قدموں پر آتے دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ وہ قریباً بھاگتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔

''مطیع الدین! صحتمندی مبارک ہو، تمہیں اپنے قدموں پر چلتا ہوا دیکھ کر میں پھولے نہیں سما رہا''۔ برقائی خان مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

''یہ منگول جو کہہ رہا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟'' مطیع الدین نے اُلٹا سوال کیا۔

''فوئنا جوخان، کیا کہا ہے تم نے اسے......؟'' برقائی اس کی جانب گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔

فوئنا جوخان اس کے لہجے سے گڑبڑا گیا، وہ جلدی سے اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔ ''جاودانی آسمان کی قسم! میں نے تو صرف آپ کے بارے میں اسے بتایا تھا، اور تو کچھ نہیں کہا''۔

''یہی کہ تم ایک قا آن زادے ہو اور یہ بات تم نے مجھ سے آج تک چھپائے رکھی''۔ مطیع الدین نے لقمہ دیا۔

''اس میں چھپانے والی بھلا کیا بات ہے؟ تم نے کبھی میرے بارے میں پوچھا ہی نہیں''۔ برقائی خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا اور کہتے ہو کہ میں نے نہیں پوچھا''۔ مطیع الدین نے شکوہ کیا۔

''اچھا بھئی یونہی سہی! اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کیا ہوں۔ ہماری دوستی پہلے جیسی ہی رہے گی۔ تم شاید جانتے نہیں کہ میں تمہیں بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا ہوں''۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر شرمندہ دکھائی دینے لگا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہو۔

''یہ عجیب سے منہ نہ بناؤ۔ گل وتوژ نے ایسا منہ دیکھ لیا تو وہ تم سے شادی کرنے سے انکار کر دے گی''۔

برقائی خان نے قہقہہ لگایا۔ مطیع الدین بھی کھسیانا ہو کر ہنسنے لگا۔ فوئنا جوخان ان کی باتیں سن رہا تھا، انہیں ہنستا ہوا دیکھ کر خود بھی ان کے ساتھ شریک ہوگیا۔ اس کی آواز ان دونوں سے زیادہ بلند تھی۔ برقائی خان اس کی اس بے ساختہ حرکت پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ مطیع الدین کو بھی صورت حال کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ بھی برقائی خان کی تقلید کر رہا تھا۔ چند لمحے پہلے کی شکایتیں یوں غائب ہو گئی تھیں جیسے انہیں کبھی لب پہ لایا ہی نہ گیا ہو۔ فوئنا جوخان انہیں بری طرح لوٹ پوٹ ہوتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''بھئی تم لوگ کس بات پر اتنا خوش ہو رہے ہو؟'' اس نے معصومیت سے سوال کیا۔ اس کا سوال سن کر برقائی کے قہقہے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ فوئنا جوخان ہونقوں کی طرح ان کی صورت دیکھے جا رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

1 محرم 648ھ کو باغی امرا اور منصورہ کے امرا نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ملکہ شجرۃ الدر کو ہی تاج پہنا دیا جائے۔ رئیس العساکر جاشنکیر ایبک تک منصوبے کی مکمل اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وہ خبر پاتے ہی قاہرہ سے منصورہ کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان توران شاہ کے قتل کے اگلے دن تک وہ منصورہ پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ کئی مملوک کمانڈین اور معزول امرا بھی آئے تھے۔ جب انہیں یہ خبر ملی کہ سلطان توران شاہ کو انجام تک پہنچا دیا گیا ہے تو ان کے پژمردہ چہرے پھر سے کھل اُٹھے۔ انہوں نے فارس الدین اقطائی سے طویل ملاقات کی۔ سلطنت کے استحکام کے سلسلے میں فارس الدین نے ان سب کے سامنے ملکہ شجرۃ الدر کو اقتدار سونپنے کی تجویز رکھی۔ امرا کی جماعت نے اپنے عہدوں کے یقینی تحفظ کو شرط بنا کر اس تجویز کی حمایت کر دی۔ تمام معاملات کے طے ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلے میں کوئی دیر نہ کی جائے بلکہ آج ہی اس معاملے کو نبٹا دیا جائے۔ رئیس العساکر نے خود ملکہ کے پاس جا کر ساری صورت حال گوش گذار کر دی کہ امرا کے حلقے کی خواہش ہے کہ سلطان نجم الدین ایوب کے تعینات کردہ عہدوں پر انہیں بحال رکھا جائے۔ ملکہ شجرۃ الدر حالات کی نزاکت سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ ایسے حالات میں مملوکوں سے دشمنی مول لینا اس کے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اس نے حامی بھر لی۔ شام کے وقت تاج پوشی کی سادہ سی رسم کا اہتمام کیا گیا۔ حلقہ امرا نے ملکہ شجرۃ الدر کو المستعصمه الصالحة الملكة المسلمين عصمت الدنياء الدين ام الملک المنصور خلیل کا خطاب دیتے ہوئے بلادِ مصر و شام کے تخت پر بٹھا دیا۔ ملکہ شجرۃ الدر پہلے خلیفہ مستعصم باللہ کے حرم میں محض ایک باندی تھی۔ وہاں سے سلطان نجم الدین ایوب کے پروانہ سلطانی کے ساتھ تحفتاً بلادِ مصر پہنچی۔ اپنی ذہانت وفراست سے اس نے سلطان نجم الدین ایوب کا دل جیت لیا اور اس کی ملکہ بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ سلطان نجم الدین ایوب کا ایک بیٹا اس کے بطن سے بھی ہوا تھا۔ اس کا نام خلیل الدین رکھا گیا۔ قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ جوانی کی منزلیں طے کرتا، چھ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اسی بیٹے کی نسبت سے اس کی کنیت ام الخلیل تھی۔ ملکہ شجرۃ الدر کو عنانِ اقتدار سونپنے کا اصل سبب یہی تھا کہ ممالیک وقت کی نزاکت سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صلیبی جنگ کے اثرات ابھی

تازہ ہیں، شاہ فرانس لوئی نہم ان کے پاس قید تو ضرور ہے مگر اس کی آزادی کے لئے صلیبی جان توڑ بازی لگانے سے باز نہیں رہ پائیں گے۔ فوری طور پر تو انہیں شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی گئی تھی۔ اگر اس معاملے کو طول دیا گیا تو حالات نئی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ دوسرا ایوبی امرا کی جانب سے بھی انہیں خطرہ لاحق تھا کہ وہ حکومت کے لالچ میں بغاوت سے باز نہیں آئیں گے۔ علاوہ ازیں سب سے اہم معاملہ معزول امرا کی بحالی کا تھا۔ ان کے بحال ہونے پر ہی وہ انتظامِ حکومت میں حصہ لے سکتے تھے۔ ملکہ شجرۃ الدر نے سب سے پہلے ان معزول امرا کو ان کے سابقہ عہدوں پر فائز کیا اور دوسرے نمبر پر تمام ایوبی عاملین کو اطاعت کی ہدایت کی۔ بغاوت کرنے پر ان سے سختی سے باز پرس کئے جانے کا فرمان جاری کیا گیا۔ 17 صفر 648ھ کو ملکہ شجرۃ الدر کے سامنے شاہ لوئی نہم کا معاملہ پیش کیا گیا۔ ممالیک کا خیال تھا کہ پچاس ہزار کے لگ بھگ جنگی قیدیوں کا بار اُٹھانا ریاست کے لئے خاصا مہنگا سودا ثابت ہوگا۔ ملکہ نے اس معاملے پر بات چیت کے لئے بہاء الدین زہیر کو شاہ لوئی نہم کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ اگر صلیبی جنگجو پُرامن رہنے کا وعدہ کریں اور بلادِ مصر سے فوراً نکل جانے کا عہد کرنے کے ساتھ ساتھ تاوانِ جنگ اور فدیہ کے طور پر ایک خطیر رقم دربارِ مصر کی خدمت میں پیش کریں تو انہیں شاہ لوئی نہم سمیت بلادِ مصر سے باعزت جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ شرائط نہ ماننے کی صورت میں جنگی قیدیوں کو شاہ سمیت زندگی کی قید سے آزاد کر دیا جائے گا۔

شاہ لوئی تو کافی دنوں سے اس پیش کش کا منتظر تھا۔ اس نے پہلی ہی نشست میں بہاء الدین زہیر کو یہ یقین دہانی کرائی کہ اسے ملکہ شجرۃ الدر کی تمام شرائط بلا تامل منظور ہیں چنانچہ ڈیڑھ ماہ کی قید کے بعد اسے آزادی کا سورج دیکھنا نصیب ہوا۔ وہ اپنے شکست خوردہ سپاہیوں اور عمائدین کو ساتھ لے کر بلادِ مصر پر حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہوا سمندر کے راستے عکہ کی جانب روانہ ہو گیا جہاں سابق شاہ یروشلم فریڈرک ثانی بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔ شاہ لوئی جس عظیم مقصد کو لے کر بلادِ مصر اُترا تھا وہ مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کے سامنے ذلت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ فرانس سے جو بلند و بانگ دعوے کر کے نکلا تھا، وہ باطل ثابت ہو چکے تھے۔ وہ ہزیمت اُٹھانے کے بعد فرانس واپس لوٹنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر کے سر پر ممالیک نے جس امتحان کی تلوار لٹکائی تھی اس میں وہ بخوبی سرخرو ہو چکی تھی۔ ممالیک امرا اپنے فیصلے پر مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

بحری ممالیک نے امیر برکیارک کا معاملہ ملکہ کے سامنے پیش کرنے کے بجائے خود ہی اسے سزا دی اور اس کی آنکھیں نکلوا کر حصن کیفا واپس بھجوا دیا اور دیگر سرکردہ برجی مملوک امرا کو تنبیہ کی کہ اگر انھوں نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔

❀ ❀ ❀

گل وتوژ اپنے ماموں زاد شنگ کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی قبیلہ سرخ پہنچ گئی۔ اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ منک آنہ نے اپنی نواسی کو دیکھ کر بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔ منک آنہ کو باتو خان نے معزول کر کے نظر بند کر دیا تھا مگر قونائی خان کے قتل کے کچھ دن بعد اس کی نظر بندی کو ختم کر دیا گیا۔ گل وتوژ نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی مگر منک آنہ نے اس موضوع کو ٹال دیا۔ چند دن گل وتوژ گھر میں رہی، اسے دوسری خواتین کے ساتھ گھریلو کام کاج پر مامور کر دیا گیا تھا۔ گل وتوژ نے اس امر پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر کسی کو بھی اس کی پسند و ناپسند کی کوئی پرواہ نہیں تھی شنگ بھی اس دن کے بعد اسے دوبارہ دکھائی نہیں دیا البتہ منک آنہ کی کچھ سرگرمیاں اسے پُراسراری لگیں، وہ باتوں کے دوران کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھتا تو جانے کیوں گل وتوژ کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ یہ بات بری طرح سے محسوس کر رہی تھی کہ مختلف اوقات میں اسے ہی

موضوعِ گفتگو بنایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ کہیں وہ اسے ہی اپنے باپ کا قاتل تو نہیں سمجھتے لیکن جب اسے شنگ کی باتیں یاد آتیں وہ اپنے اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے پر مجبور ہو جاتی۔

ایک دن منک آنہ نے اسے اپنے مخصوص خیمے میں طلب کیا۔ اس کے بدن پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ وہ بمشکل وہاں پہنچ پائی۔ اس کے دل و دماغ سے یہی صدا اُٹھ رہی تھی کہ آج کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہ ہمت کر کے خیمے میں جا پہنچی۔ منک آنہ نے اس کی صورت دیکھی تو شفقت بھرے لہجے میں اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ آگے بڑھ کر ایک جانب سمٹ کر بیٹھ گئی۔ منک آنہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو گل!'' وہ اس کی جانب جھکتا ہوا بولا۔ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے باپ کا قاتل کون ہے مگر اسے سزا دی جائے یا اس کا جرم نظر انداز کر دیا جائے، اس بارے میں تمہیں ہی کوئی فیصلہ کرنا ہوگا''۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی''۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے تم سے کھلے لفظوں میں بات کرنی چاہیے''۔

''آپ جیسا مناسب سمجھیں''۔

''بات یہ ہے کہ تم اپنے باپ کے قتل کی ذمہ دار ہو''۔ منک آنہ گھمبیر لہجے میں بولا۔ گل وتوژ اس کی بات سن کر لمحہ بھر کے لئے بھونچکا رہ گئی۔

''تو کیا آپ بھی مجھے اپنے باپ کا قاتل سمجھتے ہیں؟'' اس نے دبے انداز میں احتجاج کیا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم نے اپنے باپ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری غلط روش کی وجہ سے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے''۔

''آپ میرے کردار پر انگلی اُٹھا رہے ہیں''۔ گل وتوژ کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔

''تمہارا کردار!'' منک آنہ تمسخرانہ ہنسی ہنسا۔ ''اس سے میں خوب واقف ہوں، کیا یہ کسی منگول لڑکی کو زیب دیتا ہے کہ وہ ایک مسلمان سے عشق لڑائے اور اس کے لئے ویرانوں میں دھکے کھاتی پھرے؟''

''ک ک..... کیا مطلب؟'' گل وتوژ گھبرا گئی

''وہ کیا نام بتایا تھا تمہارے باپ نے؟'' منک آنہ پیشانی کو انگلی سے ٹھونکنے لگا۔ ''ہاں یاد آیا، مطیع الدین۔ تم اس کی تلاش میں ازقائی قبیلے سے مدد حاصل کرنے نہیں گئی تھیں؟ مجھے اگر پہلے معلوم ہو جاتا کہ وہ تمہیں اپنے فریب میں الجھائے ہوئے ہے تو قسم جاودانی آسمان کی۔ میں اسے پہلے ہی دن ہلاک کر دیتا۔ تمہاری اس نادانی سے سرخوں کا وقار سرنگوں ہو کر رہ گیا، اور تو اور بھرے دربار میں اس سلسلے میں اس کی بے عزتی ہوئی۔ قاآن اعظم نے صرف بے عزتی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔ مجھے نظر بندی کی صعوبت اُٹھانا پڑی۔ یہ سب کیوں ہو رہا تھا؟ صرف اس لئے کہ تم اس مسلمان کے چکر میں اپنوں سے غداری کر رہی تھیں''۔ منک آنہ کا لہجہ بے حد خونخوار ہو رہا تھا۔ گل وتوژ اس کی باتیں سن کر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ منک آنہ کی باتیں سن کر اسے احساس ہونے لگا کہ ابھی تک اس نے اسے قیدی بنا کر رکھا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے''۔ گل وتوژ آہستگی سے بولی۔

''لڑکی! مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو، میں نے یہ عمر انہی پہاڑوں پر گذاری ہے، میرے سامنے تو پتھر بھی جھوٹ بولنے سے کتراتے ہیں''۔ منک آنہ سفاک لہجے میں بولا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ یہ سچ ہے تو.....!'' گل وتوژ نے گردن جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔ دوسرے لمحے

ایک زنانے دار تھپڑ نے اس کا چہرہ دوسری جانب گھما دیا۔ منک آنہ آپے سے باہر ہو گیا تھا

''دوبارہ ایسی بات منہ سے نکالنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہاری اس حرکت کو پہلی اور آخری نادانی جان کر معاف کر رہا ہوں اور کان کھول کر سن کر لو کہ تمہاری ماں نے مجھے تمہارے معاملات میں کلی اختیار دے رکھا ہے۔ میں نے تمہاری شادی کی بات طے کر دی ہے۔ چند دن بعد تمہاری شادی شنگ سے کی جا رہی ہے۔ اگر تم نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو جان لو کہ تمہیں بھی تمہارے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا''۔ منک آنہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ گل وتوژ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے منک آنہ کی آنکھوں سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یکدم ایک ایسے موڑ پر آن کھڑی ہوئی تھی جہاں اس کی سے کا اختیار چھین لیا گیا تھا۔ وہ مطیع الدین کو فراموش نہیں کر سکتی تھی اور شنگ کو شوہر کے طور پر قبول نہیں کر سکتی تھی۔

''سردار منک آنہ!'' وہ سب رشتوں کو بھلا کر جارحانہ انداز میں غرائی۔ ''میں تمہاری اس دھونس کو چلنے نہیں دوں گی۔ تم کیا سمجھتے کہ میں اتنی بے بس ہو چکی ہوں کہ تم جیسے بھی کٹھ پتلی کی طرح گھماؤ گے میں گھومتی چلی جاؤں گی، میں اپنے فیصلے خود کرنا جانتی ہوں۔ تم بھی کان کھول سن لو کہ مجھے تمہارا یہ فیصلہ کسی قیمت پر منظور نہیں''۔

منک آنہ اس کے لب و لہجے پر دم بخود رہ گیا۔ اسے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی۔ پھر اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ وہ اپنے اندر بھڑکتے ہوئے غصے کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ آج تک کسی نے اس کے سامنے اس انداز میں زبان درازی نہیں کی تھی۔

''لڑکی!'' وہ غصہ ضبط کرتا ہوا بولا۔ ''جو میں نے کہہ دیا ہے وہی کچھ ہوگا۔ میں نے عورتوں پر کبھی زبردستی نہیں کی۔ مجھے ضد دلانے کی کوشش نہ کرو۔ اگر تمہیں یہ شادی منظور نہیں تو میں یہ شادی مسترد کر دیتا ہوں مگر اس کے عوض تمہیں خود کو جادوائی آسمان کے حضور بھینٹ چڑھانا ہوگا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ دونوں راہوں میں تم کون سی چننا پسند کرو گی، یہ میں تم پر چھوڑتا ہوں''۔

''واہ! دونوں بار اپنے ہی فائدے کی بات''۔ گل وتوژ نے طنز کی۔ ''تم بھی کان کھول کر سن لو۔ اگر تم ضد کے دھنی ہو تو میں بھی تمہارا ہی خون ہوں۔ تم دیکھ لینا، نہ تو میں اپنی قربانی پیش کروں گی اور نہ ہی شنگ سے شادی کروں گی''۔

''تم خون کا طعنہ دیتی ہو نادان لڑکی! ٹھیک ہے میں تمہیں ایک موقعہ دوں گا کہ تم جو کر سکو وہ کر کے دکھاؤ۔ اگر تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئیں تو میں ساری زندگی اس خیمے سے باہر نکل کر کھلا آسمان نہیں دیکھوں گا اور اگر تم ناکام ہو گئیں تو تمہیں خود شنگ سے شادی کرنا ہوگی''۔

منک آنہ کا لہجہ اٹل تھا۔ گل وتوژ کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جو چاہتی تھی اس نے پا لیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اسے طیش دلا رہی تھی کہ وہ کسی طرح فرار ہونے کا ایک موقعہ تو اسے فراہم کرے۔ یہ فرار ہی اس کی تقدیر بنا سکتا تھا اور لاپتہ مطیع الدین سے ملاقات کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان کو مطیع الدین کی مکمل صحت یابی کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا، اسی وجہ سے وہ ابھی تک ضرگامی قبیلے میں رُکا ہوا تھا۔ بالآخر وہ دن آ ہی پہنچا جب ضرگامی طبیب نے اسے مطیع الدین کی مکمل صحت یابی کا مژدہ سنایا۔ اس نے اس خوشی میں سپاہیوں کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا اور طبیب سے مطیع الدین کے بارے میں استفسار کیا کہ وہ اب کہاں ہے؟ طبیب نے اطلاع دی کہ وہ طبی تشخیص کے بعد موٹے فونتا جو خان کے ساتھ چلا گیا تھا۔ برقائی خان نے طبیب کو رخصت کیا اور کچھ دیر تک اپنے خیمے میں موجود رہ کر ضروری نوعیت کے امور کو انجام دیتا

رہا۔ فراغت ہونے پر وہ ضرگامی قبیلے کے خیموں کی جانب بڑھ گیا۔ برقائی خان نے اپنے خیمے قبیلے کی بستی کے باہر کچھ ہی فاصلے پر لگوا رکھے تھے۔ ایسا کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بستی کے عام لوگوں اور شاہی خاندان کے مرتبے کو خلط ملط نہیں کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے سپاہیوں کا بار اس مفلس قبیلے پر ڈالنا بھی اُس کی شان کے خلاف تھا۔ وہ جب بستی میں پہنچا تو قبیلے کے لوگوں نے جگہ جگہ اسے تعظیم دی، وہ انہیں ایسا کرنے سے منع تو نہیں کر سکتا تھا اس لئے محض سر کے اشارے سے جواب دینے پر اکتفا کرتا رہا۔ ضرگامی سردار کو برقائی خان کی آمد کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ تیزی سے اپنے خیمے سے نکل کر اس کی جانب بڑھا۔ دونوں جب آمنے سامنے پہنچے تو سردار نے بھی تعظیم دی۔

''قاآن زادے! مناسب ہوتا کہ آپ مجھے طلب کر لیتے''۔

''اس کی ضرورت نہیں تھی! مجھے طبیب نے کچھ دیر پہلے میرے دوست کی صحت یابی سے آگاہ کیا تو میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ بس اپنے کوچ کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔ دوسرا اپنے دوست کو بھی سفر کی تیاری کا پیغام دینا مقصود تھا''۔

''قاآن زادے! مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ آپ نے مجھے مہمانی کا شرف نہیں بخشا''۔ سردار کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''ممکن ہے تمہیں برا لگے مگر میں اپنا بار کسی پر ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ ابھی میرے دونوں بازو سلامت ہیں''۔ برقائی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''قاآن زادے! جو وقت گذرنا تھا بہرحال وہ گذر گیا ہے۔ بے شک آپ کو ناگوار محسوس ہو مگر میں آپ کو اب ایک چھوٹی سی تکلیف ضرور دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اسے رد نہیں کریں گے''۔

''کیا کہنا چاہتے ہو میں کچھ سمجھا نہیں......؟'' برقائی خان حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''میرے لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے ان تھوڑے سے ایام میں آپ کے لئے کچھ اشیاء تیار کی ہیں، ان کی خواہش ہے کہ آپ انہیں تحفتاً قبول کر لیں''۔ سردار نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

برقائی خان اس کی بات پر مسکرانے لگا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم لوگ مجھ سے زیادہ ضرورتمند ہو۔ جو کچھ تم مجھے دینا چاہتے ہو، اگر وہ تم تجارت میں استعمال کرو گے تو تمہیں کچھ رقم حاصل ہو جائے گی۔ میرے پاس تو سب کچھ موجود ہے''۔

''آپ ہمیں یوں ذلیل تو نہ کریں''۔ سردار کے چہرے پر پژمردگی سی دکھائی دینے لگی۔

''ارے! میرا مقصد تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں تھا، میں تو تم لوگوں کی بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر تمہارا دل میری بات سے دُکھا ہے تو میں سب کچھ لینے پر تیار ہوں''۔ برقائی خان تیزی سے بولا۔

سرداز کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی۔

''آپ کب کوچ فرمائیں گے؟''

''کل صبح......!''

''میں روانگی کے انتظامات کئے دیتا ہوں''۔

برقائی خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اب میں اپنے دوست سے ملنا چاہتا ہوں گا''۔

''وہ تو شاید کچھ دیر پہلے موٹے فونتا جو خان کے ساتھ بستی سے باہر نکلا ہے''۔ سردار کے پہلو میں موجود

ایک شخص جلدی سے بولا۔

''کچھ معلوم ہے کہ کس جانب گئے ہیں؟''

''مجھے اندازہ نہیں''۔

''ٹھیک ہے وہ لوگ جونہی واپس لوٹیں انہیں میری جانب بھیج دینا''۔ برقائی خان نے مڑتے ہوئے ہدایت دی۔ سردار نے تعظیماً گردن کو خم کیا۔ برقائی خان بستی سے نکل کر اپنے خیموں کی جانب لوٹ گیا۔

❁ ❁ ❁

شیخ الاسلام عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی ملکہ شجرۃ الدر اور دیگر مصری امرأ کے ہمراہ صفر 648ء میں واپس قاہرہ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ایک عورت کو اقتدار سونپنے پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ ان کے خیال میں عورت کی حکمرانی کے باعث مصری مسلمان، بہت جلد کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ مصری امرأ کو تو اپنے مناصب اور عہدوں کی پڑی تھی جو کہ ملکہ شجرۃ الدر کی بدولت ان کے قبضے میں واپس لوٹنے تھے، اگر وہ ملکہ شجرۃ الدر کی مخالفت کرتے تو ممکن تھا کہ ان مناصب اور عہدوں سے دوبارہ ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اسی لئے انہوں نے شیخ عزالدینؒ کی باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ بظاہر اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر انہیں ٹالتے رہے۔ شیخ عزالدینؒ کئی دن سے بے چین تھے کہ مسلمانوں کے حق میں یہ فعل نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا دیگر امرأ کو بھی اس طرف توجہ دلائی جائے۔ وہ اسی سلسلے میں رئیس العساکر (سالار اعظم) جاشنگیر ایبک کے پاس جا پہنچے۔ جاشنگیر ایبک نے ان کی آمد پر بظاہر مسرت کا اظہار کیا اور خاطر مدارت کی۔ کچھ دیر بعد اس نے ان کے آنے کا سبب دریافت کیا تو شیخ عزالدینؒ نے بات شروع کی۔

''جاشنگیر! میرے یہاں آنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ تمہیں بھی قبل از وقت اس بات سے باخبر کر دوں کہ اسلام میں عورت کی حکومت کا کوئی تصور موجود نہیں۔ عورت کا باپردہ اور اپنی حدود میں رہنا ہی درست طریقہ ہے۔ تم سب لوگوں نے مل جل کر اپنے دنیاوی فائدوں کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔ اللہ کے غضب سے ڈرو اور لوگوں کو مصیبت میں مت ڈالو''۔

''یا شیخ!'' جاشنگیر ایبک بولا۔ ''جب عورت کے قدموں تلے جنت ہو سکتی ہے تو وہ حکمران کیوں نہیں بن سکتی؟ یہ منطق مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی''۔

''دو الگ الگ چیزوں کو مشترک کرنے کی کوشش نہ کرو۔ عورت کا ماں ہونا اور حکمران ہونا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ماں کے رُتبے کو اگر اتنی اہمیت دی گئی ہے تو اس کے پیچھے دوسرے عوامل پوشیدہ ہیں جنہیں تم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تمہیں ماں کی ممتا نصیب ہی نہیں ہو سکی۔ رہا سوال اقتدار اعلیٰ کا، تو یاد رکھو کہ شجرۃ الدر کتنی ذہین و فطین کیوں نہ ہو، یہ بھاری ذمہ داری اٹھانے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم خود میں سے کسی مرد کو چن کر اپنا سلطان بنا لو''۔

جاشنگیر ایبک شیخ عزالدینؒ کی بات پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ ''بہرحال آپ یہ بتایئے کہ آپ میرے ہی پاس کیوں آئے ہیں؟ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا''۔

''تمہارے دل میں جو چھپا ہے، میں اسی کو ہوا دینے آیا ہوں''۔ شیخ عزالدینؒ نے تحمل سے جواب دیا۔ جاشنگیر ایبک نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں تکتا رہا۔

''اگر آپ سمجھتے ہیں کہ عورت کی حکمرانی ناجائز ہے تو آپ فتویٰ جاری کر دیجئے۔ میں آئندہ حالات کے تحت فیصلہ کروں گا''۔

''میں بخوبی جانتا ہوں میرا فتویٰ مسالک کے تنازعے کی نذر کر دیا جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم یہ فتویٰ امیر المومنین سے منگواؤ''۔

''کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ امیر المومنین آپ کے فتویٰ کی حمایت کریں گے؟'' جاشنگیر ایبک حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

''میرے فتویٰ کی نہیں بلکہ شعائر اسلامیہ کی''۔ شیخ عزالدینؒ نے اس کی تصحیح کی۔

''ٹھیک ہے میں امیر المومنین سے رابطہ کر کے اس امر پر کوئی فیصلہ کروں گا''۔

''میں تمہیں مزید کہوں گا کہ جو بھی کرنا ہے وہ جلد از جلد کر لو اس سے پہلے کہ کوئی ناگہانی آفت تم لوگوں پر ٹوٹ پڑے''۔

''آپ اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی دعا کیجئے۔ میں اس سلسلے میں کوئی قدم اُٹھاتا ہوں''۔ جاشنگیر ایبک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ شیخ عزالدینؒ نے مزید وہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آئے۔ جاشنگیر ایبک ان کے جانے کے بعد کافی دیر تک اسی ضمن میں سوچتا رہا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین، فوئناجو خان کے ساتھ اسی یخ پہاڑی پر گیا تھا جہاں اس نے اپنی زندگی کا ایک ہولناک معرکہ لڑا تھا۔ فوئناجو خان اپنے بھاری بھرکم ڈیل ڈول کے ساتھ ساتھ کافی ہنس مکھ بھی تھا۔ اس نے مطیع الدین کو اپنے واقعات سنا سنا کر بے حد محظوظ کیا تھا۔ مطیع الدین ریاست منگولیانہ کے ویرانوں میں ایک عرصہ تک بھٹکنے کے بعد اتنا سنجیدہ ہو چکا تھا کہ اسے امید نہیں تھی کہ وہ دوبارہ پہلے جیسی شگفتہ مزاجی حاصل کر سکے گا مگر فوئناجو خان کے ساتھ چند دن رہ کر اس نے محسوس کیا کہ اس کے اندر کے کھلنڈرے نوجوان میں ابھی بھی زندگی کی رمق باقی ہے۔ اس کے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ وہ فوئناجو خان کو بھی ساتھ لے جائے مگر ضرگامی قبیلے کی مہربانیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ انہیں ایک بہترین جنگجو اور شکاری سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت وہ دم بخود رہ گیا جب فوئناجو خان نے از خود برقائی خان کے ساتھ سرائے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتا چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ سپاہ میں شامل ہو کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ برفانی ریچھ اور دیگر جانوروں کے شکار تک محدود رہ کے وہ خود کو ضائع ہوتا محسوس کر رہا تھا۔ مطیع الدین اس کا ارادہ سن کر خوش ہوا اور اسے سمجھانے بجھانے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ دونوں بے مقصد سیر کے بعد جب واپس بستی میں پہنچے تو انہیں برقائی خان کی آمد اور کوچ کی تیاری کی خبر ملی۔ مطیع الدین فوئناجو خان کے ساتھ برقائی خان کے خیموں کی طرف نکل آیا۔ برقائی خان کو ان کی آمد کی خبر دی گئی تو اس نے انہیں اپنے مخصوص خیمے میں طلب کیا۔ کچھ دیر بعد وہ برقائی خان کے سامنے بیٹھے تھے۔

''میرے دوست! میں تمہیں ایک خاص بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ آگے چل کر ہماری رفاقت میں مسئلہ بن سکتی ہے''۔ برقائی خان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ مطیع الدین اس کی بات سن کر چونک پڑا۔

''میرے خیال میں آپ لوگوں کو تنہائی کی ضرورت ہوگی لہٰذا میں چلتا ہوں''۔ فوئناجو خان اُٹھتے ہوئے بولا۔

''بیٹھ جاؤ! تمہاری موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا''۔ مطیع الدین نے اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ برقائی خان نے حیرت بھری نگاہوں سے مطیع الدین کو دیکھا۔ فوئناجو خان بے یقینی کے عالم میں کھڑا برقائی خان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''جب میرے بھائی نے کہا ہے تو بیٹھ جاؤ''۔ برقائی خان دھیرے سے بولا۔ ''بات کچھ اس طرح ہے

کہ جب تمہیں سرخ غز قبیلے والوں نے اغوا کیا تھا اس دن سے شاہی دربار میں ایک عجیب کشمکش پھیل گئی۔ اس سارے معاملے کو غلط رنگ میں پیش کر کے ایسے حالات پیدا کیئے گئے کہ مجھے مجرم بنا کر راستے سے ہٹا دیا جاتا۔ اس گھناؤنی سازش کے پیچھے درباری امیر تو تائی خان کا ہاتھ تھا۔ اس نے تمہارے باپ کو یہ باور کرایا کہ میں نے تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش کو وہ سرخ غز کی کسی کھائی میں پھینک دی ہے۔ یہ بات صرف میری ذات تک محدود نہیں تھی بلکہ اس امر سے ریاست میں انتشار پھیلا کر مسلمانوں اور منگولوں کے مابین پُرامن معاہدے کو توڑنا مقصود تھا۔ میری ناقص رائے کے مطابق اس معمولی واقعے کو یوں ہوا دینا کسی چھوٹے دماغ کا کام نہیں ہو سکتا۔ بہر حال میں اسی عزم سے تمہیں تلاش کرتا رہا کہ حریفوں کا داؤ کامیاب نہ ہو سکے اب میں نے تمہیں تلاش کر لیا ہے اور کچھ دنوں بعد ہم واپس سرائے پہنچیں گے۔ وہاں اب کیسے حالات پیدا ہوں گے اس بارے میں میں کچھ کہہ نہیں سکتا، ممکن ہے کہ تم دونوں یہ سن کر ہڑبڑا اُٹھو کہ میں نے...... اسلام قبول کر لیا ہے اور میں مسلمان ہو چکا ہوں"۔ برقائی خان بات مکمل کرتے ہوئے ان کے چہروں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ مطیع الدین اس نئے انکشاف سے ہکا بکا رہ گیا جبکہ فونتاجو خان کے چہرے پر اُلجھن کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک مطیع الدین اپنی جگہ سے اُٹھا اور دونوں بانہیں پھیلا کر برقائی خان پر جا گرا۔ وہ دیوانہ وار اس کے چہرے کے بوسے لے رہا تھا۔ برقائی خان نے مسکرا کر اسے خود سے الگ کیا اور بیٹھنے کی تلقین کی۔ مطیع الدین خوشی سے بے خود دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم میری بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟"

"میں سب سمجھ رہا ہوں۔ تم نے ابھی تک یہ اعلان نہیں کیا ہے، اب واپس لوٹ کر یہ اعلان کرو گے اور قوی امکان ہے کہ تمہاری مخالفت میں ریاستی عمائدین اور شاہی لوگ اُٹھ کھڑے ہوں۔ کسی بھی بڑے فرد کو ایسے اقدام پر ایسی ہی صورتِ حال درپیش ہوتی ہے۔ تم بے فکر رہو میں ہر میدان میں تمہارے ساتھ رہوں گا، چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے"۔

"مجھے اپنی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں ہے، تم میری بات کو غلط جانب موڑ رہے ہو۔ میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ میرا بھائی میری حفاظت کرنا بخوبی جانتا ہے، اس نے مجھے اچانک اس سرحد پر روانہ کیا اور یہاں کی ایسی تصویر میرے سامنے کھینچی کہ جیسے یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب غلط ہے۔ میں یہاں درحقیقت ضرگامی قبیلے کی سرکوبی کے لئے پہنچا تھا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ قبیلے نے کبھی اپنی حدود سے تجاوز ہی نہیں کیا۔ میں نے اتنے دن ان میں رہ کر بغور مشاہدہ کیا ہے کہ یہ لوگ ویسے نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاآن اعظم نے مجھے سرائے سے اتنی دور کیوں بھیجا؟ اس بارے میں ابھی واپس سرائے پہنچ کر ہی معلوم ہو سکے گا بہر حال تمہیں بتانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہاں غیر معمولی نوعیت کے حالات سے سامنا ہو سکتا ہے تمہیں ذہنی طور پر تیار رہنا ہو گا۔ ہم کل صبح روانگی اختیار کریں گے"۔ برقائی خان نے اپنی بات مکمل کی۔ مطیع الدین اس کی بات کو کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ سرائے پہنچ کر ہی معاملات سے پوری طرح آگاہ ہو سکتا تھا۔ مطیع الدین نے اس بارے میں مزید کرید مناسب نہ سمجھی اور موضوع بدلتے ہوئے فونتاجو خان کی خواہش کا ذکر چھیڑ دیا۔ فونتاجو خان کو برقائی خان کے اسلام قبول کرنے پر عجیب سا دھچکا پہنچا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ برقائی خان نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا تو اس نے طبیعت کی خرابی کا عذر کرتے ہوئے رخصت طلب کر لی۔ مطیع الدین اس کے رویئے میں اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی دیکھ کر کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

غازی عبداللہ شافعی معزز اور نامی گرامی مصری امرأ میں سے ایک تھا۔ وہ نجم الدین ایوب کے دور میں اس کی غیر موجودگی میں قاہرہ میں نائب امیر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔ سلطان نجم الدین ایوب کی وفات اور سلطان توران شاہ کے بہیمانہ قتل کے بعد اس پر ذمہ داری کا بوجھ مزید بڑھ گیا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے قاہرہ واپس لوٹ کر اسے کئی نئی ذمہ داریاں سونپ کر اس کے عہدے میں ترقی کر دی تھی۔ وہ ملکہ شجرۃ الدر کا وزیرِ اعلیٰ کہلایا جانے لگا۔ وہ اپنے عہدے کی ترقی سے جتنا خوش تھا، اسی قدر اس میں جوش و خروش بھی دکھائی دیتا تھا۔ ایک شام مصری و مملوک افواج کا سالارِ اعظم جاشنگیر ایبک اس کے پاس چلا آیا۔ وہ کچھ ضروری امور سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا۔ جاشنگیر کی غیر متوقع آمد پر اسے حیرت ہوئی۔ دونوں پرتپاک انداز میں ملے۔ غازی عبداللہ شافعی نے اسے بٹھاتے ہوئے گرم گرم قہوہ پیش کیا اس کے بعد آمد کے بارے میں دریافت کیا۔

"بات کچھ یوں ہے کہ آج صبح شیخ عزالدینؒ میرے پاس آئے تھے......"

"میں جانتا ہوں کہ انہوں نے کیا کہا ہو گا؟" غازی عبداللہ شافعی نے بات اچک لی۔

"میں اسی سلسلے میں آیا ہوں کہ رعایا میں بھی بے چینی کی کیفیت چھائی ہوئی ہے، دوسرا شیخ عزالدینؒ نے کسی خوفناک آفت کی آمد کا بھی ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو مگر مجھے ان کی برہمی سے خوف محسوس ہوتا ہے"۔

"شیخ عزالدینؒ سے خوفزدہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، ان کی شخصیت اتنی اہم نہیں کہ ان کی باتوں پر کان دھرا جائے، البتہ لوگوں میں موجود بے چینی کی کیفیت کو فرد کرنے کے لئے کوئی قدم اُٹھانے پر غور کیا جا سکتا ہے"۔

"مجھے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں، انہیں سنبھالنا کوئی مشکل بات نہیں، شیخ عزالدینؒ کی باتوں سے کئی امرأ میں مخالفت کی فضا پروان چڑھ رہی ہے۔ یہ معاملہ آنے والے وقت میں کشیدگی کا باعث بن سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کا سر اُٹھانے سے پہلے ہی خاتمہ کر دیا جائے"۔

"یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ملکہ شجرۃ الدر کو معزول کر دیا جائے؟"

"نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ ملکہ شجرۃ الدر کے بارے میں جلد از جلد امیر المومنین سے رجوع کر لیا جائے تاکہ اس ضمن میں کوئی فتنہ کھڑا نہ کیا جا سکے"۔

"تمہاری بات کسی حد تک درست ہے، میں کل ہی ملکہ شجرۃ الدر کو اس معاملے سے آگاہ کر کے اطاعت کا بیعت نامہ بغداد بھجوانے کی کوشش کرتا ہوں"۔ غازی عبداللہ شافعی نے اس کے مؤقف کی حمایت کی۔ جاشنگیر ایبک نے کچھ دیر تک اس بارے میں مزید مشورے دیئے۔ دونوں میں اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ کسی بھی طرح ملکہ شجرۃ الدر کو اقتدار پر قائم رکھا جائے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین شام کے وقت فونتاجو خان کے پاس چلا آیا۔ برقائی خان نے فونتاجو خان کے رویئے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا البتہ اس سے اتنی قربت پر احتیاط سے کام لینے کا مشورہ ضرور دیا تھا۔ فونتاجو خان اسے اپنے خیمے میں مل گیا۔ وہ مطیع الدین کی صورت دیکھ کر پھیکے پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

"کیا بات ہے؟ صبح تک تو تم بڑے چہک رہے تھے، اب یکدم کیا ہو گیا ہے"۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مسلمان ہو۔ مجھے تمہارے ساتھ رہ کر بھی اس بات کا شدت سے احساس نہیں ہوا مگر قاآن زادے کی بات پر گہرا صدمہ پہنچا ہے"۔

"تمہارا اشارہ اس کے مسلمان ہونے کی جانب ہے غالباً؟"

''ہاں! جاودانی آسمان کے محافظ ہی اگر اپنے دین کو چھوڑ دیں گے تو اس کا وارث کون بنے گا؟''

''اگر تمہارے جاودانی دین میں انسانیت ملا دی جائے تو وہ اسلام بن جاتا ہے۔ میرا مذہب کوئی ایسی شے نہیں کہ اسے حقارت یا تنگ نظری سے دیکھا جائے یا اسے کسی پر محدود کر دیا جائے۔ اس میں ایسی اچھی باتیں ہیں جو کہ سب کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں''۔

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا''۔

''میں کوئی بحث نہیں کر رہا بلکہ تمہاری تنگ نظری کی گرہ کو کھولنا چاہ رہا ہوں۔ دیکھو میں بھی ایک مسلمان ہوں مگر برقائی خان مجھ پر جان چھڑکتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے، اس بات کی آگاہی سے پہلے بھی میرے دل میں اس کے لئے اتنی ہی عزت تھی جتنی اب ہے ہم دو الگ الگ عقائد کے حامل ہوتے ہوئے بھی مثالی دوستی میں بندھے ہوئے تھے۔ یہی وہ تعلیم ہے جو مجھے میرا مذہب دیتا ہے''۔

''میں تمہاری بات کو پسند کرتا ہوں، میں نے بھی دوستی کے جذبے کے تحت تمہاری جانب قدم بڑھایا تھا مگر جاودانی آسمان کے محافظوں کی طرف سے ایسے کسی اقدام کے بارے میں، میں سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا''۔

''بہر حال میں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔ تم سرائے جانا چاہتے تھے کہ وہاں سپاہ میں شامل ہو کر کوئی مقام پیدا کر سکو۔ اس بارے میں اب تمہارا کیا خیال ہے؟'' مطیع الدین نے بات کا رُخ بدلا۔

''میں فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا، کل صبح تک اس بارے میں حتمی فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے''۔ نوسنا جوخان سر جھکا کر بولا۔

مطیع الدین نے اس کا مزاج دیکھ کر اسے تنہا چھوڑ دینا بہتر سمجھا۔

❀ ❀ ❀

الملک الناصر صلاح الدین یوسف ایوبی دمشق و حلب میں سلطان نجم الدین ایوب کی جانب سے والی مقرر تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الملک الفضل کا پوتا تھا۔ نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد اس نے کافی کوشش کی کہ اسے نیا سلطان بنایا جائے مگر مملوک فوج اور امراٗ نے اس کی خواہش پر بند باندھ دیا تھا۔ ملکہ شجرۃ الدر کی اطاعت اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے سرکشی اختیار کرتے ہوئے بلادِ شرقیہ میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا اور دمشق اس کا پایہ تخت قرار دیا۔ دمشق کے سابق سلطان عماد الدین اسمٰعیل کے دور میں صلیبیوں کا دمشق میں داخلہ عام تھا جسے نجم الدین ایوب نے دمشق کی فتح کے بعد ختم کیا تھا۔ الملک الناصر صلاح الدین یوسف ایوبی نے سابقہ روش کو دوبارہ جاری کیا اور نصاریٰ کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کئے۔ یہ سب صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ ملکہ شجرۃ الدر کی جانب سے اُٹھائے جانے والے کسی اقدام کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ صلیبیوں سے مدد لینا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کئی ایوبی حکمران یہ قدم اُٹھا چکے تھے۔ الملک الناصر صلاح الدین یوسف نے صلیبی سپاہ کو یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ مصر کی جانب سے فرصت پاتے ہی یروشلم پر ان کا قبضہ بحال کرانے میں معاونت دے گا۔

نصاریٰ کے ساتھ مل کر اس نے کئی دوسرے والیوں کو شکست دی جو کہ بلادِ مصر کے محکوم تھے۔ اس نے تیزی کے ساتھ تمام بلادِ شرقیہ و جزیرہ پر اپنی مستحکم حکومت قائم کر لی۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے شہروں میں آزادانہ گھومتے اور اکثر نقصان بھی پہنچاتے۔ الملک الناصر صلاح الدین یوسف تک ایسی شکایات مسلسل پہنچتی رہیں مگر وہ انہیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑاتا رہا۔ اس نے داد و دہش سے سپاہ کو ایسا گرویدہ بنا

رکھا تھا کہ وہ اس کے ہر فیصلے کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کرتیں۔

الملک الناصر صلاح الدین یوسف نے ربیع الاوّل 648ھ میں نصاریٰ کی معاونت سے ایک بڑا لشکر تیار کیا تا کہ وہ بلادِ مصر پر حملہ آور ہو سکے۔ وہ مملوک امراٗ کو ایوبی سلطان توران شاہ کا قاتل سمجھتا تھا اور انہیں نمک حرامی کی سزا دینا چاہتا تھا۔ اس کے عمائدین نے پرزور انداز میں اسے یہ باور کرایا کہ بلادِ مصر کی حکومت ایوبی خاندان کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔ اگر اس نے بروقت کارروائی نہیں کی تو بلادِ مصر ایوبیوں کے لئے خواب بن کر رہ جائے گا۔ اسے تحریک دینے والوں نے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے ایسے قلابے ملائے کہ وہ خود کو ایوبی خاندان کا اکلوتا سلطان سمجھنے لگا۔

ملکہ شجرۃ الدر تک اس کی باغیانہ حرکات کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کا خواہش مند ہے تو اس نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ اس کی سرکشی کو میدان میں کچل دینے کا ارادہ کئے ہوئے تھی۔

بلادِ مصر ان دنوں عورت کی حکمرانی کے موضوع پر اُلجھا ہوا تھا۔ امراٗ دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ مملوک سپاہیوں میں شیخ عز الدینؒ کی بات کو زیادہ فوقیت حاصل تھی۔ رئیس العساکر جاشنگیر ایبک نے حالات میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کو دیکھتے ہوئے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ملکہ شجرۃ الدر کو معزول کر دیا جائے۔ اس نے نہایت خاموشی سے ایک مراسلہ بغداد روانہ کیا جس میں بلادِ مصر کی صورت حال اور شیخ الاسلام عز الدینؒ کے جاری کردہ فتویٰ کے نکات تحریر کئے گئے تھے۔ اس کے مراسلے کے تیسرے دن ملکہ شجرۃ الدر کی جانب سے بھی بیعت نامہ تیار کر کے دربار خلافت میں بھیج دیا گیا۔ بغداد میں امیر المومنین کے سامنے جب صورت حال پیش ہوئی تو انہوں نے عز الدینؒ کے جاری کردہ فتویٰ کی تکمیل میں دیر پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ شیخ عز الدینؒ سے بے حد متاثر تھا۔ اس نے جوابی مراسلے میں نہایت درشت انداز اختیار کرتے ہوئے یہ لکھا: ''کیا مصری امراٗ کے پاس مردوں کی کمی ہو گئی کہ انہوں نے تاجِ شاہی ایک لونڈی کے سر پر سجا دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے دربار سے کوئی غلام بھیجے دیتا ہوں تا کہ تم لوگ اسے اپنا سلطان بنا لو''۔

یہ جواب مصری امراٗ کے منہ پر کھلا طمانچہ تھا، مجلس انتخاب میں ہلچل سی مچ گئی۔ انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کرتے ہوئے ربیع الاوّل 648ھ کے آخر میں اسی دن کے مختصر اقتدار کے بعد ملکہ شجرۃ الدر کو معزول کر دیا۔

ملکہ شجرۃ الدر کی معزولی سے ریاستی حالات میں ابتری سی پیدا ہو گئی۔ مجلس انتخاب کے لئے یہ فیصلہ نہایت مشکل تھا کہ وہ تاجِ سلطانی کس کے سر پر رکھیں۔ کوئی ایسا نام سامنے موجود نہیں تھا کہ جسے منصب سلطانی کا اہل سمجھا جاتا۔ دوسرا امراٗ کی ایک بڑی جماعت کو اپنے عہدوں کی فکر لاحق تھی۔ ایسے میں کوئی ایسا شخص ہی سلطان بنایا جا سکتا تھا جو پہلے سے انہیں ان کے عہدوں کے تحفظ کی ضمانت مہیا کرتا۔ رئیس العساکر جاشنگیر ایبک نے غازی عبداللہ شافعی کو رائے دی کہ وہ آگے بڑھ کر منصب سلطانی سنبھال لے مگر اس نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔

بالآخر ایک چھ سالہ ایوبی شہزادے علاء الدین موسیٰ کے نام قرعہ کھلا۔ مجلس انتخاب نے اسے نیا سلطان مقرر کرنے کا اعلان کیا یہ قدم اس لئے اُٹھایا گیا تھا کہ بلادِ مصر کے لوگ ایوبی خاندان کو اپنا محافظ خیال کرتے تھے۔ ملکہ شجرۃ الدر عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایوبی خاندان کی فرد بھی نہیں تھی، نیا سلطان اتنا کم سن تھا کہ اسے اپنا ہوش ہی نہیں تھی، وہ کیا حکم جاری کر سکتا تھا! اس کام کے لئے رئیس العساکر جاشنگیر ایبک کو اس کے ساتھ شریک سلطان کا منصب دیا گیا۔ جاشنگیر ایبک پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ سلطان علاء الدین موسیٰ کی

تربیت کے ساتھ ساتھ ملکی استحکام کے امور پر نگاہ رکھے۔ مجلس امراء نے سلطان علاء الدین موسیٰ کو الملک الاشرف کا خطاب دیا۔

الملک الناصر صلاح الدین یوسف بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی سوچ رہا تھا کہ اسے اچانک اس تبدیلی کی اطلاع ملی، اس کے پاس جنگ کا جو جواز تھا وہ صرف یہی تھا کہ حکومت ایوبی خاندان کو واپس لوٹائی جائے۔ ایوبی شہزادے کی تخت نشینی کو اس نے کافی خیال کیا اور فوری طور پر حملے سے باز رہا۔

❁ ❁ ❁

گل وتوژ کو قبیلہ سرخ غر میں قریباً دو ماہ گذر چکے تھے۔ اس کا نانا منک آنہ اس کے مثبت جواب کا منتظر تھا، شنک کی صورت اس نے ایک عرصے سے نہیں دیکھی تھی۔ شنک ماہر شکاری تھا اور اکثر شکار کے سلسلے میں ویرانوں اور سنگلاخ چٹانوں کی خاک چھانتا رہتا تھا۔ گل وتوژ روز قبیلے سے فرار کے منصوبے بناتی مگر اسے کچھ سجھائی نہ دیتا تو تلملا کر رہ جاتی۔ وہ اس قید سے تنگ آ چکی تھی، قبیلہ سرخ غر میں منک آنہ کا رعب و دبدبہ اتنا قوی تھا کہ اس کے صرف ایک بار منع کرنے پر ہی قبیلے کی دیگر خواتین نے اس سے منہ پھیر لیا اور دوبارہ کبھی اس سے بات نہیں کی۔ یہ ایک طرح کی ہلکی سی سزا تھی جو گل وتوژ کو راہِ راست پر لانے کے لئے مسلط کی گئی تھی۔ گل وتوژ عالی حوصلہ لڑکی تھی۔ اس نے یہ سب ہمت و صبر سے برداشت کیا۔ قبیلہ سرخ غر کی ایک بھولی بھالی لڑکی گہنانم اکثر اسے ہمدرد نگاہوں سے دیکھا کرتی۔ اس کا سن سترہ کے لگ بھگ تھا، وہ گل وتوژ کے بارے میں اکثر اپنی ماں اور بڑی بہنوں سے دریافت کرتی کہ ان سے دوسرے لوگ بات کیوں نہیں کرتے؟ اس کی ماں صرف یہ کہہ کر اسے ٹال دیا کرتی کہ یہ اپنے نانا کی نافرمان ہو چکی ہے اور کسی کافر کی محبت میں اپنے باپ کو بھی کھا گئی ہے۔ اتنی وضاحت گہنانم کی نگاہ میں کافی نہیں تھی۔ وہ کچھ اور بھی جاننا چاہتی تھی مگر کوئی اس سے زیادہ جاننا ہوتا تو اس کو بتاتا۔ وہ بے چارگی و بے بسی سے اکثر گل وتوژ کو تکتی رہتی۔ ایک آدھ بار اس کی ماں نے اس حرکت پر اسے متنبہ بھی کیا مگر اس کا تجسس شدت اختیار کرتا رہا۔ پھر ایک دن اس نے ہمت باندھی اور گل وتوژ کے پاس جا پہنچی۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ گل وتوژ ان کے لئے ایسے تھی جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ گہنانم نظر بچا کر اس کے پاس آنے میں کامیاب ہو گئی۔ گل وتوژ اس وقت اپنے خیمے میں تنہا تھی۔ منک آنہ نے چند دن قبل اس کا خیمہ الگ کر دیا تھا تاکہ احساسِ تنہائی کی شدت بڑھ جائے۔ اس کے لئے کھانا ایسے رکھا جاتا تھا جیسے وہ کسی چھوت کے مرض کی مریضہ ہو۔ وہ اکثر کھانے سے بے پرواہ رہتی تھی اور جب انتڑیاں بلبلا اُٹھتیں تو مجبوراً کھانا کھاتی۔ خیمے میں کسی کی آہٹ پر وہ چونک اُٹھی۔ اس نے گردن گھما کر اس جانب دیکھا تو ایک معصوم اور بھولا بھالا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اس انجانی صورت کو دیکھ کر دنگ رہ گئی پھر اس نے دھیرے سے دریافت کیا۔ ''تم کون ہو؟''

''میرا نام گہنانم ہے اور میں سنتائی خان کی بیٹی ہوں، میرا باپ قبیلے میں لائے گئے شکار کردہ جانوروں کی کھال اتارنے کا کام کرتا ہے''۔

''یہاں کیوں آئی ہو؟''

''تم سے باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا اس لئے چلی آئی''۔

''کسی سے پوچھ کر آئی ہو؟''

''نہیں! دوسروں کا دھیان بٹا دیکھا تو چپکے سے تمہارے خیمے میں داخل ہو گئی''۔

''جانتی ہو کہ میرے خیمے میں ہر کسی کا داخلہ بند ہے اور اس حکم سے نافرمانی کرنے کی سزا کیا ہے؟''

''ہاں معلوم ہے مگر میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی''۔

''کیا چاہتی ہو؟'' گل وتوژ اس کی جانب سے پوری طرح مطمئن نہیں ہو پائی۔

''جاننا چاہتی ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟ میری ماں کہتی ہے کہ تم کسی کافر کے دامِ الفت میں آ گئی تھیں اور باپ کے سمجھانے بجھانے پر اسی پر ہاتھ صاف کر گئیں مگر تمہاری صورت دیکھ کر تو ایسا نہیں لگتا''۔

''اگر میں یہ کہوں کہ یہی سچ ہے تو......؟''

''میرا دل نہیں مانے گا''۔

''کیوں نہیں مانے گا، کیا ایسا نہیں ہو سکتا''۔

''کسی کا خون بہانے والے کی آنکھوں میں ایسی معصومیت نہیں ہوتی جو تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہے''۔

چہرے دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔

''ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر تمہارے سلسلے میں ایسا کچھ سمجھنے کی غلطی نہیں کروں گی''۔

گل وتوژ اس کی بات سن کر دھیرے سے ہنس دی۔ ''تم یا تو نادان ہو یا پھر بے حد چالاک۔ بہرحال جیسی بھی ہو میں تمہیں مشورہ دوں گی یہاں سے چلی جاؤ اگر کسی کی نگاہ تم پر پڑ گئی تو تمہاری مفت میں شامت آ جائے گی''۔

''بھلا ایسے ہی چلی جاؤں، مجھے اتنا نادان بھی نہ سمجھو کہ اتنے دنوں کی کوشش کے بعد میں تم سے بات کرنے میں کامیاب ہوئی ہوں اور اپنی تشنگی مٹائے بغیر چلی جاؤں گی''۔

گل وتوژ مختلف حیلوں سے اُسے سمجھاتی رہی، اُس نے گہنانم کو متوقع سزا سے ڈرانے کی کوشش بھی کی مگر وہ ضد کی پکی نکلی، اس نے ہر حجت کو رد کر دیا۔ بالآخر گل وتوژ اس کی ضد کے آگے بے بس ہو گئی۔ خود اس کا بھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرے مگر اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ لڑکی محض اپنا تجسس مٹانے کی کوشش میں کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ منک آنہ کی کسی نئی چال کے تحت اس کا قرب حاصل کرنا چاہتی ہو لیکن پھر گل وتوژ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب کون سی بات ڈھکی چھپی رہ گئی ہے۔ وہ اگر اسے کچھ بتا بھی دے تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اس نے کسی حد تک معاملات گہنانم کے سامنے افشا کر دیے۔ گہنانم بڑی حساس لڑکی تھی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس پر باپ کے قتل کا الزام بے بنیاد ہے اور محض مسلمان سے محبت کرنے کے جرم کی سزا دی جا رہی ہے تو اس نے پل بھر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ قبیلہ سرخ غر کے چنگل میں پھنسی اس بے قصور لڑکی کو آزادی دلانے میں پوری مدد کرے گی۔ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے اپنی مدد کا یقین دلایا اور کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی۔ پھر اس نے معمول بنا لیا کہ ہر دو تین دن بعد، جب اس کو موقع ملتا، گل وتوژ کے خیمے میں آ جاتی اور دیر تک اس سے گفتگو کرتی رہتی۔ اس نے قبیلے کی دیگر نوجوان لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا، وہ گل وتوژ کی مدد کرنے پر آمادہ دکھائی دینے لگیں لیکن ان میں سے کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ گل وتوژ کے خیمے کی جانب بڑھ پاتی۔ اسی طرح قبیلے کی کچھ عمر رسیدہ عورتوں کو بھی اس امر کی خبر ہو گئی کہ گہنانم دیر تک گل وتوژ کے خیمے میں رہتی ہے مگر انہوں نے اس معاملے کو اپنے تک ہی محدود رکھا۔ ایک عورت ہونے کے ناطے ان کے دلوں میں گل وتوژ کے لئے ہمدردی موجود تھی مگر وہ اپنے مردوں کے آگے بے بس تھیں۔ دوسرا گہنانم کا گل وتوژ سے میل جول ان کے خیال میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ جسے برا سمجھا جاتا۔ یہ سلسلہ کافی دنوں تک یونہی چلتا رہا۔ منک آنہ جیسا گھاگ شخص بھی اس ضمن میں بے خبر رہا۔

ایک دن گہنانم گل وتوژ کے خیمے میں آئی تو اس کے چہرے سے عجیب سی بے تابی جھلک رہی تھی، گل

دقوژا اس کا چہرہ دیکھ کر یہ سمجھی کہ شاید اس کی یہاں آمد ورفت کا راز افشا ہو گیا چنانچہ اس نے چھوٹتے ہی گہنانم سے اس بارے میں پوچھ لیا۔ گہنانم ایک گہری سانس لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''میں آج ایک نہایت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم جلد از جلد میری پیشکش کا جواب دو گی کیونکہ میرے پاس وقت بہت کم ہے''۔

''خیریت تو ہے گہنانم! تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' گل دقوژ پریشانی سے بولی۔

''گل دقوژا! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں صرف اپنی ذات تک محدود رکھا جاتا ہے، ایسی ہی ایک بات میرے دل میں بھی محفوظ ہے۔ میں تمہارے پاس یونہی نہیں چلی آتی تھی، اس کے پیچھے ایک مقصد تھا جو میں نے تم سے پوشیدہ رکھا''۔

''آج تم پہیلیاں بجھانے کا ارادہ رکھتی ہو شاید''۔

''دیکھو! اپنے دل کا ایک راز میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں، اگر تمہیں میری پیشکش سے انکار ہو تو اسے ایک سہیلی کی امانت سمجھ کر ہمیشہ کے لئے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دینا اور کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا''۔

''گہنانم! جو کچھ کہنا چاہتی ہو صاف صاف لفظوں میں کیوں نہیں کہتیں، بات کو یوں گھما پھرا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟'' گل دقوژ نے سنجیدگی سے کہا۔

''پہلے تم وعدہ کرو''۔

''میرا خیال ہے اتنے دن کی رفاقت کے بعد تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں کس قسم کی لڑکی ہوں، ضروری نہیں کہ میں زبان سے اظہار کروں''۔

''مجھے تم پر پورا اعتماد ہے تو ہی اپنے دل کی بات کہنے جا رہی ہوں''۔

''اب کہہ بھی ڈالو''۔ گل دقوژا اکتا سی گئی۔

''گل دقوژا!'' گہنانم لفظوں کو ترتیب دینے لگی۔ ''جیسے تم کسی سے محبت کرتی ہو، ایسے ہی میں بھی ایک نوجوان کو دل دے بیٹھی ہوں، میں جانتی ہوں کہ میرا باپ اس نوجوان سے میری شادی پر کبھی تیار نہیں ہوگا مگر میں اس کے بغیر جینے کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی''۔

''اوہ یہ بات ہے!'' گل دقوژ دھیرے سے مسکرائی۔ ''کیا وہ قبیلے سے باہر کا نوجوان ہے؟''

''نہیں! وہ میرے باپ کا غلام ہے۔ اس کا نام شکنان ہے، میری ماں بتاتی ہے کہ وہ اسے بڑے قاآن اعظم کے دور میں کسی ترک علاقے سے لایا تھا۔ اس وقت اس کی عمر چار سال تھی، میں تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھی''۔ وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد گہنانم نے بات آگے بڑھائی۔ ''میں نے جب سن بلوغت میں قدم رکھا تو اس جیسا وجیہہ اور کسی کو نہ دیکھا۔ وہ بڑا مخلص اور جانثار دکھائی دیا۔ جہاں کہیں میری ذات ملوث ہوتی میں نے اسے اپنی طرفداری کرتے دیکھا۔ جانے کب میں اُسے اپنا دل دے بیٹھی، اپنے ہی گھر میں عرصے تک ہم اپنی اپنی محبت چھپائے گھلتے رہے پھر ایک دن میں نے بڑھ کر اپنے دل کا حال اس پر کھول دیا۔ وہ شاید اپنی حیثیت اور میری جانب سے کسی سختی کے اندیشے کے باعث دل کی بات زبان پر نہیں لا سکا تھا۔ میرے بڑھتے قدم دیکھ کر اس نے بھی اپنی محبت کا بھید کھول دیا۔ کل اس نے مجھے ایک پیشکش کی تو میں نے سوچا کہ تمہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لوں''۔

''قبیلے سے فرار ہونے کا ارادہ ہے؟'' گل دقوژ کڑی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ گہنانم اس کے لہجے

سے گڑبڑا سی گئی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ اس نے اپنے سر کو خفیف سی حرکت دی۔

''جانتی ہو کہ قبیلے والے بڑی تیزی سے فرار ہونے والوں کو ڈھونڈ نکالتے ہیں؟''

''اسی لئے تو میں تمہارے پاس آئی ہوں کیونکہ تم ہماری مدد کر سکتی ہو''۔

''کیسی مدد؟''

''ہم دونوں کو راستوں کے بارے میں کچھ زیادہ آگاہی نہیں، تم ہمیں کسی طرح صحیح راستے پر ڈال دو کہ ہم دونوں ترک علاقے کی جانب نکل جائیں''۔

''یعنی میں بھی تمہارے ساتھ فرار ہو جاؤں؟''

''ظاہر ہے''۔ گہنانم ملتجیانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ گل دقوژ کے لئے یہ ایک اچھا موقعہ تھا مگر اسے بار بار یہ خدشہ ستا رہا تھا کہ یہ منگ آنہ کی کوئی سازش نہ ہو، وہ بار بار گہنانم کی صورت دیکھتی اور اس کی پیشکش کے محرکات کو سمجھنے کی کوشش کرتی مگر گہنانم کسی طرف سے بھی ایسی مکار اور دھوکے باز دکھائی نہیں دیتی تھی کہ اس پر کسی سازش میں شریک ہونے کا شبہ کیا جا سکتا۔ گل دقوژ گہری سوچوں میں گم تھی کہ گہنانم نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''دیکھو! جو کہنا ہے جلدی سے کہہ دو کیونکہ شام ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی ہے، اندھیرا ہونے کے بعد میری شکنان سے ملاقات نہیں ہو سکے گی کیونکہ وہ غلاموں والے خیمے میں چلا جائے گا۔ میں نے اسے تمہارے فیصلے سے بھی آگاہ کرنا ہے، یہ ذہن میں رکھو کہ ہم آج رات ہی یہاں سے نکل جائیں گے''۔

''گہنانم! تم نے مجھے عجیب مخمصے میں ڈال دیا ہے، میں اتنی عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، مجھے کچھ سوچنے کا وقت تو دو''۔

''میں نے تمہیں آتے ہی باور کرایا تھا کہ تمہیں فوری طور پر کوئی جواب دینا ہوگا''۔ گہنانم اسے گومگو کی کیفیت میں مبتلا دیکھ کر بگڑنے لگی۔

''تم ایسا کرو کہ اس وقت جاؤ، میں فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی، اچھی طرح سوچ بچار کے بعد ہی جواب دوں گی''۔ گل دقوژا اس کے جارحانہ رویے پر خفا ہو کر بولی۔

''یعنی کہ میں یہ سمجھوں کہ تم ہمارے ساتھ اس قید خانے سے نہیں نکلنا چاہتیں؟'' گہنانم نے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں آزادی کی خواہاں ہوں مگر یہاں سے نکلنے کے بعد مجھے اپنی حفاظت کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا، یوں بلا سوچے سمجھے یہاں سے نکلنا حماقت ہوگی''۔

''تم جاودانی آسمان کے سہارے سب چھوڑ دو۔ کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا''۔

''دیکھو اب تم جاؤ! کوئی نہ کوئی میرے لئے دوپہر کا کھانا لاتا ہی ہوگا''۔

''دوپہر کا.....؟'' گہنانم حیرت زدہ رہ گئی۔

''قیدیوں کو ایسے ہی کھانا دیا جاتا ہے''۔

''میں تمہارے جواب سے کیسے آگاہ ہوں گی؟''

''تم اپنے شکنان سے کہہ دینا کہ وہ جب رات کو نکلنے لگے تو میرے خیمے پر نگاہ ڈال لے، اگر خیمے کے دروازے پر سفید کپڑا لٹکا دکھائی دیا تو سمجھ لینا کہ میں رضامند ہوں، اس کے علاوہ مجھے اپنی حفاظت کے لئے لمبے پھل والا خنجر بھی درکار ہوگا''۔ گل دقوژا اُسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''مجھے امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ جانے کا ہی فیصلہ کرو گی''۔ وہ مختصراً بولی اور خیمے کے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے باہر جھانک کر گرد و نواح کا جائزہ لیا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ گل وتوژ اس کے جانے کے بعد اس کی باتوں پر غور کرنے لگی۔ گہنانم کی سوچ کوئی انوکھی نہیں تھی، منگولوں میں بھی اکثر لڑکیاں اسی طریقے سے اپنے گھر والوں سے بغاوت کیا کرتی تھیں۔ گل وتوژ کو اس وقت آزادی کی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے نانا کی ناجائز ضد سے خود کو محفوظ کر سکے۔ گہنانم اس کے لئے وہی پیشکش لائی تھی جس کی اسے ضرورت تھی مگر وہ بلا سوچے سمجھے کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں یہ اس کے نانا کی ہی کوئی چال نہ ہو اور وہ اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کیلئے اسے اپنی راہ سے ہی ہٹا دینے کے درپے ہو۔

❁ ❁ ❁

رئیس العساکر جاشنگیر ایبک بلادِ مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا تھا۔ الملک الاشرف موسیٰ محض نام کا سلطان تھا۔ جاشنگیر ایبک پہلا مملوک فرد تھا جسے اتنے وسیع اختیارات تفویض کئے گئے تھے۔ اس نے تیزی سے بگڑے ہوئے ملکی حالات کو سہارا دیا اور بلادِ مصر کے طول و ارض میں امن کی فضا قائم کر دی۔ اسے کئی باغی ایوبی شہزادوں کی سرکوبی کی ضرورت بھی پیش آئی جو سلطانی کا دعویٰ لے کر اُٹھے تھے۔ اس کے دور میں مملوک امراٗ کی جمعیت بہت زیادہ فعال ہو گئی تھی، اس نے فارس الدین اقطائی اور بیبرس کو اعلیٰ خدمات کے پیش نظر اعلیٰ مناصب پر لا بٹھایا۔ مصری امراٗ کا دربار سلطانی میں اثر و رسوخ دن بہ دن کم ہو رہا تھا جس کی انہیں تشویش لاحق تھی، ان میں سے کئی جاشنگیر ایبک کی مخالفت میں اُٹھے مگر مملوک امراٗ نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا، ان کی املاک ضبط کر لی گئیں اور ساتھیوں سمیت انہیں زنداں خانے میں ڈال دیا گیا۔ کچھ امراٗ نے تو بھاری تاوان ادا کر کے زنداں خانے سے آزادی حاصل کر لی اور ہمیشہ اطاعت کرنے کا عہد لکھ دیا۔ جو ایسا نہ کر سکے، وہ ہمیشہ کے لئے زنداں کے اندھیروں میں گم ہو گئے۔

نوعمر ایوبی سلطان الملک الاشرف موسیٰ عیش میں مبتلا رہا۔ اسے کبوتر بازی کے شوق نے گھیر لیا۔ شاہی محل اس کی خواہش پر کبوتر خانہ بن کر رہ گیا۔ مصری امراٗ اپنے سلطان کے مشغلے کے لئے قیمتی اور نادر کبوتر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے اور ان کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملا کر انعام و اکرام حاصل کرتے۔ شاہی خزانہ نوعمر سلطان کے اس فضول شوق پر بے دریغ اڑنے لگا۔

رئیس العساکر جاشنگیر یہ سب دیکھ رہا تھا مگر اس نے نوعمر سلطان کی تربیت و اصلاح کی جانب کبھی توجہ نہیں دی حالانکہ اس سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ نوعمر سلطان کو اس قابل بنائے گا کہ وہ سلطنت کے نظام کو بخوبی چلا سکے۔ ملکہ شجرۃ الدر بھی یہ تماشا دیکھ رہی تھی اور اس نے اپنی دوربین نگاہوں سے ایوبی خاندان کے اقبال کا سورج غروب ہوتا دیکھ لیا تھا۔

649ھ میں الملک الناصر صلاح الدین یوسف نے صلیبی لشکروں کے ساتھ اتحاد کر کے بلادِ مصر پر دھاوا بول دیا۔ وہ بلادِ مصر کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرنے کا خواہاں تھا۔ وہ بیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر بلادِ مصر میں داخل ہوا۔ جاشنگیر ایبک کو بروقت اطلاع مل گئی اور اس نے جوابی کارروائی کر کے غزہ کے مقام پر انہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ مملوک فوج کو الملک الناصر صلاح الدین یوسف سے زیادہ صلیبی سپاہیوں کی آمد پر غم و غصہ تھا۔ صلیبی سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد میدانِ جنگ میں مملوکوں کے غیض کی بھینٹ چڑھ گئی۔ صورتِ حال اپنے خلاف دیکھ کر انہوں نے میدان سے راہِ فرار اختیار کی، الملک الناصر کے پاس بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مصالحت کر کے واپس لوٹ جاتا۔ اس جنگ میں بیبرس کی کارکردگی اتنی نمایاں تھی کہ اسے ترقی دے کر سو دستوں

کا سالار بنا دیا گیا۔ بیبرس کی ترقی پر فارس الدین اقطائی بے حد خوش ہوا، اس جنگ کی کامیابی کے بعد بیبرس کو باقاعدہ دربار میں عہدہ دیا گیا اور اس کی نشست لگائی گئی۔ الملک الناصر نے اس جنگ کو اپنے عم زاد بھائی الملک المعظم توران شاہ کے قتل کا بدلہ قرار دیا تھا مگر وہ بدلہ لینے میں ناکام رہا۔ اس بڑی جنگ کے بعد مصری امراٗ کا جاشنگیر ایبک پر اعتماد بڑھ گیا۔ بہت سے ایسے امراٗ جو دل میں اس کے لئے کینہ رکھتے تھے مخالفت سے باز آ گئے۔

650ھ میں دوسری بار الملک الناصر صلاح الدین یوسف ایک جرار لشکر کے ساتھ بلادِ مصر پر حملہ آور ہوا، وہ اپنی سابقہ ہزیمت کا ازالہ کرنا چاہتا تھا، جاشنگیر ایبک نے فارس الدین اقطائی کو سالارِ اعلیٰ بنا کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ دونوں لشکروں میں لڑائی کا آغاز ہوا تو لاشوں کے انبار لگنے لگے، مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہنے لگا، صلیبی سپاہ اپنے عہد و پیمان کے مطابق پوری تندہی سے الملک الناصر کا ساتھ دے رہی تھیں۔ لڑائی طول کھینچنے لگی تو فارس الدین اقطائی نے بیبرس اور احمد چولاک کی مدد سے پے در پے ایسے حملوں کا سلسلہ شروع کیا کہ جلد ہی الملک الناصر کو اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی افواج کو جوش دلاتا رہا مگر چھبیسویں دن کی لڑائی میں پانسہ پوری طرح اس کے خلاف پلٹ گیا۔ اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مجبوراً اس نے پسپائی اختیار کی اور کئی منزلیں پیچھے ہٹ کر دوبارہ منظم ہونے لگا۔ وہ ابھی دوبارہ حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا کہ خلیفہ مستعصم باللہ نے مداخلت کرتے ہوئے جانبین کو جنگ بندی کا حکم دیا۔ دربارِ خلافت کی طرف سے قاضی عزالدین کو ثالث مقرر کیا گیا۔ ان کے فیصلے کے تحت دونوں فریقین نے آپس میں صلح کر لی اور بلادِ مصر کی حکومت کو دریائے اردن تک تسلیم کر لیا گیا۔ دونوں فریقین نے یہ عہد بھی کیا کہ وہ آئندہ صلیبیوں کے مقابلے میں متحد رہیں گے۔

652ھ میں ملکہ شجرۃ الدر نے شریک سلطان جاشنگیر ایبک سے تنہائی میں ملاقات کی اور اس کی توجہ نوعمر سلطان کی جانب مبذول کرائی کہ بیت المال کی رقم کو یوں برباد ہونے سے بچایا جائے، اور یہ بھی مشورہ دیا کہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم سلطان الملک الاشرف موسیٰ کو معزول کر کے خود یہ عہدۂ سلطانی سنبھال لو، جاشنگیر ایبک نے اس ضمن میں مملوک و مصری امراٗ اور مجلس انتخاب کی مخالفت کا خدشہ ظاہر کیا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اسے اپنی عسکری قوت کے استعمال کا مشورہ دیا۔ یہ بات جاشنگیر ایبک کے دل کو لگی اور اس نے خاص مملوک امراٗ سے اس ضمن میں مشورہ کرنا شروع کر دیا۔ فارس الدین اقطائی نے ساتھ دینے کے لئے یہ شرط باندھی کہ اسے فوج میں نائب سالار بنایا جائے، جاشنگیر ایبک نے پانچ سو دستوں کی سالاری پر اسے راضی کر لیا۔ اسی طرح مختلف امراٗ کی شرائط پوری کرنے کے وعدے پر ان کی وفاداریاں حاصل کر لی گئیں۔

❁ ❁ ❁

اگلی صبح برقائی خان اپنے خیمے اکھڑوا کر چلنے کی تیاری کر رہا تھا، مطیع الدین کو ضرگامی قبیلے نے اس کا گھوڑا واپس کر دیا تھا۔ ضرگامی سردار بھی وہاں موجود تھا۔ اسی دوران نوئنا جوخان بھی وہاں چلا آیا۔ مطیع الدین رات کو ہی نوئنا جوخان سے ہونے والی بات چیت برقائی کے علم میں لا چکا تھا۔ برقائی خان اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر متوجہ ہوا۔ نوئنا جوخان نے آ کر اسے حسب سابق تعظیم دی اور ساتھ چلنے کی اجازت طلب کی۔

''مجھے تمہیں ساتھ لے جانے میں کوئی تعرض نہیں، البتہ تمہیں اپنے والدین اور سردار سے اجازت لینا ہوگی''۔ برقائی خان نے جواب دیا۔

نوئنا جوخان رات ہی اپنے باپ کو اس سلسلے میں رضامند کر چکا تھا چنانچہ اس کا باپ تیزی سے آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''قاآن زادے! میری جانب سے اسے پوری اجازت ہے''۔

ضرگامی سردار نے بھی اس کی تقلید میں رضامندی کا اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔

برقائی خان اپنا کام مکمل کر چکا تھا، ان لوگوں سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے روانگی اختیار کی۔ فوننا جو خان کو ایک طاقتور گھوڑا فراہم کیا گیا تھا، جب وہ کود کر اس پر سوار ہوا تو گھوڑا بری طرح سے ہنہنا اُٹھا۔ مطیع الدین کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ برقائی خان اس کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا۔ ضرگامی لوگ بھی لطف اندوز ہوئے۔ فوننا جو خان نے اچھی طرح سنبھل کر بیٹھنے کے بعد سب کی جانب حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور معاملے کو سمجھ کر تھوڑا سا خفیف ہو گیا۔ برقائی خان نے نعرہ بلند کیا اور گھوڑوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ ضرگامی بستی سے نکل کر اردوئے زریں کے دارالحکومت سرائے کی جانب بڑھنے لگا۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی وہ اپنے طے کردہ مقام پر پہنچ گئے تھے، برقائی خان نے ایک چھوٹے سے چشمے کے دامن میں پڑاؤ ڈالا تاکہ شب بسری کی جا سکے۔ تمام سفر کے دوران کسی کو بھی بات چیت کرنے کا موقعہ نہ مل سکا تھا۔ فوننا جو خان کی خاموشی مطیع الدین کو پریشان کئے دے رہی تھی۔ وہ اس کی جانب بڑھ آیا۔ سپاہی خیمے گاڑنے میں مصروف تھے جبکہ برقائی خان خیمے لگانے والوں کے پاس کھڑا انہیں ہدایات دے رہا تھا۔

''خیریت تو ہے، اتنی خاموشی......؟''

فوننا جو خان نے سر اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے انکار میں گردن ہلائی۔ ''کوئی بات نہیں خواہ مخواہ پریشان نہ ہو''۔

''تھک گئے ہو کیا؟''

''ہاں! گھوڑے کی پیٹھ پر کبھی اتنا طویل سفر نہیں کیا، اسی لئے تکان محسوس ہو رہی ہے''۔

''اسی لئے میں کہتا ہوں کہ وزن کم کرنے کی کوشش کرو، اگر ایسے ہی پھیلتے رہے تو...... ویسے مجھے اس گھوڑے پر بڑا ترس آ رہا ہے، سوچ رہا ہو گا کہ یہ مجھ پر کس جرم کی سزا لاد دی گئی ہے''۔

''تم بے فکر رہو! گھوڑے کو کچھ نہیں ہو گا، یہ بڑا سخت جان جانور ہے اور اگر اسے کچھ ہو بھی گیا تو تمہارا گھوڑا کس مرض کی دوا ہے''۔

''اچھا! ابھی تک تمہاری حریص نگاہیں میرے گھوڑے پر ہیں......'' مطیع الدین آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔

فوننا جو خان اس کی بات پر دیدے مٹکانے لگا۔

''اپنے آپ میں رہو سمجھے! میں حجم کا لحاظ کئے بغیر ہی بھڑ پڑوں گا''۔

''مات کھا جاؤ گے مطیع الدین!''

''دوستوں میں مات کیسی؟'' مطیع الدین بگڑ کر بولا۔

فوننا جو خان اس کی بات پر دانت نکالنے لگا۔ ''خود کو کمزور پا کر خوب آڑ نکالی ہے''۔

''دیکھو مجھے غصہ نہ دلاؤ......''

''اب تو میں یہ پوچھنے کا حق دار ہوں کہ بھائی خیریت ہے یوں آگ بگولا کیوں ہو رہے ہو؟''

مطیع الدین اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ اسی دوران برقائی خان اس طرف نکل آیا۔ سپاہی خیموں کے کام سے فارغ ہو کر ان کیلئے کھانے کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ برقائی خان کو دیکھ کر فوننا جو خان یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے تعظیم پیش کی۔ برقائی خان نے اس کی حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو فوننا جو! اس تعظیم وغیرہ کی مجھے کوئی حاجت نہیں۔ میں کوئی خود پسند یا خوشامد پرست شخص نہیں

ہوں کہ بار بار تعظیم کو ہضم کر سکوں، میں تمہیں آخری بار ہدایت کر رہا ہوں کہ یہ سلسلہ اب ختم ہو جانا چاہئے''۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کا حکم!''

''یاد رکھو کہ میں اپنے ساتھ لوگوں کا اجتماع صرف اس لئے نہیں رکھتا کہ مجھے اپنی ذات پر پورا بھروسہ ہے اور ان کی موجودگی میرے یقین کو کمزور کرتی ہے۔ میرے ساتھ جو بھی رہتا ہے وہ یا تو میرا دوست ہو سکتا ہے یا میرا بھائی! اس لئے تمہیں اس امر کا خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر تم اس پر رضامند نہیں ہو تو تم مجھ سے آگے نکل جاؤ یا میرے پیچھے پیچھے سفر کرو، سرائے پہنچ کر مجھ سے رابطہ کر لینا میں تمہاری ہر جائز خواہش کو پورا کر دوں گا''۔

''میں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کر سکوں گا''۔ فوننا جو خان دوٹوک انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے تم میرے عقب میں یا آگے سفر کرو''۔ برقائی خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''نہیں! یہ ہمارے ساتھ ہی سفر کرے گا''۔ مطیع الدین نے فوراً مداخلت کی۔

برقائی خان نے اس پر تیز نگاہ ڈالی۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ان حرکتوں سے عاجز ہوں، مجھے ان سے گھن آتی ہے اور میرے ساتھ کوئی ایسا سلوک روا رکھے گا تو میں یہی سمجھوں گا کہ وہ مجھے چڑا رہا ہے''۔

''تم اس کی فکر مت کرو، میں اسے سمجھا دوں گا''۔ مطیع الدین نے اس کی حمایت کی۔ فوننا جو خان خاموش کھڑا رہا۔

''دیکھو!'' برقائی خان نرمی سے بولا۔ ''میں قاآن زادہ ضرور ہوں مگر میں اب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہوں۔ میں سب لوگوں کو اپنے برابر سمجھتا ہوں۔ میں کسی سے افضل و اعلیٰ نہیں ہوں اور یہ عادت اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی میرے اندر پائی جاتی تھی۔ اس پر میرا کوئی زور نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ناراض کروں مگر یہ میری فطرت کا خاصہ بن چکی ہے''۔

''میں سمجھ رہا ہوں!'' فوننا جو خان آہستگی سے بولا۔ ''میں پوری کوشش کروں گا''۔

برقائی خان تھوڑی دیر تک اسے سمجھاتا رہا پھر سپاہیوں کی جانب چلا گیا جہاں کھانا تیاری کے قریب تھا۔ مطیع الدین نے بھی فوننا جو خان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

❀ ❀ ❀

652ھ میں مجلس انتخاب اور امراء و عمائدین کے باہمی مشورے پر نوعمر سلطان الملک الاشرف موسیٰ کو منصب سلطانی سے معزول کرنے کا فیصلہ طے ہو گیا۔ نوعمر سلطان کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو وہ خود اپنے خاص اعزا کے ساتھ وہاں چلا آیا اور اس نے استدعا کی کہ اسے یوں ذلیل و رسوا نہ کیا جائے بلکہ وہ خود کاروبارِ حکومت سے دست بردار ہو جائے گا۔ امراء نے اسے معزول کرنے کے بجائے اس کی درخواست کو منظور کیا اور اس نے بھرے دربار میں اپنی کم سنی اور امورِ اقتدار سے بےزاری کا عذر پیش کرتے ہوئے یمن کو روانگی کا مژدہ سنایا۔ ایوبی خاندان کے خیر خواہ امراء نے بہتیری کوشش کی کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لے اور اپنا مستقبل تاریک نہ کرے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اس پر کسی قسم کا دباؤ ہے تو وہ بیان کرے، اس کا سدباب کیا جائے گا۔ مگر سلطان اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا اور اسی رات پوشیدہ طور پر یمن روانہ ہو گیا جہاں اس کے ننھیالی رشتہ دار موجود تھے۔ بلادِ مصر میں الملک الاشرف موسیٰ ایوبی خاندان کا آخری حکمران ثابت ہوا۔ اس نے جاشنگیر ایبک کے ساتھ چار سال تک مشترکہ حکومت کی۔ اس کی دستبرداری کے ساتھ ہی بلادِ مصر میں ایوبی خاندان کی حکومت کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

مجلس انتخاب نے طے شدہ منصوبے کے تحت تیسرے روز رئیس العساکر جاشنگیر ایبک کو اپنا سلطان تسلیم

کرنے کا اعلان کیا۔ اسے الملک المعز کا خطاب دیا گیا۔ جاشنگیر ایبک کا تعلق بحری ممالیک سے تھا، اس نے اقتدار سنبھالتے ہی بحری ممالیک کو اپنے زیادہ قریب کیا اور ان کے اثر ورسوخ کا دائرہ وسیع کر دیا۔ ملکہ شجرۃ الدر کے حسن اور اعلیٰ ذہانت سے وہ بے حد متاثر تھا۔ اس نے کوشش کی کہ کسی طرح ملکہ شجرۃ الدر اس کا مستقل ساتھ دینے پر رضامند ہو جائے۔ ملکہ شجرۃ الدر ایک عرصے سے شاہی وظیفہ پا رہی تھی، وظیفے کی رقم سے اس نے قاہرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے پہلو میں مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔ فارس الدین اقطائی نے سلطان الملک المعز کی خواہش اس کے گوش گزار کی جسے اس نے بڑی فراخ دلی سے قبول کر لیا۔

652ھ میں ملکہ شجرۃ الدر نے سلطان الملک المعز سے نکاح کر لیا اور ایک بار پھر عنانِ اقتدار کی شریک بن گئی۔ سلطان الملک المعز چونکہ بے حد شجاع اور سپاہی قسم کا شخص تھا اس لئے اس نے قصد کیا کہ وہ اپنی سلطنت کو وسعت دے۔ اس کی نگاہیں بلادِ شرقیہ و شام پر جا رکیں جہاں الملک الناصر صلاح الدین یوسف خودمختار سلطان تھا اور ماضی میں اس سے دو بار ہزیمت اُٹھا چکا تھا۔

برقائی خان کئی دن کی مسافت کے بعد اپنے چھوٹے سے قافلے کے ساتھ سرائے پہنچا۔ اس نے شاہی محل جانے کے بجائے شیخ نورالدین کے گھر کا رُخ کیا تا کہ مطیع الدین کو غم زدہ باپ سے ملا کر اس کے دل میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کر سکے۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو رخصت کیا اور فونا جو خان اور مطیع الدین کے ساتھ نورالدین کے گھر چلا آیا۔ فونا جو خان کافی حد تک بدل گیا تھا، اس نے کافی کوشش کے بعد خود کو یہ باور کرایا تھا کہ برقائی خان صرف شہزادہ ہی نہیں بلکہ اس کا دوست اور بھائی بھی ہے۔ نورالدین اپنے گمشدہ بیٹے کو طویل عرصے کے بعد سامنے پا کر بے خود سا ہو گیا، اس نے مطیع الدین کو بھینچ کر سینے سے لگا کر خود کو یقین دلایا کہ اس کے سامنے اس کا بیٹا حقیقتاً موجود ہے اور اس کی آنکھیں اسے جاگتے میں خواب نہیں دکھا رہیں۔ یقین آیا تو اس کا دل برقائی خان کے لئے شکر گزاری کے جذبات سے معمور ہو گیا۔ برقائی خان باپ بیٹے کے ملن سے روحانی خوشی محسوس کر رہا تھا جبکہ مونا فونا جو خان ایک جانب لاتعلق کھڑا عجیب نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ نورالدین نے ان سب کے لئے خاطر مدارات کا اہتمام کیا، وہ یوں بھاگ بھاگ کر ہدایات دے رہا تھا جیسے اس کی بوڑھی ہڈیوں میں پھر سے جوانی پلٹ آئی ہو، برقائی خان تکلفات میں نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر وہ نورالدین کی اجازت کے بغیر وہاں سے رخصت بھی نہیں ہو سکتا تھا، مجبوراً وہ قہوے کے دور تک وہیں رُکا رہا۔ اس دوران کئی موضوعات چھڑے۔ نورالدین نے اچانک تونائی خان کے قتل کا معاملہ چھیڑ دیا جس میں برقائی خان کا نام لیا جا رہا تھا۔ مطیع الدین بھی تونائی خان کے نام پر چونک اُٹھا اور طرح طرح کے سوال کرنے لگا۔ برقائی خان تونائی خان کے قتل کے بارے میں جاننے کے بعد بخوبی سمجھ گیا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ قاآن اعظم باتو خان نے اسی مقصد کے لئے اسے منظر سے ہٹایا تھا کہ تونائی خان کو ٹھکانے لگایا جا سکے، جب نورالدین نے تونائی خان کے قتل کے الزام میں اس کی بیٹی گل دقوز کی گرفتاری اور اچانک اغوا کے بارے میں بیان کیا تو مطیع الدین کا دل ایک لمحہ کے لئے اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ برقائی خان نے سنجیدگی کے ساتھ پورا واقعہ سنا، اسے قصر شاہی پہنچنے کی جو عجلت تھی وہ ختم ہو چکی تھی، کافی دیر تک ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ کچھ سوالات اُٹھتے تو پھر ان کی وضاحت کا آغاز ہو جاتا، اسی طرح شام کا وقت ہو گیا۔ برقائی خان نے فونا جو خان کو مطیع الدین کے پاس قیام کرنے کی ہدایت دی اور خود شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ باتو خان سے اس سلسلے میں ضروری امور پر بات کرنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین گل دقوز کی گمشدگی پر گھلا جا رہا تھا، اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اسی وقت گھر کی دہلیز عبور کر چکا ہوتا،

اتنے عرصے کے بعد گھر واپس لوٹنے پر وہ گھر والوں کے حصار میں پھنس کر رہ گیا۔ شیخ نورالدین اس دن خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا، فونا جو خان کے لئے یہ سب کچھ نیا نیا سا تھا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

ایک شام سلطان الملک المعز دربار کے شاہی امور سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو دربار کے باہر موجود محافظوں نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا، یہ حفاظتی لحاظ سے ایک قدم تھا کہ کوئی سلطان کے قریب پہنچ کر اس پر حملہ آور نہ ہو جائے، سلطان اپنے محافظ دستے کے ساتھ ابھی چند قدم طے کر پایا تھا کہ سامنے کی جانب سے تیس آدمیوں کا ایک گروہ اس کی جانب بڑھا، وہ سب سفید لباس اور سفید عماموں میں ملبوس تھے، سلطان انہیں اچانک سامنے پا کر پریشان دکھائی دینے لگا، اس نے وہیں رُک کر محافظ دستے کے امیر کو ان کی جانب بھیجا کہ وہ ان سے آنے کی وجہ دریافت کریں، امیر نے انہیں کچھ دور روک کر وجہ دریافت کرنا چاہی کہ ان میں سے ایک شخص نے خنجر کے کاری وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھ کر سلطان الملک المعز بوکھلا اُٹھا، اسے اتنے بڑے قدم کی توقع نہیں تھی، اس نے تیزی سے محافظ دستے کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود ان کے بیچ میں سے نکل کر دربار کے صدر دروازے کے چبوترے پر جا کھڑا ہوا۔ محافظ دستہ جس کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی اپنی اپنی تلواریں سونت کر ان پر حملہ آور ہو گیا۔ وہ گروہ پہلے ہی سے صورتِ حال کے مطابق منصوبہ بندی کر کے آیا تھا، انہوں نے محافظوں سے لڑائی میں پوری شجاعت و جانفشانی کا مظاہرہ کیا، تھوڑی ہی دیر میں محافظ دستہ کمزور پڑتا دکھائی دینے لگا، یہ دیکھ کر سلطان الملک المعز کی جان پر بن آئی۔ اس نے چبوترے پر کھڑے دیگر لوگوں کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا۔ دربار کافی دیر پہلے برخاست کیا جا چکا تھا اس لئے وہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا، اسی دوران ایک شخص اس گروہ کے عقب میں دربار کی جانب آتا دکھائی دیا۔ وہ شکل وصورت سے متوسط طبقے کا فرد معلوم ہوتا تھا، وہ جونہی اندر کی جانب مڑا تو وہاں کچھ لوگوں کو متصادم دیکھ کر ٹھٹک گیا، صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ کرنے میں اسے زیادہ دیر نہ لگی، اس نے اپنی تلوار نکالی اور نعرہ لگاتا ہوا تیزی سے سفید پوشوں کی جانب بڑھا۔ سفید پوشوں نے اپنے عقب میں نعرہ کی آواز سن کر ادھر توجہ کی اور وہاں صرف ایک شخص کو پا کر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ ان کی ساری توجہ شاہی محافظوں پر مرکوز تھی۔

اس شخص کے قریب پہنچنے پر ایک سفید پوش اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اس کے مقابلے پر آیا۔ نو وارد شمشیر زنی میں مہارت رکھتا تھا، اس نے چند ساعتوں میں ہی اس سفید پوش کا سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ دیکھ کر سفید پوشوں نے اس پر پورے زور سے حملہ کر دیا، اب وہ بچے کھچے محافظوں اور نو وارد دونوں سے نبرد آزما تھے۔ نو وارد ایک عالی حوصلہ جوان تھا۔ اس کی ہمت و شجاعت دیکھ کر محافظوں کی کمزور پڑتی ہمت بھی بحال ہو گئی۔

سلطان الملک المعز یہ سب دیکھ رہا تھا، نو وارد کی مہارت دیکھ کر اس کے لبوں سے بے اختیار تحسین آمیز جملے نکلنے لگے۔ چند ہی ساعتوں میں بازی پلٹ گئی، بائیس سفید پوش ہلاک کر دیئے گئے جبکہ آٹھ کو زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا۔ محافظوں میں سے نصف سے زائد ہلاک ہوئے، نو وارد کی اچانک آمد سے سلطان المعز کی جان بچ گئی تھی۔ یہ سفید پوش باطنی فدائی تھے جنہوں نے بلادِ مصر میں دوبارہ فاطمی حکومت قائم کرنے کی قسم کھا رکھی تھی، یہ لوگ ایسے ہی اچانک رئیسان و عمائدین سلطنت کو ہلاک کیا کرتے تھے، سلطان الملک المعز قاہرہ میں ان کی موجودگی سے بے خبر رہا جس کے باعث وہ ایک ناکام حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گرفتار کیے گئے باطنی مجرموں کو سرعام سزا دی گئی اور ان کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔ باطنیوں سے فارغ ہو کر سلطان الملک المعز نے اس نو وارد کو اپنے شاہی محل میں طلب کیا جس کی بروقت آمد کی بدولت وہ باطنی شر سے محفوظ رہا تھا۔ وہ اجنبی جب

اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے تعظیم دی اور مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔

''نوجوان! تم کون ہو؟'' سلطان نے سوال کیا۔

''سلطان محترم! میں ایک غلام ہوں، اور میرا نام محمود ہے۔ اپنے آقا احمد عبداللہ قطوزی کے ہمراہ یمن سے تجارت کی غرض سے یہاں آیا ہوں''۔

''تم اس وقت دربار کی جانب کیا کرنے آئے تھے؟'' سلطان الملک المعز نے سوال کیا۔

''میں اپنے آقا کی ہدایت پر آج صبح کچھ سامان بازار لے گیا تھا اور وہاں کے ایک تاجر سے بات چیت کے بعد اسے بیچ دیا، اس نے رقم کی ادائیگی میں کچھ مہلت طلب کی، میں نے اسے ظہر تک کی مہلت دی کہ اس کے بعد میرے آقا نے واپسی اختیار کرنا تھی، ظہر کی نماز کے فوراً بعد میں اس کے پاس پہنچا کہ رقم لے کر روانہ ہو سکوں تو اس نے بے ایمانی اختیار کی اور مجھ سے مال تک لینے سے منکر ہوگیا۔ میرے پاس اس کا لکھا ہوا ایک کاغذ محفوظ تھا جو اس نے صبح مجھے لکھ کر دیا تھا، میں نے اسے بار بار دیانت داری کی ترغیب دینا چاہی، مگر وہ آگ بگولا ہو کر میرے ساتھ لڑنے بھڑنے پر اتر آیا، یہ دیکھ کر میں شکایت کی نیت سے کوتوال شہر کے پاس پہنچا، اس نے سارا ماجرا سننے کے بعد اسی تاجر کی حمایت کی اور مجھے خاموشی سے واپس لوٹنے کا مشورہ دیا، میں نے وہاں سے نکل کر قاضی کے پاس شکایت کی کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ وہ اپنے امور نبٹا کر گھر جا چکے ہیں، مجھے اس دوران اور کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، اپنے آقا کو اس امر کی خبر دیتے ہوئے بھی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی، میں نے سوچا کہ کیوں نہ دربار عالیہ سے براہ راست رجوع کروں، اسی نیت سے میں دربار کی جانب آ نکلا مگر وہاں کچھ اور ہی معاملہ پایا''۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری آمد سے فتنہ کا فوری سد باب ہوگیا ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔ میرے لئے تو تم مددِ خداوندی بن کر آئے ہو''۔ سلطان الملک المعز نے کہا۔ ''تم اس تاجر کا نام میرے حاجب کو لکھوا دو، میں اس معاملے کو خود دیکھوں گا، دوسرا اپنے آقا کی قیام گاہ کے بارے میں باخبر کر دو تا کہ اسے اطلاع پہنچائی جا سکے کہ تم اس وقت کہاں ہو؟''

محمود ایک یمنی رئیس احمد عبداللہ قطوزی کا غلام تھا جس نے اسے یمن کے بازار سے خریدا تھا اور تجارت کے لئے ان دنوں مصر آیا ہوا تھا۔ محمود کا تعلق خوارزم کے شاہی خاندان سے تھا اور وہ آخری سلطان جلال الدین خوارزم کا بھانجا تھا۔ تاتاریوں نے اسے نوعمری میں گرفتار کر کے دوسرے نوعمر قیدیوں کی طرح غلاموں کی منڈی میں بیچ ڈالا تھا۔ اس نے اپنے والدین کو تاتاریوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تھا اور تاتاریوں کی بربریت سے خوفزدہ تھا۔ احمد عبداللہ قطوزی کو اسے خریدنے کے بعد جب اس کے خاندانی پس منظر کا علم ہوا تو اس نے محمود کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور تمام دنیاوی و دینی علوم کی تعلیمات دلائیں۔ وہ اسے غلام سمجھنے کے بجائے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔

سلطان الملک المعز نے احمد عبداللہ قطوزی کو طلب کیا اور تمام معاملے کی چھان بین ہونے کے بعد تاجر سے سامان کی رقم دلوائی اور تاجر پر بددیانتی کے جرم میں بھاری جرمانہ بھی عائد کیا گیا۔ سلطان الملک المعز غلام محمود کی شجاعت اور بہادری کو اپنی نگاہوں سے ملاحظہ کر چکا تھا اس لئے وہ اس سے خاصا متاثر تھا، اس نے احمد عبداللہ قطوزی سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس غلام کا تعلق سلطنت خیوا کے شاہی خاندان سے ہے تو اس کے دل میں محمود کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ اس نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب اسے احمد عبداللہ قطوزی کے پاس نہیں رہنے دے گا لہٰذا ایک خطیر رقم کے عوض اس نے محمود کو خریدنے کا ارادہ ظاہر

کر دیا۔ احمد عبداللہ قطوزی سلطانوں کے مزاج سے خوب واقف تھا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سلطان کے حضور تحفتاً پیش کرنے پر مجبور ہوگیا، وہ اسے بیٹوں کی طرح چاہتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے انکار کی جرأت کی تو سلطانی مزاج برہم بھی ہوسکتا ہے لہٰذا محمود سے دستبرداری کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ سلطان نے اس کی دلجوئی کے لئے خاصی رقم نذر کی اور یوں محمود سلطان کے حاشیہ برداروں کی صف میں شامل کر دیا گیا، علوم دینی و دنیاوی میں خاص لیاقت رکھنے کے باعث جلد ہی محمود سلطان کا معتمد خاص بن گیا تھا، اس کا خاندانی نام سیف الدین بحال کیا گیا۔ اس نے اپنے نام سیف الدین کے ساتھ اپنی غلامی کی یادگار محمود کو بھی برقرار رکھا، سلطان الملک المعز اسے اکثر قطوزی کے نام سے بھی پکارا کرتا تھا جو کہ اس کے آقا کے قبیلے کا نام تھا۔ اس نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ آقا کی نسبت کو بھی اپنے نام کے ساتھ جوڑ لیا۔ مملوک امرأ سیف الدین قطوزی کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے البتہ اس کی لیاقت و قابلیت کے معترف ضرور تھے۔

653ھ کے اواخر میں سلطان الملک المعز نے سیف الدین محمود قطوزی کی قابلیت و لیاقت کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے بیٹے کم سن نورالدین کا اتالیق مقرر کیا۔ سیف الدین محمود کو جب یہ منصب حاصل ہوا تو اس کے اختیارات کا دائرہ مزید وسیع ہوگیا۔ وہ کچھ عرصے پہلے تک محض ایک بے اختیار غلام ہوا کرتا تھا مگر اب وہ مصری و مملوک امرأ کے طبقے میں سب سے زیادہ باعزت و بااختیار شخص بن چکا تھا۔ اکثر مواقع پر امرأ کی جماعت بھی اس کی مدد حاصل کرنے پر مجبور ہو جایا کرتی تھی۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان صورت حال کو مکمل طور پر سمجھ چکا تھا کہ اسے سرائے سے باہر بھیجنے کا اصل سبب کیا تھا۔ وہ نورالدین کے گھر سے نکلنے کے بعد سیدھا زریں خیل منگولوں کے قاآن اعظم اور اپنے بڑے بھائی باتو خان کے پاس چلا آیا۔ باتو خان اسے سامنے دیکھ کر جہاں خوش ہوا تھا وہیں اس کے چہرے پر پریشانی بھی بکھر کر رہ گئی تھی۔ برقائی خان کا چہرہ ہر طرح کے تاثر سے عاری تھا۔

''میں آپ سے صرف یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ نے کس وجہ سے مجھے اتنی دور بھیجا تھا جبکہ وہاں آپ کے بیان کردہ حالات جیسی کوئی صورت حال نہیں تھی؟'' برقائی خان نے لب کشائی کی۔

''مجھے معلوم تھا تم آتے ہی پہلا سوال یہی کرو گے، مجھے تمہارے ساتھ روانہ کئے جانے والے امیر نے ساری صورت حال بتا دی ہے، میں اسے محض غلط فہمی کا نتیجہ قرار دوں گا کیونکہ جن مخبروں نے یہ اطلاعات فراہم کی ہیں، ان کو گرفتار کر کے چھان بین کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ ضرگامی باشندوں سے ذاتی عناد کے باعث ایسی خبریں دربار کو فراہم کرتے رہے ہیں تا کہ انہیں بغاوت پر آمادہ سمجھ کر ختم کر دیا جائے۔ میں نے حقیقت معلوم ہونے پر ضرگامی سردار کو اپنی غلط فہمی سے آگاہ کرتے ہوئے کچھ امداد بھی روانہ کی ہے''۔ باتو خان نے تفصیلاً اسے آگاہ کیا۔ برقائی خان نے اس کی بات پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''توتائی خان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اس معاملے کو دوبارہ کریدنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''بہرحال آپ نہ بھی بتائیں تو میں سمجھ چکا ہوں کہ اسے آپ کے اشارے پر ہلاک کیا گیا ہے اور اس کے قتل کا الزام اس کی بیٹی کے سر تھوپ کر اسے بھی ٹھکانے لگا دیا گیا ہے، مجھے یہاں سے نکلتے ہوئے کسی گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا''۔

''سب ویسا نہیں ہے، جیسا تم سمجھ رہے ہو، توتائی خان خفیہ طریقے سے زریں خیل سلطنت کو ایک بڑی

پریشانی سے دوچار کرنے کی سازش کر رہا تھا، اس نے کئی قبائل کو ساتھ ملا کر بغاوت پر اکسالیا تھا لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا تھا۔ رہا اس کی بیٹی کا تعلق تو میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اسے میرے اشارے پر گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ وہ از قاقی قبیلے کے سردار مانجی خان کو زخمی کر کے واپسی پر سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تھی“۔

”اس کی بیٹی کو ناحق کس جرم کی سزا دی گئی؟“

”اس کی بیٹی کو کوئی سزا نہیں دی گئی بلکہ اسے قبیلہ سرخ غر کی استدعا پر ان کے حوالے کر دیا گیا ہے، آج کل وہ وہاں سلامت اور خوش ہے“۔

”میری معلومات کے مطابق اسے اچانک کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ قبیلہ سرخ غر کے حوالے کر دی گئی“۔

”میں نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی غلط نہیں، البتہ طریقہ کار کچھ مختلف اختیار کیا گیا ہے۔ تمہیں اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس طرح کے چھوٹے موٹے قضیے تو چلتے رہتے ہیں“۔ باتو خان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”بہر حال آپ نے یہ اچھا نہیں کیا، میں تو نائی خان کے الزام کا جواب دینے کے لئے اس گمشدہ دوست کو ڈھونڈ لایا ہوں، میں اسے دربار میں ہی لاجواب کر دیتا، افسوس آپ نے کچھ جلدی کی“۔

”دیکھو برقائی خان!“ باتو خان تیز لہجے میں بولا۔ ”معاملہ اس مسلمان نوجوان کی حد سے بڑھ چکا تھا تم صیغہ مخبری سے ساری تفصیلات معلوم کر سکتے ہو۔ دوسرے میرا مشورہ ہے کہ تم اس مسلمان دوست سے دور رہو، کہیں وہ بھی تمہاری دوستی کی زد میں نہ آ جائے، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قاآن اعظم منگو خان کا رویہ مسلمانوں کے حق میں کچھ زیادہ اچھا نہیں“۔

”اس کی رفاقت کو تو میں چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ میں بھی مسلمان ہو چکا ہوں اور آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں“۔

باتو خان، اپنے بھائی کی بات سن کر دم بخود سا رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ تم نے کیا کیا برقائی خان......؟“ وہ تاسف کے عالم میں اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

”میں نے نہایت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے“۔

”تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے برقائی خان! میں اپنے باپ سے کئے گئے وعدے سے مجبور ہوں کہ ہر حالت میں اپنے بھائیوں کا خیال رکھوں گا ورنہ میں اسی وقت تمہارے قتل کا حکم جاری کر دیتا“۔

باتو خان غصہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے جو کرنا تھا کر دیا، اور آپ کو تنبیہ کر رہا ہوں کہ میرے فعل کی سزا اگر اس سلطنت کے ایک بھی مسلمان فرد کو دی گئی تو میں نافرمانی کرنے میں ذرا تساہل نہیں برتوں گا“۔

”تم میری نگاہوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ برقائی خان!“ باتو خان آگ بگولا ہو کر بولا۔ برقائی خان نے اپنے بھائی کو مزید طیش دلانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہاں سے نکل کر اپنے شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا، وہ آنے والے ان لمحات کا منتظر تھا جو کوئی بڑا طوفان لانے والے تھے۔

***

سلطان الملک المعز بلادِ مصر کے اندرونی انتظام سے فارغ ہوا تو اسے بلادِ شرقیہ و شام کی فکر لاحق ہوئی، وہ اس کے اقتدار سے پہلے قاہرہ کے اطاعت گزار تھے، امیر حلب و دمشق الملک الناصر سلطان صلاح الدین

یوسف نے ملکہ شجرۃ الدر کے دور میں خود مختاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی تھی، دو خونریز جنگوں کے بعد دربار خلافت نے ان دونوں کی حدود بھی متعین کر دی تھیں، سلطان الملک المعز اس کوشش میں تھا کہ کوئی ایسا جواز پیدا کیا جائے کہ سلطان الملک الناصر پر حملہ کیا جا سکے۔ سیف الدین محمود کے سامنے اس نے اپنی خواہش کا تذکرہ کیا تو اس نے الملک الناصر کے قریبی حریف سے تعلقات استوار کرنے کا مشورہ دیا۔ الملک الناصر کا دیرینہ اور قریبی حریف امیر موصل بدر الدین لولو تھا۔ یہ نصیر الدین زنگی کا غلام تھا، نصیر الدین زنگی نے امور حکومت اسے سونپ رکھے تھے۔ بدر الدین لولو اپنا دائرہ اقتدار بڑھانے کا خواہاں تھا، دوسرا کچھ امور پر اسے دربار خلافت سے بھی اختلاف تھا۔ وہ خلیفہ مستعصم باللہ سے عداوت رکھتا تھا، سلطان الملک المعز کو ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی، اس نے بدر الدین لولو کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور کچھ ہی عرصہ میں یہ دوستی رشتہ داری میں بدل گئی، امیر موصل نے اپنی بیٹی کی شادی سلطان الملک المعز سے کر دی، بڑی دھوم دھام سے شہزادی لولو قاہرہ پہنچی، اس شادی کا سب سے زیادہ دُکھ ملکہ شجرۃ الدر کو ہوا، اسے کچھ عرصے پہلے امور حکومت میں مداخلت سے منع کر دیا گیا تھا۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگی، اس نے سلطان کے ارادے جان کر اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ امیر موصل کے ساتھ مل کر وہ جس خواہش کی تکمیل چاہتا ہے وہ بدعہدی قرار پائے گی، دوسرا امیر موصل کے ساتھ تعلقات بڑھانے پر دربار خلافت کوئی سخت قدم اُٹھا سکتا ہے مگر اس نے ملکہ شجرۃ الدر کی بات پر کان دھرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ الٹا ملکہ شجرۃ الدر کو اس کی حدود کی یاد دہانی کرائی۔ ملکہ شجرۃ الدر اپنی ناقدری پر کٹ کر رہ گئی۔ سلطان الملک المعز کے خلاف مملوک امرا کی ایک جماعت نے سر اُٹھانے کی کوشش کی، وہ ملکہ شجرۃ الدر سے عقیدت رکھتے تھے مگر سلطان الملک المعز نے بے دریغ داد و دہش سے اس عقیدت کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ملکہ شجرۃ الدر کو امرا کو اپنی حمایت میں بھڑکانے کے جرم میں شاہی محل کے ایک کمرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ شاہی کنیزوں کو اس کے پاس آنے جانے کی اجازت تھی لیکن اس کے اپنے کمرے سے باہر نکلنے پر کڑی پابندی عائد تھی۔

***

گل وتوڑ سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ اس موقعے کو گنوانا مناسب نہیں۔ اسی لئے اس نے سفید کپڑا دروازے پر ٹانگ دیا تھا۔ وہ اپنے فرار کے لئے کچھ ضروری تیاریاں کرتی رہی، نصف شب کے وقت اس کے خیمے کے قریب حرکت کے آثار نمودار ہوئے تو وہ سنبھل کر بستر پر بیٹھ گئی۔ چند ساعتوں کے بعد خیمے کا کپڑا ہٹا اور گہنانم اندر داخل ہوئی، اس نے اپنا چہرہ ایک بڑے کپڑے سے چھپا رکھا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی، خیمے میں دیئے کی لو روشن تھی۔

”تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے گل وتوڑ! باہر شکنان موجود ہے، تم میرے ساتھ آؤ، قبیلے کے لوگ بے خبر ہیں، ہم بآسانی نکل جائیں گے اور باہر موسم میں خنکی زیادہ ہے لہٰذا بستر کی چادر ہی لپیٹ لو“۔ گہنانم سرگوشی نما لہجے میں بول رہی تھی۔

”تم میری چیز لائی ہو؟“ گل وتوڑ نے پوچھا۔

”ہاں! یہ لو“۔ گہنانم نے اپنے لبادے میں سے ایک لمبے پھل والا خنجر نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

گل وتوڑ نے خنجر لے کر اپنے کمر بند میں اڑس لیا اور جسم کے گرد بستر کی چادر لپیٹ کر اس کے ہمراہ خیمے سے باہر نکل آئی۔ باہر تاریکی چھائی ہوئی تھی، شکنان نے شاید مشعلوں کو بھی گل کر دیا تھا۔ گہنانم نے شکنان کے قریب پہنچ کر اسے ٹھوکا مار کر اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولا بلکہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں ایک جانب

بڑھنے کی ہدایت کی، وہ آگے آگے چل رہا تھا جبکہ وہ دونوں اس کے تعاقب میں تھیں، گل وقوژ پوری طرح چوکنا تھی اسے بار بار یہ خدشہ تنگ کر رہا تھا کہ کہیں یہ سب کسی سازش کا حصہ نہ ہو۔ تھوڑی دیر میں وہ بستی سے باہر نکل آئے، باہر پہنچ کر شکنان نے لب کشائی کی اور گہنانم کو کہا کہ وہ گل وقوژ سے معلوم کرے کہ اب ہمیں کس جانب چلنا چاہیے۔ گل وقوژ سرائے کی جانب جانے کا ارادہ کئے ہوئے تھی مگر وہاں اسے کوئی تحفظ نہیں مل سکتا تھا لہٰذا اس نے سرائے سے مخالف سمت میں چلنے کا اشارہ کیا، یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں پہنچ جائے گی البتہ اسے اتنا اندازہ تھا کہ وہ اسی سمت میں سفر کرتی ہوئی منگولوں کی سرزمین سے دور نکل جائے گی۔ شکنان نے مطلوبہ سمت کا اشارہ پا کر پیدل ہی سفر شروع کیا۔ وہ تینوں تیز قدموں سے بستی سے دور ہوتے جا رہے تھے، گل وقوژ دھڑکتے ہوئے دل سے چلتی رہی، اس کے خدشات وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ معدوم پڑنے لگے۔ رات کا تمام حصہ اسی سفر میں بیت گیا، صبح کا اجالا انہیں سرخ غر کی بستی سے کافی دور لے آیا تھا مگر وہ ابھی بھی ان کی رسائی کی حد میں موجود تھے۔ صبح کے وقت گہنانم نے مزید چلنے سے انکار کر دیا، وہ نیند اور تکان کے غلبے سے بے حال ہو رہی تھی جبکہ شکنان کا چہرہ تکان کے آثار سے پاک تھا۔ گل وقوژ بھی نیند کے غلبے میں تھی مگر وہ اندیشوں میں گھری نیند کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شکنان گہنانم کے آگے بے بس سا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ایک چھوٹا سا غار تلاش کر کے وہیں کچھ دیر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ شکنان اس دوران جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر لایا۔ لکڑیاں گیلی تھیں مگر شکنان نے انہیں بہت جلد ہی سلگا لیا تھا، لکڑیوں کی آگ سے غار میں گرمی پیدا ہونے لگی، گہنانم تو غار میں داخل ہوتے ہی لیٹ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے خراٹے غار میں گونجنے لگے جبکہ گل وقوژ آگ کے قریب بیٹھی رہی، شکنان غار کے دروازے پر موجود رہا تا کہ باہر کی نگرانی کر سکے۔ گل وقوژ نے شکنان کی صورت صبح کے اجالے میں پہلی بار دیکھی تھی، وہ صورت سے منگول نہیں دکھائی دیتا تھا بلکہ اس کے نقوش مطیع الدین سے ملتے جلتے تھے، گل وقوژ نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ کسی مسلمان کی اولاد ہے جو سرخ غر کے ہاتھ لگی ہے۔ گل وقوژ سونا نہیں چاہتی تھی مگر نیند کے غلبے کے آگے اس کا بس نہیں چل سکا اور وہ نیند کی گہرائیوں میں ڈوب گئی۔

جانے وہ کب تک سوتی رہی تھی، اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا جسم کے سرد پڑنے پر اس کی آنکھ کھلی، وہ ابھی تک غار میں ہی موجود تھی، پورا غار تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ رات جلائی گئی آگ بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے گہنانم کو آواز دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے تیزی سے اپنی کمر پر ہاتھ مارا تو وہاں اڑسے ہوئے خنجر کو موجود پایا۔ اس نے چادر کو اچھی طرح سے جسم پر لپیٹا اور ادھر اُدھر ٹٹول کر غار کا جائزہ لینے لگی۔ تھوڑی دیر میں اس کا خیال حقیقت میں بدل گیا کہ غار میں اب کوئی موجود نہیں تھا۔ گہنانم اور شکنان اسے تنہا چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں باہر سے غار کا منہ تو بند نہیں کر دیا گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر تاریکی اس قدر گہری تھی کہ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی غار کے منہ کی جانب بڑھنے لگی جہاں اسے تاریکی ہی تاریکی دکھائی دے رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

ملکہ شجرۃ الدر نے نظر بندی کے دوران اپنی کنیزوں میں سے ایک کو فارس الدین اقطائی کے پاس روانہ کیا کہ وہ چپکے سے اسے حقیقت حال بتائے اور ملاقات کا پیغام دے۔ فارس الدین اقطائی مملوک امراء میں سب سے ممتاز اور با اختیار فرد تھا۔ وہ ملکہ شجرۃ الدر کی بے حد عزت کرتا تھا اور اس کی لیاقت و فراست کا تہہ دل سے

قائل تھا۔ اسے جب ملکہ شجرۃ الدر کا حال معلوم ہوا تو اسے بڑا دکھ ہوا، وہ سلطان الملک المعز کے پاس آیا اور دبے الفاظ میں ملکہ شجرۃ الدر کی بے حرمتی کا شکوہ کیا۔ سلطان الملک المعز نئی ملکہ لولو کا دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس نے فارس الدین اقطائی کے سامنے ملکہ شجرۃ الدر کے عیوب کا دفتر کھول دیا۔ فارس الدین اقطائی نے ہر چند کوشش کی کہ سلطان الملک المعز ذہین ملکہ سے بے اعتنائی نہ برتے مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ فارس الدین اقطائی نے ایک دن موقع محل دیکھ کر شاہی محل کی راہ لی اور خفیہ راستے سے ملکہ شجرۃ الذر کے پاس پہنچا۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اسے سامنے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ احوال و شکایات کے سلسلے کے بعد ملکہ شجرۃ الدر اپنے مقصد پر آ گئی جس کے لئے اس نے فارس الدین اقطائی کو بلوایا تھا۔

''اقطائی! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے''۔

''میں ملکہ عالیہ کا ہر حکم بجا لانے کو تیار ہوں، آپ بلا خوف کہیے''۔

''جاشنگیر ایبک کے رویئے نے مجھے بے حد صدمہ پہنچایا ہے لہٰذا میں نے طے کیا ہے کہ اُسے اس کے کئے کی سزا دی جائے، اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد درکار ہے''۔

''اگر ملکہ عالیہ کا اشارہ اس کے قتل کی جانب ہے تو میں اس سلسلے میں مدد سے معذرت چاہوں گا بلکہ ملکہ کو توران شاہ کے قتل پر کہے جانے والے الفاظ یاد دلانے کی جرأت کروں گا''۔

''تم میری مدد کو غلط رنگ نہ دو، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ توران شاہ کے قتل پر میں نے کیا کہا تھا۔ میں تم سے صرف تھوڑی سی مدد کی طالب ہوں، اس میں صرف سزا مقصود ہے نا کہ قتل......''

''میں ملکہ عالیہ کی ہر جائز مدد کرنے کو تیار ہوں''۔ فارس الدین اقطائی نے حامی بھری۔

''مجھے جاشنگیر ایبک کے کچھ معمولات سے آگاہی درکار ہے، مجھے امید ہے کہ تم مجھے وہ فراہم کر دو گے''۔

''کیسے معمولات؟...... میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''یہی کہ سلطان، سونے کے لئے کب جاتا ہے، غسل کے اوقات کیا ہیں، کھانا کس ساعت میں کھاتا ہے، اور یہ کہ تمام معمولات میں کون سے مقامات استعمال کئے جاتے ہیں''۔

''یہ سب تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے، میں کیسے یہ سب معلوم کر سکتا ہوں؟'' فارس الدین اقطائی حیرانگی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا، وہ ملکہ شجرۃ الدر کا ارادہ نہیں سمجھ پایا تھا۔

''مجھے جب معلوم تھے تب تھے، اب کے معمولات کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے ان کی خبر درکار ہے، کیا تم یہ کر سکتے ہو؟''

''محل کے اندر کے معمولات تو ممکن نہیں البتہ باہر کے معمولات سے آگاہ کرتا رہوں گا، یہ وعدہ کرتا ہوں''۔ فارس الدین اقطائی بولا۔

''مجھے تم سے یہی امید تھی''۔

''میں ابھی تک آپ کا مقصد نہیں سمجھ پایا''۔

''وقت آنے پر سمجھ جاؤ گے، تم اب جا سکتے ہو''۔ ملکہ شجرۃ الدر نے اسے رخصت کیا، اس کے جانے کے بعد ملکہ شجرۃ الدر کے چہرے پر بشاشت سی پھیل گئی۔ وہ جو کرنا چاہتی تھی کہ اس کا ایک مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ وہ اب تیزی سے دوسرے مرحلے کی جانب بڑھنے کا سوچ رہی تھی۔ وہ سلطان الملک المعز کو ایسی سزا دینا چاہتی تھی کہ وہ نہ جی سکے اور نہ ہی مر سکے۔ یہ ملکہ شجرۃ الدر کا انوکھا انتقام تھا جو تاریخ کے اوراق پر ایک نئی روایت ثبت

کرنے والا تھا۔

❁ ❁ ❁

کئی دن گذر چکے تھے مطیع الدین کی ملاقات برقائی خان سے نہیں ہو پائی تھی۔ وہ سرائے واپس لوٹنے کے بعد برقائی خان کے بیان کردہ خدشے کے سلسلے میں کافی پریشان تھا۔ تونائی خان کے پراسرار قتل کے باعث وہ ایک بار بھی اس کے گھر کی حدود میں داخل نہیں ہو پایا۔ گل دتوژ کی گمشدگی بھی حیرت سے کم نہیں تھی۔ اس نے اپنے تئیں گل دتوژ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی مگر سب بھاگ دوڑ لاحاصل رہی۔ گل دتوژ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا، تونائی خان کے گھر میں چھائی ہوئی اطمینان کی فضا اُسے بار بار کھٹک رہی تھی۔ اسے اس امر پر حیرت تھی کہ تونائی خان کی بیٹی کو سر بازار کچھ لوگوں نے اغوا کرلیا اور اس کے بھائیوں اور ماں کو اس بارے میں ذرا بھر بھی پرواہ نہیں تھی۔ کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا ضرور تھا۔ اس نے اپنی جستجو کو تیز تر کردیا۔ اس کے ذہن میں مبہم سا خیال یہ بھی پیدا ہوا کہ ان لوگوں نے اغوا کا ڈرامہ رچا کر خود اسے کہیں چھپا رکھا ہے۔ وہ گل دتوژ کے بارے میں جاننے کے لئے ایک دفعہ اس کے گھر میں سابقہ انداز میں داخل ہوا مگر اسے اس بارے میں کوئی بات معلوم نہ ہوسکی۔ اس نے کھوج لگانے کی خاطر تونائی خان کے پرانے ملازم یاغی سے تعلقات بڑھائے۔ وہ اکثر بیشتر اس کے ساتھ رہتا اور مختلف امور پر گپ شپ لگاتا۔ یاغی اپنے مالک کے قتل کے بعد ٹوٹ سا گیا تھا۔ تونائی خان کے بیٹوں نے بھی اسے بوڑھا جان کر نظر انداز کردیا تھا۔ ان کی بے مروتی اور بے اعتنائی نے اسے مزید دل شکستہ کر ڈالا۔ مطیع الدین کے ساتھ گفتگو کرنے سے اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ وہ ترنگ میں آکر اپنے مالک کے بے شمار واقعات سناتا۔ مطیع الدین اس کی باتوں سے کبھی کبھی اکتا بھی جاتا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری کیونکہ وہ اس سے گل دتوژ کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ براہِ راست صرف اس لئے نہیں پوچھنا چاہتا تھا کہ یاغی کسی شک میں مبتلا ہوکر اس کی رفاقت کو ترک نہ کردے۔

ایک دن یاغی شام کے وقت مطیع الدین کے پاس چلا آیا۔ اس دن اس کی حالت کافی خراب تھی۔ مطیع الدین اس کا چہرہ دیکھ کر پریشان سا ہوگیا۔ یاغی کی آنکھیں بے حد سرخ ہورہی تھیں۔ سارا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ سرائے شہر دنیا کے اس خطے پر واقع تھا جہاں گرمی کبھی کبھار ہی آیا کرتی تھی۔ سرد علاقے میں پسینے کو دیکھ کر مطیع الدین کافی حیران بھی ہوا۔ یاغی کا ستا ہوا چہرہ کچھ دیر کے بعد بحال ہوا تو مطیع الدین نے اس کی متغیر حالت کی وجہ دریافت کی۔

''جاودانی آسمان کی قسم!'' یاغی گہری سانس لے کر بولا۔ ''میرا آقا بڑا سخت گیر اور جلد برہم ہوجانے والا شخص تھا مگر اس نے بھی کبھی میرے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کی جیسی آج میرے ساتھ ہوئی ہے''۔ مطیع الدین کو اس کے بولنے کے انداز سے معلوم ہوگیا کہ وہ آج شراب پیے ہوئے ہے۔

یاغی کچھ دیر تک خاموش رہا اور خود ہی بولا۔ ''اوطائی خان مجھے ناکارہ اور اناج پر بوجھ قرار دیتا ہے، بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ یہ سامانِ عیش و عشرت کہاں سے آیا ہے؟ تونائی خان کو اس کے باپ نے ترکے میں صرف غریبی دی تھی۔ یہ شان و شوکت اسے میری بدولت ملی ہے۔ میں نے اسے جگہ جگہ مشورے دیئے، میری رہنمائی سے وہ بڑے قاآن کے پاس گیا تھا۔ میری ذہانت اس کی کامرانی کے پیچھے کارفرما تھی۔ وہ برقائی خان کو ذلیل کرنا چاہتا تھا تو میں نے ہی اسے راہ سجھائی تھی۔ وہ گل دتوژ کو اس مسلمان کے چنگل سے چھڑانا چاہتا تھا تو بھی میرے ہی مشورے اس کے کام آئے تھے''۔

مطیع الدین اس کی بات پر چونک پڑا۔ برقائی خان اور گل دتوژ کے ناموں نے اس کا پورا وجود ہلا ڈالا

تھا۔ وہ بے تابی سے بولا۔ ''برقائی خان نے تمہارے آقا کا کیا بگاڑا تھا؟''

''برقائی خان!'' وہ پھنکار کر بولا۔ ''اس نے میرے مالک کی سر دربار بے عزتی کی اور گل دتوژ کو مجرم ٹھہرایا کہ اس کے باعث اس کا دوست کسی مشکل کا شکار ہوچکا ہے۔ تونائی خان سر دربار اپنی بے عزتی پر تلملا گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ برقائی خان کو کسی ایسے جال میں پھنسائے کہ باتو خان بھی چوکڑی بھول جائے۔ وہ شاہی خاندان کو تباہ و برباد کردینا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے وہ خود باتو خان کا شکار بن گیا''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں! میں نے تو سنا ہے کہ تمہارے مالک کو گل دتوژ نے قتل کیا تھا''۔

''یہ سب جھوٹ ہے، تونائی خان کی قاتل اس کی بیٹی ہوتی تو اب تک موت کے گھاٹ اتار دی گئی ہوتی، اسے یوں پراسرار انداز میں قبیلہ سرخ غر میں غائب نہ کردیا جاتا۔ باتو خان نے ہی تونائی خان کو قتل کرایا تھا اور خاموشی کی قیمت بھی چکادی تھی۔ گل دتوژ اسی کی مرضی سے غائب کی گئی تھی۔ بھلا تم خود سوچو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوتوال کے ہاتھوں سے مجرم چھین لیا جائے اور چھیننے والے کا نشان بھی نہ مل سکے''۔

مطیع الدین کا چہرہ فرطِ جوش سے سرخ ہورہا تھا۔ جو سوال اسے کئی دنوں سے ستا رہا تھا، وہ خود بخود اس کے سامنے جواب بن کر آگیا تھا۔ مطیع الدین نے ذرا کھل کر اس موضوع پر بات شروع کردی۔ کچھ ہی دیر میں اسے یاغی کے منہ سے قبیلہ سرخ سے تونائی خان کی رشتہ داری اور گل دتوژ کا منگ آنہ کی تحویل میں ہونے کا حال معلوم ہوگیا۔ یاغی کافی دیر تک شراب کے نشے میں بہکا بولتا رہا۔ جب اس کی ہمت جواب دی گئی تو اس کا سر ایک جانب ڈھلک گیا۔ وہ نشے کے باعث بے ہوش ہوچکا تھا۔ مطیع الدین نے اسے سیدھا کرکے بستر پر لٹا دیا۔ اس کا باپ شیخ نورالدین اس دن گھر میں نہیں تھا ورنہ شاید وہ یاغی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہ دیتا۔ شیخ نورالدین شراب اور شرابی دونوں سے دور بھاگتا تھا۔ یاغی کے ذہن پر شراب اور صدمے کا ایسا گہرا اثر ہوا تھا کہ وہ بہت سی ایسی باتیں مطیع الدین سے کہہ گیا جنہیں عالم ہوش میں وہ شاید کبھی زبان پر نہ لاتا۔ اس نے بڑی سوچ و بچار کے بعد یاغی کو ہی استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یاغی کا بڑھاپا اور کمزور قوتِ ارادی ہی اس کے کام آئی۔ وہ اب قبیلہ سرخ غر کی جانب روانگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ وہی قبیلہ تھا جہاں وہ ایک بار پہلے بھی ایک قیدی کی حیثیت سے پہنچا تھا اور وہ لوگ اس کی موت کا فیصلہ کرچکے تھے مگر تقدیر کے پلٹے نے اسے نہ صرف ان کے چنگل سے بچالیا بلکہ ایک طویل عرصے کے لئے ویرانوں کی جانب دھکیل دیا تھا۔ ایک بار پھر اسی منزل کی جانب سفر کی خواہش سر اُٹھا رہی تھی۔ پہلی بار تو وہ غفلت کے عالم میں وہاں پہنچا تھا مگر اب وہ پوری تیاری سے وہاں جانا چاہتا تھا۔ قبیلہ سرخ غر کا کچھ قرض باقی تھا جو اسے چکانا بھی تھا۔

❁ ❁ ❁

سلطان الملک المعز نے حاجب کا عہدہ مصری امیر فخرالدین کو دیا تھا۔ یہ عہدہ نہایت کلیدی اہمیت کا حامل تھا۔ سلطان تک براہِ راست رسائی حاجب کو حاصل تھی۔ اس کے علاوہ بہت سارے معاملات میں حاجب خود مختار ہوتا۔ یہ ایک طرح کی وزارتِ اعلیٰ تھی اس عہدے پر خصوصاً مصری امیر کی تقرری اس بات کا بین ثبوت تھی کہ سلطان الملک المعز یک لخت عنانِ اقتدار کا رخ ممالیک کی جانب نہیں موڑنا چاہتا تھا۔ مصری رعایا کو سلطان صلاح الدین ایوبی سے بڑی محبت تھی اور وہ یقین رکھتے تھے کہ مصر کی حفاظت اس کے خاندان کے علاوہ کوئی اور نہیں کر پائے گا۔ سلطان الملک المعز کے اقتدار سنبھالنے پر بھی بڑا شور اُٹھا تھا مگر سلطان الملک المعز کی سخاوت، داد و دہش اور مصری امیر فخرالدین کے تقرر نے اس شور و غلغلے کو کافی حد تک دبا دیا تھا۔ امیر فخرالدین نے اپنے ہم قوم لوگوں پر بے شمار عنایات کرتے ہوئے اپنی جگہ بنالی تھی۔

حاجب امیر فخر الدین نے اپنی بڑائی اور شہرت کی خاطر جامع مسجد عمرو بن عاصؓ کے سامنے ایک بڑا بالا خانہ بنوایا۔ اس بالا خانہ کی تعمیر کے بعد اس نے باقاعدہ اس جگہ کو اپنا دفتر قرار دیا۔ اس بالا خانے میں کسی بھی وقت کسی کی بھی آمد ورفت پر کوئی پابندی نہیں تھی، اس لئے وقت بے وقت لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر یہاں جمع ہوتے۔ بسا اوقات حاجب دیگر معاملات کے باعث وہاں پہنچ نہ پاتا تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے انتظار میں جمع ہو جاتی۔ جامع عمرو بن عاصؓ میں نمازیوں کو اس مجمع سے تکلیف پہنچی تو انہوں نے امیر فخر الدین سے شکایت کی کہ مسجد کے باہر لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو کر اتنا شور وغل مچاتے ہیں کہ نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ امیر فخر الدین نے اس معاملے پر توجہ کرتے ہوئے وہاں ایک بڑا طبل نصب کروا دیا۔ تمام لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ: جب تک نوبت کی آواز نہ سن لیں وہاں کا قصد نہ کریں۔ نوبت کی آواز دراصل امیر فخر الدین کی آمد کی علامت تھی۔ یہ سلسلہ دو چار روز تک ہی جاری رہا کہ نمازیوں کو شور وغل سے زیادہ طاقتور نوبت کی آواز نے عاجز کر دیا۔ حاجب امیر فخر الدین دن کے مختلف اوقات میں وہاں پہنچتے اور پھر کچھ دیر تک نوبت بجائی جاتی۔ نمازیوں نے جمع ہو کر اس امر کے خلاف قاضی القضاۃ کے پاس مقدمہ درج کرا دیا۔ قاضی القضاۃ کے عہدے پر شیخ عز الدینؒ بن سلام دمشقی فائز تھے۔ انہوں نے بڑے تحمل سے تمام واقعہ سنا اور اس کے بعد اس نوبت کو اسی وقت توڑنے کا فیصلہ سنا دیا۔ کوتوال شہر کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس نوبت کو توڑنے کے لئے سپاہی ساتھ لے کر جائے اور جو کوئی مداخلت کرے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ حاجب امیر فخر الدین کو آمرانہ روش کے اختیار کرنے پر انہوں نے ناقابل شہادت قرار دیا۔ یہ اپنے وقت کا بہت بڑا فتویٰ تھا کہ کسی شخص کے احکام واقوال کو ناقابل اعتبار قرار دے دیا جائے۔ یہ فیصلہ سنانے پر کئی امرأ نے انہیں کڑے انجام سے ڈرانا چاہا مگر انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔ وہ کچھ دیر تک دوسرے امور میں مصروف رہے۔ جب فراغت ہوئی تو کئی احباب نے فیصلے کے پہلے حصے کو برقرار رکھنے اور دوسرے کو متردک قرار دینے کی سفارش کی مگر انہوں نے اس جانب توجہ نہیں دی۔ احباب کے بار بار تنگ کرنے پر شیخ عز الدینؒ نے محسوس کیا کہ وہ فرائض منصبی کو بھرپور انداز میں ادا نہیں کر سکیں گے اور امیر فخر الدین بھی ان پر دباؤ ڈالے گا لہٰذا انہوں نے چند ساعتوں میں فیصلہ کرتے ہوئے عدالت کے آخری وقت میں اپنے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور گھر کی جانب چلے گئے۔

امیر فخر الدین کو جب اس بابت معلوم ہوا تو وہ تلملا اُٹھا۔ اسے نوبت کی کوئی پرواہ نہیں تھی مگر خود کو ساقط شہادت قرار دیئے جانے پر بے حد غصہ تھا۔ اس نے فوراً شیخ عز الدینؒ کو حاضر کرنے کا حکم جاری کیا مگر جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدے سے استعفیٰ دے کر گھر لوٹ گئے ہیں تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ یہ خبر اتنی تیزی سے پھیلی کہ شام ہونے سے پہلے ہی سلطان الملک المعز تک جا پہنچی۔ اُسے جب تمام معاملہ کا علم ہوا تو وہ خود ننگے پاؤں بھاگتا ہوا شیخ عز الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

الملک الصالح سلطان نجم الدین ایوب کے تربیت یافتہ ممالیک پر شیخ عز الدینؒ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ وہ انہیں ذرا سی تکلیف پہنچنے پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے تھے۔ ممالیک انہیں اپنا مذہبی رہنما قرار دیتے تھے۔ شیخ عز الدینؒ کے پاس رات کی مجالس میں کئی بڑے مملوک امرأ حاضری دیا کرتے تھے ان میں بیبرس بندقداری بھی شامل تھا۔ بیبرس نے یوں تو فقہ وحدیث کی کافی تعلیم حاصل کر رکھی تھی مگر اسے صحیح معنوں میں نکھارنے اور سنوارنے میں شیخ عز الدینؒ کا بڑا ہاتھ تھا۔

سلطان الملک المعز نے شیخ عز الدینؒ کے پاس پہنچ کر حاجب کے بارے میں اپنی اس غفلت پر معذرت کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے استعفیٰ کو واپس لے کر منصب قاضی القضاۃ پر قائم رہیں۔ شیخ عز الدینؒ

نے اپنے احکامات کی عدم بجا آوری کا عذر پیش کیا تو وہ خود جامع عمرو بن عاصؓ پہنچا اور امیر فخر الدین کے بالا خانے میں موجود اس نوبت کو گرانے میں بطور مزدور شامل ہوا۔ حاجب امیر فخر الدین کو جب سلطان الملک المعز کے اس فعل کی خبر ہوئی تو اسے اپنا عہدہ ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ اپنے گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا نوبت کے گرائے جانے کے بعد سلطان الملک المعز مٹی سے اَٹے ہوئے کپڑوں میں شیخ عز الدینؒ کی خدمت میں پہنچا اور ان کے حکم کی بجا آوری کی خبر دی۔ شیخ عز الدینؒ اس کی حالت دیکھ کر مجبور ہو گئے کہ منصب قاضی القضاۃ دوبارہ قبول کر لیں۔ اس واقعے کی خبر اتنی پھیلی کہ وہ بغداد جا پہنچی۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے اس واقعے کو سننے کے بعد شیخ عز الدینؒ کی جرأت مندی کو سراہا۔

سلطان الملک المعز نے حاجب امیر فخر الدین کو محض متنبہ کرنا مناسب خیال کیا۔ کچھ دنوں کے بعد امیر فخر الدین کو چند پیغامات امیر المومنین تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس نے قاصد کو بلوایا اور اسے سلطان الملک المعز کے پیغام بتا کر بغداد روانہ کر دیا۔ قاصد کئی دن کی مسافت کے بعد بغداد پہنچا اور خلیفہ مستعصم باللہ کی خدمت میں پیش ہو کر سلطان الملک المعز کا پیغام سنایا۔ امیر المومنین نے بڑے تحمل سے تمام پیغام سنا اور یہ دریافت کیا کہ یہ پیغام تم نے سلطان الملک المعز کے منہ سے سنا ہے یا کسی اور سے؟ قاصد نے سادگی میں جواب دیا کہ اس نے یہ پیغام امیر فخر الدین کے منہ سے سنا ہے۔ امیر المومنین نے یہ سن کر جواب میں صرف یہ کہا کہ حاجب موصوف کو شیخ عز الدینؒ نے ساقط الاعتبار قرار دے رکھا ہے لہٰذا تم واپس جاؤ اور سلطان کے منہ سے یہ پیغام سن کر ہمارے پاس آؤ تا کہ اس کی تعمیل کرائی جا سکے۔ ہم کسی ایسے شخص کے کلمات پر یقین نہیں کر سکتے جو ناقابل شہادت ہو۔ قاصد یہ سن کر واپس لوٹا اور امیر فخر الدین کے پاس پہنچ کر سارا معاملہ بیان کر دیا۔ اتفاق سے اسی لمحے سلطان الملک المعز بھی اس جانب آنکلا اور سفیر کی صورت دیکھ کر جواب طلب کیا۔ امیر فخر الدین شرم کے مارے گردن جھکائے بیٹھا رہا تو سلطان الملک المعز نے سفیر سے براہ راست پوچھا۔ اس نے حقیقت کھول دی تو سلطان الملک المعز نے وہ پیغام دوبارہ اسے دیا اور بغداد جانے کی ہدایت کی۔ حاجب امیر فخر الدین کے لئے اس سے بڑھ کر ذلت کا مقام کیا ہو سکتا تھا اس نے عہدہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے استعفیٰ کو سلطان الملک المعز نے بلا تکلف قبول کر لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

اردوئے زریں کے قاآن اعظم باتو خان نے ایک دن برقائی خان کو اپنے پاس طلب کیا۔ برقائی خان کے اسلام قبول کرنے کی خبر پا کر وہ گہرے صدمے سے دوچار ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ اسے قتل کرنے کا حکم جاری کر دیتا مگر اپنے باپ توشی خان کو دیئے گئے عہد اور دادا چنگیز خان کے مروج یساق کو دیئے گئے حلف نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ یساق دستور العمل کی ایک کتاب تھی جسے منگولوں میں مذہبی کتاب کی سی حیثیت حاصل تھی۔ یساق کو چنگیز خان نے خود مرتب کیا تھا۔ علامہ ابن مقریزی اپنی کتاب ''والحفظ والآثار'' میں لکھتے ہیں کہ یساق کا ایک نسخہ بغداد کے مدرسہ مستنصریہ میں محفوظ تھا جسے انہوں نے خود ملاحظہ کیا ہے۔

باتو خان اپنے تئیں یہ قسم کھا چکا تھا کہ برقائی خان کی صورت کبھی نہیں دیکھے گا مگر جشن قرولتائی کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ بڑے قاآن منگو خان نے تمام بھائیوں اور عزیزوں کو اس میں شمولیت کی ہدایت جاری کی تو وہ برقائی خان کو مطلع کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جشن قرولتائی میں بڑے قاآن منگو خان کے سامنے تمام عمال پیش ہوتے اور اپنی اپنی کارکردگی کا خلاصہ پیش کرتے تھے۔ اسی اجلاس میں کئی اہم امور کے فیصلے بھی کئے جاتے تھے۔ قرولتائی کا اجلاس یوں تو منگولوں میں بہت پہلے سے رائج تھا مگر چنگیز خان نے تاتاریوں اور منگولوں کے باہمی

اتحاد کے بعد اس کی نئی حدود مقرر کر دی تھیں۔ جشن قرولتائی ایک طرح سے باہمی ربط قائم رکھنے کی روایت تھی۔

برقائی خان اپنے بھائی باتو خان کے مزاج سے خوب واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ بار بار اس کے سامنے جائے گا تو اس کا غصہ بھڑک اُٹھے گا۔ اس کے غصے کو ٹھنڈا ہونے تک اسے اپنے محل میں رہ کر انتظار کرنا تھا۔ وہ محل سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا کیونکہ اگر اس کی غیر موجودگی میں باتو خاں کی جانب سے کوئی بلاوا آ گیا تو قاصد اسے نہ پا کر باتو خان کو غیر موجودگی کی خبر کرے گا۔ یہ ایک ایسا عمل ثابت ہو سکتا تھا جس سے وہ بگڑ جاتا اور اس فعل کو سرکشی قیاس کرتا۔ برقائی خان کی اپنے محل میں قید رہنے کی یہی ایک بڑی وجہ تھی۔ وہ باہر کی دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس گوشہ تنہائی میں خود کو مصروف رکھنے کے لئے اسلام کی تعلیمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک مسلمان عالم کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا جو تمام دن مختلف پہلوؤں پر اس سے گفتگو کیا کرتا۔ چند دن میں برقائی خان نماز سیکھ گیا اور پانچوں اوقات کی نماز ادا کرنے لگا۔ وہ بڑی محنت سے قرآن پڑھنا بھی سیکھ رہا تھا مسلمان عالم اس کی لگن اور انہماک سے جہاں متحیر تھا وہیں اسے یہ خوشی بھی تھی کہ اس کے ہاتھوں ایک سورج پرست سچا مسلمان بن رہا ہے۔ برقائی خان کی تنہائی نے اسے اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ فراہم کیا تھا وہ تعلیمات اسلامیہ کے علاوہ مسلمان خلفاء اور اصحاب رسول ﷺ کے احوال و واقعات بھی بڑے غور سے سنتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم تھی کہ اس نے اس قوم پر اپنی نظر کی تھی جس نے مسالک کے بکھیڑوں میں اُلجھے اور بگڑے ہوئے مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنا کر عبرت اور ہیبت کی فضا گرم کی تھی۔ یہ لوگ سورج پرست تھے مگر وقت انہیں ہدایت کی جانب موڑ رہا تھا۔ برقائی خان پہلا منگول تھا جس کا تعلق براہ راست شاہی خاندان سے تھا اور وہ دائرہ اسلام کی پناہ میں آ چکا تھا۔ اس نے تعلیمات حاصل کرنے کے لئے کسی ایک فرد پر تکیہ نہیں کیا بلکہ کئی مسلمان اس کے محل میں اس سلسلے میں آنے لگے جو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اسے بتاتے رہتے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اسلام کے مبلغین اس جانب آنے کا قصد تو ضرور کرتے تھے مگر دشوار اور غیر محفوظ راستوں کے باعث منزل تک نہ پہنچ پاتے۔ اردوئے زریں کی سرحدوں کے ساتھ ایل خانی منگولوں کی حکومت موجود تھی جس کی سرحدیں عراق سے ملتی تھی۔ فارس، خوارزم شاہیہ، افغانستان، اور ترک علاقے اس میں شامل تھے ایل خانی منگول چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کی اولاد تھے۔ چنگیز خان کی وفات کے بعد اوکتائی خان منگولوں کا حکمران بنا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا تویوق خان حکمران ہوا۔ تویوق کی اچانک موت کے بعد ترکینہ خاتون نے حکومت کی۔ بعد میں قرولتائی کے مشترکہ اجلاس میں چنگیز خان کے چھوٹے بیٹے تولی خان کی اولاد کو حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ تولی خان کا بڑا بیٹا منگو خان اپنے باپ کے بعد اب بڑے قاآن کا تخت سنبھالے ہوئے تھا۔ منگو خان کے پاس جو علاقے تھے ان میں تاتار اور منگولیا نہ شامل تھے جن کی سرحدیں روس اور چین کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی ہلاؤ خان بلاد فارس پر قاآن مقرر تھا۔ اسی کی سلطنت اردوئے زریں کے ساتھ لگتی تھی۔ باتو خان چچا زاد بھائی ہونے کے حوالے سے ہلاؤ خان کو عزیز رکھتا تھا۔ ہلاؤ خان دولت و جاہ کا بے حد حریص تھا۔ اس کے گرد ایسے لوگ جمع رہتے تھے جو اس کی خوشامد میں جتے رہتے دولت کی بے جا ہوس نے اسے خود سر اور مغرور بنا دیا تھا۔ درباری امیر اپنے قاآن کی خواہش کی بجا آوری کے لئے رعایا پر ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ قافلوں کو لوٹ لینا ان کا مرغوب مشغلہ تھا مسلمان حاجیوں کے قافلوں کو نشانہ بنانا وہ اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ ہلاؤ خان کے دربار میں منگول امرأ کے علاوہ مسلمان اور عیسائی امرأ بھی شامل تھے۔ چنگیز خان کا غصہ اور مسلمانوں سے نفرت اس کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ وہ اپنے دربار میں مسلمانوں کی نسبت عیسائیوں کو زیادہ ترجیح دیتا۔

اس سب بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ اردوئے زریں کی جانب مسلمان مبلغین کو آنے کے لئے ہلاؤ خان کے

ملک میں سے گذرنا پڑتا تھا۔ چنگیز خان اور اوکتائی خان کے دور میں جو مسلمان یہاں پہنچ گئے تھے۔ وہی اس سلطنت کا حصہ تھے۔ ان کے پاس دین تعلیم کا فقدان تھا۔ ان میں کوئی کامل نہیں تھا جسے خاص شہرت حاصل ہوتی۔ برقائی خان نے شیخ نجد دیؒ کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر وہ یوں پوشیدہ ہو چکے تھے جیسے وہ اس جانب کبھی آئے ہی نہ ہوں۔ برقائی خان نے شیخ نورالدین سے تھوڑی بہت تعلیمات حاصل کیں۔ اس تمام عرصے میں برقائی خان کو خلیفہ بغداد سے غائبانہ اُنسیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ اگر اسے موقعہ ملا تو وہ امیر المومنین سے ضرور شرف ملاقات حاصل کرے گا۔

برقائی خان نے جب اپنے بھائی باتو خان کی طلبی کا پیغام سنا تو اس کے چہرے پر رونق پھیل گئی۔ وہ کافی عرصے سے اسی لمحے کا منتظر تھا۔ وہ پیغام پاتے ہی شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ باتو خان اپنے مخصوص شاہی کمرے میں تھا۔ یہاں دیگر امرأ بھی موجود تھے۔ برقائی خان کی صورت دیکھ کر باتو خان کے ساتھ ساتھ وہاں موجود ہر شخص کو جھٹکا لگا۔ وہ دیدے پھاڑے اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی اجنبی کو اپنے درمیان دیکھ رہے ہوں۔ برقائی خان نے اپنے بھائی کو تعظیم دی اور مؤدب کھڑا ہو گیا۔ باتو خان اس کا چہرہ دیکھ کر مایوس ہوا تھا اس نے گردن جھکالی۔

''میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ قرولتائی کے اجلاس کا انعقاد اگلے چاند کے آغاز پر ہو رہا ہے قاآن اعظم نے خاندان کے سب لوگوں کو وہاں جمع ہونے کی ہدایت کی ہے''۔

''جیسا آپ کا حکم!'' برقائی خان نے مختصرا جواب دیا۔

''برقائی خان!'' ایک امیر اپنے ضبط پر قابو نہ رکھ سکا۔ ''یہ تم نے داڑھی کس انداز کی رکھی ہے کہیں تم مسلمان تو نہیں ہو گئے؟''

''الحمدللہ!'' برقائی خان مسکرا کر بولا۔

برقائی خان کے جواب پر امرأ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ وہ برقائی خان کی جرأت پر حیران ہو رہے تھے۔ باتو خان اس لمحے خود کو خجل سا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے برقائی خان کو واپس اپنے محل میں لوٹنے کا حکم سنایا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس موضوع پر گفتگو کا سلسلہ یہیں شروع ہو جائے۔ امرأ میں سے چند ایک نے برقائی خان کی مخالفت میں اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تو باتو خان نے انہیں سختی سے ڈانٹ پلائی۔ وہ اپنے بھائی یا خاندان کے کسی بھی فرد کے بارے میں درباری امرأ کو اتنی جرأت نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ ان پر انگلی اُٹھا سکیں اس کے انتہائی سخت رویئے نے وہاں موجود لوگوں کو خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ برقائی خان حکم پاتے ہی وہاں سے نکل آیا۔ وہ قرولتائی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اصل میدان تو وہاں لگے گا۔

❁ ❁ ❁

ملکہ بدر منیر لولو والئی موصل بدرالدین لولو کی بیٹی تھی۔ سلطان الملک الناصر والئی دمشق و حلب سے بدلہ لینے اور اسے بلادِ مصر کی جانب سے روکنے کے لئے سلطان الملک المعز نے بدرالدین لولو سے تعلقات استوار کئے اور اس کی بیٹی کو اپنے عقد میں لے لیا۔ سلطان بدرالدین لولو نورالدین زنگی کے پڑپوتے کا غلام تھا جس نے اپنی ذہانت و فہم سے امورِ حکومت اپنی جانب موڑ لئے تھے اور زنگی خاندان کو موصل کی حکمرانی سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا تھا۔ زنگی اور ایوبی خاندان ایک دوسرے کے ساتھ کئی رشتوں سے جڑے ہوئے تھے۔ ان کی خانہ جنگی نے انہیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ ان کے غلام ان کی ریاستوں کے حاکم بن بیٹھے تھے۔ مصر میں الملک المعز تھا تو موصل میں بدرالدین لولو۔ دونوں میں ایک قدر مشترک تھی کہ ان کا آبائی تعلق ترکستان سے تھا جسے چنگیز خان اور

اس کے بیٹوں نے غارتگری کا نشانہ بنایا تھا۔

ملکہ بدر منیر خوبصورتی میں بے مثل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان الملک المعز اس پر مرمٹا۔ اس نے سابقہ ملکہ شجرۃ الدر کو نظر بند کر دیا اور اُس کا مقام ملکہ بدر منیر کو دیدیا۔ ملکہ بدر منیر ملکہ شجرۃ الدر کے معاملے میں بڑی محتاط تھی۔ اس نے اپنی کنیزوں کو اس کے گرد پھیلا رکھا تھا کہ وہ ملکہ شجرۃ الدر پر کڑی نگاہ رکھیں۔ امیر فارس الدین اقطائی کی خفیہ آمد کی اطلاع پا کر وہ چونک پڑی تھی۔ اس نے سلطانی مخبروں کو اس کی خفیہ نگرانی کا بھی حکم دیا۔ اس نے سلطان الملک المعز کو بھی ملکہ شجرۃ الدر کی اس حرکت کے بارے میں آگاہ کیا۔ سلطان الملک المعز نے فارس الدین اقطائی کی ہردلعزیزی اور بہادری کو دیکھتے ہوئے براہ راست فوری کوئی قدم اُٹھانے سے گریز کیا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا کہ کب اس کا قصہ پاک کر دیا جائے۔

ایک رات ملکہ شجرۃ الدر کے کمرے میں پانچ کنیزوں کے تادیر موجود رہنے کی اطلاع ملکہ بدر منیر کو ملی تو وہ پریشان ہوگئی۔ اس نے دوسری صبح فوراً ان کنیزوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ تمام محل چھان مارا گیا مگر وہ کنیزیں بازیاب نہیں ہوسکیں۔ ملکہ بدر منیر اس پوشیدگی کو کسی بڑی سازش پر قیاس کرنے لگی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ سلطان الملک المعز کو اس بارے میں مطلع کر دے مگر اسے معلوم ہوا کہ سلطان الملک المعز شاہی حمام میں غسل کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ وہ نہایت بے چینی کے عالم میں ٹہلنے لگی۔ تمام رات وہ صحیح طرح سو نہیں پائی تھی کافی دیر گذر گئی تو اس نے غلاموں کو دوبارہ دوڑایا کہ وہ سلطان کے پاس جائیں اگر وہ غسل کر چکے ہوں تو فوراً ملاقات کا پیغام دیں۔ غلام حکم پا کر روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ غلام قریباً بھاگتا ہوا واپس لوٹا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ملکہ بدر منیر کا دل اس کی صورت دیکھتے ہی بیٹھنے لگا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے تیز لہجے میں دریافت کیا تو وہ غلام ہانپتا ہوا بولا کہ سلطان الملک المعز پر دوران غسل پانچ کنیزوں نے حملہ کر دیا اور بے خبری کے عالم میں ان کا رشتہ حیات منقطع کر دیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کے باعث وہ انتقال فرما گئے ہیں۔ تمام کنیزوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور انہوں نے ملکہ شجرۃ الدر پر اس حرکت کی ذمہ داری عائد کی ہے۔

ملکہ بدر منیر لولو یہ سن کر سکتے کے عالم میں آگئی تھی۔ اسے ایسی کوئی توقع نہیں تھی کہ کنیزوں کے ذریعے سلطان الملک المعز پر قاتلانہ حملہ کیا جائے گا۔ ملکہ شجرۃ الدر کا نام سنتے ہی جیسے اسے ہوش آگیا۔ وہ خونخوار لہجے میں غرائی اور ملکہ شجرۃ الدر کو حراست میں لینے کا حکم دیا۔ ابھی فقرے اس کے منہ میں ہی تھے کہ ایک کنیز نے آکر اسے ملکہ شجرۃ الدر کی گرفتاری کی اطلاع دی۔ مملوک امرأ ملکہ شجرۃ الدر سے ہمدردی رکھتے تھے مگر وہ اپنے قبیلے کے کسی بھی فرد پر کسی ایسے حملے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ملکہ شجرۃ الدر کا ارادہ سلطان الملک المعز کو قتل کرنے کا نہیں تھا بلکہ وہ اسے نامرد بنا دینا چاہتی تھی۔ جس مردانگی کی ترنگ میں آکر وہ اُسے چھوڑ کر ملکہ بدر منیر کی زلفوں کا قیدی بن گیا تھا، مگر قدرت کو اس کا نامرد بنا کر زندہ رکھنا منظور نہیں تھا وہ صدمے اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث ربیع الاوّل 655ھ میں اس دارفانی سے رخصت ہوگیا۔ وہ صرف سات برس تک بلادِ مصر پر حکومت کر پایا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ بلادِ شرقیہ دشام بھی اس کی حدودِ سلطنت میں داخل ہو جاتے مگر وہ اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے ہی یہ دنیا چھوڑ گیا۔ ملکہ شجرۃ الدر کو اقبال جرم پر قلعہ کے زنداں خانے میں دھکیل دیا گیا اور ایک رات ملکہ بدر منیر کی وفادار کنیزوں نے اپنی ملکہ کی ہدایت پر زنداں خانے پہنچ کر لکڑی کے جوتوں سے اُسے اتنا زدوکوب کیا کہ اس کا سر پاش پاش ہوگیا اور بھیجا سر سے باہر نکل آیا۔ زنداں خانے کے پہرے دار چپ چاپ کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ ملکہ شجرۃ الدر جس نے اپنی قابلیت اور ذہانت سے بے شمار لوگوں کے دل جیت رکھے تھے، اپنے دوسرے شوہر کی ہلاکت کے کچھ ہی دن بعد دردناک موت کے گھاٹ اتر گئی ملکہ بدر منیر لولو کے

حکم پر اس کی لاش کو قلعے کی خندق میں پھینک دیا گیا تا کہ چیلیں اور کوے اس کی لاش نوچ کھائیں۔ مملوک امرأ کو جب ملکہ بدر منیر کی حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ کچھ افراد نے کسی قدر مسرت ظاہر کی۔

امیر فارس الدین اقطائی کو جب ملکہ شجرۃ الدر کے انجام کی خبر ہوئی تو وہ کافی دیر تک سکتے کے عالم میں خاموش بیٹھا رہا۔ اسے ملکہ شجرۃ الدر سے والہانہ چاہت تھی۔ وہ اسے نہایت محترم خیال کرتا تھا حالانکہ اس نے سلطان الملک المعز کو قتل کرایا مگر وہ اس تمام معاملے میں سلطان الملک المعز کو ہی مجرم گردانتا تھا۔ اس نے اپنے رفقاء کو غیرت دلائی اور ملکہ شجرۃ الدر کے بلادِ مصر پر احسانات کو جتا کر یہ کہا کہ اسے بے گوروکفن پڑا رہنے دینا قرین انصاف نہیں ہے۔ اگر اس نے کوئی جرم کیا تھا تو اسے اس کی سزا بھی اسی دنیا میں مل چکی ہے۔ اب خوف خدا کرتے ہوئے ہمیں اپنا فرض نبھانا چاہئے۔ وہ ان کو ساتھ لے کر قلعہ میں پہنچا اور ملکہ شجرۃ الدر کی مسخ شدہ لاش کو خندق میں سے نکالا اور اسے کفن دے کر اسی کی تعمیر کردہ ایک مسجد کے احاطے میں دفن کر دیا۔ ملکہ شجرۃ الدر نہایت دیندار اور فہم وفراست کے زیور سے آراستہ خاتون تھی۔ اسے کئی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس نے خانہ کعبہ کے لئے غلاف خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ اس کام میں تمام شاہی کنیزیں اس کے ساتھ کام کرتی تھیں۔ اس کا تیار کردہ غلاف جب خانہ کعبہ پر چڑھایا گیا تو بلادِ مصر کے لوگوں نے اسے اپنے لئے بہت بڑا اعزاز تصور کیا اور پھر اس دن سے ہر سال غلاف کعبہ مصر سے ہی تیار کر کے لایا جانے لگا۔

سلطان الملک المعز جاشنگیر ایبک کو باب النصر کے باہر شمس الدولہ نامی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین نے اپنے باپ نورالدین کے آنے سے قبل یاغی کو رخصت کر دیا تھا۔ مطیع الدین جانتا تھا کہ اگر اس کے باپ نے یاغی کی حالت دیکھ لی تو اسے سمجھانا دشوار ہو جائے گا۔ یاغی جب ہوش میں آیا تو اس نے خود کو مطیع الدین کے پاس پا کر حیرت کا اظہار کیا تھا۔ مطیع الدین نے اسے ذرا محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ عالم مدہوشی میں کیا کچھ کہتا رہا ہے۔ صرف قوتائی خان کے بیٹوں کے حوالے سے مطیع الدین نے اسے اتنا ضرور کہا تھا کہ وہ نشے میں اتنا بہک گیا تھا کہ انہیں گالی گلوچ سے نوازتا رہا۔ یاغی نادم ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ مطیع الدین اندھیرا پھیلنے کے بعد یہی سوچتا رہا کہ اسے قبیلہ سرخ غر کے بارے میں کیا لائحہ عمل اپنانا چاہئے کافی سوچ بچار کے بعد ایک منصوبہ اس کے ذہن میں پنپنے لگا۔

نورالدین رات کے پہلے پہر میں لوٹ آیا۔ فونتاجو خان اس کے ہمراہ تھا۔ مطیع الدین نے آتے ہی دریافت کیا کہ وہ لوگ اسے کچھ بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے۔

نورالدین نے چند منگول امرأ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا۔ ”وہ حال ہی میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ انہیں آداب مسنونہ سکھانے میں ذرا دیر ہوگئی۔ میں تو پہلے ہی لوٹ آنا چاہتا تھا مگر انہوں نے کھانے کا انتظام کر ڈالا۔ اس لئے مجھے وہاں رُکنا پڑ گیا۔ دوسرا فونتاجو خان گھر میں بے کار بیٹھا اُکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے بھی ساتھ لئے چلتا ہوں، اس کا دل بہل جائے گا۔ جب سے سرائے آیا ہے اس گھر کا قیدی بن کر رہ گیا ہے“۔

فونتاجو خان نے اسی اثناء میں ایک زوردار ڈکار لی تو مطیع الدین آنکھیں نکال کر اُسے دیکھنے لگا۔ فونتاجو خان اپنی حرکت پر جھینپنے کے بجائے بے ڈھب انداز میں ہنسنے لگا۔ نورالدین بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

”موٹے!“ مطیع الدین تیز لہجے میں بولا۔ ”اگر تو خوراک سلیقے سے ہضم نہیں کر سکتا تو کیا ضرورت تھی

اتنا زیادہ ہڑپ کرنے کی؟''

''جاودانی آسمان کی قسم! میں تو ابھی بھوک چھوڑ کر آیا ہوں''۔فو ننا جو خان معصومیت سے بولا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تو سرائے کا اناج ایک دن ضرور ختم کر ڈالے گا۔اپنی گوگل کو چھانٹ لے ورنہ بڑا پچھتائے گا''۔

''دیکھو بابا!''فو ننا جو خان شکوہ کرتا ہوا بولا۔''آج پھر یہ میرے پیٹ کے پیچھے پڑ گیا ہے،خود اس کا پیٹ تو لومڑی کی مانند پسلیوں میں دھنسا پڑا ہے''۔

''کیا......کیا...... مجھے لومڑی کہا......''مطیع الدین اس کی جانب لپکا مگر دوسرے ہی لمحے وہ زمین پر منہ کے بل گرا پڑا تھا۔جوش میں خود اس کا اپنا پاؤں قالین میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔فو ننا جو خان اس کی حالت دیکھ کر قہقہے لگانے لگا۔نورالدین نے دونوں کو بظاہر ڈانٹ کر اندر کی راہ لی حالانکہ وہ بھی زیرلب مسکرا رہا تھا۔

نورالدین کے اندر جاتے ہی مطیع الدین تیزی سے سیدھا ہوا اور فو ننا جو خان کو کھینچتا ہوا گھر سے باہر نکال لایا۔فو ننا جو خان اُس کی اس عجیب حرکت پر حیرت و پریشانی سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''مم......میں......کچھ سمجھا نہیں''۔فو ننا جو خان ہڑبڑا کے بولا۔

''بے فکر رہو! تمہیں اپنے گھر سے نکالنے کی کوشش نہیں کر رہا''۔مطیع الدین نے تسلی دی۔

''اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں تمہارے نکال باہر کرنے سے تمہارا گھر چھوڑ جاؤں گا''۔

''یہ سب چھوڑو! میری بات غور سے سنو،جس کے لئے میں تمہیں گھر سے باہر لایا ہوں''۔

''خیریت تو ہے؟''فو ننا جو خان اس کے غیر متوقع پراسرار انداز سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''خیریت بالکل نہیں! میں نے گل وتوژ کا پتہ لگا لیا ہے کہ وہ کہاں ہے؟''

''یہ معرکہ تم نے کب مار لیا؟''

''آج ہی......مگر اس معاملے کی صورت حال کچھ پیچیدہ ہے،اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے''۔وہ دونوں اپنے گھر سے کافی دور نکل آئے تھے۔فو ننا جو خان اب اس کے برابر چل رہا تھا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں؟''فو ننا جو خان ہاتھ جھٹک کر بولا۔

''تم میرے گھر کے اناج کا بیڑہ غرق کر سکتے ہو اور کچھ نہیں کر سکتے''۔مطیع الدین اس کے انداز سے بگڑتے ہوئے بولا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو،بس مجھے بھرتی ہو جانے دو۔ایک سال کی تنخواہ تمہاری ہتھیلی پر رکھ دوں گا''۔

''بڑے کمینے ہو......!''مطیع الدین اس کی ضرورت سے زیادہ سادگی پر جل بھن گیا۔''میں تم سے ایک سنجیدہ معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں اور تم بات کو گھما پھرا دیتے ہو''۔

''اچھا غصہ تھوک دو۔کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''مجھے معلوم ہوا کہ گل وتوژ قبیلہ سرخ غر میں قید کی گئی ہے۔تونائی خان کو اس کے اور میرے تعلق کی خبر ہو گئی تھی اسی لئے اس نے اپنے سسر کو ہدایت کر دی تھی کہ گل وتوژ کا خیال رکھا جائے''۔

''یہ تونائی خان کون ہے؟''

''میں نے تمہیں تمام معاملہ کئی بار بتایا ہے مگر تم پھر مجھ سے کوئی اُلٹا سوال کر بیٹھتے ہو۔تونائی خان گل وتوژ کا باپ تھا جو قتل ہو چکا ہے''۔

''ٹھیک ہے تم اس معاملے میں مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''فو ننا جو خان نے بات کا سلسلہ بڑھایا۔

''میں کل بابا سے کہوں گا کہ تم اور میں شکار کے لئے نکلنا چاہتے ہیں۔ہم شکار کے بہانے قبیلہ سرخ غر کی جانب نکل پڑیں گے''۔

''مگر میں تو شکار پر نہیں جانا چاہتا''۔

''میں تمہارا یہ بڑا سا سر کسی پتھر سے توڑ کر رکھ دوں گا موٹے!''مطیع الدین غرایا۔''اگر تم میرے ساتھ نہیں چلو گے تو بابا مجھے تنہا جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔تمہارے ساتھ چلنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا''۔

''اچھا تو تم مجھے بطور ڈھال استعمال کرنا چاہتے ہو''۔

''دوست ہی دوست کے کام آتا ہے''۔

''لفظی مکھن سے میرا پیٹ نہیں بھرتا''۔

''بے فکر رہو! مجھے موقعہ ملا تو تمہاری توند پر ایسا مکھن ملوں گا کہ باقی ساری زندگی گدگدی میں گذارو گے''۔

''میری توند کو معاف رکھو! اگر سوچنا ہے تو میرے معدے کے بارے میں کچھ سوچو''۔

''بعد میں سوچوں گا۔کل صبح میں شکار کا ذکر چھیڑ دوں گا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ میری تائید کرتے رہنا''۔

''ٹھیک ہے! کل صبح سوچوں گا''۔

مطیع الدین اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھنے لگا جس پر شرارت آمیز تبسم پھیلا ہوا تھا۔وہ دونوں یونہی ہنسی مذاق کرتے کچھ دیر گھومتے رہے اور پھر گھر لوٹ آئے تمام رات مطیع الدین قبیلہ سرخ غر میں گھس کر گل وتوژ کو نکالنے کی تدبیریں کرتا رہا۔

دوسری صبح ناشتے کے کچھ دیر بعد اس نے اپنے باپ نورالدین سے شکار کی بابت ذکر چھیڑ دیا۔فو ننا جو خان نے بھی شکار پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو نورالدین انکار نہ کر سکا۔اس نے انہیں کئی نصیحتیں کیں اور پانچ روز کے اندر گھر واپس لوٹنے کی خصوصی ہدایت کی۔اجازت ملنے کی سرشاری میں وہ دونوں دن چڑھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل پڑے۔یہ صرف شکار کی مہم نہیں تھی بلکہ اس میں سنسنی خیزی کی آمیزش بھی اس نے محسوس کی تھی۔

وہ دونوں اسی راستے سے کوہ سرخ غر کی جانب روانہ ہوئے جہاں سے مطیع الدین پہلی بار برقائی خان کے ہمراہ شکار کے لئے روانہ ہوا تھا۔قبیلہ سرخ غر کو سرائے سے جانے والا راستہ دوسرا تھا مگر اس کے بارے میں مطیع الدین کو آگاہی نہیں تھی۔فو ننا جو خان تو پہلی بار اس جانب آیا تھا۔وہ راستوں کے بارے میں بالکل لاعلم تھا۔دونوں اپنے گھوڑوں پر برف کا میدان پار کرتے ہوئے کوہ سرخ غر کی جانب بڑھنے لگے جس کے دوسری جانب دامن میں قبیلہ سرخ غر آباد تھا۔

❀ ❀ ❀

بلادِ مصر کے سلطان الملک المعز کی اچانک موت نے کاروبارِ سلطنت میں ہلچل سی مچا دی تھی۔توران شاہ کے قتل کے بعد سے جو امن بلادِ مصر میں قائم تھا وہ ایک بار پھر خطرے سے دوچار ہو گیا تھا۔دریائے اُردن کے کناروں پر آباد ایوبی والیوں کے دل میں ایک بار پھر بلادِ مصر کی عنان سنبھالنے کی خواہش نے سر اُٹھایا۔انہوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ آپس میں گٹھ جوڑ شروع کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے باہم مل کر بلادِ مصر کے مرکز قاہرہ پر قابض ہو جائیں۔ان سب ایوبی والیوں میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جسے امور جہانبانی

اور دور اندیشی نے مس ہوتا۔ وہ پہلے مرحلے پر ہی جھگڑوں کا شکار ہو گئے۔ ہر ایوبی والی خود کو سلطان تصور کئے بیٹھا تھا۔ کوئی دوسرے کی بالادستی قبول کرنے پر رضامند نہیں تھا۔ بالآخر ایک ایوبی فرمانروا شہاب الدین الملک الاصغر والئی صیدا نے اپنی جمعیت کے ساتھ قاہرہ کا رُخ کیا۔ اس کے ساتھ سات ہزار سپاہی تھے۔ وہ بلادِ مصر کے دارالحکومت پر قابض ہونے کے لئے تنہا ہی میدان میں اتر پڑا تھا۔ اس نے چلنے سے پہلے تمام ایوبی رشتہ داروں کو ہمراہ چلنے کی دعوت دی مگر کسی کے کان پر جوں نہیں رینگی۔ وہ اس کی اطاعت قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ربیع الاوّل کے آخرے عشرے میں وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا قاہرہ کے باہر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے پڑاؤ ڈال کر مصری امرأ کو ملاقات کے پیغامات بھجوائے۔

سلطان الملک المعز کی وفات کے بعد مجلس انتخاب کے اجلاس کئی دنوں سے جاری تھے۔ کوئی ایسا نام ابھی تک سامنے نہیں آ پایا تھا جسے بطور سلطان قبول کر لیا جاتا۔ مملوک امرأ کا ایک طبقہ امیر فارس الدین اقطائی کو سپہ سالارِ اعلیٰ کے ساتھ ساتھ سلطان بنانے کا خواہش مند تھا جبکہ مصری امرأ اور مملوک امرأ کا دوسرا طبقہ وراثت کو زیادہ اہم قرار دے رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان الملک المعز کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اس لئے اس کا حق اس کے کم سن بیٹے کو ملنا چاہیے۔ امیر فارس الدین اقطائی امور حکومت میں دلچسپی نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ سپاہی تھا اور خود کو میدان جنگ کا اہل قرار دیتا تھا۔ جب مجلس انتخاب تک والئی صیدا الملک الاصغر کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے سلطانی کے قضیئے کو جلد از جلد نبٹانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے امیر فارس الدین اقطائی کو طلب کر کے اس سے آخری بار رائے دریافت کی۔ اس نے صاف الفاظ میں انہیں منع کر دیا۔ شام ہونے سے پہلے 27 ربیع الاوّل کو سلطان الملک المعز کے کم سن بیٹے نور الدین کو الملک المنصور کا لقب دے کر تخت نشین کر دیا گیا۔ اس کی عمر صرف بارہ برس تھی۔ کم سن سلطان کا اتالیق سیف الدین محمود تطوزی کو مقرر کیا گیا۔ سیف الدین محمود تطوزی نے کم سن سلطان الملک المنصور کی جانب سے پہلا حکم والئی صیدا کی سرکوبی کا جاری کیا۔ مملوک سپاہی بلادِ مصر کے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے۔ انہوں نے حکم پاتے ہی قاہرہ سے باہر اپنی صفیں سیدھی کر لیں۔ شہاب الدین الملک الاصغر نے جب مملوک سپاہیوں کا سیلاب اپنے چاروں جانب بکھرا دیکھا تو وہ ہمت ہار بیٹھا۔ کچھ مصری امرأ جو کہ ایوبی فرمانروائی سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کر چکے تھے مگر ان کی کوششوں کے آغاز سے قبل ہی بازی پلٹ چکی تھی۔ الملک الاصغر شہاب الدین نے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت نامہ لکھ کر واپس ہو گیا۔ مملوک امرأ نے اسے متنبہ کرتے ہوئے اس غلطی کو آخری قرار دیا تھا۔ وہ ناکام و نامراد لوٹنے پر بے حد رنجیدہ تھا۔

❁ ❁ ❁

صحرائے گوبی ترکستان کے جنوب میں ایک وسیع ریگستان ہے جو کہ چین و روس کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ یہاں دروں کی بہتات ہے۔ پہاڑی علاقے میں ریگستان کی صورت عرب کے ریگستانوں سے کافی مختلف ہے۔ منگولوں کے مختلف قبیلے اسی صحرا کے مختلف حصوں میں آباد تھے جہاں پانی کے قدرتی چشمے موجود تھے۔ سلطنت خوارزم کے سپہ سالاروں نے ان دشوار گذار علاقوں پر کئی بار چڑھائی کی اور بے شمار منگولوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ منگول پسپائی اختیار کرتے رہے اور بالآخر شمالی ترکستان کے ایک مستحکم مقام میں پناہ گزین ہو گئے۔ اس مقام کو چاروں جانب سے پہاڑوں نے گھیر رکھا تھا اور صرف ایک داخلی راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ دروں کے درمیان وسیع وادی تھی جسے کاران کہا جاتا تھا۔ یہاں کسی قدر سبزہ بھی موجود تھا جس کے باعث انہیں شکار کے لئے جانور مل جایا کرتے۔ پالتو جانوروں کے لئے خوراک بھی کسی حد تک مہیا تھی جبکہ

انسانوں کے لئے خوراک انہیں باہر سے لانا پڑتی تھی شکاری جانوروں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ان پر تکیہ کیا جاتا۔ اس مرغزار میں قیام کا باعث ایک بڑا قدرتی چشمہ تھا۔ اس چشمے کو وہ بلیق چاق کے نام سے پکارتے۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس مقام پر خیموں کے بجائے کچے مکانات بننے لگے اور یوں بلیق چاق ایک چھوٹے سے شہر کی حیثیت اختیار کر گیا۔ وقت گذرتا گیا اور چنگیز خان کا دور آیا۔ اس نے اپنے وطن سے نکل کر دنیائے اسلام کو پامال کیا اور پھر اسی مقام کی جانب لوٹ گیا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سے منگولوں کے غول نکلتے اور مخلوق خدا کو روندتے ہوئے واپس لوٹ آتے۔

قاآن اعظم منگو خان اسی شہر میں بیٹھا اپنی وسیع و عریض سلطنت کے احکام جاری کیا کرتا تھا۔ اس کے حکم سے جشن قرولتائی منعقد کیا گیا۔ وہ شام بلیق چاق کے لئے بڑی اہم ترین تھی کیونکہ تمام بڑے سردار اور چنگیز خان کے پوتے اور پڑپوتے وہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ منگو خان نے جشن قرولتائی کا افتتاح کیا۔ اس نے منگولوں کے باہمی اتحاد کو ہی تنگری (جاودانی خدا) کے سایہ کا نشان قرار دیا۔ اس کے بعد اس نے کئی دوسرے اہم امور پر اپنے نئے احکامات سنائے یہ تقریب منگولوں میں قربت بڑھانے کا ایک بہانہ تھا۔ اپنے خطاب کے بعد اس نے بڑے الاؤ کے روشن کرنے کا اعلان کیا۔ جب تک یہ الاؤ دہکتا رہتا اتنے دن تک یہ جشن جاری رہتا۔ اس کے بعد منگو خان نے ایک مجلس میں شمولیت اختیار کی جہاں دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے منگولوں سے حالات و واقعات و مشکلات کا ذکر رہا۔ ان تمام معاملات سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے رشتہ داروں کی محفل میں چلا آیا۔ یہاں شراب نوشی عروج پر تھی۔ سب لوگ آگ پر پکنے والے جانوروں کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ منگو خان کی نگاہ برقائی خان پر پڑی تو وہ لمحہ بھر بھونچکا رہ گیا۔ وہ ان سب سے پرے بیٹھا ان کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ منگو خان نے اپنے قریبی غلام کو اشارہ کیا کہ وہ اسے بلا لائے۔ برقائی خان اپنی طلبی پا کر اس کے قریب چلا آیا۔ اس نے بڑے قاآن کو احتراماً تعظیم دی۔

''میرے چچا کے بیٹے! یہ تم نے کیسی وضع بنا لی ہے؟ قسم جاودانی آسمان کی...... ! تم صورت سے مسلمان دکھائی دیتے ہو''۔ منگو خان محبت بھرے لہجے سے بولا۔

''میں قاآن اعظم کی باریک بینی کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے صورت سے ہی سامنے والے کا حال جان لیا''۔ برقائی خان مؤدب انداز میں بولا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ جانتے ہو کہ یساق میں اس بارے میں کیا لکھا ہے؟''

''میں یساق سے بہت دور نکل چکا ہوں''۔

باتو خان شراب نوشی میں مشغول تھا کہ اس کی نگاہ برقائی خان پر پڑی جو کہ منگو خان کے پاس موجود تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس جانب بڑھ آیا۔ باتو خان کی صورت دیکھ کر منگو خان تیز لہجے میں بولا۔

''باتو خان! مجھے تمہاری خدمات کا اعتراف ہے، مگر تمہارے بھائی کا جرم ناقابل معافی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یساق میں تنگری سے غداری کی سزا کیا مقرر ہے''۔

''آپ حاکم ہیں، یساق میں ترمیم کرنے کا آپ کو اختیار ہے، یاد کیجئے کہ تویوق کی وفات کے بعد جب سب لوگ مجھے قاآن بنانے پر متفق تھے تو میرے اسی بھائی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اس تخت پر بٹھا دیا۔ میں نے اپنے بھائی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ کی اطاعت میں کبھی غفلت نہیں کی''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یساق میں کوئی تبدیلی کی جائے باتو خان؟'' منگو خان کا چھوٹا بھائی ہلاکو خان کڑک

دار لہجے میں بولا۔ وہ اپنے بھائی منگو خان کے چہرے پر بدمزگی دیکھ کر اس طرف نکل آیا تھا۔ وہ باتو خان کا صرف آخری جملہ ہی سن پایا تھا۔ اس کے گونجدار لہجے نے سب لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کرا دی تھی۔ گرما گرم محفل میں گہری خاموشی چھا گئی۔ وہ سب مستفسرانہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔

''باتو خان! ہلاکو خان ٹھیک کہتا ہے کہ یساق میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اگر میں نے ایسا کوئی قدم اُٹھالیا تو آنے والے ہر دور میں یہ کام جاری رہے گا اور پھر ایک دن یہ اپنی اصل شکل سے بہت دور ہٹ چکی ہوگی تمہارے بھائی کے جرم کو تمہاری خدمات کے عوض نظر انداز نہیں کیا جاسکتا''۔ منگو خان فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''میں پھر بھی قاآن اعظم سے اس معاملے میں نرمی کی درخواست کروں گا''۔ باتو خان کا لہجہ بھر آیا۔ لوگ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے اسی لئے انہوں نے کھسر پھسر شروع کردی تھی۔

''باتو خان!'' ہلاکو خان متکبر انداز میں بولا۔ ''غلطی کی سزا ہوتی ہے یہی یساق میں درج ہے۔ اگر تمہارے باپ نے غلطی نہ کی ہوتی تو اسے زہر دے کر ہلاک نہ کیا جاتا۔ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارا دادا سب بیٹوں میں سے بڑھ کر اسے چاہتا تھا۔ جس شخص نے یہ قانون بنایا ہے اس نے اسے اپنے عزیز بیٹے پر لاگو کر کے دکھایا ہے''۔

''ہلاکو خان!'' برقائی خان برداشت نہ کرتے ہوئے بول پڑا۔ ''تمیز کی حدود میں رہ کر بات کرنا سیکھو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دو بڑے افراد آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ تم بار بار ان کے بیچ میں مداخلت کر رہے ہو''۔

''قاآن اعظم! میں درخواست کروں گا کہ آپ اپنے بھائی سے کہئے کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے، میں اپنے مردہ باپ کے لئے کوئی ناخوشگوار بات برداشت نہیں کرسکتا''۔ باتو خان کا لہجہ کافی حد تک سخت ہوگیا تھا۔

''باتو خان!'' ہلاکو خان استہزائیہ لہجے میں بولا ''میرا نام ہلاکو خان ہے اور میرے بدن میں چنگیز خانی خون دوڑ رہا ہے۔ میں تھوکتا ہوں چاٹتا نہیں''۔

باتو خان اس کی بات پر اتھے سے اکھڑ گیا اس نے اپنی تلوار بے نیام کرلی اور تیزی سے اس کی جانب لپکا۔ برقائی خان نے اسے روکنا چاہا مگر وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ منگو خان اپنی جگہ دم بخود رہ گیا تھا۔ باتو خان کی جانب سے اسے کوئی ایسی توقع نہیں تھی۔ معاملہ بگڑتے دیکھ کر کئی افراد بیچ میں کود پڑے۔ ہلاکو خان بھی تلوار لہرا کر اسے دعوت مبارزت دے رہا تھا۔ منگو خان نے اسے ڈانٹ کر خاموش کرایا۔ اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ جب دونوں کو خاموش کرا دیا گیا تو دوسرے افراد نے مؤدب انداز میں اصل معاملہ دریافت کیا۔ برقائی خان نے کسی کے بولنے سے پہلے ہی صاف الفاظ میں اعلان کردیا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے، اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ اگر آپ لوگ میرے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتے تو میں آپ کے ملک کی حدود سے باہر نکل جاتا ہوں۔ سب لوگ اس کی بات سن کر جیسے سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس مقام پر کیا کہے۔ ہلاکو خان کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے تو وہ اسے برا بھلا کہنے لگا۔

''قاآن اعظم!'' ایک بزرگ منگول آگے بڑھ کر بولا۔ ''آپ یساق پر عمل درآمد کرانے کے پابند ہیں۔ منگولوں کے سب قبیلے اس بات پر متفق ہیں کہ یساق ہی ان کا پہلا اور آخری قانون ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے کہ انصاف سے کام لیتے ہوئے پہل اپنے ہی گھر سے کیجئے''۔

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا بھائی ہلاکو خان سرزمین فارس میں

رہ کر حلیف نصرانیوں کے زیر اثر آ کر اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ چکا ہے''۔

''کیا تم ہوش میں ہو......؟'' منگو خان کا لہجہ کرخت ہوگیا۔

''اس بات کا پہلا شاہد تو میں ہوں۔ مزید بات پھیلانے کی خواہش ہے تو میں باہر موجود دوسرے لوگوں میں کئی ایسے پیش کرسکتا ہوں جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے ہلاکو خان کو نصرانی عبادت کرتے دیکھا ہے۔ اس کی ایک بیوی بھی نصرانی ہے جسے اس نے ملکہ کا مقام دے رکھا ہے''۔ بوڑھے منگول کا لہجہ بے باک تھا۔

''کیا یہ سچ ہے ہلاکو خان؟''

منگو خان گردن گھما کر اس کی جانب متوجہ ہوا، ہلاکو خان اپنے بڑے بھائی کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کرسکا اور خاموشی سے گردن جھکا لی۔ منگو خان محض اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''قاآن اعظم......! اب کیا سوچ رہے ہیں؟ میری بات مان لیجئے۔ یساق کی اس شرط کو ہٹا دیجئے ورنہ ایک دن ایسا آئے گا کہ سب لوگ یساق کو تنہا چھوڑ دیں گے''۔ باتو خان نرمی سے بولا۔

''تم سب لوگوں کی کیا رائے ہے؟'' منگو خان اپنے بھائی کا جرم سن کر بجھ سا گیا تھا۔

''قاآن اعظم!'' وہی بوڑھا شخص دوبارہ بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ باتو خان کی تجویز امن کا احاطہ کرتی ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ چنگیز خان کے وارث ایک دوسرے کا خون بہانے کا سلسلہ شروع کردیں''۔

''آج برقائی خان اور ہلاکو خان جیسے طاقتور افراد اپنے آبائی مذہب سے ہٹ گئے ہیں تو آنے والے کل میں دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے''۔ منگو خان نے خدشہ ظاہر کیا۔

''آپ کی سختی بھی اس عمل کو نہیں روک سکے گی، لوگ آپ سے باغی ہو جائیں گے۔ منگولوں کے اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ میری رائے یہی ہے کہ تبدیلی مذہب کو جرم قرار دے کر اپنے بہادروں سے محروم ہونے کی کوشش نہ کی جائے۔ جو لوگ اس وقت حالات کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں یہ انہی کا کام ہے دوسروں میں اتنی اہلیت نہیں ہے''۔

''قاآن اعظم! وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ یساق کے اس قانون میں ترمیم کردی جائے''۔ ایک دوسرے منگول نے تائید کی۔

کچھ لوگوں نے اس تجویز کی بڑی شدومد سے مخالفت کی مگر آخری فیصلہ یہی صادر کیا گیا کہ یساق میں ترمیم کردی جائے۔ یہ پہلا مرحلہ تھا کہ منگولوں کے اتحاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے یساق میں ترمیم کی گئی تھی یہ تقریب قرولتائی بارہ دن تک جاری رہی اس تقریب کے اختتام پر منگو خان نے باضابطہ طور پر یساق میں موجود مذہب کی قید کو ختم کر ڈالا۔ اس اعلان سے منگولوں میں ناخوشگواری پھیل گئی اسلام قبول کرنے والوں اور اس جانب رغبت رکھنے والوں کے لئے یہ خبر بڑی مسرت آمیز تھی۔ انہوں نے پرتپاک انداز میں اس فیصلے کا خیر مقدم کیا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا کہ برقائی خان اور ہلاکو خان میں سرد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ یہ دونوں چنگیز خان کے پوتے اور آپس میں چچازاد بھائی تھے۔ ہلاکو خان کی نصرانی بیوی نے اسے برقائی خان کے اقدام کے خلاف اتنا بھڑکایا کہ وہ اس کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ تقریب قرولتائی کے اختتام پر سب لوگ اپنے اپنے مقامات پر لوٹ گئے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا فوکنا جو خان کے ساتھ شام تک کوہ سرخ غر کے دامن میں جا

پہنچا۔ یہاں چھوٹا سا جھاڑی دار جنگل موجود تھا۔ مطیع الدین نے ایک محفوظ مقام تلاش کر کے اپنے خیمے نصب کیے۔ فوکناجو خان کا چہرہ ستا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ تکان محسوس کر رہا تھا۔ مطیع الدین نے اس ضمن میں اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خاموشی سے خیمے لگوانے میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ مطیع الدین نے کام سے فارغ ہونے کے بعد ایک چھوٹی سی مشعل روشن کی۔ موسم زیادہ سرد تو نہیں تھا مگر ہوا میں خنکی قدرے بڑھ گئی تھی۔ وہ چونکہ کھلے علاقے میں موجود تھے اس لئے یہاں سردی کا احساس بھی زیادہ تھا۔ فوکناجو خان کام سے فارغ ہو کر خیمے کے باہر ٹہلنے لگا۔ مطیع الدین نے اسے آواز لگائی کہ وہ لیٹ کر کچھ دیر آرام کر لے تو اس نے آرام کے لئے تمام رات کو کافی قرار دیا۔ مطیع الدین نے اس کے جواب پر کندھے اچکائے اور بستر میں گھس کر لیٹ گیا۔ نیند تو اس کی آنکھوں سے بہت دور تھی دل و دماغ پر گل دقوژ کی صورت قبضہ جمائے ہوئے تھی وہ اپنے آنے والے وقت کے لئے سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اچانک مطیع الدین کے کانوں میں کچھ اس قسم کی آوازیں پڑیں جیسے باہر کوئی گتھم گتھا ہو رہا ہو۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے اپنے بستر سے نکلا اور پہلو میں پڑی تلوار کو بے نیام کرتے ہوئے باہر آ گیا۔ باہر پہنچتے ہی اس کی آنکھیں پل بھر کے لئے پھٹی رہ گئیں۔ فوکناجو خان ایک بڑے برفانی ریچھ سے نبرد آزما تھا۔ دونوں آپس میں ایسے الجھے ہوئے تھے جیسے کوئی دیرینہ دشمنی ہو۔ فوکناجو خان خالی ہاتھ تھا۔ اسے کسی ریچھ کی اس طرف آنکلنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ریچھ خوراک کی تلاش میں بھٹکتا ہوا اس سے بھڑ گیا۔ فوکناجو خان نے اس کی صورت دیکھتے ہی اس کی جانب چھلانگ لگائی اور اس سے لپٹ گیا۔ مطیع الدین بھاگتا ہوا ان دونوں کے پاس پہنچا۔ ریچھ فوکناجو خان سے اونچا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ اسے گرا کر نقصان پہنچا دیتا۔ مطیع الدین نے کمال ہوشیاری سے تلوار کا گہرا وار کیا اور ریچھ کا دایاں بازو کٹ کر دور جا گرا۔ ریچھ بازو کٹنے پر اس بری طرح ڈکرایا کہ جنگل کا بھیانک سکوت ٹوٹ کر رہ گیا۔ فوکناجو خان نے اسی لمحے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال کر دباؤ کی شدت بڑھا دی۔ ریچھ پوری قوت سے اسے اپنے سے الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اور تھوڑی دیر میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ ریچھ کے خون سے فوکناجو خان کے کپڑے تر ہو رہے تھے۔ ریچھ کی آخری ہچکی پر اس نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اب مطیع الدین کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔

''خیریت ہے......؟'' مطیع الدین کے منہ سے فقط اتنا نکلا۔

''خاک خیریت ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ اس پر تلوار کا استعمال کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زخمی جانور کو سنبھالنا زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ وہ غصے اور تکلیف سے پاگل ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اس کی قوت سوگنا بڑھ جاتی ہے''۔

''میں نے تو تمہاری مدد کرنا چاہی تھی......''

''تم خود شکاری نہیں ہو اسی لئے ایسا سوچتے ہو۔ اب میں اس کا کیا کروں گا؟ بازو کاٹ کر اس کی کھال کا بھی ستیاناس کر دیا''۔ فوکناجو خان حقیقتاً غصے میں تھا۔ مطیع الدین نے اس کا بگڑا مزاج دیکھ کر خاموشی سے خیمے کی راہ لی۔

''اب اُدھر کیا کرنے جا رہے ہو؟'' فوکناجو خان چیخ کر بولا۔ ''ادھر آؤ اور میرے ساتھ اسے اُٹھانے میں مدد کرو''۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر پلٹا پھر دونوں نے مل کر ریچھ کو گھسیٹتے ہوئے خیمے کے پاس پہنچایا۔ فوکناجو خان نے اس سے شکاری خنجر لیا اور ماہرانہ انداز سے ریچھ کی کھال جسم سے اتارنے لگا۔ مطیع الدین خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ کر یہ سب دیکھتا رہا۔ اسے حقیقتاً کبھی ریچھ کے شکار کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فوکناجو خان نے کھال

سلیقے سے لپیٹ کر ایک جانب ڈال دی۔ اب وہ ریچھ کا پیٹ چاک کر کے اسے آلائشوں سے صاف کر رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اپنے کام میں مصروف رہا۔ اس کے ہاتھ اتنی مہارت سے رواں تھے کہ مطیع الدین کئی بار بے اختیاری سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ فوکناجو خان نے ریچھ کے گوشت کے پارچے بنا کر ایک بڑے کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیے۔

''کل صبح دھوپ میں انہیں ڈال دیں گے شام تک اکڑ جائیں گے''۔ فوکناجو خان نے اسے بتایا۔

''یہ تو خراب ہو جائیں گے؟''

''تم بے فکر رہو سرد علاقے میں گوشت جلدی خراب نہیں ہوتا۔ دھوپ سے گوشت کا پانی بھی خشک ہو جائے گا''۔

''خشک گوشت کو شاید مسالہ بھی لگایا جاتا ہے''

''مجھے معلوم ہے، میں صبح مسالے کے پودے لے آؤں گا میں نے راستے میں کئی جگہ انہیں دیکھا ہے''۔ فوکناجو خان کا بگڑا مزاج صحیح ہو گیا تھا۔

تم خیمے میں سے میرا دوسرا لباس نکالو۔ یہ نہ ہو کہ خون کی بو پا کر کوئی دوسرا جانور اس جانب نکل آئے''۔ مطیع الدین خیمے کے اندر چلا گیا۔ وہ کچھ دیر بعد نکلا تو فوکناجو خان اسے اسی جگہ دکھائی دیا جہاں اس نے ریچھ کو مار گرایا تھا۔ فوکناجو خان اپنے بھاری بھرکم جوتوں سے اس جگہ کو بری طرح مسل رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟''

''خون کی بو مار رہا ہوں۔ مٹی اور ریت میں مل کر خون کی بو ختم ہو جائے گی''۔ فوکناجو خان نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ خیمے کے پاس چلا آیا اس نے اپنا لباس بدلا اور خون والے لباس کو ایک موٹے کپڑے میں لپیٹ دیا۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں کہیں نزدیک کوئی چشمہ موجود ہے۔ رات کی خاموشی میں پانی بہنے کی آواز محسوس ہو رہی ہے''۔ فوکناجو خان نے کہا۔

''میں بھی تمہارے خیال سے متفق ہوں مگر اندازہ نہیں لگا پا رہا کہ یہ چشمہ کس جانب ہو سکتا ہے''۔ مطیع الدین چاروں جانب دیکھتا ہوا بولا۔

''تم یہیں ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں، یہ خون والے کپڑے بھی مجھے دے دو اگر چشمہ مل گیا تو ان پر پانی ڈال لاؤں گا''۔ فوکناجو خان نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ سب صبح دیکھا جائے گا''۔

''تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم اس وقت جنگل میں ہیں۔ خون کی بو بڑی تیز ہوتی ہے اور خونخوار درندے اسے فوراً پا لیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ رات میں کسی درندے کا سامنا کروں''۔

مطیع الدین کچھ نہیں بولا۔ فوکناجو خان نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے پہلو میں پڑے ہوئے خون آلود کپڑوں کی پوٹلی اُٹھائی اور پانی کی آواز کا اندازہ لگا کر ایک طرف چل پڑا۔ مطیع الدین نے اسے پیچھے سے آواز دی اور لمبے پھل والا خنجر اس کی جانب اچھال دیا۔ خنجر اس کے پاس جا گرا۔ فوکناجو خان نے جھک کر خنجر اُٹھایا اور آگے بڑھ گیا۔ مطیع الدین خیمے کے باہر ہی بیٹھ گیا۔ وہ تنہائی کے عالم میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ تنہائی اور بے خبری کے عالم میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا تھا۔ خیمے کے باہر بیٹھے اس کا ذہن ایک بار پھر گل دقوژ کی جانب بھٹک گیا۔ وہ گذرے لمحوں کے سمندر میں اترتا چلا گیا! اچانک اسے کسی حرکت کا احساس ہوا۔ اس کا ذہن

فوراً بیدار ہو گیا۔ وہ چونک کر اپنے اردگرد دیکھنے لگا۔ مشعل کی روشنی میں اسے کچھ دور تک کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے آگے گہرا اندھیرا تھا۔ وہ اس جانب سر اُٹھا کر دیکھنے لگا جہاں کچھ دیر پہلے فو نا جو خان گیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا ذہن پوری طرح چوکس تھا۔ یہ اس کی چھٹی حس کا کمال تھا کہ اسے اپنے گرد کسی کی موجودگی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گرد موجود خطرے کو یہ احساس بھی نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے آگاہ ہو گیا ہے۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ فو نا جو خان کو آواز دے، شاید وہ ہی ہو مگر کسی خیال کے تحت وہ آواز نکالنے سے باز رہا۔ اس کی گرفت تلوار کے دستے پر مضبوط ہو چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

سیف الدین محمود قطوزی نے کم سن سلطان کے اتالیق کی حیثیت سے کئی احکام جاری کئے جن میں سرکش ایوبی والیوں کی سرکوبی اور بلادِ مصر کے امن کا استحکام شامل تھا۔ وہ خاندان خوارزم شاہیہ کا ایک ہونہار فرد تھا جس نے اپنے ماموں سلطان جلال الدین شاہ کو چنگیز خان کے مقابلے پر ڈٹے دیکھا تھا۔ وہ بہادر دادا کا نواسا تھا۔ اس کی ماں جرأت مند سلطان محمد علاء الدین شاہ کی بیٹی تھی جس کا جاہ و دبدبہ چین و ترکستان سے لے کر وادیٔ سندھ تک اور مرکز اسلام بغداد میں معروف تھا۔

ایک دن وہ قاہرہ کے شافعی مسلک کے مشہور فقیہ شمس الدینؒ ابوالعباس کے پاس جا پہنچا۔ انہوں اس کی صورت دیکھی تو اُٹھ کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور خیریت دریافت کی۔ سیف الدین محمود قطوزی بیٹھنے کے بعد کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہا۔ شمس الدینؒ نے اپنے پاس موجود لوگوں کے امور جلدی جلدی نبٹائے اور اس کی جانب توجہ کی۔

''اتابک سلطنت کو میرے غریب خانے کی یاد آج کیسے آ گئی؟''

''ابوالعباس! میں دو روز سے ایک پریشانی کا شکار ہوں، سمجھ نہیں آتا کہ اسے کیا نام دوں؟''

''محمود! جو کچھ بھی ہے صاف لفظوں میں بتاؤ میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہارے دل و دماغ کو اطمینان نصیب ہو''۔

''دو روز سے آنکھ بند ہوتے ہی ایک عجیب سا خواب مجھے گھیر لیتا ہے چونک کر بیدار ہو جاتا ہوں تو کافی دیر تک دل دھڑکتا رہتا ہے۔ پھر سونے کی کوشش کرتا ہوں تو نیند کا غلبہ ہوتے ہی وہ خواب دوبارہ میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑنے لگتا ہے۔ سمجھ نہیں آتا ہے کہ آخر یہ سب کیا ہے؟'' اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا۔ شمس الدینؒ ابوالعباس نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ خون کی مانند سرخ دکھائی دیں۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں ہوئی کہ وہ خواب کے خوف سے سو نہیں پایا

''محمود! کیا تم مجھے اس خواب کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟''

''میں دیکھتا ہوں کہ میں شہر کے صدر دروازے پر کھڑا ہوں اور دور سے مرغولوں کی صورت میں ایک بڑا ٹڈی دل میری جانب بڑھ رہا ہے۔ میں پہلے یہ خیال کرتا ہوں کہ شاید گرد و غبار کا بڑا ریلہ ہے مگر جونہی وہ کافی قریب پہنچ جاتا ہے تو اس کی حقیقت مجھ پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ ٹڈیاں میرے نزدیک آ گرتی ہیں تو میں انہیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔ ان کی لمبی لمبی مونچھیں خون آلود ہیں اور چپٹے چپٹے منہ سے دانت چمک رہے ہیں میں خوف سے لرزتا رہتا ہوں کہ میرے عقب سے ایک خوبصورت سفید پرندوں کا غول برآمد ہوتا ہے اور وہ اس ٹڈی دل پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ وہ بڑی سرعت سے اس ٹڈی دل کو کھا جاتے ہیں۔ پھر وہ اُڑتے ہوئے واپس میری جانب آتے ہیں تو میں ڈر کے مارے انہیں ہش ہش کرتا ہوں کہ کہیں مجھے بھی نہ کھا جائیں۔ اس

پرندوں کے غول میں سے ایک پرندہ میری آنکھوں کے مقابل ٹھہر کر مجھے گھورتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں جھانکنے پر مجھے دکھائی دیتا ہے کہ اس کی آنکھ میں ہلکا سا کرنج موجود ہے۔ لمحہ بھر میں وہ کرنج غائب ہو جاتا ہے اور میں اسے وہم قرار دیتا ہوں کہ پرندہ اپنا منہ کھولتا ہے تو اس کے بڑے بڑے دانت دکھائی دیتے ہیں اور اس کی زبان باہر نکلتی ہے جس پر ملک الموت لکھا دکھائی دیتا ہے۔ میں چیخ مار کر پیچھے ہٹتا ہوں تو میری آنکھ کھل جاتی ہے''۔

شمس الدینؒ ابوالعباس بڑے غور و انہماک سے اس کا خواب سن رہا تھا۔ اس نے بات مکمل ہونے پر اپنی گردن جھکائی اور کچھ دیر کے لئے آنکھیں میچ لیں۔ سیف الدین محمود قطوزی اس کے انہماک کو دیکھ کر خاموشی سے منتظر بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد شمس الدینؒ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کھنکار کر انا للہ و انا الیہ راجعون...... کہا اور پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''محمود! اللہ تعالیٰ ہم سب کے حال پر رحم فرمائے تمہارا خواب کسی حد تک مبارک ہے اور کچھ پریشان کن بھی۔ بلادِ مصر کی حفاظت چونکہ اس وقت تمہارے ذمے ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں قبل از وقت ایک آنے والے خطرے سے آگاہ کیا ہے وہ خطرہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ وہ جو کچھ بھی ہے بڑا شدید اور ہولناک ہے۔ اس ہولناکی کا ٹل جانا بھی تمہارے خواب سے ثابت ہے۔ سفید پرندے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہے۔ البتہ جس پرندے کا تم ذکر کر رہے ہو اس کے بارے میں میں کوئی درست رائے نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے کہ تم سے اس قہر الٰہی کے دوران میں کوئی خطا یا برائی سرزد ہو جائے، اسے محض تنبیہی اشارہ کہا جا سکتا ہے یا ممکن ہے کہ اس خطرے کی زد میں تم بھی آ جاؤ''۔

''میری اس بات سے شاید آپ کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ اس طرح کا ملتا جلتا خواب میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا اور پھر منگولوں نے ہماری سرزمین کو روند ڈالا اور بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ بستیوں کی بستیاں تباہ و برباد کر ڈالیں۔ ہمارا خاندان مفلوک الحالی کی چکی میں پس کر رہ گیا۔ کہیں یہ ویسا ہی اشارہ تو نہیں ہے؟''

''اللہ تعالیٰ تمہارے بزرگوں اور بے گناہ لوگوں پر رحم کرے میں نے سلطنت خیوا کی تباہی کا حال سنا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ بلادِ مصر ان سے بہت دور ہے۔ یہاں تک پہنچنے سے پہلے انہیں امیر المومنین سے ٹکرانا ہوگا۔ الحمدللہ بغداد کوئی کچی لکڑی نہیں ہے جسے توڑ لیا جائے۔ تمام امت مسلمہ بغداد پر اپنی جان چھڑکتی ہے۔ اس کی جانب اُٹھنے والی منگولوں کی ہر انگلی کو توڑ دیا جائے گا تم منگولوں کی جانب سے اطمینان رکھو۔ اگر انہوں نے ایسی غلطی کی تو انہیں روئے زمین پر ڈھونڈے سے کہیں پناہ نہیں مل سکے گی''۔

''اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک کرے۔ بلادِ مصر کے اطراف سے اُٹھنے والی پریشانیوں کو میں سنبھال لوں گا مگر جانے کیوں منگولوں کی جانب دھیان جاتے ہی میرا دل ڈوبنے لگتا ہے''۔

شمس الدینؒ ابوالعباس نے نرم لہجے میں اس کی ڈھارس بندھائی اور رات کو سونے سے پہلے چند آیات کا ورد بتایا انہوں نے اس کی حالت کو ماضی کی تلخ یادوں سے تعبیر کیا تھا۔ منگولوں کی ہولناکی اور سفاکی حقیقتاً ایسی ہی تھی۔ جن لوگوں نے اس خونخواری کا عالم اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ عرصہ تک سکون اور نیند سے محروم رہے تھے۔ سلطنت خیوا شاہی جسے خوارزم بھی کہتے ہیں بے حد عظمت و استقلال سے عبارت تھی مگر جب اس پر منگولوں کا عذاب نازل ہوا تو یہ ایسی تباہ و برباد ہو کر بکھری کہ طویل زمانے تک اس کی رونقیں بحال نہ ہو پائیں ایسے روح فرسا مناظر دیکھنے والے کسی فرد کا بعد ازاں ایک عجیب خواب سے خوفزدہ ہو جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ شمس الدینؒ ابوالعباس نے ہر ممکن کوشش کی کہ سیف الدین محمود کے دماغ میں چھایا ہوا خوف و ہراس کم کر دیا جائے اور ان کی کوشش بے کار نہیں گئی تھی۔ سیف الدین محمود قطوزی جب وہاں سے نکلا تھا تو اس کا چہرہ پُرسکون تھا۔

❁ ❁ ❁

بیبرس زندگی کی یکسانیت سے اس قدر اکتا جاتا کہ کبھی کبھار وہ خود کو ناکارہ خیال کرتا۔ وہ ایک ہزار سپاہیوں کا سالار بن چکا تھا مگر جنگ و جدل کے معرکے دورِ امن میں سرد پڑ چکے تھے۔ اس نے اپنے فارغ اوقات میں یہ معمول بنالیا کہ وہ شیخ عزالدینؒ کی خدمت میں حاضر رہتا اگر وہ قاہرہ کی مرکزی مسجد جامع عمرو بن عاصؓ میں درس و تدریس میں مصروف ہوتے تو ان کی باتوں کو بڑے انہماک سے سنتا۔ شیخ عزالدینؒ جامع عمرو بن عاصؓ کے مہتمم و منتظم بھی مقرر تھے۔ یہاں وہ ہر وقت لوگوں پر تعلیماتِ شرعیہ کے پھول برسایا کرتے تھے۔ اگر شیخ عزالدینؒ کمرۂ عدالت میں ہوتے تو بیبرس وہاں بھی موجود ہوتا اور ان کے فیصلوں کو بڑی توجہ سے سنتا۔ رات کی مجالس میں تو وہ پہلے بھی شامل ہوا کرتا تھا۔ یہ معمول ایک عرصے سے جاری تھا۔ شیخ عزالدینؒ بیبرس کی عقیدت دیکھ کر اس میں دلچسپی لینے لگے۔ وہ اکثر اسے پند و نصائح کیا کرتے اور سابقہ خلفاء اور سلطانوں کے ایمان افروز واقعات سناتے۔ یہ صرف بیبرس کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کی مجالس کے معمول کا ایک حصہ بھی تھا۔ بیبرس کے علاوہ امیر فارس الدین اقطائی بھی ان کے پاس آیا کرتا۔ سلطان الملک المعز کی وفات کے بعد اسے سپہ سالارِ اعلیٰ بنا دیا گیا تھا اس منصب کے باعث اس کی دیگر مصردفیات بڑھ گئیں۔

ایک دن بیبرس شیخ عزالدینؒ کے پاس چلا آیا وہ چہرے سے کچھ افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ شیخ عزالدینؒ نے اس کی جانب دیکھ کر خیریت معلوم کی تو اس نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ شیخ عزالدینؒ اس وقت کمرۂ عدالت میں موجود تھے اس لئے انہوں نے زیادہ دباؤ نہیں ڈالا۔ البتہ رات کی مجلس میں انہوں نے اس سے افسردگی کی وجہ دریافت کی۔ بیبرس کچھ دیر تک خاموش رہا۔ ان کے دوبارہ استفسار پر اس نے لب کشائی کی۔

''اک عجیب سے خواب نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ آج صبح جب خواب سے بیدار ہوا تو اذانِ فجر کانوں میں پڑی تو میں مزید پریشان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ ہم سب پر رحم و کرم فرمائے''۔

''اگر تو کوئی اچھا خواب ہے تو بیان کر دو ورنہ خاموشی میں ہی بہتری ہے''۔ شیخ عزالدینؒ نے کہا۔

''میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ اس میں اچھائی ہے یا نہیں......!'' بیبرس گومگوئی کے عالم میں بولا۔

''چلو بتا ڈالو! ورنہ مخمصے کا شکار رہو گے''۔ شیخ عزالدینؒ کے چہرے پر تبسم پھیل گیا۔

''خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں روضہ رسول ﷺ کے باہر بے کار بیٹھا ہوا ہوں اور دل میں خواہش مچل رہی ہے کہ کوئی کام مل جائے تو وہ کر ڈالوں مگر کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ میں اسی کیفیت کا شکار تھا کہ ایک لمبی قامت، متناسب جثے کا باریش شخص میری جانب بڑھا اور کڑکتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''نوجوان ایک کام کر دو گے؟'' میں نے اسے جواب دیا۔ ''الحمدللہ! اسی فکر میں ہلکان ہوئے جا رہا ہوں''۔ اس نے میری بات سن کر ایک لمحہ کچھ سوچا اور پھر اپنی چادر اتار کر میری جانب بڑھا دی اور کہا کہ یہ پھٹ گئی ہے اسے سی دو۔ میں اس کی چادر میں دیکھنے لگا جہاں ایک بڑا حصہ سرے سے ہی غائب تھا۔ میں نے اسے کہا کہ اس کا باقی ٹکڑا بھی لاؤ کہ اسے سی دوں۔ اس نے مجھے کہا کہ نوجوان یہ بس اتنی ہی بچی ہے۔ اسی میں کوئی کاریگری دکھاؤ۔ میں ہنسنے لگا۔ وہ میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا کہ میرے پاس سوئی دھاگہ نہیں ورنہ اسے ایسا رفو کرتا کہ یہ سوراخ بند ہو جاتا۔ اس نے اپنے لباس میں سے ایک سوئی اور دھاگے کا لچھا میری جانب بڑھا دیا اور بولا اور کچھ تو نہیں چاہئے؟ میں نے اس کے ہاتھ سے چیزیں لے کر کہا کہ بس کافی ہیں۔ اس کے بعد میں نے سر جھکایا اور وہ چادر رفو کرنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب میں اپنا کام مکمل کر چکا تو سر اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں میری آنکھ کھل گئی''۔ بیبرس خاموشی سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

''الحمدللہ! یہ تو بڑا مبارک خواب ہے''۔ شیخ عزالدینؒ اپنی جگہ جھوم اُٹھے۔ حاضرین محفل میں بیبرس کی

بات پر تجسس سا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ منتظر تھے کہ شیخ عزالدینؒ کیا تعبیر بتائیں گے۔

''حضرت! ہمیں بھی کچھ سمجھایئے کہ یہ سب کیا ہے؟'' حاضرین میں سے ایک شخص بے تابی سے بول اُٹھا۔ دوسروں کے چہرے بھی تائیدی نگاہوں سے شیخ عزالدینؒ کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''مزید کچھ بتائیں گے کیا؟'' بیبرس آہستگی سے بولا۔ شیخ عزالدینؒ نے نفی میں گردن ہلائی تو حاضرین کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ شیخ عزالدینؒ نے حاضرین مجلس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرتے ہوئے دوسری بات چھیڑ دی اور ایسی عمدگی سے سلسلہ کلام جوڑا کہ سب کی توجہ بیبرس کے خواب سے ہٹ گئی۔ تہجد سے کچھ پہلے اس محفل کا اختتام ہوا اور سب لوگ اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹنے لگے۔ بیبرس نے آگے بڑھ کر شیخ عزالدینؒ سے مصافحہ کیا تو ان کی سرگوشی نما آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''جس شخص نے تمہیں وہ چادر دی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ تھے اور وہ چادر کچھ اور نہیں خلافت الٰہیہ ہے جس کی حفاظت کے لئے تمہیں منتخب کر لیا گیا ہے۔ یہ بات اپنے تک محدود رکھنا۔ وقت آنے پر خود ہی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی کہ خلافت کی حفاظت کی ذمہ داری تم پر ڈال دے جائے گی''۔

بیبرس چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔ انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے اسے رخصت کر دیا۔ بیبرس کچھ اور پوچھنا چاہ رہا تھا مگر شیخ عزالدینؒ اس کے مزید ٹھہرنے پر راضی نہیں تھے۔ وہ بے چارگی کے عالم میں وہاں سے نکل آیا۔ گھر تک پہنچنے تک اس کے ذہن میں شیخ عزالدینؒ کے فقرے گونجتے رہے۔ اسے کسی قدر خوشی بھی تھی کہ اس کی جان ناموسِ خلافت کے کام آ جائے تو اس کے لئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے؟ مگر پریشانی اس امر کی تھی کہ ناموس خلافت پر ایسی کون سی مصیبت ٹوٹنے والی ہے جس سے اس کا ایک حصہ ہی گم ہو جائے گا۔ وہ خیالات کے بھنور میں پھنس کر جانے کیا کیا سوچتا رہا اور بالآخر نیند کے شدید غلبے نے اس کی سب پریشانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین بے حد چوکنے انداز میں بیٹھا ارد گرد دیکھ رہا تھا۔ کوئی نہ کوئی ضرور اس کے قریب میں موجود تھا جو اُسے بخوبی دیکھ رہا تھا اور اپنی موجودگی کے منکشف ہو جانے پر دبک کر بیٹھ گیا تھا۔ بالآخر اس سے نہ رہا گیا تو وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور زوردار آواز میں بولا۔

''تم جو کوئی بھی ہو اندھیرے سے نکل کر میرے سامنے آ جاؤ۔ مجھے تمہاری موجودگی کی خبر ہو گئی ہے یہ نہ ہو کہ میری تلوار سے تمہارا خون ناحق بہہ جائے''۔ مطیع الدین خاموشی سے قرب و جوار میں دیکھنے لگا۔ کچھ دیر تک یونہی سناٹا چھایا رہا پھر کسی کی حرکت کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی سمت میں گھوم گیا۔ اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک کسی کے چلنے کی چاپ سنائی دی مطیع الدین کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں پیش آئی کہ وہ جو کوئی بھی تھا اکیلا نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد دو افراد تاریکی میں سے نکل کر اس کے سامنے آ گئے، ان کے چہرے ڈھاٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے لبادوں میں انہوں نے خود کو لپیٹا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں فوکناجوخان بھی وہاں آ پہنچا۔ اسے دور سے ہی مطیع الدین کی آواز سنائی دی تھی، وہ کسی کی موجودگی یا کسی جانور کے حملے کے خیال میں تیز قدموں سے آیا تھا۔ خیمے کے سامنے وہ دو افراد کو موجود پا کر ٹھٹک گیا۔

''مطیع الدین! کون لوگ ہیں؟'' وہ جلدی سے بولتا ہوا آگے بڑھا۔

''معلوم نہیں! مجھے تو ان کی موجودگی کا احساس کافی دیر پہلے ہو چکا تھا''۔

''کون ہو تم لوگ؟'' فوکناجوخان تیز آواز سے ان کی جانب متوجہ ہوا۔

"مسافر! ہم رستے سے بھٹک گئے ہیں"۔ ایک شخص بولا۔

"کہاں سے آئے ہو اور کدھر جانے کا ارادہ ہے؟" مطیع الدین نے دریافت کیا۔

"ہمیں منگولوں کی سرزمین سے کہیں دور جانا ہے"۔ وہ شخص بولا۔

"کیا مطلب؟" فونا جو خان اس کے جواب پر چونک گیا۔ "صاف صاف بتاؤ"۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہمیں دوست سمجھو، ہم صرف خود کو نقصان پہنچانے والوں پر حملہ کرتے ہیں"۔ مطیع الدین نے تسلی دی۔

"تم شاید مسلمان ہو؟" وہ شخص بولا۔ مطیع الدین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم تم پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ میرا نام شکنان ہے، اور ہمارا تعلق قبیلہ سرخ غر سے ہے"۔ مطیع الدین کو اس کی بات پر حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"میرا تعلق کسی طرح سے بھی قبیلہ سرخ غر سے نہیں ہے میں ضرگا کی قبیلے سے ہوں۔ تم جھگومت، میں تمہاری ہر آفت سے حفاظت کروں گا"۔ فونا جو خان نے اپنا تعارف کرایا۔

"دراصل میں اور یہ اپنے قبیلے سے فرار ہو کر جائے پناہ کی تلاش میں ہیں۔ سرخ غر کے لوگ ہماری تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں"۔

"یہ کون ہے؟ اور تم لوگ اپنے چہرے کھول دو مجھے پوشیدہ چہروں سے وحشت ہوتی ہے"۔ مطیع الدین نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ شکنان نے اپنے چہرے کا ڈھاٹا کھول دیا تھا۔ وہ چہرے سے منگول نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اس بات پر مطیع الدین کو حیرت ہوئی جبکہ اس کے ساتھ دوسرا فرد چہرہ کھولنے سے ہچکچا رہا تھا۔ شکنان نے اسے اشارہ کیا تو اس نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا دیا۔ فونا جو خان اسے دیکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ کوئی عورت تھی۔

"یہ کون ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟" مطیع الدین معاملے کو کسی حد تک سمجھ چکا تھا۔

"یہ میرے منگول آقا کی بیٹی ہے، اسی نے مجھے اس جانب مائل کیا کہ ہم کہیں دور نکل جائیں"۔

"یار مردوں والی بات کرو۔ کیا عورتوں کی سی صفائیاں پیش کر رہے ہو سیدھی طرح کہو کہ محبت کے مارے ہو اور خدا کی زمین پر اپنی جنت بسانے کے درپے ہو"۔ مطیع الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری قبیل کے لوگ لگتے ہیں"۔ فونا جو خان نے مطیع الدین پر پھبتی کسی مطیع الدین مصنوعی غصے سے اسے گھورنے لگا۔

"تم ہمارے ساتھ یہاں آرام کرو۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، سرخ غر کے باپ بھی تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتے"۔ فونا جو خان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ وہ دونوں شاید شدید بھوکے تھے اسی لئے وہ عورت ندرہ پائی اور اس نے اپنی ضرورت کا اظہار کر ڈالا۔ مطیع الدین نے ان دونوں کے لئے کھانا نکالا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ سرخ غر کے لوگ یہیں گھوم رہے ہیں ہمیں چوکنا رہنا ہوگا"۔ مطیع الدین نے فونا جو خان کو مخاطب کیا۔ وہ دونوں اس بات پر اسے دیکھنے لگے۔ فونا جو خان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اطمینان دلایا۔

"چلو! دو دو ہاتھ تو کرنا ہی تھے، کل نہیں تو آج ہی سہی"۔ فونا جو خان نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔ مطیع الدین نے اپنی چھاگل ان کی جانب بڑھائی۔

"شکنان! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں گا، مجھے یقین ہے کہ تم سچ سچ بتاؤ گے"۔

"ہم نے تم پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے اپنے بارے میں صحیح بتایا ہے"۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔

"مجھے تمہارے بارے میں نہیں سرخ غر کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے"۔ مطیع الدین نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا کہ صحیح بتاؤں"۔

"قبیلہ سرخ غر کا قونائی خان سے کیا تعلق ہے؟" مطیع الدین نے سوال کیا۔ اسے کوئی توقع نہیں تھی کہ اس کا جواب اسے مل پائے گا۔

"کون قونائی خان؟" شکنان کی آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی۔ "قبیلہ سرخ غر میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا نام قونائی خان ہو"۔

"اوہ! میں تمہیں صحیح سمجھا نہیں سکا۔ قونائی خان قبیلہ سرخ غر کا نہیں ہے بلکہ وہ سرائے میں رہتا ہے اس کی قبیلے والوں سے کوئی رشتہ داری ہے، جس کے بارے میں، میں نہیں جانتا"۔

"تم کہیں گل دقوز کے باپ کے بارے میں تو نہیں پوچھ رہے جو قتل ہو گیا تھا؟" عورت جو شیلے انداز میں یکدم بول پڑی۔ مطیع الدین اس غیر متوقع بات پر بری طرح اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی پڑی تھیں۔

"ہاں...... ہاں وہی!" وہ چیختا ہوا بولا جیسے اسے ہوش آ گیا ہو۔ "لیکن تم گل دقوز کو کیسے جانتی ہو؟"

"وہ ہمارے ساتھ ہی وہاں سے نکلی تھی مگر......" وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ شکنان اس کی جانب تیز نگاہوں سے دیکھنے لگا شاید اسے اس کی بے جا مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔

"ہاں کہو کہو تم رک کیوں گئی؟" مطیع الدین کی وارفتگی دیکھنے کے لائق تھی۔ فونا جو خان اس نئی صورت حال سے خود پریشان دکھائی دے رہا تھا اس کا ذہن پوری طرح مستعد تھا۔ وہ ان لوگوں کی اچانک آمد اور پھر گل دقوز سے تعلق پر شک و شبہ کا شکار ہو گیا تھا اس کی چھٹی حس بار بار کسی خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔

"دراصل بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ تو ضرور وہاں سے آئی مگر وہ یہاں کسی غار میں ہم سے گم ہو گئی"۔ وہ بات جوڑتا ہوا بولا۔

"گم ہو گئی...... کیا مطلب؟" مطیع الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں اور گہنا نم دونوں صبح ہونے پر اس غار سے باہر نکلے جہاں ہم تینوں رات بھر ٹھہرے تھے ہم دونوں وہاں سے نزدیکی چشمے تک پہنچے اور وہاں ہاتھ منہ دھویا۔ میں نے کچھ جنگلی پھل توڑے اور ہم دونوں واپس غار کی جانب لوٹے تو وہاں غار ہی موجود نہیں تھا۔ میں یہ دیکھ کر سٹپٹا گیا کیونکہ گل دقوز کو ہی راستوں کا علم تھا۔ میں اس بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں تھا"۔

"نوجوان! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا کیسی اول فول بک رہے ہو"۔ فونا جو خان نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں گہنا نم کی قسم کھا کر کہہ رہا ہوں ایسا ہی ہوا ہے۔ میں سمجھا کہ شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں لہٰذا ہم دونوں دوبارہ اس چشمے پر پہنچے اور پھر دوبارہ اسی راستے سے واپس وہاں پہنچے مگر وہاں غار نہیں دکھائی دیا"۔ اس کا لہجہ اس کی سچائی کی چغلی کھا رہا تھا۔

"یہ واقعہ کب رونما ہوا؟" مطیع الدین نے دریافت کیا۔

"یہ آج صبح کی بات ہے۔ اس وقت سے ہم اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔ ہم کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ کس طرف کو نکلیں کہ یہ جنگل ختم ہو جائے"۔ گہنا نم نے جواب دیا۔

"اس چشمے کو پہچانتے ہو جہاں تم لوگ گئے تھے"۔ فونا جو خان نے اچانک سوال کیا۔

"ہاں! اسے دیکھ کر پہچان لوں گا"۔

''ٹھیک ہے تم آرام کرو، اس بارے میں کل صبح بات ہوگی''۔ فونگا جو خان نے کہا۔ مطیع الدین شاید کچھ اور بھی پوچھنا چاہ رہا تھا مگر اس نے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ دونوں خیمے سے باہر نکل آئے۔ فونگا جو خان نے ایک دوسرا خیمہ نکالا اور اسے لگانے میں جت گیا۔ مطیع الدین اس کا مقصد سمجھ گیا تھا وہ اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ وہ کام میں مصروف ضرور تھا مگر اس کا دماغ ان لوگوں کی باتوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ فونگا جو خان نے خیمہ لگانے کے بعد جب اسے تنہا آرام کرنے کا کہا تو مطیع الدین نے چونک کر اس سے وجہ دریافت کی۔

''میں رات کو ان لوگوں کا خیال رکھوں گا کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ وہ فرار ہو جائیں گے، صبح ہونے پر میں انہیں ایک نئی چیز دکھاؤں گا تو سب سچائی سامنے آ جائے گی۔ تم بے فکر ہو کر سو جاؤ، سمجھو کل صبح گل وقو ژل جائے گی اگر وہ ان کے ساتھ واقعی آئی ہے تو......!''

مطیع الدین کچھ سمجھ نہیں سکا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے خاموش رہا البتہ خیمے کے بستر پر لیٹنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ کانٹوں کا بستر کسے کہتے ہیں۔

❀ ❀ ❀

برقائی تقریب قرولتائی سے اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے ہمراہ واپس سرائے لوٹ آیا۔ سرائے کا پرانا نام اتل تھا جو کہ دریائے والگا کے کنارے پر آباد تھا۔ چنگیز خان کے بڑے بیٹے توشی خان کو یہ جگہ اس قدر بھائی کہ اس نے اسے اپنی سلطنت کا دارالخلافہ قرار دے دیا۔ اس کے بعد سے اب تک اسے اردوئے زریں میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ برقائی خان کو جس خدشے کا اندیشہ لاحق تھا وہ قدرت نے ایسے مٹا ڈالا تھا جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو۔ یساق کی یہ ترمیم اس کے مقاصد کے لئے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ اس نے سرائے پہنچ کر سب سے پہلے ہر عام و خاص کو اس ترمیم سے آگاہ کیا اور اپنے مسلمان ہو جانے کا برملا اظہار کر دیا۔ منگولوں کے ایک بڑے طبقے نے جو کہ اسلام کی جانب رغبت رکھتے تھے موت کا خوف دور ہوتے ہی اسلام میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ جو لوگ خفیہ مسلمان ہو چکے تھے انہوں نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ باتو خان تک مسلسل ایسی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ وہ اس نئی روش پر خود کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ اسے اب پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے کیوں یساق میں ترمیم کی تجویز پیش کی تھی۔ اس نے غم غلط کرنے کی خاطر خود کو شراب میں ڈبو دیا۔ باتو خان کو قرولتائی میں اپنی سبکی کا شدید دکھ تھا۔ وہ اکثر نشے کے عالم میں برقائی خان کو کوستا رہتا کہ کاش وہ اس کا بھائی نہ ہوتا۔

دریائے والگا کے کنارے برقائی خان کا محل مسلمانوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ برقائی خان نے مطیع الدین کی جانب قاصد دوڑایا۔ اس کی غیر موجودگی کی خبر پا کر وہ لمحہ بھر کو پریشان ہوا مگر دوسری مصروفیت نے اسے اس جانب سے غافل کر دیا تھا۔ جوں جوں دن گذرتے جا رہے تھے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ زریں خیل منگولوں میں اسلام کی جانب رغبت بڑھنے لگی۔ برقائی خان نے اپنے کچھ قاصد دربار خلافت میں بھی تحائف کے ساتھ روانہ کئے تا کہ سلطنت خوارزم کے سینے میں لگائے گئے زخموں کا کسی حد تک مداوا کیا جا سکے۔

ایک دن وہ اپنے محل میں موجود تھا کہ اس کے بھائی باتو خان کا بڑا بیٹا سرتاق وہاں آ گیا۔ بھتیجے کو دیکھ کر برقائی خان بڑی محبت سے پیش آیا۔ سرتاق کی عمر اکیس برس سے اوپر تھی۔ وہ بڑا مغرور اور ظالم طبیعت کا مالک تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو ناحق قتل کیا اور شرفاء کی عزتیں اچھالی تھیں۔ اس کا دبدبہ ایسا تھا کہ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ اس کی شکایت باتو خان سے کرتا۔ یہی چیز اس کا مزاج بگاڑنے کے لئے کافی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ باتو خان تک اس کی حرکات کی پوری خبر پہنچ جایا کرتی اور وہ پوشیدہ انداز میں مراعات سے شرفاء کی دل جوئی کرتا رہتا۔ اسے خوف تھا کہ اس کے بعد اگر سرتاق بادشاہ بنا تو سونی صد ملک میں بغاوت کے آثار پیدا ہو جائیں

گے۔ اس نے سرتاق کو کئی بار ہوشمندی اور معاملہ فہمی کی صلاح دی مگر وہ بدمستی کے عالم میں ایسا سرشار تھا کہ اسے اپنے باپ کی بات سننا تو گوارا تھی مگر اس پر عمل کرنا اس کی لغت میں نہیں تھا۔ باتو خان ان کے چال چلن کا شکوہ اکثر برقائی خان سے کیا کرتا کہ وہ ہی اسے راہ راست کی ترغیب دے کیونکہ آنے والے وقت میں انہی لوگوں کے ہاتھ باگ ڈور سونپی جائے گی اگر اس کی روش ایسی ہی رہی تو اردوئے زریں توشی خان کی اولاد کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ برقائی خان نے کسی حد تک اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی تو اس نے برقائی خان سے ہی کنی کترانا شروع کر دی۔ وہ کوشش کرتا کہ اس کا سامنا چچا سے نہ ہو جائے۔

سرتاق کی آمد برقائی خان کے لئے غیر متوقع تھی کیونکہ وہ ایک عرصے کے بعد اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ سرتاق خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گیا اس کے تیور کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے تھے۔

''کہو سرتاق! کیسے ہو اور کہاں غائب ہو گئے تھے، بڑے عرصے کے بعد یہ چچا تمہیں یاد آیا''۔

''چچا!'' سرتاق اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ تم نے کیا کھیل رچا رکھا ہے کہ میرے باپ کا چہرہ غم و اندوہ کی تصویر بن کر رہ گیا ہے''۔

''کیا ہوا؟'' برقائی خان اس کی بات سمجھ نہیں سکا۔ سرتاق اس کی سادگی پر ہونٹ کاٹنے لگا۔ ''تم سمجھتے ہو کہ جاودانی آسمان کے تنگری کو چھوڑ کر ان ملعونوں کے ساتھ سکھ چین سے رہ پاؤ گے ......ایسا نہیں ہوگا یہ تمہاری بھول ہے''۔

''میں نے روشنی کو پا لیا ہے اور یقین مستحکم رکھتا ہوں کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میری زندگی ویسی ہی گذرے گی جیسے پہلے گذر رہی تھی البتہ میری عاقبت خوشگوار ہوگی''۔ برقائی خان نے جواب دیا۔

''تم کچھ نہیں سمجھتے چچا! تمہارا دماغ سٹھیا گیا ہے۔ میں تمہیں آخری بار تنبیہ کر رہا ہوں کہ اس بدمزگی کو پھیلانے سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارے خون میں میرے ہاتھ تر ہو جائیں گے''۔ سرتاق تیز آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''لڑکے! ابھی تمہارے دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے، یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا۔ یاد رکھو کہ میں بھی تمہارا چچا ہوں''۔ برقائی خان اس کی بدتمیزی پر بھڑک گیا تھا۔

''چچا! کچھ عرصے کی بات ہے، خوب موج کر لو۔ پھر میں دیکھوں گا کہ گیدڑ بھبکیاں کس کی نکلیں گی''۔ سرتاق پاؤں پٹخ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اپنے اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ میرے ہاتھ تمہارے خون میں نہ رنگے اور تمہیں میری راہ میں لا کر کھڑا نہ کرے''۔ برقائی خان نے دانت پیس کر جواب دیا۔

''مگر میں جاودانی آسمان کے تنگری سے ضرور یہ دعا کروں گا کہ مجھے وہ ایسا موقع ضرور دے کہ میں تمہیں سبق سکھا سکوں اور واپس اپنی سابقہ روش کو اختیار کرنے مجبور کر دوں''۔ سرتاق طنزیہ انداز میں بولا۔ برقائی خان چپ رہا۔ سرتاق کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر ناک بھوں چڑھاتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ برقائی خان کو اس کے رویئے پر شدید رنج ہوا تھا۔ وہ باتو خان کے سب لڑکوں اور اپنے بھائیوں سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ سرتاق بدتمیزی کی تمام حدود پار کر جائے گا۔ اس نے تحمل کا دامن پکڑے رکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اردوئے زریں میں کوئی بگاڑ پیدا ہو یا بدمزگی پھیلے۔ یہی وہ دن تھا جس نے اس کی تمام تر توجہ سلطنت کے امور کی جانب موڑ دی۔ وہ باقاعدہ طور پر ریاستی معاملات میں دلچسپی لینے لگا۔

❀ ❀ ❀

شنک گل وقوژ کا ماموں زاد بھائی تھا وہ زیادہ تر شکار میں مشغول رہا کرتا۔ گل وقوژ کو قبیلہ سرخ غر میں لانے کے بعد وہ حسب عادت پھر شکار پر نکل کھڑا ہوا۔ جب گھر کی یاد نے ستایا تو قبیلے میں لوٹ آیا۔ قبیلے میں پہنچنے کے بعد اسے گل وقوژ کا خیال آیا۔ گل وقوژ کے بارے میں اس کے دل کے کسی گوشے میں ہمدردی موجود تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ منک آنہ کی تحویل میں ہے جو اسے اپنے داماد تونائی خان کے قتل کے جرم میں کوئی خوفناک سزا دینا چاہتا ہے۔ گل وقوژ کا اصل جرم کیا تھا اس بارے میں شنک لاعلم تھا۔ اس نے قبیلے میں پہنچتے ہی گل وقوژ کی خیریت معلوم کی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ دو دن قبل قبیلے کی ایک دوسری لڑکی گہنانم اور ایک غلام شکنتان کے ساتھ فرار ہوگئی ہے۔ یہ اس کے لئے حیرت کی بات تھی کہ قبیلے سرخ غر میں سے تین کمزور افراد اچانک فرار ہو جائیں اور قبیلے والوں میں سے کسی کو کچھ معلوم ہی نہ ہو سکے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فرار کے منصوبے اچانک نہیں بنتے۔ ان کے پیچھے کئی دن کی سوچ بچار اور کسی نہ کسی کی مدد ضرور شامل ہوتی ہے۔ وہ اسی معاملے پر بات کرنے کی غرض سے منک آنہ کے پاس پہنچا۔ منک آنہ نے اپنے پوتے کو دیکھا تو اس کا چہرہ دمک اُٹھا۔

''دادا!'' شنک بولا۔ ''یہ میں گل وقوژ کے بارے میں کیا سن رہا ہوں؟''

''اس کی عقل میں خلل واقع ہوگیا تھا اسی لئے اس نے طبعی موت کے بجائے حادثاتی موت کو اپنے لئے چن لیا۔ تم اس کی فکر نہ کرو، وہ اپنے انجام تک پہنچ گئی ہے۔ میری گرفت سے کوئی اتنی آسانی سے فرار نہیں ہو سکتا''۔

''تو کیا...... گل وقوژ کو آپ نے ہلاک کروادیا ہے؟ وہ آپ کی نواسی تھی''۔ شنک چونک اُٹھا۔

''بے فکر رہو! وہ ابھی ہلاک نہیں ہوئی بلکہ صرف موت سے نبرد آزما ہے۔ یہ اس کی آخری سزا تھی۔ میں نے سمجھانے بجھانے کی بڑی کوشش کی کہ وہ تم سے شادی کر کے ہنسی خوشی زندگی بسر کرے مگر اس بدتمیز لڑکی کے دماغ پر کسی مسلمان کا بھوت سوار تھا۔ ایسی بغاوت کم از کم میں برداشت نہیں کرسکتا تھا''۔ منک آنہ کی بات سن کر شنک کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہونے لگے۔

''صحیح بتایئے کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''تمہارا چہرہ کیوں متغیر ہو رہا ہے، گل وقوژ کسی بھی ہمدردی کے لائق نہیں تھی''۔ منک آنہ نے اس کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''دادا!'' شنک بے چینی سے بولا۔ ''آپ میری فکر نہ کیجئے بلکہ مجھے صرف اتنا بتایئے کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''میں نے اسے آخری رسم کی سزا دے دی ہے اور وہ اپنی سزا بھگت رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج رات کے بعد وہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے گی''۔

''کیا......!'' شنک اپنی جگہ اچھل پڑا۔ ''یہ آپ نے کیا ظلم کیا؟ گل وقوژ اگر آپ سے نہیں سمجھ پائی تھی آپ مجھے کہہ دیتے میں اسے سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آتا۔ ہمارا اس سے خونی رشتہ تھا''۔

شنک کے چہرے پر گہرا تاسف پھیل گیا۔ منک آنہ اس کی متغیر حالت پر پریشان تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بات کی کیسے وضاحت کرے کہ شنک مطمئن ہو جائے۔ لہٰذا وہ خاموش رہا۔ کچھ توقف کے بعد شنک دوبارہ بولا۔

''آپ نے اسے کہاں بند کیا ہے؟''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' منک آنہ نے الٹا سوال پوچھ لیا۔ شنک کا چہرہ بالکل سپاٹ دکھائی دے رہا تھا۔

''میں اسے وہاں واپس لانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری بات مان جائے گی''۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے، میں نے اچھی طرح سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ اگر مجھے اس کے فیصلے میں لچک دکھائی دیتی تو میں کبھی اتنا بڑا اقدم نہ اُٹھاتا''۔

''یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے، اگر میں اسے سرائے سے یہاں تک لا سکتا ہوں تو اس کے خیالات کا دھارا موڑ بھی سکتا ہوں''۔ شنک کے لہجے میں پختہ عزم کی جھلک دکھائی دی۔

''شنک! میرے بچے تمہیں ابھی ایسی باتوں کا تجربہ نہیں ہے۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ عشق و محبت کا بھوت کیا ہوتا ہے؟ جن پر یہ بھوت سوار ہو جاتا ہے وہ خونی رشتوں کو بھی ٹھوکر پر رکھ لیتے ہیں''۔

''میں آپ کی بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ آپ صرف مجھے اس جگہ کے بارے میں آگاہ کر دیجئے باقی سب مجھ پر چھوڑ دیجئے''۔

''پتہ تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں مگر مجھے امید نہیں ہے کہ تم اسے زندہ پا سکو گے''۔ منک آنہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا اور پھر وہ اسے اس جگہ کے بارے میں بتانے لگا جہاں اس نے گل وقوژ کو بند کر دیا تھا۔ شنک منک آنہ سے تمام تفصیلات معلوم کرنے کے بعد اسی رات کوہ سرخ غر کی جانب روانہ ہوگیا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ہر حال میں گل وقوژ کو بچا لینے میں کامیاب ہو جائے گا البتہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ایک مبہم سا خدشہ بھی اس کے ذہن کے پردوں پر دستک دے رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

دوسری صبح فوئنا جو خان مطیع الدین کی صورت دیکھ کر بخوبی سمجھ گیا تھا کہ وہ رات بھر صحیح طریقے سے سو نہیں پایا ہے۔ اس نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے عشق کی علت کو اچھی طرح نوازا تھا۔ یہ اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ضرگامی قبیلے کے کئی نوجوان اس کے سامنے عشق کی بدولت ایسی ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے رہے تھے کہ دیکھ کر ہنسی چھوٹ جاتی تھی۔ اس نے مطیع الدین کو منہ ہاتھ دھو لینے کا مشورہ دیا تو مطیع الدین اس کی جانب خونخوار نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ فوئنا جو خان نے اس لمحے اس سے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا اور دوسرے خیمے کی جانب بڑھ گیا جہاں گہنانم اور شکنتان مقیم تھے۔ خیمے میں داخل ہوتے ہی فوئنا جو خان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں کیونکہ خیمہ بالکل خالی تھا۔ وہ ہونقوں کی مانند خیمے کے عقب میں لگائی گئی نقب کو دیکھ رہا تھا جو اس کی تمام رات کی نگرانی کا منہ چڑا رہی تھی۔ وہ تیزی سے خیمے کی عقبی سمت میں بڑھا۔ وہاں موجود مٹی پر اسے ان دونوں کے پاؤں کے نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ فوئنا جو خان رتجگے سے اتنا نڈھال نہیں ہوا تھا جتنا ان دونوں کے فرار پر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جھک کر مٹی پر موجود پاؤں کے نشانات کا بغور جائزہ لینے لگا۔ فوئنا جو خان نے جب گذشتہ شام یہاں خیمے نصب کئے تھے، انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس جگہ بھربھری مٹی موجود ہے جو کہ قدموں کی چاپ کو دبا دیتی ہے۔ اگر چلنے والا محتاط انداز میں پاؤں رکھے تو پھر کسی قسم کی آواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بھربھری مٹی کا یہ قطعہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ قدموں کے نشانات پر آگے بڑھتا رہا۔ کچھ دور آ کر پاؤں کے نشانات غائب ہو گئے تھے۔ یہاں سے وہ دونوں کچے راستے سے ہٹ کر پتھریلی سطح پر چلنے لگے تھے۔ فوئنا جو خان نے اس مقام سے گرد کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر کھڑا تھا کہ جہاں سے ان دونوں کے سفر کی منزل کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ واپس خیمے کی جانب لوٹ آیا۔ مطیع الدین منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہو چکا تھا۔ وہ فوئنا جو خان کو خیمے کی عقبی جانب سے آتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوگیا۔ فوئنا جو خان کے چہرے پر تکان کے آثار نمایاں تھے۔

''ادھر کیا کرتے پھر رہے ہو؟ چلو ان دونوں کو آواز دے کر بیدار کرو تا کہ رات کے واقعے کی تصدیق کی جا سکے''۔ مطیع الدین کہا۔

''خیمے میں کوئی نہیں...... وہ دونوں میرے خدشے کے مطابق فرار ہو چکے ہیں''۔

''کک...... کک...... کیا مطلب......؟ تم ساری رات کہاں جھک مارتے رہے تھے......؟'' مطیع الدین کے چہرے کی رگیں اس کی بات پر کھنچنے لگیں۔

''اس میں میرا قصور نہیں ہے، وہ بھر بھری مٹی کا فائدہ اُٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے خیمے میں نگاہ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا، اس لئے معلوم نہیں ہو پایا کہ وہ رات کے کس پہر میں نکل گئے''۔ فو ننا جو خان نے جواب دیا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر دانت پیس کر رہ گیا۔ خیمے کے عقب کا پھٹا ہوا حصہ دیکھ کر وہ تلملا کر رہ گیا۔ وہ اسی حصے میں سے گذر کر خیمے کی عقبی جانب نکل آیا۔ فو ننا جو خان اپنی جگہ بدستور کھڑا اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ مطیع الدین مٹی پر موجود نشانات کے جائزے میں مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد مطیع الدین شکستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کی جانب لوٹ آیا۔

''پاؤں کے گڑھوں میں کناروں سے مٹی کی ایک چھوٹی سی تہہ گری ہوئی ہے جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ لوگ ہمارے خیمے سے باہر نکلنے کے قریباً ایک ساعت کے بعد ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ مجھے تم پر حیرت ہے کہ تم تو خیمے کے پاس ہی موجود تھے تمہیں ذرا سی بھی آہٹ سنائی نہیں دی......!'' مطیع الدین ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسردہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے رات ہی ان پر شبہ ہو گیا تھا کہ وہ صریحاً غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں''۔ فو ننا جو خان نے کہا۔

''تم مجھے رات کچھ کہہ رہے تھے کہ صبح ہونے پر حقیقت واضح کروں گا......؟'' مطیع الدین نے بات کا رُخ پلٹا۔

''میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن ممکن ہے کہ میرا اندازہ کسی حد تک صحیح ہو......!''

''دیکھو......! میں پہلے ہی ساری رات نہیں سو پایا، میرے صبر کو مزید امتحان میں مت ڈالو''۔ مطیع الدین کی آواز بلند ہونے لگی۔ فو ننا جو خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پُرسکون ہونے کا کہا۔

''ہمیں خیمے سمیٹ لینے چاہئیں تا کہ ہم اس جانب نکل جائیں جس کا خیال رات کو میرے ذہن میں کوندا تھا۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہی درست ہو......!'' فو ننا جو خان نے کہا۔

مطیع الدین اس کی بات پر خاموش ہو گیا لیکن کچھ توقف کے بعد پھر بول پڑا۔ ''اگر تھوڑی سی کوشش کی جائے تو ہم ان دونوں مفروروں کو تلاش کر لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں جبکہ وہ پیدل ہیں۔ وہ سرائے کی جانب ہی گئے ہوں گے۔ شام ڈھلنے سے پہلے انہیں سرائے کے باہر پکڑا جا سکتا ہے''۔

''میرے خیال میں یہ بھاگ دوڑ فضول ہوگی، اگر انہیں واقعی راستوں کا صحیح علم نہیں ہے تو سرائے جانے والے راستے سے بھٹک کر کسی دوسری سمت بھی نکل سکتے ہیں''۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ...... وہ حقیقتاً جھوٹ بول رہے ہوں''۔ مطیع الدین کا چہرہ پُرسکون ہو چکا تھا۔ چند لمحے پہلے دکھائی دینے والا اضطراب مٹ چکا تھا۔ فو ننا جو خان نے نفی میں سر ہلایا اور خیموں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اب خیموں کو اکھاڑنے میں مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ شکار کی یہ مہم بدمزگی کا شکار ہو چکی تھی۔ مطیع الدین نے اس کے ساتھ مل کر خیموں کو سمیٹا اور سارا سامان گھوڑوں پر لادا۔ دن کے پہلے حصے میں وہ دونوں ہلکا پھلکا ناشتہ

کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مطیع الدین فو ننا جو خان کی رہنمائی میں اس جانب بڑھ رہا تھا جہاں ایک چشمہ انہیں دور سے چمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

ایک دن بلادِ مصر کے کم سن سلطان نور الدین المنصور کا اتالیق مصر سیف الدین محمود قطوزی اپنے محل میں کچھ سرکاری کاموں میں مصروف تھا کہ اسے سابق ملکہ بدر منیر لولو کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس نے اپنی کنیزوں کو اُسے زنان خانے میں بٹھانے کے لئے کہا اور عجلت میں اپنے کام نمٹا کر محل کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ آیا۔ ملکہ بدر منیر لولو سیاہ لباس میں ملبوس ایک جانب پڑی ہوئی صراحی کو دیکھنے میں مشغول تھی۔ سیف الدین محمود قطوزی کی آہٹ پا کر وہ مڑی۔ لمحہ بھر کے لئے سیف الدین محمود اسے دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ ملکہ بدر منیر نے چہرے سے مخملیں نقاب ہٹا رکھا تھا اور سیاہ ریشمی لباس میں اس کا حسن مزید بجلیاں گرا رہا تھا۔ سیف الدین محمود ملکہ بدر منیر کے حسن کی تاب نہ لا سکا اور اس نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ ملکہ بدر منیر اس کی حرکت پر دھیرے سے مسکرانے لگی۔

''ملکہ عالیہ......!'' سیف الدین محمود نگاہیں جھکائے بولا۔ ''آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں گوارا کی، مجھے پیغام بھجوا دیا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا''۔

''نوجوان......! ہمیشہ پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے نہ کہ کنواں پیاسے کے پاس جاتا ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے ایک ادا سے کہا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں......!'' سیف الدین محمود کسی قدر گھبرا کر بولا۔

''جان بوجھ کر نادان نہ بنو میں خوب جانتی ہوں کہ تم میری بات سمجھ رہے ہو''۔

''آپ کی بات سمجھنا درکنار، میں تو ابھی تک آپ کی آمد کا مقصد بھی سمجھ نہیں پایا''۔ سیف الدین محمود سپاٹ لہجے میں بولا۔ اس کے ماتھے پر بکھری اُلجھن کی شکنیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ واقعی پریشان ہو رہا تھا۔ ملکہ بدر منیر کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس نے بھانپ لیا کہ اسے سمجھانے کے لئے لفظوں کا سہارا ہی لینا پڑے گا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

''تم ابھی جوان ہو، زندگی کا ایک بڑا حصہ باقی ہے۔ کیا تم اسی ڈھب سے اپنی باقی زندگی بھی بسر کرنا چاہو گے......؟'' ملکہ بدر منیر کے لہجے میں شیرینی رچی ہوئی تھی۔

''یہ تو خیر میں نہیں جانتا کہ آنے والے دنوں میں کیا ہوگا؟ فی الحال میں اپنی زندگی کے اسی انداز سے مطمئن ہوں''۔ سیف الدین محمود نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔

''تم ذرا تصور کی آنکھ سے اس دن کا نظارہ کر سکتے ہو جب کم سن نور الدین جوان ہو جائے گا اور امورِ مملکت اپنے ہاتھوں میں لے لے گا تو کیا وہ اس وقت تمہارا شکر گذار ہوگا کہ تم نے اتنے عرصے تک اس کی سلطنت کا نظام خوش اسلوبی سے چلایا اور اس کے ناسمجھی کے زمانہ میں اس کے حق کو ہر خطرے سے محفوظ رکھا۔ کیا تم اس وقت عنانِ اقتدار اپنے ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر بے موت نہیں مر جاؤ گے......؟'' ملکہ بدر منیر نے اپنی بات آگے بڑھائی۔

سیف الدین محمود ابھی بھی اس کی بات نہیں سمجھ پایا تھا۔

''ملکہ عالیہ......!'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''میری عقل سے باہر ہے کہ آپ مجھے کیا باور کرانا چاہتی ہیں؟ کیا میں کم سن سلطان کے حق پر قبضہ جما لوں یا پھر اس ذمہ داری سے دستبردار ہو جاؤں......؟''

''تم میری بات کو کسی حد تک سمجھ رہے ہو۔ میرا سمجھانے کا مقصد کسی کے حق پر ڈاکہ زنی کرنا نہیں ہے بلکہ تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ تمہیں اپنے مستقبل کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مصری مملوک تمہاری تقرری کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے، وہ کسی بھی وقت تمہاری ٹانگ کھینچ کر ریاستی باگ ڈور خود سنبھالنے کی فکر میں ہیں''۔

''میں اس بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور ان کے اوچھے ہتھکنڈوں کا جواب دینا مجھے خوب آتا ہے۔ آپ مجھے صرف یہ بتایئے کہ ان سب باتوں سے آگاہ کرنے میں آپ کا کیا مفاد ہے......؟''

''مفاد...... اس میں میرا مفاد نہیں، بلکہ پسندیدگی پوشیدہ ہے۔ میری کوئی ایسی عمر بھی نہیں کہ میں زندگی کے بقیہ ایام بیوگی میں بسر کروں۔ میں اپنی زندگی کے اگلے فیصلے میں تمہیں اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتی ہوں''۔

ملکہ بدر منیر کے بات سن کر سیف الدین محمود لحہ بھر کے لئے بھونچکارہ گیا۔ اسے قطعاً کوئی ایسا اندازہ نہیں تھا کہ ملکہ بدر منیر یک لخت یہ کہہ ڈالے گی۔ وہ سکتے کے عالم میں کھڑا بے یقینی سے ملکہ بدر منیر کی صورت تکے جا رہا تھا۔ ملکہ بدر منیر کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔

''کیا آپ کو اپنا اعزاز برقرار رکھنا عزیز نہیں رہا......؟'' سیف الدین محمود بمشکل بولا۔

''جو اعزاز مجھے حاصل ہے وہ ہمیشہ رہے گا بلکہ ہم دونوں آپس میں مل جل کر نور الدین کی عمدہ انداز میں تربیت کر سکتے ہیں اور اسے سلطنت کے سرکشوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں''۔ ملکہ بدر منیر نے جواب دیا۔

''آپ بے شک حسن کا شاہکار ہیں مگر میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہوں۔ لوگ اسے میری خود غرضی سمجھیں گے۔ خدانخواستہ اس دوران مجھ سے کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو میں اللہ کے نزدیک مجرم قرار پاؤں گا''۔ سیف الدین محمود نے معذرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

''اونچ نیچ تو اس فیصلے کے بغیر بھی ہو سکتی ہے، بلکہ کوئی دوسرا فرد تمہارے منصب پر قبضہ جمانے کے بعد کم سن سلطان کی بھی چھٹی کرا سکتا ہے۔ تم ایک دین دار اور متقی شخص ہو۔ میرے ساتھ مل کر چلنے سے بھی تو کم سن سلطان کو ہی فائدہ پہنچے گا اور شادی تو تمہیں ایک دن کرنا ہی ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے مدلل بات کی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو دوبارہ اختیارات حاصل کرنے کی طمع کچھ زیادہ ہی ہے''۔ سیف الدین محمود ملکہ بدر منیر کے واضح عندیے کو سمجھ کر ہنس پڑا۔

''طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر میں بھی تمہاری جگہ ہوتی تو ممکن تھا کہ یہی خیال میرے ذہن میں آتا۔ تمہیں یہ بخوبی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ میں اب بھی اختیارات کی مالک ہوں جبکہ تمہارے ساتھ تعلق استوار کرنے پر میرا درجہ کم ہو کر محض ایک اتابیکہ کا رہ جاتا ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے اس کی بات کا برا نہیں منایا تھا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں ابھی نکاح کے جھنجٹ میں ہی نہیں پڑنا چاہتا تو......!''

''میں تمہارے فیصلے کا انتظار کر سکتی ہوں''۔ ملکہ بدر منیر اس کی نگاہوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ سیف الدین محمود اس کی بے باکی پر جہاں متحیر تھا وہیں وہ ملکہ بدر منیر کے بارے میں شک و شبے کا بھی شکار تھا۔

''آخر مجھ ہی پر نظر کرم کیوں......؟''

''میں نے تمہیں دل کی بات بتادی ہے کہ مجھے بیوگی میں زندگی بسر کرنے کی کوئی خواہش نہیں، میں نے ایک دن شادی ہی کرنا ہے تو پھر میں اپنی پسند سے کیوں نہ کروں۔ مجھے محض ملکہ کہلانے کا یا عنانِ اقتدار حاصل کرنے کی ضرورت نہیں''۔ ملکہ بدر منیر نے کہا۔

''یعنی آپ مجھے یہ باور کرانا چاہتی ہیں کہ میں آپ کی پسندیدگی کا محور بن چکا ہوں......''

''اس میں کوئی شک نہیں...... تم جوان ہو، خوبصورت ہو، عقل و دانش سے مالا مال ہو، نیک سیرت اور دین دار شخص ہو، ایک اچھے منصب پر فائز ہو۔ ایک عورت کو اور کیا چاہئے؟'' ملکہ بدر منیر نے اس کے اوصاف گنوائے۔

''مجھے اس معاملے میں سوچنے کے لئے کچھ وقت چاہئے''۔ سیف الدین محمود نے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

ملکہ بدر منیر نے آنکھوں کے خفیف اشارے سے رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ اسے سوچ سمجھ لینے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ ''میں تمہارے جواب کا شدت سے انتظار کروں گی......!'' وہ کچھ لمحے اس کے سامنے ساکت کھڑی رہی پھر ایک دلکش ادا سے واپس مڑی اور تمکنت سے قدم اُٹھاتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ ریاست کے انتظام اور کم سن سلطان کے حق کی حفاظت کے سلسلے میں اُسے کوئی فکر دامن گیر نہیں تھی۔ مملوک امرا اس کام میں بے حد فعال تھے۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ اگر وہ پوری کوشش بھی کرے تب بھی مملوک امرا اُسے تاجِ سلطانی تک رسائی حاصل نہیں کرنے دیں گے۔ ملکہ بدر منیر اس رشتے کی آڑ میں کیا حاصل کر سکتی ہے؟ اس ضمن میں اُسے اپنے ذہن کے سب دریچے بند دکھائی دے رہے تھے۔

❁❁❁

محمود بیبرس کافی عرصے سے ایک لگے بندھے معمول پر زندگی گزارتے رہنے کے باعث بے چینی کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ درباری امور اس کے ذمے نہیں تھے کہ وہ انہی میں مشغول رہتا۔ سپاہ کی روزانہ کسرت اور ریاضت کا عمل ایک مخصوص ڈھب پر محیط تھا۔ بیبرس طبیعت کے بوجھل پن سے بے قرار ہونے لگا تو شیخ عز الدینؒ کی خدمت میں پیش ہو کر سارا ماجرا بیان کر دیا۔ شیخ عز الدینؒ اس کی بات سن کر محض مسکرا دیئے۔ انہوں نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے کہیں گھوم پھر آئے۔ سیر و سیاحت میں اُسے ایسے مواقع میسر آئیں گے کہ طبیعت پر چھائی اُداسی اور بے کیفی ختم ہو جائے گی۔ شیخ عز الدینؒ کا مشورہ اُسے پسند آیا اور اس نے جلد ہی قاہرہ سے باہر نکلنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ایک دن اس نے روز روز کی سوچ بچار سے تنگ آ کر چند پرچیوں پر ان سب مقامات کے نام لکھے جہاں اس کے قدم ابھی تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ ان سب پرچیوں کو اچھی طرح بند کر کے اس نے اپنے سفر کا قرعہ نکالا۔ بیبرس کافی دیر تک قرعہ میں ہاتھ لگنے والی پرچی کو لئے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے دھڑکتے دل سے کاغذ کی تہیں کھولیں تو دکھائی دینے والا نام اس کے جذبات سے میل کھاتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کی سیاحت کا قرعہ آرمینیہ کے نام پر کھلا تھا۔ آرمینیہ شام و فلسطین کی سرحدوں پر بالائی جانب ایک خالص نصرانی حکومت تھی۔ یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ اس کی شمال کی جانب سلسلہ پونٹک اور جنوب کی سمت میں سلسلہ کوہ طارس ہے۔ اس کی سرحدیں ایک جانب سے شام و فلسطین سے ملتی تھی تو دوسری طرف انطاکیہ سے متصل تھیں۔ یہ ریاست صلیبی جنگجوؤں کو اپنی حدود سے گزار کر ارضِ مقدس پر منتقل کیا کرتی تھی اور بیزنطینی کلیسا کے ماتحت تھی۔ اس ریاست پر متعدد بار اسلامی لشکروں نے حملے کئے اور تاخت و تاراج کیا مگر اس کی پختہ قدمی ایسی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر بارہا نقصانات اُٹھانے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف جوش و خروش سے سرگرمِ عمل رہی۔ کچھ عرصہ تک یہ علاقے اسلامی سلطنت میں بھی رہے مگر یہاں موجود یہودیوں اور نصرانیوں نے جزیہ دے کر ان مقامات کو اپنی تحویل میں برقرار رکھا۔ یہاں مقیم نصرانیوں اور یہودیوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ یہاں مسلمانوں کو آبادکاری کا موقع نہ فراہم کیا جائے۔ مسلمان اپنی جان و مال کے عدم تحفظ کے پیشِ نظر کم ہی اس

جانب آباد ہوئے اور جو آئے وہ بھی ان کی تعصب پسندی کے باعث یا تو جان گنوا بیٹھے یا پھر لنی پٹی حالت میں شام کی جانب واپس لوٹ آئے۔

ہبرس نے سالار اعلیٰ فارس الدین اقطائی کے سامنے جب اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تو اس نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا مگر جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے بلا بحث و تمحیص اسے سفر کرنے کی اجازت دے دی۔ ہبرس اجازت پا کر سفر کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ اس نے اپنے سابقہ تجربے کے لحاظ سے تجارت کی غرض سے آرمینیہ کا سفر اختیار کیا۔ وہ مصری مصنوعات لے کر ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ قاہرہ سے باہر نکلا۔ یہ قافلہ کئی دن کی مسافت کے بعد الکرک پہنچا جہاں کچھ دن قیام کے بعد وہ انطاکیہ کی جانب بڑھ گیا۔ انطاکیہ سے نکل کر وہ آرمینیہ میں داخل ہوا۔ یہ سفر خاصا تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا۔ قافلے کی سست رفتاری کے باعث وہ مقررہ دن سے کئی دن بعد وہاں پہنچ پائے۔ آرمینیہ کے تاجروں نے نہایت خوش اسلوبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قافلے سے مصنوعات کی خرید و فروخت کی البتہ آرمینیہ کے محافظ دستوں نے ان کی حرکات و سکنات پر گہری نگاہ رکھی تھی۔ انہیں خدشہ تھا کہ تاجروں کے بھیس میں مسلمان جاسوس ان کے علاقے میں داخل ہو سکتے ہیں، اسی لئے انہوں نے الگ ہو جانے والے تاجروں کو خصوصی طور پر نگاہوں کے حصار میں رکھا۔ ہبرس پہلے ہی دن نگرانی کرنے والے افراد کو تاڑ گیا تھا۔ اس نے خواہ مخواہ انہیں مشکوک کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ایک دن وہ گھومتے ہوئے بازار میں نکل گیا۔ وہ گھوم پھر کر آرمینیہ کے اس شہر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی دوربیں نگاہیں شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ بازاروں کی ترتیب کو بھی ذہن میں محفوظ کر رہی تھیں۔ وہ سادہ انداز میں ٹہلتا ہوا بازار کے آخر میں آ نکلا۔ یہاں لوگوں کا جم غفیر دکھائی دیا تو تجسس کی خاطر وہ ان میں داخل ہوگیا۔ سامنے آنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ پنڈال بردہ فروشی کے لئے سجایا گیا ہے۔ بڑے سے چبوترے پر کھڑے نوعمر افراد کی شکلیں دیکھ کر اسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔ ایک دن وہ بھی اسی طرح بازار کے ایسے چبوترے پر بے بس کھڑا تھا کہ اچانک شفیق علاء الدین بندقداری اس کی زندگی میں ہوا کے لطیف جھونکے کی مانند داخل ہوگیا۔

اس نے بکنے والے نوجوانوں کی صورتوں پر اک نگاہ ڈالی۔ اس کی نگاہ گھومتی ہوئی ایک نحیف سے نوجوان پر آ کر ٹھہر گئی۔ وہ خدوخال اور شکل وصورت سے عرب دکھائی دیتا تھا۔ عرب نوجوان کو اس مقام پر پا کر جہاں اسے حیرت ہوئی وہیں اسے یہ اندازہ لگانے میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ یقیناً یہ کسی نصرانی کے ستم کا شکار رہا ہوگا۔ ایک بدہیئت شخص نے چبوترے پر آگے بڑھ کر نیلامی کا آغاز کیا۔ جانوں کی بولیاں لگتی رہیں اور ایک ایک کر کے نوجوان چبوترے سے کم ہوتے گئے۔ ہبرس کو یہ سلسلہ بالکل نہیں بھا رہا تھا مگر وہ اپنی جگہ چھوڑ نہ سکا۔ بالآخر اس عرب صورت نوجوان کو آگے کر کے اس کی بولی کا آغاز ہوا۔ عرب نوجوان کی قیمت بالکل کم لگائی جا رہی تھی۔ یہ بات ہبرس نے خصوصاً محسوس کی۔ اس سے پہلے کہ آخری بولی پر وہ نوجوان کسی کی ملکیت بن جاتا...... ہبرس کے لبوں میں حرکت ہوئی اور اس نے آخری بولی سے دگنی قیمت لگا دی۔ یہ سب غیر شعوری انداز میں ہوا تھا۔ بردہ فروش نے زیادہ قیمت پا کر فوری طور پر یہ سلسلہ ختم کر کے اس نوجوان کو ہبرس کی جانب بڑھا دیا۔ وہ نوجوان سہما سہما سا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی خوفزدہ صورت دیکھ کر ہبرس کے دل پر چوٹ سی لگی۔ ہبرس نے قیمت کی پوٹلی بردہ فروش کی جانب اچھال دی۔ وہ خلاف توقع اتنی رقم پا کر خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ہبرس نے اس نوجوان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پنڈال سے نکل کر بازار میں داخل ہوا ہی تھا کہ ہتھیاروں سے لیس ایک باوردی سپاہی نے اس کا راستہ روک لیا۔ ہبرس چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

چشمے پر پہنچ کر فوکنا جو خان گھوڑے سے اتر آیا۔ مطیع الدین نے بھی اس کی تقلید کی۔ فوکنا جو خان گھوڑے کی باگیں چھوڑ کر چشمے کی ایک سمت بڑھا۔ مطیع الدین نے اس کی پیش قدمی کے رخ پر نگاہیں دوڑائیں اور اس کی نظروں سے بھی وہ جگہ اوجھل نہ رہ سکی جہاں گادکا ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ گادکا یہ تالاب باقاعدہ مستطیل صورت میں تھا جسے دیکھ کر مطیع الدین حیرت کا شکار دکھائی دینے لگا۔ یہ واقعی قدرتی طور پر ایسا ہے یا کسی انسانی ہاتھ کی کاریگری ہے؟ اس نے اپنے خیال کو جھٹکا اور فوکنا جو خان کی جانب متوجہ ہوا جو کہ تالاب کے کنارے بیٹھ کر گاد میں دونوں ہاتھ بری طرح سے مار رہا تھا۔ مطیع الدین اس کی عجیب سی حرکت پر متفکر نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ فوکنا جو خان کچھ دیر تک گاد میں ہاتھ مارنے کے بعد خاموشی سے اٹھا اور چشمے کی جانب بڑھ گیا۔ اب وہ صاف پانی سے اپنے ہاتھ دھو رہا تھا۔

''میرا اندازہ کسی حد تک صحیح نکلا ہے......!'' فوکنا جو خان مطیع الدین کو گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''تم آخر چاہتے کیا ہو......؟'' مطیع الدین جھنجھلا کر بولا۔ ''کل رات سے تم مسلسل مجھے ذہنی اذیت پہنچا رہے ہو۔ ہر بار ادھوری بات کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو......؟''

''تحمل سے کام لو...... کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا صرف مقامی لوگوں کو ہی علم ہوتا ہے۔ تم بے فکر رہو...... میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتاؤں گا''۔ فوکنا جو خان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کیا خاک بتاؤ گے......؟ جو کچھ کہنا ہے ابھی کہہ ڈالو۔ میں اب زیادہ دیر تک برداشت سے کام نہیں لے سکتا'' مطیع الدین نے بیزاری سے کہا۔

''یہ گادکا تالاب ہے......!'' فوکنا جو خان نے اُس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اسے ہماری زبان میں جولاشہ کہتے ہیں۔ تمہیں اب میرے ساتھ اس مقام کی تلاش کرنا ہوگی جہاں یہ گاد لے جایا گیا ہے''۔

''اس گادکا گل وتوژ سے کیا تعلق......؟'' مطیع الدین نے الٹا سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا......!'' فوکنا جو خان نے کندھے اچکائے۔ ''میں نے تمہیں جس کام کے لئے کہا ہے اگر وہ کر سکتے ہو، تو میرے ساتھ چلو ورنہ یہیں ٹھہر کر میری واپسی کا انتظار کرو''۔

''بس مجھے ذرا گل وتوژ کے بارے میں کچھ معلوم ہو جانے دو...... پھر دیکھنا میں تمہاری کیسی خبر لیتا ہوں......!'' مطیع الدین پاؤں پٹختا ہوا گاد کے تالاب کی جانب بڑھ گیا۔ گاد کے تالاب کے کنارے پہنچنے پر اُسے محسوس ہوا کہ اس میں سے چونے کی تیز بو آ رہی ہے۔ اس نے تالاب کے چاروں جانب گھوم کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ گاد اگر تالاب سے نکال کر کسی جانب لے جایا گیا ہے تو وہ کون سی سمت ہو سکتی ہے۔ فوکنا جو خان بھی اسی کام میں مشغول دکھائی دے رہا تھا۔ کافی دیر تک مغز کھپائی کے باوجود انہیں اندازہ نہیں ہو پایا کہ اس تالاب میں سے واقعی گاد نکالا گیا ہوگا۔ فوکنا جو خان کسی سراغ کی تلاش میں تالاب سے کچھ دور تک نکل گیا۔

مطیع الدین تالاب کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کا ذہن اس وقت گل وتوژ کو فراموش کر چکا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ تالاب میں سے اگر واقعی گاد کی کچھ مقدار نکالی گئی ہے تو یقیناً کسی برتن یا خول کا استعمال کیا گیا ہوگا......؟ گاد کو باہر نکالنے پر گاد کی گھسٹ ضرور دکھائی دینا چاہئے۔ جبکہ ایسا وہاں کچھ نہیں تھا۔ اگر کسی نے گاد میں گھس کر بھی گاد نکالا ہو تب بھی اس کے باہر نکلنے کے نشان ضرور ہونے چاہئیں۔ یہ عجیب سی صورت حال تھی کہ وہ ایک ایسے کام میں مصروف تھا جس کے بارے میں اُسے سرے سے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ تالاب کے کنارے سے اُٹھ کر قریب موجود جھاڑیوں کے جھنڈ کی جانب بڑھا۔ چشمے کے قریب یہی ایک ایسا مقام تھا جسے گاد لے جانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس نے جھاڑیوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر اندر جھانکا۔ وہاں بھی کچھ نہیں دکھائی

دیا۔ کچھ دیر تک وہ جھاڑیاں ٹٹولتا رہا۔

اتفاقاً اس کی نگاہ ایک پتے پر جا پڑی جو کہ سفیدی سے چمک رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور جھک کر پتے کی سطح دیکھنے لگا۔ وہ بلاشبہ گاد کا ایک چھوٹا سا نشان تھا جو کہ سوکھنے کے بعد سفید پڑ چکا تھا۔ مطیع الدین نے مڑ کر تالاب کی جانب دیکھا کہ ممکن ہے کہ گاد میں سے کوئی چھینٹ اس جانب آ گری ہو مگر تالاب کا یہاں سے فاصلہ کچھ زیادہ تھا۔ گاد کی چھینٹ کا یہاں تک پہنچ جانا ممکن نہیں تھا۔ مطیع الدین چھینٹ اور پتے کے زاویے پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ اس کی نگاہیں مقناطیسی انداز میں اوپر کی جانب اُٹھتی گئیں۔ یہ چھینٹ یقیناً اوپر سے گری ہوگی۔ اس کے سر سے کچھ اوپر ایک موٹا سا رسّا جھول رہا تھا۔ اس نے رسے کی سمت کا اندازہ لگایا تو وہ آگے کی جانب جاتا دکھائی دیا۔ وہ جھاڑیوں کے جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ اس نے فوئنا جو خان کو بلند آواز میں اپنی جانب متوجہ کیا۔ فوئنا جو خان دوسری سمت تلاش میں مصروف تھا کہ مطیع الدین کی آواز پر چونک کر تیزی سے اس کی جانب بڑھ آیا۔ مطیع الدین نے اوپر جھولتے رسے کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی تو اس کا منہ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ کر رہ گیا۔

''یعنی آخری رسم کے لئے منچوری طریقہ استعمال کیا گیا ہے......؟'' فوئنا جو خان بڑبڑایا۔

''منچوری...... سے کیا مراد ہے؟'' مطیع الدین اب اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

''چین اور جینائی سرزمین کے درمیان کچھ علاقے منچوریوں کے آباد ہیں۔ انہیں سرخ غر بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ قدرتی طور پر سرخ بالوں اور سرخ ڈاڑھیوں والے لوگ ہیں۔ وہ لوگ دریاؤں کے اوپر سے گزرنے کے لئے ایسے ہی رسوں کے پل بناتے ہیں اور کسی بھاری سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے اس سے آسان طریقہ کوئی نہیں سمجھا جاتا''۔

''یعنی انہوں نے گاد کو کسی شے میں ڈال کر رسوں کی مدد سے کہیں پہنچایا ہے.... ؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔ فوئنا جو خان نے اثبات میں سر ہلایا۔ فوئنا جو خان رسوں کے تعاقب میں بڑھ گیا۔ مطیع الدین گھوڑوں کی باگیں تھام کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ دونوں رسوں کی مدد سے اس مقام کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں گاد کی بڑی مقدار پہنچائی گئی تھی۔ رسے درختوں کے درمیان بڑی مہارت سے بندھے ہوئے تھے۔ انہیں باندھنے والوں نے اس بات کا بھی خاص خیال رکھا تھا کہ وہ پہلی نظر میں کسی کی نگاہ میں نہ آ سکیں۔ کافی دیر کی مسافت کے بعد وہ ایک غار کے سامنے جا کھڑے ہوئے جہاں گاد اور چھوٹے بڑے پتھروں کی نامکمل دیوار دکھائی دے رہی تھی۔ وہ غار کے دہانے میں موجود شگاف کا جائزہ لے رہا تھا۔

''لگتا ہے کوئی اپنا کام ادھورا ہی چھوڑ گیا ہے''۔ مطیع الدین بولا۔

فوئنا جو خان نے اس کی جانب مڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''کام ادھورا نہیں چھوڑا گیا بلکہ مکمل کیا گیا ہے۔ کسی تیسرے فرد نے یہاں نقب لگا کر اپنا کام دکھا دیا ہے''۔

مطیع الدین اس کی بات پر دنگ رہ گیا۔ فوئنا جو خان اس کی جانب مڑنے کے بجائے اب غار میں داخل ہو چکا تھا۔ مطیع الدین باہر کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد فوئنا جو خان باہر نکلا تو اس کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا جیسے اسے کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگئی ہو۔

❁ ❁ ❁

باتو خان قرولتائی سے واپس سرائے آیا تو برقائی خان کی تبلیغ اسلام سے سخت دل برداشتہ تھا۔ اس نے خود کو شراب میں ڈبو کر غم ہلکا کرنا چاہا۔ یہ سلسلہ زیادہ دن تک جاری نہ رہ سکا اور وہ فالج کے شدید حملے سے دوچار

ہوگیا۔ شراب نوشی کی کثرت نے اس کی ہڈیاں کھوکھلی کر ڈالی تھی۔ وہ فالج سے چند دن لڑنے کے بعد اس دنیا فانی کو چھوڑ گیا۔ فالج کا اس پر ایک حملہ گیارہ سال قبل بھی ہوا تھا مگر وہ اس حملے سے بچ گیا اور کچھ ہی عرصے بعد دوبارہ امور سلطنت میں جت گیا۔ فالج کا پہلا حملہ اس وقت ہوا تھا جب قاآن اعظم قویوق کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت سب منگول اس بات پر متفق تھے کہ قاآن اعظم کا عہدہ باتو خان کو دے دیا جائے مگر فالج کے حملے نے اسے تاج پوشی سے محروم کر دیا۔ باتو خان نے اڑتالیس سال کی عمر میں 1252ء میں وفات پائی۔ موت کے وقت وہ سرائے سے کچھ میل دور ایک بلند پہاڑی محل میں مقیم تھا۔ درباری امراء نے اس کی ناگہانی موت پر فوری طور پر برقائی خان کو آگاہ کیا۔ برقائی خان کو جب اپنے بھائی کی وفات کی خبر ملی تو وہ دیر تک ساکت و جامد بیٹھا رہا۔ قاآن اعظم منگو خان کو باتو خان کی موت کی خبر بھیجی گئی تو وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا سرائے پہنچ گیا۔ کچھ ہی دنوں میں سب عزیز رشتہ دار وہاں جمع ہوگئے اور باتو خان کی آخری رسومات ادا کر کے اسے ایک بڑے تہہ خانے میں ساز و سامان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ شیبان خان جو کہ باتو خان کا چھوٹا بھائی تھا، اس نے کوشش کی کہ باتو خان کے ساتھ دس کنیزوں اور دس غلاموں کو بھی دفن کیا جائے مگر برقائی خان نے اپنے بھائی کی کڑی مخالفت کرتے ہوئے ایک مردہ شخص کے ساتھ زندہ افراد کو دفن کرنے کی اجازت نہیں دی۔ قاآن اعظم منگو خان نے برقائی خان کی بات پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا مگر وہ اس موقع پر کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ باتو خان کے سترہ لڑکے بھی آخری رسومات میں شامل تھے۔ قاآن اعظم نے ان سب سے فرداً فرداً ملاقات کی اور تعزیت کر کے ان کی ڈھارس بندھائی۔ تدفین کی آخری رسومات کے تیسرے دن منگو خان نے برقائی خان کا ہاتھ پکڑ کر اسے باتو خان کے تخت پر بٹھا دیا۔ اردوئے زریں کے خیام خیل منگولوں کے نئے قاآن کے طور پر برقائی خان کے تقرر پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ یہ پہلی منگول سلطنت تھی جس کا حکمران سچا اور پختہ مسلمان تھا۔ برقائی خان نے منگو خان کی اطاعت کو اپنے لئے بہتر خیال کیا اور اس نے اپنے پہلے خطاب میں قاآن اعظم منگو خان کی قیادت سے وفاداری اور اطاعت کا اعلان کیا۔ قاآن اعظم منگو خان نے چلتے وقت برقائی خان کی کمر ٹھونکی اور مسکرا کر کہا۔ ''ہمیں وہ دن اچھی طرح یاد ہے برقائی خان! جب تم نے منگولوں کے درمیان اپنے بھائی کا حق روند کر ہمیں تخت پر لا بٹھایا تھا سو میں نے وہ قرض آج اتار دیا''۔

''میں آپ پر پہلے بھی کوئی قرض سمجھتا تھا اور نہ ہی آج میرے ذہن میں ایسا کچھ باقی ہے''۔

''مجھے تمہارے مسلمان ہونے پر گہرا رنج ہے......!'' قاآن اعظم منگو خان نے مختصراً کہا۔

''اس ضمن میں میں مجبور ہوں البتہ آپ کی اطاعت میں مجھ سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوگی''۔

''میں نے منگولوں کا روشن مستقبل اب تمہیں سونپ دیا ہے۔ یہ شان کب تک برقرار رہ پائے گی اس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے''۔ منگو خان نے کہا اور سرائے کو خیرباد کہہ گیا۔ اسے اس مقام پر دوبارہ لوٹنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ باتو خان سے اس کی محبت شدید تھی مگر برقائی خان کا قبول اسلام ان دونوں میں فاصلہ بڑھا رہا تھا۔

برقائی خان نے عنان اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد اپنی ہمسایہ ریاستوں میں سفارتیں روانہ کیں۔ کچھ قاصد برصغیر میں بھیجے گئے۔ ہلاؤ خان کے پاس بھی اس کی سفارت پہنچی مگر اس نے سفارت سے ملاقات کرنا گوارا نہیں کیا اور وہ سفارت کئی دن تک وہاں ٹھہرنے کے بعد ناکام واپس لوٹ آئی۔ ریاست کا انتظام سنبھالنے کے ایک ماہ بعد اسے امیر المومنین خلیفہ مستعصم باللہ کی جانب سے خلعت اور قیمتی تحائف موصول ہوئے۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے اسے مبارکباد کے ساتھ ساتھ جلال الدین ابراہیم کا خطاب بھی دیا تھا اور ساتھ ہی اس بات کا اعلان بھی کیا گیا تھا کہ جمعہ کے خطبات میں امیر المومنین کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی پڑھا جائے گا۔ برقائی

خان نے حوصلہ افزائی پا کر پورے تزک و احتشام سے منگولوں میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اردوئے زریں اسلام کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ برقائی خان نے برصغیر سے مبلغین کی بڑی تعداد کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت بھی دی جسے برصغیر کے سلطان ناصر الدین محمود نے روک دیا تھا۔ برصغیر آنے والی زریں خیل منگولوں کی اس سفارت کو واپس وطن لوٹنے کی اجازت نہیں دی گئی اور انہیں جاسوسی کے شک میں قنوج نامی شہر میں نظر بند کر دیا گیا جہاں وہ کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سفارت میں شامل تمام تاتاری مسلمان تھے اور پابندی سے نماز ادا کیا کرتے تھے۔ وہ دربارِ دہلی سے قلعہ گوالیار اور پھر قلعہ قنوج روانہ کئے گئے۔

برقائی خان نے مختلف شہروں میں مساجد تعمیر کیں اور منگولوں کو شعائرِ اسلامی سے آگاہ کرنے کے لئے علماء و مبلغین کی ایک بڑی جماعت کو مقرر کیا۔ اس نے اسلامی تعلیمات کی کمی کے پیش نظر بخارا میں تباہ شدہ مدرسوں کی مرمت کرا کے دوبارہ بحال کیا اور سمرقند سے اردوئے زریں کے دارالحکومت سرائے تک تبلیغ اسلام کی ایک بڑی زنجیر قائم کی۔ مساجد میں علماء امیر المومنین کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی خطبے میں پڑھنے لگے۔ وہ اپنے ابتدائی برسوں میں منگولوں میں کشادگی ذہن کی کوشش میں مصروف رہا۔

عنانِ حکومت سنبھالتے ہی دوسرے مہینے اسے اچانک خبر ملی کہ اس کا بھتیجا سرتاق اس کے چچازاد بھائی ہلاؤ خان کے پاس پہنچ کر نصرانیت اختیار کر چکا ہے اور وہ ایک لشکر کے ساتھ سرائے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس لشکر میں ہلاؤ خان کے سپاہی اور اردوئے زریں کے کچھ سرکش قبائل شامل ہیں۔ برقائی خان نے اپنی سپاہ کو فوری تیاری کا حکم دیا۔ وہ سرتاق کی شکل میں اٹھنے والے اس پہلے فتنے کا مکمل طور پر خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔

❀ ❀ ❀

ہیرس سوالیہ نگاہوں سے روکنے والے کی صورت دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو سادہ کپڑوں میں کئی دن سے اس کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔ سپاہی اپنی نیام کا ٹھوکا لگاتے ہوئے اسے ایک جانب بڑھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ سپاہی کی شکل دیکھ کر لوگ ہیرس کی جانب دیکھنے لگے جو انہیں کوئی پردیسی دکھائی دے رہا تھا۔

''تمہاری اس حرکت سے میں کیا مطلب اخذ کروں......؟'' ہیرس نے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

''تم ریاست کے قانون کے تحت ایک سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہو لہٰذا تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا ہوگا''۔ سپاہی نے کہا۔

''کیسا جرم......؟'' ہیرس اس کے مسلح سراپے پر کڑی نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

''تم نے یہ مقامی غلام کیوں خریدا ہے......؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس ریاست میں صرف مقامی لوگ ہی اس قسم کی خریداری کر سکتے ہیں''۔ سپاہی کا لہجہ جارحانہ تھا۔ ہیرس اس کی بات سن کر پُرسکون ہو گیا۔ سپاہی اس کے چہرے پر بڑھتے ہوئے اطمینان سے گڑبڑا سا گیا۔ اس نے ایک بار پھر ٹھوکا لگایا۔ ہیرس نے اس نوجوان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود سپاہی کے ساتھ کوتوالی کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر میں وہ کوتوالی کے افسر کے سامنے کھڑا تھا۔ افسر نے سپاہی کی جانب مستفسرانہ نظروں سے دیکھا تو اس نے ایک ہی سانس میں اپنی کارکردگی کا خلاصہ پیش کر دیا۔ افسر چہرے سے ہی سخت گیر قسم کا شخص دکھائی دیتا تھا۔

''اجنبی! میرا خیال ہے کہ تمہیں تجارت کے امور کا کوئی زیادہ تجربہ نہیں...... ورنہ تم ایسی حماقت نہیں کرتے۔ کسی بھی ریاست میں داخل ہونے کے بعد مقامی تاجروں سے اس ملک کے قوانین سے ضرور آگاہی حاصل کر لینا چاہئے تاکہ بے خبری میں کوئی جرم سرزد نہ ہو جائے''۔ افسر ہیرس کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

''میں یہاں کے قوانین سے بے خبری کے لئے معذرت خواہ ہوں''۔ ہیرس نے مختصراً کہا۔

''صرف معافی سے کام نہیں چلے گا۔ جرم کیا ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا''۔

''میرے جرم کی سزا کیا ہو سکتی ہے......؟'' ہیرس تحمل سے گفتگو کر رہا تھا۔

''سب سے پہلے تو تمہیں اس غلام سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ جو قیمت تم ادا کر چکے ہو، وہ تو رائیگاں گئی سمجھو۔ اس کے بعد تمہارا تمام سامان جو تم ساتھ لے کر یہاں آئے ہو وہ ریاست کا مال سمجھا جائے گا اور تمہیں وہ مال خانے میں جمع کرانا پڑے گا۔ جس قدر مال تم بیچ چکے ہو اس کی قیمت بھی واپس لوٹانا ہو گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ تمہیں اس ریاست سے خالی ہاتھ واپس لوٹنا ہوگا...... البتہ تمہارا لباس میری مہربانی سے تمہارے جسم پر موجود رہے گا''۔

''اگر میں تمہاری تمام باتیں ماننے سے انکار کر دوں تو......'' ہیرس کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔

''اجنبی! یہ ریاست ہماری ہے اور یہاں ہمارا ہی قانون چلتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گے جس سے تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے''۔ افسر اس کے لہجے کو نظرانداز کرتا ہوا بولا۔

''تو پھر کان کھول کر سن لو کہ نہ تو میں یہ غلام واپس لوٹا رہا ہوں اور نہ ہی تمہاری دوسری کوئی بات ماننے پر رضامند ہوں۔ اب تم اپنی اگلی کارروائی کر سکتے ہو''۔ ہیرس فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ہیرس کی بات سن کر افسر اور وہاں موجود کچھ سپاہیوں کے چہروں پر پہلے حیرت نظر آئی پھر افسر کا چہرہ فرطِ طیش سے سرخ ہونے لگا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اجنبی! یہ تمہارا ملک نہیں ہے کہ تم جیسی لاقانونیت چاہو پھیلا سکو''۔

''میں بھی کوئی عام سا تاجر نہیں ہوں کہ تمہاری گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر اپنا سب مال و متاع یہاں لٹا کر واپس لوٹ جاؤں۔ میں نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے''۔ ہیرس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

سپاہی اس کی جرأت پر حیران ہو رہے تھے۔ شاید پہلی دفعہ کوئی تاجر انہیں الٹا دھمکا رہا تھا۔ افسر نے چند لمحوں تک اسے گھورا پھر سپاہیوں کو حکم دیا۔

''اسے بیڑیاں ڈال کر اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دو۔ جب اس کی طبیعت درست ہو جائے گی تو میرے سامنے پیش کرنا''۔ سپاہی اپنے افسر کی بات سن کر ہیرس کی جانب بڑھنے لگے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ ہیرس کو اسی وقت فیصلہ کرنا تھا کہ اسے زنداں میں چلا جانا چاہئے یا انہیں منہ توڑ جواب دینا چاہئے۔ ہیرس نے جوانمردی دکھانے کا فیصلہ کیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر افسر کی نیام پر ہاتھ ڈال کر اس کی تلوار کھینچ لی۔ اس کی جانب بڑھتے ہوئے سپاہی یکدم ٹھٹک سے گئے۔ وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی غیر انسانی مخلوق ہو۔ افسر بھی ہیرس کی جرأت پر دم بخود رہ گیا۔

''اگر کسی کو اپنی جان عزیز نہیں ہے تو وہ میری جانب بخوشی بڑھ سکتا ہے''۔ ہیرس نے تلوار لہراتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ افسر اس دوران سنبھل چکا تھا۔ وہ اب خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو کئی سپاہی اپنی تلواریں لہراتے ہوئے ہیرس پر حملہ آور ہو گئے لیکن کوتوالی کے معمولی سپاہیوں کا ایک جنگجو سپہ سالار سے بھلا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا۔ ہیرس نے اپنی مہارت کا معمولی سا مظاہرہ کیا اور اگلی ساعت میں وہ سب زخم خوردہ ہو کر زمین بوس دکھائی دیئے۔ افسر یہ دیکھ کر گڑبڑا سا گیا۔

''تم یقیناً تاجر نہیں ہو''۔ اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا۔ ''تم نے سپاہیوں پر حملہ کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر لئے ہیں۔ اب تم کسی بھی صورت میں اس ملک سے باہر نہیں جا پاؤ گے''۔

"میں اب جا رہا ہوں۔ کل صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جاؤں گا۔ تم سے جو ہو سکے تم وہ بخوشی کر سکتے ہو البتہ تمہیں میرا شکر گذار ہونا چاہئے کہ میں تمہاری جان بخش کر جا رہا ہوں"۔ بیرس نے سخت لہجے میں اسے جواب دیا اور غلام کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر نکل گیا۔ سپاہی زمین پر پڑے کراہ رہے تھے اور افسر انہیں ٹھوکریں مارتا ہوا ان پر برس رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ کوتوالی میں اس وقت زیادہ نفری نہیں تھی۔ بیرس وہاں سے نکل کر سیدھا اپنے قافلے کی قیام گاہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھی تاجروں کو یہاں سے لے کر فوری نکل جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ کسی حد تک سمجھ گیا تھا کہ یہاں کے ریاستی کارندے پردیسی تاجروں سے ان کا مال دستاع ہتھیا لینے میں خاصے ماہر ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ افسر ٹلنے والا شخص نہیں ہے اور وہ جلد ہی قافلے والوں پر مزید نفری کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔

❀❀❀

"کیا ہوا.......؟" مطیع الدین نے فونا جو خان کا چہرہ دیکھتے ہوئے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سب کچھ میرے سامنے عیاں ہو چکا ہے کہ کیا ہوا تھا.......؟" فونا جو خان نے جوشیلے لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہیں اب کیا کہوں.......! جسم پر چربی پرمنوں کے حساب سے لاد رکھی ہے مگر کھوپڑی میں سمجھ بوجھ نامی کوئی چیز موجود نہیں" مطیع الدین آسمان کی جانب منہ اٹھا کر بولا۔

"جاودانی آسمان کے تنگری کا مجھ پر خاص کرم ہے کہ اس نے مجھے ایسی سمجھ بوجھ سے محروم رکھا ہے جس کے باعث اچھے بھلے لوگ ویرانوں کی خاک چھانتے دکھائی دیتے ہیں" فونا جو خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ مطیع الدین اس کی برجستگی پر ہنسنے لگا پھر بولا۔

"خدا کی قسم ...! تم نے کل رات سے میری نیند حرام کر رکھی ہے اور کچھ بتانے کے بجائے ایسی سنسنی پھیلا رہے ہو کہ اب میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تمہاری کھوپڑی کسی پتھر سے کچل کر رکھ دوں"۔

"برادرم ...! تم بھول رہے ہو کہ پتھر سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہونے کا... پیار کی بات کرو تو مجھے شاید کچھ فکر لاحق ہو" فونا جو خان نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے کہا۔

"اب کچھ منہ سے پھوٹو گے بھی یا نہیں.......؟" مطیع الدین روہانسا ہو کر بولا۔

"ہاں... اب تمہاری طبیعت کچھ کچھ اعتدال پر آ رہی ہے"۔ فونا جو خان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ مطیع الدین اس کی بات پر دانت پیس کر رہ گیا۔ فونا جو خان ذرا توقف کے بعد دوبارہ بولا۔ "مجھے غار کے اندر سے کچھ ایسے شواہد ملے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی عورت موجود رہی تھی"۔

"موجود رہی تھی کیا مطلب.......؟ کیا اب غار میں کوئی نہیں ہے؟" مطیع الدین اس کی بات سن کر چونک پڑا۔

"جب میں بتا رہا ہوں تو بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت ہے.......؟" فونا جو خان نے اس کی بات پر برا سا منہ بنایا۔ مطیع الدین نے جلدی سے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ فونا جو خان نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔ "میں یہ نہیں جانتا کہ وہ عورت گل دقوتژ ہی تھی یا کوئی اور....... البتہ یہاں کسی عورت کی آخری رسم ادا کی گئی۔ وہ عورت زندہ تھی اس بارے میں غار میں موجود شواہد سے ظاہر ہے"۔

"آخری رسم سے کیا مراد ہے.......؟ تم شاید پہلے بھی یہ لفظ کہہ چکے ہو" مطیع الدین متفکر ہو کر بولا۔

"آخری رسم دراصل پہلے ... میں مردوں کو دفنانے کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ پہلے زمانے میں

منگول قبائل کسی بھی غار میں اپنے مردے رکھ کر اس کا منہ مخصوص گارے اور پتھروں کی چنائی کے ساتھ بند کر دیتے تھے، منگولوں میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد مردے کی روح تاریکی کی طاقتوں کے تابع ہو جاتی ہے اور وہ روشنی کی طاقتوں کو نقصان پہنچانے کے لئے نکل پڑتی ہے۔ وہ گارے اور پتھروں کی چنائی سے اسے غار کا قیدی بنا دیتے تھے تاکہ وہ کبھی باہر نہ نکل سکے اور زندہ انسان ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں"۔

"یعنی تمہارا کہنے کا مطلب ہے کہ گل دقوتژ کو اس غار میں بند کر دیا گیا تھا..... مگر کیوں.....؟"

"اس بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتا۔ البتہ کل رات اس چشمے پر پہنچا تو مجھے گارے کی مخصوص بو سی محسوس ہوئی۔ پھر جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ غار گم ہو چکا تھا تو میرے ذہن میں آخری رسم کا مبہم سا شک پیدا ہوا۔ میں تمہیں رات کو ہی اس معاملے سے آگاہ کر دیتا مگر میں خود اس بارے میں پُریقین نہیں تھا۔ میں پہلے اپنا شک دور کر لینا چاہتا تھا"۔

"اب غار میں کوئی موجود نہیں ہے.....؟" مطیع الدین نے بے تکا سا سوال کیا۔ فونا جو خان نے اس کی جانب تیز نظر ڈالی اور مٹھی میں دبی ہوئی ایک چھوٹی سی چیز اس کی جانب بڑھا دی۔ مطیع الدین چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ کٹے ہوئے سنہری بالوں کا ایک چھوٹا سا گچھا تھا۔ مطیع الدین کی نگاہوں کے سامنے گل دقوتژ کی سنہری زلفیں لہرانے لگیں۔

"میں تم پر یہ بھی واضح کر دوں کہ کسی بھی منگول عورت کے سر کے بال صرف اسی صورت میں کاٹے جاتے ہیں جب وہ مر چکی ہو۔ یہاں ہم سے پہلے کوئی آیا تھا، اس نے یہاں موجود اس عورت کو باہر نکالا اور اس کے بال کی یہ لٹ کاٹ کر اس بات کا اظہار کیا کہ وہ واقعی مر چکی ہے۔ البتہ ایک بات ابھی تک مجھے سمجھ نہیں آسکی کہ اگر آخری رسم ادا کر دی گئی تو اس غار کا دہانہ کھول کر اسے دوبارہ واپس نکالنے کی کیا ضرورت تھی.....؟"

فونا جو خان سوچتے ہوئے بولا۔ مطیع الدین کے دل پر اس کی باتیں تیز خنجر کی طرح گھاؤ لگا رہی تھیں۔ وہ اپنی کیفیت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر آنکھوں میں چمکنے والا پانی اس کے بس کی بات نہیں رہا تھا۔ فونا جو خان اس کے چہرے پر افسردگی کے آثار بخوبی دیکھ رہا تھا۔ کیا گل دقوتژ واقعی مر چکی ہے؟ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سے دبی دبی سی آواز ابھری۔ اس کا دل اس بات کو تسلیم کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ اگر بالوں کی گواہی کافی ہوتی ہے تو یہ بال واقعی گل دقوتژ کے ہی تھے مگر سنہری بال تو دوسری کئی منگول لڑکیوں کے بھی تھے۔ وہ خود ہی اپنی ڈھارس بندھانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ فونا جو خان نے اس کی توجہ بٹانے کے لئے اپنی بات آگے بڑھائی۔

"تمہیں شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ اس رسم کی ادائیگی میں دو چار افراد شامل نہیں ہوتے۔ گارے کو جہاں سے یہاں تک لایا گیا ہے اس میں یقیناً پچیس افراد کا دخل ضرور شامل ہو گی"۔

مطیع الدین اس کی بات سننے کے بجائے اپنی ہی دنیا میں گم تھا۔ اس کے چہرے پر بدلنے والے رنگ اس بات کے عکاس تھے کہ وہ گہرے صدمے سے دوچار ہوا ہے۔ وہ آج رات یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چشمے کے کنارے پہنچ کر خیمے لگانے میں مصروف ہو گیا۔ مطیع الدین جب سکتے کے عالم سے بیدار ہوا تو اسے فونا جو خان دکھائی نہیں دیا البتہ کہیں سے پتھر کوٹنے کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ آواز کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

❀❀❀

سیف الدین محمود قطوزی نے ملکہ بدر منیر کی پیش کش پر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ بچار کیا وہ امور

سلطنت کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اس مسئلے پر بھی غور کرتا رہا۔ اس نے ایک دن ابوالعباس شمس الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ صاف لفظوں میں بیان کر کے جب ان کی رائے طلب کی تو انہوں نے اس پیشکش کو فوراً قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ سیف الدین محمود قطوزی نے سب لوگوں کے اقرار کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے بالآخر ربیع الاوّل 657ھ میں ملکہ بدرمنیر لولو سے عقد کر لیا۔ اس شادی میں مملوک امرأ کے ساتھ ساتھ ملکہ بدرمنیر کا بھائی بھی شامل ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس شادی کو مشکوک نگاہوں سے بھی دیکھا مگر وہ خاموش رہے۔

ملکہ بدرمنیر اس شادی سے بے حد خوش تھی۔ اسے اپنی منزل قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اب وہ مملوک سلطان کے بجائے خوارزم شاہی سلطان کی ملکہ بننے کی خواہاں تھی۔

شادی کے کچھ دنوں بعد ملکہ بدرمنیر لولو نے مملوک امرأ سے فرداً فرداً ملاقات کر کے انہیں کم سن سلطان کے بجائے کسی زمانہ شناس اور تجربہ کار سلطان کی ضرورت پر قائل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر سیف الدین محمود قطوزی کو اس کے منصوبے کی ذرا سی بھنک پڑ گئی تو وہ بری طرح بدک جائے گا کیونکہ اس کے خیال میں کم سن سلطان نورالدین الملک المنصور کا حق اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں خیانت کا سوچنا بھی اس کی نگاہ میں گناہ کبیرہ تھا۔ ملکہ بدرمنیر نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے نہایت رازداری کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اس نے سیف الدین محمود کو بھنک تک نہیں پڑنے دی کہ اس کے عزائم کیا ہیں اور وہ صرف انہی مملوک امرأ کو اپنی بات پر قائل کرتی دکھائی دی جو اس کے خیال میں اس کی مٹھی میں تھے اور ان سے یہ خبر منکشف ہونے کا ذرا سا خدشہ موجود نہیں تھا۔

❀ ❀ ❀

اردوئے زریں کے سابق قاآن اعلیٰ باتو خان کا بیٹا سرتاق خان اپنے باپ کے مرنے کے بعد خود قاآن بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ قاآن اعظم منگو خان یقیناً عنانِ سلطنت کے لئے اسے ترجیح دے گا مگر جب برقائی خان کو اردوئے زریں کی قیادت سونپ دی گئی تو وہ گہرے صدمے سے دوچار ہوا۔ وہ کچھ عرصہ پہلے برقائی خان کو اسی بل بوتے پر دھمکا کر آیا تھا کہ بہت جلد قاآن اعلیٰ بن کر برقائی خان کے ارادوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دے گا مگر تقدیر نے سارا معاملہ ہی پلٹ دیا تھا۔ برقائی خان قاآن اعلیٰ بن چکا تھا۔ سرتاق خان اپنی حیثیت سے کم تر زندگی اور حق تلفی پر تلملا اٹھا۔ اس نے بلیق جاق پہنچ کر قاآن اعظم منگو خان کے سامنے اپنی حق تلفی کا واویلا مچایا تو منگو خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کسی طور پر اپنے باپ کے حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوا۔ قاآن اعظم منگو خان نے اسے طمغاج نامی علاقے میں بطور والی تقرری کا پروانہ لکھ کر دیا تو وہ طیش کے عالم میں پروانہ پھاڑ کر لوٹ گیا۔ اسے قپچاق دشت کی سرزمین کی ہوس تھی۔ اس کی واپسی پر منگو خان نے اپنے خاص خادم کو اس کے عقب میں روانہ کیا کہ وہ اس پر گہری نظر رکھے جب وہ کسی سازش کا مرتکب ہو تو فوری طور پر اس کی خبر دی جائے۔ سرتاق خان وہاں سے نکل کر سیدھا اپنے باپ کے چچازاد بھائی اور قاآن اعظم کے سگے بھائی ہلاکو خان کے پاس جا پہنچا۔

ہلاکو خان نے سرتاق خان کی آمد کا مژدہ سن کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی خوب دل جوئی کی۔ برقائی خان کو ہلاکو خان پہلے ہی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ سرتاق خان کی آمد نے اس کے شیطانی دماغ میں ایک نئی منصوبہ سازی کو پروان چڑھایا۔ اس نے سرتاق خان کو بطور ڈھال استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ایل خانی سلطنت کی وسعت بڑھانے کا خواہاں تھا۔ اردوئے زریں کے خیام خیل منگولوں کو اطاعت گذار بنانے کے

ساتھ ساتھ وہ انہیں قبول اسلام کی خوفناک سزا دینا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان نے بذاتِ خود سامنے آنے کے بجائے سرتاق خان کو مسلح لشکر کے ساتھ اردوئے زریں کی طرف بڑھنے کی شہہ دی۔ اس نے سرتاق خان کی اسلام دشمنی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دی جسے سرتاق خان نے دوسرے احسانات کے ساتھ بخوشی قبول کر لیا۔

سرتاق خان کے بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ وہ جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھ لیتا اسے اتنی دیر تک سکون حاصل نہ ہوتا جب تک وہ ان سب کو موت کی نیند سلا نہ دیتا۔ وہ دین اسلام کے بارے میں نہایت متعصب ذہنیت کا مالک تھا۔ اس نے اردوئے زریں کے ایسے قبائل کے ساتھ مراسلہ نگاری کا سلسلہ شروع کیا جو اپنے آبائی مذہب کو ہر صورت میں ترجیح دیتے تھے۔ انہوں نے برقائی خان کی تبلیغ اسلام کی مہم کی مخالفت میں سرتاق خان کا ساتھ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یوں ایک بڑا لشکر سرتاق خان کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ سرتاق خان لاؤ لشکر کے ساتھ تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا سرائے کی جانب بڑھا۔ ادھر برقائی خان کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ اس کا بھتیجا سرتاق خان ایک بڑے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے لہٰذا اس نے مکمل تیاری کے ساتھ قہرات کے قریب اپنا لشکر خیمہ زن کر دیا۔ جب سرتاق خان کو برقائی خان کے لشکر کے بارے میں علم ہوا تو اس نے رستہ بدل کر سرائے کی جانب پیش قدمی اختیار کی۔ برقائی خان نے یہ دیکھ کر کچھ دستے مختلف علاقوں میں پھیلا دیئے۔ سرتاق خان برقائی خان کی بروقت منصوبہ بندی سے پریشان ہو گیا۔ وہ جس طرف سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا اسے آگے لشکر کی موجودگی کی خبر ملتی۔ برقائی خان نے اپنے بھائی شیبان خان کی معیت میں ایک سفارت اس کی جانب روانہ کی جس میں اسے یہ پیغام دیا گیا تھا کہ وہ اردوئے زریں کا امن خطرے سے دوچار نہ کرے بلکہ خاموشی سے اپنے چچا کے پاس چلا آئے اور اس کے ساتھ مل جل کر امور سلطنت میں ہاتھ بٹائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ”میں تیرے باپ کی جگہ ہوں تو مجھ سے کیوں خفا ہو کر اجنبیوں کی مانند بھٹکتا پھر رہا ہے؟ کل تک تو میری گود میں خوشی سے کلکاریاں بھرا کرتا تھا اور آج میرے ہی خون کا پیاسا ہوا بیٹھا ہے۔ تو میرے پاس چلا آ...... آج بھی میرے دل میں تیرے لئے ویسی ہی شفقت موجود ہے“۔

سرتاق خان نے چچا شیبان خان کے سامنے اپنے مردہ باپ کے حق کا بڑا واویلا مچایا۔ شیبان خان نے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ برقائی خان کوئی غیر نہیں ہے۔ اگر آج ہم اپنوں کی ٹانگیں یوں کھینچنے لگیں گے تو یہ سلطنت ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور ہماری نسلیں حسرت بھری نگاہوں سے اس وقت کو یاد کریں گی۔ سرتاق خان کے دماغ پر صرف قاآن بننے کا بھوت سوار تھا۔ وہ کسی دلیل کو ماننے کو تیار نہیں ہوا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا۔ ”برقائی خان ایک مسلمان ہے اور میرا دین نصرانیت ہے۔ میرے نزدیک کسی مسلمان کا چہرہ دیکھنا بھی باعث نحوست ہے۔ اردوئے زریں میں صرف نصرانیت کا ہی جھنڈا لہرائے گا۔ اسلام بہت جلد خواب پارینہ بن جائے گا“۔ شیبان خان ناکام ہو کر واپس لوٹ آیا۔ اس نے برقائی خان کے سامنے اس کے جذبات بیان کرنے میں ذرا سی دروغ گوئی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

برقائی خان کو اپنے بھتیجے سرتاق خان کی سرکشی اور بدتمیزی کا گہرا صدمہ ہوا۔ کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نے حکم دیا کہ لشکر سے کچھ دور ویرانے میں ایک خیمہ لگا دیا جائے۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ وہ لشکر گاہ سے نکل کر اس خیمے میں چلا گیا اور سختی سے حکم دیا کہ جب تک وہ خود نہ واپس لوٹے کوئی اس کی جانب نہ آئے۔ برقائی خان نے خیمے میں جا کر ایک بیڑی اور طوق منگوایا اور سپاہی اس انوکھی فرمائش پر حیران ہوئے مگر اپنے قاآن کی حکم عدولی کی ان میں جرأت نہیں تھی۔ برقائی خان نے طوق اپنے گلے میں ڈالا اور بیڑی سے اپنے

پاؤں باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے عجز و انکسار سے باری تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کی اور دعا کی کہ ''اے الٰہی! اگر تیرا دین اسلام اور شریعت محمدی واقعی برحق ہے تو سرتاق کے معاملے میں مجھ سے انصاف فرما۔ میرے بھائی نے جیسے میری حفاظت میں کبھی کوتاہی نہیں کی ایسے ہی مجھے بھی توفیق فرما کہ میں اس کی اولاد سے زیادتی نہ کروں''۔ وہ تین دن تین رات اس خیمے میں تنہا اسی حالت میں گریہ وزاری کرتا رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب مشیت ایزدی کا حکم اسے سنائی دیتا ہے؟

قاآن اعظم منگو خان تک جب سرتاق کی بغاوت اور لشکر کشی کی خبر پہنچی تو اس نے فوراً ہی کہا کہ مجھے پہلے دن ہی اس کے ماتھے پر فتنہ لکھا دکھائی دے گیا تھا مگر میں نے جان بوجھ کر اسے سدھرنے کی مہلت دی تھی۔ اس نے اپنے خفیہ خادموں کو حکم دیا کہ فوری طور پر سرتاق خان کو ہلاک کر دیا جائے چاہے اس کے لئے کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔ منگو خان کے خادم تیز رفتاری سے سرتاق خان کے لشکر میں جا پہنچے اور انہوں نے پہنچنے کے دوسرے دن سرتاق خان کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ سرتاق خان کو زہر کی بابت اس وقت معلوم ہوا جب اس کے پیٹ میں درد اُٹھا۔ اس نے لشکر میں موجود طبیب کو فوری علاج کا حکم دیا مگر زہر بے حد سریع الاثر تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے بعد وہ ایک بڑے لشکر کی موجودگی میں بے بسی سے موت کے گھاٹ اتر گیا۔ برقائی خان کی گریہ وفریاد قبولیت کو پہنچی۔ وہ چاہتا تھا کہ سرتاق خان سے جنگ کی نوبت پیدا نہ ہو، وہی ہوا۔ سرتاق لاؤ لشکر کے ساتھ دین اسلام کے خلاف جس نفرت کا اظہار کرتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، ایک خون کا قطرہ بہائے بغیر ہی اس دنیا سے گذر گیا۔ جب سرتاق کی وفات کی خبر برقائی خان کو دی گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے واقعی ان دونوں کے درمیان انصاف کیا ہے۔ اس نے بیڑی کھولی اور طوق گلے سے اتار دیا۔ وہ بوجھل قدموں سے سرتاق خان کے لشکر میں پہنچا۔ اس کی لاش ساتھ لے کر سرائے واپس آیا اور نصرانیت کی رسومات کے مطابق اس کی تدفین کر دی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین چشمے کے قریب پہنچا تو فونتاجو خان خیمے نصب کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے فونتاجو خان کو منع کرنا چاہا کہ خیمے نہ لگائے جائیں بلکہ واپسی کا سفر اختیار کیا جائے مگر فونتاجو خان اس کی ابتر حالت دیکھ کر واپسی پر تیار نہیں ہوا۔ فونتاجو خان نے کھانے پینے کے سامان میں سے کچھ گوشت نکالا اور چشمے کی ایک جانب آگ دہکا کر بھونے لگا۔ وہ دن بھر ادھر اُدھر پھرتے رہنے سے کچھ کھا پی نہیں سکا تھا۔ مطیع الدین کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی۔ فونتاجو خان اُس کی مسلسل خاموشی سے بوریت محسوس کر رہا تھا۔ گوشت کے پارچے جب خوشبو دینے لگے تو اس نے کچھ ٹکڑے مطیع الدین کی جانب بڑھا دیئے۔

''اب کیا ارادہ ہے......؟'' فونتاجو خان نے طویل سکوت کو توڑنے کی کوشش کی۔

''سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے کہ اب کیا کروں ......؟ تم نے ایسی منحوس خبر سنائی ہے کہ ذہن بار بار بہک جاتا ہے۔ کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ گل وتوژ مر چکی ہے......؟'' مطیع الدین دبے لہجے میں بولا۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا...... کہ گل وتوژ مر چکی ہے...... یہ خیال تمہارے ذہن کی اختراع ہے۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ اس غار میں کوئی عورت موجود تھی، ممکن ہے کہ وہ گل وتوژ ہی ہو لیکن اگر وہ گل وتوژ ہی تھی تو اس کی لاش وہاں سے نکالنے کی نوبت کیوں پیش آئی......؟ منگول قبائل آخری رسم کا غار کبھی نہیں کھولتے''۔

''تمہاری اسی بات سے دل کی کچھ ڈھارس بندھتی ہے کہ غار میں موجود عورت گل وتوژ نہیں ہوگی''۔

''میں ابھی تک سمجھ نہیں سکا کہ ان لوگوں کو آخر ایک زندہ عورت کی آخری رسم ادا کرنے کی ضرورت

کیوں پیش آئی......؟ اگر میں اسے سزا بھی قیاس کروں تو بھی یہ سزا کوئی منگول تجویز نہیں کرتا۔ شاید یہ ہمیں بہکانے کے لئے کوئی منصوبہ بندی ہو'' ۔ فونتاجو خان گہری سوچ میں ڈوبا ہوا بولا۔

''ہمیں بہکانے کی کسی کو کیا ضرورت ہے......؟ ہم کسی کو یہ بتا کر تو نہیں آئے تھے کہ کوہ سرخ غر پر کس کام کی غرض سے جا رہے ہیں''۔ مطیع الدین نے اس کے قیاس کو رد کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات بھی کسی حد تک درست ہے مگر زندہ عورت کو غار میں بند کر دینا اور بعد میں غار کے دہانے پر نقب زنی کر کے اس کی لاش کو نکال لینا کم از کم میری عقل سے باہر ہے''۔ فونتاجو خان شاید اس موضوع سے اکتا گیا تھا۔ وہ بات کا رُخ موڑنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ مطیع الدین نے سلسلۂ کلام دوبارہ جوڑ دیا۔

''ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے کہ شاید یہاں بھی کوئی محبت کی داستان پوشیدہ ہو۔ کوئی عورت محبت میں مبتلا ہو کر والدین یا قبیلے سے بغاوت کر بیٹھی ہو اور انہوں نے اسے راہ راست پر لانے کے لئے یہ قدم اُٹھایا ہو۔ یا اس عورت کو کہیں دور بھیج کر اس کے محبوب کو یہ باور کرایا گیا ہو کہ وہ عورت مر چکی ہے''۔ مطیع الدین سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ فونتاجو خان نے فقط اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایسا بھی ممکن ہے......!''

''کیا آج رات آرام کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے......؟'' فونتاجو خان نے سوال کیا۔

''اگر وہ دونوں ہمارے ہاتھ سے نہ نکلتے تو شاید اب ہمارے سامنے کوئی واضح صورتِ حال موجود ہوتی''۔ مطیع الدین نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''سانپ نکل چکا ہے اب لکیر کو پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہمیں واپس لوٹ کر قاآن زادے برقائی خان کی مدد لینا چاہئے۔ اس کا اثر رسوخ وسیع ہے وہ آسانی سے ہمیں گل وتوژ کے بارے میں حقیقت سے باخبر کر سکتا ہے''۔ فونتاجو خان نے تجویز پیش کی۔

''میں گل وتوژ کی تلاش میں برقائی خان کو استعمال نہیں کرنا چاہتا''۔ مطیع الدین نے ٹکا سا جواب دیا۔

''پھر ہمیں واپس لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے، سیدھا قبیلہ سرخ غر میں چلتے ہیں جو کچھ ہوگا سامنے آ جائے گا''۔ فونتاجو خان نے دوسری رائے پیش کی۔

''کون لوگ ہو تم......! اور قبیلہ سرخ غر میں کیا تلاش کرنا چاہتے ہو......؟'' ایک تیز آواز انہیں عقب میں سنائی دی۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے قریباً اچھلتے ہوئے تیزی سے مڑے۔ فونتاجو خان کی پھرتی تو مناسب تھی مگر وہ اپنا بوجھ نہ سنبھال سکا اور توازن کھو کر گرتا چلا گیا۔ مطیع الدین حیرت و پریشانی سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو سیاہ ڈھاٹا چہرے پر لپیٹے جانے کب ان کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔

❁ ❁ ❁

ہیرس جب اپنی قیام گاہ پر واپس لوٹا تو اُسے معلوم ہوا کہ آرمینیہ کے سپاہیوں نے اس کے باقی ساتھی تاجروں کے ساتھ بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا سلوک کر کے ان کے مال ومتاع مختلف حربوں سے ہتھیا لئے ہیں۔ ہیرس ان کی بات سن کر محض دانت پیس کر رہ گیا۔ اسے تجارت میں سرکاری سطح پر ایسی بے ایمانی کی توقع نہیں تھی۔ یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ آرمینیہ میں جتنے بھی مسلمان تاجر متوقع منافع کی منڈی کے خیال سے اس جانب رُخ کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ جب وہ مال فروخت کر کے واپس لوٹنے کی تیاری میں مصروف ہوتے ہو تو شاہی ہرکارے ان کے گرد پھیل کر خواہ مخواہ ان پر الزامات ٹھونس دیتے اور ان سے جمع پونجی چھین لیتے۔ کچھ لوگ اعلیٰ سطح پر شکایت لے کر پہنچ بھی گئے مگر ان کے مقامی نہ ہونے پر ان کی فریاد کو سننے سے

انکار کر دیا گیا۔ ہیرس چونکہ کبھی اس جانب نہیں آیا تھا، اس لئے اُسے کوئی ایسا تجربہ نہیں تھا۔ نہ ہی اس کے ساتھی تاجروں نے آرمینیہ کی لوٹ مار کا تذکرہ کبھی پہلے کیا تھا۔ ہیرس نے اس جانب سے لاعلمی کی ایک وجہ یہ بھی قیاس کی کہ مسلمان تاجروں کو لوٹ کر انہیں آرمینیہ کی سرحد بھی پار نہیں کرنے دی جاتی ہوگی تاکہ دوسرے علاقوں میں آرمینیہ کے برتاؤ کی خبر نہ پہنچ سکے۔

حالات چونکہ بے حد نازک موڑ اختیار کر چکے تھے۔ ہیرس کو اپنی جان سے زیادہ مصیبت میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی زندگی عزیز تھی۔ اس لئے تیزی سے فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھیوں کو فوری واپسی کا مشورہ دیا۔

''واپسی کی بات بھی منہ تک نہیں لانا..... تمہارا مال شاید ابھی تک بچا ہے اسی لئے تم فوری واپس لوٹنے کا واویلا مچا رہے ہو۔ ہماری جمع پونجی لٹ چکی ہے۔ ہم یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے''۔ ایک تاجر فرط جذبات میں آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

''بات میرے یا تمہارے مال کی نہیں ہے۔ کیا تم اس چوہے دان میں پھنس کر اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھونا چاہتے ہو؟'' ہیرس نے کہا۔

''اس میں جان کا کیا سوال.....؟'' وہ تاجر بھڑک کر بولا۔ ''ہمارا حق ناجائز طریقے سے ہتھیایا گیا ہے۔ تجارت کے بھی کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں۔ ہم سب کو مل کر دربارِ شاہی تک رسائی حاصل کرنا چاہئے''۔

''یہ سب اگر دربارِ شاہی کے ہی اشارے پر ہو رہا ہو تو پھر.....؟ میں بخوبی سمجھ چکا ہوں کہ حکومت اس معاملے میں چشم پوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تم لوگوں پر الٹا بے ایمانی کا جھوٹا الزام تھوپ کر موت کی سزا سنائے گی۔ وہ تم جیسے لوگوں کو زنداں میں بند رکھ کر کھانا کھلانے کے روادار دکھائی نہیں دیتے''۔ ہیرس نے سب لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو کیا ہم خاموشی سے یونہی اپنا مال و متاع لٹا کر واپس لوٹ جائیں؟'' ایک تاجر ہیرس کی مخالفت میں بولا۔

''کوشش کے باوجود کچھ اور ہو بھی نہیں سکے گا۔ تم لوگ کسی اسلامی ریاست میں نہیں ہو، یہ خالص نصرانی ریاست ہے۔ یہاں مسلمانوں کے لئے رحم یا انصاف قانون کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے''۔

''لگتا ہے اس کا مال ابھی سلامت ہے''۔ پہلا تاجر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں تم لوگوں کو خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اب تمہیں لاعلم رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے کوتوالی میں مال ضبط کرنے والے افسر کو اس کے سپاہیوں سمیت زخمی کر دیا ہے۔ وہ جلد ہی اس طرف کا رُخ کرنے والا ہے۔ اسی لئے میں بار بار تمہیں کہہ رہا ہوں کہ بچا کھچا سامان سمیٹو اور یہاں سے فوراً کسی محفوظ مقام کا رُخ کرو''۔ ہیرس نے حقیقت بیان کر دی۔ ہیرس کی بات سن کر سب تاجروں کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

''یہ تم نے کیا کر دیا.....؟ جانتے ہو کہ اب ہماری جان بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی''۔ ایک تاجر تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

''جان بچانے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے۔ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو، تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا''۔

''میں تو سوچ رہا تھا کہ مقامی تاجروں سے بات کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا کر دربارِ شاہی تک رسائی حاصل کر کے شاہی کارندوں کی شکایت کروں گا۔ مقامی تاجروں کی بدولت ہمیں کچھ نہ کچھ تو واپس مل ہی جائے گا

مگر تمہاری حرکت سے وہ امید بھی ٹوٹ گئی ہے''۔ پہلے تاجر نے یاسیت کے عالم میں کہا۔

''تم لوگ پریشان مت ہو، میں کوشش کروں گا کہ تمہارا نقصان پورا ہو جائے مگر پہلے یہاں سے جان بچا کر اپنے وطن تک لوٹنا ضروری ہے''۔ ہیرس نے ان کی ڈھارس بندھائی۔ وہ سب تیزی سے اپنے بچے کھچے کپڑے سمیٹنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہیرس کے ساتھ اس مقام سے نکل گئے۔ کوتوالی کا افسر جب وہاں پہنچا تو اس کی توقع کے مطابق اسے وہاں کچھ نہیں ملا۔ اس نے فوری طور پر دربارِ شاہی تک یہ خبر پہنچائی کہ کچھ مسلمان جاسوس ریاست میں گھس آئے ہیں اور انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا لیکن وہ کوتوالی میں کم نفری کا فائدہ اُٹھا کر سپاہیوں کو زخمی کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ دربارِ شاہی سے ان کی تلاش کا حکم نامہ جاری ہو گیا۔

ہیرس ان سب تاجروں کو شہر کی حدود سے باہر لے آیا تھا۔ ایک محفوظ مقام پر اس نے پڑاؤ ڈال کر صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے منصوبہ بندی پر غور شروع کر دیا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ انہیں مخصوص حلئے میں پہچان لیا جانا کوئی مشکل بات نہیں ہوگی۔ اس کے لئے کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا جس سے آرمینیہ کے محافظوں کی نگاہوں میں دھول جھونکی جا سکے۔

❁ ❁ ❁

ہلاؤ خان کے پاس جب سرتاق خان کی موت کی خبر پہنچی تو وہ تڑپ اُٹھا۔ اس کا اردوئے زریں پر قبضے کا خواب بکھر کر رہ گیا تھا۔ اس نے زہر خورانی کی سازش میں برقائی خان کو موردِ الزام ٹھہرایا۔ اس نے برقائی خان کے اس اقدام کے خلاف قاآنِ اعظم منگو خان کے پاس شکایت کی اور پُرزور طریقے سے برقائی خان کو معزول کر دینے کی سفارش کی۔ مگر منگو خان نے اسے اپنے معاملات کی جانب متوجہ رہنے کی تلقین کی۔ وہ خود برقائی خان کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ باندھے بیٹھا تھا مگر جب بڑے بھائی کی جانب سے اس معاملے میں عدم مداخلت کا واضح حکم ملا تو وہ بے بسی کے عالم میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ وہ برقائی خان کو بزور کچل دینا چاہتا تھا مگر ان دونوں کے درمیان قاآنِ اعظم کی ذات موجود تھی۔ برقائی خان کے بھی کچھ ایسے ہی جذبات تھے مگر وہ پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہلاؤ خان نے اپنے خاص نصرانی سالار کتبغا خان کو مشورہ کے لئے اپنے پاس طلب کیا۔ چند دوسرے خاص مقربین کی موجودگی میں ہلاؤ خان نے سرتاق خان کی موت، برقائی خان کی زہر خورانی اور قاآنِ اعظم کی ممانعت کا معاملہ ان سب کے گوش گذار کیا۔ ہلاؤ خان کی بات سننے کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ ہلاؤ خان نے صاف لفظوں میں برقائی خان کی ذلت آمیز موت اور اردوئے زریں کے منگولوں کو سزا دینے کی خواہش کا اظہار کیا۔

''قاآنِ اعظم کی حکم عدولی کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا البتہ اردوئے زریں میں موجود برقائی خان کے مخالفین کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں بغاوت پر ضرور اکسایا جا سکتا ہے''۔ ایک مقرب جان جوز جانی نے اپنی رائے پیش کی۔

''یہ کام بہت سست اور وقت طلب ہے مجھے کوئی ایسا قدم اُٹھانے کی خواہش ہے جو کہ نہایت کاری بھی ہو اور فوری نتائج کا حامل بھی ہو''۔ ہلاؤ خان نے کہا۔

''میرے پاس ایک خاص تجویز ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں صرف آپ کو تنہائی میں بتاؤں گا''۔ کتبغا خان نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ سب لوگ میرے خاص مقربین ہیں.....!'' ہلاؤ خان نے تیز لہجے میں کہا۔

''میری تجویز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ میرے اور آپ کے درمیان رہے''۔ کتبغا خان نے جواب دیا۔

ہلاکو خان نے سب لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا۔ وہ قدرے ناگواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ ہلاکو خان ان کے جانے کے بعد کتبغا کی جانب متوجہ ہوا۔

''خان اعظم......!'' کتبغا خان مؤدب لہجے میں بولا۔ ''آپ کے مقربین میں کچھ مسلمان بھی موجود تھے اس لئے میں نے ان کے سامنے بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی''۔

''ٹھیک ہے تم جو کہنا چاہتے ہو صاف الفاظ میں کہہ سکتے ہو''۔ ہلاکو خان نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

''آپ کو برقائی خان سے اسی لئے نفرت ہے کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے اور بڑی تیزی سے ارد وے زریں میں اسلام کا دائرہ پھیلا کر منگولوں کو مذہب سے دور کر رہا ہے''۔ کتبغا خان نے کہا۔

''یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ میری مخالفت اسلام سے بھی اتنی ہی ہے جتنی برقائی خان سے ہے''۔ ہلاکو خان بولا۔

''اگر آپ چاہیں تو برقائی خان تڑپ کر خود آگے بڑھ کر آپ پر حملہ آور ہو سکتا ہے......!'' کتبغا خان نے پراسرار لہجے میں کہا۔ ہلاکو خان کی آنکھیں اس کی بات پر چمک اٹھیں۔ کتبغا خان نے توقف سے بات آگے بڑھائی۔ ''برقائی خان اور تمام مسلمانوں کا مرکز بغداد ہے۔ وہاں مسلمانوں کا خلیفہ بیٹھ کر تمام ریاستوں میں موجود والیوں اور سلطانوں کو ہدایات دیتا ہے۔ برقائی خان بھی اسی سلسلے سے جڑ چکا ہے۔ اگر مرکز کی جانب پیش قدمی کر دی جائے تو برقائی خان برداشت نہیں کر پائے گا اور خود لشکر کشی پر آمادہ ہو جائے گا''۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا کتبغا خان......!'' ہلاکو خان اس کی بات پر چونک کر پہلو بدلنے لگا۔ ''بغداد پر حملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کے ماتحت تمام مسلمان سلطانوں کی تلواروں کا رُخ اپنی جانب موڑ لیا جائے۔ ایسا کرنا حماقت ہو گی۔ برقائی خان سے پہلے ہمیں تمام سلطانوں سے نپٹنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کا داؤ چل جائے اور ہماری ہیبت کی عمارت ہی فلک بوس ہو جائے''۔

''خان اعظم......!'' کتبغا خان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے یہ بات یونہی نہیں کہہ دی۔ اس کے پیچھے ایک بڑا نکتہ میرے ہاتھ لگا ہے''۔

''جو بھی کہنا ہے صاف صاف الفاظ میں کہو......!'' ہلاکو خان جھنجلا کر بولا۔

''آپ کے وزیر نظام الملک طوسی کے پاس کل ایک سفارت پہنچی ہے جس میں خلیفہ اسلام کے اہم وزیر ابن علقمی نے کچھ تجاویز بھیجی ہیں۔ ان میں خلافت کے عہدے کو کسی دوسرے خاندان میں منتقل کرنے میں مدد مانگی گئی ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی کوشش کریں تو میدان بڑی خوبصورتی سے جیتا جا سکتا ہے۔ نظام الملک طوسی تو آپ کی مٹھی میں ہی ہے''۔ کتبغا خان نے انکشاف کیا تو ہلاکو خان سوچ میں پڑ گیا۔

''حیرت ہے کہ نظام الملک طوسی نے تو ایسا کوئی تذکرہ نہیں کیا......؟''

''آپ جب اس سے پوچھیں گے تو ساری بات واضح کر دے گا۔ میرے خیال میں مسلمانوں کے مرکز پر حملہ کر دینے کے بعد اسے تباہ و برباد کر کے برقائی خان کیا روئے زمین پر موجود سارے مسلمانوں کا وجود مٹایا جا سکتا ہے۔ یہ نصرانیت کی سب سے بڑی فتح ہو گی جو کہ آپ کے نام کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی''۔ کتبغا خان نے ہلاکو خان کی اسلام دشمنی کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ ہلاکو خان اس کی بات سن کر ایک دوسرے زاویے پر سوچنے لگا۔ وہ حالات سے مکمل باخبری کے بعد ہی کوئی واضح فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے بے حد خواہش تھی کہ وہ اپنے دادا چنگیز خان کی طرح کوئی بڑا کام انجام دے کر ہی اس دنیا سے رخصت ہو۔ ایک ایسا کام جو کبھی فراموش

نہ کیا جا سکے۔ وجود اسلام کی بیخ کنی...... کتبغا خان کے شیطانی دماغ نے اس کی سوچ کے دھارے کو ایک نئی جہت بخشی تھی۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین اپنے سر پر اجنبی کو پا کر فکرمند ہو گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا نہایت چالاک اور ہوشیار شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی آمد کا رتی بھر بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ فوکناجو خان تیزی سے سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا جبکہ مطیع الدین بیٹھا رہا۔ نو وارد اجنبی ان دونوں کی صورتیں باری باری دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ شاید وہ انہیں پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھا۔

''اجنبی......! تم کون ہو اور یوں چوری چھپے ہمارے عقب میں آنے سے تمہارا کیا مقصد ہے؟'' فوکناجو خان نے الٹا سوال کر دیا۔

''یہی بات میں تم سے جاننا چاہ رہا ہوں کہ تم دونوں سرخ غروں کی سرزمین میں کیا کر رہے ہو......؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری حدود میں اجنبیوں کا داخلہ ممنوع ہے''۔ اجنبی نے سخت گیر لہجے میں کہا۔

''ہم مسافر ہیں اور کھو جانے والے ساتھی کی تلاش میں اس طرف آ نکلے ہیں''۔ مطیع الدین نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''تمہارا نصب شدہ خیمہ اور آگ کا الاؤ تمہاری بات کی نفی کرتا ہے۔ تم یقیناً اس جگہ شکار کھیلنے کی غرض سے آئے ہو''۔ اجنبی نے ان کا مؤقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

''تم اپنا چہرہ تو دکھاؤ......! تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ تم کون ہو؟ کیونکہ کل رات بھی ہمیں کچھ لوگ یونہی دھوکہ دے کر نکل گئے ہیں''۔ فوکناجو خان نے تیز لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''کون لوگ......!'' اجنبی چونک پڑا۔ ''کہیں تمہاری مراد ایک مرد اور دو عورتوں سے تو نہیں؟''

''دو نہیں صرف ایک عورت اور ایک مرد......!'' مطیع الدین ٹھٹک کر بولا۔

''تمہاری ان سے بات وغیرہ تو ہوئی ہو گی......؟'' اجنبی نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

''بات...... وہ کل رات ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا کر ایک عجیب سی کہانی سنا کر رات کی تاریکی میں ہمیں دھوکہ دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''ان کے ناموں کے بارے میں کچھ جانتے ہو......؟'' اجنبی سوالات کئے جا رہا تھا۔

''ہم یہ سب تمہیں کیوں بتائیں......؟'' فوکناجو خان مطیع الدین کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''خاصے پرجوش دکھائی دیتے ہو......!'' اجنبی لفظ چبا کر بولا۔ ''مجھے ان دونوں کی تلاش ہے۔ بہرحال اگر تم ان کے بارے میں کچھ بتا سکو تو شاید میں تمہاری اس علاقے میں آمد کے جرم میں کچھ نرمی برت سکوں''۔

''اپنی نرمی اپنے پاس ہی رکھو اور اپنی تلوار بے نیام کر کے میدان میں اتر آؤ...... تمہارا دم بھی دیکھ لیتا ہوں''۔ فوکناجو خان اس کے دھمکی آمیز لہجے پر تھے سے اکھڑ گیا۔ اجنبی شاید کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا۔ اس نے دعوتِ مبارزت قبول کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کی۔ وہ اپنی تلوار لہراتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مطیع الدین نے صورتِ حال کا بگڑتے دیکھ فوراً مداخلت کی اور فوکناجو خان کو برداشت سے کام لینے کا مشورہ دیا۔

''اجنبی......! تمہیں مطلوبہ باتیں ضرور بتائی جائیں گی مگر اس سے پہلے ضروری ہے کہ ہمیں تمہارا تعارف حاصل ہو۔ تم کون ہو......؟'' مطیع الدین نے ٹھنڈے دماغ سے کام لیتے ہوئے بات شروع کی۔

''میرا نام شنگ خان ہے اور قبیلہ سرخ غر کے سابق سردار کا پوتا ہوں۔ کچھ لوگ میری عزیزہ کو اغوا کر

کے اس جانب فرار ہوئے ہیں، میں ان کی تلاش میں یہاں آیا ہوں'' ۔اس نے جواب دیا۔

''تمہارا قونائی خان سے کیا کوئی رشتہ ہے......؟'' مطیع الدین نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تو وہ اجنبی بری طرح چونک کر محض اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''تم قونائی خان کو کیسے جانتے ہو......؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''قونائی خان میرے گھر کے برابر میں رہتا تھا۔ کسی وجہ سے اسے اچانک پراسرار موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا'' ۔ مطیع الدین نے جان بوجھ کر تفصیل سے کام لیا۔

''تم سرائے میں رہتے ہو......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ظاہر ہے......! قونائی خان کا گھر سرائے میں ہی ہے'' ۔ مطیع الدین نے ہنس کر جواب دیا۔

''قونائی خان کے گھر کے کسی فرد کو جانتے ہو......؟'' شنگ نے پوچھا۔

''چاہو تو میں سب کے نام گن کر بتا سکتا ہوں'' ۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''کل رات جو لوگ تمہیں ملے تھے ان میں مرد کا نام شکنان اور عورت کا نام گہنا نم تھا......؟'' شنگ نے بات بدل دی۔ مطیع الدین نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ دوسرے سوالات کئے جن سے ان دونوں کے حلئے کی تصدیق ہوگئی۔ کچھ دیر تک وہ ان سے فرار کے حوالے سے گفتگو کرتا رہا۔

''تم لوگ قبیلہ سرخ غر میں کیا حاصل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے......؟'' اچانک اس نے پینترا بدلا۔

''اس بات کا جواب حاصل کرنا کہ انہوں نے ایک زندہ عورت کی آخری رسم کیوں ادا کی......؟'' فونا جو خان تیزی سے بولا۔ شنگ اس کی بات سن کر فرط حیرت سے گرتے گرتے بچا۔ اسے فونا جو خان کے غیر متوقع جملے پر شدید جھٹکا لگا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہے کہ کسی زندہ عورت کو آخری رسم کی سزا دی گئی ہے......؟'' اس نے بمشکل پوچھا۔

''سزا......!'' فونا جو خان نے لفظ چبا کر ادا کیا۔ ''جانتے ہو کہ منگولوں میں اس مقدس رسم کی بے حرمتی کی کیا سزا ہے؟ اگر دوسرے قبائل کو ذرا بھی بھنک پڑ جائے تو وہ سرخ غروں کی بوٹیاں نوچ کھائیں گے'' ۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے......؟'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بات کرنے لگا۔

''تمہارے چہرے کی حالت اور وہ غار......!'' فونا جو خان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کیا تم نے وہ غار دیکھا ہے......؟'' شنگ خان پے در پے حیرت کے جھٹکوں سے نبرد آزما تھا۔

''غار بھی دیکھا ہے، اس پر لگی نقب بھی دیکھی ہے اور غار کے اندر موجود سنہرے بالوں کی لٹ بھی......!'' فونا جو خان نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''کک... کیا مطلب گل دقوز مر چکی ہے؟'' وہ تڑپ کر چیختا ہوا بولا۔ مطیع الدین اس کے لبوں پر گل دقوز کا نام سن کر سکتے میں رہ گیا۔ وہ جس خیال کو کچھ دیر پہلے بڑی مشکل سے ذہن سے اتار پایا تھا وہ حقیقت کا روپ دھار کر دوبارہ ذہن پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ فونا جو خان اس جملے کی کاٹ کو محسوس کر کے بے بس کھڑا رہ گیا۔ وہ اچھی طرح واقف تھا کہ گل دقوز کی موت کی تصدیق مطیع الدین کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

❀ ❀ ❀

ہیرس نے ایک محفوظ مقام پر ٹھہرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کی اور اپنا حلیہ تبدیل کر کے مقامی لباس پہن کر واپس اسی شہر میں لوٹ آیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے لئے کچھ لباس خریدے اور ضروری سامان لے کر واپس لوٹ گیا۔ ساتھی تاجر ہیرس کی صورت دیکھ کر بدک گئے اور یہ سمجھے کہ ہیرس نے

انہیں یہاں لا کر پھنسا کر ان کی مخبری کر دی ہے تبھی یہ آرمینی شخص یہاں پہنچ گیا ہے۔ ان کی گھبرائی ہوئی شکلیں دیکھ کر ہیرس نے اصلی لہجے میں بات کر کے ان کی ڈھارس بندھائی اور انہیں مقامی لباس پہننے کی ہدایت کی۔ اس لباس نے ان کی وضع قطع میں خاصا فرق پیدا کر دیا تھا۔ وہ کسی بھی طور پر پردیسی یا مسلمان نہیں دکھائی دیتے تھے۔

ہیرس کے پُریقین اور باعتماد انداز سے اب ان میں کچھ کچھ حوصلہ پیدا ہونے لگا کہ وہ ہیرس کی معیت میں واپس وطن لوٹ جائیں گے۔ ہیرس نے ان ضروری کاموں سے فارغ ہو کر ایک بڑا سا تھیلا ان کی جانب بڑھا دیا۔ اس میں کھانے پینے کی کچھ اشیاء تھیں۔ انہیں سفر کے دوران کھانے پینے کے سامان کی ضرورت پڑتی۔ ہیرس نے غذا کے استعمال میں احتیاط برتنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ نصرانی ریاست میں کب تک یونہی بھٹکنا پڑے گا۔ ہیرس انہیں مختلف کاموں میں مصروف کر کے اپنے چھوٹے سے خیمے کی جانب بڑھا۔ خیمے کے قریب پہنچ کر اسے اندر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ چوکنا ہو گیا۔ وہ احتیاط سے خیمے کی جانب بڑھا اور ایک جھٹکے سے پرت اُٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر موجود شخص ہیرس کی اچانک آمد پر گڑبڑا گیا۔ ہیرس کی نگاہ جب اس شخص پر پڑی تو اطمینان کی سانس لی۔ وہ وہی نحیف نوجوان تھا جسے اس نے بازار سے خریدا تھا۔

''شکل وصورت سے تو عرب دکھائی دیتے ہو، یہاں کیا کر رہے تھے......؟'' ہیرس نے پوچھا۔

''میں یہیں رہتا ہوں، مجھے نہیں معلوم میرے والدین کہاں کے رہنے والے تھے اور اب کہاں ہیں۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی ظالم کے شکنجے میں خود کو پایا ہے'' ۔اس نے جواب دیا۔

''لگتا ہے تم کسی عرب تاجر کی کم سن اولاد ہو جو ان نصرانیوں کے ہاتھوں بربادی کا شکار ہو گیا ہوگا'' ۔ ہیرس نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''تمہارا نام کیا ہے......؟''

''مجھے سب لوگ مرندی کہہ کر بلاتے ہیں'' ۔اس نے جواب دیا۔

''نصرانی ہو کیا......؟'' ہیرس نے اچانک چونک کر پوچھا۔

''میں صرف غلام ہوں، مذہب سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا۔ نصرانیت کیا ہوتی ہے؟ اس بارے میں میں کچھ کہہ نہیں سکتا'' ۔اس نے پھیکی سی ہنسی سے جواب دیا۔

''کبھی ان لوگوں کے ساتھ کلیسا گئے ہو......؟''

''غلاموں کا قدم بھی اگر کلیسا کے دروازے کو چھو جائے تو وہ پاؤں کاٹ دیتے ہیں'' ۔

''میں مسلمان ہوں......! آج سے تم میرے لئے کام کرو گے اور تمہارا نام مجھے کچھ پسند نہیں آیا تم کوئی دوسرا نام اپنے لئے تجویز کر سکتے ہو'' ۔ ہیرس نے کہا۔

''آپ کو جو نام پسند ہو وہی رکھ دیں میرے لئے ناموں میں کیا رکھا ہے'' ۔اس نے بے چارگی سے کہا تو ہیرس لمحہ بھر کے لئے پریشان ہو گیا۔ غلامی کے عالم میں انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے وہ اس سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے نام بدلنے پر کوئی زور نہیں دیا بلکہ اسے باہر موجود تاجروں کے ساتھ مل کر ہاتھ بٹانے کا کہہ کر وہ اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔

چار دن کے مسلسل قیام کے بعد اس نے شہر کا ایک اور چکر لگایا وہ تازہ صورت حال سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ دربارشاہی سخت خوف وہراس کا شکار ہے۔ ایلخانی تاتاری لشکر باطنیوں کے کئی مضبوط قلعے روندتے ہوئے آرمینیہ کی سرحدوں تک پہنچ گئے تھے۔ تاتاریوں کی بربریت سے وہاں کے لوگ خوب واقف تھے۔ اسی لئے وہ شہر سے فرار ہو کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں مصروف تھے۔ ہیرس نے لوگوں کی

ابتر حالت دیکھ کر واضح منصوبہ بنالیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ایسی حالت میں ان کی تلاش کا کام ترک کیا جاچکا ہوگا۔ وہ تیزی سے اپنی کمین گاہ پر لوٹا اور ساتھی تاجروں کو فوری سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ شام پڑنے سے پہلے ہی وہ چھوٹا سا قافلہ آرمینیہ کی سرزمین پر تیز رفتاری سے اپنے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ ہیرس اس قافلے کی خود قیادت کر رہا تھا۔ اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے ساتھیوں کو نصرانی حلیوں میں ہی رہنے دیا تاکہ کوئی انہیں مسلمان سمجھ کر متصادم ہونے کی کوشش نہ کرے۔ ان کے آگے پیچھے کئی قافلے رواں دواں تھے جو تاتاریوں کے خوف سے کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔

آرمینیہ کی سرحد تک سفر بے حد پُرسکون رہا۔ بغیر کسی مشکل یا رکاوٹ کے وہ سرحد تک بآسانی پہنچ گئے۔ آرمینیہ کی سرحد پر پہنچنے پر تاجروں نے بے حد تکان کے باعث کچھ دیر آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی تو ہیرس نے انہیں سمجھانا چاہا کہ کچھ دیر کی بات ہے ہم اس ریاست کی حدود سے باہر نکل کر اناطاکیہ میں داخل ہو جائیں گے۔ وہاں بے شک ایک ماہ تک آرام کرتے رہنا۔ مگر انہوں نے مزید سفر سے معذوری کا اعلان کر دیا تو ہیرس کو مجبوراً وہیں رُکنا پڑا۔ شام ہونے سے پہلے اس مقام پر تین دوسرے قافلے بھی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے پہلے موجود قافلوں کے پڑاؤ کو دیکھ کر وہیں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہیرس ان مقامی لوگوں کے درمیان گھومتا رہا اور ان کے مشاغل اور انداز و اطوار کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں ان قافلوں میں کوئی مخبر نہ موجود ہو جو شہر کے قیام کے دوران ان کے تعاقب و نگرانی پر مامور رہا ہو۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو رات کے آخری پہر میں وہ سو گیا۔

اگلی صبح تیز شور و غل کی آواز سے ہیرس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے خیمے سے باہر نکل کر دیکھا تو کچھ لوگ ایک جگہ دائرہ کی شکل میں موجود تھے اور وہاں کسی بات پر تلخ کلامی ہو رہی تھی۔ ہیرس تیزی سے اس جانب بڑھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے لئے خاصا پریشان کن تھا۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے ان سب کی جانب دیکھ رہا تھا جو اس کی آمد سے ابھی تک بے خبر تھے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کے ماتھے پر چمکتی ہوئی بوندیں دیکھ کر شنک کے چہرے پر حیرت کی شکنیں گہری ہوتی گئیں۔ وہ اس کی متغیر کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ مطیع الدین اس کے منہ سے گل وتوڑ کا نام سن کر شدید صدمے سے دوچار ہوا تھا۔ اسے ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ اس غار میں واقعی گل وتوڑ ہی بند کی گئی تھی، اور پھر شنک سے بھی یہ امید نہیں تھی کہ وہ یکدم ایسی کوئی بات منہ سے نکال دے گا۔ وہ گذرے وقت میں گہنانم اور شکنتان کی باتوں کو مبالغہ آرائی کا نام دینے میں مصروف رہا تھا کہ اس کی تمام کوششوں کی عمارت ایک ہی پل میں زمین بوس ہو چکی تھیں۔ فونا جو خان کے لئے یہ لمحہ بڑا اہمیت کا حامل تھا۔ وہ کسی قیمت پر شنک کو یہ سمجھنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ لوگ گل وتوڑ کی تلاش میں ہی اس طرف آئے ہیں۔ مطیع الدین کی متغیر حالت شنک کو کسی حد تک صورتِ حال سمجھنے کا موقعہ فراہم کر رہی تھی۔

''تم نے تونائی خان کی بیٹی گل وتوڑ کا نام لیا ہے..... کیا واقعی اس غار میں گل وتوڑ کو ہی آخری رسم کی سزا دی گئی تھی؟'' مطیع الدین بمشکل بولا۔

شنک اس کی جانب تیز نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم گل وتوڑ کو کیسے جانتے ہو؟''

''میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا کہ میں تونائی خان کا ہمسایہ بھی ہوں، اس ناطے میں اس کی بیٹی، بیٹوں، بیویوں اور غلاموں تک کو جانتا ہوں''۔ مطیع الدین کو اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش

کرنے لگا۔

''تمہارا جواب اور تمہارا لہجہ کچھ سمجھ نہیں رہا.....'' شنک اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''شنک خان!'' فونا جو خان فوراً بیچ میں بول پڑا۔ ''اس بات کو چھوڑ دو، تم اپنی بات کرو۔ کچھ لمحے پہلے تک تو تم یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھے کہ یہاں کسی زندہ عورت کو آخری رسم کی سزا دی گئی تھی مگر تمہاری وارفتگی نے تمام حقیقت منکشف کر دی''۔

''ن..... ن..... نہیں ..... نہیں تو''۔ شنک خان اس کے اچانک حملے سے بوکھلا اُٹھا۔

''اب بات چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں، میں فونا جو خان اس معاملے کو منگولوں کے قرولتائی میں اُٹھاؤں گا کہ قبیلہ سرخ غر کے لوگ اپنی ذاتی رنجشوں اور ناراضگیوں میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ وہ جاودانی آسمان کی مقدس رسومات کی کھلم کھلا پامالی کرتے ہیں''۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ایسا کچھ ہوا ہے۔ دوسرا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ قبیلہ سرخ غر کسی ایسی مذموم حرکت کا مرتکب ہوا ہے؟'' شنک نے تیز لہجے میں کہا۔

''ثبوت تو میں قرولتائی میں ہی پیش کروں گا''۔ فونا جو خان نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اس وقت ہماری حدود میں موجود ہو اور تمہارا یہاں سے زندہ سلامت نکل جانا کوئی آسان بات نہیں ہے''۔ شنک اُسے دھمکانے لگا۔

''دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے شنک!'' مطیع الدین نے مداخلت کی۔ ''تم شاید نہیں جانتے کہ میں ایک بار پہلے بھی سرخ غر کے نرغے کا طوق توڑ چکا ہوں۔ گذشتہ بار تو تم لوگ میری بے خبری کا فائدہ اُٹھانے میں کامیاب ہو گئے مگر اس بار ایسا کچھ نہیں ہو سکے گا''۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' شنک اس کی بات کو سمجھ نہیں پایا۔

''دتبا ژائی خان کیوں مارا گیا تھا اس بارے میں کچھ جانتے ہو''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''تم دتبا ژائی خان کو بھی جانتے ہو!'' شنک قبیلہ سرخ غر کے سابق مردہ سردار کا نام اس کے منہ سے سن کر بے اختیار اچھل پڑا۔ مطیع الدین کی شخصیت اس کے لئے کسی عجوبے سے کم نہیں تھی۔

''بس یہ جان لو کہ دتبا ژائی خان کی موت کا سبب میں ہی تھا''۔ مطیع الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کہیں تم وہی قیدی تو نہیں.....؟ جسے ازقائی قبیلے کے لوگ لے اُڑے تھے''۔ اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی عود کر آئی تھی۔

''تمہاری معلومات اور تجزیہ کافی عمدہ ہیں''۔ مطیع الدین اس کے جواب پر سر دھن کر رہ گیا۔

''اوہ! اب میں سمجھا کہ گل وتوڑ کی موت کے بارے میں سن کر یکدم تمہاری حالت بگڑ کیوں گئی تھی۔ تم یقیناً گل وتوڑ کو واپس حاصل کرنے آئے ہو''۔ شنک خان حقیقت سے آگاہ ہونے پر دانت پیستے ہوئے بولا۔ وہی ہوا جس کا فونا جو خان کو اندیشہ تھا۔ شنک پر مطیع الدین کی حقیقت منکشف ہو چکی تھی۔ مطیع الدین اس کی بات پر محض منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ اپنی تمام طاقت مجتمع کرنے میں مصروف تھا کہ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال سے فوری نبٹا جا سکے۔ شنک نے بات آگے بڑھائی۔

''مجھے تم سے سچائی چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے دب گیا ہوں یا تمہارے اس ساتھی کی تلخ باتوں سے مرعوب ہو گیا ہوں۔ میں تم سے کچھ سودا کرنا چاہتا ہوں''۔

''تم اپنے قبیلے کے جرم کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش مت کرو.....'' فونا جو خان بولا۔ مطیع الدین نے

تیزی سے اسے اپنی جانب کھینچتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔فوینا جو خان تیز نگاہوں سے مطیع الدین کی جانب دیکھنے لگا۔اسے مطیع الدین کا یہ مصلحت آمیز رویہ ناگوار گذر رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ حقیقت ایک نہ ایک دن کھل کر سامنے آنا ہی تھی۔گل وقوز کو حاصل کرنا میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے اور میں اپنا مقصد پانے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔تم کھل کر بات کرو کہ تم کیا سودا کرنا چاہتے ہو؟''مطیع الدین کے چہرے پر گہری سنجیدگی دکھائی دینے لگی۔

''میں تم لوگوں کے ساتھ اس غار تک پہنچنا چاہتا ہوں جہاں گل وقوز کو بند کر دیا گیا تھا۔یقین کرو کہ یہ بات میرے لئے بالکل نئی ہے کہ گل وقوز اب وہاں موجود نہیں ہے اور ساتھ ہی بالوں کی لٹ کی کہانی سے بھی یکسر انجان ہوں۔مجھے سب سے پہلے یہ جاننا ہے کہ کیا واقعی گل وقوز موت کا شکار ہو گئی ہے یا کسی ہمارے دشمن نے ہمارے ساتھ کوئی کھلواڑ کیا ہے یا ان دونوں مفروروں نے اس کی مدد میں یہ کام انجام دیا ہے اور وہاں بالوں کی لٹ پھینک کر ہمیں بہکانے کی کوشش کی ہے''۔شنگ نے کہا۔

''جہاں تک ان دونوں مفروروں کی بات ہے تو میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گل وقوز ان کے ساتھ نہیں تھی۔البتہ تمہاری دوسری بات کسی حد تک صحیح معلوم ہوتی ہے مگر ان تمام باتوں کا سودے بازی سے کیا تعلق ہے؟''مطیع الدین اس کی باتوں پر غور کرتے ہوئے بولا۔

''یہ سودا اس وقت شروع ہوگا، جب مجھے اپنے قیاس پر یقین ہو جائے گا اور میں کسی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا''۔شنگ مختصراً بولا۔

''شنگ خان......!''فوینا جو خان نے پھر کچھ بولنا چاہا کہ مطیع الدین کی گھورتی نگاہوں کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔جانے کیوں فوینا جو خان کو شنگ کا انداز کچھ بھایا نہیں تھا۔اسے شنگ کی پھیلائی گئی اسراریت میں کسی چال کا گمان ہو رہا تھا مگر مطیع الدین کے جھکاؤ آمیز رویے پر وہ محض دانت پیس کر رہ گیا۔

❀ ❀ ❀

ہلاکو خان نے خراسان پر فتح پانے کے بعد بادغیس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔یہیں بیٹھ کر وہ تمام امورِ سلطنت انجام دیتا تھا۔اس کی مختلف مہمات باقاعدگی سے خراساں کے اطراف میں جاری تھیں۔وہ ہر وقت اپنے دادا چنگیز خان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی سلطنت کو بڑھانے کی فکر میں مبتلا رہتا۔زیریں فارس کے مسلمان امرا اور والیوں نے اپنے اقتدار کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے خود ہلاکو خان کے دربار میں پیش ہو کر اس کی اطاعت و وفاداری کا حلف اُٹھا لیا تھا۔انہیں میں بلادِ فارس کا امیر اتابک ابوبکر بھی شامل تھا۔ہلاکو خان نے ان سے عہد و پیمان لیا تھا کہ جب اُسے کوئی بڑی مہم پیش آئے گی تو وہ اسے عسکری سامان اور لشکر فراہم کریں گے اور خراج کے طور پر ایک خطیر رقم باقاعدگی سے اس کے پاس پہنچتی رہے گی۔اسی دوران اسے جوشیلے باطنی فدائیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا جو کہ اپنی جان داؤ پر لگا کر سرکردہ شخصیات کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں سرگرمِ عمل تھے۔ان کا مرکز قلعہ الموت تھا جہاں حسن بن صباح اور اس کے جانشین طویل عرصے سے قابض تھے۔یہ قلعہ ایک ایسے مقام پر واقع تھا جہاں پہنچنا اور معرکہ آرائی بہت دشوار تھی۔قاآن اعظم منگو خان کی ہدایت پر اس نے خود اس فتنے کی سرکوبی کی مہم شروع کی اور حلیف مسلمانوں کے ساتھ مل کر وہ قلعہ الموت پر موت بن کر جھپٹا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے باطنی فدائیوں کی قوت پارہ پارہ کر دی۔لاکھوں افراد کی ہلاکت سے یہ تحریک ٹھنڈی پڑ گئی۔اس مہم کی واپسی پر تقریب قرولتائی میں برقائی خان سے ناگوار ملاقات نے اس کی سوچ کا دھارا یکلخت مختلف سمت میں موڑ دیا۔وہ مسلمانوں کو اپنا سب سے خطرناک دشمن خیال کرنے لگا۔نصرانیت قبول کرنے کے بعد اسلام

دشمنی اس کا دینی فریضہ بن چکی تھی۔کتبغا خان نے اس کی نگاہیں جس امر کی جانب مبذول کی تھیں وہ دشوار تو تھا مگر اس میں نصرانیت کی بڑی زبردست کامیابی مضمر تھی۔اس نے پہلی ہی فرصت میں اپنے وزیر نظام الملک نصیر الدین طوسی کو بلوایا اور اس ضمن میں دریافت کیا۔نظام الملک نصیر الدین طوسی نے اپنے حکمران کے سامنے ساری بات کھول کر رکھ دی۔نظام الملک نصیر الدین طوسی باطنی فدائیوں کا ایک سرکردہ امیر رہ چکا تھا اور قلعہ الموت کی فتح کے بعد وہ ہلاکو خان کے مصاحبین خاص میں شامل ہو گیا۔اس نے اسی عرصے میں اخلاق ناصری نامی کتاب لکھی تھی۔وہ متعصب اور غالی شیعہ تھا۔ہلاکو خان کے سامنے جو تفصیل آئی تھی اس کے مطابق خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر سلطنت احمد بدر الدین بن عبدالملک علقمی، ہلاکو خان کی مدد سے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کرنے کا متمنی تھا اور وہ ہلاکو خان کی بغداد میں آمد کے لئے راہیں ہموار کرنے پر تہہ دل سے تیار تھا۔

ہلاکو خان کے لئے اس خصوصی مدد کا ایک سبب وزیر سلطنت ابن علقمی کی خلیفہ مستعصم باللہ کے فرزند کلاں ابوبکر محمد کے ساتھ دلی رنجش تھی۔ابوبکر محمد امیر المومنین کا جانشین بھی تھا اور بڑا بہادر جنگجو اور دانا شخص تھا۔وہ طویل عرصے سے تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے سیل کے سامنے آہنی دیوار بنا کھڑا تھا۔ہلاکو خان بھی اس سے نالاں تھا۔ایک موقعے پر دربار خلافت سے امیر ابوبکر محمد کو رافضی شیعہ جماعتوں کی سرکشی اختیار کرنے پر سرکوبی کے لئے متعین کیا گیا تو اس نے انہیں میدان جنگ میں عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور بڑی جماعت کو تہہ تیغ کر دیا۔میدان جنگ میں باغیوں نے اپنی قوت کمزور دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور ان کی بڑی تعداد میدان جنگ سے فرار ہو کر کرخ اور مشہد جا پہنچی۔یہاں پناہ گیر ہونے کے بعد انہوں نے زور و شور سے از سر نو جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ابوبکر محمد کو جب معلوم ہوا تو اس نے انہیں مزید موقعہ دینا مناسب نہیں سمجھا اور تیزی سے سفر کرتا ہوا پہلے کرخ جا پہنچا اور وہاں باغیوں کو چن چن کر ہلاک کیا گیا۔اس کے بعد وہ مشہد امام موسیٰ جعفرؒ پہنچا اور باغیوں کی قوت منتشر کرتے ہوئے پکڑے جانے والوں کو عبرت ناک سزائیں دیں اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔کہا جاتا ہے کہ ان رافضی باغیوں کو ابن علقمی کی پشت پناہی حاصل تھی کیونکہ ابن علقمی خود بھی غالی رافضی تھا۔ابوبکر محمد کا یہ معرکہ ابن علقمی کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے لگا اور اس نے اپنے ہم مسلک احباب کے ساتھ مل کر ایک بڑی خوفناک سازش کا تیار کی۔اس نے تاتاریوں کی بربریت و فتنہ انگیزی کو نظرانداز کرتے ہوئے ہلاکو خان کو بغداد پر حملے کی باقاعدہ دعوت دے ڈالی۔وہ یہ چاہتا تھا کہ ہلاکو خان دندناتا ہوا بغداد میں داخل ہو اور خلیفہ مستعصم باللہ کو ہلاک کر کے اہل بیت کے کسی فرد کو خلافت کی گدی پر بٹھا دے۔ہلاکو خان اس معاملے میں کسی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔اس نے ابن علقمی کی دعوت کو اپنے موافق تدبیروں کی تکمیل پر مشروط کر دیا۔نظام الملک نصیر الدین طوسی بھی غالی شیعہ تھا، وہ اس معاملے میں منتظم کے فرائض انجام دیتے ہوئے ابن علقمی کو ہدایات جاری کرتا رہا۔ابن علقمی نے نظام الملک نصیر الدین طوسی کو یہ باور کرایا تھا کہ عباسیوں کی خلافت کے خاتمے کے بعد حق خلافت ہم اہل بیت کی جانب منتقل کر دیں گے کیونکہ یہ انہی کا حق ہے جو پہلے امویوں نے اور پھر عباسیوں نے ان سے حربوں وحیلوں سے چھین لیا تھا۔نظام الملک نصیر الدین طوسی اہل بیت سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اسی جذبے کے تحت وہ ابن علقمی کی سازش میں اس کے ساتھ مل گیا۔

ہلاکو خان نے اس کام کے ابتدائی مرحلے میں چھوٹے چھوٹے دستوں پر مشتمل لشکر حدود خلافت کے شہروں میں روانہ کرنا شروع کئے۔وہ اس امر سے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ بغداد پر حملہ کرنے پر اسے کیسا ردعمل دیکھنے کو مل سکتا ہے؟عراقی شہروں پر تاتاری غارتگری کے نتیجے میں امیر علم سلیمان شاہ ایوائی ترکمان نے امیر محمد ابوبکر کے ساتھ مل کر عسکری قوت کا استعمال تیز کر دیا اور آگے بڑھ کر تاتاریوں کو پے در پے شکستیں

دیں تو ہلاکو خان خاصا پریشان ہوگیا۔ اس نے تاتاریوں کے رعب ودبدبے کی گرتی عمارت دیکھ کر خود میدان میں نکلنے کا فیصلہ کیا اور تیزی سے بلاد عراق کی جانب روانہ ہوا۔ امیر موصل بدرالدین لولو کو جب ہلاکو خان کی آمد کی بابت معلوم ہوا تو وہ خود اس کے پاس پہنچا اور اپنی خلیفہ سے ذاتی دشمنی کا حوالہ دے کر اطاعت پیش کردی۔ ہلاکو خان کے سامنے بس ایک ہی خواب تھا...... بغداد پر قبضہ......اس نے امیر موصل بدرالدین لولو کے سامنے یہ کڑی شرط رکھی تو اس نے خوشدلی وشکرگزاری کے ساتھ اُسے قبول کرتے ہوئے اپنی امیرالمومنین سے لاتعلقی کا اعلان کردیا۔ وہ پہلے بھی امیرالمومنین کو دل سے پسند نہیں کرتا تھا اور اس کی ریاست میں تمام خطبوں میں امیرالمومنین کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ ہلاکو خان نے امیر بدرالدین لولو کی اطاعت کو نیک شگون قرار دیا اور بغداد کے قریبی علاقوں میں اپنے سپاہیوں کے دستے تعینات کردیئے۔

ہلاکو خان کی روانگی اور بغداد پر حملے کی رضامندی کی اطلاع پاکر ابن علقمی نے خلیفہ مستعصم باللہ کے سامنے سپاہ کے اخراجات کا ایسا رونا رویا کہ خلیفہ پریشان ہوکر رہ گیا اور اس نے دریافت کیا کہ ان اخراجات کی ادائیگی کیسے ممکن ہے؟ ابن علقمی نے مسلمان سپاہیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے آگاہ کیا کہ ایک خطیر رقم ان کی ماہانہ تنخواہوں میں خرچ ہوتی ہے اور وہ بے کار بیٹھ کر مفت کی تنخواہ پارہے ہیں حالانکہ بغداد کے گردونواح میں امن وامان کی فضا قائم ہے۔ پُرامن حالات میں اتنی بڑی سپاہ کا رکھنا سراسر خسارے کا سودا ہے اور بیت المال پر مفت کا بار ہے۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے اس کی بات سن کر مناسب اقدامات اُٹھانے کی ہدایت کی۔ اس نے وزیر خلافت سے اپنے اختیارات کے کھلے استعمال کی اجازت پاتے ہی سپاہیوں کے کچھ حصوں کو دور دراز مختلف مقامات پر حیلوں بہانوں سے روانہ کرنا شروع کردیا اور سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد کو جبری طور پر برطرف کرکے گھروں کو بھیج دیا۔ سپاہ نے وزیر سلطنت کے فیصلے پر احتجاج کرنا چاہا مگر ان کی بات سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اس وقت وزیر ابن علقمی کے خونخوار پنجے بے حد مضبوطی سے ہر سو گڑے ہوئے تھے، کوئی اس کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ خلیفہ مستعصم باللہ تک اس کے غلط اقدامات کی حقیقت نہ پہنچ سکے۔ اس کا بھی اس نے الگ انتظام کر رکھا تھا۔ خلیفہ کے رفقاء میں زیادہ تر اس کے مخبر موجود تھے جو پل پل کی خبریں اس تک پہنچایا کرتے۔ امیرالمومنین مستعصم باللہ شاہی محل کی چار دیواری میں مقید، باہر کی دنیا سے بے خبر وبے فکر اپنے ذوقِ محافل میں مگن رہتا تھا۔ اس کے خیرخواہ رفقاء میں سے بھی کسی کو اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ابن علقمی کا پول اس کے سامنے کھول پاتے۔ جبری فارغ شدہ مسلمان سپاہیوں نے بغداد کے گلی کوچوں میں خوب ہنگامہ آرائی مچائی۔ مگر جب انہوں نے اپنے احتجاج کی دال گلتی نہ دیکھی تو بے بسی وبے چارگی سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ سپاہیوں کا تقریباً اسی فی صد حصہ مختلف علاقوں سے آکر لشکر میں شامل ہوا تھا۔ ان کے جانے سے بغداد خالی خالی سا دکھائی دینے لگا۔ ابن علقمی نے بغداد کے حالات تاتاری حملے کے موافق سازگار کردیئے تھے۔ اب بغداد ہلاکو خان کو پکے ہوئے پھل کی مانند دکھائی دینے لگا۔

❀ ❀ ❀

ہیرس فرطِ حیرت سے زمین پر پڑے شخص کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں تھا بلکہ اس کے قافلے کا ہی ایک تاجر تھا۔ اس کا حلیہ بے حد خراب دکھائی دے رہا تھا۔ منہ سے خون بہہ رہا تھا اور کپڑے تقریباً تار تار ہوچکے تھے۔ ہیرس کو اس کی حالت پر تعجب ہوا۔ لوگوں کا ایک گروہ اسے اپنے نرغے میں لئے ہوئے تھا۔ ہیرس آگے بڑھا۔ ایک شخص نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر ہیرس اس کی پرواہ کئے بغیر بیچ میں جا پہنچا۔ قریب موجود سبھی لوگ ہیرس کو خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگے۔ انہیں ہیرس کی مداخلت ناگوار گذری۔

''کیا بات ہے؟......تم لوگ اسے کیوں پیٹ رہے ہو؟'' ہیرس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''تمہارا اس شخص سے کیا واسطہ ہے، کیا تم بھی اس کے ساتھ ہو؟'' ایک شخص تنک کر بولا۔

''یہ میرے قافلے کا ایک معزز فرد ہے، اس لئے مجھے یہ پوچھنے کا پورا اختیار ہے کہ تم لوگوں نے اس کی یہ حالت کیوں کی ہے؟'' ہیرس سرد لہجے میں بولا۔

''مار دو اسے بھی مار دو...... یہ اس کا ساتھی ہے اور ہمیں الو بنا کر اسے چھڑانے آیا ہے''۔ ان میں ایک شخص چیختا ہوا بولا۔ اس کی بات سن کر دو افراد جوش میں آگے بڑھے تاکہ وہ ہیرس کو نشانہ بنا سکیں۔ ہیرس نے صورتِ حال کو اپنے خلاف جاتے دیکھ کر تیزی سے اپنی تلوار بے نیام کی اور ایک ہی وار میں بڑھنے والے دونوں افراد کو ہلکا سا زخمی کردیا۔ تلوار کی دھار نے ان کے بازوؤں پر معمولی سا گھاؤ ڈال دیا۔

''تم میں سے اب کسی شخص نے بھی کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو اب کی بار اس کا بازو ہی جسم سے الگ کردوں گا''۔ ہیرس غصیلے لہجے میں بولا۔ وہ لوگ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں شاید ہیرس کے پاس تلوار کی موجودگی کی توقع نہیں تھی۔

''مجھے ان سے بچالو!'' زمین پر گرا ہوا زخمی تاجر دونوں ہاتھ جوڑتا ہوا بولا۔

''یہ لوگ اب تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، تم بے فکر رہو۔ پہلے مجھے اصل معاملہ دریافت کرنے دو پھر میں دیکھتا ہوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے؟'' ہیرس نے سرد لہجے میں کہا۔ ہیرس اُن سب لوگوں کے چہرے پر تیز نگاہ ڈالتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔ ''کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھی کی یہ درگت بنانے کی وجہ بتائے گا یا میں اپنے ساتھی کی ایسی حالت بنانے والوں کو بلا جانے ہی کڑا سبق سکھاؤں''۔

''تمہارا یہ ساتھی چور ہے''۔ ایک شخص تیزی سے بولا۔ ''اس نے ہمارے خیموں میں گھس کر نقدی اور سامان چوری کرنے کی کوشش کی ہے، ہم نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے''۔

''میں نے کچھ نہیں کیا خدا کی قسم! میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ لوگ مجھ پر جھوٹا الزام لگا رہے ہیں''۔ زخمی تاجر نے اُس کی بات پر واویلا مچانا شروع کردیا۔

''تم خاموش رہو''۔ ہیرس نے اُسے ڈانٹ پلائی۔ وہ صورتِ حال سے آگاہ ہونے پر متفکر دکھائی دے رہا تھا۔ ''تم لوگ وضاحت کرسکتے ہو کہ کس نوعیت کا سامان اس نے چرانے کی کوشش کی ہے''۔ ہیرس نے ان سے دریافت کیا۔

''تمہارا ساتھی صبح سویرے میرے خیمے میں داخل ہوا اور ہم لوگوں کو سوتا پاکر اس نے ہمارے صندوق کھولے اور ان میں سے تمام نقدی نکال لی۔ یہ جب نقدی کی تھیلی اپنے لباس میں اڑس رہا تھا، اُس وقت اتفاق سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے جب اپنے خیمے میں اجنبی کو دیکھا تو مجھے صورتِ حال سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ بس میں نے اسے دبوچ لیا اور شور مچا دیا پھر یہ سب لوگ بھی وہاں پہنچ گئے''۔ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر بتانے لگا۔

''نقدی کی تھیلی، تم میں سے کن لوگوں نے پکڑے گئے شخص کے پاس دیکھی تھی''۔ ہیرس نے سوال کیا۔ ان میں تین افراد نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ہیرس نے اکا دکا سوال کے بعد زخمی تاجر کی جانب توجہ مبذول کی جو کہ خوفزدہ نگاہوں سے سب لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں یہ حرکت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ہیرس تلخی سے بولا۔

''خدا کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں''۔ وہ ہچکچاتا ہوا بولا۔

''فضول آدمی! خدا کا نام یوں بدنام نہ کرو۔ یہ سب لوگ تمہاری اس حرکت کے گواہ ہیں اگر یہ تمہیں قاضی کے پاس گھسیٹ کر لے جائیں تب بھی تم بچ نہیں سکو گے۔ اتنی شہادتیں سن کر تو قاضی بلا توقف تمہارے بارے میں وہی فیصلہ سنائے گا جو کسی چور کے لئے سنایا جاتا ہے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے سب سچ سچ بتادو، شاید میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں''۔ سبرس تیز لہجے میں بولا۔

''سبرس! یہ حرکت اسی نے ہی کی ہوگی۔ یہ پہلے بھی ایسی حرکتوں کا مرتکب ہو چکا ہے۔ ایک بار تو اسے قاضی نے سخت جرمانے کی سزا بھی دی تھی مگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا''۔ سبرس کے ایک ساتھی تاجر نے آگے بڑھ کر گواہی دی۔ اس کی صورت دیکھتے ہی زخمی تاجر کا چہرہ بالکل بجھ گیا۔ سبرس کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ شخص پکڑے جانے پر جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔

''میں تمہیں آخری موقعہ دے رہا ہوں کہ سچ بتادو ورنہ میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے کر کے واپس لوٹ جاؤں گا پھر چاہے یہ لوگ تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی''۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، میں گذشتہ کئی دن سے بے حد پریشان تھا چونکہ میرا سارا مال نفع و اصل سمیت لٹ چکا تھا اور میں یوں خالی ہاتھ منہ لٹکا کر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسی لئے میں نے ان لوگوں سے اپنی محرومی کا بدلہ لینا چاہا تھا''۔ وہ سبرس کی دھمکی سے مرعوب ہو کر ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔

''کیا تمہیں خدا کی قدرت پر یقین باقی نہیں رہا تھا''۔ سبرس دانت پیس کر بولا۔

''میں بے حد شرمندہ ہوں''۔ وہ مختصراً بولا۔

''میرے خیال میں تم لوگ اسے کافی سزا دے چکے ہو۔ تمہارا مال بھی تمہیں واپس مل چکا ہے۔ اب مزید مار پیٹ کا کوئی فائدہ نہیں اور تم بھی کان کھول کر سن لو۔ تم اب ہمارے قافلے کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے۔ یہ میرے پاس کچھ نقدی ہے یہ لو اور اپنا راستہ ناپو''۔ سبرس نے زخمی تاجر کی جانب ایک تھیلی اچھالتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا۔ وہ لوگ سبرس کی بات سن کر اپنے اپنے خیموں کی جانب لوٹنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں چھائی ہوئی بھیڑ چھٹ گئی۔ سبرس بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے خیموں میں واپس لوٹ آیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی سبرس کے قافلے نے خیمے سمیٹ لئے اور وہاں سے روانگی اختیار کی۔ دن کی پہلی ساعت میں ہی ان کا قافلہ انطاکیہ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

انطاکیہ کی سرحد پر موجود دوسرے قافلے بھی ایک ایک کر کے وہاں سے چلتے بنے۔ زخمی تاجر کا سارا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا اور کافی خون بہہ جانے سے اس کی حالت خاصی بگڑ چکی تھی۔ اسے تیمارداری کی ضرورت تھی مگر کوئی اس کی جانب دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ سب لوگ اس پر نگاہ غلط ڈالتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوتے گئے۔ زخمی تاجر زمین پر پڑا ان سے مدد کی بھیک مانگتا رہا مگر ان لوگوں کی نگاہ میں اس کا جرم اتنا بڑا تھا کہ معافی کی صورت باقی نہیں بچی تھی۔ اس نے سبرس سے ملی نقدی کا لالچ دیتے ہوئے انہیں خود انطاکیہ پہنچانے کی استدعا کی مگر کوئی اسے اپنے قافلے میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہوا۔

❀ ❀ ❀

۰۰ بڑی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ بغیر رُکے طویل فاصلہ طے کر کے وہاں پہنچا ہے۔ بالوں میں اٹی ہوئی دھول اور کپڑوں کی ناگفتہ بہ حالت نے اس کا حلیہ کافی حد تک مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔ کمرے میں موجود شخص اس کی حالت دیکھ کر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے آمد کی وجہ دریافت کی۔

''قاآن اعظم کا اقبال بلند ہو۔ میں بلاز کے سمرقند سے سیدھا چلا آرہا ہوں۔ میرے ہمراہ ایک اہم مگر بڑی افسوس ناک اور روح فرسا خبر ہے''۔ اجنبی نے تعظیم دیتے ہوئے کہا۔

''کیا اس خبر کا سننا ہمارے لئے واقعی اہم ہے''۔

''میں اپنی جان کی امان چاہوں گا''۔ اجنبی مؤدب لہجے میں بولا۔

''جہاں اتنی بری خبریں سننے کو ملتی ہیں وہاں ایک اور سہی''۔

''آپ کے تایازاد بھائی ہلاؤ خان نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مرکز اسلام بغداد کا محاصرہ کرلیا ہے اور وہ نصرانیت کے زعم میں بغداد کو تباہ برباد کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے''۔ وہ تیزی سے بولتا چلا گیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' اردوئے زریں کا قاآن اعظم برقائی خان اس کی بات کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی جگہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اجنبی کی عجلت آمیز آمد کو اس نے اس قدر گھمبیر تصور نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن کے پردوں پر کسی والئی شہر کی بغاوت کا عکس موجود تھا۔

''مرکز اسلام کی جانب سے کیسا ردعمل دکھائی دے رہا ہے؟'' برقائی خان نے کچھ توقف کے بعد سوال کیا۔

''قاآن اعظم! بغداد کی صورتِ حال کے بارے میں جو اطلاعات ہم تک پہنچی ہیں، ان کے مطابق وہاں کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ ہلاؤ خان نے دربار کی کسی بڑی شخصیت کو اپنے دام فریب میں پھنسا رکھا ہے اور وہ بھرپور انداز میں اس کے لئے آسانیاں پیدا کر رہا ہے''۔ اجنبی نے جواب دیا۔

''کیا دوسری مسلمان ریاستوں کے سلطانوں نے کچھ نقل و حرکت کی ہے''۔ برقائی نے پوچھا۔

''ہلاؤ خان نے سب سے پہلے بغداد کے گرد و نواح کے سلطانوں کو ہی اطاعت گزار بنایا ہے اور وہ سب امیر المومنین کے خلاف اس کے جھنڈے تلے دکھائی دے رہے ہیں''۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ میں دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے؟'' برقائی خان نے اُسے رخصت کر دیا۔ اس کے جانے کے بعد برقائی خان نے اپنے کاتب کو بلوا کر فوری طور پر دو مراسلے لکھوائے۔ ان میں سے پہلا مراسلہ منگولوں کے قاآن اعظم منگو خان کے نام تھا، جس میں ہلاؤ خان کی اس پیش قدمی کو اسلام دشمنی قرار دیتے ہوئے روکنے کی استدعا کی گئی تھی اور مرکز اسلام کو نقصان پہنچنے کی صورت میں منگولوں میں پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ بیان کیا گیا تھا۔ اس نے یہ وضاحت بھی کی تھی کہ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے کہ منگولوں کا ایک بڑا حصہ اسلام قبول کر چکا ہے اور وہ مرکز اسلام کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ایسے میں ہلاؤ خان کی کسی بھی ناعاقبت اندیشی سے مسلمان منگول اپنے ہی بھائیوں کے خلاف مرکز اسلام کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں اُتر سکتے ہیں۔ برقائی خان نے پُرزور درخواست کی تھی کہ قاآن اعظم فوری طور پر ہلاؤ خان کو بغداد کا محاصرہ ختم کرنے اور اپنی سلطنت میں واپس لوٹنے کا حکم جاری کریں۔

دوسرا مراسلہ ہلاؤ خان کے نام لکھا گیا تھا، جس میں اُسے کسی بھی غلط روش کے نتیجے میں برقائی خان کی جانب سے سخت ترین کارروائی کا عندیہ دیا گیا تھا۔ اس پر واضح کیا گیا کہ مرکز اسلام بغداد مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے اور امیر المومنین مسلمانوں کے روحانی پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں اگر انہیں ذرا سی بھی گزند پہنچی تو اردوئے زریں کا ایک ایک بچہ ہلاؤ خان کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا۔ برقائی خان نے مراسلہ جات کی روانگی میں ذرا سی بھی تاخیر سے کام نہیں لیا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی سپاہ کو فوری تیاری کا حکم دے دیا تاکہ ہلاؤ خان کی سرزمین پر دھاوا بول کر اس کی توجہ بغداد سے ہٹائی جا سکے۔ یہ منگولوں کے ذاتی تعلقات کے

درمیان بہت کڑا فیصلہ تھا، جس سے منگولوں میں آپسی دشمنی کا آغاز ہو سکتا تھا۔ اس فیصلے پر کئی منگول سرداروں نے تنقید کی اور اس فیصلے کو قاآن اعظم منگو خان کی حکم عدولی اور بغاوت قرار دیا۔ برقائی خان نے ان کی توجہ مرکز اسلام پر منڈلاتے خطرے کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی تو انہوں نے اُلٹا اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس نے قاآن اعظم منگو خان کو مراسلہ روانہ کر کے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ اب یہ طے کرنا اُن کا کام ہے کہ ایسے حالات میں کیا مناسب ہے؟ قاآن اعظم منگو خان کے حکم کے بغیر ہلاؤ خان ایک انچ بھی قدم نہیں بڑھا سکتا اور قاآن اعظم جو بھی فیصلہ کریں گے وہ حالات و واقعات پر گہرے غور کے بعد ہی عمل میں لایا جائے گا۔

منگول سرداروں اور امرأ نے برقائی خان کو سرکشی اختیار کرنے سے روک دیا تھا۔ برقائی خان کو بھی قاآن اعظم کی دانشمندی پر مکمل بھروسہ تھا، اس لئے وہ کسی فوری نوعیت کی حرکت سے باز رہا۔

❁ ❁ ❁

حلب، میافارقین اور آمد کا علاقہ جسے ولایت دیار بکر کہا جاتا تھا۔ آج کل یہ علاقے اناطولیہ کے جنوب مشرق میں شامل ہیں۔ ان علاقوں کی ولایت ایوبی خاندان کے سلطان شہاب الدین غازی کے حصے میں آئی تھی۔

653ھ میں یہاں اس کا بیٹا سلطان الملک الکامل کے لقب سے تخت نشین تھا۔ میارفارقین کو دیار بکر کے دارالخلافہ کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ چھوٹا سا شہر ایک بلند و بالا پہاڑ کے سائے میں واقع تھا۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر نصرانیوں کی ایک قدیم خانقاہ موجود ہے، جسے مرقومہ کہا جاتا ہے۔ یہ نصاریٰ کے نزدیک مقدس اور متبرک مقام ہے۔ اس پہاڑ پر سے ایک بڑا چشمہ جاری تھا جو شہر میں پانی کی فراہمی کا باعث تھا۔ شہر کے وسط میں ایک بڑا تالاب بنایا گیا تھا جہاں چشمے کا پانی جمع رکھا جاتا تھا۔ یہ شہر پہاڑوں کی مضبوط فصیل سے گھرا ہوا تھا۔

جب دیار بکر کے اطراف میں تاتاریوں کی پے در پے حملوں سے شدید خطرہ پیدا ہوا تو سلطان الملک الکامل نے اپنے تئیں یہ فیصلہ کیا کہ اسے منگولوں کی اطاعت اختیار کرتے ہوئے اپنے علاقوں کو ان کی غارتگری سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ قاآن اعظم منگو خان کے پاس جا پہنچا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب تقریب قرولتائی اختتام پذیر تھی۔ منگو خان نے اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا اور اسے اپنے قریب نشست دی۔ اس کی اطاعت پر منگو خان نے اسے اعزازی خلعت دے کر اس کی ریاست کو محفوظ کر دیا تھا۔ منگو خان نے محفل مے نوشی کے دوران اسے بھی شراب پیش کرنے کی ہدایت کی تو سلطان الملک الکامل نے صاف الفاظ میں شراب نوشی سے انکار کر دیا۔ منگو خان نے جب سبب دریافت کیا تو اس نے شراب نوشی کو حرام قرار دیتے ہوئے صاف اعلان کیا کہ وہ کسی بھی دباؤ میں آ کر اپنے دین کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ منگو خان کو اس کی بے باکی کا یہ انداز اس قدر بھایا کہ اس نے اپنی قبا اُتار کر اُسے اوڑھا دی۔ جشن قرولتائی کے اختتام پر منگو خان نے اسے ہدایت کی کہ وہ ہلاؤ خان کے ساتھ روانہ ہو اور اس کے احکامات پر عمل پیرا رہے۔ ہلاؤ خان کی اطاعت کی صورت میں اسے اور دیار بکر کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ سلطان الملک الکامل ہلاؤ خان کے ساتھ بادغیس پہنچا۔ یہاں اس کی خوب مہمان نوازی کی گئی۔ اسی دوران کتبغا خان نے ہلاؤ خان کو بغداد پر حملے کی ترغیب دی تو اُسے سپاہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہلاؤ خان نے سلطان الملک الکامل کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے دربار میں حاضر ہو۔ سلطان الملک الکامل جب وہاں پہنچا تو ہلاؤ خان نے اسے سات ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے کر بغداد کے اطراف میں پہنچنے کا حکم سنایا۔ سلطان الملک الکامل نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا کہ اس کے پاس تو اتنی بڑی فوج نہیں ہے۔ وہ اسے صرف دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے فراہم کر سکتا ہے۔

ہلاؤ خان نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنے حکم کی تعمیل پر اصرار کیا بصورت دیگر دیار بکر کے علاقوں کو روند ڈالنے کی دھمکی دے دی۔ سلطان الملک الکامل اس کی بات سن کر پریشان ہو گیا اور اس دھمکی کے بارے میں قاآن اعظم منگو خان سے براہ راست بات کرنے کا ارادہ کرنے لگا۔ اس کی رخصتی پر ہلاؤ خان نے اپنے اکابرین سے مشورہ کیا تو انہوں نے سلطان الملک الکامل میں جنم لیتی سرکشی کو کچل دینے کی جانب توجہ مبذول کرنے کا مشورہ دیا۔ ہلاؤ خان نے بھی سلطان الملک الکامل کے چہرے پر اپنے لئے ناپسندیدگی کی لہر دیکھ لی تھی، اسی لئے اس نے اس کے فوری خاتمے کی ٹھان لی۔ اتفاق سے ہلاؤ خان کے ایک سمرقندی مسلمان مشیر تک یہ خبر پہنچ گئی، اسے سلطان الملک الکامل سے ہمدردی ہوئی تو اس نے اسے خفیہ طور پیغام بھجوایا کہ ہلاؤ خان کا دل اس کی جانب سے صاف نہیں رہا اور وہ کسی بھی وقت سلطان کو موت کے گھاٹ اتار دے گا اگر جان بچانا چاہتے ہو تو فوراً اس کی حدود سے نکل جاؤ۔

سلطان الملک الکامل بڑا کائیاں اور زیرک شخص تھا، اُسے بھی اس امر کا خدشہ ہو چکا تھا۔ اس نے سرعت کا مظاہرہ کیا اور اپنے ساتھیوں جن کی تعداد اسّی کے قریب تھی، ساتھ لے کر تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا سات روز میں اپنی ریاست میں پہنچ گیا۔ ہلاؤ خان کو جب تین روز بعد اس کی بلا اجازت روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے کئی دستے اس کے تعاقب میں دوڑائے مگر وہ کچھ نہ ملنے پر ناکام و نامراد واپس لوٹ آئے۔ سلطان الملک الکامل نے دیار بکر میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہاں موجود تمام منگول نگرانوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں دیواروں کے ساتھ لگا کر پانچ پانچ میخیں ٹھونک دیں۔ الملک الکامل پر عیاں ہو چکا تھا کہ ہلاؤ خان کے عزائم بے حد خطرناک ہیں اور وہ مرکز اسلام بغداد پر قبضہ کر کے اسے پامال کرنا چاہتا ہے۔ اس نے امیر المومنین کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس سلسلے میں بلادِ شرقیہ کے سلطان الملک الناصر صلاح الدین یوسف کے پاس ہرکارے دوڑا دیئے۔ وہ ایک بھرپور لشکر کے ساتھ ہلاؤ خان کے سامنے آہنی دیوار بننا چاہتا تھا۔ اسے صرف اب بلادِ شرقیہ کے لشکروں کا انتظار تھا۔

❁ ❁ ❁

دوسری صبح مطیع الدین شنگ کے ساتھ اسی غار تک چلا آیا جہاں وہ کل پہنچے تھے اور گل دتوڑ کو جہاں زندہ بند کر دیا گیا تھا۔ فونگا جو خان نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ چلا آیا۔ اس نے مطیع الدین کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی تھی کہ وہ شنگ خان کا ساتھ نہ دے کیونکہ اسے اس کی نیت میں فتور جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ مطیع الدین نے اُلٹا اُسے دماغ ٹھنڈا رکھنے اور خوامخواہ کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ شنگ اس غار کے سامنے پہنچ کر کچھ دیر تک حیرت سے اس شگاف کو دیکھتا رہا، جو غار کے منہ پر کی گئی چنائی کے وسط میں تھا۔ شنگ جست لگا کر غار کے اندر داخل ہو گیا اور کافی دیر تک اندر موجود رہا۔ وہاں اسے گل دتوڑ کے سر کے کچھ کٹے ہوئے بال بھی دکھائی دیئے۔ اس کے علاوہ اُسے وہاں اور کچھ نہ مل سکا۔ وہ غار کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیتا رہا مگر یہ تمام بھاگ دوڑ لاحاصل رہی۔ وہ کافی دیر کے بعد جب غار سے باہر نکلا تو اس کے ستے ہوئے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ گل دتوڑ کے زندہ بچ نکلنے کے بارے میں کوئی سراغ حاصل نہیں کر پایا۔

''کوئی سراغ ملا کیا؟''...... مطیع الدین نے پوچھا۔

''نہیں! میں اس بارے میں کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ گل دتوڑ کو یہاں سے نکالنے والوں نے اسے کس حالت میں نکالا ہوگا۔ زندہ یا مردہ...... البتہ یہ بات ضرور طے ہے کہ گل دتوڑ کو یہاں نکالنے میں کسی عام شخص کا ہاتھ نہیں ہے۔ اُسے نہ صرف یہ پہلے سے ہی معلوم تھا کہ گل دتوڑ کو اس غار میں بند کیا جانے والا ہے

بلکہ وہ چنائی کے دوران بھی یہیں کہیں موجود رہا ہوگا، لہٰذا اس نے کام مکمل کر کے جانے والے لوگوں کی روانگی کے تھوڑے وقفے بعد ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ یہ بات مجھے اکھڑی ہوئی گاد کے معائنے کے بعد معلوم ہوئی ہے''۔شنگ نے متفکر لہجے میں جواب دیا۔

''ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جسے پہلے سے ہی اس بارے میں پوری معلومات حاصل رہی تھیں''۔مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

''میں بہت جلد اس شخص کا کھوج لگا لوں گا''۔شنگ پُر یقین انداز میں بولا۔ وہ غار کے پاس سے ہٹ کر ان لوگوں کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اسے کوئی سراغ مل چکا ہے جس سے اسے معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہو چکا ہے کہ گل وتوژ کو یہاں سے نکال لے جانے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟''فوئنا جو خان نے مطیع الدین کو آگاہ کرنے کی کوشش کی۔شنگ نے فوئنا جو خان کی بات سن کر تحقیرانہ انداز میں اس پر نظر ڈالی۔

''بھولے فوئنا جو خان! اگر اس پر کوئی حقیقت منکشف بھی ہو گئی ہو تو ہمیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ ہمیں گل وتوژ کا پتہ بتانے سے تو رہا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ میں اپنی سی کوشش جاری رکھوں گا اور اس شخص کی تلاش میں جتا رہوں گا جو یہاں سے گل وتوژ کو نکال کر لے گیا ہے''۔مطیع الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارا یہ ساتھی کچھ زیادہ ہی اکھڑ اور بدمزاج ہے، میں نہیں جانتا کہ اسے کس بات پر اتنا زعم ہے؟''شنگ کے چہرے پر ناگواری پھیلی دکھائی دی۔

''دیکھو تم میرے منہ نہ ہی لگو تو اچھا ہے''۔فوئنا جو خان غرایا۔

''تم رات کسی سودے کے بارے میں کہہ رہے تھے شاید؟''مطیع الدین نے فضا آلودہ ہوتے دیکھ کر بات بدل دی۔شنگ خان، فوئنا جو خان کو مسلسل کڑی نظروں سے گھور رہا تھا، مطیع الدین کی بات پر وہ چونک پڑا۔

''تم نے اچھے وقت یاد دلایا''۔شنگ سنجیدہ لہجے میں بولا۔''میں جانتا ہوں کہ تم کوئی معمولی شخص نہیں ہو۔ تمہارے بارے میں مجھے کافی باتیں معلوم ہیں۔ میں اگر تمہیں سرخ غروں کی سرزمین میں داخل ہونے یا گل وتوژ کو حاصل کرنے کے لئے یہاں آنے کے جرم میں گرفتار بھی کر لوں تو اس سے تمہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے پیچھے ایک طاقتور ہاتھ موجود ہے۔ سرخ غر پہلے بھی تمہاری وجہ سے اپنا ایک قیمتی سردار کھو چکے ہیں۔ میں دوبارہ ماضی کی داستان دہرانا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں تمہیں یہاں سے صحیح سلامت جانے کی اجازت دیتا ہوں''۔

''اس میں سودے والی کیا بات ہوئی؟''مطیع الدین نے اس کی بات پر ناگواری کا اظہار کیا۔

''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔ تمہیں شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ میں گل وتوژ کا منگیتر بھی ہوں''۔شنگ نے اپنی نظریں مطیع الدین کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس کی بات واقعی چونکا دینے والی تھی۔ مطیع الدین لمحہ بھر کے لئے ساکت ہو کر رہ گیا تھا جبکہ فوئنا جو خان بھی اس کے غیر متوقع جملے پر اُلجھن کا شکار دکھائی دینے لگا۔

''یہ بات میرے لئے نئی ہے''۔مطیع الدین سنبھل کر بولا۔

''گل وتوژ سے میری شادی کا معاملہ میرے دادا سردار منک آنہ اور قوتائی خان نے طے کیا تھا۔ قوتائی خان کی اچانک موت کے باعث یہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ میں تمہیں صرف یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ منگولوں میں اپنی منگیتروں پر نظر رکھنے والے افراد کو زندہ نہیں رہنے دیا جاتا ہے.....''شنگ نے رُک کر مطیع الدین کے چہرے پر کوئی تاثر پڑھنے کی کوشش کی مگر سپاٹ چہرہ دیکھ کر وہ خود ہی ہنس پڑا۔''میں روایتی منگول نہیں ہوں اسی

لئے تم ابھی تک زندہ دکھائی دے رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ گل وتوژ بھی تمہیں پسند کرتی ہے ممکن ہے کہ وہ تم سے شادی پر بھی رضامند ہو۔ میں کسی ایسی عورت کو اپنی بیوی نہیں بنا سکتا جو پہلے سے کسی دوسرے کو اپنا دل دے بیٹھی ہو۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا''۔

''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو''۔مطیع الدین نے اس کی بات پر کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم خود ہمیشہ کے لئے اس کی راہ سے ہٹ جاؤ''۔شنگ الفاظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

''شاید تمہیں میرا کچھ دیر پہلے کا جملہ یاد نہیں رہا''۔

''اگر میری بات نہیں مانو گے تو مشکل میں پھنس جاؤ گے، البتہ رضامندی کی صورت میں تمہیں میں ایک خاص تحفہ دوں گا''۔شنگ خان کا لہجہ پُراسرار سا ہو گیا۔

''مجھے تمہارے کسی بھی تحفے کے بارے میں کچھ جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔مطیع الدین نے لاپروائی سے جواب دیا۔شنگ کا چہرہ اس کی بات پر متغیر دکھائی دینے لگا۔

''گل وتوژ صرف میری ہی بنے گی، یہ بات تو طے ہے، تم خسارے میں رہ جاؤ گے دوست''۔

''میں اس بارے میں قبل از وقت کوئی ڈھینگ نہیں ماروں گا، یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ کیا ہوگا؟''مطیع الدین اس سے ذرا بھی مرعوب نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ میرا واسطہ ایک بہادر شخص سے پڑا ہے، مگر یاد رکھنا کہ میں بھی اعلیٰ پائے کا شکاری ہوں، میرے ہاتھوں کبھی بھی شکار بچ نہیں سکا۔ تمہارے ساتھ زندگی کے اس شکار کھیلنے میں بہت لطف آئے گا''۔شنگ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اگر تم ہمارے راستے میں آئے تو جاودانی آسمان کی قسم! میں تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا''۔فوئنا جو خان اس کی دھمکی سے بھڑکتا ہوا غرا کر بولا۔

''پہلے میں اپنے شکار سے فارغ ہو جاؤں پھر تمہیں بھی دیکھ لوں گا''۔شنگ کا لہجہ بدلنے لگا۔

''میرا خیال ہے کہ اگر تمہارے دل میں کوئی حسرت باقی ہے تو ابھی میدان میں آ جاؤ، فیصلہ کر لیتے ہیں، میرا ساتھی بیچ میں نہیں آئے گا، یہ میرا وعدہ ہے''۔مطیع الدین اس کے بدلتے تیور دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

''فی الوقت تو میں اپنی گل وتوژ کی تلاش میں جا رہا ہوں، لیکن یاد رکھو کہ میں ماہر شکاری کی طرح تم پر جھپٹوں گا اس وقت بچ سکے تو بچ جانا اور دل کھول کر اپنی ساری حسرتیں بھی پوری کر لینا''۔شنگ نے جواب دیا اور تیزی سے اپنے گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔

''سنو.....!''فوئنا جو خان نے آواز لگائی مگر مطیع الدین نے اسے کچھ کہنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ شنگ کو شاید فوئنا جو خان کی بات سننا بھی گوارا نہیں تھی اس لئے اُس نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے گھوڑے پر بیٹھنے کے بعد ایڑ لگائی اور کچھ ہی لمحوں میں ان کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔ مطیع الدین اس کے عجیب دعویٰ کے بارے میں سوچ رہا تھا، وہ ان سے دوبدو مقابلہ کرنے کے بجائے خاموشی سے چلا گیا تھا۔ اس میں ضرور اس کی کوئی چال تھی۔ مطیع الدین کو اس لومڑی جیسے دشمن سے نبٹنے کے لئے اپنی آنکھیں کھول کر رکھنا تھیں۔ فوئنا جو خان بھی مطیع الدین کے رویے سے دل برداشتہ دکھائی دے رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

خلیفہ مستعصم باللہ کے غلاموں اور سرداروں پر ابن علقمی کی سازش کا راز بہت جلد کھل گیا۔ یہ لوگ خاص مقربین میں سے تھے، جنہیں سلاطین کہا جاتا تھا۔ انہوں نے سر جوڑ کر ابن علقمی کی حیلہ جوئی اور مکاری کے

بارے میں صلاح دمشورہ کیا تو سب سے پہلے یہ طے پایا کہ بغیر ثبوت کے امیر المومنین تک یہ خبر پہنچانا بالکل فضول ہوگا کیونکہ ابن علقمی صاف مکر جائے گا اور اسے الزام تراشی اور حسد قرار دے گا اور ساتھ ہی ان کا جانی دشمن بھی بن جائے گا۔ خلیفہ مستعصم باللہ اپنے وزیرِ سلطنت ابن علقمی کی ذہانت دفراست سے بے حد متاثر تھا۔ اسے یہ باور کرانا بڑا مشکل تھا کہ وہ اس کی پشت میں خنجر گھونپ رہا ہے۔

ان مقربین میں مجاہد الدین ایک سرکردہ شخصیت کا مالک تھا۔ وہ سردوات دار کے عہدے پر فائز تھا۔ ابن علقمی اور اس کے درمیان گہری مخالفت اور کشمکش پہلے سے موجود تھی۔ اس نے وزیرِ سلطنت ابن علقمی کے گرد اپنے مخبروں کا جال پھیلا دیا کہ وہ کسی طرح بھی ابن علقمی کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت ڈھونڈ نکالیں۔ چند دن میں ہی وہ لوگ ابن علقمی کا ایک قاصد پکڑ لائے جو کہ اس کا خط ہلاکو خان کے پاس لے جا رہا تھا۔ اس خط میں ابن علقمی نے ہلاکو خان کو تازہ ترین صورتِ حال لکھی تھی اور فوری بغداد پر حملے کا مشورہ دیا تھا۔

مجاہد الدین ایک وہ خط لے کر سیدھا دربارِ خلافت پہنچا اور امیر المومنین کے سامنے وہ خط اور گرفتار قاصد پیش کر دیا۔ امیر المومنین نے وہ خط ملاحظہ کیا اور چند ایک سوالات کئے۔ مجاہد الدین نے ابن علقمی کی اس سازش کی وجہ کرخ اور مشہد میں رافضیوں کی ہلاکت بیان کی اور فوری طور پر اسے گرفتار اور معزول کرنے کی استدعا کی۔ مجاہد الدین ایک کے ساتھ موجود لوگوں نے بھی ابن علقمی کے خلاف اپنی زبانیں کھول ڈالیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ اپنے وزیر کے بارے میں یہ سب سن کر لمحہ بھر کے لئے دنگ رہ گیا۔ ان سب لوگوں کو تسلی کے ساتھ رخصت کر دیا گیا کہ تفتیش کا سلسلہ شروع کیا جائے گا اور فوری طور پر حقیقی صورتِ حال سامنے لائی جائے گی۔ ان کے جانے کے بعد خلیفہ مستعصم باللہ نے وزیر ابن علقمی کو خلوت میں بلوایا اور اس کے سامنے خط رکھ دیا۔ اس نے کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں کیا اور جواباً کہا کہ مجاہد الدین ایک کے ساتھ میری کشمکش اور مخاصمت کا حال سب لوگوں کو معلوم ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر آپ کو معزول کرتے ہوئے ابوبکر محمد کو خلیفہ بنانے کی فکر میں ہے۔ میں چونکہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہوں اس لئے اس نے میرے خلاف آپ کے کان بھر دیئے ہیں۔ اگر آپ حکم فرماتے ہیں تو میں اسی وقت اپنے منصب سے استعفیٰ دے دیتا ہوں اور خود کو اسی وقت کوتوال کے حوالے کر دیتا ہوں۔ آپ بلاتردد مجھ پر مقدمہ چلائیں تاکہ حقیقت سامنے آجائے۔ خلیفہ مستعصم باللہ اس کی باتیں سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے اسے رخصت کر کے اس معاملے سے چشم پوشی اختیار کی۔

چند دن بعد کئی دوسرے مقربین نے ابن علقمی کے مزید کچھ خط پکڑ لئے۔ ابن علقمی ہلاکو خان کو جلد از جلد بغداد پر حملے کی تقویت میں اندھا دھند خطوط لکھ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تھوڑے عرصے میں اس کے کئی خط پکڑے گئے۔ جب ان سلاطین نے ابن علقمی کے خطوط خلیفہ مستعصم باللہ کے سامنے پیش کئے تو خلیفہ مستعصم باللہ نے ہنس کر بے تکلفی سے کہا کہ یہ سب تو سردوات مجاہد الدین ایک کا کارنامہ ہے۔ اس سے جا کر کہہ دو کہ میں اس کی باتوں میں آکر ابن علقمی کو معزول نہیں کروں گا۔ اس کی بات سن کر سلاطین ومقربین کے چہرے بجھ گئے اور تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے وہاں سے نکل آئے۔ ہلاکو خان کی افواج سست روی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ بغداد سے صرف دس فرسنگ کے فاصلے پر موجود تھیں جبکہ خلیفہ مستعصم باللہ اپنے شاہی محل کے عالیشان کمروں میں اپنی لہو ولعب کی محافل میں مست اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کر رہا تھا کہ وہ محل کی چھت پر سے ہی بغداد کے اطراف میں نظر ڈال لیتا تو تاتاریوں کی بکھرے ہوئے جھنڈوں کا سمندر دکھائی دیتا۔

سالارِ اعلیٰ ایوائی ترکمان سلیمان شاہ، الملک عز الدین بن فتح کرد اور مجاہد الدین ایک مستنصری نے

خلیفہ مستعصم باللہ کی چشم پوشی اور لاپروائی پر گہرے غم وغصے کا اظہار کیا۔ سلیمان شاہ ایک عرصے سے تاتاریوں کے دستوں سے نبرد آزما تھا۔ وہ انہیں کئی بار بغداد کی حدود سے بھگا چکا تھا۔ الملک عز الدین کرد شہر کا ایک نامی گرامی پہلوان تھا جبکہ ساتھ ہی لشکر کے دائیں بازو کا سالار بھی تھا۔ وہ تاتاریوں کے مسلسل حملوں سے پسپا ہوتے ہوئے کافی پیچھے ہٹ چکے تھے۔ ان کے ساتھ ولی عہد امیر ابوبکر محمد بھی شامل تھا۔ سالاروں نے شہر میں پہنچ کر مجاہد الدین ایک سے بات کی تو اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی پوری کوشش کر لی ہے مگر امیر المومنین میری کسی بات پر کان نہیں دھرتے۔ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ امیر المومنین سے خلوت میں آپ کی ملاقات کا انتظام کر دوں، جو کچھ کرنا ہے، اب آپ ہی لوگ کیجئے۔ انہوں نے اس پر اتفاق کیا اور شام کے وقت انہیں بارگاہ خلافت میں پہنچا دیا گیا۔

دونوں سالاروں نے تاتاریوں کی پیش قدمی اور مسلمانوں کی مسلسل پسپائی کے بارے میں تفصیل امیر المومنین کے گوش گزار کی اور ابن علقمی کے منافقانہ رویے پر کڑی تنقید کی۔ سلیمان شاہ نے کہا کہ اب وقت بالکل ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اگر اس مرحلے پر بھی کوئی تدبیر نہ کی گئی تو بغداد کو تاتاریوں کی غارتگری سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آپ فوری طور پر کوئی تدبیر کیجئے۔ خلیفہ مستعصم باللہ بڑی سنجیدگی سے ان کی باتیں سنتا رہا اور آخر میں فقط یہ کہہ کر انہیں رخصت کر دیا کہ اس معاملے میں وزیر ابن علقمی سے کہہ دیا گیا ہے، انہیں بھی اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے تاکہ خلافت کے سازشیوں کے پیچھے لگ کر اپنی وفاداری کو شکوک وشبہات کا شکار کر لیا جائے۔ یہ سن کر وہ دونوں سکتے کے عالم میں آگئے۔ انہوں نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر خلیفہ نے تخلیے کے لئے ہدایت جاری کر دی۔ وہ دونوں مایوس ہو کر وہاں سے اپنے لشکر میں آگئے۔ یہ لشکر کیا تھا۔ خلافت کے ان وفادار اور جانثار سپاہیوں پر مشتمل دستے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے سروں پر منڈلاتے سیاہ بادلوں کو دیکھ کر بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ شہر کے نوجوان رضاکار بھی شامل تھے۔ ان کے مقابلے میں ہلاکو خان کا لشکر کئی گنا بڑا تھا۔ اس کے لشکر میں نصرانیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی جو امیر المومنین کی حفاظت کے مقابلے میں اپنی اغراض ومقاصد کو فوقیت دے چکے تھے۔

❀ ❀ ❀

بیبرس اپنے قافلے کے ساتھ انطاکیہ پہنچ گیا تو اسے مختلف سرحدی علاقوں سے آنے والے لوگوں سے معلوم ہوا کہ تاتاری بڑی تیزی سے بڑھتے چلے آرہے ہیں اور شہروں کو فتح کرنے اور قتل عام کے بعد انہیں نذر آتش کر رہے ہیں۔ لوگ محفوظ مقامات کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ قتل وغارت کے اس سلسلے کی داستان اتنی خوفناک پیرائے میں بیان کی جا رہی تھی کہ عام لوگوں میں خوف وہراس کی فضا پیدا ہونے لگی۔ بیبرس تاتاریوں کی سفاکی اور بربریت سے خوب واقف تھا۔ اس کا بچپن انہی خونخواروں کے زیرِ سایہ گذرا تھا۔ اُسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ انطاکیہ کے باشندوں میں تاتاریوں سے نبرد آزما ہونے کی اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ان سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ اسی لئے بیبرس نے اپنے ساتھیوں کو انطاکیہ میں زیادہ دیر قیام سے منع کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے کئی عذر پیش کئے مگر بیبرس نے ان کی کوئی بات نہیں سنی۔ جب تاجر اپنی برہمی کا اظہار کرنے لگے تو بیبرس نے کھلے لفظوں یہ اعلان کر دیا کہ وہ انہیں وہیں چھوڑ کر تنہا روانہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر ان کے چہروں پر پریشانی جھلکنے لگی۔ وہ جس مفلسی اور کسمپرسی کی حالت میں وہاں پہنچے تھے، ایسے میں بیبرس ان کے لئے محفوظ سائبان کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ انہیں یہ امید بھی بندھی تھی کہ بیبرس شاید ان کی اتنی مالی مدد کر دے گا کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹتے وقت خالی ہاتھ نہیں ہوں گے۔ بالآخران کی ضد دم توڑ گئی اور وہ بیبرس کے سامنے ڈھیر ہو

گئے۔ سفر کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو گیا۔ بیبرس انہیں اپنے ساتھ لیتا ہوا انطاکیہ سے نکلا اور صیدا سے ہوتا ہوا دمشق پہنچ گیا۔ دمشق کی فضا نے اُسے بے چین کر دیا۔ بیتے وقت کے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگے تو وہ بے قرار ہو کر اپنے ماضی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ دھڑکتے دل سے اپنی مرحومہ شفیق مالکہ فاطمہ کے گھر کی جانب آنکلا مگر اب وہاں کچھ بھی باقی نہیں تھا۔ جس گھر میں اس نے اپنا بچپن گزارا تھا وہ اب کسی اور کی ملکیت بن چکا تھا۔ اس نے گھر کے پہلے مکینوں کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی مگر اُسے کچھ کامیابی نہیں ہو سکی۔ وہ مایوسی کے عالم میں واپس سرائے پہنچ گیا جہاں اس کے ساتھی تاجر بے تابی سے اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔

بیبرس کی صورت دیکھ کر ان کے مرجھائے چہرے کھل اُٹھے۔ انہوں نے بلا تکلف اپنے خدشے کا اظہار کر دیا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ بیبرس انہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ بیبرس ان کی بات سن کر ہنس پڑا۔ اس نے اپنے منافع کی رقم کو ان سب لوگوں میں یکساں تقسیم کر کے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اب اپنی مرضی سے کہیں بھی جا سکتے تھے۔ انطاکیہ اور آرمینیہ میں وہ چونکہ غیر محفوظ تھے اس لئے بیبرس ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ دمشق میں انہیں ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے بیبرس نے انہیں رخصت کر دیا۔ وہ بیبرس کو دعائیں دیتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ بیبرس قاہرہ واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ بازار میں بجنے والے نقارہ کی آواز نے اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ وہ نقارہ بجنے کا سبب معلوم کرنے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ لوگوں کی خاصی تعداد کے جمع ہونے پر نقارہ بجانا بند کیا گیا اور ایک سپاہی نے بڑھ کر شاہی فرمان با آواز بلند سنانا شروع کیا۔

''دمشق کے لوگو! ایک اہم خبر سنو۔ الملک الناصر نے عام جہاد کا اعلان کیا ہے۔ منگولوں اور تاتاریوں نے مدینۃ السلام بغداد کا محاصرہ کر لیا ہے۔ امیر المومنین سخت خطرے میں گھر چکے ہیں۔ انہیں سپاہ کی سخت ضرورت ہے۔ آپ لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے، جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اور لشکر شاہی میں شامل ہو کر اپنے خلیفہ کی مدد کو نکلیں۔ جلدی کیجئے تا کہ لشکر فوری روانہ کیا جا سکے''۔

بیبرس بغداد پر منگولوں کے حملے اور محاصرے کا سن کر سکتے میں کھڑا رہ گیا۔ اس کے دماغ کے پردوں پر گذشتہ دنوں دکھائی دینے والا خواب ایک بار پھر روشن ہو چکا تھا۔ خلافت پر کڑی مصیبت پڑنے والی تھی اور وہ اپنی جولانی طبیعت میں مبتلا ادھر اُدھر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں شیخ عز الدینؒ کے جملے بھی گونج رہے تھے کہ جب وقت آئے گا تو یہ کام خود بخود تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ بیبرس نے وہیں کھڑے کھڑے فوری فیصلہ کیا اور سرائے پہنچ کر اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر سیدھا دربار شاہی کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے منصب کا حوالہ دیتے ہوئے بہت جلد ہی سلطان الملک الناصر تک رسائی حاصل کر لی۔ اسے عزت و احترام کے ساتھ شاہی محل میں پہنچا دیا گیا۔ بیبرس نے سلطان الملک الناصر کے سامنے بلا جھجک اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ الملک الناصر نے اس کی دمشق میں موجودگی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور اپنے دیرینہ حریف بلادِ مصر کے مرحوم سلطان الملک المعز کے لئے بلادِ شرقیہ کی راہ ہموار کرنے کا گمان کیا۔ اس نے بیبرس کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرنا چاہا تو بیبرس اس کے بیہودہ فعل پر طیش میں آ گیا اور حرمت خلافت پر اپنے جذبات کا برملا اظہار کیا، جس پر الملک الناصر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اس نے بیبرس کو رضا کاروں کے دستے کا سالار بنایا اور جلد از جلد تیاری مکمل کرنے کی ہدایت کی تا کہ دیار بکر سے سلطان الملک الکامل کے لشکر کے کوچ کا سنتے ہی روانگی اختیار کرتے ہوئے بغداد پہنچا جا سکے۔ بیبرس پوری تندہی سے اپنے کام میں جت گیا۔ وہ بغداد روانگی تک رضا کار مجاہدین کی جماعت کو تربیت دینے میں مصروف رہا۔

❀ ❀ ❀

ہلاکو خان نہایت احتیاط سے پیش قدمی کر رہا تھا۔ اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں دوسرے مسلمان سلطان اپنے خلیفہ کی حفاظت کے لئے نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس نے تمام قریبی علاقوں پر اپنے دستے بھیجے جہاں جہاں اسے مزاحمت کا اندیشہ تھا۔ وہ ان تمام علاقوں پر اپنا کنٹرول رکھتے ہوئے بغداد میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان نے اپنے تجربہ کار سالار باجونوین کو اسی ہزار سپاہیوں کے ساتھ بالائی علاقوں سے پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ وہ گھومتا ہوا ترک علاقوں میں داخل ہوا اور آذر بائیجان کی جانب سے تیزی سے حرکت کرتا ہوا موصل کی جانب آنکلا۔ یہاں سلطان بدر الدین لولو موجود تھا جو کہ ہلاکو خان کا اطاعت گذار تھا۔ اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ موصل کے غیرت مند مسلمانوں کے گروہ نے تاتاریوں پر حملہ کر دیا جس پر باجونوین بگڑ گیا اور اس نے قتل عام کا اعلان کر دیا۔ موصل کو بری طرح پامال کر دیا گیا۔ سالار باجونوین نے موصل کے قریب موجود پل پر قبضہ کر لیا اور تکریت کی جانب بڑھ گیا۔ غازیان تکریت تک موصل کی تباہ کاری کی خبر پہنچ چکی تھی انہوں نے اس پل کو توڑ ڈالا تا کہ منگول سپاہی اس طرف نہ آسکیں۔ سالار باجونوین نے فوری طور پر کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا۔ تمام رات میں وہ پل تیار کیا گیا تو علی الصبح غازیان تکریت نے چھوٹی سی جھڑپ کے بعد اس پل کو آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پل جل کر راکھ بن گیا۔ باجونوین اس پر تلملا اُٹھا۔ اس نے دوبارہ پل بنانے کی ہدایت کی۔ منگول سپاہیوں نے پھرتی سے پل تیار کیا اور کافی تعداد کو پل کی حفاظت پر تعینات کر دیا گیا۔ اس مرتبہ اہل تکریت سے کچھ نہیں بن پایا اور وہ بڑی تعداد میں شہید ہو گئے۔ باجونوین آسانی سے دجلہ عبور کر کے تکریت میں داخل ہونے کے بجائے آگے بڑھا اور کوفہ، حلیہ اور کرخ پر قابض ہو گیا۔ اہل شہر پر قیامت ڈھائی گئی۔

الملک عز الدین کرد اور سلطان مجاہد الدین ایبک نے تاتاریوں کو سبق سکھانے کے لیے بغداد سے روانگی اختیار کی اور بیس ہزار سوار سپاہیوں کے ساتھ باجونوین کی جانب پیش قدمی کی۔ کرخ اور دوسرے شہروں سے بے شمار لوگ رضا کارانہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ باجونوین کے ساتھ کرخ کے باہر معرکہ گرم ہوا۔ تاتاریوں کی بڑی تعداد کے باوجود اس جنگ میں انہیں ہی نقصان پہنچا۔ اسلامی لشکر میں پیادے بہت زیادہ تھے جو کہ ثابت قدمی سے لڑے۔ تاتاریوں کے لاشے گرنے کی رفتار بہت زیادہ تھی جس پر باجونوین نے پسپائی اختیار کرنا ضروری سمجھی۔ وہ شام سے پہلے ہی میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس معرکے میں تاتاریوں کی ایک بڑی تعداد کام آئی تھی۔ الملک عز الدین کرد نے تاتاریوں کا تعاقب کرنا چاہا تا کہ شکست خوردہ دشمن کو تہ تیغ کر دیا جائے مگر سلطان مجاہد الدین ایبک نے تاتاریوں کے تعاقب کی مخالفت کی۔ اس نے وہیں رُک کر رات بسر کرنے کا مشورہ دیا تا کہ اس دوران اسلامی سپاہ کو آرام مل جائے اور وہ صبح تازہ دم ہو کر آگے بڑھے۔

ہلاکو خان کے پاس جب اسلامی لشکر کی تباہ کاری کا حال پہنچا تو وہ تڑپ اُٹھا اور اس نے فوراً تیز رفتار پیادے کے ذریعے ابن علقمی کو خط بھیجا۔ ابن علقمی کو جب تاتاری شکست کی بابت معلوم ہوا تو اسے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ ہلاکو خان نے اپنے خط میں اسے معرکے میں مرنے والے تاتاریوں کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کڑی سزا کا مستحق قرار دیا تھا۔ ہلاکو خان صرف اسی بل بوتے پر پیش قدمی کر رہا تھا کہ بغداد بالکل خالی ہے۔ ابن علقمی نے اسے پورا یقین دلایا تھا کہ اس نے سپاہیوں کو فارغ کر دیا ہے۔ اب اسلامی لشکر باقی نہیں رہا، صرف چند عہدے دار باقی ہیں۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ وزیر سلطنت ابن علقمی نے ڈھائی لاکھ سپاہیوں کو ملازمت سے برطرف کر کے گھروں کو بھیج دیا تھا۔ یہ عظیم لشکر سابق خلیفہ ناصر الدین باللہ نے تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر تیار کیا تھا تا کہ ضرورت پڑنے پر تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیئے جائیں۔

ابن علقمی نے اپنے احباب سے اس ضمن میں صلاح و مشورہ کیا اور اس مقام کے بارے میں پوری معلومات حاصل کیں جہاں اسلامی لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ جب ابن علقمی کو یہ معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر نہر شیر کے نشیب میں موجود ہے تو اس کے شیطانی دماغ میں ایک نئی چال آئی اس نے اپنے گروہ کے سپاہیوں کو فوراً روانہ کیا کہ وہ ہر قیمت پر صبح ہونے سے پہلے پہلے نہر شیر کا بند توڑ ڈالیں۔ نہر شیر کا بند توڑنا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ نصف رات کو ہی یہ بند توڑ دیا گیا اور اسلامی لشکر زیر آب آ گیا۔ سپاہی اپنے ساز و سامان بچانے کے چکر میں ساری رات نہر کے پانی سے نبرد آزما رہے۔ انہیں آرام کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ ہلاؤ خان تک یہ خبر پہنچا دی گئی تھی۔ اس نے فوری طور پر تازہ دم لشکر باجونوین کی زیر قیادت روانہ کیا۔ مسلمان رات بھر کی زحمت کے بعد جم کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ ان کے ہتھیار بھی خراب ہو چکے تھے۔ کیچڑ میں لت پت اسلامی لشکر مدافعتی انداز میں لڑتا رہا۔ ان پر اضطرار کی سی حالت طاری تھی لہٰذا وہ بہت جلد شکست کھا گئے۔ الملک عز الدین کرد اور مجاہد الدین ایبک صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ پہلے ہی لگا چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو منظم انداز میں پسپائی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ تاتاریوں نے اسلامی لشکر کے پیچھے ہٹنے پر حملے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ دونوں سالار بڑی مشکل سے تھوڑے سے سپاہیوں کو بچا کر دجلہ عبور کرنے میں کامیاب ہو پائے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے بغداد کے شرقی دروازے پر خود کو از سر نو منظم کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہاں قریب ہی سلطان سنجر کی بنوائی گئی جامع مسجد اور قصر شاہی موجود تھا۔

محرم 656ھ میں جب ہلاؤ خان کا لشکر بغداد کی فصیل کے قریب پہنچ گیا تو اہل شہر میں بے چینی سی پھیل گئی۔ سلیمان شاہ، مجاہد الدین ایبک، الملک عز الدین کرد اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ دربار خلافت میں پہنچ گئے اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے ان کی صورت دیکھ کر ناگواری کا اظہار کیا۔

امیر لشکر سلیمان شاہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین دشمن ہماری کوتاہیوں اور غلط تدبیروں کے باعث شہر کے دروازے تک آن پہنچا ہے۔ اب وہ وقت دور نہیں جب وہ شہر میں داخل ہو کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دے گا۔ بغداد میں ہمارے پاس سوار بھی قلیل ہیں اور عسکری قوت بھی کمزور ہے۔ تاتاریوں کے لشکر کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے اور ان کے عزائم خوفناک ہیں۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ امیر المومنین ہمارا مشورہ مان لیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے ان سے تجویز کی بابت دریافت کیا تو مجاہد الدین ایبک نے عرض کیا کہ امیر المومنین شاہی کشتی میں سوار ہو جائیں، خواتین حرم اور مال و دولت بھی ساتھ لے لیں۔ ہم سب امیر المومنین کی خدمت کے لئے ساتھ رہیں گے۔ دریائے فرات کے راستے ہم بصرہ پہنچ جائیں گے اور وہاں محفوظ مقام پر پناہ گزین ہو جائیں گے یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت میسر آ جائے اور ہم تاتاریوں کو مغلوب کر لیں۔

خلیفہ مستعصم باللہ نے ان لوگوں کی تجویز پر غور کرتے ہوئے وزیر ابن علقمی کو بلوایا اور اس کے سامنے یہ تجویز رکھ دی۔ ابن علقمی یہ بات سن کر دم بخود رہ گیا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ خلیفہ نے اپنے تئیں کوئی فیصلہ نہیں کر لیا۔ اس نے فوری طور پر بات بنائی کہ امیر المومنین کو شاید یہ علم نہیں ہے کہ میں پوری طرح اس کوشش میں مصروف ہوں کہ تاتاری خطرہ بغداد سے ٹل جائے۔ اسی لئے میں نے اپنے طور پر ہلاؤ خان سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ مجھے کچھ امید دکھائی دے رہی ہے کہ تاتاری بغداد کا محاصرہ چھوڑ کر واپس لوٹ جائیں گے۔ امیر المومنین کو در بدر ٹھوکریں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ وقت تو اس مسئلے کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کا ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ اپنے فرزند کلاں ابوبکر محمد کو ایک وفد کے ساتھ ہلاؤ خان کے پاس بھیج دیجئے۔ جو بھی صورتِ حال ہو گی آپ کے سامنے آ جائے گی۔ خلیفہ مستعصم باللہ کو وزیر کی رائے زیادہ بہتر محسوس ہوئی اور

اس نے وزیر کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے ابوبکر محمد کو اپنے خاص مقربین کے ساتھ ہلاؤ خان کے پاس روانہ کر دیا۔ سلیمان شاہ اور اس کے ساتھی ابن علقمی کی نئی چال کی کامیابی پر بے بسی کے عالم میں محض ہونٹ چبا کر رہ گئے۔

ابن علقمی نے اپنے طور پر خلیفہ کے سامنے جھوٹ بول کر اسے بغداد میں تو روک لیا تھا اور حالات کی اصلیت کے بارے میں ابوبکر محمد پر ساری ذمہ داری پڑ چکی تھی۔ کہیں ہلاؤ خان اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے اسی لئے ابن علقمی نے فوری طور پر اپنے ایک معتمد کو خفیہ راستے سے ہلاؤ خان کے پاس بھیج دیا کہ وہ اسے ابوبکر محمد کی آمد کے بارے میں آگاہ کر دے اور آنے والے وفد کو یہ یقین دلایا جائے کہ خوفزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بغداد پر قبضہ نہیں کرنے آئے ہیں۔ ساتھ ہی ابوبکر محمد کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے اور اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا جائے۔ تاکہ خلیفہ مستعصم باللہ کے دل میں اعتماد پیدا ہو جائے اسی طرح ہلاؤ خان کا دلی مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

ابن علقمی کا پیغام پا کر ہلاؤ خان نے تمام تیاریاں مکمل کر لیں۔ جب ابوبکر محمد کا وفد ہلاؤ خان کی لشکر گاہ میں پہنچا تو اس نے خود آگے بڑھ کر ان کا شاندار استقبال کیا اور خدمت گذاری کے تمام آداب پورے کئے۔ ہلاؤ خان اسے خود اپنے ہمراہ لے کر شاہی خیمے میں آیا اور اپنے تخت پر اسے نشست دی۔ ابوبکر محمد ہلاؤ خان کے انداز سے بے حد حیران تھا اور ساتھ ساتھ متاثر بھی۔ ابوبکر محمد نے ہلاؤ خان کے بغداد کی جانب پیش قدمی کا مقصد دریافت کیا تو وہ دوزانو بیٹھ کر بولا۔ ’’جاودانی آسمان کی قسم! میں کسی غلط نیت سے نہیں آیا ہوں بلکہ میری آمد کا مقصد تو صرف امیر المومنین کی خدمت میں حاضری کا ہے۔ میرے چچازاد بھائی برقائی خان کے بارے میں تو امیر المومنین خوب واقف ہیں۔ وہ شیخ سیف الدین باخرزی کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا ہے۔ جن دنوں کی یہ بات ہے میں بھی وہیں تھا۔ شیخ سیف الدین باخرزی نے مجھے بھی دعوت اسلام دی تھی مگر میں نے اپنے وزیروں سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ حاکم ہیں اور آپ کے قبول اسلام کی رسم کسی بڑے مسلمان کے ذریعے ہی ادا ہونا چاہئے۔ میں نے جب اُس بڑے مسلمان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے امیر المومنین کا نام لیا۔ میں نے اسی دن سے ٹھان لی کہ خود بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کروں گا‘‘۔

ابوبکر محمد اس کی بات سن کر دم بخود رہ گیا۔ اس نے ایک اچھے کام کی نیت کے ساتھ آمد کے ساتھ جڑے خون خرابے کے بارے میں نکتہ چینی کی تو اس نے اسے اپنے دفاع اور مسلمانوں کے پیشگی حملے کا نام دیا۔ ہلاؤ خان کافی دیر تک میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا۔ اس کے انداز بیان میں ایسا جادو تھا کہ ابوبکر محمد جیسے زیرک شخص کی آنکھیں بھی موند گئیں۔ وہ اس کی زہر آلود فضولیات پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہاں سے ابوبکر محمد نکل کر سیدھا امیر المومنین کی خدمت میں پہنچا اور وہ سب گفتگو جو اس سے ہلاؤ خان نے کی تھی، خلیفہ مستعصم باللہ کے گوش گزار دی۔ وزیر سلطنت ابن علقمی بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے یہ سب سن کر بڑے فخر سے اپنی اہمیت جتائی اور امیر المومنین کو تجویز دی کہ حقیقت آپ کے سامنے عیاں ہو چکی ہے۔ اب مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ امیر المومنین خود پورے جلو کے ساتھ ہلاؤ خان کے لشکر میں جائیں تاکہ ہلاؤ خان استقبال و خدمت گزاری کی شرطیں بجا لائے۔ خلیفہ مستعصم باللہ کو وزیر کی بات بے حد بھائی اور اس نے خود ہلاؤ خان کے لشکر میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے پر دربار شاہی میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اکابرین سلطنت اور خاص مقربین امیر المومنین کے اس فیصلے کی کھلے لفظوں میں مخالفت کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہلاؤ خان اپنے بیان میں سچا ہے تو اسے چھوٹے وفد کے

ساتھ دربار خلافت میں بلوالیا جائے تاکہ خلیفہ کو کسی قسم کی گزند پہنچائے جانے کا احتمال پیدا نہ ہو۔ وزیر ابن علقمی نے مقربین کی اس تجویز کو ہلاؤ خان کی توہین قرار دیتے ہوئے دوبارہ اپنی تجویز کی منظوری پر اصرار کیا۔

سلیمان شاہ، مجاہد الدین ایبک اور ابوبکر محمد بھی اس بارے میں امیر المومنین کے ہم خیال نہیں تھے۔ خلیفہ مستعصم باللہ نے مقام خلافت پر چھوٹا سا خطبہ دیا اور خود ہلاؤ خان کے لشکر میں جانا منظور کیا۔ امیر المومنین کے اس فیصلے پر دربار میں موجود کئی لوگوں کے چہرے مرجھا گئے۔ انہیں بغداد کی عافیت خطرے سے دوچار ہوتے دکھائی دے رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

برقائی خان تک بغداد کے محاصرے کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ قاآن اعظم منگو خان نے اس کے مراسلے کے جواب میں صرف یہ لکھا تھا کہ ہلاؤ خان سمجھدار شخص ہے، وہ کسی ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہوگا جس سے مسلمانوں میں یا منگولوں میں انتشار پیدا ہو یا ان کی توہین کا پہلو ظاہر ہو۔ میں جانتا ہوں کہ منگولوں میں بھی مسلمان ہیں اور منگولوں کے ماتحت بھی مسلمان ہیں۔ تم بے فکر رہو، ہلاؤ خان وقار و دانشمندی کے ساتھ کوئی مناسب فیصلہ کرے گا۔

برقائی خان اس جواب پر آگ بگولا ہو گیا، اس نے ایک بار پھر زریں خیل سپاہیوں کو تیاریوں کا حکم دے دیا۔ برقائی خان کے اس فیصلے کی خبر جب اکابرین و امرأ سلطنت کو ہوئی تو وہ جلدی جلدی اس کے پاس پہنچے اور اس سے استدعا کی کہ وہ اپنے اس حکم کو واپس لے لے ورنہ اس سے اردوئے زریں پر ہولناک عتاب نازل ہو جائے گا۔ برقائی خان کا یہ فیصلہ کھلم کھلا قاآن اعظم کے خلاف بغاوت و سرکشی کا اعلان ہے۔ برقائی خان نے ان لوگوں کے سامنے قاآن اعظم کا مراسلہ پھینک دیا جس میں نہایت عمدگی سے برقائی کا مطالبہ رد کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک سردار بولا۔

''قاآن اعظم! ہم آپ کے جذبات کو سمجھ سکتے ہیں، ہلاؤ خان نے جان بوجھ کر یہ قدم اُٹھایا ہے کہ آپ میدان میں اُتر پڑیں، یہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ آپ صبر کرتے ہوئے خاموشی اختیار کریں اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ وہ خود امیر المومنین کی حفاظت فرمائے گا''۔

''ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں اس وقت ہلاؤ خان کو یہ باور کرانا ہے کہ ہم صرف نام کے مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اب ہمارے قلب بھی ان کے ساتھ دھڑکتے ہیں''۔ برقائی خان جذبات کی رو میں بہتا چلا گیا۔

''قاآن اعظم! آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ بغداد یہاں سے بہت دور ہے، وہاں تک پہنچنے میں اتنا وقت خرچ ہو جائے گا کہ ہلاؤ خان اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ آپ قاآن اعظم منگو خان کے فرمان پر عمل پیرا رہیں۔ اگر ہلاؤ خان نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو آپ کا ہاتھ اوپر ہوگا''۔ ایک دوسرے امیر نے حالات کا دوسرا رُخ دکھانے کی کوشش کی۔

''یہی تو مصیبت ہے کہ اگر میں نے اسی دن اپنے حکم کی تعمیل کرا دی ہوتی تو آج ہم بغداد سے کچھ ہی فاصلے پر موجود ہوتے۔ ہماری آمد کا سن کر ہلاؤ خان خود بخود بغداد چھوڑ کر ہم سے مقابلے کی تیاری کر رہا ہوتا''۔ برقائی تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

''قاآن اعظم!'' پہلا امیر آگے بڑھ کر مخاطب ہوا۔ ''آپ حالات کی نزاکت کو بخوبی سمجھ بھی رہے ہیں اور پھر بھی ناسمجھی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں''۔

''تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں یہ امر کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ ہلاؤ خان مرکز خلافت کے گرد دندناتا پھرے اور میں شاہی محل کے کمروں میں محض ٹہل ٹہل کر وقت گنواتا رہوں''۔ برقائی خان کسی بے بس پنچھی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں تھے۔

ان امرأ نے کافی دیر تک اس کے ساتھ مغز کھپائی کی اور بمشکل اسے اس بات پر راضی کیا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ فی الوقت واپس لے لے، اگر ہلاؤ خان نے کوئی ایسی حرکت کی جس سے مرکز اسلام کو نقصان پہنچا تو ہم سب برقائی خان کے ساتھ ہوں گے اور ہلاؤ خان کے ساتھ ہمدردی و خلوص کے تمام رشتے ناطے توڑ دیں گے اور ساتھ ہی قاآن اعظم منگو خان کی اطاعت کا طوق بھی گلے سے اتار پھینکیں گے۔ برقائی خان نے ان کے بجھے ہوئے چہرے دیکھ کر یہ گمان کیا کہ جب میرے ساتھی روانگی سے قبل ایسی گومگوئی کا شکار ہیں تو وہ میدان جنگ میں کیا جوہر دکھا پائیں گے لہٰذا دوسری بار پھر اسے اپنے فیصلے میں ترمیم کرنا پڑی۔ اس نے اپنے مخبروں کو سختی سے ہدایت کر رکھی تھی وہ بغداد کی جانب سے آنے والی کی خبریں اس تک بلا تاخیر پہنچائیں تاکہ اگر کوئی موقع مل سکے تو وہ خود کوئی ایسی حرکت کرے جس کی بدولت ہلاؤ خان بغداد کی جانب سے پیچھے ہٹ جائے۔

❁ ❁ ❁

یکم صفر 656ھ کو خلیفہ مستعصم باللہ بڑے فخر سے شاہی محل سے باہر نکلا۔ اس کے امراہ بارہ سو سوار تھے۔ ان میں ممتاز عالم، سردار، اکابرین، تاجر اور معززین شہر شامل تھے۔ شاہی سواری زرق برق لوگوں کے جلو میں شہر کے صدر دروازے پر پہنچی تو نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔ ہلاؤ خان کو امیر المومنین کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ خود استقبال کے لئے چالیس قدم آگے آیا۔ خلیفہ کے ساتھ ابوبکر محمد بھی موجود تھا۔ تاتاریوں نے جب خلیفہ کی شاہانہ آمد کا حال دیکھا تو وہ بھی ایک بار دم بخود رہ گئے۔ قیمتی زرق برق چمکیلے لباسوں میں ملبوس لوگ جوق در جوق ہلاؤ خان کی لشکر گاہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے جسم پر قیمتی لباس دیکھ کر تاتاریوں کو اپنی بے چارگی کا خیال آیا۔ وہ ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جہاں کھانے پینے کے بعد سب سے مہنگی چیز لباس تھا۔ وہ کھالیں پہن کر گذارا کیا کرتے۔ احساس محرومی نے ان کے اندر حسد کی آگ لگا دی تھی۔ ہلاؤ خان نے آگے بڑھ کر خلیفہ مستعصم باللہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر شاہی خیمے کی جانب بڑھا۔ اس کے ساتھ صرف خاص مقربین کو آنے کی اجازت دی گئی جبکہ دوسرے تمام لوگوں کو دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا گیا جہاں ان کے لئے طعام خاص کا انتظام کیا گیا تھا۔ طعام کی بابت سن کر امرأ اور رئیسانِ شہر تیزی سے اس جانب بڑھ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ وہاں طعام کی شکل میں موت ان کی منتظر تھی۔ تاتاری جلاد پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ بغداد کے معززین کو جو ہے دان میں گھیر کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ ان لوگوں نے شور شرابہ مچانے کی کوشش کی کہ دوسروں تک حقیقت حال پہنچ جائے مگر یہ انتظام کچھ ایسے انداز میں کیا گیا تھا کہ شور شرابے کی آوازیں وہیں دب کر رہ گئیں اور نہایت خاموشی سے کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا۔

ادھر ہلاؤ خان نے خلیفہ مستعصم باللہ کو بڑی عزت سے تخت پر بٹھایا اور اپنے محافظوں کو اشارہ کر دیا۔ پل بھر میں محافظوں نے تلواریں سونت کر تمام مقربین کو گرفتار کر کے ان کی مشکیں باندھ دیں۔ خلیفہ مستعصم باللہ ہلاؤ خان کی بدعہدی پر بے بسی و بے چارگی سے یہ سارا منظر دیکھتا رہ گیا۔ سلیمان شاہ، مجاہد الدین ایبک اور عزالدین کرد امیر المومنین کی جانب تیز نگاہوں سے محض دیکھتے رہ گئے۔ ان کی توقع کے مطابق وہی کچھ ہوا تھا جس کا انہیں بہت پہلے سے خدشہ تھا۔ وہ جانتے ہوئے کہ سامنے موت کھڑی ہے، اس مشکل گھڑی میں بھی امیر المومنین کے ساتھ چل پڑے تھے۔ ہلاؤ خان نے ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد ایک سادہ کاغذ منگوایا اور خلیفہ مستعصم باللہ

کی جانب بڑھا دیا۔ خلیفہ مستعصم باللہ مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ ہلاؤ خان نے حکم دیا کہ وہ شہر کے ممتاز و اکابر لوگوں کے نام یہ پیغام لکھے کہ اس کی تاتاریوں سے صلح ہو چکی ہے اور ہلاؤ خان نے اہل شہر کے لئے طعام خاص کا بندوبست کیا ہے۔ میں بذات خود وہاں موجود ہوں اور تم لوگوں کو بھی ہدایت کرتا ہوں کہ وہ سب باہر آ کر اس محفل طعام سے لطف اندوز ہوں۔ خلیفہ مستعصم باللہ اس پیغام کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں لگا سکا کہ ہلاؤ خان کیا چاہتا ہے؟ شہ رگ پر ٹکی تلوار کی تیز دھار نے اسے یہ حکم لکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاتاریوں نے یہ پیغام بغداد میں پہنچا دیا اور پھر کیا تھا؟ مسلمان جوق در جوق اپنی موت کے بلاوے پر بھاگتے ہوئے آنے لگے۔ تاتاری جلاد اپنے کاموں میں جتے رہے۔ یہ سلسلہ شام تک جاری رہا۔ خلقت خدا تمام دن تاتاریوں کی بھینٹ چڑھتی رہی۔ شام کے وقت تاتاریوں کا بھید کھل گیا اور باقی بچے کھچے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ شہر سے باہر جانے والے لوگوں کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس خبر نے دہشت کی ایسی لہر دوڑائی کہ لوگ اپنے مال ومتاع چھوڑ کر جان بچانے کے لئے مختلف راستوں سے فرار ہونے لگے۔ باہر تاتاریوں کے محاصرے، میں جو جو لوگ پکڑے گئے انہیں سیدھا ملک عدم پہنچا دیا گیا جبکہ ایک بڑی تعداد ساحلی جانب فرار ہونے کی کوشش میں دلدلوں میں پھنس کر ہلاک ہو گئی۔ تاتاریوں نے شہر کی مدافعت ٹوٹتے دیکھ کر بلہ بول دیا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ شہر میں موجود خواتین اور بچوں کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ انہیں جو کوئی زندہ دکھائی دیتا اسے ہلاک کر دیا جاتا۔ اس قتل عام میں مرد، عورت، بچے، بوڑھے، معذور، بیمار، کسی کی تخصیص نہیں تھی۔ روشنیوں کا شہر اور اسلام کا مرکز بغداد تاریکی کے گہرے بادلوں میں گھر چکا تھا۔ کوئی اس کا پرسان حال نہیں تھا۔ خلیفہ خود قیدی کی حیثیت سے شہر سے باہر ایک چھوٹے سے خیمے میں نظر بند تھا۔ وحشی اور غیر تہذیب یافتہ تاتاریوں نے اس کی خوبصورتی اور رنگینوں کو ایسے ایسے طریقوں سے پامال کیا جنہیں ضبط قلم میں لانا ممکن نہیں ہے۔ علم کے خزانوں کو آگ لگا دی گئی۔ لائبریریاں جلا دی گئیں، کتب دریائے فرات ودجلہ کے پانیوں کی نظر کر دی گئیں۔ بیس لاکھ کی آبادی کا یہ عظیم شہر تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا۔ مورخین کی روایات کے مطابق آٹھ لاکھ / سترہ ہزار افراد تاتاریوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے۔ مسلمانوں کے تشتت وافتراق اور بے حمیتی نے تاتاریوں کو قلب اسلام پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ انحطاط کے اس دور میں اسے اپنی بقاء کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی مضبوط سہارے کی ضرورت رہتی تھی۔ طاقتور غزنوی، ترک سلجوقی، زنگی، ایوبی حکمرانوں کے دور میں اسے کچھ نہ کچھ سنبھالا حاصل تھا مگر ان کے بعد وہ بے یار ومددگار رہ گئی تھی۔ خلیفہ مستعصم باللہ جیسا شخص شاہی محل کے کمروں میں ایسا گھسا کہ اسے دوبارہ باہر دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں ہوئی اگر وہ تھوڑی سی بصیرت سے کام لیتا تو شاید اسے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

❁ ❁ ❁

سلطان الملک الناصر یوسف صلاح الدین محرم 656ھ کے [illegible] میں اپنے بھاری لشکر اور ساز وسامان کے ساتھ نکلا۔ اس نے اپنی روانگی کی اطلاع سلطان الملک الکامل کو پہنچا دی تھی۔ وہ بھی طے شدہ پروگرام کے تحت دیار بکر سے اپنی افواج کے ساتھ باہر نکلا۔ دونوں لشکر دو مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے بغداد کی جانب تیزی سے بڑھنے لگے۔ نصف راہ میں انہیں یہ روح فرسا خبر ملی کہ انہیں نکلنے میں دیر ہو چکی ہے اور تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا ہے اور مرکز اسلام کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ امیر المومنین کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ وہ زندہ ہیں یا ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ ہلاک کر دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی فرد زندہ نہیں بچ سکا۔ سلطان الملک الکامل تاتاریوں کی بربریت کے انداز سے خوب واقف تھا لہٰذا اس نے اسی مقام سے فوراً واپس لوٹنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے خیال میں آگے بڑھ کر تاتاریوں سے دست و گریباں ہونا اس

موقعہ پر مناسب نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر سلطان الملک الناصر کو اپنی واپسی کی اطلاع بھجوائی اور ہدایت کی وہ بھی دمشق واپس لوٹ جائے اور وہاں موجود رہ کر شہروں کی مکمل حفاظت کا بندوبست کرے تاکہ جب تاتاری آگے بڑھ کر ان پر حملہ آور ہوں تو انہیں بھرپور انداز سے جواب دیا جا سکے اور ان کے بڑھے حوصلوں کو لگام ڈالی جا سکے۔ دونوں سلطان اس بات پر متفق ہو گئے کہ اب بغداد جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

دونوں لشکروں میں شامل رضا کار مجاہدین کو اس سانحے کا گہرا صدمہ پہنچا تھا، وہ امیر المومنین کی حفاظت کے لئے جذبہ ایمانی کے تحت گھروں سے نکلے تھے۔ بغداد سے آنے والے متاثرین کی زبانی جب انہیں وہاں کے دلدوز حالات کا علم ہوا تو وہ بے اختیار رونے لگے۔

بیبرس کو جب مرکز خلافت پر ٹوٹنے والے ستم کی خبر ملی تو کافی دیر ساکت و جامد بیٹھا رہا۔ اسے اس ضمن میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟ اس کے خواب کی تعبیر اتنی مختلف کیوں تھی؟ جب خلافت کی حفاظت کے لئے اسے منتخب کر لیا گیا تھا تو پھر خلیفہ مستعصم باللہ تاتاریوں کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔ اس نے اس خیال کے تحت پسپائی اختیار کرنے کی مخالفت کی کہ ممکن ہے کہ امیر المومنین زندہ ہوں اور انہیں تاتاریوں کے چنگل سے چھڑایا جا سکے۔

خونخوار تاتاریوں کا بالآخر داؤ چل گیا تھا۔ سلطنت خوارزم کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا خطہ تباہی و بربادی کا شکار ہو چکا تھا۔ بیبرس سلطان الملک الناصر صلاح الدین یوسف کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ وہ واپسی کا ارادہ ترک کر دے اور آگے بڑھ کر تاتاریوں پر حملہ کر دے مگر سلطان الملک الناصر نے اسے سراسر خودکشی قرار دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔ بیبرس نے کہا کہ اس طرح واپسی کی خبر جب تاتاریوں تک پہنچے گی تو ان کے حوصلے مزید بلند ہو جائیں گے اور وہ بے دھڑک مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ خلیفہ کی گرفتاری اور پُراسرار گمشدگی سے تقدس خلافت پر نہایت بُرا اثر پڑا ہے، مسلمان خود کو غیر محفوظ اور تنہا خیال کر رہے ہیں۔ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے لہٰذا ہر فیصلے میں دانشمندی کی ضرورت ہے۔

الملک الناصر نے بیبرس کے جذبات کو سراہا مگر عسکری قوت کی کمی کو اپنی کمزوری قرار دیتے ہوئے واپسی کے ارادے کو برقرار رکھا۔ اس کی رائے میں بغداد کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب زیادہ ضرورت اس امر کی تھی کہ تاتاریوں کو بغداد کے بعد آگے بڑھنے سے روکا جائے اور یہ کام اپنے شہروں میں محصور رہ کر زیادہ عمدگی سے انجام دیا جا سکتا تھا۔

بیبرس الملک الناصر کی اس مصلحت آمیز روش پر دل برداشتہ ہو گیا اور اس نے دمشق لوٹنے کے بجائے قاہرہ لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ وہ مسلمانوں کی بڑی تعداد کی ہلاکت و بربادی اپنے باطن کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا مگر وہ ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہاں بالکل بے اختیار تھا، بلادِ شرقیہ کے حکمران میدان میں اترنے کے بجائے دفاعی حکمت عملی پر عمل پیرا تھے۔ مسلمانوں کی عسکری قوت ان کے ناقص فیصلوں سے تقسیم کر چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو کر رہ گئی تھی۔ مسلمان حکمرانوں کا یہ طریقہ کار تاتاریوں کے لئے بڑا امید افزا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے انہیں گھیر کر ختم کر سکتے تھے۔ بیبرس قاہرہ پہنچ کر اپنے دستوں کو تیار کر کے تاتاریوں کو سبق سکھانے کی نیت باندھ چکا تھا۔ اس نے دمشق پہنچ کر الملک الناصر سے اجازت لی اور قاہرہ روانہ ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

تاتاریوں کی غارتگری اور بربریت کی داستانیں بغداد سے نکل کر اطراف میں پھیلتی گئیں۔ لوگوں نے تاتاریوں کے سیل کو عذاب الٰہی قرار دیا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کی تکمیل سے تعبیر کیا۔ تاریخ مقدسی

میں ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قسم کھا کر کہا تھا کہ خلافت میرے فرزندوں کو ملے گی پھر ان کی عزت و دولت پر سرخ ترک غلبہ پالیں گے ان کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے کہ چوڑی ڈھالیں۔ اس بارے میں علماء کرام یہ تاویلیں پیش کر چکے تھے کہ یہ ترک مسلمان ہوں گے مگر جب تاتاری فتنہ ان پر ظاہر ہوا تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

ہلاؤ خان کے پاس قاآن اعظم منگو خان کا یہ فرمان پہنچ چکا تھا کہ بغداد پر قبضے کے بعد اگر خلیفہ مستعصم باللہ تمہارے قبضے میں آ جائے تو کوشش کرنا کہ اسے ہلاک نہ کیا جائے کیونکہ اس فعل سے ہمارے ماتحت مسلمانوں میں بے چینی پھیل جائے گی اور وہ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان میں ہمارے بھائی بھی شامل ہیں۔ میں نہیں چاہتا ہے ہم کسی غیر ذمہ دارانہ فعل سے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں۔ البتہ اگر خلیفہ کی ہلاکت ناگزیر ہو جائے تو بھی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے۔ ہلاؤ خان چاہتا تھا کہ خلیفہ کو ہلاک کرنے کے بجائے نظر بند رکھا جائے کیونکہ اس کے لشکر میں موجود مسلمانوں نے اسے یہ باور کرایا تھا کہ خلیفہ کا تعلق خاندان نبوت سے ہے اور اگر ہلاؤ خان نے خلیفہ کا خون زمین پر بہایا تو وہ اور تاتاری لشکر خوفناک کا شکار ہو جائے گا اور ساز و سامان کے ساتھ زمین میں دھنس جائے گا۔ ان مسلمانوں کی خواہش یہ تھی کہ خلیفہ مستعصم باللہ کو کسی طرح زندہ رکھا جا سکے، سب کو خلیفہ کے قتل میں توقف مناسب دکھائی دے رہا تھا۔ امیر موصل بدرالدین لولو کو جب ہلاؤ خان کے اس فیصلے کے بارے میں علم ہوا تو وہ خود ہلاؤ خان کے پاس پہنچا اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ سب باتیں توہم پرستی کی علامت ہیں۔ خلیفہ کے قتل سے کوئی عذاب نہیں ٹوٹے گا۔ اگر خلیفہ کو زندہ رکھا گیا تو جو مسلمان اس وقت تاتاری لشکر میں شامل ہیں، وہ دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنے خلیفہ کو تاتاریوں کے چنگل سے چھڑا لیں گے اور پھر آپ کو کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ امیر موصل کی بات سن کر ہلاؤ خان سوچ میں پڑ گیا۔ ہلاؤ خان کو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ آنے والے دنوں میں کچھ ایسا ہی ہوگا۔ اگر خلیفہ زندہ رہا تو مسلمان خروج کریں گے اور اگر اسے تلوار سے ہلاک کیا گیا تو اس کا خون زمین پر گرے گا تو قیامت خیز زلزلہ تاتاریوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس نے اپنے مسلمان وزیر نظام الملک نصیرالدین طوسی سے اس بارے میں رائے دریافت کی۔ نصیرالدین طوسی نے ہلاؤ خان کے دل سے خوف کا اثر زائل کرنے کی پوری کوشش کی اور اسے یہ سب محض وسوسہ بتایا۔ اس نے کہا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام تو پیغمبر خدا تھے جب ان کا خون ناحق بہایا گیا تھا تو ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسینؓ کو جب میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا تھا تو بھی کوئی زلزلہ نہیں آیا تھا۔ ایسا عقیدہ سراسر سادہ لوحی پر مبنی ہے۔ نصیرالدین طوسی کی بات سن کر ہلاؤ خان سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے خلیفہ کو زندہ رکھنا مناسب نہیں سمجھا لہٰذا اس نے خلیفہ کو قتل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور کپڑے رکھنے والے چرمی تھیلے میں خلیفہ کو بند کر کے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اسے ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کر دیں، اس امر کا خاص خیال رہے کہ خلیفہ کا خون زمین پر گرنے نہ پائے۔ صرف چار دن کی نظر بندی کے بعد خلیفہ مستعصم باللہ 4 صفر 656ھ کو نہایت بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا۔ ہلاؤ خان نے جس دھوکے سے بغداد پر قبضہ کیا تھا، اسی دھوکے سے خلیفہ کو امان دینے کے بعد ہلاک کر دیا تھا۔

خلیفہ کی ہلاکت کی خبر سے تاتاری لشکر میں موجود مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی، وہ خلیفہ کو ہر حال میں زندہ رکھنے کے متمنی تھے مگر ہلاؤ خان کی چالاکی سے ان میں پژمردگی پھیل گئی۔ انہوں نے ہلاؤ خان کو ہلاکو خان کہنا شروع کر دیا۔ جب اس نئے نام کی بابت ہلاؤ خان کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر نصیرالدین طوسی سے دریافت کیا اس نام سے کیا مراد ہے؟ تو وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ تو واقعی ہلاکو ہے کیونکہ اس وقت تیری ہلاکت خیزی سے

زمین و آسمان پناہ مانگ رہا ہے۔ ہلاؤ خان کو یہ جملہ اتنا بھایا کہ اس نے خود کو ہلاکو خان کہنے کا فرمان جاری کر دیا۔

سلیمان شاہ، مجاہد الدین ایبک، عز الدین کرد اور امیر ابوبکر محمد کو ان کے اقربا و متوسلین کے ساتھ ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے سب سے پہلے فتح الدین کرد اور مجاہد الدین ایبک کے سامنے ان کے اہل و عیال کو ذبح کیا اور پھر ان کی گردنیں اُڑا دیں۔ اس کے بعد وہ سلیمان شاہ کی جانب متوجہ ہوا۔ ہلاکو خان نے سلیمان شاہ سے سوال کیا کہ تم بڑے دوراندیش اور نجومی سمجھے جاتے تھے تم نے اپنا مستقبل کیوں نہیں دیکھ لیا تھا کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ سلیمان شاہ نے ہنس کر جواب دیا کہ افسوس ہے کہ میرے سامنے امیر المومنین کی بدنصیبی تھی اور میرے ساتھ ساتھ سب لوگوں پر اسی بدنصیبی کے بادل چھا چکے تھے، ایسے میں مشیت ایزدی سے فرار حاصل کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔

ہلاکو خان کو سب سے زیادہ غصہ سلیمان شاہ پر ہی تھا کیونکہ اس نے گذشتہ تیس سال سے تاتاریوں کی پیش قدمی کو ناکامی سے دوچار کیا ہوا تھا۔ جہاں ہلاکو خان اس کی جرأت اور بہادری سے متاثر تھا، وہیں وہ اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے بغداد کے اس جانباز کو بھی تلواروں کے حوالے کر دیا۔ مجاہد الدین ایبک، فتح الدین کرد اور سلیمان شاہ کے سر کٹوا کر موصل روانہ کر دیئے گئے تاکہ انہیں دریائے دجلہ کے پل پر آویزاں کر دیا جائے۔ سلیمان شاہ امیر موصل بدرالدین لولو کا گہرا دوست تھا۔ جب امیر موصل نے اس کا بریدہ سر دیکھا تو وہ بے اختیار رونے لگا اور آسمان کی جانب دیکھ کر کہنے لگا کہ اے خدا! تو بے شک جانتا ہے کہ میری دشمنی صرف خلیفہ کے ساتھ تھی اور میں نے تیری خلقت کے لئے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا، اپنی کوتاہیوں کے باعث میں جس دلدل میں پھنس چکا ہوں اس سے نکلنا اب میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اب تو ہی کوئی ایسی ہوا بھیج کہ جس سے تاتاریوں کے اس گروہ میں طاعون پھوٹ پڑے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

امیر ابوبکر محمد کو جب ہلاکو خان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ خاموش کھڑا رہا۔ ہلاکو خان نے اسے کچھ کہنا چاہا تو ابوبکر محمد خود ہی بول پڑا کہ تو خائن ہے مجھے تجھ سے کسی اچھائی کی توقع نہیں ہے۔ تو میرا خون بہانا چاہتا ہے تو جلدی کر، تاکہ میں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ جا ملوں۔ ہلاکو خان نے یہ سن کر اس کی گردن اُڑانے کا حکم جاری کر دیا۔ یہی سلوک بارگاہ خلافت کے دوسرے امرأ و اکابرین کے ساتھ کیا گیا۔ امیر المومنین کے عیال میں سے صرف ایک چھوٹا سا بچہ زندہ بچا تھا۔

ہلاکو خان بغداد کے تمام اموال و خزائن پر قابض ہو چکا تھا جن کی مقدار کے بارے میں مختلف روایات موجود ہیں۔ ہلاکو خان مال و خزائن دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔ اس نے مال غنیمت کو حصوں میں بانٹ کر ایک بڑا حصہ قاآن اعظم منگو خان کی خدمت میں بھیجا اور کچھ خاص اور قیمتی اشیاء بطور ''تحفہ'' برقائی خان کو روانہ کیں۔ امیر المومنین کی بعض بیویاں، لونڈیاں اور بیٹیاں بھی قاآن اعظم کے پاس روانہ کر دی گئیں۔

جب ہلاکو خان بغداد کو لوٹ چکا اور خلق خدا کو شہید کر چکا تو اس نے اپنے محسن اور مددگار کو بلوا کر بچا کھچا بغداد اُس کے حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ایک معمولی تاتاری کو بطور نگران مقرر کر دیا۔ وزیر ابن علقمی خلیفہ کے ساتھ ہلاکو خان کے لشکر میں آ چکا تھا، اسے بغداد کی تباہی کے بارے میں کچھ خبر نہیں تھی۔ خلیفہ کی موت پر اس نے کلمہ شکر ادا کیا اور نگران تاتاری کے ساتھ بغداد میں داخل ہوا۔ جلے اور گرائے گئے مکانات اور گلی کوچوں میں بکھری ہوئی گلی سڑی لاشوں کے انبار دیکھ کر ابن علقمی غم و دیوانگی سے چیخنے چلانے لگا۔ وہ خود بھی یہ سب نہیں چاہتا تھا۔ اسے صرف خلیفہ کی معزولی اور اہل بیت میں سے کسی نئے خلیفہ کی تقرری کی خواہش تھی مگر ہلاکو خان کو اس کی خواہش سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ابن علقمی نے بغداد کے بچے کھچے شہریوں سے واپس لوٹنے کی استدعا کی تاکہ

بغداد کی اجڑی رونق کو بحال کیا جا سکے۔

ابن علقمی بغداد کے انتظام سے فارغ ہو کر ہلاکو خان کی خدمت میں پہنچا اور اپنی وفاداری کا معاوضہ طلب کیا تو ہلاکو خان نے اس سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس نے ابن علقمی سے پوچھا کہ تجھے عزت، دولت اور اقتدار حاصل تھا، یہ سب تجھے کس سے ملے تھے؟ ابن علقمی نے جواب دیا کہ مرکز خلافت سے، ہلاکو خان نے کورے انداز میں کہا کہ جب تو نے اپنے منعم کی نعمت کے حق کا کوئی پاس نہیں کیا تو میری خدمت کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے۔ ابن علقمی اس کی بات سن کر لاجواب ہو گیا۔ اس نے مختلف حربوں سے اپنے عمل کو درست قرار دینے کی کوشش کی اور نظام الملک نصیر الدین طوسی کی جانب بے چارگی سے دیکھا مگر اس نے بھی نظریں پھیر کر دوسری جانب کر لیں۔ ہلاکو خان کے دربار سے رسوا ہو کر وہ شکستہ قدموں سے بغداد چلا آیا۔ اب بغداد تو موجود تھا مگر اس میں پہلے سی رونق باقی نہیں تھی۔ ویرانی و گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بچے کھچے لوگوں کے سہمے ہوئے چہرے اور آہ و بکا کی پکار بغداد کی گلیوں میں دبے دبے انداز میں گونج رہی تھی۔ ابن علقمی کو اپنے فعل پر سخت ندامت تھی مگر وہ اب گذرے ہوئے وقت کو واپس تو نہیں لا سکتا تھا صرف ایک ہفتہ قبل کی بات تھی کہ وہ شان و شوکت اور تمکنت سے اپنے محل سے نکلتا تھا۔ اب کوئی اس کے استقبال کے لئے موجود نہیں تھا۔ خالی دیواریں اور لٹے پٹے محل اسے کاٹنے کو دوڑتے تھے۔

خلیفہ کے مقربین اور غلاموں کی ایک جماعت ہلاکو خان کی بربریت سے بچ کر دریائے فرات کی دلدلی وادی میں پناہ لئے ہوئے تھی۔ ان میں کچھ لوگ عام شہری بھی تھے۔ انہوں نے جمع ہو کر فیصلہ کیا کہ بغداد میں موجود نگران تاتاریوں پر شب خون مارا جائے تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر بغداد سے نکل جائیں۔ انہوں نے دو ماہ کے عرصے میں لڑنے کے لئے ساز و سامان اکٹھا کیا اور تیاریاں کرتے رہے۔ جب ان کی تیاریوں کا حال قرب و جوار کے لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی رضا کارانہ خدمات پیش کر دیں۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً دس ہزار کے قریب پہنچ گئی تو انہوں نے خروج کیا اور بغداد میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے بغداد میں موجود نگران تاتاریوں کو چن چن کر ہلاک کیا اور شاہی محل پر دھاوا بول کر ابن علقمی کو گرفتار کر لیا۔ ابن علقمی کا چہرہ دیکھ کر ان کے غصے کی انتہا نہیں رہی۔ اس کے چہرے پر صدیوں کے بیمار کے سے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ مجاہدین نے اسے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا اور اتنا زدوکوب کیا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ غدار اعظم ابن علقمی اپنے بھیانک انجام تک پہنچ گیا تھا مگر اس کی غداری سے جو نقصان ہو چکا تھا اس کی تلافی اب ممکن نہیں تھی۔ مسلمان اپنے مرکز کی تباہی کے بعد پراگندہ ہو چکے تھے۔ مختلف ریاستوں کے سلاطین سر جوڑ کر مقابلہ کرنے کے بجائے ہلاکو خان کی خدمت میں وفود بھیج کر اپنی جان بچانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ مجاہدین کے اس چھوٹے سے لشکر نے بغداد میں ایک بار پھر قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابن علقمی کے ساتھیوں، رافضیوں اور نصرانیوں کے گھروں پر حملے کئے گئے اور انہیں قتل کر کے ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ بغداد کی بچی کھچی سہمی ہوئی رعایا نئے عتاب کے سامنے بے بسی کی تصویر بنی رہی۔ مجاہدین اپنوں کو ہلاک کرنے کے بعد تیزی سے بغداد سے باہر نکل گئے۔ مجاہدین کا یہ عمل ہلاکو خان کو اس قدر ناگوار گذرا کہ اس نے بغداد پر تاتاریوں کو کھلا چھوڑ دیا تاکہ وہ اس شہر کا وجود صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیں۔ ان بدمست تاتاریوں نے گھروں میں گھس کر بچوں اور عورتوں کو زبردستی باہر نکالا اور بیچ چوراہوں پر لا کر ذلیل کرتے ہوئے قتل کر دیا۔ بغداد کے باقی ماندہ گھروں کو گرایا جانے لگا۔ چالیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پُر رونق اور ہنستا کھیلتا بغداد کھنڈرات بن چکا تھا۔ ہلاکو خان نے بغداد سے بے فکر ہونے کے بعد سلطان الملک الکامل کی جانب توجہ کی، اس کے خروج کی خبر اس تک پہنچ چکی تھی۔ سلطان الملک

الکامل اور سلطان الملک الناصر کی سرکوبی کے لئے اس نے اپنے لشکر کے دو بڑے حصے روانہ کئے جن میں سے ایک کی قیادت اس کے بڑے بیٹے بوقا خان کے ہاتھوں میں تھی۔

❁ ❁ ❁

خلیفہ مستعصم باللہ کی ہلاکت کی جان گداز خبر جب برقائی خان کے پاس پہنچی تو وہ تڑپ اُٹھا۔ اسے جس امر کا اندیشہ تھا وہی ہوا۔ ہلاؤ خان نے نصرانیت کی خوشنودی کے لئے اسلامی مرکز پر حملہ کر کے مسلمانوں کی قوت ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ خلیفہ کی ہلاکت اور بغداد کی تباہی کا حال جب اس کے سامنے بیان کیا گیا تو بے تابی سے رونے لگا۔ وہ بار بار خود کو کوستا کہ اس کی حماقت اور سستی کے باعث خلیفہ اور بغداد پر یہ قیامت ٹوٹی ہے۔ اگر وہ بروقت کوئی قدم اُٹھا لیتا اور اپنے امرا اور سرداروں کی باتوں میں نہ آتا تو اسے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مسلمان منگول امرا اور سردار بھی اس خبر پر گہرے غم سے دوچار تھے۔ وہ ابھی اس بارے میں آپس میں صلاح و مشورہ کر رہے تھے کہ ایسے حالات میں انہیں کیا حکمت عملی اپنانا چاہئے کہ تیسرے دن ہلاؤ خان کی جانب سے بھیجا گیا قافلہ سرائے پہنچ گیا۔ یہ ہلاؤ خان کی جانب سے بغداد کے مال غنیمت میں سے برقائی خان کا حصہ اور ہلاؤ خان کی جانب سے بھیجے گئے کچھ نادر تحفے لے کر آیا تھا۔ برقائی خان کو جب اس کی آمد کی اطلاع دی گئی تو وہ فرط طیش سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں کو شرف باریابی بخشنے کے بجائے فوراً ان کے سر گردنوں سے جدا کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان منگول پہلے سے ہی گہرے صدمے سے دوچار تھے کہ ہلاؤ خان کی اس تمسخرانہ حرکت پر بھڑک اُٹھے۔ انہوں نے تمام سپاہیوں اور سرداروں کے سر کاٹ کر ہلاؤ خان کی خدمت میں واپس بھجوا دیئے۔ دربار خلافت کی قیمتی اشیاء جب برقائی خان کے سامنے لا کر رکھی گئیں تو وہ فرط غم سے روتا ہوا اپنے تخت سے اتر کر ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ آج کے بعد ہلاؤ خان اس کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کی ہر فتح کو ناکامی و شکست میں بدل دیا جائے گا۔ یہ چنگیز خان کے خاندان میں پہلے فرد کی کھلی بغاوت کا اعلان تھا۔ قاآن اعظم منگو خان کی اطاعت کو ختم کرتے ہوئے برقائی خان نے اردوئے زریں میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ اس نے قاآن اعظم منگو خان کی جانب سے آنے والے وفد کو کھلے لفظوں میں یہ باور کرا دیا تھا کہ اس کی جنگ صرف ہلاؤ خان سے ہے اگر قاآن اعظم نے اردوئے زریں کی جانب کسی قسم کی کارروائی کا خیال کیا تو وہ ان کے ساتھ رشتوں اور سابقہ احترام کو بالائے طاق رکھ دے گا۔ ہلاؤ خان نے مرکز اسلام پر حملہ کر کے برقائی خان کے جذبات کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی۔ بغداد کی خوفناک تباہی نے نئی تاریخ رقم کر دی تھی۔ منگولوں کا گروہ اب دو بڑے حصوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ایک حصہ مسلمان تھا جو کہ برقائی کے زیر علم جمع ہو تا رہا جبکہ دوسرا گروہ ہلاؤ خان کے ساتھ ہمدردی رکھتا تھا۔ اس گروہ میں منگو خان، کے ساتھ ساتھ قبلائی خان بھی شامل تھا جو کہ بلادِ چین پر حکمران تھا۔ برقائی خان نے حرمت خلافت کی پامالی کا بدلہ لینے کے لئے اپنی فوجوں کو عسکری تیاریوں کا حکم دے دیا۔ وہ اس مرتبہ اپنے حکم کو کسی قیمت پر بھی واپس نہیں لینا چاہتا تھا۔

❁ ❁ ❁

وہ آنکھیں مسلتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ اس نے اپنے چاروں جانب حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ خود کو اجنبی ماحول میں پا کر تعجب کی گہری پرچھائیں اس کے چہرے پر اُمڈ آئی۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ واقعی عالم بیداری میں ہی ہے یا کسی سہانے خواب نے اسے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ وہ خواہ خواب تھا یا حقیقت...... بڑا دلکش اور آنکھوں کو تراوٹ بخشنے والا منظر تھا۔ دودھ کی سی سپید دیواریں، دیواروں پر آویزاں خوبصورت و دیدہ زیب آرائشی قالین اور ریشمی پردے، سنگ مرمر کے فرش پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر قرینے سے رکھی گئی چھوٹی

چھوٹی نقرئی تپائیاں، فرش کے وسط میں مخملیں قالین، جس کے شوخ و چنچل رنگوں کی تازگی، یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی تھی کہ اسے تیار کیے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گذری ہوگی۔ دیواروں میں روشنی کے لئے بنائے گئے طاقچوں پر کچھ اس انداز کے نقش و نگار تھے کہ دیکھنے والا یہ اندازہ لگانے میں خطا کھا جاتا ہے کہ یہ طاقچے چھت میں بنائے گئے ہیں یا دیواروں میں۔ طاقچوں سے لے کر تمام چھت کو کچھ اس طرح نقش و نگار سے ڈھانپ دیا گیا تھا کہ ان کی حدود آپس میں مدغم ہو کر رہ گئی تھیں۔ چھت کے بیچوں بیچ لٹکتے ہوئے طلائی فانوس کی دلکشی اپنی جگہ منفرد تھی۔

وہ اس کمرے کے سحر میں کافی دیر تک مبہوت بیٹھی رہی۔ اس کی نگاہیں اس شاہی کمرے کے در و دیوار سے رینگتی ہوئی جانے کب اپنے سراپے پر آن ٹھہریں۔ اپنے سراپے پر نگاہ پڑتے ہی وہ گہرے خوف و حیرت کا شکار دکھائی دینے لگی۔ اس کے جسم پر نہایت قیمتی لباس موجود تھا جس کی زرق برق اس کی اپنی آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔ وہ خود کو ٹٹولنے لگی۔ اسے اب واقعی یہ یقین ہو چلا تھا کہ جو کچھ بھی اس کی نگاہوں کے سامنے ہے، وہ کسی صورت میں حقیقت نہیں ہو سکتا، وہ یقیناً عالم نوم میں ہے اور یہ سب کچھ کسی دلکش خواب کا حصہ ہے۔ اس نے غیر ارادی طور پر خود کو چٹکی بھری، ہلکی سی کراہ اس کے منہ سے نکل گئی۔ وہ خوف زدہ ہونے کے بجائے مخمصے کا شکار ہو گئی کیونکہ بھیانک اندھیرے غار سے یہاں تک کا سفر کیسے اور کب طے ہوا تھا......؟ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا.....

اس کا دل و دماغ گہری تشویش میں مبتلا تھا، وہ اپنے گذرے کل کے بارے میں سوچنے لگی اس کے ذہن کے دریچے ایک ایک کر کے کھلنے لگے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ رات کو سفر کی تکان کے باعث گہری نیند کی آغوش میں اُتر گئی تھی تو وہ ایک پتھریلا غار ہی تھا، پھر جانے رات کے کس پہر میں اس کی آنکھ کھل گئی تو اسے یہ احساس شدت سے ستانے لگا کہ وہ غار میں تنہا ہے، رات کو اس کے دونوں ساتھی اس کے ساتھ ہی غار میں موجود تھے۔ اُس نے انہیں کئی بار پکارا مگر کوئی جواب نہیں ملا تو اس نے یہی قیاس کیا کہ وہ شاید اسے تنہا چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ پھر اسے یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ وہ دونوں غار کے باہر راز و نیاز کی دنیا میں محو ہوں، وہ اپنے خیال کو پرکھنے کے لئے اندھیرے میں غار کی ناہموار دیواریں ٹٹولتی ہوئی دہانے کی جانب بڑھی۔ وہ کافی دیر تک غار کی دیواروں سے الجھتی رہی مگر اسے دہانے کا راستہ نہیں ملا تھا۔ اسی کشمکش و پیچ میں اُسے اچانک یہ محسوس ہوا کہ جیسے غار میں گھٹن سی بڑھ رہی ہو، اسے سانس لینے میں مشکل پیش آنے لگی۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھنے کی کوشش کرتی رہی کہ شاید اسے کوئی ایسا سراغ مل جائے کہ حقیقت کھل جائے پھر اچانک اسے آخری رسم کے بارے میں تھوڑا تھوڑا یاد آنے لگا۔ غار میں موجودگی، دہانے کی گمشدگی اور پھر بڑھتی ہوئی گھٹن نے اس کے خیال کو تقویت دی، وہ آخری رسم کے بارے میں سوچ کر خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے کافی دیر تک اپنی سی کوشش جاری رکھی مگر وہ ہر بار ناکامی سے دوچار ہوئی۔ غار کا دہانہ بھی غائب تھا اور فضا میں گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے تھوڑی ہی دیر بعد سانس لینے میں خاصی دشواری پیش آنے لگی۔ اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ بالآخر وہ ہمت ہار بیٹھی پھر سانس گھٹنے کے باعث اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور وہ گر گئی۔

اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب کہاں ہے اور غار سے یہاں کیسے پہنچ گئی؟ اگر کوئی اسے یہاں لایا ہے تو وہ کون ہو سکتا ہے؟ سوالوں کی بوچھاڑ اس کے ذہن میں ہیجان پیدا کرنے لگی۔ وہ زمین پر لگے ہوئے بستر سے باہر نکل آئی۔ نرم قالین پر وہ اِدھر اُدھر ٹہلتی ہوئی یہ جائزہ لینے کی کوشش کر رہی تھی کہ شاید کوئی اور بھی وہاں موجود ہو مگر یہ جان کر اسے شدید حیرت ہوئی کہ وہ اتنے بڑے کمرے میں تنہا ہی تھی۔ پھر اس کی نظر دروازے پر جا پڑی جو کہ پہلو کی جانب بڑے پُراسرار انداز میں بنایا گیا تھا۔ اگر وہ اس جانب نہ پہنچ

پاتی اور اچانک اس کی نگاہ دروازے پر نہ پڑتی تو وہ شاید یہی سمجھتی کہ اس کمرے میں کوئی دروازہ موجود نہیں۔ اس کے قدم خود بخود دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر وہ ششدر رہ گئی۔ وہ لکڑی کا دروازہ تھا، جس کے دونوں پاٹ بالکل سپاٹ دکھائی دے رہے تھے۔ دروازہ کھولنے کے لئے کنڈا یا ہتھی تک موجود نہیں تھی۔ اس نے دروازے کو باہر کی جانب دھکیلنا چاہا مگر دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ وہ شاید باہر سے بند تھا۔ اسے وہ کمرہ کوئی پنجرہ محسوس ہونے لگا۔ وہ پریشانی کے عالم میں ٹہلتی ہوئی واپس اپنی جگہ پہنچ گئی۔

وہ کافی دیر تک گومگو میں مبتلا رہی اسے یہ معلوم ہی نہیں ہو پایا کہ دروازہ کھول کر کوئی اندر آ چکا ہے۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس کا ذہن وسوسوں اور خدشوں کے بھنور میں پھنسا نجات کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ اندر آنے والے نے آہستگی سے کھنکار کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ چونک کر اُس اجنبی کی جانب دیکھنے لگی جو اس کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی کیونکہ یہ چہرہ اس کے لئے اجنبی تو تھا ہی مگر جانے کیوں اسے یہ شک ہو رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر کہاں؟ اس بارے میں وہ کوئی اندازہ نہیں کر پائی۔ اجنبی کے چہرے سے اس کی عمر تیس سال کے قریب دکھائی دیتی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکراتا ہوا مخاطب ہوا۔

''کیسی ہو گل وتوژ......؟ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی ہے؟''

گل وتوژ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر دنگ رہ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس خاموش بیٹھی اُلجھی نگاہوں سے اسے تکتی رہی۔ وہ اپنے ذہن پر زور دینے میں مصروف تھی کہ شاید یہ چہرہ اس کی پہچان میں آ جاتے۔ اجنبی اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کا مفہوم سمجھ چکا تھا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

دوسری صبح مطیع الدین نے فونگاجو خان کو ہدایت کی کہ اب اس علاقے میں مزید قیام کرنا مناسب نہیں ہے، ہمیں فوری طور پر سرائے کی جانب بڑھنا چاہئے۔ فونگاجو خان نے بھی اس کی رائے کی تائید کی۔ دونوں نے مل کر اپنا سامان سمیٹ کر گھوڑوں پر لادا اور سرائے کا رُخ کیا۔ مطیع الدین ابھی تک شنگ خان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیلنے والا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو گذشتہ رات ہی میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کن وار کر سکتا تھا۔ وہ مد مقابل آنے سے بھی ہچکچا رہا ہے اور احمقانہ انداز سے اس لڑائی میں فاتح رہنے کا بھی خواہشمند ہے۔ اگر وہ واقعی گل وتوژ کا منگیتر تھا تو گل وتوژ کو جب آخری رسم کی سزا دی جا رہی تھی تو اس وقت اس کی چاہت کو کیا ہو گیا تھا؟ دوسری طرف فونگاجو خان مطیع الدین کی مصلحت انگیزی سے بالکل متفق نہیں تھا۔ اس کے خیال میں شنگ خان جیسے لومڑی نما مکار دشمن کو خواہ مخواہ وار کرنے کے مواقع نہیں فراہم کرنا چاہئے تھے۔ وہ مطیع الدین کی رفاقت میں مایوسی کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پھولے ہوئے چہرے نے اس کی ساری شخصیت کو مضحکہ خیز بنا کر رکھ دیا۔ مطیع الدین اپنے خیال میں کھویا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا کہ اچانک بے خیالی میں اس کی نگاہ فونگاجو خان کے چہرے پر پڑ گئی۔ وہ چونک گیا۔ اس نے فونگاجو خان کو ہاتھ کے اشارے سے گھوڑا ٹھہرانے کے لئے کہا۔ فونگاجو خان اس کے بے وقت اشارے پر پریشان دکھائی دینے لگا۔ اس نے تیزی سے اپنے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ اس نے ٹھہرنے کے اشارے کو کسی خطرے پر قیاس کیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے مطیع الدین کی جانب حرکت دی۔ دونوں جب قریب پہنچ گئے تو فونگاجو خان نے یوں رُکنے پر استفسار کیا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا......!'' مطیع الدین نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کیا مطلب......؟'' نوئنا جو خان اس بے تکے سوال پر جز بز دکھائی دیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی ایسا سوال نہیں کیا کہ مجھے مزید وضاحت کرنا پڑے''۔

''کیا یہی پوچھنے کے لئے مجھے روکا ہے''۔ نوئنا جو خان کے چہرے کی رگیں تن گئیں۔

''تمہارے پھولے ہوئے چہرے پر نظر پڑی تھی تو مجھے محسوس ہوا کہ شاید تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں''۔ مطیع الدین نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''مطیع الدین......!'' نوئنا جو خان تیز لہجے میں بولا۔ ''اس وقت کسی قسم کا بے ہودہ مذاق کرنے سے گریز کرنا، یہ نہ ہو کہ میں تمہیں یہیں کہیں دفن کرنے پر مجبور ہو جاؤں''۔

نوئنا جو خان کے تیور خاصے تیکھے دکھائی دیتے تھے۔ مطیع الدین کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ نوئنا جو خان کو اس وقت چھیڑنا مناسب نہیں ہے ورنہ وہ کسی بھی لمحے بھڑک سکتا ہے۔

''شاید تمہیں اب میرا ساتھ گوارا نہیں ہے......؟'' مطیع الدین نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''یہ بات نہیں...... مجھے تمہاری رفاقت سے کوئی شکوہ نہیں مگر جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے سخت اختلاف ہے۔ میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا'' نوئنا جو خان ہونٹ کاٹتا ہوا بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں شنگ خان پر بے حد غصہ ہے مگر اسے قتل کرنے پر ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہونا تھا۔ تم یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ اس کی بدولت ہی ہمیں گل وتوژ کے بارے میں اصلیت معلوم ہوئی ہے۔ میں بے کار میں اپنا وقت گنوانے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ شنگ خان کو ہم کسی بھی وقت سبق سکھا دیں گے''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''تم نرے احمق ہو...... تم ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ شنگ خان ہمیں اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے''۔ نوئنا جو خان اس کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب......؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' مطیع الدین اس کے منہ سے غیر متوقع بات سن کر چونک پڑا۔

''شنگ خان نے تمہیں جان بوجھ کر زندہ رہنے کا موقع دیا ہے، یہ بات نہیں ہے کہ وہ تم سے کمزور تھا یا مقابلے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم گل وتوژ کو تلاش کر دو اور جب تم کامیاب ہو جاؤ تو وہ اس وقت تمہیں ہلاک کر کے گل وتوژ کو حاصل کر لے''۔

''وہ یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ میں واقعی گل وتوژ کو تلاش کر لوں گا حالانکہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟'' مطیع الدین کے چہرے پر حیرت کی شکنیں گہری ہو گئیں۔

''شنگ خان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہی گل وتوژ کے محبوب ہو جس کے لئے گل وتوژ نے سب کچھ ٹھکرا دیا تھا، میں سمجھ رہا ہوں کہ گل وتوژ کو آخری رسم کی سزا کیوں دی گئی تھی۔ شنگ خان کو اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے کہ جیسے تم گل وتوژ کی تلاش میں کوہ سرخ تک پہنچ گئے تھے، اسی طرح تم اس کا سراغ لگانے میں ایک دن ضرور کامیاب ہو جاؤ گے''۔

''کوہ سرخ پر گل وتوژ کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہوا وہ تو محض ایک اتفاق تھا''۔

''زندگی میں ایسے ہی اتفاقات، انسان کو کامیابی سے قریب کر دیتے ہیں''۔

''فلاسفروں جیسی باتیں بھی کر سکتے ہو، یہ بات میرے علم میں نہیں تھی''۔ مطیع الدین نے اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ نوئنا جو خان نے اس کی بات پر بھنوئیں چڑھا دیں۔ چند لمحوں کی گفتگو نے

نوئنا جو خان کے ذہن پر چھائے ہوئے غبار کو رفع کر دیا تھا۔ وہ اپنی سادہ اور بے لوث عادت کے باعث جلد ہی اعتدال پر آ گیا۔ وہ دونوں کوہ سرخ سے کافی دور برف کے میدان میں پہنچ چکے تھے۔ چھوٹی چھوٹی برف سے ڈھکی جھاڑیاں اس میدان میں جا بجا پھیلی دکھائی دے رہی تھیں۔ صبح کا پہلا پہر گذرنے والا تھا۔ اسی لمحے ہوا میں تیزی پیدا ہونے لگی پھر بادلوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں سورج کے قریب ہونے لگیں۔

''میرا خیال ہے کہ برف باری کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے، ہمیں تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنا ہوگا ورنہ ہم طوفان میں پھنس کر برف میں ہی دفن ہو جائیں گے''۔ نوئنا جو خان نے اسے آگاہ کیا۔ مطیع الدین نے بھی اس کی بات پر صاد کیا۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ساتھ ساتھ آہستگی سے چل رہے تھے۔ نوئنا جو خان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ مطیع الدین نے نوئنا جو خان کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی تقلید میں اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانا چاہی مگر گھوڑا بری طرح بدک گیا۔ مطیع الدین کے لئے گھوڑے کا بدکنا غیر متوقع بات تھی اس لئے وہ فوراً سنبھل نہ سکا اور اُلٹ کر زمین پر آن گرا۔ نوئنا جو خان کے کانوں میں گھوڑے کی تیز ہنہناہٹ پڑی تو اس نے مڑ کر دیکھا۔ مطیع الدین کو گرتے ہوئے دیکھ کر اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے تیزی سے موڑا اور مطیع الدین کی طرف بڑھنے لگا۔ مطیع الدین کے پاس پہنچ کر وہ تیزی سے نیچے اُترا۔ مطیع الدین بے دھیانی میں نیچے گرا تھا، اس لئے اس کی کمر میں موچ آ گئی۔ وہ اُٹھنے کی کوشش تو کر رہا تھا مگر کمر سے اُٹھنے والا شدید درد اس کی کوشش کو ناکام کئے ہوئے تھا۔ نوئنا جو خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے پاؤں پر کھڑا کیا۔ مطیع الدین بمشکل سیدھا ہوا۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے گھوڑے کی جانب دیکھنے لگا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ گھوڑے نے اپنے مالک کو گرا دیا تھا۔ ہوا میں تیزی بڑھ چکی تھی۔ نوئنا جو خان نے مطیع الدین کے گھوڑے کو پیار سے پچکارتے ہوئے اس کی گردن تھپتھپائی۔ مطیع الدین کے کپڑوں پر برف کے ذرے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ نوئنا جو خان نے گھوڑے کی باگیں اس کی جانب بڑھا کر چلنے کا اشارہ کیا۔

''زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ہے......؟''

''نہیں...... بس ذرا کمر میں جھٹکا لگا ہے تم بے فکر رہو میں گھوڑے پر سفر کرنے کے قابل ہوں''۔ مطیع الدین نے اسے تسلی دی اور گھوڑے کی جانب بڑھ گیا۔

''شاید تمہارا رومال گر گیا ہے''۔ نوئنا جو خان نے برف پر گرے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے کو اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔ مطیع الدین رومال کے نام پر مڑا۔ سفید کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا نوئنا جو خان کے ہاتھوں میں لہراتا دکھائی دیا۔

''یہ میرا نہیں ہے، تم چاہو تو اپنے پاس رکھ لو...... ورنہ پھینک دو''۔ مطیع الدین نے اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر جست لگائی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ نوئنا جو خان نے اس کی بات پر اس کپڑے کے ٹکڑے کو اپنی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور پھر اسے ہوا میں چھوڑ دیا۔ رومال ہوا کے زور سے ان کے آگے کی جانب اُڑنے لگا مگر دوسرے ہی لمحے نوئنا جو خان تیزی سے اس رومال کے پیچھے لپکتا دکھائی دیا۔ مطیع الدین اس کی حرکت پر دم بخود سا کھڑا رہ گیا۔

❀❀❀

سلطان الملک الکامل بغداد کی تباہی کا حال سن کر نصف راہ سے نہایت سرعت سے واپس میافارقین لوٹ آیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ہلاکو خان کا اگلا ہدف وہ ہی بنے گا۔ اس نے تیز رفتاری سے اپنے قلعوں اور شہروں کے استحکام کا انتظام کیا۔ اسی دوران اس نے اپنی ریاست میں موجود تمام خانہ بدوش قبائل کو یہ احکامات

بھجوائے وہ جس قدر جلدی ہو محفوظ و مستحکم مقامات کی جانب کوچ کر جائیں۔ وہ خود میافارقین کے قلعے میں پوری تیاری کے ساتھ تاتاریوں کا انتظار کرنے لگا۔ ہلاکو خان بغداد کی جانب سے جب بے فکر ہو گیا تو اسے الملک الکامل کا خیال آیا۔ اس کے بارے میں اسے خبر مل چکی تھی اس نے بغداد کی جانب پیش قدمی کی تھی مگر بیچ راہ سے ہی لوٹ گیا تھا۔ ہلاکو خان نے اس کی حرکت کو بغاوت قرار دیتے ہوئے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس نے ایک بڑا لشکر اپنے بیٹے بوقا خان کی قیادت میں دیار بکر کی جانب روانہ کیا۔ ایک دوسرا بڑا لشکر دمشق کی جانب سلطان الملک الناصر کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا۔ بوقا خان نے میافارقین کے قلعے پر پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ سلطان الملک الکامل نے وقفے وقفے سے اپنی جنگی حکمت عملی کے مطابق اس پر تابڑ توڑ حملوں سے اُسے بے حد نقصان پہنچایا۔ بوقا خان تین ماہ تک وہیں پڑا رہا۔

تاتاری لشکر میں بڑی بڑی منجنیقیں موجود تھیں، جن سے وہ پتھر اور آگ کے دہکتے گولے قلعے میں پھینکتے۔ سلطان الملک الکامل کے لشکر میں شامل مجاہدین ان پتھروں اور آگ کے گولوں کو نہایت سرعت انگیزی سے اندر نصب کی گئی منجنیقوں کی مدد سے واپس پھینک دیتے۔ یہ عمل تاتاری لشکر کے لئے بڑا حیرت انگیز تھا۔ وہ یہی سمجھتے کہ اندر کوئی ایسی قوت موجود ہے جو ان کے پتھروں اور گولوں کو اندر داخل ہی نہیں ہونے دیتی بلکہ واپس لوٹا دیتی ہے۔ مجاہدین کا طریقہ جنگ بے حد مناسب اور عمدہ حکمت عملی پر مبنی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بوقا خان پوری کوشش کے باوجود میافارقین شہر کے قریب بھی نہیں پھٹک پایا۔ مجاہدین سفید لباسوں میں ملبوس اچانک قلعے سے نمودار ہوتے اور تاتاریوں کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کرتے ہوئے واپس لوٹ جاتے۔ ان کے باہر نکلنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ بوقا خان اس طرز عمل پر کافی پریشان ہونے لگا۔ تین ماہ کی مسلسل کشمکش کے باوجود میافارقین تسخیر نہ ہونے پر ہلاکو خان نے جارحانہ انداز میں اپنے بیٹے بوقا خان اور قابل سالاروں کو ڈانٹا۔

”میں نے تو مسلمانوں کا مرکز اور سب سے مستحکم شہر بغداد صرف ایک ہفتے کی قلیل مدت میں حاصل کر لیا تھا تم کیسے نااہل سالار ہو کہ تین ماہ گذر گئے ہیں اور تم سے ایک چھوٹا سا قلعہ نہیں فتح ہو سکا“۔

بوقا خان اپنے باپ کی سرزنش برداشت نہیں کر سکا اور اس نے کھلے الفاظ میں لکھ بھیجا۔

”پدر محترم! بغداد کی بات نہ کیجئے کیونکہ وہ آپ کی بدعہدی سے حاصل کیا گیا ہے جبکہ مجھے یہاں تلوار چلانا پڑ رہی ہے اور ہر روز سینکڑوں سپاہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ آپ اس مقام کا قیاس بغداد سے نہ ہی کریں تو اچھا ہوگا“۔

جب بوقا خان کا پیغام ہلاکو خان کو ملا تو وہ کھول اُٹھا اور اس نے قاصد کے ہاتھ پیغام بجھوایا۔ ”میرے بیٹے سے کہہ دو کہ وہ میری آنکھوں سے دور رہے ورنہ میں اسے پہلی نظر پڑتے ہی قتل کر ڈالوں گا۔ میں اس امر پر قسم کھاتا ہوں کہ میں تجھے تین دن میں میافارقین فتح کر کے دکھاؤں گا“۔ ہلاکو خان نے قاصد کی روانگی کے فوراً بعد اپنی افواج کو میافارقین کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اطاعت گذار مسلمان سلطانوں کی افواج ہلاکو خان کی زیر قیادت اپنے اگلے ہدف کی جانب روانہ ہو گئیں۔ اس لشکر میں جہاں تاتاری اور مسلمان موجود تھے، وہیں ان کے شانہ بشانہ ایوبی خاندان کے پرانے دشمن ہاسپٹلر اور ٹیمپلرز بھی شامل تھے۔ نصرانیوں کی بڑی جماعت اپنے حکمران ریمنڈ کے ساتھ ہلاکو خان کے لشکر میں شامل تھی۔

ہلاکو خان کے مطیع امیر موصل بدرالدین لولو کا فرزند علاء الدین لولو، اپنے باپ کی جگہ مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ ہلاکو خان کے پہنچنے پر وہاں موجود تاتاری لشکر کے جوش میں بے حد اضافہ ہوا۔ ہلاکو خان نے سب سے پہلے میافارقین کے قلعے کا حدود اربعہ ملاحظہ کیا تو اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ اس قلعے کی تسخیر حقیقتاً

مشکل مرحلہ ہے۔ اس نے پہلے دن بھرپور انداز میں قلعے پر سنگ باری کی اور فصیل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر اندھیرا چھانے تک اسے کوئی بڑی کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔ دوسرے دن بھی کوئی نتیجہ نہ نکل پایا۔ تیسرے دن کی ناکامی کے بعد ہلاکو خان نے یہ سمجھ لیا کہ اس قلعے کی تسخیر مقابلے کی صورت میں ممکن نہیں۔ اس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس نے جنگ بندی کا اعلان کر کے تمام افواج کو خیموں میں آرام کرنے کا حکم دے دیا۔ مجاہدین ہلاکو خان کی حکمت عملی پر خاموش ہو گئے۔ وہ اس کی جانب سے پہل کے منتظر تھے۔

والئی موصل سلطان بدرالدین لولو کے فرزند علاء الدین لولو نے تیسرے دن کی لڑائی کے بعد گہری تکان کے بعد اپنے خیمے کی راہ لی اور اپنے کاموں سے فارغ ہو کر بستر میں گھس گیا۔ رات کی آخری ساعت میں اس نے عالم خواب میں دیکھا کہ میافارقین کے قلعے کی فصیل پر ایک نورانی صورت بزرگ بیٹھے ہیں، ان کے لباس کا دامن اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ پوری فصیل اس کے حصار میں لپٹی دکھائی دے رہی ہے۔ نورانی چہرہ دیکھ کر علاء الدین ان کی جانب بڑھ گیا اور دریافت کیا۔

”آپ کون ہیں اور یہ سب کیا ماجرا ہے......؟“

”لڑکے......! یہ قلعہ اللہ کی پناہ میں ہے اور اس پر مجھے محافظ مقرر کیا گیا ہے۔ میں اس کا نبی محمدؐ ہوں، تو باز آ جا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے چلا جا“۔

یہ سنتے ہی علاء الدین کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ ندائے نبوت کی تاب نہ لا سکا اور نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس کے پورے بدن پر رعشہ طاری تھا اور کپڑے پسینے سے بھیگ شرابور ہو چکے تھے۔ اس نے اسی وقت اُٹھ کر وضو کیا اور سجدے میں گر کر اپنے گناہ کی معافی مانگی اور صدق دل سے توبہ کی۔ صبح ہونے تک وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہا۔ صبح اس نے اپنے لشکر کے سپاہیوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ جس پر مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس نے انہیں دعوت دی کہ وہ سب اس کے ساتھ چلیں کیونکہ یہاں لڑنا گناہ عظیم کے مترادف ہے۔ سپاہیوں نے تاتاری خطرے کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی تو اس نے انہیں اطمینان دلایا کہ تم سب بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوگا۔ سپاہیوں کی چھوٹی سی تعداد اس کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گئی جبکہ باقی ماندہ تاتاری خوف میں اس قدر مبتلا تھے کہ انہوں نے اس کے ساتھ فرار ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ علاء الدین لولو نے انہیں ان کے حال پر چھوڑا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ چپکے سے لشکر گاہ سے باہر نکل آیا وہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا بلادِ فلسطین کی جانب بڑھ گیا کیونکہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ اس کے لشکر سے نکل جانے پر ہلاکو خان اچھے سے اکھڑ جائے گا اور اس حرکت کو بغاوت قیاس کرے گا۔ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں جب اس کا باپ امیر موصل بدرالدین لولو، ہلاکو خان کے عتاب کا شکار ہو جائے گا۔ وہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے بلادِ مصر کی جانب بڑھتا رہا۔ وہاں اس کی بہن ملکہ بدر منیر موجود تھی اس کے پاس وہ محفوظ رہ سکتا تھا۔

ہلاکو خان نے قسم پوری نہ کر سکنے پر اپنی خفت مٹانے کے لئے ایک نیا اعلان کیا۔ اس نے تین دن میں میافارقین فتح کرنے کا دعویٰ کیا تھا جو باطل ثابت ہو چکا تھا۔ اس نے مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہیبت کو برقرار رکھنے کے لئے اعلان کیا کہ میافارقین پر تنگری (جاودانی خدا) کی نظر ہے لہٰذا اسے کسی صورت فتح نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے کہیں دوسری جانب روانہ ہو جانا چاہئے۔ اس نے اہل قلعہ کو پیغام بھیجا۔

”مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تنگری تمہارے قلعے پر قیام کئے ہوئے ہے اور میں تنگری سے مقابلہ کی سکت نہیں رکھتا۔ میں تنگری کے لئے ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور ایک ہزار بکریاں بطور صدقہ دیتا

ہوں۔تم اپنے معتمد احباب قلعے میں سے باہر بھیجو تا کہ وہ مجھ سے یہ سب چیزیں لے لیں''۔

اہل قلعہ پر بغداد کے واقعات عیاں ہو چکے تھے انہوں نے ہلاکو خان کی اس پیشکش کو منافقانہ چال قرار دیتے ہوئے رد کر دیا اور جواباً کہا۔

''ہلاکو خان! ہم تیرے اوچھے ہتھکنڈوں میں نہیں آنے والے ہیں۔اگر تو سمجھتا ہے کہ تیرا لشکر یہاں مقیم ہے تو اسے اپنی طرف بلا لے کیونکہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے۔اپنے مال و اسباب کو ساتھ لے جا اور کسی جہنم میں پھینک دے ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

ہلاکو خان نے جب یہاں اپنا وار چلتا نہیں دیکھا تو اس نے خاص سالاروں کے ساتھ صلاح و مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ فی الوقت اس مقام سے محاصرہ اُٹھالینا بہتر ہوگا کیونکہ یہ قلعہ بڑے مضبوط قدرتی حصار میں گھرا ہوا ہے اور یہاں کے لوگوں نے بھی پوری تیاری کر رکھی ہے۔کچھ عرصے بعد اچانک اور مکینوں کی بے خبری کے عالم میں یہاں دوبارہ حملہ کیا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔ہلاکو خان دیار بکر سے باہر نکل کر بلادِ شام پر حملہ آور ہوا۔یہ علاقے کمزور ایوبی سلطانوں کے پاس تھے اس لئے ان کے حصول میں اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی انہیں تاراج کرتا ہوا حلب تک پہنچ گیا۔وہاں خونی کھیل کھیلنے کے بعد حماۃ کی طرف متوجہ ہوا۔حماۃ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد وہ بعلبک کی طرف بڑھ گیا اور تباہی و بربادی کی تاریخ رقم کرتا ہوا صیدا جا پہنچا۔وہ اپنے پیچھے لاشوں کے ڈھیر لگاتے ہوئے مسرت سے اگلے مقام کی جانب روانہ ہو جاتا۔صیدا کی شان و شوکت کو تباہ کرنے کے بعد وہ سیدھا دمشق کی جانب بڑھا۔یہاں اس کا بھیجا ہوا پہلا لشکر محاصرہ کئے بیٹھا تھا۔دمشق میں الملک الناصر صلاح الدین یوسف ایوبی موجود تھا۔یہ وقت مسلمانوں پر بے حد سخت تھا۔تاتاریوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے دیکھ کر الملک الناصر نے اپنے اردگرد کے سلطانوں سے مدد مانگنے کی کوشش کی مگر کوئی اس قابل ہی نہیں تھا کہ اس کی مدد کو پہنچ پاتا۔الملک الناصر نے چوہے بلی کے کھیل کے بجائے مردِ میدان بننے کا فیصلہ کیا۔وہ اپنے لشکروں اور رضا کار مجاہدین کے ساتھ دمشق سے باہر نکلا اور ہلاکو خان پر سامنے کی جانب سے حملہ آور ہوا۔کئی دن کی مسلسل لڑائی کے بعد الملک الناصر بالآخر شکست کھا گیا۔اسے گرفتار کر کے بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔اس کی موت کے بعد اس کے اہل و عیال کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاریوں نے اپنی خونخوار عادت کا کھلے عام مظاہرہ کیا۔قتل عام کے ساتھ ساتھ دمشق کی عمارتوں کو بھی کھنڈرات میں بدل دیا گیا۔دمشق سے فارغ ہو کر ہلاکو خان الرہا (عدیسہ) کی جانب بڑھا اور وہاں بھی قبضہ کے بعد اپنی عادت کے مطابق تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا۔الرہا کو کھنڈرات کا شہر بنانے کے بعد وہ نصیبین کی جانب آیا اور سابقہ روش دہرائی۔وہاں سے نکل کر اس نے حرآن کا محاصرہ کر لیا۔اہل حرآن نے ہلاکو خان کی پے در پے کامیابیوں اور سفاکانہ غارتگری کو دیکھتے ہوئے صلاح و امان کے لئے کوشش کی۔ہلاکو خان نے انہیں امان دیتے ہوئے شہر کے تمام دروازے کھولنے کا حکم دیا۔اہل حرآن نے امان پاتے ہی خود کو اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا اور پھر دروازے کھلتے ہی ہلاکو خان نے بدعہدی سے کام لیا اور تاتاری سپاہیوں کو قتل عام کا حکم دے دیا اور ہنستے بستے شہر حرآن کو بھی ماضی کا مزار بنا دیا گیا۔ہلاکو خان کی پیش قدمی اور سفاکانہ طریقہ کار سے مسلمانوں میں دہشت کی فضا چھا چکی تھی، کسی میں بھی تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ہلاکو خان بلادِ شام اور بلادِ شرقیہ کی تسخیر کے بعد بلادِ فلسطین میں داخل ہو گیا۔وہ زمین کے آخری سرے تک اپنی ہیبت کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ارضِ فلسطین میں نصاریٰ اس کے حلیف بن گئے اور مسلمانوں کو چن چن کر ہلاک کیا گیا۔ہلاکو خان نے بغداد کی تسخیر کے صرف دو سال بعد تمام بلادِ شام اور بلادِ شرقیہ کو روند ڈالا تھا۔وہ بے لگام گھوڑے کی

مانند جدھر چاہتا منہ اُٹھا کر چل پڑتا۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ اپنے ذہن پر پورا زور دینے کے باوجود اس اجنبی کو پہچاننے میں ناکام رہی۔اجنبی کے چہرے پر مسکراہٹ بدستور موجود تھی۔اس کا رویہ کچھ ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ گل وقوژ کو اس سے خوف محسوس ہوتا۔کمرے میں چھایا ہوا جمود بالآخر ٹوٹا۔

''تم یقیناً مجھے نہیں جانتی کیونکہ تمہاری میرے ساتھ کبھی ملاقات نہیں ہوئی البتہ میں تمہیں بخوبی جانتا ہوں کہ تمہارا نام گل وقوژ ہے۔تم منگول سردار تونائی خان کی بیٹی ہو۔تمہیں تمہارے باپ کے جرم میں زنداں خانے میں بند کر دیا گیا تھا اور جب تمہاری رہائی قریب تھی تو تمہیں پُراسرار انداز میں قبیلہ سرخ غر میں پہنچا دیا گیا۔تمہارے سوتیلے ناناسنک آنہ نے تمہیں کوہ سرخ غر کے دامن میں آخری رسم کی سزا دی''۔وہ بولتے ہوئے یکدم خاموش ہو گیا۔گل وقوژ اس کی آگاہی پر تصویرِ حیرت بنی بیٹھی رہی۔

''مگ.....مگ .....مگر تم کون ہو.....؟'' گل وقوژ بمشکل بولی۔اسے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے محسوس ہوئے۔اجنبی اس کے لہجے سے بھانپ گیا۔اس نے تیزی سے ایک کونے میں پڑی طلائی صراحی اُٹھائی اور کوزے میں پانی انڈیل کر اس کی جانب بڑھا دیا۔گل وقوژ نے جھجکتے ہوئے انداز میں اس کے ہاتھ سے پانی کا کوزہ لیا اور کچھ توقف کے بعد اسے اپنے لبوں سے لگا لیا۔اجنبی ایک بار پھر دھیمے سے مسکرا دیا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا''۔

''میرا نام شیخ کبیر الدین ہے''۔

''میرے لئے یہ نام نیا ہے، تم وضاحت کرنا پسند کرو گے کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو اور اُس غار سے یہاں کیوں لائے ہو.....؟'' گل وقوژ شاید اب خود کو کسی بھی نئی صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے پوری طرح تیار کر چکی تھی۔

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ تمہیں یہ بتایا جائے کہ میں تمہیں کیسے جانتا ہوں لیکن پھر بھی میں تمہیں اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہوں گا۔میں نے تمہیں پہلی بار ازقائی قبیلے میں دیکھا تھا۔میں وہاں اپنے خاص کام سے گیا ہوا تھا۔شاید میں تمہیں اتنی اہمیت نہ دیتا مگر سردار مانجی خان کے جسم میں خنجر اتارنے کا تمہارا وہ انداز مجھے بے حد بھایا تھا۔میں نے اسی وقت یہ ٹھان لیا کہ تم ہی وہ عورت ہو جس میں میری شریکِ حیات بننے کی اہلیت موجود ہے۔اس دن کے بعد کے واقعات مجھے ایسے معلوم ہوئے کہ میں سائے کی مانند تمہارے پیچھے پیچھے رہا۔میں چاہتا تو اس دن تمہاری گرفتاری ہی عمل میں نہ آنے دیتا مگر میں تمہارے بارے میں مزید معلوم کرنا چاہتا تھا، دوسرا مجھے تمہاری اچانک گرفتاری پر خود بھی حیرت تھی۔بعد میں حالات سے آشنائی کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ تمہیں ہر حال میں قبیلہ سرخ غر سے نکال لوں گا''۔

گل وقوژ اس کی باتیں سن کر سناٹے میں آ گئی۔اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اجنبی یوں اپنی خواہش کا برملا اظہار کر دے گا۔شیخ کبیر الدین کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے گل وقوژ کے ردعمل کی پرواہ نہیں تھی۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہاری خواہشات کے مطابق زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گی.....؟'' گل وقوژ پھنکارتی ہوئی بولی۔

''گل وقوژ.....! مجھے اس قسم کی فضولیات میں پڑنے کی عادت نہیں ہے۔مجھے جو چیز پسند آ جائے میں

اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتا ہوں۔ میں نے تمہیں دیکھا اور پسند کر لیا، اب تمہیں پا بھی لیا ہے۔ تم قبیلہ سرخ غر کے خیال کے مطابق مر چکی ہو''۔

''اسے پانا نہیں کہتے، سیدھے لفظوں میں کہو کہ تم نے مجھے اغوا کر کے قید میں رکھا ہوا ہے''۔ گل وقوژ لفظ چبا کر بولی۔

''یونہی سہی......!'' شیخ کبیر نے کندھے اچکائے۔ گل وقوژ اس کے انداز پر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''کیا میں اس وقت سرائے میں ہوں......؟'' گل وقوژ نے اچانک سوال کیا۔

''مجھے اس سوال کی بڑی دیر سے توقع تھی، تمہیں یہ جان کر شاید دکھ ہو کہ تم اس وقت سرائے سے ہی نہیں منگولوں کی سرزمین سے بھی ہزاروں کوس دور پہنچ چکی ہو۔ یہ دشوار گذار پہاڑی سلسلے میں بنایا گیا قدیم قلعہ ہے جہاں تم اس وقت موجود ہو''۔

گل وقوژ اس کی بات پر چونک پڑی۔ جانے کیوں اسے شیخ کبیرالدین کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی تشویش دیکھ کر شیخ کبیرالدین نے خود سلسلہ کلام جوڑا۔

''تم بے فکر رہو، میں جلد ہی تمہیں باہر کی دنیا کی سیر بھی کراؤں گا پھر تمہیں میری بات پر یقین آ جائے گا کہ تم اس وقت کہاں موجود ہو''۔

''میں واپس سرائے جانا چاہتی ہوں''۔ گل وقوژ ہمت کر کے بولی۔

''میرے خیال میں تم اتنی بھی نادان نہیں ہو کہ میں تمہاری بات مان لوں گا''۔

''تم میرے ساتھ کچھ ایسا ویسا نہیں کر سکتے......؟'' گل وقوژ کے لرزتے چہرے پر گہرے خدشات بکھر گئے۔

''یہ تو میری مرضی پر منحصر ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا''۔ شیخ کبیرالدین زہریلے لہجے میں بولا۔ گل وقوژ کو یوں لگا کہ جیسے وہ اس کے سامنے بالکل بے بس ہو چکی ہو۔ اس کی ساری قوت و توانائی اس کے جسم سے زائل ہو گئی ہو۔ شیخ کبیرالدین اس کے متغیر چہرے پر طنزیہ نگاہ ڈالتا ہوا مڑا اور دھیرے سے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ گل وقوژ یوں ساکت و جامد بیٹھی تھی جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ شیخ کبیرالدین دروازے کے پاس پہنچ کر رکا اور مڑتے ہوئے بولا۔

''اس کمرے میں داخلے اور باہر جانے کا راستہ صرف یہ ایک ہی ہے اور کوئی دوسرا چور دروازہ موجود نہیں جس کے ذریعے تم فرار ہو سکو۔ تم خود کو میری فرمائش کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لو۔ میں تمہیں صرف ایک ماہ کی مہلت دوں گا۔ اگر مقررہ مدت گذر جانے کے بعد بھی تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے میں ناکام رہی تو مجھے اپنی بات منوانے کے دوسرے تمام طریقے بخوبی معلوم ہیں''۔

شیخ کبیرالدین نے اسے سخت لہجے میں متنبہ کیا اور اگلے لمحے کسی جواب کا انتظار کئے بغیر دروازے سے باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ گل وقوژ خاموشی سے دروازے کی جانب گھور رہی تھی۔ اسے شیخ کبیرالدین کی گیدڑ بھبکی کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں تھی بلکہ اسے تو یہ پریشانی لاحق تھی کہ اگر شیخ کبیرالدین کے کہنے کے مطابق وہ واقعی منگولوں کی سرزمین سے اتنی دور پہنچ چکی ہے تو اس کی واپسی کیسے ممکن ہو گی......؟

❁ ❁ ❁

بیبرس جب قاہرہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ کم سن سلطان الملک المنصور کی معزولی کے بعد سیف الدین محمود قطوزی کو بلادِ مصر کا نیا سلطان منتخب کر لیا گیا ہے۔ بیبرس کو اس نئی تبدیلی سے کوئی غرض نہیں تھی کیونکہ وہ عام

سالار تھا۔ امورِ جہانبانی کے پیچیدہ داؤ اور الجھاؤ اس کی سر درد نہیں تھے۔ اسے قاہرہ میں بھی ہر طرف بے چینی اور خوف کی فضا دکھائی دی۔ بغداد اور بلادِ شرقیہ سے لوگ ہجوم در ہجوم بلادِ مصر چلے آ رہے تھے۔ ہر آنے والا قافلہ تاتاریوں کے ظلم و ستم کی نئی داستانیں ساتھ لا رہا تھا۔ دن بدن تاتاریوں کی پیش قدمی اور ہنستے بستے شہروں کی تباہی کا حال بلادِ مصر پہنچ رہا تھا۔ اُجڑے اور بدحال مسلمانوں کے قافلوں کی آمد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ بلادِ مصر کو محفوظ خیال کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ تاتاریوں کے لئے یہ مقام خاصا دور تھا اور ان دونوں کے درمیان بلادِ فلسطین میں موجود ریگستان کا پھیلا ہوا علاقہ حائل تھا۔

قاہرہ پہنچنے کے بعد بیبرس نے سب سے پہلے امیر فارس الدین اقطائی سے ملاقات کی جو کہ مصری مملوک افواج کا سالارِ اعلیٰ تھا۔ بیبرس نے اس کے ساتھ تاتاریوں کی ہلاکت خیزی اور بغداد کی تباہی کے بارے میں تفصیلی بات چیت کی اور اس پر زور دیا کہ وہ سلطان الملک المظفر پر زور دے کہ مصری افواج کو بلادِ شام و شرقیہ کی جانب روانہ کیا جائے تاکہ تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکا جا سکے۔ امیر فارس الدین اقطائی نے بیبرس کی تجویز کو ناقابلِ عمل قرار دیا اور یہ جواب دیا کہ سلطان الملک المظفر اس امر کی اجازت کبھی نہیں دے گا کہ مصری افواج کو بلادِ شرقیہ میں بھیجا جائے۔ بیبرس اس کی بات سن کر بجھ سا گیا۔ امیر فارس الدین اقطائی نے اس کی مایوس صورت دیکھی تو اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں سلطان الملک المظفر سے بات کرے گا۔ بیبرس نے اس کی بات پر خواہش ظاہر کی کہ وہ اگر اس کے سامنے سلسلہ چھیڑے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ امیر فارس الدین اقطائی نے بیبرس کو ہدایت کی کہ یہ معاملہ خلوت میں چھیڑا جانے والا نہیں ہے، وہ اسے کل شاہی دربار میں مناسب موقع پا کر چھیڑے گا لہٰذا بیبرس دوسرے امراً کو بھی اپنی بات پر قائل کر لے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ سلطان الملک المظفر دوسرے درباری امراً کے اصرار پر اس سلسلے میں غور کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ بیبرس نے امیر فارس الدین اقطائی کا شکریہ ادا کیا اور اپنی دوستی کا واسطہ دیا کہ وہ اس معاملے میں پہلوتہی سے کام نہ لے۔ امیر فارس الدین اقطائی نے اس کی ڈھارس بندھائی اور اس کے جذبے کو سراہا۔

دوسرے دن شاہی دربار میں جب سلطان الملک المظفر سیف الدین محمود قطوزی موجود تھا تو امیر فارس الدین اقطائی نے بیبرس اور دیگر امراً کی موجودگی میں تاتاریوں کا معاملہ چھیڑ دیا۔ تاتاریوں کا ذکر شروع ہوتے ہی دربار میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ درباری امراً کے کھلے ہوئے چہرے پل بھر میں ہراساں دکھائی دینے لگے۔ کئی امراً نے بے موقع تاتاریوں کا ذکر چھیڑنے پر امیر فارس الدین اقطائی کو دل میں برا بھلا کہا۔

''امیر فارس الدین...... !تمہارا اشارہ جس جانب ہے ہم اسے بخوبی سمجھ سکتے ہیں ذرا صبر سے کام لو ابھی وہ وقت نہیں آیا''۔ سلطان الملک المظفر نے جواب دیا۔

''سلطان محترم......!'' فارس الدین اقطائی نے کہا۔ ''بغداد اور بلادِ شرقیہ کے متاثرہ شہروں کی حالتِ زار پر محض آنسو بہانے یا ڈھارس بندھا دینے سے مسلمانوں کی حفاظت نہیں کی جا سکتی ہے۔ ہمیں اس امر کی ضرورت ہے کہ خود آگے بڑھ کر تاتاری یورش کا راستہ روکیں اور ان کے ناپاک عزائم ناکام بنا کر انہیں واپس لوٹنے پر مجبور کریں''۔

''میں تم سے زیادہ بہتر انداز میں تاتاریوں کو سمجھ سکتا ہوں ان پر آگے بڑھ کر حملہ آور ہونا سراسر خودکشی کے مترادف ہو گا اور میں بلادِ مصر کے مسلمانوں کو ایسی خودکشی کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا''۔ سلطان الملک المظفر نے جواب دیا۔

''سلطان محترم...... !'' بیبرس خاموش نہ رہ پایا۔ ''مسلمان صرف بلادِ مصر میں نہیں بستے، بلادِ شرقیہ اور

شام میں بسنے والے بھی مسلمان ہیں۔ ان کی حفاظت کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ کل تک امیر المومنین خود موجود تھے مگر آج ایسا نہیں ہے۔ لوگ ہر اس سلطان کی جانب ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں جو عسکری اہلیت کا حامل ہے اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار سونپا ہے تو آپ بھی اس کی مخلوق کی حفاظت میں پوری تندہی کا مظاہرہ کیجئے''۔

''مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں ہے بیبرس......!'' سلطان الملک المظفر کا لہجہ سخت تھا۔ ''شاید تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہوں مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ تاتاریوں کا بھی کوئی خوف میرے دل میں نہیں ہے۔ میں صرف اس امر کو وجود میں آنے سے روک رہا ہوں جو ماضی میں بار بار ہماری تباہی کا موجب بنتا آیا ہے۔ اگر سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہی حکومت کا خیر خواہ ہوتا تو وہ تاتاریوں کو اپنی سلطنت میں گھسنے کا موقع نہ دیتا۔ چنگیز خان نے حق و انصاف کے نام پر ان مجرموں کو طلب کیا تھا جو بدعہدی کے مرتکب ہوئے تھے۔ سلطان علاء الدین محمد نے طاقت و غرور کے نشے میں وحشی تاتاریوں کو بے ننگ و بے مرام سمجھا اور ان کے خروج کو معمولی سمجھا۔ تاتاریوں کو چھیڑنا اس کے لئے عذاب بن گیا۔ سلطنت ختم ہوگئی۔ بارونق اور تہذیب یافتہ شہر کھنڈرات میں بدل گئے۔ کیا تم لوگ بھی یہ چاہتے ہو کہ میں ان لوگوں کو دعوت مبارزت دے کر ان کا رُخ بلادِ مصر کی جانب پھیر دوں تاکہ وہ دندناتے ہوئے یہاں پہنچیں اور بلادِ مصر کے حسن و رونق کو بھی داستان پارینہ بنا ڈالیں''۔

''سلطان محترم......! اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ انہیں بالکل ہی بے لگام چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں چاہیں اپنے جارحانہ قوانین کے مطابق تباہی و بربادی پھیلاتے رہیں''۔ امیر فارس الدین اقطائی نے احتجاج کیا۔

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان پر چڑھائی کر کے انہیں دبا لو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ وہ تعداد میں تم سے کئی گنا زیادہ ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کے سامنے موجود سپاہی ان کی سفاک صورتیں دیکھ کر ہی ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ خوفناک اور بدشکل ہیں بلکہ اُن کے چہروں پر ملک الموت کی مہریں ثبت ہیں۔ تاتاری انسانی مخلوق نہیں ہیں، وہ عذاب الٰہی ہیں''۔ سلطان الملک المظفر نے کہا۔

''سلطان محترم......! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کل جب تاتاری لشکر بلادِ مصر کی جانب بڑھیں گے تو آپ انہیں خوش آمدید کہہ کر تخت و تاج ان کے قدموں میں ڈال دیں گے اور قوم کو یہ کہہ کر قتل ہونے کی ہدایت کریں گے کہ عذاب الٰہی کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا خاموشی سے اپنی جانیں تاتاریوں کے حوالے کر دو''۔ بیبرس کا لہجہ بے حد جارحانہ تھا۔

''بیبرس آداب شاہی کو ملحوظ رکھو۔ تم ایک اچھے سالار ہو اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اتنے معمولی جرم پر قتل کی سزا سناؤں''۔ سلطان الملک المظفر اپنا غصہ دباتا ہوا بولا۔

''سلطان محترم......! میں بیبرس کی گستاخی پر معذرت خواہ ہوں''۔ امیر فارس الدین اقطائی جلدی سے بولا۔ ''آپ چونکہ لگاتار بیتے ماضی کی بات کر رہے ہیں جس پر کسی بھی جذباتی مسلمان کا طیش میں آ جانا بے موقع نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کا کہنا درست ہو مگر اس سے پہلے کہ جب اس عذاب کا رُخ ہماری جانب مڑ جائے، ہمیں اس سے نبٹنے کے لئے کوئی نہ کوئی لائحہ عمل تجویز کر لینا چاہئے''۔

''میں دربار میں موجود ہر شخص کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ وہ بے فکر ہو کر گھر جائے، وقت پڑنے پر میں خود میدان میں اتروں گا۔ پہل کرنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ اگر آج ہم نے ایسا کوئی قدم اُٹھایا تو ہلاکو

خان کو فوراً اس کی بھنک پڑ جائے گی اور اس کے لشکر بلادِ شرقیہ کو چھوڑ چھاڑ کر بلادِ مصر پر چڑھ دوڑیں گے۔ ہمیں ابھی اس امر کا انتظار کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور تاتاریوں کے درمیان کیا فیصلہ کیا ہے......؟'' سلطان الملک المظفر نے کہا۔

''سلطان محترم......! جب تک آپ کسی عملی قدم کا حکم جاری نہیں فرمائیں گے تو کیسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا امر کیا ہے......؟'' ایک درباری نے اُلجھے لہجے میں عرض کیا۔

''میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب چنگیز خان نے خوارزم شاہی ریاست پر حملہ کیا تو وہ بلادِ عراق کی سرحدوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ممکن ہے کہ ہلاکو خان بھی بلادِ شرقیہ تک ہی محدود رہے اور اس کا مزید پیش قدمی کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ جب تک وہ خود اپنے عزائم کا اظہار نہیں کرتا، ہمیں خاموش رہ کر دانشمندی کا ثبوت دینا ہوگا۔ اگر ہلاکو خان بلادِ شرقیہ کی فتح کے بعد مطمئن ہو جائے تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اسے خود دعوت دی جائے کہ بلادِ شرقیہ کے دوسری جانب بلادِ مصر بھی اس کے منتظر ہیں''۔

''سلطان محترم......! بات بلادِ مصر کی نہیں تھی بلکہ ان مسلمانوں کی کی جا رہی ہے جو تاتاریوں کے ہاتھوں تختۂ مشق بن رہے ہیں اور ان وحشیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہونے والے لوگوں کو ہماری مدد کی اشد ضرورت ہے۔ اپنے دین کی خاطر ہمیں فوری طور پر ان کی مدد کے لئے اُٹھنا ہوگا''۔ بیبرس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔

''تم لوگ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے ہو، تم اپنے تئیں یہ کیوں قیاس کئے بیٹھے ہو کہ میرے دل میں اُن ستم زدہ بھائیوں کے لئے جذبہ ہمدردی موجود نہیں ہے۔ میں ان کی مدد کرنا چاہتا ہوں مگر یہاں بسنے والوں کا حق مجھ پر زیادہ ہے، انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور مجھے سلطنت کا سارا انتظام سونپ دیا ہے۔ میں انہیں کسی ایسے خطرے سے دوچار نہیں کرنا چاہتا کہ وہ ساری زندگی مجھے بددعائیں دیتے رہیں اور خود بھی پچھتاوے کی آگ میں جلتے رہیں۔ تاتاریوں پر یلغار کرنے کا سیدھا مطلب یہی ہے کہ ان کو بلادِ مصر میں باقاعدہ دعوت دے دی جائے''۔

''سلطان محترم......!'' ایک درباری امیر نے مداخلت کی۔ ''آپ اگر یہ یقین کئے ہوئے ہیں کہ تاتاری اس جانب کا رُخ کبھی نہیں کریں گے تو یہ سوچ غلط ہوگی۔ تاتاریوں کا بغداد اور پھر بلادِ شام و شرقیہ کی طرف پیش قدمی کرنا یہی ظاہر کرتا ہے کہ آنے والے دنوں میں وہ ضرور بلادِ مصر کو نگلنے کی کوشش کریں گے''۔

''تم لوگ اطمینان رکھو۔ تمہارے سلطان کو شمشیر زنی کا فن بخوبی یاد ہے۔ جب کوئی تاتاری ہماری جانب آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرے گا تو اس وقت اسے ایسا بھرپور جواب دیا جائے گا کہ تاتاری ہمیشہ کے لئے پیش قدمی کے اسباق بھول جائیں گے''۔ سلطان الملک المظفر نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

''یعنی ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ بلادِ شرقیہ کے مسلمانوں کے کندھوں سے کندھے ملانے سے کترا رہے ہیں......؟'' بیبرس نے تلخی سے کہا۔

''میں تمہارے جذبات سے خوب واقف ہوں مگر میں اپنی رعایا کو کسی بھی کڑے امتحان میں ڈالنے سے گریز کروں گا۔ تم بے فکر رہو جب تاتاری اس جانب رُخ کریں گے تو میں اس ذمہ داری کا حصہ دار تمہیں ضرور بناؤں گا''۔ سلطان الملک المظفر نے یہ کہہ کر دربار برخاست کرنے کا حکم دے دیا۔ وہ بحث کو مزید طول نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اس نے دربار میں موجود امراً کے طبقے میں ان کے چہروں پر ناپسندیدگی کے تاثرات پڑھ لئے تھے۔

یہ حقیقت تھی کہ امراً کا ایک طبقہ سلطان الملک المظفر کی اس دُہری روش سے سخت مایوس ہوا تھا۔ ان میں زیادہ تر مملوک امراً شامل تھے۔ چونکہ ان لوگوں کی تربیت شروع سے ہی عسکری انداز پر کی گئی تھی، اس لئے

ان کی نگاہ میں دشمن کو خواہ مخواہ نقصان پہنچانے کا موقع دینا سراسر حماقت کے مترادف تھا۔ مملوک امرأ کے علاوہ مصری امرأ بھی اپنے سلطان کی اس مصلحت پر ناخوش تھے ان میں خصوصاً وہ لوگ شامل تھے جو ماضی میں ایوبی سلطانوں کے شانہ بشانہ صلیبی لشکروں سے نبرد آزما رہ چکے تھے۔

بیبرس کو سلطان الملک المظفر کے رویئے سے سخت مایوسی ہوئی۔ وہ جو کچھ سوچ کر واپس قاہرہ لوٹا تھا، سب کچھ اس کے برعکس ہو رہا تھا۔ اس کے پاس تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا جذبہ بے تحاشا تھا مگر عسکری قوت سلطان الملک المظفر کے پاس محکوم تھی۔ اُس کے ہر حکم کی پیروی کرنا اس کی مجبوری بن چکا تھا۔ امیر فارس الدین اقطائی نے بیبرس کو دربار سے نکلنے کے بعد سمجھانے کی کوشش کی مگر بیبرس ناکامی کے غم میں اس قدر نڈھال تھا کہ وہ اس کی بات سنے بغیر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ کسی ایسی جگہ جانا چاہتا تھا جہاں اُسے دو پل سکون کے نصیب ہو جاتے۔ بلادِ شرقیہ کے سلطان الملک الناصر اور بلادِ مصر کے سلطان الملک المظفر میں اسے کوئی فرق دکھائی نہیں دیا۔ دونوں کی سوچ غلط اور ناپختہ تھی۔ سلطان الملک الناصر اپنی ہٹ دھرمی کے باعث تاتاریوں کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچ چکا تھا۔

سلطان الملک المظفر کی بدستور خاموشی سے تاتاریوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ وہ بلادِ فلسطین پر غارتگری میں سابقہ حدیں بھی پار کر گئے۔ بلادِ فلسطین میں کسی بڑے مدمقابل کو نہ پا کر وہ اب بلادِ مصر کی جانب دیکھنے لگے، جو چھوٹے سے ریگستان کے دوسری جانب بڑا خوشحال اور سرسبز خطہ تھا۔ تجارت کی غرض سے اس جانب آنے والے تاتاری تاجروں نے ہلاکو خان کے سامنے اس سرزمین کی تعریف و توصیف میں ایسے قلابے ملائے کہ وہ بھی سنجیدگی سے اس جانب پیش قدمی کے بارے میں سوچنے لگا۔

❀❀❀

قوئنا جو خان کو اُس بے کار سے ٹکڑے کے پیچھے یوں بھاگتا دیکھ کر مطیع الدین پریشان ہو گیا۔ وہ اس کی اچانک حرکت کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ اس نے بلند آواز میں اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا مگر وہ پاگلوں کی طرح گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا۔ کپڑے کا ٹکڑا ہوا کی تیزی کے باعث اس کے آگے آگے اُڑتا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے قوئنا جو خان اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہوا میں تیزی کے ساتھ ساتھ برف باری کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ مطیع الدین نے لمحہ بھر میں فیصلہ کر لیا کہ اسے وہاں رُکنے کے بجائے اس کے تعاقب میں جانا چاہئے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو حرکت دی اور دوسرے دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور قوئنا جو خان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ کپڑے کے اس ٹکڑے نے قوئنا جو خان کی کافی دوڑ لگوادی تھی۔ کچھ دور جانے کے بعد مطیع الدین کو قوئنا جو خان زمین پر اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ اس نے تیزی سے گھوڑوں کو اس کی جانب بڑھایا۔ قوئنا جو خان کے قریب پہنچتے ہی وہ چھلانگ لگا کر گھوڑے سے نیچے اترا۔ تینوں گھوڑوں کی باگیں کھینچتے ہوئے وہ قوئنا جو خان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ ہوا کی تیزی اور برف باری کے باعث گھوڑے بری طرح ہنہنا رہے تھے۔ اگر مطیع الدین سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو گھوڑے منہ اُٹھائے کسی بھی طرف بھاگ سکتے تھے۔ مطیع الدین نے قوئنا جو خان کا کندھا ہلا کر اسے اُٹھانے کی کوشش کی۔ کندھے پر دباؤ پا کر قوئنا جو خان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے اپنا چہرہ گھمایا اور مطیع الدین کی جانب دیکھا۔ قوئنا جو خان کا چہرہ سپید دکھائی دے رہا تھا۔ دوڑنے کے باعث اس کی سانس پھول چکی تھی۔ اس نے بمشکل ہاتھ اُٹھا کر اپنی خیریت سے آگاہ کیا۔

''جب تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا بھاری بھرکم جسم تمہیں یوں دوڑنے کی اجازت نہیں دیتا تو کیا پڑی تھی کہ اس کپڑے کے پیچھے بھاگنے کی؟'' مطیع الدین نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''ٹھہرو……! ذرا سانس سنبھلنے دو، ابھی بتاتا ہوں''۔ قوئنا جو خان نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ویسے مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم برف پر بھاگنے میں بھی خاصے ماہر ہو''۔ مطیع الدین نے کہا۔ قوئنا جو خان اس کی بات پر مسکرانے لگا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ اُٹھا اور کپڑوں سے برف جھاڑنے لگا۔

''برف باری بڑھ رہی ہے ہمیں جلد ہی کسی محفوظ مقام پر پہنچنا چاہئے''۔ مطیع الدین نے موسم کی خرابی کو بھانپتے ہوئے کہا۔

''بے فکر رہو……! ہم آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ یہ برف باری زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گی، البتہ اس کے خاتمے پر ہی اصل پریشانی کا آغاز ہوگا''۔ قوئنا جو خان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کیسی پریشانی……؟'' مطیع الدین اس کی بات پر چونک پڑا۔

''سرد ہوا کی پریشانی…… برف باری کے بعد ہمیشہ ایسی سرد ہوائیں اُٹھتی ہیں کہ آدمی ان میں ٹھٹھر کر ہی جان گنوا بیٹھتا ہے۔ میں نے آتے ہوئے راستے میں ایک ایسا مقام دیکھا تھا جہاں ہم کچھ وقت قیام کر سکتے ہیں۔ برف باری کے خاتمے سے پہلے پہلے یقیناً ہم وہاں تک پہنچ جائیں گے''۔ قوئنا جو خان نے اسے آگاہ کیا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اس کپڑے کا کیا بنا جس کے پیچھے تم بھاگے تھے……؟'' مطیع الدین کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ قوئنا جو خان نے اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ کپڑے کا ٹکڑا اس کی مٹھی میں دبا دکھائی دے رہا تھا۔ لہراتے کپڑے کو دیکھ کر مطیع الدین کا تجسس بڑھ گیا۔ اس نے کپڑا قوئنا جو خان کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔ کپڑے کا یہ چھوٹا ٹکڑا خود رومال نہیں تھا بلکہ کسی بڑے کپڑے کا پھٹا ہوا حصہ تھا۔ مطیع الدین نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی جو کسی اہمیت کی حامل ہوتی۔ کچھ نہ پا کر مطیع الدین نے قوئنا جو خان کی جانب متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ قوئنا جو خان سمجھ چکا تھا کہ مطیع الدین بھی اس میں وہ چیز نہیں دیکھ پایا جو اس کی نگاہوں میں آ چکی تھی۔

''اسے اپنے سامنے پھیلا کر اس میں آر پار دیکھنے کی کوشش کرو''۔ قوئنا جو خان نے اسے ہدایت کی۔ مطیع الدین نے کپڑے کے ٹکڑے کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اپنے سامنے پھیلا لیا۔ کپڑے میں دکھائی دینے والی مخصوص چمک سے لمحہ بھر کے لئے اس کی پتلیاں پھیلنے لگیں۔ جس کپڑے کو اس نے غیر اہم سمجھ کر پھینکنے کے لئے کہا تھا، اس میں بڑی حیرت انگیز چیز موجود تھی جو اتفاق سے قوئنا جو خان کو دکھائی دے گئی تھی۔

❀❀❀

الملک المظفر سیف الدین قطوزی بظاہر امرائے مصر اور عمائدین سلطنت کو اپنے بھرپور حفاظتی انتظامات سے مطمئن کر چکا تھا کہ تاتاری فتنہ بلادِ مصر کا رُخ نہیں کرے گا مگر ان کے بڑھتے ہوئے سیل کو دیکھ کر اس کے دل و دماغ میں سنگین خدشات جڑیں پکڑتے جا رہے تھے، اس کے ذہن کے پردوں پر اُس عجیب اور پُرخوف خواب کے مناظر ہر وقت متحرک رہتے۔ یہ وہم بھی اس کے دل میں گھر کر چکا تھا کہ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں، جب اس کا ناطہ ہمیشہ کے لئے رشتۂ حیات سے کٹ جائے گا۔ خواب میں دکھائی دینے والے سفید پرندوں کے غول میں سے نکلنے والا وہ پرندہ جس کی آنکھ میں الملک المظفر کو کرنج کی جھلک دکھائی دی تھی، ہر لمحے ستاتا رہتا۔ سلطان الملک المظفر کی الجھی ہوئی حالت دوسروں کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہ پائی۔ اس کے عمائدین یہ بخوبی محسوس کر سکتے تھے کہ سلطان الملک المظفر روزانہ موصول ہونے والی تاتاریوں کی پیش قدمی کی خبروں کے باعث سخت ہیجان کا شکار ہے اور وہ ہر وقت بلادِ مصر کو متوقع خوفناک تباہی سے بچانے کے لئے گہری سوچ و بچار میں منہمک رہتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی، عمائدین اور امرأ اس کی دربار شاہی میں ذہنی عدم موجودگی پر تبصرہ نہیں کرتے تھے۔

سلطان الملک المظفر نے ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے مملوک افواج کو مکمل تیاری کا حکم دے دیا۔ اُدھر ہلاکو خان ارضِ فلسطین پر قابض ہونے کے بعد تاجروں اور دوسرے حلیفوں سے بلادِ مصر کے جملہ کوائف معلوم کرنے میں مصروف تھا۔ بلادِ شام، بلادِ شرقیہ اور بلادِ فلسطین اس کی بربریت کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ ان علاقوں کی تباہی اور ہلاکو خان کی لگاتار فتوحات کے پیچھے کسی حد تک مسلمان غداروں کا ہاتھ بھی شامل تھا جو ہلاکو خان سے انعام و اکرام پانے کے حریص تھے۔ ہلاکو خان نے انہیں ابن علقمی کی طرح مایوس نہیں کیا بلکہ تباہ حال شہروں کے انتظام کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں تھمادی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ تاتاریوں کو ایسے شہروں میں نہیں رکھنا چاہتا تھا، جن کا حدود اربعہ انہیں صحیح طرح معلوم نہیں تھا۔ بغداد میں تاتاری دستوں کی ہلاکت کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا کہ شہروں کی تباہی اور رعیت کے خاتمے کے بعد انہیں اپنے خاص ''حلیفوں'' کے حوالے کر دینا زیادہ بہتر اقدام ہوگا۔ اس طرح وہ اس کے احسان تلے دبے رہیں گے اور کسی طرح کی سرکشی و شورش کا اندیشہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ یہ طریقہ کار صرف بڑے اور معروف شہروں کے لئے مستعمل تھا جبکہ چھوٹی آبادی والے شہروں اور قصبوں کو سرے سے ہی مٹا دینا تاتاری اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔

بچے کھچے تارکین وطن تیزی سے بلادِ مصر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ قاہرہ ان کی امید کا آخری سہارا تھا۔ تاریخ دانوں نے قاہرہ کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ تارکین وطن کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ مکانات میں ان کے لئے جگہ کم پڑ گئی۔ وہ لوگ گلی کوچوں میں زندگی کے باقی ایام بسر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سلطان الملک المظفر نے تباہ حال تارکین وطن کے لئے مختلف اقدام اُٹھائے۔ ان کی رہائش کے لئے تمام سراؤں اور مسافر خانوں کو مختص کر دیا گیا مگر ان کی بڑھتی ہوئی تعداد نے سب کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر یہ سلسلہ ایسے ہی جاری رہا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ مقامی آبادی کو کھانے پینے کے لالے پڑ جائیں گے۔ ویسے بھی بلادِ مصر اکثر و بیشتر قحط سالی کا شکار رہنے والا خطہ تھا۔ امرأ و عمائدین نے اس مرحلے پر یہ عرض گوش گذار کی کہ باہر سے آنے والے لوگوں کو قاہرہ کے بجائے دوسرے مقامات کی جانب جانے کا حکم دیا جائے۔ سلطان الملک المظفر نے جلد ہی تارکین وطن کو قاہرہ کے اطراف میں منتقل ہونے کا حکم جاری کر دیا۔ اس حکم کی کیا تعمیل ہوتی کہ قاہرہ سے باہر بھی تارکین وطن ہر سُو پھیلے ہوئے تھے۔ شہروں اور قصبوں میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ ان لوگوں کی زبانی جب تاتاریوں کی سفاکی کے قصے عام ہونے لگے تو مقامی رعیت میں خوف و ہراس پیدا ہونے لگا۔ یہ فضا بلادِ مصر کے لئے کسی بھی طرح موزوں نہیں تھی۔ مملوک امرأ نے تیزی سے اس بارے میں عملی اقدام اُٹھائے اور تارکین وطن کو ایسے فسانے سنانے سے سختی سے منع کیا۔ ان سب تدبیروں کے باوجود یہ عالم تھا کہ مقامی اور باہر سے آئے ہوئے لوگ سب روزانہ یہی قیاس آرائیاں کرتے کہ آنے والی صبح کو ضرور تاتاری سپاہی شہر کے باہر گشت کرتے دکھائی دیں گے۔

سلطان الملک المظفر کے لئے یہ حالات کافی پریشان کن تھے، وہ ایک جانب اپنی ذہنی حالت سے نبرد آزما تھا تو دوسری طرف اسے قاہرہ میں پیدا ہونے والی پیچیدگی کا سامنا تھا۔ اسے ہر دم یہ دھڑکا لگا رہتا کہ تارکین وطن کے بھیس میں کہیں تاتاری ہی قاہرہ میں داخل نہ ہو جائیں۔ اس نے کئی حکم جاری کئے۔ جاسوسی کے نظام کو یہاں تک فعال بنایا کہ ہر ساعت کی خبر اس تک پہنچ جاتی۔ طویل عرصے کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ امرائے مصر اور مملوک عمائدین دونوں ہی پورے خلوص و دیانتداری سے سلطان الملک المظفر کا مکمل ساتھ دے رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان اپنے زریں خیل دستوں کی تیاری کے مکمل ہونے کی اطلاع پا کر شاہی محل سے نکل کر عسکری

چھاؤنی کی جانب بڑھ آیا۔ برقائی خان کے پاس ہلاکو خان کی قیامت خیزی کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ ہلاکو خان دین نصرانیت کی خدمت کے نشے میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ برقائی خان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خود آگے بڑھ کر ہلاکو خان کو للکارتا۔ برقائی خان نے اپنے امرأ و عمائدین کو اعتماد میں لے کر ہلاکو خان کو منہ توڑ جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سلطنت اردوئے زریں کے امرأ میں بھی ہلاکو خان کی تباہ کاریوں نے بے چینی کی فضا پیدا کر دی تھی۔ ان کے نزدیک کسی قصور کے بغیر اتنی بڑی تعداد میں خلقت کو قتل کر دینا منگولوں کے نام پر بدنما دھبے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ چنگیز خان کی سلطنت خوارزم پر یورش کے پیچھے انتقامی عنصر غالب تھا جبکہ ہلاکو خان کی اس یورش کے پیچھے انہیں کوئی واضح وجہ دکھائی نہیں دی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ہی بھائیوں اور رشتہ داروں کے خلاف برقائی خان کے پرچم تلے جمع ہو گئے تھے۔

برقائی خان جب فوجی چھاؤنی میں پہنچا تو منگول سپاہی عسکری مشقوں میں مصروف دکھائی دیئے۔ یہ چھاؤنی کیا تھی؟ سرائے شہر کے باہر ایک بڑا پتھریلا میدان تھا جہاں زرد خیموں کا بڑا شہر آباد تھا۔ سرائے میں پختہ مکانات کی کمی کے باعث زیادہ تر لوگ خیموں میں ہی مقیم تھے اور بازار بھی خیموں کی قطاروں میں واقع تھے۔ شہری آبادی کے خیموں کے رنگ عموماً سفید اور خاکی تھے۔ صرف شاہی عمائدین اور چھوٹے سرکاری دفاتر کے خیموں کا رنگ زرد تھا، کسی عام شہری کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ زرد رنگ کے خیموں کا استعمال کرے۔

برقائی خان کی چھاؤنی میں آمد کی خبر پا کر منگول سپہ سالار عبداللہ انائی خان تیزی سے اس جانب لپکا۔ عبداللہ انائی خان تھوڑا عرصہ پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ یہ برقائی خان کے باپ توشی خان کا وفادار امیر تھا۔ اس نے ہند و عجم میں ہونے والے جنگی معرکوں میں اپنی قابلیت و شہ زوری کے جوہر دکھائے تھے۔ برقائی خان کے حکمران بننے پر وہ بغیر کسی دباؤ کے مسلمان ہو گیا اور برقائی خان کو عبداللہ انائی خان کا انداز اس قدر بھایا کہ اس کے بے لوث جذبے کو سراہتے ہوئے اُسے اردوئے زریں کی تمام افواج کی کمان سونپ دی۔

''قاآن اعظم کو خادم خوش آمدید کہتا ہے''۔ عبداللہ انائی خان نزدیک پہنچتے ہوئے بولا۔

''تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، میں ہر قیمت پر کل صبح نکل جانا چاہتا ہوں''۔

''میں نے سب انتظامات مکمل کر دیئے ہیں، ہم کل صبح روانہ ہوں گے اور انشاءاللہ سات دن میں سمرقند پہنچ جائیں گے۔ سمرقند پہنچ کر ہمیں مرو کی جانب بڑھنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ مرو پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے، راستے میں کسی مقام پر ہلاکو خان سے سامنا ہو جائے''۔ عبداللہ انائی خان نے بتایا۔ برقائی خان اس کی بات پر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''قاآن اعظم! میں نے سپاہیوں کو خاص تیاری کروائی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہماری توقع سے کہیں تیز رفتاری سے سفر کریں گے۔ تمام بیمار اور سست رفتار گھوڑے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں، آپ کا ساتھ پا کر سپاہیوں میں خاصا جوش دیکھنے میں آرہا ہے''۔

''وہ سب ٹھیک ہے، تمہیں مخبروں کو پوری طرح چوکس رکھنا ہوگا، مجھے اندیشہ ہے کہ ہمیں دو حریفوں سے بیک وقت نبرد آزما ہونا ہوگا۔ ابھی تک تو بڑے قاآن منگو خان کی جانب سے کسی قسم کی کارروائی کی کوئی خبر نہیں ملی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کے لئے ضرور مداخلت کرے گا''۔

''آپ بے فکر رہیں! میں نے پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ اگر ایل خانی لشکر ہماری جانب بڑھا تو اس سے بھی نبٹ لیا جائے گا۔ ہمارا لشکر دو متوازی حصوں میں سفر کرے گا۔ پہلا حصہ دوسرے حصے سے نصف دن کے فاصلے پر سفر کرے گا۔ اگر کسی مقام پر پہلے حصے کو گھیرنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنے مدمقابل کو اس وقت تک

اُلجھائے رکھے گا کہ دوسرا حصہ عقب میں مدد کے لئے پہنچ جائے''۔

''اگر پہلا حصہ خیریت سے نکل گیا اور دوسرا حصہ زد میں آ گیا تو......؟''

''دوسرے حصے کے اطراف میں تین چھوٹے چھوٹے دستے پھیل کر سفر کریں گے، ان کے پاس مخصوص بگل موجود ہیں جو کسی قسم کے خطرے کے پیش نظر بجائے جائیں گے جس سے تینوں دستے اور مرکزی حصہ باخبر ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ تمام راہوں میں مخبروں کا جال بچھا دیا گیا ہے، کوئی بھی خبر پاتے ہی وہ تمام فوج کو مطلع کر دیں گے۔ اس کے لئے پیغام رساں پرندوں کی تیاری بھی مکمل کر لی گئی ہے''۔

برقائی خان نے مزید کئی سوالات کئے، جب وہ پوری طرح مطمئن ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فتح و نصرت کے لئے عاجزی و انکساری سے دعا کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ واپس اپنے محل کی جانب بڑھ گیا، وہ ریاستی انتظام کے لئے کچھ ضروری اقدامات کرنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی راستے میں ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ بڑے قاآن اعظم منگو خان کا چھوٹا بھائی ارق بوقا خان شاہی محل میں اس کا منتظر ہے۔ برقائی خان یہ اطلاع پا کر لمحہ بھر کے لئے دنگ رہ گیا۔ ارق بوقا خان کے بارے میں اسے یہ خبر ملی تھی کہ وہ ہلاکو خان کے ساتھ عراق و عجم میں موجود ہے اور بغداد کی تباہی میں بھی بطور سپہ سالار شامل رہا ہے۔ ارق بوقا خان، قاآن اعظم منگو خان کی جانب سے ترک و سلجوق قبائل پر حکمران تھا۔ اس کا دوسرا بھائی کبلا خان ترکستان اور گرجستان کے علاقوں پر حکمران تھا جبکہ ہلاکو خان عجم و فارس پر مقرر تھا۔ اس امر پر مؤرخین کا کہنا ہے کہ تمام بڑے مناصب پر قاآن اعظم منگو خان کے ساتوں بھائیوں کے قبضے نے بھی منگول امراء و عمائدین کی وفاداری میں دراڑیں ڈال دی تھیں۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کپڑے کے اس ٹکڑے کو باریک بینی سے دیکھ رہا تھا۔ اس پر کوئی دھندلی دھندلی تحریر دکھائی دے رہی تھی۔ اس تحریر کو لکھنے میں کسی قسم کی سیاہی کا استعمال نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ پہلی نظر میں پانی سے لکھی دکھائی دیتی تھی۔ مطیع الدین نے اسے پڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ فونا جو خان اس کی جانب مشتاق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اللہ کی قسم! یہ چیز واقعی میرے لئے کسی عجوبے سے کم نہیں ہے''۔ مطیع الدین بے اختیار ہو کر بولا۔ فونا جو خان اپنی کاوش پر مسرور دکھائی دینے لگا۔ مطیع الدین کی نگاہ جب اس کے فاخرانہ انداز پر پڑی تو وہ رہ نہ پایا۔

''موٹے! تو پہلے سے ہی اتنا فربہ ہے، یوں اظہار فخر میں منہ پھلا کر کیوں اپنے جثے پر بدنامی کی مہر لگانے پر تلا ہے''۔

''دیکھو مطیع الدین! ایک تو میں نے اتنی محنت سے تمہارے لئے کام کی چیز گم ہونے سے بچائی ہے اور تم میرا شکریہ ادا کرنے کے بجائے بے ہودگی پر اتر آئے ہو''۔

''میں نے تم سے کوئی استدعا تھوڑی کی تھی کہ اس بے کار سے کپڑے کے پیچھے یوں لپکو''۔

''یہ بے کار کپڑا ہے! لاؤ ادھر مجھے دو، میں اس کا بندوبست کرتا ہوں''۔ فونا جو خان نے تیزی سے کپڑے کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور دوسرے لمحے اسے ہوا کے دوش پر آزاد چھوڑ دیا۔ ہوا کی تیزی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ کپڑا فونا جو خان کے ہاتھوں سے آزاد ہوتے ہی ایک بار پھر تیزی سے ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ مطیع الدین اس کی غیر متوقع جسارت پر جھنجھلا کر رہ گیا۔

''ہوا کی خنکی اگلے چند گھنٹوں میں ناقابل برداشت ہو جائے گی، میرا خیال ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ تاکہ ہم طوفان کی آمد سے پہلے سرائے پہنچ جائیں''۔ فونا جو خان نے اطمینان بھرے لہجے میں اسے صلاح دی۔

''فونا جو! تم کسی وقت ایسی بے ہودگی کرتے ہو کہ بس......!'' مطیع الدین ہونٹ کاٹتا ہوا بولا۔ وہ اپنی مٹھیاں بھینچتا ہوا جست لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے فونا جو خان کی پرواہ کئے بغیر ہی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے کی جانب نکل گیا۔ فونا جو خان اس کی حرکت پر مسکرا دیا۔ دوسرے لمحے وہ بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سامان والے گھوڑے کو ساتھ لئے وہ مطیع الدین کے عقب میں بڑھنے لگا۔ کافی دیر بعد اسے مطیع الدین کا ہوا سے باتیں کرتا گھوڑا دکھائی دیا۔ موسم خراب ہو رہا تھا۔ اب یخ بستہ ہواؤں میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی ژالہ باری شروع ہو گئی۔ مطیع الدین نے فونا جو خان کی جانب دیکھ کر اشارہ کیا کہ اسے مزید تیز رفتاری اختیار کرنا چاہئے۔ موسم اس قدر بگڑ چکا تھا کہ اب ان کے پاس یہ صورت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کسی محفوظ مقام پر ٹھہر کر اپنے خیمے نصب کر لیتے۔ تیز ہوائیں انہیں سرائے کی جانب دھکیلنے میں مدد کر رہی تھیں۔ گھوڑے بھی موسم کی خرابی کے پیش نظر بے قابو ہونے لگے۔ وہ برف کے میدان کو کاٹتے ہوئے بالآخر اس کے کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں ہواؤں کی شدت میں معمولی کمی محسوس ہوئی۔ کئی گھنٹوں کی مسلسل مسافت کے بعد وہ سرائے شہر کے قریب پہنچ گئے۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ دونوں تاریکی میں شہر میں داخل ہوئے۔

سرائے شہر میں ایک نئی تبدیلی دیکھ کر مطیع الدین چونک پڑا۔ اسے خیموں کی قطاروں کے ساتھ ساتھ لمبے لمبے بانس نصب دکھائی دیئے۔ بانسوں کا یہ سلسلہ گنجان تھا۔ ان بانسوں کے سروں پر کافی مقدار میں جھاڑ جھنکار لپٹی ہوئی تھی۔ بانسوں کے نچلے حصوں پر روشن مشعلوں کو اس ترتیب سے لگایا گیا تھا کہ ان کی آگ بانس سے خاصی دور تھی۔ طوفانی موسم میں مشعل کی آگ کا مسلسل روشن رہنا مطیع الدین کے لئے کوئی خاص بات نہیں تھی کیونکہ اس میں کچھ ایسے عنصر شامل کئے جاتے تھے جو ہوا کی شدت پر مزید پھیل کر آگ کو برقرار رکھتے تھے لیکن بانسوں کا یہ عجیب سا سلسلہ اس کو حیران کئے دے رہا تھا۔

فونا جو خان نے خیموں پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ کچھ لوگ اسے متحرک دکھائی دیئے جبکہ اکثریت خیموں میں دبکی بیٹھی تھی۔ خیموں کے آخر میں کچھ پکے مکانات تھے جن میں ایک گھر مطیع الدین کا تھا۔ فونا جو خان نے کچھ دیر گزرنے پر مطیع الدین کی جانب دیکھا جو جامد و ساکت کھڑا دکھائی دیا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار دیکھ کر فونا جو خان نے آگاہ کیا۔

''یہ وہی شہر ہے جہاں سے ہم روانہ ہوئے تھے، اگر تمہیں اپنے گھر کا رستہ یاد نہیں رہا تو میں تمہاری تھوڑی بہت رہنمائی کر سکتا ہوں''۔ مطیع الدین اس کی بات پر عالم حیرت سے باہر نکل آیا۔ اس نے فونا جو خان کی بات کا مفہوم سمجھنے پر اس کی جانب دیکھا، پھر کچھ توقف سے بولا۔ ''سرائے میں کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ضرور ہوا ہے؟''

''کہیں تمہارا اشارہ ان بانسوں کی جانب تو نہیں!'' فونا جو خان نے اچانک سوال کیا۔

''تمہارا اندازہ صحیح ہے''۔

''ان بانسوں کی طرف......!'' فونا جو خان ہاتھ جھلاتے ہوئے زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ مطیع الدین اس کی حرکت پر جھنجھلا اُٹھا۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ فونا جو خان اتنی زور سے ہنس رہا تھا کہ خیموں کے قریب لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''اپنی اس تھوتھنی کو قابو میں رکھو ورنہ میں کسی پتھر سے مسل کر اسے مزید چپٹی کر دوں گا''۔ مطیع الدین دانت پیس کر بولا۔

''پھر تو میں مزید فربہ دکھائی دوں گا''۔ فونا جو خان ہنستے ہوئے بولا۔ ''تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایسے بانس خاص مقصد کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ اگر باہر کے کسی لشکر کے حملے کا اندیشہ ہو یا پھر خراب موسم کی شدید

ہواؤں کے جھکڑوں سے بچنے کے لئے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ موسم کتنا بگڑا ہوا ہے۔ ان بانسوں پر لگی جھاڑ سے شدید ہواؤں کا دباؤ کم ہو جائے گا اور خیموں کے اُڑنے کا احتمال بھی نہیں رہے گا''۔

''میرے لئے یہ تجربہ نیا ہے''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں موجود تھے۔ کمرے کے وسط میں بڑا آتش دان روشن تھا۔ مطیع الدین کا باپ نورالدین غصے کے عالم میں انہیں لعن طعن کر رہا تھا جبکہ وہ دونوں گردنیں جھکائے بیٹھے تھے۔ دیر تک نورالدین کمرے میں ٹہل ٹہل کر انہیں برا بھلا کہتا رہا۔ مطیع الدین صرف چند دن کی اجازت لے کر شکار کے لئے روانہ ہوا تھا جبکہ واپسی میں اس نے دو ماہ سے زیادہ عرصہ لگا دیا۔ نورالدین اس کے لئے کئی دن سے پریشان تھا۔ جب وہ اپنے دل کا غبار نکال چکا تو وہ تھک کر ایک جانب بیٹھ گیا۔

''بابا! پہاڑی پر شکار کے دوران کئی بار موسم خراب ہوتا رہا اسی لئے......'' فونتاجو خان نے صفائی پیش کرنا چاہی کہ نورالدین اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

''میں سمجھتا تھا کہ مطیع الدین ہی ناخلف ہے مگر تم بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ یوں بہانے تراشتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی''۔

''بابا! کچھ کھانے کو ملے گا بڑی زور کی بھوک لگی ہے''۔ فونتاجو خان مسمسی صورت بنا کر بولا۔ نورالدین نے اس کی جانب گھور کر دیکھا پھر خاموشی سے اندر بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا آ گیا۔ فونتاجو خان سب کچھ بھول کر کھانے میں مشغول ہو گیا اور مطیع الدین اس کے کھانے کے انداز پر جل بھن کر رہ گیا۔

''تم لوگوں کے جانے کے بعد برقائی خان کا کئی بار پیغام آیا ہے''۔ نورالدین نے بتایا۔

''میں کل اس سے ملاقات کرلوں گا''۔ مطیع الدین نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

''آج کل یہاں کے حالات کافی کشیدہ ہیں، برقائی خان شاید کل لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائے گا۔ مجھے آج ہی یہ خبر ملی ہے''۔ نورالدین نے کہا۔

''ظاہر ہے! اردوئے زریں کا حکمران ہے تو ایسی مہمات تو پیش آئیں گی''۔ مطیع الدین نے جواباً کہا۔ نورالدین نے اس کے غیر سنجیدہ انداز پر اس موضوع پر مزید کلام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ فونتاجو خان کو کھانا کھاتے اچانک کچھ یاد آ گیا۔ وہ عجلت میں دسترخوان سے اُٹھ کر ایک جانب بڑھ گیا۔ نورالدین غیر مہذب حرکت پر اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ فونتاجو خان نے اپنے سامان کے تھیلے میں سے کپڑے کا ٹکڑا نکالا اور اپنی جگہ واپس لوٹ آیا۔ مطیع الدین بھی تجسس بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جونہی کپڑے کے ٹکڑے پر اس کی نظر پڑی تو وہ ہاتھ میں پکڑا لقمہ منہ میں ڈالنا بھول گیا۔

''یہ تو تم نے ہوا میں اُڑا دیا تھا......؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''اسے دوبارہ تلاش کر لینا بھی میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ تم نے تو اسے بے کار سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا مگر میرے دل میں اس پر موجود تحریر کے بارے میں تجسس ابھی باقی ہے''۔ فونتاجو خان کھانے کا نوالہ منہ میں ٹھونستے ہوئے بولا۔ اس نے کپڑے کا ٹکڑا نورالدین کی جانب بڑھا دیا۔ نورالدین کپڑے کے ذکر پر ان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ کپڑے کا ٹکڑا ہاتھ میں آتے ہی وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے''۔ نورالدین، ان کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

فونتاجو خان نے اسے مخصوص انداز میں دیکھنے کے لئے کہا۔ نورالدین نے اسے لہرا کر روشنی میں دیکھا۔ مگر کپڑے میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ فونتاجو خان نے کپڑا لے کر اس کے آر پار جھانکا۔ وہ تحریر جو انہیں

برف کے میدان میں دکھائی دی تھی اس کا دور دور تک کچھ پتہ نہیں تھا۔ فونتاجو خان پریشان دکھائی دینے لگا۔ وہ انجانے میں کپڑے کو یوں جھاڑنے لگا جیسے اس میں سے تحریر نکل کر باہر گر پڑے گی۔ مطیع الدین بھی اپنی جگہ دنگ بیٹھا تھا۔ اس نے بھی وہ تحریر اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ نورالدین نے ان سے کپڑے کا ٹکڑا دوبارہ لے لیا اور اس میں جھانکنے لگا۔ اچانک اس کے چہرے کی کیفیت میں تغیر پیدا ہوا۔ اسے کپڑے میں کسی تحریر کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ نورالدین کسی خیال کے تحت اپنی نشست سے اُٹھا اور آتش دان کی جانب بڑھ گیا وہ کپڑے کو لہرا لہرا کر سینک لگانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں کپڑے پر موجود تحریر انگاروں جیسی رنگت میں نمایاں ہو گئی۔ کپڑے میں نئے رنگ کے ظہور پر وہ دونوں بھی اس کے عقب میں پہنچ گئے۔ اس کپڑے میں چھپی تحریر کو مطیع الدین اب صاف پڑھ سکتا تھا۔

''ارضی جنت کی تلاش میں مجھے اپنے باطن کو دھونا ہوگا''۔ نورالدین تحریر پڑھتا چلا گیا۔ مطیع الدین تحریر کے بارے میں کوئی اندازہ لگانے میں ناکام رہا۔ نورالدین کچھ لمحے اس کپڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

''سچ سچ بتاؤ...... تم دونوں کہاں گئے تھے؟ یہ کپڑا اس علاقے کا نہیں ہے''۔ نورالدین شک بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

فونتاجو خان سرخ غر پہاڑی اور وہاں ریچھ کے شکار اور پھر دواجنبیوں کی آمد اور کسی عورت کی آخری رسم کی سازش کے بارے میں نورالدین کو آگاہ کرنے لگا۔ مطیع الدین کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا کہ کہیں وہ بے وقوف اپنی سادہ لوحی میں گل وتوژ کا نام نہ لے بیٹھے مگر اس کا اندیشہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ فونتاجو خان گل وتوژ کا ذکر سرے سے ہی غائب کر گیا تھا۔ سرخ پہاڑ سے روانگی اور راستے میں کپڑے کے اچانک مل جانے کی روداد اس نے حرف بہ حرف سچ سنائی تھی۔ نورالدین کا ذہن ابھی پوری طرح صاف نہیں ہوا تھا۔ وہ انہیں اپنی مردم شناس نگاہوں سے پرکھنے میں مصروف تھا فونتاجو خان کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت سے اسے کچھ دیر میں یقین آ گیا کہ وہ لوگ واقعی سچ بول رہے ہیں۔

''تمہیں معلوم ہے کہ یہ کپڑا کس کام آتا ہے؟'' نورالدین نے ان سے سوال کیا۔

''اگر ہمیں اس بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو ہمارے چہرے یوں تجسس دکھائی نہ دیتے''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''یہ گھوڑے کے ماتھے پر باندھا جانے والا انوکھا رومال ہے''۔ نورالدین نے انکشاف کیا۔ ''اس رومال کا استعمال یہاں نہیں ہوتا، یہ کسی شامی یا عربی کا معلوم ہوتا ہے۔ عرب اور شام کے باشندے اپنے گھوڑے کے ماتھے پر بطور نشانی ایسے رومال باندھتے ہیں''۔

''مگر یہ تو ہمیں برف کے میدان میں ملا ہے......!'' مطیع الدین نے تعجب سے کہا۔

''تمہارے اردگرد کوئی ایسا شخص موجود تھا جس کے پاس گھوڑا تھا اور وہ جان بوجھ کر یہ رومال تمہارے رستے میں پھینک گیا ہے''۔ نورالدین نے اندازہ لگایا۔

''جان بوجھ کر......؟'' فونتاجو خان تیزی میں بولا۔

''ہاں! جان بوجھ کر کیونکہ یہ رومال گھوڑے کے سر سے کبھی نہیں گرتے، انہیں گرایا جاتا ہے تاکہ دوسرے کو یہ خبر ہو سکے کہ وہ اس کے اردگرد موجود ہے''۔

''کسی شامی یا عربی شخص سے تو ہماری تمام رستے کوئی ملاقات نہیں ہوئی، دوسرا اسے ہمیں پیغام دینے کی کیا ضرورت تھی جبکہ ہم اسے سرے سے جانتے ہی نہیں؟'' فونتاجو خان نے اپنی صفائی پیش کی۔

''اس تحریر سے کیا مراد ہے؟'' مطیع الدین نے اپنے باپ کی توجہ اس طرف مبذول کی۔

''تم یقیناً حیران ہو گے کہ میں اس تحریر میں چھپے پیغام کو بخوبی سمجھ چکا ہوں''۔ نورالدین نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان دونوں کی نگاہوں میں اشتیاق اتر آیا۔

''فارس کے بالائی اضلاع میں نصف صدی قبل ایک فتنہ برپا ہوا تھا جس نے مسلمانوں کو گمراہ کیا اور اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو رد کرتے ہوئے نئی شریعت کا پرچار کیا۔ خلیفہ اسلام نے اس کی بیخ کنی کی کافی کوشش کی مگر وہ فتنہ پسپائی اختیار کر کے بالائی پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گیا۔ اس فتنے کے پیروکار خود کو باطنی فدائی کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے دین کی خدمت کے بعد وہ سیدھے ارضی جنت میں جائیں گے جہاں انہیں ہمیشہ کی زندگی اور سدا قائم رہنے والی راحت نصیب ہو گی''۔ نورالدین نے تفصیل بتائی۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ تحریر ہمیں دینے کا مقصد کیا ہے؟'' فوکناجو خان نے سوال کیا۔

''وہ جو کوئی بھی ہے، تمہیں اپنی موجودگی اور شناخت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ یا تو وہ تمہیں اپنے پاس بلانے کا خواہش مند ہے یا پھر وہ تمہارا کوئی پوشیدہ دشمن ہے''۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ پیغام کسی دوسرے کے لئے گرایا ہو اور اتفاق سے یہ ہمارے ہاتھ لگ گیا''۔ فوکناجو خان نے بات بنائی۔

''فدائیوں کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سن رکھا ہے۔ وہ کوئی بھی کام ادھورا یا کچا نہیں کرتے۔ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے جان پر کھیل جانا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ تم دونوں محتاط رہنا۔ میں کل ہی برقائی خان سے بات کروں گا کہ وہ کوتوال شہر کو خصوصی ہدایت دے کہ وہ سرائے میں موجود تمام ایسے افراد کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرے جو حال ہی میں باہر سے یہاں آئے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ فدائیوں کا کوئی گروہ پس پردہ کسی سازش کا ارتکاب کر رہا ہے''۔ نورالدین کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

مطیع الدین کا ذہن اپنے باپ کے قائم کردہ اندازے کے بجائے دوسری سمت متحرک تھا اسے یہ شنگ خان کی کارستانی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اُسے اعلانیہ مبارزت سے باخبر کر چکا تھا۔ فدائی والی بات اس کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہی تھی۔ شنگ خان اور فدائیت دونوں عوامل مختلف زاویوں میں موجود تھے۔ یکایک اس کے ذہن کے کواڑوں پر ایک نئے خیال نے دستک دی۔ ''کہیں وہ تیسرا فرد فدائی تو نہیں جو گل دقوز کو غار میں سے نکال کر لے گیا تھا؟''

❁ ❁ ❁

امیر موصل بدرالدین لولو کا باغی بیٹا علاء الدین لولو اپنے خاص مصاحبوں کے ساتھ میافارقین پر تاتاری محاصرے کے دوران اپنے باپ کے حلیف تاتاریوں کو جل دے کر فرار ہو گیا تھا۔ بدرالدین لولو کے پاس جب اپنے بیٹے علاء الدین کے فرار کی اطلاع پہنچی تو تڑپ کر رہ گیا۔ اس کی بیٹے کی نادانی کے باعث ہلاکو خان کے ہاتھ سنہرا بہانہ لگ گیا تھا، وہ اب کسی بھی وقت موصل کا رُخ کر سکتا تھا۔ بدرالدین کی تمام سابقہ خدمات کو پس پشت ڈال کر موصل کو تاخت و تاراج کرنے میں اب اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ارض فلسطین پہنچ کر علاء الدین لولو نے اپنے باپ کو اپنی خبر دی تو اس نے پیغام لانے والے قاصد کو صاف لفظوں میں جواب دیا کہ تو نے مجھے اور میری [illegible] کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور میری مملکت کے لئے تباہی کا خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ تاتاریوں سے مخالفت کی یہ جرأت تجھ سے کیونکر سرزد ہوئی؟ میں تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تمہارے قدم میری زمین پر پڑے تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تیرا سر قلم کر دوں گا۔

علاء الدین لولو نے اپنے باپ کے فیصلے پر اس پیغام کے ساتھ دوبارہ قاصد روانہ کیا کہ آپ کی مملکت اور رعیت کو میں نے اللہ اور اس کے نبی کے سپرد کر دیا ہے، میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا اگر آپ بھی دیکھ لیتے تو یقیناً آپ بھی تاتاریوں کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ تاتاریوں کا ساتھ ایمان کی سلامتی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ میں تاتاریوں کے زیر سایہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی تاب نہیں لا سکتا۔ اسی لئے میں نے انہیں ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا ہے۔ آپ جلد ہی سنیں گے کہ آپ کا یہ بیٹا دشمنان نبی سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا ہے۔ اگر شہادت میرے نصیب میں نہ ہوئی تو بھی میں آپ کی حکم عدولی کا موجب نہیں بنوں گا اور آپ کی رضامندی کے بغیر موصل کی زمین پر قدم نہیں رکھوں گا۔

بدرالدین لولو نے بیٹے کا جواب سن کر چپ سادھ لی۔ اس نے اس کے عذر کو بہانہ قرار دیا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی مملکت کے بارے میں امراء و عمائدین سے صلاح و مشورے کرنے لگا۔ اس نے تحائف کا انبار اپنے ہمراہ لیا اور ارض فلسطین کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس نے ہلاکو خان سے ملاقات کی اور تحائف پیش کرتے ہوئے اپنے ناخلف بیٹے کے جرم کے لئے معذرت کی۔ سالانہ محصول میں اضافے اور اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا۔ ہلاکو خان موصل سے کافی دور تھا۔ اس نے موصل کے لئے فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے فی الوقت بدرالدین لولو کو تسلی دی اور اس کی سابقہ خدمات کے پیش نظر اس کے بیٹے کی نادانی کو درگزر کر دیا۔ امیر موصل بدرالدین لولو، ہلاکو خان کا ردعمل دیکھ کر مطمئن ہو کر واپس لوٹ گیا۔

علاء الدین لولو مختلف ایوبی سلطانوں کے لشکروں میں شامل رہ کر تاتاریوں کے خلاف لڑتا رہا۔ جب اسے یقین ہو جاتا کہ اب تاتاری پلڑا بھاری پڑ رہا ہے اس معرکے کا انجام شکست ہی ہے تو وہ خاموشی سے پسپائی اختیار کرتے ہوئے میدان سے نکل جاتا اور کسی دوسرے سلطان کے پاس پہنچ کر اس کے سپاہیوں میں شامل ہو جاتا۔ اس کا یہ انداز خاصا عجیب تھا کیونکہ وہ درجہ شہادت پانے کی کوشش کرنے کے بجائے مسلسل فرار کی راہ اختیار کئے ہوئے تھا۔ جب بلادِ شرقیہ اور بلادِ فلسطین پر ہلاکو خان کا مکمل قبضہ ہو گیا تو وہ وہاں سے نکل کر مصر چلا آیا۔ یہاں اس کا بہنوئی عہدۂ سلطانی پر فائز تھا۔ علاء الدین لولو کی آمد پر اس کی بہن ملکہ بدر منیر لولو بے حد خوش ہوئی۔ اس نے سلطان الملک المظفر سے اس کے لئے خصوصی سفارش کی۔ سلطان الملک المظفر تاتاری یلغار کی مصدقہ خبروں کا بے چینی سے منتظر رہتا تھا، جب اسے علاء الدین لولو کی آمد کی خبر ملی تو وہ رہ نہ سکا۔ اس نے علاء الدین لولو سے ملاقات میں تاتاری حملے کے بارے میں اتنے سوال جواب کئے کہ خود علاء الدین لولو بھی عاجز آ گیا۔ سلطان الملک المظفر دراصل مختلف ذریعوں سے تاتاری سیل کے بارے میں یہ اندازہ لگانے میں مصروف تھا کہ ان کی حتمی تعداد کیا ہے اور وہ کس مقام تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کے علاوہ وہ ان کے جنگ کے طریقہ کار کو جاننا چاہتا تھا۔ اس نے انتشار کے ان ایام میں بھرپور فیصلہ کر لیا تھا کہ تاتاری اگر بلادِ مصر کی جانب بڑھے تو وہ انہیں پوری قوت سے نہ صرف روکے گا بلکہ ان سے اپنے اجداد کا بدلہ بھی لے گا۔ وہ کینہ پرور مزاج کا انسان نہیں تھا کہ انتقامی کارروائی کے بارے میں سوچتا۔ جب آفت کا رُخ اس کی جانب مڑ ہی چکا تھا تو ایسے میں اس کے نزدیک سب کچھ جائز تھا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر تاتاری لشکر مصر کی جانب نہ بڑھا تو وہ خود آگے بڑھ کر اسے نہیں چھیڑے گا۔

علاء الدین نوجوان تھا اور ساتھ ہی جنگجو سپاہی بھی۔ تاتاریوں کے ساتھ مختلف شہروں کے تاخت و تاراج میں وہ کسی حد تک شامل رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر اکثر و بیشتر اس کے پاس آ بیٹھتا۔ ملکہ بدر منیر سے نسبت کے باعث علاء الدین لولو کو دربار شاہی میں بھی جگہ مل گئی۔ ایک شام سلطان الملک المظفر اس کے ساتھ

بیٹھا اپنے مرغوب موضوع پر تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ علاء الدین لولو کی آنکھوں میں پڑی۔ علاء الدین کی آنکھوں میں کرنج دیکھ کر اس کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ علاء الدین لولو حیرت بھری نظروں سے سلطان کی متغیر حالت دیکھنے لگا۔ سلطان الملک المظفر اتنا بدحواس ہوا کہ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ بے ربط ہونے لگے۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوا وہ اٹھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

بیبرس اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود کسی بھی سلطان کو اس امر پر قائل نہیں کر سکا تھا کہ انہیں دفاعی حکمت عملی ترک کر کے تاتاریوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔ قریباً سب حکمرانوں کے ایک جیسے سرد اور مدافعانہ رویئے سے وہ دلبرداشتہ ہو چکا تھا۔ مایوسی کے اس عالم میں اُسے اپنے مرحوم آقا سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی یاد ستانے لگی۔ مرحوم سلطانؒ کی جرأت و بہادری سے وہ بے حد متاثر تھا۔ وہ غلام سے امیر د سالار تو بن چکا تھا مگر اس کی زندگی اب بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں تھی۔ وہ سلطانوں کے غیر دانشمندانہ احکامات کی بجا آوری لانے پر مجبور تھا۔ اس کے دل میں پنپنے والی ہمدردی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا جذبہ دوسروں کی نظر میں بے معنی تھا۔ وہ شکستہ دل سے شیخ عزالدینؒ بن سلام دمشقی کے پاس چلا آیا۔ شیخ عزالدینؒ سے اس کی محبت دانس کا سلسلہ پرانا تھا۔ شیخ عزالدینؒ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے وہ کچھ عرصہ کے لئے آرمینیہ اور انطا کیہ گیا تھا۔ شیخ عزالدینؒ کی درس و تدریس کی مجلس اس وقت پورے زوروں پر تھی۔ شیخ عزالدینؒ نہایت جوش و خروش سے جذبہ جہاد کی فضیلت بیان کر رہے تھے۔ بیبرس کے چہرے پر ان کی نظر پڑی تو وہ چونک پڑے۔ بیبرس کی قاہرہ واپسی کی انہیں اب تک اطلاع نہیں ہو پائی تھی۔ انہوں نے اپنے موضوع پر سلسلہ کلام جاری رکھا۔ جب سے بغداد پر تاتاری قیامت ٹوٹی تھی، اسی دن سے شیخ عزالدینؒ نے اپنی مجالس میں جہاد کی ترغیب کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لوگ ان کی محافل میں شرکت کرتے اور جہاد کی فضیلت پر ان کی تفسیر و تشریح سے مستفید ہوتے۔ یہ شیخ عزالدینؒ کی خوبی تھی کہ وہ ہر روز ایک ہی موضوع کو اس عمدگی سے بیان کرتے کہ سابقہ سلسلہ کلام سے بالکل الگ دکھائی دیتا۔ لوگوں کی کچھ تعداد محض یہ دیکھنے کے لئے وہاں جمع ہوتی کہ آج شیخ عزالدینؒ جہاد کی تشریح میں کیا رُخ اختیار کریں گے۔ ان میں یہ صلاحیت خداداد تھی جسے ایک وقت میں خلیفہ بغداد نے بھی سراہا تھا۔ بیبرس نہایت خاموشی سے جہاد کے بارے میں ان کا بیان سنتا رہا۔ عصر کے وقت کے قریب جب محفل برخاست ہونے کا وقت آیا تو شیخ عزالدینؒ نے بیبرس کی جانب توجہ کی۔ شیخ عزالدینؒ نے اس سے سفر اور واپسی کے بارے دریافت کیا۔ بیبرس نے مختصر الفاظ میں جواب دیا۔ بیبرس ان سے مزید گفتگو کا خواہش مند تھا کہ انہوں نے اسے اشارے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کی کلائی پکڑ کر جامع مسجد کی جانب روانہ ہو گئے۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد شیخ عزالدینؒ بیبرس کو ہمراہ لئے اپنے حجرے میں چلے آئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شیخ عزالدینؒ نے بیبرس کو اپنے ساتھ ساتھ رکھا اور اپنے حجرے میں بھی لائے۔ حجرے میں نشست سنبھالتے ہی بیبرس پھٹ سا گیا، الملک الناصر اور الملک المظفر کے رویئے کا شکوہ کرتے ہوئے اس نے اپنے دل کا غبار نکالا۔ شیخ عزالدینؒ خاموشی سے اس کے شکوے شکایات سنتے رہے۔ جب بیبرس خاموش ہو گیا تو شیخ عزالدینؒ نرمی سے گویا ہوئے۔

''کچھ امر ایسے ہیں جنہیں اپنے وقت مقرر پر پورا ہونا ہے، ان میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جا سکتی۔ مسلمان اس قدر بدمست اور بے پرواہ ہو چکے تھے کہ ان کے دلوں میں سے خوف الٰہی دور ہوتا جا رہا تھا۔ مشیت ایزدی نے انہیں تاتاریوں کی شکل میں متنبہ کیا ہے۔ اگر سلطنت خوارزم مٹ چکی ہے تو وہاں کے لوگوں کے سینے

بھی نورِ ایمان سے روشن ہو چکے ہیں۔ اگر بغداد پر قتل و غارتگری نے قبضہ جمایا ہے تو اس کے پیچھے مصلحت ایزدی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ وہاں کے علماء نے دین کو مذاق بنا ڈالا تھا۔ گلی کوچوں میں وہ اللہ کا نام لے کر اپنی تاویلیں گھڑ کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ خلافت ختم نہیں ہوئی بلکہ کمزور خلافت کو وقتی طور پر موقوف کر دیا گیا ہے۔ اب خلافت کا دوبارہ احیاء ہوگا اور تم دیکھ لینا کہ یہ خلافت پہلے جیسی کمزور نہیں ہوگی۔ تمہیں اس طرح دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے''۔

''میں آپ کی باتیں تسلیم کرتا ہوں کہ خلافت کی جڑیں کمزور پڑ گئی تھیں مگر اتنی بڑی تعداد میں مخلوق کی ہلاکت کا کیا جواز ہے؟ وہ جیسے بھی لوگ تھے...... اللہ کے ہی بندے تھے...''

''یاد رکھو! ہر کوئی جو اس دنیا میں آتا ہے اسے ایک نہ ایک دن واپس لوٹ کر اسی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اب کس بندے نے کیسے واپس لوٹنا ہے، اس بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے فیصلے اٹل ہیں۔ تمہیں اس امر کی فکر نہیں کرنا چاہئے کہ کیا ہو چکا ہے؟ بلکہ تمہیں اس امر کی حفاظت کے کےلئے چاق و چوبند رہنا چاہئے جو ہونے والا ہے''۔

''یا شیخ!'' بیبرس رنجیدگی سے بولا۔ ''زندگی اور موت بے شک اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے مگر خود کو ہلاکت میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے، جب سب کو دکھائی دے رہا ہے کہ دشمن کی جمعیت تعداد میں زیادہ ہے تو اس کے مقابلے کے لئے اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر کا سامان تو کرنا چاہئے۔ جب سب جانتے ہیں کہ دشمن خصوصاً شہروں کو فتح کرنے کے بعد بلا جھجک انہیں تباہ و برباد کر دیتا ہے تو اس کا مقابلہ شہروں سے دور رہ کر کیا جائے تا کہ شکست کی صورت میں رعیت پر ستم نہ ٹوٹے''۔

''یہ سب ایمان کی کمزوری اور گمراہی کا نتیجہ ہے، مسلمانوں نے خود کو زمانہ امن میں پا کر اپنی بہادری و جرأت کو عیش و نشاط کے پیمانوں میں ڈبو ڈالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عقلوں پر فی الوقت پردہ پڑ چکا ہے، ان کی سب تدبیریں الٹ ہو جاتی ہیں اور زندگی کے پیچھے بھاگنے والے صاحب فراش ہوتے ہیں''۔

''یا شیخ! میں تو حالات کی اس عجیب کروٹ سے مایوس ہو چکا ہوں، مجھے کوئی امید نہیں کہ بلادِ مصر کے مسلمان اس بڑے حریف کے سامنے ٹھہر پائیں گے۔ میں اب خود کو بے حیثیت محسوس کرتا ہوں، میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تاتاری سیل کے سامنے دیوارِ آہن بن کر کھڑا ہو جاؤں مگر آخری حکم تو سلطان الملک المظفر کا ہی ہوگا، تاتاریوں سے صلح اور پھر ناقابل برداشت تباہی''۔

''کفرانِ نعمت مت کرو اور نہ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو، اللہ ہی بلادِ مصر کی حفاظت کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دن قریب ہے جب تاتاریوں کا گروہ اپنے قدم یہاں ڈالے گا پھر وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہے''۔ شیخ عزالدین نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

''یا شیخ! اگر میرے پاس طاقت و اختیار ہوتا تو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں تاتاریوں کو ایسا سبق سکھاتا کہ وہ بلادِ اسلامیہ کا بھولے سے بھی رُخ نہ کرتے۔ مگر کیا کروں؟ میں بے اختیار و عاجز ہوں''۔ بیبرس حسرت بھرے لہجے میں بولا۔

''بیبرس!'' شیخ عزالدین اس کی بات پر مسکرائے۔ ''طاقت و اختیار بڑا نشہ آور مرض ہے۔ جب یہ کسی کو لگ جائے تو اس کی دنیا و عاقبت خطرے میں پڑ جاتی ہے''۔

''یا شیخ! یہ نشہ انہیں چڑھتا ہے جو ناز و ادا کے پلے ہوں، مرد میدان کے لئے اس کا اثر بے معنی ہوتا ہے۔ اگر مجھے کبھی یہ نعمت نصیب ہوئی تو آپ دیکھیں گے کہ بیبرس اس امتحان میں کیسے کامیاب ہوتا ہے''۔ بیبرس کا

لہجہ اس کے قلبی جذبات سے معمور تھا۔

''اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو مگر جو ہونا ہے اسے کون ٹال سکتا ہے؟'' شیخ عزالدین مبہم انداز میں بولے۔

بیبرس چونک کر ان کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا لیکن شیخ عزالدینؒ نے کوئی وضاحت نہ کی۔

''بیبرس!'' شیخ عزالدین کچھ توقف کے بعد مخاطب ہوئے۔ ''اگر تمہیں تاتاریوں کی مہم کے لئے کہا جائے تو بلا جھجک حلب مانگ لینا''۔

''مگر آپ تو بخوبی جانتے ہیں کہ مجھے علاقوں پر حکمرانی سے کوئی دلچسپی نہیں''۔ بیبرس ان کی ہدایت پر حیران ہو کر بولا۔

''کیسے عجیب شخص ہو! کچھ دیر پہلے تک تو یہ شکایت لئے بیٹھے تھے کہ طاقت و اختیار تمہارے پاس نہیں ہے، میں تمہیں با اختیار ہونے کی تدبیر بتا رہا ہوں تو کہتے ہو کہ مجھے اختیار سے کیا لینا دینا؟'' شیخ عزالدینؒ اس کے جواب پر تیز لہجے میں بولے۔

بیبرس ان کے لہجے میں ناراضگی دیکھ کر گڑبڑا سا گیا، اس نے بات بنانے کی کوشش کی مگر شیخ عزالدینؒ نے کسی بھی تاویل کے پیش کرنے سے روک دیا۔

''تمہیں ہر قیمت پر ولایت حلب مانگنی ہے، بس یہ یاد رکھو''۔ شیخ عزالدینؒ نے تحکمانہ انداز میں کہا اور اسے مزید سوال جواب سے منع کرتے ہوئے رخصت کر دیا۔ بیبرس اس ہدایت کے پیچھے کارفرما عوامل کے بارے میں جاننا چاہتا تھا مگر شیخ عزالدینؒ نے اسے یہ موقعہ ہی نہیں دیا۔ بیبرس وہاں سے نکلا تو اسے خود میں حیرت انگیز تبدیلی محسوس ہوئی۔ طبیعت میں گذشتہ دنوں سے چھائی ہوئی پژمردگی اور گرانی مفقود ہو چکی تھی اور وہ اب خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان، ارق بوقا کی غیر متوقع آمد کی اطلاع پا کر تیزی سے شاہی محل کی جانب بڑھا۔ وہ تمام راستے ایل خانی شہزادے کی آمد کے بارے میں سوچتا رہا۔ ارق بوقا کا عین اس وقت پہنچنا جب برقائی خان اپنے لشکریوں کے ساتھ ہلاکو خان کے مقابلے کے لئے نکلنے والا تھا، بڑا معنی خیز تھا۔ برقائی خان کے ساتھ کچھ عمائدین سلطنت بھی تھے۔ ارق بوقا کی آمد کے بارے میں انہیں بھی خبر ہو چکی تھی۔ انہوں نے راستے میں برقائی خان سے اس ضمن میں صلاح مشورہ کیا۔ برقائی خان چونکہ ارق بوقا کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا اس لئے اس نے اپنے امراء کو فی الوقت خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ تھوڑی دیر میں برقائی خان اپنے شاہی محل میں پہنچ گیا۔ ارق بوقا کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ ارق بوقا کو جب برقائی خان کی آمد کی خبر ملی تو اس نے پیغام بھجوایا کہ وہ اس سے کچھ ضروری امور پر بات کرنا چاہتا ہے، زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ اسے تنہائی میں ملاقات کرنے کا موقعہ دے۔ برقائی خان اس کے پیغام پر ملاقات کے لئے اُٹھا تو درباری امراء نے فوراً مداخلت کی اور ارق بوقا کو حالات کی نزاکت کے پیش نظر مشکوک قرار دیتے ہوئے اس کی خواہش کو سازش سے تعبیر کیا۔

''قاآن اعظم! آپ کسی بھی صورت میں خلوت میں اس سے ملاقات نہ کیجئے، آپ کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ منگول امراء کو راستوں سے ہٹانے کے لئے ایسے اوچھے ہتھکنڈے اکثر استعمال کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آپ سے ملاقات کرنے کے بجائے کسی ایسی ہی مذموم مہم کے لئے بھیجا گیا ہو۔ براہ کرم آپ احتیاط کا دامن نہ چھوڑیئے''۔

برقائی خان اپنے عمائدین کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ قاآن اعظم منگو خان سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

برقائی خان کے بھتیجے سرتاق خان کے معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا کہ ایک وفادار تاتاری غلام نے سرتاق خان سے منگو خان کے پیغام کے لئے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ملاقات ہونے پر اچانک زہریلا خنجر نکال کر اس کے جسم میں اتار دیا۔ ایسا صرف سرتاق خان کے ساتھ نہیں ہوا تھا، منگو خان کے کئی دشمن اسی طرح موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے۔

برقائی خان نے اس تجویز پر غور کیا اور پھر ارق بوقا کو شاہی دربار میں طلب کر لیا۔ اس کی آمد سے پہلے تمام محافظ سپاہیوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ ہوشیار رہیں، ارق بوقا کی کسی بھی مشکوک حرکت پر فوراً اسے تلواروں کے نرغے میں لے لیا جائے۔ ارق بوقا کو جب اپنی طلبی کا پیغام ملا تو وہ اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔ اسے برقائی خان سے ایسے کٹھور انداز کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ اس نے لمحہ بھر کے لئے سوچا کہ وہ ملاقات کا ارادہ ترک کر کے واپس روانہ ہو جائے مگر وہ جس مقصد کی تکمیل کے لئے وہاں آیا تھا وہ ادھورا ہی رہ جاتا۔ اس نے پیغامبر کو چلنے کے لئے کہا۔ پیغامبر اسے اپنی رہنمائی میں دربار میں لے آیا۔ دربار میں پہنچنے پر وہ سیدھا برقائی خان کی جانب بڑھا۔

''ارق بوقا! وہیں رُکو...... تمہیں مقصد بیان کئے بغیر قاآن اعظم کے قریب آنے کی اجازت نہیں ہے''۔ ایک امیر اس کی راہ میں حائل ہو کر بولا۔ ارق بوقا خان اس کے لہجے پر پیچ و تاب کھانے لگا۔ اسے اپنی ایسی بے عزتی کی توقع بھی نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ غصے کے عالم میں تلوار کے دستے پر جا پہنچا۔ اسی وقت تلواروں کی جھنجھناہٹ سے سارا دربار گونج اُٹھا۔ محافظ سپاہیوں نے اپنی تلواریں بے نیام کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ ارق بوقا اپنا غصہ بھول کر حیرت و پریشانی سے چاروں جانب دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر دستے سے دور ہٹ چکا تھا۔

''تلواریں ہٹا لو... ہم ترکستان کے قاآن کو اپنے دربار میں خوش آمدید کہتے ہیں، لیکن آج ہم حالات کے ایسے دوراہے پر ہیں کہ منگولوں کی روایات کے مطابق آپ کی عزت افزائی سے قاصر ہیں۔ اگر آپ کو میرا یہ انداز ناگوار نہ گذرا ہو تو بلا تامل اپنی آمد کا مقصد بیان کیجئے۔ میں آپ کو تخت شاہی سے دور رکھنے پر ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں''۔ برقائی خان نے ارق بوقا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں دلی طور خان خاناں برقائی خان کی بے حد عزت کرتا ہوں مگر مجھے ایسے ناروا سلوک کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ میں تمہیں منگولوں کے سر کا سنہرا تاج قرار دیتا تھا کہ منگولوں میں اگر کوئی مجھے مہذب اور باوقار دکھائی دیا ہے تو وہ صرف برقائی خان ہے''۔

''میں اپنے سلوک کے لئے شرمندگی کا اظہار کر چکا ہوں۔ اگر آپ اصل موضوع کی جانب آ جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا، اگر کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے تو میں خود اپنے سپاہیوں کو ہدایت کئے دیتا ہوں کہ وہ پورے اہتمام کے ساتھ آپ کو سرحد تک پہنچا دیں''۔

''برقائی خان! تم عمر میں مجھ سے چھوٹے ہو، اس کے علاوہ ہمارا ایک خاندانی رشتہ بھی ہے۔ یوں روکھے پن کا مظاہرہ نہ کرو۔ آنے والے کل میں ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت پڑ سکتی ہے''۔ ارق بوقا نے تیز لہجے میں کہا۔

''مجھے کل تک جب آپ کی مدد کی اشد ضرورت تھی اور میں نے اپنے ہرکاروں کو آپ کی جانب دوڑایا تو آپ سب نے کان لپیٹ لئے اور آج جب میں آپ کے بھائی کے خلاف لشکر کشی کرنے کے لئے نکلنے والا ہوں تو آپ مجھ سے اپنائیت کی بات کرتے ہیں؟'' برقائی خان استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''اس وقت نہ تو میں نے کان لپیٹے تھے اور نہ ہی میں اس حالت میں تھا کہ بغداد کے لئے تمہاری کوئی مدد کرسکتا مگر آج میں ایسی حالت میں ہوں کہ تمہاری مدد کرسکوں اور اسی مقصد کے پیش نظر یہاں آیا ہوں''۔ ارق بوقا نے جواب دیا۔

''الحمدللہ! میں پہلے دن سے اس حالت میں ہوں کہ بزور شمشیر مقابلہ کرسکوں مگر خاندانی رشتے مجھے مجبور کیے ہوئے تھے، آج میں نے ان رشتوں کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور مجھے کسی ایسے فرد سے مدد کی کوئی خواہش نہیں ہے جو میرے مدمقابل سے تعلق رکھتا ہو''۔

''دیکھو میرے خلوص پر شبہ نہ کرو، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مجھے اپنے پاس آنے دو، میری بات ایک بار سن لو پھر بے شک تم اپنی من مانی کرتے رہنا''۔

''تمہاری بات مان لی جائے تو پھر بچے گا کیا؟'' ایک امیر تنک کر بولا۔

''میں تمہارا اشارہ بخوبی سمجھ رہا ہوں، مجھے اتنا گھٹیا مت خیال کرو کہ میں بے خبری میں وار کردوں گا۔ میں منگول بہادروں میں سے ایک ہوں''۔ ارق بوقا تلخی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، تم محافظوں کو جامہ تلاشی دو اور اس کے بعد میرے پاس آجاؤ''۔ برقائی خان نے کچھ سوچ کر کہا۔ برقائی خان کے حکم پر پورے دربار میں بے چینی سی دوڑ گئی۔ ارق بوقا اس ناروا سلوک پر دانت پیس کر رہ گیا۔ اس نے طوعاً و کرہاً اپنی جامہ تلاشی دی۔ اس کے بعد وہ دھیمے انداز میں چلتا ہوا برقائی خان کے پاس پہنچ گیا۔ برقائی خان نے اسے اپنے پہلو میں نشست دی۔ اس کے انداز میں بے اعتنائی جھلک رہی تھی۔

''میں کچھ اہم باتیں تم سے کرنے والا ہوں، مجھے یہ یقین چاہئے کہ وہ تمہارے دربار سے باہر نہیں جائیں گی، زیادہ بہتر یہی تھا کہ تم مجھ سے تنہائی میں گفتگو پر آمادہ ہو جاتے، بہرکیف میں دھیمے لہجے میں اپنا مدعا بیان کروں گا۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ تم دربار میں موجود غیر ضروری اور ناقابل بھروسہ افراد کو باہر بھیج دو''۔ ارق بوقا نے کہا۔

''یہ سب سلطنت کے وفادار ہیں، جہاں تک تمہاری بات کے منکشف ہو جانے کا احتمال ہے تو اسے اپنے دل سے نکال دو۔ اس دربار میں ہونے والی گفتگو یہیں دفن ہو جایا کرتی ہے''۔

''مجھے تقریب قرولتائی میں نیا قاآن اعظم بننے کے لئے تمہاری مکمل حمایت کی ضرورت ہے۔ جس طرح تم نے اور تمہارے بھائی باتو خان نے منگو خان کو ہاتھ پکڑ کر تخت نشین کر دیا تھا، بالکل ویسے ہی مجھے بھی تخت نشین کرنے میں میری مدد کرو''۔ ارق بوقا دھیمے انداز میں بولا۔ اس کی آواز برقائی خان اور قریب موجود چند محافظوں کے کانوں تک ہی پہنچ پائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' برقائی خان غیر متوقع بات پر حیرت زدہ رہ گیا۔

''تم نے جو سنا ہے میں نے وہی کہا ہے۔ اس امر میں میرے ساتھ ساتھ تمہارا بھی فائدہ ہے، میں جانتا ہوں کہ تم عسکری تیاریاں مکمل کر کے آج کل میں نکلنے والے ہو۔ مگر شاید تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ہلاؤ خان کی حفاظت کے لئے مرکز سے ہدایات جاری ہو چکی ہیں۔ تم جب ہلاؤ خان کی جانب روانہ ہو گے تو تمہارے عقب میں ایک جرار لشکر روانہ کر دیا جائے گا جو تمہیں پشت سے نرغے میں لے لے گا اور ہلاؤ خان کو بھی ایسی ہدایات دی جا چکی ہیں کہ تمہاری پیش قدمی کی صورت میں وہ تیز رفتاری سے واپس لوٹ کر تمہارے سامنے سے حملہ آور ہو۔ تم خود سوچو کہ سامنے ہلاؤ خان اور عقب میں منگو خان کے لشکر جب موجود ہوں گے تو تم ایسی صورت میں شکست سے دوچار ہو جاؤ گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ منگو خان کے پاس صرف ایک لشکر نہیں ہے۔ اگر تم میری

مدد کرو تو میں سیاسی بساط پر ایسی چال چلوں گا کہ پورے کا پورا مرکز تمہارے قبضے میں آجائے گا''۔ ارق بوقا نے تفصیلی وضاحت کی۔

''بہت خوب!'' برقائی خان ہنس کر بولا۔ ''بڑے قاآن نے مجھے عسکری کارروائی سے روکنے کے لئے کیا خوب منصوبہ سازی کی ہے۔ اس کی ذہانت پر داد دینے کو دل چاہ رہا ہے''۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو''۔ ارق بوقا تلملا کر بولا۔ ''میں تمہیں ایک ایسی راہ سجھا رہا ہوں، جس سے تم خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم ہلاؤ خان کو سبق سکھانا چاہتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، مجھے اپنے بھائی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے کیونکہ وہ منگولوں کے نام پر بدنما داغ بن چکا ہے۔ اس نے منگولوں کی بہادری اور شہ زوری پر کاری ضرب لگائی ہے۔ بغداد کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس میں اس کی بہادری کا کوئی دخل نہیں تھا، اس نے دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کر کے منگولوں کی عظمت اور وقار کو نقصان پہنچایا ہے''۔

''تمہاری بے سروپا باتیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر ذرا سا بھی بھروسہ کیا جا سکے''۔ برقائی خان نے کہا۔

''برقائی خان! میں تمہیں آخری بار مشورہ دے رہا ہوں کہ تم اپنی حماقت سے باز آجاؤ، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ کچھ دن کی بات ہے پھر جو کچھ ہوگا وہ سب تمہارے سامنے ہوگا۔ جہاں تم نے اتنا وقت انتظار کیا ہے صرف چند دن تک ٹھہر جاؤ''۔ ارق بوقا التجائیہ لہجے میں بولا۔

''تم کیا چاہتے ہو، میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔ کبھی تم ڈراتے اور دھمکاتے ہو اور کبھی تم بے بسی کا اظہار کرتے ہو۔ تم صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے کہ آخر ایسا کیا ہونے والا ہے جس سے تم فائدہ اٹھانا چاہتے ہو''۔ برقائی خان اس کے انداز پر الجھ سا گیا۔

''برقائی خان!'' ارق بوقا نے درباریوں کی طرف محتاط نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''منگو خان کا دماغ چل گیا ہے۔ بڑھاپے کی دہلیز پر اسے اپنی سلطنت میں وسعت کی ہوس نے آن گھیرا ہے۔ وہ چین پر لشکر کشی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ منگول امراء میں اس پر اختلاف پیدا ہو چکا ہے۔ وہ منگو خان کے اس فیصلے کی مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ برملا اپنی رائے کا اظہار تو نہیں کر پاتے مگر پشت پر ان کے دلوں کا غبار نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ منگو خان کا خیال ہے کہ ہلاؤ خان کے بغداد اور بادشاہ و شرقیہ کے قبضے کے بعد اسے بھی اپنی جوانمردی کا مظاہرہ کرنا چاہئے''۔

''اس سے مجھے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟'' برقائی خان نے حیرت سے پوچھا۔

''تم شاید نہیں جانتے کہ قاآن اعظم چنگیز خان کو تنگری کے خادم نے یہ خبر دی تھی کہ جاودانی آسمان کی نیک روح نے اسے بتایا ہے کہ اس کے خاندان کا کوئی شخص چین فتح نہیں کر سکتا۔ جو کوئی چین کی فتح کا خیال اپنے دل میں لائے گا وہ جلد ہی موت کی گہری نیند سو جائے گا۔ اس کی بات سچ نکلی تھی جب قاآن اعظم چنگیز خان نے اسے واہمہ قرار دیتے ہوئے چین کی جانب پیش قدمی کا ارادہ کیا تھا تو وہ ابھی روانہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ زندگی کا وقت پورا ہو گیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا ہے''۔

''منگو خان کے مرنے یا مارے جانے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟'' برقائی خان نے پوچھا۔

''فائدہ اس کی موت سے نہیں بلکہ اس کے بعد منعقد ہونے والی رسم قرولتائی سے وابستہ ہے۔ تم کسی بھی طرح مجھے اس منصب پر بٹھا دو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ہر خواہش کا احترام کرتے ہوئے پوری مدد

کروں گا اور بغداد میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس کی ہر طرح سے تلافی کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم مجھے مسلمانوں کے حق میں ایک مخلص حاکم پاؤ گے''۔ ارق بوقا نے یقین دہانی کرائی۔ برقائی خان یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

''اگر تم اپنی عسکری قوت کے استعمال کی کوشش کرو گے تو یقیناً منگو خان چین کا خیال چھوڑ کر تمہاری راہ پر لگ جائے گا۔ اگر تم تھوڑا عرصہ خاموشی اختیار کر لو تو میں واپس جا کر منگو خان کو ہر طرح سے مطمئن کر دوں گا کہ برقائی خان پُرامن رہنے کا خواہش مند ہے۔ جو کچھ ہو رہا تھا، وہ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح وہ مطمئن ہو کر چین کی جانب متوجہ ہو جائے گا اور تم دیکھ لینا کہ انجام وہی ہوگا جو میں نے بتایا ہے''۔ ارق بوقا نے اپنی بات مکمل کی۔

''اگر ایسا نہ ہوا؟ قاآن منگو خان چین کی مہم میں کامیاب ہو گیا تو پھر......'' برقائی خان دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور ارق بوقا بغلیں جھانکنے لگا۔

''مجھے اپنے تجزیے پر پورا یقین ہے''۔ تھوڑی دیر بعد وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

''تمہاری گفتگو کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ میں کسی بھی طرح اپنا ارادہ ترک کر دوں''۔ برقائی خان نے سرسری انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے تم جو کرنا چاہتے ہو، وہ کرو...... میں منگولوں کی آپس میں جنگ کا خواہش مند نہیں تھا۔ قصوروار صرف ہلاؤ خان ہے اور تم سزا ان تمام لوگوں کو دینا چاہتے ہو جو تمہارے سابقہ مذہب پر قائم ہیں۔ ممکن ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ مگر اس دوران جو خونریزی ہوگی اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔ میں نے جہاں تک سنا ہے اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کوئی مسئلہ بغیر تیغ و جدل کے حل ہوتا دکھائی دے تو امن کی راہ اپنانا چاہئے''۔ ارق بوقا ناگواری سے بولا۔

درباری امرا ان دونوں کے بیچ میں ہونے والی گفتگو کے لب لباب سے کسی حد تک واقف ہو چکے تھے۔ ان میں ایسے افراد جو کہ منگولوں کے اتحاد کے قائل تھے، وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ ان کے برعکس برقائی خان کے حامی امرا نے ان کے جواب میں اپنے اپنے دلائل دینے شروع کر دیئے۔ دونوں فریقوں میں زور و شور سے بحث ہونے لگی اور دربار ایک طرح کا میدان کارزار بن کر رہ گیا۔ برقائی خان نے سب کو خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا اور ارق بوقا کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

''میں تمہارے کہنے پر اپنا ارادہ ملتوی کر رہا ہوں، میں اپنے طور پر کھوج لگاؤں گا کہ تمہارے بیان میں کتنی سچائی ہے۔ اگر منگو خان واقعی چین کی مہم پر روانہ ہو گیا تو رسم قرولتائی میں میں اپنا کردار ضرور ادا کروں گا۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ...... برقائی خان جو کہہ دیتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے''۔

برقائی خان کے فیصلے پر درباری امرا کے چہرے کھل اُٹھے۔ برقائی خان یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ بے شک امرا کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں مگر ان کے قلوب آج بھی دوسرے منگولوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے گروہ کے منگولوں کو مزید دھڑوں میں بٹنے سے بچانے کے لئے یہ فیصلہ سنایا تھا۔ اس کے ذہن میں منگو خان کی چین پر لشکر کشی کے سلسلے میں ایک بڑا اچھوتا خیال آیا تھا۔ ارق بوقا کی آمد نے اسے ایک نئی راہ سجھائی تھی، ایک ایسی راہ جس پر چل کر برقائی خان اپنے سب سے طاقتور حریف منگو خان پر ایک کاری ضرب لگا سکتا تھا اور اس کی ذات کی جانب کوئی انگلی بھی نہیں اُٹھا سکتا تھا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان ارض فلسطین میں یافا کے میدان میں اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کے قریب تاتاری

سپاہی اس کے ہمراہ تھے۔ حلیف مسلمانوں اور نصرانیوں کے لشکر اس سے الگ تھے۔ صلیبی نائٹ، ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کی بڑی تعداد بھی اس کے ساتھ موجود تھی۔ ہلاکو خان کی نصرانیت پر خاص نظر کرم کے باعث صلیبی لٹیروں کو کھلی چھوٹ حاصل تھی۔ وہ مسلمان رعایا کو چن چن کر ہلاک کرتے رہے۔ ہلاکو خان کے حلیف مسلمان والیوں میں سے کسی میں اتنا دم باقی نہیں تھا کہ وہ صلیبی کارروائیوں کی مخالفت میں آواز اُٹھاتے۔ ہلاکو خان اسی مقام سے مختلف سمتوں میں اپنے دستے روانہ کرتا اور مزید کمک کی ضرورت کے پیغام موصول ہونے پر نئے اور تازہ دم لشکر بھیجتا۔ یافا میں قیام کے دوران اس نے اپنی فتح و نصرت کا بڑا عظیم الشان جشن منایا۔ شراب و شباب کی محافل چلتی رہیں۔ ایک دن ہلاکو خان اپنے شاہی خیمے میں عمائدین اور ریاستی امرا کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ اسے کسی کاہن کی آمد کی خبر دی گئی۔ ہلاکو خان کاہن کے بارے میں سن کر نظام الملک طوسی کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ کاہن کیا ہوتا ہے؟ نظام الملک طوسی نے مختصراً بتایا کہ یہودیوں اور ستارہ پرستوں میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں، انہیں کاہن کہا جاتا ہے۔ کہانت کے بارے میں سن کر ہلاکو خان کو تجسس ہوا اور اس نے کاہن کو شاہی خیمے میں طلب کر لیا۔ کچھ ہی دیر میں کاہن اندر داخل ہوا۔ وہ سیاہ رنگ کے موٹے کپڑے کے لبادے میں ملبوس تھا۔ اس کا لبادہ پیالے کی شکل کی مانند نیچے سے گول تھا اور کمر کے پاس ایک موٹی ڈوری سے کس کر بندھا ہوا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر شخص تھا جس کی کھچڑی نما داڑھی میں کالے بال خال خال دکھائی دیتے تھے۔ سر پر سیاہ پٹکا باندھے کاہن نے اندر داخل ہونے کے بعد تعظیم دی۔ کاہن کا حلیہ کچھ ایسا مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا کہ کئی تاتاری امرا اور سالاروں کے چہروں پر شوخی رقص کرنے لگی۔ ہلاکو خان بھی اس کے عجیب حلیے کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ پایا۔

''کہو کاہن! تم ہم سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟''

''سلطانوں کے سلطان! میں آپ کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ میں کاہن نہیں ہوں بلکہ ربی ہوں۔ میرا نام میسا ایل ہے۔ میں نے اپنی کتابوں میں جو کچھ پڑھ رکھا ہے اس حقیقت کا مشاہدہ مجھے آپ کے پاس کھینچ لایا ہے''۔

''کیسی حقیقت؟ ہم کچھ سمجھے نہیں!'' ہلاکو خان نے دریافت کیا۔

''ہماری الہامی کتاب میں عدل کے دن سے پہلے ایک طاقتور قوم کے خروج کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں تمام بیان کردہ نشانیاں آپ لوگوں پر پوری اترتی ہیں۔ چوڑے چہرے، مہذب دور میں بھی ننگی پنڈلیاں اور کھالوں کے لباس، ایک ایسی قوم جو جب سفر کرے گی تو فتح اس کا نشان بن کر رہ جائے گی۔ جس کے بہادر جس طرف سے بھی گذریں گے وہاں کوئی مخالفت کرنے والا زندہ نہیں بچے گا''۔ میسا ایل نے کہا۔

''بے شک ہم وہی ہیں جنہیں رب الافواج نے منتخب کیا اور تہذیب کے نام پر لوٹ کھسوٹ اور بے ایمانی کرنے والوں پر مسلط کر دیا۔ ہم جاودانی آسمان کی نیک روح کے بیٹے ہیں۔ ہمیں ساری زمین روندنے کا اختیار حاصل ہے۔ ہم ناقابل تسخیر ہیں۔ ایک ہمارا دادا چنگیز خان تھا جس نے بناوٹی تہذیب کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ اب ہمارا زمانہ ہے، تم دیکھ لینا کہ پھر ہم میں سے کوئی اُٹھے گا اور ہمارے ادھورے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا''۔ ہلاکو خان اپنی تعریف میں قصیدے پڑھنے لگا۔

''میں سلطانوں کے سلطان کو ایک خاص نصیحت کرنے آیا ہوں''۔ میسا ایل نے دھیمے لہجے میں کہا۔ یہ سن کر درباریوں میں ہلچل سی پیدا ہوئی۔ ہلاکو خان بھی اُس کی جرأت پر دنگ رہ گیا تھا لیکن اس نے اپنے عمائدین کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیا تمہاری بات کا تعلق بھی تمہاری کتاب سے ہی ہے؟"

"بے شک! میں نے اپنی الہامی کتاب میں جو کچھ پایا، اس سے آپ کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے آپ سے کسی انعام کی توقع یہاں کھینچ کر نہیں لائی اور نہ ہی میں اس بات پر خوفزدہ ہوں کہ آپ کے دربار میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا"۔ میسا ایل اطمینان سے بول رہا تھا۔ ہلاکو خان کے لئے اس کی شخصیت اہمیت اختیار کرنے لگی۔ ہلاکو خان ہی نہیں بلکہ تمام منگول اور تاتاری لوگ ایسے لوگوں سے فوری مرعوب ہو جاتے تھے جن کے بارے میں انہیں ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی کہ وہ کاہن یا راہب ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ ایک ایسی قوم جس نے اپنے زور بازو سے اسلامی خطے کے تہائی رقبے کو تسخیر کیا، تہذیب یافتہ شہروں میں بربریت اور سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قتل و غارتگری کا طوفان برپا کر ڈالا اور بریدہ سروں کے مینار تعمیر کئے، وہ توہمات میں اس قدر مبتلا تھی کہ معمولی سے کاہن سے پل بھر میں خوفزدہ ہو جاتی تھی۔

"تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو، اگر وہ بات ہمارے خلاف ہو گی تو بھی ہم اسے تحمل سے سنیں گے"۔ ہلاکو خان نے نرمی سے کہا۔

"سلطانوں کے سلطان کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ ہماری الہامی کتاب میں درج ہے جب وہ قوم ارض مقدس میں داخل ہو جائے گی تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس وقت تک یہاں قیام کرے، جب تک رب الیہود کا فرمان نہ آ جائے۔ اگر وہ صبر و تحمل سے قیام کرے گی تو اس کے لئے ایک نئی منزل اور نئی عزت ہو گی اگر وہ حکم کے برخلاف اپنی من مانی پر آمادہ رہی تو اس کے لئے ذلت کا مقام ہے، ایک ایسی ذلت کا آغاز جو اس قوم کو زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں جھونک دے گا پھر ان کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہیں رہے گا۔ میں سلطانوں کے سلطان سے استدعا کرتا ہوں کہ اس مقام پر قیام کو طویل کر دیں اور عزت و منزلت والے حکم کا انتظار کریں"۔

"تمہارے پاس اپنی بات کی سچائی کا کوئی ثبوت ہے؟" ہلاکو خان نے پوچھا۔

"میرے پاس میری الہامی کتاب موجود ہے، اگر آپ کے دربار میں کوئی عبرانی زبان پڑھ سکتا ہے تو میں اسے بلا جھجک وہ عبارتیں پڑھوا سکتا ہوں"۔ میسا ایل نے جواب دیا۔

"کیا میرے دربار میں کوئی عبرانی سمجھنے والا موجود ہے؟" ہلاکو خان نے اپنے عمائدین سے دریافت کیا۔ درباریوں میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو عبرانی زبان سمجھ یا پڑھ سکتا۔ ہلاکو خان کو اس امر پر حیرت ہوئی کہ اس کے دربار میں ایسا فرد کیوں نہیں ہے جسے عبرانی زبان پر مہارت حاصل ہو۔

"اجنبی! تم بے فکر رہو، تمہاری آزمائش کل تک موقوف کی جاتی ہے۔ ہم کل تک کسی ایسے شخص کو ڈھونڈ نکالیں گے جو تمہاری زبان سمجھتا ہو، چاہے اسے چین سے ہی کیوں نہ لانا پڑے۔ تم ہمارے مہمان خانے میں ٹھہر سکتے ہو، ہم اس بارے میں مزید بھی جاننا چاہیں گے"۔

"میں سلطانوں کے سلطان کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میری بات سماعت فرمائی، میں آپ کے لشکر میں ٹھہرنے کے بجائے اپنی کٹیا میں رات گذارنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اگر مجھ پر یہ مہربانی فرمائی جائے تو میں شکر گذار ہوں گا، میں کل دوبارہ آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جاؤں گا"۔ میسا ایل نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ہلاکو خان نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر اسے اپنی کٹیا میں واپس لوٹنے کی اجازت دے دی۔ میسا ایل نے ایک بار پھر تعظیم دی اور الٹے قدموں باہر نکل گیا۔ جس وقت وہ خیمے سے باہر نکل رہا تھا، اسی وقت اس کا سامنا کتبغا خان سے ہوا۔ کتبغا خان عجیب ہیئت کے شخص کو دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔ میسا ایل اپنے سامنے کتبغا خان کی صورت دیکھ کر چونک پڑا، اس کے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی اور غیر شعوری طور پر یہ جملہ اس کی زبان سے پھسل گیا۔

"تم بے شک وہی ہو جسے ایک دن بڑا معرکہ اسی ارض مقدس پر لڑنا ہو گا اور پھر تم لوگوں اور حملہ کرنے والوں کے درمیان حدود مقرر ہو جائیں گی"۔

کتبغا خان کچھ نہ سمجھ پاتے ہوئے اسے دیکھتا رہ گیا اور میسا ایل پُرسکون انداز میں چلتا ہوا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ کتبغا خان اس کے جملے کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر اس کا مفہوم اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

❀ ❀ ❀

بالآخر وہ وقت آن پہنچا جس کا دھڑکا اہل مصر کو مدت سے لگا ہوا تھا، جن اندیشوں اور وسوسوں نے ایک عرصے سے بلادِ مصر کی رعیت کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں، وہ حقیقت کا روپ دھار کے ایک دن ان کے سامنے نمودار ہو گئے۔ 658ھ کے وسط میں ایک گرم صبح تاتاریوں کا ایک گروہ بڑی تمکنت کے ساتھ اکڑ اکڑ کر چلتا ہوا قاہرہ میں وارد ہوا۔ مملوک سپاہیوں نے انہیں اپنے حفاظتی نرغے میں لے لیا۔ قاہرہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں پناہ گزینوں کی بڑی تعداد موجود تھی جن کے چہروں پر مظلومی اور تاتاریوں کی بربریت کی داستانیں عیاں تھیں۔ تاتاری چہروں کے ورود نے ان میں خوف و ہراس اور غیظ و غضب کی ملی جلی فضا پیدا کر دی۔ سلطان الملک المظفر کو اس گروہ کی آمد کے بارے میں بہت پہلے خبر مل چکی تھی۔ اس نے اس گروہ کے بارے اپنے مخبروں سے چھان بین کرائی تو معلوم ہوا کہ وہ ہلاکو خان کی جانب سے سفارتی پیغام لے کر آ رہے ہیں۔ اس لئے انہیں تمام راستے میں کہیں بھی نہیں روکا گیا۔ ان کی مسافت کی منزلوں کے بارے میں پل پل کی خبر سلطان الملک المظفر تک پہنچتی رہی۔ جونہی وہ لوگ قاہرہ کے نزدیک پہنچے تو سلطان الملک المظفر نے مملوک سپاہیوں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ وہ انہیں بڑی حفاظت سے دربار شاہی تک لائیں۔ اسے اندیشہ تھا کہ قاہرہ میں موجود پناہ گزین یا رعیت جوش میں آ کر ان پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ یہی وجہ تھی کہ مملوک سپاہی ننگی تلواروں کے سائے میں تاتاری وفد کو دربار تک لائے۔ تاتاری وفد اپنے اردگرد کے ماحول سے لاپرواہ دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی آمد کی خبر پورے قاہرہ میں وبا کی مانند پھیل گئی۔ امراء و عمائدین سلطنت حالات کا صحیح رُخ جاننے کے لئے تیزی سے دربار کا رُخ کرنے لگے۔

تلواروں کے سائے میں تاتاریوں کے چہروں پر کوئی خوف نہیں تھا بلکہ وہ بازاروں کی حالت زار دیکھ کر استہزائیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ مملوک دستے کی رہنمائی اور حفاظت میں وہ وفد دربار تک پہنچا۔ دربار میں ان کی آمد سے قبل ہی تمام افراد پہنچ چکے تھے۔ ان میں سپہ سالار اعظم فارس الدین اقطائی اور سپہ سالار اعلیٰ آقنقر بھی موجود تھا۔ نیز بن علاء الدین لولو، فخر الدین اور کئی دوسرے معتمد امراء بھی موجود تھے۔ تاتاری سفیر گردنیں تانے تکبر سے دربار میں داخل ہوئے۔ مملوک دستہ ان کے گرد موجود تھا۔ تاتاری وفد گھمنڈ کے ساتھ چلتا ہوا الملک المظفر سیف الدین قطوزی کے سامنے جا پہنچا۔ وفد نے آداب شاہی کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی تعظیم دی بلکہ سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ الملک المظفر سیف الدین نے سپاہیوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور تاتاری سفارت سے ان کی آمد کی وجہ دریافت کی۔

تاتاری وفد میں سے ایک شخص نے اپنے لبادے میں سے سفارت نامہ نکالا اور ہاتھ گھما کر اسے الملک المظفر کی جانب پھینک دیا۔ شاہی دربار میں موجود ہر شخص ان کے گستاخانہ انداز پر پیچ و تاب کھانے لگا۔ الملک المظفر نے اپنے عمائدین کی جانب دیکھتے ہوئے انہیں صبر و تحمل اختیار کرنے کا اشارہ کیا اور سپاہی کو ہدایت کی وہ سفارت نامہ اُٹھا کر صاحب دیوان کو دے۔ صاحب دیوان نے سفارتی خط لے کر کھولا اور تحریر پر نگاہ ڈالی اور

پریشان نگاہوں سے سلطان الملک المظفر کی جانب دیکھا۔ سلطان الملک المظفر نے اسے پڑھنے کا حکم دیا تو وہ تحریر پڑھنے لگا۔

''یہ اس شخص کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے، جو سلطانوں کا سلطان ہے۔ اپنے شہروں کی فصیلیں منہدم کردو اور میری اطاعت قبول کرلو۔ اگر ایسا کردو گے تو تمہیں امن وچین سے رہنے دیا جائے گا اور اگر تم نے ہمارا حکم نہ مانا اور سرکشی کا مظاہرہ کیا تو پھر جو کچھ تم کو پیش آئے گا، وہ بلند وبالا جاودانی آسمان کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

صاحب دیوان کی خاموشی پر دربار میں ہلچل سی برپا ہوگئی۔ سفارت نامے میں کسی قسم کے القاب کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ الملک المظفر نے پیغام سنا تو اس کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے۔ تاہم اس نے ضبط وتحمل سے کام لیتے ہوئے نرم لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''ہم تاتاری وفد سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آخر وہ کون سی وجہ ہے جو ہلاکو خان کو ہماری جانب بڑھنے پر مجبور کررہی ہے حالانکہ ہماری سلطنت اس کی سلطنت سے بہت دور ہے؟ ہم نے کبھی اس کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ ہی ہماری جانب سے تاتاریوں کے خلاف کوئی عمل وقوع پذیر ہوا ہے''۔

''مت بھولو کہ تم خیوا شاہی سلطان ہو اور خیوا شاہی اقتدار کا خاتمہ ہمارے قاآن اعظم کا آخری فیصلہ ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم پر براہ راست حملے کے بجائے تمہیں اطاعت اختیار کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے کہ تم تاتاری سیادت قبول کرلو اور ہمارے ساتھ پابہ زنجیر قاآن اعظم کی قدم بوسی کے لئے روانہ ہو جاؤ''۔ تاتاری سفیر بلند آواز میں بولا۔ اس کے متکبرانہ لہجے پر دربار میں موجود ہر شخص غضبناک دکھائی دینے لگا۔ سلطان الملک المظفر بھی اس کا انداز برداشت نہ کرسکا۔

''تاتاری سفیر! تم اس وقت میرے دربار میں کھڑے ہو، سفارتی آداب کو ملحوظ نظر رکھو''۔

''خیوا شاہی سلطان!'' تاتاری سفیر سلطان الملک المظفر کی تختی پر لال بھبھوکا ہو کر بولا۔ ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہو جیسا کہ بغداد کے مغرور خلیفہ کا ہو چکا ہے۔ اپنی آواز دھیمی رکھو اور بخوبی جان لو کہ ہمارے آقا کی طاقت لامحدود ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابلے پر جم نہیں سکتی۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم جیسے خودسر سلطانوں اور ان کی رعیت کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہیے''۔

الملک المظفر سیف الدین قطوزی نے ان کے لہجے کو برداشت کرتے ہوئے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے انداز سے باز رہیں اور تحمل سے بات کریں مگر تاتاری سفیر اس کے نرم لہجے کو کمزوری خیال کرتے ہوئے مزید اکڑنے لگے۔ اس کا لہجہ درشت سے درشت تر ہوگیا۔ فی الواقع ان کا رویہ سفارتی آداب کے قطعاً منافی تھا۔ الملک المظفر کے نرم رویے پر کئی جوشیلے درباریوں نے تاتاریوں کو سخت لہجے میں کڑے انجام سے ڈرایا مگر ان کی بدتمیزی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کئی کمزور ہمت اور بزدل امرا نے تاتاری وفد کی حمایت کرتے ہوئے سلطان الملک المظفر کو یہ مشورہ دیا کہ اسے تاتاری سیادت کو قبول کر لینا چاہیے۔ الملک المظفر اپنے درباریوں کی کم ہمتی پر ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا۔ وہ تاتاریوں سے پہلو بچانے کی کوشش کررہا تھا کہ مبارزت کی نوبت نہ پیش آئے اور وہ مطمئن ہو کر واپس لوٹ جائیں، مگر ان کی حد سے بڑھتی ہوئی بدتمیزی کو برداشت کرنا بھی اس کے لئے دشوار ہو چکا تھا۔ کچھ امرا نے تاتاری سیادت کی مخالفت کی مگر ان کے لہجوں میں کسی قدر خوف کی جھلک بھی موجود تھی۔ قریب تھا کہ سلطان الملک المظفر یہ اعلان کر دیتا کہ اسے تاتاری سیادت منظور ہے کہ شیخ عزالدین اُٹھ کر اس سے مخاطب ہوئے۔

''میں سلطان محترم کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہوں گا کہ تاتاریوں کی اطاعت کا فیصلہ بزدلانہ قدم ہوگا کیونکہ تاتاریوں کے عہد وپیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بغداد اور بلادِ شام وشرقیہ میں عہد شکنی کی کئی مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں''۔

سلطان الملک المظفر یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ تاتاری سفیر اپنی برائی پر خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ایک بار پھر خرافات بکنا شروع کردیں۔ بیبرس کافی دیر سے ضبط کئے ہوئے تھا وہ نہ رہ سکا اور اُٹھ کر بولا۔

''اللہ کی قسم! تمہارے اور میرے بیچ میں اگر سلطان محترم نہ موجود ہوتے تو میں تمہاری بوٹیاں نوچ کر کتوں کے آگے ڈال دیتا۔ میں اپنے سلطان سے بھرپور استدعا کروں گا کہ وہ اپنے اس خادم پر بھروسہ کریں اور حکم عنایت کریں کہ میں انہیں وہ سبق ازبر کرادوں جس سے یہ ناواقف ہیں۔ سلطان محترم! بلادِ مصر مسلمانوں کی آخری امید ہے، آپ گذشتہ وقت میں مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کرسکے تو اب انہیں تاتاریوں پر اعتماد کی بذرنہ کیجئے۔ اپنے اللہ پر یقین محکم رکھیں۔ آپ کے وفادار سپاہیوں میں اتنا دم موجود ہے کہ وہ ان بدتہذیب تاتاریوں کو ایسا کڑا سبق سکھائیں کہ وہ بھولے سے مصر کا رُخ نہ کریں''۔

بیبرس کی پرجوش تقریر پر فارس الدین اقطائی نے آگے بڑھ کر اس کی حمایت کی۔ ''سلطان محترم! بیبرس کی رائے بالکل موزوں اور درست ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیں تاتاریوں پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کی من مانی اب نہیں چل سکتی''۔

سلطان الملک المظفر ان کی گفتگو سن کر مطمئن دکھائی دینے لگا۔ چند لمحے پہلے اس کی پیشانی پر نظر آنے والی تفکر کی شکنیں دور ہوگئیں۔ وہ تاتاری سفارت کے ناقابل برداشت رویے پر بھرا پڑا تھا۔ بیبرس اور فارس الدین اقطائی کے جملوں نے اس کے عزم ویقین میں اور پختگی پیدا کردی۔ وہ طے کرچکا تھا کہ موت تو ایک دن آنی ہی ہے تو پھر کیوں نہ ذلت کی زندگی جینے کے بجائے عزت کی موت کو قبول کیا جائے۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اس نے سخت ترین لہجے میں حکم دیا۔

''ان بدتمیز اور مغرور تاتاریوں کو فوراً گرفتار کرلیا جائے اور ان کی زبانیں گدی سے کھینچ لی جائیں اور ان کے سر قلم کر کے ہلاکو خان کو روانہ کردیئے جائیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ سلطان الملک المظفر کا جواب کیا ہے؟''

سلطان الملک المظفر کے منہ سے جملوں کا نکلنا تھا کہ مملوک سپاہی ان پر جھپٹ پڑے۔ تاتاری وفد کے ارکان اتنے حیران تھے کہ اپنی مدافعت کے لئے انگلی بھی ہلا نہ پائے۔ آناً فاناً شوریدہ سر سفیروں کو خاک وخون میں لوٹا دیا گیا۔ دربار شاہی میں ہی ان کے سروں کو جسموں سے جدا کردیا گیا۔

''ان تاتاریوں کے جسموں کو بڑے بڑے چوراہوں پر لٹکا دیا جائے تاکہ رعیت میں پھیلا ہوا خوف وہراس دور ہو سکے''۔ سلطان الملک المظفر نے دوسرا حکم دیا۔ کچھ ہی دیر میں سپاہی ان تاتاریوں کے سروں اور لاشوں کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔ دربار کا اعلیٰ ونفیس قالین تاتاریوں کے خون میں لتھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ فارس الدین اقطائی اور بیبرس کے چہرے پر مسرت کے آثار جھلک رہے تھے جبکہ کمزور ہمت امرا کے چہرے سفید تھے۔

الملک المظفر نے تاتاری سفارت کو قتل کر کے ایک بار پھر تاریخ کو دہرا دیا تھا۔ اس کے نانا علاء الدین محمد تکش شاہ خوارزم نے چنگیز خان کی سفارت کو قتل کر کے اپنی پوری سلطنت تباہ وبرباد کروالی تھی اور اب اس کے نواسے سیف الدین قطوزی نے بھی اسی عمل کا ارتکاب کیا تھا۔ بلادِ مصر نے ہلاکو خان کے خلاف اعلان جنگ کردیا

تھا۔ ہلاکو خان عرصے سے ایسے ہی بہانے کا منتظر تھا کہ اسے بغداد پر چڑھائی کا کوئی واضح جواز مل سکے۔ تاتاری سفارت کے بریدہ سروں کی صورت میں جواز اس کے پاس روانہ ہو چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

منگولوں کے ایل خانی قاآن اعظم منگو خان کو جب اردوئے زریں کے حکمران برقائی خان کی جانب سے مکمل اطمینان ہو گیا تو اس نے چین پر لشکر کشی کی تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ وہ اپنے دادا چنگیز خان کے ادھورے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا چاہتا تھا، جس کی حسرت چنگیز خان اپنے دل ہی میں لئے اس دنیا فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔ ایل خانی سلطنت کے وفادار منگولوں پر منگو خان کے ارادوں کا عقدہ کھلا تو انہوں نے بڑی شد و مد سے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ چین پر حملے کے لئے یہ موسم سازگار نہیں ہے اور دوسرا منگولوں کو چین کے بارے میں بھولے سے بھی نہیں سوچنا چاہئے کیونکہ چین پر یلغار کی صورت میں ہمیشہ انہیں ہزیمت اُٹھانا پڑی ہے۔ تاتاری کاہنوں نے بھی چین کی سرزمین کو منگولوں کے لئے منحوس قرار دیا ہے۔ منگو خان کے مسلمان رفقاء نے ایسی باتوں کو توہمات قرار دیتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ نصرانی رفقاء بھی مسلمانوں کی سبقت کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے صرف اس خیال کے پیش نظر مسلمانوں کے مؤقف کی حمایت کی کہ کہیں اختلاف کی صورت میں وہ قاآن اعظم کو ناراض نہ کر بیٹھیں اور اس کا دست شفقت عتاب کی صورت نہ اختیار کر لے۔ غیر منگول رفقاء کی اکثریت کی حمایت پا کر منگو خان کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ منگول اور تاتاری رفقاء نے اپنے حاکم کی اطاعت کے پیش نظر خاموشی اختیار کر لی۔ منگو خان کے لئے چین کی مہم بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ وہ کچھ عرصہ پہلے بھی مختلف سپہ سالاروں کو اس جانب بھیج چکا تھا۔ وہ چین کے دو چار شہروں پر قبضہ کر چکے تھے مگر ان کا قبضہ دیرپا ثابت نہیں ہوا اور چینی لشکروں کی آمد پر انہیں وہاں سے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

تعجب کا مقام ہے کہ چینی لشکروں کی تعداد منگولوں کے مقابلے میں کبھی بھی زیادہ نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی بلند ہمت اور جذبہ حب الوطنی سے معمور میدان میں اترتے اور طاقتور منگولوں کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ چنگیز خان کی زندگی میں ہی یہ سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو کہ وقفے وقفے سے جاری رہا۔ منگو خان کے عہد تک منگول اس میں کامیاب نہیں ہو سکے جبکہ سلطنت اسلامیہ جو کہ چین کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی اور یہاں چین کی نسبت ہر شے کی فراوانی تھی، نامور سپہ سالار موجود تھے، عسکری ساز و سامان اور لشکروں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، پھر بھی وہ منگولوں کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ پچاس برس کی مدت میں منگولوں نے سلطنت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ منگولوں کی فتح یابی میں صرف ان کی بڑی تعداد اور بہادری کو ہی دخل نہیں تھا بلکہ ان کی کامیابی کے پیچھے مسلمان غداروں کی سازشوں اور جذبہ اخوت و ایمان سے خالی سلطانوں کا بھی ہاتھ تھا جو اپنے ہی بھائیوں کی سلطنتوں کی جانب ہمیشہ حریص نگاہوں سے دیکھتے رہتے تھے اور ان پر دسترس پانے کے لئے تمام تر طاقت صرف کر دیا کرتے۔ ملت اسلامیہ میں سے خلوص، انسانیت اور ہمدردی کے اسباق مٹ چکے تھے۔ نئی نسل کو رقص و سرود کی محافل کی عادت پڑ چکی تھی۔ نبیذ کو حلال قرار دے کر عیش و مستی کا سامان پیدا کر لیا گیا تھا۔ بے راہ روی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ امراء و شرفا کی خواتین دن دیہاڑے غیروں کے بستر گرم کیا کرتی تھیں۔ نوجوان سپاہی بننے کے بجائے گویے اور شاعر بن کر شاہی درباروں میں رسائی حاصل کیا کرتے اور اپنے فن کا مظاہرہ کر کے داد حاصل کرتے اور انعام و اکرام پاتے۔ امراء و عمائدین سلطنت ایک دوسروں کی بیخ کنی میں مصروف رہتے۔ وزراء اور نائبین سلطنت اپنی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے حمایتی عہدہ داروں کے ظلم و ستم سے سلطانوں کو بے خبر رکھتے اور رعایا پر ٹوٹنے والے ستم کا کوئی مداوا نہ

کرتے۔ بسا اوقات حالات اس قدر بگڑ جاتے کہ رعایا میں سے کوئی نہ کوئی اُٹھ کر ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرتا اور کئی شہروں پر قابض ہو جاتا۔ یہ وزراء پھر بھی اپنے سلطانوں کو یہی باور کراتے کہ ہر طرف امن و امان کی صورت برقرار ہے۔ بغاوتوں و شورشوں کی کہانیاں محض افواہیں ہیں۔ کبھی کبھار کوئی سلطان ان وزراء کے چنگل سے نکل کر حقیقت سے باخبر ہو جاتا تو وزراء کی جماعت اس کے خلاف اتنی تیزی سے سرگرم عمل ہوتی کہ وہ زندگی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا اور کبھی وزراء غلط بیانی اور گھناؤنی کرتوتوں کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے۔ یہ سلسلہ ایک دن یا ایک برس کی پیداوار نہیں تھا بلکہ اس کا سلسلہ کئی سو سال سے اسی طرح جاری تھا۔ ایسے ہی حالات میں غیر تہذیب یافتہ منگول قہر الٰہی بن کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمان سلطانوں کے سرسبز و شاداب ملک کھنڈرات اور ویرانی کی تصویر بن گئے اور ہنستی کھیلتی رعایا موت کی وادیوں میں اتار دی گئی۔

658ھ میں منگو خان اپنے لشکر جرار کے ساتھ چین کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے اپنے پیچھے سلطنت طمغاج کی نیابت اپنے بھائی ارق بوقا کو سونپ دی۔ اس کا لشکر سرد طوفانی موسم میں سفر کرتا ہوا چین کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔ وہ صوبہ شن سی کی جانب سے حدود چین میں داخل ہوا۔ اس کے لشکروں نے چینی شہروں پر متعدد حملے کئے اور انہیں فتح کر کے نذر آتش کر دیا۔ منگو خان مسلسل کامیابی حاصل ہونے پر پُر یقین ہو گیا کہ اب وہ وقت دور نہیں جب وہ چینی سرزمین پر قابض ہو جائے گا۔ چینی شہنشاہ چوآن کو جب منگو خان کی یلغار کی اطلاع ملی تو اس نے لشکروں کے لشکر مدافعت کے لئے اس کی جانب روانہ کئے۔ ان لشکروں کو ہدایت دی گئی تھی وہ ہر قیمت پر منگو خان کو چینی سرحدوں پر روکے رکھیں۔ خنیج کیاؤ چاؤ کے ساتھ شدید طوفانی موسم میں منگو خان پیش قدمی کرتا ہوا صوبہ شن سی کے وسط میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے جرار لشکر نے سخت ناگوار حالات میں بھی اپنی بہادری، مردانگی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ منگو خان کا ساتھ ان کے لئے باعث تقویت تھا۔ اس کے لشکر میں سب سے زیادہ ہلاک ہونے والے گھوڑے تھے جو ناموافق موسم کے باعث بیمار ہو کر مر جاتے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کے تلف ہونے کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی زیادہ فوج پیادہ ہو گئی تو اس نے تیز ترین قاصدوں کو روانہ کیا اور ترکستان اور ماوراء النہر سے گھوڑے منگوائے۔ منگو خان کے نائب ارق بوقا خان نے نہایت مستعدی کا مظاہرہ کیا اور صرف ایک ہفتے میں اسی ہزار گھوڑوں کا قافلہ تیز ترین گھڑ سواروں کی نگرانی میں منگو خان کو روانہ کیا۔ صوبہ شن سی کے ایک مضبوط قلعے ژاؤ ژیان کے محاصرے میں منگو خان کو کئی ماہ تک رُکنا پڑا۔ منگو خان اس صورت حال سے جھنجھلا گیا۔ اس نے محاصرے کو ختم کر کے قلعے پر حملے کا حکم دے دیا۔ اس کے سپاہی بھی عاجز آ چکے تھے۔ انہوں نے حکم پاتے ہی قلعے کی فصیلوں سے لمبی سیڑھیاں لگا دیں اور فصیل پر چڑھنا شروع ہو گئے۔ قلعے کے محصورین نے جب یہ منظر دیکھا تو انہوں نے گرم پانی اور آگ کے گولے ان پر برسانا شروع کر دیئے۔ منگول سپاہی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے فصیل کی جانب بڑھتے رہے۔ بالآخر ان کی محنت رنگ لائی اور وہ فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ محصورین فصیل پر منگولوں کے قبضے سے متوحش دکھائی دینے لگے۔ انہوں نے ان پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ منگول سپاہی فصیل پر پوری کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح وہ نیچے اتر کر صدر دروازے پر پہنچ جائیں مگر مدافعت اتنی شدید تھی کہ وہ پیش قدمی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی اثناء میں ہواؤں میں تیزی پیدا ہو گئی اور آسمان بادلوں سے ابر آلود ہو گیا۔ منگو خان نے موسم کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حملوں میں شدت کا حکم دیا۔ وہ موسم کے زیادہ بگڑنے سے پہلے دروازے تک رسائی حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ محصورین بھی بھانپ چکے تھے کہ منگول دروازے کی جانب بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے فصیل کی سیڑھیوں میں آگ کے الاؤ بھڑکا دیئے۔ ہوا کی شدت سے ان کے شعلے بے ترتیبی سے دائیں بائیں پھیلتے رہے۔ کئی منگول سپاہی آگ

میں جھلس کر ہلاک ہوگئے۔ یہ دیکھ کر منگول دستے کے سالار نے سپاہیوں کو فصیل سے چھلانگیں لگانے کا حکم دے دیا۔ سپاہیوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر فصیل سے چھلانگیں لگا دیں۔ محصورین ان کی جرأت پر ششدر رہ گئے۔ انہوں نے سپاہیوں کو کسی طرح بھی دروازے تک بڑھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ جو کوئی سپاہی چھلانگ لگانے پر بچ جاتا، وہ ان کی تلواروں کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ موسم اس قدر خراب ہوگیا کہ فصیل پر منگولوں کا رہنا دشوار ہوگیا۔ طاقتور طوفانی ہواؤں نے منگول سپاہیوں کو الٹی جانب پھینکنا شروع کر دیا۔ منگو خان نے یہ دیکھ کر سپاہیوں کو سیڑھیوں کے ذریعے تیزی سے اترنے کی ہدایت کی۔ ابھی منگول سپاہی نیچے اترنے کی کوشش میں مصروف تھے کہ تند ہواؤں نے فصیل سے لگی سیڑھیوں کو اڑا کر دور پھینک ڈالا۔ منگول سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد اس طوفان کے باعث فصیل سے گر کر ہلاک ہوگئی۔ منگول لشکر میں طوفان کے باعث ابتری کا عالم پھیل چکا تھا۔ محصورین نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے فصیل میں موجود چور دریچوں کو کھولا اور تیروں کی بارش ان پر کر دی۔ منگول سپاہیوں کو اس زبردست طوفان میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ تیروں کی بارش نے انہیں ایسا حواس باختہ کیا کہ وہ پیچھے کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ بے ترتیبی سے فرار ہوتے ہوئے وہ اپنے ہی ساتھیوں کو پیروں تلے کچل گئے۔ منگو خان نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا اور منظم کیا۔ انتظام و انصرام میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ منگول لشکر کا ایک بڑا حصہ تباہی و بربادی کا شکار ہو چکا تھا۔ منگو خان اپنے نقصان پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسے قلعے کے محصورین پر اتنا غصہ نہیں تھا جتنا کہ اچانک اٹھنے والے اس شدید طوفان پر تھا۔ وہ اپنے لشکر کی تنظیم کرتے ہوئے اسے ایک محفوظ درے کی جانب لے آیا۔ وہ محصورین کے تیروں کے حملے کی زد سے اب بالکل محفوظ تھے۔ منگو خان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ خود کو تیار رکھیں، طوفان کے تھمتے ہی ایسا زوردار حملہ کیا جائے گا کہ قلعے کے سب حفاظتی انتظامات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

کافی دیر کے بعد طوفان تھما تو منگو خان نے اپنے سپاہیوں کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ وہ جونہی قلعے کی جانب بڑھے تو انہیں منظم انداز میں دور دور تک پھیلا ہوا ایک بہت بڑا لشکر اپنے سامنے دکھائی دیا۔ وہ شہنشاہ چین چوآن کا لشکر تھا جس کا سرخ جھنڈا ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔ منگو خان کے لئے اس طوفانی موسم میں اچانک شہنشاہ چوآن کی آمد حیرت انگیز تھی۔ منگو خان نے وقت ضائع کئے بغیر اپنے لشکر کی صفیں سیدھی کیں اور بھرپور پیش قدمی کا حکم دیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ منگول سپاہی کچھ دیر پہلے طوفانی موسم سے نبرد آزما ہو کر نڈھال ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنی تکان کی پرواہ کئے بغیر چینی لشکر پر اپنی دھاک بٹھانے کی پوری کوشش کی۔ کئی گھنٹوں تک یہ معرکہ جاری رہا۔ دونوں جانب پلہ برابر دکھائی دے رہا تھا۔ شہنشاہ چوآن پیچھے کھڑا میدان جنگ کی صورت حال کے مطابق مختلف چالیں چلتا رہا۔ منگو خان کے مقابلے میں اس کا لشکر کافی زیادہ تھا۔ منگو خان کے لشکر کا کافی حصہ دن کے پہلے حصے میں تباہ ہو گیا تھا۔ لڑائی فیصلہ کن مراحل کی جانب بڑھنے لگی۔ چینی لشکر کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ منگو خان نے طاقت کے توازن میں فرق محسوس کیا تو اس نے محتاط انداز میں اپنی سپاہ کو پسپائی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ منگول لشکر مدافعتی انداز میں لڑتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ چینی لشکر نے یہ دیکھ کر حملوں میں شدت بڑھا دی۔ ان کی لگاتار کوششیں رنگ لائیں اور چینی لشکر کے سوار قلب میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔ قلب میں افراتفری سی مچ گئی اور پھر منگول لشکر کی صف بندی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی۔ منگو خان کے لئے نہایت دشوار حالات پیدا ہو چکے تھے۔ منگول لشکر ابتری کی تصویر بنا دکھائی دے رہا تھا اور چینی لشکر مسلسل انہیں نقصان پہنچا رہا تھا۔

(باقی حالات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں)

تاریخی کتابیں

داستان ایمان فروشوں کی — 5 حصوں میں مکمل — التمش — سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں۔ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں۔

... اور ایک بت شکن پیدا ہوا — 4 حصوں میں مکمل — عنایت اللہ — سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جنگ اور واقعاتی کہانیاں۔

شمشیر بے نیام — 2 حصوں میں مکمل — عنایت اللہ — خالد بن الولید، اسلام کی وہ تلوار جو کفر کے خلاف ہمیشہ بے نیام رہی۔

آستین کے سانپ — 2 حصوں میں مکمل — حسین ثاقب — سلطان ٹیپو شہید کی داستان جہاد، اسے آستین کے سانپوں نے ڈس لیا تھا۔ /100

حجاز کی آندھی — عنایت اللہ — مجاہدین اسلام کے ہاتھوں کسریٰ فارس کی تباہی کی داستان۔ /100

دمشق کے قید خانے میں — عنایت اللہ — اندلس کے ساحل پر کشتیاں جلا دینے والوں کی داستان شجاعت۔

اندلس کی ناگن — عنایت اللہ — تاریخ اندلس کے مردان حر کی ولولہ انگیز اور سنسنی خیز داستان۔ /100

ستارہ جو ٹوٹ گیا — عنایت اللہ — تاریخ اسلام کے کم عمر جرنیل کی داستان جہاد /100

○ آپ کتاب بذریعہ وی پی منگوائیں آدھا ڈاک خرچ ہم ادا کریں گے ○ تاریخ کے طالب علموں کیلئے خاص رعایت

مکتبہ داستان پرائیویٹ لمیٹڈ ۲۶ پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

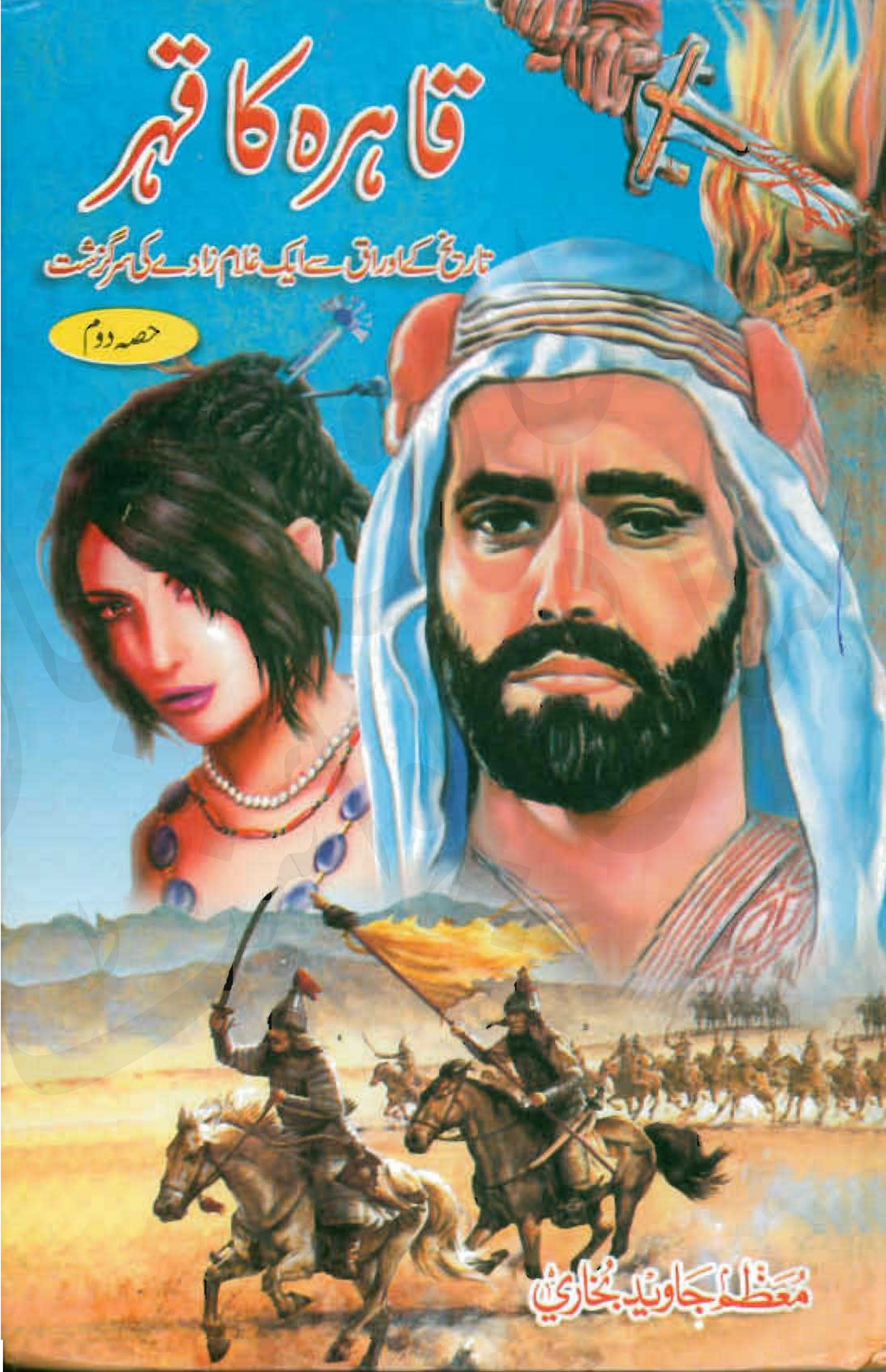
قاہرہ کا قہر
تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت
حصہ دوم
معظم جاوید بخاری

تاریخ کے اوراق سے ایک غلام زادے کی سرگزشت، جس نے تاجِ سلطانی
پہن کر مسلمانون پر وہ عظیم احسان کیے جنہیں فراموش کرنا ناممکن ہے!

قاہرہ کا قہر

(دوسرا حصہ)

معظم جاوید بخاری

محمد طارق اقبال پاکستانی پوائنٹ

حکایت پبلشرز 26 پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ لاہور۔فون: 7356541

جملہ حقوق بحق مکتبہ داستان محفوظ

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی فوٹو کاپی، سکینگ اور کسی بھی قسم کی اشاعت ماہنامہ حکایت لاہور کی تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جاسکتی

رابطہ کے لیے:

ماہنامہ حکایت 26 پٹیالہ گراؤنڈ لاہور

آپ اپنا آرڈر یا کوئی شکایت بذریعہ ای میل بھیج سکتے ہیں

ای میل: e-mail:maktabaedastan@yahoo.com
e-mail:monthlyhikayat@yahoo.com

ٹائٹل: نیکس ایچ

کمپوزنگ: شاہد امان

قیمت: =/220روپے

ناشر: حکایت پبلشرز۔ 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

اسٹاکسٹ: مکتبہ داستان 26۔ پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

فون: 7321898-7356541

انتساب!

محترم عنایت اللہ کے نام!

جن کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔

سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے سلطنت کے امراء و عمائدین کی خوشنودی اور تاتاری وفد کے حد سے بڑھے ہوئے گستاخانہ لب و لہجے پر ان کی ہلاکت کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر دربار سے باہر نکلنے پر وہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کی لپٹوں میں کسی حد تک پشیمانی بھی جھلکتی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر تاتاری بہاؤ کا رُخ اپنی جانب نہیں موڑنا چاہتا تھا مگر حالات نے اسے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ جہاں اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں تھا کہ وہ ہلاکو خان کے عیارانہ منصوبے کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے مقابلے کے لئے سینہ سپر ہو جاتا۔ اگر اسے ہلاکو خان کے عہد و پیمان پر تھوڑا بہت بھروسہ ہوتا تو قیاس یہی تھا کہ سلطان الملک المظفر اس کی اطاعت قبول کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کرتا۔ اسے اپنی جان کی قطعاً پرواہ نہیں تھی، اسے اگر کچھ خوف تھا تو صرف یہ کہ تاتاریوں کی خونخوار طبع بلادِ مصر کی بہار کو خزاں میں بدل ڈالے گی۔

وہ اسی گومگو کی کیفیت میں اپنے شاہی محل پہنچا۔ اس نے ہیجانی کیفیت سے نجات پانے کے لئے شاہی حمام کا رُخ کیا۔ کئی گھنٹوں تک وہ پانی کے حوض میں دھڑ ڈبوئے محض خلاء کو گھورتا رہا۔ اس کے دماغ کے پردے پر وسوسوں کے عکس اُبھرتے اور خود بخود مٹ جاتے۔ اس کا دل و دماغ کچھ عرصے پہلے دیکھے گئے خواب کی تعبیر کی مختلف اشکال بنا بنا کر پیش کرتا اور پھر خود ہی انہیں رد کر دیتا۔ کافی دیر بعد وہ اکتا کر وہاں سے نکلا۔ شاہی ملازمین اس کے چہرے پر پریشانی کی شکنیں دیکھ کر دبکے رہے۔ سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی کی حالت کا دورانیہ صرف ایک روز تک محدود نہیں رہا۔ تاتاری وفد کے قتل کے بعد وہ کئی ماہ تک صحیح طرح سو بھی نہیں سکا۔ ملکہ بدر منیر کی قیافہ شناس نگاہوں نے اس کا خوف بھانپ لیا تھا۔ وہ ایسے موقعے کی تلاش میں تھی جب وہ اس سے کھل کر بات کر سکتی۔

ایک دن وہ تنہا موجود تھا کہ اتفاق سے وہاں ملکہ بدر منیر پہنچ گئی۔ ملکہ بدر منیر تو کئی روز سے ایسے ہی کسی موقعے کی تلاش میں تھی۔ اسے تنہا پاتے ہی اس نے شاہی محافظین کو خلوت کا اشارہ کیا اور کسی بھی امیر کی آمد پر سلطان کو مطلع کرنے سے منع کر دیا۔ سلطان الملک المظفر مستقبل کی ادھیڑ بن میں کھویا تھا کہ ملکہ بدر منیر نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ سلطان الملک المظفر نے چونک کر اسے دیکھا اور دھیرے سے مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ ملکہ بدر منیر کو کھوکھلی محسوس ہوئی۔

''سلطان کا اقبال بلند ہو! میں کئی دن سے آپ کے چہرے پر تفکرات دیکھ رہی ہوں، کیا سلطان کو اپنی ملکہ کی ذہانت پر بھروسہ نہیں رہا کہ وہ آج اپنی ملکہ سے ہی اپنا معاملہ پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں''۔

''بدر منیر! مجھے تمہاری ذہانت پر بخدا کوئی شک و شبہ نہیں!'' سلطان الملک المظفر نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ملکہ بدر منیر اپنے ریشمی دوپٹے کے پلو سے کھیلنے لگی۔

''تو پھر اس غیریت کو خدا حافظ کہہ دیجئے اور اپنی پریشانی میں مجھے بھی حصہ دار بنا لیجئے''۔

سلطان الملک المظفر نے مختلف انداز میں ملکہ بدر منیر کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ پریشان نہیں ہے مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ ملکہ بدر منیر کے اصرار پر اپنے خوف کا اظہار کرنا ہی پڑا۔ وہ تاتاری یلغار کے خوف اور خواب کی ڈراؤنی تعبیر کے بارے میں اسے بتانے لگا۔ ملکہ بدر منیر اس کی باتوں پر دنگ رہ گئی۔ اس نے فوری طور پر سلطان کو اس مصنوعی کرب و بلا کے عالم سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا۔

''سلطان محترم!'' ملکہ بدر منیر گہرا سانس لے کر بولی۔ ''مجھے تعجب ہے کہ آپ بھی توہمات کی دلدل میں پھنس سکتے ہیں۔ آپ اس بے معنی سے خواب کو اپنے اعصاب پر طاری کئے ہوئے ہیں جس کی خود کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خوابوں کی تعبیر سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی مگر خوابوں کی بتائی گئی اکثر تعبیریں جھوٹ نکلتی ہیں۔ آپ شمس الدین کی بات کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے خواب کی یہ تعبیر بتائی ہے تو میں آپ سے صرف یہ سوال کرتی ہوں کہ کیا اس کا بیان اتنا معتبر سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسا ہی کچھ ہوگا ..... ہرگز نہیں! نہ تو وہ خدا ہے اور نہ ہی اسے غیب کا علم ہے۔ مصیبتیں سلطانوں کی زندگی میں اس دن قدم رکھتی ہیں جب وہ اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں۔ ان کی تمام زندگی کڑی مشکلات اور غیر متوقع حالات میں ہی بیت جاتی ہے۔ آپ بھی ایسے ہی ایک سلطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتخب کیا اور اتنے سارے انسانوں پر اقتدار کا شرف بخشا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟ پھر آپ کے ذہن میں یہ وسوسہ کیونکر بیٹھا کہ اللہ کا بخشا ہوا شرف کوئی کمزور شے ہے۔ آپ پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہیں، ان ذمہ داریوں سے چشم پوشی کے باعث اللہ کا بخشا ہوا شرف آپ کے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے۔ آپ کو بے معنی باتوں میں الجھنے کے بجائے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر ان تمام ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچانا ہے۔ میں بخوبی جانتی ہوں کہ تاتاری فتنہ کوئی معمولی شے نہیں ہے۔ اس کے سیل میں کئی ریاستیں تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ ریاستیں بلادِ مصر کے مقابلے میں بڑی نہیں تھیں۔ آپ کے زیرِ نگین ایک بڑا خطہ ہے۔ اس میں بسنے والے لوگ بڑے بہادر اور جری ہیں۔ آپ تو خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بآسانی وہ سب کچھ مل گیا ہے جس کو حاصل کرنے میں ایک زمانہ بیت جایا کرتا ہے۔ آپ کے پاس ترکوں کی وہ شاندار فوج ہے جو ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔ آپ کے پاس اتنی بڑی تعداد میں مملوک امرا ہیں، جن کے وجود عسکری ذہانت کے شاہکار ہیں۔ عسکری امرا کی اتنی بڑی تعداد بڑے خوش نصیب سلطانوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ بلادِ مصر کوئی تر نوالہ نہیں ہے جسے ہلاکو خان آسانی سے نگل سکے گا، آپ اطمینان رکھئے اور بے فکر ہو جائیے۔ اگر آپ تاتاریوں کا سامنا کرنے سے ہچکچا رہے ہیں یا آپ کو جان جانے کا خوف لاحق ہے تو میری صلاح مانئے کہ خود میدان میں اترنے کے بجائے عسکری امرا کو بطور پیادوں کے، شاطر سلطان کی مانند استعمال کیجئے۔ اس وقت تمام عسکری امرا آپ کی جانب دیکھ رہے ہیں، انہیں آپ کے اشارے کا انتظار ہے۔ آپ ان میں بیٹھئے اور ان کی حوصلہ افزائی کر کے ان کے شعلۂ جو جذبات کو جلا بخشئے تاکہ وہ تاتاری حملے کو ناکام بنانے میں جان کی بازی لگانے سے گریز نہ کریں''۔

ملکہ بدر منیر کے لہجے میں کچھ ایسی مٹھاس اور لگاوٹ تھی کہ کئی تلخ باتیں بھی سلطان الملک المظفر کو ناگوار محسوس نہ ہوئیں بلکہ اس کے وجود میں سرشاری سی پھیلتی گئی۔ اسے اپنا وجود ہلکا پھلکا سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ملکہ بدر منیر کی باتوں کو اس انداز میں سننے میں مشغول تھا جیسے کوئی بچہ استاد سے سبق لینے میں مصروف ہو۔ یہ سلسلۂ کلام کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ ملکہ بدر منیر نے بھرپور کوشش کے بعد سلطان الملک المظفر کے ذہن سے خواب کے نقوش مٹا ڈالے تھے۔ اس نے امور جہانبانی کے بارے میں اسے کئی نادر تجاویز دیں۔ سلطان الملک

المظفر کو کبھی ایسی نشست کا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ ملکہ بدر منیر سے امور جہانبانی پر گفتگو کر پاتا۔ وہ اس کی فہم و فراست اور ذہانت کا معترف دکھائی دے رہا تھا۔ ملکہ بدر منیر کے سمجھانے بجھانے سے اس نے طے کر لیا کہ وہ خود میدان میں نہیں اترے گا بلکہ قاہرہ میں بیٹھ کر کسی شاطر کی مانند ان تمام مملوک اور ترک امرا کو بطور مہرے استعمال کرے گا۔ اس کے ذہن میں ایسے امرا کی فہرست روشن ہو چکی تھی جن سے وہ کسی نہ کسی وجہ سے خائف و بدگمان تھا۔ وہ ایسے تمام امرا کو ہراول دستوں میں تعینات کر کے ہمیشہ کے لئے اپنی راہ سے ہٹانے کا عزم کر چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین اپنے منگول دوست نوئنا جو خان کے ساتھ ازدوئے زریں کے سلطان برقائی خان کے شاہی محل پہنچا۔ اسے آج صبح ہی برقائی خان کا پیغام ملا تھا کہ وہ فوراً اس سے آ کر ملے۔ مطیع الدین جب گھر سے شاہی محل کے لئے نکلا تو اسے خود میں عجیب سی جھجک محسوس ہوئی۔ وہ برقائی خان کا اچھا دوست رہ چکا تھا مگر وہ تب کی بات تھی جب برقائی خان کی حیثیت حکمران کی سی نہیں تھی بلکہ مطیع الدین کی نظر میں وہ ایک عام شخص تھا۔ دوالگ بات تھی کہ جب مطیع الدین کو یہ معلوم ہوا کہ برقائی خان کا تعلق شاہی خاندان سے ہے تو وہ اس کے سامنے خود کو کمتر محسوس کرنے لگا مگر اس بات کا احساس اس نے کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ اس کے اور برقائی خان کے درمیان فاصلوں کا باعث بنتی چلی گئی۔ سرائے میں واپسی کے بعد اپنے باپ کے کہنے کے باوجود وہ برقائی خان سے ملنے نہیں گیا۔ آج چونکہ برقائی خان کا پیغام آن پہنچا تھا اس لئے وہ مجبوراً اس سے ملاقات کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ شاہی محل پہنچ کر اس نے محافظ کو اپنا تعارف کرایا۔ کچھ ہی دیر میں اسے مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔ برقائی خان کسی دوسرے کام میں مصروف تھا اس لئے اسے وہاں پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ مطیع الدین نے دو ایک بار نوئنا جو خان کی جانب خالی نگاہوں سے دیکھا۔ مطیع الدین کے چہرے پر اکتاہٹ کی جھلک نوئنا جو خان نے دیکھی تو بولا۔

''کیا بات ہے؟ یہ انتظار تمہارے مزاج کے خلاف ہے کیا؟''

''معلوم نہیں! مجھے یہاں آنا کچھ اچھا نہیں لگا''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''میں وضاحت کرنے سے معذور ہوں''۔

''کس بات کی وضاحت نہیں ہو پا رہی تم سے .....'' برقائی خان کی بالتکلف آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ وہ دونوں برقائی خان کی آواز پر تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ برقائی خان نے آگے بڑھ کر دونوں کو گلے لگا کر بھرپور انداز میں مصافحہ کیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ برقائی خان کے عقب میں موجود محافظ حیرت بھری سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ برقائی خان کی نظر جب ان پر پڑی تو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''تم دونوں کہاں غائب رہے ہو؟ میں نے کئی بار پتہ کرایا مگر جواب میں ہمیشہ عدم موجودگی کی ہی اطلاع ملی''۔ برقائی خان خوشگوار لہجے میں بولا۔

''قاآن اعظم! .....'' نوئنا جو خان بولا ہی تھا کہ برقائی خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''کان کھول کر سن لو، تم دونوں میں سے کوئی بھی مجھے اس نام سے مخاطب نہیں کرے گا''۔

''میں وہ نہیں کہہ سکوں گا جو آپ سننا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو قاآن اعظم کہلوانا پسند نہیں ہے تو میں

کوشش کروں گا کہ اس لقب سے گریز کروں''۔ نوئنا جو خان نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''ٹھیک ہے تم کچھ بتانا چاہ رہے تھے......؟'' برقائی خان نے مزید الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

''آپ کے دوست نے میری مٹی پلید کر کے رکھ دی ہے۔ میں اپنے قبیلے سے یہاں اس مقصد کے لئے آیا تھا کہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دوں جس سے میرے قبیلے کی منزلت بڑھ جائے مگر مطیع الدین نے مجھے اپنی محبوبہ کی تلاش میں سراب کے پیچھے بھاگنے پر مجبور کر ڈالا ہے''۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' مطیع الدین اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا غرایا۔

''صحیح تو کہہ رہا ہوں......تم نے مجھے اتنے دنوں تک، شکار کے بہانے سے وادی سرخ غر میں خوار نہیں کیا''۔ نوئنا جو خان بے اعتنائی کے عالم میں تیزی سے بولا۔ مطیع الدین اس کے غیر متوقع ردیئے پر دنگ رہ گیا۔

''بے کار کی باتیں چھوڑو، میں خوب جانتا ہوں کہ مطیع الدین گل وتوژ کے لئے اکثر ایسا ہی بے تاب ہو جاتا ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ یہ عشق بڑا فضول روگ ہے جسے لاحق ہو جائے وہ کام کاج کا نہیں رہتا۔ میں تم دونوں کا ایک ضروری کام کی بابت انتظار کر رہا تھا، اللہ کا شکر ہے تم لوگ دیر ہونے سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے''۔

''خیریت تو ہے برقائی خان؟'' مطیع الدین چونک کر بولا۔

''امورِ اقتدار میں خیریت کا کیا لینا دینا؟ بہرحال میری فکر میں خود کو ہلکان نہ کرو بلکہ میری بات پر توجہ دینے کی کوشش کرو''۔ برقائی خان کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ ''کچھ عرصہ پہلے قہستان میں بڑے قاآن اعظم کے حکم پر کچھ مہمات بھیجی گئی تھیں۔ یہ مہمات ہلاؤ خان کی زیر قیادت تھیں۔ قہستان میں سب سے مشہور علاقہ قلعہ الموت کہلاتا ہے۔ یہاں حسن بن صباح کا فرقہ رہتا ہے جسے باطنی یا فدائین کہا جاتا ہے۔ ہلاؤ خان نے پے در پے حملوں کے بعد فدائین کا زور کچل کر رکھ دیا اور بے شمار لوگوں کو ہلاک کیا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد ماری جا چکی ہے جبکہ بچے کھچے لوگ اپنی طاقت کی بحالی میں مصروف ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے ان کے پاس جاؤ اور وہاں ایسے حالات کی پیدا کرو کہ وہ لوگ اس قابل ہو جائیں کہ انہیں استعمال کیا جا سکے''۔ برقائی خان نے بات مکمل کی۔

مطیع الدین قہستان کا نام سن کر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔ اس کے ذہن میں گھوڑے کا عمامہ گھومنے لگا جو اس کے باپ کے کہنے کے مطابق کسی فدائی نے اس کی راہ میں پھینک کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ برقائی خان کے لبوں سے اچانک فدائین کا ذکر سن کر وہ چونک سا گیا تھا، اس نے برقائی خان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''برقائی خان! میں کچھ دن پہلے تک تو فدائین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا گزشتہ دنوں ہونے والے ایک اہم واقعے نے میری توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے۔ میری تحقیق کے مطابق یہ گروہ مسلمانوں کا سخت ترین حریف ہے۔ تمہارا ایسے گروہ کے بارے میں دلچسپی لینا مجھے کچھ مناسب نہیں لگا''۔

''مجھے فدائیوں سے کوئی رشتہ داری نہیں کرنا ہے بلکہ کچھ ایسے مفادات ہیں، جن کی تکمیل ان کی مدد سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ میں ہلاؤ خان پر کاری ضرب لگانا چاہتا ہوں۔ فدائیوں کی مدد کرتے ہوئے میں ان کی مکمل حمایت حاصل کر سکتا ہوں''۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟ مگر یہ بات ضرور طے ہے کہ فدائی مرتد لوگ ہیں اور ان

کا ہمارے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ ایسے لوگوں کی حمایت حاصل کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا''۔ مطیع الدین نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان نے اس کی بات پر برا نہیں منایا۔ ''الحمدللہ میں تہہ دل سے اپنے دین کی حفاظت کا تہیہ کئے ہوں، حالات کچھ ایسے پیدا ہو چکے ہیں کہ میں ایسے واسطوں کا استعمال کرنے پر مجبور ہوں جن سے ہلاؤ خان کی بڑھتی ہوئی درندگی کو روکا جا سکتا ہے۔ بغداد کی تباہی اور امیر المومنین کے قتل کے بعد مجھے مسلمان سلاطین میں کوئی ایسا دکھائی نہیں دے رہا جو ہلاؤ خان کے خوفناک عزائم کی راہ میں آہنی دیوار بن سکے۔ ایسے حالات میں چھوٹی چھوٹی قوتوں کو باہم مربوط کر کے ایک ایسی قوت تشکیل دی جا سکتی ہے جو ہلاؤ خان کو مزید پیش قدمی سے روک سکے۔ فدائیوں کی ہلاؤ خان سے عداوت بھی ہے اور وہ زخم خوردہ بھی ہیں۔ ان کی طاقت کو مجتمع کر کے ہلاؤ خان کے لئے بڑی پریشانی کھڑی کی جا سکتی ہے''۔

''میں تمہارے خیر سگالی جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں، مگر ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ فدائیوں کے سلسلے میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں پڑی۔ تمہارے پاس بڑے عالی دماغ لوگ موجود ہیں جو تمہارے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوتے''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''مجھے تم سے اسی سوال کی توقع تھی''۔ برقائی خان مسکرایا۔ ''میرے پاس ترک اور منگول امرأ ہیں۔ انہیں فدائیوں کے پاس بھیجنے میں مجھے کوئی رکاوٹ نہیں مگر میں ایسے موڑ پر کھڑا ہوں کہ جہاں مجھے اپنا دامن بھی بچانا مقصود ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے حلیفوں پر یہ ظاہر کروں کہ میں ایل خانی استبداد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ میرا مقصد مخفی رہتے ہوئے ہلاؤ خان کی نصرانیت کے لئے کامیابی کا راستہ روکنا ہے اور اپنے دین کی خدمت کرنا ہے۔ تم چونکہ صورت سے ہی عرب دکھائی دیتے ہو، اس لئے فدائی تم پر اعتماد کر لیں گے، ممکن ہے کہ وہ بھیجے جانے والے کسی منگول یا ترک کو سازش سے تعبیر کریں''۔

برقائی خان کی باتیں سن کر نوئنا جو خان کا چہرہ متغیر دکھائی دینے لگا۔ اس کے دل میں اپنی قوم کی شان و شوکت کے لئے ہمدردی اور خلوص کے جذبات تھے، اس لئے اسے برقائی خان کے ارادوں سے گہری ٹھیس پہنچی۔ وہ بظاہر تو خاموش رہا مگر اس کی آنکھیں دل کے جذبات کی عکاسی کرتی رہیں۔ برقائی خان چونکہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا، اس لئے وہ اس کی متغیر کیفیت سے بے خبر رہا۔

''بہرکیف جو کچھ بھی ہے تم مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' مطیع الدین نے سوال کیا۔

''تم تاجر کے روپ میں یہاں سے رخصت ہو کر سمرقند سے ہوتے ہوئے وادی قاف میں پہنچو گے اور پھر بالائی جانب سفر کرتے ہوئے قہستان پہنچ جاؤ گے۔ راستے میں تمہارا کیا کردار ہو سکتا ہے، اس بارے میں تم خود فیصلہ کر سکتے ہو۔ قہستان پہنچنے کے بعد تمہیں فدائیوں کی سرکردہ شخصیت سے رابطہ قائم کرنا ہوگا اور انہیں ہلاؤ خان کے سابقہ نقصانات کا بدلہ لینے کے لئے تیار کرنا ہوگا، ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت کی کمی کی شکایت کریں۔ تمہیں انہیں اس بات کی یقین دہانی کرانا ہوگی کہ زریں خیل منگول ان کی پشت پر ہر دم موجود رہیں گے کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی ہلاؤ خان کو راستے سے ہٹانا''۔ برقائی خان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہلاؤ خان آج کل کہاں ہے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''ہلاؤ خان کے بارے یہی اطلاعات ملی ہیں کہ وہ فلسطین کے علاقوں میں کہیں موجود ہے، مجھے کچھ ایسی خبریں ملی ہیں جن کے مطابق اسے بہت جلد واپسی کے لئے روانہ ہونا پڑے گا، اگر وہ مختصر راستے اختیار کرے تو اسے وادی قاف سے گذرنا پڑے گا۔ یہی وہ وقت ہے جب فدائی اس پر حملہ آور ہو کر اسے راستے

سے ہٹا سکتے ہیں۔ تمہیں وقت ضائع کئے بغیر قہستان کی راہ لینا ہوگی''۔ برقائی خان نے اپنی بات مکمل کی۔ اچانک برقائی خان کی نگاہ فوننا جو خاں پر پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر برقائی فوراً بھانپ گیا کہ فوننا جو خان نے اس کی باتوں کا غلط اثر لیا ہے۔ برقائی خان نے کوئی تاثر دیئے بغیر اسے مخاطب کیا۔ ''کیا بات ہے فوننا جو خاں! تمہاری آنکھوں میں سرخی کیسی ہے کیا رات ٹھیک طریقے سے سوئے نہیں تھے؟''

''مجھے آپ کی نیت جان کر گہرا صدمہ پہنچا ہے!'' فوننا جو خان کورے لہجے میں بولا۔

''میں اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہوں گا، یہ اقتدار کے داؤ پیچ ہیں، تم ان کے الجھاوے میں نہ ہی پڑو تو اچھا ہے۔ میں تمہیں اناتی خان کے پاس بھجوائے دیتا ہوں، وہ تمہیں کسی موزوں کام پر لگا دے گا''۔ برقائی خان نے کہا۔

''میں مطیع الدین کے ساتھ جانا چاہوں گا''۔ فوننا جو خان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

''اس بات کی تمہیں اجازت نہیں ہوگی۔ حالات کی سنگینی کے تحت مطیع الدین کا تنہا روانہ ہونا ہی مناسب ہے''۔ برقائی خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو فوننا جو خان نے چپ سادھ لی۔ برقائی خان کی مردم شناس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ فوننا جو خان کی وفاداری میں فرق پیدا ہو چکا ہے اسی لئے وہ مطیع الدین کو کسی انجانے خطرے سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین بھی فوننا جو خان کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے اس موضوع پر مزید سوال جواب کا سلسلہ موقوف کرتے ہوئے باتوں کا رُخ دوسری جانب موڑ دیا۔ فوننا جو خان مسلسل خاموش بیٹھا رہا۔ برقائی خان نے نزاکت کے پیشِ نظر ایک غلام کے ذریعے فوننا جو خان کو عبداللہ اناتی خان کے پاس بھجوا دیا۔ وہ شکستہ انداز میں اُٹھ کر رخصت ہو گیا۔ اسی دوران کسی اور آمد کی اطلاع پا کر برقائی خان نے مطیع الدین کو بھی رخصت کر دیا۔ مطیع الدین جب وہاں سے نکلا تو اس کا ذہن فدائی نقشے میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بظاہر برقائی خان کے لئے یہ کام کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا مگر جانے کیوں اسے خود بھی یہ سب کچھ ٹھیک نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں کھویا اپنے گھر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک شخص ایک طرف سے نکل کر اس کی جانب تیزی سے بڑھا۔ مطیع الدین اپنے قریب کسی کی موجودگی پر چونک سا گیا۔

❁ ❁ ❁

قاہرہ کا شاہی دربار امرأ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عام سے لے کر خاص امرأ و عمائدین تک وہاں موجود تھے۔ ان سب کو یہی اطلاع ملی تھی کہ آج سلطان الملک المظفر تاتاریوں سے نبٹنے کے لئے کسی خاص لائحہ عمل کا اعلان کرنے والا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے ریاست کے سب عہدیداروں اور امرأ کو دربار میں لازمی حاضر ہونے کا حکم جاری کیا ہوا تھا۔ دن کے پہلے حصے میں سلطان الملک المظفر اپنے خاص رفقاء کے جلو میں دربار میں پہنچا تو عمائدین کی جماعت نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ سلطان الملک المظفر نے تخت شاہی پر نشست سنبھالنے کے بعد مختصر توقف سے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ اس نے سب سے پہلے جہاد سے متعلقہ چند آیات کی تلاوت کی اور پھر حق و باطل کے مابین جنگ پر کچھ دیر تک وضاحت کرنے کی کوشش کی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور کفار کے ساتھ غزوات پر فصیح انداز میں خطاب کیا۔ سب لوگ خاموشی سے بیٹھے اس کا خطاب سنتے رہے، جب اس کی تقریر کا رُخ حالات حاضرہ کی جانب پلٹا تو عمائدین کے چہروں پر پھیلے ہوئے اشتیاق کے سائے گہرے دکھائی دینے لگے۔

''فاخرانِ بلادِ مصر!'' سلطان الملک المظفر گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ ''وہ گھڑی اب آن پہنچی ہے جس کا ہمیں بہت دیر سے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ خود کو حالت جنگ میں نہ دھکیلیں اور سب

معاملات امن و سلامتی سے طے پا جائیں مگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے جذبۂ ایمان کی آزمائش مطلوب ہے۔ آپ سب لوگ اسی سرزمین کے باسی ہیں، اس سرزمین کی حفاظت میں ہی آپ کی بقاء مخفی ہے۔ میرے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر اس کڑی آزمائش کا مقابلہ کیجئے۔ اطمینان رکھئے میں آپ کو بیچ منجدھار تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اس وقت مجھے کسی ایسے پُرجوش فرد کی تلاش ہے جو میری مشکل کو کسی حد تک آسان کر دے اور تاتاریوں کے سیل سے ٹکرانے کے لئے اپنی مخلصانہ خدمات پیش کرے۔ آپ میری بات سے یہ قیاس مت کیجئے کہ میں خود تاتاریوں سے نبرد آزما ہونے سے پہلو تہی اختیار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بلادِ مصر کی حفاظت چونکہ میری ذمہ داری ہے، اس لئے میں عسکری اصولوں کے تحت وہ سب تدبیریں اختیار کروں گا جو بلادِ مصر کے حق میں مفید ثابت ہوں گی فی الوقت یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بذاتِ خود میدانِ جنگ میں اُتر دوں۔ میں آپ اپنی طرف سے کسی ایسے بہادر شخص کو یہ مہم سونپنا چاہتا ہوں جو تاتاریوں کو سبق سکھانے کے لئے بے تاب ہو اور جس کے دل پر مدمقابل کا خوف یا رُعب نہ طاری ہو''۔

سلطان الملک المظفر کا انوکھا نقطۂ نظر جب عمائدین کے سامنے آیا تو ان کے چہرے فرطِ حیرت سے پھیل گئے۔ وہ کسی اور توقع کی غرض سے وہاں پہنچے تھے مگر سلطان تو اپنا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر منتقل کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ دربار میں ہلکی سی کھسر پھسر ہوئی اور پھر گہری خاموشی پھیل گئی۔

''میں آپ کی اِس خاموشی کو کیا نام دوں؟ بزدلی یا فرار.....'' سلطان الملک المظفر نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا مگر گہرے سکوت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

''سلطان عالی!'' ایک مصری امیر اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولا۔ ''ہمیں آپ کا یہ انداز کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ہم سے یہ طلب کریں کہ کیا ہم میں کوئی میدان جنگ میں اترے گا؟ الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں اور سپاہیانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ آپ ہم میں کسی پر انگلی رکھ سکتے ہیں۔ زیادہ بہتر تو یہی تھا کہ آپ اپنی مردم شناس نگاہ سے ہم سے کسی ایک کا انتخاب کرتے اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کر دیتے''۔

''تم بیٹھ جاؤ!'' سلطان الملک المظفر نے خوشگوار انداز میں حکم دیا۔ ''مجھے تمہارا جواب بے حد بھایا ہے، مگر یہ سابق سلطانوں کا انداز ہے کہ جسے چاہا اس کی گردن میں ذمہ داری کا طوق ڈالا اور ایک لشکر اس کی قیادت میں روانہ کر دیا گیا۔ ایسے فیصلوں کے بعد کئی منتخب سالار کامیاب بھی ہو جایا کرتے تھے مگر زیادہ تر یہی نتیجہ نکلتا کہ ناکامی و پشیمانی ہی سلطانوں کے حصے میں آیا کرتی۔ میں ایک ایسے مشکل دوراہے پر کھڑا ہوں کہ ناکامی کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا میرے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے میں کسی ایسے فرد کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں جو محض بہادر ہی نہ ہو بلکہ فہم و فراست سے کام لے کر تاتاریوں پر ایسی کاری ضرب لگائے کہ ان کی طاقت منتشر ہو جائے۔ اس موڑ پر ایسا ہونا لازمی جزو بن چکا ہے اگر آج ہم ناکامی سے دوچار ہو گئے تو تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا کسی کے بس میں باقی نہیں رہے گا۔ اگر اب تاتاری سیل کے سامنے بند باندھ دیا گیا تو رعیت کے دلوں پر چھایا ہوا خوف و ہراس دور ہو جائے گا''۔

''سلطان محترم کی فہم و فراست پر ہمیں بے حد ناز ہے۔ آپ کی جرأت و حوصلہ مندی کی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایسی اعلیٰ قیادت کے زیر سایہ ہم دشمن کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ وہ چوکڑی بھول جائے گا''۔ فارس الدین اقطائی نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔

''فارس الدین!'' سلطان الملک المظفر دھیمے انداز میں مسکرایا۔ ''تم سالارِ اعظم ہو، میں چاہوں تو اس مہم کی ذمہ داری تمہیں سونپ سکتا ہوں مگر میں فی الوقت ایسا کچھ نہیں کروں گا، بلکہ تمہیں اپنے دوسرے

مرحلے کے لئے محفوظ رکھنا چاہوں گا۔ میں یہ جنگ کچھ ایسے انداز میں لڑنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تاتاری لشکر پر نفسیاتی انداز میں حملہ کیا جائے اور اس کے بعد ایک فیصلہ کن جنگ۔ اس وقت تاتاریوں کو صرف اتنا باور کرانا مقصود ہے کہ ہم اعلیٰ قیادت کا استعمال کئے بغیر ان کی جانب پیش قدمی کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اس عمل سے تاتاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اگر معمولی حیثیت کا لشکر اتنا جرأت مند ہو سکتا ہے تو اصل لشکر سے مقابلہ کتنا مشکل ثابت ہوگا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ اس کا عجیب سالائحہ عمل کسی کے بھی پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ عمائدین و امرا کے چہرے اس بات کے غماز تھے کہ وہ سلطان الملک المظفر کی عسکری چال سے مطمئن نہیں ہیں۔ سلطان الملک المظفر اپنے عمائدین کی کیفیت بخوبی بھانپ چکا تھا، اس نے خود ہی بات کا رُخ پلٹتے ہوئے سلسلہ کلام جوڑا۔

''گذشتہ ایام میں مجھے تم میں سے ایک بے باک شخص بے حد پسند آیا۔ اس کی جرأت و ذہانت پر کئی بار مجھے متوجہ ہونا پڑا۔ چونکہ اس وقت حالات کچھ ایسے نہیں تھے کہ اس کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا، اس لئے میں خاموش رہا۔ دیسے بھی میں نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب بھی تاتاری لشکر کے خلاف کوئی مہم روانہ کی جائے گی، اُسے خصوصاً کوئی نہ کوئی کلیدی حیثیت ضرور سونپی جائے گی''۔

''شاید آپ کا اشارہ بیبرس کی جانب ہے؟'' فارس الدین اقطائی کی عجلت دیکھنے کے لائق تھی، شاید وہ اسی انتظار میں تھا کہ کب اسے بیبرس کا ذکر چھیڑنے کا موقعہ ملے۔ کئی لوگوں نے فارس الدین اقطائی کے لبوں پر معمولی حیثیت کے حامل شخص کا نام سن کر برا سا منہ بنایا۔

''تمہارا اندازہ صحیح ہے! بیبرس کہاں ہے؟ وہ ابھی تک مجھے دکھائی نہیں دیا''۔

''سلطانِ محترم! میں یہاں ہوں''۔ بیبرس صدر دروازے سے اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ ''دیر سے پہنچنے پر معذرت خواہ ہوں''۔

''آؤ بیبرس!'' سلطان الملک المظفر اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے، تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا، اب اس کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ بلادِ مصر کی حفاظت کی اہم ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ڈال دی جائے کیا تم اس بات کی اہلیت رکھتے ہو کہ تاتاریوں سے مقابلہ کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دو''۔

''الحمدللہ!'' بیبرس سلطان الملک المظفر کی بات سن کر دیوانہ سا ہو گیا۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ دکھائی دینے لگا۔ ''میں تو ایسے وقت کا انتظار بڑی بے تابی سے کر رہا تھا''۔

''بہت خوب!'' سلطان الملک المظفر نے محظوظ ہوتے ہوئے داد دی۔ ''ہم جانتے ہیں کہ انسان کسی نہ کسی مفاد کے باعث ہی نمایاں ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ تمہاری اس بے تابی کے پیچھے کیا مفاد پوشیدہ ہے''۔

''ولایت حلب!'' بیبرس نے پُرسکون انداز میں مختصر جواب دیا۔ اس کا چہرہ تو سپاٹ دکھائی دے رہا تھا مگر اس کے اندر اپنی ہی بات پر کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ خجالت و شرمندگی اس کے دل و دماغ پر مسلسل کچوکے لگا رہی تھی۔ عالم اسلام کے لئے دھڑکنے والا دل آج معاوضہ طلب کر رہا تھا۔ وہ شاید کبھی ایسی غرض اپنے لبوں پر نہ لاتا۔ یہ صرف شیخ عزالدینؒ کی خاص ہدایت تھی جسے مجبوراً اسے اپنے لبوں تک لانا پڑا۔ درباری عمائدین بیبرس کا جواب سن کر بھونچکا رہ گئے۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار اتنی بڑی فرمائش کرے گا۔ حتیٰ کہ فارس الدین اقطائی جو کہ بیبرس کا سب سے قریبی دوست تھا، وہ بھی اس کے منہ

سے غیر متوقع بات سن کر مخمصے کا شکار دکھائی دینے لگا۔

''بہت خوب!'' سلطان الملک المظفر نے کچھ توقف کے بعد استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''ہم تو یہ سمجھے تھے کہ تمہارا جذبہ بے حد خالص ہے مگر یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ نکلا''۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ناکام و نامراد نہیں رہوں گا، اسی لئے میں نے اس انعام کے بارے میں پہلے طے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو مجھے کامیابی کی صورت میں بعد میں دیا جاتا۔

''انعام و اکرام کے بارے میں طے کرنا تو ہمارا کام تھا کہ فتح کے بعد تمہیں کیا دیا جاتا...... اگر تم اسی بات پر خوش ہو تو حلب تمہارا ہوا۔ ہم تم سے تمام زندگی کسی قسم کا خراج نہیں مانگیں گے اور نہ ہی تمہاری خودمختاری میں کسی قسم کی مداخلت کریں گے''۔ سلطان الملک المظفر نے دھیمے انداز میں مسکرا کر اپنی دادودہش کا مظاہرہ کیا۔

''میں چاہوں گا کہ یہ قول مجھے نامہ پر شاہی مہر ثبت کر کے دیا جائے''۔ بیبرس نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے شرط عائد کی۔ سلطان الملک المظفر نے اس کی بات پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور اسی لمحے کاتب کو ہدایت کی کہ وہ بیبرس کے نام ایک نامہ تحریر کرے جس میں فتح کی صورت میں حلب کی ولایت کی منتقلی کا ذکر کیا جائے۔ کاتب تحریر لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

''سلطانِ محترم!'' ایک مملوک امیر نے اُٹھ کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ''بیبرس اس ریاست کا تنخواہ دار ملازم ہے یہ اس کا فرض ہے کہ وہ ریاست کی سلامتی کے لئے اپنی خدمات بلامعاوضہ پیش کرے۔ آپ کو اس کی شرط تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو ایک غلط روایت جنم لے گی، سپاہی جنگ کی صورت میں رعیت کو مجبور کیا کریں گے کہ ان کی ضرورتیں پہلے پوری کی جائیں پھر وہ اپنا فرض بجا لائیں گے''۔

''ٹھیک ہے بیبرس اس ذمہ داری سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور سپاہی کی مانند اپنا فرض بجا لائے گا تم بلا معاوضہ اس معرکے کی قیادت کی ذمہ داری قبول کر لو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ فارس الدین اقطائی نے سخت لہجے میں اسے جواب دیا۔ مملوک امیر دربار میں منصب شاہی پانے کے بعد عسکری تربیت کو عرصہ پہلے الوداع کہہ چکا تھا، اس لئے منہ بنا کر خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ سلطان الملک المظفر بیبرس کی جانب متوجہ ہوا۔

''تمہیں صرف پچیس ہزار سپاہیوں کا لشکر دیا جائے گا اور تم اسی لشکر کے ساتھ تاتاریوں کو شکست فاش دو گے۔ تمہیں اپنی مرضی سے کسی مملوک سالار کے انتخاب کی اجازت بھی نہیں ہوگی البتہ جن افراد کے بارے ہم فیصلہ کریں گے، انہیں لشکر میں شامل کرنا تمہارا فرض ہے۔ تمہارے لشکر میں موجود ہر سپاہی تمہارا اطاعت گذار ہوگا لیکن یہ اطاعت صرف جنگ تک محدود ہوگی۔ جنگ کے فیصلے کے بعد تم سے تمام لشکر واپس لے لیا جائے گا۔ ولایتِ حلب پر جاتے ہوئے تم کوئی سپاہی اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ناکامی کی صورت میں تمہیں تمام عمر کے لئے زنداں خانے کی تاریکیوں میں دھکیل دیا جائے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنی شرائط واضح کیں۔ درباری سلطان کی شرائط سننے کے بعد پُریقین ہو چکے تھے کہ وہ بیبرس سے کسی پرانی رنجش کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ تاتاریوں کے مقابلے میں صرف پچیس ہزار سپاہیوں کا لشکر بھلا کیا مقابلہ کرے گا؟ البتہ بیبرس اور فارس الدین اقطائی کے حریف امرا کے چہرے کھل اُٹھے تھے۔

''سلطانِ محترم! یہ لشکر جنگ جیتنے کے لئے ناکافی ہے......'' فارس الدین اقطائی نے بیبرس کی حمایت میں احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

''اقطائی! یہ طے کرنا ہمارا کام ہے کہ تاتاری یلغار کا سامنا کیسے کیا جائے گا؟ یہ ہماری حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ پہلی مہم میں صرف اتنی ہی فوج کا استعمال کیا جائے'' ۔ سلطان الملک المظفر نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے سلطانِ محترم کی تمام شرائط منظور ہیں مگر کچھ معاملات ایسے ہیں جن کے لئے آپ کی توجہ اپنی جانب مرکوز کرنا چاہتا ہوں گا'' ۔ بیبرس کچھ سوچ کر بولا۔

''تمہیں ہر بات کی اجازت ہے، البتہ تعداد میں اضافہ ممکن نہیں ہوگا'' ۔

''میں دو امور کے بارے میں استدعا کروں گا کہ انہیں میرے اختیار میں دیا جائے ۔ پہلا یہ کہ اگر مجھے کہیں سے رضا کارانہ عسکری مدد ملے تو آپ اس میں رکاوٹ نہیں ڈالیں گے اور دوسرا یہ کہ میں اپنی مرضی سے مہم کے لئے نکلوں گا۔ اگر تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی خبر ملی تو میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا بصورت دیگر میں اپنی عسکری تیاری کے مکمل ہونے پر ہی روانہ ہوں گا'' ۔ بیبرس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''تمہاری پہلی شرط سے تو ہمیں کوئی اختلاف نہیں البتہ دوسری شرط ہماری حکمت عملی کے خلاف ہے، چونکہ مکمل عسکری تیاری کے بغیر روانگی خودکشی کے مترادف ہے اس لئے ہم اسے بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ البتہ اگر تاتاری لشکر جنگ سے گریز کرے تو ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ انہیں جان بوجھ کر اپنی جانب متوجہ کیا جائے'' ۔ سلطان الملک المظفر نے کچھ سوچ کر کہا۔

بیبرس سلطان کے آخری فقرے سے الجھ سا گیا۔ وہ ہر قیمت پر تاتاریوں کو سبق سکھانے کا خواہش مند تھا، بڑی مشکل سے سلطان تاتاری لشکر سے نبرد آزمائی پر آمادہ ہوا تھا۔ بیبرس اچھی طرح جانتا تھا کہ پچیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہ تاتاری لشکر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا مگر اس کے ذہن میں کئی دوسرے راستے روشن تھے جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ اپنی اس مشکل کو آسان کر سکتا تھا۔ سلطان الملک المظفر نے تاتاری موضوع کو ختم کرتے ہوئے دوسرے عمومی مسائل کی جانب توجہ دینا شروع کی تو بیبرس دربار سے باہر نکل آیا۔ فارس الدین اقطائی اس کے پیچھے تیزی سے لپکا۔ اس نے بیبرس کو سمجھانے کی کوشش کرنا چاہی تو بیبرس نے اسے تسلی دی کہ وہ جیسا سوچ رہا ہے ویسا کچھ نہیں ہوگا۔ وقت آنے پر سب کچھ سامنے آ جائے گا۔ فارس الدین اقطائی اس کے جواب پر غیر مطمئن سا واپس لوٹ گیا۔ بیبرس کا ذہن ان خطوط پر تیزی سے متحرک تھا جو سلطان الملک المظفر کی کڑی آزمائش میں سے اسے نکال سکتے تھے۔

❀❀❀

مطیع الدین نے تیزی سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ لمبا تڑنگا شخص تھا جو سیاہ لباس میں ملبوس تھا اور اس نے سرخ کپڑے سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مطیع الدین نے متفکر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں مطیع الدین کو گھورتی ہوئی دکھائی دیں۔ مطیع الدین اندازہ لگانے میں ناکام رہا کہ وہ کون ہو سکتا ہے اور اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ اس کے مقابل پہنچ کر خاموش کھڑا رہا۔

''کیا بات ہے؟'' مطیع الدین نے نرمی سے دریافت کیا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے، کیا تم میرے ساتھ کسی محفوظ جگہ پر جا سکتے ہو'' ۔ اس اجنبی نے تیزی سے کہا۔

''میرے خیال میں یہ جگہ بھی محفوظ ہی ہے'' ۔ مطیع الدین کے لہجے میں شگفتگی پھیل گئی۔

''میں تم سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں'' ۔

''تنہائی سے کیا مراد ہے؟ میں یہاں تنہا ہی ہوں'' ۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''تم بات کو خواہ مخواہ طول دینے کی کوشش کر رہے ہو، میں تمہیں شہر سے باہر لے جانا چاہتا ہوں'' ۔ اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اجنبی نے اسے ایک جانب بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مطیع الدین اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں خیموں کے بازار میں سے گزرتے ہوئے سرائے کے بیرونی میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان کے دوسری جانب زیر خیل لشکروں کے زرد خیموں کی طویل قطاریں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ مطیع الدین نے اپنے چاروں جانب جائزہ لیا۔ وہاں دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا۔

''بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین نے سوال کیا۔

''تمہارے قبضے میں میری ایک خاص چیز ہے، میں اس کی واپسی چاہتا ہوں'' ۔ وہ بولا۔

''کیا مطلب؟'' مطیع الدین اس کی بات پر دنگ سا رہ گیا۔

''میں کوئی ایسی زبان نہیں بول رہا کہ تمہیں میرا مطلب سمجھنے میں دشواری ہو'' ۔ اجنبی کے لہجے میں درشتی عود کر آئی۔

''اجنبی! میں تمہیں نہیں جانتا اور نہ ہی کسی چیز کے بارے میں جانتا ہوں جو تمہاری ہو اور میرے پاس موجود ہو، دوسرا تم پرسکون لہجے میں بات کرو تو زیادہ بہتر ہوگا، میں بدتمیزی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں'' ۔ مطیع الدین نے اس کے انداز پر بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

''اور میں بھی اپنی چیز کسی دوسرے کے قبضے میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا'' ۔ وہ تنک کر بولا۔

''تم جو کوئی بھی ہو، سب سے پہلے تو چیز کی وضاحت کرو تاکہ مجھے یہ اندازہ ہو سکے کہ تم صحیح کہہ رہے ہو یا کسی غلط فہمی کا شکار ہو'' ۔ مطیع الدین نے کہا۔

''مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں صفائیاں پیش کرتا پھروں، میں نے جتنا کہنا تھا کہہ دیا، وہی کافی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میری کون سی چیز تمہارے قبضے میں ہے اگر تم کل صبح تک اسے لوٹانے پر راضی نہ ہوئے تو میں تم سے نپٹ لوں گا'' ۔ اجنبی نے دھمکی دی۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر جہاں حیرت زدہ تھا وہیں اس کی بدتمیزی پر بھڑک اُٹھا۔

''تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ اگر تمہیں اپنے بازوؤں کی قوت پر اتنا ہی ناز ہے تو سامنے آ جاؤ۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا'' ۔ مطیع الدین نے پہلو میں لٹکتی ہوئی تلوار کے دستے پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ اجنبی خاموش نگاہوں سے محض اسے گھورتا رہا۔

''میں تم سے مبارزت کرنے کی خواہش نہیں رکھتا، مجھے تو صرف اپنی چیز سے غرض ہے، وہ تم مجھے اپنی خوشی سے لوٹا دو'' ۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

''بھئی! جب تک مجھے یہ علم نہیں ہوگا کہ تمہاری کیا چیز میرے قبضے میں ہے، تب تک میں کیسے یہ فیصلہ کروں گا کہ وہ تمہیں واپس دینا چاہئے یا نہیں'' ۔ مطیع الدین جھنجلا کر بولا۔

''اچھا تو کل صبح ملاقات ہوگی۔ تم میری چیز کے ساتھ یہیں پہنچ جانا'' ۔ اجنبی نے مطیع الدین کی پرواہ کئے بغیر اپنا فیصلہ سنایا اور تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کے عجیب سے انداز پر منہ پھاڑے کھڑا اسے تکتا رہ گیا۔ اس نے اسے آواز بھی دی مگر وہ شاید مزید کوئی بات سننے کا خواہش مند نہیں تھا۔ وہ رُکا

نہیں۔ اسی لمحے مطیع الدین کا ذہن بیدار ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ کر تیزی سے اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ مطیع الدین ہوشیاری سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ دونوں سرائے میں داخل ہوئے۔ پھر اچانک وہ شخص اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ مطیع الدین نے بڑی کوشش کی کہ وہ اسے دوبارہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر سیاہ پوش کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ مطیع الدین بازار کے وسط میں گم صم کھڑا پریشانی کے عالم میں کچھ دیر پہلے رونما ہونے والے حالات کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا۔

۞ ۞ ۞

مملوک سالار محمود بیبرس بندقداری نے تاتاری سیل سے نبرد آزما ہونے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اس نے سب سے پہلے قاہرہ سے چند میل دور جلیب السامی نامی میدان میں اپنے عساکر کا پڑاؤ ڈالا۔ یہیں فوجی مشقوں کا آغاز کیا گیا۔ بیبرس اپنی نگرانی میں ایک ایک سپاہی کو تربیت دیتا رہا۔ سلطان الملک المظفر نے ایسے مملوک امرا کی فہرست اسے بھیج دی تھی جنہیں بیبرس کے لشکر میں شامل کیا گیا تھا۔ بیبرس نے جب فہرست پر نگاہ ڈالی تو وہ چونک سا گیا۔ فہرست میں تمام ایسے نام تھے جو بڑے بے باک اور نڈر امرا تھے۔ ان کی بہادری اور شہ زوری اپنی جگہ مسلم تھی مگر جو بات بیبرس کو شدت سے محسوس ہوئی، وہ یہ تھی کہ سلطان الملک المظفر کی ان سب لوگوں سے کسی نہ کسی موقعے پر بحث و تکرار ہو چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر بھی ان سے نالاں دکھائی دیتا تھا۔ بیبرس نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ سلطان الملک المظفر کس حکمت عملی کے تحت یہ معرکہ لڑنے پر آمادہ ہوا ہے۔ وہ اپنے حریف اور نڈر امرا کو تاتاریوں کے ہاتھوں ہلاک کروا کر اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کا خواہش مند دکھائی دیا۔ بیبرس کے لئے یہ انکشاف باعث رنج تھا کہ وہ ایک ایسے وقت پر مکارانہ چالیں چلنے میں مصروف ہے جب مسلمانوں کا طاقتور حریف ان کے سر پر آن پہنچا ہے۔

بیبرس نے عاجزی و انکساری سے اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کی کہ وہ اسے نصرت سے سرفراز فرمائے اور سلطان الملک المظفر کی سازش سے اسے محفوظ رکھے۔ بیبرس نے اپنی کامل کامیابی کے لئے سب سے پہلے اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کا عزم کیا۔ اس نے جگہ جگہ جا کر تارکینِ وطن میں یہ اعلان کیا کہ جہاد کے لئے ہر صحت مند اور نوجوان اپنی خدمات پیش کرے۔ اس کے کلام میں کچھ ایسا جادو تھا کہ لوگ جوق در جوق اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ کچھ یہ وجہ بھی تھی کہ بلادِ مصر ہی ان کا آخری ٹھکانہ تھا۔ اس کے آگے وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اگر وہ اس وقت بھی سستی کا مظاہرہ کرتے تو ان کی جان بچنے کا امکان باقی نہ رہتا۔ بیبرس کی زیرِ قیادت انہوں نے آخری بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

بیبرس نے اپنے لشکر کی عسکری تیاری کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیاتی تیاری کا اہتمام بھی کیا۔ وہ جان بوجھ کر ایسے واقعات کا تذکرہ کرتا جو تاتاریوں سے متعلق ہوتے۔ تاتاریوں کی درندگی اور سفاکی بیان کرنے کے بعد وہ بلند آواز میں قہقہے لگاتا اور مجبور و بے بس رعیت کی ہلاکت پر فخر کرنے والوں پر خوب ہنستا۔ یہ رویہ بڑا عجیب تھا۔ ایک جانب وہ اپنے سپاہیوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہیبت کو زائل کر رہا تھا تو دوسری جانب سفاکانہ واقعات سے ان کے جذبات کو شعلہ دکھا رہا تھا۔ وہ دن کے مختلف اوقات میں کئی بار تاتاریوں کی پس ماندگی اور بزدلی کا تذکرہ کیا کرتا۔ اس کے جوشیلے انداز نے سپاہیوں کے اندر غصے کی آگ بھر دی تھی۔ وہ تاتاریوں کے خوف سے آزاد ہو کر بے تابی سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ تاتاریوں کے ناپاک خون سے اپنی تلواریں آلودہ کریں گے۔

بیبرس نے تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں دن رات کا سکون غارت کر دیا تھا سپاہی اسے

ہر وقت اپنے پاس موجود پاتے۔ کئی بار تو ایسا ہوتا کہ بیبرس ایک وقت میں کئی جگہوں پر دکھائی دیتا۔ یہ فریب نظر تھا۔ سپاہی اوقات کا حساب رکھنے میں اتنے ماہر نہیں تھے کہ وہ صحیح اندازہ کر پاتے۔ البتہ یہ بات طے تھی کہ بیبرس تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے میں کوتاہی سے کام نہیں لیا کرتا تھا۔ وہ ایک سپاہی کو بتانے کے بعد اتنی تیزی سے دوسری جانب موجود سپاہی کے پاس پہنچ جایا کرتا کہ اس کے اپنے سپاہی اسے چھلاوہ سمجھنے لگے۔ یہ بھی ایک خوش آئند بات تھی کہ بیبرس کی ان حرکات کے باعث سپاہیوں کے اعتماد میں بھرپور اضافہ ہوا تھا۔

بیبرس دن کی کچھ ساعتوں کے لئے اچانک غائب ہو جاتا۔ مملوک امرا اسے تلاش کرنے کے باوجود نہ تلاش کر پاتے۔ اس پر یہی گمان کیا جاتا کہ وہ ان اوقات میں آرام کرتا ہو گا۔ بہت کم وقت ہی اسے آرام کی حالت میں دیکھا گیا۔ اس کی روپوشی کے پیچھے آرام کے بجائے وہ سفر پوشیدہ تھے جو وہ تیز رفتاری سے انجام دیتا تھا۔ وہ کبھی ترکمانوں کے پاس موجود ہوتا اور انہیں تاتاریوں سے مقابلہ کی ترغیب دیتا دکھائی دیتا تو کبھی وہ مصر بلند کے حورہ قبائل میں بیٹھا ان کے جذبات کو چنگاری دکھا رہا ہوتا۔ اس نے عرب بدوؤں کی بھی ایک بڑی تعداد اپنے لشکر میں شامل کر لی۔ حورہ قبائل کے پندرہ ہزار سپاہی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہ قبائل بڑے نڈر اور اعلیٰ درجے کے جنگجو سمجھے جاتے تھے۔ بیبرس نے ان قبائل کے بعد بربر قوم کی جانب توجہ کی۔ وہ کڑی محنت سے بربروں کے بھی دس ہزار سپاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ صرف دو ماہ کے عرصے میں اس کے علم تلے ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اس لشکر کا سب سے اہم اور فعال عنصر وہ تھا جس کی تشکیل مملوک دستوں سے کی گئی تھی۔ بہادر مملوک امرا کو رضاکارانہ دستوں کی تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے دن رات کی محنت کے بعد اپنے لشکر کو ایسا مضبوط اور طاقتور بنا ڈالا کہ بیبرس کو اپنی کامیابی پایہ تکمیل تک پہنچتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اسے اطمینان ہونے لگا کہ اب وہ واقعی غیر تہذیب یافتہ تاتاریوں کو ان کے ڈھائے گئے ظلم و ستم پر سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے۔

سلطان الملک المظفر کے پاس بیبرس کی کارکردگی کی خبریں تواتر سے پہنچ رہی تھیں۔ جوں جوں لشکر کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا، اس کی پیشانی کے بل گہرے ہونے لگے۔ بیبرس کے پاس قریباً اتنا لشکر جمع ہو چکا تھا جو سلطانی مملوک لشکر سے مقابلہ کرنے کی استطاعت رکھتا تھا۔ بیبرس کی بڑھتی ہوئی قوت نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر حلب کی ولایت بیبرس کو دے دی گئی تو بیبرس بہت جلد اتنا طاقتور ہو جائے گا کہ وہ بلادِ مصر کو نگل جائے گا۔ بیبرس کے بارے میں وہ یہ تہیہ کئے بیٹھا تھا کہ تاتاریوں کے ساتھ جنگ کے پہلے ہلّے میں وہ سب لوگ اس کی راہ سے ہٹ جائیں گے جن سے اسے مستقبل میں خطرہ لاحق ہو سکتا تھا مگر یہاں حالات اس کے خلاف جا رہے تھے۔ بیبرس کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔ رعیت کے لبوں پر بیبرس کی کامیابی کے لئے دُعائیں سنائی دینے لگیں۔ سلطان الملک المظفر نے فی الوقت حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ البتہ اس کے دل میں شک و شبہات کی جو گانٹھ پڑ چکی تھی، اسے دن بہ دن تقویت ملتی رہی۔

۞ ۞ ۞

ہلاکو خان بلادِ فلسطین کے شہر یافا کے باہر اپنا عسکری پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ قاہرہ کی جانب بھیجی گئی سفارت کا جواب جب ہلاکو خان کو ملا تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا۔ اس نے اسی وقت یہ طے کر لیا کہ وہ ہر قیمت پر سلطان الملک المظفر کو سبق سکھائے گا۔ ہلاکو خان کے سفارتی وفد کے قتل کا ارتکاب کر کے بلادِ مصر نے اپنی ہلاکت پر مہر ثبت کر دی تھی۔ اس نے فتح کے جشن کو مختصر کرنے کا حکم دیا اور اپنے تمام لشکروں کو بلادِ مصر پر حملہ آور ہونے کی تیاری کا حکم دیا۔ وہ بھرپور انداز میں پیش قدمی کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے ارمنی، گرجستانی اور صلیبی

حلیف اس کے ساتھ تھے۔ ارمنی اور گرجستانی حلیفوں کو بلادِ مصر کی بابت کوئی خاص عداوت نہیں تھی وہ ہلاکو خان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے جبکہ صلیبی کئی بار قاہرہ کی حکومت سے زک اُٹھا چکے تھے۔ اس لئے ان کے چہرے ہلاکو خان کے فیصلے پر دمک اُٹھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سے لے کر اب تک بلادِ مصر ہی ایسی طاقت تھی جس نے صلیبی عزائم کی راہ روک رکھی تھی۔ بلادِ مصر کی جانب ہلاکو خان کی پیش قدمی کے فیصلے پر صلیبی پُریقین تھے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت قاہرہ کے سقوط کو نہیں بچا سکے گی۔

ہلاکو خان بلادِ مصر کی جانب پیش قدمی سے پہلے دیار بکر کی فتح کی خبر سننے کا خواہش مند تھا۔ بلادِ شام میں یہ واحد علاقہ تھا جو ابھی تک اس کے قبضے سے باہر تھا۔ دیار بکر پر اس نے کئی فوجی مہمات روانہ کیں مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا۔ رجب 658ء میں وہ گھڑی آن پہنچی۔ سلطان الملک الکامل کی شہادت اور میافارقین کی فتح کی خبر سن کر وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا۔ اس نے اسی روز بلادِ مصر کی جانب پیش قدمی کا اعلان کر دیا۔ تاتاری لشکر تیزی سے کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس سے پہلے کہ لشکر بلادِ مصر کے لئے روانہ ہو جاتا ہلاکو خان کو یہ اندوہناک خبر ملی کہ اس کا بھائی اور منگولوں کا قاآن اعظم منگو خان اپنے لشکروں سمیت چین پر لشکر کشی کرتے ہوئے دلدلی علاقوں میں پھنس کر ہلاک ہو چکا ہے اور اس کے رشتہ دار اور منگول سردار منگو خان کے جانشین اور اپنے نئے قاآن اعظم کے انتخاب کے لئے قرولتائی کی تقریب کا انعقاد کرنے والے ہیں، انہوں نے ہلاکو خان کو بھی فوری طلب کیا۔ ہلاکو خان اپنے بھائی کی موت کی خبر سن کر جہاں آبدیدہ ہو چکا تھا وہیں نئی صورتِ حال نے اسے مخمصے میں ڈال دیا۔ وہ بلادِ مصر کی جانب بڑھنے کے لئے تیار کھڑا تھا مگر سیاسی بساط پر تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ اگر وہ تقریب قرولتائی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سفیروں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے بلادِ مصر روانہ ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ تقریب قرولتائی میں کسی ایسے شخص کے سر پر قاآن اعظم کا سہرا باندھ دیا جائے جو ہلاکو خان سے سخت عداوت رکھتا ہو۔ اس کا ذہن بار بار برقائی خان کی جانب بھٹک رہا تھا۔ کیونکہ برقائی خان ہی وہ واحد قابل اور ہر دلعزیز شخص تھا جس کے انتخاب پر منگولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے اپنی فوری واپسی کا اعلان کر دیا۔ منگول لشکروں کو تو اس پر کوئی اختلاف نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ البتہ سب سے زیادہ تکلیف صلیبی حلیفوں کو پہنچی۔ وہ جو خواب دیکھ رہے تھے وہ یکایک بکھر کر رہ گئے۔ اگر ہلاکو خان واپس لوٹ گیا تو مسلمان بہت جلد اپنی بکھری قوت کو مجتمع کر کے تمام علاقوں کا نظام ان سے چھین سکتے تھے۔ انہوں نے مختلف حربوں سے اسے روکنا چاہا۔ اس کے امرا نے ایسے وقت میں واپسی اختیار کرنے پر مخالفت بھی کی مگر ہلاکو خان کے دوٹوک فیصلے پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

صلیبی امرا نے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہلاکو خان کی نصرانی بیوی دقوز خاتون کا سہارا لیا اور اس سے استدعا کی کہ یہ وہ وقت ہے جب نصرانیت پروان چڑھ رہی ہے اسے اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کے لئے بہت قلیل عرصے کی ضرورت ہے۔ ایسے میں ہلاکو خان کی واپسی مناسب نہیں ہے۔ ابھی تک مسلمانوں کا مکمل صفایا نہیں ہو سکا۔ اگر بلادِ مصر کو روند ڈالا جائے تو پھر نصرانیت کو ارضِ مقدس سے نکالنے کی کسی میں جرأت باقی نہیں رہے گی۔ صلیبی امرا نے دقوز خاتون سے اصرار کیا کہ وہ کسی بھی طرح ہلاکو خان کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کرے۔ دقوز خاتون نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی بھرپور کوشش کرے گی۔

اسی دن دقوز خاتون نے ہلاکو خان سے بات کی اور اسے یہ یاد دلایا کہ گذشتہ دنوں میں منگو خان کی جانب آنے سے والا فرمان، جس میں بلادِ مصر کو روند دینے کا حکم تھا، اس کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ یہ آپ پر فرض ہے

کہ اپنے آقا کا حکم بجا لائیں۔ لہٰذا ہماری یلغار رُکنا نہیں چاہئے۔ آپ خداوند کا نام لے کر بلادِ مصر کی جانب بڑھیے۔ ہلاکو خان نے اس کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ قرولتائی کی تقریب کو سب باتوں پر مقدم سمجھتا ہے، جہاں اس کے بھائی اور رشتہ دار بے تابی سے اس کے منتظر ہیں۔ دقوز خاتون نے یلغار کے لئے ہلاکو خان سے زیادہ بحث نہیں کی۔ ہلاکو خان نے اسی روز پیغام لانے والے قاصد کو یہ پیغام دے کر واپس روانہ کر دیا کہ وہ وطن واپس آ رہا ہے، اس کا انتظار کیا جائے۔

ہلاکو خان کی وطن واپسی کے فیصلے سے بلادِ مصر کے حریفوں کے ناپاک ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس بار انہوں نے کتبغا خان کو ہلاکو خان سے بات کرنے پر مجبور کیا۔ کتبغا خان دینِ مسیحی کا خاص پیروکار تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف زبردست جذبات رکھتا تھا۔ غیر مسلم مؤرخین نے اس کی بربریت اور درندگی کے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بلادِ شام کے کئی اہم شہروں کو کتبغا خان نے بری طرح پامال اور تاخت و تاراج کیا۔ ہلاکو خان کی نگاہ میں کتبغا خان کی بڑی منزلت تھی۔ جب کتبغا خان نے یلغار جاری رکھنے کا اصرار کیا تو ہلاکو خان نے اپنے اندیشوں کو اس پر ظاہر کر دیا۔ چونکہ تقریب قرولتائی میں کئے جانے والے ہر فیصلے کے سامنے اسے سرخم کرنا پڑے گا، اس لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ قاآن اعظم کا عہدہ خود حاصل کرے۔ اس نے برقائی خان کی بابت بھی قیاس آرائی کی کہ اگر اسے قاآن اعظم بنا دیا گیا تو وہ ہلاکو خان کو کسی قیمت پر زندہ نہیں رہنے دے گا۔ کتبغا خان حالات کی نزاکت سن کر خاموش ہو گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ ہلاکو خان کا واپس لوٹنا بہت ضروری ہے۔ اس نے واپس لوٹ کر صلیبی حلیفوں کی ڈھارس بندھائی کہ ہلاکو خان تقریب قرولتائی سے فراغت پاتے ہی جلد واپس لوٹیں گے اور سب سے پہلے اپنی نامکمل مہم انجام دیں گے۔ صلیبی حلیفوں نے جب کتبغا خان کے منہ سے وہی جواب سنا تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

چند دن بعد ہلاکو خان نے اپنے لشکروں کو حکم دے دیا کہ وہ اگلی صبح کوچ کی تیاری کر لیں۔ وہ مختصر راستے اختیار کرتے ہوئے قفقاز کے کنارے کنارے سفر کریں گے اور گھاس کے میدان سوکھنے سے پہلے پہلے وطن واپس پہنچ جائیں گے۔ اس کے لشکروں نے جب اعلان سنا تو وہ بے حد پُرجوش دکھائی دیئے۔ وہ ایک طویل مدت کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ رہے تھے۔

دوسری صبح روانگی سے چند ساعتیں پہلے ہلاکو خان نے کتبغا خان کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ کتبغا خان اپنی طلبی پر فوراً چلا آیا۔ ہلاکو خان نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ خاموشی سے مؤدب بیٹھ گیا۔ کچھ توقف کے بعد ہلاکو خان بولا۔

''حالات بے حد مخدوش سمت اختیار کر چکے ہیں، میں رات بھر اسی ضمن میں سوچتا رہا ہوں۔ وطن واپسی پر وہ تمام لوگ جو فی الوقت مجبوری کے عالم میں ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہیں، وہ اپنی وفاداریاں بدل سکتے ہیں۔ باغی مسلمان بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح انہیں کچھ سکون کی ساعتیں میسر آ جائیں اور وہ اپنی صفیں درست کر لیں لیکن میں انہیں ایسا کوئی موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا ہوں لہٰذا میں نے یہ طے کیا کہ تم یہیں ٹھہر کر تمام مقبوضات کی حفاظت کرو''۔

''قاآن اعظم! جیسا مناسب سمجھیں میں ہر ذمہ داری کے لئے تیار ہوں''۔ کتبغا خان نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

''میں تمام فوج اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ ایک لاکھ سپاہی تمہارے پاس موجود ہیں گے اور اس کے علاوہ ہمارے حلیفوں کے لشکر الگ ہیں۔ بلادِ مصر کی جانب سے ایسی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ وہ

جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ تم ان کی جانب نہیں بڑھو گے بلکہ ان کی حرکات وسکنات پر پوری طرح نظر رکھو گے اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ تمہارے مقابلے پر آ جائیں تو تمہیں مکمل اختیار ہے کہ انہیں بھرپور انداز میں کچل دیا جائے۔ تم میری واپسی تک ارضِ فلسطین میں ہی رہنا۔ اگر کوئی حلیف سرکشی کی کوشش کرے تو بلالحاظ اس کی گردن اُڑا دینا۔ مجھے قوی امید ہے کہ ان میں سے کوئی تم سے اُلجھنے کی کوشش نہیں کرے گا''۔ ہلاکو خان نے اسے مزید ہدایات بھی دیں۔ کتبغا خان نے تمام مقبوضہ علاقوں کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہوئے اپنے قاآن کے سامنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر یہ حلف اُٹھایا کہ وہ دل و جان سے ان علاقوں کی حفاظت کرے گا اور ہمیشہ ہلاکو خان کا وفادار رہے گا۔

ہلاکو خان نے اسے کچھ دوسرے معاملات کے بارے میں بھی سمجھایا بجھایا۔ اس کے بعد دوپہر کے وقت وہ اپنے عظیم الشان خیمہ گاہ کے ساتھ صحرائے گوبی کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہلاکو خان کی مراجعت کے بعد بلادِ شام و عراق اور بلادِ شرقیہ و فلسطین تمام کتبغا خان کی گرفت میں تھے۔ وہ جہاں ایک قابل اور نڈر سپہ سالار تھا وہیں شقی القلب انسان بھی تھا۔ اس کی بربریت کے افسانے سارے عالم اسلام میں معروف تھے۔ ہلاکو خان کے روانہ ہونے کے بعد اس نے اپنے قابل منگول سالاروں سے باہم مشورہ کیا اور اپنے تمام لشکروں سمیت یافا کے میدان سے ہٹ کر عین جالوت نامی میدان میں پڑاؤ ڈال دیئے۔ یہ مقام فلسطین کے تاریخی شہر ناصرہ کے قریب تھا۔ یہاں پڑاؤ ڈالنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ بلادِ مصر پر کسی حد تک رعب طاری کیا جا سکے کہ تاتاری لشکر ان سے زیادہ دور نہیں۔ اس کے علاوہ وہ شام و عراق پر اپنا مؤثر تسلط بھی برقرار رکھ سکتا تھا۔ جس دن اس کے لشکروں نے عین جالوت میں پڑاؤ ڈالے اسی دن ایک گھڑ سوار ان سے الگ ہو کر بلادِ مصر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں بیبرس خود تھا جو کئی دن سے متواتر تاتاری لشکر میں موجود تھا۔ وہ تاتاری لشکر کے تمام فیصلے طے ہونے پر اطمینان سے واپس لوٹ گیا۔

❁ ❁ ❁

بلادِ مصر کا سلطان الملک المظفر شاہی دربار میں موجود تھا جب ہلاکو خان کی وطن واپسی کی اطلاع وہاں پہنچی۔ یہ بڑی خوش کن خبر تھی۔ ہلاکو خان کی اچانک واپس روانگی پر عمائدین کے چہرے کھل اُٹھے۔ سلطان الملک المظفر کو ایک پل کے لئے یوں لگا جیسے خطرہ ٹل چکا ہے۔ وہ اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ خیال پہلے دن سے بیٹھ چکا تھا کہ جیسے چنگیز خان سلطنت خیوا شاہی تک ہی محدود رہا تھا اسی طرح ہلاکو خان بھی بغداد کی تباہی کے بعد انہی علاقوں میں محدود رہے گا۔ جب ہلاکو خان بلادِ فلسطین میں داخل ہوا تو اس کا قیاس ڈولنے لگا مگر آج ملنے والی خبر نے اس کے یقین کو مستحکم کر دیا۔ اس نے اسی وقت شکرانے کے نوافل ادا کرنے کی نیت باندھی۔ عمائدین سلطنت نے اس نئی تبدیلی کے پیشِ نظر بیبرس کی عسکری تیاری کی بابت دریافت کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''میرے سامنے دو راستے ہیں، میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ ایسے حالات میں کیا کیا جائے؟'' سلطان الملک المظفر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ عمائدین و امرأ اس کی بات سن کر چونک پڑے۔

''سلطانِ محترم! آپ کھل کر بتایئے، ممکن ہے کہ آپ کے خادمین فیصلہ کرنے میں کسی آسانی کا باعث بن جائیں''۔ ایک امیر نے مؤدب انداز میں کہا۔

''ایک خیال تو یہ ہے کہ میں فی الوقت بلادِ مصر تک ہی محدود رہوں اور تاتاریوں سے اُلجھنے کی کوشش نہ کروں۔ اس طرح ہم کچھ عرصے کے لئے محفوظ ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ یہ عرصہ دائمی صورت اختیار کر لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری عسکری تیاریاں تو مکمل ہیں۔ ہم آگے بڑھ کر بلادِ فلسطین اور بلادِ شرقیہ پر بھرپور انداز میں حملہ آور ہوں اور انہیں اپنے دائرہ اختیار میں شامل کر لیں۔ ان علاقوں پر کمزور حاکمین موجود ہیں اور تاتاری بھی۔ ان علاقوں کا اختیار حاصل کرنے کے بعد مستقبل میں جو بھی حادثہ پیش آئے گا، اس سے کم از کم بلادِ مصر محفوظ رہے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ عمائدین و امرأ کے چہرے اس کی دور اندیشی پر مرعوب دکھائی دینے لگے۔

''سلطانِ محترم! آپ کی دوسری رائے بے حد معقول ہے''۔ ایک امیر نے صاد کیا۔

''میرے خیال میں یہ طریقہ مناسب نہیں''۔ فارس الدین اقطائی گھمبیر لہجے میں بولا۔ سب عمائدین چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ سلطان الملک المظفر بھی مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔ فارس الدین اقطائی قدرے توقف سے مخاطب ہوا۔

''سلطانِ محترم! یہ عمل آپ کی سابقہ روش کے خلاف ہے۔ آپ نے ماضی میں ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ آپ کی جانب سے پیش قدمی عمل میں نہ لائی جائے اور تاتاریوں کو بلادِ مصر کی جانب متوجہ نہ کیا جائے۔ اب جب کہ ہلاکو خان کی واپسی کی خبر پہنچی ہے تو آپ اپنی سلطنت کی وسعت کے پیشِ نظر سابقہ روش کو تبدیل کر کے پیش قدمی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ہلاکو خان سے کچھ بعید نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ واپسی فریب پر مبنی ہو۔ دوسرا ہلاکو خان تک جب یہ خبر پہنچے گی تو کیا وہ پوری قوت سے واپس لوٹ کر بدلہ نہیں لے گا۔ ویسے بھی بلادِ شام و شرقیہ کی حالت کچھ بہتر نہیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ آپ کے لئے محفوظ ٹھکانے کے بجائے تباہی و بربادی کے کھنڈرات ثابت ہوں''۔

فارس الدین اقطائی کی بات سن کر کمزور دل امرأ کے چہرے سپید پڑ گئے۔ انہوں نے بھی سلطان الملک المظفر کو متوقع خطرات کے پیشِ نظر بلادِ مصر تک ہی محدود رہنے کا مشورہ دیا۔ فارس الدین اقطائی کی بات سلطان الملک المظفر کے دل پر لگی۔ اس نے فوراً اپنے دوسرے خیال کو دل سے نکال باہر کیا اور پیش قدمی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''فارس الدین درست کہہ رہا ہے، ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ کچھ انتظار کرنا چاہئے۔ میں آج ہی بیبرس کو پیغام بھجوا دیتا ہوں کہ وہ اپنی عسکری مشقیں ختم کر کے واپس لوٹ آئے۔ رضاکارانہ سپاہیوں کو بھی شکریئے کے ساتھ ان کے گھروں میں بھیج دیا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے آناً فاناً اپنا فیصلہ سنا دیا۔ عمائدین و امرأ کے چہرے اس فیصلے پر مطمئن دکھائی دیئے۔ سلطان الملک المظفر باطنی طور پر بیبرس کی عسکری قوت دیکھ کر خوفزدہ ہو چکا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار اتنا بڑا لشکر تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ نہایت سنہری موقعہ تھا کہ بیبرس کی عسکری قوت کو کسی مشکل کے بغیر تنکا تنکا کر دیا جاتا۔

جب سلطان الملک المظفر نے دربار برخاست کرنے کا ارادہ کیا تو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر تعظیم دی اور اپنے انعام کے لئے دادرسی کی۔ سلطان الملک المظفر نے چونک کر اسے دیکھا تو مسکرا کر اسے ایک ہزار درہم عطا کرنے کا فرمان جاری کیا۔ وہ سپاہی ہی ہلاکو خان کی مراجعت کی خبر لایا تھا۔ سپاہی اپنا انعام وصول کرنے کے بعد دربار سے باہر نکلا اور اصطبل میں موجود اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور اطمینان سے چلتا ہوا قاہرہ سے باہر نکل گیا۔ وہ تیزی سے جلیب السامی کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں اسلامی لشکر کوچ کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ سپاہی کوئی اور نہیں بیبرس خود تھا جو کہ مخبر کا بھیس بدل کر دربار میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ ہلاکو

خان کی مراجعت کے بعد سلطان الملک المظفر کا کیا ردِعمل ہوسکتا ہے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین نے اس عجیب اجنبی کو شنگ خان سے تعبیر کیا اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے اپنے باپ نورالدین کے سامنے برقائی خان سے ہونے والی بات چیت کا خلاصہ رکھ دیا۔ نورالدین خاموشی سے بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو نورالدین دھیمے انداز میں گویا ہوا۔

''بیٹا! میں حکمرانوں سے زیادہ قریبی تعلقات کا قائل نہیں ہوں، کیونکہ ان کے خاص دوست کسی بھی وقت ان کے مزاج کی بھینٹ چڑھ جایا کرتے ہیں۔ اب جبکہ تم اس کام کے لئے ہامی بھر چکے ہو تو میں تمہیں عہد شکنی کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ تمہیں فدائیوں کے پاس بھیجنے کو میرا دل تو نہیں چاہ رہا۔ بہرکیف تم پوری طرح ہوشیار رہنا۔ تم فدائیوں کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا جس سے وہ بھڑک اُٹھیں''۔

مطیع الدین نے اپنے باپ کی ڈھارس بندھائی اور یقین دہانی کرائی کہ وہ حالات کے مطابق بہتر فیصلہ کرے گا۔ نورالدین اپنے بیٹے کے بارے ساری رات پریشان رہا اور چپکے چپکے اپنے ربّ کے حضور اس کی سلامتی کے لئے دُعائیں کرتا رہا۔

دوسری صبح برقائی خان کی جانب سے مطیع الدین کے پاس ضروری نوعیت کا سامان پہنچا دیا گیا۔ مطیع الدین نے رات کو ہی اپنا سامان وغیرہ باندھ لیا تھا۔ وہ برقائی خان کی جانب سے بھیجے گئے سامان کا معائنہ کرنے کے بعد دوپہر کے وقت سرائے سے نکلنے والے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ اس کا بوڑھا باپ حسرت بھری نگاہوں سے قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اس قافلے کی منزل سمرقند تھی، جہاں سے اسے عجم کی جانب روانہ ہونا تھا۔ مطیع الدین کی منزل چونکہ قہستان تھی۔ اسے سمرقند سے وادی قاف کی جانب بڑھنا تھا۔ اس لئے وہ قافلے سے الگ ہوکر مختلف لائحہ عمل ترتیب دیتا۔ مطیع الدین خاموشی سے قافلے والوں کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ جہاں وہ پڑاؤ ڈالتے، وہ وہیں رُک جاتا۔ مطیع الدین کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سرائے کی جانب سے زریں ترکستان کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اردوئے زریں، صحرائے گوبی اور بالائی ترکستان کے علاقوں میں وہ کئی بار سفر کر چکا تھا۔ یہ تجربہ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ تمام راستوں کو ذہن نشین کرتا رہا۔ زیادہ قیاس یہی تھا کہ واپسی پر سرائے کے لئے اگر کوئی قافلہ نہ ملے تو بجائے اس کے وہ انتظار میں وہیں پڑا رہے۔ وہ آسانی سے واپس لوٹ سکے۔

تیسری منزل پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد قافلے کے زریں خیل منگول امیر نے مطیع الدین کو باخبر کیا کہ سمرقند اب زیادہ دور نہیں۔ باتوں باتوں میں مطیع الدین نے اس سے وادی قاف کے بارے میں دریافت کیا تو وہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وادی قاف ایل خانی سلطنت کا حصہ تھی۔ مطیع الدین کی دلچسپی نے اسے شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا۔ مطیع الدین اس کی صورت سے حقیقت بھانپ گیا۔ اس نے باتوں کا رُخ ایسا گھمایا کہ منگول امیر کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات مٹ گئے۔ مطیع الدین کو اس تجربے سے احساس ہوگیا کہ زریں خیل منگول ایل خانی منگولوں کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان کے دل میں ان کے لئے کسی قدر نفرت بھی موجود ہے لہٰذا وہ محتاط ہوگیا۔

سمرقند پہنچ کر اس نے اپنے سامان کی فروخت کے لئے بازار کا رُخ کیا۔ تجارت کے رموز سے وہ زیادہ واقف نہیں تھا۔ اس لئے اسے کئی جگہ پریشانی اُٹھانا پڑی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس نے اپنے اردگرد کا باریک بینی سے جائزہ لیا مگر وہ کسی ایسے فرد کو تلاش کرنے میں ناکام رہا

جس پر شبہ کیا جاسکتا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ شام کو جب وہ قافلے کے پڑاؤ میں لوٹا تو قافلے کا امیر اس کے پاس چلا آیا۔ مطیع الدین نے اس کی آمد کا مسکراہٹ سے استقبال کیا۔ اس کا چہرہ کسی الجھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ مطیع الدین اس کی کیفیت پر چونک پڑا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے پیشِ نظر قافلے کے ساتھ یہاں آئے ہو؟ مگر یہ بات طے ہے کہ تم تجارت کے معاملے کی ابجد تک نہیں جانتے''۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین کھٹک گیا۔

''تمہارا چہرہ بول رہا ہے کہ تم میری بات بخوبی سمجھ چکے ہو''۔ وہ گہری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

''برادرم! تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تجارت کے لئے ہی اپنے گھر سے یہاں پہنچا ہوں البتہ یہ بات درست ہے کہ مجھے ابھی تجارت کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے، ویسے بھی تجارت کے لئے یہ میری زندگی کا پہلا سفر ہے''۔ مطیع الدین ہنستے ہوئے بولا۔

''مجھے کئی جگہ سے تمہارے انداز و اطوار پر شکایت ملی ہے، اگر تم پہلی بار تجارت کے لئے نکلے تھے تو تمہیں مجھے صاف بتا دینا چاہئے تھا تا کہ میں تمہارے ساتھ کسی غلام کو بھیج دیتا''۔

''میں تمہارے مخلصانہ جذبات کا مشکور ہوں مگر میری فطرت بڑی عجیب ہے۔ میں اوّل تو کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالتا جس کے بارے میں مجھے خاص معلومات حاصل نہ ہوں اور جب ہاتھ ڈال دیتا ہوں تو اس میں فائدہ یا نقصان نہیں دیکھتا''۔ مطیع الدین نے اسے آگاہ کیا۔

''اگر تم واقعی سنجیدگی سے تجارت کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے یہ اطوار بدلنا ہوں گے ورنہ ایک دن تم کوئی بڑا نقصان اُٹھاؤ گے''۔ امیر نے سمجھانے کی کوشش کی، اس کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات اب بھی موجود تھے۔ مطیع الدین اس کی بات پر خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد امیر دوبارہ بولا۔

''نہ جانے کیوں میرا دل تمہاری جانب سے مطمئن نہیں ہو رہا آج میری دوربین نگاہوں نے جو منظر دیکھا ہے اس پر تمہاری شخصیت مشکوک ہوگئی ہے''۔

''تم بجھارتیں کیوں بجھوا رہے ہو، ایسی کیا بات ہوگئی ہے کہ تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ حالانکہ میں بالکل بے ضرر ہوں''۔ مطیع الدین اس کی بات پر چوکنا دکھائی دینے لگا۔

''خیر چھوڑو! تم آرام کرو''۔ امیر اُٹھتے ہوئے بولا۔

''آرام سے بیٹھ جاؤ!'' مطیع الدین کا لہجہ سرد ہوگیا۔ ''میں نے تمہیں کچھ دیر پہلے باور کرایا تھا کہ میں بڑا ضدی قسم کا آدمی ہوں۔ کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینا مجھے بالکل پسند نہیں۔ اگر بات واضح نہیں کرنا چاہتے تھے تو تمہیں اسے خود تک ہی محدود رکھنا چاہئے تھا۔ اب جب بات لبوں تک لا ہی چکے ہو تو اسے مکمل کرکے ہی واپس جاؤ گے''۔

''میرا شک صحیح ہے کہ تم تاجر نہیں، تاجر کے بہروپ میں کوئی خطرناک شخص ہو''۔ وہ سہم کر بولا۔ مطیع الدین اس کی تکرار پر سٹپٹا کر رہ گیا۔

''میں ویسا بالکل نہیں ہوں جیسا کہ تمہارے ذہن میں بس چکا ہے، میں تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایسی کیا بات دیکھ لی ہے، جس کے بعد تم مجھے مسلسل مشکوک سمجھنے پر مجبور ہوگئے ہو''۔ مطیع الدین اس بار نرمی سے بولا۔

''میں نے تمہارے اردگرد کچھ مقامی لوگوں کو دیکھا ہے جو مختلف زاویوں سے تمہاری نگرانی کر رہے

تھے''۔ امیر نے انکشاف کیا تو مطیع الدین اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ اسے بھی دن کے مختلف اوقات میں اس طرح محسوس ہوا تھا مگر اسے اپنا واہمہ قرار دیتے ہوئے نظر انداز کر چکا تھا۔

''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ لوگ میری ہی نگرانی کر رہے تھے''۔ مطیع الدین نے سوال کیا۔ امیر نے غیر ارادی طور پر اثبات میں اشارہ کیا۔

''اس بارے میں، میں کیا کہہ سکتا ہوں؟'' مطیع الدین نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ''تم میری تھوڑی سی مدد کرو، میں کل جب بازار جاؤں تو کسی ایسے ایک آدمی کی نشاندہی کر دینا۔ میں اس سے دریافت کر دوں گا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں کیونکہ میں تو پہلی بار سمرقند آیا ہوں''۔

امیر اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ کچھ ہی دیر میں اسے یقین آ گیا کہ نگرانی کرنے والوں کے بارے میں سن کر مطیع الدین خاصا حیران و پریشان ہے۔ اس نے بظاہر وعدہ کیا کہ وہ کل کسی ایسے فرد کی نشاندہی ضرور کرے گا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد مطیع الدین کا ذہن تیزی سے متحرک ہو گیا۔ سمرقند میں اس کی نگرانی کرنے والے مقامی لوگ کون ہیں؟ اور انہیں کیونکر ایسی ضرورت محسوس ہوئی۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ برقائی خان سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ سمرقند اسی کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس نے اپنے دماغ کو زیادہ استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تمام معاملہ صبح کے لئے چھوڑ کر سکون سے بستر پر لیٹ گیا۔

❁ ❁ ❁

جلیب السامی میں موجود بیبرس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ اب معمولی سا توقف بھی مناسب نہیں۔ سلطان الملک المظفر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ حالات کے پیشِ نظر تو مناسب ہو سکتا ہے مگر پیش قدمی ملتوی کر دینے سے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہلاکو خان کی زندگی کی ڈور نہیں ٹوٹی تھی بلکہ وہ صرف وطن واپس لوٹا تھا، توی امکان تھا کہ وہ بہت جلد واپس آئے گا۔ ایسے حالات میں از سرِ نو تیاریاں کرنا خاصا دشوار ثابت ہو سکتا ہے، ممکن ہے کہ ہلاکو خان انہیں اتنی مہلت ہی نہ دیتا۔ تاتاریوں کے ظلم و ستم کے فسانے ابھی تازہ تھے اور لوگ اپنوں کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لئے بے تاب دکھائی دیتے تھے۔ اگر توقف سے کام لیا جاتا تو ان کے جذبات سرد پڑ جاتے اور وہ دنیاداری میں ایسے الجھتے کہ ان کی توجہ دوبارہ جہاد کے لئے مبذول کرانا خاصا مشکل امر بن جاتا۔ بیبرس اپنے کانوں سے سلطان الملک المظفر کا فیصلہ سن چکا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کے حکم نامے کے موصول ہونے سے پہلے ہی روانہ ہو جاتا۔ اس نے اپنے خاص مملوک ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر اپنا ارادہ ان پر ظاہر کیا۔ وہ لوگ پہلے ہی سلطان الملک المظفر سے نالاں تھے۔ انہوں نے بیبرس کی حمایت کرتے ہوئے فوری روانگی کا مشورہ دیا۔ بیبرس کوچ کی تیاری کا حکم تو پہلے سے دے چکا تھا۔ تمام لشکر روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ خیمے تک سمیٹ لئے گئے تھے۔ بیبرس نے مملوک امراً کی رائے جاننے کے بعد تساہل سے کام نہیں لیا اور فوری روانگی کا حکم جاری کر دیا۔ 27 شعبان 658ھ کو سہ پہر کے وقت بیبرس اپنی فوجوں سمیت جلیب السامی سے بلادِ فلسطین کے لئے روانہ ہو گیا۔ بیبرس نے تیز رفتاری کا خاص خیال رکھا۔ سلطان الملک المظفر کی جانب سے وہ کسی قسم کا مراسلہ وصول نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دوسرے دن سلطان الملک المظفر نے قاصد کو بیبرس کی جانب روانہ کیا تو وہ سیدھا جلیب السامی پہنچا۔ وہاں خالی چٹیل میدان دیکھ کر اس نے تیزی سے واپسی اختیار کی اور سلطان الملک المظفر کو بیبرس کی روانگی کی اطلاع دی۔ سلطان الملک المظفر یہ سن کر گم صم رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیبرس اسے بتائے بغیر ہی روانہ ہو جائے گا۔ اس کے خاص عمائدین نے جو کہ بیبرس سے عناد رکھتے تھے، اسے یہ باور

کرایا کہ بیبرس نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ بیبرس تک بھی ہلاکو خان کی وطن واپسی کی اطلاع پہنچ چکی ہوگی۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ آپ سے اس بارے میں اگلا حکم دریافت کرتا مگر حلب کی ولایت کے حصول کے لئے اس نے خود غرضی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا یہ اقدام بلادِ مصر کو بڑے خطرے سے دوچار کر سکتا ہے۔ انہوں نے استدعا کی سلطان الملک المظفر بیبرس کی اس حرکت پر سختی سے سرزنش کرے اور بیبرس کو بغاوت اور سرکشی کے جرم میں کڑی سزا دی جائے۔

سلطان الملک المظفر پہلے ہی بیبرس کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھا۔ وہ اپنے عمائدین خاص کی باتوں سے متفق دکھائی دیا۔ اس نے فوراً قاصد کو بیبرس کے پیچھے روانہ کیا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ بیبرس سے ملاقات کر کے اُسے فوراً قاہرہ حاضر ہونے کا حکم دے۔ علاوہ ازیں بیبرس کو آگاہ کیا جائے کہ اسے سالاری کے عہدے سے معزول کیا جا چکا ہے اور سلطان الملک المظفر حالات کے پیشِ نظر کسی دوسرے امیر کا انتخاب کر کے اسے اس لشکر پر سالار مقرر کرے گا۔

سلطان الملک المظفر کے ذہن میں ایک نئی کہانی کے تانے بانے جنم لے چکے تھے جس کے تحت وہ بیبرس سمیت ان تمام امرأ سے بآسانی پیچھا چھڑا سکتا تھا جو طویل عرصے سے اس کی آنکھ کا کانٹا بنے ہوئے تھے۔

❁ ❁ ❁

علاء الدین لولو ایک شام اپنی بہن ملکہ بدر منیر کے پاس پہنچا۔ ہلاکو خان کی واپسی کی خبر اس کے لئے بڑی امید افزا ثابت ہوئی تھی۔ اسے اپنی دیرینہ خواہش پایہ تکمیل تک پہنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بڑے پُرجوش انداز میں ملکہ بدر منیر کے کمرے میں پہنچا۔ ملکہ بدر منیر نے خیریت دریافت کی تو اس نے اپنی خواہش اس پر عیاں کر دی۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' ملکہ بدر منیر حیرت سے بولی۔ ''تم بخوبی جانتے ہو کہ سلطان بیبرس کو حلب کی ولایت لکھ کر دے چکا ہے۔ وہ اب تمہیں کیسے مل سکتی ہے؟''

''آپ ایک بار بات تو کر کے دیکھئے۔ اس وقت لوہا گرم ہے مجھے توی امید ہے کہ حلب کی ولایت مجھے منتقل کرنے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوگی''۔

''میں کچھ بھی نہیں! تم جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہو ذرا کھل کر کہو''۔ ملکہ بدر منیر چکرا کر بولی۔

''سلطان محترم نے بیبرس کو حلب کی ولایت صرف اسی شرط پر لکھ کر دی تھی کہ اگر وہ تاتاری لشکر کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے گا تو ہی یہ انعام کی صورت میں اسے ملی گی۔ اب جب کہ ہلاکو خان واپس لوٹ چکا ہے اور تاتاری لشکر سے مقابلے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو ایسے حالات میں حلب کی ولایت کسی دوسرے کو دے دینا کوئی خاص بات نہیں''۔ علاء الدین لولو نے وضاحت کی۔ ملکہ بدر منیر کا چہرہ اس کی بات پر کھل اُٹھا۔ علاء الدین لولو نے جب اپنی بہن کی کیفیت دیکھی تو اسے یقین ہونے لگا کہ اب حلب کی ولایت اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ابھی وہ باتیں کر رہے ہے کہ سلطان الملک المظفر بھی وہاں آ پہنچا۔

سلطان الملک المظفر کی صورت دیکھ کر وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور تعظیم دی۔ سلطان الملک المظفر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔

''خیریت ہے آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں''۔ ملکہ بدر منیر اپنائیت سے بولی۔ علاء الدین لولو بھی چونک کر سلطان کی جانب دیکھنے لگا۔

''مجھے بیبرس کے بارے میں پریشانی لاحق ہے۔ وہ مجھے آگاہ کئے بغیر لشکر بلادِ فلسطین کی جانب لے گیا

ہے''۔سلطان الملک المظفر نے مختصراً کہا۔ یہ سن کران دونوں بہن بھائی کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' علاءالدین بے یقینی کے عالم میں بولا۔ ''جب آپ حکم جاری کر چکے تھے کہ اب لشکر کشی کی ضرورت نہیں تو پھر اسے اپنے تئیں اتنا بڑا فیصلہ لینے کا اختیار کس نے دیا تھا''۔

''وہ میرے حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکا تھا۔ بہر کیف میں نے اس کے پیچھے قاصد دوڑا دیا ہے''۔سلطان الملک المظفر نے بتایا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھ تک پہنچنے والی خبر صداقت پر مبنی تھی''۔علاءالدین لولو نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔سلطان الملک المظفر اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیسی خبر؟'' سلطان الملک المظفر نے دریافت کیا۔

''جس دن آپ کے پاس ہلاکو خان کی واپسی کی خبر پہنچی تھی، اسی دن مجھے یہ خبر ملی تھی کہ بیبرس شاہی دربار میں موجود تھا مگر میں نے اسے محض افواہ سے تعبیر کیا''۔علاءالدین نے بتایا۔

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بیبرس کو معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا ہے اسی لئے وہ میرے حکم کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے روانہ ہو گیا''۔سلطان الملک المظفر نے متفکر انداز میں کہا۔علاء الدین لولو نے اس پر صاد کیا۔سلطان الملک المظفر یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا۔وہ جس بات کو محض اتفاق سمجھے ہوئے تھا، وہ اسے با قاعدہ سازش دکھائی دی۔اس کے خاص عمائدین نے بھی بیبرس کی اس حرکت کو اسی قسم کی سازش سے تعبیر کیا تھا۔

''مجھے بیبرس کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت دیکھ کر پہلے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اتنی زیادہ طاقت پا کر ضرور سرکشی اختیار کرے گا''۔سلطان الملک المظفر پشیمانی کے عالم میں بولا۔

''سلطان محترم!'' ملکہ بدر منیر لولو بولی۔''آپ دل چھوٹا نہ کیجئے بلکہ فوراً بیبرس کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائیے''۔

''ایسا ہی کچھ کرنا پڑے گا''۔سلطان الملک المظفر نے مختصراً کہا۔

''اگر سلطان محترم مجھے اس مہم کی ذمہ داری سونپ دیں تو میرے لئے یہ باعث فخر ہوگا''۔علاءالدین لولو نے درخواست کی۔

''اگر تم بیبرس کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر ہمارے سامنے پیش کر دو تو ہم نے جو کچھ اسے دینے کا وعدہ کیا ہے وہ ہم تمہیں بخش دیں گے''۔سلطان الملک المظفر نے مستحکم لہجے میں کہا۔علاءالدین یہ سن کر مسرت سے پھولے نہ سمایا۔اس کے دل کی مراد اتنی آسانی سے پوری ہو جائے گی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔اس نے تعظیم دیتے ہوئے سلطان الملک المظفر کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ہر قیمت پر بیبرس کو گرفتار کر کے لائے گا۔سلطان اس کے حلف پر مطمئن دکھائی دینے لگا۔وہ کسی بھی قیمت پر بیبرس کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔حلب کی ولایت بیبرس کی موت کے بدلے میں کوئی زیادہ چیز نہیں تھی۔یہ الگ بات تھی کہ وہ علاءالدین لولو اور ملکہ بدر منیر کی گفتگو کچھ دیر پہلے سن چکا تھا۔

❁ ❁ ❁

10 رمضان المبارک 658ھ کو بیبرس اپنے ایک لاکھ کے قریب اسلامی لشکر کے ساتھ عین جالوت پہنچ کر کتبغا خان کے مقابل خیمہ زن ہو گیا۔اس کے لشکر میں صرف پچیس ہزار مکمل تربیت یافتہ مملوک سپاہی تھے جبکہ باقی لوگ پوری طرح تربیت یافتہ نہیں تھے۔انہوں نے اپنی خدمات اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے

پیش کر رکھی تھیں۔کتبغا خان کو جب بلادِ مصر کے لشکر جرار کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ ان کی جرأت مندی پر بے حد حیران ہوا۔اس نے ان کی تعداد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد نہایت مضحکہ خیز انداز میں اسلامی لشکر کا تمسخر اُڑایا۔تاتاری سپاہی اس قدر پُر اعتماد دکھائی دیتے تھے کہ وہ اسلامی لشکر کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں قہقہے لگاتے اور بڑے فخر سے کہتے کہ بلادِ مصر کا برا وقت شروع ہو چکا ہے۔انہوں نے خودکشی کرنے کے لئے اپنی انسانی کھیتی ہمارے سامنے پیش کر دی ہے تاکہ ہم انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر واپس پیش کریں۔

بیبرس نے میدانِ جنگ کا مکمل جائزہ لیا اور اسے جنگی لحاظ سے اپنے لئے موزوں پایا۔وہ دو دفعہ بھیس بدل کر کتبغا خان کے تاتاری لشکر میں گیا اور وہاں کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا لیکن بیبرس بے خوف طبیعت کا مالک تھا۔اسے اپنے امور کے سلسلے میں اُڑتی ہوئی خبروں پر یقین نہیں تھا۔تاتاری لشکر کی لاپرواہی دیکھتے ہوئے اس نے اپنی منصوبہ بندی تشکیل دی۔وہ وقت ضائع کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔تاتاری انتظامات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے لشکر میں پُر جوش خطاب کیا۔رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔اسلامی لشکر روزے کی حالت میں تھا۔بیبرس نے اس مقدس مہینے کی مناسبت سے مجاہدین اسلام کے جذبات کو اتنا بھڑکایا کہ وہ سردھڑ کی بازی لگانے پر تلے دکھائی دیئے۔14 رمضان کو بیبرس کے پاس الملک المظفر کا حکم پہنچا کہ وہ فوراً قاہرہ واپس پہنچے اور اسے سالاری کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔بیبرس کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔اس نے اپنے مملوک ساتھیوں سے مشورہ کیا۔انہوں نے میدانِ جنگ سے ہٹنے کو بزدلی قرار دیتے ہوئے حکم عدولی پر زور دیا۔سلطان الملک المظفر کے قاصد کو گرفتار کر کے قید کر لیا گیا، البتہ اس کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھا گیا۔اسی رات بیبرس نے اپنے ساتھیوں سے سر جوڑ کر حالات کے پیش نظر فوری فیصلے کئے۔اس نے تاتاری لشکر کی خامیوں اور کمزوریوں کا نقشہ جب ان کے سامنے کھینچا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔بیبرس نے اس نشست میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہونے والی صبح کو معرکہ کا آغاز ہو جائے گا۔وہ بھرپور انداز میں تاتاری لشکر پر ضرب لگانا چاہتا تھا۔بیبرس نے مملوک امرأ کے ساتھ قلب، میمنہ اور میسرہ کے علم برداروں کا بھی تعین کر لیا۔ایک کے بعد دوسرے کا نام مقرر کیا گیا۔بیبرس نے خود کو ہراول دستے میں رکھا تھا جو کہ تمام حصوں میں ضرورت پڑنے پر بھرپور انداز میں مدد کرتا رہے گا۔

❁ ❁ ❁

گل دقوڑ اس قید خانے کی زندگی سے تنگ آ چکی تھی۔ایک طویل عرصہ بیت چکا تھا مگر اسے آج تک یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ آخر شیخ کبیر الدین اس سے کیا چاہتا ہے؟ اگر وہ اسے واقعی اپنی شریک حیات بنانے کا خواہش مند تھا تو وہ کون سی وجہ تھی جو اسے اس قدر تاخیر سے کام لینے پر مجبور کئے ہوئے تھی۔وہ اس عالیشان قید خانے میں بالکل بے یار و مددگار تھی، شیخ کبیر الدین کلی اختیار رکھتا تھا کہ اپنے ہر ارادے کو عملی جامہ پہنا سکتا۔عالم تنہائی میں وہ عالی شان محل نما کمرہ گل دقوڑ کو کسی عذاب خانے سے کم نہیں دکھائی دیتا تھا۔جہاں اُسے کوئی جسمانی اذیت تو نہیں پہنچائی جا رہی تھی مگر ذہنی طور پر مسلسل پریشان کیا جا رہا تھا۔روزانہ وقت پر اسے بیدار کیا جاتا۔کھانے کی طشت پیش کی جاتی اور پھر صرف خالی برتن لینے کے لئے ہی کوئی آتا۔یہ سلسلہ مخصوص باقاعدگی کے ساتھ جاری تھا۔روزانہ گل دقوڑ پرانی یادوں کے محور میں اُتر جاتی اور حالات کی بکھری کڑیاں ملانے کی سعی کیا کرتی۔قید خانے کی پژمردہ زندگی نے اس کے ذہن کے پردوں سے ماضی کے کئی نقوش مٹا ڈالے۔اپنوں کے چہرے دھندلے پڑ چکے تھے۔سرائے کی گلیاں اور بازار بھی آہستہ آہستہ اس کے دماغ سے محو ہو رہے تھے۔

یہ کیسی زندگی تھی......؟ وہ کبھی کبھی اکتا کر چیخنے چلانے لگتی مگر اس کے جذبات کا بپھرا ہوا یہ طوفان کمرے کے در و دیوار سے سر پٹختا اور پھر موت کی خاموشی کی آغوش میں اتر کر اس کا حصہ بن جاتا۔

شیخ کبیر الدین کی صورت بھی گل وتوڑ کو عرصہ سے نہیں دکھائی دی۔ کبھی تو اسے یوں لگتا کہ جیسے وہ اسے یہاں پھینک کر بھول چکا ہے۔ گل وتوڑ کبھی کبھی حساب کتاب لگانے کی کوشش کرتی کہ اسے یہاں پڑے ہوئے کتنا عرصہ بیت چکا ہے مگر وہ خود میں اُلجھ کر رہ جاتی۔

گل وتوڑ نے کئی بار کھانا لانے والے غلاموں سے بات چیت کرنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ ایسے پکے تھے کہ گل وتوڑ کی چیخ و پکار کا ان کی صحت پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ شاید کھانے کی طشت رکھنے اور جھوٹے برتن لے جانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں جانتے تھے۔ کبھی تو یوں لگتا کہ جیسے وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں۔ گل وتوڑ نے ان کی آنکھوں میں کئی بار دُھول جھونکنے کی کوشش کی مگر وہ بھی بلا کے ہوشیار تھے، گل وتوڑ کے ہر پینترے کو ناکام بنا دیتے۔ کبھی کبھار گل وتوڑ احتجاجاً کھانا ویسے کا ویسا پڑا رہنے دیتی۔ خالی برتن لینے کے لئے آنے والا غلام طشت میں دیکھنے کی کوشش بھی نہ کرتا کہ کھانا ویسا ہی پڑا ہے۔ وہ اطمینان سے طشت اُٹھاتا اور خاموشی سے واپس لوٹ جاتا۔ ایک آدھ مرتبہ گل وتوڑ نے کھانا واپس لے جانے والے کو روک کر کھانا واپس رکھنے کے لئے کہا۔ وہ اسی بہانے سے اس کا منہ کھلوانا چاہتی تھی مگر غلام نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی راہ لی۔ ساری رات گل وتوڑ بھوک کی شدت سے نڈھال رہی۔ گل وتوڑ اپنا ہر حربہ آزما چکی تھی مگر اسے اپنی رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بالآخر اس نے کافی سوچ وبچار کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اس خوفناک زندگی سے بہتر ہے کہ وہ شیخ کبیر الدین کی بات مان لے۔ کم از کم اسے باہر کی فضا میں جینے کا موقعہ تو ملے گا اور اس بند کمرے کی گھٹن سے تو نجات ملے گی۔

اُس دن جب غلام کمرے میں داخل ہوا تو وہ خاموش بیٹھی رہی۔ غلام نے اس کے پُرسکون چہرے پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی تپائی پر کھانے کی طشت رکھ دی۔ وہ جب واپس لوٹنے لگا تو گل وتوڑ کھنکار کر تیز آواز میں مخاطب ہوئی۔

''سنو میں جانتی ہوں کہ تم آج بھی حسب سابق میری بات کا کوئی جواب نہیں دو گے لیکن میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں تم میرا پیغام شیخ کبیر تک پہنچا دو''۔

غلام اس کی بات پر ٹھٹک کر رُک گیا اور پلٹ کر سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کھا جانے والے لہجے میں بولا۔ ''لڑکی! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اگر دوبارہ آقا کا پاک نام ایسی بدتمیزی سے لیا تو اپنی زندگی سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھو گی''۔ اس کا لہجہ اتنا خونخوار تھا کہ گل وتوڑ کو ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں نہیں جانتی کہ تمہارے آقا کی حیثیت کیا ہے؟ مگر تم اسے جا کر کہہ دو کہ گل وتوڑ کو اس کی ہر شرط منظور ہے''۔ وہ سنبھل کر مضبوط لہجے میں بولی۔

''لڑکی! میرے آقا کو اب تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تم شکر ادا کرو کہ ابھی تک تمہاری عصمت داغدار نہیں ہوئی ورنہ میرا آقا تو تم جیسی قیدی لڑکیوں کو صرف ایک غلام کے حوالے نہیں کرتا بلکہ دس بیس غلاموں میں بانٹ دیتا ہے اور وہ ان کی ''شجاعت و مردانگی'' کا شکار ہو کر قبر میں اتر جاتی ہیں''۔

گل وتوڑ اس کی بات سن کر سہم سی گئی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے غلام کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا کہ شیخ کبیر ایسا ویسا کچھ کر گزرتا تو اُسے روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ

بولتی، وہ غلام مڑ کر تیز قدموں سے واپس باہر نکل گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ کسی غلام سے بات کرنے میں کامیاب ہوئی تھی مگر اس کی بات ادھوری تھی۔ وہ شیخ کبیر کو کسی طرح اپنے پاس بلوانا چاہتی تھی مگر غلام کے تیور کچھ اور کہہ رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

اگلی صبح مطیع الدین یہ جان کر بھونچکا رہ گیا کہ اس کے ساتھ آنے والا قافلہ نماز فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد عجلت میں وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ رات کو امیر قافلہ اس سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ صبح وہ ان چہروں کی نشاندہی کرے گا جو گذشتہ روز اس کی پُراسرار انداز میں نگرانی کرتے رہے ہیں مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ وہ قافلے کی عجلت میں روانگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ آخر ایسی کون سی وجہ درپیش تھی کہ امیر قافلہ نے یوں چوروں کی طرح فرار ہونے پر ترجیح دی۔ بہرحال اس معاملے کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور موجود تھا۔ مطیع الدین نے سرائے کے مالک سے بھی سوال جواب کئے مگر وہ بھی کوئی خاص وضاحت نہ کر پایا۔ مطیع الدین ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر یونہی بے مقصد بازار کی جانب نکل گیا۔ وہ ان چہروں کی تلاش میں گھومنے لگا جو اس کے تعاقب میں رہتے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال ہنوز باقی تھا کہ اس کی نگرانی و تعاقب کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ وہ یہی معلوم کرنے کی غرض سے آوارہ گردی کرتا رہا۔ تجارت سے اُسے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی، ورنہ وہ مال لئے تاجروں کے پاس بیٹھا دکھائی دیتا۔ وہ سمرقند کے مختلف بازاروں میں بلامقصد گھومتا رہا مگر اُسے کوئی ایسی خاص بات نظر نہیں آئی جس پر وہ چونک جاتا۔

جب سورج آگ برسانے لگا تو مطیع الدین ایک قہوہ خانے کی جانب بڑھ گیا۔ دوپہر ہو چکی تھی مگر مطیع الدین کو اپنی مہم میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں قہوہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بالائی منزل پر پہنچ گیا۔ بالائی منزل کی بالکونی میں بیٹھنے کا خاص انتظام موجود تھا۔ لوگ موسم کی تیزی کے باعث ایسی بالکونیوں میں بیٹھ کر کچھ وقت گذارتے تھے۔ یہاں ہوا کے لطیف جھونکے گرمی کے اثر کو کسی حد تک کم کر دیتے۔ مطیع الدین خاموشی سے ایک جانب بیٹھ گیا۔ قریب ہی کچھ دوسرے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے مطیع الدین پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ایک خادم اس کی جانب بڑھا اور تپائی پر پانی کی صراحی اور مٹی کا پیالہ رکھتے ہوئے مزید دریافت کیا۔ مطیع الدین نے اسے قہوہ لانے کی ہدایت کی۔

کچھ دیر بعد قہوہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ قہوے کی چسکیاں لینے لگا۔ اس کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔ وہ اپنے گرد و جوار میں موجود لوگوں کو کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ قہوہ خانے میں بیٹھے اسے کافی دیر گذر گئی۔ کئی لوگ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے اور کئی نئے چہروں نے ان کی جگہ نشست سنبھال لی۔ مطیع الدین نے کچھ دیر بعد خادم کو کچھ کھانے کے لئے لانے کے لئے کہا۔ قہوہ خانے میں بیٹھے سہ پہر ہو چکی تھی۔ مطیع الدین کھانا آنے پر اس میں مصروف ہو گیا۔

اچانک اس کو اپنے قریب آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے تیزی سے سر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک سیاہ پوش شخص دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ سیاہ عمامے میں چھپ کر رہ گیا تھا البتہ لٹکتی ہوئی کھچڑی داڑھی کسی قدر دکھائی دے رہی تھی۔ مطیع الدین نے مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیا میں یہاں کچھ دیر کے لئے بیٹھ سکتا ہوں؟''

اس کی بھاری بھرکم آواز مطیع الدین کے کانوں میں پڑی۔ مطیع الدین نے پل بھر کے لئے کچھ سوچا اور پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔ نووارد اپنا لباس سمیٹتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ مطیع الدین نے اُسے کھانے کی

پیشکش کی تو اس نے صرف قہوہ پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مطیع الدین نے خادم کو اس کے لئے قہوہ لانے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین نے نووارد کے چہرے کے خدوخال دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ نووارد نے اپنا چہرہ کچھ ایسے انداز میں چھپا رکھا تھا کہ عمامے کے پلّو کافی آگے تک بڑھ چکے تھے۔ مطیع الدین اس کے پُراسرار انداز پر یقین ہو گیا کہ یقیناً یہ شخص اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو اس کی غیر محسوس انداز میں نگرانی کر رہے ہیں۔ مطیع الدین نے کھانا کھانے کے دوران اس سے کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی نووارد نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ جب مطیع الدین کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھو کر مڑا تو نووارد اسے قہوے کی چسکیاں لیتا ہوا دکھائی دیا۔ مطیع الدین نے فوراً فیصلہ کیا کہ اسے خود ہی سلسلہ کلام بڑھانا چاہئے۔

''برادرم! یہ آپ نے عمامے کو اتنا کیوں پھیلا رکھا ہے، ذرا چہرے کو ہوا لگنے دیں، گرمی خاصی زیادہ ہے''۔

''تمہیں میرا چہرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ تم میرے بارے میں شک و شبے کا شکار ہو''۔ نووارد اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، بھلا مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمہارے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہوں؟'' مطیع الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے بنانے کی کوشش مت کرو۔ بہر حال اب ہمیں کام کی بات کی طرف آ جانا چاہئے''۔

''کیسا کام......؟'' مطیع الدین اس کی بات پر اُلجھن کا شکار دکھائی دیا۔

''یقیناً تمہیں یہ یاد نہیں رہا! ہماری پہلے بھی ایک ملاقات ہو چکی ہے ورنہ تم اتنی حیرت کا اظہار نہ کرتے''۔ نووارد قہوے کی خالی پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے اگر تم یونہی حیران کرنے والی باتیں کرتے رہے تو غالب امکان ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میں یہ سوچنے لگوں کہ سمرقند کا والی تو میں ہی ہوں اور یہ بات مجھے معلوم نہیں؟''

''مجھے تمہاری بات پر ہنسی نہیں آئے گی کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اس وقت اپنے اندرونی انتشار و اضمحلال پر قابو پانے میں مصروف ہو۔ یہ کسی حد تک اچھی عادت ہے''۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں کام کی بات کی جانب آ جانا چاہئے''۔ مطیع الدین کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے نہایت گھاگ اور ذہین آدمی ہے۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں نے سرائے میں تمہیں ہدایت کی تھی کہ تم میری چیز واپس کر دو تم اسے قبضے میں رکھ کر کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے''۔ نووارد نے سرد لہجے میں کہا۔

''کک......کک......کون سی چیز......؟'' مطیع الدین غیر متوقع جملے پر گڑبڑا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ وہی سیاہ پوش ہوگا جو اسے جل دے کر فرار ہو گیا تھا۔

''تم جو اس کھو رہے ہو، خود پر قابو رکھو اور اطمینان سے میری بات کا جواب دو کہ میری چیز کی واپسی کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' نووارد نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''تم جو کوئی بھی ہو نہایت احمق اور فضول شخص ہو''۔ مطیع الدین سنبھل کر تیز لہجے میں بولا۔ ''تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ جب تک مجھے اس چیز کے بارے میں نہیں بتاؤ گے جو میرے پاس ہے، میں بھلا کیسے تمہیں جواب دے سکتا ہوں۔ میرے پاس جانے کتنے لوگوں کی چیزیں ہوں گی''۔

''مجھے چکمہ دینے کی کوشش نہ کرو...... اگر تم اس چیز کے بارے میں واقعی کچھ نہیں جانتے ہوتے تو

یہاں کیا لینے آتے؟'' وہ دھیمی آواز میں غراتے ہوئے بولا۔

''تم اگر صاف لفظوں میں اپنا مدعا بیان کر سکتے ہو تو بہتر ہے ورنہ میرے پاس تم جیسے بے کار لوگوں کے لئے ذرا سا بھی وقت نہیں''۔ مطیع الدین نے بے زاری کا اظہار کیا۔

''تم اچھی طرح سوچ لو میں پھر آؤں گا''۔ وہ اجنبی اُٹھتے ہوئے بولا۔

''جانے سے پہلے میری بات غور سے سن لو۔ تم آج پھر بات کو نامکمل چھوڑ کر جا رہے ہو، میں تمہاری کسی ایسی چیز کے بارے میں نہیں جانتا جو میرے پاس ہو اور یہ سن لو کہ اگر تم آئندہ یہ بیہودہ سوال لئے میرے سامنے دوبارہ آئے تو اچھا نہیں ہوگا......'' مطیع الدین نے اسے متنبہ کیا۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ کس کے لئے اچھا ہے اور کس کے لئے برا......!'' نووارد نے سپاٹ لہجے میں کہا اور دھیمے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ مطیع الدین اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرعت سے ادائیگی کی رقم گن کر تپائی پر رکھی اور خادم کو اشارہ کرتے ہوئے اجنبی کے پیچھے لپکا۔ وہ آج اس پُراسرار راز کی ساری گرہیں کھول دینا چاہتا تھا۔

* * *

بیبرس نے عین جالوت کے میدان میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد اس علاقے کے محل وقوع کا بغور جائزہ لیا۔ عین جالوت کے قریب ارضِ فلسطین کا تاریخی شہر ناصرہ موجود تھا۔ جہاں سے تاتاری لشکر کو رسد مل سکتی تھی۔ اگر ناگہانی حالات کا شکار ہو کر تاتاری لشکر پسپائی اختیار کرے تو وہ بآسانی ناصرہ کی مضبوط فصیل کی پناہ حاصل کر سکتا تھا۔ تاتاری لشکر میں موجود حلیف نصرانی اور مسلمان قوت پر بیبرس کی خاص نظر تھی۔ نصرانی لشکروں میں نمایاں صلیبی جنگجو تھے جو کہ نائٹ، ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کہلاتے تھے۔ اس کے علاوہ ارمنی نصرانیوں کی بڑی تعداد بھی موجود تھی، جبکہ مسلمان حلیفوں میں گرجستان کا لشکر نمایاں تھا۔ بیبرس ان کی مجموعی تعداد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لئے بہروپ بدل کر خود تاتاری لشکر میں پہنچ گیا۔ تاتاری اور نصرانی منصوبہ بندی اور کئی مفید معلومات حاصل کرنے کے بعد وہ رات کی تاریکی میں اپنے لشکر میں لوٹ آیا۔ تاتاری لشکر اسلامی لشکر سے قریباً ڈیڑھ گنا زیادہ تھا۔

کتبغا خان نے شاہ فرانس لوئی نہم اور شاہ یروشلم فریڈرک ثانی سے کمک بھیجنے کی استدعا کی تھی۔ شاہ فرانس لوئی نہم ساتویں صلیبی جنگ میں مسلمانوں سے ذلت آمیز شکست کھا کر ایک طویل عرصے سے فلسطینی شہر عکہ میں قیام پذیر تھا۔ وہ ذلت آمیز ناکامی کا بوجھ لے کر فرانس واپس نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ وہ کسی ایسے موقعے کی تلاش میں تھا کہ جب مسلمان کمزور دکھائی دیں اور وہ ارض مقدس پر قابض ہو جائے۔ اس کی خاموشی کی ایک وجہ ہلاکو خان بھی تھا۔ ہلاکو خان نصرانیت کے لئے جو خدمات انجام دے رہا تھا وہ نصرانیت کے لئے اجر عظیم سے کم نہیں تھیں۔ وہ خود سامنے آ کر ہلاکو خان کو یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ بھی ایک بڑی سلطنت کا حکمران ہے۔ ممکن تھا کہ ہلاکو خان اُس کی بڑائی برداشت نہ کرتا اور کوئی ایسا اقدام اُٹھاتا جو کہ اس کے لئے مناسب نہ ہوتا۔ شاہ یروشلم فریڈرک ثانی بھی اسی قطار میں شامل تھا۔ مجاہد ایوبی شہزادوں سے شکست کھا کر یروشلم کا اقتدار کھو چکا تھا۔ وہ بھی یہی آس لگائے عکہ میں مقیم تھا کہ کب حالات پلٹیں تو وہ اپنی کھوئی ہوئی ریاست کا اقتدار واپس حاصل کر سکے۔ شاہ فریڈرک ثانی وہ نصرانی حکمران تھا جس نے ایوبی فرمانرواؤں کی ذاتی رنجش اور چپقلش کا فائدہ اُٹھا کر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ارضِ مقدس پر مکمل تسلط حاصل کیا تھا۔

بیبرس پوری ہوشمندی سے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے سب سے پہلے ناصرہ کی جانب

بڑھنے والے راستوں پر عسکری دستے تعینات کیے، جنہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تاتاری لشکر کو کسی بھی صورت میں ناصرہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ دوسرا اقدام یہ اُٹھایا گیا کہ متوقع کمک کی راہ پر بھی گہری نظر رکھی گئی۔ اس نے عین جالوت کے چاروں جانب اپنے دستوں کا جال یوں پھیلایا کہ باہر سے پہنچنے والی رسد و کمک کی راہ بند ہو جائے تاکہ تاتاری کمک پا کر پُرجوش نہ ہو سکیں۔ تیسرا حربہ سابقہ عسکری انداز میں کیا گیا۔ میدان کے کچھ گوشوں میں عسکری تربیت یافتہ مملوک دستوں کو اس انداز سے چھپا دیا گیا کہ وہ آسانی سے دکھائی نہ دیں۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ جب تاتاری لشکر ان کے حصار میں پہنچ جائے تو وہ مخصوص بگل کی آواز پر میدان میں اتر آئیں۔ بیبرس نے ہراول دستوں میں اُن پُرجوش رضا کار مجاہدین کو شامل کیا جو دل و جان سے اللہ کی راہ میں اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کرنے آئے تھے۔ بیبرس کے ساتھی مملوک امرأ نے ہراول دستوں میں ایسے سپاہیوں کا تقرر نامناسب قرار دیا مگر بیبرس نے ان کی ڈھارس بندھائی اور کہا کہ وہ یہی چاہتا ہے کہ تاتاری سپاہی اسلامی لشکر کو نامکمل تربیت یافتہ اور غیر موزوں قیاس کریں، ایسے میں وہ لاپروائی کا شکار ہو جائیں گے اور جنگ کو کھیل میں تبدیل کر لیں گے، اس طرح ان کی بے فکری کا فائدہ ہمیں حاصل ہوگا۔ مملوک امرأ بیبرس کی حکمت عملی سے مطمئن نہیں تھے مگر وہ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر خاموش رہے۔ انہیں ہر حال میں یہ جنگ جیتنا تھی۔ سلطان الملک المظفر نے انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کی جو تدبیر اختیار کی تھی، اُسے ناکام بنانے کا عزم بھی ان میں موجود تھا۔

بروز جمعہ 15 رمضان المبارک 658ء کو بیبرس نے جنگ کا نقارہ بجایا اور اپنی صفوں کو میدان میں درست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مسلمان اپنے طاقتور حریف کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ بیبرس نے جنگ سے قبل اسلامی لشکر کے سامنے ایمان افروز تقریر کی۔ اس نے رمضان المبارک میں جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تمہیں اس مقدس مہینے میں اپنی جان کا نذرانہ اپنے پروردگار کو پیش کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ رمضان المبارک میں جہاد کرنا افضل ترین عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ مجاہدو! جو اس میدان میں شہادت پائے گا وہ اس مقدس مہینے کی بدولت جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور جو غازی رہے گا اللہ تعالیٰ اُسے فتح و نصرت کا مژدہ سنائے گا''۔

بیبرس کے ایمان افروز جملوں نے اسلامی لشکر میں کٹ مرنے کا جوش بھر دیا۔ وہ مقابلے کے آغاز کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ ہر سو اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف کتبغا خان اتنی جلدی طبلِ جنگ بجائے جانے پر حیرت کا شکار تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسلامی لشکر جنگ کے لئے اتنی عجلت کا مظاہرہ کرے گا۔ اس نے حقیرانہ انداز میں مسلمانوں کو صفیں سیدھی کرتے ہوئے دیکھا اور اپنے سالاروں کو بھی میدان میں لشکر اتارنے کا حکم دیا۔

تاتاری سپاہی اسلامی لشکر کے مقابل پہنچ کر اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اسلامی لشکر میں موجود مجاہدین کا ردّیہ بھی ان سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ بیبرس نے اسلامی لشکر طویل انداز میں میدان میں پھیلا دیا تاکہ تاتاری ان کے مقابلے میں بکھر جائیں۔ جنگ کے آغاز سے قبل اپنے سے دوگنا بڑا تاتاری لشکر دیکھ کر مجاہدین کسی قدر مرعوب دکھائی دیئے۔ بیبرس ان کے پریشان چہروں کو دیکھ کر کمزوری بھانپ گیا۔ اس نے ولولہ انگیز انداز میں غزوۂ بدر کی مثال دیتے ہوئے ان کی ہمت و جرأت بڑھائی اور پھر دونوں لشکر ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے۔

جوشیلے رضا کار مجاہدین نے شوقِ شہادت میں ایسی شجاعت و مردانگی کا مظاہرہ کیا کہ بیبرس خود بھی دنگ رہ گیا۔ بیبرس جنہیں نامکمل تربیت یافتہ سپاہی سمجھ رہا تھا، وہ تجربہ کار سپاہیوں سے کسی بھی طرح کم نہیں تھے۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ امتیاز و ردار تھا کہ تاتاریوں کے قدم اُکھڑنے لگے۔ کتبغا خان اس انہونی صورتِ حال سے جہاں متحیر تھا وہیں اس نے اپنے تجربہ کار سالاروں کو تیزی سے بڑھ کر بگڑتی صفوں کو سنبھالنے کی ہدایت کی۔ سالاروں نے آگے بڑھ کر تاتاری لشکر میں پھیلی ابتری کو ختم کرتے ہوئے انہیں دوبارہ منظم انداز میں بڑھایا تو مسلمانوں کے قدم ڈولنے لگے۔ بیبرس ہراول دستوں میں موجود رہ کر مختلف مقامات سے تاتاریوں کو نقصان پہنچاتا رہا۔ مجاہدین نے جب اپنے سالارِ اعظم کو اپنے ساتھ یوں پُرجوش پایا تو ان کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ مملوک امرأ پچھلے دستوں میں موجود تھے۔ بیبرس نے انہیں سختی سے ہدایت کی تھی وہ اشارہ ملنے سے پہلے جنگ میں ہرگز حصہ نہ لیں۔

بیبرس نے جب اسلامی لشکر کو تاتاریوں کے نرغے میں دیکھا تو اس نے منظم انداز میں پسپائی اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔ مجاہدین اشارہ پا کر منظم انداز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ اسلامی لشکر کی پسپائی دیکھ کر کتبغا خان کے ساتھ ساتھ ہر تاتاری سپاہی کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ زیادہ جوشیلے انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ کتبغا خان تاتاری ہراول دستوں کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ دائیں اور بائیں بازو کے دستوں کو بڑھاتا رہا وہ اسلامی لشکر کی کسی بھی جنگی چال سے نبٹنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے سالاروں کو ہدایت کی کہ وہ پھیل کر اسلامی لشکر کو حصار میں لے لیں۔ سالاروں نے حکم پا کر تیزی سے اسلامی لشکر کے گرد پھیلنا شروع کر دیا۔ بیبرس نے اسی خدشے کے پیشِ نظر سپاہیوں کو زیادہ پھیلایا تھا کہ انہیں حصار میں لینے کی کوشش میں تاتاریوں کو اصلی مرکز سے دور ہٹنا پڑے۔ بیبرس اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی تاتاری دستے حصار کے لئے کافی بکھر گئے اور ان کا حصار کسی حد تک مکمل ہونے لگا تو بیبرس نے مخصوص بگل بجانے کا اشارہ کیا۔ بگل بجتے ہی گھاتوں میں چھپے ہوئے مملوک دستے فلک شگاف آواز میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے اور تاتاری لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ بری طرح تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔

کتبغا خان یہ نئی صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے تاتاری سالاروں سے کہا کہ وہ کسی بھی صورت میں تاتاری لشکر کے گرد حصار نہ بننے دیں بلکہ وہ لشکر کو دو پاٹوں میں جدا کر لیں۔ تاتاری لشکر نے حکم پر یوں تقسیم ہوا جیسے پانی اپنی جگہ سے الگ ہوتا ہے۔ ایک حصہ نرغے میں لئے ہوئے اسلامی لشکر سے نبرد آزما تھا تو دوسرا حصہ اندرونی حصہ سے الگ ہو کر مملوک سپاہیوں کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں تاتاریوں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ تازہ دم مملوک دستے مخصوص تربیت کے حامل سپاہی ہیں اور ان سے نبٹنا آسان مرحلہ نہیں ہے۔

عین جالوت کے میدان میں گھمسان کا رن جاری تھا۔ دونوں طرف سے تابڑتوڑ حملوں کا سلسلہ اتنی تیزی اختیار کر گیا کہ ارض و سماء کانپنے لگا۔ بیبرس اس معرکے میں اپنی حیرت انگیز عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ساتھی مملوک امرأ و سالار بھی بیبرس کے انداز پر داد دیئے بناء نہیں رہ پائے۔ بیبرس نے آغاز میں ہی اپنے لشکر کو طویل انداز میں پھیلا دیا تھا جس کی وجہ سے تاتاری لشکر کو انہیں مکمل طور پر گھیرنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ بیبرس مختلف حصوں میں گھوڑا دوڑاتا ہوا پہنچ جاتا اور اپنے سپاہیوں کو جم کر لڑنے سے روکتا۔ بیبرس نے انہیں ہدایت کرتا کہ وہ جم کر لڑنے کے بجائے اس انداز میں لڑیں کہ تاتاری ان کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تکان اور کوفت کا شکار ہو جائیں۔ کبھی بیبرس کسی حصے کو پسپائی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تو کبھی کسی حصے کو پیش

قدی کا حکم سناتا۔ اسلامی لشکر بیبرس کی متضاد ہدایات پر کسی قدر پریشان بھی ہوا تھا مگر اس نے کسی بھی مرحلے پر اپنے امیر کی اطاعت سے روگردانی نہیں کی۔

تربیت یافتہ مملوک جانبازوں نے ایسی دلاوری کا مظاہرہ کیا کہ میدان جنگ تاتاری لاشوں سے بھرنے لگا۔ رضاکار مجاہدین بھی مملوک سپاہیوں سے کچھ کم نہیں دکھائی دے رہے تھے انہوں نے اپنی جرأت و شجاعت کے ایسے رنگ بکھیرے کہ تاتاریوں پر ہیبت طاری ہونے لگی۔ یہ بیبرس کا ہی کمال تھا کہ اس نے عام نوجوانوں کو معمولی سی تربیت دے کر ایسا نڈر اور جوشیلا بنا ڈالا تھا کہ وہ اب تاتاریوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے لڑ رہے تھے۔

کتبغا خان کے لئے یہ امر باعثِ حیرت تھا۔ وہ مسلمانوں کے کئی لشکروں کو شکست فاش دے چکا تھا اور کئی نامی گرامی سلطان اس کی قیادت میں تاتاری قوت کی مدد سے رُندے جا چکے تھے۔ وہ خود بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اسے آج تک مسلمانوں کی کم ہمتی اور بزدلی سے ہی پالا پڑا تھا۔ وہ احتیاط و تدبیر سے کام لیتے ہوئے مسلسل دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ بیبرس کی مخصوص عسکری چال میں تاتاری لشکر بری طرح پھنس چکا تھا۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اب تاتاری لشکر کو ہزیمت سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اس نے اپنے سالاروں کو ہدایت کی کہ وہ پسپائی اختیار کرتے ہوئے کسی بھی طرح تاتاری دستوں کو اسلامی لشکر کے نرغے سے نکال لے جائیں۔ کتبغا خان کی یہ ہدایت منگول سالاروں کو تو سمجھ آ گئی مگر حلیف صلیبی جنگجوؤں پر اس کا برا اثر پڑا۔ انہوں نے اسے فرار سے تعبیر کیا۔ جنگ کا نقشہ صلیبی حلیفوں کی سمجھ میں بخوبی آنے لگا۔ انہوں نے منظم انداز میں پسپائی اختیار کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اس کوشش نے تاتاری لشکر کی صفوں میں زبردست انتشار پیدا کر دیا۔ کتبغا خان نصرانی حلیفوں کی نادان حرکت پر پریشان ہو گیا، مجاہدین نے صلیبی مفروروں کے باعث پیدا ہو جانے والے انتشار سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور تاتاری سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔ تاتاری اپنے حلیف مفروروں کے درمیان اُلجھنے لگے۔

کتبغا خان غیر متوقع صورتِ حال پر بری طرح بوکھلا اُٹھا۔ اس نے غصیلے لہجے میں صلیبی حلیفوں کو تنبیہ کی مگر دیر ہو چکی تھی۔ جتنی دیر میں وہ سنبھلتے، اسلامی لشکر جارحانہ انداز میں تاتاریوں پر ٹوٹ پڑا۔ بیبرس نے اس موقعے سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اسلامی لشکر کے تند و تیز حملوں نے مختصر وقت میں تاتاری لشکر کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیے۔ گرجستانی اور ارمنی پیدل دستوں کو مملوک جانبازوں نے بری طرح روند کر رکھ دیا۔ دوپہر ڈھلتے ہی جنگ فیصلہ کن مرحلے کی جانب بڑھ گئی۔ بیبرس کی حکمت عملی رنگ لائی اور ایک دن کی مختصر جنگ میں تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی۔ تاتاری لشکر میں موجود تمام علم گرا دیئے گئے۔

مجاہدین اسلام نے وحشی اور سفاک تاتاریوں سے اپنے عزیزوں کی ہلاکت کا بھرپور بدلہ لیا۔ ڈیڑھ لاکھ کے قریب تاتاری لشکر کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ کتبغا خان کو اہم عمائدین کے ہمراہ زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ تاتاریوں کی عین جالوت میں شکست سے مسلمانوں کے دلوں پر چھائی ہوئی تاتاری ہیبت پر مہلک ضرب لگی تھی۔ پچھلے چالیس برس سے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونے والے تاتاری امرأ کو اپنی شکست پر گہرا تعجب تھا۔ کتبغا خان گرفتار ہونے کے بعد اپنے امرأ سے مسلسل یہی کہتا دکھائی دیا کہ جاودانی آسمان کی قسم! اس لشکر کا ارضِ انسانی سے تعلق نہیں...... یہ ضرور کوئی آسمانی لشکر ہے۔

بیبرس جنگ کے فیصلے پر بے حد مسرور اور پُراعتماد دکھائی دیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو

تاتاری ہتھیار پھینک دے اسے نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ اس کی مشکیں کس دی جائیں۔ اہم تاتاری سالاروں کی گرفتاری کے بارے میں اس نے یہ حکم دیا کہ انہیں پابہ زنجیر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مملوک دستے مالِ غنیمت کی جانب متوجہ نہ ہوں یہ کام رضاکار مجاہدین کو ہی کرنے دیا جائے۔ ایک مملوک امیر نے گرفتار تاتاری سالاروں کے بارے میں دریافت کیا تو بیبرس نے صاف لفظوں میں کہا کہ ان کے بارے میں روزہ افطار کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تیزی سے سیڑھیاں اتر کر قہوہ خانے سے باہر نکلا۔ اس کی عقابی نگاہیں اُس اجنبی سیاہ پوش کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ سورج ڈھلنے کے باعث بازار میں چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ اچانک اسے وہ سیاہ پوش تیزی سے ایک طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ مطیع الدین نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ وہ سیاہ پوش لاپروائی سے چلتا رہا۔ مطیع الدین پوری احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ وہ اسے آج کسی صورت میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال موجود تھے جن کے جواب اسے تشنہ کئے ہوئے تھے۔ آخر وہ کیا چیز تھی؟ جسے طلب کرنے کے لئے وہ سیاہ پوش سرائے سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچ گیا تھا۔

اچانک چلتے ہوئے مطیع الدین کو یہ احساس ہوا کہ کوئی نادیدہ نگاہ اس پر جمی ہوئی ہے۔ جانے کیوں یہ احساس گہرا ہوتا گیا کہ کوئی نہ کوئی اس کے تعاقب میں چل رہا ہے۔ اس نے اپنے دائیں بائیں کے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی مگر ان میں کوئی ایسی صورت دکھائی نہیں دی جس کے بارے میں اسے شک گذرتا۔ وہ ذہنی پریشانی کا شکار تھا۔ اگر وہ رُک کر اس نادیدہ نگاہ کی تلاش کی کوشش کرتا تو وہ سیاہ پوش اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا اور اگر وہ سیاہ پوش کی جانب متوجہ رہتا تو اس شخص کو تلاش نہیں کر سکتا تھا جو اس کی نگرانی پر مامور تھا۔ اس نے تیزی سے فیصلہ کیا کہ اسے فی الوقت سیاہ پوش پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا چاہئے کیونکہ وہ اس کے سامنے تھا اور نگرانی کرنے والا کسی دوسرے وقت اس کے سامنے آ سکتا ہے۔ اگر سیاہ پوش گم ہو گیا تو وہ اس کی حقیقت کو کیسے جان پائے گا؟

اچانک سیاہ پوش نے مڑ کر پیچھے کی جانب دیکھا۔ مطیع الدین اس کی غیر متوقع حرکت پر بوکھلا سا گیا۔ اس نے تیزی سے اپنے سامنے والے شخص کی آڑ لیتے ہوئے خود کو چھپایا۔ سیاہ پوش نے اپنے پیچھے آنے والوں پر سرسری نگاہ ڈالی اور اطمینان ہونے پر آگے بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کی نظروں سے بچ جانے پر کسی قدر مطمئن ہو گیا۔

وہ سیاہ پوش گنجان آبادی والے حصے میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں اس کے کھو جانے کا امکان قوی تھا۔ مطیع الدین نے اپنے اندیشے کے پیشِ نظر درمیانی فاصلہ مزید کم کر دیا۔ سیاہ پوش کے انداز سے بے فکری جھلک رہی تھی۔ وہ دھیمی چال چلتے ہوئے ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر ٹھہر کر اوٹ میں چھپ کر دیکھنے لگا۔ وہ کوئی بند گلی معلوم ہوتی تھی۔ سیاہ پوش کچھ دور جا کر ایک دروازے کے سامنے ٹھہر گیا۔ اس نے گلی کے دہانے کی جانب ایک نگاہ ڈالی۔ مطیع الدین تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ لمحہ بھر کے بعد مطیع الدین نے دوبارہ گلی میں جھانکا تو اسے وہ سیاہ پوش دروازے میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا پھڑ پھڑاتا لباس پل بھر میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے؟

مطیع الدین سیاہ پوش کی پناہ گاہ تک تو پہنچ گیا تھا مگر آگے کی کوئی راہ سوجھ نہیں رہی تھی۔ مطیع الدین ٹہلتے ہوئے انداز میں گلی میں داخل ہوا۔ وہ اس مکان پر ایک نظر ڈالنا چاہتا تھا۔ چلتے چلتے وہ مکان کے بالکل

قریب پہنچ گیا۔ لکڑی کا بھاری بھرکم دروازہ اُسے دکھائی دیا جہاں کچھ دیر پہلے سیاہ پوش داخل ہوا تھا۔ اس نے مکان کی دیواروں پر نگاہ ڈالی جو کہ کافی بلند تھیں۔ گھوم پھر کر اس نے اچھی طرح جائزہ لیا مگر اسے اس گھر میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہیں دیا۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا کہ کیوں نہ بازار میں سے اس گھر کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی جائیں۔ کوئی نہ کوئی تو ضرور اس گھر کے بارے میں جانتا ہو گا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتا ہوا گلی کی نکڑ پر پہنچا۔

بازار میں داخل ہوتے ہی مطیع الدین نے چاروں جانب نگاہ ڈالی اور کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو اس کے مقصد پر پورا اتر سکتا۔ اس کی نگاہ ایک عمر رسیدہ باریش شخص پر پڑی جو کچھ فاصلے پر تسبیحوں اور نگینوں کی دکان سجائے بیٹھا تھا۔ مطیع الدین کو وہ کسی قدر موزوں محسوس ہوا۔ مطیع الدین کے قدموں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے کندھے پر کسی قدر دباؤ محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے مڑا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے چہرے پر داڑھی مونچھ کے روئیں نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ مطیع الدین نے اُلجھے ہوئے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ اس نوجوان کا ہاتھ مطیع الدین کے کندھے پر ابھی تک دباؤ ڈالے ہوئے تھا۔

''کیا بات ہے؟'' مطیع الدین نے نرمی سے دریافت کیا۔

''تمہیں اس گھر کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے شاید......؟'' اس نوجوان نے پُر اسرار انداز میں کہا۔ مطیع الدین نوجوان کے غیر متوقع جواب پر ششدر رہ گیا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ہر موڑ پر اسے لگاتار عجیب اور پریشان کن حالات سے پالا پڑ رہا ہے۔

❁ ❁ ❁

الملک المظفر کی رضامندی پا کر علاء الدین لولو کا چہرہ مسرت سے سرشار ہو گیا۔ وہ جلد از جلد ارضِ فلسطین پہنچ کر بیبرس پر قابو پانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کئی منصوبوں کے تانے بانے تشکیل پا رہے تھے۔ دوسری صبح اس نے سلطان الملک المظفر سے نامہ شاہی حاصل کیا جس میں بیبرس کی منصب سالاری سے معزولی کا حکم سلطانی مہر کے ساتھ تحریر تھا۔ نامہ پاتے ہی وہ قاہرہ سے نکلا اور تیز رفتاری سے ارضِ فلسطین کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ولایت حلب کے حصول کے لئے دیوانہ ہو چکا تھا، اس کے ذہن میں پنپنے والی خواہش کی تکمیل کے جوش نے اس کے جسم میں جیسے شرارے بھر دیئے۔ وہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا عصر کے وقت عین جالوت جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ اس کے لئے بے حد تعجب انگیز تھا۔ تاتاریوں کی کٹی پھٹی لاشوں سے اٹا ہوا میدان بیبرس کی فتح کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیبرس جیسا معمولی سالار تاتاریوں کا ایسا بھیانک حشر کر سکتا ہے۔ میدان جنگ کی حالتِ زار دیکھنے کے بعد علاء الدین لولو بیبرس کی شخصیت سے خاصا مرعوب دکھائی دینے لگا۔ مملوک دستے چوکس انداز میں پہرہ دے رہے تھے جبکہ مجاہدین مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔ اس نے ایک سپاہی سے بیبرس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے خیمے میں موجود ہے۔ مختلف سپاہیوں کی رہنمائی میں علاء الدین لولو بیبرس کے خیمے تک جا پہنچا۔ بیبرس خیمے میں اپنے ساتھی مملوک امرا کے ہمراہ موجود تھا۔ علاء الدین کی صورت دیکھتے ہی وہ سب لوگ سمجھ گئے کہ وہ کیا پیغام لایا ہوگا؟ علاء الدین نے آگے بڑھ کر سب سے مصافحہ کیا اور انہیں فتح پر مبارکباد دی۔

''کہو علاء الدین! اچانک آمد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' ایک مملوک امیر نے پوچھا۔

''میں سلطان الملک المظفر کا حکم لے کر آیا ہوں'' ۔ علاء الدین لولو مختصراً بولا۔

''کیسا حکم؟'' بیبرس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''سلطان الملک المظفر نے بیبرس کی پیش قدمی کے اقدام کو بلادِ مصر کے تحفظ کے لئے سخت خطرہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔ جب بیبرس پر یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ تاتاری لشکر سے جان بوجھ کر مبارزت نہیں کرے گا تو اس نے ارضِ فلسطین کی جانب کیوں کوچ کیا؟ لہٰذا بیبرس کو سرکشی اختیار کرنے کے باعث منصب سالاری سے معزول کر دیا گیا ہے اور مجھے بیبرس کو پابہ زنجیر دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے'' ۔ علاء الدین جھجکتے ہوئے بولا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ بیبرس نے بلادِ مصر کے لئے کیا خدمت انجام دی ہے۔ تاتاریوں کو شکست فاش دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ہم اپنے سالار کی ایسی بے حرمتی برداشت نہیں کریں گے'' ۔ ایک مملوک امیر تنک کر بولا۔

''مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سب لوگ دربار سلطانی کے اطاعت گذار ہیں اور احکامات سلطانی کی بجا آوری ہمارا فرض ہے'' ۔ علاء الدین نے یہ الفاظ چبا کر ادا کئے۔

''ہم سب سلطان الملک المظفر کے اس حکم کی پوشیدہ وجہ اچھی طرح جانتے ہیں! وہ بیبرس کے اس کارنامے کا اعزاز خود حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ دربار میں بیٹھ کر ایسے اعزاز حاصل نہیں ہوا کرتے۔ ان کے لئے میدانِ جنگ میں اتر کر جوانمردی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ سلطان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اب ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، جب ہم لوگوں نے قیادت کے لئے اسے دعوت دی تھی تو اس نے کمال مکاری سے اپنا پہلو بچا لیا اور ہم لوگوں کو آگے کیا تا کہ اگر شکست ہو تو سلطان کا دامن صاف رہے اور ہم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اگر فتح نصیب ہو تو ہمیں سرکشی اور بغاوت جیسے گھٹیا الزامات میں ملوث کر کے اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے'' ۔ ایک مملوک امیر تلخی سے بولا۔

''تمہیں منہ کھولنے سے پہلے اپنی بات تول لینا چاہئے تھی، تم شاید اس حقیقت سے غافل ہو چکے ہو کہ سلطان الملک المظفر بلادِ مصر کا منتخب حکمران ہے۔ اس کے پاس طاقت اور اختیار ہے، وہ چاہے تو مملوک دستوں کو تمہاری سرکوبی کے لئے روانہ کر کے تمہارا نام و نشان مٹا ڈالے۔ بغاوت اور حکم عدولی کر کے اپنی جانوں کو خطرے سے دوچار مت کرو'' ۔ علاء الدین بگڑ کر بولا۔

''تم ہمیں دھمکانے کی کوشش مت کرو علاء الدین! ورنہ اچھا نہیں ہوگا'' ۔ ایک مملوک امیر ہتھے سے اکھڑتا ہوا بولا۔

''جاؤ! اپنے سلطان سے کہہ دو کہ ہم سب تہہ دل سے بیبرس کے محافظ ہیں اور سلطان الملک المظفر کو موسیٰ بن نصیر کی کہانی کو دوہرانے نہیں دیں گے۔'' ایک مملوک امیر نے کہا۔

بیبرس نے اپنے ساتھیوں کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور خود علاالدین کی جانب متوجہ ہوا۔

''علاء الدین! مجھے سلطانی حکم کا بے حد احترام ہے مگر حالات اس قدر مخدوش جہت اختیار کر چکے ہیں کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ جس کام کا آغاز کیا جا چکا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ ایسا کرنا بلادِ مصر اور مسلمانوں دونوں کے مفاد میں ہے۔ ابھی کچھ ایسے اقدامات اُٹھانا باقی ہیں کہ ہلاکو خان کی واپسی پر تاتاری خطرے کے تدارک کا بھرپور انتظام کیا جائے'' ۔

''بیبرس! میں تمہاری بات سے پوری طرح متفق ہوں مگر میں سلطانی حکم کے آگے کیا کر سکتا ہوں؟'' علاء الدین لولو نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔

''تم واپس جاؤ! سلطان الملک المظفر کو سب سے پہلے تاتاریوں کی شکست کی نوید سناؤ اور اس کے بعد میری جانب سے معذرت پیش کرو کہ میں سلطان کو مطلع کئے بغیر روانہ ہونے پر بے حد نادم ہوں اور استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکم پر نظر ثانی فرمائیں۔ میں ہمیشہ ریاست کا فرمانبردار رہا ہوں اور آئندہ بھی وفادار رہنے کا حلف اُٹھاتا ہوں۔ سلطان محترم نے جس فرض کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈالا تھا میں نے بحکم باری تعالیٰ اس کی بجا آوری میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا اور اب میں بلادِ شام کی جانب بڑھ رہا ہوں تاکہ انہیں تاتاری آفت سے پاک کر کے سلطان محترم کی ریاست میں شامل کر کے ان کی سلطنت کا دائرہ وسیع کر سکوں''۔

''میرا یوں واپس لوٹنا ممکن ہے کہ سلطان کو ناگوار گذرے''۔ علاء الدین نے مختصراً کہا۔

''تمہاری فصاحت و بلاغت کس دن کام آئے گی''۔ بیبرس ہنس کر بولا۔

علاء الدین، بیبرس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا ذہن تیز رفتاری سے نئی صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ اگر وہ کسی حربے سے بیبرس کو قاہرہ ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو عین ممکن تھا کہ تاتاریوں کی شکست کی خبر سن کر سلطان الملک المظفر کا سارا غصہ دھرا رہ جاتا اور وہ بیبرس کی سرکشی کو نظر انداز کر دیتا۔ ایسی صورت میں حلب کی ولایت تو اس کے ہاتھ سے نکل جاتی لہٰذا اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ وہ حلب کی ولایت دوسرے طریقے سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔

''میں اس معاملے میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ سلطان الملک المظفر کے ذہن پر چھائی ہوئی غلط فہمی کو رفع کر دوں مگر میری ایک شرط ہے''۔

''کیسی شرط؟'' بیبرس اس کی بات پر دنگ رہ گیا۔

''سلطان الملک المظفر نے حلب کی ولایت تمہیں دینے کا وعدہ کیا تھا اگر وہ تم مجھے بخش دو تو میں تمہیں عتاب سلطانی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دوں گا''۔ علاء الدین کی شرط سن کر بیبرس سمیت تمام مملوک امرأ اپنی بلکہ متحیر رہ گئے۔ بیبرس کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

''علاء الدین! تمہیں شاید میرے بارے میں اندازہ لگانے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میں حلب کی ولایت کا کبھی حریص نہیں تھا۔ اگر میں نے حلب کی ولایت پر اصرار کیا تھا تو اس کے پیچھے کسی کی ہدایت کارفرما تھی، اور میں اب بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ اس ہدایت کے پیچھے کیا راز تھا؟ تم بے فکر رہو، میں حلب کی ولایت کا حق تمہیں تفویض کر دوں گا۔ تم سلطان الملک المظفر کے پاس جاؤ اور اپنا کام مکمل کرو۔ میں تمہارے پیچھے ہی تاتاری قیدی اور مال غنیمت روانہ کر رہا ہوں''۔

''مجھے تم پر بھروسہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کر گذرتے ہو مگر......!''

''تمہیں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا دل صرف مسلمانوں کے لئے دھڑکتا ہے، اگر میں نے سلطان کی حکم عدولی کی تو اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا۔ میں عالم اسلام کے ہر اُس دشمن کو مٹا دینا چاہتا ہوں جو اپنے دل میں ناپاک عزائم چھپائے ہوئے ہے اور لگاتار مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف ہے''۔ بیبرس نے ٹھوس لہجے میں اُسے یقین دہانی کرائی۔

علاء الدین لولو ولایت حلب اپنے ہاتھ میں دیکھ کر بے حد مسرور دکھائی دیا۔ اس نے اسلامی لشکر میں رہ

کر روزہ افطار کیا اور مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد قاہرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ جلد از جلد قاہرہ پہنچ کر تاتاریوں کی شکست کی خوشخبری سلطان الملک المظفر کو سنانا چاہتا تھا۔ علاء الدین کی روانگی پر بیبرس کے ساتھی مملوک امرأ نے اس پر حقارت بھری نگاہ ڈالی اور اسے خود غرض، حریص اور کمینہ قرار دیا گیا۔

❁ ❁ ❁

اگلے دن تاتاری سالارِ اعظم کتبغا خان کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ بیبرس کے سامنے پیش کیا گیا۔ تاتاری قیدیوں کو مال غنیمت سے ملنے والی بیڑیاں پہنائی گئیں۔ ان بیڑیوں کا بوجھ کئی نامور فرزندانِ اسلام نے اُٹھایا تھا جن میں عباسی خلافت کا ولی عہد محمد ابوبکر بھی شامل تھا۔ کتبغا خان نے یہ کبھی گمان نہیں کیا تھا کہ ایک دن یہی بیڑیاں اس کے جسم کی زینت بنیں گی۔ کتبغا خان کے ساتھ تاتاری ریاست کے کئی مسلمان حلیف بھی گرفتار کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں بیبرس نے صاف الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ یہ لوگ عالم اسلام پر ڈھائی جانے والی قیامت میں برابر کے شریک کار ہیں لہٰذا انہیں بغیر کسی مہلت کے تہ تیغ کر دیا جائے۔ کتبغا خان کو جب بیڑیوں میں بیبرس کے پاس لایا گیا تو اس کی گردن تکبر سے اکڑی ہوئی تھی اور چہرے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔ بیبرس کی نظر جب اس پر پڑی تو اس کے چہرے کی رگیں تن سی گئیں۔ وہ کتبغا خان کی درندگی اور مظالم سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ نصرانیت کی حمایت میں کتبغا خان تمام انسانی حدود پار کر چکا تھا۔ وہ اکڑی گردن سے یوں کھڑا رہا جیسے اسے بیبرس کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی اسے اپنی شکست پر کوئی ندامت ہے۔

''تاتاری سالار! اتنا تو تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جانے والا ہے؟'' بیبرس نے دریافت کیا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم پہلے سلطانوں کی مانند صلہ رحمی کا مظاہرہ کر کے مجھے متاثر کرنا چاہتے ہو، مگر میں تمہاری صلہ رحمی کے مقابلے میں موت کو ترجیح دوں گا کیونکہ میں یسوع مسیح کا سچا پیروکار ہوں اور مقدس صلیب کی عظمت کی بحالی کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے لئے سرخرو ہو جاؤں گا''۔ کتبغا خان متکبرانہ لہجے میں بولا۔

''تمہارا اندازہ غلط ہے کتبغا خان!'' بیبرس دھیمے لہجے میں مسکرا کر بولا۔ ''میں نے تمہارے جرائم کی پاداش میں موت کی سزا تجویز کی ہے، ایک ایسی دردناک موت، جس کا ذائقہ چکھتے ہوئے تمہیں جلد ہی یہ احساس ہو جائے کہ موت کس چیز کا نام ہے؟ اور یہ جب طاری ہوتی ہے تو انسان اس کے سامنے کیسے بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے؟''

''مسلمان سالار!'' کتبغا خان حقارت سے ہنستا ہوا بولا۔ ''تم شاید یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ ساری زندگی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گذارتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک موت سے کھیلتے رہنا ہمارا مرغوب مشغلہ ہے''۔

''لیکن جو موت میں نے تمہارے لئے تجویز کی ہے اس کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے صرف موت کا نام سنا ہے، اسے قریب سے محسوس نہیں کیا''۔ بیبرس نے اپنے سپاہیوں کی جانب دیکھا اور انہیں ہدایت کی۔ ''تم میں سے کوئی ایسا سامنے آئے جو ایک ہی جھٹکے سے موت کے حریص اس تاتاری کا بایاں بازو کندھے سے نکال دے''۔

سپاہیوں میں ایک قوی ہیکل جوان آگے بڑھا اور اس نے کتبغا خان پر نفرت انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے

ایسے جھٹکے دیئے کہ کتبغا خان کا بازو پہلو میں جھولنے لگا۔ درد کی تیز لہر کتبغا خان کے جسم میں دوڑنے لگی۔ اس نے کمالِ ضبط کا مظاہرہ کیا اور منہ سے آہ تک نہیں نکالی البتہ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ بیبرس نے کچھ دیر بعد کتبغا خان کا دوسرا بازو بھی نکلوا دیا۔ اس کے دونوں بازو جھول رہے تھے۔ اس کے بعد بیبرس نے دوسرا حکم دیا کہ دو سپاہی تلوار کے دستے سے اس کے کندھوں پر ضربیں لگائیں۔ ضربوں کا سلسلہ جب شروع ہوا تو کتبغا خان کے صبر و برداشت کی حد ٹوٹ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں نکلنے لگیں۔ کچھ دیر تک یہ سلسلہ جاری رکھا گیا۔ مملوک امرا خاموشی سے بیٹھے بیبرس کی کارروائی دیکھتے رہے۔

بیبرس نے مختلف حربوں سے کتبغا خان کے مضبوط چہرے کو وحشت زدہ بنا ڈالا تھا۔ اسے جب لایا گیا تھا تو وہ بے حد پُر اعتماد دکھائی دے رہا تھا مگر اب اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے ساری توانائی مجتمع کی اور بیبرس کی جانب دیکھتے ہوئے کانپتی آواز سے بولا۔

''سالار! کیا ہوا کہ مسلمانوں نے میدان جیت لیا، کیا منگولوں کی گھوڑیوں نے بچے جننا چھوڑ دیئے ہیں یا ان کی عورتیں بانجھ ہوگئی ہیں؟ مجھے فخر ہے کہ میں مردِ میدان کی موت مروں گا لیکن یہ یاد رکھو کہ میرے مرنے کے بعد تم لوگوں کو سکون کی نیند چند دن تک ہی میسر آئے گی۔ منگول شہسوار واپس لوٹیں گے اور تم لوگوں سے ضرور ایسا بدلہ لیں گے کہ تمہاری عورتیں بچے جننا بھول جائیں گی اور تمہاری زمین تمہارے خون سے آلودہ ہو جائے گی۔ میں منگولوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سن رہا ہوں جو بلادِ مصر کو روندنے کے لئے بے قراری سے مچل رہے ہیں''۔

''کتبغا خاں!'' بیبرس نے اس کی بات پر تحمل سے جواب دیا۔ ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، تم لوگوں کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ بے بسی کے عالم میں بھی ڈینگیں مارتے ہو تاکہ دشمن کے دل پر تمہاری ہیبت اور رعب چھایا رہے۔ میرا نام بھی بیبرس ہے اور میں دشت کا بیٹا ہوں، تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں''۔

کتبغا خان خاموش رہا البتہ نفرت کی چنگاریاں اس کی آنکھوں سے پھوٹتی رہیں۔ بیبرس نے حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور اس کا سر قلم کر کے مالِ غنیمت کے ساتھ قاہرہ بھجوا دو تاکہ وہ پناہ گزین مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ میں نے ان کے اپنوں کے قاتلوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے...... اور اس کے تمام رفقاء کو پابجولاں قافلے کے ساتھ روانہ کرو۔ ان کے بارے میں سلطان الملک المظفر خود فیصلہ کریں گے۔

ان تاتاری قیدیوں میں کئی معزز سردار اور کتبغا خان کا جواں بیٹا بھی شامل تھا۔ بیبرس کو تاتاریوں کے ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم پر اتنا غم و غصہ تھا کہ اس نے ذرا سا بھی اکڑنے یا تکبر کا مظاہرہ کرنے والے تاتاریوں کے ہاتھ پاؤں تڑوا ڈالے۔

عین جالوت کے میدان میں بیبرس نے تاتاریوں کو پہلی فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا تھا۔ نصف صدی سے ناقابلِ تسخیر رہنے والے تاتاری بیبرس کی حکمتِ عملی کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے اور صرف ایک دن میں ہی معرکہ کا فیصلہ ہوگیا۔ اس معرکے کا شمار تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو پوری دنیا میں ان کے لئے کوئی جائے پناہ باقی نہیں تھی۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام منہ کھولے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور تاریخ و ثقافت بالکل برباد ہو جاتی۔ بغداد کے بعد علم کا سرچشمہ قاہرہ تھا جہاں علمی ذخیروں کے انبار موجود تھے۔ بغداد کے علمی ذخیرے تو دریائے دجلہ و فرات میں بہا کر ضائع کر دیئے گئے تھے اور قرطبہ کے اسلامی علمی خزانوں پر نصرانی قابض ہو چکے تھے۔

تاتاریوں کی شکست کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ارضِ فلسطین میں پھیل گئی۔ جب عکہ میں شاہ فرانس لوئی نہم کو یہ اطلاع ملی تو وہ دیوانہ سا دکھائی دیا اور شاہ فریڈرک ثانی تاسف سے ہاتھ ملتا رہا۔ نصرانیوں نے اس خبر پر سوگ منایا اور اپنے بہادر اور مضبوط سپاہی کتبغا خان کو سیاہ لباس پہن کر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نصرانی اس کی خدمتِ نصرانیت پر کافی عرصہ تک اس کے حق میں صدائیں بلند کرتے رہے۔

❁ ❁ ❁

علاء الدین لولو تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا دوپہر کے وقت واپس قاہرہ پہنچا۔ اس وقت سلطان الملک المظفر اپنے شاہی دربار میں موجود رہتا تھا اسی لئے وہ سیدھا دربارِ شاہی چلا آیا۔ سلطان الملک المظفر کی نظر جب اس پر پڑی تو اس کے چہرے پر حیرت سی دکھائی دی کیونکہ وہ اکیلا ہی لوٹا تھا جبکہ وہ یہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر بیبرس کو دربار میں پیش کرے گا۔ علاء الدین لولو کا چہرہ گرد و دھول سے اٹا پڑا تھا۔ کئی درباری امرا نے اس کے حلئے پر ناگواری سے نگاہ ڈالی اور ناک بھوں چڑھائی۔ علاء الدین لولو نے آگے بڑھ کر تعظیم دی۔

''علاء الدین! تمہیں جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا اس میں کامیابی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے؟''

''سلطان محترم!'' علاء الدین بولا۔ ''میں وہاں دیر سے پہنچا، میرے پہنچنے سے پہلے ہی اسلامی لشکر تاتاریوں سے بھڑ چکا تھا اور حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اپنا فرض نبھا پاتا''۔

''کیا مطلب؟ ہمارے لشکر کو خدانخواستہ...... شکست ہوگئی ہے؟'' سلطان الملک المظفر کا چہرہ متغیر ہو دکھائی دیا۔ درباری امرا کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا اور چہروں پر پریشانی دوڑنے لگی۔

''الحمدللہ!'' علاء الدین فخریہ لہجے میں بولا۔ ''اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو عزت و نصرت بخشی اور اس نے تاتاری لشکر کو پامال کر ڈالا۔ مردِ میدان بیبرس نے ایک ہی دن میں تاتاری لشکر کے چھکے چھڑا دیئے اور انہیں ذلت و پستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیا''۔

''الحمدللہ...... الحمدللہ......''

دربار میں ہر لب سے یہی صدا سنائی دی۔ تاتاریوں کی شکست کی خبر سے ان کے چہروں پر مسرت کی سرخی دوڑنے لگی۔ سلطان الملک المظفر جہاں تاتاری لشکر کی خبر سے مسرور ہوا، وہیں اسے اپنے معمولی سالار بیبرس کی اعلیٰ کارکردگی پر حیرت بھی ہوئی۔

علاء الدین لولو نے بیبرس کا معذرت نامہ سلطان الملک المظفر کی خدمت میں پیش کیا اور اس کے اگلے اقدام کے بارے میں بتایا۔ سلطان الملک المظفر بیبرس کے ارادے جان کر کچھ دیر خاموش رہا پھر توقف سے بولا۔

''ہمیں بیبرس کی جرأت و شجاعت پر بے حد مسرت ہے مگر جو کام وہ کرنے کا خواہش مند ہے وہ اس کی حیثیت سے کافی بڑا ہے۔ بلادِ شرقیہ و شام سے تاتاریوں کا مکمل انخلاء ہماری بھی خواہش ہے مگر بیبرس تنہا اس کام کو سرانجام نہیں دے سکے گا۔ اس کے پاس اتنی عسکری قوت نہیں ہے کہ وہ مسلسل کامیابی حاصل کر سکے جو اس وقت کی شدید ضرورت ہے۔ ہم اس مقام پر کھڑے ہیں کہ ہماری ایک شکست تاتاری جماعت کی حوصلہ افزائی کر دے گی لہٰذا ہم نے طے کیا ہے کہ اس مہم میں ہم خود مملوک افواج کے ساتھ بلادِ شرقیہ و شام روانہ ہوں گے تاکہ بیبرس کے ساتھ رہ کر تمام اسلامی علاقوں سے تاتاریوں کو باہر نکال دیا جائے اور وہاں ایسے سخت

اقدامات کئے جائیں کہ دوبارہ وہ علاقے تاتاری بربریت کا شکار نہ ہو سکیں''۔

سلطان الملک المظفر کے بروقت فیصلے سے امرا کھل اُٹھے۔ انہوں نے پُرجوش انداز میں اس سلطانی اقدام کی حمایت کی۔ امیر فارس الدین اقطائی ان درباری امرا سے الگ دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ جب خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا تب تو سلطان الملک المظفر نے خود پیش قدمی نہیں کی اور تاتاریوں سے الجھنے سے گریز پر ہمیشہ اصرار کرتا رہا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے بیبرس کو فتح و نصرت سے نوازا ہے تو سلطان الملک المظفر اس میں حصہ دار بننے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔

سلطان الملک المظفر اپنی فتح کے نشے میں اس قدر سرشار تھا کہ اس نے علاء الدین لولو کو اس خوش کن خبر سنانے پر ولایت حلب دینے کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ حلب کی ولایت بیبرس کو تحریری طور پر لکھ کر دی جا چکی تھی۔ کچھ امرا نے سلطان الملک المظفر کی توجہ اس امر پر دلائی تو اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ بیبرس کے لئے حلب کی ولایت بے حد معمولی چیز ہے ہم اسے اس سے زیادہ اعلیٰ تحفہ دینے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ علاء الدین لولو حلب کی ولایت پر مہر شاہی ثبت ہوتے دیکھ کر خوشی سے جھومنے لگا۔ اب وہ اپنے باپ بدر الدین لولو سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا تھا۔

سلطان الملک المظفر کے اس اقدام پر بیبرس کے ہمدم مملوک امرا پر بے حد برا اثر پڑا تھا۔ حالانکہ کہ سلطان الملک المظفر نے انہیں اطمینان دلایا تھا مگر وہ شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کے خیال میں بیبرس نے خاص طور پر حلب کی ولایت کا اصرار کیا تھا اور قول و قرار ہو جانے کے بعد حق ولایت کا کسی دوسرے فرد کو بخشنا سلطان الملک المظفر کے شایانِ شان نہیں تھا۔

❀ ❀ ❀

ہلاکو خان تیز رفتاری کے ساتھ صحرائے گوبی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد تقریب قرولتائی میں شمولیت کے لئے مراغہ پہنچنے کا خواہش مند تھا۔ مراغہ (آذربائیجان) ایل خانی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ وہ بہت مختصر وقت میں ارض فلسطین سے سینکڑوں میل دور نکل آیا۔ وہ قہستان کے پہاڑوں کے دامن میں پہنچ چکا تھا۔ قہستان سے گذر کر وہ کوہ قاف کے نشیب میں موجود گھاس کے میدانوں میں سے ہوتا ہوا صحرائے گوبی کی جانب بڑھنا چاہتا تھا۔ قہستان کے قریب ہی سلطنت ماوراء النہر کے مضبوط قلعے تھے۔ جہاں اس کے چچازاد بھائیوں کا چغتائی خاندان حکمران تھا۔ کوہ قہستان کے دامن میں ہی اُسے ارضِ فلسطین میں تعینات کئے گئے تاتاری لشکر کی ذلت آمیز شکست کی روح فرسا خبر ملی۔ کتبغا خان کی ذلت آمیز موت اور تاتاری لشکر کی مکمل تباہی کی خبر سننے کے بعد وہ کافی دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ غم و غصے کے ملے جلے جذبات نے اس کے دل و دماغ کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جو تاتاری یہ بری خبر لایا تھا وہ انعام میں ہلاکو خان کے عتاب کا شکار ہو گیا۔

بلادِ مصر کی دوسری بار جرأت مندی نے اس کے اعصاب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ متواتر فتوحات کے بعد اس قدر پُر اعتماد ہو چکا تھا کہ شکست کے بارے گمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان الملک المظفر نے تاتاری سفارت کے قتل کا ارتکاب کر کے پہلے ہی ہلاکو خان کے غصے کو ہوا دے دی تھی اور اب اس کے لشکر کی شکست و تباہی نے اس کی حس خونخواری کو بھڑکا دیا تھا وہ بلادِ مصر پر بسنے والے مسلمانوں کے خون کا پیاسا بن چکا تھا۔

اپنے سب سے مضبوط اور وفادار سالار کتبغا خان کی ہلاکت کی خبر سن کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس نے قہستان کے دامن میں اسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے عمائدین سے اس

بارے میں صلاح و مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان کے حکم پر کوہ قہستان کے دامن میں خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔ اس دوران ہلاکو خان نے کسی سے بھی ملاقات نہیں کی۔ اس کی بیوی دقوز خاتون نے اس کا غم کم کرنے کی کوشش کی مگر ہلاکو خان نے خلوت میں رہنا پسند کیا۔ وہ اس دوران لگاتار یہی سوچتا رہا کہ اس کا آئندہ اقدام کیا ہونا چاہیے؟ ایک طرف بلادِ مصر سے انتقام لینا مقصود تھا تو دوسری طرف اسے قاآن اعظم کے انتخاب میں مرکزی حیثیت حاصل کرنا تھی۔ پڑاؤ ڈالنے کے بعد سہ پہر کے وقت ہلاکو خان نے اپنے عمائدین و رفقاء کو شاہی خیمے میں طلب کیا۔ سب لوگوں کو تاتاری شکست کی خبر ہو چکی تھی۔ وہ بھی خاصے متفکر اور غم زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ ارضِ فلسطین میں موجود تاتاری لشکر میں ان کے کئی عزیز، بیٹے اور بھائی شامل تھے جو موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔

شاہی خیمے میں جب سب عمائدین و رفقاء جمع ہو گئے تو ہلاکو خان ان سے مخاطب ہوا:

''جاودانی آسمان کی قسم! مسلمانوں نے ہماری غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے اور ہمارے سب سے بہترین شخص کو دھوکے اور فریب سے ہلاک کیا ہے۔ ارضِ فلسطین پر تاتاری شکست نے بلادِ مصر کی مکمل تباہی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اب جبکہ ہم سینکڑوں میل دور آ چکے ہیں اور ارضِ فلسطین تک رسائی خاصی دشوار دکھائی دے رہی ہے تو ایسے حالات میں کیا بہتر فیصلہ کیا جائے، اس بارے میں آپ لوگوں کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس اب بھی اس قدر لشکر موجود ہے کہ ہم مسلمانوں کو کڑا سبق سکھا سکتے ہیں''۔

''خاقان اعظم!'' وزیر سلطنت نظام الملک طوسی مؤدب لہجے میں بولا۔ ''جان کی امان پاؤں تو عرض کروں''۔ ہلاکو خان نے اس کی جانب اثبات میں اشارہ کیا تو اس نے سلسلہ کلام آگے بڑھایا۔ ''آپ کو ارضِ فلسطین سے نکلتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھنا چاہیے تھا کہ تاتاری لشکر کی ہیبت بے شک بلادِ شرقیہ و شام پر چھائی تھی مگر بلادِ مصر نے ہیبت کے قصے صرف سن رکھے تھے، انہیں کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ جب تاتاری سفارت کو ہلاک کیا گیا، آپ کو اسی وقت چاہیے تھا کہ وقت ضائع کئے بغیر اس کو سزا دینے کے لئے نکل پڑتے مگر آپ نے دیارِ بکر کی جانب زیادہ توجہ کی''۔

''طوسی! ہم یہ سننے کی خواہش نہیں رکھتے کہ ہم نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہیے تھا؟ اگر تم موجودہ حالات کے بارے میں کچھ کہو تو زیادہ بہتر ہے''۔ ہلاکو خان نے ناگواری سے کہا۔

''خاقان اعظم! میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آپ پر تنقید کی جرأت کروں بلکہ حالات کا وہ رُخ سامنے لاؤں جس کے باعث موجودہ حالات وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ دراصل بلادِ مصر ہی باغیوں کی آخری پناہ گاہ ہے، بغداد کی تباہی کے بعد باغی جنگجو وقفے وقفے سے وہاں پہنچتے رہے اور سلطانی پناہ حاصل کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان الملک المظفر نے پورے اعتماد سے سفارتی وفد کے قتل کا سنگین قدم اُٹھایا۔ باغی تو عرصے سے اسی موقعے کی تلاش میں تھے کہ کب انہیں کوئی خلاء دکھائی دے تو وہ تاتاریوں پر چڑھ دوڑیں۔ اب بلادِ مصر کے بارے میں آپ کو گہری سنجیدگی سے فیصلہ کرنا ہوگا۔ وہاں باغیوں کی بہت بڑی جماعت موجود ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مراغہ کی بجائے قاہرہ کی طرف روانگی اختیار کریں''۔

''ہم جانتے ہیں کہ قاہرہ باغیوں کا گڑھ بن چکا ہے مگر اس وقت جو معاملہ درپیش ہے وہ نئے قاآن اعظم کے انتخاب کا ہے، ہم نہیں چاہتے کہ ایل خانی سلطنت پر کوئی نااہل شخص بٹھا دیا جائے، اس لئے ہمارا مراغہ پہنچنا بے حد ضروری ہے''۔

''خاقان اعظم!'' نظام الملک طوسی نے بات جاری رکھی۔ ''یہ بڑا نازک وقت ہے، تاتاری شکست کی

خبر ہر سو پھیل چکی ہے ممکن ہے کہ مقبوضہ علاقوں میں بھی تاتاری سیادت کے خلاف بغاوتیں جنم لیں۔ ایسے حالات میں ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے''۔

''قاآن اعظم!'' ایک منگول سردار جوشیلے لہجے میں بولا۔ ''یہ وقت تاسف سے ہاتھ ملنے کا نہیں بلکہ حکم دینے کا ہے''۔

''کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' ہلاکو خان اس جوشیلے منگول کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ مجھے اجازت دیں کہ میں تاتاری دستوں کے ساتھ بلادِ مصر روانہ ہو کر انہیں عبرت ناک شکست دے سکوں تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کتبغا خان کے مر جانے سے منگول جرأت و بہادری ختم نہیں ہو گئی ہے''۔

ہلاکو خان اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ کئی دوسرے منگول سرداروں نے بھی اس مہم کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ کچھ توقف کے بعد ہلاکو خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''بلادِ مصر کے بارے میں بعد میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس وقت میں کچھ لشکر خراسان کی جانب روانہ کر رہا ہوں جو وہاں پہنچ کر تاتاری قیادت کو استحکام دیں گے اور وہاں کسی قسم کی شورش کو سر اُٹھانے نہیں دیں گے۔ قاہرہ کے بجائے مراغہ پہنچنا ضروری دکھائی دے رہا ہے۔ قرولتائی سے فرصت کے بعد ہم خود تمام لشکر لے کر قاہرہ روانہ ہوں گے اور اسے ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر ڈالیں گے''۔

زیادہ تر منگول سردار بلادِ مصر کی مہم پر روانگی کا اصرار کرتے رہے مگر ہلاکو خان نے بڑی سوچ بچار کے بعد مراغہ کی جانب سفر جاری رکھنے کا حکم دیا۔ وہ سب سے زیادہ برقائی خان کی جانب سے متفکر تھا۔

❁ ❁ ❁

658ھ کی عید الفطر بلادِ مصر میں بڑی مسرت سے منائی گئی۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے پناہ گزین مہاجرین کے پژمردہ چہرے تاتاری شکست کا سن کر کھل اُٹھے۔ سلطان الملک المظفر نے عید الفطر کے موقعہ پر خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ مفلوک الحال اور سہمی ہوئی رعیت نے سلطان الملک المظفر اور فاتح بیبرس کے حق میں خصوصی دعائیں کی۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جس فتح سے نوازا تھا، اس کے انتظار میں مسلمانوں کی آنکھیں پچھلے پچاس سال سے پتھرا چکی تھیں۔ تاتاری آفت، صلیبی غارت گری اور نااہل و خودغرض مسلمان حکمرانوں نے رعیت کو بری طرح روند ڈالا تھا۔ رعایا کیے بعد دیگرے مشکلات و مصائب کی چکی میں پس پس کر نڈھال ہو چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر نے کسی حد تک ٹیکسوں کا بوجھ کم کرنے کا اعلان کیا اور بلادِ شرقیہ و شام میں مہاجرین کو ان کی تباہ شدہ املاک کی واپسی کی یقین دہانی بھی کرائی۔

عید کے دوسرے روز بیبرس کا روانہ کیا ہوا قافلہ قاہرہ پہنچا۔ اس قافلے میں مالِ غنیمت اور بڑی تعداد میں تاتاری قیدی شامل تھے۔ سلطان الملک المظفر نے شاہی دربار کے باہر دیوان پر قیام کرتے ہوئے مالِ غنیمت کی بڑی مقدار مستحق لوگوں میں تقسیم کی اور تمام تاتاری قیدیوں کو پابہ زنجیر قاہرہ کے گلی کوچوں میں گھمانے کا حکم دیا۔ تاتاری قیدی مسلمانوں کی گرفت میں سہمے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے کچھ قیدی اپنے فطرتی گھمنڈ کا اظہار کرتے رہے۔ قیدیوں کا قافلہ جہاں سے گزرتا، مشتعل رعیت انہیں گالیاں دیتی اور سنگ باری کرتی رہی۔ کئی تاتاری قیدی اس دوران زخمی ہو گئے۔ اس حکم کا مقصد صرف یہ تھا کہ رعیت کے دلوں میں موجود اس پختہ یقین کو شکستہ کر دیا جائے کہ تاتاری قوم ناقابلِ تسخیر و شکست ہے۔ لوگ گلی کوچوں میں چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ تاتاری ہی دراصل یاجوج ماجوج ہیں جن کے خروج کی خبر پہلے سے دی جا چکی ہے۔

اس قوم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی معجزے سے ختم کرے گا ورنہ یہ عام انسانوں کے بس کا روگ نہیں۔ اس قسم کے کئی اور اقوال لوگوں کے ذہنوں میں پنپتے رہتے تھے۔

سلطان الملک المظفر نے تاتاریوں کو گھمانے پھرانے کے بعد حوالۂ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ کسی بھی تاتاری قیدی کو معافی نہیں دی گئی بلکہ سب کے سب بلادریغ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ تاتاری سالار کتبغا خان کا بریدہ سر قاہرہ کے صدر دروازے پر لٹکا دیا گیا تاکہ تاتاریوں کے عبرت ناک انجام کی شہرت ہر سو پھیل جائے۔ لوگ فرطِ اشتیاق سے کتبغا خان کے کٹے ہوئے سر کو دیکھنے کے لئے جمع ہوتے۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے اسے زندہ ظلم و ستم کی بجلیاں گراتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بیبرس کے اس قدم نے جہاں عالمِ اسلام کے زوال کو روکنے کی کوشش کی تھی وہیں لوگوں کے ذہنوں میں نئی جہت پیدا کر دی تھی کہ تاتاری کوئی آسمانی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہ ناقابل تسخیر ہیں۔ مسلمان آج بھی اپنا سویا ہوا جذبہ ایمانی بیدار کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسری قومیں ان کے پاؤں چاٹتی ہوئی دکھائی نہ دیں۔

ان امور سے فارغ ہو کر سلطان الملک المظفر اپنے محل میں چلا آیا۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ عید کے چوتھے دن مملوک افواج کو ساتھ لے کر بلادِ شرقیہ و شام کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ اس کے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیبرس کے ہاتھوں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ وہ بلادِ شرقیہ و شام کو اپنی سلطنت کا حصہ بنانا چاہتا تھا مگر تاتاری قوت کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ بیبرس نے تاتاری لشکر کو شکست دے کر اس خوف کو زائل کر دیا تھا۔ وہ اپنے اندر خوداعتمادی کی نئی لہر دوڑتی محسوس کر رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر چاہتا تھا کہ تاتاری شکست کے بعد اسلامی ریاست سے تاتاریوں کو مار بھگایا جائے، بیبرس نے اس کے خیال کو عملی صورت دے دی۔ وہ خود مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بلادِ شرقیہ و شام میں تاتاریوں کا وجود مٹا رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر کو بیبرس کی جانب سے مختلف کارروائیوں کی خبریں موصول ہوتی رہیں۔ وہ بیبرس کو کسی حد تک پسند کرنے لگا مگر اس کی ذہانت و بہادری سے خائف بھی تھا۔ اس کی نگاہوں میں بیبرس کا تشکیل دیا ہوا لشکر بری طرح چبھتا رہا۔ رعیت اور امرأ کے حلقوں میں بھی اب بیبرس کی تعریف و توصیف کے چرچے عام سنائی دے رہے تھے جو کہ سلطان الملک المظفر کے لئے لمحہ فکریہ بنتے جا رہے تھے۔

''سلطانِ محترم! کن خیالوں میں ڈوبے ہوئے ہیں''۔ اچانک ملکہ بدر منیر کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ سلطان الملک المظفر چونک کر تیزی سے سنبھل گیا۔

''ہم حالات کی نئی کروٹ کے بارے میں سوچ رہے ہیں''۔

''حالات تو بے حد خوش کن ہیں، رعیت بھی خوش ہے اور امرأ بھی......'' ملکہ بدر منیر معنی خیز لہجے میں بولی۔ سلطان الملک المظفر نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''جو شہرت آپ کے حصے میں آنا چاہئے تھی، وہ کسی اور کو مل چکی ہے!'' ملکہ بدر منیر نے زلفوں کو اک ادا سے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں تم جو کہنا چاہتی ہو، میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا ہوں کہ بیبرس جیسا معمولی سالار کہیں اس شہرت و مقبولیت کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھا لے''۔ سلطان الملک المظفر نے جواب دیا۔

''آپ اُسے کسی جرم کی پاداش میں سزا دینے کے بارے میں سوچ رہے تھے''۔

''اس جرم کی نوعیت اتنی اہم نہیں۔ اگر موجودہ صورتِ حال میں ایسا کوئی قدم اُٹھایا گیا تو امرأ کا حلقہ مخالفت پر اتر آئے گا''۔ سلطان الملک المظفر نے نفی میں سر جھٹکا۔

''یہ کوئی مشکل کام نہیں......'' ملکہ بدرمنیر کا لہجہ پُراسرار ہوگیا۔

''کیا مطلب......؟''

''آپ بلادِ شرقیہ وشام روانہ ہورہے ہیں، وہاں تو آپ کو روکنے والا کوئی نہیں۔ خاص خادمین کا استعمال کیجئے اور بیبرس کو راہ سے ہٹادیجئے، بعد میں کہہ دیجئے کہ دشمنوں سے جھڑپ میں بیبرس مارا گیا۔ کچھ دن رنج وغم کا مظاہرہ کیجئے پھر سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا''۔

''میرے ساتھ مملوک امراٗ بھی موجود ہوں گے۔ انہیں معلوم ہوگیا تو......؟''

''سلطانِ محترم! خدشات کو دل سے نکال دیجئے اور اس ضمن میں غور کیجئے کہ اگر بیبرس بلادِ شرقیہ وشام کو اپنے تصرف میں لے کر خودمختاری کا اعلان کردے تو آپ کیا کرسکتے ہیں؟ پھر اس کے قدم بلادِ مصر کی جانب اُٹھ سکتے ہیں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے خود ایسے لوگوں کو اس کے ساتھ کیا ہے جو دل میں آپ سے بغض رکھتے ہیں اور سرکشی اختیار کرنے میں ذرا نہیں چوکتے''۔

''میرا خیال تھا تاتاری یلغار میں ان سب کا صفایا ہوجائے گا مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا''۔

''سلطانِ محترم کو اپنے اختیارات کے تحفظ کا پورا حق ہے، اس سے پہلے کہ کوئی آپ کے اقتدار پر نقب لگائے اس کا نام ونشان مٹادینا ہی امورِ جہانبانی کا پہلا قاعدہ ہے''۔

''ممکن ہے کہ بیبرس ایسا نہ ہو، یہ سب شیطانی وسوسے ہوں''۔

''سلطانِ محترم! حقیقت کی دنیا میں رہ کر حالات کو اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔ آج بیبرس وفادار ہے تو کل باغی بھی ہوسکتا ہے، کل تک وہ معمولی سا سالار تھا مگر اب اُسے اپنی قوت کا احساس ہوچکا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا وجود فوراً مٹادیا جائے۔ آپ کے ترکش میں ابھی کئی اور بیبرس موجود ہیں''۔ ملکہ بدرمنیر کا لہجہ بدل گیا۔ اس کا چہرہ سلطان الملک المظفر کی نادانی پر بگڑ سا گیا۔

سلطان الملک المظفر سوچ میں پڑگیا۔ ملکہ بدرمنیر کی باتیں اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے خدشات کو ہوا دے رہی تھیں۔ بیبرس کے حریف امراٗ بھی اسی قسم کے تبصرے کرچکے تھے۔ سلطان الملک المظفر کے دل میں یہ یقین جڑ پکڑ چکا تھا کہ بیبرس بہت جلد سرکشی کرتے ہوئے بلادِ شرقیہ وشام پر قابض ہوجائے گا۔ وہ بیبرس کے خاتمے کے بارے میں غور کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

بیبرس نے معرکہ عین جالوت میں تاتاریوں کو شکست دے کر ان کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی لیکن اس کا کام ہنوز تشنہ تکمیل تھا کیونکہ بلادِ شرقیہ وشام میں تاتاری قوت موجود تھی۔ تاتاری حلب، حماۃ، دمشق، بصریٰ اور کئی اہم شہروں پر قابض تھے۔ وہاں ان کے پاس بھرپور عسکری قوت موجود تھی۔ بیبرس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر اسلامی لشکر عین جالوت سے قاہرہ واپس روانہ ہوگیا تو ممکن ہے کہ تاتاری قوتیں اکٹھی ہوکر بلادِ مصر پر چڑھ دوڑیں۔ ہلاکو خان بھی ہزیمت کی خبر پاکر واپس لوٹ سکتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی مملوک امراٗ سے اس بارے میں صلاح ومشورہ کیا۔ سلطان الملک المظفر کی جانب سے وہ بے فکر ہوچکا تھا کیونکہ علاء الدین لولو حلب کی ولایت کی لالچ میں بیبرس کی سفارش میں کوئی کسر نہیں چھوڑنے والا تھا۔ مملوک امراٗ نے بیبرس کے اقدام کی بھرپور حمایت کی۔ بیبرس اسلامی لشکر کے ساتھ ارضِ فلسطین سے نکلا اور بلادِ شرقیہ وشام پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے ایک طوفانی یلغار میں ان تاتاریوں کو جالیا۔ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا وہ بہت جلد مختلف مقامات پر پہنچ جاتا۔ ایک کے بعد ایک قلعہ فتح ہوتا چلا گیا۔ تاتاری سپاہیوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بے شمار تاتاری بیبرس سے مرعوب ہوکر راہِ فرار اختیار کرگئے۔ بیبرس نے حلب، حماۃ، دمشق پر قبضہ کرکے تاتاری سیادت کو کچل ڈالا۔ بیبرس نے اپنی اس طوفانی مہم میں تمام غداروں کو چن چن کر قتل کیا جنہوں نے تاتاریوں کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ ایک ماہ کی مدت میں وہ بلادِ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا اور ان تمام علاقوں سے تاتاریوں کو مار بھگایا۔ تاتاریوں کے انخلاء کے بعد بیبرس نے ان علاقوں پر اپنے ساتھی مملوک امراٗ کو مقرر کیا اور لشکر کے بہترین مجاہد رضاکار سپاہی ان کے پاس چھوڑے۔ وہ مملوک فوج کو وہاں ٹھہرا نہیں سکتا تھا کیونکہ معاہدہ کی رو سے یہ تمام فوج اسے قاہرہ واپس لے کر جانا تھی۔ بیبرس کی فہم فراست و بہادری سے بلادِ شرقیہ و شام تاتاری غارت گروں اور ان کی حمایت کا دم بھرنے والے نام نہاد مسلمانوں سے یکسر پاک ہوچکا تھا۔

بیبرس حمص میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ یہاں بھی تاتاری سیادت کو شکست فاش ہوئی۔ تاتاری جنگی قیدیوں کے ساتھ بلا رعایت ایک سا سلوک کیا گیا۔ انہیں صفائی کا موقعہ دیئے بغیر تہ تیغ کردیا گیا تھا۔ بیبرس مزید آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ایک قاصد اس سے ملنے کے لئے بےتاب ہے۔ بیبرس نے فوراً اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک قاصد بیبرس کے خیمے میں داخل ہوا۔ بیبرس پہلی نظر میں اسے پہچان گیا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے خاص تربیت یافتہ محافظ غلاموں کی جماعت میں سے ایک تھا۔ بیبرس کے ساتھی مملوک امراٗ اس کی صورت دیکھ کر مضطرب دکھائی دیئے۔

''کہو قاصد! سلطان محترم کا کیا پیغام لائے ہو؟'' بیبرس نے دریافت کیا۔

اس نے اپنے پہلو سے شاہی نامہ نکالا اور بیبرس کی جانب بڑھادیا۔ بیبرس نے مراسلے کی جانب دیکھتے ہوئے قاصد کو ہی پڑھنے کا حکم دیا۔ مملوک امراٗ مراسلے کا متن سننے کے لئے بےتاب ہورہے تھے۔ قاصد نے لمحہ بھر سوچا اور پھر مراسلہ کھول کر پڑھنا شروع کردیا۔

''بلادِ مصر کے بہادر فرزند بیبرس کو سلطان الملک المظفر کا سلام!

تمہاری خدمات کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے، تم نے سلطنت کے استحکام کے لئے وفاداری کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے، اس سے ہم بے حد مسرور ہیں اور بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہیں کہ تمہاری کامیابی کا سلسلہ بہ احسن طریقے سے انجام تک پہنچے اور تاتاری دشمنوں سے اسلامی ریاست مکمل طور پر پاک ہوجائے۔ ہم نے تمہاری سابقہ غلطی کو نظرانداز کردیا ہے اور پوری امید رکھتے ہیں کہ مستقبل میں تم سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہیں ہوگی۔ ہم خود تمہاری مدد کے لئے بلادِ شام میں پہنچ چکے ہیں۔ تمہیں اگر مزید عسکری کمک کی ضرورت ہو تو تم ہم سے رابطہ کرسکتے ہو، ہم دمشق میں قیام پذیر ہیں۔ بلادِ شرقیہ وشام کے انتظامات کے بارے میں تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، یہ کام ہم بخوبی کررہے ہیں۔ تم تندہی سے اپنی عسکری مہمات جاری رکھو''۔

شاہی مراسلے کے متن سے آگاہی پر سب لوگوں کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑگئے اور چہروں پر گہرا اطمینان چھاگیا۔ وہ قاصد کی اچانک آمد پر مختلف قسم کے خدشات کا شکار ہورہے تھے۔ قاصد نے خاموشی سے شاہی مراسلے کو لپیٹا اور آگے بڑھ کر مراسلہ بیبرس کے ہاتھ میں تھمادیا۔ بیبرس نے مراسلہ اس کے ہاتھ سے لے کر ایک جانب رکھ دیا۔ وہ سلطان الملک المظفر کی جانب سے بھیجے گئے پیغام پر خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ قاصد بدستور اس کے سر پر کھڑا تھا۔ بیبرس نے اس کی جانب نگاہ ڈالی پھر خود ہی اس کا مدعا جان کر مسکرا اُٹھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک قیمتی انگوٹھی اُتاری اور اس کی جانب بڑھادی۔ قاصد کی نظر جب قیمتی انگوٹھی پر پڑی تو اس کا ستا ہوا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے جلدی سے بیبرس کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی اور اسے

اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ مملوک امرأ قاصد کی حرکت پر مسکرانے لگے۔ قاصد نے انگوٹھی اپنے پہلو میں بندھے پٹکے میں اڑس لی اور تعظیم کے لئے جھکتا چلا گیا۔ بیبرس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرنا چاہا۔ دوسرے ہی لمحے سب لوگوں کے منہ تعجب سے کھلے رہ گئے۔ قاصد نے اُٹھتے ہوئے کمال سرعت سے ایک لمبے پھل والا خنجر بیبرس کے جسم میں اُتار دیا تھا۔ بیبرس اس غیر متوقع حملے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ خنجر کے وار سے گھائل ہو کر زمین پر گرتا چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین تعجب بھری نگاہوں سے نوجوان کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جو اس کے پہلو میں خاموشی سے کھڑا اسے تک رہا تھا۔ مطیع الدین نے اس کے خدوخال سے اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً خوارزمی باشندہ ہے۔ مطیع الدین نے اپنی متغیر حالت سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہیں یہ اندازہ کیوں ہوا؟ کہ میں یہاں کسی کے گھر کی تلاش میں ہوں''۔

''تمہارے چہرے سے چھلکتی ہوئی بے تابی اس بات کی عکاس ہے کہ تم ضرور اس پرانے مکان کے مکینوں کے بارے کچھ جاننا چاہتے ہو۔ ورنہ تم یوں اس مکان کے گرد چکر کاٹتے دکھائی نہ دیتے''۔ نوجوان دھیرے سے مسکرا کر بولا۔ مطیع الدین سمجھ گیا کہ وہ جب مکان کے گرد گھوم پھر رہا تھا تو یہ نوجوان قریب ہی کہیں موجود ہوگا۔ وہ نوجوان مطیع الدین کے چہرے کی بدلتی رنگت سے محظوظ ہوتا رہا۔

''تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے، میں یہاں کافی دیر سے اپنے عزیز کے گھر کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، اس کا گھر اسی طرح کی کسی گلی میں موجود ہے۔ جس مکان کے گرد تم مجھے دیکھ چکے ہو، اس کے بارے میں مجھے شبہ گذرا ہے کہ وہی اس کا گھر ہوگا مگر میں اپنی مکمل تسلی کئے بغیر اس دروازہ پر دستک نہیں دینا چاہتا''۔ مطیع الدین نے توجیہہ پیش کی۔

''تم بلا دھڑک مجھے اُس عزیز کا نام بتاؤ، میں اسی گلی کا مکین ہوں۔ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں''۔ نوجوان سنجیدگی سے بولا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ اب ایسا کیا کیا جائے کہ اس گھر کے مکینوں کے بارے میں اُسے درست معلومات حاصل ہو جائیں اور نوجوان بھی کسی شک وشبے کا شکار نہ ہو۔

''کیا بات ہے......؟ کہیں گھر کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز کا نام بھی تو نہیں بھول گئے!'' نوجوان کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ایسی بات نہیں!'' مطیع الدین اس کی پھبتی پر ہنس پڑا۔ ''میرے اُس عزیز کا نام نور الدین ہے''۔ مطیع الدین کے ذہن میں فوری طور پر اپنے باپ کا ہی نام آیا تھا۔

''نور الدین......؟'' نوجوان توقف سے سوچتا ہوا بولا۔ ''اس نام کا تو کوئی شخص یہاں نہیں رہتا، البتہ تم جس گھر کے گرد چکر کاٹ رہے تھے وہ تو یہاں کے مشہور مبلغ عالم شیخ عزیز الدین کا ہے''۔

اُس کی بات پر مطیع الدین کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ نوجوان کے لبوں سے وہ نام نکل چکا تھا جس کی درحقیقت مطیع الدین کو تلاش تھی۔ وہ اب آسانی سے کسی سے بھی شیخ عزیز الدین کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

''لڑکے......! ذرا اپنے ذہن پر زور دو، شاید اس نام کا کوئی شخص یہیں کہیں کسی دوسرے محلے میں مقیم ہو''۔ مطیع الدین نے اپنی توجیہہ کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

نوجوان سر جھکا کر کچھ سوچ رہا تھا اس کی بات پر چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک موجود تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ سمرقند میں شاید اس نام کا کوئی شخص موجود نہیں، البتہ تم جہاں سے آئے ہو یعنی سرائے میں اس نام کا ایک شخص ضرور رہتا ہے جو کہ یقیناً تمہارا باپ ہے''۔ نوجوان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

نوجوان کا جواب سن کر مطیع الدین کو لمحہ بھر کے لئے یوں لگا جیسے اس پر پہاڑ آ گرا ہو۔ خوف وتعجب سے اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔

❁ ❁ ❁

سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوزی قاہرہ سے اپنی مملوک افواج کے ساتھ سفر کرتا ہوا دمشق پہنچ چکا تھا۔ ارض فلسطین سے جب یہ لشکر بلادِ شام میں داخل ہوا تو دل دہلا دینے والے اور روح فرسا مناظر دکھائی دیئے۔ تاتاری ظلم وستم کا شکار رعیت اور عالی شان عمارتوں کے کھنڈر تاتاری غارت گری کی منہ بولتی تصویریں تھی۔ مملوک لشکر تاتاریوں کی مچائی گئی ہولناکی کو دیکھتا ہوا دمشق کی جانب بڑھتا رہا۔ یہ تو صرف بلادِ شام کے علاقوں کی کیفیت تھی اگر انہیں بلادِ شام سے نکل کر بلادِ عراق میں جانا پڑتا تو اس سے کہیں خوفناک مناظر دیکھنے کو ملتے۔ بلادِ شام کے کئی شہر محض اس لئے تباہی سے بچ گئے تھے کہ انہیں ہلاکو خان کے صلیبی حلیفوں نے اپنے اغراض ومقاصد کے لئے باقی رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ تاتاریوں کی جاہلیت اور سفاکانہ جبلت نے کئی صدیوں سے نمو پانے والی اسلامی وانسانی تہذیب وتمدن کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے۔ مملوک لشکر اطمینان سے سفر کرتا رہا اور بلادِ شام وشرقیہ تاتاری بربریت کے پُرنم مناظر پیش کرتے رہے۔ جلے ہوئے اور گرائے گئے مکانات، قطار در قطار تباہ شدہ بازار، خون کے چھینٹوں کے خشک دھبے اور تاتاریوں کے خوف سے سہمی ہوئی رعیت۔

اسلامی لشکر جہاں جہاں سے گذرتا۔ مصیبت زدہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے۔ کچھ لوگ سلطان الملک المظفر کے سامنے چیخ وپکار سے واویلا مچاتے تو کچھ لوگ ہاتھ جوڑ کر فریادیں کرتے دکھائی دیتے اور کچھ لوگ حقارت ونفرت بھری نگاہوں سے اسلامی لشکر کو برا بھلا کہتے۔

ان علاقوں میں موجود ناگفتہ بہ حال مسلمان اسلامی لشکر کی آمد پر کسی قدر پرجوش دکھائی دیئے۔ ان کی پژمردہ نگاہیں مملوک لشکر کی جانب مستفسرانہ انداز میں اُٹھتی رہیں اور ان کے خاموش لبوں پر یہ سوال مچلتا ہوا محسوس ہوتا رہا کہ وہ اس وقت کہاں تھے؟ جب ہلاکو خان قہر خداوندی بن کر ظلم وستم کی بجلیاں ان پر گرا رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر مسلمانوں کی حالت زار اور یہ دلخراش مناظر دیکھ کر قریباً رو پڑا۔ مملوک اسلامی لشکر بھی مغموم دکھائی دیا۔

جب سلطانی لشکر دمشق پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ دمشق کی حالت بھی دوسرے شہروں سے کچھ جدا نہیں تھی۔ دمشق کے ہنستے بستے اور پر رونق بازاروں میں، جہاں بیبرس کا بچپن گذرا تھا، وہیں زمانہ غلامی میں سلطان الملک المظفر بھی عرصہ تک تجارت کے لئے اپنے آقا کے ہمراہ آیا کرتا تھا۔ اب وہ بات نہیں تھی، کئی بازار سرے سے ہی مٹ چکے تھے اور جو باقی تھے وہ اپنی رعنائی کھو چکے تھے۔ بازاروں میں چہل پہل خواب بن کر رہ گئی تھی۔ دیکھنے والے لوگ اب یہ قیاس کرتے کہ کیا دمشق جیسے شہروں کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال ہو سکے گی؟

سلطان الملک المظفر کی آمد کی خبر جب امیر غیاث الدین قرطائی کو ملی تو وہ خود اپنے رفقاء اور محافظ دستے کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے صدر دروازے کی جانب بڑھا۔ امیر غیاث الدین قرطائی بیبرس کے مملوک ساتھیوں میں ایک تھا جنہوں نے تاتاری سیادت ختم کر کے بلادِ شام کے ان علاقوں میں امن و امان قائم کیا تھا۔ بیبرس نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ اسلامی سلطنت کو تاتاری قہر سے پاک کر کے ہی دم لے گا۔ اسی لئے وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھا۔ اپنی ہر مہم پر روانہ ہونے سے پہلے وہ تاتاریوں کے چنگل سے چھڑائے گئے علاقوں پر اپنے خاص ساتھی حسب ضرورت دستوں کے ساتھ تعینات کرتا تھا تاکہ تاتاریوں کا کوئی گروہ دوبارہ اس طرف بڑھے تو وہ ان سے بخوبی نمٹ سکیں۔ امیر غیاث الدین قرطائی بھی انہی افراد میں سے ایک تھا۔ اسے بیبرس نے دمشق پر نگران مقرر کر رکھا تھا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس کا تعلق اسی مملوک گروہ سے تھا، جنہیں سلطان الملک المظفر نے جان بوجھ کر بیبرس کے پاس روانہ کیا تھا۔

دربارِ قاہرہ میں مملوک امیر غیاث الدین قرطائی نے کئی بار سلطان الملک المظفر کے افعال و احکامات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان الملک المظفر اس سے خائف تھا۔ اس کا انتخاب تاتاری مہم کے لئے صرف اسی لئے کیا گیا تھا وہ سلطان الملک المظفر کے راستے سے ہٹ جائے مگر تقدیر کو ابھی ایسا منظور نہیں تھا، وہ نہ صرف زندہ تھا بلکہ دمشق میں نگران بھی مقرر تھا۔ سلطان الملک المظفر نے بظاہر مملوک امیر سے بھرپور انداز میں مصافحہ کیا اور مہم کی کامیابی پر اُسے مبارکباد دی۔ امیر غیاث الدین قرطائی نے خلوص دل سے سلطان الملک المظفر کا پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور اسے ہمراہ لے کر دمشق کے شاہی محل کی جانب بڑھا۔ وہ شاہی محل کیا تھا بس کچھ آثار ہی باقی تھے۔ امیر غیاث الدین نے دمشق کا انتظام سنبھالنے کے بعد کافی حد تک اس کی مرمت کروادی تھی۔ شاہی محل میں قیام کے بعد سلطان الملک المظفر نے جوشیلے انداز میں بچی کھچی رعایا کی بھرپور دل جوئی کی۔

دوسرے دن سلطان الملک المظفر نے دمشق کے اطراف میں صلیبی لٹیروں کی لوٹ مار کی خبر پا کر ان کی سرکوبی کے لئے متعدد چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔ سلطان الملک المظفر نے اس امر سے فارغ ہونے کے بعد امیر غیاث الدین کی جگہ اپنے رفقاء میں سے ایک امیر کو والئ دمشق مقرر کر دیا۔ یہ عمل دوسرے مملوک امراً کو بے حد ناگوار گذرا۔ بلادِ شام اگرچہ سلطان الملک المظفر کے تصرف میں آچکا تھا مگر یہ بیبرس اور ان مملوک امراً کی کڑی محنت کا ثمر تھا جنہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تاتاریوں کو ہزیمت دی اور انہیں پے در پے حملوں کے ساتھ پیچھے کی جانب دھکیل دیا تھا۔ دوسرا دمشق میں ابھی ایسے حالات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ یہاں تقرری کے تبدل کو ضروری سمجھا جاتا۔ مملوک امراً نے سلطان الملک المظفر کے اس غیر معمولی فیصلے کو گروہ مملوک پر عدم اعتماد سے تعبیر کیا۔ ممکن تھا کہ وہ لوگ سلطان الملک المظفر سے اس بارے میں کڑا جواب طلب کرتے مگر امیر غیاث الدین نے سلطان الملک المظفر کے دل میں اپنے لئے چھپی ہوئی نفرت کو بھانپ لیا اور مخدوش حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں سمجھا بجھا کر خاموش کرا دیا۔ مملوک امیر غیاث الدین قرطائی بخوبی جانتا تھا کہ سلطان الملک المظفر کو دمشق میں اس کا وجود ایک آنکھ نہیں بھایا مگر حالات کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی ایسی صورتِ حال پیدا نہ ہونے دی جائے، جس سے دشمنان اسلام کو یہ تاثر ملے کہ ان کا مضبوط حریف اندرونی انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔

کچھ دن بعد خاکستری لبادے میں ملبوس ایک گھڑ سوار شام کے وقت دمشق میں داخل ہوا۔ اس کا مٹی سے اٹا ہوا لباس اس بات کا غماز تھا کہ وہ لمبی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ سلطان الملک المظفر کے دمشق میں

قیام کے بعد گھڑ سواروں کی آمد و رفت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بے وقت کسی کی آمد یا روانگی پر عام لوگوں کو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ گھڑ سوار اطمینان سے چلتا ہوا ایک سرائے کی جانب بڑھ گیا۔ گھوڑے کو اصطبل میں باندھنے کے بعد وہ دھیمے قدموں اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں کچھ لوگ قہوہ پینے میں مشغول تھے۔ ان کے لبوں پر حالات حاضرہ کی باتیں تھیں۔ خاکستری لبادے والا شخص اپنے لئے جگہ ڈھونڈ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ قہوے میں مشغول رہا پھر اس نے سرائے کے ملازم کو اپنی جانب بلایا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے لبادے میں کوئی چمکتی ہوئی چیز نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمادی اور تیزی سے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر اس پر رکھتے ہوئے اس چیز کو پوشیدہ کر دیا۔ ملازم اُسے دیکھنا چاہتا تھا مگر اس نے تیزی سے منع کر دیا۔ ملازم تعجب سے اسے تکنے لگا کیونکہ وہ یہ جان چکا تھا کہ وہ چمکدار چیز ایک انگوٹھی تھی۔

''جاؤ! یہ اپنے مالک کو دے دو، وہ سمجھ جائے گا۔ خیال رکھنا کہ کسی دوسرے کی نظر اس پر نہ پڑے''۔ وہ مختصراً بولا۔ ملازم کچھ دیر تک اس کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرتا رہا جب وہ ناکام رہا تو کندھے اچکا کر ایک طرف بڑھ گیا۔ اجنبی نے غیر محسوس انداز میں اپنی عقابی نگاہیں چاروں جانب دوڑائیں۔ دوسرے لوگوں کو اپنے کاموں میں مشغول پا کر وہ مطمئن ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ملازم تیزی سے اپنی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ ملازم نے اس کے قریب آتے ہی اُسے ایک جانب چلنے کے لئے کہا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔ ملازم اسے ساتھ لئے سرائے سے باہر نکل آیا۔ کچھ دور آنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رُک گیا۔ اجنبی نے ملازم کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا تو اس نے ہاتھ سے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ دوسرے لمحے وہ ملازم اسے واپس جاتا دکھائی دیا۔ اجنبی نے ایک بار پھر چاروں جانب نگاہ دوڑائی۔ کوئی خطرہ نہ محسوس ہونے پر وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ محتاط دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹانے کے لئے اپنا ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا وہ ٹھٹھک کر پیچھے ہٹا۔

''بے خوف اندر چلے آؤ''۔ ایک بھاری آواز سنائی دی۔ شاید وہ اس آواز سے مانوس تھا اسی لئے وہ اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں بہت مدھم روشنی تھی۔ ایک فربہ جسم شخص اُسے پلنگ پر بیٹھا دکھائی دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلام دعا کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم نے آنے میں بہت دیر کر دی؟ سلطان کئی بار مجھ سے پوچھ چکے ہیں؟'' فربہ شخص سرگوشی نما انداز میں بولا۔

''راستہ بہت خراب ہے، دوسرا درست حالات کی خبر لینا بھی ضروری تھی''۔ اجنبی نے جواب دیا۔ فربہ شخص نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔

''کیا رہا؟ کام مکمل ہو گیا ہے یا کوئی گڑ بڑ رونما ہو چکی ہے؟''

''کام ہو چکا ہے۔ سلطانی غلام نے بیبرس پر بھرپور حملہ کر کے اسے شدید زخمی کر دیا......''

''صرف زخمی......'' فربہ شخص تیزی سے اس کی بات کاٹتا ہوا تیز لہجے میں غرایا۔

''میں نے اپنی بات مکمل نہیں کی......خاموشی سے سنو''۔ اجنبی نے ناگواری کا اظہار کیا۔ ''بیبرس زہر بجھے خنجر سے زخمی ہو کر زمین پر گر گیا تھا اور اس کے ساتھیوں نے اسے سنبھالتے ہوئے سلطانی غلام کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر اس نے وہی خنجر اپنے جسم میں اتار کر خود کو بھی ہلاک کر دیا۔ تین دن تک بیبرس کے خیمے کے گرد سخت پہرہ رہا۔ کسی کو بھی وہاں پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لئے مجھے وہاں رُک کے رہنا پڑا......''

''سلطان کو تمہاری کیفیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی وہ صرف بیبرس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں

کہ اس کا کیا ہوا؟'' فربہ شخص اس کی تمہید سے اکتایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''وہی تو بتا رہا ہوں، اگر سلطان نے کوئی سوال کیا تو اُسے کیا جواب دو گے؟ پوری طرح بات سن لو تاکہ سلطان کو بتانے میں آسانی ہو۔ تین دن تک بیبرس کے ساتھیوں نے معاملہ دبائے رکھا اور پھر آپس میں صلاح ومشورہ کے بعد انہوں نے بیبرس کی موت کا اعلان کر دیا۔ میرا اپنا یہی خیال ہے کہ بیبرس اسی دن مر گیا تھا جس دن اُسے زہریلے خنجر کا گھاؤ لگا۔ تین دن تک اس کے ساتھی حالات کی نزاکت کو سمجھنے اور کسی پوشیدہ لائحہ عمل کی تیاری میں مصروف رہے تھے''۔

''تم نے بیبرس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی؟'' فربہ شخص کا چہرہ دمکنے لگا۔

''لاش تو نہیں دیکھ پایا کیونکہ اس کے ساتھیوں نے کڑے پہرے کے ساتھ اس کے کفن دفن کا اہتمام کیا البتہ بعد میں اس کی قبر پر تمام سپاہیوں نے فاتحہ خوانی کی تھی''۔

''یہ تو بڑی پرمسرت خبر ہے، مجھے پوری امید ہے کہ سلطان یہ اطلاع پاتے ہی ہمیں مالا مال کر دیں گے۔ وہ بیبرس کو ہر قیمت پر مردہ دیکھنا چاہتے تھے''۔

''تم یہ خبر جلد از جلد سلطان تک پہنچا دو کیونکہ بیبرس کے ساتھیوں نے بھی قاصد روانہ کر دیا ہے جو لشکر کے لئے اگلا حکم حاصل کرنے اور بیبرس کی موت کی خبر ساتھ لا رہا ہے کہیں یہ نہ ہو کہ تمہاری بات کا وزن کم پڑ جائے''۔ اجنبی مسکراتے ہوئے بولا۔ فربہ شخص یہ سن کر تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا کہ وہ اسی وقت شاہی محل روانہ ہو سکے۔

''میری واپسی تک تم یہیں رہو۔ میں غلام کو بھیج دوں گا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے کہہ دینا''۔ اس نے عجلت میں کہا اور اپنا لباس درست کرتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ اس نے دروازے کا پٹ کھولا ہی تھا کہ تلوار کی چمکتی ہوئی نوک اس کی شہ رگ پر آ کر ٹک گئی۔ اس نے گھبرا کر دیکھا۔ مملوک سپاہیوں کا ایک چھوٹا دستہ اس کے سامنے موجود تھا جن کی تلواریں اس کی جانب اُٹھی ہوئی دکھائی دیں۔ موت کے خوف سے فربہ شخص کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

دروازہ کھلنے کی آواز پر گل وتوژ بری طرح چونک پڑی۔ یہ کوئی ایسا وقت نہیں تھا کہ غلاموں کو دروازہ کھولنے کی نوبت پیش آتی۔ اس کی متجسس نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں۔ کچھ توقف کے بعد شیخ کبیر الدین اندر داخل ہوا تو گل وتوژ کے چہرے پر اطمینان کے سائے پھیل گئے۔ آج صبح اس نے غلام کو جو پیغام دیا تھا وہ اس نے شیخ کبیر الدین تک پہنچا دیا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے گل وتوژ کی جانب دیکھا اور پھر دھیمی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر رقص کرنے لگی۔ وہ آہستگی سے اس کے پاس پہنچا۔ گل وتوژ خاموش بیٹھی رہی۔

''تمہارا ارادہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی، اگر تم پہلے دن ہی یہ فیصلہ کر لیتی تو زیادہ بہتر ہوتا''۔ شیخ کبیر الدین مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم تو اپنی چاہت کے بلند وبالا دعوے کر رہے تھے، پھر اتنے عرصے تک انہیں سانپ سونگھ گیا تھا کیا......؟'' گل وتوژ تلخی سے بولی۔

''چاہت...... محبت! گل وتوژ ان الفاظ کی میری زندگی میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ میں ان سے کوسوں میل دور جا چکا ہوں۔ میں صرف تمہاری انا کو شکست دینا چاہتا تھا اور تم خود ہی دیکھ لو کہ تین سال کی مدت کے بعد میں تمہیں بغیر نقصان پہنچائے اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ تمہاری ساری تدبیریں رائیگاں

گئیں اور میرے محل کے اس کمرے کی مضبوطی نے تمہارے بلند حوصلوں کے پرخچے اُڑا دیئے۔'' شیخ کبیر الدین استہزائیہ لہجے میں بولا۔

گل وتوژ کو اس کی زبانی علم ہوا کہ اس کمرے میں اس نے اپنی زندگی کے تین سال گذار دیئے تھے۔ تین سال کی مدت۔ ...ممکن ہے کہ شیخ کبیر الدین اسے متاثر کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہو۔ ایک خیال اس کے ذہن میں عود کر آیا۔

''گل وتوژ! مجھے جانے کیوں تم سے ہمدردی ہو رہی ہے ورنہ میری بات نہ ماننے والوں کے ساتھ جو حشر یہاں کیا جاتا ہے شاید تمہیں اس کا احساس نہیں۔ میں تم جیسی جرأت مند لڑکی کو یوں ضائع نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمہاری صلاحیتوں کو نقطہ عروج پر دیکھنے کا خواہش مند ہوں''۔

''یعنی میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے شریک حیات بنانے کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لے رہے تھے''۔ گل وتوژ اس کی باتیں سن کر کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ شیخ کبیر الدین نے گل وتوژ کی بات سن کر بلند قہقہہ لگایا۔

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی نادان بھی ہو سکتی ہو؟''

''اگر ایسی کوئی بات نہیں تھی تو مجھے میرے وطن سے یہاں کیوں لائے اور تین سال تک یوں قید رکھنے کے پیچھے تمہارا کیا مقصد کارفرما تھا؟'' گل وتوژ تلخی سے بولی۔

''وہ لوگ تمہیں ہر قیمت پر جان سے مار ڈالنا چاہتے تھے اور میں نے تمہیں نئی زندگی دی، میرا یہ احسان کافی نہیں ہے کیا......؟'' شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''میں اس احسان کے پیچھے کارفرما وجہ جاننا چاہتی ہوں''۔ گل وتوژ بولی۔

''تمہارے اندر موجود مخصوص صلاحیت کا اپنے حق میں استعمال......!'' شیخ کبیر الدین معنی خیز انداز میں بولا۔ گل وتوژ اس کی بات پر پریشان ہو کر رہ گئی۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' گل وتوژ دھیمے لہجے میں بولی۔

''کچھ دنوں میں سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔ میں تمہیں چند دن کے لئے اس کمرے کی قید سے آزادی بخش رہا ہوں، صرف اس اعتماد کے ساتھ کہ تم مجھے کسی قسم کا دھوکہ نہیں دو گی اور میرے مقصد کی تکمیل کے لئے میرا مکمل ساتھ دو گی''۔ شیخ کبیر الدین سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اگر تمہیں مجھ پر ایسا پہلے دن سے بھروسہ ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی''۔ گل وتوژ تیز لہجے میں بولی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر فقط مسکرا کر رہ گیا۔

''گل وتوژ! کہتے ہیں کہ جب تک سونے کو بھٹی میں نہ ڈالا جائے وہ کندن نہیں بنتا۔ تمہارے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ اسی بات کا متقاضی تھا کہ تمہارے اندر آزادی کے لئے شدید تڑپ پیدا کر دی جائے اور تمہیں یہ احساس دلایا جائے کہ آزادی کی کیا قدر و قیمت ہوتی ہے؟''

''تمہاری باتوں سے میرے پلے کچھ نہیں پڑ رہا''۔ گل وتوژ نے بیزاری کا اظہار کیا۔

''بے فکر رہو! کچھ دن کی ہی بات ہے۔ سب کچھ سمجھ جاؤ گی''۔

''اگر میں فرار ہو گئی تو......؟''

شیخ کبیر الدین نے اس کی بات پر زہرخند قہقہہ لگایا اور نفی میں سر کو جنبش دینے لگا۔

''گل وتوژ! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم یہاں سے کبھی فرار نہیں ہو سکتی، اس بات کا اندازہ تو تمہیں باہر کی

نضاد یکھنے کے بعد پہلی ہی فرصت میں ہو جائے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ باہر کا سفاک موسم دیکھنے کے بعد تم میری خواہش کی تکمیل سے انکار کبھی زبان پر نہ لاسکو گی''۔

''شاید مجھے کچھ اندازہ ہو؟''

''اندازوں اور حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے گل وقوڑ! بہر حال تم ایک بار پھر اچھی طرح غور و خوض کر لو، میری مکمل اطاعت و فرمانبرداری یا پھر اسی کمرے میں بقیہ ساری زندگی۔ کل صبح تمہیں اپنے پاس بلواؤں گا، اب تم آرام کرو۔'' شیخ کبیر الدین نے کہا اور اس کے گالوں پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

گل وقوڑ اس کے جانے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ شیخ کبیر الدین اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا تھا؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ایک طرف اسے یہ دعویٰ تھا کہ گل وقوڑ اس کے محل سے فرار نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف وہ اسے اپنی قید میں رکھے ہوئے تھا۔ یہ دونوں متضاد عوامل گل وقوڑ کو حالات کی حقیقی نوعیت سمجھنے میں دشواری پیدا کر رہے تھے۔ گل وقوڑ کو اس بات کا اطمینان ہو چکا تھا کہ شیخ کبیر الدین اس سے شادی کرنے کا خواہش مند نہیں ہے بلکہ وہ اس سے کوئی پُراسرار مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کی نوعیت شیخ کبیر الدین کی ذات کی طرح ہی مخفی تھی۔ گل وقوڑ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ آزاد فضا میں سانس لینے کا موقعہ تو میسر آرہا ہے مستقبل کے بارے میں وہ حالات کی آگاہی کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکتی ہے۔

❀ ❀ ❀

وہ قریباً بھاگتا ہوا پہنچا۔ وہاں موجود دوسرے لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ نو وارد کی حالت خاصی بگڑی دکھائی دی کیونکہ وہ منہ کھول کر لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ کئی بار تو اس کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوتا۔ اس کی خراب حالت پر وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر تفکرات لرزنے لگے۔ ان میں سے ایک نے اشارہ کیا کہ نو وارد کو پانی پلایا جائے۔ پانی کے چند گھونٹ جب نو وارد کے حلق سے اترے تو اسے سکون ملا اور وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں تسلی دینے لگا۔ جس پر ان کے چہرے مطمئن ہو گئے۔ وہ بیس کے قریب تھے اور ایک کشادہ غار میں مقیم تھے۔ چہروں سے ان کی قومیت واضح نہیں ہو رہی تھی کیونکہ کچھ لوگ تو مسلمانوں کی طرح باریش تھے تو کچھ نصرانی وضع قطع اختیار کئے ہوئے تھے۔

''اگر طبیعت کچھ سنبھل چکی ہے تو اتنی بھاگ دوڑ کی وجہ بتاؤ''۔ ایک باریش شخص مخاطب ہوا اس کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس گروہ کا سردار ہے۔

''یا شیخ!'' نو وارد ابھی تک ہانپ رہا تھا۔ ''باہر ایک عجیب بات دیکھی تو آپ کو اطلاع دینے کے لئے چلا آیا''۔ اس نے کف بازو سے اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

''اس سرد موسم میں کیا دیکھ لیا ہے تم نے......؟'' شیخ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''ایک زبردست قافلہ...... کئی فرلانگ تک پھیلا ہوا......'' اس کا چہرہ فرط جوش سے پھیلنے لگا۔ سب لوگ اس کی بات پر یوں اُچھلے جیسے زمین میں سے بچھو نکل آئے ہوں۔

''بے وقوف! وہ قافلہ نہیں یقیناً کوئی لشکر ہوگا۔ قافلے اتنے طویل نہیں ہوا کرتے۔ کیا اس میں گھڑ سوار اور پیدل لوگ بھی موجود ہیں اور ان میں سے کچھ گھڑ سواروں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے علم ہیں؟'' شیخ نے پوچھا تو اس نے سرعت سے گردن ہلائی۔

''کہاں دیکھا انہیں......؟''

''تین کوس دور جھیلوں کے پہاڑی درّے کے نیچے''۔

''تمہارا اشارہ نشیبی میدان کی جانب ہے''۔ شیخ کی بات پر اس نے اثبات میں اشارہ کیا۔ ''کیا وہ لوگ وہاں خیمہ زن ہیں یا گذرتے دیکھا انہیں......؟''

''وہ تیزی سے قاف کی وادی کی جانب بڑھ رہے ہیں میرا خیال ہے کہ رات تک وہاں پہنچ جائیں گے اور ممکن ہے کہ رات اسی وادی میں بسر کریں''۔

''شیخ! موقعہ اچھا ہے، ہم خاموشی سے ان میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بھی قریباً ختم ہونے والا ہے''۔ ایک دوسرا شخص بولا۔

''شیخ! ہاشم صحیح کہہ رہا ہے، لشکر میں پندرہ بیس لوگوں کے شامل ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ لوگ جان پہچان کے چکر میں پڑتے ہیں''۔ ایک اور شخص نے تائید کی۔

''تم لوگ جس زاویے پر سوچ رہے ہو، میں اس پر غور کر چکا ہوں، فی الوقت میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اتنے خراب موسم میں یہ لشکر ان علاقوں میں کیا کر رہا ہے؟ ان کی منزل سے تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی ایل خانی لشکر ہے جو مراغہ کی سمت جا رہا ہے یا پھر یہ کوئی ایل خانی سلطنت کا حریف لشکر ہے جو ان پر حملہ آور ہونے کے لئے یہ دشوار راہ اختیار کئے ہوئے ہے''۔

''شیخ!'' ایک شخص بولا۔ ''یہ بات تو ہمیں ان لوگوں کے بیچ میں پہنچنے پر ہی معلوم ہوگی کہ وہ کون لوگ ہیں؟''

''تم صحیح کہہ رہے ہو...... میرے خیال میں ہمیں یہاں قیاس آرائیوں میں وقت برباد کرنے کے بجائے فوراً اپنا سامان سمیٹ کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو جانا چاہئے تاکہ ہم رات ہونے پر بآسانی ان میں شامل ہو جائیں''۔

''اگر اس لشکر نے قاف کی وادی میں قیام نہ کیا تو کیا ہوگا؟'' ایک شخص نے خدشہ ظاہر کیا۔ شیخ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سامان سمیٹنے کی ہدایت کی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنا سامان کندھوں پر اُٹھائے تیز رفتاری سے سنگلاخ راستوں پر بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کی رفتار حیرت انگیز طور پر تیز تھی۔ پہاڑی وادی کے نشیب و فراز پر ان کے قدم یوں پڑتے جیسے وہ میدانی علاقوں میں سفر کر رہے ہوں۔ کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ قاف کی وادی میں پہنچ گئے۔ وہاں انہیں اس لشکر کا آخری حصہ دکھائی دیا۔ لشکر نے ان کے خدشے کے مطابق وہاں پڑاؤ نہیں ڈالا بلکہ سفر کو جاری رکھا تھا۔ شیخ نے صورتِ حال دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ بالائی راستوں پر سفر جاری رکھیں تاکہ وہ کچھ دور جا کر ان میں شامل ہو سکیں۔ مسلسل مسافت کے بعد وہ اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں سے وہ آسانی سے لشکر میں شامل ہو سکتے تھے۔ لشکر کے آخری حصے میں پیادہ سپاہی شامل تھے اس لئے انہیں ان میں شامل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سپاہیوں کی وضع قطع سے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایل خانی لشکر ہے جو اپنے دارالخلافہ کی جانب بڑھ رہا ہے۔

شیخ کا اندازہ درست ہی تھا، وہ ہلاکو خان کا لشکر تھا جو کوہ قاف کے زیریں نشیبی میدان سے گذرتا ہوا مراغہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ہلاکو خان کو تقریب قرولتائی کے انعقاد سے قبل مراغہ پہنچنا تھا۔ مراغہ میں اس کے کئی ہم خیال اور دوست موجود تھے جنہیں فوری طور پر حرکت میں لا کر وہ اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اگر اسے کسی قسم کی تاخیر کا سامنا ہو جاتا تو اس کے خیر خواہ بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اس کے سفر کی رفتار پہلے سے بڑھا دی گئی تھی۔ جہاں تاتاری لشکر وطن واپسی پر بے حد مسرور تھا وہیں انہیں ارض مقدس میں ہلاک ہونے والے اپنے عزیزوں کا بھی گہرا رنج تھا۔ خزاں کا موسم قریباً ختم ہو چکا تھا، یہی وجہ تھی

کہ رات کے وقت انہیں سفر کرنے میں خاصی دشواری پیش آنے لگی۔ رات کو تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے اور ہوا میں خنکی اس قدر بڑھ جاتی کہ اعضاء شل پڑ جاتے۔ شراب کی گرمی بھی جسمانی حرارت کو برقرار رکھنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ منگولوں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً موسم کی تبدیلی کے باعث بالائی علاقوں میں جانے سے گریز کرتا۔ یہ اسی وحشی قوم کی ہمت تھی کہ وہ ان سرد علاقوں میں طویل عرصے سے زندگی بسر کر رہی تھی۔

شیخ نے کمال چالاکی سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ہلاکو خان کا لشکر ہے جو تقریب قرولتائی کے انعقاد سے پہلے مراغہ پہنچنا چاہتا ہے۔ ہلاکو خان کا نام سن کر اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ وہ اپنے اگلے اقدام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اس کا بدترین دشمن اسی لشکر کے اگلے حصے میں موجود تھا۔ وہاں تک پہنچنا ایک مشکل ترین مرحلہ تھا جس کا حل ڈھونڈنے کے لئے شیخ کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین اس دبلے پتلے نوجوان کی جرأت پر داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے نہایت خوبصورتی سے اُسے یہ احساس دلایا کہ وہ لوگ اس کے بارے میں نہ صرف بہت زیادہ جانتے ہیں بلکہ اس کی حرکات و سکنات پر بھی پوری نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ نوجوان ابھی تک اس کے سامنے کھڑا تھا، اب اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مطیع الدین نے اپنی سانسیں درست کیں اور کھنکار کر بولا۔

''میں سمجھ چکا ہوں کہ تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو جو میری نگرانی کر رہے ہیں''۔

''یہ کوئی بتانے والی بات نہیں! بلکہ یوں کہو کہ ہم لوگوں نے تمہیں قریب آنے کا ایک موقعہ فراہم کیا ہے''۔ نوجوان اس کی نادانی پر چہکا۔

''پھر تم مجھے بتا ہی ڈالو کہ تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' مطیع الدین نے کہا۔

''دراصل ہمارے ایک دوست کی ایک چیز غلطی سے تمہارے پاس پہنچ گئی ہے، ہمیں صرف اس کی واپسی مقصود ہے......'' نوجوان سنجیدگی سے بولا۔ مطیع الدین ایک بار پھر اس گمنام چیز کے ذکر پر جھنجلا سا گیا۔

''دیکھو! تم جو کوئی بھی ہو۔ صرف ایک بار مجھے اس چیز کا نام بتا دو جو میرے پاس ہے میں خود دونوں ہاتھ باندھ کر تم لوگوں کو لوٹا دوں گا۔ خدا کی قسم! میں اس بے نام چیز کے بار بار ذکر سے عاجز آ چکا ہوں''۔ مطیع الدین منت کرتے ہوئے بولا۔

''مطیع الدین! دراصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ اس چیز کا نام بتا کر اس کی اہمیت تم پر واضح نہیں کرنا چاہتے بلکہ بار بار تمہیں یہی احساس دلاتے رہے ہیں کہ تم ہماری کھوئی ہوئی چیز، جو تمہیں کہیں گری پڑی ملی تھی، ہم لوگوں کو لوٹا دو''۔

''میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے جو مجھے کہیں سے ملی ہے اور وہ تمہاری کھوئی ہوئی چیز ہے؟ اگر تم مجھے ذرا سا اشارہ ہی دے دو تو بڑی مہربانی ہوگی''۔

''میں نے کہا نا...... کہ ہم لوگ اس چیز کا اشارہ تک بھی نہیں دے سکتے کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تم اس چیز کے بارے میں جاننے کے بعد یقیناً تجسس کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر اس کی ٹوہ لگا لینا تمہارے لئے کوئی مشکل کام نہیں، اس چیز سے ہماری سلامتی وابستہ ہے''۔ نوجوان نے عمدگی سے اسے ٹال دیا۔

''چلو یونہی سہی!'' مطیع الدین تیزی سے بولا۔ ''تم مجھے اس طرح تو سمجھا سکتے ہو کہ وہ چیز پتھر یا دھات کی ہے یعنی سخت یا گھریلو استعمال کی چیز ہے جیسے پوشاک وغیرہ سے وابستہ یا پھر عورت کی زینت سے متعلقہ ہے''۔

نوجوان اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

''مطیع الدین! میں نے تمہارے بارے میں محض سنا تھا کہ تم بڑے ذہین اور چالاک شخص ہو مگر تمہاری باتیں سن کر مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ تم بتانے والوں کے خیال سے بھی زیادہ عیار ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس طرح کی باتوں سے تم میرے منہ سے کچھ اگلوا سکو گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں کیا تمہیں ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں بتائے گا کہ وہ کیا چیز ہے؟ البتہ جس وقت ہمیں وہ تمہارے پاس دکھائی دے گی تو ہم خود ہی اُسے حاصل کر لیں گے''۔

''تم سب لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور ساتھ ہی تم مجھے پاگل بنانے پر تلے ہو۔ تمہاری کوئی چیز میرے پاس ہے سیدھی طرح اس کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں وہ تمہارے حوالے کر کے اپنا راستہ ناپوں۔ کم از کم مجھے کوئی شوق نہیں ہے کہ تم جیسے مخبوط الحواس لوگوں کو اپنے پیچھے پیچھے لگائے رکھوں''۔ مطیع الدین آپے سے باہر ہوتا ہوا بولا۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، اپنی قیام گاہ پر جا کر تھوڑی دیر آرام کرو''۔ نوجوان کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔ مطیع الدین اپنا غصہ بھول کر حیرانگی سے اسے تکنے لگا۔ نوجوان کے چہرے پر چھائی ہوئی معصومیت یکلخت غائب ہو چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں انگارے دہکتے دکھائی دیئے۔

''ٹھیک ہے میں فی الوقت جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ اگر ان میں کوئی دوبارہ مجھے اپنے گرد دکھائی دیا تو اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا''۔ مطیع الدین ہنکارتا ہوا بولا۔

''جاتے ہوئے یہ بات سن لو۔ تم یہاں شیخ عزیز الدین کے بارے میں کسی سے کچھ بھی نہیں جان پاؤ گے۔ یہاں کے لوگ تمہیں کچھ نہیں بتائیں گے البتہ اپنا وقت ضائع کرنا چاہو تو ہم میں سے تمہیں کوئی نہیں منع کرے گا''۔ نوجوان نے سرد لہجے میں اسے متنبہ کیا اور تیز قدموں سے اسی گلی میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین کے قدم بھی بے اختیاری میں اس کے تعاقب میں اُٹھ گئے۔ وہ نوجوان اس کی آنکھوں کے سامنے اسی مکان میں داخل ہو گیا جہاں کچھ دیر پہلے وہ سیاہ پوش گیا تھا۔ مطیع الدین گلی کی نکڑ پر کھڑا خود کو خجل سا محسوس کر رہا تھا۔ یہ کیسی پہیلی تھی جسے وہ حل کرنے کی پوری کوشش کر رہا تھا مگر اس کا کوئی سرا اسے نہیں مل رہا تھا۔ مطیع الدین نے دوبارہ بازار کی راہ لی۔ اس نے کچھ دکانداروں سے شیخ عزیز الدین کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تو اسے غیر متوقع سرد مہری دیکھنے کو ملی۔ وہاں موجود تمام لوگ شاید شیخ عزیز الدین سے خائف تھے یا پھر اسی کے ہی ساتھی تھے۔ شیخ عزیز الدین کے بارے میں وہ کچھ بھی معلوم کرنے میں ناکام رہا۔ مطیع الدین نے اس گمنام الجھن پر لعنت بھیجی اور اپنی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ سارا دن اسی مڈبھیڑ میں بیت چکا تھا البتہ اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی نگرانی اور تعاقب کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ اچانک اس کے ذہن میں قافلے کی اچانک روانگی کا خیال عود کر آیا۔ وہ اس معاملے کو اب اس گمنام گروہ کے تناظر میں دیکھ رہا تھا۔

''یقیناً یہ لوگ عام لوگ نہیں ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''یہاں کے لوگ ان کے بارے میں بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں، قافلے کے لوگ بھی انہی کے خوف سے فوراً یہاں سے کوچ کر گئے۔ ان لوگوں کا تعلق سرکاری محکموں سے بھی نہیں محسوس ہوتا...... تو کیا یہ لوگ یہاں کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہیں۔ ان کی نقل و حرکت سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے بارے میں بے حد چوکس رہتے ہیں''۔ مطیع الدین زیر لب بڑبڑاتا ہوا سرائے پہنچ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے قہوہ خانے والے حصے میں بڑھ گیا۔ جہاں کچھ لوگ قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر سرائے کے مالک پر پڑی جو ایک جانب بیٹھا

اپنے ملازم سے بات چیت میں مصروف تھا۔ مطیع الدین کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس کے قدم اس کی جانب بڑھنے لگے۔ سرائے کے مالک کی نظر اس پر پڑی تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ مطیع الدین نے اس سے سلام دعا کی اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''آج شاید تم فروخت کے لئے بازار نہیں گئے''۔ سرائے کا مالک مسکرا کر بولا۔

''نہیں...... بس آج طبیعت نہیں چاہی، سوچا آج کا دن یہاں کی سیر ہی کر لی جائے''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔ سرائے کا مالک مسکرانے لگا۔

''مجھے تم سے ایک خاص بات کرنا تھی اسی لئے ادھر آ نکلا''۔ مطیع الدین نے کچھ توقف سے بات بڑھائی۔ ''میں یہاں ایک الجھن کا شکار ہو چکا ہوں۔ کچھ لوگ میرے پیچھے پڑے ہیں جن کے بارے میں میں کچھ زیادہ نہیں جانتا اور تو اور ان کی عجیب سی حرکات بھی میری عقل سے باہر ہیں، ان کے بارے میں میں جس کسی سے بھی کچھ پوچھتا ہوں تو وہ ایسا منہ بناتا ہے جیسے میں نے اسے گالی دی ہو''۔

''کیسے لوگ؟'' سرائے کا مالک چونک کر بولا۔ ''میں سمرقند کے سب بااثر لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، تم کھل کر بتاؤ تو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں''۔

''یہاں سے کچھ دور تین بازاروں کے سنگم کے آخر میں ایک چھوٹی سی گلی ہے جہاں ایک شخص شیخ عزیز الدین رہتا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو''۔ مطیع الدین بولا۔

اس کی بات سن کر سرائے کے مالک نے بلند قہقہہ لگایا جس پر مطیع الدین تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم نے کیا نام لیا؟...... شیخ عزیز الدین......!'' سرائے کا مالک اپنی ہنسی دباتا ہوا بولا۔ مطیع الدین نے شکوک بھری نگاہوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم جس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے ہو وہ تو تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔ میرا ہی نام شیخ عزیز الدین ہے''۔ سرائے کا مالک ہنستا ہوا بولا۔ مطیع الدین اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے لمحہ بھر کے لئے اپنی کھوپڑی گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

❁ ❁ ❁

''کک...... کک...... کیا...... مطلب......؟'' فربہ شخص بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

''ابوثاقب!'' مملوک سپاہیوں میں سے ایک شخص اس کی جانب بڑھتا ہوا تیز لہجے میں بولا۔ ''میں کئی دن سے تمہاری ٹوہ میں تھا۔ آج تو رنگے ہاتھوں پکڑے ہی گئے''۔

فربہ شخص جس کا نام ابوثاقب تھا، اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ دمشق کا سابق نگران غیاث الدین قرطائی تھا۔ خوف کے مارے ابوثاقب کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''مم...... مم...... میں...... نے کیا کیا ہے......؟'' ابوثاقب بمشکل بولا۔

''اگر تم نے کچھ نہیں کیا ہے تو اس قدر ممیا کیوں رہے ہو؟'' غیاث الدین قرطائی نے اس پر طنز کی۔ اندر موجود اجنبی بھی ناگہانی صورتِ حال سے آگاہ ہو چکا تھا، اس نے تیزی سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر مملوک سپاہیوں نے سرعت انگیزی کا مظاہرہ کر کے لمحہ بھر میں اس کی کوشش ناکام بنا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں غیاث الدین قرطائی ان دونوں کے منہ کھلوا چکا تھا۔ جب بیبرس کے بارے میں اُسے حقیقت معلوم ہوئی تو وہ دم بخود سا رہ گیا۔ سلطان الملک المظفر اس حد تک بھی گر سکتا تھا، یہ اس کے گمان میں نہیں تھا۔ بیبرس کی موت

کی خبر نے اس کے اندر غم و غصہ کی آگ بھڑکا دی۔ اس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں ساتھ لے کر فوراً اپنی قیام گاہ پہنچا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو تمام سرکردہ مملوک امرأ کی جانب دوڑایا۔ وہ اپنے مملوک ساتھیوں کو جلد از جلد اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ سب مل جل کر سلطان الملک المظفر کے بارے میں کوئی لائحہ عمل اختیار کرتے۔

غیاث الدین کئی دن سے ابوثاقب پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ ابوثاقب دمشق کا باشندہ تھا۔ اس کے بارے میں اسے کچھ ایسی خبریں ملی تھی کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے لئے جاسوسی کا کام کرتا ہے۔ غیاث الدین نے کچھ مخبروں کو اس کی تاک میں لگا رکھا تھا تاکہ کوئی ایسی حرکت سامنے آئے تو اسے رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکے۔ ابھی تک اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت ہاتھ نہیں لگ پایا کہ سلطان الملک المظفر کی دمشق میں آمد کے بعد ابوثاقب کی رسائی اچانک دربارِ شاہی تک ہو گئی۔ یہ بات غیاث الدین کے لئے بے حد حیرت انگیز تھی کہ ایک معمولی سرائے کے مالک کا سلطان الملک المظفر سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ اسی تجسس میں اس نے اس پر کڑی نظر رکھنے کا حکم دیا۔ ابوثاقب سلطان الملک المظفر کے خاص غلاموں میں سے ایک تھا جسے دمشق میں طویل عرصے سے جاسوسی کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ تاتاریوں سے متعلق ہر قسم کی خبریں ابوثاقب ہی قاہرہ روانہ کیا کرتا تھا۔ چونکہ ابوثاقب کا تعلق محکمہ جاسوسی سے تھا اس لئے امرأ کا طبقہ اس سے واقف نہیں تھا۔ تاتاریوں کی شکست کے بعد اسے بیبرس کی سرگرمیوں کے بارے میں سلطان الملک المظفر کو مطلع کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس کے ساتھ گرفتار ہونے والا اجنبی اس کے خاص ساتھیوں میں سے ایک تھا، جو خود میدان میں اتر کر اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ جب سلطان الملک المظفر خود دمشق میں پہنچا تو اس نے ابوثاقب سے خلوت میں ملاقات کی اور بیبرس کے بارے میں اپنی حکمت عملی سے آگاہ کیا۔ بیبرس کے پاس روانہ کیا جانے والا قاصد بھی ابوثاقب نے ہی فراہم کیا تھا جو خنجر زنی میں شہرت کا حامل تھا۔

غیاث الدین قرطائی کو بیبرس کی موت کی خبر پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا، وہ بے اختیاری کے عالم میں کبھی اپنی مٹھیاں بھینچتا تو کبھی غصے میں چیزوں کو ٹھوکریں مارتا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ابوثاقب کو اس قدر ماریں کہ وہ ادھ موا ہو جائے۔ ابوثاقب کو پٹوا کر وہ اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتا رہا۔ ابوثاقب نے سنبھلنے کے بعد کئی بار اسے خوفناک انجام سے ڈرانے کی کوشش کی مگر غیاث الدین قرطائی اس کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے کے بجائے حقارت سے پر اس تھوک دیتا۔ اس نے صاف الفاظ میں اس پر واضح کر دیا تھا کہ وہ جس سلطان کے بل بوتے پر اتنا اکڑ رہا ہے اس کا انجام بھی قریب ہی ہے۔

صدر دروازے پر دستک کی آواز سن کر غیاث الدین نے استہزائیہ انداز میں ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔ مملوک امرأ پہنچنا شروع ہو گئے ہیں، بس کچھ ہی دیر کی بات ہے۔ غیاث الدین قرطائی نے ایک سپاہی کو آواز دی کہ وہ دروازے کے پاس رہے اور جو جو امیر پہنچتا جائے، اسے اندر بھیجتا رہے۔ سپاہی اس کی بات پر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد غیاث الدین کو ایک ساتھ کئی لوگوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ حیرانگی سے اس طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''یہ کیا ماجرا ہے؟'' دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنے والے مملوک امرأ نہیں تھے بلکہ ننگی تلواریں سونتے مملوک سپاہی تھے جن کے پیچھے پیچھے سلطان الملک المظفر خود چلا آ رہا تھا۔ غیاث الدین قرطائی بازی پلٹتے دیکھ کر پریشان سا ہو گیا۔

❁ ❁ ❁

وہ دن گل وقوژ کے لئے کبھی نہ بھولنے والا دن تھا۔ اُسے اس بند کمرے سے نکال کر آزاد فضا میں لایا گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ لطیف روشنی ہر سو پھیلی دکھائی دی۔ گل وقوژ نے کئی بار آنکھیں مل مل کر دیکھا کہ یہ سب حقیقت ہی ہے کہیں وہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔ گل وقوژ کے ہمراہ دو غلام تھے جو اسے اپنے ساتھ ایک جانب لئے جا رہے تھے۔ گل وقوژ نے اس عمارت کے در و دیوار کی ساخت سے اندازہ لگایا کہ وہ اس وقت کسی قلعے نما عمارت میں موجود ہے جو پتھروں کے بڑے بلاک کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ وہ مشتاق نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ غلام اسے ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ کافی دیر کے بعد اس نے خود کو ایک بڑی راہداری میں پایا۔ اوپر کھلا آسمان تھا جبکہ دائیں بائیں بلند دیواریں تھیں۔ غلام کہیں بھی رُکے بغیر لگاتار چلتے رہے۔ گل وقوژ پریشان ہوگئی کہ وہ اسے کہاں لے جانا چاہتے ہیں کہ یہ سفر ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ بالآخر وہ اسے لے کر ایک کھلے صحن میں پہنچ گئے۔ اس کے چاروں جانب چھوٹی دیوار کا حصار تھا۔ اس بڑے صحن کے وسط میں ایک نفیس تخت بچھا ہوا تھا اور اطراف میں پڑی تپائیوں پر رنگ برنگ پھلوں کی طشتریاں سجی ہوئی تھیں۔ گل وقوژ کی نگاہ تخت پر براجمان شخص پر پڑی تو اس کے چہرے پر اطمینان سا پھیل گیا۔ اسے پہلی نظر دیکھتے ہی گل وقوژ پہچان گئی تھی کہ وہ شیخ کبیرالدین ہی تھا۔ اس کی عقبی سمت میں کھڑی کنیزیں اسے پنکھا جھل رہی تھیں۔ شیخ کبیرالدین کی شخصیت اسے کسی بادشاہ سے کم نہیں دکھائی دی۔ وہ تخت کے سامنے پہنچ کر خاموشی سے کھڑی ہوگئی۔

''لڑکی! جھک کر آقا کو تعظیم دو''۔ گل وقوژ کو لانے والے غلاموں میں سے ایک غرا کر بولا۔

''بس ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ''۔ شیخ کبیرالدین کی آواز سنائی دی۔ غلام گل وقوژ کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔

''خوش آمدید گل وقوژ! آؤ میرے پاس بیٹھو''۔ شیخ کبیرالدین مسکرا کر بولا۔

گل وقوژ لمحہ بھر کو جھجکی پھر آہستگی سے بڑھ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ شیخ کبیر ٹانگیں پھیلائے اپنی جگہ ساکت رہا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' گل وقوژ نے خاموشی کو توڑا۔

''یہ قہستان کا علاقہ ہے۔ تم اپنے چاروں جانب اونچے اونچے پہاڑ دیکھ سکتی ہو۔ ان پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایک بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی پر اس وقت ہم لوگ موجود ہیں۔ یہ ہمارا مضبوط قلعہ ہے جسے لوگ قلعہ الموت کے نام سے جانتے ہیں......ایک ناقابلِ تسخیر پناہ گاہ''۔

''کیا تم یہاں کے بادشاہ ہو؟'' گل وقوژ نے معصومیت سے سوال کیا۔

شیخ کبیرالدین کے لبوں سے قہقہہ بلند ہوا۔ ''یہی سمجھ لو''۔

''سمجھ لو سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' گل وقوژ شش و پنج میں مبتلا ہوگئی۔

''ہم فی الوقت بادشاہ نہیں ہیں بلکہ ہم یہاں کے شہزادے ہیں، آنے والے کل میں ہم بادشاہ بھی بن سکتے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ ہم ولی عہد ہیں''۔ شیخ کبیرالدین نے جواب دیا۔

''تمہاری بادشاہی میں صرف یہی قلعہ ہے یا اور بھی علاقے ہیں؟''

''اس کے قلعے کے گرد پھیلا ہوا تمام علاقہ ہماری ہی ملکیت ہے''۔

''میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہاں دکھائی دینے والے پہاڑ تمہارے ہیں بلکہ یہ تھا کہ ان پہاڑوں کتنے شہر آباد ہیں؟''

''اس قلعے کے باہر ایک بہت بڑا شہر آباد ہے جسے تم بہت جلد دیکھ پاؤ گی مگر اس سے پہلے میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں''۔ شیخ کبیرالدین تخت سے اتر آیا اور گل وقوژ کا بازو پکڑ کر اسے دیوار کی جانب لے آیا۔

گل وقوژ کی نظر جب دیوار کی دوسری سمت پڑی تو اسے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔

''گل وقوژ!'' شیخ کبیرالدین اس کی حالت سے محظوظ ہوتا ہوا بولا۔ ''ہم اس وقت قلعے کی بلند و بالا فصیل پر موجود ہیں۔ اس فصیل کی اونچائی کا اندازہ تم نیچے جھانک کر لگا سکتی ہو۔ باہر کی طرف تمہیں گہری کھائیاں دکھائی دیں گی تو اندر کی طرف قلعے کی اپنی گہرائی۔ تمہیں یہ سب دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ اس قلعے میں ہر شخص میری ہی مرضی سے داخل ہوسکتا ہے اور میری اجازت سے ہی باہر جا سکتا ہے۔ یہاں سے فرار ہونے کا کوئی چور راستہ موجود نہیں لہٰذا تمہارے ننھے سے ذہن میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اسے جھٹک دو''۔

''تمہارا دعویٰ کچھ زیادہ ہی بڑا ہے''۔ گل وقوژ نے کہا۔

''کوشش کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ تم اپنے تئیں کوشش کر کے دیکھ سکتی ہو''۔

''اس بارے میں میں سوچوں گی''۔ گل وقوژ مختصراً بولی۔

''ہاں! یہ بات یاد رکھو کہ اگر تم میرے کہنے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہو گی تو تم اس قلعے میں ہمیشہ محفوظ رہو گی اگر تم اپنے تئیں کوئی کوشش کرنا چاہتی ہو تو یہ ذہن نشین کر لو کہ اگر تم کامیاب ہوگئی تو تمہیں بحفاظت سرائے پہنچا دیا جائے گا اور اگر تم ناکام ہوگئیں تو پھر تم پر میرے پیروکاروں کا حق ہوگا وہ تمہارے جسم کو کیسے نوچ کھائیں گے اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے''۔ شیخ کبیرالدین نے اسے متنبہ کیا۔ گل وقوژ اس کی دھمکی سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئی۔

''تم آخر مجھ سے چاہتے کیا ہو؟'' گل وقوژ اکتا کر بولی۔

''مجھے تمہارے گداز بدن سے کوئی غرض نہیں، ویسے بھی میں جب چاہوں، اسے بآسانی حاصل کر سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے کام کرو، جو میں کہوں اسے یوں بجالاؤ جیسے وہ کام تمہاری ذات سے وابستہ ہے''۔ شیخ کبیرالدین بولا۔

''میں اس کام کی نوعیت جاننا چاہتی ہوں''۔ گل وقوژ نے کہا۔

''اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔ جب میں مناسب سمجھوں گا تمہیں آگاہ کر دوں گا۔ آج سے تمہیں کھلی فضا میں گھومنے کی کھلی اجازت ہے۔ تم قلعے کے بالائی حصے میں بلا روک ٹوک آ جا سکتی ہو مگر تم زیریں حصے کی جانب نہیں جاؤ گی۔ اگر تم نے میری حکم عدولی کی تو نچلے حصے کے مکین تمہارے خوبصورت بدن کے وارث قرار پائیں گے اور تمہیں خنجر زنی کی مخصوص تربیت دی جائے گی۔ جس دن تمہاری یہ تربیت مکمل ہو جائے گی اسی دن تم اس قلعے سے باہر جا سکو گی۔ اس تربیت کے مکمل ہونے میں تم کتنا وقت لگاؤ گی یہ تم پر منحصر ہے''۔

''خنجر زنی کی تربیت......؟'' گل وقوژ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

''ہاں! میں تم سے جو کام لینا چاہتا ہوں اس میں خنجر زنی کی تربیت بے حد ضروری ہے''

''اگر میں یہ تربیت نہ لینا چاہوں تو......؟''

''تمہاری مرضی! وہ بند کمرہ اب بھی تمہارا منتظر ہے''۔

گل وقوژ زنداں نما کمرے کے تصور سے کانپ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھلکتے خوف کو دیکھ کر شیخ کبیرالدین مسکرا دیا۔ اس نے ایک کنیز کو آواز دی۔

''اسے شاہی مہمان خانے میں لے جاؤ اور اس کے رہنے کے لئے ایک کمرہ درست کر دو۔ تمہیں اس کا مکمل خیال رکھنا ہوگا۔ اس کی ہر غلطی میں تم برابر کی شریک قرار پاؤ گی''۔ شیخ کبیر الدین نے سرد لہجے میں اسے حکم دیا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے گل وقوژ کی جانب دیکھا۔ کنیز کی زندگی کی ڈور ایک اجنبی عورت کے ساتھ بندھ گئی تھی اگر وہ کوئی غلط حرکت کرتی تو اس کا خمیازہ اسے بھی بھگتنا پڑتا۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوژ کو کنیز کے ساتھ جانے کی ہدایت کی۔ گل وقوژ خاموشی سے چلتی ہوئی کنیز کی جانب بڑھ گئی جو اسے مختلف راستوں سے مہمان خانے کی جانب لے جا رہی تھی۔ گل وقوژ چلتے ہوئے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑاتی رہی۔

اچانک اس کی نگاہ ایک جانب جم کر رہ گئی۔ اسے فصیل کے پیچھے دکھائی دینے والی سیڑھیوں پر ایک شخص سیڑھیاں چڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا لباس اسے کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ جو کوئی بھی تھا سر جھکائے چل رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی تو اس کے چہرے کی جھلک گل وقوژ کو دکھائی دے گئی۔ اسے پہچانتے ہی گل وقوژ کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسی لمحے کنیز نے اسے ٹہوکا مارا۔

''گل وقوژ! رک کیوں گئی ہو۔ چپ چاپ چلتی رہو، ورنہ ہم دونوں کسی مشکل میں پھنس جائیں گی''۔

گل وقوژ کنیز کی بات پر چونک پڑی۔ اس نے دوبارہ نیچے کی جانب جھانکا تو وہ شخص کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ گل وقوژ سوچنے لگی کہ وہ کہاں گیا؟ کنیز نے جب دیکھا کہ گل وقوژ پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے قریباً کھینچتی ہوئی چل پڑی۔ گل وقوژ اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی چلتی رہی۔ وہ کنیز کے ساتھ چل تو رہی تھی مگر اس کا ذہن سیڑھیوں پر دکھائی دینے والے چہرے پر اٹکا ہوا تھا۔ گل وقوژ نے اسے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا مگر پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گئی تھی..... وہ کوئی اور نہیں اس کا ماموں زاد ''تنگ خان'' تھا۔

❀❀❀

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' سلطان الملک المظفر نے غیاث الدین قرطائی کی جانب گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ سپاہی ان سب کو اپنے نرغے میں لے چکے تھے۔ غیاث الدین قرطائی اس غیر متوقع صورتِ حال میں خاموش رہا۔ سلطان الملک المظفر بے حد زیرک واقع ہوا تھا۔ اس نے ابوثاقب کو ایک اہم کام سونپنے کے بعد اس کی نگرانی کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی قیام گاہ پر غیاث الدین قرطائی کے اچانک چھاپے اور پھر گرفتاری کی خبر سلطان الملک المظفر تک فوراً پہنچ گئی۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر غیاث الدین قرطائی کے گھر کا رخ کیا۔ اس کے ساتھ خاص وفادار محافظ دستہ تھا۔

''قرطائی! تم کچھ زیادہ ہی اونچا اُڑنے کی کوشش کر رہے ہو، تم شاید بھول چکے ہو کہ اس دیار کے سلطان ہم ہیں۔ یہاں کی رعیت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، تم کس جرم کے تحت ان دو معزز شہریوں کو ان کے گھروں سے پکڑ کر یہاں لائے ہو اور ان کے جسم پر دکھائی دینے والے تشدد کو کیا نام دیا جائے؟'' سلطان کی کڑکتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ غیاث الدین قرطائی حالات کو اپنے خلاف جاتے دیکھ کر سنبھل گیا اور اس نے سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تیز لہجے میں بولا۔

''سلطان! تمہاری حقیقت کھل چکی ہے۔ یہ دونوں اپنی زبانیں کھول چکے ہیں کہ تم نے انہیں کیسے استعمال کر کے بیبرس کو ہلاک کروایا ہے، اب میرے سامنے بننے کی کوشش مت کرو''۔

''کیا مطلب؟'' سلطان الملک المظفر اپنی جگہ دنگ رہ گیا۔ ''بیبرس ہلاک ہو چکا ہے مگر کیسے؟'' سلطان الملک المظفر کے پاس ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی، اس کا حیران ہونا قدرتی امر تھا۔

''سلطان تمہاری دلی خواہش بر آئی ہے اب یہ تعجب تمہیں زیب نہیں دیتا''۔ قرطائی نے طنز کی۔ سلطان الملک المظفر اس کی بات پر کھول اُٹھا۔

''قرطائی! حد تمیز میں رہو تو زیادہ بہتر ہے، میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ایک طرف تم میرے وفادار سالار بیبرس کی موت کی خبر سنا رہے ہو تو دوسری جانب اس کی ہلاکت کا الزام میرے ہی سر پر تھوپ رہے ہو۔ تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟'' سلطان الملک المظفر کے چہرے پر بے یقینی کی کیفیت نمایاں تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ واقعی بیبرس ہلاک ہو چکا ہے۔ اس نے شعلہ بار نگاہوں سے ابوثاقب کی جانب دیکھا تو اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

''ثابت تو ابھی تھوڑی ہی دیر میں ہو جائے گا کہ تمہاری کیا سچائی ہے۔ میں نے سب امراء کو بلوا بھیجا ہے، وہ کچھ ہی دیر میں آتے ہوں گے''۔ غیاث الدین قرطائی کے چہرے پر بے خوفی کے آثار دیکھ کر سلطان الملک المظفر کچھ پریشان ہوا۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ اس بے بنیاد اور من گھڑت الزام سے تم میرے امراء کو میرے ہی خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ تمہاری بھول ہے، ابھی وقت ہے سچائی بیان کر دو تاکہ مجھے تمہارے بارے فیصلہ کرتے ہوئے نرمی اختیار کرنے کا جواز مل جائے''۔ سلطان الملک المظفر درشت لہجے میں بولا۔

''سیف الدین قطوزی!'' غیاث الدین قرطائی احترام شاہی کو ایک طرف رکھتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔ ''تم سلطان ضرور بن چکے ہو مگر تمہاری غلامی کی چبھن ابھی باقی ہے۔ تم زمانہ غلامی میں جن اشیاء کے حصول کے لئے ترسا کرتے تھے۔ آج اختیار پانے کے بعد انہیں اپنے قبضے میں رکھنے کی خواہش کے غلام بن چکے ہو۔ تم یہ بات فراموش کر چکے ہو کہ وفادار ساتھی ہی کسی سلطان کی حقیقی طاقت ہوتے ہیں۔ بیبرس کو اپنی راہ سے ہٹا کر تم نے جس خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہے اسے طشت از بام کرنا میرا فرض ہے''۔

''بہت خوب.....!'' سلطان الملک المظفر استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''تمہاری چھپی ہوئی نفرت کو بالآخر زبان مل ہی گئی، مجھے اسی پل کا انتظار تھا کہ تمہیں سزا دینے سے پہلے تمہارا جرم ثابت ہو جائے تاکہ کوئی میری جانب انگلی نہ اُٹھا سکے کہ میں نے تمہیں ناحق سزا دی ہے''۔

''میرا جرم صرف یہی ہے کہ میری زبان بے باک ہے اور میں نے تمہاری غلطیوں پر کبھی چشم پوشی سے کام نہیں لیا۔ رہا سزا کا سوال؟ تو تم نے مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو نصرت سے نوازا اور تمہارے ناپاک عزائم کو ملیا میٹ کر دیا''۔

''خوش قسمتی سے تم لوگ تاتاری معرکہ میں بچ گئے مگر خوش قسمتی روز روز دستک نہیں دیا کرتی۔ تمہارا امیر بیبرس تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، تم چونکہ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہو کہ بیبرس کو کیسے مارا گیا ہے لہٰذا اب تمہارا زندہ رہنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں اور ویسے بھی تمہیں مزید زندہ رہنے کی ضرورت نہیں''۔ سلطان الملک المظفر مسکرا کر بولا۔

''سیف الدین!'' غیاث الدین قرطائی چیخ کر بولا۔ ''سپاہی موت سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوتا۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہ افعال کبھی عیاں نہیں ہوں گے تو اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔ کچھ ہی دیر میں امراء یہاں آنے والے ہیں، اگر تم مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو وہ سب تم سے میری ہلاکت کی وجہ ضرور دریافت کریں گے اور پھر تمہارا جھوٹ زیادہ دیر تک نہیں چھپ سکے گا''۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں قرطائی! یہ فطرت کا تقاضا ہے شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ضرور ہے۔ میں

نے جو فیصلہ کرنا تھا وہ کرلیا ہے، اب اسے بدلا نہیں جاسکتا''۔ سلطان الملک المظفر نے لاپروائی سے کہا اور اس کے اشارے پر سپاہیوں نے مملوک امیر غیاث الدین قرطائی کو خون میں نہلا دیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابو ثاقب، اس کے ساتھی اور غیاث الدین قرطائی کے ماتحت سپاہیوں کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ سلطان الملک المظفر کوئی ایسا ثبوت باقی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس سے امرا کے ہاتھ اس کے گریبان کی جانب اُٹھتے۔

پوری کی پوری بازی پل بھر میں پلٹ چکی تھی۔ سلطان الملک المظفر کو جہاں بیبرس کی ہلاکت کی خبر پر خوشی ہوئی تھی، وہیں اسے غیاث الدین قرطائی کو انجام تک پہنچا دینے کا موقعہ بھی مل گیا تھا۔ وہ اپنے دو طاقتور حریفوں سے نجات پا چکا تھا۔ کچھ ہی دیر میں مملوک امرا وہاں پہنچنا شروع ہوگئے۔ وہ اچانک بلاوے پر خاصے پریشان تھے کہ غیاث الدین قرطائی اس وقت ان سے ایسی کیا بات کہنا چاہتا ہے؟ کہ اس نے وقت ضائع کئے بغیر انہیں اپنے گھر بلا بھیجا تھا۔ وہاں جب ان کی نگاہ سلطان الملک المظفر اور سپاہیوں پر پڑی تو وہ مخمصے کا شکار ہوگئے۔ کچھ ہی دیر میں ان پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ مملوک امیر غیاث الدین قرطائی، سلطان الملک المظفر کے خلاف کسی سازش کا ارتکاب کر رہا تھا۔ دربارِ شاہی میں بروقت اطلاع ہونے پر سلطان الملک المظفر نے خود کارروائی کرتے ہوئے اُسے ساتھیوں سمیت عین موقعہ پر گرفتار کرلیا۔ غیاث الدین قرطائی کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔

اُمرا یہ متضاد خبر پا کر کچھ پریشان دکھائی دیئے۔ امرا کے چہروں کے رنگ اس وقت صحیح معنوں میں فق پڑ گئے جب سلطان الملک المظفر نے ان سے بھی درشت رویہ میں پوچھ گچھ شروع کی کہ وہ لوگ وہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ آنے والے مملوک امرا کو جب اپنی جان کے لالے پڑتے دکھائی دیئے تو انہوں نے فرداً فرداً غیاث الدین قرطائی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے وفاداری و اطاعت کی ضمانت فراہم کی۔ سلطان الملک المظفر کافی دیر تک وہاں خود موجود رہا اور وہاں پہنچنے والے تمام امرا کے نام ذہن نشین کرتا رہا۔ وہ ایسے لوگوں کو بھی اپنی نگاہ میں رکھنا ضروری سمجھتا تھا، جن سے بغاوت پیدا ہونے کا خدشہ ہوسکتا تھا۔ امرا نے اپنی اپنی جان بچنے پر شکر ادا کیا ورنہ غیاث الدین قرطائی کی رہائش گاہ پر ان کی بلا جواز آمد سازش میں شرکت کا بین ثبوت تھی۔

سلطان الملک المظفر نے فوری کارروائی سے کسی حد تک مملوک امرا کو مرعوب ضرور کرلیا تھا مگر وہ ان کے ذہنوں میں جنم لینے والے اس سوال کو نہیں دبا پایا تھا کہ سلطان الملک المظفر نے فوری کارروائی کرتے ہوئے اس قدر اچانک قرطائی کو کیوں ہلاک کیا۔ اس پر نہ تو کوئی مقدمہ چلایا گیا اور نہ ہی اسے صفائی پیش کرنے کا کوئی موقعہ دیا گیا۔ کہیں نہ کہیں کچھ گڑبڑ ضرور تھی جسے وہ سمجھنے میں ناکام رہے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سرائے کے مالک کے جواب پر سکتے کے سے عالم میں بیٹھا تھا۔ اسے اپنی حس سماعت پر ابھی تک یقین نہیں آیا کہ اس کے کانوں نے جو جملہ سنا ہے وہ حقیقتاً سرائے کے مالک کے منہ سے ہی نکلا تھا۔ سرائے کا مالک کچھ دیر تک خود ہی ہنستا رہا اور پھر اپنی ہنسی سمیٹ کر بولا۔ ''تم نے جس مکان کا ذکر کیا ہے وہ میرا ہی ہے مگر تمہیں میرے بارے میں یوں کھوج لگانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''اللہ کی قسم! مجھے لگتا ہے کہ میں یقیناً پاگل ہو جاؤں گا، زندگی کے یہ پل میرے لئے کسی گھن چکر سے کم نہیں ہیں''۔ مطیع الدین سر جھٹکتا ہوا بولا۔

''تمہارے چہرے سے لگتا ہے کہ تم واقعی کسی پریشانی میں مبتلا ہو چکے ہو۔ ٹھہرو میں تمہارے لئے قہوہ

منگواتا ہوں پھر مجھے تفصیل سے بتانا کہ کیا ماجرا ہے؟'' سرائے کے مالک نے اپنے ملازم کو قہوہ لانے کے لئے آواز دی۔ کچھ ہی دیر میں گرم قہوہ مطیع الدین کے سامنے پڑا تھا۔ اس اثناء میں مطیع الدین پیتے وقت پر نگاہ دوڑاتا رہا۔ جب مطیع الدین نے قہوہ ختم کرلیا تو سرائے کا مالک اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''اب اطمینان سے پوری بات بتاؤ''۔

مطیع الدین نے سرائے سے لے کر سمرقند کے قیام میں پیش آنے والے ان عجیب واقعات کی کڑیاں ملائیں اور انہیں مختصر الفاظ میں اس کے سامنے رکھ دیا۔ سرائے کا مالک خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ جب مطیع الدین آج کی روداد سنا کر خاموش ہوگیا تو سرائے کا مالک توقف سے بولا۔

''میں تمہاری تمام بات سمجھ چکا ہوں، واقعی ایسے حالات میں پریشان ہو جانا فطری امر ہے۔ تم بے فکر رہو میں تمہاری پوری مدد کردوں گا''۔

''مگر یہ سوال ابھی تک باقی ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں کچھ بتانے سے کیوں ہچکچاتے ہیں؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''برخوردار!'' شیخ عزیز الدین ہنس کر بولا۔ ''جوانی کے ایام میں، میں راہزنی کیا کرتا تھا۔ میں اتنا ماہر تھا کہ جائے واردات پر سپاہیوں کے ہاتھ نہ لگتا اگر کوئی میری شکایت کرتا تو دوسرے دن اس کی لاش شہر کے کسی حصے میں ملتی۔ تھوڑے عرصے میں ہی میری اتنی شہرت ہوگئی کہ لوگ میرے نام سے خوف کھانے لگے۔ ممکن تھا کہ میں آج بھی ویسا ہی ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا، اس نے مجھے ہدایت بخشی اور میں ایک شریف آدمی بن کر زندگی گذارنے لگا۔ اس سرائے کو ذریعہ معاش بنایا، یہاں چونکہ طرح طرح کے لوگ آکر ٹھہرتے ہیں ان میں کئی لٹیرے بھی ہوتے ہیں، میں انہیں یہاں رُکنے سے تو منع نہیں کرسکتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ لوگ اب بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ میں اب بھی ماضی والا راہزن ہی ہوں اسی لئے میری قیام گاہ پر چور لٹیروں کی آمدورفت رہتی ہے اور وہ میرے نام سے خوف کھاتے ہیں''۔

''اب میں سمجھا کہ جب میں کسی سے تمہارے بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ مجھے کیوں گھورنے لگتا تھا''۔ مطیع الدین نے کہا۔ ''مگر تم نے اس لڑکے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا''۔

شیخ عزیز الدین اس کی بات سن کر مخمصے میں پڑ گیا پھر اس نے اس لڑکے کا حلیہ دریافت کیا۔ مطیع الدین نے اس کے خدوخال کا نقشہ کھینچا تو اس کے ماتھے پر شکنیں گہری ہوگئیں۔

''تم نے جو حلیہ بتایا ہے وہ تو میرے ہی لڑکے کا ہے مگر میں اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ جہاں تک سیاہ پوش کا تعلق ہے تو میرا چھوٹا بھائی شیخ ابوالفضل ہے۔ وہ طویل عرصہ تک مجھ سے دور رہا اور پھر ایک دن اچانک میرے پاس چلا آیا۔ میں نے اس سے بہتیرے سوال جواب کئے مگر اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ وہ اتنا عرصہ کہاں رہا؟ البتہ وہ جب سے واپس لوٹا ہے ہر وقت سیاہ لباس پہنے رہتا ہے۔ مجھے کچھ دنوں پہلے میرے ایک خاص دوست نے بتایا تھا کہ ابوالفضل کا تعلق فدائین کے گروہ سے ہے جو قہستان کے مختلف علاقوں میں بکھرا ہوا ہے''۔ شیخ عزیز الدین کی بات پر مطیع الدین کے کان کھڑے ہوگئے۔

''فدائین سے تمہارا اشارہ کہیں حسن بن صباح کے پیروکاروں کی جانب تو نہیں؟'' مطیع الدین نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں مگر تمہارے چہرے پر ان کے بارے میں اتنی دلچسپی کیوں جھلک رہی ہے؟'' شیخ عزیز الدین نے شک بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... میں نے صرف اس وجہ سے دریافت کیا ہے کیونکہ میرے علم
میں یہ آیا ہے کہ منگولی حکمران ہلاکو خان نے طویل معرکے کے بعد فدائین کے گروہ کا خاتمہ کر ڈالا تھا''۔
''ہلاکو خان کی مہم میں فدائین کی سرکردہ شخصیات تو ماری گئی تھیں مگر کچھ لوگ بچ نکلے تھے جو پہاڑوں
میں جا کر چھپ گئے اور پھر جب ہلاکو خان واپس لوٹ گیا تو انہوں نے واپس آ کر خود کو نئے سرے سے منظم
شروع کر دیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ فدائین کا گروہ اب پہلے کی طرح آبادیوں پر حملے کر کے لوٹ مار نہیں
کرتا بلکہ وہ اب پُرامن زندگی بسر کر رہا ہے، حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے''۔ شیخ عزیز الدین کی باتوں سے
معلوم ہوتا تھا کہ وہ باتونی فطرت کا مالک ہے اسی لئے وہ باتوں میں سے نئی بات نکال کر گفتگو کا سلسلہ ختم نہ
ہونے دیتا۔ مطیع الدین نے فدائین کے متعلق مختلف نوعیت کی معلومات اس سے حاصل کیں۔ کبھی کبھی مطیع
الدین کو یہ شک گذرتا کہ شیخ عزیز الدین کا تعلق بھی فدائین سے ہے مگر اس کے انداز گفتگو سے اس خیال کی نفی
ہو جاتی۔ فدائین کا ذکر چھڑنے پر مطیع الدین کو یاد آیا کہ وہ برقائی خان کی خاص مہم کے لئے سرائے سے روانہ
ہوا تھا۔ اس پُراسرار چکر کے باعث اس کا ذہن اصل سمت سے بھٹک چکا تھا۔

''تم ایسا کرنا کہ ابوالفضل کو میری جانب سے پیغام دینا کہ میں اس کی چیز کے بارے میں سمجھ چکا
ہوں، وہ مجھ سے کل آ کر اپنی چیز لے سکتا ہے''۔

مطیع الدین نے سرائے کے مالک سے کہا۔ وہ مطیع الدین کے رویئے کی تبدیلی پر دنگ دکھائی دیا
کیونکہ کچھ دیر پہلے تک تو مطیع الدین کے چہرے پر اکتاہٹ اور پریشانی کے بادل رقصاں تھے مگر اب اس کے
چہرے پر تر وتازگی کے آثار عیاں تھے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اس سے پہلے کہ وہ سوال جواب کا سلسلہ شروع کرتا
مطیع الدین نے وہاں سے کھسک لینا مناسب سمجھا۔ مطیع الدین کچھ دیر کی گفتگو سے آگاہ ہو چکا تھا کہ شیخ عزیز
الدین جب گھر واپس لوٹے گا تو سب سے پہلے ابوالفضل معاملہ جاننے کی کوشش کرے گا اور پھر کیا نتیجہ نکلے گا
اس بارے میں وہ کوئی اندازہ قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ابوالفضل کی چیز کی واپسی تو محض اک بہانہ تھی۔ مطیع
الدین دراصل اسے ٹٹولنا چاہتا تھا۔ کیا واقعی اس کا تعلق فدائین سے ہے؟ تو ایسی صورت میں وہ اس کی مدد سے
کسی بھی سرکردہ شخصیت تک پہنچ کر اپنی مہم کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ مطیع الدین کو اس پُراسرار معمے کی گتھی سلجھنے پر
بے حد سکون محسوس ہوا۔ اس کی سارے دن کی تھکان کافور ہو گئی۔ اس کی نگاہیں اب آنے والی کل کی راہ دیکھ
رہی تھیں۔

❁ ❁ ❁

سلطان الملک المظفر نے بیبرس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا اور اس انتظار میں رہا کہ کب بیبرس کے
لشکر سے اس کی موت کی خبر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ اس نے کئی دوسرے ذرائع سے بیبرس کی موت کی چھان
بین کرائی۔ جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ واقعی بیبرس خنجر کے وار سے جانبر نہیں ہو پایا تو وہ پُرسکون
ہو گیا۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت پر بھی کافی چہ میگوئیاں ہوئیں مگر ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ شاہی
محل کی دیواریں ہلا دیتی۔ مملوک امراء نے غیاث الدین قرطائی کے قتل کا محرک سلطان کے ذاتی عناد کو قرار دیا
تھا۔ سب سے پہلے دمشق کی ولایت کے معاملے میں اسے نظر انداز کرنا اور پھر اچانک اُسے قتل کر دیا جانا ایک
ہی کڑی کا سلسلہ معلوم ہوتا تھا۔ مملوک امراء کا یہ طبقہ سلطان الملک المظفر کے بارے میں تشویش کا شکار ہو گیا
تھا۔ ان کے ذہن میں یہ خدشہ پنپ رہا تھا کہ سلطان الملک المظفر ایسے مملوک امراء کو ختم کرنے کا تہیہ کئے بیٹھا
ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے شہرت کے حامل ہیں۔ وہ شہرت مالی سخاوت ہو یا صلاحیتوں کا اظہار۔ کچھ امراء ان کے

خیال سے متفق نہیں تھے۔

کچھ دن بعد شام کے وقت سلطان الملک المظفر کو یہ اطلاع ملی کہ بیبرس کے لشکر سے ایک وفد اس سے
ملاقات کرنے کے لئے دمشق پہنچا ہے اور اس وفد نے پُرزور درخواست کی ہے کہ وہ کچھ خاص امور پر گفتگو کے
لئے فوری ملاقات چاہتے ہیں۔ سلطان الملک المظفر یہ سن کر زیر لب مسکرا دیا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ خاص
امور کیا ہو سکتے ہیں؟ اس نے تنہائی میں ان سے ملاقات کرنے کے بجائے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ کل صبح دربار
میں ان سے ملاقات کرے گا۔ فی الوقت وہ مہمان خانے میں قیام کریں۔ سلطان الملک المظفر یہ چاہتا تھا کہ
بیبرس کی موت کی خبر آنے والا وفد خود دربار میں سنائے تا کہ امراء کے شک کو تقویت نہ ملے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا
کہ وفد کے اراکین اسے ہی موردِ الزام ٹھہرائیں گے کیونکہ قاصد تو اسی کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔ مگر وہ اس
بارے میں سوچ بچار کر چکا تھا، یہ الزام غیاث الدین قرطائی کے سر پر تھوپ کر وہ سب کے سامنے سرخرو ہو سکتا
تھا۔

کچھ دیر بعد وفد کی طرف سے سلطان الملک المظفر کو دوبارہ پیغام موصول ہوا کہ وہ کسی اہم بات کے
لئے وقت ضائع کئے بغیر فوری طور ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو بات انہیں سلطان الملک
المظفر کے علم میں لانا ہے، وہ بات دربار میں نہیں کی جا سکتی۔ وفد کے اصرار پر سلطان تذبذب کا شکار ہو گیا۔ وہ
چاہتا تھا کہ وفد دربار میں سب کے سامنے بیبرس کے بارے میں بیان کرے مگر وہ فوری طور پر اسے بتانے کے
درپے دکھائی دیتے تھے۔ کچھ سوچ کر سلطان الملک المظفر نے وفد کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ رات کے کھانے کے
بعد ان سے ملاقات کرے گا۔ اسی اثناء میں اس نے اپنے سپاہی سرکردہ مملوک امراء کے پاس روانہ کر دیئے کہ
وہ کچھ اہم امور پر ان سے مشورہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا وہ فوراً شاہی محل پہنچیں۔ یہ اقدام صرف اس لئے اُٹھایا گیا تھا
کہ وفد کی گفتگو کو ان کے علم میں لایا جا سکے۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت پر مملوک امراء نے شور نہیں مچایا
اور سلطان کی بات پر یقین کر لیا تھا مگر بیبرس ہر دل عزیز شخصیت بن چکا تھا اس کی موت کی خبر کا اعلان سلطان
خود نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تناول سے فراغت کے بعد سلطان الملک المظفر خاص ملاقات والے کمرے میں پہنچ گیا جہاں مملوک
امراء پہلے سے موجود تھے۔ سلطان الملک المظفر کو دیکھ کر وہ سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ سلطان الملک المظفر
نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود شاہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مجھے قاہرہ میں فارس الدین اقطائی کی جانب سے بدنظمی کی شکایت موصول ہوئی ہے لہٰذا فوری طور
پر قاہرہ کوچ کرنا ضروری ہو گیا ہے اسی سلسلے میں آپ لوگوں کو بلایا گیا کہ کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ میرا خیال
ہے کہ بلادِ شام و شرقیہ کے تمام اختیارات بیبرس کو سونپ دیئے جائیں تا کہ اس طرف سے کچھ سکون نصیب ہو۔
میں سمجھتا ہوں کہ بیبرس میں اتنی اہلیت ہے کہ وہ یہاں کے انتظام کو احسن طریقے سے سنبھال لے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک امیر بولا۔ ''فارس الدین اقطائی کی جانب سے کسی غلط حرکت کی توقع نہیں
ہے، ممکن ہے کہ وہاں موجود شریر لوگوں نے اُسے بدنام کرنے کے لئے کوئی افواہ اُڑائی ہو۔ جہاں تک بلادِ شام
و شرقیہ کے انتظام کا معاملہ ہے تو بیبرس پر سلطان الملک المظفر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں۔ اس میں
موجود خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں''۔

دوسرے امراء نے بھی بیبرس پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کے بارے میں ایسے ہی خیالات کا
اظہار کیا اسی دوران سلطانی ہدایت کے مطابق غلام نے بیبرس کی جانب سے آئے ہوئے وفد کے بارے میں

بتایا اور ان کی جانب سے فوری ملنے کی درخواست پیش کی۔ سلطان الملک المظفر نے غلام کو ہدایت کی کہ وہ انہیں یہاں لے آئے۔ بیبرس کی جانب سے بھیجے گئے وفد کے بارے میں سن کر مملوک امرأ کے چہروں پر تجسس پھیل گیا۔ کچھ ہی دیر میں چھ افراد پر مشتمل ایک وفد وہاں پہنچا اور اس نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سلطان الملک المظفر کو تعظیم دی۔ ان میں تین مملوک امیر تھے جنہیں بیبرس کے ساتھ بھیجا گیا تھا جبکہ دوسرے تین افراد کی شناخت کرنا مشکل تھی کہ وہ رضا کار مجاہدین میں سے ہیں یا ان کا تعلق کسی خاص قبیلے سے ہے۔ بیبرس کی فوج میں بلادِ مصر کے کئی قبیلے شوقِ جہاد میں رضا کارانہ طور پر شامل تھے۔

''سلطان الملک المظفر اپنے جری بہادروں کو فتح ونصرت پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور انہیں اپنے شاہی محل میں خوش آمدید کہتا ہے''۔ سلطان الملک المظفر والہانہ انداز میں اُٹھ کر بولا۔

''سلطانِ محترم! ہمیں افسوس ہے کہ ہم کوئی خوشخبری نہیں لائے بلکہ یہ افسوس ناک خبر آپ سب لوگوں کو غم زدہ کر دے گی کہ بیبرس اب اس دنیا میں نہیں رہا''۔ وفد میں شامل ایک شخص دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم لوگ؟'' سلطان الملک المظفر پوری شدت سے چیخا۔ مملوک امرأ وہ اس اندوہناک خبر پر ہل کر رہ گئے۔

''سلطانِ محترم! ہم آپ سے صرف اتنا دریافت کرنے آئے ہیں کہ جب بیبرس نے آپ کے اعتماد کو کبھی نہیں نقصان پہنچایا تو آپ نے اس کے خلاف یہ گھناؤنی حرکت کیوں کی؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟'' سلطان الملک المظفر کا لہجہ سخت ہو گیا۔ وہاں موجود امرأ بھی گومگو کے عالم میں مبتلا ہو گئے۔

''بات صاف ہے کہ آپ نے قاصد کی صورت میں ایک قاتل کو بھیج کر بیبرس پر حملہ کرایا اور وہ اس حملے میں مارا گیا۔ بیبرس جیسے بہادر شخص کو میدان میں ہلاک کرنے کی سکت کسی میں پیدا نہیں ہوئی مگر وہ اپنے سلطان کے معمولی قاصد کے ہاتھوں بے خبری کے عالم میں مارا گیا''۔ وہ شخص تیزی سے بولا۔ اس کے چہرے پر ذرا سا بھی خوف نہیں جھلک رہا تھا۔

''یہ سب جھوٹ اور بکواس ہے، ہمیں بیبرس کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم تو خود تہہ دل سے اس کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اس وقت آگے بڑھ کر بلادِ مصر کی حفاظت کی جب ایک خوفناک خطرہ منڈلا رہا تھا۔ ہم اس کے کارنامے کے معترف ہیں۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ ہمارے لشکر میں سب سپاہی بیبرس بن جائیں۔ تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟ میں اس سازش میں شریک تمام لوگوں کو کڑی سزا دوں گا''۔ سلطان الملک المظفر متوحش لہجے میں بولا۔ اس کا چہرہ بے حد مغموم دکھائی دے رہا تھا، شاید اسے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ مملوک امرأ کے چہرے سلطان الملک المظفر کی تائید میں حرکت کرنے لگے۔

وفد میں شامل مملوک امیر نے بیبرس پر حملے کے تمام منظر کی تصویر کشی کی۔ سلطان الملک المظفر تحمل سے یہ سب سنتا رہا۔ مملوک امرأ بھی خاموش رہے۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو سلطان الملک المظفر دھیمے لہجے میں بولا۔

''یہ مجھے فارس الدین اقطائی کی سازش معلوم ہوتی ہے، وہ قاہرہ میں بیٹھ کر ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ مملوک امرأ کے دل میں ہمارے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور وہ عدم اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے ہمارا ساتھ چھوڑ دیں''۔ پھر اس نے مملوک امرأ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ دیر پہلے اسی بارے میں بات کر رہا تھا مگر تم سب لوگ فارس الدین اقطائی کی طرف داری کر رہے تھے۔''

''سلطانِ محترم!'' وفد کا ایک مملوک رکن بولا۔ ''آپ اپنی سازش کو بلاوجہ فارس الدین اقطائی کے گلے میں نہ ڈالیں۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ آپ نے بیبرس پر حملہ کروایا ہے اور فارس الدین اقطائی کو خواہ مخواہ بیچ میں گھسیٹ رہے ہیں کیونکہ وہ بیبرس کا قریبی دوست ہے۔ اس بات کا دوسرا ثبوت غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت ہے جو آپ کے اشارے پر کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ غیر محسوس طریقے سے مملوک سرداروں کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں''۔

مملوک امیر کا لہجہ بے حد درشت تھا جس پر سلطانی امرأ بھی چونک پڑے۔ ان کے چہروں پر شک و شبے کے سائے لرزنے لگے کیونکہ قرطائی کی موت کے بعد بیبرس کی موت کی خبر مملوک حلقے کے لئے بے حد تشویشناک تھی اور ساتھ ہی ایک اور اہم و سرکردہ مملوک امیر فارس الدین اقطائی کو یوں بلاثبوت نامزد کرنا بھی ان کے شک کو ہوا دے رہا تھا۔

''تم لوگ میری جانب سے بدگمان نہ ہو کیونکہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ قرطائی کو سازش کے ارتکاب میں سزا دی گئی جبکہ بیبرس پر حملے کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ رہا فارس الدین اقطائی کا معاملہ تو اس کے بارے آج ہی متضاد خبریں موصول ہوئی ہیں جن کے باعث ہم قاہرہ واپس لوٹنے کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ تمہارے منہ سے سننے کے بعد ہمارا شک فارس الدین اقطائی کی جانب ہی جا سکتا ہے ممکن ہے کہ قرطائی کے معاملے میں بھی وہ ملوث ہو''۔ سلطان الملک المظفر نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''سلطان محترم!'' مملوک امیر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کی ہٹ دھرمی پر داد دینے کو دل چاہتا ہے مگر شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اس قاصد کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے، اس سے پوچھ گچھ پر تمام صورت حال کھل چکی ہے۔ وہ قاصد آپ کا خاص غلاموں میں سے ایک ہے جسے آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اپنی مطلب براری کے لئے استعمال نہیں کر سکتا۔ اگر فارس الدین اقطائی اس سازش کے پیچھے ہوتا تو اسے بیبرس کے بجائے آپ کو ہلاک کرانا چاہئے تھا کیونکہ آپ کا خاص غلام اس کے قبضے میں تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا کیا دھرا آپ کا ہے۔ آپ نے حلب کی ولایت پہلے بیبرس کو لکھ کر دی اور اچانک علاء الدین لولو کو دے دی اور بیبرس کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ پھر آپ نے اس کی طاقت سے خوف محسوس کیا اور اسے اپنی راہ سے ہٹانے کی سازش تیار کی۔ اس سازش میں ابھی اور کتنے مملوک امیر مارے جائیں گے اس بارے میں کچھ کہنا بے کار ہوگا''۔

قاصد کے زندہ بچ جانے کے بارے میں سن کر سلطان الملک المظفر کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ ''تم لوگ جب سے آئے ہو لگاتار بدتمیزی اختیار کئے ہوئے ہو، میں کافی دیر سے برداشت کر رہا ہوں مگر تم بلاثبوت مجھ پر بہتان باندھتے چلے جا رہے ہو''۔

''ہم پورے ثبوت ساتھ لائے ہیں سلطان محترم!'' مملوک امیر مسکرایا۔ ''پہلا ثبوت یہی ہے کہ وہ قاصد آپ کے خاص غلام ہے، دوسرا ثبوت اس غلام کا تعلق ابوثاقب سے بھی تھا جسے آپ نے قرطائی کے ساتھ ہلاک کروا دیا۔ اس کی لاش دیکھنے والوں نے یہ بیان دیا ہے کہ اس کے جسم پر تشدد کے نشانات موجود تھے۔ یہ تشدد یقیناً قرطائی نے ہی کیا تھا جو معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ تیسرا ثبوت یہ ہے کہ اگر قرطائی کسی سازش کا مرتکب ہوا تھا تو اسے ہلاک کر دیا جاتا۔ اس کے ساتھ ابوثاقب اور دوسرے لوگوں کو کیوں ہلاک کیا گیا جو کہ اس گھر کے مختلف حصوں میں موجود تھے۔ چوتھا ثبوت یہ ہے کہ ہم لوگ دوپہر سے انتظار میں بیٹھے ہیں مگر آپ نے جان بوجھ کر ہم سے ملاقات نہیں کی بلکہ اس وقت بلوایا گیا جب آپ کے پاس یہ لوگ پہنچ گئے تاکہ آپ کا دامن پاک رہے''۔

''تمہاری تمام باتیں محض قیاس آرائیوں کے سوا اور کچھ نہیں، دوسرا تم جس طرح کا جارحانہ رویہ اپنائے ہوئے ہو، اس سے مجھے تم لوگوں کی نیت میں فتور محسوس ہو رہا ہے۔'' سلطان الملک المظفر نے ان کی باتوں کو رد کرتے ہوئے کہا۔ مملوک امرأ کشمکش کا شکار تھے۔ وفد کے لگائے گئے الزامات اور ثبوت میں پیش کئے گئے دلائل سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سلطان الملک المظفر کی نیت ٹھیک نہیں اور وہ غیر محسوس طریقے سے اپنے مخالفوں کو راہ سے ہٹا رہا ہے۔

''سلطانِ محترم! ہم آپ کے غلام کو اندر بلا لیتے ہیں، ابھی سب معاملہ صاف ہو جائے گا''۔ مملوک امیر نے یہ کہہ کر اپنے ساتھی کو اشارہ کیا کہ وہ اسے باہر سے اندر لے آئے۔

''خبردار! تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ حرکت کرے۔ میں نہیں جانتا کہ تم لوگ کیا کرنے والے ہو؟ کوئی شخص نہ باہر جائے گا اور نہ ہی کوئی شخص باہر سے اندر آئے گا۔ سپاہیو! ان سب کو گرفتار کر لو۔ جب تک ہم معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچ جاتے انہیں حراست میں رکھا جائے''۔ سلطان الملک المظفر نے سخت لہجے میں حکم دیا۔ دوسرے لمحے سپاہیوں کی تلواریں ان کی جانب اُٹھ گئیں۔ مملوک امرأ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کے ذہن میں یہ سوال کلبلانے لگا کہ سلطان الملک المظفر نے بجائے قاتل کو پیش کر کے معاملہ سلجھانے کے یہ حکم کیوں دیا؟ سپاہی تلواریں لہراتے ہوئے وفد کے افراد کے قریب پہنچے۔ وفد کے افراد نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی تلواریں نکالیں اور آناً فاناً تمام محافظ سپاہی ڈھیر کر دیئے۔ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ سلطان الملک المظفر کو کچھ سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ وہ اپنی جگہ تلملا کر رہ گیا۔ وفد کے لوگ جب سلطان کی جانب بڑھے تو سلطانی امرأ ان کے راستے میں حائل ہو گئے۔

''تم لوگوں نے اگر سلطان کی جانب قدم بڑھایا تو اچھا نہیں ہو گا''۔

''سلطان کو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتنا ہو گی۔ میں ذاتی عناد پر سلطان کو قتل نہیں کرنا چاہتا، فی الوقت اسے گرفتار کر کے بندی بنایا جا رہا ہے۔ قاہرہ کی کھلی عدالت میں اس بارے میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کون گناہگار ہے اور کون معصوم......؟'' وفد میں شامل ایک ضعیف شخص الفاظ چبا کر بولا تو امرأ کے چہرے فرطِ حیرت سے پھیل گئے۔ ان کے قدم خود بخود پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ وہ اس آواز کو خوب پہچانتے تھے کیونکہ وہ آواز بیبرس کی ہی تھی، جو اپنے چہرے پر لمبی سی سفید ڈاڑھی لگائے ہوئے وہاں موجود تھا۔ بیبرس کی آواز سنتے ہی سلطان الملک المظفر کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ وہ جس حریف کی موت پر خوشیاں منا چکا تھا وہ اس کے سامنے زندہ موجود تھا۔

❀ ❀ ❀

''تم سمجھ گئے ہو نا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''ہاں...... ہاں تم بے فکر رہو''۔ دوسرا شخص آواز دباتا ہوا بولا۔

''ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو کہ وہ خیمہ اسی کا ہے نا''۔ ان کا تیسرا ساتھی بولا۔

''میں نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے، وہ اسی کا خیمہ ہے۔ بس اب وقت ضائع نہ کرو، تیزی سے کام مکمل کرنے کی طرف دھیان دو، کچھ ہی دیر پہلے محفلِ شباب و جام ختم ہوئی ہے۔ وہ سب لوگ نشے میں دھت پڑے ہوں گے''۔ پہلا شخص تیز لہجے میں بولا۔

''گندھک خیمے کے گرد اس طرح بکھیرنا کہ زندہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے''۔

''تم بے فکر رہو''۔ ان میں ایک بولا۔

پھر وہ رات کی تاریکی میں تیزی سے ایک طرف بڑھ گئے۔ وہ خیموں کا پورا شہر تھا۔ جس میں وہ محتاط انداز میں دبے قدموں چل رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کچھ محافظ موجود تھے مگر وہ نیند کے غلبے سے اونگھ رہے تھے۔ وہ محتاط انداز میں چلتے رہے۔ کچھ دور جا کر وہ رُک گئے۔ یہاں خیموں کی ترتیب پہلے والے خیموں سے کچھ مختلف تھی۔ ان میں نہ صرف فاصلہ زیادہ رکھا گیا تھا بلکہ یہاں محافظوں کی تعداد بھی زیادہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سرگوشی کی پھر وہ تیزی سے مختلف اطراف میں بکھر کر آگے بڑھنے لگے۔ وہ نہایت دبے قدموں بڑھتے رہے۔ پھر کچھ ہی دیر میں وہ ایک مخصوص خیمے کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ تینوں ایک ہی خیمے کے گرد موجود تھے۔ وہ خیمہ عام خیموں کی نسبت کافی بڑا تھا۔ یہیں کچھ دیر پہلے شباب و سرود کی محفل جمی ہوئی تھی۔ ان تینوں نے تیزی سے کندھوں پر لٹکتے ہوئے تھیلے اتارے اور زمین پر لیٹے لیٹے گندھک نکال کر زمین پر پھیلانا شروع کر دی۔ ان کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں انہوں نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ وہ رینگتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے اور ساتھ ہی گندھک کی ایک باریک نالی سی بھی بناتے گئے۔ کافی دور پہنچنے کے بعد انہوں نے گیدڑ کی مخصوص آواز نکالی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے تین مختلف اطراف سے گیدڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ ان آوازوں پر خیموں میں موجود محافظ چوکنے ہو گئے۔ وہ تیز نگاہوں سے ان گیدڑوں کو ڈھونڈنے لگے جو ان کے خیموں میں گھس آئے تھے۔ محافظوں کی نقل و حرکت پر وہ اپنی اپنی جگہ دبک کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک تلاش جاری رہی۔ محافظ کچھ نہ پا کر اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے آئے۔ نقل و حرکت کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ کچھ ساعتیں مزید گذر گئیں۔

وہ تینوں محفوظ جگہ پر دبکے بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے مشعل کی آگ گندھک کی نالی میں ڈال دی۔ گندھک شعلہ دیکھتے ہی بھڑک اُٹھی اور تیزی سے آگے کی جانب بڑھنے لگی۔ آگ لگاتے ہی انہوں نے پھرتی کا مظاہرہ کیا اور گھٹنوں کے بل قریباً بھاگتے ہوئے اپنے خیموں کی جانب بڑھنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں آگ اس خیمے تک پہنچ گئی جہاں انہوں نے گندھک بکھیری تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خیمہ آگ کی لپٹوں میں آ گیا۔ بڑے خیمے کو آگ لگنے پر محافظوں میں کھلبلی مچ گئی وہ تیزی سے آگ کی جانب بھاگے۔ کچھ ہی دیر میں خیموں کا شہر بیدار ہو گیا۔ ہر طرف شور سا مچ گیا۔ لوگ ہڑبڑائے ہوئے انداز میں بڑے خیمے کے پاس پہنچنے لگے۔ محافظ مشکیزوں کی مدد سے آگ پر پانی ڈالنے لگے مگر آگ اس قدر شدید تھی کہ بجھائے نہ بجھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ خیمہ اپنے مکینوں سمیت جل کر ڈھیر ہو گیا۔ وہ خیمہ کسی عام شخص کا نہیں تھا بلکہ ایل خانی حکمران ہلاکو خان کا تھا جو کچھ دیر پہلے وہاں اپنے امرأ کے ساتھ محفل سجائے موجود تھا۔ امرأ کو رخصت کرنے کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ خیموں کا شہر اس کا عظیم الشان لشکر تھا جو رات کی خنکی کے باعث کوہ قاف سے بیس کوس دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

❀ ❀ ❀

''تت...... تم ابھی تک زندہ ہو''۔ سلطان الملک المظفر کے منہ سے بمشکل نکلا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔ ایک طرف قاصد زندہ تھا تو دوسری جانب بیبرس بھی صحیح سلامت اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ اپنے ہی شکنجے میں بری طرح پھنس کر رہ گیا۔ اس کے حواس پر بیبرس کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مفقود ہو کر رہ گئی۔ سلطانی امرأ بھی اپنے سلطان کی حالت پر متحیر تھے۔ انہیں اصورتِ حال آہستہ آہستہ سمجھ آنے لگی۔ انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ سلطان الملک المظفر مخفی انداز میں مملوک امرأ کو اپنی راہ سے ہٹاتا جا رہا ہے جس کی ایک کڑی غیاث الدین قرطائی کا قتل بھی ہے تو ان میں غم و غصہ کی لہر

دوڑ گئی۔ وہ کچھ لمحے پہلے اپنے سلطان کے سامنے آہنی دیوار بنے کھڑے تھے اب اطراف میں سمٹنے لگے۔ سلطان الملک المظفر بے بسی کے عالم میں ان کی صورتیں دیکھنے لگا۔ بیبرس نے آگے بڑھ کر چہرے پر سجی ڈاڑھی نوچ کر ایک طرف پھینکی اور ننگی تلوار لئے سلطان کی جانب بڑھ گیا۔ بیبرس کو اپنی جانب آتے دیکھ کر سلطان الملک المظفر شاہی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ مکمل طور پر بیبرس کے نرغے میں تھا۔ اس کے محافظ سپاہیوں کی لاشیں ان کے سامنے پڑی تھیں۔ مملوک امراء بھی اس کی مدد کرنے پر آمادہ نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

''الحمدللہ!'' بیبرس نے سلطان الملک المظفر کے مقابل کھڑے ہو کر جواب دیا۔ ''آپ کی تمام کوشش رائیگاں گئی، مجھے اب اپنے ساتھیوں کو بھی کوئی یقین دہانی کرانے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ سلطان نے خود ہی بے اختیاری کے عالم میں اپنے جرم کا اعتراف کرلیا ہے۔ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہی صلہ ہے''۔ بیبرس نے کہا۔

یہ سن کر سلطان الملک المظفر کا چہرہ سپید پڑ گیا وہ جس جرم کا منکر تھا تقدیر نے اسے اس کے لبوں پر جاری کر دیا۔ سلطان الملک المظفر نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر بیبرس نے اسے منع کر دیا اور کہا کہ وہ اپنی بے گناہی کا ثبوت قاہرہ کی عدالت میں قاضی کے سامنے پیش کرے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اسے قاضی کا ہر فیصلہ منظور ہوگا چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

''بیبرس! تم فاش غلطی کر رہے ہو؟'' اس کا مملوک ساتھی تیزی سے بولا۔ سب لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ بیبرس نے اس پر مستفسرانہ نگاہ ڈالی تو اس نے کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بلادِ مصر کا سلطان ہے اور فی الوقت موت کے خوف سے دبکا بیٹھا ہے۔ اگر اسے مزید زندہ رہنے دیا گیا تو اس سے کچھ بعید نہیں کہ یہ ہم سب لوگوں کو بغاوت کے الزام میں موت کے گھاٹ اتار دے''۔

''تم بے فکر رہو! میں اسے کوئی بھی ایسا حکم جاری کرنے نہیں دوں گا۔ میں نے کبھی برائی کا راستہ نہیں اختیار کیا اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ کچھ برا نہیں کرے گا''

''بیبرس!'' سلطانی امیر بولا۔ ''اللہ کی قسم! تمہاری موت کی خبر نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو، قاصد نے جب تم پر حملہ کیا تو اس کا وار خطا گیا تھا کیا......؟''

بیبرس اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ دوسرے لمحے اس نے اپنے لبادے کا سرا کھول کر بالائی دھڑ کا دایاں حصہ ننگا کر دیا۔ پسلیوں سے بغل کی جانب گہری خراش ان سب لوگوں کو دکھائی دی۔ سلطانی امراء نے آگے بڑھ کر اسے دیکھا۔

''دراصل جونہی سلطانی قاصد نے خنجر نکالا تو میری نگاہ اس پر پڑ گئی۔ وہ چونکہ میرے اتنے قریب تھا کہ اس کے وار کو نور اً روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جب خنجر گھما کر میرے جسم کی جانب بڑھایا تو میں جھکائی دے کر پہلو میں گرتا چلا گیا۔ میں نے کافی کوشش کی کہ اس کا خنجر مجھے نہ لگے مگر پھر بھی خنجر کی دھار میرے جسم سے چھو گئی۔ بعد میں جب خنجر کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی نوک زہر آلود تھی۔ اگر خدانخواستہ نوک جسم کو ذرا سی بھی چھو جاتی تو وہ مہلک زہر میرے جسم میں اتر جاتا، پھر ممکن تھا کہ سلطان الملک المظفر کا داؤ کامیاب ہو جاتا۔ بہرکیف اللہ جسے بچانا چاہے اس کے لئے سو بہانے پیدا کر دیتا ہے''۔ بیبرس نے سلطانی امراء کو تفصیل بتائی اور قمیص نما لبادہ دوبارہ پہن لیا۔

''دیکھو بیبرس!'' سلطان الملک المظفر دوبارہ بولا۔ ''میں اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہوں کہ میں نے حاسد

لوگوں کے جھانسے میں آ کر ناعاقبت اندیشی اختیار کی اور تمہارے خلوص پر شک کیا اور تمہیں اپنا دشمن جانا۔ میں اپنے رویے پر سخت نادم ہوں، تم اس معاملے کو یہیں ختم کر دو، میں تمہاری دل شکنی کی ہر طرح سے تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ تم حلب کے ساتھ بلادِ شام و شرقیہ بھی لے لو''۔ سلطان الملک المظفر کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔

''سیف الدین قطوزی!'' سلطانی امراء میں ایک استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''کیا تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو کہ اپنے ایک ساتھی کی ہلاکت کے باوجود ہم تمہیں اپنا سلطان تسلیم کرلیں گے۔ تمہاری حریص نیت آج ہم پر آشکار ہو چکی ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ نورالدین کو صرف اس لئے تخت سے معزول کیا جا رہا ہے کہ وہ کم سن بچہ ہے مگر اب معلوم ہوا کہ تمہیں صرف اس کا اتالیق رہنا منظور نہیں تھا بلکہ تمہاری حریص نگاہیں پہلے دن سے ہی اقتدار پر جمی ہوئی تھیں۔ قاہرہ میں تم نے کئی مملوک سرداروں کو اپنی راہ سے ہٹا دیا مگر ہم انہیں محض حادثے سمجھتے رہے۔ اب جب تمہارے گناہوں کا پردہ فاش ہو چکا ہے تو تم ہمیں چکمہ دینے کی کوشش کر رہے ہو''۔

''بیبرس! ان لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ بلکہ تم میری مدد کرو، تم ایک اچھے انسان ہو''۔ سلطان الملک المظفر شاہی کرسی سے اُٹھ کر بیبرس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ موت کے خوف سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ بیبرس سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ساری زندگی کسی نہتے اور بے بس آدمی پر وار نہیں کیا تھا بلکہ ناتواں لوگوں کی مدد کرنے سے اسے قلبی تسکین حاصل ہوا کرتی تھی۔ سلطان الملک المظفر بھی اس کے سامنے بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اگر وہ سلطان کو معاف کر دیتا تو اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ سب سے پہلے بیبرس کے ہی خلاف کوئی کارروائی کرتا۔ بیبرس نے کچھ لمحوں تک سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''میں نے ہمیشہ ریاست کی بالادستی کے سامنے سر جھکایا کبھی قانون شکنی یا سرکشی نہیں کی۔ جب عالم اسلام پر تاتاری موت بن کر نازل ہو رہے تھے تو میں نے ہمیشہ ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ میں نے بلادِ شام و شرقیہ کے سلطانوں کے درباروں میں یہ فریاد کی کہ وہ سب متحد ہو کر تاتاری سیل کے آگے بند باندھیں، میں نے قاہرہ میں آپ کے سامنے گستاخانہ لہجہ اختیار کیا تو اس میں میرا کوئی مفاد نہیں تھا، میری ذاتی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میں صرف تاتاریوں کو اسلامی ریاستوں سے باہر نکال کر مسلمانوں کو پُرامن جینے کا حق لوٹانا چاہتا تھا۔ تباہی و بربادی کے جو اندوہناک مناظر آج مجھے دیکھنے کو مل رہے ہیں، ان سے لوگوں کو بچانا چاہتا تھا، مجھے سلطنت و اقتدار کی کوئی ہوس نہیں تھی، میں پوری دیانتداری و خلوص سے اپنا فرض بجالایا اور تاتاریوں کی ہیبت کو پاش پاش کر ڈالا۔ مگر اس کے صلے میں مجھے کیا ملا؟ میرے اپنوں نے میری کامیابی کو حسد بھری نظروں سے دیکھا اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ صرف اس لئے کہ میرا دل مسلمانوں کی خیرخواہی کے لئے دھڑکتا ہے۔ سیف الدین! کم از کم مجھے آپ سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی''۔ بیبرس کی باتیں سن کر امراء کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''بیبرس! میں اپنے کئے پر نادم ہوں''۔ سلطان الملک المظفر شرمندگی سے بولا۔

''بند کرو بناوٹی خجالت کا یہ ڈھونگ!'' بیبرس کے ساتھیوں میں ایک چیخ کر بولا۔ ''وقت ضائع مت کرو بیبرس! اسے فوراً ہلاک کر دو، خس کم جہاں پاک''۔

''نہیں! اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم بھی وہی کریں جو اس نے کیا ہے تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اسے قاضی کے روبرو پیش کر کے سزا دلوائی جائے گی''۔ بیبرس فیصلہ کن لہجے میں بولا جس پر وہاں موجود ہر شخص پہلو بدل کر رہ گیا۔

''بیبرس! بے وقوف مت بنو۔ قاہرہ میں یہ سلطان ہے اور قاضی اس کا ماتحت۔ یہ قاضی کو مراعات

ے کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا اور تم پھر کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے''۔

''تم سب خاموش رہو۔ سلطان کے بارے میں آخری فیصلہ قاضی ہی کرے گا''۔ بیبرس نے سخت لہجے میں انہیں جواب دیا۔ اس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر جم گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے چہروں پر خوفناک عزائم پڑھ چکا تھا۔

''اگر تمہاری ہمت نہیں پڑتی تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم خود ہی اس کا فیصلہ کرلیں گے''۔ مملوک امیر تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے مملوک امرأ نے بھی اپنی تلواریں سونت لیں۔ بیبرس نے انہیں روکنا چاہا کہ اس کے قریب کھڑے ہوئے ایک مملوک امیر نے دوسرے ساتھی کو اشارہ کیا۔ جونہی بیبرس انہیں پیچھے ہٹانے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے ٹانگ بڑھا کر بیبرس کو اڑنگی لگا دی۔ بیبرس فوری سنبھل نہ سکا اور زمین پر گرتا چلا گیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار بھی اس کے ساتھ ہوا میں گھومتی چلی گئی۔ اچانک ایک تیز چیخ کی آواز سنائی دی۔ بیبرس تیزی سے مڑ کر دیکھنے لگا۔ بیبرس کی تلوار ہوا میں لہراتی ہوئی سلطان الملک المظفر کے دائیں شانے کو چیرتی ہوئی نیچے اتر گئی تھی۔

بیبرس جو نہیں ہونے دینا چاہتا تھا وہ قدرت نے اس کے ہاتھوں سے کروا ڈالا تھا، یہ دیکھ کر بیبرس پریشان ہو گیا جبکہ مملوک امرأ کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تلوار کا دستہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی دبا ہوا تھا۔ بیبرس تیزی سے اُٹھ کر سلطان الملک المظفر کی جانب بڑھا۔ وہ اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر کا سر اس نے اپنی گود میں رکھ کر کچھ کہنا چاہا مگر سلطان الملک المظفر نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اسے منع کر دیا۔ اس کے چہرے پر ندامت جھلک رہی تھی، اس کی آنکھیں کہہ رہی تھی کہ بیبرس مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہیں سمجھنے میں دیر کر دی۔ میں تمہاری جان لینے کے درپے تھا مگر تم نے میری جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ اتفاقی وار قدرت کی جانب سے مقرر کردہ سزا تھی۔ بیبرس نے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔ سلطان الملک المظفر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ بیبرس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی ہمدردی دیکھنے لگا پھر اسے جو دکھائی دیا وہ سانسوں کی ڈور ہمیشہ کے لئے توڑ گیا۔ بیبرس کی دائیں آنکھ میں موجود کرنج کی جھلک۔ اس کی نگاہوں کے سامنے وہی سفید پرندہ موجود تھا جسے اس نے اپنے خواب دیکھا تھا۔ ایک آنکھ میں نیلاہٹ لئے ہوئے الملک الموت......!

❀ ❀ ❀

مطیع الدین ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا کہ کسی نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا اسے آنکھیں کھولنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل پلکوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور اُلجھی ہوئی نگاہوں نے اپنے گرد دیکھا۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ سیاہ لباس میں ملبوس۔ ان کے چہرے ڈھاٹوں کے پیچھے پوشیدہ تھے۔ مطیع الدین چند لمحوں تک کچھ سمجھ نہ پایا۔ اس کا ذہن فوراً اپنی ران پر بندھے ہوئے خنجر کی طرف گیا۔ جب سے وہ سرخ غر پہاڑی کے حادثے کا شکار ہوا تھا، اسی دن سے اس نے اپنی ران پر ایک پوشیدہ خنجر باندھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں ران کی جانب سرکنے لگا۔ وہ اس ناگہانی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے ذہنی طور پر پوری طرح مستعد ہو چکا تھا۔

''مطیع الدین!'' ایک نقاب پوش کے ڈھاٹے میں جنبش ہوئی۔ ''زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرو، تمہارا پوشیدہ دوست اب ہمارے قبضے میں ہے''۔

مطیع الدین کا ہاتھ خنجر کے خالی مقام پر پھرا اور اس کے جوشیلے پن پر جیسے اوس پڑ گئی۔ وہ گہری سانس

لیتے ہوئے پہلو بدل کر رہ گیا۔ خنجر کی عدم موجودگی پر اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے مقابل واقعی چالاک اور محتاط قسم کے لوگ ہیں اور ان سے نمٹنے کے لئے جسمانی قوت کے بجائے ذہنی صلاحیت ہی کارآمد ثابت ہو سکے گی۔ وہ سنبھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''حارث!'' ایک سیاہ پوش تیز لہجے میں بولا۔ ''اس کے دونوں ہاتھ عقب میں اچھی طرح باندھ ڈالو اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ بعد ازاں کوئی مشکل پیش نہ آئے، اب اسے ساتھ لے جانا ضروری ہے، یہاں کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے''۔

''ٹھیک ہے شیخ!'' حارث نامی نقاب پوش مطیع الدین کی جانب بڑھا تو مطیع الدین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ نقاب پوش غیر متوقع حرکت پر ٹھٹک سا گیا۔

''رُکو......! میں بیدار ہو چکا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تم لوگ فدائین میں سے ہو، تمہیں میرے ہاتھ باندھنے کی قطعی ضرورت نہیں، میں خود بخوشی تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

اس کی بات سن کر حارث مڑ کر شیخ کی جانب دیکھنے لگا۔ مطیع الدین کی بات سن کر شیخ کی آنکھوں میں بھی سراسیمگی دکھائی دی۔

''شیخ!'' ایک دوسرا نقاب پوش تیزی سے بولا۔ ''یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے، میرا مشورہ ہے کہ اس کی اصلیت جاننے کی کوشش کرنے کے بجائے اسے فوراً ٹھکانے لگا دیجئے''۔

مطیع الدین اس کی بات پر مسکرانے لگا۔ اپنی خداداد صلاحیت کے بل پر وہ چند ہی ساعتوں میں بالکل مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و پریشانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شیخ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''کچھ دیر پہلے تک مجھے اندیشہ تھا کہ تم یہاں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی الٹی سیدھی حرکت کرنے کی کوشش ضرور کرو گے، اسی لئے تمہیں محفوظ مقام پر لے جانا ہماری مجبوری تھی اب جبکہ تم تعاون کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہو، تو میرا ارادہ بدل چکا ہے۔ ہم اب یہیں گفتگو کریں گے''۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر میں اتنی دیر تک تمہارے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دوں گا جب تک تم لوگ مہذب رویہ اختیار نہیں کر لیتے''۔ مطیع الدین دوٹوک انداز میں بولا۔

''تم چاہو تو کمرے میں روشنی کر سکتے ہو''۔ شیخ نے مختصراً کہا۔

''میں روشنی میں کیا اندھیرے میں بھی پردہ پوش افراد سے بات کرنا پسند نہیں کرتا''۔

''ہوش میں رہ کر بات کرو۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم کس سے بات کر رہے ہو!'' ایک نقاب پوش ہتھے سے اکھڑ کر بولا۔

''بے وقوفی کی بات مت کرو...... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرا مخاطب شیخ ابوالفضل ہے''۔ مطیع الدین نے اندھیرے میں تیر چلایا جو بالکل صحیح نشانے پر بیٹھا۔ اس کی بات سن کر ان لوگوں کو ایک جھٹکا لگا اور وہ سب جیسے گھبرا کر غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اپنے اندازے کی درستی پر مطیع الدین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

❀ ❀ ❀

ہلاکو خان کا عالیشان خیمہ گذشتہ رات جل کر تباہ ہو چکا تھا۔ اس خبر پر پورے لشکر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام اعلیٰ مناصب کے امرأ نے فوری طور تمام بڑے سالاروں کو

طلب کیا اور انہیں اس تخریبی کارروائی کی تحقیق پر مامور کیا، یہ کہہ کر کہ اس معاملے میں کسی طرح کی کوتاہی قابل معافی نہ ہوگی۔ سالاروں نے ہلاکو خان کے بارے میں دریافت کرنا چاہا مگر وزراء نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ انہیں فوری طور پر اس حرکت کے ذمہ دار افراد کو ڈھونڈ نکالنے کی ہدایت کی۔ سالاروں نے محافظ دستوں کو حکم دیا کہ وہ شاہی خیموں والا تمام علاقہ اپنے گھیرے میں لے لیں اور کسی فرد کو اس جانب داخل ہونے نہ دیں چاہے وہ کوئی اعلیٰ منصب دار ہی کیوں نہ ہو۔ ایل خانی لشکر ہلاکو خان کے بارے متفکر دکھائی دے رہا تھا مگر کسی کو بھی ہلاکو خان کے بارے میں حتمی طور پر نہیں بتایا گیا کہ وہ کس حال میں ہے؟

لشکر میں کچھ ماہر لوگوں کو انتہائی نگرانی میں جلے ہوئے خیمے کے پاس لے جایا گیا انہوں نے کچھ دیر کی جانچ پڑتال کے بعد صاف لفظوں میں بتا دیا کہ خیمے کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے آگ لگائی گئی ہے یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ نہیں۔ آگ لگانے کے لئے عام انداز سے ہٹ کر مختلف طریقہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی خیمے سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کرے تو صحیح سلامت نہ نکل پائے اور آگ میں جھلس جائے۔ آگ چونکہ گندھک کے مادے سے بھڑکائی گئی تھی، اس لئے آگ میں سے جھلس کر نکلنے والا بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکتا تھا۔

ماہرین نے یہ بھی نشاندہی کی کہ خیمے کے گرد بنائی گئی نالیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سازش میں جو کوئی بھی ملوث ہے، وہ گندھک کے مادے کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہے ورنہ گندھک کو بے احتیاطی سے آگ دکھانا سراسر موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مٹی میں پھیلائی گئی گندھک کے اثرات بھی تلاش کر لئے گئے۔ کھوجی ماہروں نے خیمے کے اردگرد ملنے والے نشانات کے لحاظ سے اس بات کا اعلان کیا کہ اس سازش کی تکمیل میں صرف تین افراد ملوث ہیں۔ ماہرین کے تجزیئے کے بعد تمام اعلیٰ سالاروں نے سر جوڑ کر آپس میں صلاح مشورہ شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اصل مجرم کا سراغ لگانے کے لئے ایک منصوبے پر متفق ہو گئے۔ ہر طرح کی ممکنہ صورتِ حال پر اچھی طرح غور کر لیا گیا۔ اس کے بعد فوری طور پر سب سپاہیوں کو خیموں سے نکل کر کھلے علاقے میں مخصوص انداز میں صف بندی کا حکم دیا گیا تمام سپاہی اپنے اپنے خیموں میں سے نکل کر کھلے علاقے میں جمع ہو گئے۔ ان کے چہرے شدتِ غم سے مرجھائے دکھائی دے رہے تھے کیونکہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے وہ یہ فرض کرنے پر مجبور تھے کہ ان کا محبوب قاآن اعظم اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ آگ اسی کے خاص خیمے کو لگائی گئی تھی۔ یہ خبر بھی سپاہیوں میں پھیل چکی تھی کہ رات کو ہلاکو خان اسی خیمے میں موجود تھا۔

سالاروں نے صفوں کی تعداد کے مطابق گن کر ایسے افراد الگ کئے جنہیں گندھک کی بو سونگھنے کی خاص مہارت حاصل تھی۔ اس کے بعد انہیں ایک ایک صف میں داخل کر دیا گیا کہ وہ تمام سپاہیوں کا جائزہ لیں اور ایسے افراد کو ڈھونڈ کر باہر نکالیں جن کے لباس سے یا ہاتھوں یا بدن کے کسی بھی حصے سے گندھک کی معمولی سی بھی بو آئے، یہ کام کافی محنت طلب تھا اور نتائج نکلنے میں کافی دیر لگ سکتی تھی۔ سالاروں نے فوری طور پر چند خاص دستوں کی جانچ پڑتال کروائی، جب وہ ان کے بارے میں مطمئن ہو گئے تو انہیں وادی میں پھیل جانے کا حکم دیا اور وادی میں کسی بھی انجان شخص کی موجودگی پر اسے فوراً گرفتار کر کے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یہ امکانات بھی ان کے ذہن میں موجود تھے کہ کوئی باہر کا شخص رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر لشکر میں داخل ہو گیا ہو اور وہ شاہی خیمے کو نذرِ آتش کرنے کے بعد تیزی سے لشکر میں سے نکل گیا ہو یا وہ پہلے ہی سے لشکر میں موجود ہو اور اپنا کام پورا کرنے کے بعد فرار ہو گیا ہو۔ اگر واقعی ان کا اندازہ درست تھا تو یہ بات بھی یقینی تھی کہ وہ شخص زیادہ دور نہیں جا سکا ہوگا۔

نصف دن اسی کشمکش میں بیت گیا۔ کھوج لگانے پر مامور سپاہی پوری طرح چوکس تھے مگر لشکر میں سے کوئی ایسا فرد برآمد نہیں کیا جا سکا جس کے جسم میں گندھک کی مہک محسوس ہوتی۔ دوپہر ڈھلتے ہی یہ کام اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ پورے لشکر کو کھنگال لیا گیا مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ سالاروں نے سپاہیوں کو اسی میدان میں رُکنے کا حکم دیا اور ان کھوجیوں کو خیموں کی جانب بھیج دیا کہ وہ وہاں سے کوئی سراغ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کریں۔ اس کام کے لئے مزید افراد کو منتخب کیا گیا تاکہ کام تیزی سے مکمل ہو پھر خیموں کی تلاشی کا کام شروع ہو گیا۔ سہ پہر کے قریب ان کھوجیوں کو ایک خیمے میں سے کچھ ایسا سامان ملا جس میں گندھک کی بو رچی ہوئی تھی۔ فوراً یہ خبر سالاروں تک پہنچائی گئی۔ کامیابی کی اطلاع پاتے ہی وہ سب اس خیمے کی جانب آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اس تھیلے کا خود جائزہ لیا جس میں گندھک کی بو رچی ہوئی تھی، اس کے بعد ماہرین طلب کئے گئے جنہوں نے تھیلے اور اس کے لوازمات کا تجزیہ کرنے کے بعد اس خیمے کی بھرپور انداز میں تلاشی لی۔ مختلف چیزوں کو دیکھنے کے بعد انہوں نے سالاروں کو بتایا کہ اس خیمے میں جو لوگ موجود ہیں ان میں کچھ افراد ایسے ہیں جن کا تعلق حسن بن صباح کے فرقے سے ہے۔ خیمے کی نشاندہی ہونے کے بعد اس خیمے کے مکینوں کو ڈھونڈنے کے کام کا آغاز کیا گیا۔ سالاروں نے باہم مشورے سے اس بات کو خفیہ رکھتے ہوئے تمام سپاہیوں کو خیموں میں واپس لوٹنے کا حکم دیا اس دوران مشکوک خیمے کی غیر محسوس انداز میں نگرانی کا بندوبست کیا گیا تاکہ اس کے مکین شک پڑنے پر دائیں بائیں نہ ہو جائیں۔ اسی ادھیڑبن میں شام ہو گئی اور روشنی کم ہونے لگی۔ وادی میں بکھرے ہوئے سپاہی بھی ناکام واپس لوٹے۔

بالآخر سالاروں کی بھاگ دوڑ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ شام گہری ہونے کے بعد کچھ افراد محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ تعداد میں سات تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں ڈھکے چھپے انداز میں وہاں سے نکال کر سالاروں کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

سالاروں نے ان کے حلئے کا بغور جائزہ لیا۔ ان میں دو تو شکل وصورت میں مسلمان دکھائی دے رہے تھے جبکہ باقی پانچ نصرانی معلوم ہوتے تھے۔ سالاروں نے ماہرین کو دوبارہ بلوایا اور ان کے جسم میں سے گندھک کی بو کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ تین ماہر آگے بڑھ کر ان کے جسم کے گوشوں کو سونگھنے لگے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے انکار میں گردن ہلائی۔ ایک سالار غصے کے عالم میں آگے بڑھا اور تلوار نکال کر تینوں ماہروں کے سر قلم کر دیئے۔

اب دوسرے تین ماہروں کو حکم دیا گیا کہ وہ آگے بڑھ کر اپنا کام انجام دیں۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، وہ خوفزدہ انداز میں آگے بڑھے اور ان سب افراد کو یوں ٹٹولنا شروع کر دیا جیسے وہ کوئی کھلونے ہوں۔ وہ ساتوں افراد کسی قدر سہمے ہوئے ضرور تھے مگر انہیں شاید یہ توقع تھی کہ ان پر کیا جانے والا شک کسی صورت ثابت نہیں ہو سکے گا۔ سالار نہایت خاموشی سے کھڑے ان کی حرکات وسکنات دیکھتے رہے۔ اچانک ایک ماہر کسی قدر پرجوش دکھائی دیا۔ اس نے نصرانی صورت کے ملزم کے بالوں میں گندھک کی رچی ہوئی بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی۔ سب نے آگے بڑھ کر اس کے بالوں میں اچھی طرح سونگھا۔ گندھک کی بو تو آ رہی تھی مگر بے حد ہلکی۔ پھر ان ساتوں کے سر ماہرانہ انداز میں سونگھے گئے۔ اتفاق یہ تھا کہ ان سب کے سروں میں گندھک کی بو موجود تھی۔ کھوجی ماہرین کا کہنا تھا کہ خیمے کے گرد صرف تین افراد کی نقل وحرکت کے آثار موجود ہیں جبکہ یہاں سات افراد موجود تھے۔

گندھک کی بو کی موجودگی ثابت ہونے پر ان ساتوں کے چہرے خوف سے سیاہ پڑ گئے، سالاروں

نے ایک بار پھر صورتِ حال پر مشورہ کیا اور فوراً یہ حکم دیا کہ تمام غیر منگول سپاہیوں کے سروں کو سونگھ کر گندھک کی بو تلاش کی جائے۔ انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ان کے لشکر میں فدائی موجود ہیں اور ان کی تعداد ان کی توقع سے زیادہ ہے۔ وہ کسی بھی دوسرے حادثے کی نوبت نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ غیر منگول سپاہیوں کو کھنگالنے کے بعد تیرہ افراد مزید ایسے مل گئے جن کے سر میں سے گندھک کی بو محسوس ہو رہی تھی یہ سب وہی افراد تھے جو غار سے نکل کر گزشتہ شام کو لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ وہ جس غار میں مقیم تھے وہاں کسی قدر گندھک کے اثرات موجود تھے جنہیں وہ محسوس نہیں کر پائے۔ وہ چونکہ عرصے سے گندھک سے کھیلتے آئے تھے اس لئے انہیں محسوس نہیں ہوا کہ غار گندھک آلود ہے۔ منصوبے کی تکمیل کے بعد انہوں نے قدرتی چشمے پر اپنے جسم کو لمبی زرد گھاس سے رگڑ رگڑ کر دھویا تھا۔ اس گھاس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ پتھریلی دھاتوں کی بو زائل کر کے جسم میں اپنی بو رچا دیتی۔ یہ بو ہر پیادہ سپاہی کے جسم میں موجود رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ماہران کے بدن سے گندھک کی بو تلاش نہیں کر پائے۔ یہ بھی اتفاقی امر تھا کہ کسی ماہر کا بھی ذہن بالوں کی جانب نہیں گیا۔

کوئی سوال جواب کئے بغیر ان بیس افراد کی مکمل جامہ تلاشی لی گئی اور ہر قسم کے ہتھیار ان سے چھین کر غیر مسلح کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہیں باریک باریک زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ وہ بیس افراد بھی خاموشی سے کھڑے رہے، ان کی جگہ اگر کوئی بے گناہ ہوتا تو وہ اپنی بے گناہی کا واویلا مچاتا لیکن ان کے چہروں پر گہری طمانیت نظر آ رہی تھی۔

''تم سب فدائی ہو......؟'' ایک سالار نے نفرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہم کیا ہیں، یہ چھوڑو......ہمیں صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے قاآن اعظم کا کیا حال ہے، کیا وہ زندہ بچ گیا ہے یا ہمارا وار کارگر ثابت ہوا ہے؟''

''قاآن اعظم تم جیسے چھوٹے لوگوں کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔ وہ بالکل صحیح سلامت ہیں اور انہیں اس بات کا گہرا رنج ہے کہ تم لوگ ایک بار پھر اپنی بھرپور کوشش کے باوجود بری طرح ناکام رہے ہو''۔ سالار استہزائیہ انداز میں بولا۔

''میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اگر واقعی ہلاکو خان زندہ ہے تو وہ یوں عورتوں کی طرح چھپ کر بیٹھ نہیں سکتا''۔

''تمہاری گرفتاری کی خبر قاآن اعظم تک پہنچا دی گئی ہے، کچھ ہی دیر میں وہ یہاں پہنچ کر تم لوگوں کے لئے سزا تجویز کرنے والے ہیں اگر ان کا یہ حکم نہ ہوتا تو تمہاری سانسیں اسی وقت ٹوٹ چکی ہوتیں جب تمہیں گرفتار کیا گیا تھا''۔ سالار گھورتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر تک گہری خاموشی چھائی رہی اور دونوں طرف سے کسی طرح کے جملوں کا تبادلہ بند رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہلاکو خان کی آمد کا اعلان ہوا۔ ہلاکو خان کو زندہ اور صحیح سلامت دیکھ کر ان فدائیوں کے چہرے پھیکے پڑ گئے۔ وہ اپنی انتہائی کوشش میں بھی ناکام رہے تھے۔ انہیں موت کا ذرا بھر بھی خوف نہیں تھا مگر منصوبے کی ناکامی نے انہیں مایوس کر دیا۔ ہلاکو خان تک تمام خبر پہنچ چکی تھی۔ اس نے آتے ہی ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کی زنجیروں کے حلقوں کو پوری قوت سے اس طرح اپنی اپنی جانب کھینچیں کہ باریک زنجیریں ان فدائیوں کے جسم چیرتی ہوئی اندر دھنس جائیں اور تمام اعضاء الگ الگ کر ڈالیں۔ فدائی لوگ اپنے انجام سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے ایک نعرہ لگایا اور اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ پھر سپاہیوں کے زور کے آگے ان کے منہ بند نہ رہ سکے، ان کی چیخوں کا شور گونجتا رہا اور ہلاکو خان سامنے بیٹھا بھنا ہوا گوشت

کھانے میں مشغول رہا۔ ہلاکو خان کی سلامتی کی خبر سب کو مل چکی تھی اور لشکر اس نوید مسرت کو پا کر بے ہنگم جشن منانے میں مصروف تھا۔

❁ ❁ ❁

بیبرس نادانستہ طور پر اپنے ہاتھوں مارے جانے والے سلطان الملک المظفر سیف الدین قطوز کے متعلق سوچ سوچ کر پشیمانی و خجالت کا شکار ہو رہا تھا۔ سلطان الملک المظفر 16 ذی قعدہ 658ھ کو بیبرس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ آخری مدت میں سلطان الملک المظفر نے اپنے کئی حریف پیدا کر لئے تھے۔ ایک جانب وہ مصری امرا کے حقوق پورے کرنے سے انکاری ہوا تو دوسری طرف سرکردہ اور ہر دلعزیز مملوک امرا کو مختلف حیلوں سے راہ سے ہٹاتا رہا، ممکن تھا کہ اس کے بارے میں فیصلہ بہت پہلے ہی عمل میں آ جاتا۔ تاتاریوں کی یورش نے مملوک امرا کو کسی ایسے اقدام سے باز رکھا۔ وہ موزوں وقت کی تلاش میں تھے کہ سلطان الملک المظفر کو معزول کر کے کوئی دوسرا سلطان تخت نشین کر دیا جائے۔ تاتاریوں کی عین جالوت کی شکست سے خطرہ کسی قدر ٹل چکا تھا مگر ان کے خیال کے مطابق ابھی یہ کارروائی عمل میں لانے کا درست وقت نہیں آیا تھا۔ امیر غیاث الدین قرطائی کی موت کے بعد ان میں بے چینی سی پھیل گئی تھی۔ وہ ابھی اس ضمن میں کوئی فیصلہ کرنے کی کشمکش سے دوچار تھے کہ بیبرس نے اچانک دمشق پہنچ کر سلطان الملک المظفر کا کام تمام کر دیا۔ اس باغی گروہ کا سرغنہ مصری امیر فخر الدین لقمان تھا جو کہ مصری امرا میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ اسے رات کو ہی سلطان الملک المظفر کے قتل کی خبر مل گئی۔ قتل کی رات کو ہی امیر فخر الدین لقمان نے دمشق میں موجود تمام امرا کا اجلاس طلب کیا اور تازہ صورتِ حال ان کے سامنے رکھ دی۔ امرا کے سینوں میں ایک عرصے سے سلگنے والی آگ یہ خبر پا کر سرد پڑ گئی۔ سب لوگوں نے قدرت کے اس فیصلے پر شکر ادا کیا۔ اب ان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ سلطان الملک لمظفر کے بعد کس شخص کو نیا سلطان منتخب کیا جائے؟ کیونکہ یہ نہایت نازک دور تھا۔ تاتاریوں سے ابھی مقابلے جاری تھے، انہیں کئی مقامات پر شکست فاش ضرور ہوئی تھی مگر تاتاریوں کی مرکزی قوت ایل خانی حکمران ہلاکو خان کے پرچم تلے ابھی تک برقرار اور صحیح سالم تھی۔ ہلاکو خان بلادِ شام کی جانب کسی بھی وقت کوچ کر سکتا تھا۔ سلطان الملک لمظفر کے قتل کی خبر اس تک آسانی سے پہنچ سکتی تھی جس کے نتیجے میں وہ یقیناً یہی فیصلہ کرتا کہ حالات سازگار ہیں، مسلم افواج سلطان کی عدم موجودگی میں انتشار کی شکار ہیں لہٰذا حملے کا نقارہ بجا دیا جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی سلطنت کے گرد پھیلے ہوئے اور مقبوضہ علاقوں کے تاتاریوں کے حوصلے بھی بڑھ سکتے تھے۔ یہ وہ کڑا دور تھا جب اسلامی لشکر کی صفوں میں پیدا ہونے والے معمولی سے انتشار سے بھی دشمن بھرپور فائدہ اٹھا سکتا تھا ایسی خوفناک دراڑیں پڑتیں کہ مسلمان آپس میں ہی کٹ مرتے۔ مصری اور مملوک امرا اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ ان کے وجود سے زیادہ ان کی سرزمین کی سلامتی اہمیت رکھتی ہے جو ان کے مناصب اور عزت و جاہ کا باعث ہے۔ بلادِ مصر کی سلامتی اسی میں مضمر تھی کہ تاتاریوں کو بلادِ شام سے اتنی دور دھکیل دیا جائے کہ وہ دوبارہ پلٹ کر ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔

قاہرہ سے قریباً تمام بڑے اور معزز مصری و مملوک امرا سلطان الملک المظفر کے ہمراہ دمشق آئے تھے اور وہ کسی بھی شخص کو نیا سلطان منتخب کرنے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اجتماعی فیصلے سے کوئی دوسرا اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے اختیارات کو موزوں وقت پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ بصورتِ دیگر قاہرہ میں رہتے ہوئے یہ معاملہ مجلس انتخاب کی ذمہ داری قرار پاتا۔ مجلس انتخاب میں شامل تین معزز امیر بھی امیر فخر الدین لقمان کی حمایت میں ساتھ تھے۔ انہوں نے اس امر کی یقین دہانی کرائی کہ دمشق میں جس شخص کو بھی

نیا سلطان منتخب کیا جائے گا، اس کی حمایت قاہرہ میں بھی کی جائے گی۔ جب نئے سلطان کے لئے ناموں کی باری آئی تو مصری اور مملوک امرأ میں اختلاف دکھائی دینے لگا۔ مصری امرأ کا کہنا تھا کہ حکومت کا حق مصری امرأ کو ہے ان میں سے انتخاب کیا جائے جبکہ مملوک امرأ اس ضد پر اڑ گئے کہ بلادِ مصر کی حفاظت کی راہ میں ممالیک نے خون بہایا ہے لہٰذا حکومت انہیں ہی ملنی چاہئے۔ جب بحث طوالت پکڑ گئی تو دونوں اطراف کے معتدل امرأ نے بیچ میں پڑ کر سب لوگوں کو خاموش کرایا۔

غیر جانبدار امرأ نے حالات کی نزاکت کے حوالے سے یہ رائے پیش کی کہ یہ وقت ذاتی مفادات کے تحفظ کی بحث کا نہیں ہے۔ دونوں حلقے اپنے مؤقف پر صرف اس لئے بضد ہیں کہ انہیں اپنے مناصب و مفادات کی فکر لاحق ہے۔ انہوں نے دونوں فریقین کو ذاتیات سے باہر نکل کر سوچنے کی تاکید کی اور اس کے ساتھ ساتھ تاتاریوں کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے سلسلے میں ممالیک کی کوششوں کو سراہتے ہوئے مشورہ دیا کہ عنانِ اقتدار انہی کو سونپ دی جائے۔ کچھ لوگ اس رائے پر متفق ہو گئے مگر باقی کا اختلاف اپنی جگہ برقرار رہا۔ کافی دیر تک مختلف مملوک امرأ کے ناموں پر غور و فکر کیا جاتا رہا۔ مملوک امرأ کا بڑا حلقہ امیر فارس الدین اقطائی کے نام پر متفق تھا۔ امیر فارس الدین اقطائی اس وقت قاہرہ میں موجود تھا اور سلطان الملک المظفر کی عدم موجودگی میں تمام نظامِ حکومت کو بخوبی چلا رہا تھا۔ اس مملوک امیر کو پہلے بھی سلطان کے عہدے کے لئے نامزد کیا گیا تھا مگر وہ خود ہی اس نامزدگی سے دستبردار ہو گیا۔ کچھ امرأ کا خیال تھا کہ وہ اس مرتبہ بھی حکومت کا بار اُٹھانے سے انکار کر دے گا۔ مصری امرأ فارس الدین اقطائی کے نام پر رضامند نہیں ہوئے۔ کافی دیر تک بحث و تمحیص ہوتی رہی اور اس تمام دورانئے میں امیر فخر الدین لقمان کسی ایسی شخصیت کے بارے میں سوچتا رہا، جو سب لوگوں کے لئے یکساں طور پر قابلِ قبول ہو اور اس کے حوالے سے واضح اختلاف بھی سامنے نہ آئے۔ مختلف نام اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔ پھر اچانک بجلی کے کوندے کی طرح وہ نام اس کے ذہن میں لپکا جو سب کے سامنے ہوتے ہوئے بھی شاید سب کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے اپنے تئیں ایک نتیجے پر پہنچتے ہوئے ان سب کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ سب لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''میں تمام مصاحبین کے جذبات کی قدر کرتا ہوں، چونکہ وقت ایسا ہے کہ بلادِ مصر کے ساتھ ساتھ بلادِ شام کی حفاظت کرنا ہماری ہی ذمہ داری بن چکا ہے لہٰذا میرا خیال ہے کہ ہمیں اقتدار اس شخص کے حوالے کر دینا چاہئے، جس نے اپنی اہلیت کا ثبوت ہمیں عملی طور پر پیش کیا ہے۔''

اس کی بات سن کر وہاں موجود سب لوگ چونک اُٹھے۔ کچھ لوگ فوراً سمجھ گئے کہ امیر فخر الدین لقمان کا اشارہ کس کی جانب ہے لیکن زیادہ تر کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

''تم بیبرس کو منصب شاہی پر بٹھانا چاہتے ہو......'' بالآخر اس خاموشی کو ایک معمر امیر کی بھاری بھرکم آواز نے توڑا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ گذشتہ ایام میں امرأ کا کثیر حلقہ اس کا مخالف رہا ہے، کیا وہ عنانِ سلطنت سنبھالتے ہی الملک المظفر جیسی روش نہیں اپنائے گا؟''

امیر کی بات سن کر تمام حاضرین میں سرگوشیاں گھوم گئیں...... جو امیر فخر الدین لقمان کی بات سمجھ گئے تھے ان میں استفہامی اور جو نہیں سمجھ پائے تھے، ان میں تحیر بھری۔

''بیبرس کا کردار ہمارے سامنے ہے، تمام عساکر اس کی مٹھی میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو زبردستی بھی

سلطنت پر قبضہ کر سکتا ہے۔ تمام عسکری امیر اس کے ہم نوالہ ہیں لیکن اس نے آج تک ایسا کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کی''۔ امیر فخر الدین لقمان بولا۔

کچھ دیر تک بیبرس کے حوالے سے بحث کا سلسلہ جاری رہا لیکن ساری گفتگو کا پلڑا واضح طور پر بیبرس کے حق میں جھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مملوک امرأ کے علاوہ مصری امرأ بھی بیبرس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا نئے سلطان کے طور پر اسے منتخب کر لئے جانے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ زیادہ تر امراء نے بخوشی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا البتہ ان عمائدین سلطنت کو اپنے مناصب خطرے میں دکھائی دینے لگے جنہوں نے ماضی میں بیبرس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

رات کے آخری پہر میں مجلس برخاست کی گئی۔ کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان ہونے والی تھی۔ یہ طے پا چکا تھا کہ دن کے پہلے حصے میں سلطان الملک المظفر کی تجہیز و تکفین کی جائے گی اور شام ہونے سے پہلے باضابطہ طور پر بیبرس کی تخت نشینی کی رسم ادا کر دی جائے گی۔ امیر فخر الدین لقمان، بیبرس کے نام پر اتفاق رائے حاصل کرنے کے بعد کچھ دیر تک لیٹا رہا۔ پھر اذان کی آواز بلند ہونے پر جامع مسجد کی جانب بڑھ گیا، جہاں اسے بیبرس سے ملاقات کی قوی توقع تھی۔ وہ تخت نشینی کی تقریب کا انعقاد ہونے سے پہلے بیبرس سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا۔

❁ ❁ ❁

گل دتوژ بے خیالی کے عالم میں کنیز کے ساتھ کھنچتی ہوئی قلعے کے مخصوص شاہی مہمان خانے میں پہنچ گئی۔ یہ ایک بڑا اور ہر قسم کی آسائش سے آراستہ کمرہ تھا، جس میں ضرورت کی قریباً ہر چیز نہایت قرینے سے لگائی گئی تھی۔ کنیز نے گل دتوژ کو جہاں لا کر چھوڑا تھا، وہ وہیں ساکت و جامد کھڑی رہی، کنیز نے اس کے کھوئے کھوئے پن پر کسی قدر حیرت اور کسی قدر ناگواری سے ناک چڑھائی۔ گل دتوژ کا ذہن ابھی تک اسی ادھیڑ بن کا شکار تھا کہ سیڑھیوں میں دکھائی دینے والا فرد اگر واقعی اس کا ماموں زاد شنگ خان ہی تھا تو کیا گل دتوژ ابھی تک منگولوں کے ہی کسی علاقے میں مقید ہے......؟ شیخ کبیر الدین نے تو اس سے کہا تھا کہ وہ منگولوں کی سرزمین سے ہزاروں میل دور قہستان کی وادی میں پہنچ چکی ہے، جہاں صرف اسی کا سکہ چلتا ہے۔ اگر شیخ کبیر الدین کا کہنا درست تھا تو شنگ خان کی یہاں موجودگی کو کیا نام دیا جاتا، شنگ خان کا شیخ کبیر الدین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ وہ کس مجبوری کے تحت اپنے وطن سے اتنی دور یہاں چلا آیا تھا......؟ کیا وہ بھی پس پردہ شیخ کبیر الدین سے ملا ہوا ہے......؟ کئی سوال سر اُٹھا رہے تھے اور گل دتوژ کے پاس ان میں سے کسی کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔

اچانک اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سے یہ خیال ابھرا کہ اُسے تو غار میں بند کر دیا گیا تھا اور پھر گھٹن کے باعث وہ بے ہوش ہو گئی۔ غار میں بند کرنے کا حکم یقیناً اس کے نانا منگ آنہ نے ہی دیا ہوگا تو کیا شنگ خان نے ہی اسے غار سے نجات دلائی تھی اور وہاں سے نکال کر شیخ کبیر الدین کے پاس چھوڑ گیا تھا......؟ یقیناً ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا...... اس نے اپنے تئیں نتیجہ اخذ کر لیا۔ کنیز کافی دیر کے بعد جب گل دتوژ کی جانب متوجہ ہوئی تو اسے اسی حالت میں کھڑے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی اور اسے جھنجوڑ ڈالا۔

''گل دتوژ! کیا ہوا؟ یوں کیوں کھڑی ہو؟''

''ہونہہ!'' گل دتوژ چونک پڑی اور حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ پھر اسے یاد آیا کہ یہ کبیر الدین

کی خاص کنیز ہے جسے نگران کے طور پر اس کے ہمراہ رکھا گیا ہے۔ گل وتوژ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے تسلی دی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کنیز کے ماتھے پر جھنجھلاہٹ کی ہلکی سی شکنیں نمودار ہوئیں پھر وہ کندھے اچکا کر کمرے کے ایک حصے کی جانب بڑھ گئی۔

اسی روز چار دوسری لڑکیاں بھی اسی کمرے میں لائی گئیں۔ ان کی شکلیں دیکھتے ہی گل وتوژ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بھی اس کی طرح مصیبت زدہ ہوں گی۔ ان سب لڑکیوں کی عمریں بیس سال سے کم ہی معلوم ہوتی تھی۔ ایک خاص بات جو گل وتوژ نے محسوس کی کہ ہر لڑکی کے ساتھ ایک ایک کنیز موجود تھی، کچھ دیر کے بعد ایک غلام وہاں آیا اور اس نے بتایا کہ اس کمرے میں گل وتوژ سمیت دس عورتیں قیام کریں گی لیکن یہ قیام عارضی ہوگا۔ روزانہ انہیں قلعے کی مغربی دیوار کے احاطے میں لے جایا جائے گا اور وہاں ایک ماہر خنجر زن انہیں تربیت دے گا۔ غلام نے یہ بھی واضح کیا کہ شیخ کبیرالدین کا حکم ہے کہ تربیت کے لئے صرف ایک ماہ کا عرصہ دیا جائے گا، جو خواتین اس ایک ماہ کی تربیت کے بعد اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دیں گی انہیں مہارت حاصل کر لینے تک اسی کمرے میں ٹھہرایا جائے گا اور جن کی کارکردگی ناقص رہی، انہیں کسی رعایت کا مستحق نہ سمجھتے ہوئے قلعے کی فصیل سے نیچے پھینک دیا جائے گا۔ شیخ کبیرالدین کا کہنا ہے کہ انہیں اپنی مہم کی کامیابی کے لئے صرف تعاون کرنے والی اور ماہر خواتین کی ضرورت ہے۔

گل وتوژ نے غلام سے دریافت کیا کہ کیا یہ کنیزیں بھی ہمارے ساتھ تربیت حاصل کریں گی تو غلام نے وضاحت کی کہ کنیزیں صرف خدمت کے لئے فراہم کی گئی ہیں، تمام خواتین کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ بے دھڑک کنیزوں سے طلب کر سکتی ہیں۔ کنیزیں خاص وفادار ہیں، ان سے کسی ایسے تعاون کی توقع نہ رکھی جائے جو یہاں کے اصولوں کے منافی ہو، اگر کسی خاتون نے اس قسم کی حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ جان لے کہ سزا کے طور پر وہ جسم کے کسی حصے سے محروم کی جا سکتی ہے جس میں انگلیوں سے لے کر سر تک سب اعضاء شامل ہیں۔ غلام نے سزا کا نقشہ کچھ ایسے بھیانک انداز میں کھینچا کہ وہاں موجود سب خواتین کو اپنی سانسیں رُکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ غلام کے جانے کے بعد کنیزوں نے کمرے میں ضرورت کے تحت انتظامات کئے اور پانچ بستر لگائے گئے۔ کنیزوں کو کمرے میں ان سب کے ساتھ سونے کی اجازت نہیں تھی۔

گل وتوژ نے تمام خواتین سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس قدر سہمی ہوئی تھیں کہ اس سے بات کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔ گل وتوژ نے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش بھی کی مگر اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ کمرے میں پانچ خواتین موجود تھیں مگر پھر بھی گہرا سکوت طاری تھا۔

دوسرے دن پہلی بار انہیں مخصوص احاطے میں لے جایا گیا اور خنجر زنی کی تربیت کا آغاز کیا گیا۔ خنجر زنی کی تربیت دینے والے نے مخصوص سیاہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور ایک بڑے کپڑے سے چہرے کو اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ گل وتوژ نے جب پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تو ان میں عجیب سی شناسائی محسوس ہوئی۔ خنجر زن استاد جب ان سے گفتگو کرتا تو اس کے لہجے سے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا جیسے وہ کوئی منگول ہو۔ گل وتوژ نے اس چیز کو شدت سے محسوس کیا۔ خنجر زن استاد نے انہیں اپنا تعارف شنجی کے نام سے کرایا تھا۔ وہ جب عربی زبان میں گفتگو کرتا تو اس کا لہجہ اتنا پختہ معلوم ہوتا کہ گل وتوژ شبہات کا شکار ہو جاتی کہ یہ منگول نہیں ہو سکتا مگر وہ تاتاری زبان میں بات کرتا تو وہ لہجہ بھی بالکل مقامی معلوم ہوتا۔ پہلے دن ان سب افراد میں تعارف کا تبادلہ ہوا تھا۔ جس کی بدولت گل وتوژ کو اپنی ساتھی چاروں خواتین کے نام معلوم ہوئے۔ ایک لڑکی سمرقند سے لائی گئی تھی، اس کا نام زہرہ تھا، دوسری لڑکی کا نام

جفاء تھا، وہ خراساں سے تعلق رکھتی تھی۔ تیسری لڑکی نافعہ تھی جس کا تعلق کاکیشیا سے تھا جبکہ چوتھی لڑکی کا نام ایبز بلا تھا جو غالباً نصرانی تھی اور اس کا تعلق آرمینیہ سے تھا۔ یہ ایک نصرانی قافلے کو لوٹنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ شکل وصورت کے لحاظ سے وہ تمام لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ گل وتوژ میں ان سب لڑکیوں کی نسبت زیادہ اعتماد دکھائی دیتا تھا۔ شنجی نے پہلے دن سے ہی گل وتوژ پر اپنی توجہ زیادہ رکھی۔ شنجی کے سکھانے کا انداز کچھ ایسا تھا دس دن میں ہی وہ لڑکیاں بجلیاں معلوم ہونے لگیں۔ صبح سے شام تک کی متواتر تربیت نے فن خنجر زنی میں ایسا نکھار پیدا کیا کہ دیکھنے والا یہ گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں تربیت حاصل کرتے ہوئے صرف دس دن ہوئے ہیں۔

گل وتوژ نے دل لگا کر یہ تربیت حاصل کی کیونکہ وہ ذہنی طور پر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا، جونہی اسے موقع ملا وہ فرار ہونے کی کوشش ضرور کرے گی۔ فرار ہونے سے پہلے وہ اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرنا چاہتی تھی۔ خنجر زنی کے فن سے اسے بچپن سے ہی آگاہی تھی مگر اس فن کو مہارت کی بلندیوں تک پہنچانے کا خیال کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ قدرت نے خود ہی اسے ایک ایسا نادر موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ وہ اس قابل ہوگئی کہ بآسانی اپنی حفاظت کر سکے۔

ایک ماہ کب گذر گیا انہیں احساس ہی نہیں ہوا۔ روزانہ کا معمول اتنا دلچسپ تھا کہ وقت گذرنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔ ایک ماہ کی تربیت کے بعد شیخ کبیرالدین خود وہاں آیا اور اس نے ان کی مہارت کو جانچا۔ تربیت کے دوران انہیں مکمل وار کرنے کی اجازت نہیں تھی اس لئے کسی پر وار کرنے کے طریقہ کار سے تو وہ لڑکیاں واقف تھیں مگر خنجر کسی کے جسم میں اتارنے کا عملی مرحلہ ابھی باقی تھا۔ شیخ کبیرالدین نے ان کی آزمائش کے لئے پانچ قوی ہیکل غلاموں کا انتخاب کیا اور دو بدو مقابلے کا اہتمام کیا۔ شیخ کبیرالدین نے مقابلے کے آغاز سے قبل فریقین پر واضح کر دیا کہ یہ مقابلہ کوئی بناوٹی نہیں ہوگا بلکہ اس میں مکمل طور پر مہارت کا استعمال کرتے ہوئے حریف کو ہلاک کرنا ہی جیت تصور کی جائے گی اگر غلاموں کا داؤ چل گیا تو وہ لڑکیوں کو موت کی نیند سلا دیں گے اور اگر لڑکیاں زندہ رہنے کی خواہش مند ہیں تو انہیں اپنی جان بچانے کے لئے ان غلاموں کو اپنی راہ سے ہٹانا ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ مقابلہ فرداً فرداً نہیں تھا بلکہ سب لوگ ایک ہی آواز کے بعد میدان میں اتر کر اپنے حلیفوں کی معاونت کرتے ہوئے دوسرے فریق کو ہلاک کر سکتے ہیں۔

شنجی بھی وہاں موجود تھا، اس نے اس آزمائش کو لڑکیوں کی استطاعت سے زیادہ قرار دیا تھا مگر شیخ کبیرالدین نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی اور مقابلے کے آغاز کا اعلان کر دیا۔ پانچوں قوی ہیکل غلام باچھیں کھلائے لڑکیوں کی جانب بڑھے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ان نرم ونازک لڑکیوں کو زیر کر لینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ پانچوں لڑکیاں اپنے خنجروں کو مضبوطی سے تھامے پینترے بدلنے لگیں۔ اچانک ان پانچوں غلاموں نے اپنے لباس میں سے لمبے پھل والے خنجر نکال لئے اور انہیں ہاتھوں پر اچھالتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ شنجی یہ دیکھ کر بے چین سا ہو گیا اس نے ایک بار پھر شیخ کبیرالدین کے سامنے احتجاج کرنا چاہا۔

''شنجی! تم نہیں جانتے کہ میں نے ان لڑکیوں کو حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت کی ہے، اگر یہ میرے معیار پر پورا اترنے کے قابل نہیں ہیں تو انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مقابلہ شروع ہو چکا ہے لہٰذا خاموش بیٹھے رہو'' ۔ شیخ کبیرالدین سفاک لہجے میں بولا۔

شنجی اس کی بات پر پہلو بدل کر رہ گیا، اس نے ایک ماہ کی کڑی محنت سے انہیں اس قابل بنایا تھا کہ خنجر سے کھیل سکتیں مگر اب سوچ رہا تھا کہ بہتر ہوتا، انہیں عملی مشق بھی کروا دیتا بے شک یہ مشق ان پانچوں

کنیزوں پر ہی کی جاتی۔

مقابلہ شروع ہوا تو دونوں جانب سے خنجروں کے ایسے گھماؤ پھراؤ دکھائی دیئے کہ دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ ابھی کوئی نہ کوئی زد میں آیا۔ لڑکیاں مدافعتی انداز میں لڑ رہی تھیں جبکہ غلاموں کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔ غلاموں کی پوری کوشش کے باوجود کوئی لڑکی ان کے نشانے پر نہ آسکی۔ وہ فطری لچک کا فائدہ اُٹھا کر وار خالی کر دیتیں اچانک ایک غلام کا داؤ چل گیا اور اس کا خنجر نافعہ نامی لڑکی کے بازو پر گہری خراش ڈالتا ہوا گذر گیا۔ درد کی شدید لہر نے نافعہ کی طراری کی لگامیں کھینچ دیں۔ اس کی کراہ نے سب لڑکیوں کو چونکا دیا۔ اس کی حالت دیکھ کر انہیں اپنی حالت بدلتی ہوئی محسوس ہوئی، کچھ دیر پہلے تک وہ مدافعتی انداز اختیار کیئے ہوئے تھیں، مگر غم و غصے کی لہر نے انہیں جارحیت پر اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا غلام نافعہ کی سستی کا فائدہ اُٹھا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ زہرہ نے خنجر کا ایسا داؤ لگایا کہ پورے کا پورا پھل غلام کے پیٹ میں اُتر گیا۔ زہرہ نے خنجر کو پیٹ میں اتارتے ہی مخصوص انداز میں گھماتے ہوئے جھٹکا دیا تو قوی ہیکل غلام بری طرح سے ڈکرانے لگا۔ غلام کی چیخ و پکار سے ایک لمحے کے لئے زہرہ کا ہاتھ کانپا پھر اپنا انجام سوچ کر خنجر کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اس نے جھٹکا دے کر خنجر غلام کے پیٹ سے نکالا اور اس کے حلقوم پر پھیر دیا۔ زہرہ کے عمل نے ان سب کی جھجک کو مٹا ڈالا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے طویل ہوتی یہ جنگ لمحوں میں سمٹ گئی۔ پانچوں غلام خون میں لت پت زمین پر پڑے تھے اور سب لڑکیوں کے خنجروں سے خون ٹپک رہا تھا۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیرالدین نے خوش ہو کر کہا۔ ''لیکن پانچ آدمیوں کو مارنے میں اتنی دیر، یہ کوئی مہارت کا ثبوت نہیں۔ مقابلہ از سرِ نو شروع کیا جائے اور اب پانچ کے بجائے دس غلاموں کا کھیل ہوگا''۔

''لڑکیاں تو پانچ ہیں اور غلاموں کی تعداد دوگنا......؟'' شنجی نے مداخلت کی۔

''شنجی! پانچ غلاموں کو ہلاک کرنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے، لڑکیوں نے اس سے کئی گنا زیادہ وقت خرچ کیا ہے۔ جب تک یہ مقررہ وقت کے اندر غلاموں کو ہلاک نہیں کر لیتیں، یہ مقابلہ جاری رہے گا اور سزا کے طور پر ہر بار پانچ غلام بڑھا دیئے جائیں''۔ شیخ کبیرالدین شاید اس کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کی بات سن کر شنجی کو یقین ہو گیا کہ لڑکیوں کی زندگی بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ لڑکیوں میں ایک گھائل ہو چکی ہے اور باقی تکان کا شکار دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ خونی کھیل ان کی زندگی کی لو بجھا کر ہی دم لے گا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین غور سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ تھوڑے توقف کے بعد شیخ ابوالفضل بولا۔

''مجھے تمہارے جواب پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ میں پہلے سے جانتا ہوں کہ یہ سب باتیں تمہیں کل شام شیخ عزیز الدین سے معلوم ہوئی ہیں۔ البتہ اپنی ذات میں تمہاری دلچسپی کی وجہ میں سمجھ نہیں پایا۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ ہمیں اب کام کی بات پر آ جانا چاہئے''۔

مطیع الدین اس دوران بستر سے اُٹھ چکا تھا۔ وہ دیئے کی جانب بڑھا اور اسے جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دیئے کی مدھم سی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ بھی شرافت کے دائرے میں آ جاؤ اور ان سیاہ ڈھاٹوں کو چہروں سے ہٹا دو...... جانے کیوں مجھے ان سے گھن سی آتی ہے''۔

''مطیع الدین!'' حارث غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنی حد میں رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے قابو زبان

گدی سے باہر لٹکنے لگے''۔

''شیخ ابوالفضل! تمہارا یہ ساتھی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بے چین دکھائی دیتا ہے، اگر تمہیں برا نہ محسوس ہو تو میں اس سے دو دو ہاتھ کر ہی لوں''۔ مطیع الدین ناگواری سے بولا۔

''میں جب بات کر رہا ہوں تو پھر تمہیں بار بار مداخلت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ اب تم دونوں میں سے کوئی نہیں بولے گا''۔ شیخ ابوالفضل نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا۔ ''اب تم کھل کر بتاؤ کہ تم سرائے سے یہاں کیا لینے آئے ہو اور تمہیں ہمارے بارے میں کیسے علم ہوا کہ ہم فدائین ہیں؟''

''میرا مطالبہ ابھی پورا نہیں ہوا''۔ مطیع الدین نے لاپرواہی سے کہا۔

''ہمارے چہرے دیکھ کر تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا''۔ شیخ نے جواب دیا۔

''ایسی صورت میں میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ چاہو تو تم میرے ہاتھ باندھ کر ساتھ لے جا سکتے ہو''۔ مطیع الدین کے لہجے سے بے خوفی جھلک رہی تھی۔

اس کی بات سن کر شیخ ابوالفضل سوچ میں پڑ گیا۔ ''ٹھیک ہے صرف میں ہی اپنا چہرہ بے نقاب کروں گا، میرے ساتھیوں پر تم زور نہیں دو گے''۔

''کیا تم یہ بات مان لو گے کہ تمہارے ساتھی کمرے سے باہر چلے جائیں اور ہم دونوں آپس میں بات چیت کر لیں؟'' مطیع الدین نے استہزائیہ لہجے میں کہا تو وہ دونوں نقاب پوش غصے کے عالم میں مٹھیاں بھینچنے لگے۔

''ایک بات میں تمہاری مان رہا ہوں تو تم بھی ایک بات ہماری مانو''۔

''تم کہتے ہو تو میں ان کے بارے میں خاموشی اختیار کر لیتا ہوں''۔ مطیع الدین نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس کی بات سرے سے ہی ماننے سے انکار کر دیں تو وہ کیا کر سکتا تھا؟ شیخ ابوالفضل نے اپنے چہرے سے سیاہ کپڑا ہٹا کر سر کے اوپر کر دیا۔ وہ ادھیڑ عمر شخص تھا جس کا سرخ و سپید رنگ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ آسودہ زندگی گذار رہا ہے۔ مطیع الدین نے اس کے چہرے کے خد و خال پر نگاہ دوڑائی اور اپنے مشاہدے کی روشنی میں اس کی شخصیت کا تجزیہ کرنے لگا۔

''تمہاری شرط پوری کی جا چکی ہے''۔ شیخ ابوالفضل بولا۔

''پہلے سوال کا تو میں جواب دوں گا مگر تمہارا دوسرا سوال مجھے کچھ ہضم نہیں ہوا۔ ابھی چند لمحے پہلے تو تم یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارے بارے میں مجھے شیخ عزیز الدین سے تمام معلومات حاصل ہوئی ہیں پھر دوبارہ اس سوال کا کیا مقصد؟'' مطیع الدین بولا۔

''تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' شیخ ابوالفضل کو مطیع الدین کا انداز نہیں بھایا۔

''میں یہاں ایک ذاتی کام سے آیا ہوں جس کا تعلق فدائین کے گروہ سے ہے''۔

''کیا مطلب......؟ میں کچھ سمجھا نہیں''۔ شیخ ابوالفضل کے چہرے پر حیرت عود کر آئی۔

''مطلب جلد ہی تمہاری سمجھ میں آ جائے گا، جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے''۔

''کیا واقعی گھوڑے کے عمامے کی حقیقت تم پر افشا ہو چکی ہے؟'' شیخ ابوالفضل نے اچانک سوال کیا۔

''گھوڑے کے عمامے کی حقیقت......؟'' مطیع الدین اس غیر متوقع بات پر ششدر رہ گیا۔ اس کے ذہن کے کسی کونے کھدرے میں اس وقت گھوڑے کے عمامے والا قصہ نہیں تھا۔ گھوڑے کے عمامے کا ذکر ہونے پر اس کا ذہن جیسے کھل گیا، اسے بیتے ہوئے واقعات کو سمجھنے کی کنجی ہاتھ لگ گئی پھر اسے سب کچھ سمجھ

آ گیا کہ سرائے میں نقاب پوش کی ملاقات، سمرقند میں متواتر پراسرار حالات کے عقب میں گھوڑے کا عمامہ ہی کارفرما تھا۔

''اوہ......! میں اب سمجھا کہ تم لوگ مجھ سے متواتر کیا چیز طلب کر رہے تھے؟'' مطیع الدین بے اختیاری کے عالم میں بولا۔

''کک...... کک...... کیا مطلب؟'' شیخ ابوالفضل اس کی بات پر گڑبڑا سا گیا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین گہری سانس لے کر بولا۔ ''اب تمام معاملہ میری سمجھ میں آ چکا ہے کہ تم لوگ اتنے دن سے مجھے کیوں پریشان کر رہے تھے؟ شاید تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے کہ میرے یہاں آنے میں گھوڑے کے عمامے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ تو اتفاق تھا کہ اس کی پوشیدہ تحریر میری نگاہوں میں آ گئی۔ پہلے پہل میں سوچتا رہا کہ ایسا کون ہے جو مجھے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہے مگر کچھ دن تک کوئی بات سامنے نہیں آئی تو میں نے اس بارے میں غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب تمہارے منہ سے یہ بات سن کر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم لوگ واقعی مجھے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے ہو''۔

''جو تم سمجھ رہے ہو ویسی بات بالکل نہیں۔ وہ عمامہ اتفاق سے تمہارے ہاتھ لگ گیا''۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسے کسی اور کے لئے گرایا گیا تھا......؟''

''تم عمامے کے بارے کافی کچھ جانتے ہو'' شیخ ابوالفضل کا لہجہ بدلنے لگا۔

''اس قصے کو چھوڑو، میں اس چکر میں یہاں نہیں آیا بلکہ یہاں آنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے''۔ مطیع الدین نے بات کا رخ بدل دیا۔

''مدد...... کیسی مدد......؟'' شیخ ابوالفضل گفتگو میں اچانک آنے والی تبدیلی پر دنگ رہ گیا۔

''یہ حقیقت ہے کہ مجھے کسی بھی طرح تم لوگوں تک رسائی حاصل کرنا تھی اور اسی لئے میں نے کل رات شیخ عزیز الدین کے منہ سے تمہارے بارے میں سن کر ملاقات کے لئے تمہیں پیغام بھیجا تھا''۔

''کیا تم واقعی گھوڑے کے عمامے کی حقیقت معلوم ہونے پر یہاں نہیں آئے؟'' شیخ ابوالفضل کا ذہن ابھی تک اپنے سوال پر اڑا ہوا تھا۔

''میں صاف زبان میں الفاظ ادا کر رہا ہوں، عام فرد کو بھی انہیں سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی''۔ مطیع الدین کے لہجے سے درشتی جھلکنے لگی۔

''مجھے پورا یقین ہے کہ تم عمامے کی حقیقت جاننے کے بعد یہاں پہنچے ہو، تمہاری شخصیت پہلے دن سے ہی مشکوک رہی ہے تم وہ نہیں ہو جو دکھائی دیتے ہو، سیدھی طرح بتا دو تم یہاں کس نیت سے آئے ہو؟'' حارث خاموش نہ رہ سکا۔ اس کے ہاتھ میں موجود چمکتے ہوئے خنجر کا رخ مطیع الدین کی جانب تھا۔ حارث کی حرکت پر شیخ ابوالفضل خاموش بیٹھا رہا۔

❀❀❀

بیبرس حسب عادت علی الصبح اپنی قیام گاہ سے نکلا اور جامع مسجد کی جانب بڑھ گیا۔ تمام رات اس نے آنکھوں میں گذاری تھی۔ اس کے ہاتھوں ایک ایسے شخص کا قتل ہو چکا تھا جسے وہ صرف ذاتی عناد کے تحت قتل کرنا اسے منظور نہیں تھا۔ یہ وہ بدترین امر تھا جو ناگہانی طور پر اسی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اسی لئے ضمیر کے مسلسل کچوکوں نے اس کی روح تک کو بری طرح پامال کر ڈالا۔ وہ جب مسجد میں پہنچا تو اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند سرخ ہو رہی تھیں۔ بیبرس نے وضو کیا اور پھر بارگاہ الٰہی میں کھڑا ہو گیا۔ وہ خالق کا مجرم تھا مگر

اس سے رحم و مہربانی کی استدعا کر رہا تھا۔ نماز کے اختتام کے بعد بھی وہ کافی دیر تک اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر معافیاں مانگتا رہا۔ امیر فخرالدین لقمان نماز سے فارغ ہونے کے بعد کافی دیر تک اس کی جانب متوجہ رہا کہ وہ کب اٹھے تو وہ اس سے بات کرے۔ جب اس نے دیکھا کہ دعا کا سلسلہ طویل ہو چکا ہے تو وہ خود ہی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پہلو میں آ بیٹھا۔ بیبرس اس وقت ذہنی و قلبی کشمکش کا شکار تھا، اس لئے اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ کوئی اس کے پہلو میں موجود ہے۔ امیر فخرالدین لقمان نے کچھ دیر اس کی متغیر حالت پر غور کیا تو وہ بخوبی سمجھ گیا کہ بیبرس کس کیفیت سے نبرد آزما ہے۔ اس نے بیبرس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے دبایا۔ بیبرس کو اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس نے اپنی دعا ختم کر دی۔ پہلو کی جانب توجہ کی تو اسے امیر فخرالدین لقمان کا چہرہ دکھائی دیا جو حیرت و پریشانی سے بیبرس کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھ رہا تھا۔

''احساس گناہ میں مبتلا ہو گیا؟'' امیر فخرالدین لقمان نے سوال کیا۔

''اللہ کی مخلوق کو ناحق ہلاک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، میں سلطان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میری ہی تلوار نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔ میں یہ سوچ کر کانپ رہا ہوں کہ روز حشر اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟'' بیبرس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''کیا آنسو بہانے سے دامن کے گناہ دھل جایا کرتے ہیں؟'' امیر فخرالدین لقمان نے پوچھا تو بیبرس چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں اپنے گناہ کو سب کے سامنے قبول کروں گا اور شرعی سزا کے لئے تیار ہوں''۔

''نادانی کی باتیں مت کرو بیبرس!'' امیر فخرالدین لقمان ناگواری سے بولا۔ ''تم نے عین حالت میں کتنے لوگوں کو تہ تیغ کیا، کتنے مسلمانوں کو صرف اس لئے سزا دی کہ انہوں نے ملت کے ساتھ غداری کرتے ہوئے تاتاریوں کا ساتھ دیا تھا۔ کیا وہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں تھے؟ میں جانتا ہوں کہ تم کیا جواب دو گے...... اپنے اسی جواب کے آئینے میں سلطان الملک المظفر کی شخصیت کو دیکھنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ ملت کے ساتھ غداری کا مرتکب نہیں ہوا تھا؟ جس شخص نے دن رات ایک کر کے ملت کے طاقتور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے، اس پر صرف اس لئے قاتلانہ حملہ کرایا گیا کہ وہ مسلمانوں کا ہردلعزیز بن چکا تھا۔ یہ اور کچھ نہیں تھا اس کا ذاتی مفاد اور دلی حسد تھا جو اسے ایسے امر کی جانب کھینچ لے گیا جو نہ صرف قانونی طور پر بلکہ شرعی طور پر جرم عظیم تھا۔ کیا ہمارا مذہب ملت کو ایسے قابل اور ہونہار سالار سے محروم کر دینے کی اجازت دیتا ہے؟''

''مجھے تمہاری بات سے کوئی اختلاف نہیں مگر میں اس طرح نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر کے انصاف کی درخواست کرنے کا خواہشمند تھا، شعائر اسلامیہ کے مطابق جو بھی فیصلہ کیا جاتا، میں اس پر مطمئن ہو جاتا''۔ بیبرس نے توجیہہ پیش کی۔

''بیبرس!'' امیر فخرالدین گہرا سانس لیتا ہوا بولا۔ ''یہ خلفائے راشدین والا دور نہیں ہے کہ انہیں قاضی وقت کٹہرے میں لا کھڑا کرتا اور حق و انصاف سے کام لیتے ہوئے جو فیصلہ صادر کرتا، وہ تسلیم کر لیا جاتا۔ سلطان الملک المظفر اگر مملوک امرا کو قتل کر دیتا ہے تو کیا وہ قاضی کی عدالت پر اپنے اثر و رسوخ کا استعمال نہ کرتا؟ بہرحال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ سلطان الملک المظفر اتفاقی حادثے کا شکار ہو کر جاں بحق ہوا ہے''۔

''وہ اتفاقی حادثہ ہی سہی مگر میری تلوار تو اس میں ملوث ہے......'' بیبرس نے کہا۔

''اگر بھڑکے ہوئے امرا تمہیں دھکا دے کر سلطان پر حملہ آور ہو جاتے تو پھر......؟''

صبرس اس کی بات سن کر خاموش رہا۔ کچھ دیر تک امیر فخر الدین لقمان نے اسے سمجھایا پھر وہ اپنے مقصد کی بات پر آ گیا۔

''صبرس! یہاں تم سے ملاقات کرنے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ میں تمہیں اس امر سے آگاہ کردوں کہ گذشتہ رات میں مجلس عمائدین و امراء نے طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ نئے سلطان کا انتخاب آج ہی عمل میں لایا جائے کیونکہ سلطان کی عدم موجودگی میں اقتدار حاصل کرنے کی کھینچا تانی کے باعث حالات میں کشیدگی بڑھنے کا قوی احتمال ہے اور دشمنوں کو وار کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ بجائے اس کے وقت ضائع کرتے ہوئے کسی دشمن کو وار کرنے کا موقع فراہم کیا جائے یہ طے پایا ہے کہ معرکہ عین جالوت کے فاتح کو بلادِ مصر کا متفقہ سلطان بنا دیا جائے''۔

''کک..... کک..... کیا مطلب؟ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟'' صبرس اس کے منہ سے غیر متوقع بات سن کر قریباً اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر پہلی چند ساعتوں کا پھیلا ہوا کرب مٹ گیا اور وہ فرطِ استعجاب کی تصویر بن کر رہ گیا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین حارث کی مداخلت پر کھول اُٹھا۔ اس نے ایک جست لگائی اور اسے جالیا۔ ایک ساعت میں حارث زمین پر تھا اور مطیع الدین اس کے سینے پر چڑھا بیٹھا گھونسوں سے اس کی خاطر تواضع کر رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک حارث کے ہاتھوں میں دکھائی دینے والا خنجر بھی اب مطیع الدین کے قبضے میں تھا۔

''مطیع الدین!'' شیخ ابوالفضل تیوری چڑھا کر بولا۔ ''اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا بلکہ تم سے اپنے سوالوں کے جواب چاہتا ہوں''۔

مطیع الدین حارث کو اس کی بدتمیزی کی سزا دے چکا تھا۔ ہاتھا پائی کے دوران اس کا ڈھاٹا اُتر چکا تھا۔ مطیع الدین کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی کہ وہ وہی نوجوان تھا جو اسے بازار میں ملا تھا۔ حارث کا بالائی ہونٹ پھٹ چکا تھا۔ مطیع الدین اس کے سینے سے اُٹھ کر اپنی جگہ واپس آ بیٹھا۔

''شیخ ابوالفضل تمہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں گروہ فدائین کے کسی سرکردہ فرد سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہوں۔ اگر تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ایک آدھ دن میں قہستان کے لئے روانہ ہو جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مزید وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی بات سن کر شیخ ابوالفضل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور دوسرے ساتھی بھی حیرت کے شکار دکھائی دینے لگے۔ شیخ ابوالفضل اس کی عجیب فرمائش سن کر کافی دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر پریشانی کے عالم میں بولا۔

''مطیع الدین! میں سمجھ نہیں پایا کہ تم کیا چیز ہو اور کس مہم کی تکمیل چاہتے ہو؟ مگر تمہاری ہر بات نرالی ہے، کبھی تم یہ کہتے ہو کہ گھوڑے کے عمامے کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتے اور وہ تمہارے پاس نہیں ہے، کبھی تم یہ کہتے ہو کہ تم فدائیوں کی تلاش میں یہاں آئے ہو اور ان کی سرکردہ شخصیت سے ملنا چاہتے ہو، کبھی کچھ کبھی کچھ..... ان تضادات کو دیکھ کر تمہاری بات پر کیسے یقین کیا جائے؟''

''شیخ! یہ بہت عیار آدمی ہے، ہمیں متواتر چکمے دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجھے تو یہ دشمنوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے، آپ بے کار باتوں میں وقت ضائع نہ کریں بلکہ اسے قتل کرنے کا حکم دیں''۔ حارث پھٹے ہوئے ہونٹ کو دباتا ہوا تیزی سے بولا۔

''جب میں بات کر رہا ہوں تو تم کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو؟'' شیخ ابوالفضل نے حارث کی جانب تیز نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین نے حارث کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ ''تمہارے ساتھی یا ممکن ہے کہ تم خود بھی میرے پاس کئی بار آئے اور تم لوگوں نے ہر بار نامعلوم چیز کا تقاضا کیا، جب تک مجھے اس چیز کا نام معلوم نہ ہوتا تو میں کیسے جان پاتا کہ تم لوگوں کا مطالبہ کیا ہے؟ اگر تم مجھ سے صاف الفاظ میں گھوڑے کے عمامے کا مطالبہ کرتے تو شاید اتنی گھمبیر صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ غلطی سراسر تم لوگوں کی اپنی ہے کہ تم لوگوں نے پہلے خود میری ذات کو نشانہ بنایا اور اب حالات کے پیچیدہ ہونے پر میری بات کی صداقت تمہیں ہضم نہیں ہو پا رہی''۔

''ممکن ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو، لیکن تم ہمارے رئیس سے کیوں ملاقات کرنا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس ایک اہم شخصیت کا پیغام ہے تمہارے رئیس کے لئے..... جو میں صرف اسے ہی دینا پسند کروں گا۔ تم لوگ مجھ سے اس ضمن میں مزید سوال نہ ہی کرو تو زیادہ بہتر ہوگا''۔

''پیغام..... مگر کس کا.....؟'' شیخ ابوالفضل حیرانگی سے اسے تکنے لگا۔

''معذرت کے ساتھ..... میں اس بارے میں سرکردہ منصب کے مالک کو ہی بتاؤں گا، مجھے یہ تمام معاملہ پوشیدہ رکھنے کا حکم ملا ہے''۔ مطیع الدین نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''تمہارے تمام سامان کی مکمل تلاشی لی جا چکی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جسے کسی پیغام کا نام دیا جا سکے.....'' شیخ ابوالفضل شک بھرے لہجے میں بولا۔

''میں اپنی خاص چیزوں کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں''۔ مطیع الدین مسکرا دیا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ہمارے رئیس سے ملاقات کے بہانے اسے کوئی نقصان پہنچا دو''۔

''بے فکر رہو، میں اس ملاقات میں کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ صرف یہ سمجھ لو کہ اس ملاقات میں تمہارے شیخ کا ہی فائدہ ہے..... میرا نہیں''۔

شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کافی دیر سے اس کی باتوں اور لہجے کو پرکھنے میں مصروف تھا۔ تمام دورانیے میں اسے کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دی جس سے وہ کوئی منفی رائے قائم کرتا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''اگر تم اس پیغام کی نوعیت کے بارے میں کوئی اشارہ دے دو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ فدائین کے رئیس تک پہنچنے کے لئے تمہیں کسی نہ کسی واسطے کی ضرورت ضرور پڑے گی اگر تم اپنے تئیں براہ راست ملاقات کی کوشش بھی کرو گے تو ناکام رہو گے یہ بات طے ہے کہ تمہیں اتنی دیر تک کوئی بھی رئیس تک نہیں پہنچائے گا جب تک وہ خود معاملے کی نوعیت سے آگاہ نہیں ہو جاتا''۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر سوچنے لگا، وہ کسی حد تک صحیح کہہ رہا تھا کیونکہ گروہ فدائین شہروں میں تو مقیم نہیں تھا۔ ان کے اصلی مرکز قہستان کے وہ دشوار گذار قلعے تھے جہاں جانا عام آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا مطیع الدین نے سلسلہ قہستان میں جا کر پریشانی مول لینے کی نسبت اس بات کو ترجیح دی کہ جب اُسے مہم کی تکمیل کے لئے سمرقند میں ہی ایک رہنما شخص مل رہا ہے تو اس کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

''میں تمہیں پیغام کی نوعیت ایک شرط پر بتاؤں گا''۔

''کس شرط پر.....؟'' شیخ ابوالفضل کے چہرے پر اشتیاق کے سائے پھیل گئے۔

''پیغام کا بنیادی حصہ تو صرف تمہارے رئیس کو ہی سنایا جائے گا۔ قہستان پہنچنے کے بعد تمہیں میں اس ضمن میں آگاہ کروں گا کہ پیغام کس کی جانب سے ہے؟ جب تم میرے ساتھ سفر کے لئے سمرقند سے روانہ ہو گے اس وقت تمہیں پیغام کی نوعیت کے بارے میں بتا دیا جائے گا''۔

''نہایت کڑی شرط ہے''۔ شیخ ابوالفضل بدمزگی سے بولا۔

''میرے پاس کوئی دوسری راہ نہیں۔ کشیدہ حالات کے باعث میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

شیخ ابوالفضل نے اس کی بات پر سر جھکا لیا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

خونی مقابلہ پورے جوش و خروش سے جاری تھا۔ فدائی غلام اپنے پانچ ساتھیوں کی لت پت لاشیں دیکھ کر خاصے محتاط دکھائی دے رہے تھے وہ جارحانہ انداز کے بجائے نپے تلے انداز میں وار کر رہے تھے۔ لڑکیاں بھی ایک دوسرے سے کمر ملائے اس انداز میں مدافعت کر رہی تھیں کہ غلاموں میں سے کوئی بھی ان کے قریب پھٹکنے نہیں پایا۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ شیخ کبیر الدین لڑکیوں کی جانب سے لگاتار مدافعتی انداز اختیار کرنے پر ناخوش دکھائی دیا۔ اس نے اپنے نشست پر بیٹھے تیز آواز میں انہیں متنبہ کیا۔

''اگر میرے سو گننے تک تم لوگوں میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو میں سب کو قلعے کی فصیل سے نیچے دھکیل دوں گا''۔

شیخ کبیر الدین کا حکم سنتے ہی غلاموں کے حملوں میں شدت پیدا ہوگئی اور وہ آگے بڑھ کر تابڑتوڑ انداز میں وار کرنے لگے۔ ایزیلا نے ان کے رویئے میں جارحانہ پن پیدا ہونے کے دوران ہی ان کی کمزوری بھانپ لی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر نہ صرف ان کے واروں کو ناکام بنانے لگی بلکہ اس نے غلاموں کے واروں کے داؤ پیچ میں پیدا ہونے والے خلاء کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک غلام کو جہنم رسید کر ڈالا۔ ایزیلا کی دیکھا دیکھی اس کی ساتھی بھی اس مخصوص داؤ کو سمجھ گئی اور اس سے پہلے کہ غلام سنبھلتے، چار غلام ایک ہی ساعت میں زمین بوس کر دیئے گئے۔ لڑکیوں کے محتاط طرز کے پوری ہوشیاری کے ساتھ استعمال کئے گئے داؤ کو دیکھ کر شیخ کبیر الدین خوشی سے جھوم اُٹھا۔ اسے شاید لڑکیوں میں ایسی ہی مہارت کی ضرورت تھی۔

لڑکیاں کسی حد تک آگاہ ہو گئیں کہ اس لڑائی میں مدافعت سے زیادہ چالاکی اور موقع کا استعمال کرنا ضروری ہے پھر ان کے حملوں کے انداز بدلنے پر مزید تین غلام ان کے خنجروں کا نشانہ بن گئے۔ اب لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی اور غلام صرف دو باقی رہ گئے تھے۔ انہیں نہ صرف اپنی جان بچانا تھی بلکہ پانچوں لڑکیوں کو ہلاک بھی کرنا تھا۔ غلاموں کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اوسان کھو چکے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے انہیں شکار کر لینا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔ غلاموں کی پست کیفیت بھانپ کر شیخ کبیر الدین نے انہیں ''مخصوص جنت'' کی نوید سنائی تو ان کے اجسام میں جیسے برقی رو دوڑنے لگی۔ وہ جنت کے حصول کی سرشاری میں اس قدر دیوانے ہو چکے تھے کہ اندھا دھند انداز میں وار کرنے لگے، ان کے واروں کا انداز نہ صرف بے ترتیب تھا بلکہ خنجر زنی کے اصولوں کے سخت خلاف تھا۔

اچانک نافعہ ان غلاموں کے اندھے واروں کی زد میں آگئی۔ اس کا بازو پہلے سے ہی زخمی تھا اور متواتر لڑائی کے باعث زیادہ خون بہہ کر اس کا بازو بھی شل ہو چکا تھا۔ ایک غلام کے خنجر کا پھل اس کی کمر میں اترتا چلا گیا۔ گل دتوژ نافعہ کے کافی قریب تھی۔ اس نے اتنی سرعت سے غلام پر کاری ضرب لگائی کہ اس کا خنجر والا بازو دھڑ سے کٹ کر جھولنے لگا۔ لڑکیوں نے موقع پاتے ہی دونوں غلاموں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مسلسل مقابلے کے باعث لڑکیوں کے چہروں پر تکان کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ صرف ایک ماہ کی تربیت یافتہ تھیں۔ آج انہیں مہارت کا ثبوت پیش کرنے کی شکل میں خوفناک موت سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ غلاموں کی موت کے بعد دفعتاً نافعہ کی حالت زیادہ بگڑنے لگی اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گئی۔ لڑکیاں اس کی جانب تیزی سے بڑھیں اور خشمگیں نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھنے لگیں جبکہ شیخ کبیر الدین پیدا ہونے والی صورتِ حال کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کیا مقابلے کا سلسلہ جاری رکھا جائے؟ لڑکیوں کی ناگفتہ بہ حالت سے اسے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مزید غلاموں سے لڑنے کی سکت نہیں رکھتیں اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو نہ صرف لڑکیاں یقینی موت کا نوالہ بن جائیں گی اور اس کی ساری محنت رائیگاں جائے گی اور وہ جس مہم کے لئے ان لڑکیوں کو تیار کر رہا ہے وہ مزید کھٹائی کا شکار ہو جائے گی۔

شیخ کبیر الدین نے کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لڑکیوں کا حقیقی معرکے کا چونکہ یہ پہلا دن تھا اور لڑکیوں کے لئے یہ تجربہ بھی کچھ نیا تھا لہٰذا اس امتحان کو اگلے تین دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے اور لڑکیوں کو آرام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ اس دوران وہ کافی حد تک تازہ دم ہو جائیں گی اور وہ خود کو نئی صورتِ حال کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو تیار کر لیں گی۔

شیخ کبیر الدین نے اپنے تئیں نتیجے پر پہنچنے کے بعد اپنے فیصلے سے لڑکیوں کو آگاہ کیا۔ جب لڑکیوں کو یہ معلوم ہوا کہ قتل و غارت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ تین دن بعد پھر اسی طرح موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا پڑیں گی تو ان کے چہروں پر خوف و پریشانی کی شکنیں نمایاں دکھائی دینے لگیں۔ شیخ کبیر الدین نے نہایت بے رحمی سے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ چونکہ لڑکیوں میں خنجر زنی کی اعلیٰ مہارت کی خواہش رکھتا ہے اس لئے تین دن کے بعد جو مقابلہ منعقد کیا جائے گا اس میں لڑکیوں کے مقابلے میں بیس غلام ہوں گے اور اس میں بنیادی شرط وہی ہوگی کہ شیخ کبیر الدین کے سو تک گننے کے دوران بیس کے بیس غلام موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں، بصورت دیگر ان پانچوں لڑکیوں کی اسے کوئی ضرورت نہیں رہے گی اور اس کے وقت ضائع کرنے کی سزا کے طور پر ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی۔ شیخ کبیر الدین نے صرف دھمکی آمیز رویہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آخری لمحوں میں اختیار کئے گئے طریق کار کی تعریف و توصیف کی اور اسی قسم کے انداز کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کڑی تاکید کی۔

لڑکیوں کے چہرے شیخ کبیر الدین کی بات پر زرد پڑ گئے۔ اس کی وحشیانہ خواہش کے بارے میں سن کر ان میں ناگواری سی پھیل گئی۔ وہ دوبارہ ایسا گھناؤنا خونی کھیل کھیلنے کی قطعاً خواہش مند نہیں تھیں مگر وہ بالکل بے بس تھیں۔

زخمی نافعہ کو کنیزوں کی مدد سے قیام گاہ تک پہنچایا گیا پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک طبیب بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے نافعہ کی کمر میں اترنے والے خنجر کے گہرے گھاؤ کا معائنہ کرنے کے بعد نفی میں سر ہلا دیا کہ وہ ناقابلِ علاج ہے۔ طبیب نے لڑکیوں پر صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ خنجر کا گھاؤ گہرا ہونے کے ساتھ خون کی رگوں کو بھی متاثر کر چکا ہے لہٰذا اس کے جانبر ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی مہمان ہے۔ نافعہ کی خستہ حالت پر تمام لڑکیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ انہیں نہایت شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ کیا تین دن بعد وہ بھی نافعہ کی طرح موت اور زندگی کے کشمکش میں مبتلا ہوں گی؟ کیا خونی مقابلوں کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا؟ بیس ہٹے کٹے غلاموں کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

گل وتوڑ نافعہ کی حالت سے آگاہ ہونے کے بعد ان سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ان تین دنوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو بہرکیف ان کے قبضے میں تھے۔ تین دن کے اندر ہی اسے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانا تھا، وہ دل میں یہ طے کر چکی تھی کہ اسے ہزیمت پر اس قلعے سے فرار ہونا تھا، اس امر کے لئے بے شک اسے سینکڑوں غلاموں کی لاشیں ہی کیوں نہ گرانا پڑتی۔ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ تین دن کے بعد ہونے والے مقابلے میں اگر وہ کامیاب بھی رہی تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ شیخ کبیر الدین پھر کسی نئے مقابلے کے انعقاد کا اعلان نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اس خوفناک منصوبے میں باقی لڑکیوں کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اب چار تھیں اور خنجر زنی کے فن کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ تیزی سے رات کی تاریکی پھیل جانے کا انتظار کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀

امیر فخر الدین لقمان نے اپنی فہم و فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے تھوڑی سی کوشش کے بعد بیبرس کو منصب سلطانی قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ بیبرس کو جب یہ معلوم ہوا کہ فارس الدین اقطائی کا نام بھی نئے سلطان کے طور پر زیرِ غور رہا ہے تو اس نے صاف لفظوں میں اس کے حق میں ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے فارس الدین اقطائی کی سابقہ معذرت کا حوالہ دیا تو بیبرس بمشکل اس شرط پر راضی ہوا کہ اگر فارس الدین اقطائی نے عنانِ اقتدار کی ذرا سی بھی خواہش ظاہر کی تو وہ منصب سلطانی اُسے سونپ کر دستبردار ہو جائے گا۔ دن کے آغاز پر سلطان الملک المظفر کی تجہیز و تکفین کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسے دمشق کے بیرونی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ تمام لوگوں نے اس کے لئے دُعائے مغفرت کی اور پھر شاہی دربار کی جانب روانہ ہوتے رہے۔ ظہر کی نماز کے بعد باقاعدہ طور پر نئے سلطان کے طور پر بیبرس کے انتخاب کا اعلان کیا گیا۔ چند ایک امرا کے علاوہ سب لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے بیبرس کا خیر مقدم کیا۔ بیبرس کے دل میں جو خدشات موجود تھے وہ اس وقت محو ہو کر رہ گئے جب اس نے اپنی بیدار آنکھوں سے سب کو اپنی حمایت میں نعرے لگاتے دیکھا۔

بیبرس دھیمے قدموں سے چلتا ہوا دربار کے شاہی چبوترے پر جا کھڑا ہوا۔ اس کے گرد خاص عمائدین کی جماعت موجود تھی جبکہ دربار میں قاہرہ کے ممالیک کے علاوہ بلادِ شام و شرقیہ کے رئیس و امرا بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے امیر فخر الدین لقمان نے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اس نے مرحوم سلطان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور تمام لوگوں کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ دیانتدارانہ انداز میں چھان بین کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اس کی موت کا محرک کوئی طے شدہ سازش یا قتل سے نہیں تھی بلکہ یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ اس کے بعد اس نے بیبرس کی سابقہ خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی بے حد تعریف و توصیف کی اور اس کی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے نازک ترین حالات میں دین اسلام کے لئے خیر خواہانہ جذبات رکھنے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ امیر فخر الدین لقمان نے نازک ترین حالات میں بھی بیبرس کی حوصلہ مندی اور لوگوں میں جذبۂ جہاد ابھارنے پر اور کڑے وقت میں نہایت ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے دین کی خدمت کرنے پر اسے ''دین کا ستون'' قرار دیا۔

سب لوگوں نے امیر فخر الدین لقمان کے دیئے گئے لقب پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امیر فخر الدین نے بیبرس کی جانب دیکھتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ اس لقب کو اگر اپنے نام کے ساتھ جگہ دے تو یہ امرا کے خیر سگالی جذبات کی عکاسی سمجھی جائے گی۔ امیر فخر الدین لقمان کے بعد دیگر امرا نے بھی اپنے ساتھیوں کی

بیبرس کے صحیح اور موزوں انتخاب پر یقین دہانی کی۔

ان سب لوگوں نے جب اپنی بات مکمل کر دی تو بیبرس کی رسم تخت نشینی کا آغاز کیا گیا۔ مختلف رسموں کے انعقاد کے بعد بیبرس کی تخت نشینی کا عمل مکمل ہوا۔ بیبرس اس دن سفید لباس میں ملبوس تھا۔ یہ شاید اس دن کی یاد تازہ کر رہا تھا، جس دن بیبرس اپنے آقا سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کے ساتھ قاہرہ پہنچا تھا اور اس دن الملک الصالح نے بھی سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ بیبرس تخت نشینی کے بعد آگے بڑھا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔

''میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے دین کی خدمت پر مامور کیا اور اس فرض کے قابل سمجھا کہ میں اُمت محمدی کی خدمت کر سکوں اور دین اسلام پر منڈلاتے ہوئے خطرات کے بادلوں کو دور دھکیلنے کی کوشش کر سکوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہی احسان ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کے ہاتھوں سے ایک بڑے اور طاقتور حریف کے مقابلے میں فتح و کامرانی عطا فرمائی۔

میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں آئندہ دنوں میں کیا کچھ کر گذروں گا البتہ آپ لوگ مجھے کبھی میدان سے بھاگتا ہوا نہیں پائیں گے۔ میں اپنے تئیں پوری کوشش کروں گا کہ آپ لوگوں نے آج میری ذات پر جس کلی اعتماد کا اظہار کیا ہے اس میں ہمیشہ پورا اترتا رہوں۔ میں اپنے قول و قرار کے ساتھ آپ سب سے بھی اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ ان مخدوش حالات میں مخالفت اور محاذ آرائی کی راہ چھوڑ کر آپس میں مل جل کر باہمی اتحاد کو فروغ دیں۔ یاد رکھئے جو کچھ آپ لوگ کریں گے وہی آپ کے نیچے والے لوگ کریں گے اور یہ سلسلہ انہی واسطوں سے سفر کرتا ہوا رعیت میں پہنچے گا اور پھر اس کا رد عمل جلد ہی سامنے آ جائے گا۔

اگر آپ کے اعمال و کردار عمدہ ہوں گے تو رعیت میں طمانیت و سکون دکھائی دے گا۔ اگر آپ کے اعمال میں ابتری و انتشار جھلکے گا تو ہماری رعیت بھی ویسی ہی صورت اختیار کر جائے گی۔ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں، آپ لوگ بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ سقوطِ بغداد کے پیچھے اسی قسم کے عوامل کار فرما تھے، وہاں کے عمال اور رعیت مدہوشی و غفلت کا شکار تھی اور پھر جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ یہ باعثِ عبرت ہے، اگر آپ غور و فکر اور دور اندیشی سے کام لیں گے تو بھلائی آپ سب کی ہی ہوگی۔ اگر اب بھی آپ لوگ اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو نقصان بھی آپ ہی لوگوں کا ہوگا اور ساتھ ہی رعیت بھی پس جائے گی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہاں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے سابقہ دنوں میں امارت و حیثیت کے نشے میں کئی بار میرے دلائل کو نگاہِ حقارت سے دیکھا اور سر دربار میری عزت اچھالنے میں عار نہیں سمجھی۔ آج ان کے دلوں پر چھائی ہوئی ہیبت نے ان کے چہروں کے رنگ اڑا رکھے ہیں کہ جانے میں ان کے بارے کیا کر گذروں......؟ مجھے ان سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی میں انتقامی کارروائی پر یقین رکھتا ہوں۔ میں انہیں ان کے مناصب پر برقرار رکھوں گا اور ان میں کوئی بھی صرف میری ناپسندیدگی کے باعث معزول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح میں سلطان الملک المظفر کے مامور کردہ لوگوں کے مناصب بھی نہیں ختم کروں گا البتہ جو مجھے اس منصب کے بجائے کسی دوسرے منصب پر موزوں لگا اس کی تبدیلی ضرور کروں گا مگر یہ کارروائی کسی ذاتی عناد کا پیش خیمہ نہیں ہوگی۔ آپ لوگ یاد رکھئے کہ میں ایک سپاہی ہوں تلوار سے کام لینا میری فطرت کا خاصہ ہے مگر میری تلوار صرف دشمن کے لئے ہی بے نیام ہوگی، اپنوں کے لئے نہیں۔ اگر کسی شخص نے میرے صبر و تحمل کا امتحان لینا چاہا تو وہ یہ بھی یاد رکھے کہ میں صرف ایک بار موقع دیتے ہوئے اسے متنبہ کروں گا اور زیادہ دیر تک اسے من مانی کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ میرے ذہن میں بے شمار اصلاحات کے طریقہ کار

موجود ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے اس مقام کو دوبارہ حاصل کر سکیں گے جنہیں دشمنانِ اسلام نے حیلوں حربوں سے ہم سے چھین لیا ہے مگر اس ضمن میں آپ سب لوگوں کا تعاون میری اولین ضرورت رہے گا۔ امیر فخر الدین لقمان نے مجھے ''رکن الدین یعنی دین کا ستون'' کہا اور یہ استدعا کی کہ میں اسے اپنے نام میں جگہ دوں، میں نہ صرف اس کی دل جوئی کے لئے یہ نام اپنے لئے اختیار کرنے کا اعلان کرتا ہوں بلکہ حقیقتاً مجھے یہ نام بے حد بھلا لگا، لہٰذا میں سب افراد کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ وہ مجھے رکن الدین محمود بیبرس بندقداری کے نام سے پکارا کریں۔

امیر فخر الدین لقمان کی خداداد صلاحیتوں کو میری نگاہوں نے کئی بار پرکھا ہے لہٰذا میں اسے اپنا معتمد خاص مقرر کرتا ہوں جبکہ زین الملۃ و دین بہاء الدین ابن زہیر کو وزیر سلطنت۔ باقی عہدے جن لوگوں کے پاس ہیں، ان پر وہی فائز رہیں گے۔ سابق سلطانوں کی مانند اپنے لئے روایتی لقب میں خود تجویز کروں گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے ایک نام بے حد پسند ہے اور میں اسے اپنے لقب کے لئے اختیار کرنا پسند کروں گا۔ آج کے بعد میں دشمنانِ اسلام کے لئے ''سلطان الملک القاہر'' ہوں، وہ سب آگاہ ہو جائیں کہ میں ان کی بری نیتوں اور ناپاک عزائم پر قہر الٰہی بن کر نازل ہوں گا''۔

بیبرس نے اپنے خطاب میں کئی دوسرے معاملات بھی چھیڑے مگر ان کے لئے لائحہ عمل کے اعلان کو بعد کے لئے محفوظ رکھا۔ بیشتر مملوک امراء بیبرس کے خطاب پر دم بخود رہ گئے۔ انہیں بیبرس کا یہ روپ دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کی باتوں میں دبدبہ اور وزن تھا اور لہجے میں استحکام۔ جہاں اس کی شخصیت میں وقار جھلک رہا تھا تو وہیں اس کے چہرے پر گہری طمانیت اور کچھ کر گذرنے کا جوش بھی موجود تھا۔ دربار میں موجود سب افراد نے بیبرس کی تخت نشینی پر بڑے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا کیونکہ جہاں وہ بیبرس کے جذبۂ جہاد، شجاعت، دور اندیشی اور اعلیٰ کردار سے بخوبی آگاہ تھے، وہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا نیا سلطان دشمنانِ اسلام سے نبٹنے اور رعیت کی امنگوں پر پورا اترنے کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ بیبرس ہی وہ پہلا سلطان تھا جس کے انتخاب میں تمام مملوک فوج، سالار، عمائدین سلطنت، علاقائی معزز امراء سب لوگ باہم متفق تھے اور ان کی مکمل حمایت اسے حاصل تھی۔

رعیت میں وہ معرکہ عین جالوت کے بعد ہر دلعزیز بن چکا تھا۔ رعیت اس کی سلامتی کے لئے دعائیں کیا کرتی۔ سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد بیبرس نے بڑی فراخدلی سے کام لیا اور ان مملوک امراء کے خلاف بھی کوئی تادیبی یا انتقامی کارروائی نہیں کی جو سلطان الملک المظفر کے خاص مقربین میں شمار کئے جاتے تھے۔ انتقام و تعزیر کی کشمکش کا شکار ہونے کے بجائے بیبرس نے امن و آشتی کی راہ منتخب کی، ان سب لوگوں کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا اور ان کی دل جوئی کے لئے جو ممکنات میں سے تھا وہ سب کچھ کیا۔

17 ذی قعدہ 658ھ کی صبح اس کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لئے وارد ہوئی تھی۔ وہ ایک عام سالار سے بلادِ مصر کا خود مختار سلطان بن چکا تھا۔ 18 ذی قعدہ کو اس نے بلادِ شام میں چند ضروری انتظامات مکمل کئے اور فوجی دستوں کو وہیں تعینات کر کے مختصر مدت کے لئے عمائدین سلطنت کے ساتھ قاہرہ روانہ ہو گیا جہاں سلطان الملک المظفر کی جانب سے مقرر کردہ نائب سلطنت امیر فارس الدین اقطائی اس کی آمد کا منتظر تھا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان طویل مسافت کے بعد جب مراغہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے حلیفوں کے مقابلے میں اس کے بھائی ارق بوقا خان کے حلیفوں کی تعداد زیادہ ہے۔ زیادہ تر امکان اسی بات کا تھا کہ ارق بوقا کو ہی نیا

قاآن اعظم منتخب کر دیا جائے گا۔ حالات کی صورت کچھ اور ہوتی تو ہلاکو خان خود بھی ارق بوقا کے حق میں دستبردار ہو جاتا مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ارق بوقا کو قاآن اعظم بنانے میں زریں خیل منگولوں کا زیادہ ہاتھ ہے اور ارق بوقا خان فطری طور پر برقائی خان کی جانب جھکاؤ رکھے ہوئے ہے تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اس نے برقائی خان کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے رشتے داروں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ ہلاکو خان چونکہ بغداد و شام سے بے شمار مالِ غنیمت اکٹھا کر کے ساتھ لایا تھا، اس نے ضرورت کے تحت فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیمتی تحائف اور جواہرات سے رشتے داروں اور منگول امرأ وعمائدین کی ہمدردیاں اپنی جانب موڑ دیں۔

تقریب قرلتائی کے انعقاد سے پہلے ہی یہ بات سب میں پھیل چکی تھی کہ ہلاکو خان ہی نیا قاآن اعظم ہوگا۔ برقائی خان نے اپنے طور پر تمام منگولوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں اس قسم کی قبل از وقت حرکات کی بھرپور انداز میں مذمت کی اور ہلاکو خان کے تحائف والے سلسلے کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ منگولوں میں نئی روایت کا آغاز تھا۔ وفاداریاں خریدنے اور بدلنے کا یہ طریقہ کار آگے چل کر منگولوں کی سلطنت کی دھجیاں اُڑا سکتا تھا۔ اس طرح کی روایات کے باعث امرأ وعمائدین کو تحائف وصول کرنے کی مستقل عادت پڑنے کا احتمال تھا اور ایسی صورتِ حال پیدا ہو جانے کے بعد کسی حقیقی کام کی انجام دہی کے لئے بھی وہ ایسی توقعات وابستہ کر سکتے تھے۔

برقائی خان کی تنقید سے دوسرے خیرخواہ منگول سرداروں میں بھی تحریک پیدا ہوئی اور انہوں نے منگو خان کے دور میں تمام اعلیٰ عہدوں پر ساتوں بھائیوں کے قبضے کو نامناسب قرار دیا۔ ان کے خیال میں نئے قاآن اعظم کے انتخاب میں رشتہ داریوں پر کی گئی عنایتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے کسی ایسے شخص کو ترجیح دی جائے جس میں منگولوں کے اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہو۔ ہلاکو خان نے ان لوگوں کے منہ بند کرنے کے لئے کئی بیش قیمت تحائف بھیجے مگر انہوں نے تحائف لینے سے معذرت کر لی۔ موزوں شخص کے انتخاب کی بات پر تمام منگول خاندانوں میں بے چینی سی پھیل گئی اور ہر کوئی خود کو موزوں قرار دینے لگا۔

آل چغتائی، آل بوری، آل کیدو اور آل تویوق نے ہلاکو خان اور ارق بوقا خان دونوں کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لئے اور اپنے اپنے امیدواروں کو قاآن اعظم کے منصب کے لئے نامزد کر دیا۔ اس گھمبیر صورتِ حال سے فیصلہ کرنا مزید مشکل ہو گیا۔ تقریب قرلتائی کا آغاز تو ہو گیا مگر انتخاب کا مرحلہ کشمکش کا شکار رہا۔ زریں خیل سرداروں نے دوسرے خاندانوں کی دیکھا دیکھی برقائی خان کو قاآن اعظم کے لئے نامزد کر دیا جس سے معاملہ اور بھی پیچیدہ صورت اختیار کر گیا۔ ارق بوقا خان نے اس نئی صورت پر برقائی خان سے ملاقات کی اور اسے وعدہ یاد دلایا کہ وہ اس کی حمایت کرے گا، برقائی خان نے اس بارے میں اپنے سرداروں کی رائے کو ترجیح دی اور خود کو بے بس قرار دیا جس پر ارق بوقا خان بگڑ گیا اور غصیلے لہجے میں اسے برا بھلا کہتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ برقائی خان کی سرد مہری کے نتیجے میں دونوں کے مابین تعلقات کشیدہ ہو گئے۔

ارق بوقا نے یہ سوچتے ہوئے کہ قاآن اعظم کا منصب ایل خانی منگولوں کے پاس ہی رہے، اچانک ہلاکو خان کے حق میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ایک امیدوار کے کم ہونے سے یہ معاملہ حل نہ ہو سکا بلکہ ایل خانی منگولوں کی سیادت کھل کر سامنے آ گئی۔ ہلاکو خان نے چغتائی منگولوں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اُٹھے۔ تقریب قرلتائی میں منگولوں کے تمام خاندان آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ چنگیز خان کے تمام

پوتے اور پڑپوتے خود کو قاآن اعظم کا صحیح حقدار سمجھتے تھے اور ان کے آپس کے تعلقات اس قدر کشیدہ تھے کہ ہر ایک دوسرے کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا۔

دوراندیش اور ہوش مند منگول طبقہ اس باہمی کشمکش پر تشویش کا شکار ہو گیا کیونکہ اگر یہی طرزِ عمل رویہ نہ اختیار کیا گیا تو قوی امکان یہی تھا کہ منگولوں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور سب لوگ چنگیز خان کے سکھائے گئے اتحاد اور یکجہتی کے اسباق کو فراموش کرتے ہوئے ایک دوسرے کا قتل عام شروع کر دیں گے۔ اسی کشمکش میں تقریب قرلتائی کے اختتام کا وقت آن پہنچا۔ چغتائی منگولوں نے صاف الفاظ میں اپنی خود مختار حکمرانی کا اعلان کرتے ہوئے وہاں سے رخصت اختیار کی۔ انہی کی دیکھا دیکھی باقی تمام منگولوں نے اپنے اپنے نامزد افراد کو اپنا حکمران قرار دیا اور علاقوں کی بندر بانٹ کرتے ہوئے اپنی اپنی سرحدیں قائم کر لیں۔ منگولوں کی وسیع وعریض سلطنت کئی حصوں میں منقسم ہو کر رہ گئی۔

ایل خانی منگول ہلاکو خان کی شخصیت اور کارکردگی سے بے حد متاثر تھے اور اُسے صحیح معنوں میں منگول سلطنت کے لئے تجربہ کار حکمران قرار دیتے تھے۔ انہوں نے بلاجھجک اسے اپنا قاآن اعظم تسلیم کر لیا۔ ہلاکو خان کے حصے میں وہی علاقے آئے تھے جو پہلے سے ہی اس کی دسترس میں تھے۔ قاآن اعظم منگو خان کے علاقوں پر کئی خود مختار حکومتیں وجود میں آ چکی تھیں۔

ہلاکو خان کے سامنے سلطنت کے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ دو بڑے مقصد موجود تھے، ایک یہ کہ وہ بلادِ مصر کی جانب کوچ کرتا اور تاتاری لشکروں کو دی جانے والی شکست کا بدلہ لیتے ہوئے بلادِ مصر کی مملوک حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالتا۔ دوسرا یہ کہ اپنے چچازاد اور مسلمان حریف برقائی خان کو راہ سے ہٹانے کی تدبیر کرتا۔ اس کے دونوں دشمن اس کی ہم پلہ حیثیت کے حامل تھے۔ ہلاکو خان نے بڑے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اندرونی دشمن سے نمٹنا ضروری ہے۔ برقائی خان کو راہ سے ہٹا کر وہ اطمینان کے ساتھ بلادِ مصر کو سبق سکھا سکتا تھا۔ ان بڑے امور کی کامیابی کے بعد منگولوں کے بٹوارے کو ختم کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔ وہ اپنے بھائی منگو خان کی پوری کی پوری ریاست واپس حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کی تعبیر خاصی دشوار تھی مگر وہ کامیابی کے حصول پر پُرامید تھا۔ قاآن اعظم بنائے جانے کی مذہبی رسومات انجام دی گئیں اور کئی دن تک عظیم جشن منایا گیا۔ ہلاکو خان نے اپنی بیویوں میں سے نصرانی بیوی دقوز خاتون کو ملکہ بنایا۔ دقوز خاتون نسطوری عیسائی تھی۔ اس کا تعلق یوئیغور ترکوں کے قبیلے کریت سے تھا۔ دقوز خاتون نے ملکہ بننے کے بعد ایک قابلِ حمل ونقل گرجا گھر بنوایا جو اس کے ساتھ ساتھ حرکت کیا کرتا تھا۔ وہ ہلاکو خان کے ساتھ ساتھ جہاں جاتی۔ عبادت کے لئے گرجا گھر کو بھی اپنے ساتھ لئے پھرتی۔

ہلاکو خان نے 658ھ کے اواخر میں قاآن اعظم کی حیثیت سے عنان اقتدار سنبھالا اور 659ھ کے آغاز میں برقائی خان کو سبق سکھانے کی خاطر سلطنت اُردوئے زریں پر بڑے حملے کیلئے لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ ادھر برقائی خان کو بھی ہلاکو خان کے فیصلے کی خبر ہو گئی۔ اس نے مقابلے کے لئے اپنے لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ ایک عرصے سے اس بات کا خواہش مند تھا کہ کوئی موقعہ میسر آئے تو وہ ہلاکو خان سے بغداد پر ڈھائے گئے ظلم وستم کا حساب لے سکے مگر ہر بار ایسے اتفاقات پیدا ہو جاتے کہ مکمل تیاری کے باوجود مہم ملتوی کرنا پڑ جاتی۔ ہلاکو خان کی جانب سے پہل کی صورت میں اُٹھائے گئے اقدامات سے یہ عیاں ہو چکا تھا کہ اب دونوں کے درمیان فیصلہ کن معرکہ ناگزیر ہو چکا ہے۔

گل وتوژ کے لئے اپنی ساتھی لڑکیوں کو فرار کے منصوبے کی طرف مائل کرنا زیادہ دشوار ثابت نہ ہوا۔ وہ نافعہ کی موت سے پہلے ہی دلبرداشتہ تھیں۔ نافعہ شام پڑنے سے پہلے ہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زندگی کی جنگ ہار چکی تھی۔ کنیزیں اس کی لاش وہاں سے لے کر نامعلوم مقام پر چلی گئیں۔ گل وتوژ نے نگران کنیزوں کی عدم موجودگی میں موقعہ پاکر سب لڑکیوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ جونہی گل وتوژ نے لڑکیوں کے سامنے فرار کا منصوبہ رکھا تو وہ یوں تیار دکھائی دیں جیسے وہ بھی پہلے سے انہی خطوط پر سوچتی رہی تھیں۔ قلعہ الموت سے فرار کے لئے وہ سب رضامند تو ہوگئی تھیں مگر فرار ہونے کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جاتا، اس ضمن میں وہ بالکل اناڑی دکھائی دیں۔ نہ تو انہیں صحیح طرح سے قلعہ الموت کا حدود اربعہ معلوم تھا اور نہ ہی باہر نکلنے کا راستہ۔ جب سب نے خارجی راستے سے لاعلمی کا اظہار کیا تو ایک بار ان کے چہرے تاریک دکھائی دیئے۔ گل وتوژ نے ان سب کی ڈھارس بندھائی اور یہ سمجھایا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے، باہر نکلنے والا راستہ یقیناً نچلے حصے میں کہیں موجود ہوگا۔ ہمیں پوری تیاری کے ساتھ یہاں سے نکلنا ہوگا، نچلے حصے میں غلاموں کی کثیر تعداد موجود ہوسکتی ہے، اس لئے ہمارا واسطہ ایک خونی معرکے سے بھی پڑ سکتا ہے۔ گل وتوژ نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ خونی مقابلے کے امتحان نے کسی حد تک انہیں وہ سب کچھ سمجھا دیا ہے جس کی فرار کے لئے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس کی ساتھی لڑکیوں نے زندگی کی حقیقی رعنائیوں اور غلامی کی اس تکلیف دہ زندگی سے نجات پانے کے لئے اس ان دیکھے خطرے میں کودنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

یہ ساری گفتگو کنیزوں کی آمد سے پہلے کی گئی تاکہ شیخ کبیرالدین کو فرار کے منصوبے کی بھنک نہ پڑ سکے۔ گل وتوژ نے انہیں رات کے پہلے پہر میں آرام کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ فرار ہونے سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ وہ سب کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے بستروں میں دبک گئیں۔ کنیزیں رات پڑنے تک ان کے گرد گھومتی رہیں، جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ وہ سب سونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو وہ باہر دلان میں موجود اپنے اپنے بستروں میں گھس گئیں۔ سب لڑکیاں بستروں میں خاموشی سے ساکت پڑی تھیں مگر نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ خونی مقابلے سے پیدا ہونے والی تکان کو کسی قدر زائل کرنے میں مصروف تھیں۔ انہیں ایک بار پھر سے تازہ دم ہونا تھا تاکہ فرار کی راہ مسدود کرنے والوں کے ساتھ بھرپور انداز میں نمٹا جاسکے۔

رات کے دوسرے پہر میں گل وتوژ نے سب لڑکیوں کو ہوشیار کیا۔ اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بستروں سے نکل آئیں۔ کمرے میں قندیل کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سب نے خنجر زنی کی مشقوں کے دوران استعمال کئے جانے والے چست لباس پہنے اور اپنے اپنے خنجر اڑس لئے۔ گل وتوژ دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھی۔ دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ گل وتوژ نے سب کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اپنے اپنے بستروں کی جانب بڑھیں اور تکیوں سے انہیں یوں بناڈالا جیسے ان پر کوئی سو رہا ہو۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ دروازے کی اطراف میں دبک گئیں۔ گل وتوژ نے دروازے کے ساتھ موجود کھڑکی میں سے کنیز کو آواز دی۔ دو تین آوازوں پر تین کنیزیں بیدار ہوگئیں۔ انہوں نے حیرت سے گل وتوژ کی جانب دیکھا اور جگانے کا سبب دریافت کیا۔ گل وتوژ نے پیٹ میں سخت درد کا بہانہ کیا اور طبیب کو بلانے کے لئے کہا۔ کنیزوں نے دوسری کنیزوں کو بھی بیدار کیا۔ وہ محتاط انداز میں کھڑکی سے اندر جھانکنے لگیں۔ ان کے چہروں کی بدحواسی سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی خطرے کی آہٹ محسوس کر رہی ہوں۔ کنیزیں آپس میں بحث کرنے لگیں۔ ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ پہلے دروازہ کھول کر اندر کی کیفیت معلوم کرنا چاہئے پھر طبیب کو بلایا جائے۔ گل وتوژ پیٹ پکڑ کر

فرش پر بیٹھ گئی اور زور زور سے کراہنے لگی۔ کنیزیں جزبز دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک نے انہیں شیخ کبیرالدین کا خیال دلایا کہ اس نے ان لڑکیوں کے مکمل خیال کا حکم دیا ہے اگر ان لڑکیوں میں کسی کو کچھ ہوگیا تو ان کی زندگی سلامت نہیں رہ سکے گی۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد وہ دروازہ کھولنے پر آمادہ ہوئیں۔ جونہی دروازہ کھلا اور کنیزیں اندر داخل ہوئیں تو لڑکیاں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ چند ہی لمحوں میں انہیں بے ہوش کرکے بستروں پر ڈال دیا گیا۔ گل وتوژ نے پہلے سے ہی انہیں ہدایت کررکھی تھی کہ ان کنیزوں کی آواز نہ نکلنے پائے۔ لڑکیاں خاصی محتاط ثابت ہوئیں۔

کنیزوں سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ کمرے سے نکل کر بڑی راہداری پر پہنچ گئیں۔ یہ تمام راستے ان کے دیکھے بھالے تھے، انہیں اب اس راستے کی تلاش تھی جہاں نیچے کی جانب زینہ اترتا تھا۔ فصیل کی دیوار پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مشعلیں روشن تھیں مگر وہاں ایک بھی پہرے دار سپاہی موجود نہیں تھا۔ شاید قلعہ الموت کے بالائی حصے میں انہیں کسی قسم کے خطرے کی توقع نہیں تھی۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر بھٹکتی رہیں۔ جفاء نے مشورہ دیا کہ وہ الگ الگ پھیل کر راستہ تلاش کریں مگر گل وتوژ نے تنہا تنہا بکھرنے کی تجویز رد کردی اور سب کے ساتھ راستہ تلاش کرنے میں منہمک رہی۔ بالآخر وہ نیچے کی جانب اترنے والا زینہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ گل وتوژ نے زینے میں جھانک کر دیکھا تو اسے نیچے کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ اس نے سب کو خنجر نکالنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب خنجر ہاتھوں میں تھامے دبے قدموں نیچے اترنے لگیں۔ ان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔ وہ پہلی بار نیچے کی جانب جارہی تھیں۔ انہیں بہت پہلے اس بات سے آگاہ کردیا گیا تھا کہ نیچے والے حصے میں رہنے والے لوگ وحشی اور درندے ہیں جن کی نگاہ میں عورت کی کوئی وقعت نہیں اور وہ اس سے یوں کھیلتے ہیں جیسے عورتیں کوئی کھلونا ہوں۔ گل وتوژ کے ذہن میں غلام کی وہ بات بھی گونج رہی تھی کہ اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو ممکن ہے کہ اسے ایسے غلاموں میں بانٹ دیا جائے جو اپنے آقا کی جانب سے عطا کی گئی عورت کو نہ صرف نذرانہ سمجھتے ہیں بلکہ اپنی ہوس کی تسکین میں اسے بری طرح پامال کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ وہ محتاط انداز میں نیچے کی جانب زینے اترتی رہیں۔ گھومتے ہوئے زینے کتنے طویل تھے، اس بارے میں انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ اچانک وہ سب اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ ان کے سامنے ایک نقاب پوش شخص کھڑا تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان الملک القاہر رکن الدین محمود بیبرس دمشق سے اپنے رفقاء، عمائدین مصر اور معزز مملوک امراء کی معیت میں ذی الحجہ 658ھ میں بلادِ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ واپس پہنچا۔ فارس الدین اقطائی کو دمشق میں رونما ہونے والے حالات سے باخبر کردیا گیا تھا، اس لئے وہ شہر کے صدر دروازے پر مملوک دستوں کے ہمراہ موجود تھا۔ دمشق سے آنے والا قافلہ جب صدر دروازے پر پہنچا تو فارس الدین اقطائی کی نگاہ سلطان الملک القاہر بیبرس پر پڑی جو کہ سفید لباس میں ملبوس تھا جبکہ اس کے مملوک رفقاء عسکری لباس پہنے ہوئے تھے۔ قاہرہ میں موجود عمائدین و امراء کو سلطان الملک المظفر کے قتل اور بیبرس کے نئے سلطان منتخب ہونے کی ابھی تک اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ جونہی بیبرس اپنے رفقاء سمیت صدر دروازے پر پہنچا تو فارس الدین اقطائی نے اشارے سے انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ نو وارد قافلہ رک گیا۔ فارس الدین اقطائی کا چہرہ مضطرب اور غضبناک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا بیبرس کے گھوڑے کے پاس پہنچا اور باگیں پکڑ کر نیچے کی جانب کھینچیں۔ گھوڑا نیچے کی جانب کھنچ سا گیا۔ بیبرس جست لگا کر زمین پر اتر آیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے موجود

تھے۔ بیبرس کے ساتھی رفقاء میں سے چند ایک نے فارس الدین اقطائی کی اس بدتمیزی پر احتجاج کرنا چاہا مگر بیبرس نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''بیبرس!'' فارس الدین کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''دوسروں کو نیکی کی صلاح دیتے ہو اور خود بدی کا مرتکب ہوتے ہوئے تمہیں ذرا عار نہیں آئی؟''

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا...... یہ محض اتفاق تھا کہ سلطان الملک المظفر میری تلوار سے بچ نہیں پایا پھر بھی اگر تم مجھے گنہگار سمجھتے ہو تو میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، تم چاہو تو میرے ہاتھوں پیروں میں بیڑیاں ڈال کر مقتول سلطان کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر سکتے ہو''۔ بیبرس نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

''کیا تمہارے گناہ کے لئے یہ ثبوت کافی نہیں کہ تم اپنے تئیں دمشق سے تاجِ سلطانی سجا کر قاہرہ آئے ہو؟'' فارس الدین کا لہجہ بے حد درشت تھا۔

''مجھے تاج و تخت کی کبھی حاجت نہیں تھی، یہ تمہارے ان ساتھیوں کا متفقہ فیصلہ اور اصرار ہے، اگر تم مجھے اس کے لئے غیر موزوں سمجھتے ہو تو میں خود تمہیں یہ حق دیتا ہوں کہ تم کوئی اہل شخص چن لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ بیبرس نے ناگواری سے جواب دیا۔

''میں تمہاری بات پر کیسے یقین کروں؟ کل تک تو تم اقتدار سے دور بھاگتے دکھائی دیتے تھے اور آج حصول اقتدار کے لئے نہ صرف سلطان الملک المظفر کو ہی قتل کر ڈالا بلکہ باغیوں کے گروہ کی پناہ میں آئے ہو''۔ فارس الدین اقطائی تیز لہجے میں بولا۔

''میرے ساتھ وہی لوگ ہیں جو دربارِ قاہرہ میں معززین اور صاحب حیثیت لوگ شمار کئے جاتے ہیں، یہ سب لوگ یہیں سے سلطان الملک المظفر کی معیت میں روانہ ہوئے تھے تو اُس وقت انہیں وفادار کہا جاتا تھا اور آج چونکہ وہ سب میرا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے تم انہیں باغی و سرکش کہہ رہے ہو، بلا جواز ان پر تہمت لگاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے''۔ بیبرس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''میں چاہوں تو تمہیں مقتول سلطان کے قتل کے جرم میں ساری زندگی کے لئے زنداں خانے میں ڈال سکتا ہوں''۔ فارس الدین اقطائی دانت پیس کر بولا۔

''اگر تمہیں مقتول سلطان سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اپنا مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کر دو۔ میں اپنے دفاع میں حقیقت سے منحرف نہیں ہوں گا''۔ بیبرس بولا۔

''قاضی!'' فارس الدین اقطائی ہنکارا۔ ''تاجِ سلطانی حاصل کر کے قاضی کے انصاف کی بات کرتے ہو جو کہ سلطان وقت کا حکم بجالانے پر مجبور ہوتا ہے''۔

''کس بات پر اتنا غصہ دکھا رہے ہو؟ کیا تمہیں اپنے دوست کے قول و کردار کا یقین باقی نہیں رہا یا پھر تاجِ سلطانی کی خواہش مچل رہی ہے''۔ بیبرس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تاجِ سلطانی کو میں نے اس دن ٹھوکر مار دی تھی جب مملوک امرأ مجھے سلطان بنانے کے خواہش مند تھے مگر میں نے خود اپنے ہاتھوں سے مقتول سلطان کو یہ حق بخش دیا تھا۔ الحمدللہ! آج بھی میرا دل ایسی حرص و طمع سے پاک ہے''۔

''پھر کیا مجبوری تمہیں امرأ کے منتخب سلطان کو تسلیم کرنے کو روکے ہوئے ہے؟'' بیبرس نے پوچھا۔

''خود کو منتخب نہ کہو بلکہ غاصب کہو''۔ فارس الدین اقطائی طنزیہ انداز میں بولا۔

''فارس الدین!'' ایک معزز عمر رسیدہ مملوک امیر آگے بڑھ کر درشت لہجے میں بولا۔ ''بہت ہو چکا

ہے، تم نے کافی بدتمیزی کر لی، اب اگر تمہارے منہ سے ایک کلمہ بھی اور نکلا تو اللہ کی قسم! تمہاری گردن جسم سے الگ پڑی دکھائی دے گی، سلطان بیبرس کو ہم سب نے متفقہ فیصلے سے اپنا سلطان بنایا ہے اور ہم قطعی یہ برداشت نہیں کریں گے کہ کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کرے''۔

''فارس الدین اقطائی کو بولنے دیجئے!'' بیبرس نے منع کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے دمشق میں ہی آپ لوگوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اگر فارس الدین نے مجھے سلطان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو میں تاج و تخت سے دستبرداری میں لمحہ بھر بھی تاخیر نہیں کروں گا''۔

''فارس الدین ذرا خود سوچو! ساری مملوک قوت بیبرس کی مٹھی میں تھی اگر وہ چاہتا تو اس کا ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ ہم نے بے حد سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا سلطان کسے ہونا چاہئے؟'' عمر رسیدہ امیر بولا۔

''الحمدللہ!'' فارس الدین اقطائی کے چہرے سے ناگواری یکدم مٹ گئی اور رونق دکھائی دی۔ ''میں سلطانِ محترم سے اپنے اس سلوک کے لئے معافی کا خواستگار ہوں، میرا منشاء صرف اتنا تھا کہ اپنے دوست و رفیق بیبرس کی نیت کو پرکھ سکوں کہ کیا اس میں آج بھی پہلے سی خوبیاں موجود ہیں یا اقتدار کے نشے نے انہیں پامال کر ڈالا ہے، مجھے بے حد خوشی ہے کہ شاہی امرأ نے اس امتحان بھرے دور میں انتہائی دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔ میں سلطان بیبرس کو قاہرہ میں خوش آمدید کہتا ہوں''۔

فارس الدین کا بدلا ہوا لہجہ اور انداز بیبرس سمیت تمام لوگوں کو بے حد عجیب محسوس ہوا۔ چند لمحے پہلے تک تو یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں دکھائی دیتا تھا کہ بیبرس کا انتخاب درست ہے مگر اچانک اس کے پینترا بدلنے پر شکوک شبہات دلوں میں گھر کر گئے۔

پھر سلطان بیبرس کا قافلہ شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ فارس الدین اقطائی بھی ساتھ تھا مگر مملوک امرأ اس پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے کہ کہیں وہ کوئی غلط حرکت نہ کر گذرے۔ سلطان بیبرس نے اسی روز اپنا پہلا شاہی دربار لگایا۔ قاہرہ میں موجود تمام امرأ اور معززین کو دربار میں طلب کیا گیا۔ مصری امرأ کو جب بیبرس کی تخت نشینی کا معلوم ہوا تو حیرت و استعجاب سے ان کے منہ کھلے رہ گئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے مختصراً سلطان الملک المظفر کی موت کا اعلان کیا اور حالات کی نزاکت کا حوالہ دیتے ہوئے نئے سلطان کے فوری انتخاب کی ضرورت بیان کی اور پھر امرأ کے متفقہ فیصلے کے نتیجے میں بیبرس کو اپنا سلطان بنانے کی مختصر روداد سنائی۔ مجلس انتخاب کے ان اراکین سے دریافت کیا گیا جو کہ دمشق نہیں گئے تھے، قاہرہ میں ہی ٹھہر گئے تھے۔ انہوں نے بیبرس کے انتخاب پر اطمینان کا اظہار کیا تو باقی لوگوں نے بھی سرِ تسلیم خم کر لیا۔ یہ الگ بات تھی کہ بیشتر مصری امرأ کے دلوں میں بیبرس کے لئے بغض و نفرت نے جنم لیا۔ وہ بظاہر سب لوگوں کا ساتھ دے رہے تھے مگر ان کے دماغ بیبرس کے بندوبست کی سازشوں میں مصروف تھے۔

سلطان الملک القاہر بیبرس نے اپنے پہلے شاہی خطاب میں امرأ کے تحفظات اور رعیت کی حفاظت کی یقین دہانی کرائی۔ اس کے بعد اس نے سلطنت میں پھیلے ہوئے ان مفاسد کو پاک کرنے کا اعلان کیا جو کہ اس کے پیشرؤں کے عہد میں سلطنت میں جڑیں مضبوط کر چکے تھے۔ اس نے بلا تاخیر ہر قسم کے ناجائز محصولات اور خراج کو یک قلم موقوف کر دیا۔ اس نے بغداد کی تباہی کا حوالہ دیتے ہوئے مسلمانوں کی حمیت و غیرت کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور مختلف مقامات پر قائم شدہ شراب خانوں، قحبہ خانوں اور قمار بازی کے اڈوں کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اس نے پہلے ہی دن شریعت اسلامیہ کے خلاف مختلف امور کے خاتمے کے لئے اپنے

احکامات جاری کیے کہ دربار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ بیبرس پہلے سلطانوں سے بے حد مختلف ثابت ہوا۔ اس نے امرا کی اس درخواست کو بھی رد کر دیا جو کہ انہوں نے تخت نشینی کی خوشی میں جشن کے انعقاد کے لئے پیش کی تھی۔ بیبرس رات گئے تک دربار کے مختلف معاملات کو دیکھتا رہا اور ان کے بارے میں مناسب احکامات جاری کرتا رہا۔ وہ قاہرہ میں تعطل کے شکار امور سے جلد فراغت پا کر شام کی جانب روانہ ہونا چاہتا تھا جہاں تاتاری خطرہ بدستور برقرار تھا۔

❀ ❀ ❀

''ٹھہرو!'' نقاب پوش شخص کی تیز آواز سناٹے میں گونجی۔

گل دقوز پہلو بدل کر رہ گئی۔ اس آواز سے اس کے کان بخوبی آشنا تھے، وہ اسے پہچان چکی تھی کیونکہ وہ شخص شینجی تھا جو انہیں خنجر زنی کی تربیت دیتا رہا تھا۔ لڑکیاں بھی شینجی کو سامنے پا کر مخمصے کا شکار دکھائی دیں۔

''تم لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہو جو کہ انتہائی خطرناک اور ناقابلِ معافی فعل ہے، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ شیخ کبیر الدین فرار ہونے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟''

''شینجی!'' گل دقوز بولی۔ ''تم ہماری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں تمہاری لاش بھی یہیں گرانا پڑے، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری کسی نصیحت پر کان دھریں گے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے، بہتری اسی میں ہے کہ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ''۔

''بے وقوفی کی بات مت کرو، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں!'' شینجی نرمی سے بولا۔ ''مجھے اندازہ تھا کہ آج رات تم ایسی نادانی ضرور کرو گی اسی لئے میں یہاں رات سے موجود تھا، تم شاید یہ جانتی نہیں ہو کہ یہاں سے صرف ایک منزل نیچے ہزاروں کی تعداد میں خونخوار سپاہی موجود ہیں جو شیخ کبیر الدین کی اندھا دھند پوجا کرتے ہیں اور وہ تمہیں کسی قیمت پر یہاں سے باہر نہیں نکلنے دیں گے، محض پانچ دس غلاموں کو ہلاک کر کے تم سب خود کو مہارت یافتہ نہ سمجھو۔ نیچے جو لوگ ہیں وہ ہزاروں لوگوں کا خون بہا چکے ہیں، تمہارے ننھے خنجر ان کی تلواروں کے سامنے بے وقعت ہیں اور تم لوگ ان کے لئے ابھی طفلِ مکتب ہو''۔

''شینجی!'' ایزیلا درشت لہجے میں بولی۔ ''خاموشی سے ہمارا راستہ چھوڑ دو، تمہاری تنبیہ ہمارے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتی، یا تو ہم آج یہاں سے صحیح سلامت نکل جانے میں کامیاب ہوں گی یا پھر اپنی غلامانہ زندگی ہی مناڈالیں گی''۔

''ایزیلا! ہوش کے ناخن لو!'' شینجی جھنجھلا اُٹھا۔ ''جیسے تمہاری زندگی تمہارے بس میں نہیں ہے اسی طرح تمہاری موت بھی تمہارے بس میں نہیں ہے، اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ ناکامی کی صورت تم خود کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ نیچے موجود ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ تمہاری ہلاکت شیخ کبیر الدین کی ناراضگی مول لینے کے مترادف ہے۔ تم اگر مرنے کی کوشش بھی کرو گی تو وہ لوگ تمہیں مرنے بھی نہیں دیں گے''۔

''گل دقوز!'' زہرہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''وقت ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے، شینجی کا قصہ تمام کر ڈالو یہ شخص خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کر رہا ہے، ہمیں وقت گنوائے بغیر آگے بڑھنے کی فکر کرنا چاہئے''۔

''شینجی!'' جفاء نے اپنے خنجر کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ ''تم ہمارے ارادوں سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہو اور تمہیں ہماری آنکھوں میں رقص کرتی موت بھی دکھائی دے رہی ہو گی لہٰذا بہتر یہی ہو گا کہ تم ہماری راہ سے ہٹ جاؤ یا پھر ہم سے کھل کر مقابلہ کر دتا کہ ابھی فیصلہ ہو جائے''۔

''نادانی کی باتیں مت کرو..... مجھے تم سب سے گہری ہمدردی ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ شیخ کبیر الدین کے کسی عتاب کا شکار ہو جاؤ''۔ شینجی کے لہجے میں گہرا کرب عیاں تھا۔

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو! یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، نیچے کی جانب بڑھو''۔ گل دقوز نے پُراعتماد لہجے میں کہا تو ان کے قدموں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ شینجی انہیں روکنے کے لئے ہاتھ بڑھائے رہ گیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے نیچے اترنے لگیں۔ گل دقوز نے مڑ کر اس پر ایک نگاہ ڈالی تو شینجی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دکھائی دی۔ آنسوؤں کی پرواہ کیے بغیر وہ نیچے کی جانب بڑھ گئی۔

''گل!'' شینجی کے کانپتے ہونٹوں میں لرزتی ہوئی جنبش ہوئی تو گل دقوز کو یوں لگا جیسے اس کے قدموں میں زمین نے بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ وہ متوحش نگاہوں سے شینجی کی جانب دیکھنے لگی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز واقعی شینجی کی ہی تھی۔

❀ ❀ ❀

ملکہ بدر منیر لولو کو کچھ ہی دیر پہلے شاہی محل سے رخصت ہونے کا سلطانی حکم ملا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں مرحوم شوہر سیف الدین قطوزی سلطان الملک المظفر کی حیثیت کے بل بوتے پر بے شمار منصوبے بنائے ہوئے تھی کہ اس کی موت کی خبر پاتے ہی شدتِ غم سے نڈھال ہو کر رہ گئی۔ سلطان کے قتل کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ وہ کئی گھنٹے تک سکتے کے عالم میں ڈوبی رہی۔ سلطان الملک المظفر کی غیر متوقع موت کے باعث اس کے سارے خواب بکھر چکے تھے۔ اس نے دوبارہ ملکہ بننے کے لئے بے حد جتن کیے تھے مگر یہ اعزاز زیادہ دیر تک اس کے قبضے میں نہ رہ پایا۔ وہ قدرت کے اس عجیب فیصلے پر محض تلملا کر رہ گئی۔ جب اُسے شاہی کنیز نے سلطان الملک القاہر کا حکم سنایا تو وہ بے حد حیران ہوئی کہ اتنی تیزی سے نئے سلطان کا انتخاب بھی کیا جا چکا ہے۔ جب اس نے سلطان الملک القاہر کے بارے میں دریافت کیا تو اپنے شوہر کے قاتل کا نام بطور سلطان سننے پر وہ بے چینی و بے قراری سے پہلو بدل کر رہ گئی۔ غصے کے عالم میں وہ بھری ہوئی دکھائی دی۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہ پیش آئی کہ سلطان الملک المظفر کا قتل بیبرس کی سرکردگی میں مملوک امرا کی ملی بھگت سے عمل میں آیا تھا۔ اس نے قتل کے بارے میں دمشق سے آنے والے اپنے حمایتی امرا سے فوراً تفصیل طلب کی۔ کچھ ہی دیر میں اس کے پاس دمشق میں رونما ہونے والے حادثے کی کافی معلومات پہنچ گئیں۔

ان معلومات کی روشنی میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے قتل کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر کے انصاف طلب کرے گی تاکہ بیبرس کو اس کے کیے کی سزا مل سکے۔ اس نے فوری طور پر سلطان الملک القاہر کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ انہیں محل خالی کرنے کا حکم جاری کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہئے تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موت کے بعد عدت کی حالت میں ہے، شریعت اسے یہ حق دیتی ہے کہ وہ شاہی محل میں ٹھہر کر اپنی عدت پوری کرے لہٰذا وہ اس حالت میں کہیں نہیں جائے گی اور زمانہ عدت تک محل میں ہی مقیم رہے گی۔

سلطان بیبرس کے پاس جب ملکہ بدر منیر لولو کا پیغام پہنچا تو اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اسے شاہی محل میں قیام کی اجازت دے دی۔ سلطان بیبرس کے ذہن میں یہ خدشہ موجود تھا کہ ملکہ بدر منیر اپنی بدطینت فطرت کے باعث ضرور کوئی نہ کوئی مشکل کھڑی کرے گی۔ اسے مشکلات سے نمٹنے کی فکر تو نہ تھی مگر حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ایسے بکھیڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

ملکہ بدر منیر کو جب شاہی محل میں قیام کی اجازت مل گئی تو اس نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے

ہوئے اپنے بااعتماد اور وفادار مصری امرأ سے خفیہ روابط بڑھائے۔ دن کے مختلف اوقات میں مصری امرأ اس کے پاس آتے رہتے۔ یہ سلسلہ کافی دن تک جاری رہا۔ ملکہ بدر منیر نے ان امرأ کو مختلف حربوں سے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ سلطان الملک المظفر کے قتل کے معاملے میں ملکہ بدر منیر کا ساتھ دیں اور سلطان بیبرس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اُسے معزول کروانے میں اس کی معاونت کریں۔ ساتھ ہی اس نے انہیں یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اس کے بھائی علاء الدین لولو کو اپنا نیا سلطان منتخب کریں کیونکہ وہ ہی اس کڑے وقت میں بلادِ مصر کا حقیقی محافظ ثابت ہوسکتا ہے۔ مصری امرأ سلطان الملک المظفر کے قتل کے معاملے میں تو اس کا ساتھ دینے پر آمادہ دکھائی دیئے مگر علاء الدین لولو کو بطور نیا سلطان منتخب کرنے میں انہوں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیکھ کر ملکہ بدر منیر نے علاء الدین لولو کے معاملے میں زیادہ اصرار نہ کیا۔ ان ملاقاتوں کے دوران یہ طے پایا کہ ملکہ بدر منیر زمانہ عدت سے فارغ ہو کر خود قاضی کے سامنے یہ معاملہ پیش کرے گی اور امرأ قاضی پر نظر رکھیں تا کہ وہ سلطانی حکم کے دباؤ میں نہ آئے۔ ملکہ بدر منیر کی خواہش یہ تھی کہ معاملہ قاضی کے پاس پیش ہونے کے بعد یہ افواہ پھیلا دی جائے کہ قاضی سلطان بیبرس کے دباؤ میں جانبداری اختیار کیے ہوئے ہے اور وہ کسی صورت میں انصاف نہیں کرے گا۔ اس افواہ سے جہاں بیبرس کی شخصیت داغ دار ہو کر رہ جائے گی وہیں امرأ بحالت مجبوری بیبرس کو منصب سلطانی چھوڑنے پر مجبور کریں گے۔ اس طرح پہلا مرحلہ انجام کو پہنچے گا۔ نئے سلطان کے لیے کس کا نام پیش کیا جائے، یہ معاملہ آنے والے وقت میں طے کر لیا جائے گا۔ مصری امرأ نے ملکہ بدر منیر کو اپنی وفاداری کی مکمل یقین دہانی کرائی۔ چند دن گذرنے پر ملکہ بدر منیر کو یہ معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس بلادِ شام جانے کی تیاری میں مصروف ہے تو اس نے بیبرس کی واپسی میں تاخیر کے پیشِ نظر فوراً یہ مسئلہ قاضی کے سامنے اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک طویل مراسلے میں اپنی شکایت تحریر کی اور اپنے ایک وفادار غلام کے ہاتھوں قاضی کے پاس بھیج دی تا کہ بیبرس کو بلادِ شام جانے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔

دوسرے روز شاہی کنیزوں نے اسے حراست میں لئے جانے کا حکم سنایا تو وہ محض پہلو بدل کر رہ گئی۔ کنیزوں کے ساتھ سپاہی موجود تھے۔ جنہوں نے ملکہ بدر منیر کو مطلع کیا کہ سلطان الملک القاہر نے اسے اسی وقت دربار میں حاضر کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ شاہی حکم سن کر وہ پریشان سی ہوگئی۔ اس نے یہ جواب بھجوانے کی کوشش کی کہ وہ چونکہ ایامِ عدت میں ہے لہٰذا گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تو شاہی کنیزوں نے آگاہ کیا کہ سلطان الملک القاہر نے دربار میں اس کے پردے کا پورا اہتمام کیا ہے۔ ملکہ بدر منیر خدشات میں اُلجھی ہوئی چاروناچار کنیزوں کے ساتھ دربار کی جانب روانہ ہوگئی۔ دربار پہنچنے پر اسے ایک جانب خاص قسم کے حصے میں بٹھایا گیا جہاں موٹے کپڑے کے پردے لٹکا کر پردے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

''ملکہ بدر منیر!'' سلطان بیبرس کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہے، تمہارے شوہر کو میں نے جان بوجھ کر نہیں قتل کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے شوہر نے مجھ پر حملہ کرایا، اس کے پیچھے اس کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے میں اس سے بے خبر ہوں، البتہ میں نے اس کی حرکت کے بارے میں اس سے وضاحت چاہی تھی جو اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ دمشق میں مملوک امیر غیاث الدین قرطائی کی ہلاکت اور مجھ پر حملے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا شوہر چالاکی و مکاری سے مملوک امرأ کو راستے سے ہٹا کر اقتدار پر قابض ہونے کا خواہش مند تھا حالانکہ یہ اقتدار اسے انہی مملوک امرأ کے باعث حاصل ہوا تھا۔ اگر میں تمہارے شوہر کے گناہوں کا پنڈارہ کھولوں تو وہ گنہگار نکلے گا۔ میں نے مرے ہوئے شخص کو مزید بدنامی سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اگر تمہیں امرأ کے بیانات پر یقین نہیں ہے تو تمہیں اس امر کی اجازت

حاصل تھی کہ تم قاضی القضاۃ برہان الدین کے پاس معاملہ پیش کر سکتی تھی مگر تم نے درست راستے کو چھوڑ کر غلط طریقہ کار اختیار کیا اور ریاست میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے، جو کہ قانون کی رو سے جرم قرار پاتا ہے۔ اس بغاوت و سرکشی کی سزا سلطانوں کے ہاں موت مقرر ہے۔ اگر بات صرف مجھ تک محدود ہوتی تو میں تمہیں فراخ دلی سے معاف کر دیتا مگر قانون سب کے لیے یکساں ہے اور تم قانون کی خلاف ورزی کر چکی ہو۔''

سلطان بیبرس کی بات مکمل ہونے پر امیر فخر الدین لقمان اپنی نشست سے اُٹھا اور بلند آواز میں بولا۔

''گزشتہ ایک ماہ سے سابق سلطان کی ملکہ بدر منیر نے سلطان الملک القاہر کے خلاف امرأ کو بھڑکانے اور مختلف سازشوں کی تکمیل کی منصوبہ بندی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے جو کہ نظامِ سلطنت میں خلل پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ سلطان الملک المظفر کی موت کے عینی شاہدین نے اسے حادثہ قرار دیا ہے اور الملک القاہر بیبرس کو متفقہ طور پر اپنا سلطان تسلیم کیا ہے۔ اس وضاحت کے بعد امور سلطانی میں دخل اندازی کرنا ریاست کے قانون کے تحت جرم ہے۔ میں چاہوں گا کہ کسی فیصلے کے سنائے جانے سے پہلے سابق ملکہ بدر منیر اپنے اس طرز عمل کی وضاحت خود کرے''۔

''یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے''۔ ملکہ بدر منیر تیز آواز میں بولی۔ ''مقتول سلطان کی بیوہ ہونے کی بناء پر مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنے شوہر کے قتل کی چھان بین کرواسکوں۔ اس کے لئے میں نے قاضی القضاۃ برہان الدین کی عدالت میں اپنی فریاد بھیج دی ہے۔ وہ انصاف سے کام لیتے ہوئے معاملے کی ازسرِنو چھان بین کرائیں تا کہ اصلی قاتل کو سزا دی جاسکے چونکہ میرے پاس ایک معقول وجہ موجود ہے لہٰذا سلطان الملک القاہر کے خلاف مجھے کوئی سازش کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ملکہ بدر منیر!'' امیر فخر الدین لقمان نے پوچھا۔ ''کیا تم اپنی قیام گاہ میں بے پردہ امرأ کے ساتھ ملاقاتیں نہیں کرتی رہی ہو اور انہیں اس بات پر آمادہ نہیں کرتی رہی ہو کہ وہ سرکشی اختیار کر کے سلطان الملک القاہر پر بدگمانی ظاہر کریں اور فساد برپا کر کے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کریں؟''

''یہ بات درست ہے کہ میرے شوہر کے خیر خواہ از راہِ ہمدردی میرے پاس تعزیت کے لیے آتے رہے ہیں اور میری ڈھارس بندھاتے رہے ہیں مگر یہ جھوٹ ہے کہ میں نے فساد کے لئے انہیں آمادہ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے صفائی پیش کی۔

''ملکہ بدر منیر تمہارے ان تمام خیر خواہوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان سے حقیقت اگلوائی جاچکی ہے، علاوہ ازیں تمہارا وہ خط بھی تمہارے وفادار غلام سے برآمد کر لیا گیا ہے جس میں تم نے قاضی القضاۃ برہان الدین کو سلطان الملک القاہر کے خلاف فیصلہ کرنے کی صورت میں اس سے شادی اور اسے نیا سلطان بنانے کی پیشکش کی ہے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ یہ سنتے ہی جیسے ملکہ بدر منیر کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگی، اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا کیونکہ یہ صرف اسے ہی معلوم تھا کہ قاضی کو روانہ کئے گئے خط کا متن کیا تھا؟ وہ کچھ نہ بولی اور خاموش بیٹھی رہی۔

''معززین دربار! مختلف شہادتیں اور ملکہ بدر منیر کے ہاتھ سے لکھا ہوا خط اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ ملکہ بدر منیر نے نظامِ سلطنت میں خلل پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور معزز عمائدین سلطنت اور امرأ کو بغاوت و سرکشی پر اُکسایا ہے۔ اس جرم کی سزا کم از کم زنداں خانے کی قید اور زیادہ سے زیادہ سزا موت مقرر کی جاتی ہے، اب فیصلہ سلطان الملک القاہر پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کیا حکم دیتے

ہیں؟'' امیر فخر الدین لقمان نے کاغذ کا ٹکڑا ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ کچھ امراء نے اس مراسلے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جس پر وہ خط ان کے حوالے کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ خط امراء کے پاس گردش کرتا رہا پھر امیر فخر الدین لقمان کے پاس واپس پہنچ گیا۔

''سلطانِ محترم!'' ایک امیر اُٹھ کر بولا۔ ''ملکہ بدر منیر پر لگایا جانے والا الزام تمام شہادتوں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے لہٰذا ہماری یہ گذارش ہے کہ اسے عورت ہونے کے ناطے قتل کی سزا نہ دی اور نہ ہی زنداں خانے میں ڈالا جائے بلکہ اسے بلادِ مصر سے جلاوطن کرتے ہوئے واپس موصل روانہ کر دیا جائے''۔

امیر کے خاموش ہونے کے بعد دوسرے کئی امراء نے بھی اُٹھ کر اپنی اپنی آراء پیش کیں۔ زیادہ تر امراء اس بات کے خواہش مند دکھائی دیئے کہ ملکہ بدر منیر کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو کہ اس نے خود سابق ملکہ شجرۃ الدر کے ساتھ کیا تھا یعنی کنیزوں کے ہاتھوں اس کے سر پر لکڑی کی جوتیاں برسائی جائیں کہ اس کا بھیجا باہر نکل آئے۔ اپنے لئے یہ بھیانک سزا سن کر ملکہ بدر منیر کو سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شجرۃ الدر کی موت کا منظر گھومنے لگا۔

''نہیں یہ مناسب نہیں ہے''۔ سلطان بیبرس نے نفی میں ہاتھ لہرایا۔ ''میں ملکہ بدر منیر کو ایک اور موقعہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی روش کی اصلاح کر سکے اور سابقہ طرزِ عمل پر شرمندگی محسوس کرتے ہوئے پُر امن زندگی گذارنے کا وعدہ کرے تو میں اسے تمام عمر شاہی محل میں رہنے کی اجازت دے سکتا ہوں اور اس کو وہ تمام سہولیات بھی مہیا کی جائیں گی جو کسی ملکہ کو حاصل ہوتی ہیں''۔

''سلطانِ محترم کا فیصلہ بے شک دریا دلی کا ثبوت ہے مگر یہ بدطینت عورت اس کی حقدار نہیں ہے، اگر آپ نے اسے بخش دیا تو ممکن ہے کہ آپ کا کوئی ''خیر خواہ'' اُسے موت کے گھاٹ اُتار دے اور آپ پر ایک اور الزام عائد ہو جائے لہٰذا نزاکت حالات کے لحاظ سے بہتری اسی میں مضمر ہے کہ اسے جلاوطن کر دیا جائے''۔ ایک امیر نے خدشہ ظاہر کیا۔ دوسرے امراء بھی اس کی بات کی تائید میں شور مچانے لگے۔

''سلطانِ محترم!'' علاء الدین لولو نشست سے اُٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اس معاملے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں''۔ اجازت ملنے پر اس نے بات کا سلسلہ جوڑا۔ ''سلطان کو یہ یاد ہوگا کہ زمانہ سالاری میں انہوں نے میرے ساتھ ایک وعدہ کیا تھا جس میں حلب کی ولایت مجھے بخشی گئی تھی۔ میرے پاس اس وعدے کی تحریری یاداشت بھی موجود ہے، میں استدعا کرتا ہوں کہ مجھے وعدے کے مطابق ولایت حلب عطا کی جائے اور میری بہن کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ ہم بہن بھائی حلب میں رہ کر امن کی زندگی گذار سکیں''۔

''علاء الدین!'' سلطان بیبرس مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اپنا وعدہ بخوبی یاد ہے اور مجھے ولایت حلب تمہیں سونپنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن کیا یہ ممکن ہو سکے گا کہ تم دونوں وہاں رہ کر پُر امن زندگی گذارو گے اور قاہرہ کے خلاف کسی سازش کے مرتکب نہیں ہو گے؟''

''سلطانِ محترم! آپ کے سامنے میرا ماضی بھی موجود ہے اور حال بھی، میں دائمی اطاعت گذاری اور وفاداری کا حلف دیتا ہوں اور تحریری وعدے کی شرائط کے مطابق کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوں گا۔ اس کے علاوہ میں اپنی بہن کی جانب سے بھی مکمل ضمانت دیتا ہوں کہ وہ آئندہ کسی ایسے معاملے میں ملوث نہیں پائی جائے گی جس کا تعلق آپ کی ذات سے ہو''۔ علاء الدین لولو نے سر کو خم دیتے ہوئے جواب دیا۔

''سلطانِ محترم!'' ایک مملوک امیر نے احتجاج میں مداخلت کی۔ ''اب جبکہ حالات منکشف ہو چکے ہیں اور ان لوگوں کی ذہنی اُپج کھل کر سامنے آ چکی ہے، ایسے حالات کے بعد ولایت حلب ان کے حوالے کرنا

درست معلوم نہیں ہوتا۔ میری رائے یہی ہے کہ ان دونوں کو بلادِ مصر و شام کی حدود سے باہر نکال دیا جائے''۔

علاء الدین لولو کی درخواست کا مملوک امراء پر نہایت برا اثر پڑا۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے سامنے علاء الدین لولو کی درخواست کو رد کیے جانے کا پُرزور مطالبہ کیا۔ سلطان بیبرس نے امراء کو مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں نہ تو وعدہ شکن ہوں اور نہ ہی کسی کے حلف پر بد اعتمادی کا اظہار کروں گا۔ علاء الدین نے آپ سب لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اطاعت و فرمانبرداری کا حلف اُٹھایا لہٰذا میں اس پر اعتبار کرتے ہوئے ولایت حلب علاء الدین لولو کے حوالے کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور ساتھ ہی اسے یہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ کسی بھی غلط حرکت میں ملوث پائے جانے پر اسے بلا تاخیر قتل کر دیا جائے گا''۔

سلطان بیبرس کا حکم سن کر علاء الدین لولو کے چہرے پر بشاشت پھیل گئی۔ اس نے سلطان کے اعتماد کو برقرار رکھنے کا وعدہ کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جبکہ مملوک اور مصری امراء نے اس فیصلے کو سلطان بیبرس کی ناعاقبت اندیشی قرار دیا۔

دوسرے ہی دن علاء الدین لولو اپنی بہن ملکہ بدر منیر لولو کو ساتھ لے کر حلب کی جانب روانہ ہو گیا۔ ملکہ بدر منیر نے اس ضمن میں ضد کرنے کی کوشش کی مگر علاء الدین اس کے ساتھ بے حد درشتی سے پیش آیا۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ قاہرہ میں رہ کر وہ اپنی بہن کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ حلب کی ولایت پانے کے بعد اسے قوت کے اجماع کا موقعہ مل سکتا تھا حلب کے گرد بے شمار ایسی قوتیں موجود تھیں جو سلطان بیبرس کو شکست دینے کے لئے پوشیدہ طور پر تیاری میں مصروف تھیں۔ وہ علاء الدین لولو کی معاونت سے اپنے مقصد میں بھرپور انداز میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ علاء الدین حلب کی جانب سفر کرتے ہوئے بے حد سرشار تھا، وہ عالم تصور میں بہت جلد بلادِ مصر کا تخت اپنے قدموں کے نیچے محسوس کر رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

''شنک......!'' گل دقوژ کے ہونٹ غیر ارادی طور پر کھلتے چلے گئے۔ لڑکیاں گل دقوژ کے منہ سے اجنبی نام سن کر چونک پڑیں۔ گل دقوژ کو واپس لوٹتے دیکھ کر وہ بھی اس کے پیچھے لپکیں۔ گل دقوژ متحیر و پریشان نگاہوں سے شینجی کی جانب دیکھ رہی تھی، جس کے نقاب کے پیچھے سے بالکل شنک خان کی آواز برآمد ہوئی تھی۔ وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ گل دقوژ اپنی بے قراری پر قابو نہیں رکھ پائی، اس نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے شینجی کا نقاب نوچ ڈالا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ ہچکیاں لے کر سسکنے لگی۔ وہ چہرہ شنک خان کا ہی تھا، اس کے ماموں زاد کا، جسے اس نے ڈیڑھ ماہ پہلے زیریں زینوں میں دیکھا تھا۔

''گل!'' شنک خان بمشکل بول پایا۔ اس کے چہرے پر ندامت پھیلی ہوئی تھی۔

''اپنی زبان کو قابو میں رکھو شنک!'' گل دقوژ سسکتے ہوئے پھٹ پڑی۔ ''گل دقوژ تو اسی دن مر گئی تھی جس دن تمہارے دادا منک آنہ نے اسے کوہ سرخ میں زندہ درگور کر دیا تھا۔ قبیلہ سرخ غر کی روایات دم توڑ چکی ہیں، تمہارے دادا سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ مجھے وعدے کے مطابق ایک موقعہ تو دیتا۔ منک آنہ نے میرے ساتھ جو دھوکا کیا ہے اس کی سزا تو اُسے ایک دن بھگتنا ہی پڑے گی.... اور آج تم کس منہ سے اپنائیت کا اظہار کر رہے ہو، تمہیں اس وقت ذرا خیال نہیں آیا تھا جب تم مجھے غار سے نجات دے کر اس اجنبی قید خانے میں پھینک گئے تھے۔ کاش مجھے اسی غار میں مر جانے دیا ہوتا۔ تم اتنے دنوں سے میرے سامنے موجود ہو مگر میری بے چارگی و بے بسی پر ذرا ترس بھی نہیں آیا۔ تم جیسے خود غرض انسان کو تو اپنا ماموں زاد کہتے ہوئے بھی مجھے شرم

آتی ہے''۔

''گل! ''شنگ خان سر جھکا کر دھیمے سے بولا۔ ''اس سارے معاملے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہیں سزا دی جا چکی ہے اور نہ ہی میں تمہیں اس غار سے نکال کر یہاں لایا ہوں، میں تو تمہاری تلاش میں وہاں پہنچا تھا مگر خالی غار دیکھ کر بے حد پریشان ہوا تھا، ساتھ ہی کسی حد تک یہ امید تو بندھی تھی کہ تم زندہ ہو.....!''

''کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہو؟ اگر تم مجھے یہاں نہیں لائے تھے تو تمہاری یہاں موجودگی کو میں کیا نام دوں؟'' گل وتوژ غرائی۔

''میری موجودگی محض اتفاق ہے اور کچھ نہیں! میں تو تمہاری تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا کہ ایک دن شیخ کبیرالدین کے پیروکاروں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں نے انہیں خاصا نقصان پہنچایا۔ بالآخر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور گرفتار کر کے یہاں لے آئے، میری خنجر زنی کی مہارت کے بارے میں جب شیخ کبیرالدین کو معلوم پڑا تو اس نے میرا مقابلہ کرایا جس میں، میں با آسانی جیت گیا اور میرے فن کی مہارت شیخ کبیرالدین کو بھا گئی اور یوں میں مرنے سے بچ گیا''۔ شنگ خان نے بتایا۔

''میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ ایسی کہانیاں گھڑ لینا تمہارے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ میں نے ایسی کئی سنسنی خیز کہانیاں تمہارے منہ سے پہلے بھی سنی ہیں''۔ گل وتوژ مشکوک انداز میں بولی۔ شنگ خان جھنجھلاہٹ میں پہلو بدل کر رہ گیا۔

''گل وتوژ! وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے!'' زہرہ نے بات کو طول پکڑتے دیکھ کر مداخلت کی۔ ''ممکن ہے کہ کنیزوں کو ہوش آ چکا ہو۔ ہمیں جلدی کرنا ہوگی''۔

''تمہیں جاودانی آسمان کی قسم! واپس لوٹ جاؤ! میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ نیچے خوفناک موت اپنے پنجے پھیلائے بیٹھی ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی تمہیں یہاں سے واپس لے جاؤں گا''۔ شنگ خان منت سماجت پر اتر آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''تیر ترکش سے نکل چکا ہے شنگ اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا، اپنوں کے زخم کھا کر مرنے کے بجائے مجھے دوسروں کے زخم سے مرنا منظور ہے''۔ گل وتوژ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کے ہمراہ زینے اتر گئی۔ شنگ خان وہیں کھڑا مٹھیاں بھینچتا رہ گیا۔ وہ گل وتوژ کو موت کے منہ سے بچانے کا خواہشمند تھا مگر شیخ کبیرالدین کا بنا ہوا جال ہی کچھ ایسا پیچیدہ اور دشوار گذار تھا کہ اس میں سے بچ نکلنے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تھی۔

❀ ❀ ❀

''میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اس کی موت تمہارے ہاتھوں مقرر ہے مگر قبل از وقت یہ راز منکشف کرنا درست نہیں تھا''۔ شیخ عزالدینؒ بن سلام دمشقی کی مشفقانہ آواز سنائی دی تو سلطان بیبرس چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگا۔

''یا شیخ! یہ کیسی بات آپ نے کہہ ڈالی؟''

''الملک المظفر نے جو خواب ابوالعباس شمس الدین کو سنایا تھا، وہ تعبیر کے لئے میرے پاس بھی آیا تھا، میں خواب سننے پر ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کی موت قتل کی صورت میں ظاہر ہوگی البتہ قاتل یعنی سفید پرندے کے لئے میں کسی کا نام نہیں طے کر پایا۔ جب تم نے تاتاریوں کے خلاف مہم چلائی اور پورے لشکر کی سالاری حاصل

کر لی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ قاتل کون ہے؟ میں جانتا ہوں تم یہاں صرف اس لئے آئے ہو کہ تمہارا ضمیر ابھی تک عالم شرمندگی میں غرق ہے اور احساس جرم مسلسل کچوکے لگا تا رہتا ہے!''

''شیخ! میں نے کبھی ایسی تمنا نہیں کی تھی کہ میں سلطان الملک المظفر کو قتل کر کے اقتدار حاصل کر دوں، پھر بھی ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ وہ میری تلوار کا نشانہ بن گیا''۔

''جو گذر گیا باعث افسوس ہے مگر اب تمہیں اس غلطی کا ازالہ کرنے کی ضرورت ہے''۔

''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''میں تمہیں دن رات سجدوں میں پڑے رہنے کا مشورہ نہیں دے رہا بلکہ یہ واضح کر رہا ہوں کہ تم پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اس کی تکمیل میں اخلاص و دیانتداری کو فروغ دو۔ خلقت خدا اس وقت ظلم وستم میں مبتلا ہے۔ ان کے لئے راست اقدامات اُٹھاؤ۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی ریاستوں سے باہر نکال کر وہاں امن و امان قائم کرو۔ تم کل تک جس جذبے میں سرشار رہتے تھے، اسے آج استعمال کرو۔ ذہن پر سے وہ سارے بوجھ اُتار ڈالو جو تمہارے ماضی سے وابستہ ہیں۔ وہ سفر گذر گیا ہے، اب ان تصورات کو عملی جامہ پہناؤ جو تم اپنے دماغ میں چلتے پھرتے محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کی باگیں تمہارے ہاتھوں میں تھما دی ہیں۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم انہیں کس طرف لے جاؤ گے۔ تباہی و بربادی کی جانب یا سکون اور خوشحالی کی طرف؟''

سلطان بیبرس خاموشی سے سنتا رہا۔ شیخ عزالدینؒ کے انداز گفتگو میں ایسا سحر تھا کہ چند لمحوں میں ہی اس کے ذہن کا سارا بوجھ کافور ہو کر رہ گیا۔ وہ خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والی طمانیت شیخ عزالدینؒ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکی، وہ محض مسکرا دیے۔

''یا شیخ! میں چاہتا ہوں کہ بلادِ شام کو بلادِ مصر کے ساتھ جوڑ دوں تاکہ دشمنانِ اسلام کو پیش قدمی کا موقع نہ مل سکے۔ بلادِ شام کی خستہ حالی پر کسی دشمن کا اس پر قابض ہو جانا مشکل امر نہیں ہے۔ کیا مجھے یہ قدم فوراً اُٹھا لینا چاہئے یا کچھ توقف اختیار کیا جائے؟'' بیبرس نے سوال کیا۔

''تمہیں ذرا سی بھی دیر نہیں کرنا چاہئے۔ فوراً بلادِ شام پہنچو اور وہاں مزید انتظامات کرو تاکہ وہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ ہو جائیں۔ بلادِ شام کے انتظام میں ہی تمہیں اپنی دوسری ذمہ داری بھی یاد آ جائے گی''۔ شیخ عزالدینؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

سلطان بیبرس ان کی بات پر چونک پڑا۔ اس نے مزید جاننے کی کوشش کی مگر شیخ عزالدینؒ نے مزید کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ سلطان بیبرس اپنی پرانی عادت کے مطابق اکثر و بیشتر شیخ عزالدینؒ کے پاس وقت گذارتا رہا۔ وہ کئی معاملات میں ان سے مشورہ لینا ضروری سمجھتا۔ بیبرس شیخ عزالدینؒ کی ہدایت پر مملوک افواج کے ساتھ بلادِ شام روانہ ہو گیا وہ وہاں پہنچ کر حالات کے مطابق انتظامات کرنا چاہتا تھا تاکہ تاتاری حملے کا سدباب کیا جا سکے۔ سلطان الملک القاہر بیبرس نے محرم 659ھ میں دمشق پہنچ کر ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جس میں بلادِ شام کے تمام والیوں، رؤساء، معززین اور امراء کو دعوت دی جو تاتاریوں کے حملوں کے بعد بلادِ شام کی متعدد چھوٹی چھوٹی املاک اور ریاستوں پر قابض ہو چکے تھے۔

دربار کی رسمی کارروائیوں کے بعد سلطان بیبرس نے ایک پُراثر خطاب کیا جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ بلادِ شام کی بقاء ماضی میں بغداد کے ساتھ منسلک تھی اور سقوط بغداد کے بعد وہ بالکل غیر محفوظ اور تنہا رہ گیا ہے۔ تاتاریوں کی بربریت نے بلادِ شام کو ایسا پامال کر ڈالا ہے کہ اس کی سکت کمزور پڑ چکی ہے۔ صلیبی اور

تاتاری ابھی تک بلادِ شام کو اپنی گرفت میں لینے کے منصوبے بنائے بیٹھے ہیں۔ اگر ایسے حالات میں بلادِ شام مضبوط مرکز کے ساتھ منسلک ہو جائے تو اس کے تحفظ کی ذمہ داری میں دوسرے مسلمان بھائی بھی شریک ہو جائیں گے۔ سلطان بیبرس نے یہ بھی واضح کیا کہ تاتاریوں کی واپسی یقینی ہے۔ وہ کسی بھی وقت بلادِ شام اور پھر بلادِ مصر کا رُخ کر سکتے ہیں۔ ان کے بندوبست کا یہی ایک طریقہ ہے کہ انہیں بلادِ شام میں داخل ہی نہ ہونے دیا جائے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا کہ جب بلادِ شام کی تمام ریاستیں قاہرہ کے ماتحت ہو جائیں۔

بیبرس کا اندازِ خطاب بے حد متاثر کن تھا بلادِ شام کے عمائدین و اکابرین نے سلطان بیبرس کی بات سن کر حالات کو بصیرت کی نگاہ سے پرکھا تو انہیں عین جالوت کا معرکہ دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس میں انہیں تاتاریوں سے نمٹنے کی اہلیت کا احساس ہوا۔ مرکزِ خلافت کی تباہی کے بعد بلادِ شام کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ سلطان بیبرس کی بات کو رد کر دیتے۔ انہوں نے صلیبی اور تاتاری حریفوں سے محفوظ ہونے کے لئے سلطان بیبرس پر اعتماد کا اظہار کیا اور بلا تامل اس کی اطاعت قبول کر لی۔ بلادِ شام و شرقیہ پر قاہرہ کی مملوک حکومت کی سیادت تسلیم کر لی گئی بلادِ شام و شرقیہ کو ایک بار پھر بلادِ مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ اس الحاق کا شیرازہ سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد بکھر چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے بارہ برس کے بعد اپنے آقا سلطان الملک الصالح کی بکھری ہوئی سلطنت کو باہم جوڑ دیا تھا۔ سلطان نے بلادِ شام و شرقیہ کی رعیت کو ہر معاملہ میں اہلِ مصر کے مساوی حقوق دینے کا اعلان کیا اور ساتھ ہی یہ واضح کیا کہ بلادِ شام سلطنتِ اسلامیہ مصر کا دوسرا بازو ہے اور دمشق اس متحدہ سلطنت کا دوسرا مرکزِ حکومت ہے۔ تالیفِ قلب کے طور پر اس نے بعض شہروں اور ریاستوں میں قدیم خاندانوں کی سیادت برقرار رکھی لیکن ان پر یہ شرط عائد کر دی کہ وہ مرکزی حکومت کے احکامات اور قانون کے پابند ہوں گے۔ احکامات کے بعد سلطان بیبرس نے کئی شہروں کا دورہ کیا اور وہاں کے حالات کے مطابق اقدامات اُٹھائے۔ تمام اندرونی انتظامات سے فراغت کے بعد سلطان بیبرس نے سرحدی شہروں کی جانب توجہ مبذول کی۔ مؤثر دفاع کے لئے سرحدی شہروں میں مختلف سہولیات پہنچائی گئی اور تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ شدہ قلعوں اور فصیلوں کی مرمت کرائی گئی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے حلب سے لے کر حدودِ بغداد تک تمام آزاد جنگلوں اور گھاس کے میدانوں میں آگ لگوا دی تاکہ حملہ آور لشکر آسانی سے پیش قدمی نہ کر سکے۔ اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ نہ صرف راستے معدوم ہو جائیں بلکہ دشمن کے لشکر کو جانوروں کے چارہ کے لئے پریشانی اُٹھانا پڑے۔ جہاد کی غرض سے آنے والے نوجوانوں کو مزید تربیت دیتے ہوئے انہیں مستقل سپاہی قرار دیا گیا۔ بلادِ شام میں زیادہ تر وہ لشکر تعینات کئے گئے جو مقامی افراد پر مشتمل تھے سلطان بیبرس نے صرف تاتاری حملوں کے سدباب کے لئے تمام قوت خرچ نہیں کی بلکہ صلیبی لشکر کی جانب بھی اس کی توجہ رہی۔ اس نے صلیبی لشکروں کے متوقع راستوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔ بلادِ شام کے انتظامات سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے قاہرہ واپس لوٹنے کی تیاری شروع کر دی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے قاہرہ کی جانب حکم بھیجا کہ وہاں موجود تمام مہاجرین کو اپنے اپنے علاقوں میں روانہ کر دیا جائے تاکہ قاہرہ پر بڑھا ہوا بوجھ کسی قدر کم ہو سکے۔ سلطان بیبرس نے اپنی نگرانی میں بے حد تیز رفتاری سے انتظامات مکمل کروائے۔ یہ دیکھ کر بلادِ شام کی رعیت کو یقین ہونے لگا کہ واقعی قاہرہ کی سیادت تسلیم کر کے انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔

❁ ❁ ❁

شنگ خان کی بات سچ نکلی، زینے کے اختتام پر ایک وسیع و طویل راہداری موجود تھی جہاں مشعلوں کی

تیز روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ راہداری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مسلح محافظ چوکس انداز میں تعینات تھے۔ گل وقوژ اپنی ساتھیوں سمیت زینے کی دیواروں سے چپکے رہی۔ اتنے زیادہ محافظوں کی نگاہوں سے بچ نکلنا کسی صورت ممکن نہیں تھا۔ ان کے ساتھ بھڑ جانا بھی سراسر خودکشی کے مترادف تھا۔ گل وقوژ سمیت تمام لڑکیاں غم و فکر کا شکار دکھائی دیں۔ ان کے پاس اس صورت کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ واپس لوٹ جائیں یا پھر محافظوں سے بھرپور انداز میں مقابلہ کرتیں۔ اس صورت میں شاید ہی فرار کا کوئی موقعہ میسر ہو پاتا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' جفاء کی پریشان سرگوشی گل وقوژ کے کانوں میں پڑی۔

''وہی جو ہم نے رات کو نکلتے ہوئے طے کیا تھا!'' گل وقوژ نے دوٹوک جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! قید کی زندگی کی نسبت جرأت کی موت زیادہ پُرکشش دکھائی دے رہی ہے''۔ زہرہ نے جوشیلے انداز میں سب کی ہمت بندھائی۔

''ہمیں اس موقعہ پر جوش کے بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا۔ کسی طرح قریب کے محافظوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا جائے تاکہ ان کی تلواریں حاصل ہو سکیں۔ ہمارے خنجر زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوں گے''۔ گل وقوژ نے مشورہ دیا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو...... واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں، صبح ہوتے ہی ہمارے فرار کی خبر شیخ کبیر الدین تک پہنچ جائے گی، کنیزیں ہوش میں آتے ہی یقیناً شور مچا کر سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیں گی اور پھر نہ جانے کون سی قیامت ہم پر ٹوٹ پڑے؟ یہی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ ہم خود قیامت بن کر ٹوٹ پڑیں''۔ ایزیلا نے خدشے کا اظہار کیا۔

''ہم زینوں میں ہلکا پھلکا کھٹکا پیدا کریں گی جس سے یقیناً کوئی نہ کوئی محافظ اس جانب ضرور آئے گا، پھر اس کے ساتھ جو کچھ ہو سکے وہ نہایت خاموشی سے کیا جائے۔ ہم اتنی دیر تک سامنے نہیں ظاہر ہوں گی جب تک ہمارے قبضے میں چار تلواریں نہ ہو جائیں''۔ گل وقوژ نے انہیں ہوشیار کرتے ہوئے اپنی جوتی کی ایڑھی مدھم انداز سے زمین پر گھسائی۔ گھسٹ کی خفیف سی آواز نے گہرے سکوت میں ہلکا سا ارتعاش پیدا کیا۔ قریب موجود محافظ چونک کر زینوں کی جانب متوجہ ہوئے پھر انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

''تم دونوں ادھر جاؤ اور دیکھو وہاں کیا ہے؟'' ایک محافظ نے زینوں کے قریب موجود سپاہیوں کو حکم دیا۔ سپاہی محتاط انداز میں زینوں کی جانب بڑھ گئے۔ زینوں کے آغاز میں تو کسی قدر روشنی موجود تھی مگر بالائی حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی مگر انہیں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ واپس لوٹنے ہی والے تھے کہ زینوں میں ہلکی سی سرسراہٹ ابھری۔ وہ چوکنے دکھائی دینے لگے۔ ان کی تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور وہ زینوں پر پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگے۔ وہ چند زینے اوپر گئے تھے کہ ان کی گردنیں کسی ناگہانی شکنجے میں کستی چلی گئیں۔ ان کے حلق سے خرخراہٹ برآمد ہوئی دوسرے ہی لمحے انہیں تیز دھار کا احساس ہوا۔ زہرہ اور جفاء نے انہیں ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم کر ڈالا تھا۔ گل وقوژ اور ایزیلا نے پھرتی سے ان کی تلواریں اپنے قبضے میں کر لیں تاکہ ان کے گرنے سے شور نہ پیدا ہو۔ جفاء اور زہرہ نے سپاہیوں کی لاشیں اس طرح دیوار کے ساتھ لگا دیں کہ وہ بیٹھے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی۔ محافظوں کی توجہ زینوں کی جانب مبذول تھی جب کافی دیر تک ان کی واپسی نہیں ہوئی تو انہیں شک گزرا۔ محافظ نے مزید چار سپاہیوں کو زینوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ وہ سپاہی بھی لڑکیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ تلواریں ان کے قبضے میں پہنچ چکی تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں کھل کر سامنے آ جانا چاہئے!'' زہرہ نے مشورہ دیا۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا...... محافظوں کو اسی انداز میں ختم کیا جا سکتا ہے، یہ سلسلہ جاری رہنے دو۔ جب وہ سب زینوں کی جانب بڑھیں گے تو پھر دیکھا جائے گا'' ۔گل وتوژ نے کہا۔

راہداری کے محافظ زینوں کی جانب گئے چھ سپاہیوں کی واپسی کے منتظر دکھائی دیئے۔ اچانک زینوں سے نیچے آنے والی خون کی لکیر نے ان کو خطرے کا احساس دلا دیا۔ محافظ دستے کے سالار نے سب کو خبردار کرتے ہوئے زینوں کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ کافی سپاہی اپنی جگہ چھوڑ کر زینوں کے گرد جمع ہونے لگے۔ گل وتوژ نے جھانک کر نیچے کی جانب دیکھا تو سپاہیوں کو دیکھ کر اس نے ٹوٹ پڑنے کا اعلان کیا۔ اسی لمحے لڑکیاں برق رفتاری سے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ تلواروں کی جھنکار نے خاموشی درہم برہم کر ڈالی۔ سپاہی لڑکیوں کو مقابلے میں پا کر جہاں کسی قدر متحیر تھے وہیں وہ ان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ محافظ سالار شاید لڑکیوں سے واقف تھا۔ اس نے تیز آواز میں سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑکیوں کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا جائے، یہ بڑے آقا کا حکم ہے۔ سپاہی بڑے آقا کے حکم کا سن کر مدافعتی انداز میں لڑتے ہوئے انہیں گھیرنے کی کوشش کرنے لگے۔ لڑکیوں نے سپاہیوں کے مدافعانہ انداز کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے جارحانہ حملوں میں شدت پیدا کر دی۔

''یہ ہماری آزادی کی لڑائی ہے، ایک بھی سپاہی زندہ نہیں بچنا چاہئے'' ۔گل وتوژ نے سب کی ہمت بندھاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا تو لڑکیوں کے حملوں میں شدت بڑھ گئی۔ سپاہیوں کی مدافعانہ لڑائی لڑکیوں کے حق میں بہترین ثابت ہوئی تھی، وہ تلواریں خنجر زنی کے انداز میں پوری کامیابی سے استعمال کر رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سپاہیوں کی کٹی پھٹی لاشوں میں اضافہ ہونے لگا۔ محافظ سالار ان کی برق رفتاری پر ششدر رہ گیا۔ اس نے بگڑتی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنے حکم میں ترمیم کی اور لڑکیوں کو قتل کر دینے کا حکم سنایا۔ سپاہی بھی مدافعانہ لڑائی کے باعث خود کو بندھا محسوس کر رہے تھے، قتل کا حکم پاتے ہی ان کی لڑائی میں یکلخت تبدیلی پیدا ہو گئی اور وہ مخصوص زاویوں سے آگے پیچھے ہوتے ہوئے لڑکیوں پر وار کرنے لگے گل وتوژ نے ساتھیوں کو پشت ملانے کی ہدایت کی۔ اب وہ ستارے کی مانند گھومتی ہوئی سپاہیوں کے شدید واروں کا جواب دینے لگیں۔ لڑائی کی شدت میں کسی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ لڑکیاں اب داؤ پیچ کے ساتھ سپاہیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یہ معرکہ کافی دیر تک جاری رہا۔ تلواریں چلاتے چلاتے لڑکیوں کو اپنے بازو شل ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جفاء کا چہرہ تکان سے ستا ہوا دکھائی دیا۔ زہرہ میں جوش و ولولہ تو برقرار تھا مگر اس کے ہاتھوں کی جارحیت بھی کمزور پڑنے لگی۔ ایزیلا کا پھولا ہوا سانس اس کی مدافعت کی پستی کا اعلان کر رہا تھا۔ نرم و نازک گل وتوژ اس نہ ختم ہونے والے خونی کھیل کے سامنے خود کو کمزور محسوس کرنے لگی۔ وہ اپنی جان بچانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ اچانک ایزیلا کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی اور وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔ دوسری لڑکیوں کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ یہ بات عیاں ہو چکی تھی کہ لڑکیوں کا دم خم چند لمحوں کا مہمان ہے۔

گل وتوژ نے ایزیلا کو اپنے حصار میں لینے کا اشارہ کیا وہ تمام اس کے گرد تکونے انداز میں بکھر گئیں اور محافظ سپاہیوں کے شدید واروں کو روکنے لگیں وہ مرحلہ بے حد کڑا تھا جب ان تینوں کے ہاتھوں سے تلواریں نکل گئیں۔ وہ بالکل نہتی ہو چکی تھیں۔ گل وتوژ نے کمر میں اڑسا ہوا خنجر نکال لیا۔ وہ شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی زہرہ اور جفاء کے ہاتھوں میں بھی خنجر دکھائی دینے لگے۔ لڑکیوں کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر سپاہیوں کے چہروں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی، لڑائی کا انجام ان کے سامنے ظاہر ہو چکا تھا کہ لڑکیاں

زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکیں گی۔ سپاہیوں نے اپنے قدموں کو مخصوص حرکت دی اور تلواریں مختلف زاویوں سے گھماتے ہوئے لڑکیوں کی جانب بڑھتے لگے۔ گل وتوژ اور اس کی ساتھی لڑکیاں ان کی حرکات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھیں۔

''بس! یہ کھیل اب ختم کرو'' ۔ اچانک تیز آواز راہداری میں گونجی۔ سب سپاہی ٹھٹک کر اس جانب دیکھنے لگے۔ لڑکیوں کے چہروں پر مایوسی پھیل گئی۔

❁ ❁ ❁

سلطان الملک القاہر رکن الدین محمود بیبرس نے شام کے انتظامات سے فارغ ہو کر قاہرہ کی جانب روانگی اختیار کی۔ وہ بلادِ شام و شرقیہ کے مختلف شہروں میں مختصر قیام کرتا رہا اور وہاں کی رعایا کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ مختلف احکامات جاری کرتا رہا۔ اس نے اس سفر کے دوران شہروں کے درمیان رابطے کی فضا کی جانب خاص توجہ کی کیونکہ تمام شہروں کی حالت سے باخبر رہنا بے حد ضروری تھا۔ محکمہ ڈاک کے نظام کی ازسرِ نو تعمیر کی گئی۔ قلعہ جبل کے پاس ایک صدر دفتر بنایا گیا جو کہ نہایت اہمیت کا حامل علاقہ تھا۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 572ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس قلعے سے چار راستے مختلف سمتوں کو نکلتے تھے۔ ایک راستہ سکندریہ تک، دوسرا راستہ قوس تک، تیسرا دمیاط اور غزہ تک، چوتھا راستہ عیذاب تک جاتا تھا جو کہ بحیرۂ احمر کی ایک مشہور اور اہم بندرگاہ تھی۔ یہاں پر یمن، حبشہ اور ہند کی جانب سے تجارتی قافلے آیا کرتے تھے جو کہ وہاں سے سمندری راستے سے جدہ پہنچتے تھے۔ قلعہ جبل کو مرکزی حیثیت دینے کے بعد سلطان بیبرس نے تمام شہروں اور قصبوں میں ڈاک چوکیاں قائم کرنے کا حکم دیا جو کہ قلعہ جبل سے آنے والی ڈاک کو حاصل کرتی اور انہیں متعلقہ افراد تک پہنچاتی۔ یہ سلسلہ والیوں اور سلطان کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا۔ تمام ڈاک چوکیوں میں تازہ دم اور تندرست گھوڑوں کی مخصوص تعداد فراہم کی گئی۔ ڈاک چوکیوں کو براہ راست والئی علاقہ کی نگرانی میں دیا گیا تاکہ ان کے افعال میں کوئی رکاوٹ یا خامی پیدا نہ ہو۔ ڈاک کے نظام کو مزید مستحکم اور تیز رفتار بنانے کے لئے ہوائی ڈاک کو فعال بنانے کا حکم دیا گیا۔ یہ ہوائی پیغام رسانی نامہ بر کبوتروں کے ذریعے کی جاتی تھی۔ سلطان نور الدین زنگی بھی اپنے عہد میں ہوائی پیغام رسانی کو بخوبی استعمال کر چکا تھا جو کہ بعد میں ختم ہوتی چلی گئی۔ سلطان بیبرس نے حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سلسلے کو نہایت سرگرمی سے مکمل کروایا اور نامہ بر کبوتروں کا مرکزی دفتر بھی قلعہ جبل میں ہی قائم کیا۔ قلعے کے برجوں میں نامہ بر کبوتروں کی بڑی تعداد رکھی گئی اور ساتھ ہی کبوتروں کو سدھانے اور ان کی غور و پرداخت کے لئے مخصوص انتظامات کئے گئے۔ کبوتروں کی اُڑان کی سکت کے لحاظ سے مناسب فاصلوں پر ڈاک چوکیاں قائم کی گئیں تاکہ پیغامات محفوظ طریقے سے منزل تک پہنچ سکیں۔ اسی طرح کے دوسرے کئی انتظامات کرتے ہوئے اس نے جمادی الاوّل 659ھ میں جشن نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہ اپنے جاری کئے گئے احکامات پر عمل درآمد کا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ قاہرہ قریب ہی تھا مگر سلطان بیبرس نے قاہرہ جانے میں عجلت کا مظاہرہ نہ کیا۔

ایک شام وہ اپنے خیمے میں مملوک امراء کے ساتھ مصروف تھا کہ اسے ایک وفد کی آمد سے آگاہ کیا گیا جو کہ رحبہ سے خاص طور پر ملاقات کی غرض سے وہاں پہنچا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس وفد کو ٹھہرانے اور مہمان داری کا حکم دیا۔ اپنے امور سے فارغ ہو کر وہ انہی کے پاس چلا آیا۔ وفد کے ارکین سلطان کو اپنے سامنے دیکھ کر بوکھلا اُٹھے۔ انہوں نے سر خم کر کے تعظیم دی اور عرض کیا کہ سلطان محترم انہیں بلوا لیتے۔ سلطان بیبرس نے ان رسمی تکلفات سے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔

''سلطان محترم!'' ایک شخص بولا۔ ''ہمیں آپ کے پاس خاندانِ خلافت کے فرزند احمد بن ابوعلی نے روانہ کیا ہے، جوان دنوں ہمارے پاس رحبہ میں مقیم ہیں۔ ہمارے پاس آپ کے لئے ان کا ایک پیغام ہے''۔

خاندانِ خلافت کا ذکر سن کر سلطان بیبرس بے تاب سا دکھائی دیا۔ اس نے فوراً پیغام پیش کرنے کا حکم دیا۔ وفد نے ایک لپٹا ہوا مراسلہ بیبرس کی جانب بڑھایا۔ سلطان بیبرس نے تیزی سے مراسلہ کھولا اور بے قراری سے پڑھنے لگا۔ مراسلہ پڑھنے کے بعد سلطان بیبرس بولا۔

''ہماری جانب سے عباسی شہزادے کو سلام دیجئے اور ان سے کہئے کہ میں آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔ انہوں نے دشمنانِ اسلام کو شکست دینے کے لئے جو مبارک باد دی ہے میں اس کے لئے بے حد شکر گذار ہوں اور میں اپنے تئیں تہیہ کئے ہوئے ہوں کہ خلافت پر جو بجلی گرائی گئی ہے اس کے ذمہ داروں کو قبروں تک نہ چھوڑوں گا۔ ان سے یہ بھی کہئے گا کہ انہوں نے جو پیغام مجھے بھیجا ہے وہ میرے آئندہ اقدامات میں پہلے سے شامل ہے، میں انہیں پورا یقین دلاتا ہوں کہ وہ میرے پاس تشریف لائیں، جو کچھ انہیں درکار ہے میں نیک نیتی اور خلوص سے ان کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کرتا ہوں''۔

وفد سلطان بیبرس کا جواب ملنے کے بعد روانگی کا خواہش مند دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس نے وفد کے ہاتھوں عباسی شہزادے احمد بن ابوعلی کی خدمت میں خطیر رقم اور دیگر تحائف روانہ کئے۔ وفد کے جانے کے بعد بیبرس نے چند دن تک جشن میں قیام کیا اور انتظامات کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد قاہرہ کی جانب روانگی اختیار کی۔ قاہرہ میں دمشق سے آئے ہوئے ایک دوسرے وفد نے سلطان بیبرس سے ملاقات کی جو کہ ایک عباسی شہزادے احمد بن الظاہر بامراللہ کی طرف سے ملاقات کے لئے آیا تھا۔ اس وفد نے عباسی شہزادے کا ایک نامہ پیش کیا۔ سلطان بیبرس مختصر وقفے میں دو عباسی شہزادوں کے مراسلوں سے شک وشبہ میں مبتلا ہو گیا اور اس نے اس سلسلے کو فریب قیاس کیا۔ اس نے مراسلے کے مندرجات کو بغور پڑھا جو کہ پہلے والے مراسلے سے کسی قدر ملتے جلتے تھے۔ وفد کو اگلے دن تک قیام کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے بنومہارش کے سردار کو دربار طلب کیا۔ بنومہارش ان عرب قبائل میں سے ایک تھا جو کہ ایک عرصہ سے بلادِ مصر میں آباد تھا۔ سلطان بیبرس نے مراسلے اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس وفد کے ساتھ دمشق کے اس قصبے میں جائے جہاں احمد بن الظاہر بامراللہ مقیم ہے۔ اگر وہاں عباسی شہزادہ موجود ہو تو اس سے تعارف حاصل کرتے ہوئے تصدیق حاصل کی جائے کہ وہ واقعی خاندان بنوعباسؓ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر تصدیق حاصل ہو جائے تو اسے نہایت ادب واحترام کے ساتھ قاہرہ لایا جائے۔ اگر کوئی فریب ہو تو تمام لوگوں کو دمشق کے نائب السلطنت کے حوالے کر دیا جائے۔ ان کے بارے میں احکامات تم لوگوں کے دمشق پہنچنے سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ دوسرے روز سلطان بیبرس نے ایک خطیر رقم بنومہارش کے منتخب دس افراد کے حوالے کی اور انہیں دمشق سے آئے ہوئے وفد کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اسی دن سلطان بیبرس نے رحبہ کی جانب پیغام بھیجا کہ وہاں عباسی شہزادے احمد بن ابوعلی کی موجودگی کی تصدیق کر کے جواب بھیجا جائے۔

سلطان بیبرس نے عباسی شہزادوں کے بارے میں شیخ عزالدینؒ کو مطلع کیا اور ان سے مناسب رائے کی درخواست کی تو وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

''بیبرس! ایک دن تم نے کسی کی پھٹی ہوئی چادر رفو کی تھی، کیا تمہیں وہ یاد ہے؟''

''یا شیخ! میں آپ کا مقصد سمجھ گیا ہوں! انشاء اللہ ویسا ہی ہوگا''۔

''بے شک! وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے''۔ شیخ عزالدینؒ نے سر ہلایا۔ سلطان بیبرس کو اب ان

دونوں عباسی شہزادوں کی آمد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

❀ ❀ ❀

وہ سب اس آواز کو پہچان چکی تھیں۔ وہ شیخ کبیر الدین کی آواز تھی جو کہ کسی وقت میں راہداری میں پہنچ چکا تھا۔ گل دتوژ نے ہونٹ چباتے ہوئے ساتھی لڑکیوں کی جانب دیکھا تو ان کی کیفیت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ جفا بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے لباس اور چہرے خون سے بری طرح لت پت تھے۔ سپاہی اپنے آقا کا حکم پا کر یوں چھٹ گئے جیسے انہیں لڑکیوں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ زینوں سے لے کر نصف تک راہداری انسانی لاشوں سے اٹی پڑی تھی۔ گل دتوژ نے جب راہداری پر نظر ڈالی تو وہ خود متحیر رہ گئی۔ اتنے سارے سپاہی انہی کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے، اسے یقین نہیں آیا۔ شیخ کبیر الدین دھیمے قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیر الدین کے چہرے پر سرشاری بکھر گئی۔ ''فرار کی جستجو نے تم لوگوں کی چھپی ہوئی حقیقی صلاحیتوں کو زندہ کر ڈالا۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ آج ضرور کچھ ایسا ہی ہوگا، اسی لئے اس راہداری میں کثیر تعداد میں سپاہیوں کو تعینات کیا گیا تھا۔ ممکن ہے تمہیں یہ جان کر بھی حیرت ہو کہ آج جان بوجھ کر بالائی حصے سے پہرہ ہٹا لیا گیا تھا، اسی لئے تم لوگ بآسانی یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں''۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر سپاہیوں کی ہلاکت کا کوئی رنج نہیں تھا۔ اس کا چہرہ سفاکانہ درندگی کا آئینہ معلوم ہوتا تھا۔

''شیخ کبیر الدین!'' گل دتوژ غصے سے بھری بولی۔ ''آج ہم ناکام ہو گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری سوچ اور کوششوں پر قفل پڑ چکا ہے۔ ہم اپنی آزادی کے لئے ایسی کوششیں کرتی رہیں گی''۔

''اس کی دوبارہ نوبت نہیں آئے گی۔ سالار، کتنے سپاہی اس معرکے میں کام آئے ہیں؟''

''آقا! میرا خیال ہے کہ قریباً ساٹھ سپاہی مارے جا چکے ہیں اور بیشتر زخمی ہیں''۔

''سالار! یہ تم نے کیسے نکمے لوگ بھرتی کر رکھے ہیں جو کہ صرف چار لڑکیوں کو قابو نہیں کر پائے۔ چار لڑکیوں کے مقابلے میں ہمارے محافظوں کی اتنی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔ کیا ہم اب بھی یہ سمجھیں کہ ایسے محافظوں کے حصار میں ہماری زندگی پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی ہے''۔

سالار کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اس کے پاس شیخ کبیر الدین کو دینے کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔ شیخ کبیر الدین نے سالار کو راہداری میں بکھری لاشوں کو ہٹانے کا حکم دیا۔

''تم لوگ اپنے کمروں میں واپس جاؤ، کل صبح تمہارے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے لڑکیوں کی دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ زہرہ نے سوالیہ نگاہوں سے گل دتوژ کی جانب دیکھا۔ گل دتوژ کو کچھ سجھائی نہیں دیا تو اس نے لڑکیوں کو حکم کی تعمیل کا اشارہ کیا۔ وہ نڈھال قدموں سے زینوں کی جانب بڑھیں وہ سب اپنی کمزوری سے بخوبی آگاہ تھیں گزشتہ دن کے مقابلے اور رات کے اس خونی کھیل نے ان کی ہڈیوں کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی وہ پژمردہ چہروں کے ساتھ زینے طے کرتی ہوئی فصیل کے بالائی حصے پر پہنچیں تو کنیزیں دروازے کے باہر موجود کینہ توز نگاہوں سے انہیں گھورتی ہوئی دکھائی دیں۔ لڑکیوں نے کنیزوں پر دھیان دیئے بغیر اپنے کمرے کی راہ لی۔ بمشکل انہوں نے اپنے اپنے لباس بدلے۔ جسم اور چہرے کے خون کو انہوں نے صاف کپڑے کی مدد سے پونچھ ڈالا۔ پھر وہ بوجھل قدموں سے اپنے اپنے بستروں کی جانب بڑھ گئیں ان کے فرار کا ادھورا منصوبہ ناکامی سے دوچار ہو چکا تھا۔ وہ سب اپنے تئیں یہ گمان کر رہی تھیں کہ شیخ کبیر الدین کے خاص اہتمام کے باعث وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں

ہوسکیں اگر شیخ کبیر الدین کے ہاتھوں زندہ بچ گئیں تو وہ دوبارہ کسی اور دن یہ کوشش دوبارہ کریں گی۔ گل دتوز بستر پر لیٹے شیخ کبیر الدین کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ ان کے بارے میں کل کیا فیصلہ کرے گا......؟ وہ زیادہ دیر تک کچھ سوچ نہ سکی نیند کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ اسے خبر بھی نہ ہوسکی کہ کب اس کی آنکھوں میں نیند اتر آئی۔

❀ ❀ ❀

جمادی الثانی 659ھ میں سلطان بیبرس قاہرہ میں دیگر اصلاحات میں مصروف تھا کہ اسے عباسی شہزادے احمد بن الظاہر بامر اللہ کی قاہرہ کے نزدیک پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بنو مہارش کے وفد نے احمد بن الظاہر بامر اللہ کے بارے میں تصدیق کر کے خبر پہلے سے ہی قاہرہ بھجوادی تھی۔ سلطان بیبرس نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ عباسی شہزادے کو عزت و احترام کے ساتھ قاہرہ لائیں۔ عباسی شہزادہ احمد بن الظاہر بامر اللہ سقوطِ بغداد کے وقت میں ایک قید خانے میں مقید تھا۔ جب ہلاکو خان کے حملے سے بغداد میں افراتفری برپا ہوئی تو احمد بن الظاہر دوسرے قیدیوں کے ہمراہ قید خانے سے نکل بھاگا اور مختلف جگہوں پر پناہ گزین رہا۔ ساڑھے تین سال کی گمنامی کے بعد وہ منظرِ عام پر آیا اور بیبرس کی درخواست کے پیشِ نظر دمشق سے قاہرہ پہنچا احمد بن الظاہر کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ ابوالقاسم احمد بغداد کے پینتیسویں عباسی خلیفہ الظاہر بامر اللہ کا فرزند، چھتیسویں خلیفہ المستنصر باللہ کا بھائی اور سینتیسویں اور آخری مقتول خلیفہ مستعصم باللہ کا چچا تھا۔ عباسی شہزادے کے ساتھ اس کے خاص رفقاء بھی محوِ سفر تھے۔ سلطان بیبرس نے عباسی شہزادے کی آمد کی اطلاع پاکر قاہرہ میں خصوصی انتظامات کئے۔ تمام شہر کو سجایا گیا اور بڑے پیمانے پر آئینہ بندی کرائی گئی۔ قاہرہ میں اس دن ایک عظیم الشان جشن کا سماں تھا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ دودمان عباسی کے اس چشم و چراغ کے ورودِ قاہرہ کے موقع پر اظہارِ مسرت کے لئے جو تقریبات منعقد کی گئیں اور شہر کی آرائش و چراغاں کا جو اہتمام کیا گیا ان پر ایک کروڑ دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔

سلطان بیبرس نے قاہرہ کے صدر دروازے پر قضاۃ، علماء کرام، اعیان و عمائدین سلطنت اور مملوک و مصری امرأ کے ساتھ عباسی شہزادے کا بھرپور استقبال کیا۔ ابوالقاسم احمد نے عباسی خلفاء کا مخصوص لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ سلطان بیبرس نہایت عزت و احترام سے پُرجوش انداز میں عباسی شہزادے ابوالقاسم کو ایک شاندار جلوس کے ہمراہ قلعہ جبل کی جانب لایا۔ قلعہ جبل میں پہلے عباسی شہزادہ داخل ہوا تو پھر سلطان بیبرس داخل ہوا، نشستوں میں پہلے عباسی شہزادہ بیٹھا تو بعد میں سلطان بیبرس۔ عباسی شہزادے کے برابر بیٹھنے اور گفتگو میں ہمسرانہ یا بے تکلفانہ رویہ اختیار کرنے سے بھی سلطان بیبرس نے مکمل اجتناب کیا۔ اس طرزِ عمل کا سبب جہاں مسلمانوں میں پایا جانے والا وہ دینی جذبہ تھا جو وہ خاندانِ نبوت سے مربوط تھا، وہیں بیبرس کی اس بصیرت افروز حکمتِ عملی پر بھی مبنی تھا کہ لوگوں کے دلوں میں سقوطِ بغداد کے بعد مقامِ خلافت کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے انہیں مٹا دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان بیبرس کی دیکھا دیکھی مصری و مملوک امرأ نے بھی عباسی شہزادے کے ساتھ ادب و احترام کا رویہ اختیار کیا۔ عباسی شہزادے کی آمد کی خوشی میں تین دن تک پورے شہر میں عید کا سا عالم طاری رہا۔ دن کو تقریبات کا انعقاد کیا جاتا تو راتوں کو چراغاں کیا جاتا۔

استقبال سے فرصت پاکر بیبرس نے عباسی شہزادے سے تنہائی میں کئی امور پر طویل گفتگو کی اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سلسلۂ خلافت کے تسلسل کو برقرار رکھنے میں اس کی معاونت کرے۔ سلطان بیبرس کی زبانی احیائے خلافت کی بات سن کر جہاں عباسی شہزادہ ابوالقاسم متحیر ہوا وہیں اس نے بخوشی خلیفہ بننے کی ہامی

بھرلی۔

13 رجب 659ھ بروز دوشنبہ سلطان بیبرس نے اپنے شاہی محل کے وسیع و عریض دالان میں ایک عالی شان دربار کا انعقاد کیا۔ جس میں قاہرہ سے لے کر حدودِ عراق تک تمام اعیان سلطنت، قاضیوں، علماء، امرأ حکومت اور سلطنت کے ممتاز افراد نے شرکت کی۔ اس دربار کے انعقاد کا مقصد عباسی شہزادے ابوالقاسم احمد کو بطور خلیفہ منتخب کرنا تھا۔ عباسی شہزادہ ابوالقاسم احمد اگرچہ کوئی مجہول النسب شخص نہ تھا تاہم ضابطہ کی کارروائی کے طور پر قاضی القضاۃ برہان الدین، قاضی القضاۃ تاج الدین بن بنت الاعز نے بہت سے ثقہ اور معزز افراد سے اس بات کی شہادت حاصل کی کہ ابوالقاسم احمد فی الواقع خاندان حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے تعلق رکھتے ہیں اور خلیفہ الظاہر بامر اللہ بن خلیفہ الناصر الدین اللہ کے حقیقی فرزند ہیں۔ جب دربار میں موجود سب قاضیوں اور فقہاء نے ان شہادتوں کو شرعی لحاظ سے معتبر قرار دیا تو قاضی القضاۃ تاج الدین نے ان شہادتوں کی قبولیت پر مہر ثبت کی اور اعلان کیا کہ خلافت کے سلسلے کے اجرأ کے موقع پر ابوالقاسم احمد کو صحیح النسب ہونے پر خلافت کا جائز اور درست حقدار قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ابوالقاسم احمد کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے انہیں منصب خلافت پر سرفراز کریں۔ شیخ اسلام شیخ عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی سب سے پہلے آگے بڑھے اور ابوالقاسم احمد کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور اپنی بیعت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد بیعت عام کا سلسلہ شروع ہوگیا اور شرکاء اجتماع نے باری باری بیعت کی۔ تمام افراد کی بیعت کے بعد سلطان بیبرس آگے بڑھا اور اس نے قرآن و حدیث، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ اور مالیات کے شرعی نظام کے قیام پر خلیفہ ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد سلطان بیبرس نے ریاست کے مختلف طبقوں سے خلیفہ ابوالقاسم احمد کے لئے بیعت کا اعلان کیا اور سکہ وقت اور خطبہ میں اس کا نام رائج کرنے کا فرمان جاری کیا۔ خلیفہ ابوالقاسم احمد نے آگے بڑھ کر سب لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور نظام خلافت کے احیاء پر سلطان بیبرس کے نیک جذبات کو سراہا۔ خلیفہ ابوالقاسم نے خلفاء سابق کی روایات کے مطابق اپنے لئے لقب کا انتخاب خود کیا اور اپنے بھائی خلیفہ المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔

تقریب احیاء خلافت کافی دیر تک جاری رہی۔ فراغت کے بعد قلعہ جبل دربارِ خلافت قرار دیا گیا۔ خلیفہ ابوالقاسم احمد المستنصر باللہ اپنے رفقاء کے ساتھ قلعہ جبل واپس پہنچا۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ ابوالقاسم احمد کے لئے ارباب مناصب مثل اتابک، استاددار، آبدار، حاجب، کاتب، خزانچی وغیرہ مقرر کئے تاکہ اسے کسی امر میں مشکل نہ پیش آئے۔ سلطنت بلادِ مصر کے خزانے کا ایک حصہ اس کے تصرف میں دے دیا گیا تاکہ وہ اپنی منشاء کے مطابق انعامات دینے میں محتاجی محسوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ قلعہ جبل میں سو گھوڑے، تیس خچر، دس قطار اونٹ اور دیگر جانور اصطبل میں بھجوائے اور اعزازی طور پر تمام سلطنتِ اسلامیہ خلیفہ ابوالقاسم کے قبضے میں دے دی۔

قیام خلافت کے اس موقع پر بے حد خوشی منائی گئی۔ اہل قاہرہ اپنے شہر میں خلیفہ کو پاکر بے حد مسرور دکھائی دیئے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ خلیفہ ابوالقاسم احمد کے استقبال اور قیام خلافت میں اتنی کثیر رقم کے صرف کو جب اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ اس زمانے میں مصر کڑی دقت کا شکار تھے اور مہاجرین کی آمد کے باعث سخت تنگی کا سامنا تھا۔ علاوہ ازیں تاتاریوں اور صلیبیوں کے خلاف اپنے دفاع کے لئے انہیں ایک ایک پائی کی ضرورت تھی تو بے حد حیرت ہوتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ بھی بخوبی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بلادِ مصر کی حکومت اس وقت مالی لحاظ سے نہایت خوشحال تھی اور مسلمانانِ مصر کے نزدیک خلیفہ ابوالقاسم کا ورود اتنا اہم اور مسرت بخش

تھا کہ ان تقریبات پر خواہ کسی قدر رقم خرچ ہو جاتی جائز سمجھی جاتی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کثیر خرچ پر ریاست کے کسی بھی گوشے سے اعتراض و احتجاج کی ہلکی سی بھی لہر نہ پیدا ہو پائی۔ فی الحقیقت اس دور میں مسلمان خلافت کی عدم موجودگی میں دنیائے اسلام کو بے نور سمجھ رہے تھے اور احیاء خلافت کا مطلب ان کے نزدیک یہی تھا کہ یہ ظلمت کدہ پھر سے روشن ہو رہا ہے اور اس مبارک موقع پر جس قدر بھی جشن کا اہتمام کیا جائے وہ کم ہے۔

قیام خلافت کے بعد پہلا جمعہ 17 رجب 659ھ کو آیا۔ اس دن خلیفہ ابوالقاسم احمد سوار ہو کر ایک شاندار جلوس کی صورت میں جامع مسجد الحاکمی میں آیا۔ اس کے ساتھ سلطان بیبرس اور امراؤ معززین و رفقاء بھی موجود تھے۔ نماز سے قبل منبر پر چڑھ کر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں حمد و ثناء اور درود کے بعد پہلے بنو عباسؓ کا شرف و مجد بیان کیا پھر خلافت عباسیہ کے دوبارہ قیام پر سلطان رکن الدین بیبرس کی بے حد تعریف و توصیف کی اور سلطان بیبرس اور مسلمانانِ عالم کے لئے دعا مانگی گئی۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر اس نے امامت کی اور سب کو نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد خلیفہ ابوالقاسم احمد نے قدیم رسم کی مناسبت سے سلطان بیبرس کو خلعت عطا کی۔

4 شعبان 659ھ بروز دوشنبہ کو خلیفہ ابوالقاسم احمد کی جانب سے سلطان رکن الدین بیبرس کو شرعی نیابت کی تفویض کے لئے قاہرہ میں ایک عظیم الشان دربار عام کا انعقاد کیا گیا۔ شہر کے باہر ایک وسیع میدان میں طویل و عریض شامیانے نصب کرائے گئے جس کے نیچے خلیفہ المستنصر باللہ، سلطان الملک القاہر بیبرس، قاضی القضاۃ، اراکین دولت، مشیران سلطنت، رؤسائے ملک و ملت اور کثیر تعداد میں رعایا مجتمع ہوئے۔ امیر فخر الدین لقمان نے منبر پر کھڑے ہو کر خلیفہ ابوالقاسم احمد کی طرف سے سلطان بیبرس کے لئے شرعی نیابت کی سند پڑھی، اس میں حمد و ثناء کے بعد خلیفہ ابوالقاسم احمد کے استحقاق خلافت، سلطان بیبرس کی ملت اسلامیہ کے لئے خدمات کا اعتراف اور اس کی اعلیٰ کارکردگی و صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا اور آخر میں نظام حکومت معدلت گستری اور رعایا کی فلاح و بہبود کے بارے میں ہدایات کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسی اجتماع میں خلیفہ ابوالقاسم احمد نے سلطان بیبرس کو سیاہ خلعت اور سیاہ عمامہ پہنایا پھر تمام مملکت اسلامیہ کا نظم و نسق اس کے حوالے کر کے اسے امیر المومنین کا لقب دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ خلیفہ ابوالقاسم احمد نے اپنا روایتی لقب کسی دوسرے کے حوالے کیا تھا کیونکہ امیر المومنین کا لقب صرف خلیفہ وقت کے لئے مقرر تھا۔ سلطان بیبرس کی شرعی نیابت کے بعد امراء میں پائے جانے والے شبہات و گمان دب گئے کہ اس کا انتخاب مملوک امراء کی ملی بھگت کا پیش خیمہ ہے۔ احیائے خلافت کے بعد مصری و مملوک امراء کی نگاہوں میں سلطان بیبرس کی عزت و وقار پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ وہ رعایا کے ساتھ ساتھ سب کی آنکھوں کا تارہ بن چکا تھا۔

سلطان بیبرس اپنے خواب کی تکمیل پر بے حد مسرور تھا۔ خلافت کی چاک چادر کو اس نے نہایت تحمل اور بردباری سے رفو کر ڈالا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے پہلے امتحان میں کامیاب و کامران ہو چکا ہے۔ اب اس کے سامنے وہ امور تھے جو عرصے سے ادھورے پڑے ہوئے تھے۔ جن میں ریاست کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام کا خطرہ بھی شامل تھا۔ سلطان بیبرس نے شرعی نیابت کے بعد بے شمار احکامات جاری کئے جن میں مسلمانوں کی وطن واپسی اور تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ حال علاقوں کی مرمت اور تعمیر نو نمایاں تھی۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوالفضل کافی سوچ بچار کے بعد مطیع الدین کی عائد کردہ شرط پر رضامند ہو گیا۔ اگلے روز وہ اُسے اپنے ساتھ قہستان لے جانے کی تیاری کرنے لگا۔ دوسری صبح وہ شہر سمرقند کے باہر طے شدہ مقام پر موجود تھا۔ مطیع الدین ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ شیخ ابوالفضل مکمل سفری تیاری کر کے وہاں پہنچا تھا۔ وہ جہاں اس مخفی پیغام کی نوعیت جاننے میں متجسس دکھائی دے رہا تھا وہیں مطیع الدین کے بارے میں کئی خدشات کا بھی شکار تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مطیع الدین کی صورت دکھائی دی۔ وہ اپنے ساتھ پہاڑی سفر کے لئے خچر لئے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خچر پر ڈھیر سارا سامان لدا ہوا تھا، جسے دیکھ کر شیخ ابوالفضل کا ماتھا ٹھنکا۔ جب مطیع الدین قریب پہنچا تو شیخ ابوالفضل نے سامان کے بارے میں دریافت کیا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین جھجکتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس معاملے میں بے حد احتیاط برتنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری اس روانگی سے کوئی باخبر ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ میں تمہارے ساتھ ایک تاجر کے روپ میں قہستان جاؤں تاکہ کسی کو شک نہ ہو سکے''۔

''ہم اس وقت دونوں تنہا ہیں، میرا خیال ہے کہ تمہیں پیغام کی نوعیت بتانے میں کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی''۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مطلب پر اتر آیا۔

''خاصے بے چین معلوم ہوتے ہو۔ میرے پاس جو پیغام ہے وہ ہلاکو خان کے بارے میں ہے۔ ہلاکو خان کا ایک مخالف طاقتور فرد تمہارے گروہ کے ساتھ ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے، میرا خیال ہے کہ تمہارے لئے صرف اتنا ہی جاننا کافی ہوگا۔ باقی باتیں اب قہستان میں ہی ہوں گی''۔ مطیع الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ شیخ ابوالفضل ہلاکو خان کا نام سن کر ہکا بکا سا رہ گیا ایلخانی حکمران ہلاکو خان وہی شخص تھا جس نے باطنی گروہ کو اس بری طرح پامال کیا تھا کہ انہیں بالآخر جان بچانے کے لئے فرار کے سوا کوئی اور راہ نہیں سوجھ پائی۔ اس نے نہایت بے دردی سے فدائین کی کثیر تعداد کو تہ تیغ کیا اور قلعوں کی فصلیں منہدم کروا ڈالیں۔ گروہ فدائین کا ہر فرد ہلاکو خان کو موت کی نیند سلانے کا خواہش مند تھا مگر وہ اس قدر قلیل تعداد میں رہ گئے تھے کہ ایل خانی سلطنت سے ٹکر لینا اب ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ شیخ ابوالفضل کافی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب روانگی اختیار کرنا چاہئے''۔ مطیع الدین نے اس کی خاموشی کو توڑا۔

''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ جس شخصیت کا پیغام لے کر تم ہمارے رئیس کے پاس جا رہے ہو وہ اس قدر قوت رکھتی ہے کہ ہلاکو خان سے ٹکر لے سکے؟'' شیخ ابوالفضل بے یقینی کے عالم میں بولا۔ مطیع الدین اس کی بات پر ہنس دیا۔

''اگر مجھے یقین نہ ہوتا تو میں سرائے سے یہاں تک دھکے نہ کھاتا دکھائی دیتا''۔

''عجیب بات ہے کہ مجھے ابھی تک اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا ہے''۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین اس کے کندھے کو تھپتھپاتا ہوا بولا۔ ''بے شمار اتفاقات ایسے ہوتے ہیں، جنہیں عقل انسانی گمان میں نہیں لا پاتی اور وہ وقوع پذیر ہو جاتے ہیں''۔

''میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا عجیب شخص نہیں دیکھا''۔

''بے کار کی باتیں چھوڑو! میں عام سا انسان ہوں، نہ تو میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں اور نہ ہی میرے جثے میں کوئی حیرت انگیز عضو موجود ہے''۔

شیخ ابوالفضل اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ وہ دونوں اپنے اپنے خچروں کے ساتھ سمرقند سے اس پہاڑی سلسلے کی جانب بڑھ گئے جہاں سے قہستان کو راستہ جاتا تھا۔ دونوں کے پاس خنجر موجود تھے۔ شیخ ابوالفضل اپنے

طور پر تمین خچر ہمراہ لایا تھا کہ شاید مطیع الدین اس امر سے بے خبر ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ شیخ ابوالفضل نے باتوں باتوں میں مزید کریدنے کی کوشش کی تو مطیع الدین نے مسکرا کر اسے منع کر دیا کہ اپنا وقت اور توانائی برباد کرنے کی کوشش نہ ہی کرے تو اچھا ہے کیونکہ وہ جتنا بتانا چاہتا تھا وہ اس نے بتا ڈالا ہے اور مزید کوئی بات اگلوانا شیخ ابوالفضل کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ دونوں سفر کرتے ہوئے جب پہلے درّے کے پاس پہنچے تو انہیں چاروں سمت سے گھڑسواروں نے گھیر لیا۔ شیخ ابوالفضل کے لئے یہ صورت بالکل نئی تھی۔ وہ بوکھلا سا گیا جبکہ مطیع الدین کا چہرہ بے حد پُرسکون دکھائی دیا۔ شیخ ابوالفضل نے جب اسے مطمئن دیکھا تو اس کے دل میں یہ شک ہونے لگا کہ مطیع الدین کا تعلق یقیناً انہی گھڑسواروں سے ہے۔ اسے دھوکہ دے کر گھیر لیا گیا ہے۔ یکایک اس کے چہرے کی رگیں کھچنے لگیں۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس کی جانب سے قاہرہ کی دعوت پر رحبہ میں مقیم عباسی شہزادہ احمد بن ابوعلی اپنے اہل و عیال کے ساتھ قاہرہ کی جانب روانہ ہوا۔ وہ سفر کرتا ہوا جب حلب پہنچا تو اسے قاہرہ میں خلیفہ ابوالقاسم احمد المستنصر باللہ کی بیعت عام کی خبر ملی۔ وہ بے حد رنجیدہ خاطر ہوا۔ اس نے قاہرہ جانے کا ارادہ مسترد کرتے ہوئے حلب میں مستقل قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ والئ حلب علاء الدین لولو کے پاس کسی ذریعے سے عباسی شہزادے کی حلب آمد کی خبر پہنچ گئی۔ اس نے فوری طور پر حلب کے سرکردہ عالم عبدالحلیم ابن تیمیہ کے پاس یہ درخواست بھیجی کہ عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد حلب میں موجود ہے۔ اسے کسی بھی طرح اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بلادِ مصر کے خلیفہ کے مقابلے میں حلب کی رعایا کی منزلت بڑھاتے ہوئے خلافت قبول کر لے۔ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے علاء الدین کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، اس سے مسلمانانِ اسلام منقسم ہو جائیں گے اور ذاتی عناد کو ہوا ملے گی۔ امیر علاء الدین لولو نے سلطان بیبرس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ سلطان بیبرس خلافت کو اپنی باندی بنانے کا خواہش مند ہے جبکہ میں پورے اخلاص سے خلافت کے حقیقی اجرا کا خواہش مند ہوں جو کہ صحیح معنوں میں خودمختار اور آزاد ہو گی۔ اس نے خلافت کے احیاء کی صورت میں یہ پیشکش کی کہ اگر عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد خلافت کے لئے راضی ہو جائے تو وہ خود اس کے ہمراہ تمام افواج کے ساتھ بغداد کی جانب کوچ کرے گا اور بغداد کو تاتاری پنجے سے چھڑا کر خلیفہ کی خدمت میں تحفتاً پیش کرے گا کیونکہ بغداد ہی وہ واحد مقام ہے جہاں خلافت حقیقی معنوں میں طاقتور اور خودمختار رہ سکتی ہے۔

علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے والئ حلب علاء الدین لولو کی بات پر یقین کرتے ہوئے عباسی شہزادے ابوالعباس احمد سے ملاقات کی اور والئ حلب کی گذارش گوش گذار کی۔ عباسی شہزادہ احمد بن ابوعلی ایک مجاہد شخص تھا اور تاتاریوں کے خلاف کئی مہمات میں حصہ لے چکا تھا، اسے تاتاریوں کے ساتھ بے حد عداوت تھی۔ اس نے جب بغداد کی آزادی کے بارے میں والئ حلب کا وعدہ سنا تو وہ بلا ہچکچاہٹ خلافت قبول کرنے پر تیار ہو گیا، ساتھ ہی اس نے یہ شرط بھی عائد کر دی کہ والئ حلب کسی بھی صورت میں خلافت قاہرہ کی مخالفت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی کو اس امر پر اکسائے گا۔ علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے دونوں کے مابین مختلف امور پر سند تیار کر کے معززین حلب کے دستخط کرائے۔ امیر علاء الدین لولو نے قاہرہ کی جانب پیش قدمی کی ممانعت والی شرط پر پس وپیش اختیار کی تو علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ نے اس کی نیت پر شک کرتے ہوئے خود کو معاملے سے الگ کرنے کی دھمکی دی۔ جس پر امیر علاء الدین لولو نے فوراً معذرت خواہانہ روّیہ اختیار کیا۔

عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد بن ابوعلی الحسن القبیٔ خاندان عباسیہ کے اٹھتیسویں خلیفہ المرشد باللہ بن خلیفہ المستظہر باللہ سے تعلق رکھتا تھا اور سقوطِ بغداد کے دنوں میں زنداں خانے میں قید تھا۔ وہ بھی دیگر قیدیوں کے ہمراہ بغداد سے نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ موقع پا کر وہ عربوں کی ایک جماعت کے ساتھ امیر بنی خفاجہ حسین بن فلاح کے پاس چلا گیا۔ جب سلطان بیبرس نے شام کو تاتاریوں سے پاک کر دیا تو وہ شام چلا آیا اور رحبہ نامی قصبے میں سکونت اختیار کی۔

علامہ عبدالحلیم ابن تیمیہ کی کوششوں کی صورت میں ابوالعباس احمد خلافت کے لئے راضی ہو گیا اور یکم شعبان 659ھ میں حلب اور بلادِ شام و لبنان کے معزز لوگوں نے متفقہ طور پر اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ امیر علاء الدین لولو نے اعزازی طور پر عنانِ اقتدار اس کے حوالے کر دیا۔ عباسی شہزادے ابوالعباس احمد بن ابوعلی نے اپنے لئے الحاکم بامر اللہ کا لقب اختیار کیا۔

امیر حلب علاء الدین لولو کی یہ تمام کوششیں سلطان بیبرس کے مقابلے میں ایک بڑا محاذ قائم کرنے کا پیش خیمہ تھیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ خلافت پر دو خلیفہ قائم نہیں رہ سکتے۔ اس کے خیال میں قاہرہ کے لوگوں کے دلوں میں خلیفہ کے ساتھ محبت اور عزت و احترام موجود نہیں ہو سکتا جتنا بلادِ شام کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

خلافت حلب خلافتِ قاہرہ کے مقابلے میں کمزور دکھائی دیتی تھی مگر خلافت کا حلب میں موجود ہونا، وہاں کی رعیت کے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی حفاظت کے لئے والئ حلب کے ساتھ مر مٹنے کی قسمیں کھائیں۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابوالفضل تیز نگاہوں سے ان گھڑسواروں کو گھور رہا تھا جو دائرے کی شکل میں انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ مطیع الدین نے ان کی طرف اپنی گردن گھمائی اور شیخ ابوالفضل کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔ گھڑسواروں کی صورت دیکھنے کے بعد دونوں کو یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ وہ سب منگول سپاہی تھے۔ ان میں سے ایک سپاہی بڑی تمکنت سے آگے بڑھا اور تیز لہجے میں قریباً چیختے ہوئے بولا۔

''تم لوگوں کو بلا اجازت ایل خانی حدود میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ زرّیں خیل سلطنت سے ایل خانی سلطنت میں کسی بھی باشندے کے داخلے پر قاآن اعظم ہلاکو خان نے کڑی پابندی عائد کر رکھی ہے؟''

''ہم لوگ ریشمی کپڑوں کے تاجر ہیں اور مال کی خرید و فروخت کے سلسلے میں پہلے بھی ایل خانی سلطنت میں آتے جاتے رہے ہیں، یہ بات ہمارے علم میں قطعاً نہیں ہے کہ ایسی کوئی پابندی لگائی گئی ہے''۔ مطیع الدین قدرے حیرت سے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''تم لوگ کیسے تاجر ہو؟...... کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہر ملک میں داخلے کا ایک قانون و ضابطہ ہوتا ہے اور اسی کے تحت تجارت کے محصولات کی ادائیگی کی جاتی ہے''۔ سپاہی بگڑ کر بولا۔ دوسرے منگول سپاہی اس کی بات پر کھلکھلا اُٹھے۔

''ہمیں تجارت کے رموز مت گنواؤ، مطلب کی بات کرو''۔ شیخ ابوالفضل اپنی بے عزتی پر تلملا اُٹھا۔

''شکل سے تو مسلمان لگتے ہو؟'' سپاہی کا لہجہ خاصا طنزیہ تھا۔

''ریشمی کپڑے کی تجارت ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی ہے''۔ مطیع الدین دھیرے سے مسکرا

کر بولا۔ سپاہی اس کے جواب پر اسے گھورنے لگا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ بولا۔ ''تمہیں ہمارے ساتھ سرحدی چوکی تک جانا پڑے گا، وہاں ضروری لوازمات سے فارغ ہو کر ہی تم آگے جا سکو گے''۔

''اس میں اعتراض والی بات کوئی نہیں!'' مطیع الدین نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن مجھے تم لوگوں کی نیت پر کوئی بھروسہ نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ چوکی میں پہنچ کر تم کیا کرنے والے ہو، جو معاملہ طے کرنا ہے یہیں کرو اور اپنا راستہ ناپو.....!'' شیخ ابوالفضل ناگواری سے بولا۔ مطیع الدین نے حیرت سے اس پر نگاہ ڈالی۔ سپاہی بھی اس کے منہ سے غیر متوقع جواب پر چونک پڑے۔ مطیع الدین نے کچھ سمجھانا چاہا مگر شیخ ابوالفضل نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔

''تم شاید یہ جانتے نہیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ تمہاری موت کا باعث بن سکتا ہے؟'' سپاہی خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تلخی سے غرایا۔

''تم لوگ اپنی خیر مناؤ ..... کیونکہ کچھ ہی دیر میں تمہارے تڑپتے ہوئے لاشے زمین پر دکھائی دیں گے۔ تمہارے بارے میں میں ایک عرصے سے بدعنوانیوں کی خبریں سنتا رہا ہوں، آج آنکھوں سے دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم جیسے خبیث منگولوں کو اب سبق سکھانا بے حد ضروری ہو چکا ہے''۔ شیخ ابوالفضل لفظ چبا کر پھنکارتے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے خوف سے عاری تھا۔

منگول سپاہی اس کی دیدہ دلیری اور بلاخوفی پر دنگ دکھائی دینے لگے۔ پھر کچھ ہی دیر میں ان کے چہروں کے خدوخال کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ان کے چہروں پر غصے و خوف کی ملی جلی کیفیت دیکھ کر شیخ ابوالفضل کے چہرے پر پُراسراری مسکراہٹ رینگنے لگی۔ مطیع الدین اس کے جارحانہ انداز پر فکرمند دکھائی دینے لگا۔ وہ صرف دو تھے جبکہ سپاہیوں کی تعداد ان کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ ان کے ساتھ بھڑنا عام سی بات نہیں تھی۔ اگر وہ عام افراد ہوتے تو شاید انہیں تلواروں کے زور پر دبا دیا جاتا۔ وہ تو تربیت یافتہ سپاہی تھے جو تلواروں سے کھیلنے کے فن سے بخوبی آشنا تھے۔ مطیع الدین کی آنکھوں میں بڑھتی ہوئی سراسیمگی دیکھ کر شیخ ابوالفضل نے اس کا کندھا دھیرے سے دبایا۔ مطیع الدین جہاں اس کے جرأت مندانہ فعل اور دلیری پر معترف تھا وہیں وہ صورتِ حال کو قابو میں رکھنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ منگول سپاہیوں کی تلواریں نیاموں سے باہر کھسک آئیں اور ہواؤں کو کاٹتی ہوئی دکھائی دیں۔ شیخ ابوالفضل نے اسی لمحے مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ درے میں موجود گھنی جھاڑیوں میں یکایک حرکت پیدا ہوئی اور سفید چوغوں میں ملبوس کئی افراد ننگی تلواریں لئے نمودار ہوتے چلے گئے۔ منگول سپاہی اس تبدیلی پر سمجھ چکے تھے کہ انہیں کسی چال کے تحت گھیرا جا چکا ہے۔ سفید چوغوں کو دیکھ کر انہیں یہ اندازہ کرنے میں ذرا سی دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ فدائی تھے جو ایک عرصے سے منگول سپاہیوں پر دن رات میں چھاپے مار کر نقصان پہنچاتے رہے تھے۔ ان فدائیوں کے بارے میں کئی قصے بھی منگولوں میں مقبولیت پا چکے تھے۔ وہ انہیں سفید غول کے نام سے پکارا کرتے۔ غول منگولی زبان میں چھلاوے کو کہا جاتا تھا۔

''ان میں ایک بھی بچ کر نہ جانے پائے''۔ ایک منگول سپاہی چیخ کر بولا۔

مطیع الدین، شیخ ابوالفضل کے جارحانہ پن پر پہلے سے اپنے ذہن کو تیار کر چکا تھا کیونکہ بلا جھڑپ ان سے کسی صورت چھٹکارا ممکن نہیں تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گروہ آپس میں برسرِپیکار ہو گئے اور تلواروں کی کھنک فضا میں گونجنے لگی۔ منگول سپاہی اپنی مہارت کے باوجود فدائیوں پر قابو نہ پا سکے اور کچھ ہی دیر میں ڈھیر ہو گئے۔ منگول سپاہیوں کی موت پر مطیع الدین نے سکون کی سانس لی۔ شیخ ابوالفضل نے اپنے ساتھیوں کو

واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تو وہ یوں ادھر اُدھر گم ہو گئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

''میں نے تم پر واضح کیا تھا کہ تم تنہا میرے ساتھ سفر رو گے مگر یہ سب کیا تھا؟'' مطیع الدین نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔

''ہم لوگ قہستان جا رہے ہیں، تمام راستے ویران اور دشوار گذار ہیں۔ ان علاقوں میں لٹیروں اور ڈاکوؤں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ابھی تم دیکھتے جاؤ کہ کیسے کیسے واقعات وقوع پذیر ہوں گے۔ اپنی حفاظت کا بندوبست کرنا ضروری تھا اسی لئے یہ گروہ پوشیدہ انداز میں ہمارے ساتھ سفر کرتا رہا ہے۔ جب ہم محفوظ علاقے میں پہنچ جائیں گے تو یہ لوگ واپس لوٹ جائیں گے''۔

''تم اس بارے میں مجھے آگاہ کر سکتے تھے''۔ مطیع الدین سخت لہجے میں بولا۔

''میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی''۔ شیخ ابوالفضل نے کندھے اچکائے۔

''تم یہ سمجھتے تھے کہ منگول سپاہی سرحدی چوکی میں ہمیں لوٹ لیتے''۔ مطیع الدین نے اچانک سوال کیا تو شیخ ابوالفضل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''میرا خیال ہے کہ بے کار باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہئے''۔

مطیع الدین سمجھ چکا تھا کہ شیخ ابوالفضل نے اس کے سوال کو جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا ہے، اس نے آہستگی سے سر ہلایا اور منگول سپاہیوں کی لاشوں پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ وہ جلد از جلد قہستان پہنچنا چاہتا تھا جہاں اسے فدائیوں کے رئیس سے ملاقات کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا تھا۔ وہ اس اسراریت میں اب خود کو چغد سا محسوس کرنے لگا تھا ہر موڑ پر نئی اور عجیب تبدیلی اسے کشمکش میں مبتلا کئے جا رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

اگلے دن دوپہر کے وقت شیخ کبیر الدین نے گل دقوژ سمیت تمام لڑکیوں کو قلعہ الموت کی دائیں فصیل پر سجائے ہوئے تخت پر نشست سنبھالتے ہوئے بلوایا۔ گذشتہ رات کے خونی معرکے اور فرار کی کوشش میں ناکامی نے گل دقوژ اور اس کی ساتھیوں کی امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔ تمام رات بے پناہ تکان کے باوجود وہ سب اپنے اپنے بستروں میں کروٹیں بدلتی رہیں کہ آنے والی صبح جانے ان کے لئے کیسی طلوع ہو گی؟ ان ہی سوچوں کی منجدھار میں ڈوبی وہ بالآخر رات کے آخری پہر میں نیند کے آگے بے بس ہو کر رہ گئیں۔ دوسری صبح جب انہیں جھنجھوڑ کر بیدار کیا گیا تو ان کی نگاہ سب سے پہلے انہی کنیزوں پر پڑی جنہیں کل رات دھوکے سے بے ہوش کر کے وہ اپنی قیام گاہ سے فرار ہوئی تھیں۔ کنیزیں شعلہ بار نگاہوں سے انہیں گھورتی رہیں مگر کسی میں بھی اتنی ہمت نہ پڑی کہ وہ ان سے ان کے طرزِ عمل پر کوئی سوال جواب کرتیں۔ وہ منہ پھلائے کے کاموں میں مصروف رہیں۔ گل دقوژ نے ان کی صورت پر اچٹتی نظر ڈالی تو بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ لباس بدلنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ کچھ ہی دیر میں شیخ کبیر الدین کی جانب سے بلاوا آ ہی جائے گا۔ زہرہ نے جب کنیزوں کی بگڑی شکلیں دیکھیں تو وہ کھلکھلا اُٹھی، ایزیلا نے زہرہ کی ہنسی پر اُسے آنکھیں دکھائیں تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ کنیزیں اہانت آمیز رویے پر دانت پیس کر رہ گئیں۔ یہ شیخ کبیر الدین کا سختی سے حکم تھا کہ لڑکیوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ ہی کل رات کے بارے میں کوئی الٹا سیدھا سوال کیا جائے۔ کنیزیں اگر شیخ کبیر الدین کے حکم کی تابع نہ ہوتیں تو یقیناً اب تک گل دقوژ وغیرہ کے چہرے نوچ چکی ہوتیں۔

وہ ابھی ناشتہ کر کے فارغ ہوئی تھیں کہ شیخ کبیرالدین کا غلام آ پہنچا۔ گل وقوژ نے سب کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی تمام لڑکیاں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ اپنے خنجر پہلوؤں میں لگانا نہیں بھولی تھیں۔ انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ شیخ کبیرالدین نے اگر کوئی سخت فیصلہ لینے کی کوشش کی تو وہ ہر قسم کی مزاحمت کے لئے ذہنی طور پر تیار رہیں۔ کچھ راہداریوں سے گذرنے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچا دی گئیں جہاں شیخ کبیرالدین اپنی نشست سنبھالے براجمان تھا۔ شیخ کبیرالدین نے قریب لگائی گئی نشستوں پر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تمام لڑکیاں خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد شیخ کبیرالدین نے سکوت توڑا۔

''تریسٹھ افراد کو تم لوگوں نے کل رات موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ سب لوگ مجھ پر جان نچھاور کرنے والے تربیت یافتہ غلام تھے۔ ان کی تربیت میں ایک عرصہ خرچ ہوا۔ اگر تم لوگوں کی خاص تربیت مجھے مقصود نہ ہوتی تو یقیناً اس جرم کی سزا انہایت عبرت ناک ہوتی''۔

''شیخ کبیرالدین!'' گل وقوژ تیز لہجے میں بولی ''ہمیں دھمکانے کی کوشش مت کرو آج نہیں تو کل کامیابی ضرور ہمارے قدم چومے گی۔ کیا اصلی مجرم تم نہیں ہو؟ ایک طویل عرصہ سے تم نے ہمیں بلا جرم حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے، ہم لوگ کھلی فضا میں پُر امن زندگی بسر کر رہے تھے کہ تم نے ہمیں اغوا کیا اور اپنی اس گھٹن گاہ میں محصور کر ڈالا''۔

''گل وقوژ!'' شیخ کبیرالدین مسکرا کر بولا۔ ''اس قلعہ کا نام الموت ہے، یہاں سے فرار ہونا ناممکنات میں سے ایک ہے، بے شک تم اپنے تئیں جتنی کوشش کر لو ہمیشہ ناکامی ہی تمہارے حصے میں آئے گی۔ رہا سوال اس بات کا کہ میں نے تمہیں محصور کر رکھا ہے تو اس میں تمہاری بہتری مضمر ہے، تمہاری پوشیدہ صلاحیتوں کو میں نے محسوس کیا اور پھر انہیں نکھارنے کی کوشش کی۔ تم اس کھلی فضا میں معمول کی زندگی بسر کرتے ہوئے ایک دن مٹ جاتی، تمہارا نام بھی زمانہ بھول جاتا مگر میں نے تمہارے لئے ایک ایسی روشن راہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے جس پر سفر کرنے کے بعد آنے والے وقت میں تمہارا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہ جائے گا۔ تمہاری پھیکی زندگی میں ایسا جوش و ولولہ پیدا ہو جائے گا کہ ایک دن تم خود یہ تسلیم کرو گی کہ شیخ کبیرالدین سچ کہتا تھا''۔

''شیخ کبیر!'' ایزیلا تجسس آمیز لہجے میں بولی۔ ''تم جو کہنا چاہتے ہو، کھل کر صاف لفظوں میں کہو''۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ جوشیلی طبع کی مالکہ تھی۔

''میں نے تم لوگوں کی تربیت پر کافی وقت برباد کیا، اپنے جانباز غلاموں کی موت برداشت کی، تمہاری بدتمیزیاں اور غلطیاں برداشت کیں، ان سب کے پیچھے میرا ایک خاص مقصد چھپا تھا، میں جانتا ہوں کہ تم سب وہ مقصد جاننے کے لئے عرصہ سے بے تاب ہو۔ اپنی بنیادی بات کے آغاز سے پہلے میں تم لوگوں کو خبردار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب تمہاری زندگی اور موت دونوں تمہارے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ تمہارا انکار یا اقرار فیصلہ کر دے گا کہ تم نے اپنے لئے کیا پسند کیا ہے۔ کل تک میں سب کچھ برداشت کرتا رہا ہوں مگر آج آخری امتحان ہے اور نتیجہ کا اعلان بھی آج ہی کیا جائے گا۔ ایک بات اور کان کھول کر سن لو...... میں نہ تو بے وقوف ہوں اور نہ ہی غافل۔ تمہارے چہروں سے تمہاری دل کی پوشیدہ بات ایک لمحے میں پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں، اس لئے فیصلہ کرتے وقت مبالغہ آمیزی سے کام لینے کی کوشش مت کرنا''۔

گل وقوژ اور دوسری لڑکیوں کے چہروں پر اشتیاق کی چادر دبیز ہو گئی۔ وہ عرصے سے اس راز کی متلاشی تھیں کہ شیخ کبیرالدین ان سے کیا چاہتا ہے جس کے لئے اس نے اتنا لمبا چوڑا کھیل رچایا ہے۔ آج جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ راز منکشف ہونے والا ہے تو انہیں اپنی سانسوں کی تانے بانے رُکتے ہوئے محسوس

ہوئے۔

❀ ❀ ❀

قاہرہ کے قلعہ جبل میں رات اور دن کی تمیز ختم ہو چکی تھی۔ ہر وقت وہاں ایسا سماں بندھا رہتا جیسے خاص تقریب کا انعقاد ہو۔ قلعہ جبل میں خلیفہ مستنصر باللہ کی موجودگی نے قاہرہ کی فضا پر بے حد خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ احیائے خلافت کے امر نے جہاں سلطان بیبرس کی نیابت مضبوط و مستحکم کر دی تھی وہیں مصری امرأ کو ایک نئی مصروفیت میسر آ گئی۔ وہ خلیفہ کے حضور یوں موجود رہتے جیسے بلادِ مصر کا حقیقی حکمران وہی ہو۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے امرائے مصر کی کسی بھی ایسی بات کی حوصلہ افزائی نہیں کی جس سے سلطان بیبرس کے اختیارات پر حرف آتا۔ کچھ شریر قسم کے امرأ نے خلیفہ مستنصر باللہ کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ وہ سلطان بیبرس کو معزول کر کے بلادِ مصر کی عنان خود سنبھال لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نہایت شریف النفس اور عالی ظرف شخص تھا وہ اپنے محسن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی گناہ تصور کرتا تھا۔ اس نے فوری طور پر ایسے شریر امرأ پر سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر ان کی سوچ کا دھارا اسی ڈگر پر رواں رہا تو ممکن ہے کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لانا پڑے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی حوصلہ شکنی سے وہ اپنی سازشی حرکتوں سے باز آ گئے۔

27 رمضان المبارک 659ھ کو خلیفہ مستنصر باللہ نے قلعہ جبل کے پائیں باغ میں نہایت اہتمام سے افطار تقریب منعقد کی، جس میں مصری و مملوک امرأ کی بڑی تعداد کو مدعو کیا گیا۔ سلطان بیبرس اور اعلیٰ مناصب کی سرکردہ شخصیات بھی اس افطار تقریب میں شامل ہوئیں۔ افطار سے فارغ ہو کر سب لوگوں نے خلیفہ مستنصر باللہ کی امامت میں نماز ادا کی اور بلادِ مصر و شام کی سلامتی کے لئے خصوصی دعا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر عمومی معاملات پر گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے کئی ضروری امور نمٹائے اور کئی معاملات میں سلطان بیبرس کو مختلف ہدایات دیں۔ سلطان بیبرس نے نہایت مؤدب انداز میں ان کی تکمیل کا وعدہ کیا۔ اسی دوران عشاء کا وقت ہو گیا۔ نماز اور تراویح ادا کی گئیں۔ فارغ ہونے پر ایک ایک کر کے امرأ رخصت ہونے لگے۔ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس اور کئی اعلیٰ مناصب کے مملوک عہدیداروں کے ساتھ شاہی محل میں چلا آیا۔ شاہی محل میں عام گپ شپ کی تفریحی نشست لگی۔ گفتگو میں ہنسی مذاق جاری رہا۔ اچانک گفتگو کے سلسلے میں ایک سنجیدہ موڑ آ گیا۔ جب وزیر سلطنت زین الملّۃ بہاء الدین ابن زہیر نے سلطان بیبرس کے لقب الملک القاہر پر کڑے انداز میں تبصرہ کیا۔ سلطان بیبرس بہاء الدین ابن زہیر کی بے حد عزت کرتا تھا مگر اپنے اختیار کردہ لقب پر تنقید کو برداشت نہیں کر پایا۔ خلیفہ مستنصر باللہ ابن زہیر کی بے باکی سے خوب واقف تھا لہٰذا اس نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔

''زین الملّت ابن زہیر! الملک القاہر میں ایسی کیا کمی ہے کہ تمہیں یہ بالکل نہیں بھایا؟''

''امیر المومنین!'' ابن زہیر بولا۔ ''الملک القاہر میں کوئی کمی یا خامی نہیں ہے قاہر تو اللہ تعالیٰ کے خاص صفاتی ناموں میں سے ایک ہے۔ قاہر بطور نام یا لقب کسی انسان کے لئے بالکل موزوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی صرف قاہر ہے کیونکہ وہ ابد سے موجود ہے جبکہ انسان تو فانی ہے جسے کچھ عرصے بعد اس دنیا کو چھوڑ جانا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے صفاتی نام کو نہیں رکھنا چاہئے جس کی موت واقع نہیں ہوتی۔ کیا یہ کسی کو پسند آئے گا کہ کل سلطان بیبرس کی موت پر لوگ یہ کہتے دکھائی دیں کہ سلطان القاہر مر گیا ہے''۔

''زین الملّت ابن زہیر!'' خلیفہ مستنصر باللہ نرمی سے بولا۔ ''اس ضمن میں تمہاری سوچ کا دھارا بے

حد محدود ہے، اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اختیار کرنے سے کوئی انسان خدائی کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ وہ دوسروں کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرتا ہے کہ اس کے نام میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت موجود ہے جسے جان کر دوسرے لوگ بھی اپنے اللہ کو یاد کر کے شکر ادا کیا کریں''۔

''ابن زہیر!'' امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔'' سلطان ہمیشہ سے رعیت کے محافظ اور منتظم ہیں اور انہیں ہمیشہ سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے القاب کو اختیار کریں جو ان کی حاکمیت کو اجاگر کریں''۔

''بات القاب اختیار کرنے کی نہیں بلکہ القاہر کے انتخاب کی ہے جسے اختیار کرنے والے نے کبھی بھی فلاح نہیں پائی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص صفات میں کسی کی شرکت پسند نہیں فرماتا''۔ ابن زہیر تیزی سے بولا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' خلیفہ مستنصر باللہ نے حیرت سے پوچھا۔

''امیر المومنین!'' ابن زہیر مؤدب انداز میں بولا۔'' آپ کو یاد ہوگا کہ امیر المومنین ابو منصور محمد بن معتضد باللہ نے القاہر کا لقب اختیار کیا تھا۔ وہ چند ہی روز میں معزول کر دیا گیا اور پھر قید خانے میں اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ والئ موصل نے القاہر کا لقب اختیار کیا تو اسے زہر دے دیا گیا۔ اسی طرح کی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سلطانوں کے لئے یہ لقب مناسب نہیں ہے۔''

''ابن زہیر! ...... ان منحوس واقعات کو القاہر کے لقب سے مت منسوب کرو۔ انہیں اُس عہد کے حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ سب وقوعے ردّ عمل کے طور پر دکھائی دیتے ہیں''۔ امیر فخر الدین لقمان نے تلخی سے جواب دیا۔

''امیر لقمان! مجھے سلطان بیبرس سے ذاتی عناد نہیں ہے کہ بس یونہی مخالفت کروں حالانکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ میرا منصب انہی کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ اگر میں القاہر کا لقب ترک کرنے پر اصرار کر رہا ہوں تو اس میں بھی میری نیک نیتی اور اخلاص شامل ہے''۔ ابن زہیر نے ناگواری سے کہا۔ امیر فخر الدین لقمان کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ نے مداخلت کر کے اس روک دیا

''سلطان بیبرس! میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ ابن زہیر کی بات کچھ غلط نہیں ہے۔ القاہر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے سب سے زیادہ جلالی صفت ہے، ممکن ہے کہ اسے یہ بات پسند نہ آئے کہ کوئی دوسرا اس کی اس صفت سے پکارا جائے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اپنے لقب میں تبدیلی کر سکتے ہو''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے نرم لہجے میں سلطان بیبرس کو مشورہ دیا۔

''امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر...... آپ خود ہی میرے لئے کوئی دوسرا لقب منتخب فرما دیجئے۔ یہ میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہوگا''۔ سلطان بیبرس نے منکسرانہ انداز میں کہا۔ یہ سن کر خلیفہ مستنصر باللہ سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''القاہر کے بجائے الظاہر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سلطان بیبرس کیا تم الملک الظاہر کہلانا پسند کرو گے؟''

''بے شک امیر المومنین!'' سلطان بیبرس خوشدلی سے بولا۔'' میرے تمام عہدیدار یہاں موجود ہیں، وہ سب سن لیں کہ آج کے بعد مجھے الملک الظاہر کے لقب سے پکارا جائے، میرے لقب کی تبدیلی کا اعلان کل صبح عام کر دیا جائے تاکہ عید الفطر کے موقع پر ہر شخص مجھے الملک الظاہر کے نام سے پہچانے۔ علاوہ ازیں نامہ بر کبوتروں کو ابھی بلادِ مصر و شام میں روانہ کر دیا جائے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس کی اطاعت و فرمانبرداری پر جھوم سا گیا۔ سلطان بیبرس نے بلا جھجک اپنے لقب کی تبدیلی کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں حق

اطاعت ادا کیا تھا۔

* * *

شیخ کبیر بغور ان کے مشتاق چہروں کا جائزہ لیتا رہا پھر کچھ دیر بعد کھنکار کر مخاطب ہوا۔

''ہم لوگ ایک خاص نظام کو برسر اقتدار لانے کے خواہش مند ہیں جسے اس دنیا کا حقیقی نظام کہا جا سکتا ہے۔ ہمارے اس نظام میں لوگوں کے دکھوں کا مداوا ہے، خوشحالی ہے، آزادی ہے، خود مختاری ہے، ہمارے رئیس حسن بن صباح نے اس نظام کو متعارف کرایا اور اس کے تحت بے شمار علاقے میں ایسی فضا قائم کر ڈالی جس سے لوگوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا مگر حاسد سلطان یہ برداشت نہیں کر سکے کہ ہمارا نظام یوں پھل پھول سکے لہٰذا انہوں نے عسکری قوت سے ہمارے اس پُر امن منصوبے کو کچل ڈالا۔ مسلمان سلطانوں اور پھر ہلاکو خان نے کاری ضرب لگائی۔ ہم لوگ بھرپور مقابلہ کرنے کے باوجود ناکام ہوئے۔ عظیم محسن انسانیت حسن بن صباح کو اللہ تعالیٰ نے پردہ عطا فرمایا تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو سکے مگر اس کی مہم کو جاری رکھنے کی ذمہ داری مختلف مراحل میں سفر کرتے ہوئے میرے کندھوں پر آ پڑی۔ اب میرا مقصد ان تمام علاقوں کو واپس حاصل کرنا ہے جہاں کبھی ہماری حکومت تھی اور ان سب حاسدوں کو کڑی سزائیں دینا ہے جن کے باعث ہماری پُر امن ریاست تہ و تیغ کر دی گئی۔ ہمارے لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ ہمیں پہاڑوں پر محصور کر دیا گیا اس عظیم مقصد کی تکمیل میں مجھے تم جیسے بے شمار لوگوں کی معاونت درکار ہے۔ تمہاری اور تم جیسے بے شمار لوگوں کی تربیت صرف انہی خطوط کو سامنے رکھ کر عمل میں لائی گئی ہے کہ تم اس عظیم تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچاؤ۔ اس میں تمہاری بہتری پوشیدہ ہے۔ جب ہم اس ریاست کو صفحۂ ہستی پر منقش کر دیں گے تو اس تحریک کے سب لوگوں کو ان کی خدمات کے عوض نوازیں گے، ان کا نام تاریخ کے اوراق پر سنہرے حروف سے لکھا جائے گا، آنے والی نسلیں انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ان کی مشکور رہیں گی''۔ شیخ کبیر الدین کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو چکا تھا۔ لڑکیاں عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہیں۔

''شیخ کبیر!'' زہرہ حیرت بھرے لہجے میں بولی۔'' تمہاری اس مہم میں بھلا ہم جیسی کمزور لڑکیوں کا کام...... اگر تم سمجھتے ہو کہ تم ہمیں اپنی عسکری طاقت بنا سکتے ہو تو تمہارا خیال ناقص ہے''۔

''زہرہ!'' شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنس پڑا۔'' تمہاری سوچ کا دائرہ محدود ہے، تم سب یقیناً میری عسکری قوت ہو اور یہ باہمی سمجھوتے کا سودا ہے۔ تم لوگوں کو ایک ایسی ذمہ داری نبھانا ہے جس کا نہ صرف مکمل معاوضہ ادا کیا جائے گا بلکہ کامیابی نصیب ہونے کے بعد تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ نوازا جائے گا۔ میں اپنے محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتا۔''

''تم نے ابھی تک یہ واضح نہیں کیا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' گل وتوڑ نے مختصراً پوچھا۔

''میرے مخالفین کا خاتمہ......!'' شیخ کبیر الدین پر اسرار انداز میں بولا۔ تمام لڑکیاں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ وہ شاید اس کی بات کا مفہوم سمجھ نہیں پائی تھیں۔ شیخ کبیر الدین نے ایک ایک کر کے سب کے چہروں پر گہری نظر ڈالی اور پھر مسکرا کر اپنی بات آگے بڑھائی۔'' تم اور تمہاری جیسی دوسری کئی لڑکیاں اس قلعہ کے مختلف حصوں میں تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ لڑکیاں اپنی تربیت مکمل ہونے کے بعد میرے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنی اپنی مہمات پر روانہ ہو چکی ہیں اور کچھ انکار کر کے موت کے گھاٹ اتار دی گئی ہیں کیونکہ میرا راز جاننے کے بعد انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں تھا''۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں تمہارے ساتھ سمجھوتہ کر لیں اور باہر نکل کر منکر ہو جائیں''۔ گل وتوڑ

نے زہریلی مسکراہٹ سے کہا تو شیخ کبیر الدین کا قہقہہ نکل پڑا۔

''تم کسی بھی مہم میں تنہا نہیں ہو۔ میرے خاص لوگ ہر وقت تمہاری نگرانی اور حفاظت کریں گے اگر تم سے کوئی ایسی ویسی حرکت کی مرتکب ہوئی تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی موڑ پر ایک چھوٹا سا مگر زہر آلود خنجر اس کے جسم میں اتر جائے گا''۔

''مگر ہم تمہارے مخالفین کو کیسے ہلاک کرسکتی ہیں؟'' اینزیلا نے گومگوئی کے عالم میں پوچھا۔

''تمہیں خنجر زنی کی تربیت تو دی جاچکی ہے اب کچھ دوسری تربیت باقی ہے جو چند دنوں میں تمہیں دی جائے گی اس کے بعد تم کو الگ الگ مختلف مہمات پر روانہ کیا جائے گا۔ تمہارے ساتھ میرے خاص غلام جائیں گے جو تمہیں ان شہروں میں ہمارے خاص لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اس کے بعد وہ خاص لوگ تمہیں کسی بھی انداز میں اس سرکردہ شخصیت تک پہنچادیں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ تمہیں ایسے اوقات میں وہاں پہنچایا جائے جب اس کے گرد حفاظت کا دائرہ محدود ہو۔ ایسے میں تمہارا کام ہے کہ تم اپنے خنجر اس کے جسم میں اتار کر وہاں سے نکل آؤ...... ممکن ہے کہ وہاں محافظوں سے بھی الجھنا پڑے تم میں یہ خوبی بھی موجود ہے کہ محافظوں سے نمٹا جاسکے''۔

''اگر ہم تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوں تو......؟'' گل دقوڑ نے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم کافی سمجھدار ہو...... مجھے یقین ہے کہ تم میں سے کوئی ایسی غلطی کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ میں تمہیں ایک آزاد زندگی بخش رہا ہوں جس میں سے چند دن میرے مقصد پر خرچ ہوں گے اور اس کا معاوضہ بھی ادا کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں تمہیں میں نے ایسا مضبوط بنا دیا ہے کہ انجان معاشرے میں بھی تم اپنی حفاظت کا سامان کرسکتی ہو۔ میری باریک بین نگاہوں نے بہت پہلے یہ جانچ لیا تھا کہ تم احسان فراموش نہیں ہوسکتیں''۔

''تم اپنے مفاد کے لئے ہمیں قاتلہ بننے پر مجبور کر رہے ہو''۔ زہرہ ناگواری سے بولی۔

''اس امر کی ادائیگی بھی ساتھ مشروط ہے، دوسری صورت میں انجام بھی کھلا ہے''۔

''اس بات کیا ضمانت ہے کہ تم اپنا مفاد نکل جانے کے بعد ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کروگے اور اپنے چنگل سے آزاد کردوگے؟'' اینزیلا نے پوچھا۔

''میں وعدہ شکن نہیں ہوں اور جب میری ریاست وجود میں آجائے گی تو تم خود اس میں رہنے کی خواہش کروگی کیونکہ جو معاشرہ میں تشکیل دینا چاہتا ہوں وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے جواب دیا۔ سب لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ شیخ کبیر الدین سپاٹ نگاہوں سے ان کے چہروں کے اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر تک گہرا سکوت طاری رہا

''مجھے تمہارا فیصلہ منظور ہے''۔ گل دقوڑ نے غور و فکر کرنے کے بعد جواب دیا۔ دوسری لڑکیوں نے بھی فوراً اس پر صاد کیا۔ شیخ کبیر الدین کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے سب کے فیصلے کی تعریف کرتے ہوئے انہیں زندگی کی ہر آسائش کی دستیابی کا وعدہ کیا۔ پھر اس نے آگاہ کیا ہے دوسری تربیت اس قلعے میں نہیں دی جائے گی بلکہ یہ تربیت مختلف شہروں میں ہوگی۔ کل صبح انہیں الگ الگ اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ کردیا جائے گا جہاں انہیں اپنی وفاداری اور وعدے کا عملی نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ لڑکیاں اس بات پر بجھ سی گئیں۔ انہیں آزادی سے زیادہ بچھڑنے کا دھچکا لگا تھا۔ وہ آزردہ سی دکھائی دیں۔ چند ماہ کی رفاقت نے ان کے درمیان قلبی تعلق سا قائم

کردیا تھا جسے ایک ہی جھٹکے میں امتحان کی نذر کردیا گیا۔ یہ فیصلہ بھی شیخ کبیر الدین کی شاطرانہ ذہنیت کا عکاس تھا کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ان کی بے پناہ قوت کی حقیقی کمزوری کیا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ الگ رکھنے میں ہی اس کے عظیم مفاد کی کامیابی کا انحصار ہے۔ پھر دوسری صبح انہیں قلعہ الموت سے مختلف شہروں کی جانب مخصوص افراد کے ساتھ روانہ کردیا گیا جہاں ان کی اگلی تربیت کی جاتی۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین سفر کرتا ہوا قہستان کی سرحد پر پہنچ گیا۔ باقی راہ اُسے کوئی دوسرا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا سرحد پر پہنچنے پر شیخ ابوالفضل نے اسے آگاہ کیا کہ وہ لوگ طے شدہ منزل پر پہنچ چکے ہیں لہٰذا وہ اب اس شخصیت کے بارے میں اسے بتائے جس کا پیغام وہ فدائی رئیس تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مطیع الدین نے اس سے قلعہ الموت کے حدود اربعے کے سوال کیا تو وہ اسے مشکوک نگاہوں سے گھورنے لگا۔

''شیخ ابوالفضل!'' مطیع الدین نے مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق حاصل ہے، کیا معلوم تم مجھے اس مقام پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرو''۔

''مطیع الدین!'' شیخ ابوالفضل چڑتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم ہمارے رئیس کے لئے کوئی فائدہ بخش پیغام لائے ہو تو مجھے ایسی بے وقوفی کرنے کی قطعاً حاجت نہیں ہے اگر تمہیں نقصان پہنچانا مقصود ہوتا تو یہ کام میرے لئے کچھ دشوار بھی نہیں تھا''۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے، مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے تم محض اپنے تجسس کے باعث یہ سب جاننا چاہتے ہو''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''قلعہ الموت نصف دن کے فاصلے پر موجود ہے، میں اتنی دیر تک ایک قدم بھی نہیں آگے بڑھاؤں گا جب تک تم وعدے کے مطابق مجھے اس شخصیت کا نام نہیں بتاؤ گے جس کا پیغام تمہارے قبضے میں ہے''۔ شیخ ابوالفضل اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ مطیع الدین نے اس کی آنکھوں میں سچائی کی جھلک دیکھ لی۔

''اب مجھے یقین آگیا ہے کہ تم سچ بول رہے ہو...... طیش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اپنا اطمینان کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ میرے پاس جس شخص کا پیغام ہے وہ زرّین خیل قبیلے کا اہم فرد ہے اور وہ بالاؤخان سے ٹکر لینے کی اہلیت رکھتا ہے''۔

''نام تم پھر گول کر گئے ہو؟'' شیخ ابوالفضل کے چہرے پر بےزاری پھیل گئی۔

''نام تمہارے سامنے ضرور آئے گا مگر تمہارے رئیس کے سامنے''۔ مطیع الدین دوٹوک لہجے میں بولا۔ شیخ ابوالفضل پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھی اور پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا۔ مطیع الدین اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتا ہوا اس کے عقب میں روانہ ہوگیا۔ نصف دن کی مسافت دونوں افراد نے نہایت خاموشی سے طے کی۔ جب قلعہ الموت ان کے سامنے آگیا تو شیخ ابوالفضل نے ایک بار پھر الجھنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے اس کی اس کوشش کو خوبصورتی سے نظر انداز کردیا۔ قلعہ الموت کے بیرونی محافظوں نے ان کی آمد پر ان کا محاصرہ کرلیا۔ شیخ ابوالفضل کی صورت دیکھ کر انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ شیخ ابوالفضل نے مختصراً اپنی آمد کا مقصد بتایا تو انہوں نے اسے وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور پیغام قلعے میں موجود رئیس کے پاس پہنچا دیا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں قلعے میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ مختلف راستوں سے گذرنے کے بعد مطیع الدین کو ایک عالی شان کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ شیخ ابوالفضل اس سے الگ ہوگیا تھا۔ کچھ دیر میں خوشبودار کھانوں کے پکوان اس کے سامنے سجنے لگے۔ مطیع الدین کئی دن سے ایسی مسحور کن خوشبو

نہیں پا سکا تھا۔ وہ کھانوں پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے سالوں کا بھوکا ہو۔ کھانے سے فراغت کے بعد اسے آرام کے لئے کہا گیا اور فدائی رئیس سے اگلی صبح ملاقات کا عندیہ دیا گیا۔ مطیع الدین کی خدمت کے لئے کنیزوں اور غلاموں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مطیع الدین کھانے سے فراغت کے بعد مخملیں بستر پر لیٹ گیا اور سفر کی تکان کے باعث خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگا۔ اسے یاد نہیں کہ وہ کب تک سوتا رہا۔ کسی کے جھنجھوڑنے پر اس کی آنکھ کھلی۔ مطیع الدین چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ ایک غلام اس کے سرہانے پر موجود تھا۔ مطیع الدین کو بیدار ہوتا دیکھ کر وہ مؤدب انداز میں پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مطیع الدین نے اس کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ''آقا! آپ کے منتظر ہیں۔ آپ جلد ہی تیار ہو جائیں تاکہ ملاقات ہو سکے''۔

''کیا مطلب؟ انہوں نے تو مجھے صبح کے لئے کہا تھا!'' مطیع الدین حیرت سے بولا۔

''شاید آپ سفری تکان کے باعث کچھ زیادہ ہی گہری نیند میں اتر گئے تھے صبح تو کب کی ہو چکی ہے۔ آپ کے ناشتے کا انتظام بھی آقا کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ذرا جلدی کیجئے''۔ غلام نے وضاحت کی تو مطیع الدین کو بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ کیسی تکان تھی کہ وہ کل دن کا سویا اگلی صبح بیدار ہوا وہ اپنی اس طویل نیند کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ کھوئے سے انداز میں وہ اپنے بستر سے باہر نکلا اور غلام نے ایک صراحی سے اس کا ہاتھ منہ دھلایا۔ کچھ ہی دیر میں مطیع الدین لباس بدل کر غلام کے ساتھ مختلف راستوں سے ہوتا ہوا بڑی فصیل پر جا پہنچا جہاں فدائی رئیس موجود تھا۔ مطیع الدین نے اس سے مصافحہ کیا۔ رئیس نے اسے نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو مطیع الدین اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اسی لمحے پکوانوں کے طشت وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔ رئیس نے مطیع الدین کو کھانے کے لئے کہا اور باقی باتوں کو کھانے کے بعد کے لئے چھوڑ دیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ اسی دوران شیخ ابوالفضل بھی وہاں آ پہنچا۔ رئیس نے اسے بھی ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے تمہاری آمد کے بارے میں شیخ ابوالفضل نے بتایا ہے کہ تم ہمارے کسی دوست کا پیغام لے کر آئے ہو''۔ رئیس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''میرے نام سے آپ واقف ہو چکے ہوں گے، میں زرّیں خیل قبیلے کی جانب سے ایک تجویز لے کر یہاں آیا ہوں، اس میں دونوں افراد کا فائدہ ہے۔ ہلاؤ خان آپ کا بھی دشمن ہے اور ہمارا بھی۔ ہم دونوں کا مفاد مشترک ہے لہٰذا ہمیں آپس میں مل کر کچھ کرنا چاہئے''۔ مطیع الدین بولا

''شیخ ابوالفضل کی باتوں سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے میرا خیال ہے کھل کر بات کرنا چاہئے ....!'' رئیس نے مسکرا کر کہا۔

''اگر ناگوار نہ گذرے تو کیا ہمارا تعارف مکمل ہو سکتا ہے''۔ مطیع الدین نے کہا۔ اس پر شیخ ابوالفضل کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''ہاں کیوں نہیں!'' رئیس نرمی سے بولا۔ ''میرا نام شیخ کبیر الدین ہے اور میں قلعہ الموت کا منتظم ہوں۔ تمام وادی میں پھیلے ہوئے فدائی میری یوں پرستش کرتے ہیں گویا میں ہی ان کا خدا ہوں''۔ اس کی بات پر مطیع الدین کو ہلکا سا جھٹکا لگا مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا کیونکہ وہ فدائیوں کے متعلق کسی حد تک جان چکا تھا کہ ان کے عقائد میں خرابی پیدا ہو چکی ہے۔

''بات یہ ہے کہ قاآن اعظم منگو خان کے دور میں ہلاؤ خان کے اختیارات کے تجاوز کے باعث کئی منگول قبائل ناراض تھے اور اس کی موت کے بعد یہ ناراضگی عداوت میں بدل گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپس میں لڑائی جھگڑوں کی نوبت آ گئی۔ زرّیں خیل حکمران برقائی خان کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں

معاملہ انتہا کو چھونے لگا۔ ہلاؤ خان نے کچھ ایسی حرکتیں کیں جن کے باعث زرّیں خیل قاآن اعظم برقائی خان کو اپنے دفاع کی بابت میں گہری سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ قبائلی سرداروں کے متفقہ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ ہمیں ہلاؤ خان کے خلاف محاذ کھولنے سے پہلے تمام ایسے ساتھیوں سے مدد حاصل کرنا چاہئے جو کہ ہلاؤ خان کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ کا گروہ بھی ہلاؤ خان کی زیادتیوں کا شکار ہے لہٰذا آپ کو بھی حلیفوں کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ لہٰذا میں برقائی خان کا نمائندہ بن کر یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں کہ کیا آپ اپنا نام حلیفوں کی فہرست میں برقرار رکھنا پسند کرتے ہیں یا نہیں.....؟''

''زرّیں خیل قاآن اعظم کی پیشکش کو ہم نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج ایک دوسرے کی جان کے دشمن منگول مستقبل میں دوبارہ صلح کر کے ہمیں ماضی جیسی گزند نہیں پہنچائیں گے''۔ شیخ کبیر الدین نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''شیخ! میں نے ابھی اپنی تجویز بیان نہیں کی، ورنہ آپ کو یہ بات کہنے کی نوبت نہ پیش آتی''۔ مطیع الدین نے سنجیدگی سے جواب دیا جس پر شیخ کبیر الدین چونک گیا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''بات اس طرح ہے کہ آپ کو کسی بھی وقت سامنے آ کر ہلاؤ خان کا مقابلہ نہیں کرنا ہے، یہ کام صرف برقائی خان کا لشکر کرے گا۔ ایسی صورت میں ہلاؤ خان کو یہ معلوم ہی نہیں پڑے گا کہ آپ لوگ بھی برقائی خان کے حلیف ہیں''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ اگر صرف برقائی خان نے ہی ہلاؤ خان سے نبرد آزما ہونا ہے تو پھر اس چکر میں ہماری کیا ضرورت ہے؟'' شیخ کبیر الدین بے اختیار ہو کر بولا۔

''میرا خیال تھا کہ آپ سمجھ جائیں گے مگر ایسا نہیں ہے، میں سمجھاتا ہوں کہ جب ہلاؤ خان اور برقائی خان کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ ڈالیں گے، آپ کا کام اس وقت شروع ہوتا ہے۔ آپ مختلف سمتوں سے ہلاؤ خان کے لشکر پر شب خون ماریں گے مگر آپ کے لباس زرد ہوں گے جو کہ زرّیں خیل منگولوں کی پہچان ہیں۔ ہلاؤ خان اس طرح یہ گمان کرے گا کہ اس پر کئے جانے والے حملے برقائی خان کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہیں۔ اسے ذرا بھی شک نہیں ہوگا کہ فدائی بھی اس جنگ میں شریک ہیں۔ دوطرفہ حملوں سے ہلاؤ خان کو بڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا''۔

''بہت خوب!'' شیخ کبیر الدین بے اختیار ہو کر بولا۔ شیخ ابوالفضل بھی مسرور تھا کہ مطیع الدین کو لانے کے عوض میں اسے بہترین انعام سے نوازا جائے گا۔

''اس کے علاوہ ایک دوسری ذمہ داری یہ ہوگی کہ خراسان کی جانب سے آنے والی رسد اور کمک کو بھی آپ نے میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے نہیں دینا ہے۔ رسد اور مالِ غنیمت آپ کا حصہ ہے، اس بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کیا جائے گا۔ ہلاؤ خان کی شکست کی صورت میں قہستان میں آپ کی ایک محفوظ ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے گا جس کی نگرانی براہ راست اردوئے زرّیں کرے گی اور ہر قسم کی ضرورت پر بھرپور ساتھ دے گی''۔

''تجویز خاصی پرکشش ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے مسرت کا اظہار کیا ''مجھے یہ پیشکش منظور ہے مگر برقائی خان کو یہ عہد تحریری صورت میں مجھے دینا ہوگا''۔

''اتنی عجلت کا مظاہرہ نہ کیجئے۔ میری بات ابھی پوری طرح مکمل نہیں ہوئی۔ برقائی خاں کی جانب سے قہستان کی ریاست کے قیام میں دو شرائط بھی موجود ہیں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''کیسی شرائط؟'' شیخ کبیر الدین پریشان سا ہو گیا۔

''پہلی شرط یہ ہے کہ آپ کے گروہ کا کوئی فرد اس راز کو منکشف نہیں کرے گا کہ برقائی خان کی جانب سے آپ کو کوئی پیشکش کی گئی ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ آپ میری صورت میں دیکھ رہے ہیں کہ کسی منگول سردار کے بجائے مجھے ترجیح دی گئی ہے تاکہ سرائے سے قہستان کا تعلق طشت از بام نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ماضی میں آپ کے فدائیوں نے رعیت کو بے حد تنگ کیا تھا بے جا قتل و غارتگری کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ عمل انسانیت کے خلاف ہے۔ مجرم تو ہمیشہ حکمران ہوتے ہیں اور سزا صرف رعایا کو ہی بھگتنا پڑے، یہ دستور عالی ظرف بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ آپ کو اس ضمن میں اپنے فدائیوں کی اصلاح کرنا ہوگی تاکہ نہ صرف آپ کی ریاست میں امن و سکون موجود رہے بلکہ دوسری ریاستوں کی رعیت بھی محفوظ رہ سکے''۔

''اوہ! میں تو کچھ اور سمجھا تھا!'' شیخ کبیر الدین نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ نہ تو غارت گر ہیں اور نہ ہی ہمیں بے جا خون بہانے کا شوق ہے۔ اگر ماضی میں کسی آبادی کو نشانہ بنایا گیا ہے تو اس میں اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر خطرات اور ہمارا تحفظ مضمر رہا ہے۔ بہرکیف میں وعدہ کرتا ہوں کہ فدائیوں کے ہاتھوں کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ رہا سوال اس راز کے انکشاف کا تو بے فکر رہیں، یہ بات ہم تین افراد کے درمیان ہوئی ہے۔ ہم تینوں میں سے ہی کوئی اس بات کو کھول سکتا ہے''۔

''ٹھیک ہے شیخ!'' مطیع الدین نے کہا۔ ''میں کچھ دن تک آپ کے پاس ہی قیام کروں گا، آپ اپنا جواب تحریری شکل میں میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اس پر تصدیق کر کے برقائی خان کو روانہ کر سکوں''۔

''کیا تحریری مراسلہ خطرے کا باعث نہیں بنے گا؟''

''بے فکر رہیں۔ آپ کا مراسلہ آپ کے ذریعے ہی سمرقند پہنچے گا وہاں مراسلہ ایک خاص فرد کے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ وہ برقائی خان کے محفوظ ہاتھوں پہنچ جائے۔ اس کے بعد مزید لائحہ عمل اسی انداز میں یہاں پہنچے گا۔ برقائی خان کی جانب سے حملے کی تیاری قریباً مکمل ہو چکی ہے''۔

''شام تک تمہارے پاس ہمارا تحریری مراسلہ پہنچ جائے گا۔ تم آج سے ہمارے مہمان ہو، تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی مگر ہماری بھی خواہش ہوگی کہ تم ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرو گے جس سے ہماری میزبانی میں کوئی فرق پیدا ہو''۔

مطیع الدین نے وہاں سے اجازت لی اور خادم کی رہنمائی میں واپس مہمان خانے کی جانب روانہ ہو گیا۔ مختلف راہداریوں سے ہوتا ہوا وہ اپنے مہمان خانے کی جانب بڑھنے لگا۔ اچانک مطیع الدین کو اپنے عقب میں کسی کا احساس ہوا جیسے کوئی اس کے بالکل قریب پہنچ چکا ہو۔ اس نے غیر ارادی طور پر گردن گھما پیچھے کی جانب دیکھا تو اس پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹتا چلا گیا۔ اسے اپنی بصارت پر قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی اس کے عقب میں شنگ خان ہی موجود ہے۔

❀ ❀ ❀

ملکہ بدرالدین لولوا اپنے بھائی علاء الدین لولو کے ساتھ حلب تو آ چکی تھی مگر بلادِ مصر میں سلطان بیبرس کا اقتدار اسے ایک آنکھ نہیں بھایا۔ وہ ہر پل غم و غصے کے عالم میں سلگتی رہی۔ سلطان بیبرس نے اسے شاہی محل میں امرا کے سامنے جس طرح بے عزت کیا تھا وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ علاء الدین اسے زبردستی اپنے ہمراہ حلب تو لے آیا تھا مگر اس کی زخم خوردہ روح کا مداوا نہ کر سکا۔ حلب میں خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی خلافت کے قیام کے بعد علاء الدین لولوا سے یوں فراموش کر گیا جیسے اس کا کوئی وجود ہی نہ باقی ہو۔ یہ امر اس کے زخموں پر

نمک چھڑکنے کے مترادف تھا۔ وہ کچھ دن تک صدمے کا شکار رہی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ وہ خود اپنی بگڑتی حالت پر غور کرنے لگی کہ کیا اس طرح کی زندگی گذارنا اس کے لئے درست ہے؟ اس کا شاطر دماغ بیدار ہو گیا وہ کوئی ایسا رستہ تلاش کرنے لگی جس سے وہ سلطان بیبرس کو اقتدار سے محروم کر پاتی۔ اس نے قاہرہ کی مانند حلب میں بھی مختلف امرا کے حلقے میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا شروع کیا۔ کچھ ہی ماہ میں وہ امرا کے حلقے میں بے حد عزت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی۔ حلبی امرا کے کئی ناجائز کاموں کی پشت پناہی کرنے کے باعث ملکہ بدر منیر لولو کی حیثیت مستحکم ہو گئی۔

علاء الدین لولو تک اس کی حرکات کی خبر پہنچتی رہی مگر اس نے ان چھوٹے معاملات کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ملکہ بدر منیر نے جب امرا کو اپنی مضبوط گرفت میں دیکھا تو اس نے سلطان بیبرس کے اقتدار کو نقصان پہنچانے کے لئے منصوبہ بندی شروع کی۔ ایک دن اس نے خاص بااعتبار امرا کو اپنی قیام گاہ پر مدعو کیا۔ شراب و سرود کا اہتمام کیا گیا۔ امرا نے اس خاص محفل میں خوب دل کھول کر عیاشی کی۔ ملکہ بدر منیر نے محفل کے اختتام پر ان مدہوش امرا کے سامنے ایسی قاتل اداؤں کا مظاہرہ کیا کہ وہ دل و جان سے اس پر فریفتہ دکھائی دینے لگے۔ امرا اس کے ایسے دیوانے دکھائی دینے لگے کہ ہر کوئی اپنے تئیں یہ قیاس کرنے لگا کہ ملکہ بدر منیر کا جھکاؤ اسی کی جانب ہے۔ ملکہ بدر منیر نے تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ ایسی محافل کا اہتمام کا سلسلہ جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امرا کا بڑا حلقہ اس کی زلفوں کا اسیر ہوتا چلا گیا۔

علاء الدین لولو کے پاس اپنی بہن کی خبریں پہنچتیں تو بسا اوقات وہ بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ بدر منیر کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ ایسی عورت تو نہ تھی۔ علاء الدین نے اس کی شرمناک حرکتوں کو سلطان الملک المظفر کے قتل کے صدمے کا ردعمل قرار دیتے ہوئے نظر انداز کر دیا۔ البتہ امرا کے حلقے کی قربت کو تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے کئی مخبروں کو امرا کی حرکات پر گہری نظر رکھنے کے لئے مامور کر دیا تاکہ اس کے خلاف کوئی سازش پروان نہ چڑھ سکے۔

ملکہ بدر منیر لولو نے جب یہ دیکھا کہ امرا کا حلقہ مکمل طور پر اس کا گرویدہ ہو چکا ہے تو اس نے اپنی منصوبہ بندی کے تحت انہیں سلطان بیبرس کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ سلطان بیبرس کے بارے میں ان کی معلومات کچھ زیادہ نہیں تھیں۔ انہوں نے ملکہ بدر منیر کی باتوں پر اندھا یقین کر لیا۔ کچھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جس کے باعث وہ امرا سلطان بیبرس کو اپنا ذاتی دشمن گمان کرنے لگے۔ ملکہ بدر منیر نے جب یہ کامیابی دیکھی تو اس نے ایک دن تین خاص امرا کو بلوایا جو کہ دل و جان سے اس پر فدا تھے۔ ملکہ بدر منیر نے ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد اچانک سلطان بیبرس کا ذکر چھیڑ دیا۔ ملکہ بدر منیر کے منہ سے سلطان بیبرس کا نام نکلنے کی دیر تھی کہ فرطِ طیش سے ان کے چہرے دہکنے لگے۔ آنکھوں میں خون سا اتر آیا۔

''ابن ذہب! یوں تاؤ کھانے سے کچھ نہیں ہوگا سلطان بیبرس کو اقتدار سے ہٹانے کی بابت کچھ کر کے دکھاؤ تو بات بنتی ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''ملکہ عالیہ! قسم ہے اس رب کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے تو کچھ بھائی نہیں دیتا کہ کیا کیا جائے۔ اگر وہ سلطان نہ ہوتا تو میں اسے قتل کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہ کرتا''۔

''ملکہ عالیہ!'' دوسرا امیر ابوبکر حماد تیزی سے بولا۔ ''قاہرہ دور تو ضرور ہے مگر یہ فاصلہ کسی مقصد کے تحت ہی طے کیا جائے تو مناسب ہے''۔

''میرے ذہن میں ایک ترکیب موجود ہے جس سے سلطان بیبرس کا اقتدار خطرے سے دوچار ہو سکتا

ہے''۔ ملکہ بدر منیر نے سرگوشی میں کہا وہ تینوں چونک کر اس کی جانب بے تاب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ملکہ بدر منیر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''قاہرہ میں دو قسم کی حکومتیں موجود ہیں بالکل اسی طرح جیسے کہ حلب میں...... ایک حکومت سلطان بیبرس کی ہے اور دوسری نئے عباسی خلیفہ کی۔ جیسے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اسی طرح قاہرہ میں دو حکومتیں کیونکر موجود رہ سکتی ہیں۔ کیا تم لوگ اس موقعے سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے''۔

بات کسی حد تک معقول بھی تھی، وہ تینوں یوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے جیسے انہیں اپنی نادانی پر تعجب ہو کہ یہ بات پہلے ان کے ذہن میں کیوں نہیں آئی۔

''ملکہ عالیہ! آپ کی بات تو درست ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے کہ دونوں حکومتیں باہم مربوط ہیں اور ان کے درمیان کوئی ایسا رخنہ موجود نہیں ہے جہاں کسی کو فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ میسر آ سکتا ہو''۔ امیر ابن زہب نے کہا۔

''سب کچھ ممکن ہے ابن زہب!'' ملکہ بدر منیر اک ادا سے مسکرائی۔ ''اپنے ذہن کا استعمال کرو تو موقعہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے اس بارے میں کبھی سوچا ہے کہ خلیفہ کا اصلی مقام بغداد ہے نا کہ قاہرہ...... خلافت کی عزت و حرمت اس وقت تک بحال نہیں ہو سکتی جب تک بغداد کو تاتاریوں کی گرفت سے واپس نہ حاصل کیا جائے''۔

''یعنی خلیفہ کے ذہن میں ایسا زہر اتارا جائے کہ وہ فرطِ جوش میں بغداد کی جانب کوچ کرنے پر مجبور ہو جائے اور خلیفہ کی رفاقت میں بیبرس کو بھی تاتاریوں سے بھڑنا پڑے''۔ ابوبکر حماد نے وضاحت طلب کرتے ہوئے کہا۔

''کسی حد تک ممکن ہے کہ سلطان بیبرس بھی میدان میں نکلنے یا وہ کھلا انکار کر دے۔ دونوں صورتوں میں فائدہ ہو سکتا ہے۔ اختلاف کو سر اُٹھانے کا موقعہ مل جائے گا اور پھر یہ کام آسان ہو جائے گا''۔ ملکہ بدر منیر نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''تاتاریوں کو شکست دے کر بیبرس کا حوصلہ کافی بڑھ چکا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اس مرحلے میں پیچھے ہٹے گا یا تاتاریوں سے شکست کھا جائے گا''۔ ابن زہب نے خدشہ ظاہر کیا۔

''معرکہ عین جالوت میں ہلاکو خان خود مقابل نہیں تھا اور دوسرا میدان جنگ میں تاتاریوں کی تعداد بھی ناکافی تھی۔ ہر بار خوش قسمتی ساتھ نہیں دیتی۔ ہلاکو خان کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ وہ جلد ہی اس جانب واپس لوٹنے والا ہے۔ اگر اسے یہ خبر مل جائے کہ خلیفہ یا سلطان بیبرس بغداد کی واپسی کے لئے عسکری تیاری کر رہے ہیں تو وہ اپنے سفر میں تیزی پیدا کر دے گا۔ اصلی معرکہ بغداد کی بازیابی پر ہی دیکھنے کو ملے گا کہ کون فاتح ہے اور کون مفتوح''۔

''ملکہ عالیہ! آپ بے فکر رہیں میں جلد ہی قاہرہ روانہ ہو جاؤں گا اور خلیفہ سے مل کر اسے اس امر پر آمادہ کروں گا کہ قاہرہ خلافت کے شایان شان نہیں ہے بغداد مسلمانوں کی وحدت کا حقیقی مرکز ہے اور وہ اپنے پایہ تخت بغداد کو دوبارہ آباد کرنے کی کوشش کرے''۔

''مجھے امید ہے کہ اگر ایسا ہو گیا تو یقیناً سلطان بیبرس کا اقتدار مختصر ہو کر رہ جائے گا''۔ ملکہ بدر منیر نے شراب کا ایک جام ابن زہب کو پیش کرتے ہوئے ایسی دلکشی کا مظاہرہ کیا کہ وہ پہلو بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

ذی قعدہ 659ھ میں حلبی امیر ابن زہب نے قاہرہ میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کی اور اس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے نہ صرف سلطان بیبرس کے احیائے خلافت کے اقدام کو سراہا بلکہ اس کے سامنے بغداد کے حسین شب و روز اور بازاروں کا ذکر کچھ ایسی خوبصورتی سے پیش کیا کہ خلیفہ مستنصر باللہ اپنی جگہ تڑپ کر رہ گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے بغداد کے آخری ایام کی بہاریں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور اس کی عمر کا ایک حصہ انہی بازاروں، باغات اور محلوں میں بسر ہوا تھا۔ ابن زہب کے منہ سے بغداد کا ذکر سن کر بغداد کا سارا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ امیر ابن زہب نے چرب زبانی سے مقتول خلیفہ مستعصم باللہ کی اعلیٰ شاہی مجالس و ضیافتوں اور زرق برق دربار کی بھی تصویر کشی کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ جہاں اس کے منہ سے بغداد کا ذکر سن کر مسرور ہوا تھا وہیں اس کے چہرے پر غم و مایوسی کی سلوٹیں پڑ گئیں۔

''امیر المومنین! کیا بات ہے آپ کے چہرے پر یاسیت کیسی؟'' ابن زہب بولا۔

''بغداد کا نام سن کر ہماری رُوح کو گہری تکلیف پہنچی ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کے مصلحت کے سامنے کیا کر سکتے ہیں؟ بغداد کی تباہی و بربادی ہی اس کا مقدر بن چکی تھی تو بھلا اسے کون روک سکتا تھا؟ جب تک ہماری سانس باقی ہے بغداد کے حسین و خوابناک مناظر ہمیشہ ہماری نگاہوں کے سامنے گردش کرتے رہیں گے''۔

''امیر المومنین!'' ابن زہب مؤدب لہجے میں بولا۔ ''شہروں پر ایسی قیامت ٹوٹتی رہتی ہے، آپ ہمت نہ ہاریئے بلکہ کچھ ایسی تدبیر کیجئے کہ بغداد کی اجڑی ہوئی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ پرانے محلات کی جگہ نئے محلات سر اُٹھائیں۔ ایک نیا بغداد وجود میں آ جائے''۔

''بہت مشکل ہے، ہمارا دشمن بے حد طاقتور ہے، جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت نصیب نہیں ہو گی ایسا ہونا دشوار ہو گا۔ ہم جنگ لڑنے سے نہیں گھبراتے مگر خلقت خدا کو ان درندوں کے ہاتھوں سونپ دینا یہ ہمیں گوارا نہیں ہے۔ وہ ایسے وحشی ہیں کہ جنگوں میں ہونے والے نقصان کا بدلہ ہمیشہ رعیت کے قتال سے وصول کرتے ہیں''۔

''امیر المومنین! آپ اگر خود ہمت کریں گے تو ایسا ہونا مشکل نہیں ہے۔ اگر بغداد کی تباہی کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں امیر المومنین مستعصم باللہ بھی برابر کے قصوروار دکھائی دیتے ہیں کہ انہوں نے اس طاقت ور دشمن کے مقابلے میں خود میدان میں اترنے کے بجائے سالاروں سے کام لیا اگر وہ خود میدان میں اتر آتے تو یقیناً بہت سارے لوگ ان کے ساتھ چل پڑتے۔ آج بھی اگر آپ بغداد کی مہم کا اعلان فرمائیں تو یقیناً ملت اسلامیہ کے تمام کونوں سے مجاہدین جوق در جوق آپ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں گے پھر تاتاریوں کو سبق سکھانا دشوار نہیں ہو گا''۔ ابن زہب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر ہم خود میں اتنی سکت نہیں محسوس کرتے کہ مسلمانوں کے اجڑے ہوئے دیار میں اتنی بڑی مہم کا بیڑہ اُٹھایا جائے اور محض بغداد کی بازیابی کے لئے خلقت خدا کی کثیر تعداد کو امتحان میں ڈال دیا جائے۔ ہمارے محسن سلطان الملک الظاہر نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ اتنی بڑی مہم کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈالنا بھی ہماری فطرت کو گوارا نہیں ہے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے جواب دیا

''امیر المومنین! حقیقت تو یہ ہے کہ ہلاکو خان مراغہ سے واپس لوٹنے والا ہے اور وہ یقیناً تاتاری شکست کا بدلہ لے گا اور قاہرہ کی جانب موت کا بگولا بن کر نازل ہو گا اگر اس کی آمد سے پہلے ہی بغداد پر قبضہ کر لیا جائے اور بغداد کے دوسری جانب ہی بھرپور انداز میں اس کا مقابلہ کیا جائے تو کیا زیادہ موزوں نہیں ہو گا؟''

''بالکل موزوں رہے گا ....'' اچانک سلطان بیبرس کی آواز سنائی دی۔ امیر ذہب اور دیگر لوگوں نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ امیر ذہب نے سلطان بیبرس کو پہلی بار دیکھا تھا اس لئے وہ جز بز سا دکھائی دیا۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس بولا۔ ''آپ بے فکر رہیں میں ہلاکو خان کی آمد کا منتظر ہوں جیسے ہی وہ مراغہ سے نکلے گا تو مجھے خبر ہو جائے گی۔ ہم یہ معرکہ بلادِ شام کی سرحدوں پر ہی لڑیں گے اور تاتاریوں کو یہ بتا دیں گے کہ وہ خدا نہیں ہیں، ان کی تسخیر ہمارے لئے کوئی مشکل امر نہیں ہے''۔

امیر ذہب اسی دوران ساتھ بیٹھے امراء سے سلطان بیبرس کے بارے میں جان چکا تھا۔

''امیر المومنین!'' امیر ابن ذہب بولا۔ ''میری رائے ہے کہ تاتاریوں سے یہ مقابلہ آپ خود کریں تا کہ خلافت پر لگے ہوئے سب داغ دھل جائیں۔ اگر آپ سلطان محترم کے ساتھ اس مقابلے میں جاتے ہیں یا انہیں روانہ کرتے ہیں تو مقام خلافت محکوم متصور ہوگا۔ ویسے بھی بلادِ شام و شرقیہ میں قاہرہ کی خلافت کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے جبکہ حلب کی خلافت کو قاہرہ کی خلافت کی نسبت زیادہ موزوں خیال کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ نہ صرف بلادِ فلسطین میں موجود ہے بلکہ بغداد کے حصول کے لئے عسکری تیاریوں میں بھی مصروف ہے''۔

''تم حلب سے قاہرہ آئے ہو، ہماری میزبانی کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ حلب میں علاء الدین نے جو کچھ کیا ہے ہم بخوبی اس سے واقف ہیں اور جو کچھ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے، ہم خوب جانتے ہیں۔ تمہارے مناسب یہی ہوگا کہ یہاں شرانگیزی پھیلانے کے بجائے آج ہی واپس لوٹ جاؤ''۔ سلطان بیبرس درشت لہجے میں بولا۔ امیر ابن ذہب سلطان بیبرس کی باخبری پر دنگ رہ گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر گھومنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے اسے وقت ضائع کئے بغیر قلعہ جبل سے نکلوا دیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جاتے ہوئے امیر ابن ذہب نے واویلا مچاتے ہوئے یہ زہر بھی اگل ڈالا کہ سلطان بیبرس نے امیر المومنین کا احترام بھی ملحوظ نگاہ نہیں رکھا اور اپنا فیصلہ سنا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ قاہرہ میں خلافت برائے نام ہے، اصلی حکومت سلطان بیبرس کی ہی ہے۔ یہ زہر فشانی کسی حد تک خلیفہ کے ذہن میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی یہی حقیقت ہے؟ وہ ایک لمحے کے لئے جب سلطان بیبرس کی عنایتوں پر نظر ڈالتا تو اسے اپنے احساس پر ندامت سی محسوس ہوتی مگر بغداد کی خودمختار زندگی کا احساس قاہرہ کی نسبت زیادہ پُرکشش تھا۔

سلطان بیبرس نے امیر ابن ذہب کے جانے کے بعد اپنے طرزِ عمل کی معافی مانگتے ہوئے خلیفہ مستنصر باللہ پر واضح کیا کہ یہ سب کچھ شرارت کے پیشِ نظر کیا گیا ہے، امیر ابن ذہب کا حلب سے یہاں پہنچنا اور پھر رخنے ڈالنے کی کوشش کرنا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حلب کے خلیفہ کو خلقتِ خدا کے بجائے بغداد کی زیادہ فکر ہے۔ وہ ایک طاقت ور دشمن کی موجودگی میں مجاہدین کو تقسیم کر کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیں تاتاریوں پر فتح عطا فرمائی ہے۔ سلطان بیبرس کی وضاحت نے ماحول کی بدمزگی کو رفع تو کر دیا تھا مگر خلیفہ مستنصر باللہ کے دل میں گرہ پڑ چکی تھی۔ وہ مقامِ خلافت کی حیثیت کی بقاء کی فکر میں مبتلا ہو گیا۔ امیر ابن ذہب جس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے قاہرہ آیا تھا اس میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

خلیفہ مستنصر باللہ نے چند دن بعد سلطان بیبرس کو بلوا بھیجا اور اس کے سامنے بغداد کی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے منہ سے یہ سن کر چونک پڑا۔ اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ ابن ذہب کی بات امیر المومنین کے دل میں گھر کر چکی ہے لہٰذا اس نے بلا تکرار خلیفہ مستنصر باللہ کی تائید کرتے

ہوئے امرا کے خیال کی تعریف کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ خلافت کی عظمت اسی میں مخفی ہے کہ اس مہم کی قیادت وہ خود کرے۔ سلطان بیبرس نے اس کی مخالفت نہیں بلکہ اس معرکے کے لئے اپنی تمام مملوک افواج روانہ کرنے کی پیشکش کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے مملوک افواج کے بجائے رضا کار مجاہدین کی نئی فوج تشکیل دینے کی خواہش ظاہر کی جو کہ بغداد کے حصول کے بعد اس کی حفاظت پر تعینات کی جا سکتی۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی اس خواہش سے آشکار ہو چکا تھا کہ وہ قاہرہ کے بجائے بغداد میں ہی سکونت چاہتا ہے۔ اس حیران کن اور مبنی فرمائش پر سلطان بیبرس تذبذب کا شکار ہو گیا۔ کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد اس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کر لیا۔

سلطان بیبرس قلعہ جبل سے نکل کر شیخ عز الدینؒ کے پاس پہنچا اور ان کے سامنے تمام احوال و کیفیت بیان کر دیا۔ شیخ عز الدینؒ نے کچھ دیر کے بعد اسے یہ مشورہ دیا کہ ابھی بغداد کی واپسی کا وقت نہیں ہے۔ امیر المومنین کو یہ کڑا اقدام نہیں اُٹھانا چاہئے سلطان بیبرس ان کی بات سن کر پریشان سا ہو گیا کیونکہ امیر المومنین کی دلی خواہش کو مسترد کیا جانا حالات کی کشیدگی کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسرا یہ بھی ممکن تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ سلطان بیبرس کے عزل کا اعلان کر دیتا۔ ایسی صورت میں مملوک و مصری امراء کا ساتھ بھی ختم ہو سکتا تھا کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے امیر المومنین کے لئے نئی فوج کی تشکیل کا حکم دے دیا۔ یہ فوج رضا کار مجاہدین پر مشتمل تھی جس میں کئی امراء بھی شامل تھے۔ ان میں کثیر تعداد ایسے مجاہدین کی تھی جنہوں نے معرکہ عین جالوت میں حصہ لیا تھا۔ انہیں پہلے سے تربیت دی گئی تھی لہٰذا انہیں مزید تربیت دے کر دستوں کی شکل میں بانٹ دیا گیا۔ نہایت زور و شور سے بغداد کی واپسی کی مہم کا اجراء عمل میں لایا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس کام کے لئے دس لاکھ دینار مختص کئے۔ نئی فوج کے لئے بھرپور ساز و سامان کا انتظام کیا گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ یہ سب دیکھ کر بے حد مسرور ہوا اور عالمِ تصور میں اجڑے ہوئے بغداد کو دوبارہ بسانے کے خواب دیکھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

حلب کے سلطان علاء الدین لولو کو بہت جلد قاہرہ میں ہونے والی اس نئی پیش رفت کی خبر ہو گئی۔ وہ سلطان بیبرس کے اس اقدام پر جل بھن کر رہ گیا۔ حلبی خلیفہ الحاکم بامراللہ کے ساتھ خلافت کا اجراء کے موقع پر اس نے اسی شرط کے تحت طے کیا تھا کہ وہ بغداد کی واپسی کی مہم کے لئے بہت جلد تیاری کر کے نکلے گا۔ اگر سلطان بیبرس اس سے پہلے بغداد کی مہم پر روانہ ہو جاتا تو قرین قیاس یہی تھا کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ اپنے ہاتھ کھڑے دیتا۔ وہ اس گھمبیر صورتِ حال میں پھنس کر رہ گیا۔ ایک جانب حلب کی حکومت اور خلافت سے اس کی حیثیت مستحکم تھی تو دوسری طرف مالی طور پر ایسے حالات نہیں تھے کہ اتنے بڑے معرکے کا فوری بندوبست کیا جاتا۔

سلطان علاء الدین نے غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ اسے سلطان بیبرس کی مہم کو ناکام بنا دینا چاہئے تا کہ اس کی شہرت داغ دار ہو جائے۔ پھر کچھ عرصہ میں اپنی تیاری مکمل کر کے تاتاریوں سے بغداد واپس لیا جائے۔ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ایسے امراء کا انتخاب کیا جو سلطان بیبرس کو ناپسند کرتے تھے۔ امیر ابن ذہب بھی انہی میں شامل تھا۔ اسے سلطان بیبرس پر بے حد غصہ تھا۔ سلطان علاء الدین نے تمام صورت حال ان امراء کے سامنے رکھتے ہوئے انہیں باور کرایا کہ اگر قاہرہ کی حکومت تاتاریوں سے بغداد واپس لینے میں کامیاب ہو گئی تو پھر حلب کی حکومت کا وجود ختم ہو جائے گا۔ خلیفہ کا اعزاز جو ہمارے پاس موجود ہے، اس کی کوئی قدر باقی نہیں رہے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ خود ہی قاہرہ کی خلافت کے حق میں

دستبردار ہو جائے۔ ریاست حلب کی بہتری اسی امر میں مضمر ہے کہ فوری طور پر ایسے اقدامات اُٹھائے جائیں جن سے سلطان بیبرس کی مہم تاخیر کا شکار ہو جائے یا پھر معرکے میں سلطان بیبرس کو یقینی شکست ہو۔

سلطان بیبرس کے مخالف امرأ نے سر جوڑ کر سوچ بچار کے بعد یہ مشورہ دیا کہ قاہرہ کا جاسوسی نظام بے حد مضبوط ہے وہاں رہتے ہوئے کسی قسم کی منصوبہ بندی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا کافی دشوار ہے چونکہ خلیفہ مستنصر باللہ نے بغداد کے لئے عام جہاد کا اعلان کیا ہے اس لئے اگر ہم نے کسی بھی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو ممکن ہے رعیت ہی ہمارے خلاف ہو جائے۔ اس لئے عسکری قوت کی روانگی میں تاخیر پیدا نہیں کی جا سکتی البتہ یہ ہو سکتا ہے فی الوقت تاتاریوں کے ساتھ خفیہ طور پر سمجھوتہ کر لیا جائے اور انہیں سلطان بیبرس کی برپیش رفت کی قبل از وقت آگاہی دے دی جائے تاکہ وہ مؤثر انداز میں اپنا دفاع کرتے ہوئے انہیں شکست سے دوچار کر دیں۔

امرأ کا مشورہ سلطان علاء الدین لولو کو بے حد بھایا۔ وقت کا تقاضا کچھ ایسا تھا کہ سلطان بیبرس کی شکست کا سامان اسی طریقے سے ممکن تھا۔ سلطان علاء الدین نے بظاہر امرأ کے سامنے تاتاریوں سے کسی بھی قسم کے سمجھوتے پر صاف الفاظ میں انکار کر دیا اور یہ ظاہر کیا کہ آنے والے وقت میں وہ خود بغداد کی جانب پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے سمجھوتے کے پیش نظر وہ اس معرکے سے معذور ہو سکتا ہے اور خلیفہ الحاکم بامر اللہ بغداد کی مہم میں تاخیر پر ناراض ہو سکتا ہے۔ اس نے امرأ کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ وہ اس کے علاوہ اور سوچیں اور پھر اسے آگاہ کریں۔

اسی شام سلطان علاء الدین نے اپنے خاص بااعتبار غلاموں کا ایک وفد تیار کیا اور انہیں ایک طویل مراسلے کے ساتھ بغداد روانہ کیا جہاں ہلاکو خان کا نائب موجود تھا۔ اس مراسلے میں سلطان علاء الدین لولو نے تاتاریوں کے خاص حلیف اپنے باپ سلطان بدر الدین لولو امیر موصل کی خدمات کا تذکرہ کیا اور اپنے باپ کی طرح اپنی مکمل اطاعت کی یقین دہانی کرائی، ساتھ ہی سلطان بیبرس کی تازہ مہم کے بارے میں تفصیل سے تحریر کیا اور مزید خبروں سے باخبر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس مراسلے کے ساتھ اس نے ہلاکو خان کی خدمت میں کئی نادر تحائف بھی روانہ کئے۔ یہ سب اتنے خفیہ انداز میں کیا گیا کہ کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی۔

سلطان علاء الدین ہر قیمت پر سلطان بیبرس کو بدترین شکست سے دوچار کرنا چاہتا تھا تاکہ بلادِ مصر میں بغاوت و انتشار کی فضا گرم ہو جائے۔ مملوک اور مصری امرأ سلطان بیبرس کے انتخاب پر دل برداشتہ ہو کر اسے معزول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایک ایسے دور میں سلطان علاء الدین لولو کا یہ اقدام مسلمانانِ اسلام کے لئے نہایت خطرناک تھا۔ انہیں تاتاریوں سے نجات ملے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اگر سلطان علاء الدین لولو اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتا تو کم از کم اگلے پچاس برس تک تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتال جاری رہ سکتا تھا۔ بلادِ شام و شرقیہ اور بلادِ فلسطین کے بعد بلادِ مصر و افریقہ بھی تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتے۔

۞ ۞ ۞

زرّیں خیل قاآن اعظم برقائی خان کی تمام عسکری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اس نے ہلاکو خان پر خود آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی دوران مطیع الدین کا پیغام بھی اسے موصول ہو گیا جس میں اس نے فدائیوں کے ساتھ دینے پر آمادگی کی خبر دی۔ برقائی خان نے اپنے عسکری سالاروں سے صلاح مشورہ کر کے ایک خاص درّے کو میدان جنگ قرار دیا۔ اس مقام سے ریاست اردوئے زریں بھی محفوظ رہ سکتی تھی اور خراساں کی جانب آنے والی کمک اور رسد کا رستہ بھی روکا جا سکتا تھا۔ پہاڑی علاقے کے باعث فدائی حملہ

آوروں سے ہلاکو خان کے لشکر کو نقصان پہنچ سکتا تھا اور وہ حملہ آور ان کی نگاہوں سے بچ کر نکل بھی سکتے تھے۔

برقائی خان کے پاس جب معرکہ عین جالوت کی خبر پہنچی تو اسے بے حد خوشی ہوئی۔ اس کے فہم و تدبر نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ ہلاکو خان کو شکست دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سلطان مصر سے بھی تعلقات استوار کیے جائیں۔ اس نے اپنے مخبروں کو ہدایت کی کہ وہ بلادِ مصر کے سلطان کے بارے میں صحیح اور مکمل تفصیل روانہ کریں۔ سلطان بیبرس کی بلادِ شام و شرقیہ میں مختلف کارروائیوں اور مقبوضات میں سے تاتاری انخلاء کی خبریں اسے ملتی رہیں جن سے اس کی نگاہ میں سلطان بیبرس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

برقائی خان نے فوری طور پر ایک منگول وفد تیار کیا اور ایک مراسلہ سلطان بیبرس کے نام تحریر کیا جس میں واضح کیا گیا کہ الحمد للہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے قلوب ایمان کی روشنی سے پوری طرح منور ہیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے کافر رشتہ داروں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ انہیں کسی بھی قیمت پر اسلامی مقبوضات کی جانب بڑھنے نہیں دیں گے لہٰذا سلطان مصر کو چاہیے کہ وہ پوری تندہی سے ان تمام علاقوں پر چڑھائی کر دے جہاں جہاں ایل خانی منگول قابض ہیں۔ اسلامی علاقوں سے ایل خانی منگولوں کا انخلاء ہی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔

برقائی خان نے مراسلہ وفد کے حوالے کیا اور انہیں محفوظ علاقوں کی جانب سے قاہرہ روانہ کر دیا۔ برقائی خان نے منگول وفد کو سرکاری انداز میں روانہ کرنے کے بجائے مطیع الدین کی طرح انہیں بھی تاجر کے روپ میں بھیجا تاکہ کسی کو شک نہ گذرے۔ برقائی خان کی کوشش تھی کہ ہلاکو خان کے تمام حریفوں کو ایک ساتھ اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے تاکہ ہلاکو خان کی شکست یقینی ہو جائے۔ ہلاکو خان کی شکست کی صورت میں اسلامی مقبوضات نہ صرف آزاد ہو جاتے بلکہ ڈیڑھ سو سال سے جاری قتال و غارت گری کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا۔ ہلاکو خان کی شکست آسان بات نہیں تھی کیونکہ وہ اس قدر وسیع رقبے پر قابض تھا کہ اسے بزورِ شمشیر فتح کرنے میں کافی وقت درکار تھا اور سب سے بڑی مشکل انتہائی سرد موسم کی تھی جس میں سفر کرنا محال ہو جاتا ہے۔

اسی دوران برقائی خان کو ہلاکو خان کے لشکروں میں موجود اردوئے زرّیں کے باشندوں کی خبریں بھی موصول ہوئیں۔ یہ لوگ چنگیز خان اور منگو خان کے ادوار میں مفلسی اور بے روزگاری کے باعث اپنے وطن سے نکل کر منتشر کر منگول افواج میں شامل ہوئے تھے۔ ہلاکو خان اور برقائی کی کھلی عداوت کے باعث ان زرّیں خیل دستوں کو حقارت سے دیکھا جانے لگا اور ایل خانی سپاہی برملا انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ باہمی چپقلش کی شکایات جب ہلاکو خان تک پہنچیں تو اس نے بھی اپنے حلیف قبیلوں کی حمایت کی جس سے ناراضگی اور بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ برقائی خان کے سامنے یہ تمام صورتِ حال آئی تو اس نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ ایل خانی سلطنت میں اردوئے زرّیں کے باشندوں پر ہونے والے ظلم کے بعد کسی قسم کے سمجھوتے کی گنجائش باقی نہیں رہی لہٰذا تمام زرّیں خیل سپاہی ہلاکو خان کا لشکر چھوڑ کر اپنے وطن واپس آ جائیں یا دوسرے محفوظ مقامات کی جانب نکل جائیں۔

اس اعلان کی خبر جب ان دستوں تک پہنچی تو انہوں نے جوق در جوق روانگی اختیار کی۔ ہلاکو خان نے اس امر کو کھلی بغاوت قیاس کرتے ہوئے ان دستوں کے قتلِ عام کا حکم جاری کر دیا۔ مراغہ سے حدود اردوئے زرّیں تک مختلف مقامات پر جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زرّیں خیل سپاہی لڑتے بھڑتے دربند کی راہ سے دشت قپچاق سے ہوتے ہوئے واپس وطن لوٹتے رہے۔ جن سپاہیوں کو اس جانب آنے کا موقعہ نہ مل سکا وہ

سمرقند و بخارا کی جانب نکل گئے۔ زریں خیل دستوں کے دستے اسلامی مقبوضات میں داخل ہوتے گئے۔ ہلاکو خان نے اسلامی مقبوضات میں ان کے داخلے کو خطرہ سمجھتے ہوئے خراساں کی حکومت کو ان کے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ اس طرح یہ دستے جان بچانے کے لئے لڑتے بھڑتے بلادِ شام و شرقیہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں زریں خیل سپاہی سفر کرتے ہوئے بلادِ شرقیہ و شام میں داخل ہو گئے۔

سلطان بیبرس کو جلد ہی منگول دستوں کی آمد کی خبریں موصول ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ اتفاق تھا کہ زریں خیل دستوں میں زیادہ تر تعداد مسلمان منگولوں کی تھی۔ سلطان بیبرس نے ان کی آمد پر فوراً بلادِ شام کی جانب مراجعت کی۔ سلطان بیبرس نے ان منگول سپاہیوں سے خود ملاقات کی۔ منگول سپاہیوں نے سلطان بیبرس سے پناہ کی درخواست کی۔ سلطان بیبرس کو انہی پناہ گیر سپاہیوں سے برقائی خان اور اس کی عظیم سلطنت کے مفصل حالات معلوم ہوئے۔ سلطان بیبرس کی دور بیں نگاہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ برقائی خان سے دوستانہ مراسم قائم کرنے میں کتنے فوائد مضمر ہیں چنانچہ اس نے فوراً ایسے زریں خیل سپاہیوں کو بلادِ شام و شرقیہ سے جمع کر کے مصر کی جانب بھیجنے کا حکم جاری کر دیا۔ قاہرہ واپس پہنچ کر اس نے ایک سفارت مرتب کی اور اسے قسطنطنیہ کے راستے اردوئے زریں کے دارالحکومت سرائے کی جانب روانہ کر دیا۔ چند ہی دن کے بعد مخبروں نے سلطان بیبرس تک یہ خبر پہنچائی کہ قیصرِ روم نے سلطان بیبرس کی اس سفارت کو قسطنطنیہ میں ہی روک لیا ہے۔ قیصرِ روم ہلاکو خان کا خاص حلیف تھا اور وہ اس کی خوشنودی سے تاتاریوں کا رُخ اسلامی علاقوں کی جانب موڑے ہوئے تھا۔ سلطان بیبرس کو پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ قیصرِ روم کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو کسی دوسرے ڈھب پر استوار کرنا ضروری ہے۔

ابھی سلطان بیبرس قیصرِ روم کے بارے لائحہ عمل سوچ رہا تھا کہ اسے خبر ملی کہ برقائی خان کی جانب سے ایک سفارت بلادِ مصر کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر اسے اپنے پاس بلوایا۔ زریں خیل منگول وفد نے سلطان بیبرس کی خدمت میں پہنچ کر نہ صرف معرکہ عین جالوت کی فتح کی مبارکباد دی بلکہ زریں خیل منگولوں کی جانب سے مکمل حمایت کا اظہار بھی کیا۔ سلطان بیبرس نے بھرے دربار میں برقائی خان کا خط پڑھوایا اور اس کے دل میں موجود اسلام کے لئے جذبات کی تعریف و توصیف کی۔ سلطان بیبرس کے عالی ذہن نے اس بات کو فوری محسوس کر لیا تھا کہ تاتاریوں کے خلاف سب سے بڑے دشمن اسے ان کے اندر ہی سے مل سکتے ہیں جو کہ صحیح معنوں میں ان سے مقابلے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ منگولوں کے منقسم ہونے کی اطلاع اس کے لئے بے حد خوش آئند تھی۔ سلطان بیبرس نے سفارتی وفد کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جس سے ان کی طبیعت خوش ہو گئی۔ سلطان بیبرس نے ان کی ملاقات خلیفہ مستنصر باللہ سے کرائی جہاں انہیں قیمتی خلعتوں سے نوازا گیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی دلجوئی کے لئے پناہ گیر زریں خیل دستوں میں کئی قابل افراد کو اپنے حلقے میں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ علاوہ ازیں اس نے امیر المومنین سے رسمی اجازت لے کر بلادِ مصر کے خطبات میں ان کے اور اپنے نام کے ساتھ برقائی خان کے نام کو شامل کیا۔ سفارتی وفد کی ایسی آؤ بھگت کی گئی کہ وہ سلطان بیبرس کے حسنِ سلوک کے معترف ہو گئے۔

سلطان بیبرس نے اپنے ہاتھوں سے برقائی خان کے لئے طویل مراسلہ تحریر کیا جو کہ ستر صفحات پر مشتمل تھا۔ اس خط میں اس نے کفار سے جہاد کرنے کے بارے میں قرآن مجید کی جملہ آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث درج کیں اور برقائی خان کو لکھا کہ وہ خود بھی دشت قپچاق کا رہنے والا ہے اور اسے عاجز قپچاقی مسلمان کی حیثیت سے خیام زریں کے عظیم نو مسلم خان کو برادرانہ سلام بھیجتا ہے۔ اس کے لئے

یہ بات بڑی مسرت بخش ہے کہ عظیم برقائی خان اپنے چچازاد بھائی ہلاکو خان کی سرگرمیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہلاکو خان اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہے اور یہ عاجز بیبرس اسلام کو بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس نے نہ صرف خلافت کو مصر میں بحال کر دیا ہے بلکہ اب وہ کفار تاتاریوں کے خلاف جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ عاجز اپنے مسلمان بھائی برقائی خان کو یہ اطلاع دینے میں بڑی مسرت محسوس کرتا ہے کہ قاہرہ کی جامع مسجد میں امیر المومنین اور اس عاجز کے نام کے ساتھ برقائی خان کے نام کا بھی خطبہ پڑھا گیا ہے اور خان کی جانب سے ایک متدین مسلمان کو حج بدل کے لئے مکہ معظمہ روانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ عاجز اور مصر و شام کے مسلمان برقائی خان کے بے حد ممنون ہوں گے اگر وہ ہلاکو خان کے عقب سے پے در پے حملوں کا سلسلہ شروع کر دے تاکہ وہ اسلامی علاقوں کی پامالی نہ کر پائے۔

اس مراسلے کے ساتھ سلطان بیبرس نے اردوئے زریں کی سفارت کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سفارت کے کچھ عہدیداروں کو سلطان بیبرس نے اس درخواست کے ساتھ روک لیا کہ وہ مملوک افواج کو منگولوں کی جنگی مبارزت کی تربیت دیں۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے حسنِ سلوک کے پیشِ نظر یہ درخواست قبول کر لی اور بلادِ مصر میں قیام کیا۔ برقائی خان کی سفارت کے ساتھ سلطان بیبرس نے بے شمار قیمتی تحائف بھی روانہ کئے۔ مؤرخین نے ان تحائف کی بڑی طویل فہرست دی ہے۔ ان میں قرآن مجید کا ایک نادر نسخہ جس پر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کے ریشمی زربفت کے غلاف پر سنہرا کام کیا گیا تھا۔ ہاتھی دانت اور آبنوس سے بنایا ہوا ایک مرصع تخت، کئی منقش اور زرتار مصلّی جات اور چاندی کی طشتریاں، نقرئی دستوں کی نفیس تلواریں، خوارزم کی زینیں، ریشم کی ڈوری والی دمشقی کمانیں، منقش نیزے، درجنوں تیرکش، مختلف رنگوں کے نفیس پردے، یکتہ روزگار شمع دان، تکیے، غلاف، گاؤ تکیے، سنگی دیگیں، نمدے، سدھائے ہوئے بندر جنہیں ریشمی لباس پہنائے گئے تھے، تازی گھوڑے، جنگلی گدھے، زرافے، صبا رفتار اونٹ، اعلیٰ درجے کے طوطے، حبشی غلام، خواجہ سرا اور تربیت یافتہ کنیزیں، اور بے شمار اشیاء شامل تھیں۔ یہ سفارت کیا تھی ساز و سامان سے لدا پھندا ایک طویل قافلہ تھا۔

اس سفارت کی واپسی کے لئے ایک بار پھر قسطنطنیہ کی راہ تجویز کی گئی۔ سلطان بیبرس نے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ اس سفارت کو بھی روک لیا جائے گا۔ یہ سدباب کیا کہ ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ دھمکی آمیز خط بھیجا جس میں یہ تحریر تھا کہ اگر اس نے اس بار مصر کی سفارت کو روکا یا پریشان کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنی سلطنت میں موجود تمام بزنطینی تاجروں کو گرفتار کر لے گا قیصرِ روم سے تمام تجارتی تعلقات ختم کر دے گا اس خط کے ساتھ ہی اس نے اپنی سلطنت کے تمام عیسائی بطریقوں سے قیصرِ روم کو یہ دھمکی دلوائی کہ وہ اسے کلیسا کا اسقفِ اعظم تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے۔ سلطان بیبرس کی اس کڑی کارروائی کے باعث قیصرِ روم کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور اس نے نہ صرف فوری طور پر پہلی سفارت کو روانہ کر دیا بلکہ دوسری سفارت کو بھی روکنے کی کوشش نہیں کی۔

❀ ❀ ❀

"تو تم گل دقوز کی تلاش میں یہاں تک پہنچ ہی گئے"۔ شنک خان کاٹ دار لہجے میں بولا۔ مطیع الدین پہلے ہی قلعہ الموت میں اس کی موجودگی پر حیران و پریشان کھڑا تھا۔ گل دقوز کا نام سن کر وہ دم بخود سا رہ گیا۔ اس کے ذہن میں تیز آندھیاں سی چلنے لگیں۔ شنک خان، گل دقوز اور قلعہ الموت...... یہ عجیب سی مثلث تھی جو اسے کسی بھی طرح سمجھ نہیں آ پائی۔

''تمہاری یہاں موجودگی میرے لئے متحیر کن ہے مگر گل دتوژ کا ذکر یہاں کچھ سمجھ نہیں آیا''۔

''یعنی اب تم یہ کہو گے کہ تمہیں معلوم نہیں گل دتوژ یہاں موجود ہے؟''

''کک...... کک...... کیا مطلب؟'' مطیع الدین کو اپنے بدن میں لرزے کا شدید جھٹکا محسوس ہوا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں شنگ خان کو تکتا رہا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی اچھی اداکاری بھی کر لیتے ہو۔ اب زیادہ انجان نہ بنو۔ صاف صاف بتاؤ کہ تمہاری گل دتوژ سے ملاقات ہو چکی ہے یا نہیں؟'' شنگ خان نے تیزی سے کہا۔

''میرے خیال میں یا تو تم میرے جذبات سے کھلواڑ کرنے کی کوشش کر رہے ہو یا تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے''۔ مطیع الدین پریشانی کے عالم میں بولا۔

''تو تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟'' شنگ خان تنک کر بولا۔

''یہ بتانا ضروری نہیں ہے...... البتہ تمہارے بجائے مجھے پوچھنے کا یہ حق حاصل ہے کہ تم سرخ غر کو چھوڑ کر اتنی دور کیا کر رہے ہو؟'' مطیع الدین نے الٹا سوال کر دیا۔

''خود کہتے ہو کہ ضروری نہیں اور مجھ سے جواب کی توقع رکھتے ہو''۔

''آقا کا حکم تھا کہ میں آپ کو بلاز کے مہمان خانے تک پہنچاؤں...... !علاوہ ازیں آپ کو یہاں کے بارے میں کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ شیخی تمہیں مہمان سے بات کرنے کے لئے آقا سے اجازت لینا ہوگی کیونکہ یہ ان کے خاص مہمان ہیں''۔ غلام نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''شیخی!'' مطیع الدین ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ''بہت خوب!''

''خاص مہمان!!!؟'' شنگ خان حیرت سے غلام کی صورت دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا خاص مہمان سے کیا مراد ہے؟ خاص مہمان وہ لوگ ہوتے تھے جن کا تعلق براہ راست شیخ کبیرالدین سے ہوتا تھا اور ان کی مدارات میں خصوصی انتظامات کئے جاتے تھے۔ دوسرا ایسے مہمانوں کے ساتھ کسی بھی عام فرد کو بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ غلام نے مطیع الدین کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ شنگ خان اس کی خصوصی اہمیت کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس نے فوراً شیخ کبیرالدین سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اسے مطیع الدین کے بارے میں بتانا چاہتا تھا کہ وہ یقیناً وہاں گل دتوژ کی تلاش میں ہی پہنچا ہے۔

❀ ❀ ❀

ذی تعدہ 659ھ میں ایک چھوٹا سا نصرانی تجارتی قافلہ سمندری رستے سے دمیاط کی بندرگاہ پر پہنچا۔ یہ قافلہ ریاست اطالیہ اور صقلیہ کے جزائر سے تجارتی سامان لے کر آیا تھا وہ قافلہ بلادِ مصر کے دارالخلافہ قاہرہ کی جانب کوچ کا خواہش مند تھا۔ ان دنوں قاہرہ کو تجارت کے معاملے میں بے حد شہرت حاصل تھی۔ تاتاریوں کی غارتگری سے محفوظ ہونے اور خلافت اسلامیہ کا مرکز بننے کے بعد بلادِ مصر نہ صرف مسلمان تاجروں کے لئے کشش کا باعث بن چکا تھا بلکہ غیر مسلم تجارتی گروہ بھی عمدہ منافع کی غرض سے اسی سرزمین کا رُخ کر رہے تھے۔ مرکز اسلام بغداد کی تباہی اور بلادِ عراق و شام میں تاتاریوں کے تاخت و تاراج کے بعد وہاں کی نفع تجارت کے لئے پرکشش نہیں رہ گئی تھی۔ نصرانی قافلہ تیزی سے سفر کرتا ہوا ذی تعدہ کے آخری عشرہ میں قاہرہ پہنچ گیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس قافلے میں شامل تمام تر افراد پہلی بار بلادِ مصر میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاس اعلیٰ مصنوعات تھیں جن کے اچھے داموں کے حصول کی لالچ انہیں قاہرہ کھینچ لائی تھی۔

قاہرہ کے صدر دروازے پر اس قافلے نے ٹھہر کر شہر کا جائزہ لیا۔ وہ ابھی اس فکر میں غلطاں تھے کہ قاہرہ میں انہیں کس مقام پر قیام کرنا چاہئے کہ ایک بلند قامت شخص ان کے پاس چلا آیا۔ وہ عام سا لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ قافلے کا سردار ایک اجنبی کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر کسی قدر تشویش میں مبتلا دکھائی دیا۔ وہ شخص مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور سب لوگوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے انہیں قاہرہ میں خوش آمدید کہنے لگا۔ قافلے کے سب اراکین اس کی جانب شکوک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہ سب قاہرہ میں نووارد ضرور تھے مگر فن تجارت کے اسرار و رموز سے بھی خوب واقف تھے۔ اجنبی کی اس غیر متوقع حرکت پر انہیں جس قدر تشویش لاحق تھی۔ اجنبی نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا۔ کچھ ہی دیر میں اجنبی نے ان سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ قاہرہ میں پہلی بار آئے ہیں اور انہیں اپنے قیام کے بندوبست میں کسی قدر مشکل کا سامنا ہے۔ اجنبی نے بلا دریغ اپنی خدمات پیش کر دیں۔ ان کے انکار کے باوجود وہ انہیں ساتھ لے کر قاہرہ کے ایک معروف بازار کی جانب بڑھ آیا اور ایک معروف سرائے میں انہیں ٹھہرنے کا مشورہ دیا۔ قافلے کے نصرانی سردار نے بالخصوص اس سرائے کے انتخاب کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ اس نے معذرت کرنا چاہی مگر جانے اس اجنبی کے لہجے میں کیا بات تھی کہ وہ اس کی بات کو رد نہ کر سکے۔ وہ اجنبی انہیں اس سرائے میں چھوڑ کر آناً فاناً رخصت ہو گیا۔ قافلے کے سب افراد اس کی اس حرکت پر تذبذب کا شکار ہو گئے۔ قافلے کے کچھ لوگ یہ قیاس آرائی کرنے لگے کہ وہ اجنبی نہایت چالاک اور مکار قسم کا نوسرباز ہے جو انہیں اپنے اعتماد میں لے کر کسی جال میں پھنسانا چاہتا ہے مگر وہ اس کی خوش خلقی اور حسن سلوک کو کوئی نام نہ دے سکے۔ قافلے کے سردار نے اجنبی کے معاملے کو نظرانداز کرتے ہوئے فی الوقت اسی سرائے میں قیام کا فیصلہ کیا۔ قافلے کے سب لوگ اس اجنبی کو بھول کر اگلے تین دنوں تک مختلف بازاروں میں اپنے مال کی فروخت میں مصروف رہے۔ انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ ان کے مال کی نوعیت کے لحاظ سے وہی سرائے بے حد موزوں تھی جہاں وہ قیام کئے ہوئے تھے، نہ صرف ان کے مال کی فروخت کے لئے متعلقہ بازار اس سرائے کے قریب تھے بلکہ دوسرے بازاروں کی نسبت ان بازاروں میں منافع کی شرح زیادہ تھی۔ اس حقیقت کے ادراک نے ان کے دل میں اجنبی کے لئے وقعت بڑھا دی۔ ایک ہفتے کے مختصر قیام میں ہی وہ اپنا تمام مال بیچ کر فارغ ہو چکے تھے۔ کئی تاجروں نے ریشم اور دیگر اجناس کا ذخیرہ کرتے ہوئے اپنی واپسی کا سامان تیار کر لیا۔ وہ قاہرہ سے واپسی کی تیاری میں مصروف تھے کہ اچانک وہ اجنبی ان کے پاس چلا آیا۔ وہ یکدم اس اجنبی کی صورت اپنے کمرے میں دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

❀ ❀ ❀

ریاست اردوئے زریں کے قاآن اعظم جلال الدین برقائی خان کو جب سے معرکہ عین جالوت میں ایل خانی افواج کی شکست ہوئی تھی وہ بے حد مسرور رہنے لگا۔ اس نے بلادِ مصر کے سلطان بیبرس کی طرف کا ہاتھ محض اس لئے بڑھایا تھا کہ مسلمان تاتاریوں کو نہ صرف تحفظ حاصل ہو جائے بلکہ سلطان بیبرس بھی بخوبی سمجھ لے کہ ایل خانی منگولوں کی بربریت کا دور اب اختتام پذیر ہو رہا ہے۔ یہ اعلانِ دوستی جہاں بلادِ مصر و شام کے مسلمانوں کے لئے نوید مسرت بنا تھا وہیں ہلاکو خان کے رعب و دبدبے سے کھڑی دیوار کو بھی منہدم کر چکا تھا۔ سابق قاآن اعظم منگو خان کی ڈھیل کے باعث معاملات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ منگولوں میں اتحاد کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی قائی خان کے مسلمان ہونے کے باعث اس کی ہمدردیوں کا رُخ مسلمانوں کی جانب مڑ چکا تھا تو ہلاکو ...ن کی مخالفت میں نصرانیوں کی حمایت کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ ممکن تھا کہ

برقائی خان کو ہلاکو خان کی اس حمایت پر کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر گذشتہ پانچ سالوں میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ستم و غارتگری کے طوفان بدتمیزی اور بغداد کی دردناک تباہی نے برقائی خان کو اس کے مد مقابل کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر اس مسلمان حکمران کو سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا جس میں منگولوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے کا دم دکھائی دیتا۔ ہلاکو خان کو جب سے برقائی خان کی اس سفارت کے بارے میں معلوم ہوا تھا تو وہ پیچ و تاب کھاتا ہوا دکھائی دیا۔ خیام زرّیں منگولوں کی سلطنت اتنی مختصر نہیں تھی کہ وہ چند دن کی لشکر کشی سے اسے فتح کر سکتا۔ دوسرا اسے بخوبی احساس تھا کہ اس کے مقابل کمزور عراقی و شامی مسلمان نہیں ہیں بلکہ اسی کے ہم نسل منگول ہیں جو نہ صرف آپس میں رشتہ داریوں میں بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان سب جنگی تدابیر و رموز سے آشنا ہیں جن کی بدولت منگول سلطنت کی وسعت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔

مصری سفارت جب اردوئے زرّیں کے دارالحکومت سرائے پہنچی تو برقائی خان نے سلطان بیبرس کی سفارت کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ سلطان بیبرس کے بھیجے ہوئے تحائف دیکھ کر اس کو دلی مسرت ہوئی۔ اس نے شکریہ کے لئے ایک طویل خط لکھا۔ سلطان بیبرس کی بھیجی ہوئی تجویز اسے بے حد بھائی، وہ پہلے سے ہی ہلاکو خان کو بلادِ اسلامیہ میں بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ برقائی خان نے اپنے شکریئے کے پیغام میں اپنی بھرپور مدد اور تعاون کی یقین دہانی کرائی اور ساتھ ہی ماہر جنگجو بھی مصر روانہ کیے تاکہ وہ اسلامی لشکر کو منگولوں کی لڑائی کا طریقہ کارعمدگی سے سکھا سکیں۔ زرّیں خیل منگولوں نے قاہرہ کے حسن و جمال کا نقشہ جب برقائی خان کے سامنے پیش کیا تو برقائی خان اپنی جگہ دم بخود سا رہ گیا۔ اس نے فوری طور پر سلطان بیبرس سے ایسے معمار، کاریگر اور صناع طلب کیے جو عمارتی و تعمیراتی فنون میں ماہر ہوں۔ اس نے مراسلے میں لکھا کہ سرائے میں مکانات کی بے حد کمی ہے ہماری رعیت کی اکثریت خیموں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے، موسم سرما میں ہمیں بے حد تنگی کا سامنا رہتا ہے اگر سلطان بیبرس مصری معماروں کو سرائے میں روانہ کر دے تو وہ اس کا بے حد مشکور ہوگا۔ سلطان بیبرس نے برقائی خان کی اس فرمائش کو اس قدر سرعت سے پورا کیا کہ برقائی خان سلطان بیبرس کے قول و فعل سے متاثر دکھائی دینے لگا۔ اُسے کامل یقین ہو گیا کہ اب اسے بلادِ شام و عراق کی فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، سلطان بیبرس اتنی قوت رکھتا ہے کہ ان علاقوں میں موجود ایل خانی منگولوں سے نبٹ سکے۔ برقائی خان نے مصری معماروں کے ساتھ کثیر تعداد میں منگولوں کو کام پر لگا دیا جس کے نتیجے میں سرائے میں تیزی سے مکانات، دکانیں، شاہی محلات، مدارس، مساجد، سرائیں اور مہمان خانے وجود میں آنے لگے۔ مدارس اور مساجد کی تعمیر سب سے اوّل کی گئی۔ سمرقند اور بخارا سے کئی نامور علماء کو سرائے آنے کی دعوت دی گئی تاکہ منگول نوجوانوں اور بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت کی جا سکے۔ خیام زرّیں منگولوں میں اسلام سے اجنبیت ابھی تازہ تھی، برقائی خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ اجنبیت کا یہ دور اس قدر طویل ہو جائے کہ وہ اسلام کی نامکمل تعلیمات کے باعث مذہب کی حقیقی رُوح ہی نہ سمجھ پائیں۔ وہ منگولوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہوئے انہیں مہذب اور معتدل رعیت بنانا چاہتا تھا۔

برقائی خان اپنی ریاست کی تعمیر و ترقی کے ساتھ ساتھ ہلاکو خان سے بھی بالکل غافل نہیں تھا اس کے مخبر اسے ہر پل کی خبر متواتر مہیا کر رہے تھے۔ 659ھ کے اواخر میں برقائی خان کو ایسی اطلاعات ملیں کہ ہلاکو خان جو کہ عرصے سے اپنی عسکری تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ اپنی افواج کو ترتیب دے رہا ہے تاکہ مراغہ سے باہر نکل کر پیش قدمی کی جائے۔ برقائی خان نے اس اطلاع پر اپنی افواج کو مکمل طور پر تیار کر دیا تاکہ ہلاکو خان جونہی مراغہ سے نکلے تو خیام زرّیں منگول سپاہیوں کی سرحد کی جانب روانگی کا عمل شروع کر دیا جائے۔ برقائی

خان اچھی طرح جانتا تھا کہ ہلاکو خان اس سے دو دو ہاتھ کیے بغیر فارس و عراق کی راہ نہیں لے گا مگر نئی اطلاع نے اسے مخمصے میں ڈال دیا کہ ہلاکو خان نے اپنے امراء و رفقاء اور سالاروں کو برقائی خان کی جانب بڑھنے کے بجائے فارس روانہ ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ برقائی خان نے اسے ہلاکو خان کی چال خیال کرتے ہوئے اپنی عساکر کو سرحدوں کی جانب روانگی کا حکم دے دیا۔ وہ کسی بھی صورت میں ہلاکو خان کو کامیاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ ہلاکو خان عیاری سے اردوئے زرّیں کو اپنی عساکر کے حصار میں لے کر اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ایک لمبے عرصے سے سپاہی عسکری مشقوں میں مصروف تھے وہ روانگی کا مژدہ سن کر بے حد خوش دکھائی دیئے کہ انہیں اب اپنی بہادری و شجاعت دکھانے کا موقع ملے گا۔ برقائی خان نے اس عسکری مہم کی قیادت کسی سالار کو سونپنے کے بجائے خود میدان میں اترنے کا تہیہ کیا۔

اجنبی ان کے حیرت زدہ چہرے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ انہیں سلام کرنے کے بعد اس نے انہیں پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور خود چھوٹی سی کرسی کھینچ کر ان کے مقابل بیٹھ گیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس دن قافلے کے سب تاجر سرائے میں موجود تھے۔ قافلے کے سب لوگ اسے فراموش کر چکے تھے مگر اس کی اچانک آمد نے ان کے ذہنوں میں کھلبلی مچا دی۔ وہ اپنے دبائے ہوئے شکوک وشبہات کو سر اُٹھانے سے نہ روک پائے۔ قافلے کے سردار کو گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر وہ اجنبی خود ہی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا۔

''میرا خیال ہے شاید تم لوگوں کو میری آمد یا میری بے تکلفی ناگوار گذری ہے؟''

''اجنبی!'' سردار چونک کر بولا۔ ''ہمیں نہ تو تمہاری آمد ناگوار گذری ہے اور نہ ہی کوئی خوشی ہوئی ہے۔ نہ تو ہمیں اس بے تکلفی سے کچھ غرض ہے اور نہ ہی تم سے کوئی خوف ہے ہمیں تو صرف یہ بات کھٹک رہی ہے کہ تمہارے ساتھ ہماری کوئی آشنائی تک نہیں اور تم نے ہمیں موقع محل کی مناسبت سے ایک ایسی جگہ ٹھہرایا جو کہ ہمارے لئے نہایت سودمند تھی۔ یہ سب تم نے کس مقصد کے تحت کیا ہے؟ اس بارے میں بھی ہم کوئی اندازہ لگانے میں ناکام ہیں''۔

''آپ لوگ بلاوجہ شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے ہیں، میری ایسی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں سے کوئی مالی منفعت حاصل کروں، یہ سب تو میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے کیا ہے آپ لوگ چونکہ قاہرہ میں پہلی بار آئے تھے اور یہ شہر آپ کے لئے ناآشنا تھا، اسی لئے میں نے صرف رہنمائی کرتے ہوئے یہ خدمت سرانجام دی، میری اس میں کوئی غرض شامل نہیں ہے۔ اگر آپ لوگ مجھے اپنے مال کے بارے مطلع نہ کرتے تو شاید میں آپ لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا میں کیا یہاں میرے جیسے کئی لوگ موجود ہیں جو آپ جیسے لوگوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں میں تو محض یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ آپ لوگوں کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی ہے''۔

اجنبی کے لہجے میں کوئی گھماؤ پھراؤ نہیں تھا، وہ لوگ اس کے انسانی جذبے پر کسی قدر متاثر دکھائی دیئے۔ ان میں کچھ تاجروں کے ذہنوں پر چھایا ہوا شکوک کا غبار ڈھل نہ پایا۔

''کیا تم سرکاری طور پر اس کام کے لئے معین ہو؟'' سردار قافلہ چونک کر بولا۔

''ایسا ہی کچھ سمجھ لیجئے''۔ اجنبی نے مختصراً جواب دیا۔

''خداوند یسوع کی قسم!'' سردار بے اختیار بولا۔ ''میں سمجھتا تھا کہ غیر قوموں کے انتظام والنصرام میں شاید ہمارا بادشاہ ہی واحد مثال ہے مگر بلادِ مصر کے حکمران کا حسن انتظام دیکھ کر مجھے آج اپنی رائے میں یقیناً ترمیم کرنا پڑے گی''۔

''کیا مطلب...... میں کچھ سمجھا نہیں؟'' اجنبی حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میرا نام جون کارڈ ہے اور میں اطالیہ سے یہاں آیا ہوں، شاید تمہیں یہ تک معلوم نہ ہو کہ اطالیہ کس جانب واقع ہے؟'' سردار خود ہی ہنس پڑا پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ہمارا فرمانروا شاہ منفریڈ بے حد مشفق اور رعایا نواز بادشاہ ہے۔ وہ علم وحکمت کی بے حد قدر کرتا ہے، اس کی علم دوستی کے ثبوت میں محض اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اُسے اقلیدس کی دس کتب ازبر ہیں۔ اس نے اپنی سلطنت میں نہ صرف غیر نصرانیوں کو کھلی آزادی دے رکھی ہے بلکہ انہیں اپنی مذہبی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کئی شہروں میں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے اور کئی خوبصورت وبے مثال مساجد بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ایسی انسانی ہمدردی دیکھ کر میں یہی سمجھتا تھا کہ شاید شاہ منفریڈ جیسا بادشاہ اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر یہاں آکر مجھے احساس ہوا ہے کہ قاہرہ کا بادشاہ بھی غیر مسلموں کے حقوق کا مکمل خیال رکھتا ہے''۔

''تم عجیب بات کر رہے ہو؟ میں نے تو سن رکھا ہے کہ نصرانی ممالک میں سرکاری عہدے دار غیر نصرانی تاجروں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں اور تاجروں کو زیادہ مقدار میں ریاستی مال ساتھ لے جانے کی اجازت تک نہیں دی جاتی، واپسی پر اتنے خطیر محصول ان پر ڈال دیئے جاتے ہیں کہ کئی تاجر جان بچ جانے پر ہی شکر ادا کیا کرتے ہیں''۔

''تم بالکل درست کہتے ہو کچھ نصرانی ریاستوں میں ایسا بھی ہوتا ہے مگر اطالیہ کو ان کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے۔ غیر نصرانیوں پر سختی نہ کرنے کے باعث شاہ منفریڈ نے عظیم پوپ سے دشمنی مول لے لی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں کلیسا سے بھی خارج قرار دیا جا چکا ہے اگر تمہیں یقین نہ ہو تو ہمارے ساتھ چلو اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ شاہ منفریڈ کے دربار میں کئی مسلمان اعلیٰ مناصب پر موجود ہیں''۔ جون کارڈ جوشیلے انداز میں بولا۔

''حیرت کی بات ہے؟'' اجنبی کی آنکھوں میں بے یقینی جھلکتی دکھائی دی۔ ''میری جہاں تک معلومات ہیں کہ اطالیہ اور قسطنطنیہ میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، اس کے باوجود شاہ منفریڈ کا انداز جرأت مندی کا اعلیٰ نمونہ دکھائی دیتا ہے!'' وہ سب اجنبی کی بات پر دنگ رہ گئے ان کے وہم وگمان تک میں نہیں تھا کہ ایک معمولی سے شخص کو اطالیہ اور قسطنطنیہ کی جغرافیائی ہیئت سے واقفیت ہو سکتی ہے۔

''تم قسطنطنیہ یا اطالیہ گئے ہو شاید!'' جون کارڈ تیزی سے بولا۔

''میرا علم محض کتب کا محتاج ہے''۔ اجنبی مسکرایا۔

''تم حقیقتاً حیرت انگیز آدمی ہو''۔ جون کارڈ مرعوب دکھائی دینے لگا۔ ''میں تمہیں فراموش نہیں کر پاؤں گا''۔ سب تاجر اجنبی کی جانب مشتاق نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ ان کے دل میں سر اُٹھانے والے وسوسے بالکل مٹ چکے تھے۔ اس اجنبی نے اپنا کچھ وقت مزید وہاں گذارا۔ باتوں کا موضوع تجارتی منفعت کی جانب مڑ گیا۔ وہ سب اجنبی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے لگے۔ اجنبی نے ان کی واپسی کی اطلاع پا کر کچھ ضروری تفصیل معلوم کی اور وہاں سے نکل آیا۔ اس کا ذہن تیزی سے حالات کا تجزیہ کرنے میں مشغول تھا۔ اس کی سوچوں کا محور شاہ منفریڈ تھا جس کی منفرد شخصیت مسلمانوں کے حق میں نہایت اہم تھی۔ قسطنطنیہ کے بالکل بازو میں ایک ایسی ریاست کی اطلاع اس کے لئے بے حد خوش آئند تھی۔ اس نے واپس لوٹتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شاہ منفریڈ سے تجارتی وسفارتی روابط وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وہ اجنبی کوئی اور نہیں تھا بلکہ بلادِ مصر کا سلطان بیبرس تھا جو کہ روپ بدل کر عموماً رعایا میں ایک عام شخص کی طرح گھومتا رہتا۔ بھیس بدل کر رعایا اور مملکت کا حال معلوم کرتے رہنا اس نے اپنے معمولاتِ زندگی میں

شامل کر رکھا تھا۔ اس میں وقت کی کوئی قید نہیں تھی وہ عام لوگوں کے مسائل اور سرکاری عہدے داروں کی بدعنوانیوں کو اپنی نگاہ سے پرکھتا اور فوری قسم کے اقدامات کرتا۔ نصرانی تاجروں سے ملاقات محض اتفاق تھی کہ اُس وقت جب وہ لوگ قاہرہ میں داخل ہو رہے تھے سلطان بیبرس ان کے قریب موجود تھا۔ وہ ان کے حلیوں سے پہچان چکا تھا کہ وہ نصرانی ہیں مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ تجارت کی غرض سے وہاں پہنچے ہیں تو سلطان بیبرس نے ان کی مکمل رہنمائی کی اور اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فوری اجر کے طور پر ایک ایسے مددگار کی خبر دی تھی جو نصرانیوں میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے میں مطلق تامل نہ کیا اور دوسرے ہی دن مملکت کے ایک برآوردہ عالم جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سالم معروف بہ ابن واصل کی سرکردگی میں ایک دوستانہ سفارت تیار کرتے ہوئے شاہ منفریڈ کے دربار کی جانب روانہ کر دی۔ علامہ ابن واصل نے پہلے بلادِ شام کے شہر حماۃ میں سلسلہ درس وتدریس کیا اور حالات کی کشیدگی محسوس کرتے ہوئے قاہرہ کی راہ لی۔ قاہرہ میں چند ہی سال میں ان کے تبحر علمی کا غلغلہ ہو گیا اور انہیں امام وقت تسلیم کر لیا گیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی علمی خدمات کے پیش نظر انہیں قاضی کے عہدے کی پیش کش کی مگر انہوں نے معذرت اختیار کی۔ علامہ ابن واصل علمی فضائل، خداداد ذہانت اور فصیح بلیغ خطابت جیسی خوبیوں کے جوہر سے مالا مال تھے۔ سلطان بیبرس کی نگاہوں میں اطالیہ وصقلیہ کی سفارت کے لئے ان سے بڑھ کر کوئی اور موزوں قرار نہیں پایا۔ ذی قعدہ 659ھ میں اہلِ مغرب کی جانب سلطان بیبرس کی دوستانہ سفارت روانہ ہو گئی۔

❁ ❁ ❁

شنگ خان تیز قدموں سے چلتا ہوا شیخ کبیر الدین کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں موجود شیخ کبیر الدین کے رفقاء نے اس کی بلا اجازت آمد پر ناگواری کا اظہار کیا جس پر شنگ خان نے فوری معذرت کر لی۔ شیخ کبیر الدین نے اسے ایک جانب انتظار کرنے کا حکم دیا اور اپنے رفقاء کے ساتھ مشغول ہو گیا۔ یہ گفتگو ہلاکو خان کے بارے میں کی جا رہی تھی۔ شنگ خان کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا وہ ان باتوں سے غافل ہو کر مطیع الدین کے بارے میں سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد شیخ کبیر الدین فرصت پا کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے آمد کا مقصد دریافت کیا۔

''شیخ الرئیس!'' شنگ خان مؤدب لہجے میں بولا۔ ''آج میں نے ایک غلط آدمی کو قلعے میں دیکھا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کا خاص مہمان ہے؟''

''تمہارا اشارہ مطیع الدین کی جانب ہے شاید......!'' شیخ کبیر الدین عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شنگ خان نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے غلط قرار دینے کی وجہ دریافت کی۔

''شاید آپ اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس نے یہاں آ کر آپ کو کیا بتلایا ہے کہ آپ اسے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرانے پر رضامند ہو گئے مگر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ یقیناً گل وقوژ کی تلاش میں یہاں آیا ہے''۔ شنگ خان پُرجوش لہجے میں بولا۔

''گل وقوژ کا اس سے کیا لینا دینا؟'' شیخ کبیر الدین غیر متوقع وجہ پر دم بخود سا رہ گیا۔

''مطیع الدین گل وقوژ کا وہ عاشق ہے جس کے لئے گل وقوژ نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ میری اس سے ملاقات کوہ سرخ کے دامن میں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے صاف الفاظ میں یہ باور کرایا تھا کہ وہ ایک دن گل وقوژ کو پاتال کی گہرائیوں میں کھوج نکالے گا''۔ شنگ خان نے کہا۔

''ہاں کچھ کچھ مجھے یاد پڑتا ہے گل وقوژ کسی مسلمان زادے کے عشق میں مبتلا رہی ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ یہی مطیع الدین ہی تھا مگر تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے چونک کر پوچھا تو شنگ خان گھبرا اُٹھا۔ اس نے بہانہ بازی سے کام لینا چاہا مگر شیخ کبیر الدین ہنسنے لگا۔

''شیخی! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہاری اصلیت سے بھی پوری طرح واقف ہوں۔ تمہارا نام شنگ خان ہے اور تمہارا تعلق قبیلہ سرخ غر سے ہے، تم منک آنہ کے پوتے ہو اور یہ کہ گل وقوژ کے ماموں زاد بھی ہو''۔

شنگ خان خوف وحیرت بھری نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ شیخ کبیر الدین اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جوش میں آ کر وہ مطیع الدین کی چغلی تو کھا چکا تھا مگر اپنی اصلیت کو بھی بچا نہیں پایا اس کے کانوں میں شیخ کبیر الدین کی آواز گونجتی سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔

''شنگ خان! تمہاری خنجر زنی کی مہارت میں نے وادی قاف کی ایک لڑائی میں جب دیکھی تو میں تمہارا گرویدہ ہو کر رہ گیا۔ میرے ذہن میں مبہم سا خاکہ جو کسی وقت میں ابھرا تھا، تمہیں دیکھ کر مجھے اس کی تکمیل دکھائی دی میں نے جان بوجھ کر تمہاری زندگی میں دخل دیا۔ گل وقوژ کو میں محض اسی لئے غار سے نکال لایا تھا کہ تم میرے لئے کام پر آمادہ ہو جاؤ۔ پھر جب تمہیں میں نے خنجر زنی کی تربیت کے لئے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تو گل وقوژ کا ریشمی رومال جان بوجھ کر تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گذارا تھا تاکہ تم تلاش کے چکر میں میری بات مان لو۔ ایسا ہی ہوا۔ تم نے تجسس کے تحت میری بات مان لی اور میں نے تمہیں خاص طور پر چہرہ چھپا کر تربیت دینے پر آمادہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ تم گل وقوژ کی تلاش میں قلعہ کا کونا کونا چھانو گے اسی لئے میں نے گل وقوژ کو قریبی قلعے میں منتقل کر دیا اور تمہاری مہارت سے فیض یاب ہوتا رہا۔ تم نے اس عرصے میں سینکڑوں لڑکیوں کو تربیت دی اور وہ آج مختلف مقامات پر میری سلطنت کے قیام کے لئے کام کر رہی ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ تم اکتا کر قلعہ چھوڑنے کے چکر میں ہو تو میں نے جان بوجھ کر گل وقوژ کو تمہارے سامنے کیا۔ میرے اس اقدام کے باعث تم ایک بار پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس تمام دورانئے میں تمہاری خفیہ طور پر نگرانی کی گئی تاکہ تم گل وقوژ کو ساتھ لے کر فرار نہ ہو سکو البتہ میں یہ بات آج تک نہیں سمجھ پایا کہ تم نے گل وقوژ پر اپنی حقیقت پہلے دن منکشف کیوں نہیں کی۔ گل وقوژ کے آخری ایام میں جب تم سیڑھیوں پر موجود تھے اور گل وقوژ سے باتیں کر رہے تھے وہ بھی میرے علم میں ہیں''۔

''اب گل وقوژ کہاں ہے؟'' شنگ خان اس کی باتوں پر متحیر تھا مگر جلد ہی وہ اس حیرت سے باہر نکل آیا۔ اس کے لہجے میں غصہ اور تلخی جھلک رہی تھی۔

''شنگ خان! یہ مت بھولو کہ تم اس وقت کہاں ہو اور میری قوت کتنی ہے؟ اس سے تم بخوبی آگاہ ہو بہرکیف یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ گل وقوژ کہاں ہے؟ لیکن تم اس تک پہنچ نہیں سکو گے...... یہ میرا دعویٰ ہے''۔ شیخ کبیر الدین زہریلی ہنسی سے بولا۔

''یہ بات وقت طے کرے گا کہ میں اس تک پہنچ سکتا ہوں یا نہیں...... وہ اب کہاں ہے؟''

''اسے شام بھیج دیا گیا ہے''۔ شیخ کبیر الدین مختصراً بولا۔

''میں اب اس جگہ مزید نہیں رہنا چاہتا۔ اگر تمہارے غلاموں نے مجھ سے بھڑنے کی کوشش کی تو یہ اچھا نہیں ہوگا۔ میں مرتے مرتے بھی تمہارے غلاموں کی ایک بڑی تعداد ہلاک کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں''۔ شنگ خان فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''مجھے بلاوجہ اپنے غلاموں کو ہلاک کروانے کا کوئی شوق نہیں۔ تم اسی وقت جانا چاہو تو بخوشی جا سکتے ہو، یہ اجازت اس لئے نہیں ہے کہ میں تم سے مرعوب ہو چکا ہوں بلکہ اس خدمت کا صلہ سمجھو جو تم نے میرے لئے انجام دی ہے۔ اگر چاہو تو اپنا معاوضہ بھی لے سکتے ہو مجھے یہ چکانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ اگر تم میرے کام کو جاری رکھنے پر آمادگی ظاہر کرو گے تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی کیونکہ میں مہارت یافتہ نگینوں کی قدر کرنا جانتا ہوں''۔ شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''تمہاری قدر دانی کے لئے شکریہ...... مگر میں اب یہاں مزید نہیں رہ پاؤں گا''۔ شنگ خان نے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ شیخ کبیر الدین نے اسی وقت ایک غلام کو بلوا کر سمجھا دیا کہ شنگ خان کو اس کے تمام سامان اور خطیر رقم کے ساتھ قہستان کی حدود سے بحفاظت باہر بھیج دیا جائے۔ اگر وہ واپس جانا چاہے تو اسے مشرق میں وادی قفقاز کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اگر وہ مغرب کی جانب سفر کرنا چاہے تو اسے حدود شام کے پاس پہنچا دیا جائے۔ شنگ خان خاموشی سے یہ سنتا رہا اس کا ذہن بری طرح منتشر تھا۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسے کس جانب روانہ ہونا چاہئے۔ وہ اسی کشمکش میں وہاں سے اپنے کمرے میں پہنچا۔ اپنا ضروری سامان سمیٹنے کے بعد وہ غلاموں کی معیت میں قلعہ الموت سے باہر نکل آیا۔ اسے شیخ کبیر الدین کی نیت پر شک تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی نامناسب حرکت ضرور کرے گا۔ قلعہ الموت سے باہر نکلتے ہی اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اسے واپس لوٹ جانا چاہئے اور پھر کسی دوسرے راستے سے بلادِ شام روانہ ہونا چاہئے۔ شام کی راہیں اس کے لئے مکمل طور پر اجنبی تھیں۔ ممکن تھا کہ وہ شیخ کبیر الدین کی کسی چال کا شکار ہو جاتا۔

❀ ❀ ❀

ذی الحجہ 659ھ میں الملک الظاہر سلطان بیبرس نے خلیفۃ المسلمین مستنصر باللہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے رضا کار مجاہدین کا لشکر مکمل کر لیا۔ اس لشکر کی تشکیل میں کثیر سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ تلواریں، خنجر، نیزے، ڈھالیں، زرہیں اور گھوڑوں کا از سرِ نو بندوبست کیا گیا۔ یہ تمام ساز و سامان مملوک افواج کے ساز و سامان کے علاوہ تیار کیا گیا تھا۔ جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد امیر المومنین کی جانب سے کیا گیا ہے اور اس معرکے کی قیادت بھی وہ خود کریں گے تو ان کے جسموں میں خون کی جگہ برقی لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ شوقِ جہاد میں جوق در جوق آتے رہے اور امیر المومنین کے پرچم تلے جمع ہوتے رہے۔ سلطان بیبرس نے تمام تیاریوں کے مکمل ہوتے ہی امیر المومنین سے ملاقات کی اور انہیں مطلع کیا۔ سلطان بیبرس نے بارگاہِ خلافت میں ایک بار پھر درخواست کی کہ امیر المومنین اس مہم کا بار خود اُٹھانے کے بجائے کسی تجربہ کار سالار کے کندھوں پر ڈال دیں، خدانخواستہ کوئی حادثہ رونما ہو گیا تو لوگوں کا اعتبار خلافت سے اُٹھ جائے گا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کی استدعا کو خاموشی سے سنا اور ارادے کی تبدیلی سے صاف انکار کر دیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے سامنے کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا، خلیفہ مستنصر باللہ کی روانگی سے اسے اپنے اندر عجیب سی بے چینی پیدا ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ خلافت کے لئے جو حیثیت بغداد کو حاصل رہی ہے قاہرہ اسے پوری طرح بحال نہیں کر سکتا مگر قاہرہ اتنا بھی کم حیثیت شہر نہیں تھا کہ اسے بغداد کے مقابلے میں ٹھکرا دیا جاتا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کے سکوت کو توڑتے ہوئے یہ دریافت کیا کہ کیا وہ ایک دو روز میں روانہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ سلطان بیبرس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس دھیمے لہجے میں بولا۔ ''زیادہ بہتر ہوتا کہ اس ذمہ داری کو اس خادم

کے کندھے پر ڈال دیا جاتا مگر چونکہ آپ اپنے استحقاق کے لئے یہ جنگ لڑنا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر میں یہ چاہوں گا کہ آپ اپنے لشکر میں مجھے بھی شامل رکھئے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک عام سپاہی کی مانند اس معرکے میں حصہ لوں گا''۔

''سلطان بیبرس!'' خلیفہ مستنصر باللہ نفی میں اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم تمہاری قلبی حالت سے بخوبی واقف ہیں، بخدا ہمیں کوئی شوق نہیں ہے کہ ہم اس معرکہ میں اپنے نام کی شان و شوکت بڑھائیں اور خلقت خدا پر احسان جتاتے پھریں، ہمیں تو صرف اس بات کا قلق ہے کہ لوگ اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان کا خلیفہ اس قدر اپاہج و معذور ہو چکا ہے کہ اسے اپنی جان بچانے کے لئے بغداد سے دور قاہرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا، وہ مردانہ وار تاتاریوں کے مقابلے میں میدان میں اترنے کے بجائے شاہی محلات کی بلند و بالا منقش چھتوں تلے جام طمانیت نوش کر رہا ہے۔ خلافت کی جانب اُٹھنے والی انگلیاں تمہارے خلوص کا دامن بھی داغ دار کرنے لگی ہیں۔ اگر آج ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہوئے تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کرتے ہیں تو یقیناً لوگ یہ قیاس آرائیاں کرتے دکھائی دیں گے کہ مقامِ خلافت کی بحالی صرف سلطان بیبرس کی مرہونِ منت ہے۔ کل ان نے خلیفہ کو منتخب کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور آج بغداد تاتاریوں سے چھین کر واپس دیا ہے، کیا تم خود اپنے لئے یہ پسند کرو گے کہ ملت اسلامیہ کی زبان پر امیر المومنین کے بجائے تمہارا نام زیادہ اعزاز کا باعث ہو۔ اگر اس مہم میں ہمارے ساتھ جاؤ گے تو یاد رکھو کہ مقامِ خلافت مقامِ وزارت سے کم تر ہو جائے گا۔ یہ ہمارا قول نہیں لوگوں کا اعتقاد ہے''۔

''امیر المومنین!'' سلطان بیبرس مؤدب لہجے میں بولا۔ ''یقین مانئے کہ میرا دل آپ کو اس مہم میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا، مجھے معلوم ہے کہ بلادِ شام کے کچھ شریر لوگ آپ کے خلاف کسی نہ کسی سازش کا ارتکاب ضرور کریں گے۔ وہاں ابھی تک ایسے امراء و رؤسا کی کثرت ہے جن کے دلوں میں سلطان بیبرس کا تو خوف موجود ہے مگر خلیفہ کا ادب و احترام ان کی سرشت میں شامل نہیں۔ وہ یقیناً آپ کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں آپ مجھے صرف اتنی اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں آپ کو بحفاظت بلادِ شام کی سرحد تک پہنچا دوں''۔

''ہم بخوبی جانتے ہیں کہ خلافت کا احیاء کن لوگوں کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہے لیکن ان پر بھی یہ ثابت کرنا از حد ضروری ہے کہ خلافت درحقیقت ہمارا ہی حق ہے اور بنو عباسؓ کے فرزند اپنے حق کی حفاظت کرنا بخوبی جانتے ہیں''۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے لہجے میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔

''امیر المومنین! جلد بازی نہ اختیار کیجئے، کیونکہ جلد بازی سے کام لینے کی ممانعت اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔ آپ میری بات پر ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کیجئے پھر کسی فیصلے پر پہنچئے''۔ سلطان بیبرس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کسی بھی صورت نہیں مانو گے لہٰذا میں تمہیں صرف اس شرط پر ساتھ لے جانے پر تیار ہوں کہ تم صرف دمشق تک ہمارے ساتھ چلو گے اس کے بعد وہیں قیام کرتے ہوئے ہمارے اگلے حکم کا انتظار کرو گے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا تو سلطان بیبرس نے اطاعت میں سر جھکا لیا۔ وہ مزید بحث و تکرار سے ماحول میں بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات تو اس پر روزِ روشن کی مانند عیاں ہو چکی تھی کہ خلیفہ مستنصر باللہ کسی صورت میں قاہرہ کو مرکز خلافت تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا وہ خلافت کے اصلی مرکز بغداد کے حصول کو ہی خلافت کی تکمیل تصور کئے ہوئے تھا۔

❀ ❀ ❀

ایل خانی سلطنت کا قاآن اعظم ہلاکو خان سخت جاڑے کے موسم میں اپنے وسیع وعریض لشکر کے ساتھ مراغہ سے۔ ۱۱۔ اس کی منزل سلطنت اُردوئے زرّیں نہیں بلکہ بلادِ شام تھی۔ ہلاکو خان کا پہلے یہی ارادہ تھا کہ وہ برقائی خان کو سبق سکھانے کے بعد ہی بلادِ شام ومصر کی راہ لے گا مگر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ گذشتہ دنوں اسے کئی مراسلے موصول ہوئے جن میں ایک قیصرِ روم کی جانب سے تھا، جس میں اس نے بلادِ مصر کی جانب سے کی جانے والی بھرپور تیاری کو شبے کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ اس نے سلطان بیبرس کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تحریر کیا تھا کہ بلادِ مصر میں مسلمانوں نے اپنا نیا خلیفہ منتخب کر لیا ہے۔ جس سے وہ مرکزیت دوبارہ بحال ہو چکی ہے جسے عظیم مسیحی خادم ہلاکو خان نے بغداد میں موت کی نیند سلا دیا تھا خلیفہ کا وجود نصرانیت کی بقاء کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے لہٰذا ہلاکو خان کو بلا تاخیر اس مسئلے کا حل سوچنا چاہئے۔ اس سے پہلے کہ مسلمان متحد ہو کر نصرانیت کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے ہلاکو خان کی فتوحات کو بھی داستان پارینہ بنا کر رکھ دیں اسے فوراً کوئی قدم اُٹھانا ہو گا۔ اس کے علاوہ اسے شاہ فرانس لوئی نہم نے عکہ نامی شہر (جو کہ ایک عرصے سے صلیبی قبضے میں تھا) سے بھی ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس کی وطن واپسی کو کڑی کوتاہی قرار دیتے ہوئے معرکہ عین جالوت کی شکست کو ہلاکو خان کی غلطی قرار دیا گیا اور اس کے غصے کو ہوا دینے کی کوشش کی گئی کہ وہ اتنا غافل ہو چکا ہے کہ اسے سلطان مصر کی کارروائیاں تک دکھائی نہیں دے رہیں کہ وہ تیزی سے نہ صرف منگولوں کو مقبوضات سے باہر نکال رہا ہے بلکہ عیسائیوں پر اس کے ظلم وستم بڑھتے جا رہے ہیں۔ شاہ ریمنڈ چہارم کی جانب سے بھی ایسا ہی ایک سلگتا ہوا مراسلہ ملا۔

اس کے علاوہ سب سے اہم مراسلہ اسے اپنے پرانے حلیف بدر الدین لولو امیر موصل کے بیٹے علاء الدین لولو امیر حلب کا ملا، جس میں اس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی تیاری کا احوال بڑی تفصیل سے درج کیا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں یہ باور کرایا کہ خلیفہ اسلام کا مقصد نہ صرف تاتاریوں کو کچلنا ہے بلکہ بغداد بھی ان کے قبضے سے واپس لینا ہے۔ یہ نہایت اہم اطلاع تھی۔ سلطان بیبرس اگر اس مہم کی قیادت کر رہا ہوتا تو شاید اتنی اہم بات نہ ہوتی مگر خلیفہ اسلام کا لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرنا بے حد خطرناک تھا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو ہلاکو خان کے نام کا چھایا ہوا خوف مسلمانوں کے ذہنوں سے زائل ہو جاتا اور منگولوں کی سرزمین کی جانب اسلامی لشکروں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ اس خبر کے ملتے ہی ہلاکو خان نے فوراً اپنی مشاورت کو طلب کیا اور ان سے صلاح ومشورہ کیا۔ قریباً سب امراء ورفقاء نے متفقہ طور پر یہی مشورہ دیا کہ بلادِ شام کی جانب فوری کوچ کرنا وقت کی اوّلین ضرورت ہے لہٰذا ہلاکو خان نے بلا تامل اپنے سالاروں کو مراغہ سے نکلنے کا حکم سنا دیا۔

ہلاکو خان نے مراغہ سے کئی کوس دور اپنا پہلا پڑاؤ ڈالا۔ اس قیام کا مقصد وہ مشترکہ عبادت کرنا تھا جس کی بدولت منگولوں کے بدن شجاعت وبہادری کی قوتوں سے بھر جایا کرتے تھے۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی عبادت کا آغاز کیا گیا۔ ہلاکو خان نے اس عبادت میں مرکزی کردار ادا کرتے ہوئے جاودانی آسمان کے خدا سے اپنی فتح ونصرت کی خصوصی دُعا کی۔ اسی قیام کے دوران اسے برقائی خان کی افواج کے خروج کی اطلاعات ملیں اس نے حالات پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اعلان کیا کہ برقائی خان سے بھڑنا اس وقت مناسب نہیں، اگر ایسا ہوا تو ہمارا خاصا وقت اور قوت یہیں برباد ہو جائے گی اور خلیفہ اسلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے تیز ترین قاصدوں کو خراسان کی جانب روانہ کیا کہ وہ مکمل تیاری کے ساتھ بلادِ شام کی راہ لیں اور وہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکیں، اسی دوران وہ خود بھی اپنے لشکروں سمیت پہنچ جائے گا۔ کافی

سوچ بچار کے بعد یہ طے پایا کہ قفقاز کے دروں کو عبور کرتے ہوئے بلادِ شام کی راہ لی جائے تا کہ برقائی خان اگر پیچھا کرنے کی کوشش بھی کرے تو انہیں پا نہ سکے۔ برقائی خان جب تک قفقاز پہنچتا، وہ اس کی گرفت سے بہت دور نکل چکے ہوتے۔ عبادت کا دورانیہ مختصر کرتے ہوئے ہلاکو خان نے اسی دن قفقاز کے دروں کی جانب روانگی کا حکم دے دیا۔ منگول دانشوروں نے ہلاکو خان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ عبادت کو مکمل کرے، یوں عبادت کو مختصر کرنا بدشگونی کی بات ہے مگر ہلاکو خان نے ان کی بات تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کوہ قفقاز کی وادی نہایت دشوار پہاڑی علاقہ تھا۔ جہاں جنگ چھیڑنا بے حد مشکل اور نقصان دہ امر تھا۔ ہلاکو خان سوچ سمجھ کر اس جانب بڑھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر برقائی خان اس کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ بھی گیا تو وہ اسے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا پائے گا۔ اسے برقائی خان کی قوت کا کوئی خوف نہیں تھا، صرف اپنا وقت بچانے کی فکر لاحق تھی کہ وہ تیز رفتاری سے بلادِ شام پہنچ جائے۔

* * *

7 ذی الحجہ 659ھ کو خلیفہ مستنصر باللہ اپنے ساتھ ساٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر قاہرہ سے نکلا۔ سلطان الملک الظاہر بیبرس اور ریاست کے اعلیٰ منصب دار اور امراء کا کثیر گروہ امیر المومنین کا ساتھ دینے کے لئے قاہرہ سے ساتھ ہو لیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی خواہش تھی کہ وہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے جلد از جلد بغداد پہنچ جائے لہٰذا تمام راستے کم سے کم پڑاؤ ڈالے جائیں۔ قاہرہ سے نکل کر پہلا پڑاؤ غانہ کے قریب ڈالا گیا جو کہ حلب سے متصل تھا۔ مجاہدین کا گروہ تمام راستے نعرہ تکبیر کی آوازیں بلند کرتا رہا۔ وہ اپنے خلیفہ کو اپنے درمیان پا کر روحانی تقویت محسوس کر رہے تھے۔ بڑے عرصے کے بعد یہ موقع آیا تھا کہ کسی جنگی مہم کی قیادت خود خلیفہ اسلام کر رہا تھا۔ پڑاؤ ڈالنے کے بعد مجاہدین کے ہمت وعزم میں جوش وولولہ پیدا کرنے کے لئے خلیفہ مستنصر باللہ نے غانہ میں ایک خطاب کیا جس میں جہاد کی فضیلت کو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔ سلطان بیبرس نے امیر المومنین کے حکم کے باعث تمام وقت آدابِ خلافت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی خاموشی برقرار رکھی۔ غانہ میں مجاہدین کے قیام کی خبریں دور دور تک پھیل گئیں۔ ریاست حلب میں بھی اس جنگی مہم کے چرچے ہر خاص وعام کی زبان پر تھے۔ سلطان علاء الدین لولو تذبذب کا شکار تھا کہ کہیں خلیفہ مستنصر باللہ کا رُخ اس کی ریاست کی جانب نہ مڑ جائے۔ حلب میں موجود خلیفہ الحاکم بامراللہ کو جب اپنے عباسی بھائی کی غانہ میں آمد کا معلوم ہوا تو اس نے علاء الدین لولو کو فوراً پیغام پہنچایا کہ وہ اسی وقت خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ علاء الدین لولو اپنے خلیفہ کی اس عجیب سی فرمائش پر بوکھلا گیا۔ اس نے طوعاً کرہاً رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ اور دیگر ریاستی عہدیداروں کے ساتھ خلیفہ الحاکم بامراللہ کو غانہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کو جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ خلیفہ مستنصر باللہ غانہ میں زیادہ دیر تک قیام کا ارادہ نہیں رکھتا لہٰذا اس نے ایک تیز ترین قاصد کو اپنے آگے روانہ کیا تا کہ وہ اسے ملاقات کے لئے روک سکے۔ حلبی امراء کے جلو میں خلیفہ الحاکم بامراللہ سفر کرتا ہوا غانہ پہنچا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کو اس کی آمد کی خبر مل چکی تھی وہ خود اس کے استقبال کے لئے پڑاؤ سے باہر آیا۔ سلطان بیبرس اور دیگر مملوک امراء نے خلیفہ مستنصر باللہ کے ساتھ حلبی خلیفہ الحاکم بامراللہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دونوں عباسی بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ پُرزور مصافحے کے ساتھ ان کے دلوں میں چھپا ہوا جذبات کا تلاطم آنکھوں میں چھلکنے لگا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنے خاص خیمے میں حلبی خلیفہ الحاکم بامراللہ کو برابر میں نشست دی۔ حال احوال کے بعد گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھا۔

''ابوالعباس!'' خلیفہ مستنصر باللہ بولا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ اب کوئی ایسا موقعہ ہے کہ ہمیں آپس میں لڑنا

چاہئے اور اپنے خاندان کے بچے کھچے افراد کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا چاہئے''۔

''ابوالقاسم! میں تمہارا مطلب سمجھا نہیں؟'' خلیفہ الحاکم بامراللہ حیرت سے بولا۔

''کیا تم نے عداوت میں پہل نہیں کی کہ تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے ملت اسلامیہ نے متفقہ طور پر خلیفہ منتخب کرتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، پھر بھی تم نے حلب میں اپنی خلافت کی آواز بلند کی......'' خلیفہ مستنصر باللہ کی آواز میں شکوہ تھا۔

''ابوالقاسم! اللہ جانتا ہے کہ اس میں میری کوئی خواہش نہیں تھی، یہ ابن تیمیہ موجود ہیں، یہ میری جانب سے گواہی دیں گے کہ میں تو آخری دم تک انکار کرتا رہا مگر حلب کے لوگ اور امراٗ اصرار کرتے رہے''۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے صفائی پیش کرنا چاہی۔

''میں تمہاری بات تسلیم کئے لیتا ہوں اگر واقعی تمہاری نیت صاف تھی تو تمہیں میری بیعت کا مشورہ دینا چاہئے تھا۔ کیا ہمارے اجداد میں بھائی خلیفہ کے لئے بیعت نہیں لیا کرتے تھے''۔

''مجھے اقرار ہے کہ آج میں غلطی پر ہوں''۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کی نگاہیں جھک گئیں۔

''ہمارے محسن سلطان بیبرس کی اعلیٰ ظرفی دیکھو کہ اس نے تمہاری خلافت کی جانب ایک بار بھی نہ تو آنکھ اُٹھائی اور نہ ہی ہم سے کبھی شکوہ کیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا مگر اسے احیائے خلافت صرف اس لئے نہیں کرنا تھی کہ وہ خلافت کو اپنے گھر کی لونڈی بنا لے۔ وہ خلقت خدا کو اسی مرکز پر دوبارہ متحد کرنا چاہتا ہے جس کا فقدان آج ہماری بربادی کا باعث بنا ہے۔ وہ تو ایک غلام زادہ ہے اور اتنا کچھ سوچ لیتا ہے کیا تمہاری نگاہوں میں اپنے نسب کی اتنی بھی وقعت باقی نہیں رہی ہے؟'' خلیفہ مستنصر باللہ کاٹ دار لہجے میں بولتا گیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نگاہیں نیچی کئے بیٹھا رہا۔ اس کے کانوں میں خلیفہ مستنصر باللہ کی تیز آواز گونج رہی تھی۔ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ خلافت پر تمہارا حق ہے تو میں ان سب لوگوں کے سامنے اپنی دستبرداری کا اعلان کرتا ہوں تم یہ منصب سنبھال لو اور مجاہدین کے ساتھ جاؤ اور بغداد تاتاریوں سے واپس لے لو۔ یقین رکھو! میں تمہارے ہر حکم کا تابع رہوں گا''۔

''امیر المومنین!'' الحاکم بامراللہ کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''میں آپ کے حق میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور اپنے سب رفقاء کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ نیک نیتی سے آپ کی بیعت کر لیں یہ جانئے کہ مجھے کبھی بھی خلافت کی حرص نہیں تھی اور نہ ہی میں نے آپ سے عداوت کا گمان کیا ہے''۔

دوسرے لمحے الحاکم بامراللہ نے اُٹھ کر امیر المومنین مستنصر باللہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اپنی بیعت کی مہر ثبت کر دی۔ حلبی امراٗ اپنے خلیفہ کی یکا یک دستبرداری پر ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔ یہ سب اس قدر آناً فاناً ہوا کہ انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ اپنے خلیفہ کی دست برداری کے بعد ان کے پاس دوسری کوئی صورت نہ تھی کہ وہ آگے بڑھ کر خلیفہ مستنصر باللہ کی بیعت کریں۔ وہ بحالتِ مجبوری آگے بڑھے اور بیعت کرتے گئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ان امراٗ کو اپنی جانب سے تمام حلب سے بیعت حاصل کرنے کی ہدایت کی اور حلب کے منتظم علاء الدین لولو کے نام ایک مراسلہ بھی تحریر کر کے دیا جس میں اپنی بیعت اور سلطان بیبرس کی سیادت کو تسلیم کرنے کا حکم تحریر تھا۔ تھوڑی دیر بعد الحاکم بامراللہ کی خواہش پر امراٗ اور رفقاء کو خیمے سے باہر بھیج دیا گیا۔ اب خیمے میں صرف خلیفہ مستنصر باللہ، سلطان بیبرس، امیر فخر الدین لقمان، امیر قلاؤن الفی اور الحاکم بامراللہ رہ گئے تھے۔

''امیر المومنین!'' الحاکم بامراللہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ ''خلوت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ جو بات میں اب کرنا چاہتا ہوں وہ صرف ہم لوگوں کے درمیان رہنا زیادہ بہتر ہے''۔

''ابوالعباس! کھل کر بات کرو، ہمیں تمہارے انداز سے کچھ خوف محسوس ہو رہا ہے''۔ خلیفہ مستنصر باللہ پریشان سا ہو گیا۔ سلطان بیبرس پوری طرح چوکنا بیٹھا تھا کہ کہیں الحاکم بامراللہ کوئی غلط حرکت نہ کر دے۔

''امیر المومنین! بات یہ ہے کہ میں آپ کو خلوص نیت سے یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ بغداد کی مہم کا ارادہ ترک کر دیں''۔ الحاکم بامراللہ نے دھیمے انداز میں کہا تو سب لوگ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سناٹے میں آ گئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی استفسارانہ نگاہیں بدستور اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی جبکہ آنکھوں کی پتلیوں کا پھیلاؤ اس کی ناگواری کا احساس بھی دلا رہا تھا۔ الحاکم بامراللہ نے سب کے چہروں پر اچٹتی نظر ڈالی اور اپنی بات کو آگے بڑھایا۔

''امیر المومنین! بغداد کی واپسی کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ وہ کس کے ہاتھوں تاتاریوں کے خونخوار پنجوں سے نجات پائے گا مگر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی بھی عباسی شخص اسے واپس نہیں حاصل کر سکتا خواہ وہ آپ ہوں یا میں یا کوئی اور''۔

''تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' خلیفہ مستنصر باللہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ بخوبی جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت فرمائی تھی کہ آل عباس کی حکومت کا خاتمہ چپٹے چہروں والے گروہ کے ہاتھوں ہو گا جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور قریب قریب ہوں گی، ان کے جوتے بالوں کے ہوں گے اور جسم کھالوں اور چمڑوں سے لپیٹے ہوں گے...... کیا تاتاری درندگی اور شباہت میں اس بشارت کے مصداق نہیں؟''

''یہ سب تو سچ ہے مگر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ آل عباس کو تاتاریوں پر فتح حاصل نہیں ہو سکتی؟'' خلیفہ مستنصر باللہ معترض انداز میں بولا۔

''امیر المومنین! میں نے یہ نہیں کہا کہ تاتاریوں کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری حکومت کا خاتمہ ان کے ہاتھوں بیان فرمایا ہے، ہمارے ہاتھوں ان کے خاتمے کی نوید نہیں سنائی۔ اس سے صاف مراد ہے کہ ان کی آمد کے بعد ہماری حکومت کا باب بند ہو جائے گا، آپ کے مشاہدے میں آ چکا ہے کہ عین جالوت کے معرکے میں سلطان بیبرس کے ہاتھوں تاتاریوں کو شکست ہو گئی مگر بغداد کی خلافت اور محافظ ان سے مقابلہ کرنے میں عاجز رہے''۔

''تمہارا فلسفہ و منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے دوسرا ہم صرف اپنے اللہ پر یقین رکھتے ہیں، وسوسوں اور بدفالیوں کے شگون ہماری راہ نہیں روک سکتے۔ ہم اپنا ارادہ نہیں بدلیں گے اور یہ لشکر اپنے مقام تک ضرور پہنچے گا''۔ خلیفہ مستنصر باللہ کے چہرے پر جوش و ولولہ پھیلتا ہوا دکھائی دیا۔ سلطان بیبرس نے ایک بار پھر نرم انداز میں الحاکم بامراللہ کی بات پر غور کرنے کا مشورہ دیا اور معرکے کی کمان کو امیر قلاؤن الفی کو سونپنے کی سفارش کی مگر خلیفہ مستنصر باللہ کا جوابا ردِ عمل اس قدر تیز اور غضب ناک تھا کہ اس نے مزید گفتگو مناسب نہیں سمجھی۔ الحاکم بامراللہ خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات کے بعد غانہ میں ہی ٹھہر گیا کیونکہ وہ اب واپس حلب نہیں جا سکتا تھا۔ علاء الدین لولو اس کی دستبرداری پر سخت ردِعمل ظاہر کر سکتا تھا جبکہ خلیفہ مستنصر باللہ نے اگلے دن اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر اپنے خلیفہ کا حکم پاتے ہی نہایت تیز رفتاری سے دمشق کی جانب بڑھنے لگا۔

❀ ❀ ❀

برقائی خان کے پاس بروقت یہ اطلاع پہنچ گئی کہ ہلاکو خان اردوئے زریں کے بجائے واقعی بلادِ شام کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ وہ سرحدی علاقوں میں موجود اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ بے حد نازک مرحلہ تھا

کہ ہلاکو خان بڑی صفائی سے پہلو بچا کر اپنا مقصد حل کر چکا تھا۔ برقائی خان کے لئے کڑا امتحان تھا کہ وہ سلطان بیبرس سے کیے گئے قول و قرار کو کس طرح نبھاتا ہے؟ اس کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ وہ کسی بھی طریقے سے ہلاکو خان کو اسلامی مقبوضات کی جانب نہ بڑھنے دے۔ وادی قفقاز کی جانب سے روانگی اختیار کرنا ہلاکو خان کی شاطرانہ چال جس کی ہولناکی برقائی خان کو بھی معلوم تھی۔ اس نے گہرے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسے وقت ضائع کیے بغیر قفقاز کی جانب بڑھنا چاہئے۔ اب یہی راستہ باقی بچا تھا کہ قفقاز کی وادی کو ہی میدان جنگ بنالیا جائے۔

برقائی خان نے اپنے تجربہ کار سالاروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس مہم کو سراسر خودکشی قرار دیا مگر برقائی خان نے ان کے خدشے کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس نے اس مشکل معرکے پر محض اتنا ہی تبصرہ کیا کہ کیا خیام زرّیں سپاہی اتنے کمزور اور بزدل ہو چکے ہیں کہ انہیں مہمات میں آسان اور مشکل کا فرق دکھائی دینے لگا ہے۔ مہمات مشکل ہی ہوتی ہیں اور مشکل معرکے کا سامنا کرنا ہی مردانگی ہے۔ برقائی خان کی اس گہری طنز نے خیام زریں منگولوں کے دل و دماغ میں بجلیاں بھردی تھیں وہ ایل خانی منگولوں کے مقابلے میں مرنے مارنے پر تل گئے۔ برقائی خان نے تیزترین قاصد سمرقند کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ فدائیوں کو باخبر کرسکے کہ معرکے کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس مراسلے میں اس نے جنگی حکمتِ عملی کی مکمل تفصیل درج کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہاں مطیع الدین موجود ہے جو کہ انہیں مزید آسان پیرائے میں سمجھا سکتا ہے۔ پھر کچھ غور کرنے کے بعد اس نے دو سو جنگجو سپاہیوں کا دستہ فوکنا جو خان کی قیادت میں سمرقند کے راستے قہستان روانہ کردیا تاکہ وہ قہستان پہنچ کر فدائی سپاہیوں کے ساتھ مل کر سامنے کی جانب سے ہلاکو خان کو پریشان کرسکے۔

برقائی خان نے ان امور سے فارغ ہوتے ہی تمام لشکر کو ساتھ لیا اور وادی قفقاز کی جانب راہ لی۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے راستے میں کسی بھی مقام پر قیام نہیں کیا۔ وہ اپنی جوشیلی طبیعت کی وجہ سے ہر کام کو نہایت تیز رفتاری سے مکمل کیا کرتا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس وقت بہت کم تھا اگر ہلاکو خان وادی قفقاز عبور کر جاتا تو اسے پکڑنا خاصا دشوار ثابت ہوسکتا تھا۔ برقائی خان کی یہ کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہلاکو خان سے پہلے ہی وادی قفقاز پہنچ جائے اور وہاں اپنے مورچے سنبھال کر بیٹھ جائے۔ یہ ایک مشکل ترین امر تھا جس کا پایہ تکمیل تک پہنچ جانا بے حد دشوار تھا۔

❀ ❀ ❀

سخت سردی کے موسم میں سمرقند سے ایک قاصد تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا قلعہ الموت پہنچا۔ اس نے محافظوں کو بتایا کہ اس کے پاس مطیع الدین کے نام ایک خاص پیغام ہے۔ محافظوں نے یہ اطلاع شیخ کبیر الدین کو فوراً پہنچادی۔ شیخ کبیر الدین نے اسے مطیع الدین کے پاس پہنچانے کا حکم صادر کیا۔ وہ شخص دو گھنٹے تک مطیع الدین کے کمرے میں موجود رہا اور پھر رخصت ہوگیا۔ مطیع الدین نے اس کی رخصت کے بعد ایک غلام کو کہا کہ وہ اپنے رئیس تک پیغام پہنچائے کہ مہمان اس سے فوری ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ شیخ کبیر الدین پہلے سے ہی منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً اسے اپنے پاس بلوالیا۔ مطیع الدین نے کچھ دیر کے بعد اپنی بات کا آغاز کیا اور اسے اطلاع دی کہ برقائی خان نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہلاکو خان وادی قفقاز کی جانب بڑھ رہا ہے لہٰذا آپ لوگوں کو پوری تیاری کے ساتھ درّے کے سامنے والے حصے کو اپنے قبضے میں لینا ہوگا۔

''حیرت کی بات ہے، اتنے خراب موسم میں وادی قفقاز کی جانب ہلاکو خان کے لشکر کی آمد کیسے ممکن ہے؟ ایسے موسم میں تو منگول اپنے علاقوں سے کبھی باہر نہیں نکلتے''۔

''شیخ الرئیس! میری بات کی صداقت کی تحقیق آپ خود بھی کرا سکتے ہیں بے شمار ذرائع آپ کے پاس موجود ہیں''۔ مطیع الدین نے کہا۔

''تم تو برا مان گئے''۔ شیخ کبیر الدین ہنسنے لگا۔ ''میرا کہنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ خبر جھوٹی ہے بلکہ مجھے اس امر پر حیرت ہے کہ ایسے موسم میں ہلاکو خان کو کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ وہ لشکر کشی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے؟''

''اگر آپ کی جانب سے آمادگی دکھائی دے گی تو میں اپنی بات کو آگے بڑھا سکوں گا''۔

''اگر ہماری آمادگی شامل نہ ہوتی تو تم الموت میں بطور مہمان نہیں رہ سکتے تھے''۔ شیخ کبیر الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ مطیع الدین نے ایک مراسلہ اس کی جانب بڑھا دیا جو کہ برقائی خان کی جانب سے فدائیوں کے رئیس کے نام تھا۔ اس میں ہلاکو خان کی بلادِ شام کی جانب روانگی کی تفصیل موجود تھی اور ساتھ ہی وہ حکمت عملی بھی درج تھی جس کے تحت فدائیوں کو اپنا فرض نبھاتے ہوئے حلیف ہونے کا حق ادا کرنا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے کئی بار اس خط کو پڑھا۔ معرکے کی حکمتِ عملی اس کے لئے قابلِ قبول تھی۔ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ہم مقررہ وقت پر وادی قفقاز میں پہنچ جائیں گے مگر مجھے اس معرکے کا انجام کوئی سودمند دکھائی نہیں دیتا''۔

کچھ ضروری امور پر شیخ کبیر الدین نے مطیع الدین سے گفتگو جاری رکھی، جب بات مکمل ہوگئی تو مطیع الدین نے تین آتش بازیاں فضا میں چھوڑنے کی یکایک فرمائش کر ڈالی۔

''کافی ذہین ہو''۔ شیخ کبیر الدین اس کی فرمائش پر بے اختیار بولا۔ ''تم نے قاصد کو پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ اس کا وقت بچ جائے اور تمہارا جواب آتش بازی کی صورت میں اس تک پہنچ جائے''۔ مطیع الدین اس کی بات پر محض مسکرا دیا۔

شیخ کبیر الدین نے فوری طور پر اپنی سپاہ کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ ان کے پاس اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے صرف نصف دن باقی تھا۔ وادی قفقاز یوں تو زیادہ دور نہیں تھی مگر موسم کی خرابی کے باعث انہیں وہاں پہنچنے میں دیر بھی ہوسکتی تھی۔

❀ ❀ ❀

دمشق پہنچتے ہی خلیفہ مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کو یہ حکم سنا دیا کہ وہ اپنے مملوک رفقاء کے ساتھ اب وہیں قیام کرے گا۔ مجاہدین کا لشکر اب صرف خلیفہ کی قیادت میں ہی بغداد کی جانب روانہ ہوگا۔ سلطان بیبرس کا خیال تھا کہ دمشق پہنچنے کے بعد ممکن ہے کہ امیر المومنین کا خیال بدل جائے مگر اس کی ضد برقرار دیکھ کر اس نے اُلجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے امیر المومنین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ اس معرکے میں بالکل شمولیت نہیں کرے گا البتہ جب اسے امیر المومنین خود طلب کریں گے تو وہ فوراً حاضر ہو جائے گا۔ ایک دن کے مختصر قیام کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ ساٹھ ہزار سے زائد مجاہدین کی جماعت لے کر بغداد کی جانب روانہ ہوگیا۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کو دمشق کے باہر تک چھوڑنے کے لئے ساتھ آیا۔ خلیفہ اسلام کی سرکردگی پا کر اسلامی لشکر میں بلادِ شام سے ہزاروں کی تعداد میں تاتاریوں کے خلاف جہاد کے لئے رضاکار مجاہدین شامل ہوتے رہے۔ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کے رویئے سے نہایت آزردہ خاطر تھا پھر بھی اس نے اس کی فتح و نصرت کے لئے دُعا کی۔ خلیفہ مستنصر باللہ اپنے گرد اتنا بڑا لشکر دیکھ کر پھولے نہیں

سمایا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کے لئے اتنی کثیر تعداد میں خلقت کو ساتھ کر دیا۔ وہ عالم تصور میں بغداد کی نئی تعمیر اور پُر رونق بازاروں کو محسوس کر کے زیر لب مسکراتا رہا۔

سلطان بیبرس نے خلیفہ مستنصر باللہ کی حفاظت کے لئے کچھ خفیہ مملوک سپاہی بھی ساتھ روانہ کئے تھے جن کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ نازک ترین حالات میں خلیفہ کو نقصان نہ پہنچنے دیں۔ اس کے علاوہ سلطان بیبرس نے خلیفہ کے لشکر کی مدد کے لئے امیر قلاؤن الفی کی زیر قیادت ایک تجربہ کار اور مہارت یافتہ مملوک دستہ بھی تیار کیا۔ سلطان بیبرس نے مخبروں کو کڑی ہدایات کیں کہ وہ ایک ایک پل کی خبریں دمشق روانہ کرتے رہیں۔ سلطان بیبرس کے پُر خلوص جذبے کا اظہار اور اطاعت کی یہ مثال تاریخ میں ایک مثال ہے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کا لشکر اوسط رفتار سے بغداد کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کسی جانب سے کسی خاص تبدیلی یا خطرے کی کوئی خبر نہیں آ ئی جس پر سلطان بیبرس خاصی حد تک مطمئن ہو گیا البتہ اسے تاتاریوں کی جانب سے اس قدر خاموشی پر حیرت بھی تھی کہ انہوں نے ابھی تک کوئی خاص پیش قدمی کیوں نہیں کی۔

دمشق میں قیام کئے ہوئے سلطان بیبرس کا ساتواں دن تھا کہ اسے کسی وفد کی آمد کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس ملاقاتی وفد کو اپنے شاہی کمرے میں ہی طلب کر لیا۔ سلطان بیبرس کے ہمراہ اس وقت اس کا معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان بھی موجود تھا۔ آنے والا وفد پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ وہ سب لوگ ادھیڑ عمر دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے روایتی امراء کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سلطان بیبرس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب مؤدب انداز میں سلام کرتے ہوئے سلطان کے سامنے نشستوں پر بیٹھ گئے۔ نو وارد وفد کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے سلطان بیبرس مسکرا دیا۔ وہ لوگ اجازت کے لئے طلبگار نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے انہیں بات کرنے کا اشارہ کیا۔

''سلطانِ محترم!'' ان میں سے ایک خوش وضع اور ادھیڑ عمر شخص بولا۔ ''میرا نام غیاث الدین ہے اور میرا تعلق ریاست حلب سے ہے۔ میں ایک خاص خبر کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں''۔

سلطان بیبرس نے اس کے منہ سے حلب کا تذکرہ سن کر ناگواری کا اظہار کیا۔ ان نازک حالات میں وہ امیر حلب علاء الدین لولو کی سازشوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''دیکھو مجھے صرف وہی بات بتانا جس میں کوئی صداقت ہو..... میں بے کار کی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا''۔ سلطان بیبرس کا لہجہ کسی قدر رُخت ہو گیا۔

''سلطانِ محترم! ہمارا شمار ایسے امراء میں ہوتا ہے جنہیں نہ تو دولت و حشمت کی کوئی ہوس ہے اور نہ ہی سلطانوں کے سامنے اپنی حیثیت مستحکم بنانے کی خواہش..... ہم لوگ صرف اس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں کہ لوگوں نے آپ پر جس یقین و اعتماد کا اظہار کیا ہے، اسے چند مفسد اور شریر لوگوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بچایا جا سکے''۔ غیاث الدین مؤدب انداز میں کسی قدر لفظ چباتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا خوف یا پریشانی دکھائی نہیں دی۔ سلطان بیبرس نے تیز نگاہوں سے اُس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ غیاث الدین کے چہرے پر پھیلی ہوئی سچائی کی جھلک نے سلطان کے دل میں نرمی کا گوشہ پیدا کر دیا تھا۔

''تم اطمینان سے اپنی بات مکمل کرو، ہم سن رہے ہیں''۔

''سلطانِ محترم! ہمیں کچھ قریبی خاص احباب کی بدولت یہ معلوم ہوا ہے کہ امیر حلب علاء الدین لولو نے بلادِ مصر کی حکومت کو نیچا دکھانے کے لئے پہلے الحاکم بامر اللہ کو خلیفہ نامزد کیا اور اس سے یہ اعلان کرانے کی کوشش کی کہ وہ بلادِ مصر کی حکومت کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لشکر کشی کا حکم جاری کرے مگر اس نے ایسے مذموم

فعل کی مذمت کرتے ہوئے علاء الدین لولو کا مطالبہ رد کر دیا، اپنی اس ناکامی کے بعد علاء الدین لولو اور اس کے رفقاء نے یہ منصوبہ سازی کی کہ امیر المومنین مستنصر باللہ کے دل میں بغداد کی تڑپ اس قدر بھڑکا دی جائے کہ وہ تاتاریوں کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوں اور اپنے اس منصوبے میں وہ پوری طرح کامیاب ہو گئے، اب جبکہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے اپنی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے اور ان کے پاس شرعی نیابت کا سہارا بھی ختم ہو چکا ہے تو وہ غصے سے دیوانے ہو چکے ہیں اور یہ مذموم منصوبہ بنا رہے ہیں کہ سلطان بیبرس تو قاہرہ سے بے حد دور دمشق میں بیٹھا ہوا ہے لہٰذا اس نادر موقع کا فائدہ اُٹھا کر قاہرہ پر دھاوا بول دیا جائے۔ کچھ ذرائع سے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ انہوں نے تاتاریوں کو خلیفہ مستنصر باللہ کی روانگی کی خبر بھی روانہ کر دی ہے، خفیہ مراسلت میں تاتاریوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ وہ خلیفہ کو شکست دے کر قید کر لیں اگر سلطان بیبرس اس کے عقب میں پہنچے تو اُسے بھی گرفتار کر کے بلا تاخیر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے اگر تاتاری ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ انہیں خود بلادِ مصر میں دعوت دیں گے اور اپنے ہاتھوں عنانِ اقتدار سونپیں گے۔ یہ بھی خبر سنی گئی ہے کہ مشہور صلیبی سردار اور سابق شاہ یروشلم فریڈرک بھی اس منصوبہ بندی میں شامل ہیں''۔

''معزز امراء!'' امیر فخر الدین لقمان خاموش نہ بیٹھ سکا۔ ''آپ لوگوں کو شاید ان باتوں کی شدت کا اندازہ نہیں ہے جو آپ بلا دھڑک کئے جا رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ علاء الدین سے کسی ذاتی عناد کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور یہاں صرف سلطان محترم کو بھڑکانے کی نیت سے آئے ہیں''۔

''معزز امیر!'' غیاث الدین کا چہرہ احساسِ ذلت سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ ''میں یہ نہیں جانتا کہ آپ کا دربار سلطانی میں کیا منصب ہے؟ مگر ہمارے جذبات کی تذلیل کرنے سے پہلے آپ کو یہ سوچ لینا چاہئے تھا اگر ہمیں علاء الدین لولو سے کسی قسم کا عناد ہوتا تو ہم یہاں مدد کے لئے کبھی نہیں نہ آتے بلکہ ہمارے گرد نصرانیوں کی بڑی تعداد موجود ہے، ان سے رابطہ کر کے اپنی دشمنی بآسانی نکالی جا سکتی تھی''۔

امیر فخر الدین لقمان نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سلطان بیبرس نے اسے روک دیا۔ وہ غیاث الدین کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پرکھ چکا تھا۔

''یہ تو نہایت بچگانہ بات ہے، کیا علاء الدین کو یہ معلوم نہیں کہ قاہرہ میں پوری مملوک فوج موجود ہے، جسے اپنی سرزمین کی حفاظت کرنے کا فن بخوبی آتا ہے، تم لوگ بے فکر رہو اگر وہ ایسی کوئی نادانی کرے گا تو یہ سراسر خودکشی کے مترادف ہوگا اور رہا امیر المومنین کا معاملہ..... تو اس میں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی تاتاریوں کی غلامی کا طوق مسلمانوں کی گردنوں سے اتر جائے گا''۔ سلطان بیبرس ہنس کر بولا۔

''سلطان محترم! ہم آپ کو جو ہو چکا ہے اس کی خبر نہیں دینے آئے ہیں بلکہ جو کچھ ہونے والا ہے اس سے خبردار کرنا چاہتے ہیں۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ علاء الدین لولو کی قاہرہ کی جانب پیش قدمی کی حوصلہ افزائی کے پیچھے قاہرہ کے کچھ سرکردہ لوگوں کا بھی ہاتھ ہے، ہمیں صرف ایک نام معلوم ہوا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کی حیثیت قاہرہ میں بے حد مستحکم ہے اور مملوک افواج اس کی مٹھی میں ہیں''۔ غیاث الدین کسی قدر التجائیہ لہجے میں بولا۔

''تم ہمیں نام بتاؤ تاکہ ہمیں اپنی بے خبری کا اندازہ ہو سکے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''اس شخص کا نام فارس الدین اقطائی سنا گیا ہے''۔ غیاث الدین مختصراً بولا۔ امیر فخر الدین لقمان نام سنتے ہی سکتے کے عالم میں ڈوبتا چلا گیا جبکہ سلطان بیبرس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ فارس الدین اقطائی واقعی معمولی حیثیت کا مالک نہیں تھا۔ حقیقتاً مملوک افواج اس کی بات رد کرنے کی مجال نہیں رکھتی تھیں۔ سلطان بیبرس کو اپنی

سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی فارس الدین اقطائی کا ہی نام کچھ دیر پہلے کمرے میں گونجا تھا۔ کئی لمحوں تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔

''امیر غیاث الدین! تم نے سلطنت بلادِ مصر کی اہم شخصیت کا نام منہ سے نکالا ہے جس کے بارے میں ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا پست سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔ کیا تمہیں مکمل یقین ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے؟'' سلطان بیبرس دھیمی آواز میں درشت لہجے میں بولا۔

''سلطان محترم! ہمیں آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ خود اس معاملے کی تحقیق کرائیں، نتیجہ خود بخود سامنے آ جائے گا'' ۔غیاث الدین مستحکم لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ واپس حلب جاؤ، میں جلد ہی اس معاملے کو دیکھ لوں گا، اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو یاد رکھنا کہ میرے غضب سے پناہ نہیں حاصل کر پاؤ گے'' ۔سلطان بیبرس نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے رخصت کر دیا۔ ان کے جاتے ہی امیر فخر الدین لقمان نے کچھ کہنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے خلوت کا حکم دے دیا۔ وہ فارس الدین اقطائی کے بارے میں مزید خدشات کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ تنہائی میں حلبی وفد کی باتوں پر غور کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، وہ بڑا احساس معاملہ تھا۔ امیر غیاث الدین کا لہجہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہا۔ یہ معلومات اس تک اسی حالت میں پہنچی تھیں جیسا اس نے بیان کیا۔ بہرکیف سلطان بیبرس پر یہ سچائی کھل چکی تھی کہ علاء الدین لولو کی حریص نگاہیں قاہرہ کی جانب مرتکز ہیں اور وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کرنا چاہتا ہے کہ سلطان بیبرس کے ہاتھوں مملوک امرا مارے جائیں اور قاہرہ میں خانہ جنگی کی سی نوبت پیدا ہو جائے۔ علاء الدین کی دن بدن بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے پیشِ نظر وہ نہایت سنجیدگی سے غور و خوض کرنے لگا کہ اب علاء الدین لولو کی حکومت کا وجود ختم کر دینا ضروری ہو گیا ہے۔

❁ ❁ ❁

وادی قفقاز سلسلہ قراقرم کے بائیں کنارے پر چھوٹے چھوٹے درّوں پر مشتمل ایک اہم ترین مقام تھا جو ترکستان اور سلطنت منگولیانہ کو بلادِ اسلامیہ کے درمیان رابطے کا کام دیتا تھا۔ اس وادی میں اہم ترین مگر پُرخطر درّے موجود تھے جن میں سے قافلے اور لشکر گذر کر بالائی راستوں سے دوسری ریاستوں میں آ جا سکتے تھے۔ کچھ صدیاں پیشتر انہی راستوں کے ذریعے قتیبہ بن مسلم اور افشیں بہادر نے ترکستان کے مختلف علاقوں کی فتوحات کی تھیں۔ چنگیز خان بھی انہی راہوں سے سلطنت خوارزم میں داخل ہوا تھا۔ ویسے تو آسان ترین راستے سمرقند اور بخارا میں بھی موجود تھے مگر مراغہ کی جانب عجم اور قسطنطنیہ کی جانب سے جانے کے لئے وادی قفقاز سے گذرنا پڑتا تھا۔ چنگیز خان کے بعد ان راستوں پر حسن بن صباح کے پیروکاروں نے قبضہ کر لیا تھا اور ان کی لوٹ مار اور غارتگری نے بیشتر مسلمان قافلوں پر عتاب ڈھایا۔ اس وادی سے اوپر دشوار پہاڑی سلسلوں میں کئی مضبوط قلعے قائم کیے گئے جن میں الموت نامی قلعہ سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اس پہاڑی سلسلے کو قہستان کا نام دیا گیا تھا۔ وادی قفقاز کے ذریعے ہی سلطنت روسیا تک رسائی حاصل کی جاتی تھی جو کہ ان دنوں چغتائی منگولوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔ یہ علاقے بے حد سرد ہونے کے باعث مسلمانوں کے لئے کشش نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی فتوحات کی جانب کچھ زیادہ سرگرمی بھی نہیں دکھائی دی۔

منگولوں کے اتحاد نے ان علاقوں کی اہمیت سے مسلمانوں کو آشنا کر دیا تھا۔ تمام مغلوب اور حلیف سلطان اپنی ریاست کے تحفظ کے لئے انہی علاقوں میں سے گذر کر مراغہ جاتے رہے اور اپنے تحفظ کی یقین دہانی حاصل کرتے رہے۔ وقت گذرنے پر وادی قفقاز تجارتی قافلوں کی اہم ترین گذرگاہ بن گئی۔ اس اہمیت

کا فائدہ سب سے زیادہ فدائی گروہ کو ہوا۔ انہوں نے اپنی لوٹ مار میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور قافلوں کے قافلے موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ ان کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے کہ منگول قافلے بھی ان کی زد میں آنے لگے۔ سلطنت منگولیانہ خوراک کے معاملے میں انہی قافلوں کی محتاج تھی۔ انتہائی سرد موسم کے باعث وہاں انہیں سوائے برفانی جانوروں کے اور کچھ دستیاب نہیں تھا۔ فدائی گروہ کی بڑھتی ہوئی غارتگری کے پیشِ نظر سابق قاآن اعظم منگو خان مجبور ہو گیا کہ وہ اس جانب خصوصی طور پر توجہ دے۔ اس نے ہلاکو خان کو بلوا کر فدائی گروہ کے خاتمے کا حکم دیا۔ حیرت کی بات ہے کہ فدائی گروہ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہاتا رہا مگر دربارِ خلافت بغداد سے ان کی سرکوبی کے لئے کوئی قابلِ ذکر لشکر روانہ نہیں کیا گیا۔ سمرقند اور بخارا کے والیوں نے اپنے تئیں انہیں روکنے کی کوشش جاری رکھی مگر وہ بھی بھرپور نہیں کہی جا سکتی تھی۔ ہلاکو خان نے جہاں سلطنت اسلامیہ کو عظیم نقصان سے دوچار کیا تھا وہیں یہ کارنامہ بھی اس کے سر ہے کہ اس نے اس دشوار گذار پہاڑی سلسلے میں داخل ہو کر فدائی گروہ کے مضبوط و مستحکم قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مسلمانوں کے ان خونخوار قاتلوں کو عبرت ناک سزائیں دیں اور حسن بن صباح کے نام نہاد مذہب کا قلع قمع کر ڈالا۔ لاکھوں کی تعداد میں فدائی ہلاک کر دیئے گئے۔ قدرت کو ابھی اس گروہ کے فتنے کا خاتمہ منظور نہیں تھا، اسی لئے سینکڑوں افراد ان پہاڑی سلسلوں میں روپوش ہو گئے اور کچھ وہاں سے نقل مکانی کر کے شام کے پہاڑی سلسلے میں موجود قلعوں پر قابض ہو گئے۔ شام میں ان کی آمد اور قبضے کی اطلاعات دربار خلافت بغداد میں موصول ہوتی رہیں مگر پھر بھی وہاں سے ٹھوس اقدامات نہیں اُٹھائے گئے۔ لوٹ مار اور غارت گری کا سلسلہ بلادِ شام کی سرحدوں میں بھی شروع ہو گیا۔ ہلاکو خان فدائی گروہ کے خاتمے کے بعد ان قلعوں کو ٹوٹی پھوٹی حالت میں چھوڑ کر واپس لوٹ گیا۔ اس نے ان مقامات پر منگول دستے تعینات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی واپسی کے بعد پہاڑی سلسلوں میں روپوش فدائی اپنے قلعوں میں واپس لوٹ آئے اور انہوں نے ان کی تعمیر و مرمت کا کام شروع کیا۔ بعد میں انہوں نے اپنے لئے شیخ کبیر الدین کو اپنا امیر مقرر کیا اور اس کی زیرِ قیادت اپنی سابقہ روش کو مختصر پیمانے پر جاری رکھا۔ فدائی گروہ تھوڑے ہی عرصے میں دوبارہ قوت پکڑ گیا۔ شیخ کبیر الدین اب کھل کر جنگ کرنے کے بجائے داؤ پیچ کی جنگ چھیڑ چکا تھا۔ وہ منگولوں اور مسلمانوں کے کندھوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی عظیم ریاست کے خواب دیکھ رہا تھا۔

1262ء میں جاڑے کے موسم میں ہلاکو خان کا وسیع و عریض لشکر مراغہ سے سفر کرتا ہوا وادی قفقاز میں داخل ہوا۔ وہ نہایت خاموشی سے ان درّوں کو عبور کر کے بلادِ اسلامیہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ ہلاکو خان نے چند لمحے ٹھہر کر وادی کا جائزہ لیا۔ کچھ تجربہ کار سپاہیوں کو اطراف میں پھیلا کر اردگرد کا جائزہ بھی لیا گیا کہ کہیں کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔ ہر سو اطمینان پانے کے بعد ہلاکو خان نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ پوری طرح چوکس رہتے ہوئے درّوں کے دوسری طرف اُتر جائے۔ لشکر مناسب رفتار سے درّوں کی جانب بڑھنے لگا۔ جونہی وہ درّوں کے کافی قریب پہنچا تو انہیں اپنے اطراف اور سامنے سے نعرہ تکبیر کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اس اچانک گونج سے کسی قدر پریشان دکھائی دیئے۔ ہلاکو خان سمجھ گیا کہ برقائی خان ان کے قریب پہنچ گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں زرد لباسوں میں ملبوس اور دوئے زریں کے لشکر درّوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور ایل خانی لشکر سے اُلجھ گئے۔ ایل خانی لشکر ایسے مقام پر پہنچ چکا تھا کہ انہیں ناگہانی حملے کا بھرپور انداز میں جواب دینا مشکل ہو گیا۔ ہلاکو خان نے تیزی سے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھنے کے بجائے پسپائی اختیار کرتے ہوئے وادی کے میدانی حصے میں صفیں سیدھی کر لیں تاکہ برقائی خان کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ خیام

زریں منگولوں کا حملہ چونکہ تین اطراف سے ہوا تھا اس لئے ایل خانی لشکر کو سنبھلنے کا مناسب موقعہ نہیں ملا۔ اسی اثناء میں انہیں عقب سے بھی جوشیلی آوازیں سنائی دیں۔ ہلاکو خان کا لشکر اتنا مختصر نہیں تھا کہ انہیں گھیر کر ختم کیا جا سکتا۔ تلواروں اور نیزوں کی جھنکار اور گھوڑوں اور انسانوں کی چیخ و پکار نے وادی کے سکوت کو برباد کر ڈالا۔ چنگیز خان کے معاہدۂ اتحاد کی دھجیاں اُڑنے لگیں۔ منگول سپاہی آپس میں برسر پیکار ہو کر ایک دوسرے کے خون کی ندیاں بہاتے دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں جانب سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ مارے گئے تمام دن لڑائی جاری رہی مگر کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکا۔ ہلاکو خان کی سب تدبیریں برقائی خان کے لشکر کے سامنے بے کار ثابت ہوئیں۔ ہلاکو خان تمام وقت اسی کوشش میں مصروف رہا کہ وہ کسی طرح درّوں تک رسائی حاصل کر لے مگر یہ ممکن نہیں ہو سکا۔ بالآخر اس نے جنگ کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے واپسی کا حکم دے دیا۔ اگر وہ فوری طور پر یہ قدم نہ اُٹھاتا تو ممکن تھا کہ کئی دن کی طویل جنگ کے بعد وہ یقیناً شکست کھا جاتا کیونکہ وادی قفقاز کے معقول اور اہم ترین حصے خیام زریں لشکر کے قبضے میں تھے۔ منگولوں کے درمیان یہ پہلا معرکہ بغیر کسی فیصلے کے اختتام پذیر ہو گیا۔ ہلاکو خان اپنے لشکر کو وادی قفقاز سے دور لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ برقائی خان نے ایل خانی لشکر کی پسپائی پر ان کے تعاقب کی بھی کوشش نہیں کی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اور اس کا سلطان بیبرس سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو چکا تھا۔

ہلاکو خان غیظ و غضب کی حالت میں واپس مراغہ لوٹ آیا۔ یہ اس کی پہلی شکست تھی۔ اپنے چچازاد بھائی برقائی خان کے ہاتھوں اسے جو سبکی اُٹھانا پڑی اس نے اس کا چین و سکون غارت کر ڈالا۔ اسی دوران ہلاکو خان پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ برقائی خان کے فدائیوں کے ساتھ بھی گہرے رابطے موجود ہیں اور درّوں پر سامنے کی جانب سے حملہ آور ہونے والے افراد در حقیقت فدائی تھے۔ فدائی گروہ کی جرأت نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے قہستان کی جانب کئی لشکروں کو یکے بعد دیگرے روانہ کیا تا کہ سب سے پہلے فدائیوں کی مکمل سرکوبی کرتے ہوئے برقائی خان کے ایک مضبوط حلیف کو مٹا دیا جائے اور انہیں سلطنت منگولیانہ کے خلاف سر اُٹھانے کی عبرت ناک سزا دی جائے۔ وہ اب برقائی خان کے بارے میں بھی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہا تھا۔

وادی قفقاز کے جنگی معرکے نے ہلاکو خان پر واضح کر دیا کہ برقائی خان سے نبٹے بغیر وہ اب بلادِ شام و مصر کی جانب نہیں بڑھ سکتا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم تھی کہ ان دونوں حکومتوں کے رقبے اس قدر وسیع و عریض تھے کہ ہر ایک کے لئے دوسرے کو زیر کرنا قریب قریب ناممکن تھا تاہم وادی قفقاز کا نامکمل معرکہ اس امر کا کھلا فیصلہ کر چکا تھا کہ ہلاکو خان بحیرۂ خزر کے مشرق اور مغرب میں دونوں طرف سے محصور ہو چکا تھا۔ معرکہ قفقاز کی دھوم بہت جلد ہی سمرقند اور بخارا تک جا پہنچی، وہاں سلطنت خوارزم کے سابق، راسخ العقیدہ اور جنگجو مجاہدوں کے حوصلے ایک بار پھر سے جوان ہو گئے اور انہوں نے یکجا ہو کر برقائی خان کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اپنی تیز ترین جھڑپوں سے ہلاکو خان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ ہلاکو خان دن بہ دن اپنے مخالفین کی تعداد میں اضافے پر پریشان ہو کر رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

ریاست حلب جب سے علاء الدین لولو کے حصے میں آئی تھی یہاں کے حالات میں خاطر خواہ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ صلیبی اثرات واضح طور پر دکھائی دینے لگے۔ جب تک یہ ریاست صلیبی مقبوضات میں شامل رہی یہاں موجود مسلمانوں پر ظلم و ستم ٹوٹتا رہا۔ صلیبی نصرانیوں نے مسلمانوں کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی املاک و

جائیداد چھوڑ چھاڑ کر دوسرے علاقوں میں ہجرت کر جائیں۔ صلیبی فلسطین میں مکمل نصرانی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند تھے جہاں مسلمانوں کا دور دور تک نام و نشان نہ ہو۔ ایوبی سلطان ابونصر داؤد جو کہ ریاست حران کا والی تھا، اس نے 637ھ میں صلیبی حملہ آوروں پر پے در پے حملوں کے بعد انہیں پیچھے دھکیل کر یروشلم سمیت کافی وسیع علاقے ان کے قبضے سے چھڑا لئے۔ ایوبی سلطان کی فتوحات کے باعث مسلمانوں کے گروہ دوبارہ ان علاقوں میں لوٹ آئے اور یہاں عیسائیوں کے ساتھ امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سلطان علاء الدین لولو کی حکومت کے قیام کے بعد ایک بار پھر صلیبی لڑاکوں کو ان علاقوں میں آنے کی اجازت مل گئی۔ سلطان علاء الدین نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے شاہ فریڈرک، سردار ریمنڈ چہارم اور شاہ لوئی نہم سے کئی معاہدے کئے۔ ان معاہدوں کی رو سے ریاست حلب صلیبی سپاہیوں کی آماجگاہ بننے لگی۔ یہ سپاہی نہ صرف عام شاہراہوں پر دندناتے دکھائی دیتے بلکہ غنڈہ گردی اور کھلی بدمعاشی کے مظاہرے بھی کرنے لگے۔ ریاست حلب میں بالکل اسی طرح کے حالات پیدا ہوتے چلے گئے جیسا کہ تھوڑا عرصہ پہلے سلطان الملک الصالح عماد الدین اسمٰعیل کے دور حکومت میں دمشق کے تھے۔ یہ حالات جہاں مسلمانوں کے لئے خطرناک تھے وہیں صلیبی قوتوں کی حوصلہ افزائی اور بے خوفی میں اضافہ کئے جا رہے تھے۔ صلیبی قوتیں قسطنطنیہ سے لے کر انطاکیہ تک مضبوط گرفت قائم کر چکی تھیں۔

سلطان علاء الدین کو حلب میں خلافت کے اجراء پر بے حد خوشی تھی وہ خود کو اس خطے میں محفوظ اور شرعی حیثیت سے مسلمانوں کا واحد سلطان سمجھتا تھا۔ خلیفہ ابوالحاکم بامراللہ کی غانہ کی جانب روانگی اور وہاں خلیفہ مستنصر باللہ کے حق میں دستبرداری کے عمل نے اسے بری طرح توڑ کر رکھ دیا۔ وہ خلافت کی آڑ میں بلادِ مصر پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا جو کہ ایک ہی ساعت میں بکھر کر رہ گئے۔ اس نے حلبی خلافت کے زائل ہوتے ہی صلیبی قوتوں سے کئی نامناسب سمجھوتے کئے تا کہ وہ بلادِ مصر پر حملے کے لئے اس کے اتحادی بن سکیں۔ ان معاہدوں کی رو سے ارضِ فلسطین ایک بار پھر صلیبی استعمار کی گرفت میں جا سکتی تھی۔

ریاست حلب میں نصرانیوں کی کھلی بدمعاشی اور مسلمانوں کو تنگ کرنے کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا۔ جس پر امراء، رئیس اور تاجر خود علاء الدین لولو کے پاس آ کر شکایات کرنے لگے۔ علاء الدین لولو کو احساس تھا کہ یہ سب اس کی حکومت کو کمزور کر رہا ہے مگر وہ کئے گئے معاہدوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر رہ گیا۔ اس نے نصرانیوں کے خلاف اقدامات اُٹھانے کے قول و قرار تو کئے مگر ان پر عمل پیرا ہونے سے قاصر رہا۔ اس کی چشم پوشی نے ریاستی امراء کو اس سے بدظن و بدگمان کر دیا، رعیت بھی علاء الدین لولو کے خلاف دکھائی دینے لگی۔

یکم محرم 660ھ کو حلب کے وسطی حصے میں علاء الدین لولو نے کھلے دربار کا انعقاد کیا۔ جہاں لوگوں کی شکایات اور فریاد رسی کا اہتمام کیا گیا۔ سلطان علاء الدین لولو نے مختلف طبقوں کے لوگوں کی شکایات خود سنیں اور ان پر مناسب احکامات جاری کئے۔ ریاستی چھوٹے موٹے معاملات پر اس نے درباری عہدیداروں کو ڈانٹ پلائی اور انہیں لاپرواہی اور غفلت برتنے کے الزام میں معزول کیا۔ یہ امر محض رعایا کی دلجوئی اور بڑھتی ہوئی ناراضگی کے اثر کو زائل کرنے کا بہانہ تھا۔ اسی دوران ایک گروہ سلطان علاء الدین لولو کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے جھک کر تعظیم دی اور سلطان کے سامنے نصرانیوں کی بڑھتی ہوئی ناروائی اور ظلم و ستم کے خلاف صدائے فریاد بلند کی۔ سلطان علاء الدین لولو خاموشی سے ان کی شکایات سنتا رہا جب ان لوگوں نے اپنی اپنی شکایات گوش گزار کر دیں تو اس نے دوٹوک انداز میں نصرانیوں کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کارروائی عمل میں لانے سے صاف انکار کر دیا اور یہ تاویل پیش کی کہ اگر نصرانیوں کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں لائی گئی تو

ریاست حلب کا امن و امان خطرے میں پڑ جائے گا، ریاست حلب کے گرد ہزاروں کی تعداد میں نصرانی سپاہی موجود ہیں جو کسی بھی ایسے موقعہ کی تلاش میں تیار بیٹھے ہیں کہ سلطان حلب کسی ایسی حرکت کا مرتکب ہو کہ وہ حملہ آور ہو جائیں۔ ریاست کی خیر خواہی اسی امر میں ہے کہ ان کی چھوٹی موٹی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا جائے، بہرکیف نصرانیوں کے ہاتھوں جن لوگوں کا نقصان ہوا ہے اس کی تلافی شاہی خزانے سے کر دی جائے گی۔ اس گروہ نے سلطان علاء الدین لولو کے نامناسب جواب پر شدید احتجاج کیا مگر سلطان علاء الدین لولو نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس گروہ میں ایک عمر رسیدہ شخص دھیمے انداز میں آگے بڑھا اور نحیف لہجے میں بولا۔

''سلطان محترم! کچھ تو اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، ایک طرف تو آپ نے نصرانیوں کو کھلی چھٹی دے رکھی کہ وہ ہمارے ملک میں جو چاہیں کریں اور دوسری طرف آپ اپنی رعیت کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام بھی نہیں اٹھانا چاہتے۔ آپ ہمیں کیا یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا حاکم کمزور اور مفلوج ہے؟''

''معزز امیر! ہمیں جو کہنا تھا ہم نے کہہ دیا، ہم کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے ہمارے گرد پھیلے ہوئے نصرانیوں کو حلب پر دھاوا بولنے کا موقعہ میسر آ جائے، آج ایسا کچھ کرنا ممکن نہیں یہی وقت کی مصلحت ہے''۔ سلطان علاء الدین ناگوار انداز میں بولا۔

''آپ کی چاہے جو بھی مصلحت ہو مگر یہ ہمارے حق میں ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آپ اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے کچھ بھی کرنا نہیں چاہتے تو صاف الفاظ میں اعلان فرما دیجئے کہ رعیت آپ کے بھروسے پر زندہ رہنا چھوڑ دے اور آپ کی جگہ کسی ایسے شخص کو اپنا حاکم بنا لے جو ان کے تحفظات کی مکمل حفاظت کر سکنے کی اہلیت رکھتا ہو''۔ عمر رسیدہ شخص تیز لہجے میں بولا۔

سلطان علاء الدین لولو اس شخص کی بدتمیزی کو برداشت نہیں کر پایا اور اس نے دوسرے لمحے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ اسے فوراً گرفتار کر کے زنداں کے تاریک حصے میں پھینک دیں۔ محافظ سپاہی اپنے سلطان کا حکم پاتے ہی اس کی جانب لپکے۔ دوسرے ہی لمحے سلطان علاء الدین لولو کی نگاہوں نے عجیب نظارہ دیکھا۔ اس ادھیڑ عمر شخص نے اپنے پہلو سے تلوار نکال لی اور اس کی تقلید میں تمام گروہ کے افراد کے ہاتھوں میں تلواریں دکھائی دیں۔ آناً فاناً محافظ سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ حالات کو یوں پلٹا کھاتے دیکھ کر فریاد کے لئے جمع شدہ لوگوں کے چہروں پر گہرا استعجاب پھیل گیا۔ اس ادھیڑ عمر شخص نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے سرعت کے ساتھ سلطان علاء الدین لولو کو تلواروں کے حصار میں لے لیا۔ درباری عمائدین بھی اس غیر متوقع صورتِ حال میں بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے رہ گئے۔ سلطان علاء الدین لولو کو ایسی سنگین حرکت کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ خود کو تلواروں کے سائے میں گھرا پا کر خوف سے اس کا چہرہ سپید پڑ گیا اس کی سوچنے سمجھنے کی حسیت جیسے مفقود ہو کر رہ گئی۔ وہ ہراساں نگاہوں سے ادھیڑ عمر شخص کی جانب دیکھنے لگا۔

''ریاست حلب کے لوگو! آج فیصلے کا وقت ہے!'' ادھیڑ عمر شخص بلند آواز میں بولا۔ ''علاء الدین میں تمہارا حاکم رہنے کی اہلیت نہیں ہے یہ شخص درپردہ تمہارا مستقبل نصرانیوں کو سونپ چکا ہے لہٰذا تمہاری خیرخواہی اور حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اسے منصب سے ہٹا کر اس کی جگہ تمہارے ایک امیر غیاث الدین کو حاکم بنا دیا جائے''۔

درباری ایک عام شخص کی اتنی جرأت دیکھ کر دنگ بیٹھے تھے البتہ اس شخص کا لب و لہجہ سننے کے بعد سلطان علاء الدین کو اپنی دنیا اندھیر ہوتی دکھائی دی شاید وہ... پہچان چکا تھا۔

''تم کون ہوتے ہو ریاست حلب کا فیصلہ کرنے والے ہم خود اپنے حاکم کا انتخاب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں''۔ ایک درباری امیر نے تیز آواز میں کہا۔

''میرا نام بیبرس ہے اور میں اس اسلامی سلطنت کا نگران و نگہبان ہوں۔ میں ریاست حلب کے وفاداروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ علاء الدین کو فوراً قتل کر دیں اور اس کی شرپسند بہن کو زنداں خانے میں ڈال دیں اگر تم لوگوں نے میرے حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ دکھائی تو میں سخت ترین اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ تم لوگوں کی بہتری اسی امر میں ہے کہ تم اپنا الحاق بلادِ مصر کے ساتھ برقرار رکھو اور میری اطاعت کے سامنے اپنے سروں کو خم رکھو۔ میں تمہاری جانب اُٹھنے والی ہر نگاہِ بد کو نیست و نابود کر دوں گا''۔

سلطان بیبرس کی موجودگی پا کر علاء الدین لولو کے پسینے چھوٹ چکے تھے وہ ہکا بکا سا بیٹھا مترحم اور ملتجیانہ نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ لوگوں پر جب حقیقت آشکار ہوئی تو انہوں نے سلطان بیبرس کی حمایت میں نعرے بلند کر دیئے درباری عمائدین بھی بھیگی بلی کی مانند دبک کر بیٹھ گئے۔ حلبی سپاہی سلطان بیبرس کے سامنے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ پھر انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سلطان علاء الدین لولو کو گرفتار کر لیا اُس نے بہتیرا واویلا مچایا اور سلطان بیبرس کی خفیہ آمد کو ریاست حلب کی سلامتی پر حملہ قرار دیتے ہوئے الٹا اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ سلطان بیبرس کا رعب و دبدبہ ان کے اعصاب پر اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ وہ سلطان علاء الدین لولو کی بات سمجھنے سے قاصر دکھائی دیئے۔ سلطان بیبرس نے امیر غیاث الدین کو بلادِ مصر کی جانب سے حلب کا نیا والی مقرر کیا اور اُسے عمدگی سے معاملات نبٹانے کی ہدایت کی۔

سلطان بیبرس ذی الحجہ 659ھ کے آخری عشرے میں ایک چھوٹے سے دستے کے ہمراہ حلب روانہ ہو گیا تھا۔ یہ روانگی نہایت خفیہ انداز میں عمل میں لائی گئی۔ تمام لوگ تاجروں کا بھیس بدل کر حلب پہنچے۔ سلطان بیبرس کی روانگی کا مقصد علاء الدین لولو کی جانب سے موصول ہونے والی خبروں کی تصدیق کرنا تھی۔ حلبی وفد سے ملاقات کے بعد سلطان بیبرس نے حلب و فلسطین کی جانب موجود مخبروں کو تیزی سے تازہ ترین صورتِ حال روانہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مخبروں کی جانب سے موصول ہونے والی اطلاعات کے بعد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ واقعی علاء الدین لولو مختلف قسم کی سازشوں کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کے صلیبی سرداروں اور ہاسپٹلرز سے رابطے ہیں۔ نصرانی سپاہی کھلے عام حلب کی شاہراہوں پر دندناتے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ ایسی حرکات کی پشت پناہی کے باعث سلطان بیبرس نے فیصلہ کیا کہ اسے فوری طور پر ریاست حلب کی جانب توجہ دیتے ہوئے مناسب کارروائی عمل میں لانا چاہئے۔ سلطان بیبرس کا دمشق میں رہنا بھی ضروری تھا کیونکہ خلیفہ مستنصر باللہ کو اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ سلطان بیبرس نے گہری سوچ بچار کے بعد امیر قلادون الفی کو اپنے پاس بلوا کر ضروری باتیں سمجھا دیں۔ بلادِ شام کا تمام علاقہ اب امیر قلادون الفی کی زیرِ نگرانی تھا۔ سلطان بیبرس خاموشی سے حلب میں پہنچا اور وہاں نصرانیوں اور ایل خانی تاتاریوں کے جتھے دیکھ کر اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ سلطان بیبرس اگر چاہتا تو وہ فوری طور پر علاء الدین لولو کو معزول کر سکتا تھا مگر وہ اس تلاش میں مصروف رہا کہ امیر غیاث الدین کے اس دعویٰ میں کتنی صداقت ہے کہ فارس الدین اقطائی درپردہ علاء الدین لولو سے ملا ہوا ہے۔ مختلف امراء کے ساتھ اس نے بطور تاجر ملاقات کرتے ہوئے خود کو سلطان بیبرس کا مخالف قرار دیا اور برملا خود کو ہی برا بھلا کہتا رہا۔ کئی امراء نے فرطِ طیش میں اس کی خوب خاطر تواضع کی اور کچھ امراء نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سلطان بیبرس کی برائیوں اور شکایات کے دفتر کھول دیئے۔ انہی امراء کی بدولت سلطان بیبرس کو یہ معلوم ہو گیا کہ فارس الدین اقطائی کا نام خاص حلقے میں

پھیلا ہوا ہے مگر اسے کوئی ایسا ثبوت نہ مل سکا جس سے فارس الدین اقطائی کی جانب سے کوئی پیش رفت ثابت ہو پاتی۔ فارس الدین اقطائی نے سلطان الملک المظفر کے قتل کے حوالے سے سلطان بیبرس کی مخالفت کرتے ہوئے اسے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا مگر مملوک امرأ کی حمایت دیکھ کر وہ ایک پینترا بدل گیا تھا۔ وہ سارا نقشہ سلطان بیبرس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس دن کے بعد فارس الدین اقطائی نے کسی بھی موقع پر سلطان بیبرس کی مخالفت کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ جب بھی اس سے ملا تو اس کے انداز میں ہمیشہ گرم جوشی جھلکتی دکھائی دی تھی۔ سلطان بیبرس کو اسی وجہ سے یقین نہیں ہو پایا کہ وہ کسی ایسی سازش کا حصہ بن سکتا ہے۔ جب سلطان بیبرس اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ فارس الدین اقطائی کا نام محض غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے تو اس نے کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان بیبرس کے علم میں سابق ملکہ بدر منیر لولو کی شرمناک حرکات بھی آ ئیں جس کے باعث اس نے علاء الدین لولو کے خاتمے کے ساتھ ہی ملکہ بدر منیر کا بھی فیصلہ کر دیا تھا۔ امیر غیاث الدین کو ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ سلطان بیبرس کی نگاہِ انتخاب اس پر پڑ سکتی ہے۔ اس نے ذمہ داری سنبھالتے ہی سب سے پہلے ایسے عمائدین کو معزول کیا جو سلطان علاء الدین لولو کی آڑ میں اپنے گھناؤنے کھیل کھیل رہے تھے۔ اس کی بروقت کارروائیوں نے ریاست حلب میں نصرانی عمل دخل کا مکمل خاتمہ کر دیا تھا۔ سلطان بیبرس نے چند دن مزید قیام کرنے کے بعد دمشق واپسی اختیار کی۔ صلیبی تو تیں سلطان بیبرس کے اس فوری اقدام پر محض تلملا کر رہ گئیں۔

❀ ❀ ❀

بلادِ مصر کے پہلے خلیفہ مستنصر باللہ کا لشکر متوسط رفتار سے چلتا ہوا بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں بغداد قریب آ رہا تھا خلیفہ مستنصر باللہ کے دل کی دھڑکن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بغداد کی سنہری یادوں کے ایام اس کی نگاہوں کے سامنے مچلنے لگے۔ وہ بار بار بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوتا اور اپنی فتح و نصرت کی دعائیں کرتا۔ خلافت کا اجرا تو پایۂ تکمیل پہنچ تک چکا تھا، اب امتحانِ خلافت قریب تھا جس میں کامیابی و کامرانی نہ صرف خلافت کے تقدس کو بحال کر دیتی بلکہ پوری امت کو مرکز خلافت کے تلے ایک بار پھر سے سکون کا سانس لے سکتی تھی۔ سلطان بیبرس کے پھیلائے گئے مخبروں کا جال اس کے چاروں جانب اپنی اپنی خبریں لشکر میں موجود مملوک امرأ تک پہنچا رہا تھا۔ یہ سب سلسلہ خلیفہ مستنصر باللہ سے مخفی رکھا گیا تا کہ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس جنگ میں سلطان بیبرس بھی کسی نہ کسی طریقے سے شریک ہے۔ یہ سلسلہ زیادہ دن خلیفہ مستنصر باللہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رکھا جا سکا۔ مملوک امرأ کے پاس مشکوک لوگوں کی آمد و رفت کے سلسلے اس تک پہنچا دیئے گئے۔

یہ عقدہ رضا کار مجاہدین میں شامل ان سالاروں کی بدولت منکشف ہوا جو خود کو زیادہ وفادار ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ان مملوک امرأ کو اپنے حضور بلوا کر ان سے وضاحت طلب کر لی۔ وہ اس بارے میں خود کو روک نہ پائے اور انہوں نے کھلے الفاظ میں لشکر کے چاروں جانب پھیلے ہوئے مخبروں کے اس گروہ کی نقل و حرکت کے بارے میں امیر المومنین کو آگاہ کر دیا۔ بجائے اس کے خلیفہ مستنصر باللہ اس امر پر مسرت کا اظہار کرتا، اس نے اسے سلطان بیبرس کی مکارانہ چال قرار دیتے ہوئے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس نے مخبروں کے پھیلاؤ کا مطلب یہ اخذ کیا کہ سلطان بیبرس خلیفہ مستنصر باللہ کی مکمل نگرانی کر کے اسے اپنے تسلط میں دبائے رکھنا چاہتا ہے۔ اس منفی تاثر کو کچھ مفاد پرست رفقاء نے مزید تقویت دی اور مملوک سرداروں کو لشکر اسلامی سے نکالنے کا مشورہ دیا۔ مملوک امرأ نے بے حد کوشش کی کہ امیر المومنین

وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے ایسی غلطی نہ کریں مگر خلیفہ مستنصر باللہ بلادِ مصر کے لوگوں سے بری طرح بدظن ہو چکا تھا۔ اس نے مملوک امرأ کے ساتھ ساتھ کئی مصری سالاروں کو بھی واپس لوٹ جانے کا حکم سنا دیا۔ یہ لوگ نہ چاہتے ہوئے امیر المومنین کے حکم پر لشکر اسلامی سے نکل کر واپس دمشق لوٹ گئے۔ ان امرأ کے واپس لوٹنے سے مخبروں کا سارا نظام بری طرح متاثر ہوا اور ان کا اسلامی لشکر سے رابطہ منقطع ہو کر رہ گیا۔ خلیفہ مستنصر باللہ نے ہیت نامی مقام پر مختصر سا قیام کیا تا کہ جانور اور سپاہی کسی قدر ستا لیں۔ یہاں سے بغداد زیادہ دور نہیں تھا۔ چونکہ ان کی اگلی منزل بغداد تھا، اس لئے کسی قدر آرام کرنا مجاہدین کے لئے بہتر تھا۔ ایک رات کے مختصر قیام کے بعد اسلامی لشکر اپنے خیمے اٹھا کر بغداد کی جانب روانہ ہو گیا۔ وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکے تھے کہ ان کی اگلی منزل پر انہیں آرام نہیں مل پائے گا بلکہ ایک خوفناک معرکہ سے واسطہ پڑے گا۔

3 محرم 660ھ کو اسلامی لشکر ہیت سے نکل کر تھوڑی ہی دور پہنچا کہ تیز آوازوں کی گونج نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ لمبا چوڑا تاتاری لشکر تھا جو کہ ہلاکو خان کا حکم پاتے ہی خراسان سے آندھی کی طرح سفر کرتا ہوا خلیفہ مستنصر باللہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ خلیفہ چونکہ مخبروں کے نظام کو معطل کر چکا تھا اس لئے اسے ان کی آمد کی خبر نہ مل پائی۔ مجاہدین نے جب خود کو خونخوار تاتاریوں میں گھرا پایا تو پریشان دکھائی دینے لگے۔ خلیفہ مستنصر باللہ بھی تاتاریوں کی اچانک آمد پر بوکھلا گیا۔ اس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کریں اور مجاہدین کی صف بندی کرتے ہوئے تاتاریوں کا حصار توڑنے کی کوشش کریں اور انہیں اپنا گھیرا تنگ نہ کرنے دیں۔ خلیفہ کے حکم کی تعمیل کے لئے تمام سالار اپنے اپنے فرائض کی تکمیل میں جت گئے۔ تاتاری سپاہی خلیفہ مستنصر باللہ کے لشکر کی کیفیت سے پوری طرح آگاہ تھے اور بھرپور تیاری کے ساتھ آئے تھے، اس لئے انہوں نے پوری قوت سے حملہ کرتے ہوئے مجاہدین کو صفیں سیدھی کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ ہیت کے قریب تیز ترین جنگ کا آغاز ہوا۔ مجاہدین اپنے تئیں پوری کوشش کر رہے تھے کہ تاتاریوں کو پیچھے کی جانب دھکیل دیا جائے لیکن تجربہ کار سالاروں کی کمی اور ناتمام رہنمائی ان کے حملوں کو موثر نہ بنا سکی۔ تاتاریوں کا حلقہ تنگ ہوتا چلا گیا اور مجاہدین ان کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے لگے۔

یہ صورتِ حال بے حد خطرناک تھی، خلیفہ مستنصر باللہ نے پُر جوش نعروں سے جہاد کے لئے مجاہدین کو ابھارا مگر مجاہدین کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کا خوف ان کے ذہنوں پر بری طرح گھر کر چکا تھا۔ تاتاریوں نے حصار کو تنگ کرنے میں اپنی ساری قوت صرف کر ڈالی۔ وہ ایک بھی سپاہی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ مجاہدین نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے فرار کی راہ اختیار کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ مجاہدین تاتاریوں سے لڑ بھڑ کر نکلنے کی کوشش میں مگن ہو گئے۔ اسلامی لشکر کی نصف تعداد فرار ہونے کی کوشش میں کامیاب ہو گئی تھی اور نصف تعداد تاتاریوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئی۔ ایک ہی دن کی خونریز لڑائی نے بغداد کی قسمت کا فیصلہ کر دیا خلیفہ مستنصر باللہ کو شکست فاش ہوئی۔ اس کا سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ سلطان بیبرس کے لاکھوں درہم و دینار پانی کی طرح بہہ گئے۔ خلیفہ مستنصر باللہ کی آخری لمحات میں ناعاقبت اندیشی اختیار کرنے اور مملوک امرأ کو لشکر سے نکالنے کے غلط فیصلے نے اس کا باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اس نے بغداد سے خلافت کا دربار ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے پر مہر ثبت کر دی تھی۔ تاتاریوں پر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ مسلمان ابھی اتنے طاقتور نہیں ہوئے ہیں جتنے کہ سلطان بیبرس سے جنگ کے بعد تصور کئے جا رہے تھے۔ اسلامی لشکر کی بربادی کی خبر قیامت کی طرح پوری ملت اسلامیہ میں پھیل گئی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس ریاست حلب سے نکل کر دمشق کی جانب بڑھ رہا تھا، جب اُسے راستے میں خلیفہ مستنصر باللہ کے لشکر کی تباہی اور تاتاری حملے کی خبر ملی۔ وہ کئی لمحے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ خلیفہ مستنصر باللہ تاتاری لقمہ بن جائے گا۔ چالیس ہزار کے قریب مسلمان مجاہدین کی موت کی خبر نے اسے بری طرح نڈھال کر ڈالا۔ وہ شکستہ انداز میں دمشق پہنچا، بلادِ شام میں خلیفہ مستنصر باللہ کی شکست نے صف ماتم بچھادی تھی۔ سلطان بیبرس جب دمشق آیا تو اسے وہ سب مملوک امرا منتظر دکھائی دیئے جنہیں اس نے خاص طور پر امیر المومنین کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ سلطان بیبرس ان کی صورت دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوگیا۔ انہوں نے اپنی صفائی میں آخری لمحات میں ہیت سے کچھ دور پیش آنے والے حالات اس کے گوش گزار کئے اور خلیفہ کی جانب سے خود کو نکالے جانے کا حکم سنایا تو سلطان بیبرس تاسف سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ اس نے دبے الفاظ میں کہا کہ اگر ایسا ہوا تھا تب انہیں چاہئے تھا کہ وہ اسلامی لشکر سے واپس نہ لوٹتے بلکہ اس سے کچھ فاصلے پر رہتے ہوئے پیچھے پیچھے چلتے رہتے۔ سلطان بیبرس نے جب امیر قلاؤون کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ امیر المومنین کے لشکر کی خبر پاتے ہی تیز رفتاری سے اپنے دستوں کے ساتھ ہیت کی جانب روانہ ہوگیا تھا۔ سلطان بیبرس نے دمشق میں موجود باقی تمام لشکر کو فوراً تیار ہونے کا حکم دیا۔ وہ انہیں ساتھ لے کر امیر قلاؤون الفی کے پیچھے روانہ ہونا چاہتا تھا کیونکہ یہ بے حد نازک موقع تھا۔ خلیفہ مستنصر باللہ تاتاریوں کے قبضے میں تھا، اسلامی لشکر تباہ ہو چکا تھا، مجاہدین کی جمعیت کا کچھ پتہ نہیں تھا اس امر پر تاتاریوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے عین ممکن تھا کہ وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار پیش قدمی کرتے ہوئے بلادِ شام میں گھس آتے اس کے علاوہ بھرپور تاتاری لشکر امیر قلاؤون الفی کے مختصر دستوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

سلطان بیبرس انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا بہت جلد ہیت کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں مجاہدین کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ تاتاری لشکر مال غنیمت سمیٹ کر واپس لوٹ گیا تھا۔ انہیں ہلاکو خان کی برقائی خان کے ہاتھوں ذلت اور پسپائی کی خبریں مل گئیں، جس کے نتیجے میں انہوں نے مزید پیش قدمی کے بجائے اپنے مقبوضات کی حفاظت ضروری سمجھی۔ سلطان بیبرس مسلمانوں کی لاشیں دیکھ کر رہ نہ پایا اور بچوں کی مانند رونے لگا۔ امیر قلاؤون الفی وہاں پہنچ کر لاشوں کی تدفین کے انتظامات میں مشغول تھا۔ اس نے سلطان بیبرس کو یوں زار وقطار روتا دیکھ کر اس کی ہمت بندھائی اور صبر کرنے کی تلقین کی۔

سلطان بیبرس نے امیر قلاؤون سے امیر المومنین کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ تمام لاشوں کو فرداً فرداً دیکھا گیا۔ مقتولوں میں خلیفہ مستنصر باللہ کی لاش نہ مل پائی جس پر یہ خیال سامنے آیا کہ ممکن ہے کہ خلیفہ مستنصر باللہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہو یا تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا ہو۔ سلطان بیبرس نے خیام زرّیں منگول افراد کو طلب کیا اور انہیں ہدایت کی وہ خراسان پہنچ کر کھوج لگائیں کہ کیا خلیفہ مستنصر باللہ ایل خانی حکومت کی قید میں ہے یا انہوں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس بارے میں ٹھوس خبر حاصل کی جائے۔ خیام زرّیں منگول مخبروں نے سلطان بیبرس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً خراسان کی راہ لی۔

تاتاری سیلاب ایک بار پھر بلادِ اسلامیہ میں داخل ہوتے ہوتے رُک گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے بلادِ شام کی سرحدوں پر کئی موثر اقدامات کئے اور اپنے لشکر کے ساتھ واپس دمشق لوٹ آیا۔ اس سفر سے واپسی پر سلطان بیبرس نے خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کیا تھا۔ یہ تھکاوٹ سفر کی نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد کی ہلاکت اور امیر المومنین کی گمشدگی کی تھی جس نے سلطان بیبرس کے مضبوط حوصلے کو چکنا چور کر کے رکھ دیا تھا۔

❀❀❀

مطیع الدین قلعہ الموت کے خاص مہمان خانے میں تنہا موجود تھا۔ وہ بے تابی سے شیخ کبیر الدین کی واپسی کا منتظر تھا۔ چند دن پہلے شیخ کبیر الدین برقائی خان کی جانب سے ملنے والی اطلاعات و ہدایات کے مطابق اپنی تمام تر قوت جمع کر کے وادی قفقاز کی جانب روانہ ہوا تھا مگر اس کے بعد ابھی تک اس کی جانب سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ روانگی سے قبل شیخ کبیر الدین نے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ وادی قفقاز میں معرکہ لڑنا زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس وسیع وعریض وادی کو پوری طرح اپنے اختیار وقابو میں رکھنا ناممکن سی بات ہے، وادی کی سطح ناہموار اور پتھریلی ہے۔ دشمن کو گھیرتے ہوئے کسی بھی وقت اپنا نقصان ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ چونکہ شیخ کبیر الدین، ہلاکو خان سے عداوت رکھتا تھا اور کسی بھی ایسے موقع کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتا تھا، اس لئے وہ برقائی خان کی پُر خطر منصوبہ بندی پر آمادہ ہوگیا۔ مطیع الدین کو اس بات کی خبر بھی ہوگئی کہ برقائی خان نے شیخ کبیر الدین کی تشفی کے لئے خیام زرّیں منگول دستہ بھی روانہ کیا ہے۔ وہ اس دستے کو تو دیکھ نہیں پایا مگر اُسے اپنے ذمے لگائے گئے فرض کی تکمیل پر بے حد دلی مسرت ہوئی۔ برقائی خان نے اس کے سر پر جس ذمہ داری کا بوجھ ڈالا تھا وہ اسے احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔

قلعہ الموت میں رہتے ہوئے مطیع الدین کو تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ قلعہ الموت کوئی شہر نہیں تھا کہ جہاں رنگا رنگ رونقیں دکھائی دیتیں۔ یہ تو ایک قسم کی عسکری چھاؤنی تھی جہاں فدائی گروہ پوشیدہ رہ کر اپنی ریاست کے قیام کی کوششوں میں مصروف تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ یہاں مطیع الدین کے ڈھنگ کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا، جس کی معیت میں اسے تنہائی کا احساس نہ ہوتا۔ قلعہ الموت میں حشیشی غلاموں کی بڑی تعداد تھی مگر شاید ان کے منہ میں سرے سے زبان ہی نہیں تھی۔ مطیع الدین نے ان میں سے کئی افراد سے گفتگو کرنے کی کوشش کی مگر ان کے سرد رویے نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مطیع الدین گھٹ سا گیا قلعہ الموت کے مکین اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خاموشی سے دوسری طرف نکل جاتے۔ مطیع الدین کو یہ شدت سے محسوس ہونے لگا کہ ان لوگوں کے درمیان وہ کوئی اجنبی ہے۔ شیخ ابوالفضل بھی کئی دنوں سے اسے نظر نہیں آیا وہ شاید واپس لوٹ چکا تھا۔

مطیع الدین گہرے سکوت سے گھبرا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے ذہن میں اچانک شنگ خان کا خیال عود کر آیا جسے وہ فراموش کر چکا تھا۔ شنگ خان سے مختصر ملاقات نے اسے وقتی طور پر چونکا دیا تھا مگر اس کی دوبارہ صورت بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ سوچنے لگا کہ شنگ خان کی قلعہ الموت میں موجودگی کو کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ شنگ خان تو خالص تاتاری ہے اور خیام زرّیں منگولوں میں اس کے خاندان کو اچھی شہرت حاصل تھی۔ اس کے ذہن میں شنگ خان کا وہ جملہ کلبلانے لگا کہ وہ وہاں گل وقوز کی تلاش میں آیا ہے۔ شنگ خان تو وہاں موجود تھا مگر گل وقوزا اسے ایک بار بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ شنگ خان، گل وقوزا اور فدائی تعلق کی مثلث میں اُلجھ کر رہ گیا۔ ان تینوں روابط کو وہ کوئی نام نہ دے سکا۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف سا ہونے لگا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس موقعہ پر گل وقوز کا ذکر شنگ خان نے صرف اس لئے چھیڑا تھا تاکہ وہ اس کی جذبات کو ٹھیس پہنچا کر تسکین حاصل کر سکے۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے باوجود پہلا سوال اپنی جگہ موجود تھا۔ وہ شنگ خان کی موجودگی کی وجہ نہیں تلاش کر پایا۔

''معلوم نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ جب سے سرائے سے قدم نکالا ہے، ذہن نے درست خطوط پر کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے، ہر ساعت اسراریت کی تاریکی میں ڈوبی دکھائی دیتی ہے''۔ مطیع الدین نے دانت

کپکپاتے ہوئے سوچا۔

''کیا ہوا...... سر میں درد ہو رہا ہے کیا؟'' اچانک کمرے میں مترنم سی آواز گونجی۔ مطیع الدین کمرے میں اجنبی آواز سن کر قریباً گرتے گرتے بچا۔

❀❀❀

سلطان الملک الظاہر بیبرس بلاد شام و شرقیہ کا تمام انتظام و انصرام مملوک امیر قلاؤن الفی کے حوالے کر کے امرائے کے ساتھ واپس قاہرہ پہنچ گیا۔ امیر قلاؤن الفی نہایت وفادار اور جرأت مند شخص تھا۔ سلطان بیبرس اور امیر قلاؤن الفی میں ایک چیز مشترک تھی کہ ان دونوں کا مولد دشت قپچاق ہی تھا۔ امیر قلاؤن الفی کو سلطان نجم الدین ایوب کے خاص سالار امیر آقسنقر نے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا، اسی وجہ سے اس کی عرفیت الفی مشہور ہو گئی۔ سلطان ملک الصالح نے اس کی قابلیت و جرأت مندی سے متاثر ہو کر اسے 647ھ میں آزاد کر دیا۔ وہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا امرا کے حلقے میں پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس نے اپنے اقتدار میں اسے تمام مملوک عساکر کا سالارِ اعظم مقرر کر دیا تھا۔ پہلی ترقی کے حصول بعد یہ دوسرا موقعہ اسے میسر آیا کہ اسے اسلامی سلطنت کے ایک بڑے حصے کا کلی اختیار سونپ دیا گیا۔

سلطان بیبرس نے قاہرہ پہنچتے ہی ضروری نوعیت کے تمام معاملات نہایت سرعت سے نمٹائے۔ اسی دوران اس کے پاس برقائی خان کی جانب سے سفارت پہنچی جس میں ہلاکو خان کو بلاد شام کی جانب بڑھنے سے روکنے اور واپس مراغہ لوٹنے کی خبر ارسال کی گئی تھی۔ سلطان بیبرس نے جوابی مراسلے میں برقائی خان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسلامی سلطنت کو درپیش مسائل سے آگاہ کیا۔ سلطان بیبرس نے برقائی خان سے خلیفہ اسلام کی گمشدگی کی بابت آگاہ کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے طور پر مخبروں کے ذریعے مراغہ میں چھان بین کرائے تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہو سکے۔ سلطان بیبرس نے جوابی مراسلہ تحریر کر کے قاصد کے حوالے کیا اور اسے تاکید کی کہ وہ کم سے کم وقت میں سرائے پہنچے۔

سلطان بیبرس نے ضروری امور سے فرصت پاتے ہی شیخ عزالدینؒ کے حجرے کی راہ لی۔ شیخ عزالدینؒ کی طبیعت کئی دنوں سے ناساز تھی۔ ان کی عمر اکیاسی برس ہو چکی تھی، موسم کی تبدیلی نے انہیں بستر پر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ سلطان بیبرس نے ان کی عیادت کے ساتھ خلیفہ مستنصر باللہ کا خال گوش گذار کیا۔ شیخ عزالدینؒ نے خلیفہ مستنصر باللہ کی افسوس ناک شکست پر گہرے رنج کا اظہار کیا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دیا۔ سلطان بیبرس نے کچھ توقف کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ کی تلاش کا ذکر کیا اور غیر محسوس طریقے سے یہ کوشش کی کہ شیخ عزالدینؒ اس ضمن میں کوئی تبصرہ کریں۔ شیخ عزالدینؒ اس کے دل کے حال سے واقف ہو چکے تھے، انہوں مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ''ابھی کچھ انتظار کرو''۔ سلطان بیبرس نے مزید کچھ کہنا بہتر نہیں سمجھا۔ کچھ دیر کی صحبت کے بعد سلطان بیبرس نے اُٹھتے ہوئے شاہی طبیب کی خدمات پیش کیں تو شیخ عزالدینؒ نے صاف الفاظ میں یہ سہولت لینے سے انکار کر دیا۔ ان کا لہجہ کچھ تیز تھا جس پر سلطان بیبرس دوبارہ بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبانے لگا۔

''یا شیخ!'' سلطان بیبرس دھیمے انداز میں بولا۔ ''کیا ہوا؟ آپ نے پہلے تو کبھی ایسے سختی سے منع نہیں فرمایا''۔

''بیبرس! تم سلطان بن گئے ہو! تمہارے پاس سب آسائشیں ہیں، بیمار پڑ جاؤ تو شاہی طبیب حاضر۔ خدمت کے لئے غلام و کنیزیں موجود...... مگر کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوتا ہے جنہیں

بیماری کے حال میں دوا کے لئے دھکے کھانا پڑتے ہیں۔ حکماء اپنی دُکانداری چمکانے کی فکر میں ان کی بیماری کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں''۔

''یا شیخ! آپ کی بات درست ہے، میں نے اپنے طور پر کئی ایسے اقدامات کئے ہیں کہ لوگوں کو ہر قسم کی سہولت آسانی سے پہنچ سکے۔ ایک پوری مجلس اس کام کے لئے تعینات ہے جو اپنے طور پر تمام امور کی مکمل نگرانی کرتی ہے اور نرخوں کو بڑھنے سے روکتی ہے بہرکیف میں اس ضمن میں مزید اقدامات اُٹھاؤں گا مگر اس میں شاہی طبیب کی سہولت لینے سے انکار کی کیا بات ہے؟'' سلطان بیبرس نے پوچھا

''اگر تم مجھے شاہی طبیب کی خدمات دینے پر مصر ہو تو پہلے اسے تمام بیمار لوگوں کے گھروں میں بھیجو۔ ان کا علاج کرنے کے بعد وہ میرے پاس چلا آئے، میں بھی اس سے اپنا مرض تشخیص کروا لوں گا''۔ شیخ عزالدینؒ نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

''ایسا ہونا تو ناممکن ہے، ایک شخص بھلا کتنے گھروں میں جا پائے گا؟'' سلطان بیبرس بولا۔

''یعنی یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی کہ بیمار لوگ زیادہ ہیں اور ان کا علاج کرنے والے طبیب کم......!'' شیخ عزالدینؒ آہستگی سے مسکرائے۔ سلطان بیبرس ان کی بات کو کسی حد سمجھ گیا۔

''میں تمام مدارس میں یہ پیغام بھجوا دیتا ہوں کہ اساتذہ طالب علموں کو طب کی تعلیم زیادہ دیں اور نوجوانوں کو اس جانب رغبت دلائیں، اس تعلیم کے لئے میں خصوصی وظیفے کا بھی اعلان کروں گا''۔

''یہ تو سب ٹھیک ہے، مگر یہ سوچو کہ وہ نوجوان طبیب بننے کے بعد غریب افراد کا مفت علاج کریں گے کیا......؟'' شیخ عزالدینؒ نے حقیقی وجہ کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ سلطان بیبرس ان کی بات سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

''اس مسئلے کا واحد حل بیمارستان ہی دکھائی دیتا ہے۔ تمام شہروں میں بیمارستان بنائے جائیں تو شاید کسی حد تک یہ ممکن ہو سکے کہ غریب افراد کو معالجے کی سہولت مل پائے''۔

''میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ نوجوانوں کو طبی تعلیم کی جانب متوجہ کیا جائے اور بعد میں ان کی ملازمت کا بھی مناسب بندوبست کیا جائے۔ ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے اور معقول آمدنی کمائے۔ کوئی بھی طبیب انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت خدمت خلق پر آمادہ نہیں ہوگا، تم چاہے لاکھ کوشش کرو، بے ایمانیاں اور سرکشیاں ہوتی رہیں گی۔ اگر تم بیمارستان قائم کر کے ان طبیبوں کو معقول معاوضہ پیش کرو گے تو پھر انہیں خدمت خلق میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ تم شاہی خزانے پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ لوگ خراج کے بار تلے آ جائیں۔ بیمارستان کی دیکھ بھال اور ان کے اخراجات کی ذمہ داری روساء و امرائ کو سونپ دو۔ ان کے پاس بہت مال جمع ہے، وہ خود ہی بیمارستان کے اخراجات اُٹھالیں گے''۔ شیخ عزالدینؒ نے راہ سجھائی۔

''یا شیخ! آپ تو اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ امرائ کا طبقہ زیادہ تر لالچی و حریص ہے، وہ اپنے اموال کو یوں لٹانے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں گے''۔ سلطان بیبرس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں! اسی لئے تمہیں یہ صلاح دے رہا ہوں کہ تم امرائ پر ایک نیا خراج لگاؤ جو کہ ان کے صدقات و خیرات پر منحصر ہو، ایک مناسب رقم مقرر کر دو جو کہ ہر ماہ ان سے وصول کی جائے''۔

''یا شیخ! ایسا کرنے سے امرائ مخالفت پر اتر آئیں گے اور بلاوجہ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا''۔ سلطان بیبرس گھبرا کر بولا۔

''بیبرس!'' شیخ عزالدینؒ کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ''تمہیں اللہ تعالیٰ نے اسلامی سلطنت میں موجود تمام مسلمانوں کی نگرانی کا اعزاز سونپا ہے اور ان کی خدمت پر مامور کیا ہے، یاد رکھو! یوم حشر کو تمہیں اپنی تمام حرکات سکنات کا پورا پورا احساب دینا ہوگا۔ تمہیں رعیت کی خوشی عزیز ہے یا پھر امرأ ورؤساء کی''۔

''یا شیخ! ناراض نہ ہوئیے! میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا''۔ سلطان بیبرس تیزی سے بولا۔

''بیبرس! تم وقت کے سلطان ہو، تم سے پہلے بھی کئی سلطان حکومت کر چکے ہیں اور تمہارے بعد بھی کئی سلطان حکومت کریں گے۔ یاد رکھو! جنہوں نے اچھے کام کیے، رعیت انہیں دُعائیہ کلمات سے یاد کرتی ہے اور جنہوں نے اپنی خواہش کو اوّلیت دی انہیں وقت نے فراموش کر دیا اور جو ظلم و جور کا بازار گرم کیے رہے ان پر لوگ لعن طعن کرتے ہیں اور قیامت تک ان کے حصے میں صرف بددُعائیں ہی جمع ہوتی رہیں گی۔'' شیخ عزالدینؒ کا لہجہ خاصا درشت تھا سلطان بیبرس ان کی باتوں کی گہرائی محسوس کر کے خوف سے لرزنے لگا۔ سلطان بیبرس نے انہیں پورا یقین دلایا کہ وہ فوری طور پر بیمارستان کا قیام عمل میں لائے گا اور امرأ ورؤساء پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالے گا۔ شیخ عزالدینؒ کا جلال دھیرے دھیرے ماند پڑ گیا تو انہوں نے نرمی سے اس نظام میں پوشیدہ افادیت اجاگر کی اور کئی مفید مشورے بھی دیئے۔ سلطان بیبرس انہیں یقین دہانی کرا کے وہاں سے نکل آیا۔ اس نے دوسرے روز تمام سلطنت کے مدارس میں خصوصی ہدایت روانہ کر دی اور ساتھ ہی قاہرہ میں ایک بیمارستان قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس ضمن میں سلطان بیبرس نے تمام امرأ ورؤساء کو خاص دربار میں طلب کیا تاکہ انہیں اعتماد میں لے کر بیمارستان کا کام مکمل کیا جاتا۔

❁ ❁ ❁

صلیبی مقبوضات کا ایک اہم شہر عکہ بے شمار اہم شخصیتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان میں یروشلم کا سابق شکست خوردہ حکمران فریڈرک، فرانس کا عظیم مقدس شہنشاہ لوئی نہم اور شہرت یافتہ صلیبی سردار ریمنڈ شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اہم صلیبی جنگجو سردار مسلمان والیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر فرار ہو کر یہاں پہنچ گئے تھے۔ ان سب افراد نے مل کر سلطان علاء الدین لولو کو شیشے میں اتارا اور اسے سلطان بیبرس کے مقابل لانے کی کو پوری کوشش کی۔ سلطان علاء الدین لولو کو سلطان بیبرس سے ذاتی عداوت تھی اور وہ تمام بلادِ اسلامیہ کا واحد حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ صلیبی قوتوں کی امداد پا کر وہ خود کو طاقت ور سمجھ رہا تھا مگر سلطان بیبرس نے اچانک ظاہر ہو کر تمام بازی ہی پلٹ دی۔ سلطان علاء الدین لولو کی گردن صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کے جرم میں اُڑا دی گئی۔ سلطان بیبرس نے نہایت سرعت سے ایسے تمام افراد کو گرفتار کر لیا جو صلیبی قوتوں کا آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں کئی مشہور نصرانی امرأ بھی شامل تھے۔ امیر غیاث الدین کو نیا امیر مقرر کرتے ہوئے سلطان بیبرس نے صلیبیوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ اتنا بے خبر نہیں ہے جتنا وہ گمان کیے ہوئے ہیں۔

ریاست حلب میں انقلابی تبدیلی اور نصرانی ذرائع کے خاتمے کی خبر جب ان لوگوں تک پہنچی تو وہ تلملا اُٹھے اور تاسف سے محض ہاتھ ملتے رہ گئے۔ شاہ لوئی جس جوش و خروش سے فرانس سے صلیبی مہم لے کر نکلا تھا وہ ایوبی اور مملوک حکمرانوں کے ہاتھوں رسوا و خوار ہو چکی تھی۔ منصورہ کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ صیدا، یافا، قیساریہ اور پھر عکہ میں پہنچا۔ شکست کھانے کے باوجود اس کے حوصلے جوان تھے۔ وہ اس تیاری میں مصروف تھا کہ صلیبی انتشار کو ختم کر کے سب لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کر لے تاکہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگائی جا سکے مگر صلیبی سرداروں کی مذموم حرکات اور مطلب برآری کا رویہ دیکھ کر وہ مایوس ہو گیا۔ شاہ فریڈرک نے اس کی ہمت بندھائی اور یقین دہانی کرائی کہ وہ ایک دن ضرور یروشلم واپس حاصل کر لیں گے۔ سلطان

علاء الدین لولو کی مدد پا کر شاہ لوئی نہم کو ایک بار پھر سے امید کی کرن دکھائی دی مگر سلطان بیبرس کے جرأت مندانہ عمل نے ان کی اس کوشش پر بھی پانی پھیر دیا۔ وہ جہاں فرطِ طیش میں دانت پیستے رہے وہیں سلطان بیبرس کی شخصیت کا دبدبہ بھی انہیں ہراساں کرتا گیا۔ وہ سلطان بیبرس کی ہمت کی داد دیئے بغیر بھی نہ رہ سکے کہ اس نے تن تنہا ریاست حلب کا منظر ہی بدل ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس کے اس کارنامے پر تمام عیسائی ریاستوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں سنائی دیں۔ کچھ لوگ تو اسے چھلاوہ اور جادوگر قرار دے رہے تھے اور کچھ لوگ اس کی باخبری و بہادری کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔ صلیبی مقبوضات میں بھی گہرا اضطراب دکھائی دینے لگا۔ مقبوضات کے منتظم صلیبی سردار تشویش بھرے خطوط شاہ لوئی نہم کو ارسال کرنے لگے۔ شاہ لوئی نہم نے تمام صورتِ حال کا ازسرِ نو جائزہ لیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان مقبوضات میں مقیم رہنا محض وقت برباد کرنے کے مترادف ہے، اسے فرانس واپس لوٹ جانا چاہئے اور وہاں سے نئی تازہ دم افواج لے کر مکمل تیاری کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رُخ کرنا چاہئے۔ اس نے شاہ قسطنطنیہ سے اس ضمن میں مشورہ کیا۔ اس نے اس کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا کہ شاہ لوئی نہم کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عظیم صلیبی خدمت گار ہلاکو خان ابھی زندہ ہے، وہ اپنے اندرونی معاملات میں اُلجھا ہوا ہے، تھوڑے عرصے کی بات ہے، وہ بہت جلد واپس لوٹے گا اور پھر مسلمانوں کا تختہ اُلٹ جائے گا۔ سلطان بیبرس چاہے لاکھ کوششیں کر لے، ہلاکو خان کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

شاہ لوئی نہم نے شاہ قسطنطنیہ کے مراسلے پر کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا اور اپنی فرانس واپسی کا اعلان کر دیا۔ شاہ فریڈرک کے لئے یہ اعلان خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔ اس نے شاہ لوئی نہم سے ملاقات کر کے اسے روکنے کی کوشش کی اور اس پر واضح کیا کہ اس کی واپسی صلیبی جنگجوؤں کے حوصلوں کو پامال کر ڈالے گی مگر شاہ لوئی نہم نے اس کے اصرار پر بھی اپنا فیصلہ نہ بدلا اور موسم سرما میں اپنے عمائدین کی جماعت اور بچے کھچے لشکر کے ساتھ فرانس واپس لوٹ گیا۔ صلیبی مقبوضات میں اس کی واپسی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے، صلیبی سردار خود کو تنہا محسوس کرنے لگے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین چونک کر اس طرف پلٹا جدھر سے آواز سنائی دی تھی۔ وہ متحیر نگاہوں سے اس کے سراپے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نوجوان اور کسی قدر حسین تھی۔ اس کے جسم پر سفید لباس کو دیکھ کر مطیع الدین کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی کنیز ہے۔ اس کا کھلا ہوا رنگ اور پُروقار قامت دیکھ کر مطیع الدین کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ یقیناً کسی متمول گھرانے کی بیٹی رہی ہوگی جسے وقت کے بے درد لمحات نے کنیز بنا ڈالا۔

''آپ نے کوئی جواب نہیں دیا؟'' وہ حیرت میں ڈوبے مطیع الدین کو دیکھ کر مسکرائی۔

''تم کون ہو؟ صورت سے تو کنیز نہیں لگتی ہو''۔

''میرا لباس اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ میں کنیز ہی ہوں، شاید آپ مجھے اپنے سامنے اچانک دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں کہ اتنے دن تک تو آپ کی مدارات کے لئے کوئی کنیز نہیں آئی اور آج یہ تبدیلی کیسی؟'' وہ لاپرواہی سے پہلو جھٹکتی ہوئی بولی۔

''حیران ہونا تو لازم بات ہے...... مگر تمہاری بات مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آئی؟'' مطیع الدین کے انداز دلچسپی کا پیدا ہو گئی۔ وہ تنہائی کے احساس کے مٹنے پر خود میں نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔

''ویسے تو عام کنیزوں کے نام نہیں ہوتے مگر میں چونکہ خاص کنیز ہوں اس لئے مجھے مرارہ کہتے ہیں،

آج سے میں ہی آپ کی ہر طرح خاطر مدارت کیا کروں گی''۔

''تمہارا انداز خاصا پُر تکلف ہے، مجھے امید ہے کہ تمہاری مہمان نوازی میں اچھا وقت گزرے گا۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گی کہ مجھ پر اس خاص عنایت کا سبب کیا ہے؟'' مطیع الدین نے دریافت کیا۔

''اوہ یہ تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی کہ آقا کی جانب سے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھوں، میں خاص کنیزوں میں سے ایک ہوں، آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ کے حصے میں آقا کی کوئی خاص کنیز آئی ہے۔ میرے آقا آپ سے بے حد خوش ہیں، سنا ہے کہ آپ کے تعاون کے باعث وادی قفقاز میں تا تاریوں کو ہزیمت اُٹھانا پڑی ہے''۔ مرارہ نے بتایا۔

مطیع الدین اس کی بات سنتے ہی سمجھ گیا کہ مرارہ کو اس کے پاس کیوں بھیجا گیا ہے؟ یقیناً شیخ کبیر الدین اور برقائی خان کو ہلاکو خان پر فتح حاصل ہوئی ہو گی۔ وہ یہ سوچ کر مسکرانے لگا۔

''آپ مجھ سے بلا تکلف بات چیت کر سکتے ہیں اور ہر قسم کی ضرورت طلب کر سکتے ہیں، بے فکر رہیے، میں دن رات آپ کے کمرے میں ہی مقیم رہوں گی''۔ مرارہ نے بالوں کی لٹ چہرے سے ہٹاتے ہوئے چاہت بھرے لہجے میں کہا۔ مطیع الدین چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا مرارہ کی آنکھوں میں اسے عجیب سی مستی چھائی ہوئی دکھائی دی۔

''سنو مرارہ!'' مطیع الدین گڑبڑائے انداز میں بولا۔ ''تم شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہوئی ہو، پہلی بات کہ میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جسے کنیزوں کی صحبت کی حاجت ہو اور دوسری بات میں تنہائی کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں، تم یہاں بیٹھو، باتیں کرو اور وقت پر طعام کا بندوبست کرو اور پھر شام کے وقت مجھے اپنی تنہائی کے ساتھ چھوڑ دو''۔

''آپ مروّت اور جھجک میں مت پڑیے بلکہ خود پر فخر کیجئے کہ میرا آقا آپ پر مہربان ہو گیا ہے، قلعہ الموت کی وہ دوشیزہ آپ کے سامنے موجود ہے جس کے آنچل کی چھاؤں پانے کی خواہش میں یہاں موجود ہر شخص ٹھنڈی آہیں بھرتا دکھائی دیتا ہے''۔ مرارہ قاتلانہ ادا سے ہنسی۔

''میرا آہوں والا خانہ زیادہ تر خرابی کا شکار رہتا ہے اس لئے مجھے آہیں بھرنے کی نوبت پیش نہیں آتی۔ تم بے فکر رہو، جب میں یہاں سے روانہ ہوں گا تب بھی میں ایسا ہی مسکراتا ہوا دکھائی دوں گا''۔ مطیع الدین کی طبیعت پر چھائی پژمردگی اور اکتاہٹ کے بادل چھٹ چکے تھے اور آہستہ آہستہ وہ اپنے آپ کو ہلکا ہوتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ مرارہ عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''قسم ہے پیدا کرنے والے کی! تم دوسرے فرد ہو جس سے مل کر مجھے گہرا تعجب ہوا ہے''۔ مرارہ کا انداز میں یکسر تبدیل ہو گیا۔ وہ مطیع الدین کی عدم توجہ اور بے رغبتی سے خاصی متاثر ہوئی تھی۔

''کیا میں پہلے کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' مطیع الدین جھجکتے ہوئے بولا۔

''وہ مرد نہیں تھا!'' مرارہ نے منہ بنا کر کہا۔

''ہنہ...... کیا مطلب؟ تم مجھے کہاں ملانے کی کوشش کر رہی ہو''۔ مطیع الدین متفکر سا ہو گیا۔

''تم غلط سمجھے''۔ وہ دھیرے سے ہنسی۔ ''وہ ایک عورت تھی جس کی شخصیت نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ وہ بلا کی شرارہ عورت تھی جس کے انگ انگ میں جیسے بجلیاں بھری ہوئی تھیں مگر اسے مرد کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔ اس کے منہ سے میں نے آج تک کوئی ایسا جملہ نہیں سنا، جس سے یہ اندازہ ہو پاتا کہ وہ مرد کے بغیر تنہا اور ادھوری ہے''۔

''تھی سے کیا مراد ہے؟...... کیا وہ......؟'' مطیع الدین بولتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

''نہیں...... جیسا تم سوچ رہے ہو ویسا نہیں ہے، وہ پچھلے دنوں یہاں سے چلی گئی ہے''۔

''اوہ! چلو چھوڑو، کوئی اور بات کرو! تم نے ابھی تک اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں؟'' مطیع الدین نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ مرارہ عورت کا ذکر کرتے ہوئے کھو سی گئی، شاید وہ اس عورت کے عکس کو ذہن کے کینوس پر تازہ کرنے میں مصروف تھی۔ مطیع الدین کی بات پر دھیرے سے مسکرائی۔

''تمہارا نام مطیع الدین ہے نا!''

''یہ کیا بات ہوئی؟'' مرارہ کے غیر متوقع سوال پر مطیع الدین خجل ہو کر رہ گیا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم بھی اسی کی مانند ایک دن چلے جاؤ گے مگر میں تمہارا نام بالکل اسی طرح اپنے ذہن میں نقش کر لینا چاہتی ہوں جیسے اس کا نام اور اس کی معصوم سی صورت...... گل وتوژ...... جسے شاید میں کبھی بھول نہیں پاؤں گی''۔ مرارہ بے خودی کے عالم میں بولتی چلی گئی۔ مطیع الدین کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چہرے پر پھیلی ہوئی ظرافت کی علامتیں پل بھر میں غائب ہو چکی تھیں۔ اس کے ذہن میں زلزلے برپا تھے۔ وہ کتنی معصومیت سے اس کے زخموں کو کرید گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

رجب 660ھ میں سلطان بیبرس کو قاضی تاج الدین بن بنت الاعز نے باقاعدہ نوٹس دیتے ہوئے اپنی عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قاضی تاج الدین بن بنت الاعز بلادِ مصر اور سمندری محاذی علاقوں پر قاضی القضاۃ مقرر تھے جبکہ قاہرہ اور ساحلی علاقوں کی عدالت کی ذمہ داری قاضی برہان الدین بخاری کے پاس تھی۔ قاضی برہان الدین بخاری راسخ العقیدہ سنی تھے جبکہ تاج الدین شافعی مسلک کے پیرو تھے اور اپنے مسلک میں نہایت شدت رکھتے تھے۔ سلطان بیبرس کو جب قاضی کی عدالت میں حاضری کا پروانہ ملا تو وہ اطمینان کے ساتھ 9 رجب 660ھ کو عدالت پہنچا۔ سلطان بیبرس کی صورت دیکھ کر تمام لوگ تعظیماً اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قاضی تاج الدین بن بنت الاعز نے جب سب لوگوں کو کھڑے دیکھا تو اس کی اخلاقیات نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ بیٹھا رہے، اس نے اُٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ سلطان بیبرس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ قاضی تاج الدین نے اُٹھنے کی کوشش ترک کرتے ہوئے نشست سنبھالے رکھی۔ سلطان بیبرس مختلف معاملات میں آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ہی زمین پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ عدالت کے ملازمین نے اسے کرسی پیش کرنا چاہی مگر سلطان بیبرس نے نرمی سے انہیں منع کر دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان بیبرس کے مقدمے کی باری آئی تو سلطان ملزمان کے حلقے میں جا بیٹھا۔ اس کے خلاف ایک قصبے کے افراد نے مقدمہ دائر کیا تھا کہ سرکاری عہدہ داروں نے ان کی زمین میں کنواں کھود دیا ہے، وہاں اردگرد کا تمام حصہ ناقابلِ استعمال ہو کر رہ گیا ہے، وہاں ہر وقت پانی اور کیچڑ پھیلا رہتا ہے۔ کنواں کھودنے کے لئے ان سے اجازت بھی نہیں حاصل کی گئی۔

قاضی تاج الدین نے سلطان بیبرس سے دریافت کیا کہ وہ اس الزام کے جواب میں کیا کہنا چاہتا ہے؟ سلطان بیبرس نے چند سوالوں میں ان افراد سے متنازعہ جگہ کا حدود اربعہ معلوم کیا۔ ضروری معلومات کے بعد سلطان بیبرس نے قاضی تاج الدین کے سامنے کنوئیں کی ضرورت کا ذکر کیا اور بینہ عادلہ پیش کیا۔ سلطان بیبرس نے اس جگہ پر کنوئیں کے سیاق وسباق واضح کرتے ہوئے اس قدر بلیغ بیان دیا کہ وہ افراد بھی دنگ رہ گئے۔ انہیں یہ خدشہ ہونے لگا کہ جیسے بیبرس انہی کے درمیان موجود رہتا ہو۔ قاضی تاج الدین نے تمام معاملہ

سننے کے بعد شرعی حیثیت سے حاکم وقت کی ضرورت اور اختیار کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ سلطان بیبرس کے حق میں دے دیا اور مدعا علیہ کو باقی زمین پر قناعت کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ حقیقت تھی کہ کنوئیں کے فاضل پانی کا کثیر فائدہ انہی کی زمینوں کو زیادہ ہوتا تھا اور کاشت بھی بڑھ گئی تھی۔ سلطان بیبرس نے ان کی دلجوئی کے لئے انہیں ذاتی ملکیت سے کچھ رقم بھی ادا کی تا کہ وہ اس فیصلے پر مایوس و ناراض نہ ہوں۔ وہ افراد سلطان کی عنایت پا کر بے حد مسرور ہوئے اور کامل اطمینان سے واپس لوٹ گئے۔

سلطان بیبرس اس معاملے سے فارغ ہو کر واپس دربار کی جانب لوٹا۔ راستے میں ہی اسے امیر فخر الدین لقمان مل گیا جو مقدمے کی اطلاع پا کر فکر مند ہو گیا تھا اور سلطان بیبرس کے پیچھے چلا آیا۔ سلطان بیبرس کی صورت دیکھ کر اس نے عجلت میں معاملہ دریافت کیا تو سلطان بیبرس نے مسکرا کر اس کی بات ٹال دی۔ وہ دونوں عام آدمیوں کی طرح بازار میں چلتے ہوئے شاہی محل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے گرد کوئی سپاہی نہیں تھا اور نہ ہی کسی حفاظتی دستے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ بازار میں چلنے پھرنے والے بیشتر لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے درمیان ان کا سلطان موجود ہے۔ یہ سلطان بیبرس کا خاصہ تھا کہ اس نے اپنی نمود و نمائش کا کبھی اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی بلا سبب لوگوں کو پریشان کیا۔ وہ چاہتا تو سابق سلطانوں کا طرزِ زندگی اپنا سکتا تھا مگر اسے شاہی محل میں گھٹ کر پابند زندگی گزارنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ کھلی فضا میں زیادہ مسرت اور سکون محسوس کرتا۔ اس کا زیادہ وقت عموماً قاہرہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گزرتا۔ اس طرح نہ صرف وہ اپنی طبیعت پر چھائی بے چینی کا تدارک کرتا رہتا بلکہ اسے اپنے گرد پھیلے ہوئے بے شمار معاملات کی بھی خبر رہتی۔

''امیر لقمان!'' سلطان بیبرس بولا۔ ''میں گزشتہ چند دنوں سے ایک بات سوچ رہا ہوں مگر ہر بار خود ہی اسے سوچ کر رد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، میرا خیال ہے اس معاملے میں تم میری مدد کر سکتے ہو''۔ امیر فخر الدین لقمان نے تعجب سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھا۔

''سلطانِ محترم! اگر آپ نے بندہ کو اس قابل سمجھ ہی لیا تو یقین جانئے کہ میں پوری دیانتداری سے جواب دینے کی کوشش کروں گا''۔ امیر فخر الدین لقمان نے مؤدب انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کتب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھا ہے کہ جو شخص نبی کریم ؐ کی سنت پر عمل پیرا نہیں ہوگا وہ اللہ کے دین سے خارج تصور ہوگا۔ پچھلے دنوں کچھ فرصت میسر آئی تو میں نے اپنا محاسبہ کیا تو یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میں سنت نبویؐ پر عمل پیرا نہیں ہوں''۔ سلطان بیبرس نے جواباً کہا

''سلطانِ محترم! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آج تک آپ میں کوئی ایسی برائی نہیں دیکھی''۔ امیر فخر الدین لقمان چونک کر ٹھٹک گیا۔

''میں برائی کی بات نہیں کر رہا بلکہ اچھائی کی بات کر رہا ہوں، ایک اہم اچھائی ..... جس سے میں ابھی تک محروم ہوں''۔ سلطان بیبرس نے ہنس کر جواب دیا۔

''سلطانِ محترم! میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ مگر اس میں قباحت والی کیا بات ہے؟'' امیر فخر الدین لقمان کا چہرہ کھل اٹھا۔

''میں ابھی اس بکھیڑے میں پڑنا نہیں چاہتا..... میرے سامنے ابتر و پریشان بلادِ اسلامیہ موجود ہیں' دشمنانِ اسلام چاروں جانب منہ کھولے کھڑے ہیں کہ انہیں کب موقع ملے اور وہ ہلہ بول دیں''۔

''سلطانِ محترم! میرے خیال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر نگاہ ڈالی جائے تو آپ

کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں رہے گا۔ انہوں نے تمام ضروری امور کے ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی بھی گزاری ہے۔ بلادِ اسلامیہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنی صحت اور ذمہ داری کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ کیا یہ زیادہ موزوں نہیں رہے گا کہ آپ اس سلطنت کو ایک ایسا جانشین دیں جو آپ کے بعد آپ کی راہوں پر چل کر ملت اسلامیہ کی حفاظت کر سکے''۔ امیر فخر الدین لقمان نے کہا۔

''تم نے کسی قدر ہماری پریشانی کو کم کیا ہے لہٰذا یہ ذمہ داری بھی تمہارے کندھوں پر ڈالی جاتی ہے کہ تم میری ازدواجی زندگی کے قیام کی کوشش میں مصروف ہو جاؤ، لیکن یاد رہے کہ مجھے ملکہ عالیہ نہیں بلکہ ایک بیوی چاہئے''۔ سلطان بیبرس نے مسکرا کر کہا۔

''سلطانِ محترم کا حکم سر آنکھوں پر..... کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی خاتون موجود ہے جسے رشتہ زوج میں باندھنا پسندیدگی کا مظہر ہو''۔ امیر فخر الدین لقمان نے دریافت کیا۔

''ہاں! میری نظر میں ایک رشتہ موجود ہے مگر مجھے خدشہ ہے کہ کہیں سبکی نہ اٹھانا پڑے''۔

''سلطانِ محترم! ایسا کون بدنصیب ہوگا جو آپ کا زندگی بھر ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کرے''۔ امیر فخر الدین لقمان حیرت سے بولا۔

''فارس الدین اقطائی!'' سلطان بیبرس مختصراً بولا۔ امیر فخر الدین لقمان جواب سنتے ہی ششدر کھڑا رہ گیا۔ چند لمحوں تک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی ہو۔ سلطان بیبرس کا کھلا اشارہ امیر فارس الدین اقطائی کی جواں سال بیٹی کی جانب تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔ اس نے سلطان بیبرس کو بھرپور انداز میں یقین دلایا وہ اس رشتے کے لئے خود جائے گا اور امیر فارس الدین اقطائی کو راضی کرے گا۔

''امیر لقمان! فارس الدین اقطائی کو اس رشتے کے لئے ہاں کہنا ہی ہوگی.....!'' سلطان بیبرس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ امیر فخر الدین لقمان کے قدم سلطان بیبرس کے لہجے پر رُک گئے جبکہ سلطان بیبرس آگے بڑھتا چلا گیا۔ امیر فخر الدین لقمان کے ذہن میں دمشق کا وہ دن گھوم رہا تھا جب ریاست حلب کے کچھ امراء نے فارس الدین اقطائی کے علاء الدین لولو کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں چلتی رہیں۔

''تو کیا یہ حقیقت ہے کہ فارس الدین اقطائی نے حقیقتاً کسی سرکشی کا ارتکاب کیا تھا''۔

ایک چبھتا ہوا سوال اس کے لبوں پر مچل اٹھا۔ جس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کیونکہ سلطان بیبرس نے اس تمام معاملے کی چھان بین خود کی تھی۔

❀ ❀ ❀

فوئنا جو خان، اردوئے زریں خیل کے سلطان برقائی خان کے حکم پر خیام زریں منگول دستوں کے ساتھ سمرقندی نواح سے گزر کر قہستان آیا تھا۔ وادی قفقاز کی لڑائی میں وہ شیخ کبیر الدین کے ساتھ ہی تھا۔ لڑائی کے خاتمے پر شیخ کبیر الدین اور برقائی خان کی مختصر سی ملاقات ہوئی، جس میں دونوں نے اپنے اپنے تحفظات سامنے رکھتے ہوئے کچھ نئے معاملے و معاہدے کئے۔ چونکہ وادی قفقاز کی لڑائی کسی نتیجے پر نہیں پہنچی تھی، اس لئے شیخ کبیر الدین نے برقائی خان کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ وہ مدد کے لئے بھیجے گئے منگول دستوں کو قہستان میں ہی ٹھہرا رہنے دے۔ برقائی خان نے اس کی دلجوئی کے لئے منگول دستوں کو وہیں تعینات کر دیا۔ فوئنا جو خان کو ان دستوں پر مستقلاً سالار مامور کر دیا گیا۔ بھاری بھرکم فوئنا جو خان کو دیکھ کر شیخ کبیر

الدین نے کسی قدر بے زاری ظاہر کی۔ وہ اپنے تئیں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی حفاظت کے لئے ایسے افراد کا تقرر کیا گیا ہے جن کے جثے تو ہیکل ضرور ہیں مگر ان میں عسکری مہارت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ شیخ کبیر الدین نے اس خیال کے پیشِ نظر کسی طرح کا تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا کہ سپاہی کمزور ہی سہی! تو کیا ہوا، حقیقت تو یہی ہے کہ برقائی خان جیسے مضبوط حکمران کی مکمل حمایت وتعاون اُسے حاصل ہے۔ جس کے ساتھ مل کر وہ ہلاکو خان سے اپنے ساتھیوں کا انتقام لے سکتا ہے۔ شیخ کبیر الدین اپنے حشیشی لشکر اور منگول دستوں کے ساتھ واپس قلعہ الموت لوٹ آیا۔ منگول دستوں کو قلعہ الموت کے نچلے حصے میں صدر دروازے کے پہلو میں موجود بیرکوں میں ٹھہرایا گیا۔ سالار فوئنا جوخان کو وہ اپنے ساتھ قلعہ الموت کے بالائی حصے میں لے آیا۔ شیخ کبیر الدین نے فوئنا جوخان کے لئے اپنا خاص مہمان خانہ پیش کیا اور اسے مطیع الدین کے ساتھ ٹھہرنے کی پیش کش کی۔ مطیع الدین کا نام سن کر فوئنا جوخان کا منہ بگڑ سا گیا اور اس نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر اسے مطیع الدین کے ساتھ ٹھہرایا گیا تو اگلی صبح یقیناً اس کی لاش ملے گی۔ شیخ کبیر الدین نے فوئنا جوخان کے بگڑے تیور دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں میں پرانی عداوت پائی جاتی ہے لہٰذا اس نے فوئنا جوخان کے رہنے کے لئے مطیع الدین سے دور ایک دوسری جگہ بندوبست کر دیا۔

فوئنا جوخان قلعہ الموت میں رہتے ہوئے مطیع الدین سے بے پرواہ دکھائی دیا۔ شیخ کبیر الدین نے بھی کوئی ایسا موقعہ نہیں آنے دیا کہ وہ دونوں آمنے سامنے آپاتے۔ فوئنا جوخان کا معمول تھا کہ وہ دن کا نصف سے زائد حصہ نیچے منگول سپاہیوں کے پاس گذارتا اور انہیں عسکری مشقیں کرواتا۔ شیخ کبیر الدین کو ایک دن یہ مشقیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ فوئنا جوخان کی مہارت پر دنگ رہ گیا۔ وہ جسے ناکارہ تصور کئے بیٹھا تھا، وہ چھپا رستم محسوس ہوا۔ شیخ کبیر الدین کو کسی قدر اطمینان نصیب ہوا کہ اس کی حفاظت کے لئے برقائی خان نے ادھورا بندوبست نہیں کیا ہے۔

ایک شام فوئنا جوخان اپنے معمول سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اسے مہمان خانے میں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ کھانے کا وقت تھا اور اسے شدید بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے بلند آواز میں خدمت کے لئے مامور غلام کو پکارا۔ کوئی جواب نہ ملنے پر وہ کمرے سے باہر نکلا۔ دائیں بائیں نظر دوڑائی مگر وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ حیرانگی سے دیکھتا ہوا فصیل کی راہداری میں داخل ہو گیا۔ وہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ غلاموں کی اچانک گمشدگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ یکایک اس کے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ کہیں کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔ وہ دبے قدموں سے شیخ کبیر الدین کی کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ تلوار کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے خود کو پوری طرح تیار کر چکا تھا۔ وہ دھیمے انداز میں چلتا ہوا شیخ کبیر الدین کے کمرے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ وہ ابھی اسی خیال میں تھا کہ کمرے میں جھانکے کہ باریک سی آواز اس کے کانوں میں پڑی جو کمرے میں سے آرہی تھی۔ وہ چونک کر رک گیا اس نے اپنی حسِ سماعت کو کمرے سے نکلنے والی آوازوں پر مرتکز کر لیا۔

''آقا! اس کی زرد رنگت پڑتے ہی میں سمجھ گئی تھی کہ وہ گل وتوژ کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا قلبی تعلق ضرور ہے''۔ بولنے والی عورت تھی۔ فوئنا جوخان گل وتوژ کے نام پر دم بخود سا رہ گیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شنگ خان صحیح کہہ رہا تھا کہ گل وتوژ کا وہ مسلمان عاشق یہی مطیع الدین ہی تھا۔ میں نے تمہیں صرف اسی تصدیق کے لئے اس کے پاس بھیجا تھا۔ اسے تم پر کوئی شک تو نہیں ہوا''۔ یہ آواز شیخ کبیر الدین کی تھی۔ فوئنا جوخان اس غیر متوقع بات چیت پر متفکر سا ہو گیا۔

''نہیں! اتفاق سے کچھ ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ مجھے باتوں باتوں میں گل وتوژ کا سلسلہ چھیڑنے کا موقع مل گیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی میری صلاحیتیں اتنی کمزور نہیں ہیں کہ میں گل وتوژ کا ذکر چھیڑنے میں ناکام ہو جاتی''۔

''اس نے گل وتوژ کے بارے میں تم سے مزید کوئی سوال نہیں کیا؟'' شیخ کبیر کی آواز سنائی دی۔

''بڑے کمال کا شخص ہے، اس نے ایک دو سوال سرسری سے انداز میں کئے مگر ان کی نوعیت کچھ خاص نہیں تھی۔ اس نے اپنی کیفیت پر فوراً قابو پالیا۔ شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس بات پر یقین کر لیتا کہ گل وتوژ کا ذکر اس کے لئے زیادہ معنی نہیں رکھتا''۔

''گل وتوژ کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی اور شنگ خان بھی اس سے مل چکا ہے لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ اسے قلعہ الموت سے رخصت کر دیا جائے۔ بہرکیف اس بارے میں میں کچھ سوچتا ہوں، تم جا سکتی ہو، فی الحال اس کے ساتھ رہو اور دیکھو کہ وہ کس قسم کی کوششیں کرتا ہے''۔ شیخ کبیر الدین کی آواز سنائی دی۔ کمرے میں چوڑیوں کی تیز آواز کھنکی۔ فوئنا جوخان سمجھ گیا کہ وہ باہر نکلنے کے لئے اُٹھی ہے۔ وہ تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اس کی نگاہ دروازے پر بدستور جمی ہوئی تھی۔ جونہی اسے لڑکی کی صورت دکھائی دی تو وہ ٹھٹک سا گیا اور اسی ساعت میں اس کے قدم آگے کی جانب بڑھنے لگے۔ اس نے لڑکی کی صورت پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور اس کے پہلو میں سے گذر کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ شیخ کبیر الدین سے ملاقات کر کے اپنے کھانے کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا اور اس گمشدہ غلام کی بابت بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔ فوئنا جوخان کی صورت دیکھ کر وہ مستفسرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھنے لگا۔ فوئنا جوخان اندر داخل ہوتے ہی قریباً برستے ہوئے اپنی شکایت پیش کرنے لگا۔ شیخ کبیر الدین کو جب معاملے کا علم ہوا تو وہ اس کے سراپے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے زیرِ لب مسکرانے لگا۔

❁ ❁ ❁

ہلاکو خان وادی قفقاز سے پسپا ہو کر مراغہ واپس لوٹ آیا۔ وادی قفقاز میں پیش آنے والے ناگوار واقعے نے اس کے اعصاب پر بری طرح اثر ڈالا۔ وہ برقائی خان کے بارے میں سوچ کر فرطِ طیش میں تلملانے لگتا۔ اسے اس بات کا گہرا قلق تھا کہ برقائی خان جب مسلمان ہوا تھا اسے اسی وقت خفیہ ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے اسے ہلاک کروا دینا چاہئے تھا۔ اگر وہ ایسی کوشش کرتا تو یقیناً اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس پر یہ بات بھی آشکار ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کو ایک چالاک اور ذہین حکمران مل چکا ہے جو اپنی مخصوص تدبیروں سے اس کی تمام راہیں مسدود کر سکتا ہے۔ برقائی خان کو اس کے مقابلے پر لا کھڑا کر دینے میں سلطان بیبرس کا بہت عمل دخل تھا۔ وہ اب برقائی خان کے بجائے سلطان بیبرس کے متعلق گہرے انہماک سے سوچنے لگا۔ برقائی خان کے پیچھے اصل متحرک قوت تو اسی کی تھی جو اسے بھرپور انداز میں استعمال کر رہی تھی۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس کے پاس ہیت کے میدان کی خبر پہنچی اسلامی لشکر کی شکست اور خلیفہ اسلام کا خاتمہ بڑی تفصیل سے اسے پیش کیا گیا۔ یہ نہایت مسرت آمیز خبر تھی جس نے ہلاکو خان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے رنج کا کسی قدر ازالہ کر دیا۔ ہلاکو خان نے اس خوشی میں جشنِ عظیم کا اعلان کیا اور کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ اس کے رشتہ دار مخالفین جو چاہیں جتن کر لیں۔ ایل خانی سلطنت کی بنیادیں اس قدر مستحکم ہیں کہ انہیں ہلانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان کے ہم مذہب بھائیوں کی بربادی کا بیڑہ ایل خانی منگولوں کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے۔ ہلاکو خان بے شک ان کے مقابلے میں نہ موجود ہو، تب بھی فتح و کامرانی اس کا مقدر بنتی ہے۔ یہ اعلان

درحقیقت برقائی خان کے حملے پر گہرا طنز تھا۔

جشن عظیم سے فارغ ہو کر کچھ دنوں بعد ہلاکو خان نے تمام عمائدین اور امرا اپنے پاس طلب کئے اور ان سے حالات کے بارے میں مشاورت طلب کی۔ تمام لوگوں نے اپنی اپنی عقل کے مطابق کئی مفید مشورے ہلاکو خان کے سامنے پیش کئے مگر ان میں کوئی ایسا مشورہ نہ تھا جو قابلِ قبول ہوتا۔ کچھ مشورے محض وقتی نوعیت کے تھے، جو کچھ عرصے کے بعد غیر مؤثر ہو کر جاتے اور کچھ مشورے اتنے مشکل اور دیر طلب تھے کہ خاصا وقت برباد ہونے کا احتمال دکھائی دیتا۔

ہلاکو خان کافی دیر تک نہایت صبر و تحمل سے اپنے عمائدین کی بحث و تکرار سنتا رہا۔ جب ان میں کوئی بھی کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ پایا تو ہلاکو خان کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے ان سب کو صرف ایک گھنٹے کی مہلت دی کہ وہ سب آپس میں سر جوڑ کر کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں اور کوئی ایسا لائحہ عمل اس کے سامنے پیش کریں جس سے سلطان بیبرس کی قوت کا خاتمہ ممکن ہو سکے اور برقائی خان کو فراہم ہونے والی قوت بھی منقطع ہو جائے۔ ہلاکو خان نے صاف الفاظ میں واضح کر دیا کہ اگر وہ سب لوگ کسی بھی ایسے لائحہ عمل کو تجویز کرنے میں ناکام رہے تو ان سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جائے گا اور ان کے مراتب کا بھی کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔ اسے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ وہ اپنے گرد کند اذہان کی مجلس سجائے رکھے۔ عمائدین و امرا ہلاکو خان کا فیصلہ سن کر لرز گئے۔ انہوں نے دی گئی مہلت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کسی معقول تجویز پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ ہلاکو خان وہاں سے اُٹھ کر محل میں چلا گیا۔ امرا و عمائدین سب سر جوڑ کر صلاح و مشورے میں مصروف ہو گئے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ہلاکو خان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اس بار ان میں کوئی چپقلش یا اختلاف رونما نہیں ہوا۔ وہ سب حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کسی ایسی منزل پر پہنچنے میں مصروف تھے، جو ہلاکو خان کے لئے پسندیدگی کا باعث بن پاتی۔

ایک گھنٹے کا وقت پورا ہوتے ہی ہلاکو خان دربار میں لوٹ آیا۔ سب لوگوں نے اُٹھ کر اسے تعظیم دی۔ ہلاکو خان نے نرمی سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

"قاآن اعظم!" ایک منگول امیر بولا۔ "ہمیں جن مشکلات کا سامنا ہے، ان میں تین نہایت اہم ہیں، پہلی مشکل ہمارے لئے سلطان بیبرس کی ذات ہے، دوسری مشکل برقائی خان اور تیسری مشکل باطنی گروہ۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے مسلمان جنگجو گروہ بھی سرکشی کرتے ہوئے ریاستی نظام میں خلل پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم سب لوگوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے کسی ایک حریف کے ساتھ پوری قوت سے نمٹنا چاہئے، پھر دوسرے کی جانب توجہ کرنا چاہئے۔ سلطان بیبرس چونکہ یہاں سے کافی دور ہے، اس لئے اس کی فوری فکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ دو حریف باہمی اتحاد سے ہمارے گرد موجود ہیں، باطنی گروہ اور خیام زریں منگول۔ ہمارے خیال میں ہمیں سب سے پہلے اس اتحاد کو توڑنا چاہئے۔ ہمارے سامنے جو نتیجہ موجود ہے، اس کے مطابق جو مہم باطنی گروہ کے خاتمے کے لئے بھیجی گئی ہے، اسے راستے میں ہی برقائی خان کے دستوں نے جالیا اور انہیں ناکام واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ برقائی خان نے تمام سرحد بڑے لشکر کے ساتھ محفوظ بنا رکھی ہے۔ اگر پہلے برقائی خان کی جانب توجہ دی جائے تو اس میں بہت زیادہ وقت ضائع ہوگا۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ فوری طور پر باطنی گروہ کا استیصال کیا جائے۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ قوت ہماری راہ سے ہٹ جائے گی اور دوسرا ہمیں بلادِ فارس کی جانب بڑھنے کے لئے ایک محفوظ راستہ میسر آ جائے گا"۔

"باطنی گروہ کو تو ان کی سرکشی کی سزا ضرور دی جائے گی مگر یہ امر کیسے ممکن بنایا جائے کہ ہمارے لشکر برقائی خان کی عساکر کی نگاہوں میں آئے بغیر کامیابی کے ساتھ قہستان پہنچ سکیں"۔ ہلاکو خان بولا۔

"قاآن اعظم! اس کے لئے تین طرفہ محاذ کھولا جائے۔ ایک محاذ اس مقام پر جہاں پر برقائی خان کے قہستان سے رابطے ہیں۔ یہ سرحدی علاقہ زیادہ طویل نہیں ہے، اس مقام پر یہ کوشش کی جائے کہ لڑائی شدید بھی نہ ہو اور رابطے کی رکاوٹ کا انتظام بھی مکمل ہو جائے۔ دوسرے محاذ کے لئے بالکل وسطی علاقہ یعنی وادی قفقاز کا علاقہ منتخب کیا جائے۔ یہ وہ اہم راستہ ہے جس کے ذریعے باطنی گروہ ہماری ریاست میں مختلف بہروپ اختیار کر کے گھس آتے ہیں اور ہماری افواج کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ تیسرا حملہ بالکل بالائی علاقوں کی جانب سے کیا جائے۔ یہ دشوار گزار راستے ہیں، ہمارے لشکروں کو قہستان پہنچنے میں کسی قدر وقت کا سامنا تو ضرور ہوگا مگر فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے لشکر باطنی گروہ کے بالکل عقب میں پہنچ جائیں گے۔ باطنی گروہ چونکہ پہلے سے دو مقامات پر بٹ کر لڑائی میں مصروف ہوگا اس لئے اسے اپنے عقب سے حملے کا دفاع کرنا مشکل ہو جائے گا"۔

"تمہاری تجویز قابلِ عمل ہے۔ دو طرفہ محاذ میں انہیں اُلجھا کر فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ باطنی گروہ کے خاتمے کے بعد برقائی خان یقیناً تنہا رہ جائے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطنت ہند کے فرمانروا ناصر الدین محمود نے بھی برقائی خان کی مدد سے انکار کر دیا ہے۔ برقائی خان کے پاس صرف ایک ہی حلیف رہ جاتا ہے...... سلطان بیبرس!"

"قاآن اعظم! سلطان بیبرس فوری طور پر تو یہاں پہنچ نہیں سکتا۔ اسے پہلے بلادِ عراق اور پھر بلادِ فارس کو عبور کرنا ہوگا۔ اگر آپ باطنی گروہ کی جانب تھوڑی سی توجہ دیں تو ہمارے لئے بلادِ فارس کی جانب بڑھنا مشکل نہیں ہوگا۔ بے شمار لشکر مدد کے لئے روانہ کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مدت کے درمیان برقائی خان کے خاندان میں کسی ایسے شخص کو بھی تلاش کیا جا سکتا ہے جسے برقائی خان سے عداوت ہو اور وہ اردوئے زریں کا حکمران بننے کا خواب دیکھ رہا ہو یا کسی خفیہ غلام کی مدد سے برقائی خان پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا جا سکتا ہے"۔

"تمہاری پہلی بات معقول ہے، ہم ایل خانی سلطنت کے وفادار خیام زریں منگولوں میں چند افراد کو اس کام کے لئے متعین کر دیں گے جو سرائے پہنچ کر شاہی خاندان کے افراد کو ٹٹول کر ہماری منشاء کے کسی شخص کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ کسی مضبوط اور طاقتور سلطنت کی قوت کو منہدم کرنے کے لئے ظاہری حملے کی نسبت اندرونی خفیہ بغاوت زیادہ موزوں رہتی ہے"۔ ہلاکو خان نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

ہلاکو خان کا موافق اور خوشگوار رویہ دیکھ کر ان سب عمائدین و امراء کی رُکی ہوئی سانسیں اعتدال پر آ گئیں۔ تھوڑی دیر ہلاکو خان کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔

"تم لوگوں نے باطنی گروہ اور برقائی خان کے بارے میں ہی صرف سوچا تھا...... اس تمام مدت میں سلطان بیبرس کی قوت تو اپنی جگہ مستحکم و برقرار رہے گی"۔

"قاآن اعظم!" منگول امیر کسی قدر ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "اس بارے میں ہم سوچ چکے ہیں، اگر جان کی امان حاصل ہو تو عرض کریں"۔ ہلاکو خان نے اس کی جانب تیز نگاہ ڈالی۔

"کہو! تمہیں امان ہے"۔

"آپ کو بھی سلطان بیبرس جیسا انداز و طریق کار اپنانا ہوگا"۔ وہ دبے الفاظ میں بولا۔

ہلاکو خان سمجھ نہیں پایا اس نے نرمی سے بات کی وضاحت طلب کی۔

''قاآن اعظم!'' وہ امیر آہستگی سے بولا۔ ''سلطان بیبرس کی تدبیروں میں ایک یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ اپنی قوت بڑھانے کے لئے دوسری ریاستوں سے دوستانہ تعلقات استوار کر رہا ہے اور ان تعلقات کو کسی نہ کسی زنجیر میں پرو دیتا ہے۔ جیسے برقائی خان کی جانب بھیجی گئی سفارت کا معاملہ تھا۔ قیصرِ روم نے اس سفارت کو قسطنطنیہ میں گرفتار کر لیا مگر سلطان بیبرس نے اپنی ریاست میں موجود بطریقوں اور نصرانی علماء کا سہارا لیا اور ان کی جانب سے دھمکیاں دلوائیں۔ اگر آپ بھی کچھ ایسا ہی کریں تو......؟'' وہ بولتے بولتے رُک گیا۔

''تم بلا دھڑک بات کرو۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ تمہاری بات میں وزن ہے''۔ ہلاکو خان بولا۔

''قاآن اعظم! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ قیصرِ روم کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید مضبوط و مستحکم بنا لیں تو آپ کو ایک ایسا حلیف میسر آ جائے گا جو بوقت ضرورت کوئی انکار نہیں کر پائے گا۔ اس کے علاوہ اس کے بل بوتے پر آپ کو فرانس، انگلستان، یونان، وینس اور جینوا کی ریاستوں کی معاونت بھی حاصل ہو جائے گی۔ میرے خیال میں تعلقات اسی صورت میں مستحکم ہو سکتے ہیں کہ آپ ...... قیصرِ روم کی صاحبزادی کا رشتہ...... اپنے لئے ......!'' اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''ہم سمجھ گئے تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہمیں تمہاری یہ تجویز سب سے زیادہ پسند آئی ہے۔ یہ سلطان بیبرس اور برقائی خان دونوں کی قوت کے خاتمے کے لئے زیادہ مؤثر ہے''۔ ہلاکو خان کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔ وہ منگول امیر اپنی بات کی پسندیدگی پر خوشی سے جھوم گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہلاکو خان کو خوش کرنے پر اس کی زندگی میں راحتیں اور خوشیاں عود کر آئیں گی۔ اس کی توقع غلط بھی ثابت نہیں ہوئی۔ ہلاکو خان نے تمام لوگوں کو خوب نوازا۔ دربار برخاست کر دیا گیا۔

ہلاکو خان کو جلد ہی قیصرِ روم کی بیٹیوں کے کوائف معلوم ہو گئے۔ اس نے ان میں جس لڑکی کا اپنے لئے انتخاب کیا، وہ میریا (مریم) تھی۔ ہلاکو خان کے فیصلے میں کچھ خاندانی بزرگوں نے اس سے اختلاف کیا اور اسے اس شادی سے منع کیا۔ ہلاکو خان نے جب اپنی ضرورت ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ یہ رشتہ اپنے جوان بیٹے اباقہ خان کے لئے مانگ سکتا ہے۔ ہلاکو خان سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑھاپے کی شادی سے اسے کیا حاصل ہو گا زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ سلطنت کے ولی عہد اباقہ خان کے لئے یہ کوشش کرے۔ اس کے خیال میں یہ بھی ممکن تھا کہ قیصرِ روم اس کے بڑھاپے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ رشتہ مسترد کر دے۔ اباقہ خان کے لئے عمر کا کوئی تنازعہ نہیں اُٹھے گا۔ اس نے ایک شاندار سفارت تیار کی اور ایک زوردار مراسلہ شاہ قسطنطنیہ کے نام لکھا جس میں دین نصرانیت کے لئے اپنی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بیٹی میریا کا رشتہ اپنے ہونہار بیٹے اور سلطنت کے ولی عہد اباقہ خان کے لئے مانگا۔ اس سفارت کے ساتھ ہی ہلاکو خان نے دو سفارتیں اور تیار کرائیں۔ ایک سفارت شاہ انگلستان کے لئے تھی جس میں دین نصرانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سلطان بیبرس کے خلاف نصرانی اتحاد و تعاون کی درخواست کی گئی اور دوستانہ و تجارتی تعلقات کو مضبوط و مستحکم بنانے کا عندیہ ظاہر کیا گیا۔ دوسری سفارت روم کے پوپ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ پوپ رومی کیتھولک کلیسا کا منتظم اعلیٰ تھا۔ اس کے ایک اشارے پر رومی کلیسا کے لاکھوں افراد میدان جنگ میں اتر سکتے تھے۔ ہلاکو خان اپنی خدمات اور دبدبے پر پُر امید تھا کہ اسے یقیناً مثبت جواب ملے گا۔

❀ ❀ ❀

امیر فخر الدین لقمان سلطان بیبرس کی خواہش کے مطابق امیر فارس الدین اقطائی کے گھر چلا آیا۔ اس نے کافی غور و فکر کرنے کے بعد فارس الدین اقطائی سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ امیر فارس الدین سلطان

بیبرس کی تخت نشینی کے بعد غیر محسوس انداز میں حکومتی امور سے لاتعلق سا ہو گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ مملوک افواج پر امیر قلاوؤن الفی کی بطور سالارِ اعظم تقرری بھی تھی۔ گذشتہ ادوار میں اسے مملوک فوج میں خاصی اہمیت حاصل تھی اور سلطان الملک المعز، سلطان الملک المنصور اور سلطان الملک المظفر کے دور میں وہ براہ راست افواج کا سالارِ اعظم تھا۔ اس کے علاوہ سلطان بیبرس کے ساتھ بھی اس کے دوستانہ تعلقات تھے یہ تعلقات چند دنوں پر محیط نہیں تھے بلکہ سلطان نجم الدین ایوب کے عہد سے دوستی کے مضبوط حصار میں بندھے ہوئے تھے۔ سلطان بیبرس نے اپنی تخت نشینی کے موقعے پر اس کی کڑی مخالفت پا کر اس کے خلاف کوئی شدید کارروائی تو نہیں کی مگر اسے سالارِ اعظم کے عہدے سے معزول کر کے اسے گہرے صدمے سے ضرور دوچار کیا تھا۔ وہ کئی دنوں تک اپنے گھر سے ہی باہر نہ نکلا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ پُر سکون ہوتا چلا گیا۔ سلطان بیبرس میں اسے ابھی تک کوئی ایسی خامی یا برائی نہیں دکھائی دی جس پر وہ اس کے خلاف آواز بلند کرتا۔

فارس الدین اقطائی اپنا زیادہ تر وقت اپنے گھر میں گذارتا یا پھر خاص احباب کے پاس چلا جاتا۔ وقت کے کئی ادوار دیکھنے کے بعد اسے اپنی زندگی میں پھیکا پن سا محسوس ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تین خوب صورت بیٹیوں سے نوازا تھا۔ شکل و صورت میں وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھیں مگر ان کے پاس عمدہ سیرت کا زیور موجود تھا۔ چند ماہ پیشتر وہ اپنی بڑی بیٹی کو بیاہ چکا تھا اور باقی دونوں کی فکر میں تھا۔ فارس الدین اقطائی نے جب امیر فخر الدین لقمان کی صورت اپنے دروازے پر دیکھی تو اس کے چہرے پر تفکر کی سلوٹیں گہری ہو گئیں۔ وہ اس کے ساتھ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا اور مہمان خانے میں لے آیا۔ فارس الدین اقطائی مملوک امراء میں خاصا معروف شخص تھا مگر اس کی ذاتی زندگی ہر قسم کے تصنع سے پاک تھی۔ اس کے گھر میں زیادہ سجاوٹ اور سامان موجود نہیں تھا البتہ صفائی ستھرائی اور دیگر امور کے لئے کنیزوں اور غلاموں کی کافی تعداد اس کی ملکیت میں تھی۔ امیر فارس الدین اقطائی نے امیر فخر الدین لقمان سے آنے کی وجہ دریافت کی۔ وہ اپنے تئیں یہ اخذ کر چکا تھا کہ اس کی آمد کے پیچھے کوئی اہم بات مخفی ہے۔ وہ ایسا اندازہ لگانے میں ناکام بھی کیسے ہو سکتا تھا کیونکہ سارا زمانہ جانتا تھا کہ امیر فخر الدین لقمان سلطان بیبرس کا معتمد خاص ہے۔ امیر فخر الدین نے بات کا آغاز کرنے میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ نہایت اطمینان سے قہوہ پینے کی فرمائش کی۔ فارس الدین اقطائی نے مسکرا کر اسے بتایا کہ قہوہ اور کھانے کا کہہ دیا گیا ہے۔

''امیر اقطائی!'' امیر فخر الدین لقمان دھیمے انداز میں بولا۔ ''سلطان بیبرس کو اقتدار سنبھالے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا، تم کچھ عرصہ پہلے تک تو شاہی دربار میں بڑے جوش و خروش سے دکھائی دیا کرتے تھے اور اپنے سلطانوں کے سامنے ہمیشہ سلطان محترم کے حق میں آواز بلند کیا کرتے تھے۔ اب ایسی کون سی مجبوری پیش آ گئی کہ تم نے نہ صرف دربار میں آنا ترک کر دیا بلکہ حلقہ امراء سے بھی منہ موڑ لیا؟ کیا تم مجھے اپنا دوست سمجھتے ہوئے بتانا پسند کرو گے''۔

''امیر لقمان!'' فارس الدین بولا۔ ''کیا تمہیں سلطان نے یہ معلوم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجا ہے یا تم اپنے طور پر یہ سب پوچھ رہے ہو''۔

''مجھے سلطانِ محترم نے تم سے ملاقات کرنے کے لئے ضرور کہا ہے مگر یہ سوال میرا اپنا ہے''۔

''اگر تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو میرا دل حلقہ اقتدار سے اسی دن ٹوٹ گیا تھا جس دن ملکہ شجرۃ الدر کی کٹی پھٹی لاش میں نے جبل کی خندق سے نکالی تھی۔ میں نے ایک پُر وقار عورت کا تکلیف دہ انجام دیکھ کر عبرت پکڑی تھی۔ شاید میں اسی دن سے اس نظام کو خیر باد کہہ چکا ہوتا...... مگر مملوک افواج کی محبت نے میرے قدم

ہمیشہ باندھے رکھے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں، ان سپاہیوں میں بے شمار ایسے ہیں جنہیں میں نے اپنے بچوں کی مانند پال کر جوان کیا ہے۔ انہیں میدانِ جنگ کے رموز سکھائے۔ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ تمہارا سلطان بھی انہی میں شامل ہوا کرتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ اسے مجھ سے ملے بناء ایک پل بھی سکون نہیں ہو پاتا تھا اور اب......'' فارس الدین اقطائی گہری آہ بھر کر رہ گیا۔ ''خیر! میں نے ملکہ شجرۃ الدر کی موت کے بعد کئی بار کوشش کی کہ اقتدار کے حصار سے نکل کر سادہ طرز کی زندگی گزاروں مگر سلطانوں نے مجھے جانے نہیں دیا۔ میں ان کی ضرورت بن چکا تھا۔ مملوک سپاہی میری بات کو فوقیت دیتے تھے اور امراء میں بھی اچھی ساکھ رہی۔ میں دونوں طبقوں کو سنبھال سکتا تھا۔ سلطانوں کی نصف مشکلات کا حل تو میری ذات تھی۔ تمہارے سلطان نے برسرِ اقتدار آتے ہی مجھے اس ذمہ داری سے پرے کر دیا اور یہ سب خود اپنے ذمے لے لیا۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ اس میں کامیاب رہا اور مجھے اپنی خواہش پر عمل کرنے کا موقعہ میسر آ گیا۔ قاہرہ میں آمد پر مجھے اس بات پر غصہ نہیں تھا کہ سلطان الملک المظفر کو قتل کر دیا گیا ہے بلکہ مجھے اس بات کا قلق تھا کہ بیبرس نے ایسا کیوں کیا۔ مجھے اس سے ایسی توقع نہیں تھی۔ میری نگاہ میں اس کا جو مقام ہے، میں اسے وہاں سے گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میری محبت کا جوش تھا جو میرے جذبات کی رو میں بہہ کر سب کے سامنے عیاں ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اسے جو بھی سمجھا، مجھے اس سے غرض نہیں۔ جب بیبرس کے دامن پر لگا ہوا داغ مجھے ڈھلتا ہوا دکھائی دیا تو میں نے اپنے رویے پر معذرت کی تھی۔ کچھ لوگ یہ کہتے رہے کہ مجھے معزول کرنے کی ایک وجہ یہ بات بھی رہی۔ مملوک سپاہیوں نے غم و غصے کا اظہار کیا مگر میں نے انہیں پیار و محبت سے سمجھا ڈالا کہ میری ہڈیاں بڑھاپے کا شکار ہو رہی ہیں اور بلادِ مصر کو مضبوط ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ سلطان بیبرس ہی اصل حقدار ہے، وہ مجھ سے زیادہ مضبوط محافظ ہے''۔

امیر فارس الدین اقطائی نے جب اپنی بات ختم کی تو امیر فخر الدین لقمان کو یہ احساس ہوا کہ واقعی طویل عرصے سے اس کے اندر کا رُکا ہوا طوفان اس کے لبوں سے نکلنے کے لئے بے تاب تھا جو آج نہ جانے کیوں بپھر سا گیا تھا۔ اس کی بات سے یہ تاثر بھی جھلکتا تھا کہ اسے اپنی معزولی کا بھی گہرا رنج تھا۔

''امیر اقطائی! تمہارے خیال میں سلطان بیبرس کیسا شخص ہے؟'' امیر فخر الدین نے پوچھا۔

''یہ کیسی بے تکی سی بات کی تم نے...... ارے میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کی ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی، اس کی تمام تربیت میرے سامنے ہوئی۔ میں اس کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا ہے؟'' فارس الدین اقطائی تیزی سے بولا۔

امیر فخر الدین لقمان نے عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور استفسار کیا۔

''جا کر اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ مجھے اس کے ساتھ کوئی عداوت نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے خلاف کسی تحریک کا حصہ ہوں، وہ حلب میں جو کچھ کرتا ہے، وہ مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے''۔

امیر فخر الدین لقمان چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ فارس الدین اقطائی کا یہ جملہ اسے مجرموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کر سکتا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ریاست حلب میں پکنے والی کھچڑی میں یقیناً فارس الدین کا بھی ہاتھ شامل رہا ہوگا۔ اسے ریاست حلب تک رسائی حاصل تھی اور بقول اپنے وہ اس گورکھ دھندے کو خیر باد کہہ چکا تھا۔ امیر فخر الدین لقمان اس کی بات پر اُلجھ سا گیا۔ اسی دوران قہوہ آ گیا۔ فارس الدین اقطائی نے اس کی توجہ قہوے کی جانب دلائی تو اسے ادراک ہوا کہ وہ فارس الدین اقطائی کے پاس موجود ہے۔ قہوے کی چسکی لیتے ہوئے وہ دوبارہ مخاطب ہوا۔

''امیر اقطائی! جو تم اندازہ قائم کئے بیٹھے ہو، ویسا کچھ نہیں ہے، میں یہ تو نہیں جانتا کہ حلب میں سلطان کیا کچھ کرتے رہے ہیں یا وہاں کے حالات کا کوئی تعلق تمہارے ساتھ ہے۔ میں ایک دوسرے کام سے تمہارے پاس آیا تھا، اسی کی نسبت میں نے تم سے یہ رائے طلب کی تھی کہ تم سلطان محترم کو کیسا خیال کرتے ہو؟...... کیا وہ اچھا انسان ہے، اس میں خوبیاں پائی جاتی ہیں، اس کی حاکمیت میں جور و ستم تو نہیں ہے؟'' فارس الدین اقطائی اس کی بات کو سمجھ نہ پایا اور متعجب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''تمہارا اس کی اچھائیوں اور خوبیوں کا میرے منہ سے سننا کیا معنی رکھتا ہے، وہ جیسا ہے سارے زمانے کو معلوم ہے۔ وہ یقیناً ایک بہادر اور جرأت مند شخص ہے جسے میں خود بھی پسند کرتا ہوں''۔

''امیر اقطائی! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم حقیقتاً سلطان محترم کو اپنی فرزندی میں لے لو''۔

فارس الدین اقطائی اس کی بات پر دم بخود بیٹھا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے گہرا استعجاب جھلکنے لگا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے کانوں نے چند لمحے پہلے جو کچھ سنا تھا، وہ واقعی امیر فخر الدین لقمان کے منہ سے نکلا تھا۔

''یہ خیال بیبرس کے دل میں کیونکر آیا؟'' فارس الدین آہستگی سے بولا۔

''امیر اقطائی! تم سمجھ دار ہو...... مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ امیر لقمان نے کہا

''شاید مجھے کسی اور موقعے پر اس بات کی زیادہ خوشی ہوتی مگر اس حالت میں افسوس ہوا ہے''۔

''میں تمہاری بات سے کیا مراد لوں؟'' امیر فخر الدین گہرے لہجے میں بولا۔

''تم اپنے سلطان سے جا کر کہہ دو! میں نے اسے ہمیشہ اپنے بیٹوں کی طرح ہی سمجھا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا ہے، اس رشتہ داری سے وہ اپنے شک کو مٹا لینے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں''۔ امیر فارس الدین اقطائی نے دبے ہوئے الفاظ میں اپنے غصے کا اظہار کیا۔

امیر فخر الدین لقمان نے اس کی نامناسب رضامندی پر شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ جیسا وہ سوچ رہا ہے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ سلطان بیبرس ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایسی مذموم حرکت کرے گا بلکہ وہ حقیقتاً فارس الدین اقطائی کو وہ شرف دینا چاہتا ہے جس کا وہ حق دار ہے۔ امیر فارس الدین اقطائی نے زیادہ تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ امیر فخر الدین وہاں سے نکل کر قصر سلطانی پہنچا اور اپنی کارگزاری سلطان بیبرس کے سامنے پیش کر دی۔ سلطان بیبرس نے امیر فارس الدین اقطائی کی رضامندی پر خوشی کا اظہار کیا اور سادہ انداز میں رسم نکاح کا اعلان کر دیا۔ ماہ شعبان میں نہایت سادگی کے ساتھ سلطان بیبرس فارس الدین اقطائی کی بیٹی زہرہ خاتون کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں بندھ گیا۔ سلطان بیبرس نے اپنی شادی پر زیادہ دھوم دھام کا اہتمام نہیں کیا۔ یہ وقت خوشی منانے کا نہیں تھا بلکہ سلطنت اسلامیہ میں ماتم کی سی فضا قائم تھی۔ ہیت کے میدان میں ساٹھ ہزار مجاہدین موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ ان کے گھرانوں میں ابھی تک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ خلیفہ اسلام بھی لاپتہ تھا۔ ایسے دردناک حالات میں سلطان بیبرس اپنی شادی کی خوشی کیسے منا سکتا تھا؟ اس نے سادگی سے رسم نکاح ادا کی اور قاہرہ میں غرباء و مساکین کو کافی مقدار میں اناج تقسیم کیا۔

❀❀❀

فوتا جو خان کئی دن سے متفکر گھوم پھر رہا تھا، وہ کسی بھی طرح مطیع الدین سے ایک ملاقات کرنا چاہتا تھا، وہ چاہتا تو سیدھا مطیع الدین کے پاس چلا جاتا مگر وہ برقائی خان کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کرنا چاہتا

تھا۔ برقائی خان نے اسے روانہ کرتے وقت سختی سے حکم دیا تھا کہ وہ تمام مدت مطیع الدین سے دور رہے گا، اگر اتفاق سے کہیں آمنا سامنا بھی ہو جائے تو وہ دونوں اجنبیوں کی طرح گزر جائیں۔ ممکن تھا کہ فونتاجو خان اس حکم پر سختی سے کاربند رہتا مگر حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ اس کا مطیع الدین سے بات کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تو براہ راست مطیع الدین کے پاس پہنچ جاتا مگر وہ شیخ کبیر الدین کو بھی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کے منہ سے گل وتوژ کا نام سن کر جہاں اسے شدید حیرت کا دھچکا لگا تھا وہیں یہ خوف بھی پیدا ہو گیا کہ وہ کہیں مطیع الدین کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ وہ اپنے روزانہ معمول میں مصروف رہا اور کوئی ایسا موقعہ ڈھونڈتا رہا کہ مطیع الدین سے اتفاقاً ملاقات ہو جائے۔ پہلے تو وہ سپاہیوں کی مشقوں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا مگر اب اس نے کچھ وقت فصیل اور کھلی چھت پر گذارنا شروع کر دیا۔ یہ ایک طریقہ تھا جس سے اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو جاتی۔

ایک شام وہ فصیل پر کھڑا کسی خیال میں منہمک تھا کہ اسے اپنے شانے پر دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو مطیع الدین کی صورت دکھائی دی۔ فونتاجو خان اس کی صورت اتنی مدت کے بعد دیکھ کر کھل اُٹھا۔ مطیع الدین کی حالت بھی عجیب ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی وحیرت کے ملے جلے اثرات کی غمازی کر رہا تھا۔

''ارے موٹے! تم اور یہاں......؟'' مطیع الدین کی چہکتی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔

''میں خیام زرّیں دستوں کا سالار ہوں!'' فونتاجو خان سنبھل کر خشک لہجے میں بولا۔

''اوہ!'' مطیع الدین کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ''تم تو یہ جانتے تھے کہ میں بھی یہیں ہوں تو پھر تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ تو آج اتفاقاً میری نظر تم پر پڑ گئی''۔

''مجھے تم سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی لہٰذا مجبوری تھی''۔ فونتاجو خان مختصراً بولا۔

''تمہارا اشارہ برقائی خان کی جانب ہے......'' مطیع الدین چونک کر بولا۔ فونتاجو خان نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ پھر فونتاجو خان دھیمے لہجے میں بولا۔

''تم جانتے ہو کہ یہاں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟''

''کیا مطلب......؟'' مطیع الدین اس کی جانب متحیر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''گل وتوژ یہیں کہیں موجود ہے اور شیخ کبیر الدین کو معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا اس کے ساتھ تعلق ہے''۔ فونتاجو خان نے جلدی سے کہا۔ مطیع الدین غیر متوقع بات سن کر پریشان دکھائی دیا۔ فونتاجو خان اسے شیخ کبیر الدین کی گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

''میرا تو اسی وقت ماتھا ٹھنکا تھا جب وہ کنیز میرے کمرے میں آئی تھی، میں سمجھ گیا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر گل وتوژ کی بات چھیڑی ہے مگر اس سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتی تھی، یہ میں سمجھ نہیں پایا''۔ مطیع الدین سنجیدگی سے بولا۔

''میری رائے ہے کہ تم یہاں سے واپس لوٹ جاؤ۔ اس سے پہلے کہ شیخ کبیر الدین کوئی غلط حرکت کرے''۔ فونتاجو خان نے مشورہ دیا۔

''اس بارے میں بعد میں دیکھا جائے گا۔ ابھی مجھے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ گل وتوژ جہاں کہیں بھی ہو گی میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں شنگ خان کو دیکھ کر سمجھ گیا تھا یہاں کچھ گڑبڑ ضرور ہے''۔ مطیع الدین نے بے پروائی سے کہا۔ شنگ خان کا نام سن کر فونتاجو خان کے چہرے کی رگیں کھنچنے لگیں۔ مطیع الدین نے اسے نرمی

سے سمجھایا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے شیخ کبیر الدین کو کوئی شک پڑ جائے۔ دوسرا یہ کہ وہ فاصلے ختم کر کے بلا تکلف اس کے پاس آیا جایا کرے تاکہ وقت پڑنے پر انہیں کوئی صفائی نہ دینا پڑے۔ وہ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ شیخ کبیر الدین بھی ادھر آ نکلا۔ اس نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ اپنے تئیں یہ اندازہ قائم کئے ہوئے تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنا بھی نہیں پسند کرتے مگر یہاں تو حالات برعکس دکھائی دے رہے تھے۔ مطیع الدین نے شیخ کبیر الدین کو بتایا کہ وہ اور فونتاجو خان ایک دوسرے کے بے حد قریبی دوست ہیں اور سرائے میں ایک چھوٹی سی بات پر ان دونوں میں ان بن ہو گئی تھی۔ آج اس کی صورت اچانک دکھائی دی تو وہ نہ رہ پایا اور آگے بڑھ کر اس نے ناراضگی کی فضا مٹا ڈالی۔ شیخ کبیر الدین کو ان کی دوستی دشمنی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ اس نے ان کی ناراضگی دور ہونے پر کسی قدر خوشی کا اظہار ضرور کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس کو جب یہ خبر پہنچی کہ ہلاکو خان نے تین سفارتیں روانہ کی ہیں تو اس نے اپنے مخبر رابطوں کو اس ضمن میں متحرک کر دیا۔ جلد ہی نامہ بر کبوتروں کی مدد سے اسے معلوم ہو گیا کہ ہلاکو خان نے قیصرِ روم کی لڑکی میریا کا رشتہ اباقہ خان کے لئے مانگ لیا ہے۔ یہ اس کی گہری تدبیر تھی جسے سلطان بیبرس سمجھ گیا۔ اسے قسطنطنیہ سے بھی ایسی خبریں ملیں کہ قیصرِ روم ہلاکو خان کی فرمائش پر اس کے بیٹے اباقہ خان کے لئے اپنی بیٹی میریا کا رشتہ دینے کے لئے آمادہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہلاکو خان جیسے طاقتور عیسائی نواز حکمران کو اپنے قبضۂ قدرت سے باہر نکلنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ اتحاد اور رشتہ داری مسلمانوں کے حق میں نہایت نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی صلیبی فائٹرز قیصرِ روم کے اشارے پر ناچتے تھے۔ جب قیصرِ روم ان کی ڈور ہلاتا تو وہ مسلمانوں پر چڑھائی کر دیتے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے۔ ابھی تک ہلاکو خان کو صرف اپنی تاتاری فوج پر بھروسہ تھا۔ مسلمان حلیف اس کے لئے کرائے کے ٹٹو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ تاتاری لشکر تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان کا انداز حرب بھی مسلمانوں پر بھاری پڑا تھا۔ اگر ایسے میں صلیبی گروہ اس کے ساتھ مل جاتے تو اسلامی سلطنت کے باقی بچے کھچے حصے بھی بربادی کا شکار ہو جاتے۔ یہ حالات بے حد تشویش ناک تھے۔ ہلاکو خان کی اس تدبیر کا ازالہ بے حد ضروری تھا۔ سلطان بیبرس نے نہایت سوچ بچار کے بعد اس تدبیر کا یہ توڑ نکالا کہ قیصرِ روم کو منگولوں کا ہی نوالہ بنا دیا جائے۔ وہ منگولوں کی کشمکش کے بیچ میں پس کر رہ جائے اور اس کی قوت منقسم کر دی جائے۔ سلطان بیبرس نے فوراً کاتب کو بلوایا اور اسے اردوئے زرّیں کے سلطان برقائی خان کے نام مراسلہ لکھنے کی ہدایت کی۔ اس مراسلے میں سلطان بیبرس نے ہلاکو خان کی تدبیر کا ذکر کیا اور قیصرِ روم کے ساتھ رشتہ داری کو عالم اسلام کے لئے سنگین خطرہ قرار دیا۔

اس نے لکھوایا:

''اس خطرے سے بچنے کا ایک ہی طریقہ کا ہے جسے برقائی خان ہی عمل میں لا سکتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہلاکو خان نے اپنے بیٹے اباقہ خان کے لئے قیصرِ روم کی بیٹی میریا کا رشتہ مانگا ہے بالکل اسی طرح برقائی خان بھی اپنے بھتیجے نوگائی خان کے لئے قیصرِ روم کی دوسری لڑکی کا رشتہ طلب کر لے۔ اس طرح قیصرِ روم بندھ کر رہ جائے گا۔ یا تو وہ دونوں سے معذرت کر لے گا اور کسی کے ساتھ بھی رشتہ داری نہیں بنائے گا، دوسری صورت میں وہ دونوں کی مانگ پوری کرتے ہوئے اپنی بیٹیاں منگولوں سے بیاہ دے گا۔ دونوں صورتوں میں وہ اتحاد قائم نہیں ہو پائے گا جس کا خطرہ اس وقت امت مسلمہ کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ قیصرِ روم

دونوں کی مدد کرنے سے عاجز دکھائی دے گا۔

یہ مراسلہ مکمل کروا کر سلطان بیبرس نے اس پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے نامہ بر کبوتروں کی مدد سے بلادِ شام پہنچا دیا۔ وہاں سے قاصد کے ذریعے یہ قسطنطنیہ کے راستے اردوئے زرّیں پہنچ گیا برقائی خان نے مراسلہ پڑھا اور سلطان بیبرس کے مشورے پر غور وخوض کیا۔ اس نے اپنے بھتیجے نوگائی خان کو بلوایا اور اس پر یہ آشکار کر دیا کہ قیصر روم کے ہاں اس کی شادی طے کی جا رہی ہے، اسے اس ضمن میں کوئی اعتراض تو نہیں۔ نوگائی خان نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تو برقائی خان نے ایک طویل مراسلہ قیصر روم کے نام تحریر کرایا۔ جس میں منگولوں کی عظمت اور شان کے قصیدے بیان کئے گئے اور ان کی بہادری کی داستانیں رقم کیں۔ اس کے بعد اس نے اس سے اس کی دوسری بیٹی کا رشتہ اپنے بھتیجے نوگائی خان کے لئے طلب کیا۔ ساتھ ہی ڈھکے الفاظ میں اس پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ قسطنطنیہ کی سرحدیں اردوئے زرّیں کے ساتھ ملحق ہیں۔ قیصر روم کی سلامتی اسی میں مضمر ہے کہ وہ برقائی خان سے اپنے تعلقات استوار رکھے۔ برقائی خان نے یہ مراسلہ ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے قیصر روم کی جانب بھیج دیا۔ اتفاق کی بات تھی کہ قیصر روم ہلاکو خان سے رشتہ داری پر مکمل رضامند ہو چکا تھا اور اس ضمن میں اپنی رضامندی کا ایک مراسلہ ہلاکو خان کو روانہ کیا جا چکا تھا۔ جب اسے برقائی خان کا مراسلہ ملا تو وہ بے حد پریشان ہوا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ برقائی خان اور ہلاکو خان دونوں چچازاد بھائی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں۔ اگر وہ برقائی خان کو انکار کر دیتا تو یقیناً برقائی خان کے لشکروں کا رُخ قسطنطنیہ کی جانب مڑ جاتا۔ قسطنطنیہ برقائی خان کی پہنچ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اس کی طلب کو پورا کر دیا جاتا۔ قیصر روم نے برقائی خان کو بھی رضامندی کا پروانہ روانہ کر دیا کہ اسے نوگائی خان کا رشتہ منظور ہے۔ یہ قیصر روم کا نہایت دانشمندانہ فیصلہ تھا، جسے غیر مسلم مؤرخین نے بے حد سراہا۔ یہ سب کو معلوم تھا کہ برقائی خان ایک مسلمان حکمران تھا اور مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ کی فتح کارِ عظیم کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر کوئی اس بارے میں سوچتا ضرور تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں سب سے پہلی مہم قسطنطنیہ روانہ کی گئی تھی۔ جس میں کئی جلیل القدر صحابہ صرف اس لئے شامل ہوئے تھے کہ وہ اس فتح سے نوید جنت پا سکیں مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے اس مہم کو ختم کر دینا پڑا اور لشکر واپس لوٹ آیا۔ دوسری بار حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں کوشش کی گئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکل پایا۔ یہ سلسلہ بدستور جاری تھا مگر قسطنطنیہ کو فتح نہیں کیا جا سکا۔

اگر برقائی خان کا رُخ قسطنطنیہ کی جانب ہو جاتا تو اس کی فتح زیادہ مشکل نہیں تھی۔ منگولوں کی ثابت قدمی اور درندگی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ قیصر روم کا یہ فیصلہ درحقیقت امت مسلمہ اور سلطان بیبرس کے حق میں گیا۔ قیصر روم ہلاکو خان اور برقائی خان دونوں کی مدد کرنے سے قاصر ہو گیا تھا۔ سلطان بیبرس کو اس بات کا اندیشہ ابھی باقی تھا کہ قیصر روم خفیہ طور پر ہلاکو خان کی مدد کر سکتا ہے۔ وہ خود نہ سہی تو دوسری نصرانی ریاستوں کو اس بات کی سفارش کر سکتا ہے کہ وہ ہلاکو خان کی معاونت کریں تاکہ وہ ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا سکے۔ اس اندیشہ کو سلطان بیبرس نے کچھ اس انداز میں رفع کرنے کی کوشش کی کہ اس نے ایک مراسلے میں شاہِ قسطنطنیہ کو یہ پیشکش کی کہ وہ چاہے تو دونوں ممالک میں تجارتی معاملات اعلیٰ پیمانے پر فروغ پا سکتے ہیں۔ اگر وہ قسطنطنیہ میں مسلمان تاجروں کے تحفظات کی ضمانت فراہم کرے تو سلطان بلادِ اسلامیہ میں نصرانی تاجروں کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری لے گا اور انہیں ہر سہولت بہم پہنچائے گا۔ دونوں کے سمندری راستے پُر امن بن جائیں گے، سمندروں میں جنگی بیڑوں کے بجائے تجارتی قافلے سفر کر سکیں گے اور اس سے نہ صرف رعیت کو آرام میسر آئے گا بلکہ دفاعی امور پر خرچ ہونے والی کثیر رقم بھی بچ جائے گی۔ قیصر روم نے سلطان

بیبرس کی پیشکش کا بغور جائزہ لیا تو اسے اس میں اپنا فائدہ زیادہ دکھائی دیا۔ قسطنطنیہ کو جن اشیاء کی ضرورت رہتی تھی، وہ زیادہ تر بلادِ اسلامیہ سے ہی وہاں لائی جاتی تھیں اس تجارتی معاہدے میں افادیت زیادہ تھی اور دفاعی اخراجات بھی کم ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں قوتوں کو آپس میں جس تصادم کا احتمال تھا، وہ بھی امن و سکون میں ڈھل سکتا تھا۔

قیصر روم نے سلطان بیبرس کی پیش کش کو قبول کر لیا اور تجارتی معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ سلطان بیبرس نے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ایک قطرہ خون کا بہائے بغیر ہی قیصر روم کو عالمی سیاست سے نکال باہر کھڑا کیا۔ اس کی حیثیت ایک غیر جانبدار فریق کی سی ہو چکی تھی۔

❀ ❀ ❀

1262ء کے موسم سرما کے خاتمے کے فوراً بعد ایک وسیع و عریض لشکر قہستان کی بالائی پہاڑیوں سے نمودار ہوا اور اس نے باطنی جماعت کے تمام قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ وادی قفقاز کی جانب موجود باطنی لشکر پر عقب سے حملہ کر کے انہیں ڈھیر کر دیا گیا۔ اس محاصرے کی خبر برقائی خان تک نہ پہنچنے دی گئی۔ وادی قفقاز مکمل طور پر ہلاکو خان کے قبضے میں آ چکی تھی۔ قلعہ الموت میں خیام زرّیں منگولوں کے دستے بھی محصور ہو کر رہ گئے۔ شیخ کبیر الدین اپنی جماعت کی ہلاکت اور اپنے گرد پھیلے ہوئے منگولوں کو دیکھ کر دیوانہ ہو رہا تھا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں دن میں کئی بار مطیع الدین کے پاس آتا اور ہر بار اسے برقائی خان سے رابطہ کرنے کی ہدایت دیتا۔ مطیع الدین کو سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کس طرح برقائی خان سے رابطہ قائم کرے۔ ہر طرف منگولوں کے لشکر پھیلے ہوئے تھے اور وہ کسی بھی غیر منگول کو اپنے بیچ دیکھ کر گرفتار کر لیتے۔ کئی فدائیوں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر وہ منگولوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے۔ مطیع الدین نے شیخ کبیر الدین پر صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا کہ وہ کسی طرح سمرقند تک یہ خبر پہنچا دے تو پھر کچھ ہو سکتا ہے۔

شیخ کبیر الدین اپنے تئیں مختلف انداز میں یہ کوششیں کرتا رہا مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسے چنگ خان کی یاد ستائی۔ چنگ خان منگول تھا اور وہ ان لشکروں کے درمیان بآسانی گھل مل جاتا اور موقع پا کر سمرقند روانہ ہو سکتا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے جب کوئی بات بنتے نہ دیکھی تو اس نے شب خون کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے باہمت غلاموں کے دستے تیار کئے اور ان کے سامنے پُر اثر خطاب کر کے انہیں ارضی جنت کی نوید سنائی۔ ایک ایک منگول سپاہی کے قتل کے عوض سینکڑوں حوریں دینے کا وعدہ کیا۔ انہیں دی جانے والی حشیش کی مقدار میں اضافہ کر دیا۔ جس کی بدولت وہ جان لٹانے کے درپے دکھائی دینے لگے۔ پھر راتوں کو شب خون مارنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ یہ حملے اچانک اور ہر بار مختلف سمتوں میں کئے جانے لگے۔ غلاموں کے دستے وحشیانہ انداز میں قتل و غارت کرتے اور واپس لوٹ آتے۔ دن کے وقت قوتاجو خان اور اس کے منگول دستوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ ایل خانی لشکر کو قلعہ الموت سے دور رکھیں۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ قلعہ الموت میں خوراک کے ذخیرے بھی اتنے زیادہ نہیں تھے کہ بہت زیادہ دیر تک وہ بحفاظت محصور رہتے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ قلعہ الموت ایک ایسے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں ایل خانی لشکر کو آسانی سے رسائی حاصل نہ تھی، وہ جونہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو قلعے سے نوکیلے پتھروں کی بارش کی جاتی۔ جس کے نتیجے میں انہیں پیچھے ہٹنا پڑتا۔ اسی آنکھ مچولی میں ڈیڑھ ماہ سے زائد عرصہ گذر گیا۔ خورد و نوش کا سامان بھی قریباً ختم ہونے کے قریب تھا۔ شیخ کبیر الدین کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اس نے قوتاجو خان، مطیع الدین اور دوسرے اہم احباب کے ساتھ ایک ملاقات کی۔ اس میں درپیش مسئلے کا کوئی حل نکالنے پر غور و فکر کیا گیا تمام

افراد نے حتمی رائے یہی دی کہ قلعہ میں محصور رہ کر ہمارے حوصلے پست ہوتے جا رہے ہیں، اور خوراک کی کمی کے باعث ہماری قوت بھی کم ہو رہی ہے۔ اگر یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر نہ کی گئی تو یقیناً وہ دن دور نہیں کہ بھوک سے ہمارے جسم نقاہت کا شکار ہو جائیں گے اور ہم ایک دوسرے کو نوچ کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قلعہ الموت میں غلاموں اور سپاہیوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان کے ساتھ ایل خانی لشکر پر بھرپور حملہ کیا جائے اور لڑتے ہوئے ان کے حصار کو توڑ کر محفوظ مقامات کا رُخ کیا جائے۔ قلعہ الموت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ خالی قلعہ کی حفاظت ایل خانی لشکر کے بس کی بات نہیں۔

شیخ کبیر الدین نے ان کی رائے پر یہ تبصرہ کیا کہ ایل خانی لشکر اس بار قلعہ الموت کو سابقہ انداز میں نظر انداز نہیں کریں گے بلکہ اسے چھاؤنی کی حیثیت سے استعمال کیا جائے گا۔ ایک دفعہ یہ قلعہ ان کے قبضے میں چلا گیا تو اسے دوبارہ واپس حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔ جہاں تک منگول حصار توڑنے والی بات ہے، وہ سراسر خودکشی کے مترادف ہے۔ اس میں صرف ایک فی صد امکان ہے کہ کوئی شخص ان کے چنگل سے بچ کر زندہ نکل پائے۔ البتہ یہ سب صرف ایک طرح ممکن ہے کہ موسم خراب ہو جائے اور اس کا فائدہ اُٹھا کر یہاں سے نکل جائیں۔ شیخ کبیر الدین کی بات سے سب نے اتفاق کیا اور محصور موت کے بجائے میدان میں اتر کر موت کو گلے لگانے پر زور دیا۔ مطیع الدین نے اس ضمن میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اس فکر میں دبلا ہو رہا تھا کہ وہ اگر جان لڑانے کی کوشش بھی کرے تو یہاں مخالفین کی تعداد سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔ فوئناجو خان نے شیخ کبیر الدین کو ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ یہ حقیقت سب پر ظاہر تھی کہ وہ موت کے حصار میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں جہاں سے نکلنا ان کے بس کی بات نہیں۔

پھر شاید قدرت کو ان کی حالت زار پر ترس آ گیا۔ ایک صبح جب سورج نے سر اُٹھایا تو شمال کی جانب سے تیز ہوا نے بھی سرکشی دکھائی۔ شیخ کبیر الدین نے جب موسم کی تندی دیکھی تو اس نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ باطنی جماعت کے افراد اور فوئناجو خان کے دستے یوں تو مکمل طور پر تیار تھے۔ انہوں نے اپنے ذہنوں کو پوری طرح تیار کر لیا۔ شیخ کبیر الدین نے ایک زوردار خطاب کرتے ہوئے اس بازی کو پہلی اور آخری بازی قرار دیا اور اپنے جانبازوں کے جوش کو دوچند کر ڈالا۔ ہواؤں میں تیزی کی رفتار بڑھنے لگی۔ شیخ کبیر الدین نے سب کے سامنے قلعہ الموت کے باہر کا نقشہ رکھا اور اس میں وہ راستے منتخب کئے جہاں سے گزر کر وہ محفوظ علاقوں میں جا سکتے تھے۔ شیخ کبیر الدین نے سب پر واضح کر دیا کہ وہ یہاں سے نکل کر شام کے پہاڑی علاقوں میں پہنچیں اور وہاں موجود شیخ جبل کے پاس جمع ہوں، اب دوبارہ وہیں ملاقات ہوگی۔ فوئناجو خان کو شام کی جانب جانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ وہ شام کے بجائے اپنے وطن کی جانب سفر کریں گے۔ شیخ کبیر الدین نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس جانب سے سرائے یا سمرقند بڑھنا سراسر موت کے مترادف ہے، وہ ان کے ساتھ چلیں اور بلادِ عراق کی سرحدوں سے گھوم کر واپس سمرقند کی جانب لوٹ آئیں۔

ایل خانی لشکر موسم کی خرابی کے باوجود اپنے اپنے مقامات پر جما رہا۔ انہیں کسی قدر اندازہ تھا کہ موسم کی اس خرابی میں باطنی گروہ یقیناً حملہ آور ہوگا یا ان میں کوئی فرد قلعے سے نکل کر سمرقند کی جانب جانے کی کوشش ضرور کرے گا، اس لئے وہ پوری طرح چوکس تھے حالانکہ ہواؤں کی تیزی، انہیں اپنے فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ ایل خانی سپہ سالار گھوڑوں پر تمام علاقے میں گشت کرتے رہے اور اپنے سپاہیوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ شیخ کبیر الدین نے تمام لوگوں کو ساتھ لیا اور وہ سب قلعے کے صدر

دروازے کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ شیخ کبیر الدین کے اشارے کے منتظر تھے کہ صدر دروازہ کھول کر باہر موجود ایل خانی لشکر پر ہلّہ بول دیتے۔ شیخ کبیر الدین ایک جانب کھڑا اپنی ہمت بندھا رہا تھا۔ اسے کسی حد تک یہ امید تھی کہ وہ زندہ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کی باطنی سلطنت کے قیام کا خواب مایوسی کے دھندلکوں میں چھپ چکا تھا اس وقت صرف اسے اپنی جان بچانے کی فکر لاحق تھی۔ اچانک مطیع الدین کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔ وہ تیزی سے صدر دروازے کے پاس پہنچا اور لکڑی پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ مطیع الدین کی اس حرکت پر سب لوگ عجیب نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر مطیع الدین خاموش کھڑا رہا، پھر وہ واپس پلٹا اور شیخ کبیر الدین کی طرف رُخ کر کے بولا۔ ''میں ابھی آتا ہوں''۔ وہ تیز رفتاری سے بالائی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ کافی دیر کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ اس کا چہرہ دمکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

''مطیع الدین! تم یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ ہمارے پاس وقت بے حد کم ہے، ہوائیں کسی بھی وقت ٹھہر سکتی ہیں اور اگر دن ڈھل گیا تو ہمیں سفر کرنے میں بھی مشکل پیش آئے گی''۔ شیخ کبیر الدین تلخی سے بولا۔ مطیع الدین کا چہرہ بے حد پُرسکون تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین بلند آواز میں بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے، جو ہمیں یہاں سے نکلنے میں کسی حد تک معاونت دے سکتی ہے''۔ مطیع الدین کی بات پر سب لوگ اشتیاق سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ شیخ کبیر الدین نے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

''تم جانتے ہو کہ اس قلعہ کو ایل خانی لشکر قبضے میں لے لیں گے اور پھر یہ چھاؤنی کی شکل اختیار کر لے گا۔ اگر تم میری ترکیب پر عمل کرو تو ایسا نہیں ہو سکے گا''۔

''تم کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو، ہمیں یہاں جان کے لالے پڑ رہے ہیں اور تمہیں قلعہ کی سوجھ رہی ہے''۔ شیخ کبیر الدین غصے سے چیختا ہوا بولا۔

''غصے سے کام مت لو بلکہ اس قلعہ کو آگ لگا دو''۔ مطیع الدین اطمینان سے بولا۔

سب لوگ اس کی بات پر بھونچکا رہ گئے۔ شیخ کبیر الدین کا غصہ یکلخت مٹ گیا اور وہ اس کی جانب یوں دیکھنے لگا جیسے مطیع الدین کا دماغ چل گیا ہو۔ فوئناجو خان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی، وہ مطیع الدین کی اس احمقانہ رائے پر دانت پیس رہا تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین توقف سے بولا۔ ''ہمیں یہاں سے بحفاظت نکل کر محفوظ مقام کی جانب بڑھنا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قلعے کو فوراً آگ لگا دی جائے۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ اس وقت ہواؤں کا رُخ ہمارے موافق ہے، ہواؤں کی تیزی کے باعث آگ بھڑکنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور قلعہ سے اُٹھنے والی آگ کی حدت اور دھواں ہمارے مسئلے کو بخوبی حل کرے گی۔ ایل خانی لشکر اس حدت کی شدت کے باعث ہمارے زیادہ قریب نہیں آ پائے گا اور ہم آگ ماند پڑنے تک کافی دور نکل جائیں گے یا ہمارا واسطہ تمام لشکر کے بجائے اس کے کسی ایک حصے سے ہی پڑے گا''۔

شیخ کبیر الدین بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس نے مسرت کا اظہار کیا اور اپنے روّیے پر معذرت طلب کی۔ مطیع الدین نے مسکرا کر اسے وقت نہ ضائع کرنے کی ہدایت کی۔ شیخ کبیر الدین نے قلعہ کے ایسے حصوں میں آگ لگانے کا حکم دیا جہاں سے تیز ہوا آگ کو بھڑکانے میں مدد دے سکتی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی مشعلیں قلعے کے مختلف حصوں میں اچھال دی گئیں۔ آگ پھیلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پورا قلعہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ شیخ کبیر الدین مطیع الدین کی جانب دیکھ رہا تھا جو انہیں ابھی ٹھہرنے کا اشارہ

کئے ہوئے تھا۔ قلعے کی فصیل کے طاقوں میں سے وہ باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ آگ کی حدت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ قلعے کے مکینوں کی حالت بری ہو رہی تھی۔ دھوئیں کے بڑے بڑے بادل ہواؤں کے زور پر علاقے میں پھیلتے جا رہے تھے۔ ایل خانی لشکر حیرت و پریشانی سے قلعہ الموت کی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ قلعہ الموت میں لگی ہوئی آگ کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر رہے۔ دھوئیں کے بادل ہوا کے ساتھ ان کی جانب جب بڑھے تو انہیں سانس لینا دشوار ہو گیا۔ وہ دھوئیں سے بچ کر اپنی اپنی جگہوں سے ہٹنا شروع ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی مطیع الدین نے اشارہ کیا۔ غلاموں کی جماعت تیزی سے صدر دروازے کا لیور گھمانے لگی۔ فضا میں دروازے کی چڑچڑاہٹ گونج اٹھی۔ فدائی گروہ کا پیادہ لشکر تیزی سے باہر نکلا اور اپنے سامنے موجود منگولوں سے بھڑ گیا۔

مطیع الدین نے فوئنا جو خان کے قریب پہنچ کر آہستگی سے کہا کہ وہ زیادہ لڑنے بھڑنے کے چکر میں نہ پڑے بلکہ شیخ کبیر الدین کے بتائے ہوئے رستوں کی جانب بڑھنے کوشش کرے۔ ایل خانی لشکر کی تعداد زیادہ ہے، بھرپور لڑائی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل پائے گا۔ فوئنا جو خان اپنے دستوں کو منظم انداز میں ساتھ لئے طے کردہ راستوں کی طرف بڑھنے لگا۔ قلعہ الموت سے اٹھنے والے دھوئیں کے کثیف بادلوں نے وادی میں تاریکی پیدا کر دی تھی۔ ایل خانی لشکر اس چال کو بخوبی سمجھ چکا تھا مگر انہیں دھوئیں اور آگ کی تپش کے باعث قلعہ عبور کرنے کی ہمت نہیں ہو پائی۔ قلعے کے دوسرے جانب موجود ایل خانی لشکر فدائیوں کی راہ روکنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں انہیں اپنے حصار سے باہر نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس کا قسطنطنیہ کے ساتھ تجارتی معاہدہ بے حد مقبول ہوا۔ جہاں اس معاہدے کے تحت سلطان بیبرس نے امت مسلمہ پر صلیبی خطرات کو بے اثر بنا دیا تھا وہیں صلیبی قوتوں کو فراہم ہونے والی مغربی طاقت منقطع ہو کر رہ گئی اس تجارتی معاہدے کی رو سے قسطنطنیہ تمام یورپ سے بھرپور تجارتی فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا قسطنطنیہ کے راستے سے خوراک و سامان کی کثیر مقدار فرانس، انگلستان، جرمنی، اور دوسری ریاستوں میں پہنچنے لگی۔ مغربی حکمرانوں کے لئے ماضی کی دشمنیاں بھلانا ضروری ہو گئیں، ہر کوئی اپنی اپنی ریاست کے تحفظات کی فکر میں پڑ گیا۔ سلطان بیبرس نے مسلمانوں کو نئے تجارتی مراکز کی جانب متوجہ کر دیا۔ تاتاری یلغار کے نتیجے میں جو تباہی بغداد و شام کی ہوئی تھی اور لوگوں میں جس کسمپرسی و افلاس کا دورہ تھا، ایسے حالات میں سلطان بیبرس کا یہ فیصلہ مثبت اثرات مرتب کرنے لگا سلطان بیبرس کی رعب دار شخصیت نے مغربی معاشرے میں بے حد شہرت پائی، نصف صدی کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی ایسی شخصیت وقت کے کینوس پر دکھائی دی جسے بلادِ اسلامیہ اور یورپ دونوں جگہ یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ منگولوں کا دبدبہ بھی اس کے سامنے چھوٹا پڑ گیا۔ یورپ کی دو اہم ریاستوں نے خود آگے بڑھ کر سلطان بیبرس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی۔ یہ دونوں ریاستیں قسطنطنیہ کے گرد واقع تھیں۔ ریاست جینوا اور ریاست وینس کا شمار دو مضبوط اور خوش حال ممالک میں ہوتا تھا، جہاں نصرانیت تو ضرور موجود تھی مگر حلقہ اقتدار میں اسے کوئی عمل دخل حاصل نہیں تھا۔ سلطان بیبرس نے ان کے ساتھ بھی سمندری راستوں کے تجارتی معاہدے کر لئے۔

ان نئے معاہدوں کے بعد قیصر روم کے آخری داؤ کا اندیشہ بھی مٹ گیا۔ سلطان بیبرس کو خدشہ تھا کہ کسی بھی وقت قیصرِ روم اپنے اس معاہدہ کا ناجائز فائدہ اٹھا سکتا تھا، اب وہ معاہدے کے زور پر کوئی غلط مقصد نہیں حاصل کر پاتا۔ سلطان بیبرس نے وینس و جینوا کے تجارتی وفود سے مختلف بہروپ میں ملاقاتیں کیں اور ان سے ان ریاستوں کے حالات معلوم کرتا رہا۔ بہت جلد اس پر آشکار ہو گیا کہ دونوں ریاستوں کے بیچ

میں سرد مہری اور عداوت پائی جاتی ہے، یہ روش صرف حلقہ اقتدار تک محدود نہیں ہے بلکہ دونوں ریاستوں کے باشندے بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ سلطان بیبرس نے ان دونوں تجارتی گروہوں کے مابین مبارزت کے احتمال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نیا قانون تشکیل دیا اور ان دونوں گروہوں کو اس کا پابند کر دیا۔ اس قانون کی رو سے یہ تجارتی گروہ اگر آپس میں نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتے تو ان دونوں کا تمام سامان بحکم سلطان ضبط کر لیا جاتا۔ اس قانون کے بعد ایسے واقعات کا خدشہ معدوم ہو گیا۔ سلطان بیبرس اندرونی ریاستی نظام پر بھی مکمل نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ ریاستی محکموں میں بدعنوانی اور بے ایمانی کی مکمل روک تھام کی جا سکے۔ اس سلسلے میں وہ خود مختلف بہروپ بدل کر محکموں کی نگرانی کیا کرتا۔ اس کا طریقہ کار بہت جلد مشہور ہو گیا جس کے بعد سرکاری عہدے دار چاق و چوبند ہو گئے اور ریاست میں بدعنوانی بہت کم ہو گئی۔

❀ ❀ ❀

ایل خانی فوج نے فدائیوں کے گروہ کی مزاحمتی و دفاعی لڑائی کو دیکھتے ہوئے جارحانہ حملوں کا سلسلہ شدید کر دیا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ وہ پسپائی کی آڑ میں وہاں سے فرار ہونا چاہتے ہیں۔ مطیع الدین کی ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ ایل خانی لشکر دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ایک حصہ قلعہ سے آنے والی شدید تپش اور گہرے دھوئیں میں پھنس گیا اور دوسرا حصہ فدائیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ دھوئیں کے بادلوں کے باعث اجالا کم ہو چکا تھا۔ فوئنا جو خان نے ایل خانی حلقے کو تنگ ہوتے دیکھ کر بلند آواز میں اپنے دستوں کو للکارا۔ اس کی آواز کا ایل خانی لشکر پر بے حد برا اثر پڑا۔ وہ اپنے ہم زبان کی آواز کو سن کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور یہ قیاس کیا کہ شاید برقائی خان کی جانب سے کوئی کمک پہنچ گئی ہے۔ ان کی توجہ بٹنے پر فدائیوں کو ان پر شدت سے حملہ آور ہونے کا موقعہ مل گیا۔ منگولوں کی صفیں گرنا شروع ہو گئیں۔ فوئنا جو خان کے دستے پیادہ تھے۔ اس لئے انہیں گھڑ سوار سپاہیوں سے بھڑنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ مطیع الدین بھی پوری جانفشانی سے لڑ رہا تھا۔ مطیع الدین نے کوشش کرتے ہوئے ایک گھوڑا قابو کر لیا اور جست لگا کر اس پر جا بیٹھا۔ اس نے گھوڑے کا رخ فوئنا جو خان کی جانب کیا اور قریب آتے ہی فوئنا جو خان سے چیخ کر کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے کہ وہ خالی گھوڑوں پر سوار ہونے کی کوشش کریں۔ فوئنا جو خان سمجھ گیا۔ اس نے تیز آواز میں اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی۔ تھوڑی ہی دیر میں بے شمار سپاہی گھوڑوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ فوئنا جو خان بھی گھوڑا حاصل کر چکا تھا۔ اس کے حملوں میں زیادہ شدت پیدا ہو گئی تھی فدائیوں کے پاس کافی گھوڑے تھے مگر جو پیادہ غلام تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کی دیکھا دیکھی ایل خانی لشکر کے گھوڑے ہتھیا لئے۔ اسی اثناء میں گہرے دھوئیں کے بادلوں کا جھرمٹ چھٹنے لگا۔ یہ نہایت کڑا مرحلہ تھا۔ شیخ کبیر الدین نے مطلع صاف ہوتے دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ منگولوں کی صفیں چیرتے ہوئے راستہ بنائیں تاکہ وہ جلد از جلد اس نرغے سے نکل جائیں۔

فدائی غلاموں نے اپنے آقا کا حکم پا کر جان ہتھیلی پر رکھتے ہوئے شام کی طرف جانے والے رستے پر ایل خانی صفوں کو پچھاڑنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے شدید حملوں کے باعث لاشوں میں اضافہ ہونے لگا۔ فدائی گروہ اپنی جان کی بازی لگا کر راستہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کی کوششیں بالآخر کارگر ہوئیں اور وہ ایل خانی لشکر کی صفوں کو وہاں سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مطیع الدین اور شیخ کبیر الدین نے جب راستہ صاف دیکھا تو انہوں نے منظم انداز میں اپنے ساتھیوں کو دوسری جانب منتقل کرنا شروع

کر دیا۔ وہ لڑائی کے ساتھ پسپائی اختیار کرتے رہے۔ فوئنا جو خان نے آگے بڑھ کر ایل خانی لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش جاری رکھی۔ لڑائی کی صورت یکسر بدل گئی تھی۔ فدائی گروہ بخوبی منگولوں کا نرغہ توڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ اس خوفناک لڑائی میں کثیر تعداد موت کی بھینٹ چڑھ گئی۔ شیخ کبیر نے مطیع الدین کو اشارہ کیا کہ وہ فوئنا جو خان سے کہے کہ لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں، انہیں تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نکل جانا چاہئے۔ مطیع الدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوئنا جو خان کے پاس آ گیا۔ دشمن کے وار روکتے ہوئے اس نے فوئنا جو خان کو سمجھا دیا کہ ہمیں میدان چھوڑ دینا چاہئے۔ فدائی غلام اور خیام زرّیں سپاہی ایل خانی لشکر کو کچھ دیر تک روکے رکھیں گے، اسی دوران وہ ایل خانی لشکر کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔ فوئنا جو خان نے مطیع الدین کی بات سمجھنے کے بعد کینہ توز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور چیخ کر بولا۔

''مطیع الدین! یہ کوئی بہادری والی بات نہیں ہے، دوسرا میں اس مقام پر اکیلا نہیں ہوں، میرے ساتھ سپاہی بھی ہیں۔ میں انہیں دھوکا نہیں دے سکتا''۔

مطیع الدین سمجھ گیا کہ فوئنا جو خان کسی قیمت پر اس کی بات نہیں مانے گا۔ اس نے ایل خانی سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے غفلت کے عالم میں فوئنا جو خان کے سر کے عقبی حصے میں اپنی تلوار کا دستہ جڑ دیا۔ فوئنا جو خان کا خود سر سے گر چکا تھا اس لئے وہ اس ضرب کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے اپنی گھومتی ہوئی کھوپڑی کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے دوسرا اور پھر تیسرا وار کر کے اسے ہوش سے بیگانہ کر دیا۔ وہ گھوڑے پر جھولنے لگا۔ مطیع الدین کے لئے یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ اس نے جست لگائی اور فوئنا جو خان کے گھوڑے پر پہنچ گیا۔ فوئنا جو خان پورا گوشت کا پہاڑ تھا۔ گھوڑا بری طرح بلبلا رہا تھا۔ مطیع الدین نے فوئنا جو خان کے پہلوؤں سے ہاتھ نکال کر گھوڑے کی باگیں تھامیں اور اسے لے کر تیزی سے شیخ کبیر الدین کی جانب بڑھ آیا۔ شیخ کبیر الدین نے حیرت سے مطیع الدین کی جانب دیکھا

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے ہمیں نکلنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہو سکے تو کوئی خالی گھوڑا بھی اپنے ساتھ لے لیجئے''۔

شیخ کبیر الدین نے اپنے خاص احباب کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کنیزوں کے گھوڑوں کے ساتھ پہاڑی پگڈنڈی پر تیز رفتاری سے سفر شروع کر دیا۔ شیخ کبیر الدین اور مطیع الدین کچھ غلاموں کے ہمراہ ان کے عقب میں گھوڑے بھگانے لگے۔ چند لمحوں میں ہی فدائی گروہ اور خیام زرّیں سپاہیوں پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ ان کے سالار انہیں میدان میں چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے فرار ہونے کی کوششیں کرنے لگے۔ ایل خانی لشکر نے فدائیوں کے قدم اکھڑتے دیکھ کر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بہت کم لوگ ایل خانی لشکر کے ہاتھوں بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔ دھوئیں کے بادل پوری طرح چھٹ چکے تھے اور قلعہ کو آگ بدستور لگی ہوئی تھی۔ یہ ہواؤں کے ٹھہراؤ کے باعث ہوا تھا۔ ایل خانی لشکر کافی دور تک فدائیوں کا پیچھا کرتا ہوا گیا اور جو ان کے ہاتھ لگ پایا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ ہلاکو خان کی جانب سے کڑی ہدایت تھی کہ کسی بھی شخص کو قیدی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کوئی فرد زندہ ملے یا جو ہتھیار پھینک کر امان کا طالب ہو، سب کو ہلاک کر دیا جائے۔

شیخ کبیر الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر رُکے مسلسل سفر کرتا رہا۔ وہ ایل خانی لشکر کی پہنچ سے بہت دور نکل آئے تھے۔ جب شام کی تاریکی چھانے لگی تو انہوں نے پہاڑی درّوں میں ایک بڑا غار ڈھونڈ نکالا۔

تمام لوگ اس غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ گھوڑوں کو غار کے عقبی حصے میں باندھ دیا اور کچھ ہی دیر میں وہاں لکڑیاں جلا کر آگ روشن کر لی۔ سب لوگوں کی حالت خستہ ہو رہی تھی۔ کپڑوں پر خون کے بڑے بڑے دھبے موجود تھے اور چہروں پر ہوائیاں اُڑی دکھائی دیتی تھیں۔ شیخ کبیر الدین نے اس خدشے کے پیش نظر غار کے منہ پر خیموں کے کپڑے باندھ ڈالے کہ دور سے روشنی دکھائی نہ دے۔ ایک حصہ میں کپڑے کا بڑا پردہ لٹکا دیا گیا جہاں شیخ کبیر کی خاص کنیزیں ٹھہرائی گئیں۔ غلاموں کا زیادہ حصہ غار کے باہر نگرانی پر تعینات کیا گیا۔ فوئنا جو خان کو ہوش آ چکا تھا۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے معلوم ہوا کہ سر میں زخم موجود ہے۔ مطیع الدین نے اس کے سر میں نظر ڈالی تو ہنسنے لگا۔ زخم معمولی نوعیت کا تھا۔ خون نکل کر جم چکا تھا۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا''۔ فوئنا جو خان الفاظ چبا کر بولا۔

''یہ میں زیادہ بہتر جانتا ہوں کہ کیا درست تھا اور کیا غلط؟ تم لڑائی کے نشے میں یہ شاید بھول گئے تھے کہ ہمارے پاس قوت بے حد کم تھی اور ہمارے بیشتر افراد نقاہت کا شکار تھے۔ ہماری منصوبہ بندی جم کر جنگ کرنے کی نہیں تھی بلکہ انہیں اُلجھا کر رستہ حاصل کرنے کی تھی''۔ مطیع الدین طمانیت سے بولا۔ فوئنا جو خان محض تلخی سے گھور کر رہ گیا۔

''خان! ہمیں تمہاری بہادری و جرأت پر فخر ہے مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ وہاں یہ سب دکھانے کا فائدہ نہیں تھا''۔ شیخ کبیر الدین نرمی سے بولا۔ فوئنا جو خان خاموش رہا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین بولا ''اب ہم کہاں پہنچ چکے ہیں؟''

''تم لوگ صبح حالات کو دیکھتے ہوئے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، البتہ اگر تم میرے ساتھ شام چلو گے تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی''۔ شیخ کبیر الدین مسکرا کر بولا۔

''اگر ایل خانی لشکر تعاقب کرتا ہوا صبح تک یہاں پہنچ گیا تو......؟'' ایک شخص نے خدشہ ظاہر کیا

''اس بات کا فیصلہ تو صبح ہی ہو سکے گا کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے یا نہیں! میں نے اپنے خاص غلام قلعہ الموت کی جانب روانہ کر دیئے کہ وہ یہ معلوم کریں کہ ایل خانی لشکر کس حالت میں ہے۔ اگر وہ صبح روانگی اختیار کرے گا تو ہمیں کچھ دن تک اسی غار میں مزید چھپنا پڑے گا''۔

''کیا یہ غار لشکر کی نگاہوں میں نہیں آئے گا''۔ مطیع الدین نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں!'' شیخ کبیر الدین بولا۔ ''یہ غار شام کو جانے والے صحیح راستے سے کافی دور ہے۔ ہم اس وقت برقائی خان کی ریاست اور قسطنطنیہ کے بالکل وسط میں ہیں۔ یہاں سے نیچے کے جانب اترنے والی راہ اردوئے زرّیں کی جانب جاتی ہے جبکہ بالائی جانب کے دوسری جانب قسطنطنیہ کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ہمیں شام جانے کے لئے گھوم کر بالائی راہ سے سیدھا مشرق میں بڑھنا ہو گا یہ تمام رستہ اسی پہاڑی سلسلے میں ہی پوشیدہ ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے وضاحت کی۔

''کوہ قاف یہاں سے کس جانب واقع ہے؟'' اچانک فوئنا جو خان بول اُٹھا۔

''جب تم اس غار سے نکلو گے تو اس کے گرد گھوم کر دوسری جانب نیچے اتر جاؤ گے۔ وہاں سے تمہیں سامنے ایک بڑا پہاڑ دکھائی دے گا۔ تم اس کی سیدھ میں دو دن تک مسلسل سفر کرتے رہنا۔ اس کے بعد سبز وادی کی سرزمین شروع ہو گی۔ وہاں سے اس بڑے پہاڑ کے مخالف سمت میں سفر ہو گا۔ نصف دن کے فاصلے پر تمہیں اپنے سامنے کوہ قاف دھندلا سا دکھائی دے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے بتایا۔

''ہمیں کس راستے سے سفر کرنا ہو گا؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''اسی راستے سے، مگر سبز وادی سے کوہ قاف کی طرف نہیں بلکہ اس کے دائیں پہلو میں نصف دن کے سفر کے بعد تم سمرقند کی حدود میں پہنچ جاؤ گے''۔ شیخ کبیر الدین نے جواب دیا۔

اسی دوران ایک غلام تیزی سے اندر چلا آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ کبیر الدین کو تعظیم دی۔ مطیع الدین کو اس کے کندھے پر کچھ لٹکتا ہوا دکھائی دیا تو وہ سمجھ گیا کہ ان کے لئے شکار لایا گیا ہے۔ وہ پہاڑی جانور تھا جس کی شناخت مطیع الدین کی عقل سے باہر تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ جانور آگ پر بھونا جانے لگا اور پھر سب اپنے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے میں مشغول ہو گئے۔

دوسری صبح جب وہ بیدار ہوئے تو کافی دن نکل آیا تھا۔ دوپہر کے وقت جاسوس غلام یہ خبر لائے کہ منگول لشکر قلعہ الموت کی مرمت میں مشغول ہے، البتہ ان کے سپاہی تمام وادی میں بکھرے ہوئے ہیں۔ منگول لشکر نے اپنے خیمے بھی نہیں اکھاڑے۔ شیخ کبیر الدین سمجھ گیا کہ وہ تعاقب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس نے سفر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ وہ شام ہونے سے پہلے دوسرے طے کردہ غار تک پہنچنا چاہتا تھا۔ مطیع الدین نے اس سے اجازت طلب کی تو اس نے انہیں گھوڑے اور دو خیمے دیئے اور معذرت اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے کھانے کے سامان کا بندوبست نہیں ہے، انہیں شکار پر ہی گذارا کرنا ہوگا۔ مطیع الدین اس کی بات پر ہنسنے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے اپنے ایک خاص غلام کو ہدایت کی وہ انہیں صحیح راستے پر ڈال کر واپس لوٹ آئے۔

شیخ کبیر الدین نے نہایت پُر جوش انداز میں انہیں رخصت کیا۔ مطیع الدین اور فو ئناجو خان دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر غلام کے ساتھ پہاڑی کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گئے۔ قریباً چار کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد غلام نے انہیں چند ضروری باتیں سمجھائیں، اور واپس لوٹ گیا۔ وہ دونوں خاموشی سے بتائی گئی راہ پر مناسب انداز میں سفر کرتے رہے۔ مطیع الدین فوری طور پر سمرقند پہنچنا چاہتا تھا تاکہ وہ برقائی خان کو تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کر سکے۔ ہلاکو خان کی لگاتار کوششوں کے بعد برقائی کا ایک حلیف تباہ کر دیا گیا۔ فدائیوں میں ساٹھ یا ستر افراد بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو پائے تھے، جن میں شیخ کبیر الدین بھی شامل تھا جبکہ خیام زریں دستے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، قہستان میں مکمل طور پر ہلاکو خان کا اختیار تھا۔ اب اس کے لئے بلادِ فارس کے راستے بھی کھل چکے تھے۔ وہ بڑی آزادی کے ساتھ آ جا سکتا تھا۔ قلعہ الموت کو ایل خانی چھاؤنی میں بدل دیا گیا۔ یہ الگ بات تھی کہ یہاں وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتے تھے کیونکہ موسم کی شدت انہیں بیمار کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اگر وہ موسم کے خلاف انتظام کرنے کی کوشش بھی کرتے تو انہیں کڑی محنت سے کام لینا پڑتا۔ مطیع الدین کی تدبیر کے باعث وہاں موجود خشک لکڑی کے تمام ذخیرے جل کر خاک ہو چکے تھے۔

وہ دونوں مسلسل سفر کرتے بالآخر سمرقند کی حدود میں پہنچ گئے۔ مطیع الدین نے سفر کی تکان کے پیشِ نظر فو ئناجو خان کو مخاطب کیا اور اسے خیمہ زن ہونے کا مشورہ دیا۔ فو ئناجو خان نے اس کی صورت پر گہری نظر ڈالی۔ وہ اندازہ لگانے میں ناکام نہیں رہا کہ مطیع الدین کا ستا ہوا چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اگر فوری آرام نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جائے۔ فو ئناجو خان نے اس کی ہمت بندھائی اور مشورہ دیا کہ قریب ہی کوئی چشمہ ملے گا تو وہیں خیمے لگا لئے جائیں گے۔ انہیں زیادہ تردد نہیں اُٹھانا پڑا۔ کچھ فاصلے پر انہیں ایک قدرتی چشمہ دکھائی دے گیا۔ وہ دونوں وہاں پہنچ کر نڈھال سے زمین پر لیٹ گئے۔ فو ئناجو خان کی ہمت کچھ باقی تھی۔ اس نے چند لمحے ستا کر دونوں گھوڑوں کی باگیں ایک بڑے پتھر کے نیچے دبائیں، اور چشمے کے پانی کے چھینٹے منہ پر مارنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مطیع الدین نے بھی ہمت کی اور پانی کے چھینٹوں سے اپنے ہوش

وحواس درست کیے۔ فو ئناجو خان نے تھوڑی دیر میں اپنے خیمے کھڑے کر لئے۔ اسی دوران ایک پہاڑی بکرا پانی پینے کے لئے چشمے کی جانب آ نکلا۔ مطیع الدین نے اسے دیکھ کر فو ئناجو خان کو چوکنا کیا۔ فو ئناجو خان نے بکرے کی صورت دیکھی تو اس کا چہرہ کھل اُٹھا۔ وہ اس پر یوں ٹوٹ پڑا جیسے اس کا من پسند مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ پہاڑی بکرا بھاری بھرکم فو ئناجو خان کے آگے زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ فو ئناجو خان اسے گھسیٹتا ہوا خیمے کی جانب لایا۔ مطیع الدین ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بوجھل نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کے باعث انگارہ ہو رہی تھیں۔

''تم کون لوگ ہو بھئی......؟'' ایک اجنبی آواز ان کے عقب میں گونجی۔ وہ دونوں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے، وہ شکل وصورت سے تاتاری ہی دکھائی دیتا تھا۔

❀ ❀ ❀

قاضی جمال الدین ابوعبداللہ محمد بن سالم، اپنے دور کی ایک سرآمدِ روزگار شخصیت تھے۔ ان کے دادا کا نام ''واصل'' تھا اور اسی نسبت سے وہ دُنیائے علم وفن میں علامہ ابن واصل کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ 604ھ میں علامہ ابن واصل پیدا ہوئے اور اس دور کے نامور اساتذہ سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ سندِ فراغت کے بعد حماۃ نامی شہر میں سلسلۂ درس وتدریس شروع کیا اور پھر تاتاری یلغار کے باعث وہاں سے ہجرت کر کے قاہرہ چلے آئے۔ مشہور مؤرخ اور جغرافیہ داں علامہ اسمٰعیل بن علی ایوبی المعروف بہ علامہ ابو الفداء ان کے معروف شاگردوں میں سے ایک تھے۔ علامہ ابوالفداء اپنے استادِ محترم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''علامہ قاضی جمال الدین محمد امامِ وقت اور فضلائے زمانہ میں سے ایک ہیں۔ مختلف علوم فقہ، اصولِ دین، منطق، ہندسہ، ہیئت اور تاریخ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ ان کی مختلف تصنیفات میں ''مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' خاصی شہرت یافتہ تاریخ کی کتاب تصور کی جاتی ہے''۔ ایک دوسری جگہ قاضی جمال الدین محمد کے بارے علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں۔ ''میں بارہا ان کے پاس حماۃ گیا اور کتاب اقلیدس کی اکثر مشکلات کو ان سے حل کیا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا، عروض میں ابن حاجب کے منظوم رسالہ کی شرح بھی میں نے انہی سے پڑھی کیونکہ انہوں نے اس رسالہ کی نہایت عمدہ شرح لکھی تھی اور اسی طرح کتاب الاغانی میں جو اسماء ہیں، ان کی تصحیح بھی انہی سے حاصل کی''۔

659ھ میں سلطان بیبرس نے اپنی خارجہ حکمتِ عملی کے تحت قاضی جمال الدین ابن واصل کو اطالیہ اور سسلی کے حکمران شاہ منفریڈ سے دوستانہ مراسم کے لئے اطالیہ روانہ کیا۔ شاہ منفریڈ سے تعلقات کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ پر تاتاریوں کی جانب سے ٹوٹنے والے ظلم وستم کے باعث جو نااُمیدی اور بے اطمینانی کی فضا چھائی ہوئی تھی، اس میں نصرانی اور صلیبی خطرات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کسی بھی طرح کم کیا جائے۔ شاہ منفریڈ کے بارے میں اس قسم کی خبریں موصول ہوئی تھیں کہ وہ بیزنطینی کلیسا کا شدید مخالف ہے اور ان کے ناپسندیدہ عزائم کے خلاف آواز بلند کرتا رہتا ہے۔ سلطان بیبرس نے تمام اطلاعات کی روشنی میں غور وخوض کیا تو اسے ایک ایسی سفارت کی ضرورت محسوس ہوئی جو نہایت غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہو۔ قاضی جمال الدین محمد ابن واصل کے علمی فضائل اور خداداد ذہانت کا ڈنکا قاہرہ میں ہر سو بج رہا تھا لہٰذا سلطان بیبرس کی نگاہِ انتخاب انہی پر ٹھہری۔ قاضی جمال الدین کو شاہی محل میں طلب کیا گیا اور انہیں شاہ منفریڈ کے حوالے سے ضروری نوعیت کی معلومات فراہم کی گئیں۔ قاضی جمال الدین نے تمام تفصیلات کو بڑی طمانیت

اور دھیان سے سنا۔ وہ امتِ مسلمہ کے حالات کی سنگینی اور نزاکت سے بخوبی آگاہ تھے، انہوں نے نہ صرف اپنے انتخاب پر سلطان بیبرس کا شکریہ ادا کیا بلکہ اس کی اس حکمت عملی کو بھی سراہا۔ کیونکہ سلطنت اسلامیہ پر چھائے ہوئے بدترین حالات میں شاہ منفریڈ سے دوستی کی کوشش نہایت عمدہ اقدام میں شمار کی جاسکتی تھی۔ قاضی موصوف نے بخوشی اس ذمہ داری کو قبول کرلیا۔ سلطان بیبرس نے شاہ منفریڈ کے ایک بہترین مراسلہ اور بیش بہا قیمتی تحائف ان کے حوالے کئے۔ قاضی جمال الدین ابن واصل ضروری تیاری کے ساتھ قاہرہ سے نکل کر دمیاط پہنچے اور پھر وہاں سے سمندری راستے سے سسلی (صقلیہ) اور پھر اطالیہ پہنچ گئے۔

مختلف شہروں میں سے سفر کرتے ہوئے وہ اطالیہ کے دارالحکومت انبولیہ (ایولیا) پہنچ گئے۔ یہ شہر اندلس کی سلطنت سے متصل تھا۔ کسی زمانے میں اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت ہوا کرتی تھی مگر مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور باہمی جھگڑوں کے باعث اب یہ نصرانیت کے پرچم تلے آچکا تھا۔ تعصب اور کمینگی کا یہ عالم تھا کہ نصرانی حکمرانوں اور رعیت نے مسلمانوں کی سالہا سال کی خدمات واحسانات کو فراموش کرتے ہوئے یکلخت آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں اور سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مسلمان رعیت کے ساتھ ظلم وستم کا روّیہ اختیار کرلیا تھا۔ انہیں جبراً عیسائی بنایا جانے لگا اور جو کوئی دین حق سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا اسے اپنے مقبوضہ علاقوں سے نکال باہر کیا۔ بے بس ولاچار اور مجبور مسلمان اپنے گھربار اور سازوسامان چھوڑ کر اطالیہ کے شہروں سے نکل کر جزیرہ سسلی میں پناہ گزین ہوئے مگر وہاں بھی ان کی آپسی نااتفاقی اور اختلافات ان پر حاوی ہوگئے۔ اطالیہ کے نصرانی فرمانرواؤں نے مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا فقدان دیکھتے ہوئے آگے بڑھ کر سسلی پر بھی قبضہ کرلیا۔ یوں مسلمان حاکیت سے دورِ غلامی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسلمان نصرانی ظلم وجور کی چکی میں پستے رہے کہ قدرت کو ان کی حالت زار پر رحم آگیا اور جرمن فرمانروا شاہ فریڈرک دوم نے اطالیہ وسسلی کی فتح کے بعد ان کے کسی قدر حقوق بحال کئے اور انہیں سسلی سے نکال کر واپس اطالیہ میں آباد کیا۔ شاہ فریڈرک دوم نے مسلمانوں کو اطالیہ کے صوبے ''فوگیا'' کے دو غیر آباد شہروں لوشیریہ اور نوشیریہ میں آباد کیا۔ جہاں انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ مؤرخین کے مطابق ان دونوں شہروں کی آبادی اسّی ہزار نفوس سے زائد تھی۔ اس کے علاوہ جو مسلمان اطالیہ کے دیگر علاقوں میں اقلیت کی صورت میں رہتے تھے وہ علیحدہ تھے۔ شاہ فریڈرک دوم کے اس اقدام کے پیشِ نظر بیزنطینی کلیسا نے سخت اور کڑی تنقید کا روّیہ اختیار کیا مگر شاہ فریڈرک دوم نے بیزنطینی شہنشاہیت کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے ان کے سب مطالبات ردّ کردیئے۔ وہ خود کو صرف فرمانروا کہلانا پسند کرتا تھا نا کہ دین نصرانیت کا خادم۔ شاہ قسطنطنیہ کو شاہ فریڈرک دوم کا یہ جارحانہ روّیہ ذرا نہیں بھایا مگر وہ اپنے ریاستی انتشار اور قوت کی کمی کے باعث کچھ کر گزرنے سے قاصر رہا۔

شاہ فریڈرک دوم کی موت کے بعد اس کا بیٹا کانرڈ چہارم کے لقب سے 648ھ میں تخت پر بیٹھا۔ بیزنطینی کلیسا نے ایک بار پھر مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکالنے کا مطالبہ کیا اور دین نصرانیت کی خدمت اختیار کرنے پر زور دیا۔ اس کے علاوہ کئی پُرکشش سہولتیں بھی دینے کے وعدے کئے مگر شاہ کانرڈ چہارم نے بھی اپنے باپ کی روش کو برقرار رکھا اور مشرقی کلیسا کے نصرانیت زدہ مطالبات کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلمانوں سے عمدہ سلوک کیا۔ شاہ کانرڈ چہارم 652ھ میں وفات پا گیا تو سلطنت کا بوجھ اس کے بھائی شاہ منفریڈ کے کندھوں پر ڈال دیا گیا جو کہ پہلے سے جانشین مقرر تھا۔ بیزنطینی کلیسا نے ایک بار پھر کوشش کی تو شاہ منفریڈ نے مشرقی کلیسا کے سابقہ اقدامات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے خلاف پُرزور پروپیگنڈا کا آغاز کردیا۔ شاہ

منفریڈ کی پوری کوشش تھی کہ پورے یورپ کے نظام سلطنت کو نصرانی اثرات سے بالکل پاک کردیا جائے اور مسلمانوں کی مانند متوازن اقتدار کی روش ڈالی جائے اگر دیکھا جائے تو اس کی کوشش نہایت عمدہ اور قابل تعریف تھی، جس کے باعث پورے یورپ میں مسلمانوں کی مخالفت کے بجائے باہمی اتفاق سے نہ صرف امن واماں کی فضا قائم ہوجاتی اور طویل عرصے سے چھڑی ہوئی تعصب پسندی کی مذہبی جنگ مٹ جاتی بلکہ تمدن و ترقی کی نشوونما کی نئی راہیں کھل جاتیں مگر شاہ منفریڈ کی اس قابل تحسین کوشش میں کوئی بھی مکمل ساتھ دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اندلس تازہ تازہ نصرانی قبضے میں آیا تھا، وہاں کے تعصب پسند حکمران یہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو زیادہ دیر تک ان کی سرزمین پر رہنے کا کوئی موقعہ فراہم کیا جائے۔ ان کا تو صرف یہی مطالبہ تھا کہ اندلس صرف نصرانیوں کا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے مستقل رہنے یا عارضی قیام کی کوئی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انہیں تو غرناطہ کی اسلامی سلطنت بھی کانٹے کی مانند چبھ رہی تھی۔ وینس اور جینوا کی ریاستیں مفاد اور مطلب پرستی میں مشہور تھیں۔ فرانس، انگلستان، ایکوطونیا، ڈنمارک کی بڑی ریاستیں مشرقی ومغربی کلیسا کے جال میں پھنسی ہوئی تھیں۔

شاہ منفریڈ نے نصرانیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ریاستوں کی جانب سے اپنی مخالفت کو دیکھتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہاری اور اپنے مؤقف اور کوششوں پر ڈٹا رہا۔ وہ ہر روز شاہی فرمان لکھواتا اور مختلف فرمانرواؤں کو بھجواتا رہتا۔ اُسے جب بلادِ مصر کی جانب سے سفارت کی آمد کا علم ہوا تو اس نے بڑے اہتمام سے قاضی جمال الدین ابن واصل کو شاہی دربار میں بلوایا۔ قاضی جمال الدین کے علمی فضائل سے وہ کسی قدر آگاہ ہوچکا تھا لہٰذا اس نے خود اُٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ قاضی جمال الدین کو خصوصی نشست دی گئی۔ قاضی جمال الدین نے اپنی آمد کا مقصد واضح کرتے ہوئے سلطان بیبرس کی جانب سے دوستی کا پیغام پڑھ کر سنایا اور مسلمانوں کی حمایت اور ان کے حقوق کا خصوصی خیال رکھنے پر اس کے حسن سلوک کو سراہا تو شاہ منفریڈ بے حد مسرور دکھائی دیا۔ اس نے سلطان بیبرس کا شکریہ ادا کیا اور ریاست اطالیہ میں مسلمانوں کے لئے اُٹھائے گئے اقدامات کے بارے میں قاضی جمال الدین کو تفصیل کے ساتھ بتایا۔ باتوں باتوں میں مشہور فلسفی اقلیدس کا ذکر چھڑ گیا تو شاہ منفریڈ نے اقلیدس کی کتب کے کئی پیرے زبانی سنا ڈالے جس پر قاضی جمال الدین جیسی شخصیت بھی دم بخود رہ گئی۔ قاضی جمال الدین کے استفسار پر شاہ منفریڈ نے خود بتایا کہ اسے اقلیدس کی تمام کتب ازبر ہیں۔ شاہ منفریڈ کی علم دوستی کا حال دیکھتے ہوئے قاضی جمال الدین نے انہیں چند اپنے لکھے ہوئے رسائل پیش کئے۔ جن کا اس نے تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور انہیں اپنی شاہی کتب خانے کی زینت بنایا۔ اس نے قاضی جمال الدین کو لوشیریہ نامی شہر کے قریب ٹھہرایا اور خصوصی گذارش کی کہ وہ ان کے لئے علم منطق پر ایک رسالہ تحریر فرمائیں۔ قاضی جمال الدین نے بخوشی اس کی خواہش کے مطابق علم منطق پر کتاب لکھنے کا وعدہ کرلیا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین گردن گھما کر شک بھری نگاہوں سے اس بلند قامت اجنبی تاتاری کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے کی باگیں سنبھالے ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فونا جو خان کو اس بات پر حیرت تھی کہ کوئی شخص کچھ دیر پہلے اپنے گھوڑے کے ساتھ وہاں پہنچ جائے اور اسے اس کی آمد کی کوئی خبر تک نہ ہو، یہ کیسا معمہ ہے۔ ممکن تھا کہ وہ جب پہاڑی بکرے کے ساتھ نبرد آزما تھا، اس وقت وہ ان کی جانب بڑھ رہا ہو، بہرکیف جو کوئی بھی تھا نہایت دبے قدموں ان کی جانب بڑھا تھا۔ سرخی مائل بالوں کا لباس اس کے جسم پر موجود تھا۔ وہ شکل وصورت سے تاتاری

ضرور دکھائی دیتا تھا مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ مطیع الدین کو اس کے تاتاری نہ ہونے پر ہلکا سا شبہ ہونے لگا۔ فوئنا جو خان پہاڑی بکرے کو ایک جانب ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اجنبی تاتاری پاس پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک اپنے سوال کے جواب کی توقع جھلک رہی تھی۔

''پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟'' مطیع الدین نے نرمی سے پوچھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ پہلے سوال میں نے کیا تھا لہٰذا اخلاق کا تقاضہ یہی ہے کہ تم میرے سوال کا جواب دو''۔ اجنبی تاتاری کے لہجے میں شرارت سی عود کر آئی۔ مطیع الدین اس کے ظریفانہ انداز پر جز بز سا ہوا جبکہ فوئنا جو خان کی آنکھوں میں عجیب سی ناگواری ابھری۔

''ٹھیک ہے! ہم اخلاقیات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنا تعارف کرا دیتے ہیں۔ میرا نام مطیع الدین ہے، یہ میرا ساتھی فوئنا جو خان ہے اور ہم سرائے کے مسافر ہیں''۔ مطیع الدین نے بتایا۔

''اس سے پہلے کہ میں یہ سوال اُٹھاؤں کہ تمہارے لباسوں پر یہ خون کے خشک دھبے کیسے ہیں؟ پہلے اپنے بارے بتا دینا ضروری ہوگا، میرا نام ارزق ہے، میں صحرائی ہوں اور پیشے کے لحاظ سے مغنی ہوں''۔ اجنبی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ مطیع الدین اس کے اندازِ گفتگو پر مسکرانے لگا۔ فوئنا جو خان اس کی جانب سے بے پرواہ ہو کر بکرے کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گیا۔

''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''میرا تعلق کسی قبیلے سے نہیں۔ میں خود کو صحرائے گوبی کا بیٹا سمجھتا ہوں۔ کل تک قبیلے کی بیڑیاں میری شناخت ہوا کرتی تھیں مگر الحمدللہ جب سے میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوا ہوں، خود کو آزاد اور ہر رسم سے پاک سمجھتا ہوں''۔ ارزق نے جواب دیا۔ فوئنا جو خان اس کی بات پر چونکا اور تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ یہ حقیقت تھی کہ اُسے تاتاریوں کا مسلمان ہونا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

''مجھے تم سے مل کر دلی خوشی ہوئی''۔ مطیع الدین کا چہرہ کھل سا گیا۔ ''کیا میں تمہاری منزل کے بارے میں کچھ دریافت کر سکتا ہوں''۔

''یوں تو میری کوئی منزل نہیں۔ فی الوقت میں بھی سرائے کی راہ اختیار کئے ہوئے ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارا قاآنِ اعظم برقائی خان اسلام کی خدمت میں بڑا پُر جوش مبلغ بن چکا ہے۔ بس اسی کی ایک جھلک دیکھنے کی خواہش مجھے خراسان سے کھینچ لائی ہے''۔ ارزق نے کہا۔

خراسان کا نام سنتے ہی مطیع الدین کے ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ خراسان ایل خانی منگولوں کے مقبوضات میں سے ایک تھا۔ مطیع الدین کے دل میں یہ شبہ سر اُٹھانے لگا کہ کہیں یہ ایل خانی مخبر نہ ہو۔ ارزق مطیع الدین کے چہرے کے تغیر کو بخوبی محسوس کر چکا تھا، اس نے فوراً کہا۔

''شیطان کا کام ہی دلوں میں وسوسے ڈالنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟ مگر مجھے تمہیں اپنی صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب چونکہ یہ بات کھل چکی ہے کہ ہم سب لوگوں کی منزل ایک ہی ہے تو اگر تم لوگ رضامندی کا اظہار کرو تو ہم سب اکٹھے سرائے تک کا سفر کر سکتے ہیں ورنہ مجھے تنہا سفر کرنے میں کوئی عار نہیں''۔ ارزق نے کہا۔

مطیع الدین اس کی بات پر کچھ سوچنے لگا۔ فوئنا جو خان کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اسے ارزق کی باتوں سے کچھ دلچسپی نہ ہو۔ وہ ساتھ چلے یا ان سے الگ۔ وہ بدستور بکرے کے ساتھ زور آزمائی میں مصروف رہا۔ اس دوران ارزق نے گھوڑے کی باگیں چھوڑ دیں اور وہ چشمے کی گھاس میں منہ مارنے لگا۔

''تم ہمارے ساتھ سفر کر سکتے ہو...... جب ہماری منزل ہی ایک ہے تو الگ الگ سفر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ہم سے خیر خواہی کی امید نہ رکھنا''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''غلط حرکت......؟'' ارزق کے چہرے پر تعجب پھیل گیا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں''۔

''میرا مقصد سمجھانا نہیں صرف آگاہ کرنا ہے''۔ مطیع الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم صورت سے تو عرب دکھائی دیتے ہو مگر تمہارے تیور عربوں جیسے نہیں ہیں۔ انداز و اطوار سے یہی واضح ہوتا ہے کہ تم یقیناً ترک ہو، تمہاری سوچ کے زاویے میں سمجھ چکا ہوں میں ایک مغنی ہوں، نغمات و سُر کی لطافت سے میرا وجود رقص کرتا ہے، ناروا سلوک اور گھناؤنی حرکات سے مجھے گھن آتی ہے۔ تمہارے شکوک و شبہات کے سائے میں رہنے کے بجائے زیادہ بہتر یہی ہے کہ میں تنہا ہی سفر کروں''۔ ارزق کے لہجے میں عجیب سی چبھن چھپی ہوئی تھی۔

''تم تو برا مان گئے، میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا''۔ مطیع الدین خجل ہو کر بولا۔

ارزق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی دوران فوئنا جو خان بکرے کی کھال اتار کر اسے بھوننے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اس نے مطیع الدین کو لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لئے کہا۔ مطیع الدین خاموشی سے اُٹھ کر چشمے سے کچھ دور بکھری ہوئی خشک لکڑیاں چننے میں مصروف ہو گیا۔ ارزق نے گھوڑے کی کاٹھی سے بربط اتاری اور ہلکی سی لے پر دھیمے دھیمے گنگنانا شروع کر دیا۔ وہ کوئی صحرائی گیت گا رہا تھا۔ فوئنا جو خان اس کے گیت پر چونک سا گیا۔ وہ تاتاریوں کا قدیم لوک گیت تھا جس سے دلوں کے تار جھنجھنا اُٹھتے تھے۔ ارزق کی خوش الحانی کے باعث فوئنا جو خان کے من میں عجیب سی گھنٹیاں گونجنے لگیں۔

❁ ❁ ❁

قاضی جمال الدین نے لوشیریہ میں قیام کرتے ہوئے اطالیہ کے شاہ منفریڈ کے لئے علم منطق کا رسالہ مکمل کرتے ہی اُسے خبر دی۔ وہ دورانِ تحریر کئی بار قاضی موصوف کے پاس خود آ چکا تھا۔ اس کی یہ بے چینی اس کی علم و فن سے دوستی اور محبت کا کامل ثبوت تھی کہ وہ ایک چھوٹی سی کتاب کے بارے میں کس قدر فکرمند اور جنون میں مبتلا تھا۔ شاہ منفریڈ نے کتاب کی تکمیل کا سنتے ہی لوشیریہ کی راہ لی۔ اسی دوران پورے اطالیہ میں فرانسیسی پیش قدمی کی تیاریوں کی خبریں سر اُٹھانے لگیں۔ قاضی جمال الدین کو بھی اس بابت خبر مل چکی تھی۔ شاہ منفریڈ سے ملاقات پر قاضی جمال الدین نے کتاب پیش کرتے ہوئے فرانسیسی حملے کی تیاری کے بارے میں گفتگو چھیڑ دی شاہ منفریڈ یہ ذکر سن کر استہزائیہ انداز میں ہنسا اور کہنے لگا۔

''وہ بڈھا کھوسٹ شاہ لوئی نہم! جانے خود کو کیا سمجھتا ہے، ارضِ مقدس میں ذلت آمیز خواری اُٹھانے کے بعد اب اُسے کسی طرح اپنا دامن بھی تو دھونا تھا، ارضِ مقدس نہ سہی تو اطالیہ ہی سہی''۔ شاہ منفریڈ کا انداز بے حد لاپروائی کا سا تھا جیسے اُسے شاہ لوئی نہم کی اس حرکت پر ذرا سی بھی تشویش نہ ہو یا اسے اپنی عسکری قوت پر پورا بھروسہ ہو۔

''شاہ کی بے پروائی کا دامن کچھ زیادہ ہی وسیع دکھائی دیتا ہے، دانا کہتے ہیں کہ دشمن کو کسی حال میں بھی اپنے سے کمزور نہیں سمجھنا چاہئے''۔ قاضی جمال الدین نے فکرمندی سے کہا۔

''قاضی محترم! زندگی سے صرف یہی سبق سیکھا ہے کہ جینا ہے تو شیروں کی مانند جیو، کیڑے مکوڑوں کی طرح جینا بھی بھلا کوئی زندگی کہلاتی ہے۔ وہ میدان ہی کیا جہاں مردانگی کا مظاہرہ دیکھنے کو نہ ملے۔ دشمن اگر

بہادر و شجاع ہے تو ہم نے بھی اپنی عمر ایوانوں میں نہیں گنوائی''۔

''شاہ محترم!'' قاضی جمال الدین اس کے جذبہ شجاعت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ کا کہنا بجا! مگر بیزنطینی کلیسا میں ابھی بھی دم خم باقی ہے۔ اس کی طاقت و حمایت فرانسیسی لشکر کے ساتھ ہونا کسی قدر فکرمندی کی بات ہے۔ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں سلطان سیبرس سے اس ضمن میں مشورہ کروں۔ میں خود بھی ریاست اطالیہ کی خیر خواہی کے اس کار نیک میں شریک ہونے کا متمنی ہوں''۔

''قاضی ابن واصل! کیا آپ کو جنگی ہتھیاروں سے کچھ آگاہی بھی ہے؟'' شاہ منفریڈ بولا۔

''کیوں نہیں شاہ محترم!'' قاضی جمال الدین مسکرا کر بولے۔

''ہمارے لئے یہ بات کسی تعجب سے کم نہیں کہ آپ جیسا ذہین اور عالم شخص بھی جنگی علوم سے دلچسپی رکھتا ہوگا۔ بہر کیف آپ جیسی قابل احترام شخصیات کو میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا تو پسند کر سکتا ہوں مگر آپ جیسے لوگوں کو میدان جنگ میں جھونکنا میرے لئے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بات ہوگی''۔ شاہ منفریڈ دو ٹوک انداز میں بولا۔

''میرے کہنے کا مطلب تو یہ تھا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں سلطانِ محترم سے عسکری معاونت کی بات کروں''۔ قاضی جمال الدین نے جلدی سے کہا۔

''قاضی ابنِ واصل!'' شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ ''آپ بخوبی جانتے ہیں کہ بلادِ مصر اور اطالیہ کے درمیان طویل و عریض فاصلہ موجود ہے اور اس فاصلے میں گہرے سمندر کا پھیلا ہوا وسیع حصہ بھی شامل ہے۔ سلطان کی مخلصانہ مدد کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں مگر ایسا فوری طور پر ہونا ممکن نہیں''۔ شاہ منفریڈ نے جواب دیا۔

''شاہ محترم! مسلمانوں کے لئے فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ آپ ایک بار سلطانِ محترم کو اشارہ کر کے تو دیکھیں''۔ قاضی جمال الدین کے لہجے میں شدت تھی۔

''قاضی ابنِ واصل!'' شاہ منفریڈ کے چہرے پر خوشگواری جھلکنے لگی۔ ''ہمیں تمہاری ہمدردی اور خلوص سے دلی مسرت ہوئی ہے۔ ہمیں سلطان کی آزمائش مقصود نہیں ہے مگر پھر بھی وہ ہماری مدد کرنے پر تیار ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے اپنی افواج پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ شاہ لوئی نہم جیسے شکست خوردہ حکمرانوں سے نمٹنا بخوبی جانتی ہیں''۔

''شاہ منفریڈ کو اللہ تعالیٰ کامیابی و فتح نصیب سے ہمکنار کرے۔ میں آج ہی واپسی کی تیاری کروں گا اور انشاء اللہ جلد ہی سلطانی افواج اطالیہ میں پہنچ جائیں گی''۔ قاضی جمال الدین نے پُرجوش انداز میں جواب دیا۔ شاہ منفریڈ نے قاضی جمال الدین کے آخری جملے پر کچھ تبصرہ نہیں کیا اور وہ اس مختصر ملاقات کے بعد واپس لوٹ گیا۔ فرانسیسی لشکر کی بھرپور تیاریوں کی خبریں پورے ملک میں پھیل چکی تھیں۔ قاضی ابن واصل نے جمعہ کی نماز سے پہلے جامع مسجد لوشیریہ میں ایک زوردار وعظ کیا اور انہیں شاہ منفریڈ کا مکمل ساتھ دینے کی ہدایت کی تاکہ اطالیہ میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی محفوظ رہ سکے۔ قاضی جمال الدین اطالیہ میں سات ماہ کے قیام کے بعد شاہ منفریڈ کی جانب سے سلطان سیبرس کے لئے قیمتی تحائف اور سفارتی مراسلے کے ساتھ واپس قاہرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

❀❀❀

شیخ کبیر الدین قلعہ الموت سے فرار ہو کر شام پہنچ گیا۔ جہاں فدائی گروہ نے کئی قدیم اور ویران

پہاڑی قلعوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ باطنیہ فرقہ حشیشی یا حشاشہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس فرقہ کی خفیہ تحریک کی بنیاد حسن بن صباح نے 483ھ میں رکھی تھی۔ حسن بن صباح دنیوی لحاظ سے معمولی حیثیت کا حامل شخص تھا لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت اور بلند ہمتی کی بدولت اس نے بڑا عروج حاصل کیا۔ اس نے سب سے پہلے قلعہ الموت پر قبضہ کیا جو کہ ماژندران میں نہایت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور حریفوں کے لئے خون کے دریا میں تیرے بغیر اس پر قبضہ کرنا محال تھا۔ حسن بن صباح نے اسی قلعہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے آخری دور میں حسن بن صباح کی قیادت میں باطنیہ فرقہ نے بڑا زور پکڑا۔ انہوں نے طبس، قائن، تون، خالنجان، گردکوہ، خور، خوسف، اروہن، الناظر، الطنبور اور بیسیوں دوسرے قلعوں پر قبضہ کر کے زبردست فوجی قوت منظم کر لی ان کاوشوں کے بعد حسن بن صباح نے دولت اسمٰعیلیہ شرقیہ (دولتِ ملاحدہ قہستان) کے نام سے ایک علیحدہ مملکت قائم کر لی۔ اس مملکت کے حکمرانوں کا لقب شیخ الجبل یا شیخ الجبال تھا۔

باطنیہ فرقہ میں نظام حکومت کی تشکیل کے بعد کئی درجات ترتیب دیئے گئے جن میں داعی الدعاۃ، داعی الکبیر، داعی رفیق اور فدائی وغیرہ شامل تھے۔ فدائی گروہ کے علاوہ باقی تمام عہدوں کے لوگ تبلیغ و انتظام میں مشغول رہتے تھے جبکہ فدائی طبقہ آنکھیں بند کر کے بلا عذر و حجت شیخ الجبل کے ہر حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ حسن بن صباح نے اپنے فدائین کو قبضہ میں رکھنے کے لئے قہستان کی دشوار گذار پہاڑیوں سے گھری ہوئی ایک پُرفضا گھاٹی میں ایک مصنوعی جنت تعمیر کر رکھی تھی۔ مؤرخین نے اس مصنوعی جنت کا ایسا دلکش نقشہ کھینچا ہے کہ نگاہوں کے سامنے اصلی جنت کے نظارے گھوم جاتے ہیں۔ حسن بن صباح اپنے منظور نظر فدائیوں کو بھنگ پلا کر مدہوش کر دیتا تھا اور ان کو اسی مدہوشی کے عالم میں اپنی اس مصنوعی جنت میں پہنچا دیتا۔ چند دن تک انہیں وہیں رکھ کر بھنگ کی مدہوشی میں مبتلا کر کے اپنی جنت سے باہر نکال دیتا تھا۔ یہ لوگ اس مصنوعی جنت کی خواہش میں ایسے مبتلا ہو جاتے کہ وہ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے۔ وہ جب اپنے ساتھیوں سے اس جنت کا ذکر کرتے تو وہ سب اس ''جنت'' کی آرزو میں دیوانے دکھائی دیتے۔ حسن بن صباح کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی اس روش کو برقرار رکھا۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ فدائین شیخ الجبل کے حکم پر پہاڑ سے کود کر یا کسی بھی دوسرے طریقے سے جان دینے کو کھیل سمجھنے لگے۔ حسن بن صباح نے باطنیہ فرقہ میں ایسا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا کہ وہ چند ہی سالوں میں اردگرد کے علاقوں پر چھا گئے۔ سلطان محمد سلجوقی اور سلطان سنجر سلجوقی جیسے زبردست حکمرانوں نے ان کی بیخ کنی کی پوری کوشش کی مگر ان کا قلع قمع نہ کر پائے۔

حسن بن صباح کے جانشینوں نے خفیہ حملوں کی روش کو اختیار کرتے ہوئے اپنے فدائیوں سے بے شمار قیمتی شخصیات کو ہلاک کروادیا۔ وہ جس شخص کو اپنی مخالفت میں زوردار پاتے، اسے اپنے کسی فدائی کے ہاتھوں قتل کروا ڈالتے۔ فدائیوں کا آلۂ قتل بالعموم زہر میں بجھا ہوا تیز دھار خنجر ہوا کرتا تھا۔ فدائی حملوں کا شکار بے شمار سیاسی، مذہبی اور دینی شخصیات ہوتی رہیں۔ دینی پیشوا عموماً باطنیہ فرقہ کے عقائد پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے۔ دربار خلافت بھی ان کی شورش سے نہ بچ پایا۔ بغداد کا عباسی خلیفہ مسترشد باللہ بھی فدائی خنجر کا نشانہ بن چکا تھا۔ ایل خانی منگول حاکم آقسنقر بھی اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔ مسلمان حکمرانوں اور ایل خانی منگولوں کی بھرپور کوششوں کے باوجود فدائیوں کے خلاف مؤثر انتظام نہ کیا جا سکا۔ اکابرین وقت کے علاوہ عام مسلمان رعیت بھی ان کی بھینٹ چڑھتی رہی۔ سلطان محمد سلجوقی کے عہد میں اصفہان نامی شہر میں سے ایک

فدائی سازش بے نقاب ہوئی، جس میں پانچ سو کے قریب مسلمانوں کی لاشیں ایک مکان سے برآمد ہوئیں۔ فدائی گروہ نے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسی مجاہد کبیر شخصیت پر بھی قاتلانہ حملے سے دریغ نہیں کیا۔ یہ الگ بات تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی خوبی قسمت سے بچ گیا ورنہ فرقہ باطنیہ نے اپنی طرف سے اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں کوئی کسر اُٹھانہ رکھی تھی۔ اسلام کا قالب اوڑھے ہوئے یہ دہشت گرد گروہ پونے دوسوسال تک عالمِ اسلام کے جسد کا ناسور بنا رہا۔

قدرت کا انصاف دیکھئے کہ اس خونخوار گروہ کا استیصال اسلام دشمن گروہ کے ہاتھوں ہوا۔ 654ھ میں ہلاکو خان سیل بلا کی طرح قلعہ الموت کی جانب بڑھا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی۔ اس وقت فرقہ باطنیہ کا ساتواں حکمران خورشاہ بن علاء الدین حاکم تھا ہلاکو خان نے سلطنت باطنیہ کے دو سو کے قریب قلعوں کو تباہ و برباد کیا اور بارہ ہزار سے زائد باطنیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ ہلاکو خان نے سلطنت باطنیہ پر گہری کاری ضرب لگائی تھی لیکن وہ ان کا کلیۃً خاتمہ نہ کر سکا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سلطان بیبرس نے معرکہ جالوت کے فوراً بعد آگے بڑھ کر تاتاریوں کو شکست دے کر شام سے نکال باہر کیا۔ اس طرح قہستان سے شام تک قلعوں کے سلسلے میں سے بلادِ شام کے تمام قلعے مکمل طور پر محفوظ رہ گئے تھے۔ ہلاکو خان کی واپسی پر پہاڑوں میں روپوش فدائیوں نے دوبارہ قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا اور باطنی سلطان خورشاہ کے بھتیجے شیخ کبیر الدین نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی، یہ حکومت سابقہ حکومتوں جیسی زبردست تو نہ تھی مگر اس کا دوبارہ قائم ہو جانا ایک اہم بات تھی۔

قلعہ الموت کے باطنی حاکم شیخ کبیر الدین کو برقائی خان جیسے طاقتور حاکم کی مدد سے کسی قدر یہ امید پیدا ہوئی تھی کہ وہ جلد ہی دوبارہ اپنی سابقہ حیثیت بحال کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر قدرت کو یہ بات منظور نہیں تھی۔ برقائی خان کا ساتھ دینے کے جرم میں وہ ہلاکو خان کے عتاب کا شکار ہو گیا۔ قلعہ الموت مکمل طور پر ایل خانی قبضے میں جا چکا تھا۔ شیخ کبیر الدین اپنی جان بچا کر شام کی اہم پناہ گاہوں کی جانب روانہ ہوا۔ سرحد شام کے پہاڑی سلسلے میں بانیاس، مصیاف، الکہف اور خوابی کے قلعے ابھی تک فدائیوں کے قبضے میں موجود تھے شیخ کبیر الدین جب قلعہ بانیاس پہنچا تو اسے دو اہم مرحلے درپیش تھے۔ سب سے اہم مرحلہ اپنی حاکمیت قائم کرنا تھی، دوسرا فدائی گروہ کے اکھڑے ہوئے قدموں کو مضبوط کر کے ہلاکو خان سے بدلہ لینا تھا۔

❀ ❀ ❀

تاتاری مغنی ارزق کے گیتوں نے فوئناجو خان کے دل میں نرمی کا گوشہ پیدا کر ڈالا تھا وہ اپنے لوک گیتوں کے باعث اس کا دیوانہ دکھائی دینے لگا۔ وہ ارزق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنا پسند کرتا تھا۔ مطیع الدین بھی ارزق کے حسن سلوک اور خوش اخلاقی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ارزق کی شخصیت میں کئی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ ایک اچھا مغنی ہونے کے ساتھ ساتھ ہر کام میں ماہر دکھائی دیتا۔ فوئناجو خان کے شکار کردہ پہاڑی بکرے کو جس عمدگی سے ارزق نے بھونا تھا، اس کی لذت کئی دنوں تک ان کے منہ میں بسی رہی۔ وہ سب ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے سمرقند پہنچ گئے جہاں انہیں معلوم ہوا کہ خیام زریں سلطان برقائی خان سرائے میں موجود نہیں بلکہ وادی قفقاز کے نواح میں موجود ہے۔ انہوں نے باہمی صلاح سے اپنا رُخ موڑا اور قفقاز کی جانب بڑھنے لگے۔ ارزق کو کہیں قیام کی خواہش نہیں تھی بلکہ وہ صرف برقائی خان سے ایک ملاقات کرنے کا خواہشمند تھا۔ فوئناجو خان کے روکھے پن کو مطیع الدین نے محسوس کر لیا تھا۔ ایک دن وہ اس کے گرد ہو گیا اور وجہ دریافت کرنے لگا۔ لگاتار اصرار پر عقدہ کھلا کہ فوئناجو خان مطیع الدین کی اس حرکت کو بھلا نہیں پایا

جو اس نے قلعہ الموت کی وادی میں اس کے ساتھ کی تھی۔

''یعنی تم مجھ سے صرف اس لئے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں موت کے منہ میں دیکھ کر بے ہوش کر ڈالا تاکہ تمہاری زندگی بچ جائے''۔ مطیع الدین تیز لہجے میں چیخا۔

''جاددانی آسمان کی قسم! یہ میرے لئے موت کا مقام ہے کہ تمہاری بدولت میں آج بزدلی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں''۔ فوئناجو خان نے ناگواری سے کہا۔

ارزق کو ساتھ رہتے ہوئے قلعہ الموت کا تمام واقعہ معلوم ہو چکا تھا۔ وہ فوئناجو خان کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے بھی مطیع الدین کی مخالفت کرتے ہوئے میدانِ جنگ سے فرار کو اچھا عمل نہیں گردانا۔

''تم نہیں جانتے ارزق!'' مطیع الدین جلدی سے بولا۔ ''وہاں کی صورتِ حال ایسی نہیں تھی کہ جم کر مقابلہ کیا جا سکتا۔ چند سو سپاہیوں کے بل پر ہزاروں کے لشکر سے بھڑنا سراسر خودکشی کی بات تھی۔ دوسرا ہمارا مقصد وہاں فتح و شکست نہیں تھا بلکہ سر پر چھائے ہوئے شدید ترین خطرے کے عالم میں اپنے حلیف شیخ کبیر الدین کی زندگی کی حفاظت کرنا تھا۔ تم دیکھ لینا جب یہ بات برقائی خان کو معلوم ہو گی تو یقیناً میری تعریف کرے گا''۔

''اگر تمہارے مؤقف کی نگاہ میں تمہارے فعل کو جانچا جائے تو یقیناً یہ حرکت قابل تعریف ہو سکتی ہے مگر ایک جنگجو کی نگاہ سے تمہارا فعل بزدلی کی عکاسی کرتا ہے''۔ ارزق نے مختصراً رائے دی۔

''فوئناجو خان بخوبی جانتا ہے کہ میں نہ تو بزدل ہوں اور نہ ہی مجھے میدان جنگ سے فرار سے کوئی دلچسپی ہے۔ میں سپاہی نہ سہی مگر ایک باشعور غیرت مند ضرور ہوں۔ اگر میں کسی کو ساتھ دینے کا قول دے دوں تو پھر میں ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس کی حفاظت کرنا اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں''۔ مطیع الدین ٹھوس لہجے میں بولا۔

ممکن تھا کہ دونوں اپنے اپنے مؤقف پر یونہی جمے رہتے۔ ارزق نے نہایت خوبصورتی سے ان کے درمیان تلخی کی فضا کو مٹاتے ہوئے ان کی صلح کرا دی۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو فوئناجو خان کو منانا آسان کام نہیں تھا۔ وہ پہلے ہی ارزق سے متاثر ہو چکا تھا اس لئے اس کی بات ٹال نہ پایا۔ کچھ ہی دیر میں دونوں کے درمیان سابقہ انداز کی نوک جھونک بحال ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر فقرے کستے ہوئے خوشگوار انداز میں وادی قفقاز کی جانب بڑھنے لگے۔ ان دونوں کی نوک جھونک میں گل دقوز کا سلسلہ بھی چھڑ گیا۔ تاتاری مغنی ارزق گل دقوز کا نام سن کر مطیع الدین سے تفصیل دریافت کرنے لگا۔ مطیع الدین عجیب سے انداز میں جھینپا سا دکھائی دیا۔ کچھ ہی دیر میں ارزق گل دقوز کی شخصیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا۔ اسے مطیع الدین کی نرالی محبت پر حیرت بھی تھی۔ مطیع الدین گل دقوز کے ذکر پر مغموم سا ہو کر گیا۔ اس کی تیزی طراری معدوم ہو کر رہ گئی۔ گل دقوز سے جدائی کا عرصہ شمار کرتا رہا۔ کئی بار اسے گل دقوز کی موجودگی کی خبر ملی مگر منزل پر پہنچنے کے بعد وہ محض خاک چھانتا رہ گیا۔ گل دقوز اس کے لئے ایک معمہ بن کر گئی تھی۔ وہ اس کی بھولی بھالی صورت دیکھنے کو ترس سا گیا۔ ارزق نے مطیع الدین میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ اس نے فوئناجو خان کو علیحدہ کر کے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھایا کہ وہ مطیع الدین کو مزید نہ تنگ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ صدمے و غم کی حالت میں اس پر پل پڑے۔

وہ تینوں سفر کرتے ہوئے کوہ قفقاز کے قریب ایک بڑی وادی میں پہنچ گئے جہاں دریائے مرغند کے کنارے زرد خیموں کا ایک بڑا شہر آباد تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں خیام زریں سپاہی عسکری مشقوں میں مصروف

تھے۔ مطیع الدین نے سب سے پہلے برقائی خان تک اپنی آمد کا پیغام پہنچایا۔ برقائی خان نے اسے خیموں میں ہی قیام کی ہدایت کی۔ شام کے وقت وہ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر دریائے مرغند کی جانب نکل آیا۔ اس نے وہیں مطیع الدین کو طلب کیا۔ مطیع الدین پیغام پاتے ہی فوئنا جو خان اور ارزق کے ہمراہ دریا کی جانب روانہ ہو گئے۔ دریا کے کنارے پر ایک وسیع اور خوبصورت خیمہ نصب تھا جہاں محافظوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ خصوصی خیمہ برقائی خان کا تھا۔

محافظوں نے ان تینوں کی جامہ تلاشی کے بعد انہیں اندر جانے کی اجازت دی۔ وہ تینوں مؤدب انداز میں اندر داخل ہو گئے برقائی خان ایک شاندار قالین پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے براجمان تھا۔ اس نے ان تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ارزق حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں نہ تو کوئی شاندار تخت تھا اور نہ ہی کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ برقائی خان سادہ انداز میں زمین پر نشست اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس میں حکمرانوں جیسی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان تینوں نے رسمی انداز میں تعظیم دی اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ اس نے تمہاری بدولت مجھے سلطان بیبرس کے سامنے سرخرو ہونے کا موقعہ نصیب فرمایا۔ مطیع الدین! مجھے خوشی ہے کہ میری نگاہِ انتخاب اور فیصلہ پر تم پورے اترے ہو۔ تم نے میری دوستی اور اطاعت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ تم مجھ سے جو چاہو، مانگ سکتے ہو''۔ برقائی خان نے کہا۔ مطیع الدین کے چہرے پر فخریہ تاثرات پھیل گئے۔ اس نے شرارت بھری نگاہ سے فوئنا جو خان کی جانب دیکھا جو اپنی جگہ کسمساتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''قاآن اعظم! مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے دستے کی حفاظت نہیں کر سکا اور عین وقت پر آپ کے اس نادان دوست کی سازش کا شکار ہو گیا''۔ فوئنا جو خان تیزی سے بولا۔ وہ راستے میں جس بات کو فراموش کر چکا تھا، وہ برقائی خان کی تعریف کے باعث دوبارہ خلش بن کر چبھ سی گئی۔

''مجھے قلعہ الموت کی لڑائی کی مکمل خبر مل چکی ہے۔ ہمارے حلیف شیخ کبیر الدین نے شکریہ بھرے مراسلے میں تمام تفصیل لکھ بھیجی ہے۔ یہ سب کچھ اس قدر خاموشی سے عمل میں لایا گیا کہ ہمیں ذرا سی خبر بھی نہیں مل سکی۔ ورنہ میں کسی بھی صورت میں قلعہ الموت پر ایل خانی قبضہ نہ ہونے دیتا۔ مجھے فدائی حکومت کی شکست پر گہرا افسوس ہے مگر شیخ کبیر الدین کی زندگی بچا کر مطیع الدین نے جو احسان ہم پر کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے۔ تمہارے دستے کی ہلاکت بھی ہمارے لئے باعث رنج ہے، ہمارا ایک ایک سپاہی نہایت قیمتی تھا مگر جو ہو چکا ہے اسے بھول کر ہمیں آئندہ کی فکر کرنا چاہئے۔ میں تمہیں پانچ سو سپاہیوں کے دستے کا امیر مقرر کرتا ہوں تا کہ تمہارے دل میں کوئی خلش باقی نہ رہ جائے''۔ برقائی خان کے لہجے میں کسی قدر افسردگی تھی۔ فوئنا جو خان، مطیع الدین کی دوبارہ تعریف پر مزید کچھ نہ کہہ پایا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ برقائی خان نے مطیع الدین کے حوالے سے اسے چند ہدایات دیں اور پھر اسے جانے کی ہدایت کی۔ فوئنا جو خان خاموشی سے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ فوئنا جو خان تمہارے ساتھ رہ کر خوش نہیں، اس کے لبوں پر ہمیشہ تمہارے بارے میں شکایتیں مچلتی رہتی ہیں۔ زیادہ بہتر یہی ہو گا کہ تم بھی اس سے دور رہا کرو''۔

''مگر میں نے تو اسے کبھی تنگ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی مخالفت کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا ہے''۔ مطیع الدین کے لہجے میں غم و حیرت عود کر آئی۔

''تمہیں آگاہ کرنا میرا کام تھا...... آگے جو تمہارے جی میں آئے وہ کرتے رہو...... تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟ اس کا تعارف تو تم نہیں کرایا''۔ برقائی خان نے ارزق کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں قاآن اعظم کا ایک پرستار ہوں، بہت دور سے لمبی مسافت طے کر کے صرف ملاقات کی غرض سے آیا ہوں اگر اجازت فرمائی جائے تو میں اپنا تعارف تخلیے میں کرانا چاہوں گا''۔ ارزق مطیع الدین کے بولنے سے پہلے خود ہی بول اُٹھا۔ مطیع الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر برقائی خان نے اسے منع کر دیا۔ وہ مطیع الدین کے ماتھے پر شکوک و شبہات کی سلوٹیں بخوبی دیکھ چکا تھا۔

''تمہاری مراد صرف مطیع الدین ہے یا یہاں موجود باقی تمام لوگ بھی ......؟'' برقائی خان نے پوچھا۔ یہ سن کر ارزق کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ نہایت سمجھ دار ہیں میرا اشارہ یقیناً سمجھ چکے ہیں''۔ ارزق مسکراتے ہوئے بولا۔ مطیع الدین اس جواب پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے ارزق کی بے اعتنائی پر غصہ آنے لگا۔

''مطیع الدین!'' برقائی خان اس کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔ ''تمہارے لئے ایک خیمہ لگوا دیا گیا ہے۔ تم وہاں آرام کرو۔ اگر کچھ مزید کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو''۔

''قاآن اعظم!'' مطیع الدین مؤدب انداز میں بولا۔ ''آپ مجھے کچھ دن کے لئے رخصت کی اجازت فرمائیں، میں شام کی طرف جانا چاہتا ہوں''۔

''مطیع الدین! میں جانتا ہوں کہ تم وہاں کیونکر جانا چاہتے ہو۔ نادان مت بنو، وہ عورت اب تمہیں نہیں مل سکتی۔ شیخ کبیر الدین نے خصوصاً اس کے بارے میں مجھے آگاہ کیا ہے اور درخواست کی ہے کہ مطیع الدین کو اس امر سے باز رکھا جائے''۔ برقائی خان نے متنبہ کیا۔

''میری خواہش ہے کہ آپ اس معاملے کو میرے اور شیخ کبیر الدین تک ہی رہنے دیں اور مجھے مجبور نہ کریں''۔ مطیع الدین نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اس کے انداز میں کسی قدر سرکشی تھی۔

برقائی خان اس کی بات پر ہنسنے لگا اور اس نے اسے شام جانے کی اجازت دے دی۔ مطیع الدین برقائی خان کے شاہی خیمے سے نکل کر محافظ کی رہنمائی میں اپنے خیمے کی جانب بڑھا۔ وہ برقائی خان کی جانب سے گل دتوژ کو بھولنے کی بات سن کر رنجیدہ سا ہو گیا۔ اس کے خیالات کے دھارے یکا یک شیخ کبیر الدین کی جانب مڑ گئے۔ گل دتوژ اس کی محبت تھی، جسے گردشِ وقت نے اس سے دُور کر ڈالا تھا۔ وہ فراق کے سارے پل پار کر کے اس کے پاس پہنچنے کے لئے بے تاب تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ گل دتوژ کو حاصل کرنے کے لئے اب اسے اپنی تلوار کو حرکت دینا ہو گی۔ شیخ کبیر الدین نے برقائی خان کے ذریعے اس کو گل دتوژ کے لئے پیغام بھیج کر کھلم کھلا للکارا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں اس نئی صورتِ حال کے تانے بانے بننے لگا۔

''شیخ کبیر الدین! میں تم سے ملنے دوبارہ آ رہا ہوں...... مگر اب ملاقات دوستی کی نہیں، دشمنی سے تعبیر ہو گی''۔ مطیع الدین دھیمے انداز سے بڑبڑایا۔ یکلخت گھوڑے کی ہنہناہٹ کی تیز آواز نے اس کے خیالوں کا سلسلہ توڑ ڈالا۔ وہ چونک سا گیا۔ یہ یقیناً ارزق کے گھوڑے کی آواز تھی۔ وہ تیزی سے اپنے خیمے سے باہر نکلا۔ اس نے دور سے برقائی خان کے خیمے کی جانب نگاہ دوڑائی۔ ایک محافظ ارزق کا گھوڑا لئے خیمے کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ اسی اثناء میں اسے ارزق کی صورت دکھائی دی جو برقائی خان کے ساتھ خیمے سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ برقائی خان کے چہرے پر خوشی کے آثار موجود تھے۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے برقائی خان نے ارزق سے پرجوش مصافحہ کیا۔ ارزق برقائی خان سے علیحدہ ہو کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کی کسی بات پر برقائی خان

نے وادی قفقاز کی جانب اشارہ کیا تو ارزق نے ہاتھ ہلا کر رخصت لی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وادی کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جس منظر کا اس کی آنکھوں نے مشاہدہ کیا تھا، اسے وہ کوئی مفہوم نہ پہنا سکا۔ تاتاری مغنی ارزق اسے اچانک سمرقند کے مضافات میں ملا تھا۔ وہ ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہاں تک آیا اور پھر اس کی نگاہوں کے سامنے وہ ایل خانی ریاست کی جانب روانہ ہو گیا اور برقائی خان نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی، الٹا اسے رخصت کرنے کے لئے خود اُٹھ کر خیمے سے باہر آیا۔ یہ عجیب پہیلی تھی جس نے لمحہ بھر کے لئے مطیع الدین کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

❀ ❀ ❀

شیخ کبیر الدین کی آمد پر قلعہ بانیاس کے داعی الدعاۃ شیخ ابوراضیاء نے اسے خوش آمدید کہا۔ شیخ ابوراضیاء سلطنت باطنیہ میں حکمران کے بعد سب سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس کا کام تمام باطنی داعیوں کو ہدایات دینا اور ان کے امور کی جانچ پڑتال کرنا تھا۔ شیخ کبیر الدین نے قلعہ الموت میں رہتے ہوئے شیخ ابوراضیاء کو کسی قدر اپنا گرویدہ بنا لیا تھا مگر اس کی اطاعت پر کامل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ خورشاہ جیسے حاکم کی موت کے بعد ہر اعلیٰ منصب کے حامل فرد کے دل میں حاکمیت کا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ وہ سب خود کو ہی حرف آخر سمجھنے لگے تھے۔ شیخ کبیر الدین کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ وہ قلعہ الموت سے شکست کھا کر وہاں پہنچا تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے نہ صرف ہلاکو خان جیسے طاقتور فرمانروا کے سامنے اس کی شکست کو معمولی حادثہ قرار دیا بلکہ خوشامد کی حد تک اس کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اتنے عرصے تک وہاں جما رہا۔ شیخ کبیر الدین نے شیخ ابوراضیاء کے سامنے صاف بات کی کہ وہ اگر اس کے اقتدار میں معاون ثابت ہوگا تو اسے وزارت کا قلمدان سونپ دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ منصب کسی دوسرے کے حصے میں بھی جا سکتا ہے۔ شیخ ابوراضیاء گھاگ اور ہوشیار شخص تھا۔ اس نے فوراً بلا حیل و حجت شیخ کبیر الدین کا بھرپور ساتھ دینے کا اقرار کیا۔ شیخ کبیر الدین نے یقین دہانی کے لئے اس سے باطنی حلف اٹھوایا تاکہ وہ بعد میں منکر نہ ہو جائے۔ یہ حلف محض قلبی اطمینان کا ذریعہ تھا ورنہ اگر کوئی سرکشی پر اُتر ہی آتا تو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکتا تھا۔

شیخ کبیر الدین نے قلعہ بانیاس میں رہتے ہوئے دوسرے تمام قلعوں میں اپنے مراسلے روانہ کئے اور تمام باطنی افراد کو اپنی اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی انہیں متنبہ کر دیا کہ اگر وہ اطاعت سے روگردانی کریں گے تو ان کے حق میں بہتر نہیں ہوگا، کوئی پوشیدہ خنجر انہیں موت کی نیند سلا دے گا۔ سابق باطنی حکمران خورشاہ سے تعلق کے باعث تمام اعلیٰ و ادنیٰ مناصب پر فائز باطنی افراد نے بلا تردد شیخ کبیر الدین کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح شیخ کبیر الدین قہستان سے دربدر ہونے کے بعد شام کے سلسلہ کوہ کے تمام قلعوں اور اراضی کا تنہا حکمران بن گیا۔ اس نے وہاں رُکے ہوئے کاموں کا جائزہ لیا اور ان کو مناسب ہدایات دیں۔

ایک شام شیخ کبیر الدین اپنے دست راست شیخ ابوراضیاء کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ اکابرین وقت کے قتل کی تفصیل کا باب زیرِ بحث آ گیا۔ شیخ ابوراضیاء نے فخریہ انداز میں اسے بتایا کہ بلادِ شام سے بے شمار اسمٰعیلی مخالفین کا صفایا کیا جا چکا ہے۔ اب اکا دکا لوگ رہ گئے ہیں، وہ بھی قتل کے خوف سے کھل کر مخالفت نہیں کرتے دکھائی دیتے۔ البتہ بلادِ فارس و عراق اور بلادِ مصر میں ہماری مخالفت میں کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں، کئی عالم ہمارے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ ان کا سدباب کرنا بے حد ضروری امر ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ ہمارے بے شمار لوگ اپنی مہم میں ناکام رہتے ہوئے وہاں مارے جا چکے ہیں۔

شیخ کبیر الدین نے تفصیل سننے کے بعد ان لڑکیوں کے بارے استفسار کیا جنہیں خنجر زنی کی خاص تربیت کے بعد شام روانہ کیا گیا تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے بتایا کہ ان لڑکیوں میں تیس کے قریب ہلاک ہو چکی ہیں اور پانچ کو گرفتار کر کے ان پر باقاعدہ مقدمہ چلا کر موت کی سزا دی جا چکی ہے۔

شیخ کبیر الدین کو ان لڑکیوں کی موت کا سن کر گہرا صدمہ پہنچا، وہ کسی قدر مغموم سا دکھائی دیا۔ اچانک اسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے نصرانی لڑکی اینزیلا کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں بے تابی سی پوشیدہ تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے تعجب سے اس کا چہرہ دیکھا اور بتایا کہ اینزیلا تہامہ کے عالم بدر الدین خاکستری کو ہلاک کرنے کی مہم پر بھیجی گئی تھی مگر اس کا نشانہ چوک گیا اور وہ محافظوں کے واروں کا شکار بن گئی۔ شیخ کبیر الدین یہ سن کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

''شیخ الجبال! اس نصرانی لڑکی میں ایسی کیا بات تھی؟ جس نے آپ کو اتنا بے چین کر ڈالا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء اشتیاق بھرے انداز میں بولا۔

''وہ بڑی قیمتی تھی ابوراضیاء!'' شیخ کبیر الدین تاسف بھرے لہجے میں بولا۔ ''اسے میں نے خاص مہم کے لئے تیار کیا تھا۔ مجھے خیال نہیں رہا کہ اس کے بارے میں پیشگی ہدایت بھیج دیتا ہے کہ اسے کسی دوسری مہم پر روانہ نہ کیا جائے''۔

''کیسی خاص مہم؟'' شیخ ابوراضیاء کا تجسس بڑھتا گیا۔

''اپنے سب سے طاقتور دشمن ہلاکو خان کے قتل کی مہم کے لئے ...... وہ مدہا نصرانی تھی، اس لئے وہ بآسانی ہلاکو خان کے بہت قریب پہنچ سکتی تھی۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ہلاکو خان تک پہنچنے کا صرف یہی راستہ کھلا ہے ورنہ...... اس تک رسائی آسان کام نہیں''۔ شیخ کبیر الدین نے بتایا۔

''یہ بات تو درست ہے مگر اب تو کچھ نہیں کیا جا سکتا''۔ شیخ ابوراضیاء سوچ میں ڈوب گیا۔

''اینزیلا کے ساتھ دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ زہرہ اور گل دتوژ......؟''

''زہرہ تو قلعہ الکہف میں موجود ہے البتہ گل دتوژ کو حماۃ میں ایک مہم پر روانہ کیا گیا ہے۔ یہ اس کی پہلی مہم ہے دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟'' شیخ ابوراضیاء نے جواب دیا۔

''گل دتوژ کے ساتھ کتنے لوگ حفاظت کے لئے بھیجے گئے ہیں؟'' شیخ کبیر الدین نے پوچھا

''سات افراد......!!!''

''کم ہیں...... اس کے پیچھے فوراً کم از کم پچیس افراد مزید بھیجو''۔

''شیخ الجبال! میں کچھ سمجھا نہیں''۔ شیخ ابوراضیاء چکرا سا گیا۔

''بے وقوف! وہ سات آدمیوں پر اکیلی بھاری ہے، وہ مہم چھوڑ کر الٹا اپنے ہی ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالے گی۔ اسے کتنے دن پہلے یہاں سے روانہ کیا گیا ہے؟'' شیخ کبیر الدین تیز لہجے میں بولا۔ شیخ ابوراضیاء ہونقوں کی مانند اس کی صورت دیکھ رہا تھا جیسے شیخ کبیر الدین غلط کہہ رہا ہو۔

''ایک ہفتہ قبل وہ قلعہ مصیاف سے روانہ کی گئی ہے۔ اسے حماۃ پہنچنے میں ابھی دو دن مزید لگیں گے''۔ شیخ ابوراضیاء نے دھیمے انداز میں کہا۔

''تیز ترین قاصد کو فوراً اس کے عقب میں روانہ کر دو کہ وہ حماۃ تک تمام فدائیوں کو باخبر کر دیں کہ اگر گل دتوژ اپنے ساتھیوں کو ہلاک کر کے فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے زندہ گرفتار کر کے یہاں لائیں''۔ شیخ کبیر الدین نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''گرفتار کیوں......؟ فرار کی سزا تو موت مقرر کی گئی ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا۔ شیخ کبیرالدین نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس کے سوالات سے بے زار سا ہو گیا تھا۔ شیخ کبیرالدین کو اس کے روّیے پر یہ احساس ہونے لگا کہ جیسے وہ اپنی عقل استعمال کرنا ہی نہ جانتا ہو۔ شیخ ابوراضیاء شیخ کبیرالدین کی ناگواری کو محسوس کر چکا تھا فوراً اماں کا طلبگار ہو گیا۔ شیخ کبیرالدین کا خدشہ یقین کی منزل کو چھو رہا تھا کہ گل وقوژ یقیناً فرار کی کوشش کرے گی اور زیادہ تر امکانات اس امر کے تھے کہ وہ اپنے مقصد میں یقیناً کامیاب ہو جائے گی۔ شیخ کبیرالدین اب گل وقوژ کے ذریعے اپنے سب سے بڑے دشمن کی ہلاکت کا خواب دیکھ رہا تھا۔ نصرانی ایزیلا نہ سہی...... منگول...... گل وقوژ تو ابھی اس کے قبضہ قدرت میں تھی۔

❁ ❁ ❁

ارزق سلطنت اُردوئے زریں سے نکل کر وادی قفقاز کے راستے ایل خانی سلطنت میں داخل ہوا اور کئی دنوں کے پرصعوبت سفر کے بعد مختلف راستوں سے ہوتا ہوا دارلحکومت مراغہ میں نمودار ہوا۔ تمام راستے میں اسے کئی شاہی لشکروں سے سابقہ پڑا مگر وہ اپنی کمال مہارت سے انہیں مطمئن کرتا ہوا سفر کرتا رہا۔ وہ قریہ قریہ گھوما پھرا۔ اس کی عقابی نگاہیں ہر طرف ایل خانی انتظام وانصرام کا جائزہ لینے میں مشغول رہتیں۔ وہ ہر قسم کے لوگوں میں باآسانی گھل مل جایا کرتا تھا۔ مغنی ہونے کے ناطے لوگ اسے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ایک دن وہ ہلاکو خان کے دربار میں جا پہنچا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے ایک گیت پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ ہلاکو خان نے بخوشی اسے اجازت دے دی۔ ارزق نے تاتاریوں کا ایک پُرجوش لوک گیت ایسی خوش الحانی سے سنایا کہ تمام دربار جھوم اُٹھا۔ ہلاکو خان نے خوش کر اسے بڑے انعام واکرام سے نوازا اور شاہی مغنی کے عہدے کی پیش کش کی مگر ارزق نے مسکراتے ہوئے اتنی عمدگی سے اسے ٹال دیا کہ وہ اس کے اندازِ بیان کا معترف دکھائی دیا۔ ہلاکو خان سے داد پانے کے بعد ارزق شاہی دربار سے نکل آیا۔ وہ بازاروں میں بے مقصد گھومتا پھر رہا تھا کہ اسے بھوک محسوس ہوئی۔ اس نے قریب ہی ایک نانبائی کی دکان دیکھی تو وہیں جا پہنچا۔ اس نے نانبائی سے کھانا طلب کیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے سالن کا پیالہ اور ایک بڑی سی روٹی رکھ دی گئی۔ ارزق نے نانبائی کو ہاتھ دھونے کے لئے آواز دی تو وہ پانی کا ایک بڑا سا پیالہ لے آیا۔ ارزق نے اطمینان سے ہاتھ دھوئے اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد فارغ ہو کر اس نے نانبائی کے دام چکائے اور اپنی قیام گاہ پر چلا آیا۔ وہ عجیب سی متلون فطرت کا مالک تھا۔ اسے کسی ایک جگہ پر شاید ہی ٹک کر رہنا نصیب ہوا تھا۔ وہ مراغہ میں یوں ٹہلتا رہتا جیسے وہ کوئی سیاح ہو۔ مختلف لوگوں سے ہنسی مذاق کرنا شاید اسے مرغوب تھا۔ کچھ دن کے قیام کے بعد اس کا دل بھر گیا۔ اس نے گھوڑے پر کاٹھی ڈالی اور قیام گاہ کا حساب چکتا کر کے مراغہ سے نکل پڑا۔ وہ ایک بار پھر کوہ قفقاز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وادی قفقاز سے گذرتا ہوا وہ قلعہ الموت کے سامنے سے گذرا۔ وہاں منگول سپاہ نے اسے روک کر پوچھ گچھ کی اور تلاشی لی مگر اس کے پاس کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ اس نے قلعہ الموت کے پاس ایک دردناک سا گیت سنایا۔ منگول سپاہی اس کے گیت کے بولوں پر افسردہ دکھائی دیئے۔ قلعہ الموت سے نکل کر وہ سیدھا قسطنطنیہ پہنچا اور وہاں سے چکر کاٹتا ہوا شام پہنچ گیا۔ بلادِ شام کے بازاروں میں گھومتا ہوا اور حالات وسکنات کا جائزہ لیتا ہوا وہ دمشق جا پہنچا۔ اس نے شاہی محل کی راہ لی۔ شاہی محل کے محافظوں نے جب ایک تاتاری کو محل کی جانب بڑھتے دیکھا تو وہ چوکنا ہو گئے۔ جونہی ارزق ان کے قریب پہنچا تو ان کے نیزے اس کی جانب اُٹھ گئے۔ محافظوں نے تیز آواز سے آمد کا سبب دریافت کیا۔

''نیزے پرے ہٹالو...... میں تمہارا سلطان ہوں''۔ وہ تاتاری بھرائے ہوئے انداز میں بولا۔ محافظ اس آواز کو بخوبی پہچانتے تھے۔ وہ کوئی اور نہیں تھا بلادِ مصر وشام کا سلطان بیبرس تھا جو تن تنہا ایک پُرخطر اور طویل سفر سے واپس لوٹا تھا۔ محافظ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کے نیزے لاشعوری انداز میں پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ سلطان بیبرس تاتاری کے بہروپ میں شاہی محل میں داخل ہو گیا۔ سلطان بیبرس دراصل امیر المومنین خلیفہ مستنصر باللہ کی گمشدگی کے بارے میں نہایت پریشان تھا۔ مختلف علاقوں میں بھیجے گئے مخبروں کی جانب سے بھی کوئی صحیح خبر نہیں ملی تو اس نے خود حالات معلوم کرنے کی ٹھانی۔ وہ تاتاری مغنی کے روپ میں سلطنت تاتار میں پہنچ گیا اور وہاں غیر محسوس انداز میں مکمل چھان بین کی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ ایل خانی منگول بھی خلیفہ مستنصر باللہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو وہ اس اندازے کے ساتھ واپس لوٹ آیا کہ عین جالوت کے معرکے میں یقیناً خلیفہ مستنصر باللہ ہلاک ہو گیا ہے، اور اس کی لاش سپاہیوں سے پہچانی نہیں جا سکی اور دوسری لاشوں کے ساتھ دفن ہو چکی ہے۔ خلیفہ کی گمشدگی کا عقدہ حل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایل خانی سلطنت کے تمام حفاظتی نظام کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ذہن میں ایک نقشہ بھی ترتیب دے چکا تھا جو ہلاکو خان کے مقابلے کی صورت میں نہایت کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔ برقائی خان سے ملاقات کے دوران وہ اسے اپنا تعارف کروا چکا تھا۔ اس سے تو صرف ملاقات مقصود تھی۔ برقائی خان نے کافی کوشش کی کہ سلطان بیبرس کچھ دن اس کے پاس قیام کرے مگر سلطان نے اپنی آمد کو راز میں رکھنے کی ہدایت کے ساتھ وہاں سے رخصت اختیار کی۔ برقائی خان سلطان بیبرس کی شجاع اور پُرعزم شخصیت سے متاثر ہو کر رہ گیا۔

دوسری صبح سلطان بیبرس نے کاتب کو بلوایا اور اسے ہلاکو خان کے نام ایک مراسلہ لکھنے کی ہدایت کی۔ کاتب نے تیاری مکمل کر کے آگاہ کیا تو سلطان کے لب ہلنا شروع ہو گئے۔

''سلطنت تاتار کے فرمانروا ہلاکو خان کے نام!

میں گذشتہ دنوں میں تمہاری مملکت کے حالات کا معائنہ کرنے کے تمہارے شہروں میں گھومتا رہا ہوں۔ مجھے وہ گیت بھی یاد ہے جو تمہیں کسی مغنی نے تمہارے دربار میں سنایا تھا۔ اگر خواہش ہو تو میں اس گیت کے تمام مصرعے لکھ کر بھیج دوں گا۔ یہ مراسلہ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ تمہارے شہر میں شاہی دربار کے متصل تیسرے بازار میں ایک نانبائی کی دکان ہے۔ میں نے وہاں سے کھانا کھایا تھا۔ ہاتھ دھوتے وقت میری شاہی انگوٹھی اس کے پیالہ میں رہ گئی تھی۔ تم صرف یہ مہربانی کرو کہ وہ انگوٹھی تلاش کروا کر مجھے واپس بھیج دو۔

سلطان بیبرس''

سلطان بیبرس مراسلے کا مضمون مکمل کروا چکا تھا جبکہ کاتب حیرت بھری عجیب نگاہوں سے سلطان بیبرس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھ لئے اور محض مسکرا کر رہ گیا۔ کاتب نے مراسلہ خوشخطی سے مکمل کیا اور سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان بیبرس نے ایک نظر مراسلے پر ڈالی اور شاہی مہر لگا کر ایک قاصد کے حوالے کر دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ سیدھا ہلاکو خان کے دربار جائے اور اس کی ہدایت کا منتظر رہے اگر وہ کوئی چیز اسے دے تو وہ بحفاظت اسے سلطان کو پہنچا دے۔ اس قاصد کے روانگی کے بعد سلطان بیبرس نے تین مخبر نما قاصدوں کو اس کے عقب میں روانہ کیا جو کہ اس کی خاص نگرانی پر مامور کئے گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین اردوئے زریں کے حکمران برقائی خان کے جواب سے دلبرداشتہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ برقائی خان اس کی دوستی کی خاطر شیخ کبیر الدین سے گل وتوخ کی واپسی کا مطالبہ اُٹھائے گا مگر برقائی خان نے اس معاملے میں سردمہری کا رویہ ظاہر کیا تھا اور اُلٹا اسے گل وتوژ بھلانے کا مشورہ دیا تھا۔ مطیع الدین نے وادی قلقفاز سے نکلتے ہوئے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اکیلا ہی گل وتوژ کو شیخ کبیر الدین کے چنگل سے چھڑائے گا، چاہے اس کے لئے اسے کوئی بھی قیمت چکانا پڑے۔ اس نے اپنے ساز وسامان پر نگاہ ڈالی۔ زادِ راہ موزوں مقدار میں موجود تھا۔ اس نے اسی راستے سے شام کی راہ اختیار کی جس راستے سے وہ فوگنا جو خان کے ساتھ واپس آیا تھا۔ فوگنا جو خان کا خیال آتے ہی اس کا برا سا منہ بن گیا۔ وہ خود سے باتیں کرنے لگا۔ ''وہ بھی عجیب احمق شخص ہے، ساتھ میں رہتا ہے تو اس کا مزاج درست دکھائی دیتا ہے اور جونہی برقائی خان کی صورت دیکھتا ہے تو اس کے تیور ہی بدل جاتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کی مانند شکایات کا پنڈار لے کر بیٹھ جاتا ہے''۔ بہرکیف وہ اب دوبارہ فوگنا جو خان سے کبھی نہیں ملے گا۔ اس نے دل میں فیصلہ کیا۔ وہ اوسط رفتار سے گھوڑا دوڑائے جارہا تھا۔

وہ سمرقند سے ہوتا ہوا اسی پہاڑی سلسلے میں داخل ہوگیا جو کہ قہستان کے نام سے مشہور تھا۔ یہ سلسلہ کوہ قاف سے لے کر شام، لبنان، ترکی اور یونان تک ہلال کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ اسی دشوار گذار سلسلے میں کئی قلعے موجود تھے جن میں سے زیادہ تباہ وبرباد ہو چکے تھے باقی فرقہ باطنیہ کے قبضے میں تھے۔ مطیع الدین دن کے وقت سفر میں مشغول رہتا اور رات کے وقت کسی نہ کسی غار میں پناہ لے لیتا۔ اس نے خوراک کا استعمال بھی کم کردیا تھا کیونکہ اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ شام کے ان قلعوں کا فاصلہ کس قدر طویل ہے جو اس کی منزل ہیں، اس نے کئی چشموں کے قریب پہاڑی پھلوں کے درختوں سے پھل گھوڑے پر لاد لئے۔ وہ اپنے اندازے سے سفر کرتا ہوا بلادِ شام کے بجائے بلادِ قونیہ کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سلجوقی ترک سلطنت تھی، جہاں نصرانیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ اس سلطنت پر قلمش سلجوقی کے جانشین حکمران تھے۔ یہ سلطنت کسی قدر بالائی حصے میں واقع تھی اس لئے یہاں منگولوں کا بغداد جیسا عتاب نازل نہیں ہو پایا تھا۔ سلجوقی حکمرانوں نے تاتاری زور کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ کئی امن کے معاہدے کر لئے تھے اور انہیں خراج دے کر کسی قدر اپنی سلطنت کو محفوظ کرلیا تھا۔ بلادِ قونیہ کا یہ بالائی حصہ منگولوں کے چغتائی خاندان کے زیرنگیں تھا، اس لئے یہاں ایل خانی منگولوں کا طرزِ حکومت نہیں تھا۔ مطیع الدین کو یہ گمان ہوا کہ شاید یہی ریاست شام ہے لہٰذا اس نے اپنے گھوڑے کا رُخ قونیہ کی جانب موڑ دیا۔

❀ ❀ ❀

ہلاکو خان کو جب سلطان کا بیبرس کا مراسلہ ملا تو وہ اس کی جرأت وجسارت پر لمحہ بھر کے لئے اپنی جگہ پر ششدر رہ گیا۔ اس نے مراسلے کا مضمون دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا کہ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو اس کے کانوں نے چند لمحے پہلے سماعت کیا تھا۔ مراسلے کا مضمون دوبارہ سننے کے بعد اس نے تمام دربار میں نظر دوڑائی تو سب لوگ یوں دم بخود بیٹھے دکھائی دیئے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس نے قاصد کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کا حکم دیا اور مراسلے کی نشاندہی کے مطابق فوراً شاہی انگوٹھی کی برآمدگی کا حکم جاری کیا۔

اس تلاش کے لئے اعلیٰ مناصب پر مشتمل افراد کی مجلس تشکیل دی گئی جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ کر حقیقت اس کے سامنے لائیں۔ اس ضمن میں نانبائی سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے کسی قسم کی انگوٹھی کے بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ طعام خانے کے دیگر ملازمین سے بھی انگوٹھی کے بارے میں

تفتیش کی گئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکل پایا۔ اس ذمہ داری کے متعین اہلکاروں نے شام تک اپنی رپورٹ مرتب کر کے ہلاکو خان کے سامنے پیش کردی۔ ہلاکو خان نے خود رپورٹ پڑھی مگر اسے یقین نہیں آیا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ سلطان بیبرس چاہے جیسا بھی حکمران ہے، کم از کم ایسا سنجیدہ مذاق ہرگز نہیں کرسکتا، وہ یقیناً اپنی انگوٹھی یہیں کہیں چھوڑ کر گیا ہے۔ جاؤ دوبارہ چھان بین کرو اور کل صبح تک انگوٹھی برآمد کر کے لاؤ ورنہ تم سب کے سر قلم کردیئے جائیں گے''۔ ہلاکو خان کے عتاب زدہ حکم پر افسران لرز کر رہ گئے۔ ہلاکو خان سے ایسی حرکت غیر متوقع بھی نہیں تھی۔ وہ اکثر دیوانگی کے عالم میں بڑے سے بڑے منصب دار کو یوں مسل کر رکھ دیا کرتا تھا جیسے اس کی حیثیت چیونٹی سے زیادہ نہ ہو۔

ہلاکو خان کی سختی کے باعث انہوں نے تینوں بازاروں کے نانبائیوں کو اکٹھا کرلیا اور ان سے فرداً فرداً پوچھ گچھ کرنا شروع کردی۔ انہیں دھمکایا بھی گیا اور انعام واکرام کا لالچ بھی دیا گیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکل پایا۔ افسران کو اپنی تمام بھاگ دوڑ رائیگاں جاتی دکھائی دی تو انہوں نے تمام نانبائیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر ڈالا اور انہیں رات بھر سونے نہ دیا۔ ان سے بار بار انگوٹھی کا سوال کیا جاتا رہا۔ نانبائی اس دشوار صورتِ حال سے تنگ آ گئے۔ بالآخر ان میں سے ایک نانبائی نے انگوٹھی کے بارے میں بتانے پر آمادگی ظاہر کی مگر پہلے اپنی جان کی امان طلب کی۔ افسران نے اس معاملے کو ہلاکو خان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری صبح اس نانبائی کو شاہی دربار میں ہلاکو خان کے سامنے پیش کردیا گیا۔ نانبائی خود کو فرمانروا کے سامنے پا کر رونے پیٹنے لگا۔ ہلاکو خان کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کردیا گیا تو اس نے پہلا سوال یہی کیا کہ نانبائی نے اس معاملہ کو کیونکر پوشیدہ رکھا۔

''قاآن اعظم کا اقبال بلند ہو!'' نانبائی دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''گذشتہ دنوں میں ایک شخص میری دکان سے کھانا کھا کر گیا تھا۔ اس نے ہاتھ دھونے کے لئے پانی مانگا تو میں نے پانی کا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا اور خود کام میں جت گیا۔ وہ شخص کھانا کھانے کے بعد دام چکا کر چلا گیا۔ میں جب خالی برتن لینے کے لئے وہاں پہنچا تو مجھے پانی والے پیالے میں کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ میں ہاتھ ڈال کر اسے نکالا تو ایک انگوٹھی تھی۔ میں نے اسے فوراً چھپالیا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ وہ چوری کی ہے کیونکہ وہ شخص شکل وصورت سے کوئی متمول فرد نہیں دکھائی دیتا تھا۔ میں کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ اس انگوٹھی کا کیا کروں؟ کہ آپ کے سپاہیوں نے پوچھ گچھ شروع کردی۔ دراصل میں ڈر گیا تھا کہ کہیں چوری کے الزام میں نہ دھر لیا جاؤں۔ اسی لئے میں بتانے سے گریزاں تھا۔ جاودانی آسمان کی قسم! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں...... اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے''۔

''ہم جانتے ہیں! کہ تمہارا قصور نہیں ہے۔ وہ انگوٹھی ہمارے حوالے کردو''۔ ہلاکو خان دھیمے انداز میں بولا۔ نانبائی نے تیزی سے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنا شروع کردیا۔ کافی مشقت کے بعد اس نے اپنے لباس میں سے چمکتی ہوئی انگوٹھی برآمد کی اور شاہی ملازم کی جانب بڑھادی۔ ہلاکو خان انگوٹھی لے کر اسے دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ وہ شاندار منقش انگوٹھی تھی جس کے اوپر قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ہلاکو خان غور سے اس انگوٹھی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے اس کے حلقے پر سلطان الملک الظاہر کے الفاظ بھی دکھائی دیے۔ یہ بات کا عین ثبوت تھا کہ یہ انگوٹھی واقعتاً سلطان بیبرس کی ہی تھی۔ ہلاکو خان پر جب یہ حقیقت واضح انداز میں منکشف ہوگئی تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

انگوٹھی کی برآمدگی اور ہلاکو خان کے چہرے کے تغیر نے تمام درباری امراء وروساء پر یہ بات عیاں کر دی تھی کہ سلطان بیبرس کا مطالبہ حقیقت پر مبنی تھا۔ وہ یقیناً گذشتہ دنوں میں ان کے درمیان موجود رہا تھا۔ حلقہ

امرا میں خاصے لوگ سلطان بیبرس کی شخصیت سے مرعوب دکھائی دیے جبکہ کئی لوگ ہراساں ہو گئے۔ انہیں ہلاکو خان جیسے طاقتور فرمانروا کا سایہ بھی کمزور دکھائی دینے لگا۔ وہ اس سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ جس سلطنت کا حکمران اتنا جری اور بیدار مغز ہے، اس کا مقابلہ کیسے کیا جا سکے گا۔ ہلاکو خان خود بھی بہادر اور شجاع حکمران تھا مگر وہ ایسی جسارت تصور میں بھی نہیں لا سکتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار کسی شخص سے اتنا متاثر ہوا تھا۔ اس نے مصری قاصد کو بلوا کر شاہی انگوٹھی اس کے حوالے کی اور سلطان بیبرس کی جرأت مندی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اپنے برابر قوت کے دشمن سے جلد ہی ایک زبردست فیصلہ کن معرکے کے لئے نکلے گا اگر سلطان بیبرس یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایسی حرکات سے مجھے مرعوب کر سکتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ البتہ دیانت داری کی نگاہ سے دیکھا جائے تو دشمنوں کو ہراساں کرنے کے لئے تمہاری جیسی جرأت و دلیری کا ہونا ضروری امر ہے۔

ہلاکو خان نے نانبائی سے اس شخص کا حلیہ دریافت کیا جو اپنی انگوٹھی اس کی دکان پر چھوڑ گیا تھا۔ نانبائی نے سوچ سوچ کر کچھ نشانیاں بیان کیں۔ ہلاکو خان نے مصری قاصد سے سوال کیا کہ یہ شخص جو نشانیاں بتا رہا ہے اس طرح کا کون شخص تمہارے ہاں موجود ہے۔ مصری قاصد نے دوبارہ نشانیاں سننے کی فرمائش کی۔ نانبائی نے دوبارہ بتایا تو مصری قاصد غور سے سنتا رہا۔ جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو مصری قاصد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے بمشکل بتایا کہ یہ نشانیاں تو سلطان بیبرس کی ہیں۔ مصری قاصد کی تصدیق نے شاہی دربار میں گہری خاموشی طاری کر دی تھی۔

ہلاکو خان نے نانبائی کو جانے کی اجازت دی تو وہ اتنی عجلت سے دربار سے نکلا جیسے اسے خوف ہو کہ قاآن اعظم کہیں اپنا فیصلہ بدل نہ ڈالے۔ مصری قاصد کو عزت و احترام سے واپس روانہ کیا گیا۔ سلطان بیبرس اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ ایل خانی سلطنت کو یہ باور کرا دے کہ ان کی عسکری تیاریاں اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں ہیں دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ایل خانی تاتاری سالاروں کے حوصلے لرز کر رہ گئے۔ وہ سلطان بیبرس کو چھلاوا سمجھنے لگے جو انسان کا روپ دھار کر ان کے مقابلے پر آ گیا ہو۔ معروف مؤرخ ہیرلڈ لیم اس ضمن میں لکھتا ہے کہ معلوم نہیں اس ستم ظریفی کا ہلاکو خان پر کیا اثر ہوا لیکن قاہرہ کے بازاروں میں لوگ یہ قصہ سن کر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ ہلاکو خان کو بعد میں اس بات کا احساس ہوا کہ اس معاملے کو شاہی دربار میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ امراء و رؤساء اور سالاروں کے چہروں پر نامعلوم خوف کے سائے رقصاں ہو چکے تھے۔ جنہیں اب صرف سلطان بیبرس کی شکست سے ہی معدوم کیا جا سکتا تھا......

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس نے سلطنت تاتار میں اپنے خفیہ سفر کے باعث تاتاریوں کے طریقِ جنگ کے بارے میں بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں۔ ان معلومات کی روشنی میں اس نے بلادِ شام میں عسکری نظام کو از سرِ نو منظم کرتے ہوئے کئی نئے اقدامات اُٹھائے۔ اسی کارروائی کے دوران اسے یہ خبر ملی کہ حلب کا سابق خلیفہ ابوالعباس احمد دمشق کے ایک سربرآوردہ رئیس عیسیٰ بن مہنا کے ہاں مقیم ہے۔ سلطان بیبرس کے ذہن میں خلافت کی بحالی کا خیال دوبارہ عود کر آیا۔ اس نے رئیس عیسیٰ بن مہنا کے گھر جا کر ابوالعباس احمد سے بالمشافہ ملاقات کی اور اسے خلافت کا منصب سنبھالنے کی پیشکش کی۔ عباسی شہزادے ابوالعباس احمد نے خلیفہ مستنصر باللہ کے بارے میں استفسار کیا تو سلطان بیبرس نے اس کی گمشدگی کو موت سے تعبیر کیا اور اس کی موت کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ اس موقعے پر خلیفہ مستنصر باللہ کے حق میں دعائے مغفرت کی گئی۔ مسند خلافت خالی

دیکھ کر عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد رضامند ہو گیا مگر اس نے یہ شرط عائد کی کہ سلطان بیبرس قاہرہ پہنچ کر اُسے باقاعدہ قاہرہ آنے کی دعوت دے تاکہ لوگوں کے ذہن میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ ابوالعباس احمد خلافت کا حریص تھا اور وہ سلطان بیبرس کی منت سماجت کے باعث ان کا خلیفہ بنا ہے۔ سلطان بیبرس نے ضروری امور پر گفتگو کے بعد وہاں سے رخصت لی اور چند دن کے قیام کے بعد قاہرہ لوٹ آیا۔ وہاں سے باضابطہ طور پر ابوالعباس احمد کو قاہرہ آنے دعوت بھیجی گئی۔ اسی دوران سلطان بیبرس نے اپنے پیر و مرشد شیخ علامہ عز الدینؒ سے بھی مشورہ کیا۔ شیخ عز الدینؒ نے سلطان بیبرس کے اقدام کی تائید کر کے اپنی رضامندی کی مہر ثبت کی۔

عباسی شہزادہ ابوالعباس احمد سلطان بیبرس کی دعوت پا کر بلا تاخیر اپنے بیٹوں اور رفیقوں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس نے عباسی شہزادے کا نہایت سج دھج اور دھوم دھام سے استقبال کیا اور اس کی سواری کو کمال اعزاز و احترام کے ساتھ قلعہ سلطانی کے بڑے برج پر اتارا۔ حسب قاعدہ ابوالعباس احمد کے خاندان خلافت سے ہونے پر شہادتیں لی گئیں۔ جب تمام لوگوں کے نزدیک اس کے حسب و نسب کی تصدیق ہو گئی تو سلطان بیبرس نے جمعرات 8 محرم 661ھ کو قلعہ سے علیحدہ دربار عام منعقد کیا۔ ابوالعباس احمد قلعہ کے ایوان سے اُٹھ کر دربار میں آیا۔ سلطان بیبرس نے اُٹھ کر استقبال کیا اور اس کی خلافت کا اقرار کر کے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام شرکاء و امراء و رؤساء ریاست نے حسب مراتب بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا اور بلا اعتراض اُسے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ابوالعباس احمد نے سلطان بیبرس کو حسب روایت خلعت شاہی عنایت کی اور سلطنت کا تمام نظام اس کے ہاتھوں میں سونپنے کا اعلان کیا اور اس نے اپنے لئے اسی لقب کو دوبارہ اختیار کیا جس لقب سے وہ ریاست حلب میں خلافت کر چکا تھا۔ تمام افراد نے اس کے لقب ''الحاکم بامر اللہ'' پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

دوسرے دن جمعہ کے روز اس نے جامع مسجد میں امامت کا فرض ادا کیا اور ایک طویل خطبہ پڑھا۔ اس خطبے میں اس نے جہاد فی سبیل اللہ، خلافت کی اہمیت اور فضیلت بیان کی اور ساتھ ہی خلافت کی بے حرمتی کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو عبرت دلائی اور کہا۔

''اس اللہ تعالیٰ کی حمد جس نے آل عباس کے لئے ایک مددگار کھڑا کر دیا۔ جب دشمن ہمارے گھروں میں گھس آئے تھے اور انہوں نے قیامت کے فتنے برپا کر رکھے تھے تو ایسے نازک ترین حالات میں سلطان رکن الدین بیبرس اپنی چھوٹی سی سلطنت کے باوجود امت مسلمہ کی امداد و اعانت کے لئے اُٹھا اور اس نے شجاعت و بہادری سے کفر کے لشکروں کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خیر خواہی کو قبولیت کا شرف بخشا اور نظام خلافت کے احیاء کی تحریک اسے عطا کی۔ میرے بھائی مستنصر باللہ کی خلافت بھی اسی نیک نیتی کا باعث تھی مگر اس کی قسمت میں شہادت کی موت لکھی ہوئی تھی، اس لئے وہ کفر کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اگر اس کا کوئی بیٹا زندہ ہوتا تو یقیناً یہ حق اسے تفویض کر دیا جاتا مگر اب چونکہ ایسا نہیں ہے اس لئے یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی گئی ہے جس کی ادائیگی میں میں پوری نیک نیتی سے کام لوں گا''۔

اس خطبے کے بعد تمام مملکت میں خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ بلادِ مصر میں خلافت کی عدم موجودگی پر جو بے چینی پیدا ہو رہی تھی وہ یکسر ختم ہو کر رہ گئی۔ سلطان بیبرس نے اپنے قصر کبیر میں ایک محل خلیفہ کی سکونت کے لئے مخصوص کر دیا اور اس کی تمام ذاتی ضروریات اور لوازمِ خلافت کا انتظام کر دیا۔

❀ ❀ ❀

قاضی جمال الدین ابن واصل اطالیہ و سسلی کی کامیاب سفارت کے ساتھ قاہرہ واپس پہنچے۔ انہوں

نے ضروری امور سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس کو اپنی آمد کی خبر دی۔ سلطان بیبرس ایک عرصے سے ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ ان کی واپسی کی خبر پاتے ہی وہ خود ان کے پاس چلا آیا۔ یہ سلطان بیبرس کا خاص وصف تھا کہ وہ اکابرین وعلماء کا نہایت احترام واکرام کرتا تھا۔ جب سے اس نے اقتدار سنبھالا تھا، اس کا نظام حکومت انہی علماء ومشائخ کے مشوروں کی روشنی میں منزلیں طے کر رہا تھا۔ ان شخصیات میں شیخ عز الدینؒ کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ سلطان بیبرس ان قابل قدر ہستیوں کو انتہائی ضرورت کے وقت اپنے پاس آنے کی تکلیف دیا کرتا ورنہ ان کی صحبت میں وقت گذارنا وہ اپنے لئے باعثِ اعزاز سمجھتا تھا۔ قاضی جمال الدین ابن واصل بھی اس کے عہد کی ایک نہایت معروف شخصیت تھے۔ سلطان بیبرس جب قاضی جمال الدین کے گھر پہنچا تو انہوں نے بڑی محبت سے اسے مہمان خانے میں بٹھایا۔ سلطان بیبرس اطالیہ وسسلی کے حالات جاننے کے لئے بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔ قاضی جمال الدین نے اس کے صبر کا زیادہ امتحان لینا پسند نہیں کیا اور شاہ منفریڈ کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتانا شروع کر دیا۔ سلطان بیبرس نہایت غور سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ وہ شاہ منفریڈ کی خصوصیات جاننے کے بعد اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ پایا۔ اس کی علم دوستی اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے ضمن میں اُٹھائے گئے اقدامات قابلِ تحسین تھے۔ لوشیریہ اور نوشیریہ نامی شہروں میں قیام اور مختلف طبقوں کے لوگوں سے ملاقات کے بارے میں بھی قاضی جمال الدین نے نہایت تفصیل سے بتایا۔ قاضی جمال الدین بدستور شاہ منفریڈ کی خوبیاں بیان کئے جا رہے تھے، جس پر سلطان بیبرس ہنسنے لگا۔ قاضی موصوف نے خاموش ہو کر اس کی جانب تعجب سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا استفسار جھلک رہا تھا۔

''الملک الظاہر! یہ کیا بات ہوئی؟ ہم تمہیں اپنے سفر کی تفصیل بتا رہے ہیں اور تم بیچ میں بلا مقصد ہنسے جا رہے ہو.....؟'' قاضی جمال الدین نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''قاضی محترم!'' سلطان بیبرس نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو اطالیہ وسسلی اس لئے تو نہیں بھیجا تھا کہ آپ وہاں سے شاہ منفریڈ کی سیرت وکردار کی تحقیق کر کے لائیں۔ میں جب سے آیا ہوں آپ سوائے اس کی تعریفوں کے کوئی دوسری بات نہیں کر رہے''۔

قاضی جمال الدین سلطان بیبرس کی بات پر کسی قدر جھینپ سے گئے۔ انہوں نے بلاتردد اعتراف کیا کہ واقعی ایک نصرانی بادشاہ میں عمدہ حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق پا کر مجھے روحانی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں اس کی تعریف میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا ہوں۔

''قاضی محترم!'' سلطان بیبرس سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اطالیہ کی ریاست اس قدر مضبوط ہے کہ اسے قسطنطنیہ کے مقابل لا کر کھڑا کیا جا سکے''۔

''الملک الظاہر!'' قاضی جمال الدین بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''اگر یہ بات شاہ منفریڈ کے بارے میں کہی جاتی تو میرا جواب اثبات میں ہوتا مگر میں نے وہاں کی عسکری حالت کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے، جو مجھے متاثر نہیں کر سکی۔ البتہ اطالیہ کی عسکری مضبوطی یا کمزوری کی خبر ہمیں جلد ہی مل جائے''۔

''قاضی محترم! کھل کر بات کیجئے تاکہ میں آپ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکوں''۔ سلطان بیبرس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جن دنوں میں واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا، انہی دنوں میں مجھے وہاں یہ خبریں سنائی دی کہ فرانس کا شاہ لوئی نہم دیگر ریاستی اتحاد کے ساتھ اطالیہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے اور وہ اس سلسلے میں بھرپور تیاریاں کر رہا ہے''۔

''یہ یقیناً شاہ قسطنطنیہ کی حرکت ہوگی...... بیزنطینی کلیسا نے ہی شاہ لوئی نہم کو بھڑکایا ہوگا کہ وہ شاہ منفریڈ پر حملہ آور ہو''۔ سلطان بیبرس نے قیاس آرائی کی۔

''الملک الظاہر!'' قاضی جمال الدین دھیمے انداز میں بولے۔ ''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے، مشرقی کلیسا نہیں چاہتی کہ اس خطے میں مسلمانوں کا وجود باقی رہے۔ اندلس کے کثیر حصے کو مسلمان پہلے ہی کھو چکے ہیں، اب صرف غرناطہ کی ریاست باقی بچی ہے۔ نصاریٰ کی حریص نگاہیں وہاں بھی لگی ہوئی ہیں کہ کب انہیں موقعہ میسر آئے اور وہ اس چھوٹی سی سلطنت کو نگل جائیں اور باقی اندلس میں بھی ان کے ظلم کی چکی مسلمانوں کو پیس رہی ہے، جہاں ابھی بھی مسلمانوں کی کچھ آبادی باقی رہ گئی ہے۔ شاہ منفریڈ کا برقرار رہنا مسلمانوں کے حق میں یقیناً مفید ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ زیادہ عرصہ تک فرمانروا رہ پائے گا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس خطے میں اس کا کوئی حلیف یا مددگار نہیں''۔

''کیا ہم اس کی مدد نہیں کر سکتے؟'' سلطان بیبرس نے مختصراً سوال کیا۔

''پہلے میرا خیال تھا کہ ہمیں شاہ منفریڈ کی مدد کرنا چاہئے، اور میں نے اس مدد کی پیشکش بھی شاہ منفریڈ کو کی تھی مگر اس نے جو جواب مجھے دیا تھا، اسے جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا تو میں اس بات کا قائل ہو گیا ہوں کہ وہ واقعی صحیح کہہ رہا تھا''۔ قاضی جمال الدین نے کہا۔

''کیسا جواب......؟'' سلطان بیبرس حیرانگی سے بولا۔

''فاصلے کی طوالت اور دونوں کے درمیان گہرا سمندر''۔ قاضی جمال الدین نے کہا۔

''ہمارے لئے فاصلے کیا معنی رکھتے ہیں؟ جہاں تک سمندر کی بات ہے تو ہمارے اسلاف نے انہی سمندروں میں گھوڑے دوڑائے تھے۔ ہم آج بھی ایسا کر گذرنے کی سکت رکھتے ہیں''۔ سلطان بیبرس جوشیلے انداز میں بولا۔

''الملک الظاہر! سمندر گھوڑوں سے نہیں بیڑوں سے پار کئے جاتے ہیں۔ میں نے واپسی پر خاص طور پر دمیاط کے بحری کارخانے کا معائنہ کیا تھا۔ میں تو اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا ہوں۔ یہ وہی کارخانہ تھا جسے مصر کی فاطمی حکومت نے تعمیر کیا تھا اور یہیں سے ان کے طاقتور بیڑوں کا قافلہ وجود میں آیا تھا۔ ایوبی خاندان کے حکمرانوں نے بھی اسی کارخانے سے اپنی جنگی کشتیاں تیار کی تھیں اور نصاریٰ کے صلیبی حملوں کو مدت تک منہ توڑ جواب دیتے رہے مگر جوں جوں ایوبیوں کا آفتاب ڈھلتا چلا گیا۔ یہ کارخانہ ویران ہوتا چلا گیا۔ بحری بیڑے کی قوت آج نہ ہونے کے برابر ہے۔ سپاہی تو اب ان کمزور بحری بیڑوں میں اترنے پر آمادہ نہیں ہیں جو کسی بھی وقت انہیں موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں۔ یہ تو صرف دمیاط کے کارخانے کی حالت ہے، جزیرہ روضہ میں موجود کارخانہ کیا حالت اختیار کئے ہوئے ہے، اس کا اندازہ لگانا کوئی زیادہ مشکل نہیں''۔

قاضی جمال الدین فرطِ شدت سے بولتے چلے گئے۔ سلطان بیبرس ان کی باتوں پر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس جانب اسے توجہ دینے کا موقعہ ہی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے ہوئے فیصلہ کر لیا کہ وہ فوری طور پر نئے بحری بیڑے تیار کروائے گا اور جلد از جلد شاہ منفریڈ کی مدد کے لئے عسکری قوت روانہ کرے گا جو کہ عظیم ترصلیبی اتحاد کے مقابلے میں اطالیہ وسسلی کے مستقبل کا فیصلہ کرے گی۔ دیگر گفتگو میں سلطان بیبرس نے قاضی جمال الدین سے درخواست کی کہ وہ حماۃ میں قاضی کا منصب قبول کریں۔ قاضی جمال الدین ابن واصل صرف درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے۔ وہ باقاعدہ طور پر قاضی نہیں تھے۔ سلطان بیبرس نے ان کی علمی قابلیت اور فضل وکرم سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے یہ عہدہ انہیں پیش کیا۔ جسے انہوں کسی قدر

انکار کے بعد قبول کرلیا۔

سلطان بیبرس نے 661ھ کے اواخر میں بحری بیڑوں کے کارخانوں کی جانب توجہ کی اور دمیاط اور اسکندریہ میں جہاز سازی کے دو نئے کارخانے قائم کیے، جبکہ پرانے کارخانوں کی جانب بھرپور توجہ دی۔ ان کے لئے ہر قسم کی سہولت مہیا کیں۔ وہ اس کام میں ذاتی دلچسپی لیتا رہا جس کے باعث سپاہیوں میں دوبارہ بحری مہارت حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہونے لگا۔ جہاز سازی کے ان کارخانوں کو ''دار الصناعۃ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ سلطان بیبرس دس پندرہ روز بعد خود تمام کارخانوں کے معائنے کے لئے پہنچ جاتا۔ اس کی نگرانی کے باعث کام کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جہاز سازی کے لئے مخصوص لکڑی استعمال کی جاتی تھی جو کہ زیادہ تر ریاست حلب کے جنگلات سے حاصل ہوتی تھی۔ سلطان بیبرس نے محافظوں کا ایک بڑا دستہ ان جنگلات پر تعینات کر دیا جس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ عام لوگوں کو اس مخصوص لکڑی کے استعمال سے باز رکھیں۔ ساتھ ہی سلطان بیبرس نے اس لکڑی کو دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر پابندی کا اعلان کر دیا۔ بلادِ مصر میں ایک بار پھر جہاز سازی کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا، جس کی خبر جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ یہ خبر سب سے زیادہ پریشان کن شاہ قسطنطنیہ کے لئے تھی، جس کی سلطنت کا تین چوتھائی حصہ سمندر سے وابستہ تھا۔

❀❀❀

وہ بگولوں کی مانند اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اسے اپنی منزل پر پہنچنے میں بے حد عجلت تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار آسمان پر ڈھلتے ہوئے سورج کا طواف کرتیں۔ جوں جوں سورج نیچے کی جانب سفر کر رہا تھا اس کی بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ دانت کچکچاتے ہوئے زیرِ لب گھوڑے کو برا بھلا کہتا۔ اس کی خواہش تھی کہ گھوڑے کو پر لگ جائیں اور آندھی و طوفان کی رفتار سے دوڑتا ہوا اسے اس کی منزل پر پہنچا دے۔ شاید اس کی رفتار بڑھ پاتی مگر رستہ بھی ہموار نہیں تھا۔ اونچے نیچے سنگلاخ پتھروں پر کئی بار اس کے گھوڑے نے بدک کر اسے گرانے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو اس کی مہارت تھی کہ وہ اس نے خود کو اچھے انداز میں بروقت سنبھال لیا، ورنہ وہ گھوڑے سے گر کر اچھا بھلا زخمی ہو سکتا تھا۔ وہ پتھریلے راستے عبور کرتا ہوا اپنی منزل کی جانب بڑھتا رہا۔ یہاں تک کے سورج پہاڑوں کے عقب میں چھپنے لگا۔ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ آسمان پر ابھی تک کسی قدر روشنی تھی۔ وہ بار بار یہ سوچ کر خود تسلی دیتا رہا کہ ابھی تو روشنی ہے، منزل بھی کچھ زیادہ دور نہیں۔ وہ بروقت پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جب سورج نے پہاڑیوں سے دور کہیں مکمل طور پر اپنا چہرہ چھپا لیا اور اندھیرے کے بڑھتے سائے اس کی جانب بڑھنے لگے تو اس کی حالت متغیر سی ہونے لگی۔ اس کی منزل زیادہ دور تو نہیں تھی مگر وہ اندھیرا پھیل جانے کے باعث اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اس کے لئے روشنی بے حد ضروری تھی۔

پھر کچھ ہی دیر میں گہرے اندھیرے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ فضا میں سورج کی حدت سے موجود حرارت زائل ہو چکی تھی اور خنکی اور کہر پھیلنے لگا تھا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر یوں نڈھال ہو گیا جیسے اس کی ساری محنت رائیگاں ہو گئی ہو۔ گھوڑے کی رفتار میں کمی پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ وہ گہرے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے دور ننھا سا ٹمٹماتا ہوا شعلہ دکھائی دیا۔ اس کی سانسیں یکدم تیز ہو گئیں۔ وہ اپنی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا مگر اسے روشنی کی ضرورت تھی۔ وہ ایک عمدہ شکاری ضرور تھا مگر اندھیرے میں شکار کا درست نشانہ لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور جست لگا کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر آیا۔ اس کی نگاہیں بدستور اس ٹمٹماتے ہوئے

شعلے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

❀❀❀

مطیع الدین سنگلاخ دشوار گزار راستے پر اندھا دھند گھوڑا دوڑانے میں مگن تھا۔ وہ ایک اچھا گھڑسوار ہونے کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ راستہ بھی خاصا پُرخطر تھا۔ وہ ذرا سی کوتاہی کے باعث گھوڑے سے گر کر غیر معمولی طور پر زخمی ہو جاتا۔ اس کے پاس ایک ہی گھوڑا تھا، اگر اسے کوئی زک پہنچ جاتی تو مطیع الدین کے پاس پیدل سفر کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ اپنی منزل سے بھی بے خبر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شام کی جانب بڑھ رہا ہے جبکہ ایسا نہیں تھا وہ سلطنت قونیہ کے طول و عرض میں بڑھتا چلا جا رہا تھا، جو کہ سلجوقی سلطان کے ساتھ ساتھ کسی حد تک چنتائی منگولوں کے زیر نگیں تھا۔ مسلسل سفر کے باعث اس کی ہڈیاں بلبلا اٹھیں مگر اس کے جوش و جذبے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اس بار ہر قیمت پر گل دتوژ کے بارے میں معلوم کرنے کا متمنی تھا۔ اسے اپنے ماضی کی یادوں کی چبھن بے قرار کئے ہوئے تھی۔ اچانک اسے ٹھٹکنا پڑا۔ سامنے کی جانب سے اٹھنے والے گرد کے غبار نے اس کے خیالوں کا تسلسل منقطع کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ غبار اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پانچ گھڑسواروں کی شکل میں تبدیل ہو گیا، جو کہ نہایت تیز رفتاری سے مطیع الدین کی جانب بڑھ رہے تھے۔ مطیع الدین خاموشی سے ان کی جانب دیکھتا رہا کیونکہ وہ ابھی تک کوئی رائے قائم نہیں کر پایا تھا کہ وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ کچھ ہی دیر میں وہ پانچوں گھڑسوار اس کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی مطیع الدین کی موجودگی پر متحیر ہیں۔ ان سب کے چہرے سیاہ ڈھاٹوں میں پوشیدہ تھے۔ وہ سیاہ رنگ کے چمکیلے لباسوں میں ملبوس تھے۔ پانچوں گھڑسواروں کی رفتار میں کمی دکھائی دی پھر وہ سب مطیع الدین کے قریب پہنچ کر اس کے گرد دائرے کی شکل میں گھومنے لگے۔ مطیع الدین ان کے حلیوں پر غور کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب لوگ یقیناً فدائی ہی ہو سکتے ہیں۔ ان گھڑسواروں میں سے ایک شخص مطیع الدین کے گرد آلود چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اچانک اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

''تم مطیع الدین ہی ہو نا......؟'' وہ جوشیلے لہجے میں چلا کر بولا۔

مطیع الدین شناسا سا آواز سن کر لمحہ بھر کے لئے چونکا۔ دوسرے لمحے وہ اس کے لب و لہجے سے سیاہ پوش کو پہچان چکا تھا۔ وہ یقیناً شیخ ابوالفضل کی آواز تھی، جو کچھ عرصہ پہلے مطیع الدین کو سمرقند سے شیخ الرئیس سے ملانے کے لئے اپنی رہنمائی میں قہستان کی جانب لے کر گیا تھا۔

''شیخ ابوالفضل!'' سرشاری کے عالم میں مطیع الدین کے ہونٹ تھرتھرائے۔

''مطیع الدین! تم اس طرف کدھر......؟'' شیخ ابوالفضل نے تیزی سے پوچھا۔ مطیع الدین کو اس کی سانس پھولی ہوئی محسوس ہوئی۔

''میں شیخ الرئیس سے ملنے شام جا رہا ہوں''۔ مطیع الدین نے جواب دیا۔

''شام!!'' شیخ ابوالفضل کی آنکھیں پھیلتی ہوئی دکھائی دیں۔ ''شام اس جانب کہاں؟ تم تو ارضِ قونیہ میں آ چکے ہو، آگے کی جانب دو سو کوس کے فاصلے پر قونیہ کا پہلا شہر تمہیں دکھائی دے گا''۔

''ارضِ قونیہ!!!'' مطیع الدین اس کی بات پر دم بخود سا رہ گیا۔ ''مگر میں تو......''

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، ہمارے تعاقب میں سلجوقی سپاہی دستہ آ رہا ہے، ہمیں تیزی سے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ تم ہمارے ساتھ چلو، ہم سب بانیاس قلعے کی جانب جا رہے ہیں۔ شیخ الرئیس آج کل وہیں

موجود ہیں''۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے گھوڑوں کو آگے کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین سلجوقی دستے کے تعاقب کی بات پر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔ اس نے اپنے خیال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو ان پانچوں کے عقب میں دوڑا دیا۔ وہ سب تیز رفتاری سے ان بلند و بالا پہاڑوں کی جانب بڑھ رہے تھے، جن کے عقب میں بلادِ شام کی سرحد شروع ہو جاتی تھی تو دائیں جانب قسطنطنیہ کی۔ مطیع الدین اپنے گھوڑے کو مہارت سے دوڑاتا ہوا شیخ ابوالفضل کے پاس لے آیا، وہ اس سے بات کرنے کا متمنی تھا۔ شیخ ابوالفضل اس کی قربت دیکھ کر اس کا مقصد سمجھ گیا۔ اس نے چیختے ہوئے اُسے منزل پر پہنچنے کے بعد بات کرنے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین خاموشی سے اس نئے سفر میں گمن ہو گیا۔ شیخ ابوالفضل کی بے قراری اور عجلت دیکھ کر اسے کسی قدر اندازہ ہونے لگا کہ یقیناً کوئی خطرے والی بات ہے، اسی لمحے اس کے ذہن میں سلجوقی دستے کا خیال کوندا۔ اس کی گردن لاشعوری انداز میں پیچھے کی طرف گھوم سی گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، شیخ ابوالفضل نے اس کے ساتھ واقعی جھوٹ نہیں بولا تھا ان کے تعاقب میں حقیقتاً ایک پھیلا ہوا غبار دکھائی دے رہا تھا جو نہایت سرعت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

قاہرہ کا قصرِ خلافت خلیفہ الحاکم بامراللہ کے انتخاب کے بعد ایک بار پھر روشنیوں اور رونق کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ مصری اور مملوک امرأ و روساء تمام دن خلیفہ کے گرد جمع رہتے اور طرح طرح کے روایتی مباحثوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ سابق خلیفہ مستنصر باللہ سے خاصا مختلف تھا اسے سابق خلیفہ کی نسبت اپنے گرد محافل سجائے رکھنے کی عادت تھی۔ مصری امرأ کی باریک بیں نگاہوں نے بہت جلد ہی خلیفہ الحاکم بامراللہ کی اس کمزوری کو بھانپ لیا۔ درباری محافل نے بہت ہی جلد خوشامد اور چاپلوسی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ امرأ کے خوشامدی حلقے کی چکنی چپڑی باتوں میں بے حد مسرور رہنے لگا اُسے تو صرف نظامِ خلافت کے برقرار رکھنے سے غرض تھی۔ حکومتی معاملات میں اس کی دلچسپی واجبی سی تھی۔ سلطان بیبرس سے کبھی کبھار ملاقات ہو جاتی تو وہ سلطنت کا حال معلوم کر لیا کرتا۔ سلطان بیبرس اس عرصے میں سلطنت کے استحکام کے سلسلے میں مختلف پیش بندیوں میں اُلجھا رہا۔ اس کا ایک قدم قاہرہ میں ہوتا تو دوسرا دمشق میں، تیسرا ارضِ فلسطین میں، ان دنوں سلطان بیبرس کا زیادہ تر وقت گھوڑے کی پیٹھ پر ہی گزرتا رہا۔ وہ اسلامی سلطنت کے تحفظ و یکجہتی میں دن رات مصروف رہتا۔ قاہرہ کا انتظام و انصرام سلطان بیبرس کے معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان اور امیر فارس الدین اقطائی کے سپرد تھا۔ سلطان بیبرس کی قاہرہ میں عدم موجودگی نے مصری امرأ کو ایک بار پھر سر اُٹھانے کا موقعہ فراہم کر دیا۔ وہ آغاز سے ہی مملوک حاکمیت سے نالاں تھے اور بلادِ مصر پر اقتدار کے حقیقی وارث ایوبی سلطانوں کو ہی تصور کرتے تھے۔ مصری امرأ نے موقعہ پا کر خلیفہ الحاکم بامراللہ کے سامنے سلطان بیبرس اور مملوک امرأ کی شکایات کے دفتر کھول دیئے اور نظامِ حکومت پر کڑی تنقید کرنا شروع کر دی۔ وہ رعیت میں سے طرح طرح کی شکایات ڈھونڈ نکالتے اور موقعہ کی مناسبت سے سلطان بیبرس کے خلاف خلیفہ الحاکم بامراللہ کے کان بھرتے رہتے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے ان امرأ کو تسلی دیتے ہوئے معاملات کی چھان بین کا ذمہ قاہرہ کے قاضی القضاۃ برہان الدین بخاری کے ذمے لگایا۔ قاضی برہان الدین شرعی امور کے معاملے میں بے حد سخت اور راسخ العقیدہ حنفی تھے۔ انہوں خلیفہ الحاکم بامراللہ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے امرأ کی بیان کردہ شکایات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ خلیفہ حاکم بامراللہ نے تمام امرأ کو ہدایت کر دی کہ وہ اپنی جملہ

شکایات تحریری شکل میں قاضی برہان الدین بخاری کے پاس جمع کروایا کریں تاکہ قاضی برہان الدین ان کا معائنہ کر کے جامع رپورٹ تیار کر سکیں۔ اس رپورٹ کے بعد سلطان بیبرس سے معاملات دریافت کئے جائیں گے۔ امرأ نے مختلف محکمہ جات کے افسروں کی چھوٹی موٹی بدعنوانیوں اور لاپرواہیوں اور کوتاہیوں کی جھوٹی سچی شکایات قاضی برہان الدین بخاری کے پاس جمع کرانا شروع کر دیں۔ یہ سلسلہ ایسا طویل ہوا کہ قاضی برہان الدین بخاری کو معاملات کی تحقیق کے لئے مختلف محکمہ جات اور متاثرہ افراد کے پاس خود جانا پڑا۔ وہ ہر ایک سے پوری بات سنتے اور شکایت کے ذمہ دار لوگوں کو بھی برا بھلا کہتے اور انہیں نیک چال چلن کی ہدایت کرتے۔ ان کا روزانہ کا معمول یہی بن گیا تھا کہ وہ ضروری معاملات سے فارغ ہوتے ہی شکایات کی تحقیق میں نکل پڑتے۔

ایک دن وہ اپنی عادت کے مطابق دیوان جزیہ جا پہنچے۔ یہ محکمہ غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے جزیہ کی مقررہ رقم وصول کرتا تھا اس محکمے کی ایک دوسری اہم ذمے داری ان لوگوں سے جزیہ وصول کرنا بھی تھا جو لوگ جسمانی و مالی استطاعت رکھنے کے باوجود عسکری خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ ان سے دوسری سہولتوں کے عوض خاص شرح کے مطابق جزیہ لیا جاتا تھا۔ اس جزیہ کی مقدار بالعموم دس سے پچیس درہم ماہانہ کے درمیان مقرر کی گئی تھی۔ قاضی برہان الدین بخاری کو یہ شکایت ملی کہ افسران اپنے مناصب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے زیادہ جزیہ وصول کرتے ہیں اور اندراج کم کرتے ہیں۔ قاضی برہان الدین بخاری عام افراد کی قطار میں شامل ہو کر تمام وقت مشاہدے میں مصروف رہے۔ تمام وقت میں ایک شخص انہیں ایسا دکھائی دیا جس نے مقررہ شرح سے کچھ زائد جزیہ ادا کیا جبکہ افسر نے کم کا اندراج کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے جزیہ ادا کرنے والے شخص کا ہاتھ تھاما اور اسے ساتھ لئے تیزی سے اس افسر کے سر پر جا پہنچے۔ قاضی برہان الدین بخاری نے اپنی جلالی طبیعت کے باعث بلا سوچے سمجھے فرطِ طیش کے عالم میں افسر کا گریبان پکڑ لیا اور غصیلے انداز میں اس سے دریافت کیا کہ اس نے اس شخص سے زائد رقم کیوں لی اور کم اندراج کیوں کیا؟ افسر قاضی برہان الدین کی صورت اور منصب سے واقف نہیں تھا اس نے جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ دونوں میں توں تڑاخ شروع ہو گئی۔ باقی لوگ تماشائی بنے کھڑے طرح طرح کی بولیاں بولنے میں مصروف رہے اسی اثناء میں ایک باریش شخص آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں میں موٹے دانوں والی تسبیح تھی۔ اس نے دونوں کو خاموش ہونے کے لئے کہا اور افسر سے قاضی برہان الدین بخاری کا تعارف کرایا کہ وہ قاہرہ کے قاضی القضاۃ ہیں۔ جنہیں وہ بخوبی جانتا ہے۔ افسر قاضی موصوف کا منصب سن کر ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خوف و پریشانی سی جھلکنے لگی۔ باریش شخص نے دھیمے انداز میں دونوں سے معاملہ دریافت کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے غصے بھرے لہجے میں وقوعہ بیان کیا۔ باریش شخص نے افسر کو قریباً ڈانٹتے ہوئے پوچھا کہ یہ کیا بدعنوانی ہے؟ وہ افسر قاضی برہان الدین بخاری کا نام سن کر کافی گھبرا چکا تھا قریباً گھگیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''حضور! یہ کوئی بدعنوانی نہیں ہے بلکہ اس شخص نے گذشتہ مہینے کم رقم ادا کی تھی اور باقی رقم کا ادھار کر کے چلا گیا تھا۔ میں نے اس کے حصے کے پیسے اپنی جیب سے ادا کیے۔ اس مہینے اس نے رقم کے ساتھ گذشتہ ماہ کا بقایا بھی ادا کر دیا تو گذشتہ ماہ اپنی شامل کردہ رقم میں نے اس میں سے الگ کر کے رکھ لی۔ اس کے علاوہ اور کوئی معاملہ نہیں ہے، آپ بلاشبہ اس شخص سے دریافت کر سکتے ہیں؟'' افسر کے خاموش ہوتے ہی وہ شخص تیزی سے بول پڑا۔ اس کی تائید کے ساتھ مجمع میں سے بھی ایک دو لوگوں نے صاد کیا تو قاضی برہان

الدین بخاری اپنی جلد بازی پر نادم دکھائی دیئے۔ وہ نرمی سے بولے، اگر وہ پہلے ہی بتا دیتا تو تلخی کی نوبت نہ پیدا ہوتی۔ افسر نے جلدی سے جواب دیا کہ اگر آپ سیدھی طرح مجھ سے پوچھتے تو میں یقیناً آپ کو بتا دیتا مگر آپ نے بھی تو سیدھا میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا تھا...... قاضی برہان الدین بخاری نے سب لوگوں کے سامنے اس سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ باریش شخص اس معاملے کے خاتمے پر قاضی برہان الدین بخاری کی جانب متوجہ ہوا۔

''قاضی برہان الدین! آپ کو سلطان نے قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا تھا، یہ آپ کس دھندے میں پڑے ہوئے ہیں؟''

''یہ بھی سرکاری ذمہ داری ہے جو کہ امیرالمومنین نے مجھے سونپ رکھی ہے''۔ قاضی برہان الدین بخاری دھیمے انداز میں بولے۔

''کیا اس وقت آپ کی جگہ پر کوئی دوسرا نائب موجود ہے؟ جو آپ کے فرائض سرانجام دے رہا ہے''۔ باریش شخص نے اچانک سوال کیا۔ قاضی برہان الدین بخاری نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ انہیں شاید باریش شخص کا سوال ناگوار گذرا تھا لہٰذا وہ خاموش رہے۔

''قاضی محترم! میں نے آپ سے کچھ دریافت کیا ہے؟'' باریش شخص کسی قدر سختی سے بولا تو قاضی برہان الدین نے ناراضگی کے عالم میں جواب دیا۔

''بزرگوارم! میں آپ کے اس سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں''۔

''قاضی محترم! آپ دوسروں کی بے ضابطگیوں کا تو خفیہ معائنہ کر رہے ہیں کیا آپ خود بے ضابطگی کے مرتکب نہیں ہو رہے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی عدالت سے عدم موجودگی کے باعث وہاں کتنے لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے؟'' باریش شخص تیز لہجے میں بولا۔

''یہ فرض میں نے اپنے تئیں اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ مجھے ایسا کرنے کا حکم ملا ہے''۔ قاضی برہان الدین اس بوڑھے شخص کی بے باکی پر تنک کر بولے۔

''بہر کیف! میں امیرالمومنین سے اس بارے میں بعد میں بات کروں گا۔ آپ ابھی یہ تمام کام چھوڑ کر اپنے گھر تشریف لے جایئے، میں نے آج آپ کا جو انداز ملاحظہ کیا ہے اس کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کو قاضی القضاۃ کے منصب سے معزول کر دیا جائے''۔ باریش شخص سخت آواز میں بولا۔ قاضی برہان الدین بخاری اس کی بات پر یکدم چکرا کر رہ گئے۔ وہ حیرت و پریشانی سے اس باریش شخص کو دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھے۔ وہ باریش شخص کوئی اور نہیں تھا...... بلکہ بلاد مصر و شام کا سلطان...... بیبرس تھا جو گذشتہ کئی دن سے قاہرہ میں موجود تھا اور پوشیدہ انداز میں مختلف محکمہ جات کی کارکردگی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ وہ آج دیوان جزیہ میں موجود تھا اور اس نے قاضی برہان الدین کو وہاں دیکھا۔ سلطان بیبرس کافی دیر تک ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے تمام وقت یہ معلوم نہ ہو پایا کہ قاضی برہان الدین وہاں کیا کر رہے ہیں۔ جب اس کی جذباتیت کھلی تو وہ سمجھ گیا۔ ممکن تھا کہ وہ ان کی اس خدمت پر مسرور ہوتا مگر معاملے کو غلط انداز میں حل کرنے کی وجہ سے اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ قاضی برہان الدین بخاری جیسا شخص قاضی القضاۃ جیسے اہم منصب کے لائق نہیں۔ اسی لئے سلطان بیبرس نے فوری پر قاضی موصوف کی معزولی کا فیصلہ کر لیا۔ مملوک حکومت کے قیام کے بعد قاضی القضاۃ کے عہدوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ایک حصے پر قاضی برہان الدین بخاری فائز تھے تو دوسرے حصے پر قاضی تاج الدین بنت

الاعز مقرر تھے۔ سلطان بیبرس نے اس منصب کے دو حصوں کو ختم کر کے قاضی تاج الدین کو ہی مکمل اختیارات سونپ دیئے۔ اس اعلان کے ساتھ سلطان بیبرس خلیفہ الحاکم بامراللہ کی خدمت میں پیش ہوا اور قدم بوسی کے بعد انہیں آگاہ کیا کہ نظام سلطنت مکمل طور پر اس کی گرفت میں ہے اور کسی قسم کی بدعملی یا کوتاہی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ محتاط انداز میں امراء اور وساء سے پیش آئیں اور اپنی محافل میں شریر لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں۔

سلطان بیبرس کی جانب سے یہ مشورہ خلیفہ الحاکم بامراللہ کو کسی قدر ناگوار گذرا۔ قاضی برہان الدین بخاری کی معزولی کو بھی اپنی بے اختیاری سے موسوم کیا۔ سلطان بیبرس حرمت خلافت کو محفوظ رکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا تو خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کی جانب سے بدگمانی کا شکار ہو رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین اپنے عقب میں اُٹھنے والے گرد کے بادل دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا، اس نے تیزی سے شیخ ابوالفضل کی توجہ اس طرف دلائی شیخ ابوالفضل نے جلدی سے گردن گھما کر اڑتے ہوئے غبار کو دیکھا تو قریباً چیخ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا ''سلجوقی دستے کی رفتار ہماری رفتار سے زیادہ تیز ہے، وہ ہر حال میں ہمیں پکڑنا چاہتے ہیں، ہمیں کسی بھی طریقے سے انہیں قریب پہنچنے نہیں دینا چاہئے، یاد رکھو کہ فاصلوں کے سمٹنے سے پہلے پہلے سامنے والے پہاڑ کے دروں تک پہنچنا ہے، وہاں پہنچ کر ہی ہم انہیں جُل دینے میں کامیاب ہو سکیں گے جیسے تیسے ہو اپنی رفتار تیز کر لو''۔

''شیخ اگر رفتار زیادہ بڑھائی گئی تو ہمارے گھوڑے زخمی ہونے کا قوی امکان ہے۔ اس سے زیادہ رفتار ممکن نہیں''۔ اس کے ایک ساتھی نے چیخ کر جواب دیا۔ شیخ ابوالفضل اس کی بات سن کر دیوانہ سا دکھائی دینے لگا۔

''شیخ ابوالفضل! تم لوگ وہاں ایسا کیا کر کے آئے ہو کہ سلجوقی سپاہی تمہاری جان کے دشمن بن کر یوں پیچھے پڑے ہیں''۔ مطیع الدین اپنے تجسس پر بند نہ باندھ پایا۔ نامناسب موقعے پر مطیع الدین کا سوال شیخ ابوالفضل کو پسند نہیں آیا اس نے شعلہ بار نگاہیں مطیع الدین کے چہرے پر ڈالی۔

''یہ وقت کچھ بتانے کا نہیں ہے، صرف جان بچانے کا ہے، میں نے تمہیں کہا ہے نا کہ محفوظ مقام پر پہنچ کر سب کچھ پوچھ لینا''۔ اس کے لہجے میں تلخی عیاں تھی۔ مطیع الدین اس کے ناگوار لہجے پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا جبکہ شیخ ابوالفضل اس کی جانب سے قطعی لاپرواہ دکھائی دیا۔ وہ سب اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے تھے کہ ان کے پاس وقت بہت قلیل ہے۔ اس پُرخطر پتھریلے راستے کو طے کر کے دروں تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ سلجوقی دستے کی رفتار اس بات کی عکاس تھی کہ انہیں ان پتھریلی راہوں پر سفر کرنے میں بے حد مہارت حاصل ہے۔ دونوں گروہوں کی دوڑ یکساں لگی رہی، البتہ سلجوقی دستے کے سوار فاصلوں کی حدود سکیڑتے چلے گئے۔ شیخ ابوالفضل کو اس بے چینی کے عالم میں اپنی سانسیں اکھڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ درے کچھ زیادہ دور نہیں رہ گئے تھے جبکہ سلجوقی دستے کے سوار صاف دکھائی دینے لگے۔ مطیع الدین کو صاف اندازہ ہو گیا کہ سلجوقی دستہ یقیناً انہیں دروں تک پہنچنے سے پہلے ہی آ لے گا۔ دوسرے فدائی سوار بار بار گردن پھیر کر عقب کا فاصلہ ماپنے کی کوشش کرنے لگے۔ شیخ ابوالفضل یہ دیکھ کر فرط طیش سے چیخا۔ ''یوں بزدلوں کی مانند پیچھے مڑ مڑ کر مت دیکھو۔ تمہاری ہمت ٹوٹ جائے گی''۔

گھڑسواروں نے شیخ ابوالفضل کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ گھوڑوں پر مرکوز کر لی۔ پہاڑی دروں اور فدائی گھڑسواروں کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ سلجوقی دستہ بھی قریباً ان کے سر پر پہنچ

چکا تھا۔ سلجوقی سپاہیوں کی کوشش یہی تھی کہ وہ ان گھڑسواروں کو کسی قیمت پر پہاڑی درّے میں داخل نہ ہونے دیں۔ پہاڑی درّے بالکل نزدیک تھے کہ شیخ ابوالفضل نے اپنے تین ساتھیوں کو ہدایت کی وہ گھوڑوں کا رُخ پھیر کر سلجوقی دستے سے بھڑ جائیں اور انہیں اتنی دیر تک اُلجھائے رکھیں کہ وہ ان درّوں میں گم ہو سکیں۔ مطیع الدین شیخ ابوالفضل کے اس انوکھے حکم پر دنگ رہ گیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہا تھا جہاں ان کی زندگی بچنا ناممکن تھا۔

شیخ ابوالفضل کا حکم سنتے ہی وہ تینوں گھڑسوار مقناطیسی انداز میں مڑ کر سلجوقی دستے کی جانب بڑھنے لگے۔ مطیع الدین ان کی بلاچوں وچرا فرمانبرداری پر پریشان ہو کر رہ گیا۔ سلجوقی دستہ شیخ ابوالفضل کی چال کو شاید سمجھ گیا تھا سپاہیوں نے اپنی کمانیں سیدھی کرتے ہوئے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ تیروں کی شدید بارش ان کے عقب میں ہو رہی تھی اور وہ کسی بھی وقت ان تیروں کی زد میں آسکتے تھے۔ مطیع الدین نے آخری بار مڑ کر حالات کا جائزہ لیا۔ وہ پہاڑی درّے میں داخل ہونے سے پہلے اپنے تحفظ کی یقین دہانی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہ ان تینوں گھڑسواروں پر پڑی جو کچھ ہی دیر پہلے ان سے الگ ہو کر واپس مڑ گئے تھے۔ ان تینوں کی جھولتی ہوئی لاشیں گھوڑوں پر لٹکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ایک عجیب سے خوف کا غلبہ مطیع الدین کے جسم پر طاری ہو گیا، اسے اپنا وجود بے جان ہوتا محسوس ہوا۔ شیخ ابوالفضل اس کی کیفیت کو جان گیا۔ اس نے اپنی چابک لہراتے ہوئے مطیع الدین کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں پر رسید کی۔ مطیع الدین کا گھوڑا بری طرح سے تڑپا اور بے قابو سا ہو کر درّے میں داخل ہو گیا۔ اسی لمحے ایک تیز چیخ فضا میں گونجی۔ مطیع الدین چیخ کی آواز پر جیسے ہوش میں آگیا۔ اس نے تیزی سے گردن گھمائی۔ اسے یہ جاننے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ چیخ شیخ ابوالفضل کی ہی تھی۔ ایک سنسناتا ہوا تیر اس کے حلق میں نکلا ہوا دکھائی دے رہا۔ شیخ ابوالفضل کا ایک ہاتھ حلق پر جما ہوا تھا، اس نے دوسرے ہاتھ کے ساتھ ایک طرف خفیف سا اشارہ کیا۔ مطیع الدین اپنے ساتھی گھڑسوار کے ساتھ اسی رستے کی جانب مڑ گیا۔ درّے کے اندر عجیب سی بھول بھلیاں تھی۔ تنگ راستوں کا جال بکھرا ہوا تھا۔ آخری بچنے والا گھڑسوار تیزی سے ان تنگ راستوں میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ مطیع الدین کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے عقب میں خاموشی سے سفر کرتا رہے۔ درّے کی ویران راہداریوں میں صرف ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں گونج رہی تھیں۔ یہ گونج ایسی تھی کہ تعاقب کرنے والے بھی اس بات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے کہ وہ دونوں گھڑسوار کس جانب سفر کر رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں مطیع الدین کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا رہنما گھڑسوار ان پُرپیچ راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ مطیع الدین کا بدن ارض قونیہ میں داخل ہوتے وقت ہی تھکان سے چور تھا، دوسرا سلجوقی دستے کے تعاقب نے اس کا عضو عضو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اسے اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب کسی بھی وقت گھوڑے سے نیچے جا گرے گا۔ دوسرے گھڑسوار کی رفتار میں دھیما پن آ گیا۔ اس نے گردن گھما کر مطیع الدین کی جانب دیکھا۔ وہ بخوبی سمجھ گیا کہ مطیع الدین کی حالت درست نہیں ہے۔ اس نے ایک طرف مڑنے کا اشارہ کیا۔ مطیع الدین نے اپنی پوری استطاعت سمیٹتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دونوں ایک چھوٹے رخنے میں پہنچ گئے۔ مطیع الدین نے اس رخنے پر نگاہ ڈالی تو اسے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں ہوئی کہ یہ تنگ رخنہ ان کے لئے یقیناً عمدہ پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ مطیع الدین جھولتا ہوا بمشکل گھوڑے سے نیچے اترا اور ایک جانب ڈھیر ہوتا چلا گیا۔ گھڑسوار نے نیچے اتر کر دونوں گھوڑوں کو ایک جانب کھڑا کیا اور ان کی باگیں ایک پتھر کے نیچے دبا دیں۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے چھوٹا سا مشکیزہ نکالا اور مطیع الدین کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین پانی

دیکھ کر چونک پڑا افراتفری کے اس عالم میں اسے اتنا بھی ہوش باقی نہیں رہا کہ وہ اپنے پہلو میں لٹکے ہوئے مشکیزے سے پانی ہی پی لیتا۔ پانی کے چند گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کے بعد وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ کچھ دیر میں اس کی سانسیں بحال ہوتی چلی گئیں۔ تکان کے باعث اُسے اپنی آنکھیں خود بخود بند ہوتی محسوس ہوئیں پھر وہ ہوش وحواس سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

❀ ❀ ❀

شہنشاہ فرانس شاہ لوئی نہم کی اطالیہ کے شاہ منفریڈ کے خلاف زور وشور سے عسکری تیاریوں کی خبریں بہت جلد صلیبی علاقے میں پہنچ گئیں۔ صلیبی مخبروں نے قاہرہ کے حالات معلوم کر کے یہ خبر اپنے سرداروں تک پہنچا دیں کہ سلطان بیبرس بڑی تیز رفتاری سے بحری بیڑوں کی تیاری میں مصروف ہے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ وہ شاہ منفریڈ کی مدد کے لئے مملوک افواج کو روانہ کرے گا۔ صلیبی سردار اس اطلاع پر باہم سر جوڑ کر بیٹھ گئے، ان سرداروں کی متفقہ رائے یہی تھی کہ سلطان بیبرس کو شاہ منفریڈ کی مدد سے کسی بھی طرح روکا جائے۔ وہ بظاہر اس حالت میں نہیں تھے کہ وہ لشکر لے کر قاہرہ پر چڑھائی کر دیتے۔ اگر وہ قاہرہ پر حملے پر متفق بھی ہو جاتے تو ان کے درمیان منتظم اعلیٰ کی جنگ چھڑ جاتی کیونکہ ہر سردار اپنے آپ کو اعلیٰ وارفع خیال کرتا تھا اور دوسرے کی حاکمیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ صلیبی حملوں میں صرف اسی وقت تیزی آتی تھی جب انہیں کوئی رہنما میسر آجاتا۔ یہ حقیقت تھی کہ صلیبی جنگوں کے منتظم اعلیٰ ہمیشہ دوسری سلطنتوں کے شاہ یا ڈیوک ہوا کرتے تھے۔ مقامی صلیبی سپاہ میں ایسی صلاحیت مفقود تھی وہ صرف اپنے محفوظ قلعوں کے گرد وپیش میں لوٹ مار کرنے میں ماہر تھے۔ صلیبی سرداروں کی باہمی ملاقات میں مختلف فارمولے پیش کئے گئے مگر جس طریق کار پر سب متفق ہوئے وہ یہی تھا کہ تمام صلیبی قلعوں سے مسلمانوں پر حملوں کا سلسلہ بڑھا دیا جائے اور قافلوں کی لوٹ مار اور قتل وغارت کا بازار اس قدر گرم کر دیا جائے کہ سلطان بیبرس شاہ منفریڈ کو بھول کر ان کی جانب متوجہ ہو جائے۔ یہ منصوبہ بندی ایک طرح کی خودکشی پر مبنی تھی۔ صلیبی سرداروں کو اپنے مضبوط قلعوں پر پورا بھروسہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ سلطان بیبرس ان قلعوں کا محاصرہ کر لیتا۔ اس طرح کی حرکات سے شاہ منفریڈ کی مدد کا وقت گزارا جا سکتا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان بیبرس بھی سابق سلطانوں کی مانند بالآخر ان سے صلح پر آمادہ ہو جائے گا اور وہ اپنا مقصد پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مشترکہ فیصلے کا مراسلہ بنا کر انطاکیہ، اناطولیہ، طرابلس الشام اور قسطنطنیہ روانہ کیا گیا تاکہ شدید حالات میں وہاں سے فوری طور پر مدد حاصل کی جا سکے۔ دیگر ریاستوں کی نسبت قسطنطنیہ سے اس عمل درآمد کی اجازت ملنا بے حد ضروری خیال کی جاتی تھی کیونکہ ارض فلسطین ولبنان میں صلیبی اقتدار کی اصل ڈور تو شاہ قسطنطنیہ کے ہاتھ میں تھی۔

شاہ قسطنطنیہ کو صلیبی سرداروں کا یہ طریقہ کار بے حد پسند آیا۔ فی الوقت اسے یہی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح شاہ منفریڈ کو شکست سے دوچار کر دیا جائے اور اطالیہ میں نصرانیت کا بول بالا ہو جائے۔ شاہ منفریڈ اس کے لئے عزت کا نشان بن کر رہ گیا تھا۔ سلطان بیبرس سے اس کے اچھے تعلقات کی بھنک شاہ قسطنطنیہ کو بھی پڑ چکی تھی۔ شاہ قسطنطنیہ بظاہر کھل کر سلطان بیبرس کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ سلطان بیبرس نے اپنی حکمت عملی سے اس کے دونوں ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ اس نے صلیبی سرداروں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور جوابی مراسلے میں ان کے اقدام کی حمایت کرتے ہوئے سلطان بیبرس کا مقابلہ کرنے کی پُرزور سفارش کی۔ اس کا مراسلہ کلیسا کی مناجات اور دعاؤں کا بھرپور نمونہ تھا۔ صلیبی سردار شاہ قسطنطنیہ کا آشیر باد پا کر تیزی سے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کرنے لگے۔ ارض لبنان کے سواحل سے لے کر بلادِ شام تک صلیبی قلعوں کا ایک زنجیر نما

بڑا حلقہ اسلامی سلطنت کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

صلیبی سرداروں نے اپنی اپنی عسکری سپاہ کو نئے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق قلعوں سے باہر نکالا۔ پہلے پہل صلیبی لٹیروں نے مختلف سفری راستوں پر غارت گری مچائی اور بے شمار بے گناہ قافلوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ صلیبی سرداروں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قریبی شہری آبادی کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ مختلف شہروں کے والیوں نے اپنے طور پر بے شمار اقدامات اُٹھائے مگر صلیبی جم کر مقابلے کی نیت سے نہیں آتے تھے، وہ مسلمانوں کی بے خبری کا فائدہ اُٹھا کر واپس لوٹ جاتے۔ جب یہ معاملہ ریاستی والیوں کے بس سے باہر نکلنے لگا تو انہوں نے سلطان بیبرس کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور صلیبی لوٹ مار اور قتل و غارت کی تفصیلات بھیجنا شروع کر دیں۔ سلطان بیبرس ایک عرصے سے صلیبی چیرہ دستیوں کو دیکھ رہا تھا۔ صلیبی تاتاری معاونت پر اپنی حدود سے باہر نکل چکے تھے اور ظلم و جور میں نڈر ہو چکے تھے۔ سلطان بیبرس ان اطلاعات کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ صلیبی قوت سے نمٹنا اب ضروری ہو چکا ہے۔ تاتاری خطرہ اپنی جگہ بدستور موجود تھا۔ ہلاکو خان کسی بھی وقت اسلامی سلطنت کا رُخ کر سکتا تھا۔ اس نازک ترین دور میں صلیبی سرکشیوں کا منہ توڑ جواب دینا بھی اشد ضروری ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنی مجلس مشاورت سے صلیبی لٹیروں کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے باہمی طور پر سلطان بیبرس کے دل کی بات کہی۔ سب لوگوں نے صلیبی حملہ آوروں کو سبق سکھانے پر زور دیا۔

سلطان بیبرس نے بلادِ مصر کا انتظام فارس الدین اقطائی کے حوالے کیا اور امیر فخر الدین لقمان کو اس کا خاص معتمد مقرر کیا جبکہ بلادِ شام کا انتظام بدستور امیر قلادون الفی کے پاس رہنے دیا۔ اس نے فوری طور پر مملوک لشکر کو تیاری کا حکم جاری کر دیا کہ وہ کسی بھی وقت کوچ کر سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز اس کے دماغ میں بڑی شدت سے اترتی چلی گئی۔ اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تاریکی کے بادل ایک ایک کر کے ہٹتے چلے گئے۔ ہوش و حواس درست ہونے پر وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا اور اِدھر اُدھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اسے لمحہ بھر کے لئے کچھ سجھائی نہیں دیا پھر آہستہ آہستہ اس کے ذہن کے آئینے پر پڑی ہوئی گرد صاف ہوتی چلی گئی۔ گزرے ہوئے لمحوں کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ شیخ ابوالفضل کے حلق میں تیر پیوست ہونے سے ہلاکت اور فدائی گھڑ سوار کی ہمراہی میں ہی وہ اس رخنہ میں پہنچا تھا اور تکان سے نیند کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔ اس کی نگاہیں فدائی گھڑ سوار کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ دونوں گھوڑے بدستور اپنی جگہ پر موجود تھے جبکہ وہ فدائی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مطیع الدین اپنی جگہ سے اُٹھا تو اسے احساس ہوا کہ ابھی اس کی تکان مکمل طور پر نہیں اُتر پائی اور اس کا جسم شدید درد کی لپیٹوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس نے کھڑے ہو کر اپنے جسم کو مختلف زاویوں میں حرکت دی تاکہ وہ کسی قدر سفر کرنے کے قابل ہو جائے۔ ارض توتیہ پر وہ جس شدید خطرے سے دوچار ہوا تھا اس نے اس کے اعصاب کو مضمحل کر ڈالا تھا۔ مطیع الدین فدائی کے بارے میں سوچتا ہوا اس رخنے سے باہر نکل آیا۔ یہ عجیب سی نیم تاریک راہداریاں تھیں جنہیں شیخ ابوالفضل کچھ دیر پہلے تک درّوں کا نام دے رہا تھا۔ رخنے کے قریب ہی اسے پانی کا ہلکا شور سنائی دیا۔ اس کے قدم خود بخود اس جانب بڑھ گئے۔ شور کی آواز کا اندازہ کرتے ہوئے وہ اس چھوٹے سے پانی کے تالاب کے قریب پہنچ گیا جو بے ڈھنگے سے دائرے کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا۔ پانی کی ننھی ننھی بوندیں پتھروں میں سے رس کر اس تالاب میں گر رہی تھیں۔ تالاب کے قریب ہی اسے وہ فدائی بیٹھا دکھائی

دیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک ڈھاٹے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ شاید کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ قدموں کی آواز پر اس کی گردن مطیع الدین کی جانب مڑ گئی۔ اس نے مطیع الدین کا چہرہ دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ مطیع الدین بوجھل قدموں سے چلتا ہوا تالاب کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جھک کر پانی کے چند چھپاکے چہرے پر مارے۔ پانی کی پُر کیف ٹھنڈک سے اسے تازگی کا احساس ہوا۔ مطیع الدین نے اپنے چہرے کی گرد کو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد اس فدائی کی جانب نگاہ ڈالی۔ وہ ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔

''لگتا ہے کہ تم اس جانب اکثر آتے رہے ہو، ان راستوں سے اچھی طرح واقف بھی ہو''۔

اس فدائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مطیع الدین نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا، فدائی کی سپاٹ سیاہ آنکھیں مطیع الدین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے کسی نقاب پوش سے اتنی بات کی ہے۔ ورنہ مجھے تو نقاب زدہ چہروں سے بات کرنے میں بڑی کوفت ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سلجوقی سپاہیوں سے محفوظ ہو چکے ہیں لہٰذا اب یہ پردہ داری ختم کر دو''۔ مطیع الدین بلا تکلف بولتا چلا گیا۔ فدائی نے ایک بار پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک وہاں پہاڑی چشمے پر پانی کی بوندوں کی آوازوں کے سوا کچھ سنائی نہ دیا۔ مطیع الدین فدائی کی خاموشی اور بے اعتنائی پر تلملا کر رہ گیا۔

''کیا بات ہے کیا تم میری زبان سمجھ نہیں سکتے یا پھر تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے۔ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ شیخ ابوالفضل کے سامنے تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میں کوئی انجان یا دشمن نہیں ہوں بلکہ تم لوگوں کا دوست ہوں اور تمہارے رئیس کے پاس ملاقات کے لئے جا رہا ہوں''۔ مطیع الدین کے لہجے میں کسی قدر تلخی عود کر آئی۔ فدائی اس کی بات پر پہلو بدلنے لگا۔ اس کے بے تابانہ انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ مطیع الدین سے بات کرنا چاہتا ہے مگر کوئی وجہ اس کا دامن باندھے ہوئے ہے۔ بالآخر فدائی نے خاموشی کی مہر توڑ دی اس کی آواز فضا میں گونجی۔

''مطیع الدین! بالکل سچ بتانا کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

فدائی کی آواز نے مطیع الدین کے اعصاب کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا، اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کچھ لمحے پہلے جو آواز اس کی سماعت میں اتری ہے، وہ اس فدائی کے منہ سے ہی برآمد ہوئی تھی۔ وہ تعجب بھری نگاہوں سے اس فدائی کی جانب دیکھتا رہ گیا۔

❁ ❁ ❁

661ھ بمطابق 1263ء کے وسط میں سلطان بیبرس نے ایک جرار لشکر تیار کیا اور نہایت اہتمام کے ساتھ قاہرہ سے نکلا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ خود قصر خلافت سے نکل کر اسے رخصت کرنے کے لئے شہر کے صدر دروازے تک آیا۔ شیخ عزالدینؒ نے صلیبیوں کے مقابلے پر سلطان بیبرس کی فتح و نصرت کے لئے خصوصی دُعا کی۔ صلیبی سرداروں کو قاہرہ کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان بیبرس ان کے منصوبے کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کی توجہ شاہ منفریڈ کی جانب سے ہٹ کر ان کی جانب مبذول ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے پورے زور و شور سے عسکری تیاریاں شروع کر دیں۔ چونکہ تمام قلعے ایک مخصوص زنجیر کی شکل میں تھے اس لئے ان سب میں رابطے کے سلسلے پر خاص توجہ دی گئی۔ صلیبی مخبروں نے جلد ہی یہ اطلاع پہنچا دی کہ سلطان بیبرس کا رُخ شمال کی جانب ہے۔ وہ بلادِ شام کی جانب سے ان پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے۔ بلادِ شام کی جانب والے تمام قلعوں میں حفاظتی اقدامات سخت کر لئے گئے۔

سلطان بیبرس نے تمام لشکری سالاروں سے اپنی منزل مخفی رکھی تھی۔ ان کے دریافت کرنے پر سلطان بیبرس نے مختصراً کہا کہ ابھی اس نے کچھ طے نہیں کیا ہے۔ وقت آنے پر انہیں معلوم ہو جائے گا۔ مملوک افواج مسلسل شمال کی جانب سفر کرتی رہیں۔ بلادِ شام کے قریب پہنچنے پر اچانک سلطان بیبرس نے لشکر کو جنوب مشرق میں مڑنے کا حکم دیا۔ لشکری سالار سلطان بیبرس کا یہ انوکھا حکم سن کر دنگ رہ گئے۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا رُخ جنوب مشرق کی جانب موڑ دیا۔ سلطان بیبرس نے بغیر رُکے اچانک قلعہ الکرک کی جانب برق رفتاری سے پیش قدمی کی قلعہ الکرک ایک قدیم اور مستحکم قلعہ تھا اور اس پر کمینہ خصلت ٹیمپلرز قابض تھے۔ صلیبی ٹیمپلرز نے مسلم آزاری اور غارت گری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ حجاج کے قافلے ان کی خون آشامیوں کا خاص ہدف تھے، چونکہ بلادِ مصر سے حجاز جانے والا راستہ قلعہ الکرک کے قریب سے گزرتا تھا، اس لئے جونہی حجاج کا کوئی قافلہ الکرک کے نواح میں پہنچتا تو الکرک کے شریر صلیبی اس پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے۔ حاجیوں کو قتل کر دیا جاتا اور ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا جاتا۔ یہ سلسلہ طویل عرصے سے جاری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس ناپاک امر کو اپنی کامیاب حکمت عملی سے ناکام بنا ڈالا تھا مگر ایوبی سلطنت کی ڈھیلی گرفت کے باعث ٹیمپلرز اپنی سابقہ روش پر دوبارہ قائم ہو گئے تھے۔ یہی وہ قلعہ تھا جہاں سلطان بیبرس کا مرحوم آقا علاء الدین بندقداری اپنا سب کچھ لٹا کر بستر مرگ پر جا پہنچا تھا۔ سلطان بیبرس نے جب قلعہ الکرک کی بلند و بالا فصیل پر نگاہ دوڑائی تو اسے اپنے آقا کی یاد نے بے تاب سا کر دیا۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ جس وقت سلطان بیبرس اپنے لشکر سمیت قلعہ الکرک کے قریب پہنچا تو قلعہ الکرک کا صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور صلیبی لشکر لوٹ مار کی کسی مہم سے واپس لوٹ رہا تھا۔ صلیبی لشکر نے جب اپنے عقب میں شور وغلغلہ سنا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں پہلے پہل اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا کہ سلطان بیبرس اچانک یہاں نمودار ہو جائے گا۔ سلطان بیبرس کی حکمت عملی نے صلیبی ٹیمپلرز کو حواس باختہ کر ڈالا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ جلد از جلد قلعے میں داخل ہو کر صدر دروازہ بند کر لیں تا کہ مقابلے کی صورت ہی نہ پیدا ہو۔ سلطان بیبرس کی مشاق نگاہیں صورتِ حال کو بھانپ چکی تھیں۔ مسلمان سپاہی بھی مسلسل سفر کی بدولت کسی قدر تکان کا شکار تھے۔ سلطان بیبرس نے اپنے سپاہیوں کی ہمت بندھائی اور انہیں ہدایت کی وہ کسی بھی صورت قلعہ کا صدر دروازہ نہ بند ہونے دیں۔ اسلامی لشکر اپنے سلطان کے حکم کی تعمیل میں برق رفتاری سے ان کی جانب بڑھا اور صلیبی لشکر کو صدر دروازے کے قریب ہی جالیا۔ اب چونکہ صورتِ حال بدل چکی تھی صلیبی لشکر کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ مقابلے پر اتر پڑتے۔ وہ چار و ناچار واپس مڑے اور صفیں سیدھی کرتے ہوئے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرنے لگے ان کے اس فیصلے میں خاصی تاخیر رونما ہو چکی تھی۔ سلطان بیبرس نے اپنی مملوک طرزِ جنگ کے باعث بہت جلد ان کے قدم اکھاڑ ڈالے۔ چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد ہی صلیبی لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مجاہدین نے بھرپور کوشش کی کہ ان میں کوئی بچ کر نہ جانے پائے مگر صلیبی لشکر کی بڑی تعداد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

سلطان بیبرس فاتحانہ انداز میں قلعہ الکرک میں داخل ہوا۔ قلعہ میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ انہیں گرفتار کر کے اسیر بنا لیا گیا۔ تمام قلعے پر مکمل گرفت حاصل ہونے کے بعد سلطان بیبرس نے خود بڑھ کر تمام قلعے کا معائنہ کیا۔ قلعہ الکرک میں اسے معلوم ہوا کہ یہاں صلیبیوں نے قلعہ نما تاریخی گرجا الناصرہ کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ مجاہدین نے جب گرجا الناصرہ سے بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا تو سلطان بیبرس نے گرجے کو مسمار کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ حکم کے مطابق الناصرہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔

اگلے دنوں میں سلطان بیبرس نے قلعہ کی بلند و بالا اور مضبوط ترین فصیل کو مسمار کروایا اور قلعہ الکرک کی حالت ایسی خستہ وشکستہ کر ڈالی کہ وہ دوبارہ عسکری استعمال کے قابل ہی نہ رہا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ الکرک کی تمام کارروائی سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کو واپس قاہرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم جاری کیا تو وہ سب حیرت سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ ابھی دوسرے صلیبی قلعوں کو بھی نشانہ بنایا جائے گا مگر سلطان بیبرس نے فوری طور پر اس کارروائی کو ضروری نہیں سمجھا۔

سلطان بیبرس کے اس اچانک حملے نے جہاں صلیبی سرداروں کو لرزہ بر اندام کر ڈالا تھا، وہیں قلعہ الکرک کی بربادی سے مسلمان ایک طویل عرصے پر محیط صلیبی شر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے تھے۔ صلیبی سردار سلطان بیبرس کی زیرک وحکمت عملی پر بے حد محتاط ہو گئے انہیں یہ سبق مل چکا تھا کہ اسلامی لشکر کے بارے میں آئندہ جو اطلاعات مخبروں کے ذریعے ان تک پہنچیں گی ان پر بھروسہ کرنا خالصتاً حماقت ہوگی۔

❀ ❀ ❀

وہ اپنے چہرے پر ہاتھ کی انگلیاں پھیلائے ہوئے بڑے انہماک سے اس روشنی کو گھورے جا رہا تھا۔ کافی دیر گذر گئی مگر وہ اس پتھر سے ایسا چپکا کہ جیسے وہ خود بھی اسی کا حصہ ہو۔ وہ مسلسل ٹکٹکی باندھے بھڑکتے ہوئے اس الاؤ کو دیکھ رہا تھا جو کہ درمیانی فاصلے کی زیادتی کے باعث اُسے دیا سلائی کے شعلے سے بڑا نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ ڈھلتی ہوئی رات اور سفر کی تکان اس سے بار بار یہی تقاضا کر رہے تھے کہ اسے کچھ دیر لیٹ کر آرام کرنا چاہیے مگر اس کی سوچ کے دھارے کسی تذبذب کا شکار تھے۔ وہ جسم کے پیغامات کو رد کرتے ہوئے اسے بیدار رہنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ وہ تمام وقت اسی گومگو کی حالت میں مبتلا رہا کہ کیا اسے ان لوگوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے؟ ہر بار اس کے دماغ کا یہی جواب ہوتا کہ نہیں...... یہ وقت مناسب نہیں صبح سے پہلے ان کے قریب پہنچنا کسی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ روشنی کا شعلہ کئی بار مدھم ہوا مگر پھر کچھ دیر بعد اس میں تیزی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہوتا رہا کہ اس الاؤ کے مکین یقیناً بیدار ہیں لگا تار بیٹھے رہنے کے باعث اس کے جسم پر ڈھیلا پن سا طاری ہونے لگا۔ وہ چونک کر اپنی بدلتی ہوئی کیفیت سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے پتھر کی نشست چھوڑ کر خود کو ٹہلنے میں مصروف کر لیا۔ وہ کافی دیر تک یونہی بے کار میں ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اس کی نگاہیں بار بار اس روشنی کی جانب اُٹھ جاتیں پھر اچانک اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ روشنی کا ہالہ سمٹتا ہوا دکھائی دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے روشنی تاریکی میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ اس کے جسم پر ہیجان سا طاری ہونے لگا۔ وہ اب یہ سوچ رہا تھا کہ روشنی کی موجودگی تو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ لوگ وہیں موجود ہیں، تاریکی کے باعث اگر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو وہ یقیناً انہیں پکڑنے میں ناکام ہو جائے گا کیونکہ وہاں سے شہر زیادہ دور نہیں تھا۔ وقت کے معمولی سے ضیاع کے باعث وہ انہیں ہمیشہ کے لئے کھو سکتا ہے۔ اتنے بڑے شہر میں ان لوگوں کو تلاش کر لینا کوئی آسان بات نہیں تھی اس کے جسم میں عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگی۔ وہ کچھ دیر پہلے تک جس ارادے پر قائم تھا وہ کمزور پڑنے لگا۔ اس کا دماغ اب اسے تلقین کر رہا تھا کہ اسے ان لوگوں کے قریب جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ وہ اگلے چند لمحوں تک اسی کشمکش میں اُلجھا رہا۔ بالآخر اس نے طے کر لیا کہ وہ ان لوگوں کے قریب پہنچ کر ہی صحیح صورتِ حال کا جائزہ لے گا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی جانب قدم بڑھائے۔ گھوڑا آرام ملنے پر ستا چکا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں اپنی بغل میں دبائیں اور دھیمے دھیمے سے انداز میں الاؤ کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ حتی الامکان یہی کوشش کر رہا تھا کہ گھوڑے کے چلنے کی چاپ زیادہ پیدا نہ ہو۔ یہ اس کی مہارت تھی کہ وہ بغیر آواز پیدا کیے آہستہ آہستہ الاؤ کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ روشنی کے خاتمے کے باعث اسے

درست اندازہ نہیں ہو پایا کہ وہ لوگ اس سے کتنی دور موجود تھیں البتہ اس کی حساس ناک فضا میں رچے دھوئیں کی بو کو محسوس کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ کافی دیر تک یونہی چلتا رہا۔ اچانک اُسے ٹھٹک کر رُک جانا پڑا۔ آسمان کی رنگت میں تغیر پیدا ہو رہا تھا۔ تاریکی کے گھنگھور اندھیروں میں صبح کا اجالا پھوٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیا واقعی رات بیت چکی ہے؟'' اس نے لمحہ بھر کے لئے سوچا، وہ اس الاؤ کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ روشنی میں اس کا ان لوگوں کی نگاہوں سے چھپارہ جانا ممکن نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر فیصلہ کرلیا کہ روشنی کے اس آغاز پر ہی اسے اپنا شکار کھیل لینا چاہئے۔ رتجگے اور تکان کے باعث اسے یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں اس شکار میں اس سے خطا نہ ہو جائے۔ اس نے وسوسوں کے چنگل سے اپنے دامن چھڑاتے ہوئے خود کو جسمانی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پہلے ہی رات کی تاریکی تاخیر کا باعث بن چکی تھی۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے صبح صادق کے اجالے نے سیاہ آسمان کا چہرہ سپید کر ڈالا۔ بادِ نسیم اس کے اعصاب پر بے حد بھاری پڑنے لگی۔ وہ اپنی تمام قوت مجتمع کرتے ہوئے گھوڑے پر جست لگا کر سوار ہو گیا گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے وہ اپنی منزل کی جانب بڑھنے لگا۔ روشنی میں اسے معلوم ہوا کہ جس جگہ سے الاؤ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی وہ درختوں کا ایک چھوٹا سا جھنڈ تھا۔ وہ دھیمے انداز میں اس جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔ اسے اس وقت شدید ترین جھٹکا لگا، جب درختوں کے درمیان اسے صرف الاؤ کی راکھ ہی دکھائی دی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے بے تابی و پریشانی سے گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگائی۔ وہ اس جگہ کا جائزہ لینے لگا۔ جہاں الاؤ کی ٹھنڈی راکھ پڑی اسے منہ چڑھا رہی تھی۔ وہاں اس راکھ کے سوا کوئی دوسرا نشان باقی نہیں تھا۔ نہ تو خیموں کے لگائے جانے کے نشان اور نہ ہی کچھ لوگوں کی وہاں موجودگی کے آثار۔

''یہ کیا ہوا؟ ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اسے اپنا ذہن درہم برہم سا ہوتا محسوس ہوا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس کا شکار اس کے تعاقب سے آگاہ ہو چکا ہے، اسی لئے اس نے اسے اتنا زبردست فریب دیا ہے۔ وہ لوگ یقیناً کسی دوسری جگہ پر مقیم ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگاتے ہوئے اسے شہر کی جانب دوڑانے لگا۔ وہ ان لوگوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکنا چاہتا تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین متفکر انداز میں چشمے کے قریب بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی نگاہیں بدستور فدائی کے چہرے پر جمی رہیں۔ فدائی کے لبوں سے نکلنے والی باریک سی مترنم آواز اس کی سماعت میں پہلے سے محفوظ تھی مگر اس موقعے پر اسے قطعی یاد نہیں آ پایا کہ وہ کون ہو سکتی ہے......؟ وہ جسے تمام وقت فدائی سمجھتا رہا وہ درحقیقت ایک فدائیہ نکلی۔ اس کے لبوں کی جنبش نے مطیع الدین کو گہرا جھٹکا دیا تھا۔

''تت...... تم کون ہو...... تمہاری آواز مجھے کچھ کچھ سنی سنی سی محسوس ہوتی ہے''۔ مطیع الدین سنبھلتے ہوئے بولا۔ وہ کافی حد تک خود کو بحال کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ فدائیہ اس کی بات پر چونکی پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے چہرے کے گرد لپٹے ہوئے نقاب کو ہٹا ڈالا یہ دوسرا موقعہ تھا کہ مطیع الدین دم بخود رہ گیا وہ اس لڑکی کی صورت بھلا کیسے بھول سکتا تھا یہ وہی تھی جس نے اسے کوہ سرخ غر میں گل وقوژ کے بارے میں ایک عجیب سی کہانی سنائی تھی اور پھر رات کے اندھیرے میں جانے کہاں غائب ہو گئی۔ اتنے دنوں بعد اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مطیع الدین ہکا بکا سا ہو گیا۔

''گہنانم......!'' مطیع الدین کے ہونٹ فرطِ حیرت سے تھرتھرائے۔

''میں جانتی تھی کہ تم مجھے بھول نہیں پائے ہو گے''۔ گہنانم نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''تم سے دوبارہ ملاقات فدائیہ کے روپ میں ہو گی...... میں یہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا''۔ مطیع الدین گم صم سے انداز میں بولا۔

''مطیع الدین! شاید اسی کا نام زندگی ہے، جانے ابھی کون کون سے موڑ دیکھنا باقی ہیں''۔ گہنانم تلخی سے بولی۔ مطیع الدین محض سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اسے گہنانم کے لہجے کے پیچھے کوئی درد بھری کہانی چھپی ہوئی محسوس ہوئی۔

''تمہارے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا...... کیا نام تھا اس کا...... ہاں یاد آیا...... شکنان!'' مطیع الدین جلدی سے بولا۔ شکنان کا نام سنتے ہی گہنانم کی آنکھیں چھلک سی گئیں۔

''وہ میری حفاظت کی کوشش میں موت کے گھاٹ اتر گیا''۔ وہ مختصراً بولی۔ مطیع الدین پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ شکنان کے بارے میں مزید کوئی سوال کرے؟ گہنانم کا مغموم چہرہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔ گہنانم مختصر توقف کے بعد خود ہی بولی۔

''ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ تم دونوں ہمارے بارے میں مشکوک ہو چکے ہو، اسی لئے رات کے اندھیرے میں ہم تمہارے خیمے سے فرار ہو گئے۔ گل وقوژ کے ساتھ کیا ہوا تھا، اس بارے میں ہمیں کچھ زیادہ خبر نہیں تھی۔ ہم اسے غار میں ہی چھوڑ آئے تھے۔ رات کے وقت ہی سردار منک آنہ نے ہمیں بیدار کر کے وہاں سے بھاگ جانے کے لئے کہا۔ میں سردار منک آنہ کی صورت دیکھ کر دہل گئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہمیں مار ڈالے گا مگر اس کے رویے پر مجھے ایسا لگا کہ اسے ہماری نسبت گل وقوژ کی زیادہ فکر ہے۔ ہم جان بچنے پر وہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں بھٹکنے لگے، کئی دن تک انہی جنگلوں میں دھکے کھانے کے بعد ہم تمہارے پاس پہنچ گئے۔ وہاں تمہارے رویے سے ہمیں ایسا لگا کہ منک آنہ کے جرم کی پاداش میں تم یقیناً ہمیں نقصان پہنچاؤ گے۔ تمہارے خیمے سے نکل کر ہم ایک بار پھر اسی برفانی جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ ایک دن شنگ خان کی صورت ہمیں وہاں دکھائی دی۔ وہ منک آنہ کا پوتا تھا۔ اس نے ہم سے گل وقوژ کے بارے میں سوال کئے، جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں شکنان کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہوں تو غصے سے دیوانہ ہو کر مجھے مارنے کو بڑھا۔ یہ دیکھ کر شکنان آگے بڑھ کر اس سے اُلجھ پڑا۔ کافی دیر دونوں میں زور آزمائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شکنان میری آنکھوں کے سامنے شنگ خان کے خنجر کا نشانہ بن گیا''۔ گہنانم بتاتے ہوئے ہچکیاں بھرنے لگی۔

مطیع الدین کو کچھ دیر پہلے تک دکھائی دینے والی ایک مضبوط فدائیہ، اب ایک کمزور و بے بس عورت لگی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ اسے ابھی بھی اس کی باتوں میں جھوٹ کی آمیزش محسوس ہوئی۔ اس نے اس کے بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔ کچھ دیر بعد جب گہنانم کا جی ہلکا ہوا تو اس نے دوبارہ سلسلہ کلام جوڑا۔

''شکنان کی موت کے بعد شنگ خان قہقہے لگانے لگا۔ میں تو یہ منظر دیکھ کر ہی مر گئی تھی، میں نے اس سے التجا کی کہ مجھے بھی ہلاک کر دے تاکہ جاودانی آسمان ہماری روحوں کا سنگم کرا دے مگر وہ بڑا ظالم نکلا۔ اس نے مجھے اسی جنگل میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود چلا گیا۔ میں کئی دن تک شکنان کی لاش کے پاس ماتم کرتی [illegible] دن شیخ کبیر...ین وہاں دکھائی دیا۔ اسے میری وہاں موجودگی پر سخت حیرت تھی۔ اس نے میرے

ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کیں اور مجھے اس بات کی ترغیب دی کہ میں اس کے ساتھ چلوں۔ وہ مجھے اس قابل بنا دے گا کہ میں ایک دن شنگ خان سے خود بدلہ لینے کے قابل ہو جاؤں گی۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑی۔ مجھے واقعی اس قابل بننا تھا کہ شنگ خان کو موت کا ذائقہ معلوم ہو جاتا......اور آج یقیناً میں اس قابل بن چکی ہوں''۔ گہنانم کی آنکھیں خون کی مانند سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر شنگ خان کے لئے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ مطیع الدین اس کے اس خونخوار روپ کو دیکھ کر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ شیخ کبیر الدین جھوٹ بولنے والا شخص نہیں ہے مگر تم اب قونیہ کی جانب سے آ رہی ہو، یہ ماجرا میرے پلے نہیں پڑا''۔ مطیع الدین کو جیسے گذرا ہوا وقت یاد آ گیا۔

''وہاں ہم نے ایک شاہی درباری کو ہلاک کیا تھا، ہمیں وہاں سے نکلنے میں کچھ تاخیر ہو گئی جس کے باعث اس کی ہلاکت کی خبر منکشف ہو گئی اور شاہی سپاہی ہمارے تعاقب میں لگ گئے''۔

''اسے تم نے قتل کیا تھا......؟'' مطیع الدین چونک کر بولا۔

''ہاں! مجھے خاص طور پر خنجر زنی کی تربیت دی گئی ہے''۔ گہنانم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''تم شاید اس جانب کئی بار آ چکی ہو''۔ مطیع الدین نے پوچھا۔

''ارض قونیہ پر تمام مہمات زیادہ تر میرے ہی ذمے لگائی جاتی ہیں''۔ گہنانم نے مختصراً کہا۔ کچھ توقف کے بعد گہنانم دوبارہ بولی۔

''مطیع الدین! میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ تم اس بے رحم نگری میں کیا لینے آئے ہو؟''

''میں گل وقوژ کی تلاش میں آیا ہوں''۔ مطیع الدین نے سیدھا جواب دیا۔

''مجھے بھی کسی حد تک یہی اندازہ تھا''۔ گہنانم زہریلی ہنسی سے بولی۔

''کک......کیا مطلب......کیا تم گل وقوژ کے بارے میں جانتی ہو؟'' مطیع الدین اس کی بات پر تڑپ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں بے تابی سے اس کی صورت کا طواف کر رہی تھیں۔

''ہاں!'' گہنانم نے سر اثبات میں ہلایا تو مطیع الدین کو ایسے لگا جیسے اس کا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ گہنانم نے مطیع الدین کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''مطیع الدین! سوچ سمجھ کر جواب دینا......کیا اب تم اس گل وقوژ کو قبول کرنے پر رضامند ہو گے جو ایک ماہر قاتلہ ہے، کئی زندگیاں اس کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچ چکی ہیں۔ اس کے ہاتھ صرف موت کا تحفہ دیتے ہیں اور کچھ نہیں......!'' گہنانم نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' گہنانم کی بات سن کر مطیع الدین کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

''مطیع الدین! شیخ کبیر الدین کے پاس جو لڑکی پہنچتی ہے وہ اسے ماہر قاتلہ بنا دیتا ہے اور پھر مجھ جیسی ہزاروں لڑکیاں اس کے مقاصد کی انجام دہی کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کر دیتی ہیں، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ شیخ کبیر الدین کے پاس جا کر تم اس سے گل وقوژ مانگو گے اور وہ تمہیں ہنس کر بخش دے گا؟ ہرگز نہیں! شیخ کبیر الدین اپنے کارآمد کھلونے کسی کو نہیں دیتا۔ میری بات مانو......ابھی وقت ہے تم واپس لوٹ جاؤ اور گل وقوژ کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو......ورنہ گل وقوژ بھی میری مانند تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھ کر تمام عمر کڑھتی رہے گی''۔ گہنانم کا لہجہ بھر آیا۔

''گہنانم! میرا نام مطیع الدین ہے، میں ایک بار آگے بڑھ جاؤں تو پیچھے ہٹنے کے بارے میں سوچنا بھی مجھے اپنی توہین لگتا ہے۔ میں گھر سے یہ ارادہ باندھ کر نکلا ہوں کہ گل وقوژ کو ساتھ لے کر ہی سرائے میں قدم

رکھوں۔ تم صرف مجھے شیخ کبیر الدین کے پاس لے چلو''۔ مطیع الدین جذباتیت کا شکار ہو گیا۔ گہنانم نے اس کی جانب دیکھ کر گہری سانس لی۔

''ٹھیک ہے، تم اگر اپنی کوشش سے باز نہیں آنا چاہتے تو مجھے بھی کوئی غرض نہیں۔ تم تیاری کرو، ہم کچھ ہی دیر میں یہاں سے نکل جائیں گے۔ سلجوقی سپاہی درّوں میں گھسنے سے گریز کرتے ہیں، اس لئے ہمیں اب کوئی خطرہ نہیں ہے''۔

مطیع الدین نے گہنانم کی بات پر اثبات میں اشارہ کیا پھر وہ دونوں رخنے کی جانب واپس لوٹ گئے جہاں ان کے گھوڑے ان کے منتظر تھے۔

❀❀❀

قاضی برہان الدین بخاری کی معزولی نے مصری امراً کو سلطان بیبرس کے خلاف زہر افشانی کرنے کے لئے ایک زبردست موقعہ فراہم کر دیا تھا۔ انہوں نے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے پاس پہنچ کر اسے یہ باور کرایا کہ سلطان بیبرس اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہا ہے، قاضی موصوف کی معزولی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ سلطان بیبرس کی بے ضابطگیوں کی تہہ تک پہنچ چکے تھے، اسی لئے سلطان بیبرس نے انہیں گھر میں مقید کر ڈالا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی مگر درباری امراً کے انداز بیان میں کچھ ایسی لگاوٹ اور درد تھا کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ بھی اپنے تئیں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ سلطان بیبرس مطلق العنان آمر حکمران بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کسی ٹھوس وجہ کے بغیر سلطان بیبرس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ذاتی عملے میں کچھ غلاموں کو اپنے قریب کیا اور ان سے تنہائی میں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ وہ غلام ویسے ہی خلیفہ کی خدمت کو کسی اعزاز سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ نے انہیں رازداری سے مخفی حقائق معلوم کرنے کا حکم دیا کہ ان امراً کے بیانات اور سلطان بیبرس کے افعال کی درحقیقت اصلیت کیا ہے۔ غلاموں نے اپنے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نہایت خفیہ انداز میں مخبری کا کام شروع کر دیا۔ بہت جلد ہی خلیفہ الحاکم بامراللہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے دل میں پیدا ہونے والی بدگمانی بے بنیاد تھی۔ سلطان بیبرس کے تمام اعمال و افعال مثبت نتائج کے حامل تھے۔ اس نے حقیقت کھلنے پر ایسے امراً کی خوب مدارت کی اور انہیں نیکی و راستی کی راہ پر چلنے کی تلقین کی۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کی نگاہ عنایت سلطان بیبرس کی جانب دیکھ کر شریر امراً کا حلقہ جل بھن کر رہ گیا۔ انہوں نے دوسری روش اختیار کی کہ سلطان بیبرس کی مخالفت کے ساتھ ساتھ خلیفہ الحاکم بامراللہ کے خلاف بھی زہر افشانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ بڑے فخر سے دربار خلافت میں جاتے اور باہر نکل کر خلیفہ الحاکم بامراللہ کے کردار و اوصاف کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اُڑاتے۔ یہ سلسلہ زیادہ ہی طول پکڑ گیا تو قصرِ خلافت کے بارے میں رعیت میں عجیب و غریب روایات گردش کرنے لگیں۔ لوگ قصرِ خلافت کو الف لیلوی قحبہ خانہ سمجھنے لگے، جہاں ہر وقت نیم عریاں کنیزوں کے رقص اور شراب و شباب کی رونقیں منعقد کی جاتی ہوں۔ ایسا کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ خلیفہ الحاکم بامراللہ بدنام ہو جائے اور قصرِ خلافت پر سے لوگوں کا اعتماد و یقین اُٹھ جائے۔ بغداد کی نسبت قاہرہ میں نظام خلافت میں یہ بڑی خامی دکھائی دی کہ خلیفہ قصر خلافت کے اندر ہی محصور ہو کر رہ گیا اس کا عام رعیت سے کوئی رابطہ نہیں تھا اور نہ ہی قصر خلافت سے عامتہ الناس کے لئے احکامات جاری ہوتے تھے۔ رعیت کے معاملات کی ذمہ داری مجلس انتخاب کی منتخب حکومت کی ذمہ داری تھی، سلطان بیبرس اور اس کے منصب داروں کا فرض تھا کہ وہ رعیت کی مشکلات و مصائب پر توجہ دیں۔ سلطان بیبرس ان دنوں صلیبی مہم پر تھا اس لئے قاہرہ کے مخدوش حالات اسے معلوم نہ ہو

سکے، امیر فخر الدین لقمان نے اُڑتی ہوئی خبروں پر توجہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔

جب بیبرس قلعہ الکرک کی فتح کے بعد واپس قاہرہ آیا تو یہ چہ میگوئیاں اس کے کانوں سے دور نہ رہ پائیں۔ سلطان بیبرس چونکہ عام رعیت میں مختلف بہروپ بدل کر گھومتا رہتا، اس لئے جلد ہی اسے امرأ کی مصنوعی کہانیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر کئی اقدامات کئے اور کئی شریر امرأ کو گرفتار کر کے قاہرہ سے شہر بدر کر دیا اور کئی سرکش امرأ کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اس ساری کارروائی کا مقصد صرف یہی تھا کہ قصرِ خلافت کے بارے میں جو غلط بیانی ان لوگوں نے شروع کر رکھی ہے، وہ سلسلہ موقوف ہو جائے۔ ایسی شرارتوں میں ملوث کئی اُمرأ حلقہ زد میں نہیں آئے، انہوں نے سلطانی اقدامات کے خوف سے اپنی زبانیں سی لیں۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے پاس جا کر یہ نئی صورتِ حال گوش گزار کر دی اور اس سے التماس کی کہ وہ ایسے شرارتی عناصر سے محتاط رہیں اور امرأ کے ساتھ زیادہ محافل کا اہتمام نہ کریں۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ کو جب یہ حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے عام دربار منعقد کیا اور سب امرأ کو نصیحت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لوگوں کے ذہنوں پر طاری اس بدگمانی کو صاف کیا اور عظمت خلافت کی پامالی کرنے والوں کے خلاف کڑے اقدامات کرنے کا اعادہ کیا۔ یہ بڑا عجیب دور تھا یا اسے مسلمانوں کی بدقسمتی خیال کریں کہ پُرآشوب دور میں جب مسلمانوں کا اقبال زوال کا شکار ہو چکا تھا، وحشی اور خونخوار تاتاریوں کا منہ زور سیلاب اسلامی تہذیب و تمدن کو بہا کر لے گیا تھا، بغداد کی تباہی کے بعد مسلمانوں کو اپنی حفاظت کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی، ایک جانب تاتاریوں کا ظلم و ستم جاری تھا تو دوسری جانب متعصب یورپی صلیبی لٹیرے گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ارضِ اسلامیہ میں ناسور بنے بیٹھے تھے، وقتی امن کے معاہدے وجود میں آتے رہے اور پھر ان معاہدوں کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں، صلیبی ارضِ مقدس میں اپنی مذہبی حکومت بنانے کا خواب دیکھتے تھے اور اس کے وجود کے لئے کئی بار بھرے پُرے شہر تباہ کر چکے تھے۔ ہر وقت صلیبی لوٹ مار کا اندیشہ طاری تھا۔ تیسری جانب فدائی گروہ اپنی حکومت کی تعمیر میں مسلمانوں کی لاشیں بچھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے ہوئے تھا۔ ہر طرف سے مسلمان پس رہے تھے لیکن پھر ان کے اندر کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہیں دوسروں کی کوئی فکر نہیں تھی، وہ مسلمان بھائیوں کو اپنے جسم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں صرف اپنے مفادات کی تکمیل سے غرض تھی۔ عزت و دولت، نمود و نمائش اور فخر و تکبر نے ان کی عقل پر دبیز پردے ڈال رکھے تھے۔ انہیں ہر وقت یہی آرزو تھی کہ وہ کسی طرح سلطان بیبرس کی حکومت گرا دیں اور ایوبیوں کو ان کا حق دلا دیں۔ ان کی عقل پر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ سلطان بیبرس ایک جانب تاتاریوں کو بلادِ عراق سے پیچھے دھکیل آیا تھا تو دوسری طرف قلعہ الکرک کی کارروائی سے صلیبی قوتوں کو بھی دہشت زدہ کر چکا تھا وہ اپنا دن رات کا سکون صرف اسی امر کے پیچھے برباد کئے ہوئے تھا کہ سلطنت اسلامیہ کا شیرازہ جو بکھر چکا ہے کسی طرح سمٹ جائے۔ اس نے اپنی فہم و ذہانت سے سب مخالف قوتوں پر دھاک جما کر رکھ دی مگر نادان مسلمانوں کا ایک گروہ پھر بھی اس کی مخالفت میں جتا رہا۔

❀ ❀ ❀

''دیکھو! وہ اب بھی تعاقب کر رہا ہے کیا؟'' ایک نسوانی آواز فضا میں گونجی۔

''ہاں! وہ ہمارا پیچھا ایسے نہیں چھوڑنے والا...... اس بار اس کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز ہے''۔ ایک شخص نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ ایک چھوٹا سا قافلہ تھا جس میں تین عورتیں اور سات مرد شامل تھے۔ وہ تین دن سے لگاتار سفر کر رہے تھے۔ جب سے ان کا سفر شروع ہوا تھا، انہیں اپنے تعاقب کے بارے میں معلوم ہو گیا

تھا۔ انہیں کسی قدر حیرت بھی تھی کہ تعاقب کرنے والا ہمیشہ ان کے قیام کے وقت کچھ فاصلے پر رُک جاتا تھا۔ وہ ان کے قریب ایک بار بھی نہیں آیا۔ وہ لوگ گذشتہ دو دن سے یہی کوشش کر رہے تھے کہ تعاقب کرنے والے کو جل دے کر نکل جائیں مگر وہ بھی نہایت چالاک معلوم ہوتا تھا کہ دن کے پہلے پہر میں ہی ان کے عقب میں دکھائی دیتا۔ ساتوں مرد اس پُراسرار شخص کے بارے میں بے حد چوکنا تھے۔ انہوں نے اپنے سردار سے کئی بار یہ درخواست کی کہ انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اسے پکڑ کر حقیقی صورتِ حال کا پتہ لگائیں مگر ان کے سردار نے ہمیشہ انہیں منع کر دیا۔ اس قافلے کا سردار کوئی اور شخصیت نہیں تھی، ایک جواں اور خوبصورت عورت تھی۔ اس کی بہادری اور جرأت کے کئی قصے مشہور تھے۔ اسی لئے وہ ساتوں مرد اس کی رہنمائی میں سفر کر رہے تھے۔ ان مردوں میں ایک شخص بے تاب سا دکھائی دیا۔ شاید وہ واپس مڑ کر اس تعاقب کرنے والے کو سبق سکھانے کا متمنی تھا۔ کافی دیر تک وہ خود پر ضبط کرنے کی کوشش کرنے کے بعد خاموش نہ رہ سکا۔ وہ اپنا گھوڑا تیزی سے گل وقوژ کے قریب لایا اور تیزی سے بولا۔

''گل وقوژ! یہ درست ہے کہ اس مہم کی ذمہ داری شیخ ابوراضیاء نے تمہارے کندھوں پر ڈالی ہے اور ہمیں ہر حال میں تمہاری اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے مگر اب یہ امر برداشت سے باہر ہو چکا ہے ہم اس شخص کے چکر میں اپنی قوت ضائع کرتے پھریں''۔

''خاموش رہو!'' گل وقوژ تیز لہجے میں غرائی۔ ''میں تمہاری سردار ہوں سمجھے! جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے، تمہیں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مزاج میں اتنی ہی تیزی بھڑک رہی ہے تو تنہا جا کر وہ سب کر ڈالو جس کے لئے مجھے یہ مہم سونپی گئی ہے''۔

گل وقوژ کے غصے کے باعث یہ چھوٹا سا قافلہ ٹھہر گیا۔

''گل وقوژ اپنے آپ میں رہو سمجھی! ہماری حیثیت تم سے کم تر نہیں ہے۔ ہم غلام ضرور ہیں مگر ہماری عزت و منزلت تم سے زیادہ ہے کیونکہ ہم حقیقی فدائی ہیں۔ اگر اس مہم میں تمہیں ہمارا سردار بنا دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تم ہمیں گری ہوئی نگاہ سے دیکھو''۔ وہ بھڑک کر بولا۔

''تم اسی وقت میرے قافلے سے باہر نکل جاؤ، اسی میں تمہاری بھلائی ہو گی''۔ گل وقوژ نے دانت پیس کر جواب دیا تو اس شخص نے جھٹکے سے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور دوسری کوئی بات کئے بغیر واپس مڑ گیا۔ اس کی غصہ ور طبیعت شاید آغاز سے ہی اس بات کو تسلیم کرنے میں مانع تھی کہ وہ کسی عورت کے ماتحت کوئی مہم سرانجام دے۔

''یہ یقیناً اس تعاقب کرنے والے سے بھڑے گا''۔ گل وقوژ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''لیکن گل وقوژ...... ہمیں کم از کم یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ تین دن سے لگاتار ہمارا تعاقب کر رہا ہے، کہیں وہ کوئی مخبر ہی نہ ہو ہمیں ہر حال میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ یہی امر ہماری مہم کی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔ ایک دوسرا شخص بولا۔

''میں اسے خوب اچھی طرح جانتی ہوں''۔ گل وقوژ نے انکشاف کیا تو سب کے منہ کھل گئے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''تم اسے جانتی ہو......؟ میں کچھ سمجھا نہیں''۔ اس نے پوچھا۔

''میں صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ شنگ خان ہے، خبیث شنگ خان! میں پہلی نظر میں اسے پہچان گئی تھی''۔ گل وقوژ نے عقبی جانب جاتے ہوئے فدائی پر نگاہ غلط ڈالتے ہوئے کہا۔ باقی

سب لوگ عجیب سی نگاہوں سے گل وقوژ کی جانب دیکھنے لگے، انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ شنگ خان کون ہے؟ کچھ توقف کے بعد انہوں نے شنگ خان کے بارے میں استفار کیا تو گل وقوژ نے گہری سانس لیتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ میرا رشتہ دار ہے، کسی زمانے میں وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا کرتا تھا مگر جب اس کی محبت کی آزمائش کا وقت آن پہنچا تو اس کی بزدلی اور نامردی آڑے آ گئی''۔

''مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا ہے کہ تم ہمارے ساتھ حماۃ جا رہی ہو؟''

''یہ پتہ لگا لینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، قلعہ الموت میں، میں نے شنگ خان کو شیخ کبیر الدین کے خاص ساتھی کے روپ میں دیکھا تھا''۔ گل وقوژ نے بتایا۔

''تو کیا یہ بھی فدائی ہے؟'' ایک شخص تیزی سے بولا۔

''معلوم نہیں!'' گل وقوژ نے مختصراً جواب دیا۔

دوسرے لمحے گل وقوژ نے اپنے ساتھیوں کو سفر جاری رکھنے کا حکم دیا تو سب نے اپنے گھوڑے شہر کی جانب بھگانا شروع کر دیئے۔ گل وقوژ کو قلعہ الموت میں خنجر زنی کی مخصوص تربیت کے بعد شیخ کبیر الدین نے بلادِ شام کے قلعوں میں روانہ کر دیا تھا۔ یہاں اسے قلعہ میصاف میں رکھا گیا۔ جہاں اس کی بنیادی تربیت کی گئی۔ اسے صحیح ڈھنگ سے عربی بولنا سکھائی گئی اور عرب خواتین کی مانند زندگی بسر کرنے کے قرینے بتائے گئے۔ وہ ماہر اساتذہ کے سپرد کی گئی جن میں خواتین بھی شامل تھیں یہیں اسے مزید جنگی تربیت دی گئی اور فدائیوں کے حلیف صلیبی ماہروں نے مسلمانوں کے واروں اور ان سے بچاؤ کے بھی کئی داؤ پیچ سکھائے۔ اس تربیت کا مقصد صرف یہی تھا کہ گل وقوژ جب سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو تو کوئی اس کے لب ولہجہ سے یہ اندازہ نہ کر پائے کہ وہ عرب نہیں ہے۔ اسے دین اسلام کے بارے میں مخصوص باتیں ازبر کرائی گئیں تاکہ وہ اپنی حفاظت میں دوسروں کی بھرپور تسلی کرا سکے۔ گل وقوژ اپنی ذہانت اور لگاؤ کے باعث یہ سب کچھ اتنی جلدی سیکھ گئی کہ سکھانے والے بھی دنگ رہ گئے۔ اس کی غیر معمولی مہارت کے باعث اسے قابل تعریف نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ شیخ ابوراضیاء نے اس کی غیر معمولی تعریف کے باعث حماۃ کی ایک خاص مہم اس کے ذمے لگائی تو گل وقوژ نے کھلے الفاظ میں یہ باور کرا دیا کہ وہ فدائیوں کا ساتھ دینے اور ان کے مفادات کے لئے یہ کام کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت نہیں کرنا چاہتی، اس لئے اسے مکمل طور پر یہ اختیار دیا جائے کہ اپنے ذمے لگائی گئی مہمات کی کامیابی کی ذمہ دار خود ہو۔ شیخ ابوراضیاء نے سوچ کر اس کی بات تسلیم کرتے ہوئے سرداری کا اعزاز اسے بخش دیا۔ فدائی امراء کو صرف اس بات سے غرض تھی کہ اس کے ذہن میں اترنے والے تخیل کو حقیقت کا جامہ پہنا دیا جائے، خواہ وہ کسی بھی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو...... گل وقوژ اور اس جیسی سینکڑوں لڑکیاں ان کی خواہشات کی تکمیل میں مصروف تھیں۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید گل وقوژ کے ساتھ اتنی بھیڑ نہ دکھائی دیتی۔ یہ چونکہ اس کی پہلی مہم تھی، اس لئے خاص غلاموں میں سے سات افراد اور دو کنیزیں اس کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ یہ سب صرف اس کی حفاظت کے لئے کیا گیا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کو گل وقوژ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ دل ودماغ سے ایک جوشیلی فدائیہ بن چکی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ گل وقوژ نے بھی اپنا ماضی فراموش کرتے ہوئے زندگی کو نئی سج دھج سے گذارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کم از کم زندگی کے اس نئے انداز میں اسے اپنے تحفظات کا اندیشہ تو لاحق نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین، گہنانم کے ساتھ سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان سفر کرتا ہوا قلعہ بانیاس پہنچ گیا، جہاں مطیع الدین کا پرانا دوست اور نیا فدائی حکمران شیخ کبیر الدین موجود تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے مطیع الدین کو مہمان خانے میں ٹھہرایا اور گہنانم کو ساتھ لے کر شیخ کبیر الدین کے پاس چلا گیا۔ گہنانم نے شیخ الرئیس کو اپنی سلجوقی مہم کی تفصیل بتائی۔ مہم کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اس نے آخری لمحوں میں شیخ ابوالفضل کی ہلاکت اور مطیع الدین سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ شیخ کبیر الدین کو اپنے قابل ترین فدائی کی موت پر بے حد تاسف ہوا مگر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ مطیع الدین کی آمد کا سن کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو کر رہ گئی۔ اس نے نرم انداز میں گہنانم کو تنبیہ کی کہ مطیع الدین کو اسے اپنے ساتھ نہیں لانا چاہئے تھا، کیونکہ اس کی یہ آمد شیخ کبیر الدین کو پسند نہیں آئی تھی گہنانم کو رخصت کر دیا گیا۔ شیخ ابوراضیاء نے مطیع الدین کی بابت استفسار کیا تو شیخ کبیر الدین گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے اگلی صبح مطیع الدین سے ملاقات کا عندیہ دیا۔ شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کا حکم سن کر وہاں سے چلا آیا۔ دوسرے دن مطیع الدین کو آگاہ کیا گیا کہ اسے شیخ الرئیس سے ملاقات کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ مطیع الدین ہلکی پھلکی تیاری کر کے شیخ ابوراضیاء کے ساتھ ہولیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شیخ کبیر الدین کے سامنے پہنچ گیا شیخ کبیر الدین ہلکے سبز رنگ کی پوشاک پہنے ہوئے ایک چھوٹے سے تخت پر براجمان تھا۔ مطیع الدین نے اسے دیکھ کر رسمی انداز میں تعظیم دی۔ شیخ کبیر الدین نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

''کہو مطیع الدین! کیسے آنا ہوا؟'' شیخ کبیر الدین ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''شیخ الرئیس! میرا خیال ہے کہ آپ کو میری آمد اور بے تابی سے بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس قدر جلد دوبارہ ملاقات کی نوبت کیونکر پیش آئی''۔ مطیع الدین گہری مسکراہٹ سے بولا۔

''مطیع الدین! اگر تم میرے خیال کے مطابق اُسی مقصد کے لئے آئے ہو تو یہ تمہاری نادانی گردانی جائے گی کیونکہ میں نے خاقان برقائی خان کو اس ضمن میں پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ وہ تمہیں کم از کم اُس مقصد کے لئے میری جانب نہ بڑھنے دے''۔ شیخ کبیر الدین نے متنبہ انداز میں کہا۔

''شیخ الرئیس کو بخوبی اندازہ ہو چکا ہو گا کہ مطیع الدین کس مٹی کا بنا ہوا ہے، اگر وہ دوستی کی خاطر اپنی جان قربان کرنے سے دریغ نہیں کر سکتا تو اپنی چاہت کی حصولیابی کی خاطر اس دُنیا سے ٹکر لینے کا اہل بھی ہے''۔ مطیع الدین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مطیع الدین! کھل کر بات کرو، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے پوچھا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ گل وقوژ آپ کے پاس ہے، وہ میری پہلی محبت ہے اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہِ مہربانی گل وقوژ کو میرے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے''۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہرا اطمینان چھایا ہوا تھا۔

''میں تمہاری آمد پر ہی سمجھ گیا تھا کہ تم اِسی معاملے کے تحت یہاں آئے ہو، میرا خیال تھا کہ خاقان برقائی خان نے تمہیں میرے جواب سے آگاہ کر دیا ہو گا اور تم کم از کم یہ غلطی دُہرانے کے لئے یہاں قدم نہیں ڈالو گے، تمہاری گل وقوژ کوہ سرخ کے تاریک غار میں مر چکی ہے، میرے پاس جو گل وقوژ ہے وہ ایک جانباز فدائیہ ہے، جس کے سینے میں دل نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم اسے اپنے ذہن سے نکال دو اور مجھے ایک اچھا دوست نواز میزبان بننے کا موقعہ دو''۔

''شیخ الرئیس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مطیع الدین جس چیز کی طلب ٹھان لیتا ہے، اس کے حصول میں

کسی قسم کی دلیل کو تسلیم نہیں کرتا۔ میں دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ قلعہ الموت میں ہمارے درمیان جو تعلقات استوار ہوئے تھے، انہیں تلخی کے بھنور سے بچایا جائے''۔ مطیع الدین کا لہجہ خشک ہو گیا۔ شیخ کبیر الدین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ شیخ ابوراضیاء حیرت سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اسے سخت حیرت تھی کہ شیخ الرئیس مطیع الدین کے ساتھ اتنی نرمی کیوں برت رہے ہیں، مطیع الدین کو تو فوری طور پر موت کی سزا سنادینا چاہئے تھی۔

''مجھے دلی افسوس ہے کہ میں اپنے سابقہ محسن کی یہ خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں اور یہ بات بھی برداشت نہیں کر سکتا ہے کہ کل تک جو میرا دوست اور ہمدرد تھا آج وہ میرے دشمن کا روپ دھار لے لہٰذا میں بڑے افسوس کے ساتھ تمہیں گرفتار کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ شیخ کبیر الدین نے محافظ سپاہیوں کی جانب دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ شیخ کبیر الدین کا حکم سنتے ہی سپاہیوں کی تلواریں نیاموں سے باہر جھانکنے لگیں۔ مطیع الدین ہر قسم کی صورتِ حال کے لئے ذہنی طور پر تیار تھا اس نے بھی جھٹکے سے اپنی تلوار باہر نکال لی۔ شیخ کبیر الدین اس کی حرکت پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

''شیخ کبیر الدین! قلعہ الموت میں تم میری شجاعت کا مظاہرہ دیکھ چکے ہو۔ اپنا حکم واپس لے لو اور مجھے سرکشی کا موقعہ نہ دو تو ہی زیادہ بہتر ہوگا''۔ مطیع الدین چوکس انداز میں غرایا۔ اس کے لب و لہجہ سے احترام و تہذیب مٹ چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء اس کی اس بدتمیزی کو برداشت نہیں کر پایا۔ اس نے فرطِ طیش میں اپنی تلوار کھینچ لی۔

''نہیں ابوراضیاء!'' شیخ کبیر الدین تخت سے اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس نوجوان نے قلعہ الموت میں میری جان بچانے میں مدد کی تھی، میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا''۔

شیخ ابوراضیاء دانت پیستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے محافظ سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ مطیع الدین کو گرفتار کر لیں۔ محافظ سپاہی مطیع الدین کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر قرینے سے اس کی جانب بڑھنے لگے انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کا پالا ایک جنگجو شخص سے ہے، وہ کسی قسم کی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مطیع الدین اس انتظار میں تھا کہ پہل محافظوں کی جانب سے ہو۔ پھر وہ لمحہ آ پہنچا جب وہ سب مخصوص گھیراؤ میں بڑھتے ہوئے مطیع الدین پر برس پڑے۔ مطیع الدین اپنی مہارت کے ساتھ ان سے بھڑنے لگا۔ شیخ کبیر الدین اطمینان سے واپس تخت پر بیٹھ گیا۔ اسے تو ویسے ہی اس طرح کے خونخوار مقابلے دیکھنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے محافظوں کی ماہرانہ کوششوں میں ان غلطیوں کو تلاش کرتا رہا جو ان سے سرزد ہو رہی تھیں۔ مطیع الدین کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان محافظوں کی مہارت غیر معمولی ہے، ان کے ساتھ طاقت کے بجائے عقل سے کام لینا پڑے گا۔ وہ مخصوص انداز میں جھکائی دے کر ان کے واروں کو روکتا اور انہیں ضرب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔ دو محافظ بری طرح گھائل ہو کر میدان سے نکل گئے۔ یہ دیکھ کر شیخ کبیر الدین کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں شیخ ابوراضیاء کو کوئی اشارہ کیا۔ شیخ ابوراضیاء چپکے سے آگے کی سمت کھسک آیا۔ مطیع الدین کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ محافظوں کے علاوہ شیخ ابوراضیاء بھی میدان میں اتر آیا ہے۔ جونہی مطیع الدین کا رُخ دوسری جانب مڑا تو شیخ ابوراضیاء برق کی مانند اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے تلوار کے دستوں کی ایسی ضربیں مطیع الدین کے سر پر لگائیں کہ اس کے ہوش گم ہوتے چلے گئے۔ مطیع الدین بے ہوش ہو کر ان کے سامنے زمین پر گر پڑا۔

شیخ کبیر الدین نے محافظوں کو ہدایت کی کہ وہ اسے لے جا کر قلعہ کے زنداں خانے میں ڈال دیں۔ محافظ تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ شیخ ابوراضیاء متفکر انداز میں شیخ کبیر الدین کی جانب بڑھا۔

''شیخ الرئیس! آپ اس بدتمیز نوجوان کو قتل کرنے کے بجائے زندہ رکھنے پر کیوں بضد ہیں؟ حالانکہ اس کی بے ادبی کا تقاضا یہ سزا نہیں تھا''۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنس پڑا۔

''تم نہیں سمجھو گے ابوراضیاء! گل دتوڑ کی کمزوری مطیع الدین ہے، اور مطیع الدین کی کمزوری گل دتوڑ...... ہم ان دونوں کے ان نازک پہلوؤں سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مطیع الدین کی ذہانت و شجاعت کا مظاہرہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ تم فکر نہ کرو تھوڑے عرصے کی بات ہے یہ بھی ہمارے ڈھب پر آ جائے گا، البتہ ہمارا حکم ہے کہ اس کی غذا میں ''جنتی مشروب'' خصوصی طور پر وافر مقدار میں فراہم کیا جائے''۔ شیخ کبیر الدین مکارانہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو شیخ ابوراضیاء کے بھدے دانت دکھائی دینے لگے۔

❁ ❁ ❁

وہ اس گھڑ سوار کی جانب عقابی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جو تیز رفتاری سے اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر بہت جلد ان لوگوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ کافی دیر سے دور رہتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس وقت اسے بڑی حیرت ہوئی جب وہ قافلہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر گیا اور ان میں ایک گھڑ سوار الگ ہو کر اس کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اپنے تعاقب سے باخبر ہو چکے ہیں۔ پھر اپنی نادانی پر مسکرا کر وہ اس گھڑ سوار کا ٹھہر کر انتظار کرنے لگا جو برق رفتاری سے اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہ گھڑ سوار بگولے کی مانند بڑھتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو باگیں کھینچ کر روکا۔ وہ غصیلی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''اے کون ہو تم......اور تین دن سے ہمارا تعاقب کس خوشی میں کر رہے ہو؟'' وہ چیخ کر بولا

''میں کون ہوں، اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے؟ تم یہاں کیوں آئے ہو، اس بارے میں بتاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا''۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ اگر اتنا ہی دم ہے تو میدان میں آؤ......ابھی دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جاتا ہے''۔ وہ ہتھے سے اکھڑ کر چیخا۔

''مجھے تم سے مقابلہ کرنے کا کوئی شوق نہیں، آنے کی وجہ بتاؤ اور چلتے بنو''۔ وہ بدستور سرد لہجے میں غرایا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمودار ہو گئے۔

''تمہاری یہ جرأت......'' وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ پایا۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار لہرانے لگی۔ اس کی حرکت کے باوجود اس کا دماغ ٹھنڈا رہا۔

''نادانی کا مظاہرہ مت کرو۔ سیدھی طرح اپنے آنے کی وجہ بیان کرو اور واپس لوٹ جاؤ''۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے تعاقب کا یہ سلسلہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم کرنے آیا ہوں، سمجھے تم!'' وہ دانت کچکچا کر بولا۔ یہ سن کر اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''ٹھیک ہے تم اپنی موت کے اتنے ہی دیوانے ہو رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن مرنے سے پہلے اتنا ضرور جان لو کہ میرا نام شنک خان ہے اور میں خاص النسل تاتاری ہوں''۔

''تاتاری ہو تو کیا ہوا؟ میں کسی تاتاری سے ڈرنے والا نہیں ہوں''۔ وہ طیش کے عالم میں چیخا۔

دوسرے لمحے اس کی تلوار حرکت میں آئی اور شنک خان کی جانب برق کی تیزی سے لپکی۔ شنک خان جھکائی دے کر اس کے وار کو خالی کر گیا۔ وہ یہ دیکھ کر آپے سے باہر ہونے لگا۔ اس نے پے در پے کئی وار کئے مگر شنک خان ہر بار اسے جل دینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اپنے واروں کو رائیگاں جاتا دیکھ کر وہ سنبھل گیا۔ اسے

اندازہ ہو گیا کہ اس کا مقابل عام شخص نہیں ہے۔ اس نے فوری طور پر اپنے دماغ کو ٹھنڈا کیا۔ شنک خان اس کے اطوار میں تبدیلی محسوس کر کے چونک گیا۔ وہ بے حد کائیاں شکاری تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ فدائی اب جذباتیت کے دائرے سے باہر نکل آیا ہے لہٰذا اسے بھی کھیل کا سلسلہ بند کر دینا چاہئے۔ پھر دونوں آپس میں نبرد آزما ہو گئے۔ دونوں کی جانب سے طرح طرح کے وار ایک دوسرے کی زندگی کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ شنک خان کو اپنے جسم میں تکان کا بخوبی احساس تھا مگر وہ ایک ماہر شکاری بھی تھا۔ فدائی کا وار چل گیا۔ اس کی تلوار گھوڑے کے جسم کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ شنک خان گھوڑے سے الٹ کر زمین پر جا پڑا۔ فدائی یہ دیکھ کر جارحانہ انداز میں اس پر پل پڑا۔ شنک خان اس کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا۔ اس نے زمین پر ہی لوٹنیاں لگاتے ہوئے فدائی کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ گھوڑا بری طرح سے ہنہناتا ہوا زمین پر جا گرا۔ فدائی شاید وار کے انجام سے واقف ہو چکا تھا۔ اس نے تیزی سے زمین پر قلابازی لگائی اور سنبھل کر کھڑا ہو گیا، شنک خان بھی اس دوران سنبھل چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے ایک بار پھر ٹکرا گئے۔ یوں لگا جیسے کھلا نیلگوں آسمان اپنے تلے اس خوفناک لڑائی کو دیکھ کر سہم گیا ہو۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششیں جاری رہیں۔ شنک خان اپنے مخصوص تاتاری داؤ پیچ استعمال کرنے لگا۔ فدائی کئی بار بمشکل اس کے وار سے بچ پایا تھا۔ بالآخر شنک خان کا داؤ کارگر ثابت ہوا۔ شنک خان کی تلوار اس کے پیٹ کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی تھی۔ فدائی کا جسم بری طرح سے جھٹکے کھا رہا تھا۔ شنک خان نے حقارت سے اس کی جانب دیکھا۔ فدائی کی آنکھوں میں اس کے لئے نفرت کی چنگاریاں چمکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ شنک خان نے اپنی تلوار پر نگاہ ڈالی جو فدائی کے خون سے تر تھی۔ شنک خان تلوار لے کر فدائی کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے لباس سے تلوار کا پھل صاف کرنے لگا۔ فدائی اس کی حرکت پر تلملا سا گیا۔ وہ اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا مگر اس کی ہمت ابھی تک برقرار تھی۔ شنک خان اس کی جواں مردی کا معترف ہو گیا۔ اس نے ماتھے پر انگلی رکھتے ہوئے اسے الوداع کہا۔ اسی لمحے فدائی کے جسم میں حرکت ہوئی۔ وہ بڑے زور سے تڑپا کہ اس کی چیخ سے چرند پرند دہل کر رہ گئے۔ اس نے اپنی پوری قوت بروئے کار لاتے ہوئے کوئی چیز شنک خان کے چہرے پر دے ماری تھی۔ شنک خان کو اپنے چہرے پر گرد کی لہر سی محسوس ہوئی دوسرے لمحے ہی اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سر کو بہتیرا جھٹکا مگر بے سود۔ وہ بل کھا کر فدائی کے جسم پر گرتا چلا گیا۔ وہ شاید کوئی دوا نما سفوف تھا، جس نے شنک خان کے ہوش و حواس معطل کر ڈالے تھے۔ کھلے آسمان تلے ویران علاقے میں دو بے جان جسم پڑے ہوئے تھے۔ آسمان پر کئی چیلیں تازہ خوراک دیکھ کر جمع ہونا شروع ہو گئیں۔

❀ ❀ ❀

قاضی جمال الدین ابن واصل سلطان بیبرس کے حکم پر حماۃ چلے آئے۔ سلطان بیبرس نے انہیں حماۃ میں قاضی کے منصب پر تعینات کیا تھا۔ قاضی جمال الدین اپنی فہم و فراست اور پُرکشش شخصیت کے باعث بہت جلد ہی لوگوں میں مقبول ہو گئے۔ قاضی ابن واصل کو جامع حماۃ میں وعظ کے لئے خصوصی طور پر دعوت دی جاتی تاکہ لوگ دین کی آگاہی پا سکیں۔ قاضی ابن واصل نے اپنی شعلہ بیانی سے لوگوں کے ایمان تازہ کر دیئے۔ قاضی ابن واصل کو جلد ہی فدائی گروہ کے عقائد اور ان کی قتل و غارت کے بارے میں علم ہو گیا تو انہوں نے برملا ان کی مخالفت کی اور ان کے عقائد پر کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں توبہ کرنے کی نصیحت کی۔ اسی دوران قاضی ابن واصل نے باطنی تحریک اور عقائد پر ایک جامع رسالہ تحریر کیا۔ اس رسالے میں انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں فدائیوں کے عقیدۂ ایمان پر کڑی تنقید کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ وہ راہِ حق سے دور

ہٹ چکے ہیں اور انہیں دائرہ اسلام میں شمار کرنا نادانی شمار کی جائے گی۔ یہ ایک رائے تھی جو قاضی ابن واصل جیسے ممتاز مبلغ و عالم نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں تیار کی تھی۔ ان کے بیان کردہ دلائل میں ایسا استحکام تھا کہ باطنی گروہ کے لوگ بھی لاجواب ہو کر رہ گئے تھوڑے ہی عرصے میں فدائیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ قاضی ابن واصل کا مزید زندہ رہنا ان کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ وہ اپنے تئیں کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ دوبار قاضی ابن واصل پر قاتلانہ حملہ کیا گیا مگر یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بچ گئے۔ والئی حماۃ نے یہ دیکھ کر فوری طور پر قاضی ابن واصل کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظام کیا۔ ہر عام و خاص کی تلاشی لی جاتی پھر انہیں عدالت میں آنے دیا جاتا۔ نئے مقدمات پر تو خاص طور پر نظر رکھی جاتی۔ اس کڑی سختی کے باعث لوگوں کو پریشانی ہونے لگی۔ قاضی ابن واصل کے سامنے طرح طرح کی شکایات پیش ہونے لگیں۔ پہلے پہل تو قاضی موصوف نے پہلوتہی سے کام لیا جب شکایات کا باب طوالت کا شکار ہونے لگا تو انہوں نے اتنی نرمی ضرور کی کہ خواتین کی جامہ تلاشی کا سلسلہ موقوف کروا دیا۔

ایک دن وہ اپنی عدالت میں بیٹھے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ ایک مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ وہ دونوں میاں بیوی رہ چکے تھے، شوہر نے غصے کے عالم میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد میں طلاق سے صاف مکر گیا۔ چونکہ یہ تلخی کا معاملہ تنہائی میں ہوا تھا اس لئے کوئی گواہ بھی موجود نہیں تھا۔ بیوی نے قاضی ابن واصل کو یہ درخواست دی کہ چونکہ اس کا شوہر اسے طلاق دے چکا ہے لہٰذا وہ اس سے کوئی واسطہ رکھنے کو تیار نہیں۔ قاضی موصوف نے اس عورت کا موقف سن کر اس کے شوہر کو طلب کیا۔ دو دن بعد ان کے مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی تو قاضی ابن واصل نے تنہائی میں مرد سے تمام معاملہ پوچھا۔ مرد نے حلف اٹھا کر یہ بیان دیا کہ اس سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی ہے، اس کی بیوی بلاوجہ اس سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے۔ وہ اس کے تمام حقوق پورے کر رہا ہے اور تمام رشتہ دار اور اہل محلہ اس بات کے گواہ ہیں کہ میں نے اسے کبھی انگلی تک نہیں لگائی۔ اس نے قاضی ابن واصل سے استدعا کی کہ وہ اس کی بیوی کو سمجھائیں اور اس کے دماغ کے فتور کو دور فرمائیں۔ قاضی ابن واصل یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ انہوں نے اس عورت کو بھی وہیں طلب کر لیا اور اس سے دریافت کیا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ وہ عورت بدستور اپنے بیان پر قائم رہی اور اس نے اس طلاق کی وجہ اپنے دین کی سلامتی قرار دی۔ اس عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اپنے شوہر نے مطمئن ہے اور اس سے فراق نہیں چاہتی مگر وہ اپنی آخرت کو داغدار نہیں کر سکتی۔ قاضی ابن واصل کے لئے یہ معاملہ بڑا گھمبیر صورت اختیار کر گیا تھا۔ عورت کے طرز بیان سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سچ بول رہی ہے جبکہ مرد کے بیان میں بھی کوئی خامی نہیں تھی۔ فیصلہ خاصا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ وہاں موجود لوگوں میں دلچسپی دکھائی دینے لگی۔

قاضی ابن واصل نے اہل محلّہ کے چند افراد اور دونوں کے رشتہ داروں سے بھی پوچھ گچھ کی، بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ شرع کے مطابق مرد کی گواہیاں زیادہ مضبوط ہیں اور عورت کا مؤقف کمزور ہے، لہٰذا انہوں نے مرد کے حق میں فیصلہ سنایا اور عورت کو گمراہ قرار دیتے ہوئے اسے کڑے الفاظ میں تنبیہ کی۔ عورت خاموشی سے قاضی ابن واصل کی بات سنتی رہی۔ اس کے بگڑے تیور اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اسے قاضی ابن واصل کا فیصلہ پسند نہیں آیا۔ یکایک وہ برق کی مانند اچھلی اور قاضی ابن واصل پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ اس عورت کی طراری دیکھ کر دم بخود بیٹھے رہ گئے۔ اس عورت کے ہاتھ میں ایک لمبے پھل والا خنجر دکھائی دیا جو بجلی کی سی تیزی سے قاضی ابن واصل کے جسم میں اتر گیا۔ قاضی ابن واصل کی تیز چیخ کمرۂ عدالت میں گونجی تو وہاں عجیب سی کھلبلی مچ گئی، محافظ سپاہی تیزی سے اندر کی جانب دوڑے۔ وہ عورت وحشیانہ انداز میں قاضی ابن واصل کو

ٹھوکریں رسید کر رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ گھمایا اور خنجر کا دوسرا وار قاضی ابن واصل کے جسم میں اتارنے کی کوشش کی۔ اچانک ایک مضبوط ہاتھ اس کی کلائی پر جم گیا۔ وہ عورت چونکتی ہوئی مڑی۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فضا میں طمانچے کی آواز گونجی۔ وہ عورت چکراتی ہوئی پیچھے کی جانب اُلٹ گئی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا شوہر برق رفتاری سے خنجر کی جانب لپکا۔ وہ اجنبی شاید اس کی کوشش کو تاک گیا تھا اس نے تیزی سے اس کی ٹانگوں میں گھٹنا ڈال کر اسے سر سے اوپر اچھال ڈالا۔ وہ چلاتا ہوا زمین پر جا گرا۔ اسی اثناء میں کچھ دوسرے لوگ بھی میدان میں اتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر دکھائی دے رہے تھے۔ وہ پل بھر میں اندر آنے والے محافظوں پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عدالت میں لاشیں بکھر گئیں۔ کمرہ عدالت میدان جنگ کا نقشہ بن چکا تھا۔ وہ سب فدائی تھے جو بھرپور انداز میں یہ کوشش کر رہے تھے کہ قاضی ابن واصل کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا جائے جبکہ قاضی ابن واصل کمر کے بل زمین پر ساکت گرے ہوئے تھے اور ان کے جسم سے خون بہتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اجنبی شخص نے مسلح افراد دیکھ کر جھکائی دیتے ہوئے نہایت پھرتی سے ایک محافظ کی تلوار اپنے قبضے میں لے لی۔ تلوار کی برق خیزی نے ان فدائیوں کی آنکھیں چندھیا دیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب زمین پر زخمی پڑے کراہ رہے تھے۔ وہ عورت اس دوران اُٹھ چکی تھی۔ وہ عورت کوئی اور نہیں گل وتوژ تھی جو حماۃ میں داخل ہو کر اپنی پہلی مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے درپے تھی۔ اسے اجنبی کی مداخلت پر بے حد غصہ تھا۔ اس نے زمین پر گرے ہوئے اپنے زخمی ساتھیوں کو دیکھا تو اس کا دماغ گھوم سا گیا۔ وہ کھا جانے والی نگاہوں سے اس اجنبی کو دیکھ رہی تھی جو تلوار ہاتھ میں تھامے اُسے محض گھور رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

شنک خان کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔ درد کی شدید لہر نے اسے مدہوشی کی نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ وہ چونک کر اپنے گردوپیش دیکھنے لگا۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا مگر اس کے لئے قطعی طور پر یہ انجان جگہ تھی۔ اسی لمحے درد کی تیز لہر نے ایک بار پھر اسے کراہنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی نگاہیں غیر شعوری انداز میں درد کے مقام کی طرف گھوم سی گئیں۔ وہ اپنی بائیں ران کو تعجب بھری نظروں سے دیکھنے لگا جو کہ سفید پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی خود کو انجان جگہ پر پا کر حیرت زدہ تھا کہ ران پر لپٹی ہوئی پٹیوں نے اس کی پریشانی کو دوچند کر کے رکھ دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مقناطیسی انداز میں ران کو ٹٹولنے لگے۔ پٹیوں پر ہاتھ پڑتے ہی درد کی لہر نے دوبارہ سر اُٹھایا تو اسے یقین ہونے لگا کہ ران پر کوئی گہرا زخم موجود ہے۔

پھر جیسے اسے ہوش سا آ گیا۔ اس کے ذہن کے پردے پر جوشیلے فدائی سے معرکہ آرائی کا منظر پھیلتا چلا گیا۔ فدائی نے آخری ہچکی لیتے ہوئے کوئی اوچھا وار کیا تھا جس کے باعث وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ یہاں تک تو اسے یاد تھا مگر اس کے بعد کیا ہوا......؟ وہ جب دوبارہ ہوش میں آیا تو اس نے خود کو اس بستر پر لیٹے پایا۔ جسم پر لپٹی ہوئی سفید پٹیوں سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے یہاں زخمی حالت میں لایا گیا تھا مگر وہ کہاں ہے؟ اس کے ذہن پر ہیجان سا برپا ہونے لگا۔ کیا وہ فدائیوں کی گرفت میں ہے؟ ایک خیال نے سر اٹھایا۔ وہ چونک کر سفید پٹیوں کی جانب دیکھنے لگا۔ پٹیوں کے لپیٹنے کا انداز عام سا تھا، یہ دیکھ کر اسے کسی قدر حوصلہ ہوا کہ وہ فدائیوں کی گرفت میں نہیں کیونکہ ایک عرصہ تک فدائیوں کے ساتھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ ایک بار پھر پٹیوں میں لپٹی ہوئی ران پر جا ٹھہری۔ وہ ایک بار پھر اپنے ذہن پر زور دینے لگا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا کہ فدائی کا کوئی بھی ایسا وار اس کے جسم پر نہیں لگا تھا جو اسے زخمی کر دیتا۔ اس نے کمرے میں پڑی ہوئی اشیاء

پر نظر دوڑائی تو اسے معلوم ہو گیا کہ وہاں قریباً ضرورت زندگی کا تمام سامان موجود تھا۔ وہ شاید کسی کی قیام گاہ تھی
یا پھر کوئی سرائے۔ شنک خان اسے کوئی نام نہیں دے سکا۔ سامان کی ساخت سے اسے کسی قدر اندازہ ہو چکا تھا
کہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔ وہ ابھی کشمکش میں مبتلا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔
وہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ دروازہ پرانی لکڑی کا تھا اسی لئے وہ تیز چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔
دروازے کے عقب میں سے ایک شخص اندر داخل ہوا جو کہ شنک خان کو بستر پر یوں بیٹھے دیکھ کر یکدم ٹھٹک سا
گیا۔ نووارد نامناسب صحت کا مالک تھا۔ نحیف اور دبلا پتلا سا ناتواں جسم اس کی شخصیت کو مضحکہ خیز بنائے
ہوئے تھا۔ شنک خان بھی لمحہ بھر کے لئے اس عجیب الجثہ شخص کو سامنے دیکھ کر دنگ سا رہ گیا۔
''شکر الحمدللہ!'' نووارد کے لب خوشی سے پھڑ پھڑائے۔ ''بالآخر تمہیں ہوش آ ہی گیا''۔
''کک...... کک...... کیا...... مطلب؟'' شنک خان اس کے جملے سے چونک پڑا۔
''اجنبی! شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ تم میرے گھر میں پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بے ہوش پڑے تھے۔
طبیب نے مجھے کہا تھا کہ تمہیں کسی نہ کسی دن ضرور ہوش آئے گا۔ اسی لئے میں نے تمہیں یہاں ڈالے رکھا''۔
نووارد ہاتھ میں پکڑا ہوا سامان ایک جانب رکھتے ہوئے بولا۔
''ڈیڑھ ماہ سے......!!!'' شنک خان کو الفاظ حلق میں پھنستے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کے چہرے پر
بے یقینی سی پھیلی ہوئی دکھائی دی۔
''میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا مگر سچ کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا''۔ نووارد کے
چہرے پر ہلکی سی مسکان چھائی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ مسرور تھا جیسے اسے دلی طور پر شنک خان کے بیدار ہونے
سے راحت ملی ہو۔
''میں اس وقت کہاں ہوں، مجھے یہاں کون لایا تھا؟'' شنک خان نے جلدی سے پوچھا۔
''تم اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ طبیب نے مجھے سختی سے ہدایت کی تھی
کہ بدن سے زیادہ مقدار میں خون نکل جانے کے باعث تمہیں سخت کمزوری کا سامنا رہے گا لہٰذا جب بھی تم
ہوش میں آؤ تو تمہیں یہ اچھی طرح باور کرا دیا جائے کہ تم زیادہ بولنے اور سوچنے سے ہر ممکن گریز کرو ورنہ ممکن
ہے کہ بے ہوشی کا دوسرا دورہ تمہیں اپنی گرفت میں لے لے اور یہ دورہ کتنے دورانیے کا ہو گا اس کے بارے میں
طبیب کو بھی کچھ خبر نہیں۔'' نووارد نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ شنک خان اس کی بات سن کر جیسے سکتے میں آ گیا۔
اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار عیاں تھے۔ نووارد اس کی کیفیت کو جان گیا اور نرم لہجے میں اس کی ڈھارس
بندھانے لگا۔
''میرا نام عبداللہ ہے اور لوگ پیار سے مجھے مندری کہتے ہیں۔ میں یہاں کا ایک چھوٹا سا بیوپاری
ہوں، باہر سے آنے والے تاجروں سے چاول، گیہوں اور شکر خریدتا ہوں اور منافع کے ساتھ یہاں فروخت
کرتا ہوں''۔ نووارد بولا۔
''مگر یہ کون سی جگہ ہے؟'' شنک خان کو اس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
''ہاں یہ تو میں بتانا ہی بھول گیا کہ تم اس وقت حماۃ میں موجود ہو۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم حماۃ کے بالائی
مضافات میں آخری سانسیں گن رہے تھے۔ شاید تم کوئی تاتاری سپاہی ہو''۔ وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی
جانب دیکھنے لگا۔ شنک خان نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ فدائیوں کے قبضے میں نہیں تھا بلکہ ان کی رسائی سے
بھی دور تھا۔

''نہیں! میں جو بھی ہوں تمہیں اس سے غرض نہیں ہونا چاہئے''۔ شنک خان تیزی سے بولا
''بہرکیف! تمہارا وہ ساتھی مر چکا تھا، اسے وہیں دفنا دیا گیا تھا۔ ایک بات مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آ پائی
کہ تم تو تاتاری ہو جبکہ تمہارا ساتھی شامی دکھائی دیتا تھا؟'' عبداللہ نے وضاحت چاہی
''وہ میرا ساتھی نہیں تھا بلکہ میرا دشمن تھا اور میرے ہی ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ میں اس کے ایک اوچھے
وار سے بے ہوش ہو گیا تھا مگر زخمی تو نہیں تھا''۔ شنک خان نے کہا۔
''یعنی تم نے اسے قتل کیا''۔ عبداللہ مندری کے چہرے پر خوف سا پھیل گیا۔
شنک خان کو اس کے ردعمل پر یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ سیدھا سادہ تاجر ہے اور اس کے
لئے چڑیا کی جان بھی بیش قیمت رکھتی ہے۔ اس لئے وہ فوراً سنبھل گیا۔
''وہ شخص انتہائی خوفناک مہم کے لئے حماۃ آ رہا تھا مجھے اسے روکنے کی ہدایت ملی تھی، اس کی بدقسمتی کہ
وہ مجھ سے بھڑ گیا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا''۔
''کیا تم تاتاریوں کے مخبر ہو......؟'' عبداللہ مندری کے چہرے کا رنگ اُڑ سا گیا۔
''نہیں! میں دوست ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں نقصان نہیں
پہنچاؤں گا''۔ شنک خان نے تسلی دی۔
''میں نے ان لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس مصیبت کو میرے گلے نہ ڈالو مگر وہ مانے ہی نہیں''۔
عبداللہ مندری خود کو کوسنے لگا۔ اسے شنک خان کا وجود جیسے اپنے لئے شکنجہ دکھائی دیا۔
''کون لوگ؟'' شنک خان نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
''وہی جو تمہیں اس بیاباں سے اُٹھا کر میرے پاس لائے تھے اور پھر چند سکے میری ہتھیلی پر رکھ کر چلتے
بنے''۔ عبداللہ مندری کا چہرہ اترا ہوا دکھائی دینے لگا۔
''میرے نادان محسن!'' شنک خان ہنستا ہوا بولا۔ ''میں نے نہ تو کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ ہی میں کوئی
مفرور مجرم ہوں کہ تمہیں میری موجودگی پر یوں غمگین ہونا پڑے''۔ اسی لمحے شنک خان کی ران میں درد کی لہر دوڑ
گئی اور اس کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ عبداللہ مندری اس کی کیفیت پر پریشان ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا مگر شنک خان نے
اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں شنک خان خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے چہرے پر
سکون پھیلتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ مندری نے سکون کا سانس لیا۔ وہ بے حد نازک طبع واقع ہوا تھا جس سے کسی
دوسرے کا درد دیکھا نہیں جاتا تھا۔
''میری ران میں کیا ہوا تھا؟'' شنک خان نے سوال کیا۔
''یہ تو میں نہیں جانتا کہ اصلی ماجرا کیا تھا مگر طبیب نے یہی بتایا تھا کہ کسی نے تمہاری ران کا گوشت
بری طرح سے کاٹ ڈالا تھا کہ اندر کی ہڈی صاف دکھائی دینے لگی تھی''۔ عبداللہ مندری نے جواب دیا تو شنک
خان کو اپنے جسم میں عجیب سا خوف اترتا ہوا محسوس ہوا۔ کچھ ہی توقف کے بعد عبداللہ مندری دوبارہ بولا۔
''طبیب کا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی کی مردہ لاش پر جب چیلوں اور گدھوں نے حملہ کیا ہو گا تو شاید اس وقت
تمہاری ران کا گوشت بھی اُڑا ڈالا ہو''۔
''اب میری کیا حالت ہے کہ کیا چلنے پھرنے کے قابل ہو سکوں گا''۔ شنک خان نے متفکر لہجے میں
پوچھا تو عبداللہ مندری [illegible]
''اس کا صحیح جواب تو طبیب ہی دے پائے گا، وہ کل صبح آئے گا تو اس سے خود ہی پوچھ لینا۔ وہ روزانہ

تمہاری ران کی پٹی بدلنے کے لئے آتا ہے۔ ویسے بھی اب تمہارا زخم کافی حد تک بھر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چند ہی ہفتوں میں تم چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے''۔

''چند ہفتے......!'' تشنگ خان پریشان سا دکھائی دینے لگا۔

❁ ❁ ❁

گل دقوژ خونخوار نگاہوں سے اس اجنبی کو گھور رہی تھی جو اس کے تمام ساتھیوں کو زخمی کر چکا تھا اور اس کی راہ میں بڑی دلیری سے کھڑا تھا۔ گل دقوژ کو اس بات کا گہرا صدمہ تھا کہ اس کی پہلی مہم بے حد مشکل ثابت ہوئی ہے۔ اس کے تمام ساتھی زخمی ہو چکے تھے اور انہیں ساتھ لے کر نکلنا ممکن نہیں رہا تھا اور ادھر قاضی جمال الدین پر کیا جانے والا وار کس قدر گہرا تھا اس کی بھی کچھ خبر نہیں تھی مگر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے قاضی جمال الدین ابھی بھی سانس لے رہا ہو۔ وہ دوبارہ اس کی جانب بڑھنا چاہتی تھی تاکہ اس کی مہم پایہ تکمیل کو پہنچ جائے مگر اس اجنبی کی مداخلت نے سارا کھیل ہی چوپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے ساتھی بری طرح گھائل ہو چکے تھے، ان میں کچھ تو بے جان لاشوں کی طرح دکھائی دیئے۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک اپنی قوت مجتمع کر کے تیزی سے اجنبی زبان میں چیخا۔

''گل دقوژ! حالات بے حد مخدوش ہیں۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ محافظ آتے ہی ہوں گے۔ اس شخص کی فکر نہ کرو، مجھے یقین ہے کہ یہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا''۔

گل دقوژ اپنے ساتھی کی بات پر چونک اُٹھی۔ اس نے تیزی سے ایک جست لگائی اور دروازے کی جانب بڑھی۔ وہ شخص شاید گل دقوژ کی حرکت سے سمجھ گیا تھا کہ وہ اب نکلنے کی کوشش میں ہے اس نے قریباً دوڑتے ہوئے اپنی تلوار ہوا میں اچھالی۔ اس کا نشانہ خطا نہیں گیا دوسرے ہی لمحے گل دقوژ دروازے کے بیچ میں دوہری ہوتی چلی گئی۔ تلوار کا دستہ گھومتا ہوا اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگا چکا تھا۔ ضرب بے حد شدید تھی کہ گل دقوژ کے ہاتھوں سے خنجر نکلتا چلا گیا۔ کئی لوگ اس اجنبی کی مہارت پر عش عش کر اُٹھے کیونکہ یہ ممکن تھا کہ دستے کے بجائے تلوار کا تیز دھار پھل کی اس کی کمر میں پیوست ہو جاتا۔ تلوار کے دستے نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر گہری ضرب لگائی تھی۔ گل دقوژ زمین پر گری ہوئی تھی اس کے چہرے پر کرب کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اسی دوران اسے باہر سے محافظ سپاہیوں کا دستہ دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے لئے یہ بڑی نازک صورتِ حال تھی اگر وہ ابھی بھی کوئی کوشش نہ کرتی تو اس کی گرفتاری یقینی تھی۔ کمر کی شدید تکلیف نے اس کی طراری کو جیسے جامد کر ڈالا۔ وہ پوری قوت سے ہمت کر کے دوبارہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا ایک ہاتھ بدستور کمر سے چپکا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں وہ شخص اس کے پہلو میں پہنچ گیا۔ اس نے گل دقوژ کا خنجر اپنے قبضے میں لے لیا۔ اسی دوران سپاہی بھی قریب پہنچ گئے۔

''اسے گرفتار کر لو اور جلدی سے قاضی ابن واصل کو طبیب کے پاس لے جاؤ۔ وقت بے حد کم ہے اور تم میں سے کوتوال شہر کون ہے؟'' وہ شخص تیز لہجے میں بولا۔

ایک شخص نے آگے بڑھ کر خود کو کوتوال شہر بتایا تو اس شخص کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فضا میں تیز طمانچے کی آواز گونجی۔ طمانچہ کوتوال شہر کے چہرے پر پڑا تھا اور قریباً گرتے گرتے بچا۔ وہ خوف و حیرت سے اس شخص کی جانب دیکھ رہا تھا جس نے اس پر ہاتھ اُٹھایا تھا۔

''تمہارا یہ انتظام تھا کہ قاتل ہتھیاروں سمیت نہ صرف کمرہ عدالت میں آ گھسے بلکہ وہ قاضی ابن واصل پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تمہارے سپاہی کس قسم کی تلاشی لیتے ہیں یہاں''۔ وہ شخص غصیلے لہجے میں گرجتا ہوا بولا۔

کوتوال شہر اجنبی سے مرعوب دکھائی دیا۔ وہ اپنے تئیں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ شخص یقیناً اعلیٰ منصب کا امیر ہے اس لئے وہ طمانچے کو بھول کر صفائیاں پیش کرنے لگا۔ قاضی القضاۃ پر حملے کی خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی۔ معاملے کی تحقیق کے لئے کچھ ہی دیر میں والئی حماۃ اور وزراء کی جماعت وہاں پہنچ گئی۔ کوتوال شہر افسرانِ اعلیٰ کی آمد پر پریشان ہو گیا۔ اسی دوران قاضی جمال الدین ابن واصل کو وہاں سے طبیب کے پاس لے جایا گیا۔ قاضی ابن واصل کی دائیں پسلی میں خنجر کا گہرا گھاؤ لگا تھا۔ وہ فی الوقت بے ہوش تھے مگر خون ضائع ہونے کے باعث ان کا چہرہ زرد پڑتا جا رہا تھا۔ اجنبی شخص نے سپاہیوں کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ قاضی جمال الدین کو تیز رفتاری سے طبیب کے پاس پہنچائیں اور وہیں پوری ہوشیاری سے موجود رہیں تاکہ دشمن کو دوسرا وار کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ گل دقوژ کو بیڑیاں پہنا کر کوتوالی کی جانب لے جایا جا چکا تھا جبکہ اس کے زخمی ساتھیوں کو گرفتار کر کے طبی سہولت فراہم کرنے کا حکم دیا گیا۔ کوتوال شہر والئی کی آمد کے بعد اسے صورتِ حال بتانے لگا۔ حالات پر قابو پا لیا گیا تھا مگر وہاں جمع ہونے والے ہجوم کو ابھی تک وہاں سے ہٹایا نہ جا سکا۔ کوتوال شہر نے حفاظتی معاملات میں اپنی صفائی پیش کرنے کے بعد اس امیر کی شکایت کی جس نے اسے مجمع کے بیچ میں طمانچہ رسید کیا تھا۔ والئی شہر ایسے امیر کی بابت سن کر ششدر رہ گیا۔ اس نے اجنبی شخص کی بابت دریافت کیا تو کوتوال شہر نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اجنبی شخص ابھی تک وہیں موجود سپاہیوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا کہ کوتوال شہر والئی شہر کے ہمراہ اس کی جانب بڑھ آیا۔

''حضور! یہی وہ امیر ہے......!'' کوتوال شہر اس کی جانب دیکھ کر تیزی سے بولا۔ والئی شہر اس اجنبی کی جانب دیکھ کر مخمصے میں پڑ گیا کیونکہ وہ اس صورت سے نا آشنا تھا۔

''تم کون ہو؟ مجھے تم حماۃ کے رہنے والے نہیں لگتے''۔ والئی شہر نے رعب دار آواز میں پوچھا۔ وہ اجنبی کسی خیال میں مگن تھا۔ چونک کر والئی شہر کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں مسافر ہوں۔ اتفاق سے آج اس طرف آ نکلا ہوں''۔ اجنبی نے جواب دیا۔

یہ سن کر کوتوال کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ وہ جسے امیر سمجھ کر مرعوب ہوئے جا رہا تھا، وہ امیر نہیں تھا یہ بات اس کے طیش کو ہوا دینے لگی۔

''تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھے سرِعام طمانچہ رسید کرو''۔ کوتوال شہر جذباتی دکھائی دیا۔

''وہ طمانچہ تمہارے ناقص انتظام کا صلہ تھا جس کے تم واقعی حقدار تھے''۔ اجنبی اطمینان بھرے لہجے میں بولا تو کوتوال غصے کے عالم میں محض پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ خود کو بے بس سا محسوس کرنے لگا کیونکہ والئی شہر کی موجودگی میں کوئی غلط حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

''اجنبی! ہمیں دوسروں کی زبانی تمہاری بہادری کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے بروقت حالات کو سنبھال لیا ورنہ عین ممکن تھا کہ قاضی ابن واصل اب تک جانبر نہ ہوتے۔ اگر تمہاری کوئی مجبوری نہ ہو تو ہم تمہیں اعلیٰ منصب دینے کے خواہش مند ہیں تاکہ تم جیسے بہادر شخص کی قدردانی ہو سکے''۔ والئی شہر نے اپنی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر مسکرانے لگا۔

''اعلیٰ مناصب اور انعام و اکرام سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو انسانوں کی خدمت پر یقین رکھتا ہوں اور خواہش رکھتا ہوں کہ والئی شہر مناصب بانٹنے کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کا خیال رکھے اور شہر کے مکینوں کی حفاظت کا بہتر انداز میں بندوبست کرے۔ اس معاملے کی پوری تحقیق کی جائے کہ یہ کون لوگ ہیں؟

جو کہ ناپاک عزائم لے کر حماۃ میں داخل ہوئے ہیں اور خصوصاً اس تاتاری النسل لڑکی کی چھان بین ضرور کی جائے۔ اگر والئی شہر یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ قاضی ابن واصل پر حملے کے پس پردہ مقاصد کیا تھے؟ تو اس بندے کو اس کا حقیقی انعام مل جائے گا''۔ اجنبی شخص نے طمانیت سے کہا۔ والئی شہر اس کی جرأت و بے باکی پر دم بخود سا رہ گیا۔

کوتوال شہر بھی تلملاتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ شاید کسی موقعے کی تلاش میں تھا کہ طمانچے کا جواب دینا نصیب ہو مگر والئی شہر نے جب شکریے کے ساتھ اجنبی کو جانے کی اجازت دی تو اس کے چہرے پر گہری مایوسی پھیل گئی۔ اجنبی شخص نے جب یہ دیکھا کہ حالات پوری طرح قابو میں آچکے ہیں تو وہ خاموشی سے اس ہجوم سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دور آنے کے بعد وہ ایک بازار کے کنارے ٹھہر گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی گردن جھٹکی اور اس سرائے کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کا گھوڑا اور ضروری سامان پڑا تھا۔

ابھی اس شخص نے چند ہی قدموں کا سفر طے کیا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی شخص اس کے تعاقب میں ہے۔ اجنبی شخص نے مڑ کر جائزہ لیا تو وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔ بازار میں لوگوں کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ اس ہجوم میں اسے کوئی ایسا چہرہ دکھائی نہیں دیا جو اس کے شک پر پورا اترتا۔ چند بازاروں میں سے گذرنے کے بعد ایک بار اس کی چھٹی حس نے احساس دلایا کہ کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو مسلسل اس کے تعاقب میں ہے۔ اپنے شک کو جانچنے کے لئے وہ بازار میں سے نکل کر گلیوں کے سلسلے میں گھس گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس کا شک یقین میں بدل گیا کہ ایک شخص واقعی اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے تیزی سے ذہن کو مستعد کیا اور اس تعاقب کرنے والے سے بھڑنے کے لئے خود کو چوکنا کر لیا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سر میں اُٹھنے والی درد کی تیز لہر سے بیدار ہو گیا۔ اُسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنا سر جھٹکا مگر ہر سو پھیلی ہوئی تاریکی پھر بھی چھٹ نہ پائی۔ لاشعوری انداز میں اس کے ہاتھ آنکھوں کو مسلنے لگے۔ وہ چند لمحے پہلے تک اپنے سر میں اُٹھنے والی درد کو فراموش کر کے تاریکی کی اس پہیلی میں اُلجھ کر رہ گیا۔ یہ کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ گہرے اندھیرے کے باعث اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یکا یک خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتی چلی گئی۔ وہ بے تابی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت ایک شدید چکر اس کے حواس معطل کرتا چلا گیا۔ مطیع الدین نے بمشکل خود کو زمین پر گرنے سے بچایا۔ اس کا ہاتھ سر کے عقبی حصے پر بڑھ گیا۔ وہاں اُٹھا ہوا گومڑ پا کر وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے اوسان آہستہ آہستہ بحال ہونے لگے۔ وہ دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ سے ٹٹولنے پر اسے معلوم ہوا کہ وہ کوئی فرش ہے جو کہ کافی سرد تھا۔

مطیع الدین کو یاد آ گیا کہ وہ شیخ کبیر الدین کے سامنے کچھ غلاموں سے نبرد آزما تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی ٹھوس چیز سے ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر ڈالا تھا مگر وہ اب کہاں تھا؟ اس بارے میں وہ کوئی حتمی رائے قائم نہ کر پایا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا سر سہلانے لگا۔ کچھ دیر تک اس نے اپنی آنکھیں بند کئے رکھیں اور پھر پلکیں اُٹھا کر تاریکی کو گھورنے لگا مگر وہ اس بار بھی کچھ دیکھنے سے معذور رہا۔ ''کیا میں اندھا ہو چکا ہوں؟'' اس کے لبوں پر کانپتی ہوئی لرزش ہوئی۔

یہ ایسا بھیانک خیال تھا کہ جس نے اسے بے قرار سا کر دیا وہ تیزی سے اس اندھیرے میں دائیں بائیں ٹٹولنے لگا۔ وہاں کوئی دوسری چیز موجود نہ تھی۔ کچھ ہی دیر میں اسے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ چھوٹا سا خالی کمرہ ہے جس میں اسے بند کر دیا گیا ہے۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت اسی تاریک کمرے میں موجود ہو جسے شیخ کبیر الدین زنداں کا نام دے رہا تھا۔ اچانک اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کمرے کا دروازہ تو اس کے ہاتھوں سے چھوا تک نہیں۔ کیا واقعی اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ وہ دوبارہ اُٹھا اور دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے کو بڑھنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ چاروں دیواروں کو شمار کر چکا تھا جو کہ بالکل سپاٹ تھیں۔ واقعی اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ دیواروں کے معائنے کے بعد مطیع الدین نے فرش کو بھی اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے یقین ہو گیا کہ وہ یقیناً کسی ایسی جگہ پر قید کر دیا گیا ہے جہاں کا راستہ صرف اوپر کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے تخیل میں اسے زنداں کا نام دینے پر مجبور ہو گیا۔ جگہ کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک بار پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی توجہ دوبارہ تاریکی پر مرتکز ہو گئی۔ وہ اب یہی سوچ رہا تھا کہ اسے کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا۔ اسی لمحے مطیع الدین کو تازہ جھونکے کا احساس ہوا تو چونک پڑا۔ اگر کمرہ واقعی چاروں طرف سے بند ہے تو یہ ہوا کہاں سے داخل ہو رہی ہے۔ کہیں نہ کہیں تو کوئی روشندان وغیرہ ضرور ہونا چاہئے۔ اگر کوئی روشندان ہے تو وہ اسے دکھائی کیوں نہیں دے رہا۔

یہ عجیب پہیلی تھی جس نے مطیع الدین کے اعصاب بوجھل کر ڈالے۔ اسے اس وقت کوئی دوسری بات سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ ممکن ہے کہ رات کا وقت ہو۔ اس کے ذہن میں دوسرا خیال عود کر آیا پھر وہ خود سے ہی سوال کرنے لگا کہ اگر رات کا وقت ہے تو آسمان پر موجود ستارے اور چاندنی کیوں نہیں ہے۔ کچھ ہی دیر میں اس نے اس سوال کا جواب بھی اخذ کر لیا کہ وہ یقیناً کسی ایسے مقام پر موجود ہے جو کہ کھلے آسمان کے نیچے موجود نہیں ہے۔ ہوا کے جھونکے کی جانب اس کا دھیان مبذول ہو گیا۔ بالآخر وہ کون سا ایسا مقام تھا جہاں سے ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوا تھا؟ وہ بالائی حصے میں آنکھیں گاڑ کر اس مقام کو تلاش کرنے لگا۔ جہاں دوسرے حصے کی مانند گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

بالائی حصے میں دیکھتے ہوئے اچانک مطیع الدین چونک پڑا۔ روشنی کا ننھا سا جھما کا لمحہ بھر کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے کوندا۔ پھر جب کچھ ہی توقف کے بعد وہ روشنی دوبارہ چمکی تو مطیع الدین کے چہرے پر مسرت کے آثار دکھائی دینے لگے۔ وہ یقیناً اندھا نہیں ہوا تھا۔ وہ اس ننھی سی روشنی کو پہچان چکا تھا۔ وہ جگنو تھا جو قدرت نے اس کی پریشانی ختم کرنے کے لئے اس جانب بھیج دیا تھا۔ جگنو کی روشنی چند ایک بار دکھائی دی اور پھر شاید وہ جگنو وہاں سے نکل گیا۔ مطیع الدین سوچ رہا تھا کہ چھت والے حصے میں کوئی بڑا روشندان ہے جس کے ذریعے تازہ ہوا اور روشنی وہاں پہنچتی ہے اور یہ زنداں کسی کمرے کے وسط میں واقع ہے۔ کمرے کے طاق کے ذریعے تازہ ہوا اندر داخل ہوتی ہوگی جس کے باعث کوئی نہ کوئی جھونکا اس زنداں خانے میں اتر جاتا ہے۔ یہ مطیع الدین کی ذہانت تھی کہ وہ زنداں خانے میں بیٹھ کر کسی قدر صحیح محل وقوع سے آگاہ ہو چکا تھا۔ یہ قریباً ایسا ہی تھا۔ وہ قلعہ بانیاس کے چھوٹے سے زنداں میں مقید تھا جہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔ نہ تو مطیع الدین کے پاس زنداں خانے کو توڑنے کے لئے کوئی اوزار تھا اور نہ ہی وہاں سے فرار کا کوئی راستہ۔ مطیع الدین اس نئی افتاد پر سر جھکا کر سوچنے میں مشغول ہو گیا۔ شیخ کبیر الدین نے اس کا گہرا بندوبست کیا تھا مگر جس مقصد کے لئے اپنے وطن سے اتنی دور آیا تھا اسے اتنی آسانی سے نہیں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ گل وتوڑ کا حصول اس کے لئے آخری مقصد بن چکا تھا۔ وہ شیخ کبیر الدین پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ مطیع الدین کو روکنے کے لئے

تاریک زنداں خانے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

❀ ❀ ❀

اس اجنبی شخص نے اچانک ایک آڑ میں سے نکل کر اس شخص پر جھپٹا مارا جو کافی دیر سے اس کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ تعاقب کرنے والا انتہائی نحیف بدن کا مالک تھا اور اس کے جھپٹے کی زد میں آکر زمین پر لوٹتا ہوا دکھائی دیا۔ شاید وہ اس ناگہانی افتاد کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی تکلیف دہ کراہوں نے اجنبی شخص کو کچھ لمحوں کے لئے پریشان کر دیا۔ اس نے دائیں بائیں نظر ڈالی۔ اسے گلی میں دور تک کوئی نظر نہیں آیا۔ نحیف شخص اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا کراہ رہا تھا۔ اس میں شاید اتنی سکت باقی نہیں تھی کہ وہ خود کو سیدھا کر پاتا۔ اجنبی شخص کو اپنی حرکت پر تاسف ہونے لگا۔ اس کے دل میں انسانی ہمدردی نے جوش مارا اور اس نے آگے بڑھ کر اس نحیف بدن کے مالک کو پکڑ کر سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ سیدھے ہونے پر نحیف شخص کی صورت دیکھ کر اجنبی شخص چونک سا گیا۔ اسے وہ چہرہ کسی قدر شناسا سا لگا مگر وہ باوجود کوشش کے یاد نہیں کر پایا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد نحیف شخص کی حالت کسی قدر سنبھل گئی۔ وہ ابھی تک گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں، میں شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا''۔ اجنبی شخص نے معذرت خواہانہ لہجے میں بولا تو وہ نحیف شخص اپنی تکلیف بھول کر اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ کیفیت اجنبی شخص سے بھی اوجھل نہ رہ پائی۔

''معافی کی ضرورت نہیں۔ میں واقعی آپ کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میرا ارادہ غلط نہیں تھا بلکہ مجھے آپ میں کوئی شباہت دکھائی دی تھی جس کے باعث میرے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کے تعاقب میں چل پڑے''۔ وہ جھجکتے ہوئے ندامت سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا مطلب میں کچھ سمجھا نہیں''۔ اجنبی شخص نے استفسار کیا۔

''جانے کیا بات ہے کہ یہ چہرہ وہ نہیں ہے لیکن آواز اور چال ڈھال میں کوئی فرق نہیں ہے''۔ وہ ناتواں آواز میں بولا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر متفکر سا دکھائی دینے لگا۔

''مجھے بھی کچھ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے تمہیں کہیں دیکھا مگر صحیح طرح کچھ یاد نہیں آ رہا۔ کیا تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو کہ ہم پہلے بھی کہیں ملے تھے اور تم کون ہو؟'' بالآخر اجنبی شخص نے بھی دل میں مچلتی ہوئی اپنی کشمکش کا اظہار کر دیا۔ نحیف شخص کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

''کیا یہ چہرہ آپ کا اپنا ہے؟'' اس نے اچانک سوال کیا۔

''کیا مطلب؟'' اجنبی شخص نے کسی قدر ناگواری کا مظاہرہ کیا۔

''بس چہرے کے خدوخال کا تھوڑا فرق ہے اور کچھ نہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کہیں ملے ہیں تو یہ غلط نہیں ہے۔ میری یادداشت میں آپ کی چال ڈھال اور لب ولہجہ آج بھی محفوظ ہے''۔ نحیف شخص تیزی سے بولتا چلا گیا۔ اجنبی شخص اس کی بات پر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ممکن ہے ہم دونوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو جیسا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم میرے ہاتھوں سے بال بال بچے ہو''۔ اجنبی شخص نے کہا۔

''کئی برس بیت گئے ہیں مگر میں اس آواز کو فراموش نہیں کر پایا جانے کیوں میرا دل یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ آپ وہ نہیں ہیں''۔ نحیف شخص افسردہ لہجے میں بولا۔

''ممکن ہے ہماری کہیں ملاقات ہوئی ہو تم اپنا نام بتاؤ...... شائد اس طرح مجھے یاد آ جائے کہ میں تم سے کہاں ملا تھا؟'' اجنبی شخص نے اس کی تشفی کے لئے کہا۔

''میرا نام اب عبداللہ ہے مگر پہلے مندری ہوا کرتا تھا۔ ویسے یہ نام میں نے آج بھی ساتھ جوڑے رکھا ہے کہ شاید اس طرح میں اپنے آقا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں''۔ نحیف شخص لجاجت سے بولا۔

''مندری!'' اجنبی شخص کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

''ابھی مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ آپ وہی ہیں...... میرے آقا!'' عبداللہ مندری کا چہرہ یکدم کھل اُٹھا۔ اجنبی شخص مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ وہ شاید اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ وہ شناسائی کا اظہار کرے یا نہ کرے۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے، میں ابھی تک تمہیں پہچان نہیں پایا۔ تمہارے متعلق میری یادداشت میں کچھ نہیں آ رہا''۔ اجنبی شخص نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

یہ سن کر عبداللہ مندری آزردہ خاطر دکھائی دیا۔ اس کا پتلا سا لمبوترا چہرہ یوں لٹک گیا جیسے اسے واقعی گہرا صدمہ پہنچا ہو۔ اس نے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ وہی ہیں، چہرے کے خدوخال کیونکر بدل گئے ہیں۔ اس بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر انداز گفتگو اور بے اعتنائی کا رویہ سو صد وہی ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کس وجہ سے شناسائی کا انکار کر رہے ہیں؟ میں تو صرف اس آزادی کے لئے آپ کی خدمت کرنے کا خواہاں ہوں جو آپ کے طفیل مجھے نصیب ہوئی ہے''۔

''نہیں دوست! ایسا کچھ بھی نہیں...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو خود ایک بے کار سا آدمی ہوں۔ سیر و سیاحت میں مشغول رہتا ہوں۔ اتفاق سے حماۃ نکل آیا ورنہ میرا وطن تو کوئی اور ہے۔ میں تمہارا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا...... تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہو تو تم بلا تکلف مجھے کہہ سکتے ہو''۔ اجنبی شخص خوش اخلاقی سے بولا۔

یہ سن کر عبداللہ مندری کا چہرہ پژمردہ سا دکھائی دینے لگا اور کچھ کہے بغیر واپس مڑ گیا۔ اجنبی شخص نے اسے کئی مرتبہ پکارا مگر وہ نہیں رُکا۔ اس کی مایوسی کا عالم اور افسردہ حالت دیکھ کر اجنبی شخص کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ کئی بار اس کے جی میں آیا کہ اُسے صاف الفاظ میں بتا دے کہ اس کی بصیرت نے اسے کوئی دھوکا نہیں دیا تھا۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ یہ بات اس کے ہونٹوں تک نہیں آ پائی۔ مندری کے لباس سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بہتر طور پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایسے موقعے پر وہ اس کی خودمختاری اور آزادی سلب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اسی لئے اس نے اقرار سے گریز کیا۔ وہ اجنبی درحقیقت اس کا اصلی آقا ''بیبرس'' ہی تھا، جس نے اُسے آرمینیہ سے خریدا اور پھر دمشق لا کر چھوڑ دیا۔ دمشق کی سرائے میں اُسے زادِ راہ دے کر سلطان بیبرس ایسا نکلا کہ دوبارہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ آج اتفاق سے اس نے بازار میں سلطان بیبرس کو دیکھ کر پہچان لیا تھا مگر سلطان بیبرس کے بدلے ہوئے بہروپ نے شناسائی پر پردہ ڈال دیا تھا۔ سلطان بیبرس کو اس بات پر کسی قدر حیرت بھی تھی کہ مندری محض اندازے سے اسے پہچان کر پیچھے چل پڑا تھا حالانکہ وہ اپنی عمر سے زیادہ کے بہروپ میں تھا۔ سلطان بیبرس اپنی عادت کے تحت زیادہ تر یونہی وقت گزارتا تھا۔ وہ ان دنوں حماۃ کے انتظام کا خفیہ معائنہ لینے میں مصروف تھا۔ سلطان بیبرس بے حد علم دوست شخصیت کا مالک تھا۔ اسی لئے وہ اپنے خفیہ سفروں میں زیادہ تر ایسی محافل میں بیٹھنے کی کوشش ضرور کرتا جہاں علم و بصیرت کے پھول کھلا کرتے

تھے۔ قاضی جمال الدین ابن واصل کی عدالت میں اس کی موجودگی بھی اسی ذوق کی محتاج تھی جو اسے وہاں کھینچ لایا تھا۔

❁ ❁ ❁

گل وقوڑ کو اپنی پہلی مہم میں ناکامی کا شدید دلی صدمہ تھا۔ شاہی سپاہیوں نے اسے کمرہ عدالت سے گرفتار کر کے کوتوالی میں نظر بند کر دیا تھا جبکہ اس کے ساتھیوں کو اس سے الگ رکھا گیا تھا۔ والئی شہر نے اس معاملے کو کچھ دنوں کے لئے مؤخر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ قاضی ابن واصل کی صحت یابی کے بعد وہ اپنے مقدمے کا خود فیصلہ کریں گے۔ وزراً کی جماعت نے پرزور سفارش کی کہ والئی شہر خود جائزے کے بعد گل وقوڑ اور اس کے ساتھیوں کو موت کی سزا سنائے تاکہ باغیوں پر رعب طاری ہو جائے۔ والئی شہر نے جلد بازی کے بجائے اس امر پر زور دیا کہ ان حملہ آوروں کے بارے میں تفصیلات جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا قاضی جمال الدین ابن واصل پر حملے کا مقصد کیا تھا؟ تمام افراد کے لئے خصوصاً تاتاری النسل لڑکی کا وجود نہایت حیرت انگیز تھا۔ باقی لوگوں کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمان ہی ہیں۔

یہ معاملہ زیادہ دیر تک چھپایا نہ جا سکا۔ کوتوال شہر نے ان لوگوں کے گھروں، رشتہ داروں اور احباب سے مل کر تفصیلات معلوم کیں تو یہ بات سامنے آئی کہ ایک ماہ پہلے ہی رضی الدین الساقی نامی امیر وہاں لوٹا تھا جو کہ حماۃ کا نامی گرامی تاجر تھا۔ رضی الدین غائب عرصے میں کہاں کہاں رہتا تھا؟ اس بارے میں تو سب لوگ بے خبر نکلے۔ تاتاری النسل لڑکی کی آمد کا عقدہ بھی حل ہو گیا کہ وہ رضی الدین کے ایک خاص شراکت کار کی بیوی تھی جو کہ ایک ماہ قبل رضی الدین کے ساتھ ہی کسی دوسرے شہر سے شادی کر کے وہاں آئے تھے۔ رضی الدین ان لوگوں کو زیادہ بہتر طور پر جانتا تھا۔ کوتوال شہر نے رضی الدین کو تلاش کرنے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ تو یوں غائب ہو چکا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔ پورے حماۃ میں تمام رشتہ داروں اور متوقع افراد کے گھروں کی تلاشی لی گئی مگر رضی الدین کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کوتوال شہر نے اس مرحلے سے فرصت کے بعد گرفتار شدہ ملزمان کی جانب توجہ کی جو کہ کسی حد تک صحت یاب ہو چکے تھے۔ ان کے زخم کافی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے۔

کوتوال شہر اپنی سخت روی کے باعث ملزموں سے یہ اعتراف کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ لوگ درحقیقت فدائی ہیں اور قاضی جمال الدین کی فدائیت پر کڑی تنقید اور مخالفت کے باعث وہ اس پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ ان کے اس اقبال جرم کے بعد یہ معاملہ دوسری صورت اختیار کر گیا تھا۔ والئی شہر کو جب رپورٹ دی گئی تو اس کا ماتھا ٹھنک سا گیا۔ اس نے یہ قیاس کیا کہ اگر واقعی یہ حادثہ مذہبی منافرت کے باعث رونما ہوا ہے تو یہ فرقہ وارانہ فساد کو ہوا دے سکتا ہے کیونکہ بلادِ شام میں فدائیت کے حامیوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ اس نے اس حساس معاملے کے لئے اپنی مشاورت طلب کی اور بہتر رائے معلوم کرنے کی سعی کی۔ مشاورت کے احباب نے فدائیت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ زور دیا کہ والئی شہر اس چکر میں نہ پڑے بلکہ مجرموں کو سخت سے سخت سزائیں دے تاکہ ایسے تمام گروہ جو اپنے ناقص و خود ساختہ عقائد کی خاطر قتال جیسی انتہاپسندی پر اتر آتے ہیں ان کے حوصلے پست ہو سکیں۔ والئی شہر نے بادل نخواستہ مشاورت کی متفقہ رائے کے تحت فدائی مردوں کے لئے تو ان کی یہ تجویز منظور کر لی اور تمام فدائی مردوں کو صحت یابی کے فوراً بعد سرِ عام موت کی سزا سنا دی مگر تاتاری النسل مجرمہ عورت کا معاملہ دوسری صورت اختیار کر گیا۔ اس بارے میں امراً کی دو الگ الگ آراء سامنے آئیں تو والئی شہر نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور عورت کے لئے ایسی سزا کو نامناسب

قرار دیا۔ مجلسِ مشاورت نے والئی شہر کے جواز کی مخالفت میں کئی دلیلیں پیش کیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عورت کو بطور مجرمہ مرد کے برابر کی ہی سزا دی جانی چاہئے۔ وزراً کی جماعت نے تاریخ کی کئی مثالیں بھی پیش کیں جبکہ دوسرے گروہ نے اپنے مؤقف پر دلائل دیئے مگر والئی شہر کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ تاتاری النسل عورت کے لئے کسی سزا کا اعلان کر دیتا۔ اس نے گفتگو کا سلسلہ سمیٹتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ اس مسئلے کو فی الوقت قاضی جمال الدین کے لئے چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی صحت یابی کے بعد خود ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔ وزراً والئی شہر کے حتمی فیصلے پر خاموش رہ گئے۔

قید خانے میں گل وقوڑ کو مطلع کر دیا گیا کہ اس کے ساتھیوں کی گردنیں اڑا دینے کا حکم جاری ہو چکا ہے اور اگلی صبح ان کی گردنیں دھڑ سے الگ کر دی جائیں گی۔ گل وقوڑ نے اس اطلاع پر کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ وہ خاموش نگاہوں سے قید خانے کے در و دیوار گھورتی رہی۔ وہ اس پہلو پر غور کرنے میں غلطاں تھی کہ قید خانے کے در و دیوار کیسے عبور کئے جائیں؟ حالانکہ یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ حماۃ سے نکلنا اس کے لئے ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کئے جا چکے تھے۔ قاضی ابن واصل کی صحت یابی کے بعد اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ ہونا باقی رہ گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر الدین بے حد سنجیدہ انداز میں قلعہ بانیاس کے تخت پر براجمان تھا۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے یہ خبر ملی تھی کہ حماۃ میں گل وقوڑ کی مہم بری طرح ناکام بنا دی گئی ہے۔ قاضی ابن واصل کسی قدر زخمی ہونے کے بعد نہ صرف زندہ بچ گیا ہے بلکہ تمام فدائی، گل وقوڑ سمیت گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ تمام گرفتار فدائیوں کو موت کی سزا دے دی گئی ہے۔ شیخ کبیر الدین نے گل وقوڑ کے بارے میں دریافت کیا تو اسے کوئی واضح جواب نہ مل سکا۔ شیخ رضی الدین الساقی نے فدائی غلاموں کی گردنیں اپنے سامنے کٹتے دیکھی تھیں، ان میں گل وقوڑ شامل نہیں تھی۔ گل وقوڑ کی ناکامی نے شیخ کبیر الدین کو گہرے صدمے سے دوچار کیا تھا۔ وہ گل وقوڑ کے حوالے سے بڑی امیدیں وابستہ کئے بیٹھے تھا مگر جو نتیجہ اس کے سامنے آیا تھا وہ بے حد مایوس کن تھا۔

''شیخ الجبال!'' شیخ ابوراضیاء بولا۔ ''چند دن پہلے تو آپ گل وقوڑ کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے اور اسے ایل خانی سلطنت میں ایک اہم ترین مہم کے لئے مراغہ روانہ کرنے کی فکر میں تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی چوپٹ ہو چکا ہے۔ مجھے خود بھی سخت حیرت ہے کہ گل وقوڑ جیسی جانباز اور جرأت مند لڑکی اس چھوٹی سی مہم میں ہی ناکارہ کیسے ثابت ہو گئی؟ آپ اجازت دیجئے کہ حقائق کا پتہ چلایا جائے بالآخر ایسی کون سی سنگین وجہ تھی؟''

شیخ کبیر الدین اس کی گہری طنز پر اسے تیز نگاہوں سے گھورنے لگا۔ شیخ الرئیس کا غصہ محسوس کرتے ہی شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر خجالت کے آثار دکھائی دینے لگے۔

''شیخ الساقی!'' شیخ کبیر الدین اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''تم فوراً حماۃ لوٹ جاؤ اور تمام حالات معلوم کرو کہ قاضی ابن واصل کی عدالت میں کیا ہوا تھا اور گل وقوڑ وہاں سے بروقت کیوں نہیں نکل سکی......؟ حالانکہ اس میں ہر طرح کی سنگین صورت حال سے فرار ہونے کی پوری صلاحیت موجود ہے''

''شیخ الجبال کا اقبال بلند ہو!'' شیخ الساقی مؤدب لہجے میں بولا۔ ''میں حماۃ میں واپس جانے سے فی الوقت قاصر ہوں کیونکہ وہاں میری گرفتاری کے لئے پورا جال بچھا دیا گیا ہے۔ گل وقوڑ کی غلط حکمت عملی کے باعث میں بھی شاہی نگاہوں میں آ چکا ہوں''۔

''یہ تو اچھا نہیں ہوا...... شیخ ابوراضیاء تم کوئی دوسرا مجاہد تلاش کرو جو نہ صرف عمدگی سے حالات کا پتہ لگا

سکے بلکہ ممکن ہو سکے تو گل وتوژ کو بھی شاہی حراست سے چھڑانے کی اہلیت رکھتا ہو۔ میرا جہاں تک خیال ہے کہ والئی حماۃ نے عورت ہونے کے باعث اسے محض قید کی سزا دی ہو گی''۔ شیخ کبیر الدین نے ہدایت کی تو شیخ ابوراضیاء نے اثبات میں سر ہلایا۔

''شیخ الساقی!'' شیخ کبیر الدین دوبارہ اس سے مخاطب ہوا''تم کبھی مراغہ گئے ہو؟''

''ایک بار جانے کا اتفاق ہوا تھا''۔

''تم تیاری کر لو کیونکہ میں تمہیں ایک تاجر کے روپ میں وہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔ مراغہ میں قدگائی خان کی ایک چھوٹی سی سرائے ہے، تمہیں اس میں قیام کرنا ہوگا۔ قدگائی خان دیکھنے میں تاتاری النسل لگتا ہے مگر درحقیقت وہ ایک جانباز فدائی ہے۔ تم فوراً جانے کی تیاری کر لو، میرا اگلا حکم تمہیں وہیں ملے گا''۔ شیخ کبیر الدین نے اسے ہدایت کی۔ اس نے تعظیم دیتے ہوئے جانے کی اجازت چاہی۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد شیخ ابوراضیاء مستفسرانہ نگاہوں سے شیخ کبیر الدین کی جانب دیکھنے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے اس کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے، میں ہلاکو خان کے ساتھ اپنا کھیل شروع کرنے والا ہوں''۔

''گل وتوژ کی جگہ آپ یقیناً گہنانم کو استعمال کرنا چاہتے ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے لقمہ دیا۔

''ہاں! گہنانم کی تمام مہمات کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اس مرتبہ بھی ناکام نہیں ہوگی۔ خبیث ہلاکو خان اب زیادہ دن تک سانسیں نہیں لینے پائے گا۔ اس نے ہمارے فدائیوں کو بری طرح سے قتل کیا ہے اور وہ ہماری مضبوط ریاست کی پامالی کا ذمہ دار ہے۔ قسم خدا کی جب تک اس کی موت کی خبر ہماری کانوں میں نہیں پڑ جاتی، ہمیں سکون کی نیند نہیں نصیب ہوگی''۔ شیخ کبیر الدین کا لہجہ فرط جوش سے لرز رہا تھا۔ جیسے اسے یقین کامل تھا کہ قدرت نے ہلاکو خان کی موت گہنانم کے ہاتھوں ہی لکھی ہوئی ہے۔

❁ ❁ ❁

663ھ کے وسط میں سلطان بیبرس نے قاہرہ میں ایک دربارِ خاص کا اہتمام کیا جس میں شامی ومصری امرأ و روساء شامل ہوئے۔ اس دربار کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ گئی جب خلیفہ الحاکم بامراللہ بھی خصوصی شرکت کے لئے قلعہ جبل سے باہر نکلا۔ اس دربار خاص میں اہم مناصب کے حامل مصری وشامی امرأ کو خصوصی طور پر قاہرہ بلایا گیا تھا۔ اس دربار کے انعقاد کا مقصد مخفی رکھا گیا تھا۔ سب لوگ مشتاق نگاہوں سے منتظر تھے کہ سلطان رکن الدین بیبرس کیا اعلان کرنے والا ہے۔ سلطان بیبرس امام وقت شیخ عزالدینؒ کے ساتھ جب وہاں پہنچا تو سب افراد نے اُٹھ کر تعظیم دی۔ سلطان بیبرس سب سے پہلے تخت پر موجود خلیفہ المسلمین الحاکم بامراللہ کے پاس پہنچا اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے تعظیم دی اور اس کے بعد وہ قدرے نیچے کی جانب تخت پر براجمان ہوگیا۔ سلطانی معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان نے سلطان کے فرزند ناصر الدین کی چوتھی سالگرہ کا مژدہ سنایا اور اس خوشی کے موقعے پر رعیت کے لئے خصوصی مراعات دینے کا اعلان کیا گیا۔ امیر فخر الدین لقمان کے بعد امیر فارس الدین اقطائی نے اپنے نواسے کی لمبی عمر کی دُعا کی اور اسے ولی عہد مقرر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ سلطان بیبرس کے حکم پر چار سالہ ناصر الدین کو دربار میں لایا گیا۔ ننھا شہزادہ نیلگوں مائل سفید لباس میں ملبوس تھا۔ شہزادہ ناصر الدین کی آمد پر کئی امرأ نے جوش میں نعرے لگائے۔ سلطان بیبرس نے اُٹھ کر خلیفہ الحاکم بامراللہ سے ننھے شہزادے کے لئے ولی عہد کے تقرر کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر سلطان بیبرس نے شیخ عزالدینؒ سے درخواست کی کہ وہ ننھے شہزادے کی جانشینی کی رسومات ادا کریں۔

شیخ عزالدینؒ نے ننھے شہزادے ناصر الدین کو ایک تخت پر بیٹھایا اور اسے شاہی انگشتری اور تاج پہنا کر سلطان بیبرس کا جانشین قرار دیا۔ اس خوشی کے موقعے پر آتش بازی کی گئی اور خزانے کے منہ کھول دیئے گئے۔ سلطان بیبرس نے علامہ ابن عبدالظاہر کی لکھی ہوئی تقریر پڑھی جس میں تمام امرأ کو شہزادہ ناصر الدین کی اطاعت کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ بلادِ مصر میں مجلس انتخاب کی مداخلت کے بغیر ہی نئے سلطان کا تقرر کیا گیا۔ امرأ و روساء نے اس امر پر رضامندی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہیں سلطان بیبرس کی دانشمندی اور قیادت پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ سلطان بیبرس نے گذشتہ پانچ سالوں میں وہ سب کچھ کر دکھایا تھا جس کی آرزو میں مسلمان نصف صدی سے تڑپ رہے تھے۔ تاتاری سیلاب پر بند باندھا جا چکا تھا۔ صلیبی حملوں کی شدت میں کمی آ چکی تھی خصوصاً الکرک کے قلعے کی فتح کے بعد صلیبی خاصے محتاط ہو چکے تھے۔

دربارِ خاص کے خاتمے پر سلطان بیبرس نے شہزادے ناصر الدین کو ایک کجاوے میں سوار کرایا اور سنہرے کپڑے میں لپٹے ہوئے اونٹ پر سوار کیا۔ ایک جلوس کی صورت میں وہ اونٹ محل سے باہر نکالا گیا۔ شہزادے کے غاشیہ کا کنارہ سلطان بیبرس نے خود اپنے ہاتھوں میں اُٹھا رکھا تھا۔ تاہم تمام امرأ و روساء اس جلوس کے ہمراہ پیادہ سفر کرتے رہے۔ یہ جلوس قاہرہ کے مختلف بازاروں میں سے گذرتا ہوا واپس شاہی محل لوٹ آیا۔ رعایا نے سلطان بیبرس کے اس اقدام پر دلی مسرت کا اظہار کیا مگر حاسد امرأ کو سلطان بیبرس کا یہ فیصلہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے رہے اور اس پیش رفت کو ملوکیت و آمریت سے موسوم کرتے رہے۔

❁ ❁ ❁

کچھ ہی عرصے میں شنگ خان مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا۔ جب وہ بستر سے باہر نکل کر چلا تو اسے اپنی چال میں کسی قدر لڑکھڑاہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے اسے وقتی کمزوری کا نام دیا۔ اسی دوران اس کا طبیب بھی وہاں چلا آیا۔ اس نے شنگ خان کو چلتے ہوئے دیکھ کر دلی مسرت کا اظہار کیا۔ طبیب نے شنگ خان کی ڈھارس بندھائی اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے اس پر حقیقت عیاں کر دی کہ اس کی چال میں دکھائی دینے والی لڑکھڑاہٹ عارضی نوعیت کی نہیں ہے۔ اس کی بائیں ران کی کئی رگیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ مردہ رگوں کے باوجود اس سے چلنے پھرنے کی نعمت نہیں چھینی گئی۔ اس کے علاوہ طبیب نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ خصوصاً دوڑنے سے گریز کرے کیونکہ اس طرح اس کی زندہ رگوں پر اضافی بوجھ پڑے گا اور ان کے پھٹ جانے کا اندیشہ قوی ہو جائے گا۔ طبیب کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ وہ ایک نامور اور ماہر شکاری تھا۔ یہ بے بسی اس کی ہمت کے ساتھ قدرت کا بھیانک مذاق تھا۔ اس کے کئی کام ادھورے تھے جنہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسے مکمل قوت کی ضرورت تھی۔

شنگ خان نے حقیقت سے نظریں نہیں چرائیں بلکہ اس نے خود کو حوصلہ دیتے ہوئے سابقہ روش پر کاربند رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ جس دن اس کی رگیں جواب دے جائیں گی اس دن وہ سسکتی ہوئی زندگی جینے کے بجائے خود کو موت کی بانہوں میں ڈال دے گا۔ شنگ خان اپنے ہمدرد و محسن عبداللہ مندری کا بے حد شکر گذار تھا۔ شنگ خان نے جب جانے کی اجازت طلب کی تو عبداللہ مندری نے اس سے چند دن مزید ٹھہرنے کی درخواست کی۔ اس نے واضح الفاظ میں اس کو آگاہ کر دیا کہ وہ یقیناً کسی تاتاری کی خدمت کر کے خوش نہیں ہوتا مگر اس میں جانے کیا بات تھی کہ وہ اس سے جدا ہونے پر خود کو رضامند نہیں کر پا رہا۔ شنگ خان اپنے محسن کی درخواست رد نہیں کر پایا اور مروتاً مزید قیام پر رضامند ہوگیا۔

شنک خان اپنی مخصوص طبیعت کے باعث خود کو گھر میں محدود رکھنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ وہ عموماً گھر سے نکل کر حماۃ کے بازاروں میں بلا مقصد گھومتا رہتا۔ حماۃ میں یوں تو پہلے سے کئی تاتاری النسل افراد مقیم تھے جو کہ اردوئے زریں کے منگول تھے اور ایل خانی سلطنت سے جان بچا کر بلادِ شام میں پناہ گزین تھے۔ سلطان بیبرس نے ایسے کئی لوگوں کو بلادِ مصر میں منتقل کیا تھا اور ان میں سے خوبیوں کے مالک افراد کو اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کیا۔ یہی وجہ تھی کہ شنک خان کی صورت دیکھ کر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی اس کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ شنک خان بہت جلد اپنے ہم وطنوں کے قریب ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ انہی کی وساعت سے اسے قاضی جمال الدین ابن واصل پر قاتلانہ حملے کی خبر ملی۔ تاتاری النسل لڑکی کی بابت سن کر وہ بے قرار سا ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر یہی قیاس کیا کہ وہ یقیناً گل وقوژ ہی ہو گی کیونکہ وہ فدائی کارروائیوں سے کسی حد تک واقف ہو چکا تھا۔ شنک خان نے اشتیاق بھرے انداز سے اپنے ہم وطنوں سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے اسے آگاہ کر دیا کہ وہ لڑکی خاص کوتوالی میں انتہائی حفاظتی حصار میں قید کی گئی ہے، البتہ اسے ابھی تک سزا کیوں نہیں دی گئی ہے اس بارے میں تو وہ کچھ نہیں جانتے شنک خان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ گل وقوژ زندہ ہے۔ اسی دن سے وہ خاص کوتوالی کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ اس کا انداز بے حد محتاط تھا۔ وہ اپنے ذہن میں ایک خطرناک منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ اسے ہر قیمت پر گل وقوژ کو وہاں سے نکالنا تھا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء تیز تیز قدموں سے شیخ الرئیس کے کمرہ خاص میں چلا آیا۔ شیخ کبیر الدین اس وقت آرام کرنے کا سوچ رہا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کی غیر متوقع آمد پر مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ شیخ ابوراضیاء نے برائے نام سی تعظیم دیتے ہوئے کہا۔

''شیخ الجبال! ابھی ابھی حماۃ سے خبر آئی ہے کہ گل وقوژ نہ صرف زندہ ہے بلکہ اسے خاص کوتوالی میں قید رکھا گیا ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے شیخ نے تحقیق کر کے اطلاع دی ہے کہ والئ حماۃ گل وقوژ کو بھی موت کی سزا سنانا چاہتا تھا مگر امرا کے اختلاف کے باعث اس نے یہ معاملہ قاضی جمال الدین پر ڈال دیا ہے کہ وہ صحت یابی کے بعد خود ہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے''۔

''اس بات کی کوئی خبر ملی ہے کہ گل وقوژ حملے کے بعد وہاں سے فرار کیوں نہیں ہو سکی؟'' شیخ کبیر الدین نے دریافت کیا۔

''اس بارے میں کوئی واضح بات معلوم نہیں ہو سکی۔ عدالت میں موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں کوئی ادھیڑ عمر شخص پہلے سے موجود تھا جس نے عمدہ شمشیر زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف ہمارے تمام فدائی زخمی کر دیئے بلکہ گل وقوژ کے فرار ہونے کی کوشش بھی ناکام بنا دی۔ وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ کوئی بھی اس بارے میں کچھ نہیں جانتا''۔ شیخ ابوراضیاء نے بتایا۔

''اعلیٰ حکام سے اس کی کھوج لگائی ہے کیا؟''

''بالکل...... مگر وہاں کے لوگ بھی اس اجنبی سے ناواقف ہیں''۔

''حیرت کی بات ہے۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ وہ ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑاتا۔ یقیناً یہ کوئی گھر کا بھیدی ہی ہو سکتا ہے جو کہ نہ صرف اس مہم کے بارے میں پہلے سے آگاہ تھا بلکہ وہ اس کوشش میں تھا کہ گل وقوژ کو کامیاب حملہ نہ کرنے دیا جائے''۔ شیخ کبیر الدین متفکرانہ انداز میں بولا۔

''ہمارے فدائیوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے پورے وثوق سے کہا۔

''تم اپنے طور پر یہ معلوم کرو کہ قلعہ مصیاف میں تربیت کے دوران گل وقوژ سے کسی کی ان بن تو نہیں رہی تھی اور یہ بھی کہ گذشتہ دنوں یہاں سے کون کون غیر حاضر رہا ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی اس بارے میں خاص غلاموں کو حکم دے دیتا ہوں...... ایک بات اور یاد آئی حماۃ سے کسی تاتاری النسل شخص کے بارے میں بھی خبر آئی ہے جو کہ اس خاص کوتوالی کے گرد اکثر و بیشتر گھومتا ہوا دکھائی دیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہ سب محتاط انداز میں یہ کرتا ہوا دکھائی دیا ہے کہ محافظوں کی نگاہیں بھی اسے محسوس نہیں کر سکیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے کہا۔

''تاتاری النسل شخص!'' شیخ کبیر الدین کا ماتھا شکن آلود ہو گیا۔ ''اس کا حلیہ، نام وغیرہ بھی معلوم کیا گیا ہے یا نہیں''۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا شیخ ادھورا کام کرے۔ اس نے پوری جانچ پڑتال کے بعد پوری رپورٹ ارسال کی ہے۔ اس تاتاری کا نام شنک خان معلوم ہوا۔ اس کی ایک ٹانگ شاید کسی حادثے کے باعث خراب ہو چکی ہے کیونکہ وہ لڑکھڑا کر چلتا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے فخر سے بتایا۔

شیخ کبیر الدین شنک خان کا نام سن کر چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ بدل گئے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کمرۂ عدالت کا پُراسرار شخص کوئی اور نہیں ہو سکتا وہ یقیناً شنک خان ہی ہو گا۔ وہی شنک خان جو کہ قلعہ الموت میں شینجی کے نام سے اس کی خدمت میں جتا رہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کو یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ شنک خان اس حد تک بڑھ جائے گا اور گل وقوژ کو گرفتار کرا دے گا۔ شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کا متغیر چہرہ دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''فوراً حماۃ میں فدائیوں کو پیغام بھیجو کہ وہ ہر قیمت پر شنک خان کو قابو کر لیں اور اسے پوری حفاظت سے یہاں لائیں۔ اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دینا کہ شنک خان کوئی عام شخص نہیں ہے وہ ایک ماہر جنگجو ہے، اسے قابو کرنے کے لئے طاقت کا نہیں عقل کا استعمال کیا جائے''۔

''یہ شنک خان کون ہے؟ پہلے تو اس کا نام آپ کے منہ سے کبھی نہیں سنا گیا''۔ شیخ ابوراضیاء اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

''یہی وہ گھر کا بھیدی ہے...... میں اس کے بارے میں بھول گیا تھا کہ وہ گل وقوژ کو مہم پوری نہیں کرنے دے گا۔ اس کی کوتوالی کے گرد موجودگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ وہ گل وقوژ کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر میں مصروف ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ گل وقوژ کو لے کر نکل جائے فدائیوں کو اسے پکڑنا ہو گا''۔ شیخ کبیر الدین نے تیز لہجے میں کہا۔

''شیخ الجبال! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جونہی گل وقوژ کو کوتوالی سے نکالے تو اس پر دھاوا بول دیا جائے۔ اس طرح ہم اپنے دونوں مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے کہا۔

''نہیں اتنی ڈھیل دینا مناسب نہیں ہے۔ تم اسے اچھی طرح نہیں جانتے۔ فدائیوں کو ہدایت دو کہ انہیں جونہی موقعہ ملے شنک خان کو قابو کر لیا جائے اور گل وقوژ کو کوتوالی سے نکالنے کی تمام تر ذمہ داری فدائیوں کو دی جائے۔ وہ کوشش کریں کہ گل وقوژ بحفاظت یہاں لائی جا سکے اگر ایسا ممکن نہ ہو پائے تو کم از کم قاضی جمال الدین ابن واصل کو ضرور ہلاک کر دیا جائے''۔

شیخ ابوراضیاء نے مزید کوئی رائے دینا مناسب نہیں سمجھی اور وہ اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اس کے

جانے کے بعد شیخ کبیر الدین گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

❁ ❁ ❁

رات کی تاریکی میں وہ تین سائے کی مانند ساحل سمندر پر موجود ایک بلند و بالا عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس عمارت کی تعمیر میں زیادہ تر لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا۔ وہ عمارت کسی اہم حیثیت کی حامل تھی کیونکہ وہاں بڑی تعداد میں محافظ سپاہی تعینات تھے۔ تینوں سائے ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ ان کے انداز سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف اس عمارت کے محل وقوع سے بخوبی آگاہ ہیں بلکہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سپاہی کس کس مقام پر موجود ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ بغیر کسی رکاوٹ کے عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ وہ عمارت کیا تھی ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا جس پر چھپر کی چھت ڈالی گئی تھی۔ اس عمارت میں لکڑی کی بڑی مقدار رکھی گئی تھی اس کے علاوہ بے شمار اوزار تھے۔ دیکھنے میں یہ عمارت کوئی ورکشاپ لگتی تھی۔ ان تینوں سایوں نے عمارت کے مخصوص حصے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ ہم اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے ہیں''۔ ایک سائے نے سرگوشی کی۔

''بالکل! یہاں قریب ہی آتش گیر مواد موجود ہے۔ میں نے کل تک اسے یہیں پڑا دیکھا تھا''۔ دوسرا سایہ آہستگی سے بولا۔ یہ سن کر پہلا سایہ اس جگہ کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگا۔ وہ تینوں حتی الامکان کوشش کر رہے تھے کہ کسی قسم کا شور پیدا نہ ہو، جس سے ان کی موجودگی سپاہیوں پر ظاہر ہو جائے۔ کچھ ہی دیر میں آتش گیر مادہ تلاش کر لیا گیا۔ یہ مادہ ان مشعلوں کے لئے تھا جنہیں اندھیرا ہوتے ہی روشن کر دیا جاتا تھا۔ یوں تو اس جگہ پر تاریکی نہیں تھی مگر لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں اور مختلف جسامت کی لکڑیوں کے انبار نے ان کی موجودگی کو پوشیدہ کر رکھا تھا۔ سپاہی ایک جگہ کھڑے رہنے کے بجائے مسلسل متحرک تھے۔ یہ ان تینوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر وہاں تک پہنچ گئے۔

آتش گیر مادہ حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ وہ بڑی تیزی سے لکڑی کے انبار میں آتش گیر مادہ پھیلاتے رہے۔ وہ سپاہیوں کی قربت محسوس کرتے ہی دبک جاتے۔ جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ ہی دیر میں انہوں نے اس آتش گیر مادے کو آگ دکھا دی۔ آگ بڑی تیزی سے بھڑک اٹھی اور اس نے لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ محافظ سپاہی آگ دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے فوری طور پر آگ پر قابو پانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آگ اتنی شدید تھی کہ ان تینوں کو فرار ہونے کا موقع میسر نہ آ سکا اور وہ سپاہیوں کی نگاہوں میں آ گئے۔ عمارت میں تین اجنبیوں کو پا کر سپاہیوں نے تیزی سے انہیں حراست میں لے لیا۔ ان تینوں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی کہ وہ محافظ سپاہیوں کا حصار توڑ کر نکل جائیں مگر وہ ناکام رہے۔ اسی دوران آگ بڑھ گئی۔

سپاہیوں نے اس عمارت کے اعلیٰ حکام کو فوری طور پر آگاہ کیا۔ تمام رات کی کوشش کے بعد بمشکل آگ پر قابو پایا جا سکا۔ عمارت میں موجود قیمتی لکڑی جل کر خاکستر ہو چکی تھی یہ عمارت دراصل دار الصناعۃ تھی جو کہ بلادِ مصر کے دمیاط نامی ساحلی شہر پر واقع تھی۔ یہاں سلطان بیبرس کے حکم کے مطابق جہاز سازی کا کام زور و شور سے جاری تھا۔

دمیاط کے دار الصناعۃ کو جلانے کی سازش صلیبی سرداروں کی جانب سے کی گئی تھی جو کہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ سلطان بیبرس کسی بھی صورت بھی اطالیہ کے شاہ منفرڈ کی مدد کر سکے۔ تینوں مجرموں نے اقبال جرم کر لیا اور خود کو نصرانی تسلیم کر لیا۔ انہیں بلا تامل موت کی سزا دے دی گئی۔ جہاز سازی کا کام تاخیر کا شکار ہو کر رہ گیا۔

سلطان بیبرس کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو وہ خود معائنے کے لئے وہاں پہنچا۔ اس نے وہاں موجود تمام افراد کی سخت گوشمالی کی کہ وہ ایک چھوٹی سی عمارت کی حفاظت نہیں کر سکے۔ سلطان بیبرس نے تیز رفتاری سے اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کا حکم دیا اور واپس قاہرہ لوٹ گیا۔ صلیبی قوتوں نے یہ گھٹیا حرکت کر کے سلطان بیبرس کے غصے کو ہوا دی تھی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسلامی سلطنت کے گرد ایک طویل حصار کی صورت میں صلیبی قوت کی موجودگی اسے پہلے دن سے کھٹک رہی تھی۔ سلطان بیبرس کی پوری کوشش تھی کہ وہ انہیں پُر امن طریقے سے اسلام دشمنی سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا مگر حالات ویسے نہیں رہے کہ پُر امن طریقہ کار اپنائے جاتے۔ وہ ایک عرصے سے تعصب کا مظاہرہ کر رہے تھے جس میں بیشتر مسلمانوں کی جانیں جا چکی تھیں۔ کئی شہر ان کی بربریت کا شکار ہو چکے تھے۔ ارض مقدس پر کئی بار خون کی ہولی کھیلی جا چکی تھی۔ سلطان بیبرس نے مملوک افواج کے سالاروں کو جمع کر کے ایک پُر جوش تقریر کی اور انہیں مکمل تیاری کا حکم دیا کہ وہ کسی بھی وقت صلیبی لٹیروں کو سبق سکھانے کے لئے نکل سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

جانباز فدائیہ گمنام شیخ کبیر الدین کے طے شدہ منصوبے کے مطابق 1264ء میں ایل خانی تاتاری سلطنت کے دارالحکومت مراغہ میں داخل ہوئی۔ وہ ایک طائفے کی شکل میں وہاں آئی تھی۔ اس کے ساتھ فدائیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ یہ سب لوگ گانے بجانے والے تھے۔ گمنام ایک رقاصہ کا بہروپ اختیار کئے ہوئے تھی۔ بھڑکیلے لباس اور روایتی بناؤ سنگھار کے باعث وہ صورت سے بھی رقاصہ ہی لگتی تھی۔ یہ طائفہ مراغہ میں قدگائی خان کی سرائے میں جا ٹھہرا۔ قدگائی خان درحقیقت منگول ہی تھا مگر وہ بچپن میں ماں باپ سے بچھڑ کر فدائیوں کے سابق سلطان شیخ الرئیس خورشاہ کے ہاتھ لگ گیا۔ شیخ الرئیس خورشاہ نے اس کی تربیت اپنے ڈھنگ پر کی اور اسے مکمل طور پر فدائی بنا ڈالا۔ وہ عقائد کے لحاظ سے فدائی مسلمان تھا جبکہ قومیت کے لحاظ سے منگول۔ شیخ الرئیس خورشاہ نے ایل خانی سلطنت کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث اسے مراغہ میں قدم جمانے کا حکم دیا تو وہ قلعہ الموت سے نکل کر مراغہ آ گیا۔ کچھ ہی عرصے میں اس نے یہاں ایک چھوٹی سی سرائے بنا لی اور باہر سے آنے والے تاجروں کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے پاس تاجروں کے روپ میں زیادہ تر فدائی ہی آتے رہے۔ عام خبروں کی ترسیل کے علاوہ طویل عرصے تک اس سے کوئی اہم خدمت نہیں لی گئی۔

قدگائی خان کے پاس گذشتہ دنوں سے نئے شیخ الرئیس کبیر الدین کی جانب سے کئی ہدایات آ رہی تھیں۔ وہ کسی حد تک یہ جان چکا تھا کہ اس سے کوئی اہم کام لیا جانے والا ہے۔ شیخ رضی الدین کی آمد پر وہ ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔ جب یہ طائفہ اس کی سرائے میں وارد ہوا تو وہ اُلجھ سا گیا۔ وہ ابھی تک کوئی بھی انداز نہیں لگا پایا کہ اس آمد و رفت کا کیا مطلب ہے؟ طائفے میں موجود ایک خاص غلام نے مخفی طور پر ایک مراسلہ شیخ رضی الدین الساقی کے حوالے کیا۔ فدائیوں میں کچھ لوگ انتہائی وفادار ہوتے تھے جنہیں خاص غلاموں کا درجہ دیا جاتا تھا۔ یہ آنکھیں بند کر کے اپنے شیخ الرئیس کا ہر حکم مانتے تھے۔ فدائیوں کو قتل کرنا ہو یا کسی دوسرے کو۔ ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی وہ سوال جواب میں الجھتے تھے۔ وہ صرف تعمیل کرنا جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فدائیوں کے حکمران خاص کاموں کے لئے انہی کو استعمال کیا کرتے تھے۔

شیخ رضی الدین کو اس مراسلے میں ہدایت کی گئی تھی کہ گمنام ایک معروف رقاصہ ہے۔ اس کی حیثیت کو مراغہ میں اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے کہ لوگ معترف دکھائی دیں۔ چند مخصوص محافل کا اہتمام کیا جائے مگر خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ ان محافل میں اعلیٰ حکومتی امراء ہی شرکت کریں۔ کمتر لوگوں کو محافل میں

نہ بیٹھنے دیا جائے۔ اس سلسلے کو اس انداز سے سرانجام دیا جائے کہ ہلاکو خان کی توجہ گھنانم کی جانب مبذول ہو کر رہ جائے۔ قدگائی خان پر اس امر میں زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے اس امر کا احساس ہونے دیا جائے۔

اسی دن شیخ رضی الدین نے اس طائفہ سے اس انداز سے ملاقات کی کہ جیسے وہ اس کے لئے اجنبی ہو۔ کسی کو ذرا سا شک نہ ہو پایا کہ ان لوگوں کو آپس میں بھی کوئی تعلق ہے۔ مختلف ایام میں ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو طائفے کے افراد شیخ رضی الدین سے گھل مل سے گئے۔ قدگائی جیسے گھاگ شخص کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ شیخ رضی الدین کا اس طائفے سے کچھ تعلق ہے۔ وہ اتنا تو ضرور جانتا تھا کہ شیخ رضی الدین یہاں کسی مقصد کے لئے آیا ہے مگر طائفے کی بابت اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ایک دن قدگائی خان کی موجودگی میں شیخ رضی الدین نے طائفے کے امیر کو مل کر کام کرنے کی پیشکش کی تو قدگائی خان چونک پڑا۔ اس نے شیخ الساقی کو کہنی مار کر منع کرنا چاہا مگر اس نے فی الوقت اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شیخ رضی الدین نے چند پرکشش پیشکشیں اس انداز میں کیں کہ طائفے کا امیر اس کا گردیدہ سا دکھائی دیا۔ اسی ملاقات میں یہ بات طے پا گئی کہ شیخ رضی الدین انہیں اعلیٰ شخصیات سے بڑا انعام و اکرام دلوائے گا جس میں وہ برابر کا شریک ہوگا۔ طائفہ کے امیر نے پہلے تو اس بات پر انکار کیا مگر کچھ دیر میں شیخ رضی الدین اسے اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ طائفے کے امیر کے جانے کے بعد قدگائی خان نے اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو شیخ رضی الدین نے اسے یہ باور کرایا کہ ابھی شیخ الرئیس کی جانب سے ابھی تک ہدایات موصول نہیں ہوئی ہیں لہٰذا بے کار وقت گذارنے کے بجائے اگر یہ چھوٹی سی تفریح کر لی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ اس بہانے منگول امراٗ سے بھی تعارف حاصل ہو جائے گا اور جو ہدایات ملیں گی ان کے مطابق عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ قدگائی خان اس کی لچھے دار باتوں سے مطمئن ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد شیخ رضی الدین نے قدگائی خان کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کیا کہ وہ طائفے کے لئے ایک اعلیٰ محفل کا انعقاد کرنا چاہتا ہے جس میں صرف ایسے ہی لوگ شرکت کریں جن سے زیادہ سے زیادہ مال ملنے کی توقع ہو۔ قدگائی خان اس کی حریصانہ فطرت سے کسی قدر واقف ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ہنستے ہوئے انتظام کرنے کا وعدہ کر لیا۔

قدگائی خان کے تعلقات اور گھنانم کا لچکیلا رقص رنگ لایا۔ اعلیٰ طبقے کے امراٗ دوسری محفل میں ہی اس پر مر مٹے۔ گھنانم مخصوص تربیت کے باعث ان کے قلب گرمانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ اپنے بدن کے خموں سے جہاں ان کی آنکھیں شرارہ کئے ہوئے تھی وہیں محفل کے دوران مخصوص ڈھنگ سے شراب کے جام تقسیم کرنے کا انداز بھی بے حد نرالا تھا۔ شراب اور شباب کا نشہ ہی اتنا زبردست تھا کہ منگول امراٗ ہوش میں بھی گھنانم کا متحرک بدن دیکھنے لگے۔ شیخ رضی الدین کی بدولت طائفہ مسلسل کامیابی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ اس کی حکمت عملی سے طائفے کے امیر کو بے شمار دولت سے نوازا تھا۔ قدگائی خان شیخ رضی الدین کے کاروبار پر اکثر ہنستا کہ وہ آیا کس کام سے تھا اور کر کیا رہا ہے؟ اس نے شرارتاً ایک آدھ بار شیخ رضی الدین کو تنبیہ بھی کی کہ وہ شیخ الرئیس کو اس کی کارکردگی سے مطلع کر دے گا مگر شیخ رضی الدین کی خوشامد اور چاپلوسی آڑے آ جاتی۔ شیخ رضی الدین نے اپنے حصے میں جمع ہونے والی رقم میں سے کچھ اسے پیش کیا تو وہ شیخ رضی الدین کے فعل سے غافل دکھائی دینے لگا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس نے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے اس کی رپورٹ شیخ الرئیس کو روانہ کر دی تھی۔

شنک خان بے حد گھاگ شکاری تھا۔ اسے بہت جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کوتوالی کے گرد و پیش میں کچھ افراد اس پر مسلسل نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ شنک خان نے غیر محسوس انداز میں ان کی نگرانی شروع کر دی۔ جلد ہی اسے طبیب کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا کہ کچھ لوگ اس کی بابت اس کے پاس سوال جواب کرنے کے لئے آئے تھے جن کا اس نے صحیح جواب دے دیا تھا۔ شنک خان نے طبیب اور عبداللہ مندری کو تسلی دی کہ انہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کر رہا یا پہلے کر کے آیا ہے جس کے باعث شنک خان کے بارے میں انہیں کوئی پریشانی اُٹھانا پڑے۔

شنک خان نے اس دوران اپنے ہم وطنوں سے ملاقات کا سلسلہ بڑھا دیا۔ جلد ہی اسے دو ایسے دوست میسر آ گئے جن پر وہ پورا بھروسہ کر سکتا تھا۔ شنک خان کو جب مکمل اطمینان ہو گیا تو اس نے ان کے سامنے گل وتوژ کا معاملہ رکھا۔ اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ گل وتوژ اس کی منگیتر ہے اور وہ غلط افراد کے ہاتھوں پھنس چکی ہے۔ شنک خان نے انہیں یہ باور کرایا کہ وہ گل وتوژ کو بحفاظت واپس سرائے لے جانے کا خواہش مند ہے۔ اس کے ہم وطن دوستوں نے اس کی بات سننے کے بعد اس کی مدد کرنے پر رضامندی ظاہر کی تو شنک خان کا چہرہ کھل اُٹھا۔ شنک خان نے گل وتوژ کی رہائی کے بارے میں ان سے کسی قسم کی مدد نہیں مانگی بلکہ بعد کے حالات میں ان کی روپوشی کا معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے اسے تسلی دی کہ وہ بے فکر ہو کر ان کے پاس چلا آئے۔ وہ لوگ ان دونوں کو ایسے انداز میں یہاں سے روانہ کریں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو پائے گی۔ شنک خان ایک مرحلہ طے ہو جانے پر گل وتوژ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے کوتوالی سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ ایسا جنگجو ضرور تھا کہ سپاہیوں سے بھڑ جاتا مگر اس کی ٹانگ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ شنک خان نے کافی سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اسے یہ بلّہ بولنا ہی ہوگا۔ دوسری کوئی صورت ایسی دکھائی نہیں دیتی تھی کہ گل وتوژ کو توالی سے باہر لائی جا سکتی۔

اسی شام اس نے اپنے دوستوں سے مل کر انہیں یہ پیغام دیا کہ وہ کل صبح گل وتوژ کو کوتوالی سے باہر نکالے گا۔ اس کے باہر نکلتے ہی کچھ لوگ اس سے گل وتوژ کو چھیننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فوری طور پر سامنے نہ آئیں بلکہ تعاقب میں لگ جائیں۔ وہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے گل وتوژ کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ ایسے میں وہ گل وتوژ کے ساتھ ایک مکان تک جائے گا۔ وہاں وہ دونوں دوست پہلے سے موجود ہوں اور ان کے ساتھ ایک ایک عورت ہونا چاہئے۔ میں ایک خاص قسم کا برقعہ ساتھ لایا ہوں۔ ایک برقعہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا جبکہ باقی دو برقعے تمہارے پاس ہوں گے۔ تم دونوں نے اس مکان کے قریب سے دو افراد کو وہ برقعے پہنا کر دو مختلف سمتوں میں لے جانا ہے۔ میں تیسری سمت میں روانہ ہو جاؤں گا اور چکر کاٹ کر تمہارے طے کردہ مکان پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر تعاقب کی کوشش ہوگی تو اس طرح ناکام بنا دی جائے گی۔ دوستوں کے چہرے کے حوالے سے سوال کیا تو شنک خان نے آگاہ کیا ہم تینوں اپنے چہروں کو کسی قدر نیچا اور چھپا کر رکھیں گے تاکہ انہیں آسانی سے دھوکا ہو جائے۔

ان دونوں دوستوں نے اثبات میں جواب دیا اور پھر وہ تینوں مل کر بازار میں گھومتے رہے شنک خان نے غیر محسوس انداز میں انہیں ایک مکان کی جانب اشارہ کیا جہاں وہ پہلے سے موجود ہوں گے۔ شنک خان ان سے رخصت ہو کر عبداللہ مندری کے گھر چلا آیا۔ عبداللہ نے اس کی تمام دن غیر حاضری پر استفسار کیا تو شنک خان نے اپنے ہم وطن دوستوں کے بارے میں بتا دیا۔ عبداللہ اس کی بات پر خاموش ہو گیا مگر جانے کیا بات تھی کہ اس کا دل دھڑک رہا تھا کہ شنک خان اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے شنک خان کو زبردستی

روکا تھا مگر اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اسے جانے دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ شنگ خان بستر پر لیٹا بے تابی سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب وہ گل دتوژ کو قید خانے سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتا۔

❀ ❀ ❀

بالآخر وہ لمحہ آ ہی گیا جس کا شیخ رضی الدین کو بے تابی سے انتظار تھا۔ گہنانم کی نظر کے شکار منگولی امراٗ نے ایل خانی دربار میں گہنانم کی تعریف و تحسین کا ذکر کچھ ایسے انداز سے کیا کہ دیگر امراٗ بھی اس کے رقص دیکھنے کے لئے بے تاب دکھائی دیئے۔ بات مزید آگے بڑھی اور ایل خانی سلطنت کے قاآن اعظم ہلاکو خان تک جا پہنچی۔ ہلاکو خان مراغہ میں موجود طائفہ کے بارے میں سن کر مشتاق ہوا کہ اسے دربار میں رقص کے لئے مدعو کیا جائے۔

ایل خانی منتظم اعلیٰ نے قدغائی خان کو بلوا کر طائفے کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے بیان کیا کہ اس بارے میں شیخ رضی الدین سے رابطہ کیا جائے کیونکہ وہ اس طائفے کا سربراہ ہے۔ منتظم اعلیٰ نے شکوک وشبہات دور کرنے کے لئے مکمل طور پر تحقیق کی تا کہ اسے معلوم ہو سکے کہ طائفہ کہاں سے آیا ہے اور اس میں شامل لوگ کون ہیں۔ مسلمان کا نام سن کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔ جلد ہی اس پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ شیخ رضی الدین کا تعلق خالصتاً کاروباری تھا جو کہ مراغہ میں ہی قائم ہوا تھا ورنہ وہ لوگ پہلے کبھی ملے بھی نہیں تھے۔ مکمل اطمینان ہونے پر منتظم اعلیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اگلی صبح تیاری کر لیں کیونکہ دربار شاہی میں انہیں رقص کرنا ہوگی۔

شیخ رضی الدین نے جس انداز میں اس محفل کی ہامی بھری تھی وہ خاصا تضحیک آمیز تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے شاہی دربار کا سن کر اس کی رالیں ٹپکنے لگی ہوں۔ قدغائی خان شیخ رضی الدین کی حد سے بڑھتی ہوئی حرص پر تاسف کر کے رہ گیا۔ منتظم اعلیٰ نے محفل کا انتظام کرتے ہوئے ہلاکو خان کو شیخ رضی الدین کے بارے میں آگاہ کر دیا کہ وہ انتہائی لالچی شخص ہے محفل کے اختتام پر طائفہ کے دیگر احباب کو تو انعام واکرام دیا جائے مگر اسے انعام کے بجائے سزا دی جائے تا کہ اسے عبرت ہو۔ ہلاکو خان منتظم اعلیٰ کی بات سن کر خاصا محظوظ ہوا۔

دوسرے دن شیخ رضی الدین کا چہرہ پریشانی سے اٹا ہوا دکھائی دیا کیونکہ اسے ابھی تک کوئی دوسری ہدایت نہیں ملی تھی کہ ہلاکو خان کے سامنے محفل کا اہتمام کرنے کے بعد اسے کیا کرنا ہوگا۔ وہ گہنانم سے تنہائی میں ملا اور دریافت کیا۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو شیخ رضی الدین اُلجھ سا گیا۔ اس کے بعد اس نے غیر محسوس انداز میں خاص غلام سے اس بابت میں پوچھا تو اس نے بھی نفی میں سر ہلا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ شیخ رضی الدین نے اسے ہدایت کی وہ تیزی رفتاری سے شیخ الرئیس کو اس امر سے آگاہ کر دے تو وہ ہنسنے لگا۔

''شیخ الساقی! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کل صبح شاہی دربار میں محفل سجے گی اور تم آج مجھے یہ کہہ رہے ہو کہ میں شیخ الرئیس کو مطلع کر دوں یہ کیسے ممکن ہے۔ تیز رفتار کبوتر بھی تین دن سے پہلے قلعہ تک نہیں پہنچ سکے گا''۔

''اب کیا کیا جائے؟'' شیخ رضی الدین پریشانی سے بولا۔

''خاموشی ہی بہتر ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہاں پہنچتے ہی اگلے حکم کے لئے فوراً نامہ بر کبوتر روانہ کر دیا جاتا کہ اب مزید کیا کرنا ہے؟'' غلام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''معلوم نہیں اس محفل سے شیخ الرئیس کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غفلت کے باعث ہم عتاب کا شکار ہو جائیں''۔ شیخ رضی الدین کا چہرہ اتر سا گیا۔

غلام نے اسے تسلی دی کہ شاہی دربار میں محفل سجانے کا یہ آخری موقعہ تو نہیں ہے۔ میں آج ہی مزید حکم

کے لئے کبوتر روانہ کر دیتا ہوں اگلے ہفتے میں پیغام پہنچ جائے گا۔ غلام کی بات سن کر شیخ رضی الدین کو کچھ حوصلہ ہوا۔

دن کے پہلے پہر میں منتظم اعلیٰ نے گہنانم کو لینے کے لئے شاہی بگھی سرائے بھجوادی۔ طائفے کے افراد شیخ رضی الدین کے ہمراہ ایل خانی دربار پہنچے۔ وہاں ان کی مکمل طور پر تلاشی لی گئی اور ان سے تمام ایسا سامان لے لیا گیا جس سے کسی قسم کی شرارت کیے جانے کا امکان موجود ہوتا۔

شاہی دربار میں قاآن اعظم ہلاکو خان کی آمد پر ضروری معاملات نبٹائے گئے۔ اسی دوران اسے طائفے کی موجودگی سے آگاہ کر دیا گیا۔ ہلاکو خان گہنانم کے بارے میں کئی افراد کے منہ سے سن چکا تھا اس نے اسے پیش کرنے کا اشارہ کیا۔ گہنانم اپنے سازندوں کے ہمراہ دربار میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنا چہرہ باریک جالی دار نقاب میں ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کا بھڑکیلا لباس اور چلبلی ادا دیکھ کر کئی امراٗ اپنا کلیجہ تھام کر رہ گئے۔ ہلاکو خان کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

گہنانم نے آگے بڑھ کر منگولوں کی رسمی تعظیم پیش کی۔ اس کے بعد اس نے کچھ عرض کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہلاکو خان نے اثبات میں اشارہ کیا تو گہنانم نے دلفریبانہ انداز میں کہا۔

''قاآن اعظم کا ابد تک ہم پر سایہ رہے! میرا یہ اصول ہے کہ میں رقص کے دوران اپنے دیکھنے والوں کو ایک ایک جام اپنے ہاتھوں سے پیش کرتی ہوں تا کہ میرا فن ان کی باطنی نگاہوں میں بھی اتر جائے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایسا کروں گی ورنہ صرف میرے رقص پر اکتفا کرنا ہوگا''۔

''رقاصہ کے لئے شراب کا انتظام کیا جائے...... ہم خود پہلا جام رقاصہ کے ہاتھوں سے ہی لیں گے''۔ ہلاکو خان کی آواز دربار میں گونج گئی۔ کچھ ہی دیر میں شراب کے بڑے بڑے برتن دربار میں لائے گئے۔ دربار کے وسط میں شراب کے منقوش برتن اور شیشے کے جام کی ایک بڑی میز سجادی گئی۔ گہنانم نے کام کی تکمیل پاتے ہی رقص کے آغاز کی اجازت چاہی۔ اجازت ملتے ہی دربار میں سازوں کے سر بکھرنے لگے۔ شامی اور منگولی تہذیب کے سنگم میں جنم لینے والے سر بے حد مسحور کن ثابت ہوئے۔ گہنانم نے رقص کا آغاز دھیمے انداز میں کیا۔ رقص کے دوران اس نے چہرے کا نقاب اتار ڈالا اور بدن کو ایسے ایسے زاویوں سے لچکانے لگی کہ امراٗ بے قراری سے پہلو بدلنے لگے۔ پہلا گیت محض رقص پر ہی ختم کیا گیا۔ گہنانم نے شراب کے جام کا ذکر کر کے امراٗ کو بے چین سا کر دیا تھا۔ وہ منتظر تھے کب انہیں شباب آمیز جام ملے۔

ہلاکو خان گہنانم کی اس فریب زدہ ادا پر مسکرا اُٹھا کہ وہ مردوں کو مسحور کرنے کا فن جانتی ہے۔ رقص کا دوسرا دور شروع کیا گیا تو اس میں گہنانم کے انداز میں تیزی عود کر آئی۔ اس کے بدن کے خم ایسے لچکتے دکھائی دیئے کہ کئی امراء سانس لینا بھول گئے۔ اسی دوران گہنانم نے جام تقسیم کرنا شروع کئے۔ پہلا جام قاآن اعظم کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے تمام درباریوں کو جام ملا۔ شراب حلق سے نیچے کیا اتری۔ گہنانم عورت کے قالب سے نکل کر کوئی اور مخلوق دکھائی دینے لگی۔ ہلاکو خان گہنانم کا یہ نیا انداز دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ یہ دور کسی قدر طوالت اختیار کرتا چلا گیا۔ گہنانم نے جب دوسرا جام قاآن اعظم کو پیش کیا تو ہلاکو خان کے دل میں جانے کیا بات آئی کہ اس نے اس جام کا پہلا گھونٹ گہنانم کو اتارنے کے لئے کہا۔ گہنانم نے یہ حکم سن کر دلربا مسکراہٹ کے ساتھ جام کا ایک گھونٹ حلق سے اتار لیا۔ ہلاکو خان یہ دیکھ کر ہنس پڑا اور اس نے جام اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ رقص وسرود کی محفل کافی دیر تک جاری رہی۔ درباری امراٗ کی نگاہیں گہنانم کے بدن سے کھیلتی رہیں۔ محفل کے اختتام پر ہلاکو خان نے طائفے کے افراد کو بھاری انعام واکرام سے نوازا اور گہنانم کو

شاہی مہمان خانے میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر درباری امرأ کے چہرے بجھ سے گئے کیونکہ وہ جو کچھ سوچ رہے تھے قاآن اعظم نے ان پر پانی پھیر کر رکھ دیا تھا۔ ہلاکو خان گہنانم سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے لمحہ بھر میں فیصلہ کرلیا کہ ایسی نادر کنیز اسی کی ملکیت میں ہونا چاہئے۔

گہنانم نے ہلاکو خان کے حکم کی تعمیل کی اور مہمان خانے کی راہ لی۔ شیخ رضی الدین اور طائفے کا امیر بھی اس کے ہمراہ تھے۔ شام کے وقت اچانک گہنانم کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر رضی الدین اور امیر دونوں پریشان ہوگئے۔ انہوں نے استفسار کیا تو گہنانم تلخی سے مسکرائی۔

''کچھ ہی دیر میں حقیقت کھل جائے گی۔ تم دونوں فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ کیونکہ میں نے شیخ الرئیس کا کام مکمل کر دیا ہے''۔

''کک...... کیا مطلب؟'' شیخ رضی الدین چونک کر بولا۔

''قاآن اعظم کو دیئے جانے والے اس آخری جام میں میں نے زہر ملا دیا تھا جس کا ایک گھونٹ مجھے بھی پینا پڑا۔ میری قربانی ضروری تھی ورنہ شیخ الرئیس کا کام ادھورا رہ جاتا''۔ گہنانم نے کہا۔ یہ سن کر وہ دونوں سناٹے میں آگئے۔

''زہر...... ! مگر تمہارے پاس تو کچھ نہیں تھا''۔ شیخ رضی الدین تیزی سے بولا۔

''میرا یہ ناخن زہر آلود ہے جسے میں نے شراب کے جام میں پھیر دیا تھا''۔ گہنانم نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ زہر سریع الاثر ضرور ہے مگر اس کا اثر چوبیس گھنٹوں کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا مگر مجھے لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ میری طبیعت جیسے خراب ہو رہی ہے یقیناً قاآن اعظم کی طبیعت بھی خراب ہو چکی ہوگی''۔

گہنانم کی بات سن کر امیر نے شیخ رضی الدین کو ٹہوکا مارتے ہوئے اشارہ کیا کہ ان کے پاس وقت بے حد کم ہے مراغہ سے نکلنا آسان کام نہیں ہوگا۔ شیخ رضی الدین کو جیسے ہوش آگیا۔ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر گہنانم کی عظمت کو سلام کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا۔ گہنانم کی نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے منہ سے ہلکی سی سسکی برآمد ہوئی۔ شیخ رضی الدین کا خنجر گہنانم کے سینے میں اتر چکا تھا۔ طائفے کا امیر یہ دیکھ کر خوفزدہ دکھائی دیا کیونکہ وہ جس جگہ موجود تھے وہاں ایسی واردات کا کرنا بے حد خطرناک کام تھا۔

''راز اگر راز ہی رہے تو ہی اچھا ہے''۔ شیخ رضی الدین نے دھیمے انداز سے کہا اور اپنے ساتھی کے ساتھ شاہی محل سے نکل آیا۔

❁ ❁ ❁

ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شہر کی رونقیں نیند کی آغوش میں اُتر کر خواب خرگوش کے مزے اُڑا رہی تھیں۔ غالباً رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ تمام گلیاں اور بازار بالکل ویران ہوگئے تھے۔ ایسے میں ایک ہیولا محتاط قدم اُٹھاتا ہوا گلیوں میں سے نمودار ہوا، اس کی تیز رفتار چال سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی مرد ہے۔ وہ کچھ دور پہنچ کر لمحہ بھر کے لئے ٹھہر جاتا اور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں جانب کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا۔ جب اسے کسی قدر تسلی ہو جاتی تو وہ پھر تیزی سے آگے کی جانب بڑھتا۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک یونہی جاری رہا۔ کبھی کبھار کتوں کی بھونکنے کی آوازیں بھی اسے سنائی دیں، شاید وہ اجنبی آہٹ محسوس کر چکے تھے۔ وہ تاریک سایہ سفر کرتا ہوا ایک چھوٹی سی عمارت کے پاس آکر رُک سا گیا۔ اس کی نگاہوں نے ایک بار

پھر اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ کسی ذی روح کو قریب نہ پا کر وہ سرعت سے عمارت کی بغلی دیوار کے نیچے دبک کر بیٹھ گیا۔ وہ یوں جامد ہو چکا تھا جیسے وہ کوئی زندہ انسان نہیں بلکہ دیوار کا ہی کوئی حصہ ہو۔ کافی دیر تک وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ اسی اثناء میں اسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے، کوئی تہجد کے لئے اذان دے رہا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ عمارت کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اجنبی دیوار سے چپکا ہوا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ادھیڑ عمر شخص سست روی سے چلتا ہوا سامنے ایک چھوٹے سے حوض کے قریب پہنچا اور ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہوگیا۔ اجنبی سایہ سمجھ گیا تھا کہ وہ یقیناً نماز کے لئے وضو کر رہا ہے۔ اسے شاید اسی گھڑی کا انتظار تھا۔ وہ تیزی سے دیوار کی آڑ سے نکلا اور دبے قدموں عمارت کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی عقابی نگاہیں نہ صرف عمارت کے اس مکین کو حصار میں لئے ہوئے تھیں بلکہ گردوپیش پر پوری طرح گڑی ہوئی تھیں۔ اسے دروازے کے دوسری طرف پہنچنے میں ذرا سی دشواری پیش نہیں آئی۔ عمارت کا ابتدائی حصہ ایک چھوٹی سی راہداری پر مشتمل تھا جہاں مشعل کی لو کسی قدر روشنی کئے ہوئے تھی۔ اجنبی راہداری میں نپے تلے قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا راہداری کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دروازے تھے جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ راہداری میں کئی قسم کے خراٹوں کی آوازیں گونجتی سنائی دیں۔ اجنبی کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی توقع کے مطابق اس عمارت کے مکین نیند کے مزے لوٹنے میں محو تھے۔

وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا راہداری کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ یہاں اسے آہنی دروازہ دکھائی دیا، جس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی اس نے کھڑکی میں سے دوسری جانب جھانکنے کی کوشش کی مگر کچھ دکھائی دیا کیونکہ دوسری جانب گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر آہنی دروازے کا جائزہ لینے لگا۔ دروازہ ایک بڑے گز (ہوڑے) کی مدد سے بند کیا گیا تھا اور اس گز کے کنارے پر سوراخ کے ذریعے ایک چھوٹی سی زنجیر نما بیڑی کے ساتھ اسے آہنی حلقے میں پرو دیا گیا تھا۔ اجنبی نے اپنے لباس میں سے ایک چھوٹا سا خنجر نکالا جس کی نوک آگے سے کسی قدر خم دار دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت میں آئے اور اس نے خنجر کا نوک بیڑی کے کڑے میں ڈال کر مخصوص انداز میں جھٹکے دینا شروع کر دیئے چند ہی لمحوں میں کڑے کا جوڑ کھل گیا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلتے رہے اور جلد ہی وہ بیڑیوں کے بنیادی کڑے کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے انداز سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اس کام میں خاصی مہارت حاصل ہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ راہداری سے منسلک تمام کمروں میں لوگ موجود تھے اور باہر وضو کرنے والا ادھیڑ عمر شخص کسی بھی وقت واپس لوٹ سکتا تھا۔ شاید اس کی توجہ اس جانب سے ہٹ کر مکمل طور پر اس کام میں مرتکز ہو چکی تھی۔ اس نے محتاط انداز میں آہنی دروازے کا گز اُتارا اور ایک طرف زمین پر ڈال دیا۔ پھر دروازے کو مخصوص انداز میں زور لگا کر پیچھے کی طرف دھکیلتا چلا گیا۔ دروازہ کھلنے کی خفیف سی آہٹ پیدا ہوئی مگر اس سے کسی کی نیند ٹوٹنے کا امکان نہیں تھا۔ پھر بھی اجنبی نے عقبی جانب مڑ کر عمارت کے مکینوں کی مدہوشی کا کسی قدر جائزہ لیا۔ اطمینان پانے کے بعد اس نے راہداری میں موجود ایک مشعل اُتاری اور سرعت سے اندر داخل ہوگیا۔ اندر کی تاریکی کٹنے لگی۔ اس کی نگاہیں اندرونی منظر کو تاکنے میں مصروف تھیں۔ یہ ایک اور راہداری تھی جس کے اطراف میں بالکل اسی انداز کے کمرے دکھائی دیئے جیسے کہ باہر موجود تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ بیرونی دروازوں پر محض پردے پڑے ہوئے تھے جبکہ ان کمروں میں دروازے لگائے گئے تھے۔ وہ تیزی سے ایک ایک کر کے دروازوں کے اندر جھانکنے لگا۔ یہ دروازے لوہے کے بنے ہوئے تھے اور

ان کے بالائی حصے میں ایک چھوٹا سا طاق بنا ہوا تھا جہاں سے اندر دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ طاق اس قدر چھوٹا تھا کہ اسے اندر کے حالات کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ اگر وہ مشعل وہاں رکھتا تو اندر دیکھنے کے لئے جگہ نہیں بچتی۔ اس نے بمشکل کمروں کا جائزہ لیا۔ اس کی یہ محنت جلد ہی رنگ لے آئی اور وہ اس کمرے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی تلاش میں وہ اس بکھیڑے میں پڑا تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر بھی ویسا ہی گز موجود تھا۔ وہ گز اس کے ہاتھوں کی کاریگری کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ وہ کچھ ہی لمحوں میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کمرے میں مختصر سا سامان موجود تھا۔ جس میں ایک گھڑا، مٹی کا پیالہ اور دو چار خالی پلیٹیں شامل تھیں۔ ایک طرف چٹائی پر کوئی گہری نیند سو رہا تھا۔ اجنبی نے مشعل کی روشنی اس کے چہرے کی جانب بڑھائی۔ چہرے پر روشنی پڑتے ہی سوئے ہوئے فرد کی پلکوں میں تیز حرکت پیدا ہوئی۔ اجنبی شخص کے چہرے پر مطلوبہ صورت دیکھ کر عجب سی سرشاری عود کر آئی اور اس کے چہرے پر کسی قدر اطمینان سا پھیل گیا۔ نیند میں ڈوبا ہوا چہرہ ایک عورت کا تھا جس پر معصومیت اور کرختگی کا ملا جلا تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس عورت کے چہرے کو بلا مقصد تکتا رہا پھر اجنبی کو جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے عورت کے کندھے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے دھیمے انداز میں سرگوشی کی۔

''اٹھو گل دتوڑ...... یہ سونے کا وقت نہیں ہے''۔

اجنبی کی تھوڑی سی کوشش سے گل دتوڑ آنکھیں مسلتی ہوئی بیدار ہو گئی۔ آنکھیں کھول کر تعجب سے اس نے اپنے قریب کسی کی موجودگی محسوس کی۔ وہ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کون تھا اور اس کے پاس کیا کر رہا تھا؟ کیونکہ وہ تو کوتوالی کے زندان میں مقید تھی۔

''کون ہو تم......؟'' گل دتوڑ نے خوابیدہ لہجے میں دریافت کیا۔

''دھیمے لہجے میں بات کرو۔ میں تمہیں یہاں سے چھڑانے کے لئے آیا ہوں''۔ اجنبی شخص جلدی سے بولا۔ آزادی کی بابت سن کر گل دتوڑ کی آنکھوں میں تیز سی چمک پیدا ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ کانوں میں پڑنے والی شناسا سا آواز کو بھی پہچان گئی، وہ کوئی اور نہیں اس کا ماموں زاد شنگ خان تھا۔ جو کچھ دن پہلے اسے حماۃ کے سفر کے دوران تعاقب کرتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

''تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے؟'' گل دتوڑ کی نیند کافور ہو چکی تھی۔

''تم جو کچھ جاننا چاہو گی میں سب سوالوں کا جواب دوں گا۔ فی الحال باتوں میں وقت ضائع مت کرو، ہمارے پاس صرف چند لمحے باقی رہ گئے ہیں، اگر وہ ہاتھ سے نکل گئے تو میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا''۔ شنگ خان اس کا بازو کھینچتا ہوا تیزی سے بولا۔

اس کی بات سن کر گل دتوڑ کے چہرے پر ناپسندیدہ تاثر پھیل گیا۔ معاملہ چونکہ آزادی کا تھا اس لئے گل دتوڑ نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر اس کے ساتھ جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شنگ خان اسے ہمراہ لے کر محتاط انداز میں صدر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ جونہی شنگ خان کا ہاتھ صدر دروازے کو کھولنے کے لئے اُٹھا، اسی وقت وہ ادھیڑ عمر شخص دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ اپنے سامنے ان دونوں کو دیکھ کر ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ وہ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر خوف و حیرت نے اس کی زبان ہی گنگ کر دی۔ شنگ خان اس کی اچانک آمد پر گڑبڑا کر رہ گیا لیکن دوسرے لمحے غیر شعوری انداز میں اس کے ہاتھ میں حرکت پیدا ہوئی اور کھڑے ہاتھ کا وار ادھیڑ عمر شخص کی گردن کے پہلو پر پڑا۔ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ شنگ خان نے تیزی سے اس کے گرتے ہوئے بدن کو سنبھالا دیا اور نہایت آہستگی سے اسے زمین پر ڈال

دیا۔ شنگ خان کا چہرہ پُرسکون ہو گیا۔ اب کوئی خطرہ نہیں تھا لہٰذا دوسرے لمحے وہ دونوں کوتوالی کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ والئ شہر کی نرمی اور ڈھیل گل دتوڑ کی زندگی کا باعث بنی تھی تو شنگ خان کی بدولت وہ قید و صعوبت سے آزاد ہو چکی تھی۔

❀❀❀

مراغہ میں جب ہلاکو خان کی وفات کا سرکاری طور پر اعلان ہوا تو ہر طرف قیامت سی مچ گئی آہ و بکا کی صدائیں گونجیں، خصوصاً نصرانیت کے حامیوں کے چہرے اتر گئے۔ لوگ قاآن اعظم کی موت کی وجہ جاننے کے لئے بے چین تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ اعلیٰ قیادت نے تمام معاملے کو سمیٹ کر صیغۂ راز میں رکھا۔ جس رات شاہی محل میں گمنام کا پُراسرار قتل ہوا تھا، اسی رات کو ہلاکو خان کی طبیعت بگڑی اور شاہی طبیبوں کی بے انتہا کوشش کے باوجود کوئی چارہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ ہلاکو خان بستر مرگ پر کڑی تکلیف سے نبرد آزمائی کے بعد زندگی کی جنگ ہار گیا۔ وہ شخص جس کے رعب و داب کے سامنے بے شمار گردنیں سرنگوں رہتی تھیں، نامی گرامی سلطان اطاعت و دوستی کا دم بھرتے تھے۔ جس کا حکم سلطنت منگولیا نہ میں سکے کی مانند چلتا تھا۔ جس نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لئے خراسان سے لے کر ارض فلسطین تک تمام آبادیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ زہر کی ایک بوند کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔ جب ہلاکو خان کا مردہ جسم نیلا پڑنے لگا تو طبیبوں کو اندازہ ہوا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ ایک نئے سوال نے سر اُٹھایا کہ زہر کس نے دیا ہوگا؟ اعلیٰ قیادت کے افراد شش و پنج میں پڑے رہے۔ کچھ لوگوں کا خیال گمنام کی جانب گیا مگر اس کو باقاعدہ طور پر قتل کیا گیا تھا جو کہ کسی دوسری سازش کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ کچھ افراد نے گمنام کے قتل کا الزام ہلاکو خان کے سر پر ڈال دیا کوئی واضح صورت سامنے نہ آ پائی تو سب نے مل کر یہی فیصلہ کیا کہ ہلاکو خان کی موت کا اعلان کر دیا جائے اور اسے طبعی قرار دیا جائے۔ زہر کی بابت فی الوقت کوئی شوشہ نہ چھوڑا جائے ورنہ انتشار پھیل جائے گا اور شاہی افراد ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا کر قتل و غارت پر اتر آئیں گے۔ یہ فیصلہ وقت کی نزاکت کے لحاظ سے درست تھا۔ ہلاکو خان کی موت کے اعلان کے بعد تاتاری رسومات کا آغاز کیا گیا۔ بڑی شان و شوکت سے ہلاکو خان کو نصرانی مذہب کے مطابق دفنا دیا گیا۔ زہر کی بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہی اور کسی نہ کسی طریقے سے عام لوگوں تک پہنچ گئی۔ چونکہ زہر دینے والے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لہٰذا بھانت بھانت کے قصے لوگوں کی زبان پر عام ہو گئے۔ منگولوں کی اکثریت اس خیال کی حامی تھی کہ ہلاکو خان کو چالاک مسلمانوں نے زہر دیا ہے کیونکہ ہلاکو خان عالم اسلام کے لئے شدید خطرہ بنا ہوا تھا جبکہ ایک حلقہ اس زہر خورانی کا الزام سلطان بیبرس کے سر پر تھوپ رہا تھا بعد میں یہی متضاد الزامات اور خیالات نصرانی تاریخ کا حصہ بن گئے کوئی اصل وجہ نہیں جانتا تھا کہ ہلاکو خان کو زہر کس نے دیا۔ مشہور نصرانی مؤرخ گریگوریوس یوحنا ابوالفرج بن ہارون معروف بہ ابن العبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الدول'' میں لکھا ہے کہ ہلاکو خان کی بے وقت موت نے پوری عیسائی دُنیا کو پژمردہ اور رنجیدہ کر دیا۔ مسیحیت کے حامی بلادِ مصر کی مضبوط حکومت کا خاتمہ چاہتے تھے اور یہ مراد صرف ہلاکو خان جیسی بہادر و جنگجو شخصیت کے ہاتھوں ممکن تھی جس کا دل حقیقی معنوں میں نصرانیت کے لئے دھڑکتا تھا۔ یہی وجہ تھی ساری عیسائی دنیا کو اس قیمتی محافظ کی موت کا شدید صدمہ ہوا۔ ایک دوسرے نصرانی مؤرخ اسٹیفین ارفلین نے ہلاکو خان کی موت کا ماتم ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''شہنشاہ، دنیا کا تاجدار و مالک، عیسائیوں کا بیش قیمت آسرا، 1264ء میں زہر کی بے بسی کے ہاتھوں مر گیا''۔ ہلاکو خان کی ہلاکت کی خبر جلد ہی سلطان بیبرس تک پہنچ گئی۔ سلطان بیبرس نے مسلمانوں کے ایک خوفناک دشمن کے مرنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور شکر ادا کیا اور اس موقعہ کو

مناسب سمجھتے ہوئے شریر نصرانیوں پر گہری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ گمنام کا معاملہ ہمیشہ کے لئے اسرار کے پردوں میں چھپ گیا۔ شیخ رضی الدین الساقی بآسانی اپنے ساتھیوں سمیت مراغہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ ہر طرف ہلاکو خان کی ناگہانی وفات کے باعث جمود سا طاری تھا۔

❀ ❀ ❀

گل دتوژ کو قید خانے سے کامیابی سے نکالنے میں شنک خان کی دن رات کی کڑی محنت کا ہاتھ تھا۔ وہ کئی دن تک لگاتار کوتوالی کے گرد چکر کاٹ کر جائزہ لیتا رہا۔ وہاں موجود افراد کی تعداد، ان کے نکلنے اور داخل ہونے کے اوقات، حتیٰ کہ رات کے وقت ان کی مصروفیت اور غفلت کا پورا حساب اسے ذہن نشین ہو چکا تھا۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا کہ ہفتے کے آخری دن میں سپاہی شدید غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سکون کی نیند سوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گل دتوژ کو بآسانی وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہو گیا۔ والیٔ شہر نے گل دتوژ کا جو کڑا انتظام کر رکھا تھا وہ ان غافل سپاہیوں کی بدولت دھرے کا دھرا رہ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ گذشتہ شام شنک خان نے اپنے دوستوں کے ساتھ جو منصوبہ تیار کیا تھا وہ محض فریب تھا کیونکہ اسے اتفاقاً یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے دونوں دوست فدائی پیشکش کے سامنے سرنگوں ہو چکے ہیں اور وہ شنک خان کی بابت معلومات انہیں فراہم کر کے رقم کما رہے تھے۔ شنک خان نے نہایت سوچ بچار کے بعد یہ لائحہ عمل مرتب کیا کہ فدائیوں کی توجہ کا محور غلط رُخ میں موڑ کر فائدہ اُٹھایا جائے اسی لئے شنک خان نے نقلی منصوبہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے انہیں کسی حد تک مطمئن کر کے خود سے دور کیا۔ اس کی عقابی نگاہوں نے پہلے ہی دن سے فدائی افراد کو اپنی نگرانی کرتے ہوئے تاڑ لیا تھا۔ شنک خان کی بھرپور خواہش تھی کہ جب وہ گل دتوژ کو کوتوالی سے نکالنے کی کوشش کرے تو کم از کم اس بات کی بھنک فدائیوں کو نہ ہونے پائے۔ شنک خان اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ رات کی تاریکی میں وہ گل دتوژ کو ساتھ لے کر محتاط انداز میں سیدھا عبداللہ مندری کے گھر چلا آیا۔ عبداللہ مندری غافل سو رہا تھا۔ اس اسے بات کی خبر نہ ہوئی کہ کس وقت شنک خان وہاں سے نکل کر کوتوالی پہنچا اور کب واپس لوٹ آیا؟ گل دتوژ تمام راستے خاموش رہی۔ محفوظ مقام پر پہنچنے پر اس کے لبوں میں حرکت پیدا ہوئی۔

''شنک خان! آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟ حماۃ میں داخلے کے وقت تم دور رہ کر تعاقب کرتے رہے اور قاضی پر حملے کے دوران تم نے بہروپ بدل کر مجھ پر حملہ کیا اور اب تم مجھے قید خانے سے نکال لائے ہو۔ اس متضاد رویے کو میں کیا نام دوں؟''

''آہستہ بات کرو۔ میرا محسن سو رہا ہے اور میں نہیں چاہتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے''۔ شنک خان نے سرگوشی نما انداز میں کہا۔ ''یہ سچ ہے کہ میں تمہارا تعاقب کرتا ہوا حماۃ پہنچا ہوں مگر یہ صریحاً الزام ہے کہ میں قاضی کی عدالت میں گیا تھا اور میں نے تمہاری مہم ناکام بنائی۔ تم شاید یقین نہیں کرو گی کہ میں تو اس گھر میں ڈیڑھ ماہ سے بے ہوش پڑا رہا۔ اگر میں ہوش میں ہوتا تو قسم جاودانی آسمان کی ...... تمہیں یہ مہم کرنے ہی نہ دیتا۔ گل دتوژ تم جس رستے پر چل نکلی ہو وہ صرف اور صرف بربادی کی جانب ہی جاتا ہے، شاید تم یہ بھی نہیں جانتی کہ اگر آج میں تمہیں قید خانے سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوتا تو ٹھیک تیسرے دن کا سورج تمہیں دیکھنا نصیب نہ ہوتا''۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' گل دتوژ بھنویں سکیڑ کر بولی۔

''تمہاری سزا صرف اس لئے موقوف کی گئی تھی کہ قاضی کی صحت یابی مکمل ہو جائے اور وہ عدالت لگا کر

تمہارے مقدمے کا فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ کل صبح ہونے والا ہے کیونکہ قاضی نہ صرف پوری طرح تندرست ہو چکا ہے بلکہ آج وہ عدالت بھی گیا تھا''۔ شنک خان نے متنبہ کرتے ہوئے بتایا۔ گل دتوژ کو اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا؟ اسے تو یہ بات کھائے جا رہی تھی کہ اس کے پُرقوت وار کی بدولت لگنے والے گھاؤ کے باوجود قاضی ابن واصل کیونکر زندہ بچ گیا۔ درحقیقت اس کا زندہ رہ جانا ہی گل دتوژ کی پہلی ناکامی کا ثبوت تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی ہو؟'' شنک خان نے ڈھیلے انداز میں کہا۔

''ناکامی...... ناکامی...... سے مجھے سخت چڑ ہے۔ اس لفظ نے میری زندگی کو کڑے عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ منحوس سرائے سے لے کر حماۃ تک میرے تعاقب میں ہے، ہر بار میری ہمت توڑ دی جاتی ہے۔ کیا میں زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤں گی......؟'' گل دتوژ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس کا شکستہ لہجہ اسے پہنچنے والے صدمے کی عکاسی کر رہا تھا۔

''تمہاری اس ناکامی میں تمہارا اپنا ہی ہاتھ ہے، تم نے اقدار و روایات سے بغاوت کی اور ایک مسلمان سے محبت کر کے نہ صرف تم خود دربدر ہو گئی ہو بلکہ تم نے اپنے کنبے کو بھی بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے تمہارا باپ تونائی خان قتل ہو گیا اور تم اس کی پاداش میں محلاتی سازش کا شکار ہو کر رہ گئی۔ اگر تونائی خان بھرے دربار میں تمہارے عاشق کی مخالفت نہ کرتا تو یہ نوبت پیدا ہی نہ ہوتی۔ تمہاری وجہ سے میرا دادا منک آنہ قبیلے کی سرداری سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ قبیلہ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ تمہیں آخری رسم کی سزا دی جائے جس کے آگے وہ جھکنے پر مجبور ہو گیا اس نے مجبوراً تمہیں سزا دی مگر ساتھ ہی مجھے روانہ کیا کہ میں تمہیں تاریک غار سے نکال کر کہیں دور لے جاؤں، جب حالات بہتر ہو جائیں گے تو تمہیں واپس بلا لیا جائے گا مگر اس مہربانی کا راز منکشف ہو گیا۔ تمہاری وجہ سے تمہارے بھائیوں کے شاہی منصب ختم ہو گئے وہ آج کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں...... یہ سب کس کا کیا دھرا ہے؟...... ذرا خود سوچو گل دتوژ!...... یہ سب تمہاری غلطی تھی۔ تم مجھے صرف اس سوال کا جواب دے دو کہ تمہارا عاشق اگر واقعی تم سے سچی محبت کرتا تھا تو وہ آج تک تمہارے پیچھے کیوں نہیں آیا؟''

جذبات کی رو میں بہتا ہوا شنک خان کا چہرہ سرخ دکھائی دیا۔ اس نے گل دتوژ پر نفسیاتی واؤ پھینکا تھا۔ جس کا کسی قدر اثر گل دتوژ کے چہرے پر جھلک رہا تھا۔ اس کے تخیل میں اپنے باپ تونائی خان کی صورت جھانکنے لگی۔ بھائیوں کی یاد نے پل بھر کے لئے اسے بے چین سا کر دیا پھر ذہن کے کسی گمنام خانے سے مطیع الدین کا شرارتی چہرہ نکل کر قرطاسِ تخیل پر آ دھمکا اور اس کا منہ چڑانے لگا گو کہ اس کے نقوش کسی قدر دھندلا چکے تھے مگر پوری طرح مٹ نہیں پائے تھے۔ شنک خان اس کے چہرے کے تغیرات کو دیکھتا رہا۔ گل دتوژ جذباتیت میں ڈوبی ہوئی دکھائی دی پھر اچانک اس کا چہرہ پُرسکون سا ہونے لگا۔ شنک خان کے چہرے پر تفکرات پھیلنے لگے۔

''شنک خان!'' گل دتوژ کاٹ دار لہجے میں بولی۔ ''تم نے مجھے قید خانے سے نکالا۔ اس کا بہت شکریہ...... مگر میں نے جس بغاوت کا آغاز کیا تھا وہ مقصد ابھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا۔ تم واپس سرائے لوٹ جاؤ اور یہ بات یاد رکھنا کہ آج کے بعد تم مجھے کبھی نہیں ملو گے۔ اس بات کو بھی اپنے دل سے نکال دو کہ میرا میلان کبھی تمہاری طرف ہوگا۔ میں اب جانا چاہتی ہوں، اگر تمہیں کچھ کہنا ہے تو کہہ دو''۔

''مگر تم اب کہاں جاؤ گی......؟'' شنک خان تڑپ کر بولا۔

''اس بات کو رہنے دو...... یہ میرا سر درد ہے''۔ گل وقوژ کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔

''گل وقوژ! قسم جاودانی آسمان کی! میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور میں تمہارے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہارے تعاقب میں رہتا ہوں اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا کہ تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر واپس لوٹ جاؤں...... تم اس راہ کو چھوڑ دو اور واپس چلو۔ ہم دونوں ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں گے...... خوش وخرم اور اطمینان بخش''۔

''شنگ خان! تم کب سے خواب دیکھنے لگے ہو؟ میں تو سمجھتی تھی کہ تمہاری رگوں میں جوشیلا تاتاری خون دوڑ رہا ہے مگر اس کی حرارت دم توڑتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے''۔ گل وقوژ نے طنز کیا۔

''گل وقوژ! محبت بہادروں کو بھی گیدڑ کر دیتی ہے اور میں اس مرض کا شکار ہوں''۔

''شنگ خان تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ مجھے اب چلنا چاہئے''۔ گل وقوژ دوٹوک انداز میں بولی۔

اس کی بات سن کر شنگ خان کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ شنگ خان دونوں بازو پھیلا کر آگے بڑھا۔ شاید وہ گل وقوژ کو روکنا چاہتا تھا۔ گل وقوژ اس کے انداز سے بھانپ گئی کہ وہ اسے آسانی سے جانے نہیں دے گا۔ اسی لمحے گل وقوژ کا ہاتھ حرکت میں آیا اور شنگ خان کے پہلو میں لٹکا ہوا خنجر اس کے قبضے میں آ گیا۔ شنگ خان ابھی سنبھلا نہ تھا کہ گل وقوژ نے سفاکی سے خنجر کا پھل اس کے سینے میں اتار دیا۔ شنگ خان کے لبوں سے ہلکی سی کراہ نکلی اور وہ اپنے سینے کو دونوں ہاتھوں سے تھامتا ہوا واپس بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا کرب عیاں تھا۔ وہ سابقہ بے ہوشی اور رزان کے زخم کی بدولت پہلے ہی نقاہت کا شکار تھا کہ سینے میں گھونپا ہوا خنجر اس کی مدافعت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کی آنکھوں میں کئی سوال تھے جو گل وقوژ سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ مگر گل وقوژ کے چہرے پر کرختگی اور سفاکیت پھیلی ہوئی تھی اسے شنگ خان کو ہلاک کرنے کا قطعی کوئی رنج نہیں تھا۔ خنجر زنی کی وہ تربیت جو گل وقوژ نے اسی سے حاصل کی تھی آج اس کا نشانہ شنگ خان خود بن چکا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ گل وقوژ اس حد تک اتر آئے گی۔ وہ خود کو جواب دینے کی کوشش کرنے لگا کہ یقیناً یہ گل وقوژ وہ نہیں ہے جو کہ اس کی پھوپھی زاد تھی۔ یہ تو ایک سفاک قاتلہ تھی جس کے لیے انسانی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ شنگ خان نے کوشش کی کہ وہ خنجر نکال لے مگر موت نے اسے یہ مہلت ہی نہیں دی۔ اس کی کھلی ہوئی نگاہیں پتھرا سی گئیں اور سانس کا ربط ٹوٹ گیا۔ اسی وقت گل وقوژ کے کانوں میں فجر کی اذان کی صدا پڑی تو وہ چونک پڑی۔ اس نے ایک جانب پڑی ہوئی ایک بڑی سی چادر اُٹھائی اور بدن پر اچھی طرح لپیٹ کر تیزی سے عبداللہ مندری کے گھر سے باہر نکل گئی۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس نے 664ھ بمطابق 1265ء کے آغاز پر تمام افواج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس نے خاص سالاروں کو آگاہ کر دیا کہ وہ صلیبی قلعوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس حملے کے دو اہم اسباب تھے۔ ایک سبب تو صلیبی سرداروں کی جانب دمیاط کے دارالصناعۃ کو نقصان تھا جس کے باعث بحری بیڑوں کا کام تعطل کا شکار ہو چکا تھا اور دوسرا سبب ان کے مسلمان آبادی پر حملے تھے۔ وہ حسب عادت مسلح ہو کر اسلامی شہروں میں داخل ہوتے اور وہاں کے والی کو قتل کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے۔ اس سے پہلے کہ اس علاقے میں کوئی کمک روانہ ہو پاتی، وہ مسلمانوں کے قتل کا مذہبی فریضہ انجام دے کر واپس لوٹ جاتے۔ سب سے اہم وجہ نصرانیوں کے اہم مددگار ہلاکو خان کی موت تھی جس کے غم وصدمے سے وہ لوگ دوچار تھے۔ ایسے میں سلطان بیبرس کا حملہ ان پر ویرپا دھاک بٹھا سکتا تھا۔ سلطان بیبرس عسکری تیاریاں مکمل ہونے پر مملوک افواج

کے ساتھ طوفانی انداز میں قاہرہ سے نکلا۔ اس بار صلیبی مخبری کا نظام زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو پایا اور صلیبی سردار سلطان بیبرس کی مہم سے بروقت آگاہ نہ ہو سکے۔ سلطان بیبرس حسب عادت ایک طویل چکر کاٹ کر بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر موجود ایک مضبوط صلیبی قلعے کے سامنے نمودار ہوا۔ یہ قلعہ قیساریہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ تاریخی شہر ایک اہم بندرگاہ تھی جس کا صلیبی زنجیر کو قائم رکھنے میں بڑا اہم مقام تھا۔ اسلامی لشکر کو اپنے قلعے کے سامنے دیکھ کر صلیبی سرداروں نے ہمت نہیں ہاری اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ انہیں توقع تھی کہ دوسری جانب سے بحری راستوں سے انہیں رسد حاصل ہوتی رہے گی اور طوالت کی وجہ سے بالآخر سلطان بیبرس خود ہی تنگ آ کر محاصرہ اُٹھا لے گا۔ سلطان بیبرس نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حکم دیا کہ مجاہدین محاصرے کے جھنجٹ میں نہ پڑیں بلکہ مسلسل حملوں کا سلسلہ جاری رکھیں۔ قیساریہ کے بلند وبالا برجوں پر صلیبی سپاہی موجود رہتے اور وہ اسلامی لشکر کو فصیل پر چڑھنے سے روکتے۔ مجاہدین نے ایک تیرانداز دستہ ان سے نبٹنے کے لئے مخصوص کر دیا وہ موقعہ پاتے ہی ان پر تیروں کی بارش برسائے رہتا۔ اسلامی لشکر اپنے سلطان کے ساتھ بے حد پُرجوش دکھائی دیتا تھا۔ سپاہیوں نے اپنی غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حملوں میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ صلیبی سرداروں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ کھلے مقابلے پر آ جاتے۔ سات دن کی مسلسل جھڑپ ایک فیصلہ کن جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے بلند وبالا حوصلوں سے ایسے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے میدان میں اترنے سے صاف انکار کر دیا۔ صلیبی سردار اس نئی صورت حال سے پریشان ہو گئے۔ بالآخر یہی طے پایا کہ ہتھیار ڈال کر سلطان بیبرس سے امان طلب کی جائے۔ سلطان بیبرس نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے ان سرداروں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ خالی کر کے سمندر کے راستے نکل جائیں، ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ صلیبی سپاہیوں کے پاس اتنی کشتیاں نہیں تھیں کہ وہ سب کے سب فرار ہو جاتے۔ وہ فرار ہونے کے لئے آپس میں ہی بھڑ پڑے۔ بے شمار صلیبی افراد خانہ جنگی کے باعث ہلاک ہو گئے۔

قیساریہ کی نصرانی رعایا نے قلعہ کا دروازہ سلطان بیبرس کے لئے کھول دیا اسلامی لشکر نے قلعہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے سلطانی ہدایت کے مطابق اندرونی جنگی قلعہ مسمار کر دیا۔ اس کی بنیادیں کھود کر برابر کر دی گئی تا کہ اس کی دوبارہ تعمیر نہ ہو سکے۔ تمام سامان حرب قبضے میں لے لیا گیا۔ قلعے کے آباد شہری حصے کو حکم دیا گیا کہ وہ سکونت ترک کرتے ہوئے یہ مقام خالی کر دیں اور کسی دوسرے آباد شہر میں چلے جائیں۔ سلطان بیبرس نے سابقہ سلطانوں کے مطابق رعیت سے نرمی کا سلوک کیا اور جنگجو افراد کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا گیا۔ سلطان بیبرس نے اس قلعے کو تسخیر کر کے اس آہنی زنجیر میں گہرا شگاف ڈال دیا تھا جو کہ صلیبی جنگجوؤں کی محافظ خیال کی جاتی تھی۔ بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگجوؤں نے بے شمار قلعے تعمیر کر رکھے تھے جن کا عموماً رُخ خشکی کی جانب رکھا جاتا تھا۔ اس کا دفاعی فائدہ یہ تھا کہ اگر دشمن خشکی کی جانب سے ان کے قلعے کا محاصرہ کر لے تو سمندر کا راستہ بہرحال کھلا رہے۔ سمندر ہی وہ واحد ذریعہ تھا جس کی بدولت ان کا اہل مغرب سے رابطہ برقرار رہتا تھا۔ وہاں سے تازہ دم جنگجو، آلات حرب اور اشیائے خوراک کی کمک بآسانی قلعے میں پہنچ سکتی تھیں۔ ان تمام بندرگاہوں کے مدخلوں پر بڑے بڑے برج تعمیر کئے گئے تھے جس کے باعث خشکی کی جانب موجود افراد کا رابطہ سمندر سے کٹ جاتا تھا۔ برجوں کا سلسلہ بے حد طویل تھا جو کہ تمام قلعوں کو آپس میں مربوط ومنضبط کئے ہوئے تھا۔

قیساریہ صلیبی جنگجوؤں کے دفاعی سلسلے کی پہلی کڑی تھی جو کہ سلطان بیبرس کی شمشیر خارا شگاف سے

ایک ہی وار میں ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اعلیٰ و عمدہ استحکام کے صلیبی دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ سلطان بیبرس نے غیر معمولی ذہانت اور عسکری مہارت کا بیّن ثبوت مہیا کر دیا۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سات روزہ محاصرے کے دوران وہاں کے قلعہ بند صلیبیوں کو کسی دوسری جانب سے مطلق کسی قسم کی کوئی مدد نہ پہنچ پائی۔ اسی طرح قلعے کی تسخیر کے بعد سلطان بیبرس نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کے دفاعی استحکامات کو انداز سے اس طرح ملیامیٹ کر دیا کہ وہ اس قابل ہی نہ رہا کہ صلیبی جلد اسے دوبارہ استعمال کے قابل بنا پاتے۔ قیساریہ کی تباہی نے صلیبی حلقے میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی۔ قیساریہ کے صلیبی سردار محفوظ مقامات پر پہنچ کر اپنے مغربی آقاؤں سے مدد و معاونت کی استدعا کرنے لگے۔ سلطان بیبرس نے قیساریہ کی تباہی کے بعد اپنے لشکر کو جنوب کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ سلطانی افواج کی نقل و حرکت سے صلیبی قلعوں میں اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ سب لوگ اپنے طور پر تیاریاں کرنے لگے۔ سلطان بیبرس نے تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے مشہور قلعے ارسوف کا محاصرہ کر لیا۔ یہ نہایت ضدی اور کمینہ خصلت ہاسپیٹلرز کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ قیساریہ کے انجام کی خبر یہاں بھی پہنچ چکی تھی۔ اسلامی لشکر کو اپنے قلعے کے گرد دیکھ کر انہوں نے فوری طور پر قلعہ بندی کر لی۔ ان لوگوں نے پہلے سے ہی زبردست دفاعی تیاریاں کر رکھی تھی اس لئے سلطانی لشکر کو یہاں اپنا مقصد حاصل کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ قلعہ ارسوف کے محاصرین نے چالیس دن تک مسلسل پامردی سے مقابلہ کیا مگر خوراک کی قلت نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔ انہوں نے اپنے ہمدردوں کو خوراک کی کمی کے بارے میں آگاہ کیا مگر انہوں نے رسد فراہم کرنے سے صاف الفاظ میں انکار کر دیا کیونکہ اس وقت ہر کسی کو یہی دھڑکا لگا تھا کہ قلعہ ارسوف کے بعد سلطان بیبرس کہیں ان کی جانب ہی رُخ نہ کر لے اور وہ بھی خوراک کی قلت کا شکار ہو جائیں۔

سلطان بیبرس کو جلد ہی خبر مل گئی کہ قلعہ ارسوف میں خوراک کی کمی کے باعث انتشار پھیلا ہوا ہے، اس نے جانباز مملوک سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بیرونی فصیل میں تیز رفتاری سے اتنا بڑا شگاف ڈالیں کہ لشکر کا بڑا حصہ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائے۔ حکم کی تعمیل میں بے حد شدت دکھائی دی اور ایک روز کی کڑی محنت کے بعد بیرونی فصیل میں بڑا شگاف کر دیا گیا۔ سلطان بیبرس نے افواج کو شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر صلیبی دفاعی استحکامات کو روندتی ہوئی قلعے کے اندر گھس گئی۔ صلیبی سپاہیوں کی جب اس جانب توجہ ہوئی تو دیر ہو چکی تھی۔ انہوں نے مقابلے کی بہتری کوشش کی مگر مجاہدین کا جذبہ انتہا درجوں کو چھو رہا تھا۔ صلیبی جنگجوؤں کی مہارت ان کے جذبے کے سامنے حقیر پڑ گئی۔ قلعہ ارسوف پر قبضہ ہونے کے بعد اس کے ساتھ بھی وہی سلوک دہرایا گیا جو کہ سابقہ قلعے سے کیا گیا تھا۔ قلعہ کے استحکام کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ بلند و بالا فصلیں منہدم کر دی گئیں اور اس کے بلند و بالا برج خواب و خیال بن کر رہ گئے۔ سلطان کچھ دن یہاں ٹھہر کر اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسلامی لشکر دو اہم فتوحات کے بعد توقع کئے ہوئے تھا کہ یہ سلسلہ یونہی رکھا جائے گا اور مسلمانوں کی گردنوں پر موجود یہ صلیبی پھندا ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا جائے گا مگر سلطان بیبرس نے سوچ بچار کے بعد یہ اعلان کیا کہ انہیں واپس قاہرہ لوٹنا چاہئے۔ ان کی عبرت کے لئے اتنا ہی کافی ہے، امید ہے کہ صلیبی مزید سرکشی اور شرارتیں نہیں کریں گے اور نامناسب اقدامات سے گریز کریں گے۔ مجاہدین نے اپنے سلطان کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے مخالفت نہیں کی اور واپس قاہرہ کی جانب کوچ کیا۔

❀ ❀ ❀

''میرا نام ہی شیخ ابو صالح ہے، کہئے خاتون میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' وہ قریباً چالیس سال کا تھا۔ اس کے چہرے پر جا بجا چیچک کے داغ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ حیرت بھری نگاہوں سے چادر میں لپٹی ہوئی اس عورت کو دیکھ رہا تھا جس نے علی الصبح اس کے دروازے پر دستک دے کر اسے بیدار کیا تھا۔ ابھی صبح کی سپیدی بھی نمودار نہیں ہوئی تھی اور کہیں کہیں سے اذان کی صدا سنائی دے رہی تھی۔ چادر میں لپٹی ہوئی عورت نے گہرا سانس لیا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''میرے بارے میں آپ کو شیخ رضی الدین الساقی نے یقیناً آگاہ کر دیا ہوگا''۔

''گل خاتون!'' شیخ ابو الصالح کے چہرے پر حیرت و شناسائی کے ملے جلے تاثرات نمودار ہوئے۔

گل وتوژ نے اثبات میں گردن ہلائی تو اس نے سر نکال کر باہر کی طرف دیکھا۔ گلی میں کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ اس نے گل وتوژ کو تیزی سے اندر آنے کے لئے کہا۔ گل وتوژ گھر میں داخل ہو گئی۔ وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں ضروریاتِ زندگی کی قریباً تمام اشیاء موجود تھیں۔ شیخ ابو الصالح نے گل وتوژ کو ایک جانب پڑی ہوئی تپائی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ گل وتوژ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ شیخ ابو الصالح دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی اس کے ہمراہ اس کی بیوی اور ایک چھوٹا بچہ تھا۔ شیخ ابو الصالح نے اپنی بیوی سے گل وتوژ کا تعارف کرایا کہ یہ اس کے عزیز دوست رضی الدین کی رشتہ دار ہے چونکہ شیخ رضی الدین ان دنوں شہر سے باہر گیا ہے اسی لئے یہ ان کے پاس چلی آئی ہے۔ شیخ ابو الصالح کی بیوی نے گل وتوژ کو گلے لگایا اور خیریت دریافت کی۔ رسمی امور کے بعد شیخ ابو الصالح نے گل وتوژ کی جانب توجہ دی۔

''شیخ رضی الدین نے مجھے کڑی ہدایت کی تھی کہ اگر گل خاتون اس گھر تک چلی آئے تو سمجھ لینا ہے کہ اسے کوئی خاص ضرورت ہی اس در تک کھینچ لائی ہے۔ اب میرا فرض بنتا ہے کہ آپ کی پوری پوری مدد کر دوں۔ اب آپ بلا تکلف بیان کیجئے ...... غالباً آپ کی آمد کچھ ایسی ہی ضرورت کی طرف اشارہ کر رہی ہے''۔

''ابو الصالح! مجھے محفوظ انداز میں حماۃ سے باہر نکلنا ہے اور کم از کم شام کی سرحد تک سفر کے لئے زادِ راہ بھی چاہئے۔ کیا تم مجھے یہ فراہم کر سکتے ہو؟'' گل وتوژ خشک لہجے میں بولی۔

''اسی وقت؟'' شیخ ابو الصالح نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے پاس وقت بے حد کم ہے اور میں سورج کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے پہلے روانہ ہونا چاہتی ہوں''۔ گل وتوژ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''رقم کا تو میں بندوبست ابھی کر سکتا ہوں مگر گھوڑا اور دیگر لوازمات کے لئے کم از کم دن کا پہلا پہر درکار ہوگا''۔ شیخ ابو الصالح نے دائیں بائیں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم رقم میرے حوالے کر دو۔ باقی انتظام میں خود کر لوں گی اور مجھے دوسرا صاف ستھرا لباس اور برقع بھی چاہئے''۔ گل وتوژ نے تحکمانہ انداز میں کہا تو ابو الصالح کی بیوی کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی۔

''گل خاتون! میرا شوہر شیخ رضی الدین کا دوست ضرور ہے اس کا غلام نہیں۔ تم تو ایسا ہتک آمیز سلوک کر رہی ہو جیسے ہم لوگوں نے تمہارا کوئی قرض چکانا ہو۔ کان کھول کر سن لو، تمہیں لباس اور برقع وغیرہ کوئی نہیں مل سکتا۔ چند سکے لو اور اپنا رستہ ناپو''۔

اس کی بات پر گل وتوژ کا چہرہ بگڑنے لگا۔ قریب تھا کہ اس کا ہاتھ اُٹھ جاتا کہ شیخ ابو الصالح نے بگڑتی

ہوئی صورت حال بھانپ کر تیزی سے کہا۔ ''بیگم! گھر آئے مہمان سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔ وہ ہمارے محسن کی رشتہ دار ہے''۔ شیخ ابوالصالح کی مداخلت کے باعث گل دقوژ تھم سی گئی۔ شیخ ابوالصالح کی بیوی ناک بھوں چڑھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''گل خاتون! آپ یہیں ٹھہریئے! میں ابھی آتا ہوں''۔ شیخ ابوالصالح نے تیزی سے کہا اور اس کے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لباس، پرانا سا سفید برقع اور سکوں کی تھیلی تھی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ ظاہر کر رہا تھا کہ یہ سب چیزیں حاصل کرنے کے لئے اسے خاصی تگ و دو کرنا پڑی ہے۔ گل دقوژ نے زنان خانے کے ایک حصے میں جا کر لباس بدلا اور برقع اوڑھ کر باہر نکلی۔ اس نئے لباس میں وہ کافی حد تک بدل گئی تھی۔ زنانہ لباس کسی قدر کھلا اور ڈھیلا تھا جس کے باعث گل دقوژ کو اپنا وجود بھاری سا محسوس ہوا۔ ہیئت کی یہ تبدیلی اس کے لئے حفاظت کا سامان تھی۔ اسے بخوبی معلوم تھا کہ اس کی تلاش کا سلسلہ کچھ ہی دیر میں شروع ہو جائے گا اور سب سے پہلے شہر سے باہر جانے والے راستوں پر سپاہی پہنچیں گے۔ وہ زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتی تھی مگر حالات اس کے قابو میں نہیں تھے۔ گل دقوژ نے شیخ ابوالصالح کا شکریہ ادا کیا اور اسے تنبیہ کی کہ وہ اپنی بیوی پر قابو رکھنا سیکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ہاتھوں اسے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ شیخ ابوالصالح نے وعدہ کیا۔ گل دقوژ وہاں مزید نہیں رکی اور اس سرائے کی جانب بڑھ گئی جہاں سے قافلے تیار ہو کر دوسرے شہروں میں پہنچتے تھے۔ شیخ ابوالصالح فدائی تو نہیں تھا مگر اس کے کئی معاملات فدائیوں کے دم سے پورے ہوتے تھے، اس لئے وہ بلاتردد فدائیوں کی مدد کرتا رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی حیثیت کبھی بھی منکشف نہیں ہو سکی۔ اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ گل دقوژ بھی ایک فدائیہ ہے جو کہ اپنا کوئی خاص کام کر کے وہاں سے روانہ ہو رہی تھی مگر اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ یہاں کیا گل کھلا کر جا رہی ہے؟ اس کی بیوی اپنے شوہر کی اس دہری شخصیت سے قطعی لاعلم تھی ورنہ گل دقوژ سے الجھنے کی کوشش نہ کرتی۔ گل دقوژ کی یہی کوشش تھی کہ کسی بھی طریقے سے حماۃ سے دور پہنچ جائے اس کے پاس تمام شہروں میں موجود فدائیوں کے رابطے تھے۔ پہلے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ حماۃ کے فدائیوں سے مدد حاصل کی جائے مگر یہ خاصا پُرخطر تھا کیونکہ اس کی شناخت بآسانی ہو سکتی تھی۔ وہ شامی افراد کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان سے الگ تھی۔ وہ خالص تاتاری النسل تھی، یہی بات اس کے لئے نقصان دہ تھی۔

❁ ❁ ❁

شیخ کبیر الدین کو جب ہلاکو خان کی موت کی خبر ملی تو وہ فرطِ مسرت سے ناچنے لگا۔ یہ خبر شیخ رضی الدین الساقی نے اسے سنائی تھی جو کہ مراغہ سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتا ہوا قلعہ بانیاس پہنچا تھا۔ اس نے ہلاکو خان کی موت کی تصدیق کرتے ہوئے گہنانم کی کامیاب مہم اور زہر سے ہلاکو کی موت کی تفصیل بھی اس کے گوش گذار دی۔ شیخ کبیر الدین نے نہایت تحمل سے تمام تفصیل سنی اس نے گہنانم کی موت کو عظیم نقصان قرار دیا کیونکہ وہ واحد تاتاری خاتون تھی جس کی ہر مہم کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی۔ اسے ذاتی طور پر بھی گہنانم کی موت پر دکھ ہوا کیونکہ وہ ایسی جانباز فدائیہ کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا مگر حالات کی نزاکت کے باعث اس کا زندہ بچنا محال دکھائی دیا اس نے گہنانم کے معاملے کو نظر انداز کرتے ہوئے ہلاکو خان کی موت کی خوشی میں ایک بڑا جشن منانے کا حکم دیا اور قید خانوں میں موجود تمام قیدیوں کو آزاد کرنے کا اعلان کیا۔ یہ دن شیخ کبیر الدین کی زندگی میں ایک نئی جہت لایا تھا، اسے اپنی سابقہ سلطنت کی بحالی آسان دکھائی دینے لگی۔ ''سلطنت قہستان'' اس کے اجداد کی حکمرانی کی علامت تھی جسے ہلاکو خان نے اپنے قدموں تلے روند دیا تھا۔ ہلاکو خان کی موت کی صورت

میں شیخ کبیر الدین کو امید کی کرن دکھائی دی۔ وہ لمحہ دور نہیں تھا جب وہ تمکنت کے ساتھ دوبارہ قلعہ الموت کے تخت پر بیٹھے گا اور شام سے لے کر کوہ قفقاز تک فدائیوں کی سلطنت ہوگی۔ اس کے چہرے کی دمک نے تمام فدائیوں کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔

شیخ کبیر الدین نے شیخ ابوراضیاء کو حکم دیا کہ اب فیصلہ کن یلغار کا وقت قریب آ گیا ہے۔ انہیں بھرپور انداز میں عسکری تیاری کرنا ہوگی گو کہ فدائی سلطنت کا قیام آسان کام نہیں ہے مگر ہلاکو خان جیسے مضبوط منگول حاکم کے بعد یہ جدوجہد زیادہ دشوار نہیں ثابت ہوگی، شیخ کبیر الدین کی دوربیں نگاہیں منگولوں کی قرولتائی کا منظر بخوبی دیکھ رہی تھیں، منگو خان کی موت کے بعد منگول اتحاد جس طرح پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ ہلاکو خان کی موت کے بعد اس سلسلے کو آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ جشن کے موقعے پر شیخ کبیر الدین کی عنایتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ فدائی امراء کا حلقہ اس کا گرویدہ دکھائی دینے لگا۔ شیخ کبیر الدین نے بلادِ شام اور دیگر علاقوں میں مقیم فدائیوں کو اپنے عسکری قلعوں میں جمع ہونے کی ہدایت کی۔ ضروری امور سے فارغ ہو کر تین روزہ جشن کا آغاز عمل میں لایا گیا۔ یہ جشن کیا تھا؟ شراب و شباب کی رنگین محفل تھی جس میں امراء سے لے کر فدائین تک کی روحوں کو سرشار کیا گیا۔ شیخ کبیر الدین سابقہ حکمرانوں سے مختلف انداز میں فدائیوں کو استعمال کر رہا تھا۔ جنت ارضی کی لالچ کا تصور بھی دم توڑ چکا تھا۔ حشیش کے استعمال میں کثیر اضافہ کیا گیا تاکہ فدائیوں کی عقل پر بے خودی کا پردہ پڑا رہے اور وہ مخصوص کیفیت کے باعث سر دھڑ کی بازی لگانے سے بھی نہ چوکیں۔ جشن کے اختتام پر شیخ ابوراضیاء نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی۔ وہ کسی ضروری معاملے پر اس سے گفت و شنید کرنا چاہتا تھا۔ شیخ کبیر الدین کی طبیعت ان دنوں بے حد خوشگوار تھی اس لئے اس کی آمد پر ناگواری پیدا نہ ہوئی۔

''شیخ الرئیس! آپ نے تین دن پہلے تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا تھا مگر اس خاص قیدی کو رہا نہیں کیا گیا کیونکہ میرا خیال ہے کہ آپ کا ذہن اس کی جانب مبذول نہیں تھا''۔

''شیخ ابوراضیاء! تم کس قیدی کی بات کر رہے ہو؟'' شیخ کبیر الدین نے چونک کر پوچھا۔

''آپ کا پرانا محسن...... مطیع الدین۔ جسے خاص زندان میں بند کیا گیا ہے''۔

''تم نے اچھا کیا کہ اسے آزاد نہیں کیا، اس کا خیال تو میرے ذہن سے اتر گیا تھا''۔ شیخ کبیر الدین تیزی سے بولا۔ شیخ ابوراضیاء اپنی احسن کارکردگی پر پھولے نہیں سمایا۔

''اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

''مطیع الدین نے اس دوران میں کسی کو تنگ تو نہیں کیا؟''

''تنگ تو نہیں کیا البتہ اس کے تیور کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے''۔

''وہ حقیقتاً بہادر ہے اور میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوں مگر وہ گل دقوژ کے چکر میں بے وقوف بنا بیٹھا ہے''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں تاسف تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''تم ایسا کرو کہ چند دن تک اسے میرے سامنے پیش کرنا...... میں اس کا کوئی بندوبست کرتا ہوں، شاید اس کے ذریعے میرا کام نکل آئے''۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ شیخ ابوراضیاء چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا، وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ شیخ کبیر الدین، مطیع الدین سے کیا کام لینے کا ارادہ رکھتا ہے مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی لمحے ایک غلام نے باریابی کی اجازت چاہی۔ شیخ کبیر الدین غلام کی

صورت دیکھ کر تذبذب کا شکار دکھائی دیا۔

''کہو فدائی! شیخ الرئیس کے آرام میں مداخلت کا کیا سبب ہے؟'' شیخ ابوراضیاء نے دریافت کیا۔ غلام نے تعظیم دیتے ہوئے جواب دیا۔

''قلعہ بانیاس میں کچھ دیر پہلے ایک فدائیہ داخل ہوئی ہے اور وہ فوراً شیخ کبیر الدین سے ملاقات کرنا چاہتی ہے، میں نے اسے کل صبح کے لئے کہا تھا مگر وہ فوری ملاقات کے لئے بضد ہے''۔

''کون فدائیہ؟'' شیخ کبیر الدین کچھ نہ سمجھ پایا۔

''شیخ الجبال! وہ اپنا نام گل وتوڑ بتاتی ہے''۔ غلام نے وضاحت کی۔

شیخ کبیر الدین گل وتوڑ کا نام سن کر یوں چونکا جیسے یہ کسی عجیب چیز کا نام ہو۔ شیخ ابوراضیاء کا چہرہ بھی تعجب زدہ رہ گیا۔ گل وتوڑ تو حماۃ میں مقید تھی۔ اس کی قلعہ بانیاس میں اچانک آمد کئی سوالوں کو اُبھار رہی تھی۔ شیخ کبیر الدین نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد غلام کو حکم دیا کہ وہ اسے مہمان خانے میں ٹھہرائے، اس سے ملاقات کل صبح ہی ہو سکے گی کیونکہ میں اس وقت آرام کرنا چاہتا ہوں۔ غلام شیخ الرئیس کا حکم سن کر خاموشی سے لوٹ گیا۔ شیخ ابوراضیاء کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شیخ کبیر الدین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''صورتِ حال کسی قدر تبدیل ہو گئی ہے لہٰذا فوری طور پر گل وتوڑ کو قلعہ مصیاف میں روانہ کر دو، میں نہیں چاہتا کہ مطیع الدین کی موجودگی میں وہ یہاں مقیم رہے۔ میں جلد ہی کوشش کروں گا کہ مطیع الدین کو یہاں سے روانہ کر دیا جائے یا اسے کسی دوسرے قلعے میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کام کے بعد گل وتوڑ کو واپس اس قلعہ میں بلا لیا جائے گا۔ فی الوقت تم اپنے تئیں گل وتوڑ سے مل کر حماۃ کی صورتِ حال معلوم کر لو اور شیخ الساقی کو اس کے ساتھ لگا دو تا کہ وہ اچھی طرح اس معاملے کی تسلی کرے''۔ شیخ کبیر الدین کی بات سن کر شیخ ابوراضیاء نے اثبات میں سر ہلایا تو شیخ الرئیس نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تنہائی میں حالات کا تجزیہ کرنا چاہتا تھا کہ گل وتوڑ کی ناگہانی آمد کو کس خانے میں جگہ دی جائے۔

❀ ❀ ❀

664ھ کے اوائل میں قاہرہ سے سلطان بیبرس کی عدم موجودگی کے باعث کئی فتنوں کو سر اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ سلطان بیبرس مملوک افواج کے ساتھ صلیبی مہم پر روانہ ہو چکا تھا اور قاہرہ کا میدان خالی تھا۔ یوں تو قاہرہ کا انتظام معتمد خاص امیر فخر الدین لقمان کے سپرد تھا مگر وہ سلطان بیبرس جیسا اہل شخص نہیں تھا۔ اس کا دائرہ کار مخصوص قسم کے معاملات تک محدود تھا۔ حاسد اور فتنہ پرور امرأ کی جماعت نے قلعہ جبل کا رُخ کیا اور خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے گرد نشست سنبھال لی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ ان افراد کی آمد و رفت سے قطعی نہیں سمجھ پایا کہ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ کئی خوشامدی اور چاپلوس افراد نے ایسے احکامات کے نامے حاصل کئے جنہیں سلطانی حکومت یکسر مسترد کر چکی تھی ان لوگوں نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نشست میں مذہبی مسائل کی بحثیں چھیڑ دیں اور علماء کو آپس میں بھڑا دیا۔ بلادِ مصر میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور شیعہ مسلک کے سبھی لوگ مقیم تھے۔ تختِ خلافت قرار پانے کے بعد کئی یکتہ روزگار افراد نے قاہرہ کا رُخ کیا اور جلد ہی خلیفہ الحاکم کے دربار میں اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے۔ مصری امرأ کی منفی کوششیں بہت جلد رنگ لائیں اور دربارِ خلافت میں علماء ایک دوسرے کو برملا برا بھلا کہنے لگے۔ یہ نہایت نازک صورتِ حال تھی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے مذہبی بحث چھیڑنے کی اجازت تو دی تھی مگر وہ اس کے انجام سے بخوبی واقف نہیں تھا۔ قریب تھا کہ علماء دست و گریباں ہو جاتے کہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے سختی سے مسلک کی بحث کو ممنوع قرار دیا۔

اب چونکہ دیر ہو چکی تھی لہٰذا خلیفہ کا حکم زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو سکا۔ یہ بات زیادہ دن تک ڈھکی چھپی نہ رہ سکی اور امیر فخر الدین لقمان کے کانوں میں جا پڑی۔ اس نے فوراً خلیفہ سے ملاقات کی اور تمام صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ اپنی ذہانت کے مطابق اس نے اعلان کیا کہ اگر بلادِ مصر میں کوئی عالم مسلک پر ایک دوسرے کو برا بھلا کہتا ہوا دکھائی دیا تو اسے بلا تاخیر موت کی سزا سنا دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے کئی حاسد امرأ کی بھی گوشمالی کی۔ وہ امیر فخر الدین لقمان کے سلوک سے بپھر سے گئے۔ انہوں نے بظاہر کسی ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا مگر در پردہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے پاس جانا ترک نہیں کیا۔ کچھ ہی عرصے میں حالات نے ایک نئی کروٹ لی۔ ان امرأ نے دربارِ خلافت سے نکل عام رعیت کو کچھ ایسا تاثر دینا شروع کر دیا کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ خلیفہ لادین ہو چکا ہے۔ کبھی اس کے شافعی ہونے کی افواہ گردش کرتی تو کبھی مالکی ہونے کی۔ وہ جس مسلک کو اختیار کرتا اس میں خوشی سنائی جاتی اور جب وہ مسلک ترک کر کے دوسرے مسلک میں داخل ہو جاتا تو پہلے مسلک کے لوگ اس کی روش کو منافقت قرار دینے لگے۔ یہ سب کچھ اس انداز میں کیا گیا کہ منتظم قاہرہ بھی اس بات کی کھوج نہیں لگا پائے کہ ان افواہوں کو پھیلانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے جبکہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ ان سب باتوں سے بے خبر قلعہ جبل میں بیٹھا امرأ کی مجالس میں مشغول تھا۔

سلطان بیبرس جب صلیبی مہم سے واپس لوٹا تو امیر فخر الدین لقمان نے یہ مسئلہ اس کے سامنے اُٹھایا۔ سلطان بیبرس کو ایسی بے تکی حرکات پر بے حد صدمہ پہنچا۔ وہ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی کوشش میں مصروف تھا تو شریر امرأ نفاق کی فضا گرم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس نے سب سے پہلے خلیفہ الحاکم بامر اللہ سے ملاقات کی اور اس ضمن میں وضاحت چاہی۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ یہ سن کر دم بخود رہ گیا کہ اس کے بارے میں رعایا میں کس قسم کی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔ اس نے کوشش کی کہ وہ مسلمانوں سے عام خطاب کر کے ان کے ذہنوں پر چھائی ہوئی افواہوں کی گرد صاف کر دے مگر سلطان بیبرس نے اسے قلعہ جبل میں ہی آرام کرنے کا مشورہ دیا اور اس شرارت کے ذمہ داروں کی تلاش کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے سلطان بیبرس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے فی الوقت خاموشی اختیار کر لی۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو قلعہ جبل کے قصر کبیر میں ایک دوسرے شاہی محل میں منتقل کر دیا اور ساتھ ہی حکم جاری کر دیا کہ امرأ و خواص، امیر المومنین سے ملاقات کے لئے پہلے سلطانی اجازت حاصل کریں اس کے بعد وہ خلیفہ کے پاس نشست کر سکتے ہیں۔ اس فرمان کا مقصد صرف یہ تھا کہ شریر امرأ خلیفہ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور اگر وہ کسی طرح پہنچ بھی جائیں تو باہر نکل کر لایعنی باتیں نہ اُڑا پائیں۔ سلطان بیبرس نے ایسے تمام امرأ کی خفیہ نگرانی کا حکم دیا جن کے بارے میں یہ شک تھا کہ وہ افواہیں پھیلا کر سلطنت میں انتشار و بدامنی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

سلطان بیبرس کے اس فرمان نے شریر امرأ پر کاری وار کیا اور وہ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ انہوں نے سلطان بیبرس کے اس فرمان کو غلط انداز میں مشتہر کرنا شروع کر دیا۔ وہ برملا سلطان بیبرس کو برا بھلا کہتے اور اس پر یہ الزام عائد کرتے کہ اس نے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو نظر بند قیدی بنا لیا ہے اور اسے عزلت نشینی کی زندگی پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ امیر المومنین کی نظامِ حکومت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی اسے کوئی اختیار و اقتدار حاصل ہے، وہ صرف سلطان بیبرس کے رحم و کرم پر زندگی کی سانسیں پوری کر رہا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ مؤرخین نے ان کی باتوں کو صداقت کا لبادہ پہنا دیا مگر عام رعیت نے خلیفہ کی گوشہ نشینی پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ ان کے لئے یہ کافی تھا کہ ہلاکو خان کی بدولت امت مسلمہ کا جو شیرازہ بکھر چکا تھا وہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کی بدولت دوبارہ سمٹتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ لوگ اپنے سلطان اور خلیفہ دونوں سے یکساں محبت کا اظہار کرتے

رہے اور ان کی سلامتی کے لئے دعائیں کرتے۔

❀ ❀ ❀

دوسرے روز مطیع الدین کو خاص زنداں سے نکالا گیا۔ اس کی حالت خاصی خراب تھی، داڑھی بڑھ کر
عجیب صورت اختیار کر چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد گہرے حلقے پڑ چکے تھے۔ اسے لباس پہنا کر اس کی آنکھوں پر
ایک سیاہ پٹی باندھ دی گئی، یہ صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ طویل عرصے سے اندھیرے کمرے میں بند تھا،
یکلخت تیز روشنی میں آنے کے باعث اس کی نظر پر گہرا اثر پڑ سکتا تھا۔ مطیع الدین کو آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اسے شیخ
الرئیس کے سامنے پیش کیا جانے والا ہے۔ اس نے آنکھوں پر پٹی باندھنے میں جب مزاحمت کی تو اسے اس کی
وجہ بھی بتا دی گئی۔ مطیع الدین وجہ جان کر محض خاموش رہ گیا اسے غلام محافظوں کے ساتھ شیخ کبیر الدین کے
پاس لایا گیا۔ شیخ کبیر الدین نے جب اس کی صورت دیکھی تو اسے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ کس قدر کمزور ہو چکا
تھا۔ شیخ کبیر الدین کے کمرے میں روشنی کسی قدر کم تھی اس نے مطیع الدین کی آنکھوں سے پٹی ہٹانے کی ہدایت
کی۔ غلام محافظ نے آگے بڑھ کر مطیع الدین کی آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ مطیع الدین روشنی کے باعث کافی دیر
تک اپنی آنکھیں مسلتا رہا۔ جب وہ کچھ دیکھنے کے قابل ہو گیا تو اس نے شیخ الرئیس کی جانب دیکھا جو مسرت
بھری نگاہوں سے اس کی جانب متوجہ تھا۔ مطیع الدین ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا پایا کہ اسے کیونکر یہاں لایا
گیا ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ عرصے سے زندان خانے سے نکلنے کی فکر میں تھا مگر کوئی ایسا راستہ اسے نہ مل پایا
جو مددگار ثابت ہوتا۔

''مطیع الدین! ہم تمہیں روشنی کی دنیا میں خوش آمدید کہتے ہیں''۔ شیخ الرئیس نے کہا۔
''شیخ الرئیس نے خواہ مخواہ زحمت کی کچھ ہی دن کی بات تھی میں خود آپ کے پاس چلا آتا''۔ مطیع
الدین نے بلا دھڑک کہا۔ شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر اس کی بدتمیزی سے ناگواری سی پھیل گئی
''ہم تمہارے بارے میں تم سے زیادہ جانتے ہیں، زندان کی دیواریں تمہیں یقیناً نہیں روک سکتیں مگر
ہماری سلطنت میں سے نکلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں یہاں اس لئے نہیں بلایا ہے کہ تم سے بحث
و مباحثہ کریں بلکہ ہم تم سے ایک سودا کرنا چاہتے ہیں''۔ شیخ الرئیس نے ادھر ادھر کی باتیں نظر انداز کرتے
ہوئے مطلب کی بات کی۔ مطیع الدین حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ شیخ کبیر الدین کی بات کو سمجھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔

''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین توقف کے بعد بولا۔ ''آپ نے تجارت کب سے شروع کر دی میں تو
آپ کو فدائیوں کا سلطان سمجھتا رہا تھا''۔

''اتفاق کی بات ہے کہ آج ہم ضرورت سے زیادہ خوش ہیں، اس لئے تمہاری حجتوں پر برا نہیں
منائیں گے، کوئی اور دن ہوتا تو شاید نتیجہ اس کے برعکس نکلتا''۔ شیخ کبیر الدین نے متنبہ کیا۔
''شیخ الرئیس!'' مطیع الدین ہنسنے لگا۔ ''نہ تو میں پہلے حجتیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی اب کر رہا ہوں۔ میں تو
یہ جاننے کا خواہش مند ہوں کہ ایسی کیا بات ہے جو آپ کو ایسا لب و لہجہ اختیار کرنے پر مجبور کئے ہوئے ہے؟''
''دائیں بائیں کی باتیں چھوڑو...... صرف اتنا بتاؤ کہ تم گل وتوژ کے حصول کے لئے کس حد تک جا سکتے
ہو؟'' شیخ کبیر الدین کا لہجہ بڑا معنی خیز تھا۔
''یعنی آپ اب مجھ سے میری محبت کا امتحان لینے کے خواہش مند ہیں''۔ مطیع الدین بولا۔
''مجھے امتحان وغیرہ سے کوئی غرض نہیں ہے میں تمہاری محبت کی گہرائی ماپنا چاہتا ہوں''۔

''شیخ الرئیس! اس بات کو چھوڑیں، آپ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں، اگر وہ میرے مزاج کے مطابق ہوا تو میں اسے کر گزرنے میں تامل نہیں کروں گا......''

''مطیع الدین! ہمیں انکار سننے کی عادت بھی نہیں ہے''۔

''شیخ الرئیس اس خادم کی فطرت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں''۔ مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''تمہارے بدن کی طاقت کم پڑ گئی ہے مگر تمہارا دماغ ابھی بھی پہلے جیسا ڈھیٹ ہے''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں درشتی عود کر آئی تھی۔

''شیخ الرئیس کو میری بات ناگوار گزری ہے تو میں معافی چاہتا ہوں مگر میں جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں، اسے ادھورا چھوڑ کر کم از کم زندہ واپس نہیں جاؤں گا''۔ مطیع الدین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ شیخ ابوراضیاء کی قوتِ برداشت جواب دے گئی، وہ خونخوار انداز میں مطیع الدین کی جانب بڑھ گیا۔ شیخ کبیر الدین نے اسے اشارے سے منع کیا۔

''مطیع الدین! ہم نے تمہیں آج اسی معاملے کے لئے بلایا ہے۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ انتخاب کرنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ ہم تمہیں گل وتوژ عنایت کر دیں گے مگر اس کے لئے تمہیں ہمارا ایک خاص کام انجام دینا ہوگا۔ انکار کی صورت میں ہمیں تمہاری زندگی قطعی گوارا نہیں۔ ہم محسن نما دشمن کو زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھ سکتے لہٰذا تمہیں بلا تاخیر قلعہ بانیاس کی فصیل سے نیچے کسی گہری کھائی میں گرا دیا جائے گا اگر وہاں سے زندہ بچ نکلو تو یہ تمہاری قسمت ہے۔ اس کمرے سے تم انہی دو صورتوں میں باہر جا سکتے ہو اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے''۔

''میں کام کی نوعیت جاننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا''۔ مطیع الدین نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے رازداری کا خیال کرتے ہوئے خاص غلاموں اور دیگر لوگوں کو کمرے میں سے باہر جانے کے لئے کہا البتہ شیخ ابوراضیاء کو وہیں رُکنے کا اشارہ کیا۔ اب اس کمرے میں صرف تین افراد موجود تھے۔ شیخ کبیر الدین کو مطیع الدین سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ اس کے پاس کسی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں تھا اور دوسرا اس کے دونوں ہاتھ عقبی طرف بندھے ہوئے تھے۔

''مطیع الدین! میں نے زمانہ زوال میں، جب میرے چچا سلطان خور شاہ کی قوت ختم ہو چکی تھی، بڑی دور سے ایسے افراد کو اکٹھا کیا جن میں کوئی خاص چیز پائی جاتی تھی۔ وہ خواہ ذہانت ہو یا بدنی طاقت...... میں نے ایسے افراد کو قلعہ الموت میں جمع کیا اور انہیں صحیح خطوط پر تربیت کر کے ان کے اندر کی وہ پوشیدہ قوتیں بیدار کیں جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے۔ یہ سب کچھ صرف ایک دن یا ایک سال میں نہیں ہوا بلکہ میری نصف عمر اس کوشش میں گزر گئی۔ تم بھلا خود سوچو کہ میں ایسے انمول ہیرے کسی کو کیسے سونپ سکتا ہوں؟ گل وتوژ کو جب میں لایا تھا تو وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی، اگر چند ساعتوں کی دیر ہو جاتی تو وہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی اور اب میں تمہیں اپنی زندگی کا وہ قیمتی حصہ دینے پر رضامند ہوا ہوں تو سمجھ لو کہ اس کے پیچھے کیا اہم وجہ پوشیدہ ہو سکتی ہے؟ میں تم میں بھی بے شمار خوبیاں دیکھ رہا ہوں اور یہ خواہش رکھتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مل کر کام کرو، اس کے بدلے میں، میں تمہیں اعلیٰ منصب دوں گا اور عزت کی زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کروں گا جو کہ میں نے گل وتوژ کو فراہم کی ہیں''۔

مطیع الدین کا چہرہ متجسس تصویر بنا دکھائی دیا اسے آج پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ اس تاریک غار سے گل وتوژ کو نکالنے والا کوئی اور نہیں، شیخ کبیر الدین ہی تھا۔ شیخ کبیر الدین کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی

تھی۔

''آپ نے ابھی تک کام کی بابت کچھ نہیں بتایا''۔ مطیع الدین نے دریافت کیا۔

''میں اسی طرف آ رہا ہوں، میں اپنے سب ساتھیوں کے ساتھ مل کر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے حصول کے لئے کوشاں ہوں۔ وہ سلطنت جو ماضی قریب میں قہستان کہلاتی تھی۔ گل وقوژ سمیت بے شمار ساتھی دن رات اسی سلطنت کے قیام کے لئے مصروف بہ عمل ہیں اس سلطنت کے قیام میں کچھ قوتیں پہلے دن سے رکاوٹیں پیدا کرتی آئی ہیں اور آج تک انہی کوششوں میں مصروف ہیں۔ میں مختلف حربوں سے ان قوتوں کا زور توڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ منگولوں کے حاکم ہلاکو خان کی موت بھی انہی کوششوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ ماضی میں دو قوتیں ہمیشہ ہماری مخالف رہی ہیں جن میں سے ایک منگول تھے اور دوسرے بغداد کا دربار خلافت۔ ہلاکو خان نے جب بغداد کو پامال کیا تو یہ قوت ختم ہوگئی مگر اب یہ قوت قاہرہ میں دوبارہ سر اُٹھا رہی ہے۔ ہلاکو خان کی موت کے بعد منگولوں کی قوت پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی ہے، مگر میں بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ زمانہ قریب میں ہماری سلطنت کی مخالفت میں خلافت کی قوت زیادہ فعال کردار ادا کرے گی۔ میں تمہیں یہ ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں کہ تم قاہرہ جاؤ اور دربار خلافت تک رسائی حاصل کرو اور کوئی موقعہ پا کر خلیفہ کو قتل کر کے نکل آؤ''۔ شیخ کبیر الدین بغور مطیع الدین کا چہرہ دیکھنے لگا جو کہ غم و غصے کا نمونہ بن چکا تھا۔

''شیخ الرئیس! میں آپ سے ایسی بات کی توقع نہیں رکھتا تھا''۔ مطیع الدین بمشکل بولا۔

''مطیع الدین جلد بازی سے کام نہ لو۔ میری خلیفہ سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے اگر وہ میری راہ میں نہ آئے تو مجھے اس سے کچھ غرض نہیں مگر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ وہ خواہ مخواہ میری راہ میں آئے گا اور ہمارے جانباز ساتھیوں کو اس کے ساتھ ایک طویل جنگ میں اُلجھنا پڑے گا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے وہ واحد صاحب بصیرت شخص ہے جو بغداد کی تباہی کے بعد عباسی خاندان میں زندہ رہ پایا ہے اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی جگہ یقیناً اس کے بیٹے لے لیں گے جو امور جہانبانی میں بالکل نابلد ہیں اس کے قتل سے دربار خلافت کا کاروبار بند نہیں ہوگا بلکہ ہماری مخالفت سرد پڑ جائے گی اور ہم بآسانی قہستان کا قیام عمل میں لا سکیں گے اگر تم اس کام کے لئے ہامی بھر دو گے تو اس کے انعام میں تمہیں گل وقوژ دے دی جائے گی اور یہ شیخ الرئیس کا وعدہ ہے''۔ شیخ کبیر الدین نے کہا۔

''میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خلیفہ پر قاتلانہ حملہ کروں اور پھر وہاں سے زندہ سلامت نکل بھی آؤں''۔ مطیع الدین کے لہجے میں گہری طنز تھی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات پر ہنسنے لگا۔

''مطیع الدین یا تو تم ضرورت سے زیادہ چالاک ہو یا پھر نرے احمق۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں تنہا قاہرہ روانہ کریں گے۔ یقیناً نہیں...... ہم تمہارے ساتھ اعلیٰ تربیت یافتہ افراد روانہ کریں گے جو کہ نہ صرف تمہاری نگرانی کریں گے بلکہ تمہیں ہر قسم کے نقصان سے بھی محفوظ رکھیں گے، جب تم دربار خلافت تک رسائی حاصل کر لو گے تو تمہیں ان لوگوں کو بھی ساتھ رکھنا ہوگا۔ یہ کس طرح کیا جائے گا؟ یہ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ جب تم خلیفہ پر وار کر دو گے تو یہ لوگ اس وقت تمہاری مدد کریں گے اور پھر تمہیں قاہرہ سے نکلنے میں معاونت دیں گے۔ یاد رکھو کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ فریب نہیں کیا کرتا''۔ شیخ کبیر الدین کے لہجے میں گہرا استحکام جھلک رہا تھا۔

''میں نے ابھی تک کام انجام دینے کی ہامی نہیں بھری ہے''۔ مطیع الدین دوٹوک لہجے میں بولا۔

''کام کی نوعیت تم پر آشکار کر دی گئی ہے، اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے، یہ بھی ذہن نشین رکھنا کہ انکار کی صورت میں یہی کام تمہاری محبوبہ انجام دے گی مگر تم اس کا نتیجہ جاننے تک زندہ نہیں رہو گے''۔ شیخ کبیر الدین نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

مطیع الدین کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ شیخ کبیر الدین فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ ابھی اقرار یا انکار میں جواب سنے گا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ سوچنے کے لئے کچھ مہلت طلب کرے مگر شیخ الرئیس کے تیور دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ شیخ الرئیس کی بات مان لے تو اسے گل وقوژ آسانی سے مل سکتی ہے دیگر صورت میں اسے گہری کھائی میں گرنا پڑے گا جہاں زندگی کی امید تو رکھی جاسکتی ہے مگر وہ کس نوعیت کی ہوگی، اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ خلیفہ المسلمین سے اسے کچھ واسطہ نہ تھا۔ احترام اپنی جگہ تھا مگر صورتِ حال کی پیچیدگی کا تقاضا تھا کہ وہ خلیفہ کو قتل کرنے کی مہم قبول کر لے۔ شیخ ابو راضیاء کے چہرے پر گہرا اشتیاق دکھائی دیا۔ وہ دل میں مسرور ہو رہا تھا کہ شیخ الرئیس کی یہ چال بے حد عمدہ تھی۔ اگر مطیع الدین خلیفہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو بھی اس کے دربار خلافت سے بچ نکلنے کی امید بے حد کم تھی اور گرفتار ہونے کی صورت میں وہ یقیناً قتل کے جرم میں مارا جاتا۔ بصورت دیگر اگر وہ قاہرہ سے صحیح سلامت نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس اہم کامیابی کے بعد وفادار فدائی ساتھی رستے میں ہی آسانی سے اس کا کام تمام کر سکتے تھے۔

''مجھے شیخ الرئیس کا یہ سودا منظور ہے مگر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کام ہونے کے بعد نہ صرف گل وقوژ مجھے مل جائے گی بلکہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش بھی نہیں کی جائے گی''۔ مطیع الدین کچھ دیر کی سوچ بچار کے بعد دھیمے انداز میں بولا۔

''مطیع الدین یہ اعتماد کا سودا ہے، جیسے گل وقوژ ہم پر اعتماد کرتی ہے ایسے ہی تمہیں بھی اعتماد کرنا پڑے گا۔ یہ یقین رکھو کہ ہم جو عہد کرتے ہیں، اس کی حفاظت مرتے دم تک کرتے ہیں''۔

''ٹھیک ہے، آپ میرے روانہ ہونے کا بندوبست کریں''۔ مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''تمہیں کل صبح روانہ کر دیا جائے گا مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنا کہ میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں اگر تم نے فریب دینے کی کوشش کی تو ہم سے کسی قسم کی رعایت کی توقع مت رکھنا''۔ شیخ کبیر الدین نے اس پر واضح کیا۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگنے لگی، جسے وہ دونوں کوئی نام نہ دے پائے۔ مطیع الدین کی یقین دہانی پر اسے قلعہ بانیاس کے مہمان خانے میں بھیج دیا گیا اور شیخ کبیر الدین اپنے وفادار ساتھی شیخ ابو راضیاء سے اہم امور پر بات چیت کرتا رہا۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس مسلمانوں کے اس دورِ انتشار میں جہاں سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدوں کو مضبوط کرنے میں مصروف عمل تھا اور چاروں جانب بڑھ کر دشمنانِ اسلام کے دانت کھٹے کر رہا تھا وہیں وہ ایک علم دوست اور معارف نواز حکمران بھی تھا۔ علم و فن سے اس کی دلچسپی فطری تھی، سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کی تربیت ایسی مستحکم اور اعلیٰ تھی کہ مملوک افواج کے افراد میدان جنگ میں عسکری مہارت کے ساتھ ساتھ علم و فن کے حصول میں کوشاں رہتے۔ سلطان بیبرس میں یہ خوبی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اس کی ایک وجہ شیخ الاسلام عز الدینؒ بن سلام دمشقی کا خاص قرب بھی تھا، جن کے سائے تلے سلطان بیبرس کا ایک طویل وقت گذرا تھا اور قاہرہ میں قیام کا ایک تہائی حصہ ان کے پاس گذارا جاتا تھا۔ اہل علم کی قدر دانی اور سرپرستی سلطان بیبرس کا

فطری خاصہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد کی تباہی کے بعد اس کی سلطنت میں علماء، فضلاء، فقہاء، صلحاء، فلاسفر، مجتہدین، مؤرخین، ادباء، حکماء و اطباء اور دوسرے اہل فنون کا بے نظیر اجتماع ہوگیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس سے پہلے سلطان نور الدین زنگیؒ اور ایوبی سلاطین مصر و شام میں سینکڑوں مدرسے قائم کر چکے تھے جن میں بیشتر سلطان بیبرس کے دور تک نہایت حسن و خوبی سے اپنے دامن سے بصیرت و علم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے نہ صرف ان دینی مدارس کو قائم رکھا بلکہ ان میں بے شمار مدرسوں کا اضافہ کیا۔ تاتاریوں کی یورش سے جن مدرسوں کو نقصان پہنچا تھا، سلطان بیبرس نے ان کی ازسرِ نو تعمیر یا مرمت کرائی اور انہیں پہلے سے بہتر صورت پر بحال کیا۔ ان مدارس کے لئے سلطان بیبرس نے لاکھوں دینار آمدنی کی جاگیریں وقف کیں اور اس کے امرا نے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ غرضیکہ عہد بیبرس میں گلشن علم پر بہار تازہ آگئی اور تشنگانِ علم دور دور سے کھنچ کر مصر و شام آنے لگے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور سے کچھ عرصہ پہلے تک تعلیم و تدریس کے لئے الگ عمارتیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ تعلیم و تعلم کے لئے مساجد کے صحن، خانقاہوں کے حجرے اور علماء کے مکانات مدارس یا مکاتب کا کام دیتے تھے۔ تاہم بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے قیام کے بعد سے مدرسوں کے لئے الگ عمارتوں کا رواج پڑ گیا۔ مدرسہ نظامیہ کی بنیاد سلطان ملک شاہ سلجوقی کے نامور وزیر خواجہ نظام الملک طوسی نے 457ھ میں رکھی تھی جو کہ دو برس کی تعمیر کے بعد مکمل ہوا۔ اس مدرسے نے اتنی شہرت پائی کہ دربار خلافت نے اس کی مزید شاخیں بنانے کا اعلان کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اس مدرسے کی اہم شاخیں نیشاپور، اصفہان، موصل، جزیرہ، خوزستان، بصرہ، ہرات، بلخ اور طوس میں قائم ہوگئیں۔ یہ طریقۂ تعلیم اتنا عام ہوا کہ بعد میں آنے والے سلطانوں کے عہد میں کئی اہم شہروں میں مدرسوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ زیادہ تر یہی رواج تھا کہ مدرسہ کسی اہم یا مرکزی مسجد کے ساتھ ملحق بنایا جاتا تاکہ اساتذہ اور طلباء کے قیام کے لئے مساجد کے حجرے استعمال کئے جاسکتے۔ بعد میں الگ عمارتوں میں ہاسٹلز بنائے گئے۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ موجودہ زمانے کی سہولیات سے عاری ان نیم پختہ مدرسوں نے ایسے ایسے اہل کمال پیدا کئے کہ دنیائے اسلام آج ان پر ناز کرتی ہے اور اہل یورپ ان کی تحقیق کے بل بوتے پر کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ سلطان بیبرس کے عہد میں قاہرہ، اسکندریہ، دمشق، حلب، حماۃ، حمص اور بعلبک میں سینکڑوں مدرسے تشنگان علم کو سیراب کر رہے تھے۔ ان مدرسوں میں قاہرہ کے مدرسہ صلاحیہ، شافعیہ، قمحیہ، زین التجار، شیریفیہ، مشہد امام حسینؓ، صوفیہ، الازہر، دمشق کے مدرسہ نوریہ، عادلیہ، ابن عمر، جامع دمشق، رکینہ، رواحیہ، مالکیہ، عصمیہ، حلب کے مدرسہ ابن شداد، شاد بخت اور بعلبک کے مدرسہ النجمیہ کو عالمگیری شہرت حاصل تھی۔ سلطان بیبرس نے قاہرہ میں حصول علم کی بھیڑ اور مدرسوں میں جگہ کی کمی دیکھتے ہوئے اپنے لقب کے ساتھ ایک نیا مدرسہ قائم کیا جس کا نام مدرسہ الظاہریہ رکھا گیا۔ اس میں جگہ کی قلت کی شکایت دور کی گئی اور طلباء و اساتذہ کے لئے بے شمار سہولتیں مہیا کی گئیں۔ مدرسے کا کام 662ھ میں شروع کیا گیا جو کہ 664ھ میں مکمل ہوگیا۔ سلطان بیبرس نے اس کا افتتاح کیا اور اس میں علامہ تقی الدین بن رزینؒ کو فقہ شافعیہ کی تدریس کے لئے اور امام شرف الدین دمیاطیؒ کو علم حدیث کی تدریس کے لئے مقرر کیا۔ سلطان کی مملکت کے دوسرے مدارس میں بھی اس دور کے سربر آوردہ علماء و فقہاء تعلیم دیتے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کے معقول مشاہرے مقرر تھے۔ طلبہ کی رہائش، خورد و نوش، لباس اور دوسری ضروریات کا خرچ بھی حکومت برداشت کرتی تھی جو لوگ ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہوتے ان کو سرکاری ملازمتوں میں لے لیا جاتا تھا اور اگر وہ سرکاری ملازمت اختیار نہ کرنا چاہتے تو اپنی مرضی اور ذوق کے

مطابق کوئی پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ ان پیشوں میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ دور حاضر میں حصول علم کے ذرائع اور مقاصد یکسر بدل گئے ہیں لیکن اس زریں دور میں سلطنت اسلامیہ کے مسلمان تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو ایک مذہبی فریضہ اور کار خیر خیال کرتے تھے اور طلبہ کی امداد، علم کی اشاعت، کتب و سامان تدریس کے وقف، مدارس و مکاتب کی بناء و تاسیس اور علماء کی خدمت و اعانت کو ایک مذہبی حکم اور برکت و فلاحِ دارین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی ترقی کی ہے جس کی بے شمار مثالیں عہد جدید میں بکھری پڑی ہیں۔ علم گاہیں تو بے شمار ہیں مگر علم گاہوں سے ملنے والے علم کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اس بارے میں اندازہ لگانا مشکل کام نہیں۔

❁ ❁ ❁

مراغہ میں ہلاکو خان کی موت کا سوگ دس دن تک بھرپور انداز میں منایا گیا۔ اس کے بعد منگولوں کے عظیم جشن قرولتائی کا اہتمام کیا گیا۔ ہلاکو خان کے تمام رشتہ دار اور بیٹے اس تقریب قرولتائی میں شریک ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس تقریب میں دوسرے منگول خاندانوں کو شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی۔ ہلاکو خان کے انتخاب کے وقت منگولوں میں جو دراڑ پڑ گئی تھی وہ اس امر سے مزید مستحکم ہوگئی۔ چغتائی منگول اور اوغدائی منگول خاندان جو کہ نہایت طاقتور اور بااثر سمجھے جاتے تھے۔ انہیں بھی نظر انداز کر دیا گیا۔ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ یہ ایسا موقعہ تھا جب منگولوں کا باہمی اتحاد ایک بار پھر قائم ہوسکتا تھا مگر ہلاکو خان کی خود غرض اولاد نے اپنی مطلب برآری کی غرض سے انہیں ساتھ ملانے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ الگ بات تھی کہ اگر ایسا ظہور پذیر ہو جاتا تو منگول سلطنت کا سابقہ وقار نہ صرف دوبارہ دیکھنے کو ملتا بلکہ سلطنت اسلامیہ کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ تاتاریوں کا اُٹھنے والا سیل کس قدر تباہی پھیلاتا اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ تقریب قرولتائی میں مختلف بحث و مباحثوں کے بعد ہلاکو خان کے بیٹے اباقہ خان کو نیا قاآن اعظم منتخب کرلیا گیا اس نے اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کی غرض سے اپنے باپ کی روش کو اپنایا اور تمام عیسائی دُنیا کو یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کا ہمدرد اور خدمت گذار ہے، وہ جلد ہی اسلامی سلطنت کی جانب بڑھے گا اور سقوطِ بغداد جیسی ایک نئی مثال قائم کرے گا۔ تقریب قرولتائی کے اختتام پر منگول امرا اس بحث میں پڑ گئے کہ اباقہ خان کی حکومت کو منتخب قرار دیا جائے یا اسے ملوکیت سے موسوم کیا جائے؟ اباقہ خان نے منگول امرا کو غیر ضروری باتوں میں اُلجھنے سے روکا اور مختلف قسم کے اقدامات اُٹھائے تاکہ خراسان و عراق تک کی حکومت خوش اسلوبی سے متحرک رہ سکے اسی دوران شاہ قسطنطنیہ کی جانب سے ارسال کی گئی سفارت مراغہ پہنچی۔ یہ ہلاکو خان کی اس فرمائش کا جواب تھا جو کہ اس نے کچھ عرصہ شاہ قسطنطنیہ سے کی تھی۔ سفارت اتنی تاخیر سے مراغہ پہنچی کہ ہلاکو خان مر چکا تھا۔ اباقہ خان نے شاہ قسطنطنیہ کی بھیجی ہوئی بیٹی میری (مریم) سے شادی کی اور اسے اپنی نئی ملکہ منتخب کیا۔ اس شادی کے باعث اسے بھرپور یقین ہوگیا کہ شاہ قسطنطنیہ اس کی معاونت سے کبھی انکار نہیں کر پائے گا اور اہل یورپ کی نگاہوں میں بھی وہ اہم مقام حاصل کر لے گا۔

سلطان برقائی خان کی جانب سے ایک مراسلہ اباقہ خان کو ملا، جس میں برقائی خان نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی روش سے گریز کرتے ہوئے امن و سلامتی کی زندگی کو ترجیح دے اور مسلمانوں کے ساتھ صلہ رحمی اور عمدہ سلوک روا رکھے اگر وہ ہلاکو خان کی طرح اسلامی شہروں کو پامال کرنے کی کوشش کرے گا تو اردوئے زریں کے تمام جانباز اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے۔ اباقہ خان نے نامہ سفارت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اُڑا دیا اور سفیر کی گردن اُڑانے کا حکم دیا۔ گویا یہ کھلی دشمنی کا اعلان تھا۔

برقائی خان کی طرف سے بڑھنے والا دوستی کا ہاتھ ٹھکرا دیا گیا۔ سلطان بیبرس کو نئے قاآن اعظم کی تقرری اور اس کے عزائم کی خبر ہوگئی۔ اس نے فی الوقت اس جانب کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ برقائی خان کی موجودگی میں اسے ایل خانی منگولوں کی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

1265ء کے آخر میں مغربی رومی کلیسا کے کیتھولک پوپ نے شاہ فرانس لوئی نہم کو درشت الفاظ میں مراسلہ بھیجا کہ اس کی تاخیر کے باعث اطالیہ ایک ملحد حکمران کے قبضے میں ہے، جہاں مسلمان تیزی سے بڑھ رہے ہیں اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو تھوڑے ہی عرصے میں اطالیہ میں اسلامی ریاست کا وجود عمل میں آجائے گا۔ شاہ لوئی نہم جنگ کرنے کے بجائے ایک طویل عرصے سے محض جنگی تیاریوں میں مصروف ہے، ان عسکری تیاریوں کو کیا محض دکھاوے کا نام دیا جائے؟

پوپ کے استہزائیہ مراسلے نے شاہ لوئی نہم کو جوش دلا دیا۔ وہ خود کو عیسائیت کا سب سے بڑا خیرخواہ سمجھتا تھا اور اس نے دو بار کوشش کی کہ ارض مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑا لیا جائے مگر وہاں سے ناکامی کی صورت میں وہ کسی قدر دلبرداشتہ ہوگیا تھا۔ اطالوی مسلمانوں کا نام سن کر اس کے سابقہ غصے کو ایک بار پھر ہوا ملی۔ اس نے شاہ روم کو ایک طویل مراسلہ تحریر کیا جس میں نہ صرف اس سے عسکری مدد اور رقم کا تقاضا کیا گیا تھا بلکہ یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ فتح کی صورت میں اطالیہ میں اس کا اقتدار تسلیم کیا جائے۔ شاہ روم نے کچھ توقف کے بعد اس کا مطالبہ تسلیم کرلیا اور 1266ء کے آغاز میں ایک بڑا لشکر اس کے حوالے کیا۔ شاہ فرانس لوئی نہم اس جرار لشکر کے ساتھ اطالیہ کی جانب بڑھا۔ شاہ منفریڈ کو شاہ لوئی نہم کی آمد کی خبر ملی تو وہ اپنی تمام عسکری قوت مجتمع کر کے اطالیہ کی سرحدوں پر چلا آیا۔ اس کے پرچم تلے جرمن افواج بھی موجود تھیں۔ دونوں حریفوں کے درمیان ایک زبردست معرکہ برپا ہوا جو کہ کئی دن تک جاری رہا۔ شاہ لوئی نہم نے چالاکی سے شاہ منفریڈ کے اہم امراٗ کو اپنے ساتھ ملا لیا جنہوں نے غداری کرتے ہوئے شاہ منفریڈ کو گرفتار کرادیا۔ اس کی گرفتاری پر لشکر ہمت چھوڑ گئے اور فتح شاہ لوئی نہم کے حصے میں آئی۔ اطالوی لشکر کو بری طرح پامال کیا گیا اور شاہ منفریڈ کا سر قلم کر دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم نے اطالیہ میں داخل ہوتے ہی تمام اسلامی آبادیوں کو بالخصوص نشانہ بنایا۔ بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور بڑی تعداد کو سمندر میں ڈبو دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم کی اسلام دشمنی اندلسی عیسائیوں کے لیے کسی قدر کم نہ تھی۔ مسلمانوں سے فارغ ہوکر شاہ لوئی نہم نے اپنے بھائی اسٹیفین کو چارلس اوّل کا لقب دے کر اطالیہ کے تخت پر بٹھایا اور واپس فرانس لوٹ گیا۔ شاہ روم نے شاہ منفریڈ کی اطالوی حکومت کے خاتمے پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

سلطان بیبرس کو جب شاہ منفریڈ کی شکست کی خبر ملی تو وہ بے حد افسردہ ہوا۔ اس نے اپنے تئیں پوری کوشش کی تھی کہ وہ بحری بیڑے تیار کروا کر مسلمانوں کے اس محسن و ہمدرد کی مدد کے لئے مملوک افواج روانہ کرے مگر حالات کی کروٹ نے ایسا نہ ہونے دیا۔ صلیبی شرپروں کے باعث دمیاط کے دارالصناعۃ میں ہونے والا کام کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے اسے مشیت ایزدی خیال کرتے ہوئے اپنی سلطنت کے انتظام کی جانب توجہ مبذول کر دی۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس اسلامی سلطنت کے تعمیراتی امور سے فارغ ہوا تو اسے ایک بار پھر سرحدوں سے شکایات ملنا شروع ہوگئیں کہ صلیبی سردار کا خوف زائل ہو چکا ہے اور وہ سلطان بیبرس کے سابقہ ضربوں کی اثر

سے باہر نکل گئے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف دوبارہ مسلمان قافلوں کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے بلکہ وہ موقع پا کر اسلامی شہروں کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سلطان بیبرس ان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ اطلاع ملی کہ انطاکیہ کی سرحد کے قریبی شہر کے مدرسے کو نشانہ بنایا گیا ہے اور طلباء کی کثیر تعداد کو تہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ سلطان بیبرس جیسا علم دوست حکمران یہ سن کر تڑپ اُٹھا۔ اس نے فوری طور پر مملوک لشکریوں کو تیاری کا حکم دیا تاکہ صلیبی شرپروں کی گوشمالی کی جا سکے۔ سلطان بیبرس کی تیاری کی خبر سن کر صلیبی محتاط ہوگئے اور تیزی سے اپنے اپنے قلعوں میں سامان رسد جمع کرنے لگے۔ سلطان بیبرس کا نزلہ کس پر گرے گا اس کی تو کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ سلطان بیبرس 665ھ بمطابق 1266ء میں اپنے لشکروں سمیت قاہرہ سے نکلا اور شمال مشرق کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اسلامی لشکر کی روانگی کی اطلاع پاتے ہی صلیبی جنگجوؤں نے حفاظتی انتظامات میں تیزی پیدا کر دی۔ سلطان بیبرس حسب عادت مخالف سمت میں بڑھتا چلا گیا اور صلیبی قلعوں سے دور نکل گیا۔ یہ اطلاع پا کر صلیبی جنگجو حیران رہ گئے کہ سلطان بیبرس ان کی جانب بڑھنے کے بجائے دوسری جانب کیوں نکل گیا ہے؟ انہیں کسی حد تک یقین تھا کہ سلطان بیبرس چکر کاٹ کر انہی کی جانب بڑھے گا مگر جب کئی دن بیت گئے اور سلطان بیبرس کی کچھ خبر نہ مل پائی تو انہیں یہ یقین ہونے لگا کہ سلطان بیبرس کسی دوسرے مقام پر صف آرا ہے۔ تمام صلیبی قلعے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں تھے تاکہ بوقت ضرورت انہیں ایک دوسرے کی معاونت حاصل ہو سکے۔ سلطان بیبرس سترہ دن بعد اچانک صلیبی قلعوں کے قریب نمودار ہوا اور اس نے تیزی سے بڑھ کر صفد کے مشہور قلعے کا کچھ اس انداز سے محاصرہ کرلیا کہ وہ دوسروں تک خبر پہنچانے کے قابل نہ رہے۔ صفد کا قلعہ نہایت بلند اور مضبوط انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ صلیبی سرداروں نے سلطان بیبرس کے متوقع حملے کے پیش نظر اس کے گرد عمیق خندقیں کھود رکھی تھیں۔ خندقوں کے باعث اسلامی لشکر قلعہ کے قریب نہیں پہنچ پایا۔ صفد کا قلعہ خاص ہیکلی جنگجوؤں کی آماجگاہ تھا جو کہ عرف عام میں ٹمپلرز کہلاتے تھے۔ یہ وہ گروہ تھا جو کہ یروشلم میں ہیکل سلیمانی کے بالکل قریب رہتے تھے، اسی نسبت سے انہیں ہیکلی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ آغاز میں اس گروہ کا مقصد خدمت خلق تھا جو کہ زائرین کی آسانی کے لئے مصروف رہتے تھے مگر مسلمانوں سے جنگوں کے باعث یہ گروہ عسکری تربیت حاصل کرنے لگا اور وہ ایک جنگجو فرقہ کی صورت میں ابھرا۔ یہ لوگ کٹر مذہبی اور تعصب پسند تھے جنہیں مسلمانوں کے وجود سے سخت نفرت تھی۔ ان کی سفاکی کی داستانیں تاریخ کے اوراق پر بکھری ہوئی ہیں۔ مسلم دشمنی میں اس گروہ سے زیادہ بربریت کا مظاہرہ کسی دوسرے گروہ نے نہیں کیا۔ سلطان بیبرس کو ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔ اسی لئے اس بار صفد کے اس اہم قلعے کو منتخب کیا گیا تھا۔ اسلامی لشکر قلعہ صفد کے گرد مضبوط محاصرہ ڈال کر بیٹھ گیا۔ سلطان بیبرس نے سب سے پہلے مجاہدین کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ کسی بھی طریقے سے خندقیں پُر کریں تاکہ قلعہ کی فصیل تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہو سکے۔ مجاہدین کی دن رات کی محنت سے خندق کا ایک بڑا حصہ صرف بارہ روز میں پُر کر دیا گیا۔ صلیبی جنگجوؤں نے فصیل پر رہتے ہوئے مختلف حربوں سے اسلامی لشکر کو باز رکھنا چاہا مگر انہیں کامیابی نہ ہوسکی کیونکہ سلطان بیبرس نے مہارت یافتہ تیر اندازوں کا ایک بڑا دستہ ان کے مقابلے میں تعینات کر دیا تھا جو کہ پورا نشانہ باندھ کر ایسے تیر چلاتے کہ وہ خطا نہ جاتا۔ خندق کی بھرائی کی تکمیل کے بعد سلطان بیبرس نے افواج کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر قلعہ کی فصیل میں شگاف ڈالیں۔ صلیبی سپاہیوں کے لئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا کیونکہ قلعہ میں شگاف کی صورت میں انہیں عام لڑائی کرنا پڑتی اور قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ عمدگی سے جنگ نہ کر پاتے لہٰذا صلیبی جنگجوؤں نے مختلف ٹولیوں کی صورت میں اسلامی لشکر پر حملہ بولنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ زیادہ مؤثر ثابت

نہ ہوسکا کیونکہ اسلامی لشکر کی تعداد زیادہ تھی اور صلیبی سپاہیوں کے جوشیلے انداز کا فائدہ اُٹھا کر انہیں آسانی سے گھیر لیا جاتا اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اکیسویں روز اسلامی لشکر قلعہ کی فصیل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس شگاف کے پڑتے ہی مسلمانوں نے تابڑ توڑ حملوں کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ صلیبی جنگجو عاجز آگئے اور انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ صفد میں داخل ہو کر عام شہریوں کو تو معافی دے دی مگر دو ہزار کے قریب ہیکلی جنگجوؤں کو گرفتار کر لیا اور فوری طور پر انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ یوں صلیبی جنگجوؤں کا ایک اور اہم مرکز ان کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی لشکر کے قبضے میں آگیا۔ حسب روایت قلعہ کی فصیل مسمار کر دی گئی اور تمام ایسے مرکز ڈھا دیئے گئے جہاں صلیبی جمع ہو کر عسکری قوت تعمیر کر سکتے تھے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ کی نصرانی رعیت کو کھلے لفظوں میں تنبیہ کی کہ اگر وہ امن و امان سے زندگی بسر کریں تو بلادِ اسلامیہ کی حکومت ان کے حقوق کی پوری طرح نگہبانی کرے گی اور تمام سہولتیں بہم پہنچائے گی جو کہ دوسرے شہروں کو حاصل ہیں بصورت دیگر ان کی سرکشانہ روش انہیں دربدری میں مبتلا کر دے گی۔ اگلی بار سلطان بیبرس کو اس جانب آنا پڑا تو نہ تو یہ قلعہ باقی رہے گا اور نہ ہی اس میں بسنے والے۔ سلطان بیبرس کے لہجے میں ایسی سختی اور درشتی تھی کہ قلعہ صفد کی نصرانی رعیت سہم کر رہ گئی۔ سلطان بیبرس نے صفد کے قلعے سے فارغ ہو کر کوچ کیا اور دریائے اُردن کے کنارے پر جا پہنچا۔ اچانک کسی خیال کے باعث اس نے مملوک لشکر کے عمدہ معماروں کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ ایک پُل تیار کریں جو کہ دونوں جانب سفر کرنے کو آسان بنائے۔ مملوک معمار حکم سلطانی کے مطابق اس نئے پُل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے، جس کا نام جسر الدامیہ منتخب کیا گیا تھا۔

صفد کے قلعے کی خبر جب دوسرے صلیبی قلعوں تک پہنچی تو وہ محض سٹپٹا کر رہ گئے۔ سلطان بیبرس ایک بار پھر انہیں کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ صلیبی سلطان بیبرس کی جانب سے موصول ہونے والی شکستوں کی اذیت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ ہر وقت اسی احساس میں غلطاں رہنے لگے کہ جانے کس وقت اور کس جانب سے اچانک اسلامی لشکر نعرہ تکبیر لگاتا ہوا نمودار ہو اور ان کا محاصرہ کر لے؟

❀❀❀

گل وقوژ متحیر انداز میں قلعہ بانیاس میں داخل ہوئی۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے شیخ الرئیس کبیرالدین کی جانب سے یہ پیغام ملا تھا کہ وہ فوری طور پر اس کے پاس پہنچے۔ وہ ان دنوں قلعہ مصیاف مقیم تھی۔ قلعہ مصیاف زیادہ دور تو نہیں تھا مگر پتھریلے راستوں پر سفر خاصا دشوار تھا۔ گل وقوژ نے حماۃ سے واپس لوٹ کر قلعہ بانیاس میں قدم رکھے ہی تھے کہ اچانک اسے فوری طور پر قلعہ مصیاف کر روانہ ہو جانے کا حکم ملا۔ وہ کچھ نہ سمجھ پائی اور خاموشی سے قلعہ مصیاف روانہ ہوگئی۔ وہیں اس سے شیخ ابوراضیاء نے آکر طویل ملاقات کی اور حماۃ کی مہم کے بارے میں استفسار کیا۔ گل وقوژ نے تمام حالات اس کے گوش گزار کر دیئے۔ شیخ ابوراضیاء تمام واقعات کے ساتھ واپس لوٹ گیا تھا۔ تین دن کے بعد ہی اسے اچانک قلعہ بانیاس میں پہنچنے کی ہدایت ملی تو وہ حیران رہ گئی کہ ایسی کیا وجہ ہے کہ اسے پہلے فوری طور پر قلعہ مصیاف روانہ کیا گیا اور اب قلعہ بانیاس میں طلب کیا جا رہا ہے وہ جب قلعہ بانیاس میں پہنچی تو شیخ الرئیس کو خبر کر دی گئی۔ شیخ کبیرالدین نے جلد ہی اسے اپنے خاص کمرے میں ملاقات کے لئے طلب کر لیا۔ وہ خاص غلام کے ہمراہ وہاں پہنچی تو اس نے شیخ کبیرالدین کو ایک دیوار کے پاس کھڑے پایا جہاں ایک بڑا سا نقشہ آویزاں تھا۔ یہ نقشہ قہستان کی اس عظیم الشان سلطنت کا تھا جو کہ ماضی قریب میں بربادی کا شکار ہو چکی تھی۔

قدموں کی آہٹ پا کر شیخ کبیرالدین مڑا۔ اس نے گل وقوژ کی صورت دیکھی تو اس کے چہرے پر دھیمی

سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گل وقوژ کو ایک جانب کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گل وقوژ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"تم یقیناً حیران ہو رہی ہوگی کہ آخر اس بے وقت طلبی کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟"

"شیخ الرئیس کا انداز غلط نہیں ہے"۔ گل وقوژ مختصراً بولی، اس کا چہرہ ہر طرح کے تاثر سے پاک، بالکل سپاٹ دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ کئے عہد میں پوری دیانت داری کا مظاہرہ کیا ہے اور حماۃ میں جو کچھ بھی ہوا اسے فراموش کر کے حقیقی گھر میں لوٹ آئی ہو، تمہارے پاس اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہیں تھا کہ تم حماۃ سے کسی بھی طرف بآسانی فرار ہو جاتیں کیونکہ اس وقت تمہارے گرد ہمارے لوگوں کا حصار موجود نہیں تھا بلکہ ہم لوگوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم قید خانے کی حدود سے باہر نکل چکی ہو"۔ شیخ کبیرالدین کے لہجے میں بے حد اپنائیت تھی۔

"شیخ الرئیس! مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں، اس کا فیصلہ میں بہت پہلے کر چکی ہوں، میں اب مزید گھٹ گھٹ کر جینے کی خواہش نہیں رکھتی۔ جادودانی آسمان کی طاقتوں نے مجھ میں کچھ اہم قوتیں بیدار کر دی ہیں اور میں انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتی"۔ گل وقوژ کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"ہمیں تمہارے اس فیصلے پر بے حد خوشی ہے کہ تم اپنے طاقتور جادودانی آسمان کی قوتوں کے بہاؤ کا رُخ ہماری مدد میں موڑنا چاہتی ہو"۔ شیخ کبیرالدین نے تعریفی انداز میں کہا۔

"شیخ الرئیس!" گل وقوژ کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔ "ان قوتوں کی ایک قیمت مقرر ہے، کوئی بھی انہیں بلا قیمت حاصل کرنے کی توقع نہ ہی رکھے تو زیادہ بہتر ہوگا"۔

شیخ کبیرالدین چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اسے شاید اس قسم کی جارحیت کی توقع نہیں تھی، اس کے چہرے پر شکنیں گہری ہوئیں اور پھر چہرہ معتدل دکھائی دینے لگا۔ گل وقوژ یوں بے پرواہ بیٹھی رہی جیسے شیخ الرئیس کی ناگواری اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

"یہ مت بھولو کہ تم حماۃ سے ناکام واپس لوٹی ہو"۔ شیخ الرئیس کا لہجہ کسی قدر بگڑ گیا۔

"میری اس ناکامی کی وجہ آپ کے ساتھیوں کی غلط منصوبہ بندی اور طوالت تھی، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میں یقیناً پہلی بار میں ہی کامیاب ہو چکی ہوتی"۔ گل وقوژ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"میں کسی ناگوار بحث میں نہیں پڑنا چاہتا...... تم صرف میرے لئے کام کرو، بس یہی میری ضرورت ہے، تمہیں جو کچھ بھی چاہئے ہوگا وہ تمہیں بلاتاخیر ملتا رہے گا"۔ شیخ الرئیس نے بات کا رُخ بدلنے کی کوشش کی۔

گل وقوژ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی شیخ کبیرالدین بخوبی سمجھ گیا کہ وہ اس کی بات سے متفق ہو چکی ہے اور اب اپنی آمد کی وجہ جاننا چاہتی ہے۔

"گل وقوژ!" شیخ کبیرالدین نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے بخوبی یاد ہے کہ میں نے قلعہ الموت میں تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہاری ذاتی زندگی میں کبھی دخل اندازی نہیں کروں گا، اور میں نے کبھی ایسا نہیں کیا مگر آج ایک ایسی کڑی ضرورت آن پڑی ہے کہ مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے...... کیا تم اس ضمن میں مجھ سے تعاون کرو گی؟"

"میں کچھ سمجھی نہیں......؟" گل وقوژ کے چہرے پر تعجب دکھائی دیا۔

"تمہاری گزشتہ زندگی میں کچھ نام موجود تھے جو کہ مسلسل تمہارے تعاقب میں رہے ہیں، جن میں سے ایک نام شنگ خان کا بھی تھا جسے تم نے حماۃ میں اپنی زندگی کی فہرست میں سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دیا

ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں شنگ خان جیسے بہادر شخص کی موت کا خواہش مند نہیں تھا مگر جو بھی ہوا، مجھے اس کا افسوس نہیں''۔

''مجھے سابقہ زندگی کے کسی نام سے کوئی غرض نہیں ہے''۔ گل وتوژ خشک لہجے میں بولی۔

''تمہیں غرض نہ سہی مگر مجھے تو ہے...... اپنے لئے نہ سہی مگر میرے لئے تو تم یہ کام کر سکتی ہو''۔ شیخ الرئیس کو اس کے بے حد خشک اور بے مروت انداز پر خاصی حیرت ہو رہی تھی۔

''وہ کون ہے؟'' گل وتوژ نے دریافت کیا۔

''مطیع الدین!'' شیخ الرئیس دھیمے لہجے میں بولا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں، گل وتوژ یہ نام سن کر چونک پڑی۔ اس کے چہرے پر ہلکا سا لرزہ طاری ہوا مگر چند ہی لمحوں بعد اس کا چہرہ پرسکون ہو گیا۔ گل وتوژ کی یہ کیفیت شیخ کبیرالدین کے لئے بالکل نئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک عجیب نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' گل وتوژ نے مختصراً پوچھا۔

''تمہیں میری بات خاموشی سے سننا ہوگی''۔ شیخ کبیرالدین نے کسی خدشے کے تحت اسے تنبیہ کی۔

''مطیع الدین اردوئے زریں کے سلطان اور ہمارے محسن برقائی خان کی جانب سے قلعہ الموت میں آیا تھا، میں اس وقت بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس کی آمد کا کوئی دوسرا سبب بھی ہو سکتا ہے مگر جب شنگ خان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تو میں سمجھ گیا کہ تمہاری نگاہوں میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ تم ان دنوں شام روانہ ہو چکی تھیں، اس لئے مجھے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ قلعہ الموت پر ہلاکو خان کی یلغار کے وقت مطیع الدین نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں وہاں سے نکلنے میں مدد دی اور پھر وہ وہاں سے واپس لوٹ گیا مگر پھر اچانک وہ یہاں چلا آیا اور اس نے ہم سے کھلے الفاظ میں تمہیں آزاد کرنے کا مطالبہ کیا۔ تم ان دنوں حماۃ میں قید تھیں۔ میں نے اسے سابقہ احسان کے باعث ہلاک نہیں کیا اور زنداں میں ڈال دیا۔ اسی دوران اس نے ہمیں پیغام بھیجا کہ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اسے جب بلوایا گیا اور دریافت کیا گیا تو اس نے ہماری حمایت کی اور یہ یقین دلایا کہ وہ قہستان کے قیام کے لئے ہر ممکن طریقے سے ہماری مدد کرے گا اور اس مدد کے عوض گل وتوژ اس کی ملکیت ہوگی۔ ہم نے اس کا امتحان لینے کے لئے ایک انتہائی اہم مہم کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیا تاکہ وہ حقیقی معنوں میں یہ ثابت کر سکے کہ وہ ہماری مدد کرنے کے لائق ہے''۔

''اس تمام بات کا مجھ سے کیا واسطہ ہے؟'' گل وتوژ خاموش نہ رہ سکی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں میری بات ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا مگر تم پھر بھی بیچ میں بول پڑیں بہرکیف میں نے اسے یقین دہانی کرادی تھی کہ میں اسے گل وتوژ دے دوں گا مگر آخری فیصلہ گل وتوژ کرے گی۔ آج مطیع الدین کی روانگی کا دن تھا اور اس نے روانہ ہونے سے پہلے یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ روانہ ہونے سے پہلے ایک بار تمہیں ملنا چاہتا ہے۔ اسی لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے کہ کیا تم اس سے ملاقات کرنا پسند کرو گی یا نہیں......؟ یہ یاد رکھنا کہ میں اس سلسلے میں تمہاری خواہش کا پورا احترام کروں گا''۔ شیخ الرئیس نے اپنی بات مکمل کی تو گل وتوژ دھیمے انداز میں مسکرانے لگی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس دریائے اردن پر جسر الدامیہ نامی پل کی تعمیر پر کئی ہفتے تک خود نگرانی کرتا رہا قریباً تمام مملوک لشکر اس نئے پل کی تعمیر میں تن دہی سے مصروف تھا۔ کسی کو بھی مطلق خبر نہیں تھی کہ اس پل کی تعمیر کے پیچھے

سلطان بیبرس کا کیا مقصد پوشیدہ ہے؟ ہر کوئی اپنی اپنی رائے زنی کرتا رہا کہ ایک دن سلطان بیبرس نے اچانک مملوک لشکر کے ایک بڑے حصے کو قابل و ہونہار سالار امیر امرالدین آقسنقر کی قیادت میں واپس قاہرہ روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سپاہی یہ عجیب حکم سن کر دنگ رہ گئے کیونکہ وہ یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ پل کی تعمیر کے فوراً بعد انہیں اگلے معرکے سے نبرد آزمائی کرنا ہوگی مگر سلطان بیبرس کی حکمت عملی کچھ اور ہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ صلیبی سردار بھی ورطۂ حیرت میں مبتلا تھے کہ سلطان بیبرس لشکر کشی کا سلسلہ چھوڑ کر کس کام میں مشغول ہو گیا ہے؟ ان میں کچھ سرداروں نے شجاعت اور جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس امر پر ابھارا کہ انہیں پوری تیاری کے ساتھ اچانک غافل سلطانی لشکر پر حملہ کر دینا چاہئے مگر صلیبی سردار اس بات کو عملی صورت دینے میں ناکام رہے۔ کچھ صلیبی سردار تو رعب وخوف کے بوجھ تلے آ چکے تھے اور کچھ اپنی برتری ثابت کرنے کے درپے تھے یہی وجہ تھی کہ عدم اتفاقی کے باعث وہ محض سوچتے ہی رہ گئے۔ سلطان بیبرس نے لشکروں کی روانگی کے بعد مزید دو دن تک وہاں قیام کیا اور پل کی تعمیر میں احکامات وہدایات جاری کیں۔ دو دن بعد اس نے مملوک امیر مغیرالدین شرقہ کو موجود تمام افراد پر ناظم مقرر کیا اور پل کی تکمیل کے بعد اسے تمام ساتھیوں کے ساتھ واپس قاہرہ لوٹنے کی ہدایت کی۔ ان امور سے فارغ ہو کر وہ خود تن تنہا دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ دمشق میں چند دن تک رہ کر اس نے بلادِ شام کے انتظامات کا جائزہ لیا اور وہاں امیر قلادن الفی کو ہدایات دیں اور بلادِ عراق کی جانب نکل گیا۔ اس جانب آنے کا مقصد محض تاتاریوں کے انتظامات کا جائزہ لینا تھا۔ وہ ہلاکو خان کی موت کے بعد یہ جاننا چاہتا تھا کہ اب تاتاریوں کے کیا ارادے ہیں اور وہ کس قدر مضبوط ہیں؟ بلادِ عراق کا یہ دورہ انتہائی خفیہ تھا کہ تاتاریوں کو بھنک بھی نہ پڑ سکی کہ سلطان بیبرس ان کے درمیان آزادی سے گھوم پھر رہا ہے۔ تاتاری امراء اور سلطانی نظام کو عیش وعشرت میں مبتلا دیکھ کر سلطان بیبرس کو تسلی ہوئی کہ ان کی جانب سے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس نے بلادِ عراق سے واپسی اختیار کی اور سیدھا عرب میں داخل ہو گیا۔

ذی الحجہ 667ھ میں وہ اچانک ارضِ حجاز میں نمودار ہوا۔ اس کی کوشش تھی کہ کوئی اسے پہچان نہ پائے اور خاموشی سے امراء و والئ مکہ کی کارکردگی کا جائزہ لے سکے مگر اتفاق سے اسے مکہ کے ایک امیر نے پہچان لیا اور والئ مکہ کو خبر دی۔ والئ مکہ سلطان بیبرس کی آمد کی خبر پا کر اس کے پاس چلا آیا۔ اس نے قصر امارت میں ٹھہرنے کی پیش کش کی تو سلطان بیبرس نے بتایا کہ اس کا ارادہ یہ نہیں ہے کہ وہ قصر امارت میں ٹھہرے بلکہ وہ تو فریضہ حج کے لئے وہاں پہنچا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ ایک عام مسلمان کی طرح حج ادا کرے اور قاہرہ لوٹ جائے۔ والئ مکہ نے سلطان بیبرس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا اصرار جاری رکھا تو سلطان بیبرس قصر امارت چلا آیا۔ حج پر اس نے احرام باندھا اور ایک عام مسلمان کی مانند مناسک حج ادا کئے۔ میدان عرفات سے وہ بیت اللہ آیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کو عرق گلاب سے غسل دیا اور اس پر دیبا کا غلاف چڑھایا۔ اس موقعے پر اس نے مسلمانوں سے خطاب کیا اور انہیں شعائر مذہبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات کو جہاد کے لئے ابھارا۔ تاتاریوں اور صلیبی جنگجوؤں کے خطروں کو بیان کرتے ہوئے اس نے زور دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کندھا ملا کر آگے بڑھیں، انشاءاللہ تعالیٰ دشمن ملیامیٹ ہو کر رہ جائے گا۔

سلطان بیبرس مکہ سے نکل کر مدینہ طیبہ پہنچا اور روضہ رسولؐ پر حاضری دی۔ مسجد نبوی میں وہ پورا دن بیٹھا عبادت میں مصروف رہا۔ شام کے بعد مسجد کے متولی نے اس کی توجہ ایک اہم کام کی جانب دلائی۔ کچھ

سال قبل مسجد نبوی میں کسی باعث آگ لگ گئی تھی اور ایک بڑا حصہ جل کر گر پڑا۔ اس اندوہ ناک خبر نے تمام عالم اسلام کو مغموم کیا تھا۔ بغداد کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ نے فوری طور پر اس جانب توجہ دی اور اعلیٰ مہارت یافتہ معماروں کو معین کیا کہ وہ مسجد نبوی کے گرے ہوئے حصے کی مرمت کریں، لیکن ہلاکو خان کی وجہ سے سقوط بغداد کے بعد یہ کام نامکمل رہ گیا اور معمار بغداد کی تباہی کے غم میں مغموم واپس لوٹ گئے۔ یہ گرا ہوا حصہ اس دن سے اسی طرح پڑا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس حصے کا جائزہ لیا تو اسے بے حد دُکھ ہوا۔ اس نے فوری طور پر اس کی تعمیر کا حکم دیا اور قاہرہ کی حکومت کو اعلیٰ معمار اور اخراجات کی رقم روانہ کرنے کا حکم دیا۔

تیسرے دن سلطان بیبرس مسجد نبویؐ میں ہی تھا کہ اس کے مشاہدے میں ایک اور بات آئی جس سے اسے بے حد اذیت پہنچی کہ مسلمانانِ اسلام روضہ نبویؐ کا صحیح معنوں میں احترام نہیں کرتے اور بلا تکلف قبر مبارک کے بالکل قریب پہنچ جاتے ہیں اور قبر مبارک کو حصار میں لئے کھڑے رہتے ہیں۔ اس میں کسی قدر سوئے ادب پایا جاتا تھا یہ فعل جہاں غیر شائستہ اور عدم احترامیت کا باعث تھا وہیں اس سے کئی سنگین خدشات بھی پیدا ہوتے تھے۔ گویا روضہ مبارک تک ہر خاص و عام کی رسائی تھی جس سے دشمنانِ اسلام کی جانب سے قبر انور کو نقصان پہنچنے کا احتمال بھی تھا۔ نور الدین زنگی کے دور میں بھی یہودی قبر انور کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر چکے تھے۔ دوسرا سلطان بیبرس کے دل میں اس حدیث مبارکہ نے بھی تڑپ پیدا کر دی جس میں نبی کریم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ کہیں میری قبر ''بت'' نہ بن جائے۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر روضہ اقدس میں محافظ تعینات کئے جو کہ لوگوں کو روضہ اقدس میں داخل ہونے سے روکتے۔ اس کے فوری بعد اس نے علماء و مشائخ سے فتویٰ حاصل کیا اور قبر انور کے گرد لوہے کا مضبوط محجر (کٹہرہ) تعمیر کرایا جو کہ آج تک ویسے کا ویسا ہی موجود ہے۔ اس طرح قبر انور نہ صرف محفوظ ہو گئی بلکہ عدم احترامیت کے خدشے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے سلطان بیبرس کے اس اقدام کی مخالفت کی کہ اس نے مسلمانوں کے دینی و حب نبویؐ جذبات کو کچلنے کی کوشش کی ہے مگر یہ خیال بہت جلد ہی دم توڑ گیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر و مرمت اور روضہ اقدس کی اہم حفاظت کی سعادت سلطان بیبرس کے حصے آئی۔ سلطان بیبرس ارضِ حجاز میں کچھ دن مزید ٹھہرا اور دیگر انتظامات کی بہتری کے اقدامات کئے جن میں حجاج کے لئے پانی کے کنویں اور سراؤں کی تعمیر بھی شامل تھی۔

سلطان بیبرس ارضِ حجاز سے سیدھا قاہرہ واپس لوٹا جہاں مملوک لشکر اس کے اگلے حکم کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ سلطان بیبرس نے قاہرہ پہنچتے ہی عسکری تیاریوں کا جائزہ لیا اور دربارِ خلافت کی اجازت سے یہ حکم جاری کرایا کہ خانہ کعبہ کے تیار کئے جانے والے محمل شریف کو مکہ روانہ کرنے سے پہلے قاہرہ کے تمام حصوں میں گھمایا پھرایا جائے اور اس کے آگے مملوک مہارت یافتہ افراد کے اکھاڑوں کا انعقاد کیا جائے۔ یہ سپاہی اپنی عسکری مہارت کا بھرپور مظاہرہ کریں اور عام لوگوں کو شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی مبارزت کی دعوت دیں۔ یہ طریقہ کار قاہرہ سے لے کر مکہ تک راستے میں آنے والے تمام بڑے شہروں میں اختیار کیا جائے تاکہ لوگ جہاں تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوں تو ان میں بھی اگلی بار مقابلوں میں حصہ لینے کا جوش پیدا ہو سکے۔ مملوک سپاہیوں سے جیتنے والے افراد کو باقاعدہ انعامات دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔ یہ سب کارروائی صرف اس لئے کی گئی تھی کہ عالم اسلام اس دور میں مشکلات و مصائب سے نبرد آزما تھا اور مسلمانوں کی غفلت کے باعث ان میں سپاہیانہ صلاحیتوں کا فقدان پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کے حوصلے بے حد بلند ہو چکے تھے اور وہ بار بار ان پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست و ریخت میں مبتلا کر رہے تھے۔ سلطان بیبرس نے محمل شریف کے تقدس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جس مہم کا آغاز کیا تھا وہ لوگوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ لوگ نہ صرف سپاہیوں کی

مہارت کے مظاہرے دیکھتے بلکہ ان کے اندر بھی ان فنون حرب کو سیکھنے کا رجحان پیدا ہونے لگا۔ پہلے ہی سال میں ہزاروں نوجوان عسکری مہارت کے بل بوتے پر اسلامی لشکر میں شامل کئے گئے اور انہیں کئی مراعات بھی دی گئیں۔

❁ ❁ ❁

وہ ایک خاص گھڑ سوار دستہ تھا جو تیز آتشی رنگ کے لباس میں ملبوس تھا۔ ان کے ہاتھوں میں مضبوط آہنی ڈھالیں موجود تھیں جنہیں سپاہیوں نے اپنے بائیں ہاتھوں میں پکڑ رکھا تھا جبکہ دائیں ہاتھ میں عریاں تلواریں موجود تھیں۔ ان کی تعداد تین سو سے زائد نہیں تھی۔ ان کے بیچوں بیچ ایک خاص گھڑ سوار موجود تھا جس کے اوپر ایک بڑی چھتری سے اوٹ کی گئی تھی۔ وہ دستہ دھیمی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس دستے کے عقب میں کچھ فاصلے پر ایک دوسرا دستہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے لباس کسی قدر مختلف تھے۔ وہ گہرے نیلے رنگ کے لباس میں ملبوس تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی تلواریں اور ڈھالیں تھیں۔ دونوں دستوں میں جو چیز مشترک تھی وہ ایک مخصوص علامت تھی جو کہ ان کی ڈھالوں اور زرہ بکتر پر نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ یہ علامت ایک منقش صلیب کی تھی جو کہ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ دستے نصرانی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا دستہ شاہ ہف سوئم، سابق شاہ یروشلم کا تھا جبکہ دوسرے دستے میں انطاکیہ کا حکمران شاہ بوہمنڈ (بوہیمان) موجود تھا۔ یہ لوگ ساتھ ساتھ سفر کر سکتے تھے مگر کسی مصلحت کے باعث بہت کم فاصلہ رکھتے ہوئے ارض مقدس کے شمال مغرب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کا رُخ ارضِ نوبہ (سوڈان) کی جانب تھا۔ نوبہ بلادِ مصر کے ساتھ ایک چھوٹی سی مگر بے حد مضبوط عیسائی سلطنت تھی جہاں شاہ ڈیوڈ خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکومت کر رہا تھا۔

چند ماہ پہلے شاہ ہف سوئم اور شاہ ڈیوڈ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں بعد میں انطاکیہ کا شاہ بوہمنڈ اور دیگر اہم شخصیات بھی شریک ہو گئیں۔ ان کی باہمی مراسلت کا مقصد بلادِ مصر و شام کی مضبوط اور وسیع سلطنت سے صلیبی جنگجوؤں کو درپیش خطرات کا سد باب کرنے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنا تھا۔ آغاز میں یہ سلسلہ رسمی انداز میں چلتا رہا مگر بعد میں سلطان بیبرس کی جانب سے ایک کے بعد ایک اہم صلیبی قلعوں کی فتح اور مسماری کی خبروں نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس ضمن میں کوئی ٹھوس قدم اُٹھانا ضروری ہے۔ شاہ نوبہ ڈیوڈ نے شاہ ہف سوئم اور شاہ بوہمنڈ سمیت اہم نصرانی سرداروں و حاکموں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت خالصتاً جذبہ عیسائیت پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے شاہ قسطنطنیہ کا وہ مراسلہ متحرک تھا جس میں اس نے باقاعدہ شاہ نوبہ سے صلیبی علاقوں کی حفاظت اور مدد کی فراہمی کی درخواست کی تھی، اور ساتھ ہی کئی اہم مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا۔

یوں تو سلطان بیبرس کی بصیرت انگیز حکمت عملی نے شاہ قسطنطنیہ کو صلیبی جنگجوؤں سے بالکل کاٹ کر رکھ دیا تھا اور وہ براہ راست ان کی کسی بھی طرح مدد کرنے سے قاصر تھا مگر وہ مخفی طور پر پس پردہ ایسے اقدامات میں مشغول رہتا جس سے صلیبی جنگجوؤں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی سلطان بیبرس کو اس کے شرارت آمیز اقدامات کی اکثر خبر مل جاتی مگر وہ اس کی ان چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو فی الوقت نظر انداز کرتا رہا۔ شاہ قسطنطنیہ کی بھرپور کوشش تھی کہ ارض مقدس میں موجود نصرانی حکومت کو اپنے قدم جمانے کا موقع مل جائے اور کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ مسلمان ارض مقدس میں ان کی باقاعدہ حکومت تسلیم کر لیں اور جنگ و جدل کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ممکن تھا کہ اس کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی اگر ارض مقدس پر آنے والے صلیبی جنگجو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب کا مظاہرہ کرتے۔ وہ فاتح کے بجائے مسیحی خدمت گزار کی حیثیت سے ارضِ مقدس میں ٹھہرتے اور اپنی

اعلیٰ حکمت عملی اور اخلاق کا ثبوت دیتے اور امن وسلامتی کی راہوں پر سفر کرتے تو شاید گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں ارضِ مقدس کے لوگوں کا دل جیت لیتے اور مسلمانوں کے مقابل ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر صلیبی جنگجو ارضِ مقدس میں لٹیروں کی مانند داخل ہوئے اور پے در پے کئی بار انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ فلسطینی عیسائیوں پر وہ ظلم وستم ڈھایا کہ وہ بلبلا اُٹھے۔ یہی وجہ ان کے خلاف اسلامی جہاد کا باعث بنی اور مشہور مجاہدین اور سلطانوں نے ان کے شریر دماغوں کو درست کرتے ہوئے انہیں کئی بار شکست سے دوچار کیا۔ یورپ وقسطنطنیہ کی جانب سے مسلسل مدد کے باعث وہ طویل مدت سے یہاں موجود تھے اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک پر مہارت رکھتے تھے سلطان بیبرس نے ان کی حوصلہ شکنی کر کے ثابت کر دیا تھا کہ انہیں اگر ارضِ مقدس میں رہنا ہے تو وہ صرف امن کی صورت میں رہ سکتے ہیں ورنہ ان کے قیام کے لئے بلادِ اسلامیہ میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

شاہ بوہمنڈ اور شاہ ہف سوئم اور دیگر صلیبی امرأ کے یہ مختصر قافلے عکہ سے ہوتے ہوئے یافا اور طرابلس الشام کے راستے بحیرہ احمر کے ساحلوں پر سفر کرتے ہوئے ارضِ نوبہ پہنچے وہاں شاہ ڈیوڈ نے ان کا بھرپور انداز میں استقبال کیا۔ ارضِ نوبہ میں اس دور کی سب نصرانی ممتاز شخصیتیں جمع تھیں جن میں فرمانروائے صقلیہ شاہ فریڈرک، جو کہ یروشلم کا سابق حکمران رہ چکا تھا اور اسلامی لشکر سے پے در پے شکستیں کھا کر اور صلیبی ساتھیوں کی بدسلوکی سے دلبرداشتہ ہو کر صقلیہ واپس لوٹ گیا تھا۔ شاہ یوجیکلی جو کہ طرابلس الشام کا حاکم تھا۔ شاہ جیکارڈ دوم، جو کہ قبرص کا حکمران تھا۔ شاہ بیٹن، جو کہ بلادِ شام اور بلادِ قونیہ کے درمیان موجود اہم نصرانی سلطنت آرمینیہ کا حکمران تھا اور دیگر صلیبی قلعوں کے سردار وحکمران شامل تھے۔

ان سب سیاسی شخصیتوں کی مشترکہ آمد نے نوبہ کو خطے میں نہایت اہم بنا دیا۔ شاہ ڈیوڈ نے ان سب کی خوب خاطر مدارت کی اور ان کے سامنے سلطان بیبرس کی حکمت عملی رکھتے ہوئے غور کرنے کی درخواست کی۔ تمام افراد اس بات پر متفق تھے کہ اسلامی لشکر کی فوج کشی کا یہی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں کہ جب ارضِ مقدس میں کوئی بھی نصرانی حکومت موجود نہ ہوگی اور اس کے قرب وجوار میں بھی موجود نصرانی حکومتوں کو خطرہ درپیش رہے گا۔ تمام حکمرانوں نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے تحت سلطان بیبرس سے نبٹنے کے لئے تجاویز پیش کیں۔ بالآخر طے یہی پایا کہ تمام اطراف سے صلیبی محاذ کھول دیئے جائیں اور مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملوں کا نہ رُکنے والا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اس ضمن میں تمام افراد دو دو یا تین تین ٹکڑیوں میں متحد ہو جائیں تاکہ صلیبی قوت سلطانی لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے۔ کئی اطراف سے حملے کی صورت میں یقیناً سلطان بیبرس کا لشکر بٹ کر رہ جائے گا اور اسلامی لشکر کی تعداد میں فرق آ جائے گا۔ اس طرح انہیں شکست دینا زیادہ آسان ہوگا۔

یہ حکمت عملی بے حد اہم تھی کیونکہ مسلمانانِ اسلام اس وقت کئی مخالف قوتوں سے نبرد آزما تھے، گو کہ درمیانی خطے میں امن وامان محسوس ہوتا تھا مگر تمام سرحدیں معرکہ آرائی کا منظر پیش کر رہی تھیں، بلادِ عراق و فارس کی جانب سے آئے دن تاتاریوں کے دستے حملہ آور ہوتے رہتے اور شہروں کو نشانہ بناتے۔ بلادِ شام کا حاکم امیر قلاؤون الفی ان سے دن رات نبٹنے میں مصروف تھا اور مملوک لشکر کا ایک بڑا حصہ اس کی قیادت میں بلادِ شام کی حفاظت میں مصروف تھا۔ صلیبی جنگجوؤں نے الگ قیامت ڈھا رکھی تھی۔ ان کا مقبوضہ علاقہ کافی طویل پٹی پر مشتمل تھا، جس کی مکمل نگرانی ممکن نہیں تھی۔ سرحدی شہروں کے والی اپنے طور پر ان سے مقابلہ کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے پاس بھی مملوک افواج کا ایک حصہ بٹی ہوئی صورت میں موجود تھا۔ اسلامی سلطنت کے اندر بھی شریر افراد موجود تھے جو کہ مختلف قسم کی نافرمانیاں کرتے اور اکثر بغاوت کے علم بلند کر دیا

کرتے۔ ان سے نبٹنا بھی ضروری تھا۔ بلادِ شام میں باطنی فدائیوں نے بھی سر اُٹھا رکھا تھا۔ وہ وسیع العریض سلطنت قبہستان کے قیام کے لئے مصروف بہ عمل تھے۔ موصل میں بدرالدین لولو کے جانشین اور شیراز میں سلغری خاندان کے سلطان اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح وہ سلطان بیبرس کو ختم کر کے تمام اسلامی سلطنت کے مطلق العنان حکمران بن جائیں۔ سلطان بیبرس ان تمام معاملات کو مختلف انداز میں حل کرنے میں دن رات مصروف تھا۔

شاہ ڈیوڈ نصرانی حکمرانوں کی باہمی معاونت واتحاد دیکھ کر بے حد مسرور ہوا اور اس نے پیش گوئی کی کہ اگر وہ یہ سلسلہ شروع کر دیں تو صرف ایک سال کی محدود مدت میں ہم بلادِ اسلامیہ کے قلب میں ایک مضبوط نصرانی سلطنت وجود میں لا سکتے ہیں۔ ایک صلیبی سردار نے اتنے بڑے معرکے کے اخراجات کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں سے پورے کئے جائیں گے؟

یہ نہایت اہم اور چبھتا ہوا سوال تھا جس نے یکدم سب کی سوچ کا دھارا ہی تبدیل کر ڈالا۔ شاہ ڈیوڈ کا خیال تھا کہ تمام افراد اپنے اپنے طور پر مالی معاملات کو سنبھال کر اس صلیبی معرکے کا آغاز کریں گے مگر جب شاہ بیٹن نے اس لائحہ عمل کو عملی صورت دینے کے لئے اس سے ہی مالی مدد کا تقاضا کیا تو اس کی دیکھا دیکھی تمام افراد شاہ ڈیوڈ سے مالی مدد مانگنے لگے۔ شاہ نوبہ نے اطمینان کے ساتھ انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ نہ تو کوئی مالی مدد کر سکتا ہے اور نہ ہی اس حالت میں ہے۔ مضبوط نصرانی سلطنت کے وجود ہی میں ہماری حکومتوں کی بقاء ہے ورنہ سلطان بیبرس ایک ایک کر کے سب حکومتوں کو کھا جائے گا۔ شاہ بیٹن نے اس کی بات کو درست قرار دیتے ہوئے یہ مسئلہ اُٹھایا کہ عظیم صلیبی لشکر کشی کے لئے بے شمار سرمایے کی ضرورت ہے۔ عسکری انتظامات کے ساتھ سپاہیوں کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات اپنی جگہ موجود ہیں۔ ایسی صورت میں ہم لوگ کہاں سے اتنے بڑے سرمائے کا انتظام کر سکتے ہیں؟ شاہ ڈیوڈ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ سب اپنی اپنی رعیت سے مدد مانگیں۔ نصرانیت کی فتح کے لئے لوگ انہیں دل کھول کر چندہ دیں گے اور اس ضمن میں یورپ سے بھی مدد کی درخواست کی جائے گی۔

شاہ بیٹن نے شاہ ڈیوڈ کے انداز وخیال کو بچگانہ قرار دیا اور اس ضمن میں کھلے الفاظ میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ کئی دیگر نصرانی حاکم بھی شاہ بیٹن کے ہم خیال ثابت ہوئے اور انہوں نے شاہ ڈیوڈ پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ انہیں چالاکی سے استعمال کرتے ہوئے ان کے ذریعے ارضِ مقدس کی فتح چاہتا ہے اور یقیناً فتح کے بعد وہ سب لوگوں سے اپنی بالادستی منوانے کا مطالبہ کرے گا۔ شاہ ڈیوڈ کے وہم وگمان میں نہیں تھا کہ کئی دن سے جاری مذاکرات اچانک یہ رُخ اختیار کر جائیں گے۔ اس نے بہتیری صفائی پیش کی مگر وہ نصرانی حاکم اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ شاہ فریڈرک ثانی نے اس کی ڈھارس بندھائی کہ ایسا ہونا یقینی تھا کیونکہ اگر نصرانیت میں پہلے دن سے اتحاد موجود ہوتا تو یقیناً وہ یروشلم سے یوں دربدر ہو کر نہ نکلتا اور اس طرح شاہ فریڈرک ثانی، شاہ بوہمنڈ اور شاہ ہف سوئم کے علاوہ سب لوگ ناراض واپس لوٹ گئے۔ جو افراد اس کے پاس ٹھہرے تھے وہ اس لائق نہیں تھے کہ سلطان بیبرس کے خلاف اتنی بڑی صلیبی جنگ کا محاذ کھول پاتے۔ ایک ایک کر کے تمام نصرانی حکمران اور صلیبی سردار ارضِ نوبہ سے نکلتے چلے گئے۔ انہی میں ایک گھڑ سوار موقعہ پا کر الگ ہوا اور تیز رفتاری سے الگ سمت میں سفر کرنے لگا۔ کچھ دور پہنچ کر اس صلیبی سردار نے مخصوص صلیبی لباس اتار کر ایک تھیلے میں ڈال دیا۔ اس نے نیچے ایک دوسرا سفید لباس پہنا ہوا تھا جو کہ اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت تھا۔ اس شخص نے ایک چشمے کے قریب پہنچ کر منہ ہاتھ دھویا اور وضو کیا۔ اس کے بعد اس نے نہایت عجز د

خضوع سے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ وہ شخص مسلمانوں کا سلطان ''بیبرس'' ہی تھا جو کہ نصرانیوں کی نقل وحرکت کی اطلاع پا کر خود ان کے درمیان پہنچ گیا۔ سلطان بیبرس کو مخبروں کی اطلاعات پر کامل یقین نہیں رہتا تھا اس لئے وہ اکثر بھیس بدل کر خود یہ فریضہ انجام دیا کرتا تھا۔ صلیبی شخصیات کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا سب سے بڑا حریف ان کے بیچ میں رہ کر نہ صرف ان کی تمام گفتگو سنتا رہا بلکہ ان میں پھوٹ پیدا کرنے کے لئے مالی معاونت کا شوشہ چھوڑ کر بخیریت واپس لوٹ چکا ہے۔ صلیبی مجلس کا انجام دیکھ کر سلطان بیبرس کے چہرے پر بے حد مسرت تھی کیونکہ اس نے مسلمانوں کے خلاف اُٹھنے والے اس عظیم طوفان کو برپا ہونے سے پہلے ہی مٹا ڈالا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین مضطرب نگاہوں سے بار بار دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر قاہرہ جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں صرف اس کے نکلنے کی دیر تھی مطیع الدین کو نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ وہ شیخ کبیر الدین پر اندھا دھند اعتماد کر کے اس کی مدد کرنے کا وعدہ تو کر چکا ہے مگر اس نے تمام مدت میں ایک بار بھی گل وقوژ کی صورت نہیں دیکھی۔ گل وقوژ وہاں موجود ہے یا نہیں۔ اس خیال کی تصدیق کے لئے اس نے شیخ کبیر الدین کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ اتنی دیر تک قاہرہ کے لئے روانہ نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی آنکھوں سے گل وقوژ کو نہیں دیکھ لے گا۔ شیخ کبیر الدین کی جانب سے اسے کوئی جواب نہیں موصول ہوا جس پر اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ بار بار اشتیاق بھری نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا۔

انتظار کی یہ گھڑیاں خاصی طوالت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ دوپہر کے بعد شیخ ابوراضیاء اس کے پاس آیا۔ اس کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کا چہرہ تن گیا کیونکہ اس سے کسی اچھے جواب کی توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے اس کے تیور دیکھ کر ناگواری کا تاثر دیا۔

''مطیع الدین! تمہاری خواہش شیخ الرئیس کے پاس پہنچا دی گئی تھی اور اس کے لئے گل وقوژ سے بات کی گئی ہے، مگر مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ گل وقوژ نے تم سے ملنے سے صاف انکار کر دیا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء خشک لہجے میں بولا۔

''میں نے گل وقوژ سے ملاقات کی فرمائش نہیں کی تھی بلکہ میں صرف اس کی صورت دیکھ کر یقین دہانی کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ واقعی یہاں موجود ہے؟'' مطیع الدین نے جواب دیا۔ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کی بات نے اسے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ گل وقوژ کی جانب سے کسی ایسے جواب کی توقع نہیں رکھتا تھا مگر جلد ہی وہ خود کو یہ تسلی دینے میں کامیاب ہو گیا کہ شیخ الرئیس یا اس کے ساتھیوں کی جانب سے اسے کسی بہتر جواب کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔

''شیخ الرئیس تمہارا مطلب خوب سمجھ چکے ہیں مگر معاملہ چونکہ گل وقوژ سے جڑا ہوا ہے اس لئے اس کی رضامندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے''۔ شیخ ابوراضیاء کا لہجہ بدستور خشک ہی تھا۔

''میں تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتا...... مجھے یوں لگتا ہے کہ تم سب لوگ مل کر میرے ساتھ فریب کر رہے ہو''۔ مطیع الدین نے دانت پیس کر کہا۔

''مطیع الدین! ہوش میں رہ کر بات کیا کرو۔ تمہارے لب ولہجے میں کھلی گستاخی پائی جاتی ہے، یہاں شیخ الرئیس کے بارے میں ایسی بات کرنے والے کی زبان گدی سے کھینچ دی جاتی ہے، اسے اپنی خوش نصیبی سمجھو کہ شیخ الرئیس تم پر مہربان ہیں''۔ شیخ ابوراضیاء بپھر گیا۔

''میں اسی وقت شیخ الرئیس سے ملنا چاہتا ہوں''۔ مطیع الدین نے اس کی تنبیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اصرار کیا۔ شیخ ابوراضیاء اسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھتا رہا اگر اسے شیخ الرئیس کی جانب سے کڑی ہدایت نہ ہوتی تو یقیناً وہ مطیع الدین کا قصہ ہی تمام کر چکا ہوتا۔

''شیخ الرئیس اس وقت نہیں مل سکتے مگر انہوں نے تمہاری ہٹ دھرمی کو جانتے ہوئے اس بات کا انتظام کر دیا ہے کہ تم گل وقوژ کی ایک جھلک دیکھ لو''۔ شیخ ابوراضیاء لفظ چباتے ہوئے بولا۔

مطیع الدین اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے تئیں اُلجھ کر رہ گیا تھا کہ یہ کس قسم کا کھیل ہے جو اس کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گل وقوژ کی طرف سے ملاقات سے انکار کی خبر دینا اور پھر ساتھ ہی اس کی صورت دکھانے کا انتظام کرنا۔ یقیناً اس تمام معاملے کے پیچھے کوئی نہ کوئی اہم راز پوشیدہ ہے۔ مطیع الدین نے فی الوقت اپنی یقین دہانی کی تکمیل کو فوقیت دی اور شیخ ابوراضیاء سے استفسار کیا۔ شیخ ابوراضیاء نے اسے قلعے سے نکلتے ہوئے گل وقوژ کی صورت دکھانے کا وعدہ کیا اور اسے تیار ہونے کی ہدایت دی۔ مطیع الدین پوری طرح تیار تھا، اس نے فوراً چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شیخ ابوراضیاء نے دو اہم غلاموں کے ساتھ اسے قلعے کے صدر دروازے کی جانب روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی وہ کچھ دیر کے لئے نیچے کے دالان میں رُک کر مطیع الدین کو گل وقوژ اس طرح دکھائیں کہ گل وقوژ کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ مطیع الدین ان کے ساتھ نیچے والے حصے میں چلا گیا۔ غلاموں نے دالان کے پاس پہنچ کر اسے ایک جانب اوٹ میں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ دیر تک وہیں موجود رہے۔ مطیع الدین کے لئے یہ گھڑیاں گزارنا بے حد مشکل تھیں، کافی ساعتوں کے بعد گل وقوژ ایک غلام کے ساتھ وہاں آتی ہوئی دکھائی دی۔ مطیع الدین پہلی ہی نگاہ میں اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اسی کی گل وقوژ تھی، جس کی جسمانی ہیئت میں معمولی سا فرق پیدا ہو چکا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کو جیسے اپنی سانس بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وقت تھم سا گیا، مطیع الدین کی نگاہیں اس کے طواف میں مگن تھیں، یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا کیونکہ گل وقوژ اس غلام کے ساتھ چلتی ہوئی ایک دوسری راہداری میں مڑ چکی تھی۔ مطیع الدین ساکت وجامد کھڑا اس کی دلفریبی اور دلکشی میں ایسا محو تھا کہ اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ کب وہ پری چہرہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ ایک غلام نے اسے ہلا کر ہوشیار کیا تو وہ ہڑبڑا کر اس کی جانب دیکھنے لگا جو اسے چلنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرعت سے اسی طرف پلٹیں جہاں چند لمحے پہلے گل وقوژ موجود تھی مگر وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ جب غلام نے دوبارہ اسے چلنے کے لئے کہا تو وہ تھکے تھکے قدموں سے صدر دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کی یقین دہانی ہو چکی تھی گل وقوژ وہیں موجود تھی، مگر وہ اس سے ملاقات نہیں کرنا چاہتی تھی مگر کیوں......؟ یہ سوال کسی نوکیلے کانٹے کی طرح مطیع الدین کے دماغ میں چبھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس اعلیٰ حیثیت کے حامل نصرانیوں، سرداروں اور حکمرانوں کی مجلس کا حال بخوبی دیکھ چکا تھا، اس لئے اس نے بطور حفظ ماتقدم مزید عسکری کارروائیاں عمل میں لانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے کچھ عرصہ تک ایسے انتظامات کئے جن سے نصرانیوں کی نقل وحمل عدم تحفظ کا شکار ہو گئی اور ان کے رسد وغیرہ کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔ سلطان بیبرس نے صلیبی ساحلی مقبوضات کی سرحد پر کثیر تعداد میں محافظ سپاہیوں کی چوکیاں قائم کیں اور ان میں مخبروں کی تعیناتی کثرت سے کی گئی، ان مخبروں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ چوکی کے سربراہ صاحب العسس کو ایسی معلومات فراہم کرے جو کہ جغرافیائی اعتبار سے مستحکم وصحیح ہو۔ یہی وجہ تھی کہ بہت تھوڑے عرصے میں ہی سلطان بیبرس کے پاس صلیبی سرحدوں اور مقبوضہ علاقوں کے نقشہ جات جمع

ہوگئے۔ یہ الگ بات تھی کہ بے شمار علاقوں سے سلطان بیبرس کو خود بھی واقفیت تھی کیونکہ وہ اکثر و بیشتر ان علاقوں میں بھیس بدل کر جاتا رہا تھا۔

1268ء میں سلطان بیبرس نے مملوک افواج کو ایک بار پھر تیاری کا حکم دیا اور آناً فاناً سفر کرتا ہوا بالکل سیدھا یافا کی جانب پہنچ گیا۔ اس بار سلطان بیبرس خصوصی تیاری کر کے قاہرہ سے نکلا تھا۔ اسلامی لشکر نے اس مرتبہ اپنے ہمراہ بے حد بھاری بھرکم سامان بھی اُٹھا رکھا تھا۔ جن میں منجنیقوں اور سفر منہوں کے پرزہ جات بھی شامل تھے۔ یافا کے سرداروں اور صلیبی حکمران کو سلطان بیبرس کی آمد کی بروقت خبر مل چکی تھی۔ اس نے سلطان بیبرس کی اس آمد کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا کیونکہ اسے بھرپور یقین تھا کہ سلطان بیبرس حسب سابق صلیبی جنگجوؤں کو فریب دینے کی کوشش کر رہا ہے اور سلطان بیبرس کی منزل یافا نہیں ہے بلکہ وہ بیچ میں سے ہی کہیں دوسری جانب مڑ جائے گا اور کسی دوسرے صلیبی قلعے کے سامنے نمودار ہوگا۔ صلیبی سرداروں کے مشورے کے بعد اس نے اپنے طور پر تمام ضروری عسکری تیاریاں مکمل کر لیں تاکہ اگر سلطان بیبرس کے ساتھ معرکے کی نوبت پیدا ہو بھی جائے تو وہ پوری طرح تیار ہو۔ سلطان بیبرس نے جب یافا پہنچ کر اس مضبوط و مستحکم قلعے کا محاصرہ کر لیا تو اسے یقین ہونے لگا کہ سلطان بیبرس کی منزل واقعی یافا ہی ہے۔ اس نے قلعے کے انتظامات کا جائزہ لیا اور تمام معاملات درست پانے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اگر وہ چند دن پہلے دوسرے قلعوں میں موجود صلیبی جنگجوؤں کے پاس مدد کے لئے پیغام بھیج دیتا تو شاید ممکن تھا کہ اسے کہیں سے کمک میسر آجاتی مگر اب چونکہ سلطان بیبرس نے قلعہ کو چاروں جانب سے گھیر لیا تھا، اس لئے یہ صورت باقی نہیں بچی تھی۔

یافا کا موجودہ نام تل ابیب ہے اور یہ آج کل صیہونی ریاست اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔ یافا کے صلیبی جنگجو ایک ہفتے تک مسلسل سلطان بیبرس کی نقل و حرکت دیکھتے رہے۔ سلطان بیبرس محاصرہ ڈالنے کے بعد ان کی جانب سے یوں غافل ہو گیا جیسے وہ اپنے لشکر کے ساتھ یہاں جنگ کرنے کے بجائے تفریح کرنے کے لئے آیا ہے۔ سلطان بیبرس اپنے رفقاء کے ساتھ یافا کے قریب جنگلات میں اکثر شکار کے لئے نکل جاتا اور اندھیرا بڑھنے تک وہیں رہا کرتا۔ یہ بالکل نئی چیز تھی جس پر اسلامی لشکر بھی حیران تھا کہ سلطان بیبرس نے سابقہ انداز اختیار کرنے کے بجائے یافا کے افراد کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے۔ ایک ہفتے بعد صلیبی سرداروں نے سر جوڑ کر صلاح و مشورہ کیا کہ سلطان کا مقصد محاصرے کو طول دینا دکھائی دیتا ہے، اس سے پہلے کہ شہر میں ذخیرہ خوراک کم پڑ جائے اور نصرانیوں کے حوصلے متزلزل ہونے لگیں، ہمیں باہر نکل کر اسلامی لشکر پر دھاوا بول دینا چاہئے۔ کئی صلیبی امراء نے اس اقدام کی مخالفت بھی کی۔ یافا کے حکمران نے غور و خوض کرنے کے بعد یہی مناسب خیال کیا کہ اسلامی لشکر کی غفلت سے فائدہ اُٹھایا جائے اور کل علی الصبح اپنے جنگجوؤں کو میدان میں اتار دیا جائے۔ یہ طے پایا کہ جب اسلامی لشکر فجر کی نماز میں مصروف ہوگا تو انہیں نشانہ بنایا جائے گا۔

اگلی صبح اچانک قلعہ یافا کے دروازے کھلے اور صلیبی لشکر پُر جوش انداز میں باہر نکلا۔ سلطان بیبرس کو فوری طور پر اس کارروائی کی خبر دی گئی جو کہ نماز سے کچھ ہی لمحے پہلے فارغ ہوا تھا۔ سلطان بیبرس نے صلیبی چال کو سمجھتے ہوئے اس ہراول دستے کو حکم جاری کیا جسے پہلے دن سے تمام لشکر کی حفاظت پر تعینات کیا گیا تھا کہ وہ فوری طور پر صلیبی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے اور پھر منظم انداز میں پسپائی اختیار کرتا ہوا پانچ سو گز تک پیچھے ہٹے۔ اسی دوران سلطان نے باقی ماندہ افواج کو حکم دیا کہ وہ صلیبی سپاہیوں کی جانب بالکل توجہ نہ دیں بلکہ پانچ سو گز پیچھے ہٹ کر اپنی صفیں سیدھی کر لیں اور اگلے حکم تک کا انتظار کریں۔

صلیبی پُر جوش انداز میں آگے بڑھے اور ہراول دستے سے اُلجھ گئے۔ ہراول دستہ کچھ دیر ان کے ساتھ

لڑنے کے بعد طے شدہ منصوبے کے تحت پیچھے ہٹنے لگا۔ صلیبی سپاہی ان کی پسپائی پر جوشیلے دکھائی دینے لگے اور ان کے حملوں میں شدت پیدا ہوگئی۔ جب ہراول دستہ پانچ سو گز تک پہنچ گیا تو تیار سپاہی حکم پاتے ہی اپنے ساتھیوں کے خلاؤں سے برق کی مانند نکلے اور صلیبی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ اسلامی لشکر کے دستوں نے مختلف زاویوں میں گھوم کر صلیبی لشکر کو حصار میں لینا شروع کر دیا۔ صلیبی سپاہی سلطان بیبرس کی حکمت عملی سمجھ گئے۔ انہوں نے تیزی سے پسپائی اختیار کرتے ہوئے حصار کو قائم ہونے سے پہلے ہی توڑ دیا۔ ان کی یہ کوشش کسی قدر کامیاب تو ضرور ہوگئی تھی مگر وہ غیر محسوس انداز میں قلعے کے دروازے اور فصیل کے قریب پہنچ گئے۔ مزید پسپائی ممکن نہیں تھی کیونکہ عقب میں قلعے کی بلند و بالا فصیل اور اس سے ملحقہ خندقیں تھیں۔ سلطان بیبرس نے مجاہدین کو حکم دیا کہ انہیں مزید پیچھے دھکیلا جائے تاکہ وہ اپنی ہی ابتری میں پھنس کر کمزور پڑ جائیں۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک یونہی چلتا رہا۔ صلیبی جنگجو کسی صورت اسلامی لشکر کا دباؤ بڑھنے نہیں دے رہے تھے کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ مزید پیچھے ہٹنے کی صورت میں انہیں کڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

بارہ گھنٹے تک مسلسل یہ جان لیوا کشمکش جاری رہی اور صلیبی سرداروں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا لیکن جوں جوں شام کے اندھیرے بڑھنے لگے تو ان کی طاقت جواب دینے لگی۔ وہ کسی بھی طرح قلعے کے اندر واپس لوٹنا چاہتے تھے مگر اسلامی لشکر انہیں ایسا کوئی موقع دینے پر تیار نہیں تھا۔ رات کی تاریکی کے آغاز پر ہی وہ تکان سے چور ہوگئے اور نڈھال دکھائی دینے لگے۔ ان کی مدافعت جواب دے گئی اور پھر بہت جلد ہی مملوک لشکر نے انہیں مغلوب کر لیا۔ اس معرکے میں صلیبی سپاہیوں کی بڑی تعداد زندہ گرفتار کی گئی۔ صلیبی پرچم گرا دیئے گئے اور ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ مملوک سالاروں نے گرفتار سپاہیوں کے بارے میں سلطان بیبرس سے دریافت کیا تو سلطان بیبرس نے کچھ سوچنے کے بعد ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس حکم کے پیچھے کیا وجہ تھی، یہ کسی کو معلوم نہ ہوسکا۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ شاید سلطان صلیبی فتنہ گر سپاہیوں کی خصلت کو بھانپ چکا تھا اور انہیں زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان کی سرکشیوں کا اسے سامنا رہتا، اسی لئے اس نے انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔

یافا کی افواج کا حال دیکھ کر قلعہ کی رعیت مرعوب ہوگئی اور اس نے یافا کو تباہی سے بچانے کے لئے خود ہی قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ سلطان بیبرس دوسرے دن یافا میں داخل ہوا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ سالاروں نے اس سے استفسار کیا کہ کیا اس قلعے کا حشر بھی ویسا ہی کرنا ہوگا جیسا کہ پہلے قلعوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ سلطان بیبرس نے نفی میں اشارہ کیا۔ اس نے یافا کی مضبوط فصیل اور اندرونی استحکامات کو بحال رکھتے ہوئے اس شہر پر محض اپنا پرچم لہرایا اور رضاکار مجاہدین کے دستوں میں چند ایک کو وہاں انتظامی معاملات کے لئے تعینات کر دیا اور شہر کو مسلمان والی کے حوالے کر دیا۔ نصرانی آبادی کو کڑے الفاظ میں تنبیہ کی گئی کہ وہ اگر کسی مشکوک سرگرمی میں ملوث پائے گئے تو ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی اور امن و امان کے ساتھ رہنے کی صورت میں انہیں تمام جائز حقوق فراہم کئے جائیں گے۔

سلطان بیبرس یافا کے انتظامات سے فارغ ہوا تو اس نے اپنی افواج کو کوچ کا حکم دیا۔ لشکر کوئی واضح رائے قائم نہیں کر پایا کہ سلطان بیبرس کے ارادے اب کیا ہیں؟ اسلامی لشکر نے اس مرتبہ کسی بھی جانب چکر کاٹ کر آگے بڑھنے کا لائحہ عمل اختیار نہیں کیا۔ یافا سے نکل کر سلطان بیبرس صور اور صیدا کی جانب بڑھا۔ دونوں قلعوں میں اسلامی لشکر کی آمد پر بے چینی پھیل گئی مملوک سپاہی دونوں قلعوں میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کا اندازہ کر چکے تھے۔ صور اور صیدا کے قلعے سلطانی لشکر کی قربت کی اطلاع پا کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے

مگر سلطان بیبرس ان دونوں قلعوں کے قریب سے گزر کر آگے نکل آیا۔ یہ حکمت عملی بے حد خطرناک تھی کیونکہ صلیبی لشکر برق رفتاری سے عقب میں سے نکل کر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ سلطان بیبرس کے چہرے پر گہرا اعتماد موجود تھا جیسے وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ مملوک سالاروں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید سلطان بیبرس انہیں مطمئن کر کے دوبارہ ان کی جانب کوچ کرے گا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ سلطان بیبرس دریائے لیطانی سے ہوتا ہوا ساحلی علاقوں کی طرف بڑھ گیا اور کوہ البقاع کے متوازی اوپر کی جانب بڑھنے لگا۔ یہ دشوار گزار راستہ بے حد خطرناک تھا۔ مملوک لشکر کے ساتھ سامان حرب کے پرزہ جات بھی تھے جنہیں پہاڑی علاقوں کے اوپر چڑھانا خاصا مشکل کام دکھائی دیتا تھا۔ کافی محنت اور پریشانی کے عالم میں سپاہی اپنے سلطان کی قیادت میں آگے بڑھتے رہے۔

سلطان بیبرس کوہ البقاع کا لمبا چکر کاٹ کر اچانک شقیف عرنون نامی پہاڑی قلعے کے سامنے ظاہر ہوا۔ یہ نہایت اہم اور مستحکم قلعہ تھا جسے فتح کرنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ یہ خاص ہیکلی جنگجوؤں یعنی ٹیمپلرز کا ہیڈکوارٹر قرار دیا جاتا تھا۔ یہ پہاڑی قلعہ کوہ البقاع کی وادی اور دمشق کو ملانے والے جنوبی درّے کی خاص نگرانی کرتا تھا اور اپنے دفاعی استحکامات کی بناء پر ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ شقیف عرنون نامی یہ قلعہ اپنے پہلو میں موجود ایک چھوٹے سے قصبے کے نام کی مناسبت سے مشہور تھا جو کہ شقیف عرنون کہلاتا تھا۔ اس کی تعمیر میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا گیا تھا اور اسے ایک ایسی چٹان پر بنایا گیا جو کہ بالکل عمودی تھی۔ یہ قلعہ دریائے لیطانی سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا جبکہ سطح سمندر سے اس کی اونچائی بائیس سو فٹ کے قریب تھی۔ اس کا ایک حصہ پتھروں کی چنائی سے اور دوسرا حصہ پہاڑ کی چٹانیں تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس قلعے کا مجموعی رقبہ چار ہزار دو سو نوے مربع گز تھا۔ اس کی دیواروں کی لمبائی ایک سو تیس گز، چوڑائی تینتیس گز اور اونچائی انیس گز سے چھبیس گز تک تھی۔ اس کے جنوب اور مغرب میں ایک بڑی خندق تھی جو ٹھوس چٹان کاٹ کر تیار کی گئی تھی۔ یہ خندق سولہ گز سے اٹھائیس گز تک گہری تھی۔ اسی خندق میں چٹان کاٹ کاٹ کر چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے اور ان میں پانی کے چشمے نکالے گئے۔ قلعے کی عمودی دیواریں گھاٹیوں کے کناروں سے اوپر اٹھائی گئیں اور ان کے کونوں پر بلند اور مستحکم برج بنے ہوئے تھے جن میں بیٹھ کر نہ صرف دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جا سکتی تھی بلکہ اس کو پسپا کرنے کے لئے وہاں سے تیروں اور پتھروں کی بارش بھی کی جا سکتی تھی۔ عام حالات میں اس قلعے پر قبضہ کرنا تو کجا اس پر حملے کا تصور کرنا بھی کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتا تھا۔

اپریل 1268ء میں سلطان جب اچانک قلعہ شقیف عرنون کے سامنے نمودار ہوا تو صلیبی جنگجو حیرت و پریشانی سے سکتے میں رہ گئے کیونکہ ان کی تمام نگرانی کے باوجود سلطان بیبرس نظروں میں آئے بغیر قلعہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ عام حالات میں دمشق سے اور انطاکیہ سے آنے والے راستے ان ہیکلی جنگجوؤں کی کڑی نگاہ میں رہتے تھے۔ سلطان بیبرس نے کوہ البقاع کا طویل چکر اسی لئے کاٹا تھا کہ وہ ان کی نگاہوں میں آئے بغیر ان کے سر پر اچانک پہنچ جائے اور وہ اپنی حکمت عملی میں کامیاب بھی رہا۔ ہیکلی جنگجو اسلامی لشکر کا گھیراؤ دیکھ کر بالکل پریشان نہیں ہوئے اور مطمئن انداز میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ انہیں قلعہ کی مضبوط استحکامات پر گہرا بھروسہ تھا۔

سلطان بیبرس نے صلیبی لشکر کی طرف سے کسی بھی نقصان سے بچنے کے لئے فوری طور پر انتظامات کا حکم دیا۔ سب سے پہلے بڑی بڑی آہنی چادریں آپس میں کچھ اس انداز سے جوڑی گئیں کہ ایک بڑا چھپر تیار ہو گیا۔ اس چھپر کا مقصد قلعے کے برجوں کی جانب سے ہونے والی تیروں کی بارش سے ہونے والے نقصان کے

اندیشے کو زائل کرنا تھا۔ اگلے چند روز میں اسلامی لشکر نے حربی سامان کے پرزہ جات کو ترتیب دے کر بڑی بڑی منجنیقیں تیار کیں۔ یہ تیس کے قریب تیار ہوئیں، منجنیقوں کی تیاری کے فوراً بعد سفر مینے کھڑے کئے گئے۔ مسلسل کئی دن اسی تیاری میں لگ گئے۔ صلیبی جنگجو اسلامی لشکر کی تیاری دیکھ کر کسی قدر پریشان ہوئے۔ انہوں نے انہیں تیاری سے باز رکھنے کے لئے کئی قسم کے حربے استعمال کئے مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئے۔ مملوک افواج کے لئے یہ کڑا امتحان تھا کیونکہ وہ نہ صرف ایک ایسے حصے پر موجود تھے جہاں معمولی سی غلطی ان کی موت کا سامان بن سکتی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مملوک لشکروں کو غیر ہموار پہاڑی علاقے میں معرکہ سر کرنا پڑا تھا۔ پتھریلے راستوں اور عمودی چٹانوں کے باعث مکمل صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی ممکن نہیں تھا۔ مملوک سالاروں نے اپنے خدشات سلطان بیبرس کے سامنے پیش کئے تو اس نے انہیں تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھنے کی ہدایت کی۔

جولائی کے مہینے میں سلطان بیبرس نے اپنے جنگی آلات کو حرکت دی اور بڑے بڑے وزنی پتھروں کو منجنیقوں میں رکھ کر قلعے پر برسانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دیوہیکل پتھر جب فصیل سے ٹکراتے تو ایسی گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی کہ سپاہیوں کے سانس خشک ہو جاتے۔ بڑے بڑے پتھر فصیل سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جاتے اور ان کے ٹکڑے خندق میں جا گرتے۔ سلطان بیبرس کے اس اقدام کے باعث خندقوں کی گہرائی مٹنے لگی۔ کچھ دن کے توقف کے بعد سلطان بیبرس نے حکم دیا کہ دن کے ساتھ ساتھ رات کو بھی قلعے پر بھرپور سنگ باری کی جائے۔ اس امر سے یہ فائدہ ہوا کہ قلعے میں موجود صلیبی افراد کڑے عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ دیوہیکل پتھروں کی گڑگڑاہٹ سے نہ تو وہ صحیح طرح سو پاتے اور نہ ہی اعتماد کے ساتھ چل پاتے کیونکہ پتھروں کی چوٹوں سے قلعہ کی پہاڑی میں ایسا ارتعاش پیدا ہوتا کہ جیسے وہ کچھ ہی دیر میں ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔ یہ سب حد اذیت ناک لمحات تھے جو کہ سلطان بیبرس نے ان پر مسلط کر دیئے۔

صلیبی جنگجوؤں نے تنگ آ کر مختلف انداز میں اسلامی لشکر پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ وہ گروہ کی شکل میں باہر نکلتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر واپس لوٹنے کی کوشش کرتے۔ مملوک افواج اس صلیبی طریقہ کار سے بخوبی واقف تھیں، وہ انہیں اس انداز سے گھیرتے کہ بہت کم افراد ہی جان بچا کر لوٹنے میں کامیاب ہوتے۔ پانچ ہفتوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہزاروں کی تعداد میں نصرانی سپاہی لقمہ اجل بن گئے۔ منجنیقوں کے حملوں سے قلعے کے برجوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا اور وہ استعمال کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ چھٹے ہفتے کے آغاز میں سلطان کو قلعے کے ماحول میں تبدیلی سی محسوس ہوئی۔ قلعے میں کسی قسم کی نقل و حرکت نہ ہونے پر سنگ باری کا سلسلہ روک دیا گیا اور تجربہ کار سپاہیوں کو بلند و بالا فصیل تک پہنچایا گیا سپاہیوں نے فصیل پر پہنچ کر قلعے کا جائزہ لیا تو انہیں قلعہ خالی محسوس ہوا۔ سلطان بیبرس نے بطور حفظ ماتقدم پانچ دستوں کو فصیل پر پہنچایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اندرونی حالات کا جائزہ لے کر آگاہ کریں اور موقع پا کر قلعہ کا دروازہ بھی کھول دیں۔

پانچوں دستوں نے محتاط انداز میں قلعہ کا مکمل جائزہ لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ واقعی قلعہ پوری طرح خالی پڑا ہے۔ صلیبی جنگجو وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا تو سلطان بیبرس نے تشویش ناک انداز میں قلعے میں قدم رکھا۔ تمام قلعے کی تلاشی لی گئی کہ شاید کسی نامعلوم مقام پر صلیبی چھپے ہوئے ہوں مگر کوئی خاص کامیابی نہ ہو سکی۔ جانے کیوں سلطان بیبرس کو یہ یقین نہیں آیا کہ قلعہ واقعی خالی ہے۔ اس نے قلعہ کا خوب ٹھونک بجا کر خود بھی جائزہ لیا تھا۔ سلطان بیبرس نے اندر موجود تمام مسلمان مجاہدین کو خبردار کرتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ کسی بھی غیر معمولی چیز کو نظر انداز نہ کریں اور فوراً اسے باخبر کیا جائے، اور ساتھ ہی باہر موجود

مملوک لشکر کو بھی ہوشیار کر دیا گیا کہ کہیں صلیبی انہیں حیرت میں مبتلا کر کے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اسی دوران ایک سپاہی نے سلطان بیبرس کو اطلاع دی کہ اسے کچھ عجیب سا دکھائی دیا ہے۔ سلطان بیبرس تیزی سے اس مقام پر پہنچا۔ وہ ایک بڑا وسیع و العریض کمرہ تھا جس کا فرش بڑے بڑے پتھریلے ٹکڑوں کو کاٹ کر تیار کیا گیا تھا۔ سپاہی نے آگاہ کیا کہ وہ جب اس کمرے کے دروازے پر موجود تھا تو اسے فرش میں کسی قسم کی تھرتھراہٹ محسوس ہوئی تھی۔

سلطان بیبرس اس کی بات پر فرش کا جائزہ لینے لگا، فرش میں کوئی ایسا رخنہ یا لکیر موجود نہ تھی جس سے یہ اندازہ ہو پاتا کہ فرش کے نیچے جانے کا کوئی راستہ بھی موجود ہے۔ سلطان بیبرس نے سپاہی سے دوبارہ دریافت کیا تو اس نے اس مقام پر جا کر از سر نو تفصیل بتائی۔ سلطان بیبرس نے اس مقام کا بھی بغور جائزہ لیا جہاں سے سپاہی کو فرش میں تھرتھراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ سلطان بیبرس نے چند ماہر تعمیرات طلب کئے اور انہیں اس معمے کو حل کرنے کا حکم دیا۔ ان کی کوشش بے کار ثابت نہ ہوئی، وہ بہت جلد ایک میکنزم تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میکنزم کو حرکت دینے سے اس کمرے کا فرش پہاڑ کی مانند اُٹھتا چلا گیا۔ قلعے میں عجیب سی گڑگڑاہٹ پھیل گئی۔ فرش کے نیچے ایک خفیہ راستہ تھا۔ سلطان بیبرس نے ہوشیار اور قابل سپاہیوں کو مختلف گروہوں کی صورت میں یکے بعد دیگرے مشعلوں کے ساتھ اس خفیہ راستے پر اتار دیا تا کہ وہ یہ مزید تفصیل معلوم کر کے واپس لوٹیں۔ سپاہی چند گھنٹوں بعد واپس لوٹ آئے اور انہوں نے بتایا کہ یہ راستہ سمندر کے قریب ساحل تک جاتا ہے یقیناً ہیکلی سپاہی اسی راستے سے نکل گئے ہیں۔ سلطان بیبرس نے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختلف انتظامات کئے سب سے پہلے اس خفیہ راستے کو پتھروں کے ساتھ پُر کر دیا گیا اور مشکوک حصوں کو توڑ پھوڑ دیا گیا۔ قریباً تمام زیریں کمروں کے فرش اکھاڑ دیئے گئے تا کہ ان کے نیچے کسی خفیہ راستے کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ ڈیڑھ ماہ تک سلطان بیبرس اس قلعے میں مقیم رہا۔ صلیبی سپاہی کافی سامان سمیٹ کر لے گئے تھے مگر قلعے میں بہت سارا سامان موجود تھا۔ جو مجاہدین نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ سلطان بیبرس نے قلعے کے بلند ترین برج پر اپنا علم نصب کرایا اور قلعہ شقیف عرنون کو اسلامی سلطنت کا حصہ قرار دیا۔ سلطان نے مجاہدین کا ایک بڑا لشکر ٹھہرایا اور ایک مملوک سالار کو اس قلعے کا منتظم بنا کر واپسی اختیار کی۔

❁ ❁ ❁

اچانک گھڑ سواروں کا ایک دستہ کہیں سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ سب ٹھٹک کر رُک گئے۔ وہ چار افراد تھے جو اطمینان سے گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ پہاڑی راستہ ختم ہونے والا تھا اور سامنے ہموار میدان صاف دکھائی دے رہا تھا کہ کسی نامعلوم مقام سے یہ گھڑ سوار دستہ وارد ہوا۔

''کون ہو تم لوگ...... اور اس طرف کیا کر رہے ہو؟'' گھڑ سوار دستے میں سے ایک شخص تحکمانہ لہجے میں چیختا ہوا بولا۔ اس کے چہرے پر شکوک و شبہات سے شکنیں پڑی دکھائی دیں۔

''ہم مسافر ہیں اور ارضِ روم سے واپس لوٹ رہے ہیں''۔ ایک شخص دھیمے انداز میں بولا۔

''مسلمان ہو......؟'' سوال کیا گیا۔

''الحمدللہ! ہم چاروں مسلمان ہیں''۔ وہ شخص دوبارہ بولا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''تم لوگ یوں درشتگی سے سوال پر سوال کئے جا رہے ہو...... پہلے اپنے بارے میں تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور ہمارا راستے کیوں روکا گیا ہے؟'' ایک شخص کسی قدر ناگواری سے بولا۔

''تمہیں ہمارے جسم پر موجود لباس دکھائی نہیں دے رہا کیا......؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔

''اس لباس سے کیا ہوتا ہے؟ لٹیرے اور رہزن بھی پہن سکتے ہیں''۔ وہ شخص طنزیہ مسکرایا۔

''اے شخص! اپنی حیثیت سے باہر مت پھلانگو، تم سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے صرف اسی کا سیدھی طرح جواب دو''۔ گھڑ سوار دستے میں ایک سپاہی نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ ہمارا راستہ کیوں روکا گیا ہے؟'' وہ شخص اکڑ سا گیا۔

''مجھے تم لوگ مشکوک لگتے ہو، دوسرا تمہاری مسافت کا راستہ صحیح نہیں ہے''۔ پہلا گھڑ سوار بولا۔ وہ شاید ان سے باتوں میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

''جب ہم نے بتایا ہے کہ ہم سب مسافر ہیں اور ارضِ روم سے آ رہے ہیں تو پھر شک والی کیا بات ہے؟'' ان چاروں میں سے ایک نرم لہجے میں بولا۔

''اس طرف کہاں جا رہے ہو؟''

''تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ راستہ دمشق کو ہی جاتا ہے''۔ وہ ہنس کر بولا۔

''تمہیں یقین دہانی کرانا ہو گی کہ تم واقعی مسلمان ہو، کیونکہ اس جانب سے ہمیشہ نصرانی ہی آتے ہیں''۔ گھڑ سوار کا لہجہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ان کی جانب سے مطمئن نہیں ہو پایا۔

''جب ہم کہہ رہے ہیں تو اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر تمہارا شک دور نہیں ہو پایا تو ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ پیچھے ہٹو اور ہمیں جانے دو''۔ چاروں میں سے یہ شخص کچھ زیادہ ہی جذباتی معلوم ہو رہا تھا، وہ دوسری بار بھی گھڑ سوار دستے سے اُلجھنے سے باز نہیں آیا۔

''یہ ممکن نہیں ہے! تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔ یہاں سے چند کوس دور ہماری چوکی ہے جہاں تمہاری مکمل چھان بین کی جائے گی اس کے بعد ہی تم لوگ کہیں جا پاؤ گے''۔ گھڑ سوار فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ یہ سن کر ان چاروں کے چہرے بگڑنے لگے۔

''تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں ان سب کے لئے اکیلا ہی کافی ہوں''۔ وہ جذباتی شخص تیز لہجے میں بولا اور گھوڑے کو حرکت دینے لگا۔ اس کی جرأت دیکھ کر گھڑ سوار دنگ رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔

''مطیع الدین! تم جلد بازی مت کرو۔ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ اس کا ساتھی نرمی سے بولا۔ وہ شاید کسی بدمزگی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم لوگ تلواریں سونت لو...... مجھے اس شخص کے ارادے نیک نہیں لگتے''۔ گھڑ سوار شخص نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ اس کے کہتے ہی کئی تلواریں چھنچھناتی ہوئی نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ مطیع الدین کے ساتھی نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، مطیع الدین نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے آگے بڑھ آیا۔ گھڑ سوار اس کے ارادے بھانپ چکا تھا اس نے تیزی سے اپنے ساتھیوں کو ان کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ تمام گھڑ سوار دستہ ان کے گرد منڈلانے لگا۔

مطیع الدین کا ساتھی شیخ کبیر الدین کا ایک انتہائی وفادار فدائی شیخ ابونصر تھا جو کہ دمشق میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ممکن تھا کہ وہ گھڑ سوار دستے کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر مطیع الدین کی جذباتیت نے اس کی تمام کوششوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔ شیخ ابونصر نے ایک بار پھر مطیع الدین کو روکنے کی کوشش کی مگر مطیع الدین نے اس کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے گھڑ سواروں پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان تینوں فدائیوں سے نہ رہا

جا سکا کیونکہ انہیں سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ہر قیمت پر مطیع الدین کو بحفاظت قاہرہ پہنچائیں اور وہاں بھی اس کا خصوصی خیال رکھیں۔ جب مطیع الدین اپنی مہم میں کامیاب ہو جائے تو اسے پوری ہوشیاری سے واپس قلعہ بانیاس لایا جائے۔ مطیع الدین کی اس عجیب حرکت نے ان سب کو امتحان میں ڈال دیا تھا۔ گھڑ سوار دستہ مطیع الدین کے پہلو پر وار پر وار کرنے لگا۔ مطیع الدین بھی بڑی مہارت سے ان کے ساتھ بھڑتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر شیخ ابونصر نے اپنے تینوں ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ مطیع الدین کو بچا کر نکلنے کا موقع فراہم کریں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب آپس میں بری طرح برسرِ پیکار دکھائی دیئے۔ گھڑ سوار دستہ کوئی عام افراد پر مشتمل نہیں تھا وہ انتہائی مہارت یافتہ سپاہی تھے جنہیں بلادِ شام کی سرحدوں پر حفاظت کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ جب فدائی اور مطیع الدین ان کے ساتھ بھڑے تو انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ ان کے شک وشبہات غلط نہیں تھے۔ یہ لوگ غیر معمولی طور پر تلوار بازی میں ماہر تھے۔ گھڑ سوار سالار نے حکم دے دیا کہ ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان پر کاری حملے کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ مطیع الدین مخصوص طریقے سے تلوار چلاتا رہا، جس کے باعث کسی کو اس کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

لڑائی طول پکڑنے لگی تو شیخ ابونصر نے مطیع الدین کے قریب پہنچ کر کہا کہ وہ کسی طرح حصار توڑ کر نکلنے کی کوشش کرے، محافظ سپاہیوں کو اُلجھا لیا جائے گا۔ ابھی وہ اپنی بات بھی مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اس کے ساتھیوں کی تیز چیخیں سنائی دیں۔ شیخ ابونصر کے دونوں ساتھی گھوڑ سوار دستے کے ہاتھوں لقمہ اجل بن چکے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ ابونصر کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اپنی موت کو بالکل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس پر چھانے والی ہیبت ہی اس کے لئے موت کا پیام لے آئی اور ایک سپاہی کا ہاتھ جو گھوما تو اس کا سر گردن سے الگ ہو کر اُڑتا ہوا دور جا گرا۔ اب مطیع الدین تنہا رہ گیا تھا۔ شیخ ابونصر کی موت دیکھ کر اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ اب کسی قسم کی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔ گھڑ سوار سالار اس کے متضاد رویئے پر دم بخود رہ گیا۔ جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے تیز آواز سے حملے بند کرنے کا حکم دیا۔ گھڑ سوار سالار مستفسرانہ نگاہوں سے مطیع الدین کی جانب دیکھ رہا تھا جو کہ دھیمی مسکراہٹ سے اپنے ساتھیوں کے لاشے دیکھنے میں مشغول تھا۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس شقیف عرنون کی پہاڑی سے سیدھا نیچے اترا اور ایک بار پھر صور کی جانب بڑھا۔ صلیبی جنگجوؤں تک ایک اور اہم قلعے کے سقوط کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وہ شقیف عرنون کی فتح کی خبر سن کر سناٹے میں رہ گئے کیونکہ وہ اسے سب سے زیادہ محفوظ اور مستحکم قلعہ سمجھتے تھے۔ یہ فتح ان کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوئی کیونکہ صلیبی سپاہیوں میں نامعلوم سا خوف وہراس پیدا ہو چکا تھا اور وہ اسلامی لشکر کا سامنا کرنے سے گریز کرنے لگے۔ صلیبی سرداروں نے اس پیچیدہ صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے جوشیلے پادریوں اور بشپ کی خدمات حاصل کیں اور سپاہیوں کو مسیحی وعظ سنائے گئے تاکہ ان کے اندر اس مقدس لڑائی کا جذبہ پیدا کیا جا سکے۔

اسلامی لشکر صلیبی جنگجوؤں کے مقابلے میں حاصل ہونے والی پے در پے کامیابیوں کے باعث بے حد پُر امید دکھائی دیتا تھا۔ ان کے عزم وحوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے پوری طرح ٹھان لیا کہ وہ ڈیڑھ سو سال سے جس نصرانی عذاب کا شکار تھے وہ اس کی بیخ کنی کر کے ہی دم لیں گے۔ سلطان بیبرس کا دل بھی ہمیشہ سے اسلامی خدمات کے لئے دھڑکتا تھا اور وہ مسلمانوں کے جذبات کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ صلیبی لٹیروں کی چیرہ

دستیاں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں، اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کے لشکر اس وقت جذبہ جہاد سے پوری طرح سرشار ہیں اور وہ بلادِ اسلامیہ سے نصرانیوں کا بستر گول کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو سلطان بیبرس نے صور کو ایک بار پھر نظر انداز کرتے ہوئے لشکروں کو طرابلس الشام کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔ قلعہ شقیف عرنون کے ہاتھ سے نکل جانے پر صلیبی جنگجوؤں کو بے حد صدمہ تھا اس لئے وہ اپنے اپنے قلعوں میں زور وشور سے تیاریوں میں مصروف تھے، اسلامی لشکر چونکہ ابھی تک صلیبی حدود کے اندر موجود تھا اس لئے کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کس وقت کس قلعے کے سامنے نمودار ہو جائے۔ کئی دن کی مسافت کے بعد اسلامی لشکر قلعہ طرابلس الشام کے سامنے ظاہر ہوا۔ یہ میدانی علاقے کا قلعہ تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنے لشکروں کو کچھ اس انداز سے بکھیر کر طرابلس الشام کا محاصرہ کیا کہ اسلامی لشکر قلعہ کے سامنے حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ طرابلس الشام کے افراد نے جب یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر دیکھا تو بخوبی سمجھ گئے کہ اب ان کی باری ہے۔

طرابلس کا باقی تمام صوبہ اسلامی مقبوضات میں شامل تھا صرف یہ شہر جو کہ ساحلی علاقے میں موجود تھا صلیبی قبضے میں تھا۔ یہ ایک اہم شہر تھا جو کہ اس پورے صوبے کو سمندری راستوں سے محفوظ رکھنے کا سبب بن سکتا تھا مگر یہ مخالف قوت کے قبضے میں ہوتے ہوئے باقی تمام صوبے کے لئے خطرے کا باعث بنا ہوا تھا۔ طرابلس الشام کے نصرانیوں کو اپنے قلعے کی مضبوطی پر بڑا یقین تھا دوسرا یہاں نصرانی دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ مذہبی رجحان رکھتے تھے اور ان کے پاس بے پناہ جنگی ساز وسامان اور قوت موجود تھی، وہ اسلامی لشکر کو دیکھ کر فی الوقت قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اور تیزی سے لڑائی کا لائحہ عمل تیار کرنے لگے۔ چھ دن تک دونوں جانب خاموشی چھائی رہی۔ ساتویں روز جب اہل طرابلس نے اپنے شہر کے باہر نگاہ ڈالی تو وہ سناٹے میں رہ گئے کیونکہ وہاں اُڑتی ہوئی خاک کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اسلامی لشکر رات کے اندھیرے میں ہی پُر اسرار انداز میں وہاں سے جا چکا تھا۔ اہل طرابلس نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں کہ شاید یہ کوئی چال ہو، کئی مخبر بھی روانہ کئے گئے مگر اسلامی لشکر کس جانب نکل گیا، کسی کو کچھ خبر نہ ہو پائی؟

❀ ❀ ❀

وہ گھڑ سوار سالار عجیب نگاہوں سے مطیع الدین کو دیکھتا رہا جو کہ اپنی تلوار نیام میں ڈال چکا تھا سالار ابھی تک کوئی واضح رائے قائم نہیں کر سکا کہ اس شخص کے ارادے کیا ہیں؟

''یہ سب کیا تھا؟ تم نے اپنے تینوں ساتھیوں کو ہمارے ہاتھوں کیوں ہلاک کروایا؟''

''تم بتا رہے تھے کہ یہاں سے کچھ دور تمہاری چوکی ہے، وہیں چل کر تفصیلی بات کرتے ہیں''۔ مطیع الدین کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ سالار اس کی بات سن کر کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو لاشیں گھوڑوں پر لادنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ چوکی کی جانب بڑھنے لگے۔ محافظ سپاہیوں نے مطیع الدین کو مخصوص قسم کا گھیرا ڈالا تھا تاکہ وہ انہیں جل دے کر فرار ہونے کی کوشش نہ کر سکے۔ مطیع الدین ان کے اس محاصرے سے بالکل لاپرواہ دکھائی دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب لوگ عسکری چوکی تک پہنچ گئے۔ یہاں بڑے بڑے خیمے لگے ہوئے تھے۔ سالار نے مطیع الدین کو دوسرے سپاہیوں کے نرغے میں دیتے ہوئے باقی محافظوں کو واپس اپنے مقامات پر لوٹنے کی ہدایت کی۔ اس دوران مطیع الدین کی جامہ تلاشی لی گئی اور اس سے تلوار اور خنجر لے لئے گئے۔ مطیع الدین بالکل خاموش تھا جبکہ سالار اس کی اسراریت پر مخمصے کا شکار تھا۔ کچھ دیر تک رسمی کارروائی مکمل ہو گئی تو سالار نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ اطمینان سے ایک بڑے سے پتھر کے بنچ پر بیٹھ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اب کھل جانا چاہئے کیونکہ صرف میرا تجسس ہی تمہاری زندگی کا ضامن ہے ورنہ میرے سپاہی یقیناً تمہارے ساتھ یہ احسن سلوک نہ کرتے''۔ سالار بولا۔

''میرا نام مطیع الدین ہے، جیسا کہ تمہیں تھوڑی دیر پہلے معلوم ہو گیا ہوگا''۔ مطیع الدین مسکرا کر بولا۔ جس پر سالار کے ہونٹ سکڑ گئے۔ ''میں اردوئے زریں کا رہنے والا ہوں اور وہاں اہم شاہی منصب پر فائز ہوں، یہ کچھ ماہ پیشتر کی بات ہے کہ مجھے دربار شاہی کی جانب سے حکم ملا کہ میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک سفارت مرتب کروں اور دربار خلافت کا رُخ کروں۔ میں اسی سلسلے میں سرائے سے روانہ ہوا اور دربار خلافت کی طرف آ رہا تھا کہ شامی سرحد پر میرے مختصر قافلے کا گھیراؤ کر لیا گیا اور کچھ رہزنوں کے ساتھ ہماری جھڑپ ہو گئی، میں نے بہتیری کوشش کی کہ انہیں چکمہ دے کر نکل جاؤں مگر وہ بے حد ہوشیار ثابت ہوئے، میرے کئی ساتھی مارے گئے اور مجھے پکڑ کر بے ہوش کر لیا گیا۔ مجھے جب ہوش آیا تو خود کو ایک تاریک زنداں خانے میں موجود پایا۔ میرا سامان بھی میرے پاس نہیں تھا۔ ان لوگوں نے میرے سامان کی تلاشی لی تو انہیں بآسانی وہ مراسلہ بھی مل گیا جو کہ میں دربار خلافت کے لئے سرائے سے ساتھ لایا تھا۔ انہیں جب میری حیثیت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ مجھے ایک خاص کمرے میں لے گئے، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ درحقیقت فدائی تھے۔ ان کے بارے میں میری معلومات کچھ زیادہ نہیں تھیں۔ انہوں نے مجھے آزاد کرنے اور میرا سامان لوٹانے کا عندیہ دیا جس پر میں بے حد حیران ہوا۔ میری حیرانگی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ پائی کیونکہ انہوں نے یہ فرمائش کی کہ میں ان کے فدائیوں کو اپنے ساتھیوں کی صورت میں ساتھ لے کر دربار خلافت لے جاؤں، میں ان کا مقصد سمجھ نہیں پایا کہ وہ میرے ذریعے دربار خلافت میں کیا مطلب برآری چاہتے ہیں؟ لہٰذا میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار کی بناء پر انہوں نے مجھے دوبارہ تاریک زنداں میں پھینک دیا، مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے ماہ تک وہاں قید رہا۔ ایک دن میری ہمت جواب دے گئی تو میں نے شور مچا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا اور ان کا مطالبہ صرف اس شرط پر ماننے کا اقرار کیا کہ وہ مجھے حقیقت بتا دیں تو میں انہیں اپنے ساتھ دربار خلافت لے جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے فریب دیتے ہوئے جو کچھ بیان کیا وہ کچھ واضح نہیں تھا۔ میں تو زنداں سے نکل کر آزاد فضا میں آنا چاہتا تھا۔ اسی لئے میں نے ان کی تمام شرائط مان کر فدائیوں کو اپنا ساتھی بنایا اور پھر وہاں سے روانہ ہوا۔ باہر نکلنے پر مجھے معلوم ہوا کہ جس جگہ مجھے رکھا گیا تھا وہ کوئی بہت بڑا قلعہ تھا۔ میں بخوبی سمجھ گیا کہ یہ لوگ کوئی ناپاک ارادہ رکھتے ہیں اور میری وساطت سے خلیفہ المسلمین کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں موقعے کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا لوں کیونکہ ان کی موجودگی میں، میں کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ تم لوگوں کو دیکھ کر میں نے شکر کا کلمہ پڑھا اور جان بوجھ کر تم پر حملہ کیا تاکہ ان فدائیوں سے میری خلاصی ہو سکے''۔ مطیع الدین نے اپنی بات ختم کی تو سالار کسی سوچ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیا۔

''تمہاری حرکت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تم صحیح کہہ رہے ہو مگر تمہاری جامہ تلاشی سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہو پائی جو کہ اس بات کی غمازی کرتی ہو کہ تم واقعی سرائے سے آئے ہو اور دربار خلافت کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہو''۔ سالار کسی قدر توقف سے بولا۔

''میں جانتا تھا کہ تم یہی سوال کرو گے، میرا تمام سامان اسی قلعے میں موجود ہے جہاں میں مقید تھا۔ البتہ وہ شاہی مراسلہ جو کہ میں سرائے سے ساتھ لایا تھا وہ شیخ ابونصر کے پاس موجود ہے، اس نے قلعہ سے چلتے ہوئے مجھے دکھایا تھا اور کہا تھا کہ یہ مجھے دربار خلافت میں دے دیا جائے گا''۔ مطیع الدین نے سربریدہ لاش کی جانب اشارہ کر کے کہا۔ سالار نے ایک سپاہی کو ہدایت کی کہ وہ ان تینوں لاشوں کے لبادوں کا اچھی

طرح جائزہ لے اور جو کچھ ان میں موجود ہے وہ سب نکال کر یہاں لائے۔ کچھ دیر دونوں جانب خاموشی چھائی رہی۔ کچھ دیر بعد سپاہی واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ چند چیزیں تھیں مگر ان میں کوئی ایسا شاہی مراسلہ موجود نہیں تھا جو کہ مطیع الدین کی بات کو سچ ثابت کر سکتا۔ سالار نے ان چیزوں کا اچھی طرح جائزہ لیا تو اسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ تینوں فدائی ہی تھے۔ ان کے پاس مخصوص دُعائیں برآمد ہوئی تھیں جن میں سے ایک ارضی جنت کے متعلق تھی۔ صرف یہی چیز ان کے فدائی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی تھی۔

''مطیع الدین! تمہارا کہنا ہے کہ مراسلہ ان کے پاس موجود ہے مگر ان سے ان اشیاء کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہوا ہے، اب بتاؤ کہ میں تمہاری بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں حالانکہ میں یہ بھی دیکھ چکا ہوں کہ تم ایک اچھے ماہر شمشیر زن بھی ہو''۔ سالار کا لہجہ شکوک و شبہات سے بھرا ہوا تھا۔

''میرے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ اب تمہاری مرضی ہے، تم جو چاہو سلوک کر سکتے ہو''۔ مطیع الدین سر جھکا کر مغموم انداز میں بولا۔ سالار اس کی بات سن کر تذبذب کا شکار ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی فیصلہ کر کے بولا۔

''اگر تمہیں سپاہیوں کی حفاظت میں دربار خلافت پہنچا دیا جائے تو کیا تم وہاں اپنی حیثیت ثابت کر سکو گے؟'' سالار گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''میں کوشش کروں گا کہ وہاں مجھے کوئی اپنا مل جائے، تاکہ میری شناخت ہو سکے کیونکہ سرائے کے بے شمار لوگ آج کل وہاں آباد ہیں''۔ مطیع الدین نے یقینی انداز میں امید ظاہر کی۔

''ٹھیک ہے، میں تمہاری بات پر اعتماد کر کے تمہیں قاہرہ روانہ کئے دیتا ہوں مگر تم دربار خلافت براہ راست نہیں جا پاؤ گے کیونکہ اس کے لئے تمہیں امیر فخر الدین لقمان سے ملنا ہوگا جو کہ سلطان محترم کا خاص معتمد ہے اگر اسے تمہارے بارے میں یقین ہو گیا کہ تم وہی ہو جسے سرائے سے روانہ کیا گیا تھا تو یقیناً تمہارے نقصان کی تلافی کر دی جائے گی اگر تم اسے یقین دلانے میں ناکام رہے تو تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہے''۔ سالار نے کھل کر بتا دیا۔

مطیع الدین نے کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس کی پیشکش پر آمادگی ظاہر کی۔ اسے دوسرے خیمے میں منتقل کر دیا گیا اور ساتھ ہی اسے باہر نکلنے سے فی الوقت منع کر دیا گیا۔ مطیع الدین سمجھ گیا کہ یہ بھی ایک قسم کی قید ہے مگر یہ عارضی ثابت ہوئی۔ مطیع الدین نے اپنی مخصوص حکمت عملی سے نہ صرف فدائی نگرانوں سے خود کو آزاد کرا لیا تھا بلکہ وہ قاہرہ کی جانب بڑھنے کا بندوبست بھی کر چکا تھا۔ اس کی منزل صرف اور صرف قاہرہ تھی۔ فدائی افراد کو ہلاک کرانے کے پیچھے اس کی مخصوص طبیعت کا دخل تھا کیونکہ وہ اپنی کسی بھی مہم میں نگرانی تو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مطیع الدین اپنے تئیں یہ مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ وہ تن تنہا دربار خلافت میں نہ صرف مہم کی تکمیل کرے گا بلکہ خلیفہ کا سر کاٹ کر ہمراہ لے جائے گا اور اسے شیخ کبیر الدین کے قدموں میں پھینک کر اسے جتا دے گا کہ اس کی صلاحیتیں ابھی زنگ آلود نہیں ہوئیں، پھر کس بنیاد پر شیخ کبیر الدین گل وقوژ کو اس کے حوالے نہیں کرے گا...... اسے گل وقوژ ہر قیمت پر مطیع الدین کو واپس دینا ہی ہوگی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس نے آغاز شب پر جب اچانک محاصرہ ختم کرنے کا حکم جاری کیا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سلطان کا حکم بجا لانے میں ذرا سی کوتاہی نہیں کی۔ نصف شب سے قبل ہی خیمے اکھاڑ لئے گئے اور سفر کی تیاری مکمل ہو گئی۔ سلطان طرابلس الشام کو چھوڑ کر شمال کی جانب روانہ ہو گیا۔ تیز رفتاری سے

سفر کرتا ہوا وہ اگلے چند دن بعد انطاکیہ کی سرحدوں پر نمودار ہوا۔ اتفاق کی بات تھی کہ انطاکیہ کا حکمران بوہمنڈ شقیف عرنون کی فتح کی خبر سن کر ان دنوں دوبارہ ارضِ نوبہ کے شاہ ڈیوڈ کے پاس روانہ ہو چکا تھا اس کا مقصد سابقہ ساقط سلسلہ گفتگو کو از سرِ نو شروع کر کے اسلامی لشکر کے خلاف کوئی واضح منصوبہ سازی تیار کرنا تھا۔

انطاکیہ ایک لاطینی ریاست تھی جو کہ صلیبی شرپسندوں کو باقاعدہ مدد اور رسد فراہم کرتی تھی۔ بقول مؤرخ ابوالفدا کے، یہ ریاست انتہائی شریر اور کمینہ خصلت صلیبیوں سے معمور تھی اور گذشتہ ایک سو ستر برس سے اپنی بے ہودہ حرکات کے باعث مسلمانوں کو بار بار دعوت مبارزت دے رہی تھی۔ یوں تو انطاکیہ ہر زمانے میں ایک بڑا مشہور شہر رہ چکا تھا اور نصرانیوں کے نزدیک یہ نہایت متبرک اور مقدس مقام کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں سب سے پہلے عیسائی مبلغ سینٹ پال نے اپنی تبلیغی مہم کا آغاز کیا تھا اور ہر طرف نصرانیت کا پیغام پھیلا دیا تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اسے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا گیا مگر چند ہی سال بعد یونانی اسے دوبارہ واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ قبضہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا اور پھر اسے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا لیا گیا۔ طویل عرصے کے بعد صلیبی جنگجوؤں کی آمد پر اسے نشانہ بنایا گیا اور سات ماہ کے پُر صعوبت محاصرے کے بعد جون 1098ء میں فتح کر لیا۔ یہ فتح بھی ایک نو مسلم ارمنی شخص بہروز کی غداری کی مرہونِ منت تھی جو کہ ایک خفیہ راستے سے صلیبی سپاہیوں کو قلعہ کے اندر لے گیا تھا۔ اس وقت سے یہ شہر مسلسل صلیبی قبضے میں تھا اور انہوں نے یہاں ایک باقاعدہ ریاست قائم کر لی تھی جو کہ نہایت مضبوط اور مستحکم خیال کی جاتی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی مجاہدانہ کوششیں بھی اس شہر کو مسخر کرنے میں بوجوہ کامیاب نہ ہوئی تھیں۔

انطاکیہ کی ریاست کئی سو مربع میل پر محیط تھی اور خود انطاکیہ کا بارونق شہر ایک نہایت مستحکم دوہری فصیل کے اندر دریائے المقلوب کے کنارے صدیوں سے موجود تھا۔ اس شہر میں عیسائیوں کے کئی مقدس مقامات، عظیم الشان گرجے اور مضبوط قلعے تھے۔ اس شہر کی حفاظت کے لئے ہر وقت دو لاکھ سے زائد اعلیٰ درجے کے مہارت یافتہ صلیبی جنگجو موجود تھے اور عسکری تربیت سے آراستہ مقامی نصرانیوں کی ایک کثیر تعداد بھی ان کی پشت پر موجود رہتی تھی۔ اہل انطاکیہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سلطان بیبرس کبھی اوپر کا رُخ کرے گا۔ انطاکیہ تو صلیبی مقبوضات سے کافی فاصلے پر موجود تھا۔ جب انہوں نے انطاکیہ کے گرد مسلمان مجاہدین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھا تو وہ حیران و پریشان دکھائی دیئے۔

سلطان بیبرس نے اس مشکل ترین دور میں نہایت ہی کٹھن قدم اُٹھایا تھا، عالم اسلام ابھی اپنی ارضِ سلطنت سے دشمنانِ اسلام کا خاتمہ نہیں کر پایا تھا کہ سلطان بیبرس تمام لشکر لے کر بلادِ اسلامیہ سے دور انطاکیہ پہنچ گیا تھا جہاں خطرات بے حد زیادہ تھے۔ یہ بڑا اہم مقام تھا سلطان بیبرس نے فیصلہ وقت کے ہاتھ سونپ دیا تھا اگر وہ فتح یاب ہوتے تو یقیناً نصرانیوں پر دھاک بیٹھ جاتی اور وہ ارضِ مقدس کے صلیبیوں کی مدد و معاونت سے باز آ جاتے، اگر خدانخواستہ انہیں شکست ہو جاتی تو اسلامی لشکر کے پاس فرار کی بھی راہیں نہیں تھیں، نصرانی سپاہی بآسانی انہیں گھیر کر ہلاک کر دیتے۔ یہ ایک کڑا امتحان تھا۔ اسلامی لشکر کو بھی یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ سلطان بیبرس اس قدر دور نکل کر ایک مختلف سمت میں محاصرہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سراسر اسلامی سلطنت سے تجاوز تھا جسے مؤرخین نے بہت سخت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک ایسی خودکشی تھی جسے سلطان بیبرس نے خود قبول کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کمال ہوشیاری سے سپاہیوں کو جل دینے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ اسے اپنی نگرانی میں قاہرہ لے جا رہے تھے جہاں اسے نائب سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا اور اس کے بارے میں پوری تحقیق کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا۔ مطیع الدین نے گرفتاری کے موقعہ پر عقلمندی کا مظاہرہ کیا جو اس نے برقائی خان کا نام لے لیا۔ اب سپاہیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ فلسطین کے شمال مغرب میں تیز رفتاری سے بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت نہ تو اس کی کوئی منزل تھی اور نہ ہی اس بات کی کوئی خبر کہ...... وہ اب کہاں پہنچ جائے گا؟ اسے بس اس بات کی فکر تھی کہ وہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے پھر آگے کے حالات کے بارے میں غور کر لے گا۔ خلیفہ کے قتل کی مہم کی تکمیل کے لئے اس کا ذہن پوری طرح متحرک تھا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ کام آسان نہیں ہے اور نہ ہی اسے قاہرہ میں کوئی ایسا موقعہ حاصل ہو سکے گا۔ فدائی معاونت کی اہمیت اسے اب شدت سے محسوس ہو رہی تھی مگر وہ یہ مہم تنہا ہی انجام دینے کا خواہشمند تھا۔ وہ خیالوں الجھا ہوا گھوڑا دوڑاتا رہا۔ سفر کی طوالت کس قدر مزید تھی اس سے وہ قطعی طور پر بے خبر تھا۔ اسی لئے وہ پانی کا استعمال احتیاط سے کرتا رہا۔ کئی دن کی مسافت کے بعد اسے دور آبادی کے آثار دکھائی دیئے تو اس کے جسم میں عجیب سی سرشاری سی پھیل گئی۔ وہ مناسب رفتار سے آبادی کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک فصیل دار شہر تھا جس کے گرد کئی بستیاں کھلے میدان میں بسی ہوئی تھیں۔ شہر کی فصیل پر لہرانے والے پرچم کو دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ جس شہر میں پہنچا تھا وہ مسلمانوں کی ملکیت میں ہی تھا۔ شہر کے باسیوں نے نو وارد اجنبی پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ مطیع الدین نے سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ وہ کونسا شہر ہے؟ تو اسے جواب ملا کہ اس شہر کا نام ''طنطا'' ہے۔ مطیع الدین نے شہر طنطا کے بارے میں کئی سوال کئے۔ مقامی لوگوں نے اس کی اجنبیت کا اندازہ لگا کر اسے کوتوال شہر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ وہاں سے اپنی مطلوبہ معلومات آسانی سے حاصل کر سکے۔ مطیع الدین کے پاس نہ تو اتنی رقم تھی کہ وہ کسی سرائے میں ٹھہرنے کا بندوبست کر پاتا اور نہ ہی اس شہر میں کوئی اس کا آشنا تھا۔

مطیع الدین نے اپنی ذہانت استعمال کرتے ہوئے کوتوال شہر سے ملاقات کی اور خود کو اجنبی اور مظلوم قرار دیتے ہوئے اس سے مدد کی درخواست کی۔ کوتوال شہر نے اس کے سراپے پر گہری نظر ڈالی۔ کئی دن کے سفر نے مطیع الدین کی صورت خاصی مضحکہ خیز بنا دی تھی۔ سر دھول سے اَٹا پڑا تھا اور چہرے پر گرد کی تہہ نے سیاہی سی پھیلا ڈالی تھی۔ کپڑے بھی خاصے میلے کچیلے تھے۔ کوتوال شہر نے اس مفلوک الحالی کے بارے میں استفسار کیا تو مطیع الدین نے اسے بتایا کہ وہ دمشق سے قاہرہ کی جانب ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ اچانک اس قافلے پر لٹیروں نے حملہ کر دیا۔ قافلہ لوٹ لیا گیا اور بے شمار مردوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ وہ بمشکل جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور بھٹکتا ہوا اس طرف آ نکلا۔ اس کا تمام سرمایۂ حیات اسی قافلے کے ساتھ لُٹ گیا۔ اب وہ بالکل کنگال ہو چکا ہے لہٰذا اس کے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کیا جائے اور نہ صرف مالی معاونت کی جائے بلکہ اسے قاہرہ جانے کے لئے زادِ راہ بھی فراہم کیا جائے۔

کوتوال شہر نے اس کی من گھڑت کہانی سننے کے بعد اس کے ساتھ اظہارِ تاسف کیا اور خود کو اس ضمن میں بے بس قرار دیتے ہوئے اسے والئ شہر سے ملنے کا مشورہ دیا۔ مطیع الدین نے اس سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح والئ شہر تک پہنچا دے باقی معاملہ وہ خود سنبھال لے گا۔ کوتوال شہر نے اس حد تک مدد پر آمادگی ظاہر کی اور اسے والئ شہر کے خاص محل تک پہنچا دیا۔

مطیع الدین نے والئ شہر کے سامنے کچھ اس انداز سے سرگذشت بیان کی کہ وہ کافی متاثر دکھائی دیا۔

اس نے مطیع الدین سے اس مقام کے بارے میں دریافت کیا جہاں قافلہ لٹنے کا حادثہ پیش آیا تھا تو مطیع الدین نے یہ کہہ کر خلاصی کرائی کہ وہ چونکہ پہلی بار اس جانب آیا ہے اس لئے صحیح محلِ وقوع سے بالکل ناواقف ہے، دوسرا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دمشق یا قاہرہ کے کس سمت میں اس وقت موجود ہے؟ والئی شہر نے اسے تسلی دی اور کوتوال شہر کو معاملے کی چھان بین کا حکم دیا۔ والئی شہر نے بیت المال سے کچھ رقم مطیع الدین کے حوالے کرنے اور سرکاری سرائے میں ٹھہرائے جانے کے احکامات جاری کئے۔ کوتوال شہر مطیع الدین کو ساتھ لے کر سرکاری سرائے میں چلا آیا۔ مطیع الدین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ سرائے میں پہنچ کر مطیع الدین نے سب سے پہلے غسل کر کے اپنی حالت درست کی۔ اس کی خستہ حالی نے اس کی مشکل کو ازحد آسان کر دیا تھا۔ دوسرے دن مطیع الدین کو رقم کی ایک تھیلی بھی مل گئی۔ اس نے طنطا میں کچھ دن رُکنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنی مہم کی کامیابی کے لئے کوئی لائحہ عمل طے کر سکے۔ سرائے میں بے کار بیٹھ رہنے سے اسے کوفت سی محسوس ہونے لگی۔ اس کے قدم سرائے سے باہر نکل پڑے۔ وہ بے مقصد طنطا کے بازاروں اور گلیوں میں گھومتا رہتا۔ ایک شام وہ وقت گزاری کے لئے طنطا کے بے رونق بازار میں گھوم رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک شخص کے سراپے ٹھہر گئی۔ وہ کوئی بدوی محسوس ہوتا تھا۔ وہ عرب بدوؤں کی مانند سفید لباس میں ملبوس تھا اور اس کا چہرہ عمامے کی اوٹ میں یوں چھپا ہوا تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر نقاب اوڑھ رکھا ہو۔ وہ تیز رفتاری سے قدم اُٹھاتا ہوا ایک جانب چلا جا رہا تھا۔ جانے کیوں مطیع الدین کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ یقیناً اس شخص کا تعلق فدائیوں سے ہی ہوگا۔ اس کا خود کو چھپانے والا انداز ہوبہو فدائیوں سے مشابہ تھا۔ مطیع الدین نے چند ساعتوں میں اس امر کا فیصلہ کیا کہ وہ اس شخص کی اصلیت کا کھوج ضرور لگائے گا اور پھر وہ اپنے تجسس کی تسکین کے لئے خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس انطاکیہ کی بلند و بالا فصیل کے دامن میں اسلامی لشکر کے ساتھ شہر کے انتظامات کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس کے مملوک سالار اس کے ساتھ تھے۔ مملوک سالاروں کو لشکر کشی کی اس مہم پر تو کوئی اعتراض نہیں تھا مگر وہ بلادِ اسلامیہ سے دوری کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں سلطان بیبرس کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی کوشش کی۔ سلطان بیبرس ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی اضطرابی لہروں کو بھانپ گیا۔ اس نے کڑے الفاظ میں انہیں خود کو مطمئن رکھنے کا حکم دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں مجاہدین اپنے سالاروں کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر ہمت نہ ہار بیٹھیں۔ سالار سلطان بیبرس کے سامنے تو خاموش رہے مگر ان کے اندر اُٹھنے والے وسوسوں کے طوفان خاموش رہنے پر آمادہ نہیں دکھائی دیئے۔ سلطان بیبرس کی عقابی نگاہوں نے بہت جلد ہی تاڑ لیا کہ انطاکیہ کے بارے میں زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے ورنہ سالاروں میں پایا جانے والا اضطراب بہت جلد مجاہدین کے لہو میں اُتر جائے گا اور جوش و جہاد کا جذبہ ایسا سرد پڑے گا کہ ان کی واپسی کا سوچنا بھی محال ہو جائے گا۔ انطاکیہ کا محاصرہ کئے ابھی دوسرا دن تھا کہ سلطان بیبرس نے تمام سپاہیوں کو صفیں سیدھی کرنے کا حکم دے دیا۔ مجاہدین حکم پاتے ہی تعمیل میں جت گئے۔ دستوں کے سالار سلطان بیبرس کے فیصلے پر کسی قدر معترض دکھائی دیئے مگر سلطان بیبرس نے ان کی قطعاً پرواہ نہیں کی۔ صفیں سیدھی ہونے پر سلطان بیبرس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر سرسری انداز میں لشکر کا معائنہ کیا اور پھر ان کے بالکل سامنے ایک جگہ ٹھہرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اُٹھا کر سب کو اپنی جانب متوجہ کیا اور بلند آواز میں ان سے کہا۔

''مسلمانو! تم سب اپنے سروں پر کفن باندھ کر گھروں سے میرے ساتھ نکلے ہو۔ تمہارا اور میرا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ عالم اسلام کے گرد پھیلے ہوئے ان سب خطرات کو ایک ایک کر کے مٹا دیا جائے جنہوں نے گذشتہ ڈیڑھ صدی سے ہماری نیندیں اُڑا رکھی ہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ کام آسان نہیں ہے مگر تم آج بخوبی دیکھ سکتے ہو کہ ہماری صفوں میں اس اتحاد کا فقدان نہیں ہے جو ہمارے پیش رو سلطانوں کو درپیش رہا۔ اگر صلیبی ہم پر حاوی ہوئے ہیں تو اس کی وجہ ہم میں اتحاد و یکجہتی کا فقدان اور حوصلوں کی پستی تھی۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی دن سے ہمارے ساتھ ہے جب سے ہم نے مل کر ان فتنوں کی سرکوبی کا بیڑا اُٹھایا تھا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کی قوت ایمانی کی بدولت چھینے ہوئے صلیبی قلعوں اور شہروں کا دوبارہ تمہیں مالک بنا دیا ہے''۔

سلطان بیبرس توقف بھر کے لئے خاموش ہوا تو مجاہدین پُر جوش انداز میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔ سلطان بیبرس نے انہیں دوبارہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجاہدو! آج پھر امتحان کی گھڑی ہمارے سامنے ہے۔ یہ مت سوچنا کہ میں اپنی سلطنت کی حدود بڑھانے کا حریص ہوں یا مجھے فتوحات کرنے کا مرض لاحق ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ میں کل تک غلام تھا، میرا دل اس وقت بھی مسلمانوں کے لئے دھڑکتا تھا اور آج جب کہ سلطان ہوں، آج بھی میرے دل میں مسلمانوں کے لئے ویسی ہی تڑپ ہے۔ اللہ کی قسم! میں بھی تم لوگوں کی طرح اس جہان فانی سے خالی ہاتھ ہی جاؤں گا۔ تم سے زیادہ مجھے شہادت کی تمنا ہے اور میری یہ تمنا کب پوری ہوگی میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تمہیں تمہارے شہروں سے دور صرف اس لئے لایا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ مل کر ان بنیادوں کو ہی کھود ڈالو جن پر سارا صلیبی استحکام کھڑا ہے۔ اس شہر کی بربادی ہی ہماری نسلوں کے بہترین مستقبل کی ضمانت ہے۔ تمہاری بانہوں میں کتنا دم ہے اور تمہارے دلوں میں اپنی نسلوں کی بقاء کے لئے کتنا جذبہ پنپ رہا ہے، یہ اسی کے امتحان کا دن ہے۔ یاد رکھو! تم سب لوگ میرے ساتھ بالکل اسی طرح کھڑے ہو جیسے ایک دن طارق بن زیاد کے ساتھ اس کے سپاہی اندلس کے ساحل پر کھڑے تھے۔ طارق نے اپنی کشتیاں جلا کر انہیں یہ باور کرایا تھا کہ واپسی کا اب کوئی راستہ باقی نہیں بچا، انہیں یا تو اندلس فتح کرنا ہوگا یا شہادت قبول کرنا ہوگی۔ آج میں بھی یہی تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم سب کو مل کر انطاکیہ فتح کرنا ہوگا یا پھر نصرانیوں کے ہاتھوں مرنا ہوگا دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں! شہادت کی موت یا پھر فاتحوں کی طرح سر اُٹھائے ہوئے.....؟''

سلطان بیبرس کے خطاب نے مجاہدین کے اندر ایسی گرمی و ولولہ برپا کر دیا کہ وہ اسی وقت انطاکیہ کا فیصلہ کرنے پر تل گئے۔ سلطان بیبرس نے لوہا گرم دیکھ کر ضرب لگانے میں کوتاہی نہیں کی، حکم پاتے ہی مجاہدین انطاکیہ کی فصیل پر ٹوٹ پڑے۔ نصرانی سپاہیوں نے اسلامی لشکر کا جارحانہ انداز دیکھ کر فصیل کے برجوں میں سے تیروں کی بارش برسانا شروع کر دی مگر ان کی کوشش کارگر ثابت نہ ہوئی۔ مجاہدین غیظ و جوش میں دیوانے ہو چکے تھے۔ جذبۂ شہادت کا شوق کچھ ایسا لذت آمیز تھا کہ وہ اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر فصیل پر چڑھتے چلے گئے۔ برجوں پر تعینات نصرانی سپاہی مجاہدین کی سرعت انگیزی اور جرأت کے مظاہرے دیکھ کر خوفزدہ ہونے لگے۔ ان کے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے اور بہت جلد مجاہدین نے برجوں کا اختیار اپنے قبضے میں لے لیا۔ فصیل کا ایک بڑا حصہ مجاہدین کے قبضے میں آ چکا تھا۔ پھر جب مسلمان سپاہیوں کی نظر فصیل پر نصرانیوں سے نبرد آزما اپنے سلطان پر پڑی تو ان کے اندر برق سی بھر گئی۔ سلطان بیبرس کو اپنے شانہ بہ شانہ لڑتے دیکھ کر انہیں نہ صرف روحانی طور پر مسرت حاصل ہوئی بلکہ ان کے حوصلے بھی مزید بڑھ گئے۔

مملوک سالاروں نے جب پہلے حملے میں ہی اتنی بڑی کامیابی کا مشاہدہ کیا تو انہیں اپنے خدشات مٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سلطان بیبرس نے فصیل پر کھڑے ہو کر انہیں اپنی کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے برق رفتاری سے منجنیقوں اور سنگ منہوں شہر پر پتھروں کی برسات شروع کر دی۔ سلطان بیبرس اس مرتبہ پوری تیاری کے ساتھ قاہرہ سے نکلا تھا۔ سامانِ حرب کا بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا۔ اسلامی لشکر کی زیادہ کوشش یہی رہی ہے کہ نصرانی سپاہیوں کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ دیا جائے۔

انطاکیہ کے صلیبی محافظوں اور سپاہیوں نے جب اسلامی لشکر کی ولولہ انگیزی کا منظر دیکھا تو وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ ان کے پاس بھی آلات حرب وضرب کی کمی نہیں تھی۔ بہت مختصر وقت میں منظم ہو گئے اور اسلامی لشکر کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان بیبرس کی ہدایت کے مطابق دوہری فصیل میں اتنا بڑا شگاف کر دیا گیا کہ اسے فوری پُر کرنا نصرانیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس تمام حصے پر اسلامی لشکر کا قبضہ تھا۔ فصیل کے ملبے سے خندقیں پُر کر دی گئیں اور اسلامی لشکر پوری قوت سے شہر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اس گھمسان کا رن پڑا کہ انطاکیہ کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور ہر طرف نعشوں کے انبار لگ گئے۔ مجاہدین اپنے گھروں سے سینکڑوں میل دور سر سے کفن باندھے لڑ رہے تھے۔ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ اگر وہ یہاں شکست کھا گئے تو پھر انہیں نہ تو بلادِ مصر میں پناہ مل سکتی ہے اور نہ ہی بلادِ شام میں۔ سلطان بیبرس کو اپنے پہلو بہ پہلو والہانہ انداز میں لڑتے دیکھ کر ان کی ہمتیں دوچند ہو جاتی تھیں۔

انطاکیہ کے محافظوں نے پورا زور صرف کیا کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو شہر سے باہر دھکیل دیں مگر ان کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ چھ دن کی مسلسل خونریز لڑائی کے بعد انہوں نے یہ جان لیا کہ اب سلامتی اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دیئے جائیں ورنہ مسلمانوں کے ہاتھوں پورا شہر ہلاک ہو جائے گا۔ سلطان بیبرس نے نصرانیوں کے ہتھیار ڈالنے پر ان سب کو گرفتار کر لیا۔ مؤرخ ابوالفدا کے مطابق جو اس جنگ میں خود بھی بطور سپاہی شامل ہوا تھا۔ نصرانیوں کے سولہ ہزار سپاہی مقتول ہوئے اور سوا لاکھ کے قریب جنگی قیدی بنائے گئے۔ مالِ غنیمت کی اس قدر افراط تھی کہ درہم و دینار تھیلیاں بھر بھر کر سپاہیوں میں تقسیم کئے گئے۔

سلطان بیبرس نے انطاکیہ کا تمام انتظام خود سنبھالا اور تمام اطراف میں سپاہیوں کو پھیلا دیا۔ شہر کی بلند وبالا فصیل مسمار کر دی گئی اور نصرانی رعیت کو آزادی دی گئی کہ وہ اگر چاہیں تو انطاکیہ کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ بے شمار خاندان انطاکیہ سے نقل مکانی کر گئے۔ ارضِ مشرق میں موجود دوسری قدیم ترین لاطینی ریاست ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ انطاکیہ کو اسلامی سلطنت کا حصہ قرار دے کر وہاں فوری طور پر ایسے انتظامات کئے گئے کہ نصرانیوں کی دوبارہ کوئی بھی عسکری کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ شہر کے چاروں جانب فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں سلطان بیبرس نے اب تک صلیبی جنگجوؤں پر جو فتوحات حاصل کی تھیں یہ فتح ان میں سب سے بڑی اور حقیقی معنوں میں فتح الفتوح کی حیثیت رکھتی تھی۔ ایک سو ستر برس پہلے صلیبی جنگجوؤں نے اس ریاست پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو یہاں سے نکال باہر کیا تھا اور ایک سو ستر سال بعد سلطان بیبرس نے وہی سلوک ان کے ساتھ کیا۔

سلطان بیبرس نے تمام انتظامات سے فارغ ہو کر کاتب کو بلوایا اور اسے ایک نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ کاتب قلمدان لے کر بیٹھ گیا تو سلطان بیبرس نے بولنا شروع کیا۔

''بلادِ مصر کے سلطان بیبرس کی جانب سے انطاکیہ کے شاہ بوہمنڈ کے نام!

مجھے بے حد افسوس کے ساتھ یہ بتانا پڑ رہا ہے کہ انطاکیہ میں تمہارے آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا

نہیں بچا جو تمہارے پاس پہنچ کر اس شہر کے انجام سے مطلع کرتا، اس لئے ہم خود یہ ناگوار فرض بجالاتے ہیں۔ جن استحکامات پر تم کو بے حد ناز تھا وہ سب کے سب ملیامیٹ ہو چکے ہیں چونکہ ان کی بربادی پر تمہارے ساتھ کوئی بھی اظہار ہمدردی کرنے والا نہیں، اس لئے ہم ہی تمہارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ سلطان بیبرس''

نامہ لکھوانے کے بعد سلطان بیبرس نے ایک قاصد کو بلوایا اور نہایت تیز رفتاری سے یہ نامہ ارض نوبہ میں مقیم شاہ بوہمنڈ تک پہنچانے کا حکم دیا۔ مملوک سالار سلطان بیبرس کی تحریر کے الفاظ سننے کے بعد اُس کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے جو نامہ ملنے کے بعد انطاکیہ کے حکمران شاہ بوہمنڈ پر بیتنے والی تھی۔

❀ ❀ ❀

دقوژ اپنے مخصوص کمرے میں موجود تھی کہ جب اسے یہ خبر دی گئی کہ شیخ الرئیس اس سے بالمشافہ ملاقات کے لئے خود وہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ سن کر گل دقوژ حیران رہ گئی کیونکہ ایسا پہلے کبھی ہوا نہیں تھا۔ وہ اس بات پر غور کرنے لگی کہ ایسی کیا بات ہوسکتی ہے؟ جس کے لئے شیخ کبیرالدین کو خود اس کے پاس آنا پڑ رہا ہے۔ اگر واقعی اس سے کوئی کام تھا تو اسے خود آنے کی تکلیف کیوں گوارا ہوئی، وہ کسی بھی غلام کے ذریعے اسے طلب کرسکتا ہے۔ وہ اسی سوچ بچار میں مبتلا تھی کہ شیخ الرئیس وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ماتھے پر پھیلی ہوئی شکنیں کسی پریشانی کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتا ہوا قریب موجود ایک کرسی پر یوں بیٹھ گیا جیسے وہ کئی کوس کا سفر طے کر کے آیا ہو۔ دقوژ اس کی کیفیت سے سمجھ چکی تھی کہ اسے کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ وہ خاموشی سے اس کی لب کشائی کا انتظار کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس کی نڈھال سی آواز کمرے میں گونجی۔

''گل دقوژ! آج صبح ہمیں ایک بڑی منحوس خبر سننا پڑی ہے کہ دمشق کی جانب روانہ کیا گیا ہمارا خاص قافلہ سرحدی محافظوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گیا''۔

''شیخ الرئیس! اس طرح کے واقعات تو اکثر ہوتے ہی رہتے ہیں، آخر ایسا کیا ہوا ہے جس نے آپ کے اعصاب کو ہی پژمردہ کر ڈالا ہے''۔ گل دقوژ کے لہجے میں دھیما پن تھا۔

''نہیں گل دقوژ! یہ اکثر ہونے والے واقعات سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس قافلے میں دو اہم افراد بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ریاست قہستان کا ایسا جوانمرد تھا جس کی سلطنت قہستان کو مستقبل میں اشد ضرورت تھی۔ اس کی ہلاکت سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں آدھی موت کا شکار ہوگیا ہوں''۔

''حیرت کی بات ہے کہ میں ایسے فرد کے بارے میں کچھ نہیں جانتی؟''

''اس کا نام شیخ ابونصر تھا! وہ ایسے ایسے معرکے تنہا ہی سرانجام دیتا تھا جن کے بارے میں سوچنا بھی محال دکھائی دیتا ہے۔ بلادِ اسلامیہ کی کئی سربرآوردہ شخصیات اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئیں۔ میں اس کی ناگہانی موت کو فراموش کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہا''۔

گل دقوژ اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ شیخ کبیرالدین بھی انسان ہی ہے...... کمزور اور ناتواں انسان...... اس نے آج پہلی مرتبہ اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ شیخ کبیرالدین کا چہرہ ایسا اترا ہوا تھا جیسے وہ ابھی کچھ دیر میں رو دے گا۔

''شیخ الرئیس! میں آپ کی تکلیف کا اندازہ لگا رہی ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے''۔ گل دقوژ نے نرمی سے تسلی دی۔

''تم یقیناً حیران ہو رہی ہو گی کہ میں صرف یہ بتانے کے لئے یہاں کیوں آیا ہوں؟ شیخ ابونصر کے

ساتھ ہلاک ہونے والا دوسرا شخص میرا پرانا محسن مطیع الدین تھا۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس کی وابستگی تم بھی اپنے دل کی کسی نامعلوم گہرائی میں محسوس کرتی ہو''۔ شیخ الرئیس اتنا کہنے کے بعد اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا جہاں کسی قسم کا کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، سپاٹ اور جذبات سے عاری چہرہ اسے کسی قدر تیز نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتا ہوا محسوس ہوا۔

''شیخ الرئیس! میں کچھ دن پہلے یہ واضح کر چکی ہوں کہ مجھے اپنے ماضی سے اب کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مطیع الدین کی موت کی خبر سے میں رنجیدہ خاطر دکھائی دوں گی تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں آج جس موڑ پر کھڑی ہوں، یہاں تک پہنچنے میں مجھے بڑے اذیت ناک لمحوں سے گذرنا پڑا ہے اور اب کسی بھی اذیت کو میں خود پر دوبارہ مسلط کرنے میں ہرگز آمادہ نہیں ہوں''۔ گل دقوژ کی آواز میں نہ صرف درشتی تھی بلکہ اس میں چھپا ہوا استحکام بھی نمایاں جھلک رہا تھا۔ شیخ کبیرالدین نے اس کی بات پر سر جھکا لیا۔ شاید اسے اس بات پر ندامت محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کمزور عورت سے بھی گیا گذرا ہے کہ ایک چھوٹے سے غم کو برداشت نہیں کر پایا۔

''شیخ الرئیس! یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ دونوں ہلاک نہ ہوئے ہوں بلکہ موقع پا کر نکل گئے ہوں''۔ گل دقوژ نے خود ہی بات کا موضوع بدل دیا۔

''کاش ایسا ہی ہوتا مگر میرے مخبروں نے پوری چھان بین کے بعد خبر دی ہے کہ اس قافلے میں سے صرف ایک شخص زندہ بچا تھا جسے گرفتار کر کے نامعلوم سمت میں روانہ کر دیا گیا ہے اور وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں تھا کیونکہ انہوں نے دونوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے عسکری چھاؤنی میں پڑی دیکھی ہیں''۔ شیخ کبیرالدین کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ گل دقوژ یہ سن کر چپ رہی، اس کا ذہن جانے کیوں یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ مطیع الدین جیسا شخص اتنی آسانی سے مر سکتا ہے۔ اگر اسے ایسی ہی موت مرنا ہوتا تو وہ سرائے میں ہی مر چکا ہوتا۔ اپنی اس کیفیت کو وہ کوئی نام نہ دے پائی۔ شیخ کبیرالدین نے کچھ توقف کے بعد خود ہی گفتگو کا ربط جوڑا۔

''گل دقوژ! وہ دونوں ایک ایسی مہم پر روانہ کئے گئے تھے جس کی کامیابی سے میں ایک ہی جست میں سلطنت قہستان کی خودمختاری کا اعلان کر دیتا مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ مہم ان کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچ جاتی۔ اب میں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مہم کی تکمیل کی ذمہ داری تم پر ڈالوں...... مجھے پوری امید ہے کہ تم اس بار سابقہ ناکامی کی طرح واپس نہیں آؤ گی''۔

''حماۃ میں جو کچھ ہوا تھا، میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں بہرکیف میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتی صرف اتنا کہوں گی کہ میں آپ کے بھروسے پر پورا اُتروں گی۔ آپ مجھے مہم کے بارے میں بتایئے''۔ گل دقوژ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''مجھے قاہرہ کے خلیفہ کی موت کی حتمی خبر چاہئے اگر اس کا سر کاٹ کر لا سکو تو بہتر ہے۔ اگر تم اس مہم میں کامیاب رہیں تو تمہیں منہ بولا انعام دیا جائے گا''۔ شیخ کبیرالدین نے کہا۔

''یہ مہم واقعی اس قابل ہے کہ اسے گل دقوژ کے ہی حصے میں آنا چاہئے تھا۔ شیخ الرئیس! مجھے یہ مہم منظور ہے مگر اس کام کی قیمت میں پہلے طے کر لینا چاہتی ہوں''۔

''یہ کک...... کیا...... کہہ رہی ہو گل دقوژ؟'' شیخ کبیرالدین اپنی جگہ تڑپ سا گیا۔

''یہ میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے شیخ الرئیس!'' گل دقوژ کے لبوں پر گہری مسکان پھیلی ہوئی تھی۔ شیخ کبیرالدین کچھ دیر تک اسے عجیب نگاہوں سے دیکھتا رہا مگر گل دقوژ کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ وہ کچھ

دیر خاموش رہنے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

''بولو گل دقوز! اس مہم کو کامیاب بنانے کی کتنی قیمت لینا چاہتی ہو؟''

''اس مہم کی قیمت سلطنت قہستان کی حکمرانی ہوگی شیخ الرئیس؟''

''میں کچھ سمجھا نہیں...... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' شیخ کبیر الدین حیرت سے بولا۔

''بات صاف ہے! اس مہم کے عوض میں مجھے یہ ضمانت دی جائے کہ میں مستقبل قریب میں قائم ہونے والی نئی سلطنت قہستان کی با اختیار ملکہ ہوں گی''۔ گل دقوز کی آنکھوں میں گہری چمک دکھائی دی۔ شیخ کبیر الدین اس کی بات سن کر کرسی سے گرتے گرتے بچا۔

❁ ❁ ❁

سلطان بیبرس نے انطاکیہ کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے بعد باریک بینی سے ان کا جائزہ لیا۔ کامل اطمینان حاصل ہونے پر اس نے اپنی افواج کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔ مملوک سالاروں نے سلطان بیبرس سے استفسار کیا کہ کیا ہمیں واپس قاہرہ لوٹنا ہوگا تو سلطان بیبرس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے، اس لئے وہ اپنی مہم کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مملوک سالار اس کے مبہم جواب پر کچھ سمجھ نہ پائے۔

''سلطان محترم! انطاکیہ اب ہمارے قبضے میں ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں مزید پیش قدمی کے بجائے ان صلیبی قلعوں کی جانب توجہ دینا چاہئے جو بلادِ اسلامیہ کے گرد سانپ کی طرح پھیلے ہوئے ہیں''۔ فوج کے ممتاز سالار امیر آقسنقر نے کہا۔

''تمہارا خیال ہے کہ ان قلعوں کی سرکوبی کے بعد صلیبی لٹیروں کا طوفانِ بدتمیزی تھم جائے گا ہرگز نہیں! ان قلعوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مجاہدین کا ایک ہی حملہ انہیں اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ میں ان قلعوں سے زیادہ اس ربط کے خاتمے پر یقین رکھتا ہوں جس کی بدولت وہ قلعے آج تک موجود ہیں''۔ سلطان بیبرس نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''سلطان محترم کی سوچ کا زاویہ بالکل درست ہے مگر ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم اس وقت اپنے گھروں سے بہت دور ہیں اور ہمارے پاس کمک و رسد کا کوئی ذریعہ موجود نہیں۔ ایسے نازک حالات میں معمولی سا بھی نقصان مجاہدین کے حوصلوں کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا''۔ ایک عمر رسیدہ مملوک سالار نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

''امیر محترم! ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ نقصان تو ہوتے رہتے ہیں، معمولی کیا اور زیادہ کیا! آج ہم اپنے جوش ایمانی کے تحت جس مقام پر کھڑے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ وقت زیادہ دور نہیں جب وہ تمام نصرانی ریاستیں ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گی جو ڈیڑھ صدی سے زائد عرصے سے صلیبی جنگجوؤں کو رسد اور کمک فراہم کر رہی ہیں۔ ان صلیبی قلعوں میں ہیکلی اور ہاسپٹلرز سپاہیوں کی کوئی فصل نہیں ہوتی کہ روز نئے سپاہی اُگ آتے ہیں۔ یہی وہ نصرانی ریاستیں ہیں جو انہیں تیار کر کر کے فلسطین روانہ کرتی ہیں۔ ایک ریاست کا انجام تو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے، اب دوسری کی باری ہے پھر اس کے بعد تیسری اور پھر قسطنطنیہ...... اور پھر سب کچھ ختم''۔ سلطان بیبرس کے لہجے میں جوشیلا پن نمایاں تھا۔

''سلطانِ محترم! انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ سوچتے ہیں مگر عجلت سے کام لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ سابق انداز کی طرح اگلی ریاست کی سرکوبی کچھ عرصے بعد تک مؤخر کر دیں تو

زیادہ مناسب ہے''۔ امیر آقسنقر نے کہا۔

''امیر آقسنقر! کیا بات ہے؟ تم اتنے بزدل تو نہیں تھے''۔ سلطان بیبرس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ امیر آقسنقر اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے اپنے اصرار کو قبل از وقت تحفظ کا نام دیا مگر سلطان بیبرس نے اس کے جواز کو رد کرتے ہوئے آگے کی جانب کوچ کا حکم جاری کر دیا۔

مملوک سالار دلوں میں سلطان بیبرس سے لاکھ اختلاف رکھتے مگر اس کے حکم کی خلاف ورزی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے پُر جوش انداز میں اپنے دستوں کو منظم کیا اور سلطان بیبرس کے ساتھ نامعلوم سمت میں روانہ ہو گئے۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین چکرا کر رہ گیا کیونکہ وہ جو کوئی بھی تھا بلا مقصد مربوط بازاروں میں چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک ہی بازار میں جب وہ تیسری مرتبہ داخل ہوا تو مطیع الدین کے برداشت کی حد جواب دے گئی۔ اسے اگر اجنبی شہر اور والئی شہر کی فکر لاحق نہ ہوتی تو وہ یقیناً اب تک اس شخص کو زمین بوس کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا ہوتا۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال کوندا کہ وہ اجنبی شخص اس کے تعاقب سے شاید آگاہ ہو چکا ہے اور اسے چکمہ دینے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ یہ خیال جس تیزی سے ذہن کے بند خانوں سے نکلا اسی تیزی سے مطیع الدین کے جسم کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا۔ اسے عجیب سا سکون محسوس ہوا۔ ذہن پر چھایا ہوا غصہ لمحہ بھر میں کافور ہو چکا تھا۔ اسے کیا کرنا چاہئے؟ ایک نئے سوال نے سر اُٹھایا۔ وہ تیزی سے اس امر پر غور و خوض کرنے لگا۔ وہ اسی خیال میں غلطاں تھا کہ وہ شخص تیزی سے بازار سے نکلا اور گلیوں میں داخل ہو گیا۔ مطیع الدین یہ دیکھ کر چونکا۔ اس نے احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی قدر فاصلے سے اپنا تعاقب جاری رکھا۔ بازاروں میں تو تعاقب کی خبر نہیں ہو سکتی تھی مگر گلیوں میں خود کو چھپانا کافی دشوار تھا۔ وہ شخص عجیب سی مستی میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک بار بھی مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ کوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ گلیوں میں سے ہوتا ہوا ویرانے کی جانب آ نکلا تو مطیع الدین کو یقین ہونے لگا کہ وہ اس کے تعاقب سے پوری طرح باخبر ہے اور اب ویرانے میں آنے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے نقصان پہنچائے۔ مطیع الدین نے اپنی کمر پر بندھے ہوئے پٹکے کو تھپتھپایا۔ خنجر کی موجودگی پا کر وہ بے فکر سا ہو گیا۔ یہ خنجر اس نے دو دن پہلے ہی خریدا تھا۔ خنجر خریدتے وقت اس کے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اس شہر میں اس کی ضرورت پیش آئے گی۔

مطیع الدین کو اس وقت مزید حیرت کا جھٹکا لگا جب اس کی نگاہ اس ویرانے میں موجود ایک چھوٹی سی خانقاہ پر پڑی۔ اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ محتاط انداز میں بڑھتا رہا۔ خانقاہ کے دروازے پر جا کر وہ شخص رُک سا گیا۔ اس کے رُکتے ہی مطیع الدین کے قدم جیسے زمین سے چپک گئے۔ وہ خاموش کھڑا گومگو انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ شخص مطیع الدین کی جانب مڑا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلانے لگا۔ مطیع الدین عجیب کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام تھا کہ اسے وہاں جانا چاہئے یا نہیں۔ چند ساعتوں میں ہی اس نے اپنی بگڑی ہوئی کیفیت کو سنبھالا دیا اور دھیمے انداز میں اس کی جانب چلنے لگا۔ اس کے قریب پہنچ کر مطیع الدین ٹھہر گیا۔

''لڑکے! بے دھڑک اندر چلے آؤ۔ بلاشبہ وسوسے شیطانی کھیل ہوتے ہیں''۔ ایک گھمبیر آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ جانے کیا بات تھی کہ اس کے قدم خود بخود اُٹھتے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹی سی چٹائی پر اس شخص کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی اسے ایک چھوٹا سا لڑکا دکھائی دیا جو کسی کام میں مصروف تھا۔

''عبداللہ! مسافر کے لئے پانی کا پیالہ لاؤ''۔ نقاب زدہ شخص نے بچے کو ہدایت کی۔ وہ بچہ بڑی تیزی سے پانی کا پیالہ لے کر مطیع الدین کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پانی کا نام سن کر مطیع الدین کو احساس ہوا کہ واقعی اسے پانی کی طلب محسوس ہو رہی ہے۔ اس نے بچے کے ہاتھوں سے پیالہ لیا اور گٹاگٹ پیتا چلا گیا۔

''عجلت میں بڑی خرابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں لڑکے! پانی ہمیشہ تین سانسوں میں پیا کرو، ایسا کرنا سنت ہے''۔ اس شخص کے لہجے میں عجیب سا تحکم موجود تھا۔ مطیع الدین کو یہاں آ کر ایسا لگا کہ جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی ہو۔

''جھوٹ مت بولا کرو...... جھوٹ بول کر تم خود کو فریب دیتے ہو۔ اگر تم والئی شہر سے صرف اتنا کہہ دیتے کہ تم مسافر ہو اور تمہارے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تمہارے لئے رحم ڈال دیتا کیونکہ اس ذات باری تعالیٰ نے بیت المال میں سے کچھ حصہ تمہارے مقدر میں لکھ دیا تھا''۔ نقاب زدہ شخص نے پرسکون انداز میں سمجھایا۔

مطیع الدین پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا جسے مطیع الدین کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں سے کس حالت میں وہاں پہنچا تھا؟

''ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔ تم قاہرہ جانا چاہتے ہو...... شوق سے جاؤ...... مگر تمہیں وہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جن کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہوں ان کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا''۔

مطیع الدین عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدل رہا تھا مگر ان حرکات سے جیسے وہ نقاب زدہ شخص غافل تھا۔ مطیع الدین کے دل میں عجیب سا خوف پیدا ہو چکا تھا۔ ''آپ کون ہیں؟ اور یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' اس کی زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے لفظ پھسل گئے۔

''میں...... میں تو اس خالق کائنات کا ایک ادنیٰ سا بندہ ہوں جو اس کا شکر ادا کرنے کی ناکام کوشش میں جتا رہتا ہوں، رہا تمہارا دوسرا سوال تو میں نے چند لمحے پہلے واضح کر دیا تھا کہ یہ اس ذات باری تعالیٰ کی منشاء ہے کہ اس نے مجھے اس قابل جانا کہ میرے ذریعے تمہیں اس ناپاک امر سے باز رکھنے کی ہدایت کی جائے جس کے ارتکاب کی تیاری تم کر رہے ہو''۔

مطیع الدین اس کی بات پر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا تھا کہ وہ کوئی فدائی ہے۔ وہ جو کوئی بھی تھا مطیع الدین کے لئے حیرت انگیز تھا۔ اس کی رسائی اس کے ارادوں اور سوچ کے دھاروں تک تھی۔ اسے یہ یقین ہونے لگا کہ یہ ہستی یقیناً کسی ولی کی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس کے دل میں پیدا ہونے والا خوف تو برقرار تھا مگر طبیعت پر عجیب سی طمانیت چھائی ہوئی تھی۔

''مگر یہ مجبوری بھی قدرت کی عطا کردہ ہے''۔ کچھ دیر بعد مطیع الدین دھیرے سے بولا۔

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں بصارت دی، سمجھ و فہم بخشا، عقل و شعور سے سرفراز کیا اور پھر بھی تم یہی کہہ رہے ہو کہ یہ مجبوری اس کی جانب سے تم پر مسلط کی گئی ہے ہرگز نہیں...... یہ مجبوری تمہاری اپنی پیدا کردہ ہے۔ یہ سراسر تمہاری قوت ارادی کے غلط استعمال اور چشم پوشی کا نتیجہ ہے''۔

''میں اس کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ میں جو بھی کرنا چاہتا ہوں، اس کے پیچھے اسی کا حصول پوشیدہ ہے''۔ مطیع الدین نے احتجاج کیا۔

''تم نے اپنی زندگی کو خود سراب بنایا ہے اور اس سراب کی دیوانگی کی تہہ کو اس قدر دبیز کر ڈالا ہے کہ

تمہاری آنکھیں وہ سب نہیں دیکھ رہیں جو تمہیں صاف دکھائی دے رہا ہے''۔

''کبھی کبھی آنکھوں کا دیکھا اور کانوں کا سنا فریب بھی ہوتا ہے''۔

''فریب سے شرابور ہونے کے بعد انسان خود سراپا فریب بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں کو فریب دے رہا ہے حالانکہ وہ خود سے فریب کر رہا ہوتا ہے''۔

''میرے دل کی گہرائیوں میں اس کے لئے سچی محبت موجود ہے، جس کی سرشاری کو میں اپنی رُوح میں محسوس کرتا ہوں جو رُوح محسوس کرے وہ فریب ہو ہی نہیں سکتا''۔

''بے شک محبت رُوح سے ہی متعلقہ ہے مگر خود فریبی انسان کے خون کا خاصہ ہے۔ وہ جسے اپنے تئیں حقیقی محبت کا نام دیتا ہے وہ محض دنیاوی ضرورت سے بڑھ کر اور کچھ نہیں...... اور دنیا ایسی بری ضرورت ہے جو انسان کے اچھے اعمال کو آگ کی مانند کھا جاتی ہے''۔

''دنیا میں رہنا ہے تو دنیاداری لازم و ملزوم ہے اگر سب لوگ الگ تھلگ گوشہ نشینی اختیار کر لیں تو دنیا کا نظام کیسے چلے گا؟ گناہ اور نیکی کی پہچان کیسے ہوگی؟''

''تم درست کہتے ہو...... بے شک یہی وہ بھیانک امتحان ہے جس کے ذریعے سے انسان روزِ آخر میں تقسیم کئے جائیں گے اور انسان سے بخشے گئے اختیار کا حساب لیا جائے گا۔ لڑکے ابھی تم بھی بااختیار ہو۔ خود کو سنبھالو اور گمراہی کی دلدل سے باہر نکل آؤ...... تمہارے پاس صرف تین چکر کا وقت ہے پھر کچھ بھی نہیں باقی بچے گا صرف پچھتاوا ہی پچھتاوا''۔

''تین چکروں سے کیا مراد ہے؟'' مطیع الدین نے تجسس سے پوچھا۔

''یہ قدرت کے مخفی راز ہیں جو خود بخود وقت کے ساتھ ساتھ تم پر آشکار ہو جائیں گے۔ لڑکے! ابھی سے اپنی اصلاح کی کوشش کرو گے تو اچھے رہ جاؤ گے۔ محبت کے سراب کے پیچھے بھاگنا ختم کر دو بس اب بہت ہو چکا''۔ اس کی آواز میں عجیب تحکمانیت موجود تھی۔ مطیع الدین جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اسی لمحے بچے نے نقاب زدہ شخص کو آگاہ کیا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ مطیع الدین نے جانے کے لئے اجازت چاہی تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس خاموشی سے اُٹھ کر نماز کے لئے روانہ ہو گئے۔ مطیع الدین عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ اسے مزید بیٹھنا چاہئے یا اُٹھ جانا چاہئے۔ پھر وہ وہاں سے باہر نکل آیا۔ وہ باہر نکل کر کسی ایسے فرد کو تلاش کر رہا تھا جو اسے یہ بتا سکتا ہے کہ خانقاہ میں موجود یہ نقاب پوش کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اسی لمحے مطیع الدین کو اپنے اندر تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس کا پورا بدن بالکل پرسکون ہو چکا تھا جیسے وہ کسی سحر سے باہر نکلا ہو۔ وہ خود کو بڑا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ اسی لمحے اسے ایک چھوٹا سا گروہ اس جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ چند باریش افراد تھے۔ مطیع الدین نے قریب آنے پر انہیں سلام کیا تو وہ رُک گئے۔ سلام و دعا کے بعد ان میں سے کسی نے اس سے دریافت کیا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟ مطیع الدین نے خود کو مسافر بتاتے ہوئے نقاب زدہ شخص کے بارے میں استفسار کیا تو ان میں ایک تیزی سے بتانے لگا کہ وہ جن شخص سے ملا ہے وہ اس شہر کے معروف ولی اللہ اور روشن الضمیر بزرگ سید احمد البدویؒ ہیں۔ مطیع الدین نے مزید کچھ سوال جواب کئے اور پھر ان سے اجازت لے کر شہر کی جانب بڑھ گیا۔

سید احمد البدویؒ کا شمار ساتویں صدی کے مشاہیر یگانۂ روزگار صوفیاء میں ہوتا ہے جو مغرب اقصیٰ کے شہر فاس میں پیدا ہوئے۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ مکہ چلے گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مختلف نامور اساتذہ سے علم کی شمع اپنے اندر روشن کی اور پھر 627ھ میں طبیعت میں عجیب سا انقلاب

برپا ہوا کہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر رہ گئے۔ تمام وقت ریاضت و عبادت میں خرچ ہونے لگا۔ کئی سال تک انہوں نے کسی سے بات نہیں کی ضرورت کے وقت اپنا مافی الضمیر اشاروں سے ظاہر کرتے رہے۔ مکہ سے نکل کر بغداد جا بسے اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور سیّد احمد الکبیر رفائیؒ کے مزاروں پر چلہ کشی کی۔ قدرت کی جانب سے اشارہ پا کر طنطا چلے آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ طنطا میں بڑی جاں گداز ریاضتیں کیا کرتے تھے، کبھی طویل عرصے تک عالم سکوت میں مبتلا رہتے، کبھی چالیس چالیس دن تک کچھ بھی نہ کھایا پیا کرتے، کبھی سورج کی جانب ٹکٹکی باندھ کر اتنا دیکھتے کہ خود اپنی آنکھیں انگارہ ہو جایا کرتیں۔ جلد ہی وہ مرجع خلائق بن گئے اور بلادِ مصر کے گھر گھر میں ان کے کشف و کرامات کا چرچا ہونے لگا۔ ان کے عقیدت مندوں میں ہر طبقہ کے افراد شامل تھے۔ انہی افراد میں بلادِ مصر کا سلطان بیبرس بھی شامل تھا وہ جب بھی موقعہ پاتا، اس خانقاہ میں حاضری دینا اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔

❀ ❀ ❀

کئی ہفتوں کے طویل سفر کے بعد سلطان بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ آرمینیہ کی سرحدوں پر جا پہنچا۔ یہ وہی ریاست تھی جہاں سلطان بیبرس کو ایک زمانے میں تجارت میں زک اُٹھانا پڑی تھی یہ ایک پہاڑی ریاست تھی جہاں کی زمین زیادہ تر غیر ہموار سطح پر مشتمل تھی۔ اس کے شمال کی سرحد سلطنت روسیا کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں اور شمال مغرب میں عظیم الشان سلطنت فرانس موجود تھی، جہاں شاہ لوئی نہم حکمرانی کر رہا تھا۔ مغرب میں نصرانیوں کی سب سے مضبوط اور مقدس ریاست قسطنطنیہ موجود تھی۔ جنوب میں اس کی سرحدیں بلادِ شام کے پہاڑی اضلاع اور انطاکیہ سے پیوستہ تھیں اور شرق میں ارض قونیہ اور منگولوں کی ریاستیں تھیں۔ مؤرخین کے مطابق اس سلطنت کا رقبہ تین لاکھ کلومیٹر کے قریب تھا۔ آج کل اس ریاست کے کچھ علاقے ترکی میں شامل ہیں اور کچھ روس میں۔ سلطان بیبرس نے آرمینیہ پہنچ کر اپنی مملوک افواج اور مجاہدین کی پُر جوش انداز میں ہمت بندھائی۔

''مسلمانو! اس وقت تم لوگ جس مقام پر کھڑے ہیں وہ دشوار کن ضرور ہے مگر نا قابلِ تسخیر نہیں۔ تم سب یہ حقیقت جان لو کہ تمہارے بزرگوں، بھائیوں اور ان کے عیال کو ڈیڑھ سو سال سے جو خوراک کھانا پڑ رہی ہے اس کی تیاری ہمیشہ سے قسطنطنیہ میں کی جاتی رہی ہے۔ ہمارا مقصد دوسروں کے ملک غصب کرنا نہیں ہے بلکہ انہیں سزا دینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اب آگے بڑھتے ہی جائیں گے اور نصرانیوں کے مرکز تک ہی جا کر دم لیں گے۔ تم اپنی ہمتیں جواں رکھو اور اللہ کے حضور جھک جھک کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگو۔ آج ہمارا ہدف آرمینیہ ہے۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ بیبرس نے انطاکیہ کو کیوں تباہ کیا تو جان لو کہ انطاکیہ کی تباہی صرف اس لئے ضروری تھی کہ وہ اس غذا کی ترسیل میں مشغول رہتے تھے جو کہ مسلمانوں کے لئے زہر قاتل سے کم نہیں تھی اور آرمینیہ ہمیشہ سے اُس زہر آلود غذا کی ترسیل کے لئے پل کا کام دے رہا ہے۔ آج تم یہ عہد کر لو کہ ہمیں یہ پل مسمار کرنا ہے۔ اس زہر آلود غذا کو اپنے بھائیوں تک پہنچنے سے روکنا ہے جو ان کے ایمان اور حیات کو کمزور کرتی جا رہی ہے''۔

سلطان بیبرس نے مملوک افواج اور مجاہدین کو اس امر کی کھلی اجازت دے دی کہ وہ اس ریاست کے کسی بھی علاقے کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتیں گے۔ آرمینیہ کی سرحدیں پار کرتے ہی سلطان بیبرس نے جارحانہ انداز میں پیش قدمی کی اور راستے میں جو بھی قلعہ یا شہر آیا، اسے سنگدلی سے برباد کر دیا۔ سلطان بیبرس کی جارحانہ لشکر کشی کی اطلاع جب آرمینیہ کے حکمران شاہ ہیتّن کو دی گئی تو وہ کچھ دیر تک سکتے کے عالم میں رہا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان بیبرس کے حوصلے اس حد تک تجاوز کر سکتے ہیں کہ وہ

بلادِ اسلامیہ سے باہر نکل کر کھلم کھلا نصرانی ریاستوں کو نشانہ بنا سکے۔ اس نے مختلف ذرائع سے اعداد و شمار اکٹھا کیے تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس کا لشکر خاصا وسیع و عریض ہے۔ اس نے آرمینیہ کی تمام افواج کو منظم کر کے اپنے جواں سالہ بیٹے ''گائی فارڈ'' کو اس پر سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔ تمام تجربہ کار سالاروں کو کڑی ہدایت کی کہ وہ اس نازک موقع پر شہزادے کی صحیح رہنمائی کریں تاکہ اس کے حربی جوہر کھل سکیں۔ شہزادہ گائی فارڈ اپنی صلیبی افواج کے ساتھ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا سلطان بیبرس کی جانب بڑھا۔ سلطان بیبرس کو اس کی آمد کی خبر مل چکی تھی اس نے اپنی افواج کو منظم کر کے ایک مخصوص حصے پر پڑاؤ ڈال دیئے۔ یہ خطہ زمین کسی قدر ہموار تھا۔ پتھریلی اور کنکریلی زمین پر فیصلہ کن جنگ لڑنا خاصا مشکل کام تھا مگر سلطان بیبرس نے مملوک سالاروں کی ہمتیں ٹوٹنے نہیں دیں۔ شہزادہ گائی فارڈ بڑی تمکنت کے ساتھ سلطان بیبرس کے مدِ مقابل آ کر خیمہ زن ہونے کی کوشش کر رہا تھا جب سلطان بیبرس نے طبلِ جنگ بجوا دیا۔ شہزادہ گائی فارڈ اسلامی لشکر کی چال پر بوکھلا گیا۔ ارمنی سالاروں نے موقعہ کی نزاکت کے پیشِ نظر فوری طور پر ارمنی سپاہیوں کو صف آرا کرنا شروع کر دیا۔ سلطان بیبرس انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دینا چاہتا تھا جس سے وہ منظم ہو جاتے۔ فریقین میں دو بدو لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ مجاہدین ارمنی لشکر کی آمد پر ہی پُر جوش ہو گئے تھے۔ سلطان بیبرس کی جانب سے حملے کا حکم پا کر وہ عقابوں کی مانند جھپٹے۔ ایک دن کی جارحانہ لڑائی کے بعد شہزادہ گائی فارڈ اپنے اہم سالاروں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ شہزادہ گائی فارڈ کی گرفتاری کی خبر نے ارمنی فوجوں کے حوصلوں پست کر دیئے۔ یکلخت لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ ارمنی فوج کی کثیر تعداد گرفتار کر کے قیدی بنا لی گئی۔ مجاہدین فتح کا مژدہ سن کر سجدوں میں گر گئے۔ سلطان بیبرس نے بھی شکر کا کلمہ ادا کیا اور مجاہدین کے ایمان کن جذبے کو سراہا۔ شہزادہ گائی فارڈ کی گرفتاری کے بعد سلطان بیبرس نے شاہ ہیتّن کے نام ایک نامہ لکھوایا جس کا متن کچھ اس طرح تھا۔

''سلطان بیبرس کی جانب سے شاہ ہیتّن کے نام!

چونکہ تمہارے لشکر میں کوئی ایسا نہیں بچا جو تمہیں حالات کی خبر دیتا لہٰذا میں تمہیں یہ اطلاع دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں ایک غم زدہ باپ بنا دیا۔ تمہارے بیٹے کو ہماری اسیری راس آئی ورنہ ممکن تھا کہ میدان کے کسی حصے میں اس کی گھوڑوں سے کچلی ہوئی لاش دیکھنے کو ملتی۔ تمہاری ریاست کے لوگوں نے مسلمانوں پر ظلم و ستم میں کبھی رعایت سے کام نہیں لیا لہٰذا میں تمہاری اسیر رعیت کے ساتھ بھی وہی کر رہا ہوں جو کہ مکافات میں ہوتا ہے۔ بہت جلد تمہیں آرمینیہ کے ولی عہد کا سر روانہ کر دیا جائے گا تاکہ تمہیں عبرت ہو''۔

گرفتار شدہ ارمنی سپاہیوں میں سے خصوصاً جوان افراد کو الگ کر لیا گیا اور بوڑھے افراد کو الگ۔ جوان سپاہیوں کے بارے میں حکم دیا گیا کہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں جبکہ بوڑھے سپاہیوں کو صرف قیدی رکھا گیا۔ سلطان بیبرس اپنے پڑاؤ میں یوں بیٹھ گیا جیسے وہ کسی شکارگاہ میں تفریح کرنے آیا ہو۔ مجاہدین چوکنے انداز میں اپنے گرد و پیش پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

شاہ ہیتّن کو جب اپنے بیٹے گائی فارڈ کی خبر ملی تو اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ شدتِ غم سے نڈھال ہو گیا اور اس نے سلطان بیبرس سے خود ملنے کا فیصلہ کیا۔ نہایت تیز رفتاری سے وہ اپنے مخصوص عہدے داروں کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچا اور سلطان بیبرس سے اپنے بیٹے کی رہائی کی التجا کی۔ سلطان بیبرس نے کافی غور و خوض کے بعد ایک معاہدہ تحریر کیا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس معاہدے میں چند شرائط درج تھیں جن کی رو سے آئندہ آرمینیہ قسطنطنیہ سے آنے والی افواج کو گذرنے کا راستہ نہیں دے گا اور کسی قسم کی تخریبی

کارروائیوں میں حصہ نہیں لے سکے گا۔ ارض مقدس میں موجود صلیبی جنگجوؤں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی اور نہ ہی آرمینیہ ان کو اپنی زمین پر پناہ دے گا۔ مسلمان علاقوں پر لشکر کشی کی صورت میں ایل خانی منگولوں کی معاونت نہیں کی جائے گی اور بوقت جنگ وہ دونوں فریقین سے غیر جانبدار رہیں گے۔ شاہ ہیٹن نے اپنے عہدیداروں سے صلاح ومشورے کے بعد اس معاہدے پر دستخط کئے اور سلطان بیبرس کے حوالے کر دیا۔ اس معاہدے کی ضمانت کے طور پر تمام اعلیٰ عہدیداروں نے دستخط کئے تھے۔ معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں سلطان بیبرس کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ دوبارہ لشکر کشی کر کے آرمینیہ کو ہمیشہ کے لئے اسلامی صوبہ بنالیتا۔ سلطان بیبرس نے اس معاہدے کے ساتھ ساتھ بڑی رقم کا خراج بھی حاصل کیا۔ یہ فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی تھی جس نے شاہ ہیٹن کی کمر توڑ ڈالی تھی۔ وہ ایک طویل عرصے تک مدافعت کرنے کے لائق نہیں رہا تھا۔

سلطان بیبرس نے آرمینیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے مزید پیش قدمی کی اور اگلی ریاست اناطولیہ پر جا جھپٹا۔ یہ ایک چھوٹی سی نصرانی ریاست تھی مگر اس میں تاجر آبادی کی کثرت تھی۔ اناطولیہ کے ایک اہم شہر ادنیہ کو نشانہ بنایا گیا۔ فصیل کو مسمار کر کے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ شاہ اناطولیہ نے جب بربادی کا پہلا منظر ملاحظہ کیا تو اس کے ہوش ٹھکانے آگئے اور اس نے سلطان بیبرس کی مزید کسی شہر کی جانب پیش قدمی سے پہلے ہی صلح کے پیغامات بھیجنا شروع کر دیئے۔ سلطان بیبرس ابھی اس غور وفکر میں تھا کہ اس پیشکش کا کیا جواب دیا جائے کہ اس کے خاص مخبروں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان بیبرس کو فوری طور پر قاہرہ لوٹ جانا چاہئے کیونکہ شاہ قسطنطنیہ ساحل سمندر کی جانب سے ایک بڑا لشکر بلادِ مصر میں اتارنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ سلطان بیبرس نے اپنے مملوک سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد شاہ اناطولیہ کے ساتھ ایک معاہدۂ امن ضبط تحریر کیا اور قاہرہ کی جانب واپسی کا اعلان کر دیا۔

انطاکیہ، آرمینیہ اور اناطولیہ پر لشکر کشی اور اسلامی افواج کی کامیابی نے پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شاہ قسطنطنیہ کلیمنٹ چہارم کو جیسے جیسے سلطانی لشکر کی پیش قدمی کی خبریں ملتیں تو اس کا ماتھا پسینے سے شرابور ہو کر رہ جاتا۔ وہ بخوبی سمجھ چکا تھا کہ سلطان بیبرس قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ روزانہ آنے والی خبروں کا احاطہ صرف قصر قسطنطنیہ نہیں تھا بلکہ یہ خبریں امرأ اور روساء کے ذریعے عام لوگوں تک متواتر پہنچ رہی تھیں۔ یہی بات سب سے زیادہ پیچیدگی کا باعث بن رہی تھی۔ رعیت کی بھانت بھانت کی بولیوں سے سلطان بیبرس کا بڑا مستحکم تصور وجود میں آچکا تھا۔ انطاکیہ، آرمینیہ اور اناطولیہ کی بربادی کی کہانیوں نے انہیں سخت خوف وہراس میں مبتلا کر دیا تھا۔ بیشمار افراد کا یہ کہنا تھا کہ سلطان بیبرس جس کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آرہا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کا استحکام اس کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوگا۔ شاہ قسطنطنیہ نے فوری طور پر شاہ انگلستان ہنری سوم، شاہ جرمنی اور شاہ فرانس لوئی نہم سے پُرزور الفاظ میں درخواست کی کہ وہ سب مل کر فوری طور پر صلیبی جہاد کا اعلان کر دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان بیبرس قسطنطنیہ کو روندتا ہوا ایک ایک کر کے تمام نصرانی سلطنتوں کو پامال کرتا چلا جائے۔ شاہ جرمنی اور شاہ انگلستان نے اپنی داخلی پریشانیوں کے باعث کسی قسم کی مدد سے معذرت کر لی البتہ شاہ فرانس شاہ لوئی نہم مسلمانوں کی یلغار کی خبر سن کر کھول اُٹھا اور اس کی مذہبی خدمات کا جذبہ خاموش نہ رہ سکا اس نے مردانہ وار شاہ قسطنطنیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نہایت سرگرمی سے صلیبی جہاد کی پشت پناہی کا اعلان کر دیا۔ صلیبی جہاد کا وعظ اس قدر پھیلا گیا کہ لوگ مذہبی جوش وخروش سے دھڑا دھڑ لشکروں میں شامل ہونے لگے۔ شاہ قسطنطنیہ کو

صلیبی جہاد کی تیاری کے آغاز کی خبر ملی تو وہ مطمئن اور مسرور ہو گیا۔ اسی دوران اسے یہ خبر ملی کہ سلطان بیبرس اپنی افواج کے ساتھ قاہرہ واپس لوٹ گیا ہے تو اس کے سب خدشات مٹ گئے۔

❁ ❁ ❁

گل وقوژ خاموشی سے شیخ الرئیس کی متغیر حالت کو دیکھ رہی تھی۔ شیخ الرئیس کو شاید اتنی بڑی فرمائش کی توقع نہیں تھی اسی لئے اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ کئی ساعتوں تک کچھ نہیں بول پایا۔ گل وقوژ کچھ دیر کے انتظار کے بعد دوبارہ بولی۔

''شیخ الرئیس! میرے کانوں میں ابھی تک آپ کے وہ الفاظ گونج رہے ہیں جن میں مجھے یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اگر میں آپ کے لئے کوئی کام کر دوں گی تو مجھے اس کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے گا...... پھر اس قدر سوچ بچار کس لئے؟''

''گل وقوژ! تم نے اپنی حیثیت سے بہت بڑھ کر چھلانگ لگائی ہے...... میں اپنی سلطنت کے قیام کے آغاز پر کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا حالانکہ آج کا دن میرے لئے دکھوں کا پیغام لایا ہے۔ جہاں مجھے ابونصر اور مطیع الدین کی موت سے شدید دھچکا لگا ہے وہیں تمہارے مطالبے نے مجھے بے حد رنجیدہ کیا ہے۔ تمہیں شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ میں اپنے ساتھیوں اور محسنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا کرتا۔'' شیخ کبیر الدین کے لہجے میں گہرا دکھ جھلک رہا تھا۔

''شیخ الرئیس! یہ بھی آپ کا ہی دیا ہوا سبق ہے کہ اگر مجھے آئندہ زندگی میں کامیابی کی جانب بڑھنا ہے تو مجھے جذباتیت اور نرم ونازک احساسات سے کنارہ کشی کرنا ہوگی اور صرف اپنے مقصد اور ہدف پر نگاہ مرتکز رکھنا ہوگی...... میں آج اپنے محفوظ مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط عائد کر رہی ہوں کہ آپ کی کامیابی میں مجھے اپنا پورا حصہ ملنا چاہئے''۔ گل وقوژ کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

''اچھی طرح سوچ لو گل وقوژ! اگر تم اس شرط کو ختم کر دو تو میں تمہیں وہ کچھ دوں گا جس کا تمہیں وہم و گمان بھی نہیں ہوگا''۔ شیخ الرئیس نے ڈھیلے لہجے میں کہا۔

''شیخ الرئیس! گل وقوژ ایک ہی بار اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتی ہے''۔

''ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ میں تمہیں قہستان کی ملکہ کی تقرری کا عہد نامہ لکھ دیتا ہوں مگر پھر تمہیں مشورہ دوں گا کہ یہ ضد چھوڑ دو...... میں تمہیں اس سے بھی بڑھ کر دوں گا''۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں''۔ گل وقوژ دوٹوک انداز میں بولی۔

شیخ الرئیس نے اسی وقت دیوان خانے سے کاتب کو بلوایا اور ایک صاف کاغذ پر گل وقوژ کے سامنے وہ سب کچھ لکھ دیا جو کہ وہ چاہتی تھی۔ تحریر مکمل ہونے کے بعد اس نے اپنی انگوٹھی کی مہر اس پر ثبت کر کے گل وقوژ کے حوالے کر دی۔ گل وقوژ نے بڑے غور سے تحریر کا سیاق وسباق پڑھا اور پھر مطمئن ہو گئی۔ شیخ الرئیس بوجھل قدموں سے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ گل وقوژ تحریر ہاتھ میں لئے سوچنے لگی کہ شیخ الرئیس نے جس قدر آسانی سے اس کی بات تسلیم کرتے ہوئے اسے تحریر لکھ دی ہے یقیناً اس کے پیچھے اس کی کوئی چال پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے شیخ الرئیس کے وعدے پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ گل وقوژ نے بظاہر شیخ الرئیس کو یقین دہانی کرا دی تھی کہ وہ اگلی صبح قاہرہ کے لئے روانہ ہو جائے گی مگر وہ قلعہ بانیاس سے روانہ ہونے سے پہلے کچھ ضروری انتظامات کرنا ضروری سمجھتی تھی، جن کی تکمیل کے لئے اس کے پاس صرف ایک ہی رات تھی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین سخت تذبذب کا شکار تھا۔ وہ سیّد احمد البدویؒ کی خانقاہ سے تو نکل آیا تھا مگر یہ بات اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی کہ وہ اپنی مہم میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ اس نے کئی بار چاہا کہ وہ اس خیال سے خلاصی پالے مگر جانے کیا بات تھی کہ کچھ ہی لمحوں بعد پھر وہ خیال اس کے ذہن کے کواڑوں پر دستک دینے لگتا۔ مطیع الدین بے شک کچھ وجوہات کی بناء پر خودغرض بن گیا تھا مگر اس کا جذبۂ ایمانی پوری طرح سرد نہیں ہوا تھا۔ وہ سرائے میں بیٹھا ہوا تمام معاملے پر غور کر رہا تھا۔ جب سے گل وقوژ اس کی زندگی میں آئی تھی، اس کی زندگی ایک عجیب سی پہیلی بن کر رہ گئی تھی۔ ہر قدم پر عجیب حالات سے سامنا ہوتا رہا۔ سفر کی یہ منزل اسے سرائے سے طنطا تک لے آئی تھی۔ سیّد احمد البدویؒ نے اس کی ویران زندگی کی جو تصویر اس کے سامنے پیش کی تھی وہ کسی سراب سے کم نہیں تھی۔ ایک ایسا سراب جو اسے مسلسل گناہ کی جانب کھینچ لئے جا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی آخر خلیفۃ المسلمین سے کیا دشمنی ہے؟ وہ اسے قتل کرنے کی نیت سے بلادِ مصر میں داخل ہوا ہے، اگر خلیفہ اس کے ہاتھوں مقتول ہو بھی گیا تو اسے کیا فائدہ ہو گا؟...... گل وقوژ...... اسی لمحے اس کے ذہن میں اپنی محبوبہ کا نام گونجا۔ اس نے تیزی سے سر جھٹکا۔ گل وقوژ ایسی دیوانگی تھی جس کے عالم میں ڈوب کر وہ بے خود سا ہو جاتا تھا۔

مجھے اپنی زندگی میں سے گل وقوژ کو نکالنا ہو گا...... ذہن کے کسی گمنام حصے نے اسے مشورہ دیا تو لب سرگوشی کرنے لگے۔ وہ چونک سا گیا۔ یہ کیسی آواز تھی اور کیوں اس کے لبوں تک پھسل آئی؟ اس نے ایک لمحے کے لئے اس آواز کو سیّد احمد البدویؒ سے منسوب کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے ہی لمحے اپنی حماقت پر مسکرا دیا۔ اسی لمحے گمنام کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے کہ وہ ایسی عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے جو نام در قاتلہ ہو اور اس کے ہاتھوں سے کئی زندگیاں سسک کر دم توڑ گئی ہوں...... نہیں گل وقوژ ایسی نہیں ہو سکتی۔ دل نے ذہن میں گونجنے والی آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ گل وقوژ کا معصومیت بھرا چہرہ اس کے تخیل میں رقصاں ہو گیا۔ پھر اسے عجیب سی سرشاری اپنے وجود میں پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی...... نہیں...... نہیں! یہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔ دماغ کے تار بری طرح جھنجھنا اُٹھے۔ مطیع الدین کے بدن میں پھیلا ہوا خمار یکلخت مٹ گیا۔ وہ بری طرح لرز رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

وہ دل و دماغ کی اس لڑائی میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ یہ ایک عجیب اُلجھن تھی جو اس کی مدافعت پر بار بار حملہ آور ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے تئیں یہ فیصلہ کر لیا کہ اس شہر میں زیادہ دیر مزید قیام کیا گیا تو ممکن ہے کہ اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں بہتر یہی ہے کہ خود کو کسی سفر میں مشغول کر لیا جائے۔ مگر سفر کس جانب کا کیا جائے یہ سوال اپنی جگہ اہم تھا۔

قاہرہ...... دل کے خانوں سے پکار اُٹھ رہی تھی تو دماغ اسے قاہرہ جانے سے روک رہا تھا۔ وہ اسے واپس سرائے لوٹنے کا مشورہ دے رہا تھا جہاں اس کا بوڑھا باپ اس کا منتظر تھا، جہاں اس کا سب سے اچھا دوست برقائی خان موجود تھا۔ پھر اس کا دل دماغ کو چاروں خانے چت کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اس نے قاہرہ کی جانب بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ کے مستقبل کا فیصلہ وہ قاہرہ میں جا کر کرے گا؟ مطیع الدین دل کا ہمنوا بن گیا۔ اس نے طنطا کو خیر باد کہا اور اپنے ضروری سامان کے ساتھ قاہرہ کی جانب سفر شروع کر دیا۔ وہ طنطا سے نکلنے سے پہلے قاہرہ کے راستے سے آگاہی اور فاصلے کی ضروری معلومات معلوم کرنا نہیں بھولا تھا۔ کئی دن کی مسلسل مسافت کے بعد وہ قاہرہ پہنچا۔ بلادِ اسلامیہ کے دارالخلافہ کی شان و شوکت دیکھ کر وہ دم بخود سا رہ گیا۔ سرائے جیسے شہر کے مقابلے میں قاہرہ کسی حسین دوشیزہ سے کم نہیں تھا۔ اس نے قاہرہ میں جب قدم رکھا تو

اسے اپنے آپ میں خود اعتمادی کے اضافے کا احساس ہوا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں خلیفۃ المسلمین موجود تھا۔ خلیفہ کی موت اسے گل وقوژ تک لے جا سکتی تھی اور خلیفہ کو قتل کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ ابھی اس ضمن میں سوچ رہا تھا کہ ایک نرم سا ہاتھ اسے اپنے کندھے پر دباؤ ڈالتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چونک کر مڑا اور اسے دیکھنے لگا۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابوراضیاء حیرت و پریشانی میں قدم اُٹھاتا ہوا ایک کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے کچھ ہی دیر پہلے ایک پیغام ملا تھا جو کہ اس کے لئے انتہائی غیر متوقع تھا۔ وہ پیغام کسی اور کی جانب سے نہیں بلکہ گل وقوژ کی جانب سے تھا۔ گل وقوژ نے آج تک اسے یوں رات کی تاریکی میں ملاقات کے لئے نہیں بلوایا تھا۔ اسے دن کے ایک حصے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ شیخ الرئیس گل وقوژ سے ملاقات کے لئے خود اس کے پاس گیا تھا۔ یہ سن کر اسے کسی قدر تعجب بھی ہوا کہ ایسا کون سا معاملہ درپیش تھا کہ شیخ الرئیس کو گل وقوژ کے پاس جانا پڑا مگر وہ زیادہ کریدنے کے چکر میں نہیں پڑا۔ اب گل وقوژ کے بلاوے نے اسے خاصا مضطرب کر دیا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا گل وقوژ کے کمرے میں جا پہنچا۔ گل وقوژ ایک جانب کرسی پر بیٹھی ہوئی منتظر دکھائی دی۔ اس کی صورت دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ ابوراضیاء اس کی جانب مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"شیخ ابوراضیاء! بیٹھو مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے"۔ گل وقوژ نرم لہجے میں بولی۔

شیخ ابوراضیاء کچھ نہ سمجھتے ہوئے لاشعوری طور پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ گل وقوژ شاید اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دے رہی تھی۔ کچھ توقف کے بعد بولی۔

"مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ قہستان کا خواب اب جلد ہی شرمندہ تعبیر ہونے والا ہے، وہ دن دور نہیں کہ جب بلادِ شام سے لے کر کوہ قفقاز تک قہستان کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے...... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں گل وقوژ! تم کھل کر کہو...... کیا کہنا چاہتی ہو؟" شیخ ابوراضیاء تذبذب بھرے لہجے میں بولا۔ اس کے ماتھے کی سلوٹیں نمایاں ہو گئی تھیں۔

"جب کوئی نئی سلطنت وجود میں آتی ہے تو سب سے پہلے کیا کیا جاتا ہے ابوراضیاء؟" گل وقوژ کے لہجے میں عجیب سی پھنکار تھی۔ شیخ ابوراضیاء گل وقوژ کی بے ربط گفتگو پر پریشان ہونے لگا۔ ایک لمحے کے لئے اسے یوں لگا جیسے گل وقوژ شراب کے نشے میں دھت ہو مگر گل وقوژ کی آنکھوں کی چمک اس کے خیال کی نفی کر رہی تھی۔ گل وقوژ اس کی خاموشی پر دوبارہ بولی۔ "ہر سلطان کا دستور ہوتا ہے کہ جب اسے حاکمیت مل جاتی ہے تو وہ سب سے پہلے ان لوگوں کی جانب نگاہ کرتا ہے جو اس کے بہت زیادہ قریب ہوں، یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس کی ہر کمزوری سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ان کا وجود سلطان کو ہمیشہ کھٹکتا رہتا ہے۔ وہ درحقیقت ان سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں وہ اس کی منزلت کا جاہ و جلال زمین بوس نہ کر دیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا"۔

"میں تمہاری بات کا مفہوم تو سمجھ رہا ہوں مگر رات کے اس پہر میں یہ سب مجھے بتانے کی ضرورت کیونکر پیش آئی"۔ شیخ ابوراضیاء اُلجھا ہوا بولا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ شیخ الرئیس سلطان بننے کے بعد ایسا کچھ نہیں کرے گا، وہ اپنے محسنوں کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کرتے ہوئے انہیں مناصب اور اعزازات دے گا؟" گل وقوژ مختصراً بولی۔

"میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ اچانک یہ خیال تمہارے ذہن میں کیونکر آیا؟" شیخ ابوراضیاء چونک کر

بولا۔

''آج جو کچھ مجھے دکھائی دیا، وہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ شیخ الرئیس کی نیت میں فتور پیدا ہو چکا ہے۔ اسے قہستان کے قیام کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دے چکی ہیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھی خصوصاً قریبی محسن اس نئی صبح میں زندہ سانس لے سکیں۔ وہ پُر اسرار انداز میں انہیں راہ سے ہٹاتا جا رہا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے شیخ ابونصر اور مطیع الدین کو اس نے نہایت چالاکی سے اپنے راستے سے ہٹا دیا ہے؟''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو جبکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سرحدی سپاہیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ہیں!'' شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر گل دتوژ کے لئے ناپسندیدگی سی دکھائی دی۔

''یہ خبر کون لایا تھا......؟''

''ہمارے خاص وفادار غلام جو کہ مخبری کا کام انجام دیتے ہیں''۔

''انہیں ہمارے نہیں...... شیخ الرئیس کے وفادار کہو تو زیادہ موزوں ہے۔ جو شیخ الرئیس کے وفادار ہیں، کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ شیخ الرئیس کی حکم عدولی کر سکتے ہیں؟''

''وہ ایسا سوچنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں''۔

''تو کیا وہ غلط خبر کو درست طریقے سے نہیں لا سکتے؟ یقیناً لا سکتے ہیں۔ شیخ الرئیس کے حکم پر انہوں نے غلط خبر دی تاکہ تم سب لوگ یہ یقین کر لو کہ ان دونوں کو سرحدی سپاہیوں نے انہیں گھیر کر ہلاک کر دیا۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا؟'' گل دتوژ کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

''تم یہ سب کس بل بوتے پر کہہ رہی ہو''۔ شیخ ابوراضیاء ناگواری کے عالم میں تنک کر بولا۔

''میرے پاس وجہ ہے...... ان دونوں افراد کی کارکردگی کے بارے میں تم اچھی طرح جانتے ہو۔ مطیع الدین جس کے بارے شیخ الرئیس نے بتایا تھا کہ اس نے ایل خانی منگولوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے اسے قلعہ الموت سے فرار ہونے میں مدد کی۔ شیخ ابونصر جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اعلیٰ شخصیات کے سینے میں نہ صرف خنجر گھونپ دینے میں ماہر بلکہ وہ وفاداروں اور محافظوں کی فوج کو بھی پچھاڑنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ کیا یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے سرحدی سپاہیوں سے بالکل نہیں لڑے ہوں گے اور انہوں نے ان کا ایک بھی سپاہی قتل نہیں کیا ہوگا؟''

گل دتوژ کی بات سن کر شیخ ابوراضیاء گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ مخبروں نے جب اطلاع دی تھی تو انہوں نے یہ خصوصاً بتایا تھا کہ سرحدی سپاہیوں میں سے نہ تو کوئی زخمی ہوا ہے اور نہ ہی کوئی مقتول، صرف فدائی قافلے کی لاشیں وہاں پڑی تھی جنہیں انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کا ذہن اب اس نکتے کی جانب مرتکز تھا کہ یقیناً شیخ الرئیس نے ان لوگوں کو قتل کرا کے کسی ویرانے میں پھنکوا دیا ہوگا اور لاشیں سرحدی سپاہیوں کو ویرانے سے ہی ملی ہوں گی۔ گل دتوژ اس کے چہرے کے تغیرات کو دیکھ کر دھیما سا مسکرا اٹھی۔ وہ بلاشبہ شیخ ابوراضیاء کو وہ سب سمجھانے میں کامیاب ہو چکی تھی جس کے لئے رات کے اس پہر میں اسے یہاں بلوایا تھا۔ شیخ ابوراضیاء جب گل دتوژ کے کمرے سے باہر نکلا تو وہ شیخ الرئیس کی ذات کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر واقعی گل دتوژ کے کہنے کے مطابق کچھ ایسا ہو رہا ہے تو جلد ہی اس کی باری بھی آ جائے گی۔ دوسروں کی طرح اسے اپنی زندگی سے بے حد پیار تھا، وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔

❀ ❀ ❀

شاہ فرانس لوئی نہم کے لئے ارضِ مقدس کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی۔ وہ پہلے بھی اس جانب آ چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے بائیس سال پہلے ساتویں صلیبی جنگ میں اسلامی لشکر کے مقابلے میں ذلت آمیز شکست اٹھانا پڑی تھی اور وہ قید و بند کی صعوبتیں بھی کاٹ چکا تھا۔ صلیبی جنگ میں شکست کھانے کے بعد وہ اس امید سے چھ سال تک ارضِ مقدس میں مقیم رہا کہ شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے وہ کم از کم عزت کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ سکے مگر یافا، صیدا، قیساریہ اور عکہ کے قیام کے دوران وہ صلیبی سرداروں کی معاونت سے معمولی کارروائیوں کے سوا اور کچھ نہ کر سکا اور بالآخر مایوسی اور نامرادی سے آنسو بہاتا ہوا جولائی 1254ء کو واپس فرانس لوٹ گیا۔ ممکن تھا کہ وہ دوبارہ ارضِ مقدس کی جانب رُخ کرنے کا کبھی نہ سوچتا مگر سلطان بیبرس کی مسلسل فتح یابی اس کے دل میں کانٹا بن کر چبھی۔ شاہ قسطنطنیہ کلیمنٹ کے جارحانہ خطوط نے اس پر نمک کا کام کیا۔ بھرا ہوا زخم ایک بار پھر سے کھل گیا۔ شاہ لوئی نہم کے دل میں مسلمانوں سے انتقام لینے کا جذبہ عود کر آیا۔ اس کی مذہبی خدمات کا جذبہ ابھی پوری طرح سرد نہیں ہوا تھا۔ اپنے ہم قوموں میں عزت و منزلت کی خواہش نے سر اٹھایا اور اس نے آگے بڑھ کر نصرانیت کی مذہبی جنگ کی قیادت کا برملا اظہار کر دیا۔ شاہ فرانس کی ذاتی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے نصرانیوں کی بڑی تعداد اس کے لشکر میں رضاکارانہ طور پر شامل ہو گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ شاہ فرانس نے دل کھول کر سپاہیوں میں اعلیٰ اور پُرکشش انعامات و اعزازات تقسیم کئے۔ اس نے سڑکوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو راہ خدا میں اس کارِ خیر کی انجام دہی کے لئے ابھارا۔ دن رات کی عسکری تیاریوں کے باعث وہ ساٹھ ہزار کے قریب فوج تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1270ء کے آغاز میں وہ اپنے صلیبی طالع آزماؤں کو ساتھ لے کر فرانس سے نکلا۔ اسے رخصت کرنے کے لئے کئی نامور شخصیات فرانس پہنچیں جن میں شاہ قسطنطنیہ بھی شامل تھا۔ صلیبی لشکر جرار بڑے فخر سے بحری بیڑوں میں سوار ہوا۔ وہ سب سمندری راستے سے ہوتے ہوئے بلادِ مصر کے ساحلوں پر اترنے کے خواہش مند تھے۔

جہاز جونہی خشکی سے کچھ دور ہوا تو شاہ فرانس لوئی نہم کے ہمدرد اور خیر خواہ عہدیداروں نے باہمی صلاح مشورہ کرتے ہوئے ایک نئی تجویز شاہ لوئی نہم کے سامنے پیش کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بلادِ مصر میں اترنے کے بجائے انہیں شمالی علاقہ جات کی جانب بڑھنا چاہئے اور ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد بلادِ مصر بڑھنا چاہئے۔ اس طرح خشکی کا ایک بڑا حصہ ان کے تصرف میں رہے گا اور زمینی پیش قدمی میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ شمالی علاقہ جات کی جانب سے حملہ کرنے کی صورت میں سب سے اہم کامیابی یہ تھی کہ وہاں موجود اسلامی حکومتیں مکمل طور پر خودمختار تھیں اور ان کے پاس اتنا حربی ساز و سامان بھی نہیں تھا کہ وہ جم کر مقابلہ کر پاتے۔ خصوصاً خاندان بنو میرین کی حکومت کو وجود میں آئے ہوئے صرف دو سال ہوئے تھے۔ شاہ لوئی نہم کو اپنے سربرآوردہ سرداروں کی تجویز بے حد بھائی اور اس نے پہلے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کو زیر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جہازوں کا رُخ بلادِ مصر کے بجائے افریقہ کے شمالی ساحلوں کی جانب موڑ دیا گیا۔ شاہ لوئی نہم کے دل میں یہ بات سما چکی تھی کہ اگر بالفرض اسے سلطان بیبرس کے مقابلے میں منہ کی کھانا پڑی تو بھی شمالی افریقہ میں نصرانی ریاست کا قیام اس کارروائی کی سب سے بڑی اور اہم کامیابی قرار پائے گی۔ مختلف مشوروں کے بعد وہ لگاتار کئی ہفتوں کی مسافت کے بعد تیونس کے ساحلوں کے قریب پہنچا۔ فرانسیسی بحری بیڑوں نے ساحلوں پر صلیبی لشکر کو اتار دیا۔ تیونس کے سلطان کو جب صلیبی لشکر کی آمد اور ساحلی علاقوں پر ان کے قبضے کی خبر ملی تو وہ بے حد پریشان ہوا۔ سلطان تیونس نے فوری طور پر اقدام کرتے ہوئے تمام شہروں میں خوراک ذخیرہ کر کے قلعہ بند ہونے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی مسلمانوں کو صلیبی معرکے سے نبٹنے کی تاکید کی۔ یہ بڑا نازک

موقعہ تھا۔ شاہ لوئی نہم اپنی دانست میں بالکل صحیح فیصلہ کر کے تیونس پہنچا تھا اگر وہ اپنے مقصد میں بھرپور انداز میں کامیاب ہو جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت تیونس و مراکش میں نصرانی ریاست کے قیام کو روک نہیں سکتی تھی۔ سلطان بیبرس تیونس سے کافی دور تھا جب تک وہ ان کی جانب بڑھتا تو شاید دیر ہو چکی ہوتی۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین چونک کر اس شخص کو دیکھ رہا تھا اس کے خدوخال اسے کسی قدر شناسا محسوس ہوئے۔ اچانک اس کے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور اس اجنبی کا چہرہ ذہن کے قرطاس پر ابھر آیا۔ حیرت کی ایک لہر نے مطیع الدین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں صرف اتنا ہی کہہ پایا...... ''ارزق! تم......!!!''

''میرا اندازہ درست نکلا تم مطیع الدین ہی ہو''۔ ارزق کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے میری اچانک تم پر نظر پڑی۔ پہلے تو میں حیران رہ گیا کہ تم اور یہاں؟''

''اللہ کی قسم! مجھے قطعاً امید نہیں تھی کہ تم سے دوبارہ ملاقات ہو سکے گی''۔ مطیع الدین بے ساختہ بولا تو ارزق ہنسنے لگا۔

''یہ دُنیا بہت مختصر ہے اور زندگی اتنی بڑی ہے کہ شناسا چہروں سے کبھی نہ کبھی سامنا ہو ہی جاتا ہے۔ تم سناؤ سرائے سے یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' ارزق نے دریافت کیا۔

''کیا سناؤں؟ بس زندگی کے نشیب و فراز نے مقدر میں دربدر کی ٹھوکریں کھانا لکھ دی ہیں شاید! اسی لئے قریہ قریہ بھٹکتا پھرتا ہوں''۔ مطیع الدین گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''اس موٹے فونتاجو خان کی سناؤ۔ مجھے وہ بڑا بھلا لگا تھا''۔ ارزق نے ہنس کر کہا۔

''اس سے ملاقات ہوئے کئی سال بیت گئے ہیں۔ پتہ نہیں اب کہاں ہوگا؟''

''کیا مطلب؟ تم سرائے میں اب نہیں رہتے ہو کیا؟'' ارزق حیرت سے بولا۔

''نہیں!'' مطیع الدین نے افسردہ انداز میں جواب دیا۔

''یعنی تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ سرائے کے سلطان برقائی خان کا چار سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اب اس کا بھتیجا نوگائی خان حکومت کر رہا ہے''۔ ارزق نے چونک کر پوچھا۔

''کک...... کیا...... برقائی خان مر چکا ہے؟...... میرا سب سے اچھا دوست اب اس دنیا میں نہیں ہے''۔ مطیع الدین کو اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا ہوا محسوس ہوا وہ اس خبر پر شدید صدمے سے دوچار ہوا تھا۔

''خود کو سنبھالو مطیع الدین!'' ارزق اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دینے لگا۔

مطیع الدین کی آنکھیں نم آلود ہو چکی تھیں۔ اسے ٹھیک سے معلوم نہیں تھا کہ برقائی خان سے ملاقات کو کتنے برس بیت چکے ہیں مگر وہ ابھی تک اسی احساس میں مبتلا تھا کہ وہ آج بھی اس کی واپسی کا منتظر ہوگا اور جب وہ گل وتوژ کے ساتھ سرائے میں قدم رکھے گا تو اس کی ظریفانہ آواز اس کے کانوں میں ضرور پڑے گی۔ برقائی خان کی وفات کی خبر سن کر وہ نڈھال سا ہو گیا۔ ارزق اسے سہارا دے کر قریبی قہوہ خانے میں لے آیا۔ ارزق نے اس کے لئے گرم گرم قہوہ منگوایا۔ کچھ دیر بعد مطیع الدین کی طبیعت سنبھلی تو کئی سوال اس کے لبوں پر مچل کر رہ گئے۔ ارزق نے اسے تفصیل بتائی تو مغموم صورت بنائے بیٹھا رہا۔ ارزق نے اس کی حالت پر اندازہ لگایا کہ اسے کچھ آرام کی ضرورت ہے اس لئے اس نے ایک اچھی سی سرائے میں اس کے قیام کا بندوبست کیا اور

اسے وہاں چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ ارزق اچھی طرح جانتا تھا کہ مطیع الدین کے غم کا مداوا اسی میں ہے کہ اسے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ ارزق کے جاتے ہی مطیع الدین کا تھما ہوا لاوا جیسے پھوٹ پڑا اور وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء کو دوسرے دن معلوم ہوا کہ گل وتوژ کو کسی مہم کے لئے روانہ کر دیا گیا ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ کسی اہم فرد کو مہم پر روانہ کیا گیا اور اس کی خبر اسے پیشگی نہ مل پائی ہو۔ شیخ الرئیس عموماً تمام مہمات میں اس سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ یہ چونکہ خلاف معمول عمل تھا اس لئے وہ کھٹک سا گیا۔ گل وتوژ کے زہر آلود جملے اس کی سماعت میں ایسے گونجتے رہتے کہ وہ اکثر رات کو چین کی نیند سو بھی نہیں پاتا۔ وہ کئی دن سے اس تاک میں تھا کہ وہ شیخ الرئیس کی کوئی ایسی حرکت دیکھے جس سے اس کے شک کو تقویت مل سکے۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے کئی وفادار غلاموں کو مامور کیا کہ وہ شیخ الرئیس کے پاس اگر کسی کو جاتا دیکھیں تو اسے فوراً خبر دیں۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تیسرے دن اس کے غلام نے خبر دی کہ شیخ الرئیس کا ایک خاص غلام اس کے خاص کمرے میں تنہائی میں ملاقات کے لئے بلوایا گیا ہے۔ خاص غلام کا نام سن کر اس کا ماتھا ٹھنک سا گیا شیخ ابوراضیاء نے وقت ضائع کئے بغیر شیخ الرئیس کے خاص کمرے کی راہ لی۔ وہ تیز رفتاری سے وہاں پہنچا تو اسے خاص غلام کمرے میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر شیخ ابوراضیاء کسی قدر محتاط ہو گیا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شیخ الرئیس کے خاص کمرے میں پہنچ گیا۔ شیخ الرئیس کے خاص کمرے میں بلا اجازت داخل ہونا سنگین جرم تھا جس کا ارتکاب شیخ ابوراضیاء کر چکا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا اور ایک بڑے پردے کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ الرئیس خاص غلام کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ گفتگو کا پہلا حصہ تو وہ سننے سے محروم رہ گیا مگر جو فقرہ اس کے کانوں میں پڑا وہ اسے چونکا دینے والا تھا۔ شیخ کبیرالدین خاص غلام سے کہہ رہا تھا۔

''گل وتوژ کچھ زیادہ ہی اونچا اُڑنا شروع ہو گئی ہے، اس لئے میں نے اس بات کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کانٹے کو راہ سے صاف کر دیا جائے''۔

''جیسا آپ کا حکم ہوگا بالکل ویسا ہی ہوگا شیخ الرئیس!'' غلام نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''میں نے گل وتوژ کو قاہرہ روانہ کیا ہے۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں پہنچی ہوگی۔ تم فوراً نکل جاؤ اور اسے ویرانے میں زندگی سے آزاد کر دو۔ خیال رکھنا کہ تمہیں قتل کرتے ہوئے کوئی نہ دیکھے۔ میں نہیں چاہتا ہے کہ ہمارے درمیان غلط فہمیاں پھیلیں اور ہم اپنے اوّلین مقصد کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں''۔ شیخ الرئیس کے لہجے میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''شیخ الرئیس! فکر مت کیجئے، میں گل وتوژ کی لاش کو ایسی گہرائی میں دفن کروں گا کہ اس کی خاک تک کوئی بھی نہیں پہنچ پائے گا''۔ غلام نے دانت نکال کر جواب دیا۔

''اس پر جھپٹتے وقت ذرا خیال رکھنا، وہ خاص تربیت یافتہ ہے، اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ تم اس کی جان لینے کے درپے ہو تو وہ یقیناً مدافعت پر اتر آئے گی''۔ شیخ الرئیس نے ہدایت کی

غلام نے پوری یقین دہانی کرائی اور اجازت لے کر خاص کمرے سے باہر نکل آیا۔ شیخ ابوراضیاء اپنی جگہ ایسے گم صم کھڑا تھا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے سے زمین ہی کھینچ لی ہو۔ وہ بار بار یہ یقین کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں یہ سب خواب تو نہیں ہے پھر اسے یقین آ ہی گیا کہ شیخ الرئیس نے کچھ لمحے پہلے جو الفاظ

ادا کئے تھے وہ حقیقت ہی ہیں۔ وہ احتیاط سے پیچھے ہٹا اور کسی قسم کی دھمک پیدا کئے بغیر خاص کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے دل ودماغ میں تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ شیخ ابونصر، مطیع الدین اور اب گل دتوخ۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ شیخ الرئیس کی نیت میں فتور پیدا ہو چکا ہے اور وہ ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو پُراسرار انداز میں قتل کرتا جا رہا ہے۔ شیخ ابوراضیاء کو ماتھے پر چپچپاہٹ کا احساس ہوا تو وہ چونک گیا۔ اس کا ماتھا پسینے سے شرابور تھا۔

❁ ❁ ❁

بنو میرینی سلطان تیونس کو خبر دی گئی کہ بلادِ مصر وشام کے سلطان بیبرس کی جانب سے ایک سفیر آیا ہے جو کہ صلیبی مہم کے سلسلے میں کوئی اہم پیغام آپ تک پہنچانا چاہتا ہے۔ سلطان تیونس کو کچھ لمحوں کے لئے یقین نہیں آیا اس نے اسے کوئی صلیبی ہتھکنڈہ قرار دیتے ہوئے ملاقات سے انکار کر دیا۔ اس کی سیدھی سادی وجہ تھی کہ سلطان تیونس کے سفارتی روابط سلطان بیبرس کے ساتھ نہ ہونے کے برابر تھے اور اس نے صلیبی لشکر کی آمد پر ابھی تک کسی بھی طرف کوئی ایسا پیغام نہیں بھیجا تھا کہ صلیبی لڑائی کے مقابلے میں اس کی عسکری مدد کی جاتی۔ کچھ امرأ نے سلطان تیونس کو مشورہ دیا کہ سفیر کی بات سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ سلطان بیبرس کی جانب سے نہیں آیا تو کوئی بات نہیں، کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے یا حقیقتاً ہماری معاونت کا خواہاں ہے۔ سلطان تیونس نے امرأ کے اصرار پر سفیر کو دربار میں طلب کر لیا سفیر ایک اوسط عمر کا شخص تھا جس نے سفید عربی لباس پہن رکھا تھا۔ البتہ خدوخال سے وہ عرب نہیں لگتا تھا۔ اس نے سلطان تیونس کو تعظیم دی اور خاموشی سے اجازت کا طلبگار دکھائی دیا۔ سلطان تیونس کو اس کا اندازِ سفارت بھلا لگا اس نے نرم لہجے میں وجہ آمد دریافت کی تو سفیر بولا۔

"مسلمانوں کے سلطان کا اقبال بلند ہو اور جذبہ ایمانی ہمیشہ بیدار رہے۔ میرا نام امیر رکن الدین ہے، میں بلادِ مصر کے سلطان بیبرس کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ سلطان بیبرس بے تابی سے اس صلیبی لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے مگر یہ صلیبی لشکر کسی مصلحت کے تحت بلادِ مصر کا رُخ کرنے کے بجائے تیونس کی سرزمین پر اُترا ہے۔ سلطان بیبرس کو اس خبر کے بعد خاصی فکر لاحق ہے کہ کہیں آپ کی حکومت کمینہ خصلت نصرانیوں کے سامنے زیر نہ جائے، اسی لئے مجھے حالات کی صحیح آگاہی کے لئے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو سلطان بیبرس کی افواج صلیبی لشکر کے مقابلے کے لئے آپ کی پوری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ہمارے بیشتر سالار صلیبی مقابلے کے لئے سفارت کے بجائے لشکروں سمیت خود آنے کے خواہشمند تھے مگر سلطان بیبرس نے انہیں صرف اس لئے روک دیا ہے کہ کہیں آپ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ بلادِ مصر کا رقبہ بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے"۔

"رکن الدین! ہمیں تمہارا انداز گفتگو پسند آیا، اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے پاس عسکری ذرائع کی کمی ہے اور ہم صلیبی لشکر کے مقابلے میں خود کو کمزور پاتے ہیں مگر ہمارے حوصلے بے حد بلند ہیں اور ہم بارگاہ الٰہی میں دعاگو ہیں کہ وہ خالق کائنات ہماری غیبی مدد کرے اور ہمیں فتح ونصرت سے نوازے تاکہ ہمیں دوسروں کے سامنے دست دراز نہ ہونا پڑے۔ ہم تمہارے سلطان کی نیت اور جذبات سے خوش ہیں کہ اس کا دل سرزمین پاک پر دین اسلام کے سب سے کمینے دشمن کی موجودگی کو پا کر بے چین ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسی ہی قوت ایمانی عطا کرے۔ تم ہماری جانب سے اپنے سلطان کا شکریہ ادا کرنا"۔ سلطان تیونس رکن الدین سے متاثر دکھائی دیا۔

"آپ کا پیغام سلطان محترم تک پہنچ جائے گا"۔ رکن الدین کسی قدر توقف سے بولا "سلطان محترم! میری ایک عرض ہے اگر آپ اسے شرف قبولیت فرمائیں تو مجھے بے حد دلی مسرت ہوگی"۔ سفیر رکن الدین کی بات پر سب لوگ چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"ہاں بولو! ہم سننے کے بعد فیصلہ کریں گے"۔ سلطان تیونس نے نرمی سے کہا۔

"ایک سفیر ہونے کی حیثیت سے میرا جو فرض تھا وہ بجالایا مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے جو فرض ہے، اس کی تکمیل میں دل بے تابی کا شکار ہے، اگر سلطان محترم اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اپنے ساتھیوں سمیت اس صلیبی معرکے میں بطور رضاکار سپاہی حصہ لینا چاہتا ہوں"۔

"مگر سلطان بیبرس تک خبر کیسے پہنچی گی؟" سلطان تیونس حیرت سے بولا۔

"ہمارے سفارتی گروہ میں دس افراد شامل ہیں، ان میں سے دو واپس لوٹ جائیں گے جو کہ سلطان بیبرس کو آگاہ کریں گے جبکہ باقی آٹھ جہاد میں شریک ہوں گے۔ ہمیں اس امر کی اجازت سلطان محترم کی جانب سے پہلے ہی مل چکی ہے اور شک وشبہ کی دوری کے لئے ہمارے پاس اجازت نامہ بھی موجود ہے اگر آپ کو کسی قسم کا کوئی شبہ ہو تو ہم اجازت کا مراسلہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں"۔ رکن الدین نے لجاجت بھرے انداز میں کہا تو دربار میں موجودگی افراد کا دل پسیج گیا۔ وہ سلطان تیونس سے توقع کرنے لگے کہ وہ اجازت دے دے۔ سلطان تیونس نے ان سے مراسلہ لیا اور اس پر موجود تحریر کو بغور پڑھا۔ تحریر کے نیچے سلطان بیبرس کی شاہی مہر ثبت تھی کافی دیر سوچنے کے بعد سلطان تیونس نے انہیں اپنی سرزمین پر ٹھہرنے اور صلیبی جہاد میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ رکن الدین نے اس پر سلطان تیونس کا عمدہ الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

❁ ❁ ❁

چھٹا دن بھی یونہی گزر گیا۔ قلعہ بانیاس میں کوئی ایسی خبر نہیں پہنچی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ گل دتوخ کے ساتھ کیا ہوا؟ شیخ ابوراضیاء کے بدن میں عجیب سی بے کلی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے وفادار غلاموں کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ صدر دروازے پر کڑی نگاہ رکھیں خصوصاً خاص غلام کی واپسی فوری طور پر اس کے علم میں لائی جائے۔ شیخ الرئیس اپنے مشاغل میں مصروف تھا، اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ شیخ ابوراضیاء اس کے اہم راز سے آگاہ ہو کر اس سے برگشتہ ہو چکا ہے۔ شیخ ابوراضیاء کی پوری کوشش یہی تھی کہ وہ شیخ الرئیس کے سامنے نہ ہی جائے تو بہتر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے سامنے اس کی کیفیت میں کسی قسم کا تغیر پیدا ہو اور وہ سمجھ جائے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اسی دوران اسے خبر ملی کہ عکہ سے کچھ صلیبی آئے ہیں جو کہ شیخ الرئیس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ صلیبی افراد کی قلعہ بانیاس میں آمد ورفت کافی عرصے سے جاری تھی۔ شیخ الرئیس نے جہاں فدائی گروہ کی تشکیل میں وقت صرف کیا تھا وہیں وہ صلیبی سرداروں سے بھی حلیفانہ تعلقات کو فروغ دے رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ بلادِ مصر وشام کی حکومت کی صلیبی مخالفت ومخاصمت تھی۔ صلیبی سردار چونکہ سلطان بیبرس کے عتاب کا شکار تھے اس لئے شیخ کبیر الدین کو ان کے ساتھ گہری ہمدردی ہو چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے ایک غلام کے ذریعے شیخ الرئیس تک نصرانی مہمانوں کی آمد کی خبر پہنچائی۔ کچھ ہی دیر میں اسے ہدایت موصول ہوئی کہ وہ انہیں مہمان خانے میں ٹھہرائے۔ ملاقات کل ہی ممکن ہو سکے گی۔ شیخ ابوراضیاء پہلے ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ اسے شیخ الرئیس کے سامنے پیش نہ ہونا پڑے۔ اتفاق سے اس کی مشکل حل ہو گئی۔ وہ نصرانی افراد کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ مختلف امور میں رات پڑ گئی تو اسے جسم میں

تکان کا احساس ہوا۔ وہ آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چل دیا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے لمبی انگڑائی لی اور بستر کی جانب بڑھ گیا۔ اچانک وہ یوں اچھلا جیسے اس نے اپنے بستر میں بچھو دیکھ لیا ہو۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

علاءالدین ابوالعلاء علی بن ابی الحزم القرشی ساتویں صدی کے یکتائے زمانہ طبیب اور جید عالم تھے۔ انہیں عرف عام میں علامہ ابن النفیس کے نام سے جانا جاتا تھا۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں عرصہ تک قیام کیا۔ بیمارستان النوری میں طبی تعلیم حاصل کی اور بعد میں اسی میں اپنی طبی خدمات انجام دیتے رہے۔ سانحہ بغداد کے بعد علامہ ابن النفیس نے دمشق کو خیر باد کہا اور سفر کرتے ہوئے قاہرہ پہنچے اور پھر قاہرہ سے نکل کر تیونس میں آ کر مقیم ہو گئے۔ تیونس میں انہیں بڑی شہرت حاصل تھی اور بقول مؤرخین کے ان کے ہاتھوں میں شفا کا جادو تھا۔ علامہ ابن النفیس عمر کے تہترویں برس میں قدم رکھ چکے تھے جب صلیبی لشکر تیونس میں پہنچا۔ جانے علامہ ابن النفیس کو کیا خیال آیا کہ وہ سلطان تیونس کے پاس بھرے دربار میں جا پہنچے۔ سلطان تیونس نے علامہ ابن النفیس کی آمد پر خود اُٹھ کر استقبال کیا۔ علامہ ابن النفیس کو ایک نشست پر بٹھایا گیا اور ان سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ آمد کی وجہ معلوم کی۔

''سلطانِ محترم! مجھے ایک اہم بات یاد آ گئی اسی لئے میں بلا تاخیر چلا آیا۔ میں کئی سالوں سے تیونس میں طبی معالجات کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اس وجہ سے یہاں کے موسم اور فضائی کیفیات سے باخبر ہو چکا ہوں۔ مجھے جب سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صلیبی لشکر ارضِ تیونس کی بربادی کا خواہاں ہوا ہے میں مسلسل سوچتا رہا کہ ان سے کیسے نبٹا جائے۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے سابقہ مشاہدے کو ہی جواب کی صورت بخش دی''۔

''علامہ ابن النفیس! آپ کی بات کچھ ہم سمجھ نہیں سکے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' سلطان تیونس نے برملا سوال کیا۔

''سلطانِ محترم! میں نے یہاں کی آب و ہوا کا جو مشاہدہ کیا ہے اس کے مطابق سرد ہواؤں کے چلنے کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہ سرد و خنک ہوائیں شہری علاقوں سے گزر کر سمندر کی جانب بڑھتی رہتی ہیں۔ گویا ایک طرح سے یہ ایسا قدرتی نظام ہے کہ شہروں کی فضائی آلودگی سمندر کی جانب جا کر ڈھل جاتی ہے۔ اس موسم میں لوگوں میں بیمار ہونے کی شرح عموماً کم ہو جاتی ہے البتہ اگر پچھلے علاقوں میں کوئی وبائی اثرات موجود ہوں تو یہاں کے لوگ بیمار پڑ جاتے ہیں''۔

''علامہ ابن النفیس! سرد ہواؤں اور بیماریوں کا ذکر...... یہ سب کچھ ہماری عقل سے باہر ہے کہ اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو براہ مہربانی ذرا کھل کر بیان کریں''۔ سلطان تیونس نے کہا۔

''سلطانِ محترم! اگر آپ کی اجازت ہو تو میں علامہ موصوف کا مؤقف واضح کر سکتا ہوں کیونکہ میں بخوبی سمجھ چکا ہوں کہ ان کا اشارہ کس جانب ہے؟'' دربار میں موجود مصری سفیر رکن الدین نے اُٹھ کر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں گہری چمک موجود تھی۔ سلطان تیونس نے مصری سفیر کو تعجب سے دیکھا اور اثبات میں اشارہ کیا۔ علامہ ابن النفیس بھی اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ شاید وہ اس کی ذہانت کو پرکھنا چاہتے تھے۔

''علامہ موصوف کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں صلیبی معرکے میں ان سرد ہواؤں کو بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہئے۔ تمام صلیبی لشکر شہری علاقوں سے دور ساحلی علاقوں میں مقیم ہیں، اس لئے اس قدرتی ہتھیار سے انہیں

بڑی آسانی سے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے''۔ رکن الدین نے وضاحت کی تو علامہ ابن النفیس کے منہ سے بے اختیار واہ نکل گئی۔

''ہوا کو بھلا ہتھیار کیسے بنایا جا سکتا ہے؟'' سلطان تیونس کے لہجے میں گہرا تعجب تھا۔

''اگر علامہ موصوف مجھے اجازت دیں تو میں اس کی بھی وضاحت کر سکتا ہوں''۔ رکن الدین نے علامہ ابن النفیس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ علامہ ابن النفیس دل ہی دل میں رکن الدین کی ذہانت کے قائل ہو چکے تھے اس لئے انہوں فوراً اجازت دے دی۔

''علامہ موصوف نے کچھ لمحے پہلے یہ بتایا ہے کہ اگر پچھلے علاقوں میں وبائی اثرات موجود ہوں تو یہاں کی مقامی آبادی فوراً اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور لوگ کثرت سے بیمار ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ ہمیں اس صلیبی معرکے میں استعمال کرنا ہوگا۔ اپنے شہروں کے باہر اتنی مقدار میں گندگی پھیلائی جائے کہ ہوا آلودہ ہو کر رہ جائے۔ جب یہ آلودہ ہوائیں سفر کرتی ہوئی ساحلی حصوں میں پہنچیں گی تو یقیناً وہاں موجود افراد کی کچھ تعداد متاثر ضرور ہوگی۔ اگر ان میں سے کچھ افراد بے قاعدگی کا مظاہرہ کریں تو آلودگی سے پیدا ہونے والی بیماری وبائی مرض کا روپ دھار لے گی۔ اس طرح صلیبی افواج مسلمانوں سے لڑائی کے بجائے اس وبائی مرض سے نبرد آزما ہو کر رہ جائے گی''۔

''سبحان اللہ! جوان تمہیں اللہ تعالیٰ نے بڑا دماغ دیا ہے۔ اگر تم درباری شغل چھوڑ کر تحقیق و تالیف کی راہ اختیار کرو تو انشاء اللہ بہت بڑا نام پاؤ گے''۔ علامہ ابن النفیس بے اختیار ہو کر بولے۔ سلطان تیونس اس نئی جہت پر ہکا بکا سا دکھائی دیا۔ اسے شاید یہ یقین نہیں تھا کہ ایسا ہونا ممکن ہے؟

درباری امراء اور وساء بھی اس دلچسپ تاویل پر دم بخود تھے۔ ان کے نزدیک صلیبی لشکروں کے ساتھ معرکہ آرائی کا یہ بڑا عجیب طریقہ کار تھا جس کے بارے میں انہوں نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا۔ سلطان تیونس بھی ذہنی طور پر اس تجویز کی تکمیل میں آمادہ نہیں ہو پایا اس نے برملا اس طریقہ کار کو رد کر دیا۔ علامہ ابن النفیس سلطان تیونس کے فیصلے پر خاموش رہ گئے مگر رکن الدین چپ نہ رہ سکا اس نے جلدی سے کہا۔

''سلطانِ محترم! علامہ موصوف کا طریقہ کار یقیناً غیبی مدد ہے اللہ تعالیٰ نے صلیبی لشکر سے نبٹنے کے لئے آپ کو اپنی جانب سے مدد بھیج دی ہے براہِ کرم! اس ضمن میں توقف سے کام لیجئے پھر کوئی فیصلہ کیجئے۔ دوسرا اس کام میں اگر آپ کو کوئی مشکل دکھائی دے رہی ہے تو اس خادم کو یہ خدمت بجا لانے کا موقعہ عنایت کیجئے۔ چونکہ ابھی ایسے آثار دکھائی نہیں دے رہے کہ صلیبی لشکر کے ساتھ نبرد آزمائی سر پہ آن پڑی ہو لہٰذا ہمارے پاس کچھ وقت ہے۔ آپ بے شک اپنے تئیں عسکری تیاریاں کیجئے اور اس کام کی انجام دہی ہم پر چھوڑ دیجئے''۔

رکن الدین کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ سلطان تیونس گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ غور کر رہا تھا کہ اگر ایسی کوئی کوشش کرنے کی اجازت دے دی جائے تو کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ اسے کوئی ایسی بات دکھائی نہ دی جو کہ مسلمانوں کے خلاف جاتی ہو تو اس نے رکن الدین کو اجازت دیتے ہوئے چند امراء کو ہدایت کی کہ وہ اس کام میں رکن الدین کا ہاتھ بٹائیں۔ رکن الدین سلطان تیونس کی آمادگی پا کر بے حد مسرور دکھائی دیا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین کئی دن سے فکر مند تھا کہ اس کا مصری دوست ارزق، اسے سرائے میں چھوڑ کر جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اسے اپنی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ وہ ارزق سے صحیح طرح اس کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ کر سکا۔ بہترین رفیق اور اردوئے زرّیں کے سلطان برقائی خان کی وفات کی خبر نے اس کے اعصاب کو اس قدر بری

طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ وہ کئی دن تک ایسا گم صم رہا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی کچھ خبر نہ رہی۔ وقت ہی زخم لگاتا ہے اور پھر انہیں اس خوبصورتی سے مندمل کر دیتا ہے کہ بسا اوقات عقل انسانی بھی دنگ رہ جاتی ہے۔ یہی کچھ مطیع الدین کے ساتھ بھی ہوا۔ برقائی خان کی موت کا غم چند ہی دنوں بعد زائل ہونے لگا اور طبیعت پر چھائی ہوئی بے کلی کو قرار سا آنے لگا۔ سرائے کے مالک کو ارزق نے کوئی خاص ہدایت کی تھی کہ وہ روزانہ اس کے پاس چلا آتا اور مختلف پیرایوں میں اس کی طبیعت کے بارے میں استفسار کرتا رہتا۔ سرائے کے مالک نے اسے ہر قسم کی ضرورت بلاتکلف بیان کرنے کی ہدایت کی۔ مطیع الدین سرائے کے مالک کے حسن سلوک اور برتاؤ کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانے میں ناکام نہ رہا کہ اس کا مصری دوست ارزق قاہرہ میں اچھی خاصی حیثیت کا مالک ہے۔ برقائی خان کی موت کے غمناک بادل جب چھٹنا شروع ہوئے تو مطیع الدین کو احساس ہوا کہ وہ قاہرہ میں کسی خاص ضرورت کے تحت آیا ہے۔ اس ضمن میں ابھی تک اس نے کوئی قدم نہیں اُٹھایا تھا۔

ارزق کی صورت دیکھ کر مطیع الدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ وہ اس کے ذریعے خلیفہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے مگر اب کئی دنوں سے ارزق کی صورت دیکھنے کو نہ ملی تو اس کی یہ امید دم توڑنے لگی۔ اس نے یہی طے کیا کہ اسے کوئی اور ذریعہ تلاش کرنا چاہئے۔ یہ مشکل امر تھا کیونکہ قاہرہ میں اس کا کوئی شناسا نہیں تھا۔ کئی دن تک سرائے کے کمرے میں بند رہنے کے بعد وہ کھلی فضا میں نکلا۔ ہوا کے ایک لطیف جھونکے نے اس کی طبیعت کا بوجھل پن بڑی حد تک کم کر دیا۔ وہ بلا مقصد گھومتا ہوا قاہرہ کے بازار میں جا نکلا۔ طرح طرح کے لوگوں کی صورتیں دکھائی دیں جو جانے کہاں کہاں سے تجارت و روزگار کے سلسلے میں قاہرہ میں آئے ہوئے تھے۔ زندگی کی اس مصروف ترین صورت کو دیکھ کر مطیع الدین کے دل کے کسی خانے میں ہلکی سی خلش پیدا ہوئی۔ اس ناتمام خلش کو وہ کوئی نام نہ دے پایا۔ وہ لوگوں کی شکلیں دیکھتا ہوا بازاروں میں گھومتا رہا۔ لمحہ بھر کے لئے یہ خیال بھی اس کے دل میں پیدا ہوا کہ کیا واقعی یہ آوارہ گردی ہی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں اتفاقاً یا قصداً پہنچنا ہی اس کی تقدیر کا لکھا ہے؟

گھومتے گھومتے وہ تھک کر ایک قہوہ خانے میں جا بیٹھا۔ گرم گرم قہوے کی خوشبو نے اس کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔ وہ جب چسکیاں بھر رہا تھا اسی وقت اس کے کانوں میں قریب سے ایک آواز پڑی جس پر مطیع الدین چونک سا گیا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اس جانب نظر دوڑائی جہاں دو افراد بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ شکل و صورت سے وہ دونوں متمول حیثیت کے فرد لگتے تھے۔ مطیع الدین کان لگا کر ان کی گفتگو سننے لگا۔ ان کی گفتگو کا محور خلیفہ الحاکم بامراللہ کی ذات تھی۔ وہ دونوں آپس میں خلیفۂ اسلام کے کردار اور فرائض پر کڑی تنقید کر رہے تھے۔ مطیع الدین نے اسی لمحے کچھ سوچ کر اُٹھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اطمینان سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور دھیمے انداز میں چلتا ہوا ان دونوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ مطیع الدین بنا کچھ کہے ان کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں ایک اجنبی شخص کو یوں بے تکلفانہ انداز میں بیٹھتے ہوئے دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ ان کی آنکھوں میں کسی قدر خوف جھلکتا ہوا دکھائی دیا۔ شاید وہ یہ سمجھے تھے کہ ان کی گفتگو کسی سرکاری فرد کے کانوں میں جا پڑی ہے جو کہ اب انہیں دھمکانے چلا آیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ بولتے، مطیع الدین مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو حیرت ہو رہی ہو گی مگر حقیقت یہ ہے کہ تمہاری گفتگو کی کشش ہی مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میرے بارے میں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، میں اس شہر میں اجنبی ہوں''۔

وہ دونوں عجیب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے رہے، ان کے لب یوں خاموش تھے جیسے انہیں سی دیا

گیا ہو۔ مطیع الدین نے ان کی آنکھوں میں پھیلی ہوئی تشویش دیکھ کر ان کی دلجوئی کی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' ان میں ایک ہمت کر کے بولا۔

''میں امیر المومنین کے بارے میں اپنے تجسس کی بناء پر کچھ جاننا چاہتا ہوں، تم لوگ شاید ان تک رسائی رکھتے ہو؟'' مطیع الدین نے کہا۔

''زمانہ ہوا جب ہم امیر المومنین کے پاس نشست کیا کرتے تھے؟'' دوسرا آہ بھر کر بولا۔

''تم لوگ خلیفہ اسلام کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے......'' مطیع الدین نے پوچھا۔

''تم کیا جاننا چاہتے ہو؟'' پہلا شخص شک بھری نگاہ ڈالتا ہوا بولا۔

''سب کچھ......'' مطیع الدین مسکرا کر بولا۔

''مگر کیوں؟''

''مجھے معروف لوگوں کی زندگی سے خاص دلچسپی ہے کیونکہ میں ایک مؤلف ہوں، ان کی زندگی کے پوشیدہ حصوں پر طبع آزمائی کر کے میں انعامات حاصل کرتا ہوں''۔

''یقین نہیں آتا''۔ پہلا شخص اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

''اس میں شک والی کون سی بات ہے؟'' مطیع الدین نے حیرت بھری نگاہوں سے پوچھا۔

''تم نے پہلے کس کی زندگی پر قلم آزمائی کی ہے؟'' دوسرا شخص دلچسپی لیتا ہوا بولا۔

''اردوئے زریں کے قاآن برقائی خان اور مظلوم خلیفہ مستعصم باللہ کی سوانح حیات لکھی تھی میں نے...... وہ بیش قیمت نسخے اب سرائے میں محفوظ ہیں''۔ مطیع الدین نے بتایا تو ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی شبہات کی دبیز شکنیں یکلخت غائب ہو گئیں اور وہ مطیع الدین سے مرعوب دکھائی دینے لگے۔

''میں چند دن قبل ہی قسمت آزمائی کے لئے قاہرہ پہنچا ہوں، خیال تھا کہ سلطان بیبرس کے بارے میں قلم کشائی کروں مگر چند لمحے پہلے کانوں میں پڑنے والی تمہاری گفتگو نے میرے قلم کا رُخ امیر المومنین کی جانب موڑ دیا ہے''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی۔ وہ دونوں خاصے مطمئن ہو گئے، انہوں نے مطیع الدین کے لئے قہوہ منگوایا۔ قہوہ کے شغل کے دوران انہوں نے برقائی خان کے بارے چند سوالات کئے تو مطیع الدین نے اطمینان سے ان کی تشفی کی۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب یوں گھل مل گئے جیسے ان میں برسوں کی شناسائی ہو۔ مطیع الدین نے گفتگو کے دوران ان سے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے بارے میں کئی باتیں دریافت کیں۔ وہ بے تکلفی کی رو میں بہتے ہوئے فخریہ انداز میں اسے بتاتے رہے۔ انہیں شاید یہ لالچ تھی کہ مطیع الدین جب امیر المومنین کے بارے میں کتاب لکھے گا تو ان کا نام یا حوالہ بھی شامل کرے گا۔ اس نشست میں مطیع الدین نے ان کے نام اور محلات وغیرہ کی معلومات حاصل کر لی۔ وہ دونوں دربار خلافت کے خاص مصری امراً میں سے تھے جن کے دل آج بھی ایوبی حاکمیت کے قیام کے لئے دھڑکتے تھے اور وہ مملوک حکمرانی کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ مطیع الدین نے ان سے ملاقات کو نیک شگون قرار دیتے ہوئے بلاتاخیر یہ فرمائش کر دی کہ وہ امیر المومنین سے بالمشافہ ملاقات کا خواہشمند ہے۔ مصری امراً نے سلطان بیبرس کی جانب سے عائد کردہ پابندی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کو مشکل قرار دیا مگر ساتھ ہی انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کی ہامی بھر لی۔ مطیع الدین کے پاس کوئی خاص منصوبہ بندی تو نہیں تھی، اس نے فی الوقت خلیفہ تک رسائی حاصل ہونے کی کوشش پر زور دیا۔

مصری سفیر امیر رکن الدین نے سلطان تیونس کی جانب سے مقرر کردہ تیونسی امرأ کے ساتھ مل کر بڑی محنت سے علامہ ابن النفیس کے تجویز کردہ منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کیا۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ شہر کے تمام افراد کو کڑی ہدایت کی گئی کہ وہ تمام گھریلو کوڑا اکرکٹ ان کے پاس لا کر جمع کرائیں، اس حکم شاہی پر سب لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ امرأ نے بڑی تعداد میں رضا کار افراد جمع کر لئے جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ گندگی کے ان ڈھیروں کو گدھا گاڑیوں پر ڈال کر شہر سے کئی کوس دور ایک کھلے علاقے میں بکھیرتے رہیں اس علاقے کی نشاندہی بھی علامہ ابن النفیس نے اپنے ریاضیاتی تجربے کی بدولت کی تھی۔ تیونسی امرأ کے لئے اس ناگوار کام کو سرانجام دینا بڑا مشکل دکھائی دیا مگر امیر رکن الدین نے انہیں تسلی دیتے ہوئے یہ باور کرایا کہ اس ناگوار کام میں شہر کے تمام لوگوں اور ارضِ تیونس کی فلاح و بہتری پوشیدہ ہے۔ یہ کام اس قدر سرعت سے انجام دیا گیا کہ چند دن میں ہی شہر میں سے گندگی کا صفایا ہو گیا۔ دارالحکومت سے دور کھلے میدانوں میں گندگی کے انبار لگ گئے۔ امیر رکن الدین کے ذہن میں جانے کیا بات آئی کہ اس نے رضا کاروں کو یہ ہدایت کی کہ وہ پانی کی مشکیں بھر کر ساتھ لے جائیں اور اس گندگی پر ڈالتے رہیں کہ وہ کیچڑ بن جائے۔ رضا کار یہ ہدایت سن کر خاصے پریشان ہوئے مگر حکم شاہی کے باعث وہ انکار کر سکے اور گندگی کے ڈھیروں پر پانی کی مشکیں بہائی جانے لگیں۔ پانی سے وہ گندگی غلاظت میں بدل گئی اور دو دن میں ہی اس میں سے تعفن پھوٹ پڑا۔ جس دن پہلا رضا کار اس تعفن کے باعث بیمار پڑا تو امیر رکن الدین نے تمام شہر میں یہ منادی کرا دی کہ اب کوئی شخص بھی اس جانب کا رُخ نہیں کرے گا۔ یہ کام مکمل تو ہو گیا تھا مگر شہر کے باسی عدم تحفظ کا شکار ہونے لگے کیونکہ اگر تعفن کی لہر کا رُخ شہر کی جانب ہو جاتا تو یقیناً شہر کے لوگ بیمار پڑ جاتے۔

صلیبی لشکر کا کماندار اعلیٰ شاہ فرانس لوئی نہم تیونسی چال سے بے خبر ساحل سمندر پر ایک نئے شہر کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس کی افواج افریقہ کی سرزمین پر ایک نئی مستقل نصرانی ریاست کے قیام میں مگن تھی۔ ساحل پر ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا جا رہا تھا جس کے اردگرد لمبی چوڑی خندق کھودی گئی۔ قلعے کی تعمیر کے بعد اس کے گرد فصیل بنائی جاتی اور پھر اس میں نصرانی آباد کئے جاتے۔ شاہ فرانس لوئی نہم ارضِ تیونس میں بیٹھ کر نہایت اطمینان سے سلطان بیبرس سے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مشغول تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے تیونس کی افواج کے مکمل اعداد و شمار حاصل ہو چکے تھے علاوہ ازیں تیونسی شہروں کی قلعہ بندیاں بھی اس کے علم میں آ چکی تھیں۔ اس نے اپنے مخبروں کو خصوصی طور پر بلادِ مصر سے ملنے والی سرحدوں پر تعینات کر رکھا تھا تا کہ سلطان بیبرس کے لشکروں کی آمد کی خبر بروقت ہو سکے۔ شاہ لوئی نہم کو اس بات کی قوی امید تھی کہ سلطان بیبرس اس کی جانب بڑھنے کے بجائے بلادِ مصر میں ہی اس کا انتظار کرے گا۔ ساحل سمندر پر چلنے والی سرد ہواؤں کے باعث لشکر میں خاصا اطمینان تھا کیونکہ وہ جس سرزمین سے نکل کر وہاں پہنچے تھے اس کی آب و ہوا بھی سرد ہی تھی۔ گرم اور مرطوب موسم میں یقیناً انہیں خاصی پریشانی اُٹھانا پڑتی۔

علامہ ابن النفیس کا تجویز کردہ منصوبہ بہت جلد ہی اپنے اثرات دکھانے لگا۔ غلاظت سے لتھڑی ہوئی ہواؤں نے ساحلی علاقوں کا جب رُخ کیا تو راہ میں آنے والے تمام جانداروں پر اپنے بد اثرات مرتب کئے۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد تیسرے ماہ میں نصرانی سپاہیوں کی طبیعت میں اضمحلال پیدا ہونے لگا اور اچانک دھڑا دھڑ سپاہی بیمار ہونے لگے۔ قے اور دست کی وباء پھیل گئی اور گندگی کے باعث لشکر کی حدود میں تعفن پھوٹ پڑا۔ شاہ لوئی نہم نے صورتِ حال کی سنگینی کو بھانپ کر ہدایت کی کہ تمام تعفن پر مٹی ڈال کر اسے اوجھل کر دیا جائے اور ساتھ ہی شاہی طبیبوں نے بیمار سپاہیوں کے علاج کی تمام تر کوششیں کیں مگر نتیجہ مثبت نہ

نکل پایا اور چند ہی دن میں کئی صلیبی سپاہی زندگی ہار گئے۔ مٹی سے چھپائے گئے تعفن نے یکا یک طاعون کی صورت اختیار کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے صلیبی سپاہی کثرت سے مرنے لگے۔ شاہ لوئی نہم نے اس علاقہ کو نحس قرار دیتے ہوئے فوری طور پر جگہ کی تبدیلی کا حکم جاری کیا مگر اس پر عمل درآمد ممکن نہ ہو سکا کیونکہ سپاہیوں کی کثیر تعداد وبائی مرض کا شکار ہو چکی تھی۔ اتنے زیادہ افراد کو اُٹھا کر دوسری جگہ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ صلیبی لشکر کوئی اور احتیاطی تدبیر اختیار کرتا کہ شاہ فرانس لوئی نہم خود وباء کا شکار ہو گیا۔ طاعون و تعفن کا حملہ بڑا شدید تھا کہ شاہ فرانس شاہ لوئی نہم چند گھنٹوں تک زندگی اور موت کی کشمکش کے بعد انتقال کر گیا۔ وہ جس عظیم نصرانی خواب کو لے کر ارضِ اسلامیہ پر آیا تھا وہ حسرتِ پارینہ بن کر اس کے ساتھ ہی رخصت ہو چکا تھا۔

شاہ فرانس شاہ لوئی نہم کی ناگہانی موت کی خبر نے صلیبی لشکر میں سخت بددلی پھیلا دی۔ صلیبی سپاہیوں میں افراتفری پھیل گئی اور تندرست سپاہی اس آفت زدہ علاقے سے نکل کر اپنے اپنے بحری بیڑوں کی جانب بڑھنے لگے۔ بیمار افراد کو بے یار و مدد پھینک دیا گیا۔ ہزاروں صلیبی اپنے ''مقدس بادشاہ'' سمیت جہنم رسید ہو گئے اور باقی بچنے والوں میں بھگدڑ مچی رہی۔ بے شمار صلیبی سپاہیوں نے تیونس کے شہروں کا رُخ کیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن گئے۔ صلیبی بحری بیڑے بھی اس آلودہ فضائی مرض سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وبائی مرض نے وہاں بھی اپنا اثر دکھایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچے ہوئے صلیبی سپاہی اپنے جس ساتھی میں مرض کے آثار دیکھتے، اسے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے بلا دھڑک سمندر کے حوالے کر دیتے۔ اس خدائی قہر سے وہ اس قدر ہراساں تھے کہ ہر کوئی خوفزدہ نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کو تکتا رہتا۔ ہر کسی کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ آنیوالے کل میں کہیں وہ ہی نشانہ نہ بن جائے۔

آٹھویں صلیبی جنگ میں صلیبی لشکروں کو عبرتناک ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ بھی نہ حاصل ہوا۔ ان کا حشر وہی ہوا جو کہ مکہ معظمہ پر حملہ کے وقت ابرہہ اور اس کے لشکر کا ہوا تھا۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ شاہ فرانس لوئی نہم کے ساتھ جانے والے ساٹھ سے ستر ہزار کے قریب لشکر میں سے صرف سات ہزار افراد صحیح سلامت ارضِ تیونس سے نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ حقیقی معنوں میں غیبی مدد تھی جو سلطان تیونس کے ایمان کی بدولت مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ کچھ مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ گندگی کے تعفن کی اس تدبیر نے صلیبی عزائم کو ناکام بنا دیا تھا اور افریقہ کی سرزمین پر نصرانی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ زیرِ تعمیر صلیبی قلعے کو سلطان تیونس کے حکم پر فوری طور پر مسمار کر دیا گیا اور صلیبی لاشوں کو کھودی گئی طویل و عریض خندق میں ڈال کر دفن کر دیا گیا تا کہ موسم کی تبدیلی کے باعث لاشوں کا تعفن شہری آبادی کو نقصان نہ پہنچائے۔ تیونسی افواج نے مٹی کے بڑے بڑے ٹیلے اکھاڑ کر پھیلائے گئے گندگی کے ڈھیروں پر ڈالے تا کہ تعفن ہمیشہ کے لئے دب جائے۔ قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ کیجئے کہ گندگی کے ڈھیروں کے خاتمے اور لاشوں کو ٹھکانے لگاتے ہوئے ایک بھی مسلمان بیمار نہیں ہوا۔ صلیبی لشکر کے فرار کے بعد مرض طاعون یوں مٹ گیا جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ صلیبی جہاد کے خطرے کے ٹل جانے کے بعد مصری سفیر امیر رکن الدین سلطان تیونس سے اجازت لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس قاہرہ لوٹ گیا۔ سلطان تیونس نے امیر رکن الدین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے بیش قیمت تحائف عطا کئے۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے کبھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مصری سفیر کوئی اور نہیں...... بلادِ مصر کا ذہین سلطان بیبرس خود تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابو رضیاء پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے بستر پر لیٹی ہوئی گل دقوژ کو دیکھ رہا تھا۔ گل دقوژ نہایت

اطمینان سے دراز تھی۔ اس نے شیخ ابوراضیاء کے بوکھلائے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی تو دھیما سا مسکرا دی۔ یہ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کو اس کی مسکراہٹ سے گہرا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''تت...... تت...... تم...... یہاں...... کیسے...... پہنچی؟'' الفاظ بمشکل اس کے حلق سے نکلے۔

''شیخ ابوراضیاء!...... میرا نام گل وقوژ ہے اور میں آنے والے حالات کی کروٹ کو پہچاننے کے بعد غافل نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی کبھی تاخیر سے کام لیتی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں شیخ الرئیس کی شاطرانہ چال کا آسانی سے تر نوالہ بن جاؤں گی...... ہرگز نہیں۔ وہ خاص غلام جو مجھے قتل کرنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا، خود بے جان لاش کی صورت میں ایک کھائی میں پڑا ہوا ہے''۔ گل وقوژ بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ شیخ ابوراضیاء کو اپنے جسم میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ گل وقوژ کی سنگدلی اور سفاکانہ انداز نے اسے کسی قدر خوفزدہ کر دیا تھا۔

''تم قلعہ میں کیسے داخل ہوئی؟ میں نے اپنے لوگ صدر دروازے پر تعینات کر رکھے ہیں تاکہ وہ تمہاری آمد سے مجھے باخبر کر سکیں''۔ شیخ ابوراضیاء نے سوال کیا۔ اس کی بات سن کر گل وقوژ ہنسنے لگی۔ شیخ ابوراضیاء کو یوں لگا جیسے اس نے کوئی احمقانہ سوال کیا ہو۔

''اس قلعے میں داخل ہونے کے لئے صدر دروازے کے علاوہ اور بھی کئی چور راستے ہیں، جنہیں تم بخوبی جانتے ہو''۔

''ان راستوں کی خبر تمہیں کیسے ہوگئی؟'' شیخ ابوراضیاء پریشان سا ہو گیا۔

''اس بات کو جانے دو...... مطلب کی بات پر آؤ۔ تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہوگا کہ شیخ الرئیس قلعہ بانیاس میں بیٹھ کر کیا کچھ کر رہا ہے اور مستقبل کیلئے اس کے عزائم کیا ہیں؟ کیا تمہیں اب بھی میری بات پر یقین نہیں؟'' گل وقوژ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''میں اس بارے میں سخت مخمصے کا شکار ہوں، جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ سب میرے لئے کوئی خواب ہو، میں فریب اور سراب کے چکر میں پھنس چکا ہوں۔ عجلت میں کوئی غلط فیصلہ نہیں کرنا چاہتا''۔ شیخ ابوراضیاء مضمحل لہجے میں بولا اور قریب پڑی ہوئی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

''تاخیر کا دورانیہ اگر طویل ہو گیا تو تمہاری زندگی کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہے گی''۔

''مجھے صحیح طرح معلوم نہیں کہ شیخ الرئیس کا رُخ کتنے عرصے بعد میری جانب مڑے گا مگر میں اپنے تئیں کوئی ایسی غلط حرکت نہیں کرنا چاہتا کہ وہ قبل از وقت ہی میری طرف سے بدک اُٹھے اور میری جان کا دشمن ہو جائے۔ ممکن ہے کہ میرے بارے میں اس کے خیالات ایسے نہ ہوں......''

''خود کو کب تک دھوکا دیتے رہو گے شیخ ابوراضیاء!'' گل وقوژ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''میں اسے دھوکا نہیں مصلحت سمجھتا ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء کی آواز میں تیزی نہیں تھی۔

''مصلحت کا دور صرف اتنا ہی ہوگا جب تک شیخ الرئیس تک میری موت کی خبر نہیں پہنچ جاتی، جس دن اس کی نظروں میں، میں مردہ قرار پائی، اسی دن سے اس کا اگلا شکار موت کی جانب سفر شروع کر دے گا اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اگلا شکار تم ہی ہو......؟'' گل وقوژ دانت پیس کر بولی۔

''میرا ذہن ماؤف ہو چکا ہے، تم اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دو، میں سوچ بچار کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔ تمہیں معلوم نہیں، شیخ الرئیس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں، انہیں کاٹنا آسان بات نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تم خود کو فریب کے دائرے میں قید رکھنا چاہتے ہو تو یونہی سہی مگر میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے

نہیں''۔ گل وقوژ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''تم کیا کرنا چاہتی ہو؟'' شیخ ابوراضیاء چونک کر بولا۔

''میں جو کرنا چاہتی ہوں وہ تمہاری سوچ سے کہیں بالاتر ہے''۔ گل وقوژ حقارت سے بولی۔

''مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے مگر میں مصلحت کے تحت خاموش ہوں، تم اگر کچھ انتظار کر سکو تو میں تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء کھوئے لہجے میں بولا۔

''مگر مصلحت میرے قدموں کی زنجیر نہیں بن سکتی، میں فی الحال جا رہی ہوں اور جو کروں گی وہ جلد ہی تمہیں دکھائی دے جائے گا''۔ گل وقوژ نے قدم اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم کہاں جاؤ گی؟...... ٹھہرو میں تمہارے لئے محفوظ جگہ کا بندوبست کر دیتا ہوں''۔

''اس کی ضرورت نہیں!...... میں کل رات دوبارہ آؤں گی۔ اگر تم اس وقت تک کوئی فیصلہ کر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ......'' گل وقوژ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ شیخ ابوراضیاء کرسی پر خاموش بیٹھا دروازے کی طرف تکتا رہ گیا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چلتی رہیں۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے اپنے کانوں سے شیخ الرئیس کو گل وقوژ کی موت کا فرمان جاری کرتے ہوئے سنا تھا اور گل وقوژ کے آگاہ کردہ حقائق بھی حقیقت سے دور نہیں تھے۔ شیخ ابونصر، مطیع الدین اور گل وقوژ...... اس مثلث نے اس کا سکون و قرار چھین لیا تھا۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کی کوششیں بہت جلد رنگ لائیں مصری امراء سے اتفاقیہ ملاقات نے اسے خاصی تقویت بہم پہنچائی تھی۔ ان دونوں امراء نے اسے کئی دوسرے مصری امراء سے ملوایا۔ ایک مؤلف و مؤرخ کی حیثیت سے امراء کے حلقے میں اس کا خاصا مقام بن چکا تھا۔ مطیع الدین کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ علم و تحقیق کا یہ بہانہ اس قدر کارگر ثابت ہوگا، اس نے تو محض بات بنانے کی غرض سے خود کو مؤلف قرار دیا تھا۔ حلقہ امراء میں سے کئی ایک نے اس کی مالی معاونت کرتے ہوئے یہ فرمائش کی وہ ان کی سوانح حیات ضبط تحریر میں لائے۔ مطیع الدین نے مختلف حیلوں سے انہیں ٹال دیا اور امیر المومنین کی سوانح حیات کے بعد ہی ان کی داستان لکھنے کے قول و قرار کئے۔ مختلف امراء کی محافل میں بیٹھنے کے بعد اسے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے بارے میں بیش قیمت معلومات حاصل ہوگئیں، وہ اگر انہی کے بل بوتے پر کوئی تالیف کرتا تو بڑا انعام و اکرام پاتا مگر اس کی منزل کچھ اور تھی۔ بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب وہ امراء کی بھرپور سفارش پر سلطنتِ اسلامیہ کے نائب سلطان اور سلطان بیبرس کے خاص معتمد امیر فخر الدین لقمان تک پہنچ گیا۔ امیر فخر الدین لقمان خود بڑا علم دوست اور مہربان شخص تھا۔ وہ تعلیم و تدریس کے میدان میں خصوصی مراعات دیا کرتا۔ وہ مطیع الدین سے مل کر بے حد خوش ہوا۔ مختلف امور پر گفتگو کے بعد مطیع الدین نے اپنے مدعا کا برملا اظہار کیا کہ وہ خلیفہ الحاکم بامراللہ سے مل کر اس کی زندگی کے اہم واقعات سننے کا خواہش مند ہے تاکہ وہ اپنی تالیف کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ امیر فخر الدین لقمان نے بلا ہچکچاہٹ اسے امیر المومنین سے ملاقات کا عندیہ دے دیا۔ ایک شاہی نامے پر مہر لگا دی گئی جس کی رُو سے وہ بلا روک ٹوک دربار خلافت میں آ جا سکتا تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے اسے یہ کڑی ہدایت کی کہ اگر اس نے دربار خلافت اور مملوک حکومت کے درمیان کسی قسم کی غلط فہمی کی فضا پیدا کرنا چاہی تو اس کے خلاف کڑی تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ مطیع الدین نے اپنی جانب سے غیر جانبداری کا بھرپور یقین دلایا اور وعدہ کیا کہ اس کی جانب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی۔

قصرِ خلافت میں داخلے کا نامہ پا کر مطیع الدین بے حد مسرور ہوا۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں۔ وہ لاشعوری طور پر فدائیت کے نقش قدم پر چلتا جا رہا تھا۔ فدائی شیخ الرئیس اپنے ساتھیوں کو اپنے ڈھب پر لانے کے لئے کئی طرح کے جتن کیا کرتا تھا مگر مطیع الدین، گل وقوژ کی محبت میں ایسا دیوانہ ہو چکا تھا کہ وہ بغیر کسی جتن کے وہی سب کرنے کی تیاری کر رہا تھا جس کی فدائیت کو اس وقت اشد ضرورت تھی۔ مطیع الدین جب پہلی بار دربارِ خلافت میں پہنچا تو وہاں کی دلکش و دلفریب فضا کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ دربارِ خلافت کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ اس نے امیر المومنین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کا منشاء سن کر بے حد خوش ہوا اور اس نے مختلف نشستوں میں اپنے تلخ ماضی کے حالات بیان کرنے کا وعدہ کیا۔ مطیع الدین نے خلیفہ الحاکم بامراللہ کے ساتھ باقاعدہ نشست اختیار کر لی۔ وہ قلمدان اور کاغذ ساتھ لئے پھرتا کہ جونہی خلیفہ کا ذہن ماضی کی جانب لپکے تو وہ عکس حالات کو ورقِ قرطاس پر اُتارتا رہے۔ خلیفہ الحاکم بامراللہ اس کی ذہانت اور قابلیت سے بے حد متاثر تھا، اس نے مطیع الدین کے رہنے کے لئے قلعہ جبل کے ایک مہمان خانے کو اس کے لئے مختص کر دیا۔ مطیع الدین سرائے کو خیرباد کہہ کر وہیں آ بسا۔ اس کے خیال میں یہی اصل کامیابی تھی کہ وہ محل خلافت میں مستقل مقیم ہو چکا تھا اب کسی بھی وقت وہ اپنے منصوبے کو حتمی شکل دے سکتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر مہمان خانے کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک شناسا صورت پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لئے وہ اسے پہچان نہ سکا مگر جونہی اس کا نام اس کے ذہن میں نمودار ہوا تو وہ فرطِ مسرت سے اس کی جانب لپکا۔ وہ شناسا چہرہ بھی قلعہ جبل میں مطیع الدین کی صورت دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے دم بخود رہ گیا۔

❀ ❀ ❀

امیر سیف الدین قلادون الفی بلادِ شام و عراق میں سلطان بیبرس کی جانب سے منتظم مقرر تھا۔ امیر قلادون الفی اور سلطان بیبرس میں یہ چیز مشترک تھی کہ دونوں کا مولد دشت قپچاق ہی تھا۔ اسے ایوبی امیر آقسنقر نے سلطان الملک الصالح نجم الدین ایوب کے لئے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کی عرفیت الفی پڑ گئی تھی۔ سلطان الملک الصالح نے اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے 647ھ میں آزاد کر دیا تھا۔ اسی وقت سے اس نے اپنے تئیں ترقی کی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ سلطان بیبرس نے اپنے ابتدائی دور میں اس کی جوانمردی اور شجاعت سے متاثر ہو کر اسے مملوک افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔ امیر قلادون الفی نے تاتاریوں کے خلاف مہم جوئی میں بے مثال اور غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا تو سلطان بیبرس نے خوش ہو کر بلادِ شام و عراق کا تمام انتظام اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ امیر قلادون الفی نے بلادِ شام و عراق کا انتظام اس خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل پہنچایا کہ خراساں کی ایل خانی حکومت اور بالائی سرحدی صلیبی مفسدوں میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ بلادِ شام و عراق کا رُخ کرتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ امیر قلادون الفی کی قابلیت اور اعتماد نے سلطان بیبرس کو اس جانب سے بالکل بے فکر سا کر دیا۔

669ھ بمطابق 1270ء کے اواخر میں سلطان بیبرس کو ایسی اطلاعات موصول ہوئیں جن سے امیر قلادون الفی کی حیثیت بلادِ شام میں خاصی مستحکم دکھائی دی۔ اس کے علاوہ اس نے کئی ایسے اہم اقدامات بھی اُٹھائے جن کی پیشگی خبر سلطان بیبرس کو نہیں دی گئی۔ سلطان بیبرس کے خیر خواہ ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ امیر قلادون کی جانب سے اتنی زیادہ بے فکری مناسب نہیں ہے، اس سے پہلے کہ سرکشی کی فضا پیدا ہو، اسے قاہرہ بلوا لیا جائے اور بلادِ شام کا انتظام کسی دوسرے کے سپرد کر دیا جائے۔ سلطان بیبرس امیر قلادون الفی کی

قابلیت کا بے حد معترف تھا۔ اس نے فوری طور پر کوئی ایسا قدم اُٹھانا مناسب نہیں سمجھا جس سے نہ صرف امیر قلادون الفی بدظن ہو جاتا بلکہ بلادِ شام کے انتظام میں بھی خلل پیدا ہو جاتا۔ اس نے اپنے روحانی بزرگ شیخ عزالدینؒ سے اس ضمن میں مشورہ طلب کیا۔ شیخ عزالدینؒ اس کی پریشانی سن کر مسکرا دیئے اور انہوں نے اسے امیر فارس الدین اقطائی کا حسن سلوک یاد دلایا۔ سلطان بیبرس یہ سن کر یوں مطمئن ہو گیا جیسے کوئی پریشانی ہی باقی نہ رہی ہو۔ امیر فارس الدین اقطائی سلطان بیبرس کا رفیق، محسن اور لڑکپن کا ساتھی تھا، اس کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا ہونے پر سلطان بیبرس نے اس کی بیٹی کو اپنی بیوی بنا کر ہر قسم کے خدشات کو ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس نے امیر فخرالدین لقمان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ خود دمشق جا کر امیر قلادون الفی سے ملاقات کرے اور اس کی سات سالہ بیٹی کا رشتہ سلطان بیبرس کے بارہ سالہ بیٹے الملک السعید ناصرالدین کے لئے مانگے جو کہ سلطنت اسلامیہ کا ولی عہد بھی تھا۔ امیر فخرالدین لقمان جسے گفتگو کے فن میں بلا کا ملکہ حاصل تھا، وہ سیدھا دمشق پہنچا اور نہایت خوبصورتی سے سلطان بیبرس کا مدعا امیر قلادون الفی کے سامنے پیش کیا۔ امیر قلادون الفی یہ سن کر دم بخود رہ گیا۔ وہ سلطان بیبرس کی فرمائش پر انکار نہ کر سکا اور 670ھ کے اوائل میں ہی یہ نیا رشتہ ہمیشہ کے لئے وجود میں آ گیا۔ اس نکاح کی تحریر کے لئے علامہ ابن عبدالظاہرؒ کی خدمات لی گئیں۔ سلطان بیبرس نے درپیش سنگین خطرے کو اپنی ذہانت سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ امیر قلادون الفی کے ساتھ سمدھیانہ رشتہ داری نے سرکشی اور بغاوت کے تمام خدشات دور کر دیئے تھے۔

❀ ❀ ❀

شیخ ابوراضیاء کسی ضروری کام میں مصروف تھا کہ اسے خبر دی گئی کہ اس کا خاص وفادار غلام فوری طور پر اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ شیخ ابوراضیاء یہ سن کر چونک سا گیا۔ اس نے اس کام کو بیچ میں ہی چھوڑ کر فوری طور پر اسے بلوا لیا۔ وفادار غلام دھیمے انداز میں اندر چلا آیا اور مؤدب انداز میں خاموش کھڑا ہو گیا۔ شیخ ابوراضیاء نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو کہ فرطِ جذبات میں ڈوبا ہوا دکھائی دیا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ غلام کوئی خاص خبر لایا ہے اور اسے سنانے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔ شیخ ابورضیاء نے توقف کے بعد اس سے آمد کی وجہ دریافت کی تو اس نے عجلت میں بتایا کہ شیخ الرئیس کو شیخ ابوراضیاء پر کوئی شک ہو گیا ہے اور اس نے کچھ ہی دیر پہلے اپنے دو خاص غلام اس کی خفیہ نگرانی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں جو آج سے ہی اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں لے لیں گے۔ شیخ ابوراضیاء یہ انہونی خبر سن کر بوکھلا سا گیا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا، اسی لئے اس نے غلام سے دوبارہ اپنی بات دہرانے کا حکم دیا۔ غلام نے فوری طور حکم کی تعمیل کر دی۔ شیخ ابوراضیاء نے اس سے شک کی وجہ بھی دریافت کرنا چاہی مگر وہ اس ضمن میں کچھ بھی بتانے سے قاصر رہا۔ شیخ ابوراضیاء نے اسے فوری طور پر اپنی جگہ واپس جانے کے لئے کہا جہاں اسے تعینات کیا گیا تھا تاکہ کوئی دوسری خبر مل سکے اور خود گہری سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے کانوں میں گل وقوژ کے جملے گونجنے لگے کہ ''اس کا وقت بھی قریب ہی ہے''۔ وہ اپنے تئیں یہ جائزہ لینے لگا کہ اس سے ایسی کون سی حرکت سرزد ہوئی ہے جس کے باعث شیخ الرئیس اس کو شک بھری نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا جب وہ سوچ سوچ کر تھک سا گیا تو اسے یقین آنے لگا کہ گل وقوژ کا کہنا درست ہی ہے کہ شیخ الرئیس کامیابی کی منزل کو قریب پا کر تمام ساتھیوں کو راہ سے ہٹا دینا چاہتا ہے جو کہ اس کی سابقہ زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔ اب اسے شیخ ابونصر اور مطیع الدین کی ہلاکت کی کڑیاں بھی اسی ربط سے ملتی ہوئی محسوس ہوئیں وہ کوئی ایسی حرکت بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جس سے شیخ الرئیس کے شک کو مزید تقویت ملتی مگر وہ یہ سوچ کر لرز گیا کہ اس کی

خاموشی ہی ایک دن اس کی موت کا سبب بن جائے گی۔ اسے اپنی جان بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا ہوگا۔ اسی لمحے اسے گل دتوڑ کا خیال آیا جو کہ آج رات آنے کا کہہ گئی تھی، وہ بے قراری کے عالم میں پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شیخ الرئیس کے مخبروں کی نظر گل دتوڑ پر پڑ گئی تو پھر حقیقتاً وہ شیخ الرئیس کی نظروں میں مجرم گردانا جائے گا۔ وہ گل دتوڑ کو آنے سے روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گل دتوڑ قلعہ کے کس حصے میں چھپی ہوئی ہے؟ وہ دل میں دعائیں کرنے لگا کہ گل دتوڑ اس سے نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔

یہ خوفناک خبر اس کے اعصاب پر بری طرح سے چھا گئی اور اس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس کو کسی کل بھی قرار نہیں مل پایا۔ وہ بے قراری کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ وہ جس کام میں کچھ دیر پہلے تک مصروف تھا اسے بھی فراموش کر چکا تھا۔ دن کا باقی تمام حصہ اسی پریشانی میں گزرا۔ وہ کئی بار کمرے سے باہر نکل کر بے مقصد ٹہلتا رہا اور گرد و پیش میں جھانکتا رہا کہ شاید شیخ الرئیس کے مخبر غلاموں پر نظر پڑ جائے مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اسی اثناء میں رات کی تاریکی پھیلنے لگی۔ جوں جوں اندھیرے کا غلاف دبیز ہوتا گیا اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ گل دتوڑ کی آمد اس کے دل و دماغ پر بری طرح چھا گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا قلعے کی فصیل کے کنارے پر جا پہنچا۔ ہوا کے تھپیڑے بھی اس کے چھوٹنے والے پسینے کو روکنے میں ناکام دکھائی دیئے۔ کافی دیر تک وہ وہیں موجود رہا۔ کھڑے کھڑے بدن اکڑنے لگا تو اسے تکان کا احساس ہوا۔ اپنے کمرے کا خیال آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہونا شروع ہو گئے۔ وہ خود سے نبرد آزمائی میں مصروف تھا کہ وہ کمرے میں جائے یا نہ جائے۔ بالآخر اس کے قدم خود بخود کمرے کی جانب اٹھنے لگے۔ جوں جوں اس کا کمرہ نزدیک آ رہا تھا، اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوتی چلی گئی۔ وہ لرزتے ہوئے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل بار بار اسے یہی کہہ رہا تھا کہ وہ واپس چلا جائے، اندر یقیناً گل دتوڑ موجود ہوگی، مخبر اسے یقیناً گل دتوڑ کے ساتھ دیکھ لیں گے۔

شیخ ابوالضیاء نے کسی قدر ہمت کی اور خود کو یہ باور کرانے لگا کہ یہ ضروری تو نہیں کہ واقعی گل دتوڑ اندر موجود ہو۔ مخبروں کی نظروں سے بچ کر وہ اندر کیسے داخل ہو سکتی ہے۔ اس نے دروازے کے پٹ کو آہستگی سے دھکیلا۔ دروازہ مخصوص چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں دیئے کی مدھم روشنی موجود تھی۔ شیخ ابوالضیاء ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔ وہ کمزور اعصاب کا مالک تو نہیں تھا مگر جانے کیوں اس کی تمام ہمت جواب دے گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر وہ تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اسے اپنے عقب میں کسی قسم کی حرکت کا احساس ہوا، اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ اس سے پہلے کہ وہ عقبی جانب گھوم کر دیکھتا، کوئی وزنی چیز اس کے جسم سے ٹکرائی۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہوا غیر متوازن ہو کر زمین پر گرتا چلا گیا۔

❀❀❀

صلیبی سرداروں اور ٹمپلرز کی خاصی بڑی تعداد جزیرہ قبرص میں جمع ہو چکی تھی یہ وہ بھگوڑے تھے جو سلطان بیبرس کے ہاتھوں مختلف مقبوضہ قلعوں کی تباہی و بربادی کے بعد سمندری راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے اور انہوں نے جزیرہ قبرص کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ ان صلیبی گروہوں کا تعلق یوں تو یورپ و قسطنطنیہ سے ہی تھا مگر وہ ایک طویل عرصے سے شام، فلسطین اور لبنان میں مختلف صورتوں میں قابض تھے۔ جب جزیرہ قبرص پر ان کی تعداد خاطر خواہ بڑھ گئی تو انہوں نے سر جوڑ کر آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ نصرانی حکمران اقتدار کی لالچ میں پڑ چکے ہیں اور ان میں اب کوئی بھی صلیبی جہاد کی جانب سنجیدہ نہیں ہے۔ شاہ فرانس

لوئی نہم سے کسی قدر امید تھی مگر وہ افریقہ کے دور دراز ملک میں وبا سے ہلاک ہو چکا ہے۔ مضبوط اور عالی ہمت قیادت کی عدم موجودگی کے باعث نصرانی دن بہ دن کمزور پڑتے جا رہے ہیں اور انہیں زبردستی ارضِ مقدس سے نکالا جا رہا ہے۔ کئی دنوں کے غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ وہ قیادت کے جمہوری طریقہ اپناتے ہوئے رائے شماری کریں اور جو فرد ان میں منتخب ہو اس کی قیادت کو کھلے دل سے قبول کریں۔ چند ہفتوں میں ہی ان میں سے ایک نصرانی لارڈ ہیوک کو سربراہ منتخب کر لیا گیا۔

لارڈ ہیوک نے سب سے پہلے تمام نصرانیوں کی از سر نو تنظیم کی اور انہیں مختلف دستوں میں بانٹ کر جنگی مشقوں میں مصروف کر دیا۔ نصرانیوں کی بڑی تعداد بھٹیوں میں اسلحہ تیار کرنے پر تعینات کی گئی۔ قبرص کے ساحل پر کھڑے پرانے خستہ حال بحری بیڑوں سے لوہے کی میخیں اور دیگر سامان اتار کر بھٹی میں ڈھالا گیا اور کثیر مقدار میں اسلحہ تیار کیا گیا۔ لارڈ ہیوک اپنی نگرانی میں تمام اقدامات کراتا رہا۔ جب اسے صلیبی جنگجوؤں کی صلاحیتوں پر اعتماد ہو گیا تو اس نے برملا اعلان کر دیا کہ وہ اب اس قابل ہو چکے ہیں کہ بلادِ مصر کی مملوک حکومت کے ساتھ ٹکر لے سکیں لہٰذا انہیں سفر کے بحری بیڑوں کی ضرورت ہے۔ اس امر کے لئے انہوں نے قریبی نصرانی ہمسائے اطالیہ سے باقاعدہ مدد مانگ لی۔ اطالیہ کی حکومت ابھی اس حالت میں نہیں تھی کہ اپنا بحری بیڑا ان کے حوالے کر دیتی۔ انہوں نے بحری بیڑوں کے بجائے بڑی تعداد میں کاریگر قبرص بھیج دیئے جو اس نئی نصرانی فوج کو بحری بیڑے تیار کر کے دے سکتے تھے۔

سلطان بیبرس کو قسطنطنیہ میں مقیم مخبروں نے قبرص کے حالات کے بارے میں اور نئے صلیبی جہاد کی تیاری کی خبر بھیجی۔ سلطان بیبرس نے دوسرے ذرائع سے قبرص کے حالات کی تصدیق کی تو یہ واضح ہو گیا کہ قبرص سے صلیبی لشکر بہت جلد روانہ ہونے والا ہے۔ سلطان بیبرس نے صلیبی جہاد کے اس سلسلے کو روکنے کے لئے کڑا اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا تا کہ آئندہ کسی دوسری نصرانی حکومت کو صلیبی جہاد کی آواز بلند کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ سلطان بیبرس دمیاط پہنچا اور دار الصناعۃ کا بھرپور جائزہ لیا۔ اسلامی بحری بیڑہ بالکل تیار ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ جزیرہ روضہ اور اسکندریہ کے دوسرے بحری کارخانوں میں بھی گیا۔ بحری بیڑے کی تیاری مکمل پا کر اس نے تمام جہازوں کو سمندر میں اتار دیا۔ چھوٹی کشتیوں کے ذریعے سامان رسد اور گھوڑے جہازوں میں پہنچائے گئے۔ یہ جہاز چوبی تختوں سے تیار کئے گئے تھے جنہیں لوہے کی مضبوط میخوں سے جڑا گیا تھا انہیں ڈنڈوں اور بادبانوں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ بحری سفر اور لڑائی کے لئے تیار کی گئی مخصوص فوج کو جہازوں میں منتقل کیا گیا۔ چوراسی چھوٹے بڑے جہازوں کا یہ بیڑہ اپنے ساتھ سات ہزار تربیت یافتہ لشکر کو لے کر 669ھ میں قبرص کے لئے روانہ ہوا۔ اس مہم کی قیادت مشہور سالار امیر البحر یحییٰ بن قابوس قطریزی کے سپرد کی گئی۔ سلطان بیبرس نے چلتے وقت انہیں کڑی ہدایت کی کہ وہ قبرص میں موجود نصرانی لشکر کو اس طرح تباہ و برباد کر دیں کہ ان کی مثال تمام نصرانی دنیا کے لئے عبرت کی مثال بن کر رہ جائے تا کہ کوئی دوسرا سلطنت اسلامیہ کی جانب دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔

سلطان بیبرس کے کڑے اقدامات کی خبر قبرص میں موجود صلیبی جنگجوؤں تک پہنچی تو ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ نصرانی سپاہی سراسیمہ دکھائی دیئے۔ لارڈ ہیوک نے ان کی ہمت بندھائی اور بزدلانہ رویئے کی مذمت کرتے ہوئے بحری بیڑے کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ انہی دنوں موسم میں تبدیلی پیدا ہوئی اور بارشوں اور تیز ہواؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس سے عسکری تیاریوں کے عمل میں خلل پڑنے لگا۔ اتفاقاً اس عسکری تیاری کے دوران ہی لارڈ ہیوک کی طبیعت میں گرانی پیدا ہوئی اور وہ بیمار ہو کر بستر سے جا لگا۔ یہ دیکھ کر

نصرانی سپاہیوں کی حوصلہ شکنی ہونے لگی۔ لارڈ ہیوک نے انہیں تسلی دیتے ہوئے خوف دہراس سے بچنے کی نصیحت کی۔ دوسری طرف شومئی قسمت اسلامی بحری بیڑا آدھے راستے میں ہی زبردست سمندری طوفان کا شکار ہوگیا۔ امیر البحر یحیٰی قطریزی نے بتیری کوششیں کیں کہ وہ اس سمندری طوفان سے بچ کر نکل جائے مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔ ملاحوں نے اسے بچانے کے لئے بڑا زور مارا لیکن قضاء کے سامنے کچھ پیش نہ چلی اور سوائے دو چھوٹے جہازوں کے تمام جہاز سمندر کی بھینٹ چڑھ گئے۔ لشکر کا کثیر ترین حصہ اس ناگہانی آفت کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا دستہ ان دونوں جہازوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ سلطان ببرس کو جب سمندری طوفان اور بحری بیڑے کی تباہی کی خبر دی گئی تو اسے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ کئی دن تک پریشانی کے عالم میں ڈوبا رہا۔ یہ سانحہ سلطان ببرس کے لئے سخت صبر آزما تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور فوری طور پر تمام بحری کارخانوں میں نئے بحری بیڑے کی تیاری کا حکم صادر کر دیا۔ پُر جوش انداز میں نیا بحری بیڑا تیار کیا جانے لگا۔

قبرص میں جلد ہی اسلامی بحری بیڑے کی تباہی کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے مسرت کے اظہار میں زبردست جشن منایا مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ پایا کیونکہ لارڈ ہیوک بیماری کے عالم میں ہی مر گیا۔ جشن سوگ میں تبدیل ہوگیا۔ لارڈ ہیوک کی موت کے بعد جب قبرص کی نصرانی حکومت کو نئے اسلامی بحری بیڑے کی تیاری کی خبر ملی تو وہ خوف وگھبراہٹ سے بوکھلا اُٹھے۔ انہوں نے فوری طور پر صلیبی جہاد کو خیرباد کہتے ہوئے دوستی کے لئے سفارت قاہرہ روانہ کر دی شاید انہیں یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگر وہ اب بھی اپنی سابقہ روش پر ڈٹے رہے تو سلطان ببرس ان کے ساتھ دوبارہ وہی سلوک کرے گا جو کچھ عرصہ پہلے ارض مقدس میں کر چکا تھا۔ وہ جزیرہ قبرص کے بعد کسی دوسری جائے پناہ کو اپنے لئے زیادہ مفید نہیں سمجھتے تھے۔

❁ ❁ ❁

وہ شناسا چہرہ مطیع الدین کو یوں حدودِ خلافت میں پا کر دم بخود دکھائی دیا۔ مطیع الدین بھی اسے پہچان چکا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں، اس کا مصری ہمدرد ''ارزق'' تھا جو ہلکے زرد رنگ کی قیمتی پوشاک پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ بالآخر مطیع الدین نے ہی اس چھائے ہوئے سکوت کو توڑا۔

''میرے دوست! تم مجھے سرائے میں پھینک کر کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

''میں کچھ مصروف تھا مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ارزق نے حیرت سے دریافت کیا۔

''میں یہاں امیر المومنین کی زندگی پر ایک کتاب لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ مطیع الدین نے وضاحت کی تو ارزق کی آنکھوں میں شکوک وشبہات ابھر آئے۔

''یہ سلسلہ کب سے شروع کیا تم نے...... مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے تم تو شاید سپاہی تھے''۔ ارزق الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ بے یقینی کے سائے اس کے چہرے پر لرز رہے تھے۔

''بس سرائے میں بے کار بیٹھے رہنے پر بوریت ہونے لگی تھی سوچا کہ مجھے کچھ کرنا چاہئے، ایک دن اتفاقاً چند لوگوں سے ملاقات ہوگئی جو کہ امیر المومنین کا قصہ چھیڑے بیٹھے تھے، ان کی باتیں سن کر خیال آیا کہ کیوں ان قصوں کو ہی جمع کر لیا جائے۔ باہر سے تو کچھ زیادہ معلومات نہ مل پائیں تو یہ فیصلہ کیا کہ امیر المومنین سے براہ راست ہی ان کے زندگی کے حالات سنے جائیں، بس یہی خیال مجھے یہاں کھینچ لایا''۔ مطیع الدین نے تفصیل سے بتایا۔ اس کی بات سن کر ارزق کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ مطیع الدین کی بات سے مطمئن نہیں ہو پایا۔

''تالیف وتصنیف کا کام بھی تم کر سکتے ہو، یہ انکشاف میرے لئے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ بہر حال تمہیں قصر خلافت میں داخل ہونے کی اجازت کس سے ملی؟'' ارزق نے پوچھا۔

''نائب السلطنت امیر فخر الدین لقمان سے......'' مطیع الدین نے مختصراً کہا۔

''میری تم سے جب پہلی ملاقات ہوئی تھی، تم شاید کسی مہم سے واپس لوٹ رہے تھے؟''

''ہاں ان دنوں میں قلعہ الموت میں برقائی خان کی جانب سے گیا ہوا تھا مگر تم نے یہ سوال کیونکر پوچھا؟'' مطیع الدین حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

''قلعہ الموت......!'' ارزق نے خود کلامی کی اور کچھ سوچنے لگا پھر توقف سے بولا۔ ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے قلعہ الموت تو فدائیوں کے قبضے میں ہوا کرتا تھا......''

''بالکل! وہاں فدائی قابض تھے مگر ایل خانی حکمران ہلاکو خان کی لشکر کشی کے باعث وہ ان کے ہاتھوں نکل گیا تھا۔ میں اس وقت وہیں موجود تھا اور میں نے ہی فدائیوں کے شیخ الرئیس کو وہاں سے نکلنے میں مدد کی تھی، اسے شام کی جانب چھوڑ کر جب واپس سرائے لوٹ رہا تھا تو اسی وقت میری تم سے ملاقات ہوئی تھی''۔ مطیع الدین نے اپنی بات مکمل کی۔ وہ اس موقعے پر فدائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی قدر پریشان بھی تھا۔ ارزق اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا، وہ جلد ہی بھانپ گیا کہ مطیع الدین کا تعلق کسی نہ کسی واسطے سے فدائیوں سے بھی ہے۔

''اس لڑکی کا کچھ پتہ چلا کیا نام تھا اس کا......؟'' ارزق ماتھے پر انگلی ٹھونکنے لگا۔

''کون سی لڑکی......؟'' مطیع الدین اچانک غیر متوقع سوال پر بوکھلا سا گیا۔

''وہی لڑکی......جس کا تذکرہ موٹا فوکتا جو خان کر کے تمہیں چھیڑتا رہا تھا''۔ ارزق بولا۔

''گل وتوڑ!'' مطیع الدین کے منہ سے لاشعوری انداز میں پھسل گیا۔

''ہاں......ہاں! گل وتوڑ......وہ شاید فدائیوں کے قبضے تھی''۔ ارزق جلدی سے بولا۔

''یہ تمہیں کس نے کہا؟'' مطیع الدین کا رنگ فق ہونے لگا۔

''کیا بھول گئے ہو تم! تمہی نے تو مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا''۔ ارزق نے کہا۔

''تمہاری یادداشت بڑی طاقتور ہے''۔ مطیع الدین جھینپ سا گیا۔

''میرا سوال تو بیچ میں ہی رہ گیا''۔ ارزق ہنس کر بولا۔

''کوشش تو بڑی کی تھی مگر کوئی کامیابی نہیں ہو سکی''۔ مطیع الدین آہستگی سے کہا۔ اس کے لہجے کا کھوکھلا پن اس کے جھوٹ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ ارزق اس کی بات پر غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہیں مجھ سے یہ جھوٹ بولنے کی کیونکر ضرورت پیش آئی''۔ ارزق گہرے لہجے میں بولا۔

''کک......کیا......مطلب؟'' مطیع الدین گڑبڑا سا گیا۔

''تمہاری متغیر کیفیت سے میں جان چکا ہوں کہ گل وتوڑ کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو چکی ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ تمہارے مصنوعی لہجے سے مجھے کسی سازش کا احساس ہو رہا ہے۔ قصر الخلافت میں تمہارا دکھائی دینا بھی کسی بڑے خطرے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بہتری اسی میں ہوگی کہ تم صاف صاف بتاؤ کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' ارزق کا لہجہ یکلخت سرد ہو گیا۔

''دیکھو ارزق! میں سابقہ دوستی کے باعث تمہارا لحاظ کر رہا ہوں اور تم سراسر بدتمیزی پر اُتر آئے ہو۔

مناسب یہی ہوگا کہ تم یہاں سے چلتے بنو، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے امیر المومنین سے تمہاری شکایت کرنا پڑے''۔ مطیع الدین بگڑتے ہوئے بولا۔

''مطیع الدین! تمام حالات وبیانات اس طرف اشارہ کررہے ہیں کہ تمہارا تعلق فدائیوں سے جڑا ہوا ہے۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم بھی فدائی ہی ہو۔ میں دوستی کے ناطے ہی سے یہ سوال کررہا ہوں کہ تم یہاں کررہے ہو......'' ارزق کا لہجہ بدستور سرد تھا۔

''ارزق! تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، نہ تو میں فدائی ہوں اور نہ ہی میرا اب اُن سے کوئی تعلق ہے''۔ مطیع الدین نے نرمی سے جواب دیا۔

اسی لمحے قصر خلافت کا ایک محافظ وہاں پہنچا اور اس نے جھک کر ارزق کو تعظیم دی۔ مطیع الدین یہ دیکھ کر حیران وپریشان رہ گیا۔ ارزق نے محافظ پر تیز نگاہ ڈالی اور وجہ آمد دریافت کی۔

''سلطانِ محترم! امیر المومنین کو آپ کی آمد کی خبر ہو چکی ہے، انہوں نے کہلوا بھیجا ہے کہ وہ اپنے خاص کمرے میں آپ کے منتظر ہیں''۔ محافظ نے کہا۔ ارزق نے اثبات میں سر ہلایا۔ مطیع الدین محافظ کی بات سن کر دم بخود رہ گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارزق کو سلطان کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے وہ کوئی سوال کرتا......ارزق خود ہی بولا۔ ''محافظ! مطیع الدین کو حراست میں لے لو اور فی الحال قلعہ کے زنداں میں پہنچا دو۔ اگلا حکم بعد میں دیا جائے گا''۔

مطیع الدین یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ محافظ نے حکم پاتے ہی مخصوص انداز میں تالی بجائی تو مختلف اطراف سے کئی محافظ سپاہی نکل آئے۔

''مطیع الدین! تمہیں یہ جان کر یقیناً صدمہ پہنچے گا میرا نام ارزق نہیں بیبرس ہے اور میں بلادِ اسلامیہ کا سلطان ہوں اور سلطان ہونے کے ناتے میرا فرض بنتا ہے کہ میں ہر مسلمان کی جان کی حفاظت کروں۔ تمہاری قصرِ خلافت میں موجودگی امیر المومنین کی زندگی کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے اس لئے تمہیں زنداں میں ہی آرام کرنا ہوگا۔ اگر تم مجھے سچ بتانا چاہو تو میں دوستی کے عوض بھلائی کرنے میں ذرا تاخیر نہیں کروں گا''۔

مطیع الدین کے لئے یہ انکشاف کسی صدمے سے کم نہ تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سلطان بیبرس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس موقعے پر کیا کہے؟ سلطان بیبرس کے اشارے پر محافظ اسے کھینچتے ہوئے زنداں کی جانب لے جانے لگے۔

1270ء کے اواخر میں شاہ قسطنطنیہ کلیمنٹ کے جارحانہ وعظ کا سلسلہ عروج پکڑ گیا۔ شاہ قسطنطنیہ کو شاہ فرانس لوئی نہم کی ناگہانی موت کا شدید صدمہ تھا۔ شاہ لوئی نہم کی صورت میں قسطنطنیہ کو بڑا تحفظ حاصل تھا کیونکہ شاہ لوئی نہم کا دل نصرانیت کی بقاء کے لئے دھڑکتا تھا۔ اس کی موت کے بعد شاہ قسطنطنیہ کو نصرانیت کا وجود خطرے سے دوچار دکھائی دینے لگا۔ وہ خاصا دوراندیش انسان تھا، اسے بخوبی معلوم تھا کہ اگر اس کڑے وقت میں وہ کسی دوسرے معاون کو اپنے ساتھ کھڑا نہ کر سکا تو وہ وقت زیادہ دور نہیں ہوگا کہ جب سلطان بیبرس کی فوجیں قسطنطنیہ کی فصیلوں کے ساتھ آن کھڑی ہوں۔ اس نے تمام یورپی فرمانرواؤں کو اشتعال آمیز خطوط لکھے۔ شاہ قسطنطنیہ کے واویلے پر نصرانی فرمانرواؤں کے کان پر تو جوں نہیں رینگی البتہ دو انگلستانی لارڈ، وارِدک (Warwick) اور پمبروک (Pembrok) مذہبی خدمت کی انجام دہی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے شاہ انگلستان ہنری سوم سے باقاعدہ اجازت طلب کی کہ وہ صلیبی جہاد میں شمولیت چاہتے

ہیں۔ شاہ انگلستان نے انہیں نہ صرف اجازت دے دی بلکہ کثیر مالی معاونت کا اعلان کرتے ہوئے ان کے جذبے کو بے حد سراہا۔ اتفاقیہ طور پر اس دن انگلستان کا ولی عہد شہزادہ ایڈورڈ بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ لارڈ وارِدک اور لارڈ پمبروک کے مذہبی جذبے سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے شاہ انگلستان سے برملا اظہار کر دیا کہ وہ اس صلیبی جہاد کی مہم کی قیادت کرنے کا خواہشمند ہے۔ شاہ انگلستان اسے ارضِ مقدس میں روانہ کرنے میں ہچکچاہٹ سے دوچار تھا اور معاملے کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگا مگر شہزادہ ایڈورڈ کی ضد نے اسے مجبور کر دیا۔ اس نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے شہزادہ ایڈورڈ کے حوالے کیا۔ شہزادہ ایڈورڈ، دونوں نوابوں وارِدک اور پمبروک کے ساتھ انگلستان سے نکلا۔ شاہ قسطنطنیہ کو جب شہزادے کی صلیبی جہاد کی خبر ہوئی تو اس نے اسے دعاؤں اور مبارکباد کے تحائف سے نوازا اور اسے دائمی نجات کی خوشخبری سنائی۔

1270ء کے اواخر میں شہزادہ ایڈورڈ شان وشوکت اور جاہ وجلال سے ارضِ مقدس کے لئے روانہ ہوا۔ وہ تیز رفتاری سے بڑھتا ہوا سیدھا صقلیہ پہنچا۔ صقلیہ میں اس نے دو ماہ تک قیام کیا اور ارض مقدس کے حالات وآب وہوا کے بارے میں اہم معلومات حاصل کیں۔ شہزادہ ایڈورڈ کے صلیبی جہاد کی خبر ہر سو پھیل چکی تھی۔ صلیبی مفرور سپاہی اس کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے اور اس کے لشکر کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ صقلیہ سے نکل کر وہ سیدھا عکہ پہنچا۔ یہاں کے صلیبی سرداروں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔ شہزادے ایڈورڈ کے لئے قلعہ عکہ میں قیام وطعام کا خصوصی بندوبست کیا گیا جبکہ تمام لشکر کو قلعہ کے بیرونی میدان میں ٹھہرایا گیا۔

سلطان بیبرس کو فی الفور نئے صلیبی لشکر کی آمد کی خبر پہنچ گئی۔ سلطان بیبرس وقت ضائع کئے بغیر تن تنہا گھوڑے پر سفر کرتا ہوا عکہ جا پہنچا اور نصرانی بہروپ بدل کر تمام لشکر میں گھومتا رہا۔ لشکر کی تعداد اور دیگر معلومات کے حصول کے بعد سلطان بیبرس کو آسانی سے معلوم ہو گیا کہ شہزادہ ایڈورڈ انتہائی عیاش اور شراب کا رسیا ہے، اس کی جانب سے فوری طور پر لشکر کشی کی توقع نہیں ہے۔ قلعہ کے شاہی محل میں وہ شباب وشراب میں اتنا مست ہے کہ اسے یہ یاد نہیں کہ وہ ارض مقدس پر کس مقصد کے لئے آیا ہے؟ سلطان بیبرس اس کی جانب سے مطمئن ہو کر خاموشی سے واپس قاہرہ لوٹ گیا۔

شہزادہ ایڈورڈ شراب کی زیادتی اور موسم کی تبدیلی کی تاب نہ لاتے ہوئے شدید بخار میں مبتلا ہو گیا۔ کئی ہفتوں تک سلسلہ علاج جاری رہا۔ بڑی مشکل سے بخار سے جان چھوٹی تو شراب وشباب کا منقطع سلسلہ دوبارہ جاری ہو گیا۔ نوابان وارِدک اور پمبروک نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ وہ شہزادے ایڈورڈ کی توجہ صلیبی جہاد کی جانب مبذول کرائیں مگر ان کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ جنوری 1271ء میں شہزادے ایڈورڈ کے پاس فدائیوں کی جانب سے ایک سفارت پہنچی۔ قاصد نے تعظیم کے بعد مراسلہ شہزادے ایڈورڈ کو تھمایا۔ اس سے پہلے کہ شہزادہ ایڈورڈ مراسلہ کھول پاتا۔ فدائی قاصد نے بلا کی تیزی سے خنجر نکالا اور شہزادے کی پسلی میں گھونپ دیا۔ صلیبی محافظوں نے فوری طور پر فدائی قاصد کو ہلاک کر دیا اور شہزادے کو طبی امداد پہنچائی۔ بعد میں مراسلہ کا معائنہ کیا گیا تو وہ بالکل کورا نکلا۔ شہزادہ ایڈورڈ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ کئی ماہ تک وہ زیر علاج رہا۔ شہزادے کی حالت کی خبر جب انگلستان پہنچی تو شاہ ہنری سوم تڑپ گیا اس نے فوری طور پر شہزادے کو واپس انگلستان لوٹنے کا حکم دیا۔ شہزادہ ایڈورڈ کئی ماہ بعد تندرست ہوا تو اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ چودہ ماہ کی اس بھاگ دوڑ میں اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اس نے ارض مقدس میں قیام کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے اور صلیبی جہاد کو خیر باد کہتے ہوئے فوری طور پر اپنی واپسی کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر صلیبی سپاہیوں کو سخت

صدمہ اور مایوسی ہوئی اور وہ بکھر کر رہ گئے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ شہزادہ ایڈورڈ کی ارضِ مقدس میں موجودگی اور بھرپور نصرانی لشکر سے اسلامی مقبوضات کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اگر وہ شراب و شباب کے قضیوں میں نہ الجھتا تو یقیناً ارضِ مقدس پر مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان ایک خوفناک اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاتی۔

شہزادہ ایڈورڈ کی موجودگی کے باوجود صلیبی سرداروں اور نصرانی فوج میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے تئیں آگے بڑھ کر کسی بھی اسلامی مقبوضات پر دست درازی کرتے۔ سلطان بیبرس تمام صورتِ حال پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے خود آگے بڑھ کر صلیبی لشکر پر حملہ نہیں کیا تھا۔ شہزادہ ایڈورڈ کا ناکام و نامراد واپس لوٹنا مسلمانوں کے لئے نیک شگون تھا۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابوراضیاء کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی ناکام سی کوشش کی۔ اسی لمحے اسے محسوس ہوا کہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے جو اس وزنی شے کو اس کے جسم سے ہٹا رہا تھا۔ وزنی شے کے ہٹتے ہی شیخ ابوراضیاء سیدھا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اس وقت حیرت و خوف سے کھلی رہ گئیں جب اسے اپنے پہلو میں ایک لاش دکھائی دی۔ اس نے چونک کر سامنے دیکھا تو وہاں گل وقوژ کا سراپا دکھائی دیا۔ شیخ ابوراضیاء کی حالت غیر ہونے لگی۔ گل وقوژ کا ہاتھ اس کی جانب بڑھا تو اس نے غیر شعوری انداز میں اسے پکڑ لیا۔ گل وقوژ نے مخصوص انداز میں اسے جھٹک کر کھینچا تو اس کا جسم اوپر اُٹھتا چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' شیخ ابوراضیاء بمشکل بولا۔

''وہی...... جس کی جانب میں نے کل رات اشارہ کیا تھا۔ یہ شیخ الرئیس کا خاص وفادار ہے جو مخصوص حصے میں موجود تمہاری زندگی کی گھڑیاں گن رہا تھا''۔ گل وقوژ اطمینان سے بولی۔

''تم نے اسے ہلاک کر دیا...... شیخ الرئیس کو پتہ چل گیا تو......'' شیخ ابوراضیاء کے لہجے میں گہرا خوف تھا۔ گل وقوژ اس کی بزدلی پر تلملا کر رہ گئی۔

''اگر شیخ الرئیس کو معلوم ہو بھی گیا تو وہی ہو گا جو اس نے ذہن میں پہلے سے طے کر رکھا ہے یعنی تمہاری موت کا حکم...... شیخ ابوراضیاء تم اتنی چھوٹی سی بات کیوں نہیں سمجھ رہے''۔

''میرا سر پھٹا جا رہا ہے سوچ سوچ کر...... تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟'' شیخ ابوراضیاء لاچاری سے بولا۔ گل وقوژ اس کی بات پر خاموش ہو گئی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

''شیخ ابوراضیاء! میری بات غور سے سنو! ہم دونوں کے سامنے ایک ہی سوال ہے...... تم بھی مرنا نہیں چاہتے اور مجھے بھی مرنے میں جلدی نہیں۔ ہماری زندگی صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب شیخ الرئیس اپنے ارادوں سے باز آ جائے اور یہ ہم دونوں نہیں جانتے کہ ہمارے بعد کون کون لوگ اس کی فہرست میں شامل ہیں جنہیں وہ موت کی نیند سلانے کا خواہش مند ہے''۔

''کک...... کیا کچھ لوگ اور بھی......؟'' شیخ ابوراضیاء کا منہ کھلا رہ گیا۔

''بیچ میں مت بولو...... میں کہہ رہی تھی کہ ایک شخص کی زندگی کے باعث اتنے لوگوں کی زندگی کو خطرہ ہے تو کیوں نہ ہم دونوں مل کر شیخ الرئیس کی زندگی ہی تمام کر ڈالیں''۔ گل وقوژ کا لہجہ پُراسرار ہو گیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ سن کر یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''یہ نہیں ہو سکتا......!!!'' شیخ ابوراضیاء جلدی سے بولا۔

''شیخ ابوراضیاء! سب کچھ ہو سکتا ہے''۔ گل وقوژ الفاظ چبا کر بولی۔

''فدائی ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے''۔

''کیا تم فدائیوں پر قابو نہیں پا سکتے؟'' گل وقوژ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''یہ بڑا مشکل کام ہے''۔

''مشکل کام کرنے میں ہی زندگی کی بچت ہے ورنہ...... موت''۔

''تم جیسا سمجھ رہی ہو ویسا نہیں ہے، بالکل نہیں ہے''۔ شیخ ابوراضیاء آہستگی سے بولا۔

''جب شیخ الرئیس یہاں نہیں تھا تب بھی تم ہی یہاں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے اور تمام فدائی تمہاری بات مانتے تھے''۔ گل وقوژ نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تب کی بات کچھ اور تھی''۔

''ٹھیک ہے تم نہ سہی...... میں خود شیخ الرئیس کو ختم کر دیتی ہوں مگر تمہیں میرے ساتھ عہد کرنا ہو گا کہ تم بعد کے حالات میں میرا ساتھ دو گے اور فدائیوں کے غصے پر قابو پاؤ گے''۔

''گل وقوژ! یہ حماقت ہے اور میں اس حماقت میں تمہارا ساتھ کیسے دے سکتا ہوں''۔

''میں اپنی حماقت میں تمہیں بھی شریک رکھوں گی''۔

''یہ...... کک...... کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''مجھے جب گرفتار کیا جائے گا تو میں فدائی امراء سے صاف کہہ دوں گی کہ میں نے تمہارے کہنے پر ہی شیخ الرئیس کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے''۔ گل وقوژ دوٹوک لہجے میں بولی۔

''یہ سراسر جھوٹ ہے''۔ شیخ ابوراضیاء تڑپ کر بولا۔ اس کا رنگ فق پڑ چکا تھا۔

''مجھے جھوٹ بولنے سے کوئی نہیں روک سکتا''۔ گل وقوژ لاپروائی سے بولی۔

''میں ابھی اسی وقت جا کر سب کچھ شیخ الرئیس کے گوش گزار دوں گا''۔

''وہاں سے تمہاری لاش ہی باہر نکلے گی، شیخ الرئیس مجھے پورے قلعہ میں کہیں نہیں تلاش کر پائے گا کیونکہ اس کی نظر میں میں قلعہ میں داخل ہی نہیں ہوئی...... تمہاری بات جھوٹ ثابت ہو جائے گی''۔

''مجھے اسی وقت تمہیں ہلاک کرنا پڑے گا تاکہ میں اپنی سچائی ثابت کر سکوں''۔

''کوشش کر دیکھو...... جہاں تک مجھے معلوم ہے تم اچھے لڑاکے نہیں ہو''۔

شیخ ابوراضیاء ہاتھ مسلنے لگا اور غصیلی نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا تھکے قدموں سے چلتا ہوا کرسی کی جانب بڑھ گیا اور یوں بیٹھتا چلا گیا جیسے وہ صدیوں کا بیمار ہو۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گل وقوژ جیسی تربیت یافتہ اور مسلح عورت سے جیتنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت بالکل نہتا تھا۔ اسے یہ بھی خوف لاحق تھا کہ اگر وہ گل وقوژ کی بات ماننے سے انکار کرے تو بھی اس کی ذات ملوث ہو رہی تھی اور اگر وہ ساتھ دیتا ہے تو بھی فدائیوں کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اگر وہ شیخ الرئیس پر اعتماد کرتا تو بھی موت اس کا مقدر بنتی اور اگر ایسا نہ کرتا تو بھی وہ ناحق مارا جاتا۔ اس عجیب سی صورتِ حال نے اسے پاگل کر ڈالا تھا۔ وہ اپنے ذہن کے تمام دریچوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں سے کوئی حل نکل پاتا۔

''مجھے تمہاری ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہے مگر میں بھی تمہاری طرح اس کٹھن چکر میں بری طرح پھنس چکی ہوں، اگر شیخ الرئیس کو زندہ چھوڑ دوں تو وہ مجھے زندہ چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ اگر اسے مار دوں تو فدائیوں کے ہاتھوں مجھے بھی مرنا ہو گا۔ اگر تم میرا ساتھ دیتے تو ہم دونوں اس عذاب سے نکل سکتے تھے''۔ گل وقوژ بھی

سانس بھر کر بولی۔

''مجھے تم سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے''۔ شیخ ابوراضیاء مرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ایک ترکیب تو میرے ذہن میں ہے مگر اس پر عمل کرنا میرے لئے مشکل ہے''۔

''وہ کیا......؟'' شیخ ابوراضیاء چونک کر بولا۔

''گمنام والا طریقہ......مگر میں اس سریع الاثر زہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتی''۔

شیخ ابوراضیاء یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کے جسم میں برق بھر گئی ہو۔ اس کا مرجھایا ہوا چہرہ یکدم کھل اُٹھا تھا اور آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

''میں بھی کتنا احمق ہوں، مجھے یہ خیال تو بھول ہی گیا تھا''۔ شیخ ابوراضیاء تیزی سے بولا۔

گل وقوز کا تیر نشانے پر لگا تھا، اس کے چہرے پر خوفناک مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء اب مکمل طور پر اس کی مٹھی میں تھا۔ شیخ الرئیس کی موت زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

فروری 1271ء میں ہر جانب سے صلیبی جہاد کا خطرہ ٹل جانے کے بعد سلطان بیبرس نے فوری طور پر صلیبی جنگجوؤں پر مزید کاری ضربیں لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے فوری طور پر تمام لشکروں کو منظم کیا اور بجلی کی سی تیزی سے قاہرہ سے باہر نکلا۔ مملوک افواج اور مجاہدین کی جماعت سابقہ کامیابیوں کے باعث جہاد کے جذبے سے معمور تھی۔ انہیں بخوبی باور کرا دیا گیا کہ اس مہم کا مقصد صلیبی زنجیر کو پاش پاش کرنا ہے۔ سلطان بیبرس منفرد راستوں سے ہوتا ہوا ارضِ مقدس کی جانب بڑھا۔ سلطان بیبرس کے کوچ کی خبر سنتے ہی صلیبی سرداروں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اسلامی لشکر کی نقل و حرکت اس قدر تیز تھی کہ صلیبی سرداروں کے لئے سلطان بیبرس کے عزائم کو بھانپنا محال تھا۔ وہ اپنے طور پر حفاظتی اقدامات کرتے رہے۔ وہ ابھی اسلامی لشکر کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ سلطان بیبرس ایک طویل چکر کاٹ کر اپنے لشکروں سمیت 24 مارچ 1271ء کو قلعہ حصن الاکراد کے سامنے نمودار ہوا اور آناً فاناً اس کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ حصن الاکراد ایک گول بنجر پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ نہایت زبردست اور مستحکم قلعہ تھا جسے قرون وسطیٰ کے قلعوں میں سب سے زیادہ محفوظ ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ یہ اس شمالی درّے کا پاسبان تھا جو طرابلس کو طرطوس سے اور حماۃ کو حمص سے جوڑتا تھا۔ یہ بہت بڑے میدانی علاقے کے بالکل وسط میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعے میں بیک وقت دو ہزار سپاہی ٹھہر سکتے تھے۔ قلعہ حصن الاکراد طرابلس الشام کے کاؤنٹ کے تصرف میں تھا۔ اس قلعے میں خاص طور پر ہیکلی جنگجو تعینات کئے گئے تھے جو ٹیمپلرز کہلاتے تھے۔

سلطان بیبرس نے نہایت سوچ و بچار کے بعد ہی اس قلعے کا محاصرہ کیا تھا۔ صلیبی جنگجو قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ روزانہ فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی اور اسلامی لشکر کی جانب سے سنگ باری کی جاتی۔ پندرہ دن کی مسلسل لڑائی کے بعد صلیبی جنگجوؤں کو یقین ہو گیا کہ اسلامی لشکر سے مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے فصیل پر سفید پرچم لہرا دیا۔ سلطان بیبرس نے لڑائی روک دینے کا حکم دیا۔ صلیبی سفارت سلطان بیبرس کے پاس پہنچی اور امان کی طالب ہوئی۔ سلطان بیبرس نے صرف اس شرط پر انہیں امان دی کہ وہ فوری طور پر قلعہ خالی کر دیں اور کسی قسم کا کوئی حربی سامان ساتھ نہ لیں، اگر کسی نے غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو

ایک کی پاداش میں تمام افراد کو بلا دریغ تہ و تیغ کر دیا جائے گا۔ ہیکلی جنگجوؤں نے جان بخشی کو غنیمت جان کر فوری طور پر قلعہ خالی کر دیا اور خاموشی سے صور و صیدا کی جانب روانہ ہو گئے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی مرمت کرائی اور اس کی فصیل پر اپنی فتح کا کتبہ لگایا۔ مجاہدین کی دو ہزار فوج کو یہاں مستقل طور پر ٹھہرایا گیا۔ چند دن قلعہ حصن الاکراد میں قیام کرنے کے بعد سلطان بیبرس نے تمام لشکروں کو دوبارہ متحرک کیا اور صور و صیدا کے درمیان سے ہوتا سیدھا طرابلس الشام جا پہنچا۔ تمام لشکر طرابلس الشام کی فصیل کے گرد پھیل گئے اور محاصرہ کر لیا گیا۔

طرابلس الشام کو تیسری مرتبہ محاصرے میں لیا گیا تھا اس سے پہلے دو مرتبہ سلطان بیبرس اچانک وہاں سے محاصرہ اُٹھا کر دوسری جانب نکل گیا تھا۔ اسلامی لشکر اس مرتبہ محاصرے پر سمجھ گیا کہ اب اس کے فیصلے کا وقت آ گیا ہے۔ طرابلس الشام صحیح معنوں میں صلیبی جنگجوؤں کا سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ انہوں نے یہاں بے پناہ عسکری قوت جمع کر رکھی تھی۔ طرابلس الشام کی رعیت نے تیسری مرتبہ اسلامی لشکر کو محاصرہ کئے دیکھا تو وہ پریشان ہو گئے۔ طرابلس الشام کا کاؤنٹ تیزی سے افواج کو منظم کرنے لگا۔

سلطان بیبرس سابقہ انداز میں محاصرہ کرنے کے بعد لاپروا دکھائی دینے لگا۔ کسی قسم کی عسکری کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ شاید سلطان بیبرس اس انتظار میں تھا کہ صلیبی پہل کریں مگر وہ بھی خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔ دو ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ طرابلس الشام کے لوگ سخت ذہنی کھچاؤ میں مبتلا ہونے لگے۔ پندرھویں دن سلطان بیبرس نے رات کی تاریکی میں ایک بار پھر محاصرہ ختم کیا اور وہاں سے مشرق کی جانب کوچ کیا۔ اسلامی لشکر سلطان بیبرس کی اس حکمت عملی کو سمجھ نہیں پایا۔ سلطان بیبرس بیروت، صور اور صیدا کے قریب سے گزرتا ہوا سیدھا قلعہ القرین جا پہنچا۔ قلعہ القرین (ماؤنٹ فورٹ) کے صلیبی جنگجو بالکل لاپروا تھے کیونکہ انہیں خبر مل چکی تھی کہ اسلامی لشکر طرابلس الشام کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان بیبرس اچانک وہاں پہنچ سکتا ہے۔ چونکہ قلعہ القرین کے صلیبی جنگجوؤں کے لئے یہ حملہ غیر متوقع تھا لہٰذا وہ پوری طرح سنبھل نہیں پائے اور اسلامی لشکر دندناتا ہوا قلعے میں داخل ہو گیا۔ صلیبی جنگجوؤں نے مدافعت میں بہتیری کوششیں کیں مگر ان کی کوئی کارروائی کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ انہوں نے فوری طور پر عکہ کی جانب پیغام بھیجا کہ وہ ان کی مدد کریں مگر دیر ہو چکی تھی۔ اسلامی لشکر قلعہ کے بیرونی استحکامات کو پامال کرتا ہوا اندر پہنچ چکا تھا۔ قلعہ پر قبضہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ صلیبی جنگجوؤں کو آناً فاناً ہلاک کر دیا گیا۔ کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔ قبضے کے فوراً بعد قلعہ کو منہدم کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ مجاہدین کدالیں لے کر قلعہ پر ٹوٹ پڑے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ کی بنیادیں تک کھود دی گئیں۔ سلطان بیبرس کا ارادہ تھا کہ مزید پیش قدمی کی جائے مگر کسی خیال سے اس نے تمام لشکر کو قاہرہ واپس لوٹنے کا حکم دیا۔

❁ ❁ ❁

فدائی شیخ الرئیس کبیرالدین کے پاس کئی دن سے مسلسل ایسی خبریں پہنچ رہی تھیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیخ ابوراضیاء کسی خوف میں مبتلا ہو چکا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ الرئیس نے دو خفیہ غلاموں کو اس کی نگرانی پر تعینات کر دیا تا کہ وہ اس پُراسرار خوف کا راز تلاش کریں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ شیخ ابوراضیاء جس طرح پہلے اس کے ساتھ رہا کرتا تھا اس میں بھی فرق پیدا ہو چکا تھا۔ شیخ الرئیس جب بھی اس کے بارے میں دریافت کرتا تو اسے یہی معلوم ہوتا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور اس کی طبیعت ناساز ہے۔ شیخ الرئیس نے

فدائی طبیب کو اس کے معائنے کے لئے بھیجا۔ اس طبیب نے شیخ ابوراضیاء کی طبیعت کا جائزہ لے کر یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ وہ کسی نامعلوم خوف کا شکار ہے۔ یہ سن کر شیخ الرئیس پریشان ہو گیا کیونکہ شیخ ابوراضیاء اس کا ایک اہم اور کلیدی دست راست تھا، اس کے بغیر وہ سلطنت قہستان کے قیام کا سوچنا بھی محال سمجھتا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ وہ خود شیخ ابوراضیاء کے پاس جائے اور اس خوف و بیماری کی وجہ معلوم کرے مگر دوسری مصروفیات نے اسے ایسا الجھایا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے شیخ ابوراضیاء کو ہی فراموش کر بیٹھا۔ اس شام اسے مقرر کردہ مخبر نے جب یہ اطلاع دی کہ اس کا ساتھی کل رات سے لاپتہ ہو گیا ہے تو وہ یہ سن کر دم بخود سا رہ گیا۔ اس نے اسے کڑی ہدایت کی کہ وہ جا کر اسے اچھی طرح تلاش کرے ممکن ہے کہ وہ قلعہ کے کسی دوسرے حصے میں چلا گیا ہو۔ مخبر غلام تو واپس لوٹ گیا مگر شیخ الرئیس کے ماتھے پر پریشانی سے بل پڑ گئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی غلام کی کسی جگہ پر تقرری کی گئی ہو اور وہ بغیر بتائے وہاں سے ہٹ جائے حالانکہ فدائی غلاموں میں وفاداری اور تعمیل حکم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ شیخ الرئیس کی حکم عدولی کو گناہ عظیم سمجھتے تھے اور وقت پڑنے پر بلا سوچے سمجھے اپنی جان اس کے لئے قربان کر دیا کرتے تھے۔

شیخ الرئیس کافی دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا مگر وہ کوئی حتمی اندازہ قائم نہ کر سکا۔ اس نے اپنی دوسری مصروفیات ترک کرتے ہوئے اسی وقت شیخ ابوراضیاء سے ملنے کا ارادہ کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شیخ ابوراضیاء کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ شیخ ابوراضیاء کی صورت دیکھ کر اسے شدید جھٹکا لگا کیونکہ اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی جیسے اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ چہرے سے کسی خوفناک مرض کا مریض دکھائی دے رہا تھا۔ شیخ الرئیس حیرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شیخ ابوراضیاء بستر پر لیٹا ہوا اس کی جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جن میں کسی قدر خوف بھی تھا اور پریشانی بھی۔ چند لمحے تک کمرے میں گہرا سکوت طاری رہا۔

''شیخ ابوراضیاء! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' شیخ الرئیس نے دریافت کیا۔ شیخ الرئیس کے ہمدردانہ بول سن کر شیخ ابوراضیاء کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی

''شیخ الرئیس! معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے؟ رات بھر چین کی نیند سو نہیں پاتا، یوں لگتا ہے جیسے فرشتہ اجل میرے سر پر کھڑا ہے۔ ابھی میری روح قبض کر لے گا''۔ شیخ ابوراضیاء نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''اس پریشانی کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی؟'' شیخ الرئیس نے حیرت سے پوچھا۔

''وجہ تو ابھی تک میری اپنی سمجھ میں نہیں آسکی، آپ کو کیا بتاؤں؟''

''میرا خیال ہے تمہیں کچھ دن قلعہ کی آب و ہوا تبدیل کر لینا چاہئے۔ تم ایسے کرو کہ قلعہ کہف میں چلے جاؤ وہاں کا موسم بھی خوشگوار ہے اور قلعہ بھی ہوادار ہے، یہاں مزید کچھ دن رہے تو یقیناً جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے''۔ شیخ الرئیس نے مشورہ دیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ سن کر بوکھلا سا گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی۔ یہ خیال اس کے دل و دماغ پر زلزلہ طاری کئے ہوئے تھا کہ اس کی باری آچکی ہے، شیخ الرئیس اسے قلعہ سے باہر بھیج کر ہلاک کروانا چاہتا ہے۔

''نہ..... نہیں..... میں یہیں ٹھیک ہوں''۔ شیخ ابوراضیاء گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ شیخ الرئیس اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پایا۔ شیخ ابوراضیاء نے اسی وقت غلام کو پانی کے لئے آواز دی۔ ایک غلام کمرے میں داخل ہوا، غلام نے عجیب سا سیاہ چغہ پہن رکھا تھا کہ اس کا چہرہ بھی اس میں چھپ گیا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر شیخ ابوراضیاء کی رنگت پیلی پڑنے لگی۔ شیخ الرئیس کو یہ

اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اپنے تخیل میں اسے موت کے فرشتے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ اس نے فوری طور پر غلام کو لباس تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ غلام حکم کی تعمیل کیلئے واپس لوٹنے لگا تو شیخ ابوراضیاء نے پہلے پانی پلانے کا اصرار کیا۔ غلام تذبذب میں پڑ گیا شیخ الرئیس نے شیخ ابوراضیاء کو پانی پلانے کا اشارہ کیا۔ غلام تیزی سے ایک طرف پڑے ہوئے صراحی نما برتن میں سے پیالے میں پانی انڈیلنے لگا۔ غلام نے پانی شیخ ابوراضیاء کی جانب بڑھایا تو وہ تیزی سے پانی کے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔ شیخ الرئیس اس کی ناگفتہ بہ حالت اور عجیب حرکات پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس نے غلام کو اشارہ کیا کہ اسے بھی پانی پلایا جائے۔ غلام نے تیزی سے ایک دوسرے پیالے میں پانی بھر کر اس کی جانب بڑھایا۔ شیخ الرئیس دھیمے انداز میں پانی پینے لگا۔ پانی پی کر اس نے پیالہ غلام کی جانب بڑھایا اور اسے جانے کے لئے کہا۔ غلام کے جاتے ہی وہ دوبارہ شیخ ابوراضیاء کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں سمجھ نہیں پایا کہ تمہاری یہ حالت کیونکر ہو رہی ہے، میں طبیب کو دوبارہ بھیجتا ہوں کہ وہ تمہارا مکمل علاج کرے اگر وہ ناکام رہا تو تم فکر مت کرنا میں دمشق سے کسی دوسرے طبیب کا انتظام کر دوں گا''۔ شیخ الرئیس نے اسے تسلی دی۔

''طبیب کہہ رہا تھا کہ مجھے وہم کا مرض لاحق ہو گیا ہے، شاید میں نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے جس نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے اور موت کا خوف مجھ پر سوار ہو گیا ہے''۔ شیخ ابوراضیاء کی حالت پہلے سے کچھ بہتر لگ رہی تھی۔ شیخ الرئیس کچھ دیر تک بیٹھا اس کا نفسیاتی خوف دور کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ خوف کی اصل وجہ تو خود اس کی اپنی ذات ہی ہے۔ شیخ الرئیس کے واپس جانے کے بعد وہ غلام دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔ وہ سیدھا شیخ ابوراضیاء کے پاس چلا آیا اور مدہم آواز میں نسوانی لہجے میں بولا۔ ''شیخ ابوراضیاء مبارک ہو، میں نے اپنا وار کر دیا ہے''۔

یہ سن کر شیخ ابوراضیاء بستر پر یوں اچھلا جیسے بستر نے کاٹ کھایا ہو۔ وہ اس نسوانی آواز کو پہچان چکا تھا کیونکہ وہ غلام کوئی اور نہیں گل دتوڑ ہی تھی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس کی پے در پے فتوحات نے صلیبی سرداروں اور لشکروں کو دہشت زدہ کر دیا تھا سلطان بیبرس کی مخصوص حکمت عملی کے باعث صلیبی گروہوں میں بے یقینی بڑھتی چلی گئی، خوف و ہراس کے عالم میں زندگی بسر کرنا ان کے بس سے باہر ہونے لگا۔ صلیبی زنجیر کے کئی چھوٹے قلعے اس خونریزی سے خود بخود دستبردار ہو گئے۔ صلیبی آبادی میں نقل مکانی کا عمل شروع ہو گیا۔ نصرانی زیادہ تر ارض مقدس سے واپس آرمینیہ و قسطنطنیہ واپس لوٹنے لگے۔ البتہ کچھ مضبوط قلعوں سے دستبرداری اختیار نہیں کی گئی۔ ان قلعوں میں المرقب، الطرطوس، عکہ، طرابلس الشام، بیروت، صور اور صیدا نمایاں شامل تھے۔ اسلامی لشکر کی فاتحانہ یلغار سے تمام صلیبی قلعوں کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔ تمام صلیبی قلعوں کے سرداروں نے ایک مشترکہ مجلس کا اہتمام کیا اور سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ کسی قسم کی مشترکہ عسکری کارروائی کے بجائے سلطان بیبرس سے صلح و دوستی کی درخواست کی جائے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد تمام قلعوں کے حاکموں نے قاہرہ کی جانب قاصد روانہ کرنا شروع کر دیئے۔ ان کے ذریعے نہایت لجاجت آمیز پیرائے میں امان و صلح کا پیغام بھیجا گیا اور ہر قسم کی شرائط بلا تامل تسلیم کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔

سلطان بیبرس بڑا وسیع الظرف اور ہمدرد انسان بھی تھا۔ صلیبی گروہوں کی منت سماجت پر اس کا دل

پسیج گیا۔ وہ دل سے اُن مفسدوں کی ارضِ مقدس پر موجودگی کو اچھا نہیں سمجھتا تھا مگر ان کے مسلسل پیغامات کو رد کرنا بھی اس کی شان کے خلاف تھا۔ اس نے کچھ شرائط ان کے سامنے رکھیں جن کی رو سے صلیبی گروہ اس بات کے پابند تھے کہ وہ اپنے اپنے قلعوں کے استحکامات میں اضافہ نہیں کریں گے اور ان شہروں میں مقیم مسلمانوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں گے نیز نواحی علاقوں کی مسلمان آبادی سے بھی کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ نہ تو صلیبی گروہ سمندری راستوں سے کمک منگوائیں گے اور نہ ہی ان راستوں کو اپنے تصرف میں رکھ سکیں گے۔ اس کے علاوہ صلیبی گروہ ایل خانی منگولوں کی کسی بھی قسم کی معاونت نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی کسی اسلام دشمن تحریک کو تقویت دیں گے۔ صلیبی گروہوں نے فوراً ان شرائط پر آمادگی ظاہر کر دی اور 1272ء بمطابق 671ھ کے اوائل میں باقاعدہ ایک معاہدہ ضبطِ تحریر میں لایا گیا جس کی رو سے تمام سلطنت میں دس سال دس مہینے کا امن محفوظ کر لیا گیا۔ اس معاہدے کو مؤثر بنانے کے لئے شاہ انگلستان ایڈورڈ اوّل پلانجنٹ، یروشلم کے سابق بادشاہ ہف سوئم اور انطاکیہ کے سابق بادشاہ بوہمنڈ نے دستخط کئے۔ معاہدے کی رو سے سلطان بیبرس صرف اسی صورت میں صلیبی علاقوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا جب نصرانی معاہدے کی شقوں کی خلاف ورزی کرتے۔ یہ بات سلطان بیبرس اچھی طرح جانتا تھا کہ صلیبی گروہ عہد و پیمان پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتے۔ خلاف ورزی بہت جلد ہی وجود میں آ جائے گی۔

❁ ❁ ❁

مطیع الدین کامیابی کی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا کہ سلطان بیبرس نے اسے ہمیشہ کے لئے ناکامی کے تاریک اندھیروں میں دھکیل دیا تھا۔ مطیع الدین کو اس بات کا کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ ارزق کی صورت میں ملنے والا ہمدرد دوست کوئی اور نہیں سلطان بیبرس ہی ہو سکتا ہے یہ انکشاف زندگی کے جس موڑ پر ہوا تھا اس نے مطیع الدین کے اعصاب پر بے حد برا اثر ڈالا تھا۔ وہ بڑی کٹھن راہیں طے کرتا ہوا قصرِ خلافت تک پہنچا تھا۔ اسے اب خود پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنے دنوں سے خلیفہ کے ساتھ موجود تھا کہ موقعہ پا کر آسانی سے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کو قتل کر سکتا تھا مگر وہ خواہ مخواہ معاملہ کو طول دیتا چلا گیا۔ سلطان بیبرس نہایت ذہین اور ہوش مند شخص تھا جس نے محض چند قیاسات کی بناء پر درپیش خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ مطیع الدین تاریک کمرے میں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا گیا تھا، اگر وہ کسی جانب حرکت کرتا تو زنجیریں اس قدر شور مچاتیں کہ باہر کھڑے محافظ کو بھی اس کے ہلنے جلنے کی خبر ہو جاتی۔ اس کمرے کی چھت میں ایک چھوٹا سا روشندان تھا جس میں روشنی کی قلیل مقدار داخل ہو رہی تھی، اس سے کمرے کی تاریکی تو نہیں چھٹی تھی مگر دن اور رات میں تمیز یقیناً کی جا سکتی تھی۔ کئی ماہ اسی حالت میں گذر گئے۔ کھانا کھلانے کے علاوہ نہ تو کوئی اس کے پاس آتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسری بات کی جاتی تھی۔ مطیع الدین کی حالت کافی حد تک بگڑ چکی تھی، داڑھی اور سر کے بال بڑھ کر بے ترتیب ہو گئے اور کپڑے چیتھڑوں میں بدل گئے۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں بھی اس میں ابھی تک زندگی کی رمق باقی تھی۔

پھر ایک دن قدرت کو اس پر ترس آ ہی گیا۔ ایک بوڑھا شخص قیدی کی صورت میں زنداں خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اسے بالکل اس کے پہلو میں زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ مطیع الدین نے بمشکل اس کی صورت دیکھی، تاریکی میں اس کی سفید داڑھی اور بالوں کے سوا کچھ اور سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بوڑھا شخص خاموشی سے بیٹھا رہا تو مطیع الدین نے اذیت ناک مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھا۔ بوڑھا سر جھکائے ہوئے تھا۔

''بڑے میاں! اس عمر میں زنداں خانے میں کیونکر پہنچے؟'' مطیع الدین نے پوچھا۔

بوڑھا شخص آواز سن کر چونک پڑا اور آنکھیں پھاڑ کر یوں اس کی جانب دیکھنے لگا جیسے اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا تھا کہ زنداں خانے میں پہلے سے کوئی قیدی موجود تھا۔

''کون ہو بھئی؟ میری نگاہ کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی''۔ بوڑھا شخص کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''بڑے میاں! اس تاریکی میں اچھی نگاہ بھی کام کرنا چھوڑ جاتی ہے''۔ مطیع الدین تلخی سے بولا۔

بوڑھے شخص نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے اسے اس طرح کا تجربہ رہا ہو۔

''تم کب سے یہاں پڑے ہو؟'' بوڑھے شخص نے سوال کیا۔

''صحیح طرح کچھ معلوم نہیں...... شائد سال سے زائد عرصہ گزر گیا ہے یا پھر کئی سال گزر گئے ہیں''۔ مطیع الدین دھیرے سے ہنس کر بولا۔

''زندہ دل معلوم ہوتے ہو...... کس جرم کی سزا کاٹ رہے ہو یہاں!'' بوڑھا شخص بولا۔

''محبت کی......!'' مطیع الدین تلخی سے ہنکارا۔

''کیسی محبت تھی؟ جس کا انجام یہ زنداں خانہ بن گیا''۔ بوڑھا شخص کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''بڑے میاں! کبھی کبھی انسان محبت کے پیچھے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے اور پھر جب ناکامی سے دوچار ہوتا ہے تو اس کی عقل و دانش بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ کھوکھلی یادیں، تڑپتے ہوئے ارمان، دیکھے ہوئے سپنوں کے نشتر اسے ہمیشہ کچوکے لگاتے رہتے ہیں''۔

''پکے سچے عاشق لگتے ہو''۔ بوڑھا شخص اس کی بات پر ہنس دیا۔

''تم سناؤ بڑے میاں! تم کون سی الفت کی پاداش میں ادھر کی ہوا کھانے آ نکلے''۔

''لڑکے! بس اسی رسوائی کی کسر باقی رہ گئی تھی، زندگی بھر کی کمائی ہوئی عزت حاسد ہمدردوں کی نذر ہو گئی، اب یہ خیال آیا ہی تھا کہ اللہ اللہ کیا کروں مگر وقت نے دھوکا دے دیا۔ میرے ہاتھوں سے ایک انسانی جان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ قاضی نے مجھے تین دن کی مہلت بخشتے ہوئے موت کا فرمان سنایا ہے کہ دل کھول کر توبہ استغفار کر لو اب یہ تین دن کی زندگی ہی باقی رہ گئی ہے''۔

''محض قتل کے جرم میں زنداں خانے میں لایا جانا میرے لئے نئی بات ہے''۔ مطیع الدین حیرت سے بولا۔ بوڑھا شخص سر جھکائے خاموش رہا۔

''بڑے میاں! کچھ باتیں کرو، میں طویل خاموشی سے اکتا چکا ہوں، چلو ان تین دنوں میں ہی کچھ بار ہلکا کر لینے دو''۔ مطیع الدین سکوت کے بڑھتے ہوئے لمحات سے گھبرا سا گیا۔

''میں کیا باتیں کروں؟ مجھے تو زندگی بھر کی کمائی ہوئی عزت کا غم کھائے جا رہا ہے''۔ بوڑھے شخص کے لہجے میں گہری افسردگی جھلکنے لگی۔

''جو وقت ہاتھ سے ہی نکل گیا ہے اس کا غم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چلو میں ہی تمہارا دل بہلائے دیتا ہوں، تم میری محبت بھری کہانی سنو گے کیا؟'' مطیع الدین بے دلی سے ہنستا ہوا بولا۔

بوڑھے شخص نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مطیع الدین خود ہی شروع ہو گیا۔ بوڑھے کی رفاقت پا کر وہ اپنے دل کا بار کم کرنا چاہتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے بوڑھے شخص کی یاسیت اور اذیت کا بھرپور احساس ہو رہا تھا مگر وہ اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تین دن بعد وہ زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے گا مگر مطیع الدین کو کتنا عرصہ مزید ابھی زنداں خانے میں رہنا تھا، کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ ان تین دنوں میں آئندہ اور بیتے ہوئے عرصے کی پیاس مٹا لینا چاہتا تھا۔

مطیع الدین نے بوڑھے شخص کو اپنے بارے میں بتایا کہ وہ سرائے میں اپنے بوڑھے باپ نورالدین کے ساتھ کیسے رہا کرتا تھا۔ سرائے کے حالات بتانے کے بعد اس نے گل وتوژ کا ذکر چھیڑ دیا جو اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ برقائی خان سے ملاقات، کوہ سرخ پر شکار اور زندگی کا پہلا حادثہ، قبیلہ کوہ سرخ غر کی قید، سردار مانجی خان کا سلوک، کئی سال تک بھٹکنے کا قصہ، گل وتوژ کی مدد، گل وتوژ کے باپ قوتائی خان کا پُر اسرار قتل، گل وتوژ کی گرفتاری اور گمشدگی، موٹے فوئنا جو خان سے ملاقات، برقائی خان کی مہم اور اس سے ملاقات، سرائے کی جانب واپسی، سردار منک آنہ اور اس کے پوتے شنگ خان کی کہانی، گل وتوژ کو آخری رسم کی سزا، فوئنا جو خان کے ساتھ کوہ سرخ غر کا سفر، شنگ خان سے پہلی ملاقات، گل وتوژ کی پُر اسرار گمشدگی، گمنام دشکنان سے ملاقات، فدائیوں کے رومال کا قصہ، برقائی خان کا اسے قلعہ الموت کی جانب روانہ کرنا، فدائی شیخ سے ملاقات اور قلعہ الموت کی جانب سفر، قلعہ الموت میں شنگ خان سے دوسری ملاقات، گل وتوژ کی قلعہ الموت میں موجودگی کی خبر ملنا، فوئنا جو خان سے غیر متوقع ملاقات، ایل خانی منگولوں کا قلعہ الموت پر حملہ، شیخ کبیر الدین کو فرار ہونے میں مدد دینا، شیخ کبیر الدین کے ساتھ شام کا سفر، واپسی پر ارزق نامی گویئے سے ملاقات، سرائے کا قیام، برقائی خان کی جانب گل وتوژ کی خبر ملنا، گل وتوژ کے لئے شام کا سفر، رستہ بھٹک کر ارض قونیہ میں پہنچ جانا، گمنام سے ملاقات، قلعہ بانیاس میں پہنچنا، شیخ کبیر الدین کے ساتھ جھگڑا اور زنداں خانے کی ہوا کا قصہ، شیخ کبیر الدین کے ساتھ گل وتوژ کا معاہدہ، راستے میں شیخ ابونصر کو دھوکا دے کر مروانا، سپاہیوں کو جل دے کر طنطا پہنچنے کا قصہ، طنطا میں والئی شہر کو فریب دے کر مال حاصل کرنے اور قاہرہ کی جانب آنے کی کہانی، قاہرہ میں ارزق گویئے سے ملاقات اور برقائی خان کی وفات کی خبر ملنا، مصری امرأ سے اتفاقیہ ملاقات اور قصر خلافت تک رسائی، اچانک قسمت کا پلٹا کھانا اور ارزق کا سلطان بیبرس نکلنا۔ یہ سب واقعات ترتیب وار مطیع الدین کی زبان سے نکلتے چلے گئے۔ بوڑھا شخص حیرت بھری نگاہوں سے یہ سب سنتا رہا۔ جب مطیع الدین خاموش ہو گیا تو بوڑھا شخص دھیرے سے بولا۔

''مجھے تمہاری عقل پر حیرت ہو رہی ہے کہ تم ایک منگول لڑکی کے پیچھے پیچھے یوں بھاگتے رہے جو شاید اب تمہیں ہمیشہ کے لئے فراموش کر چکی ہوگی''۔

''شاید ایسا نہ ہو، اس کے دل میں بھی میرے لئے اتنی ہی تڑپ ہو مگر وہ وقت کے ہاتھوں مجبور ہو چکی ہو پھر میں بھی تو اس سے اتنا عرصہ سے نہیں ملا''۔ مطیع الدین جلدی سے بولا۔

''یعنی ابھی بھی تمہیں یہ امید باقی ہے کہ تم اس تک پہنچ سکو گے''۔ بوڑھا شخص عجیب لہجے میں بولا۔ مطیع الدین اندھیرے خلا میں گھورنے لگا جیسے بوڑھے شخص کی بات اسے ناگوار گزری ہو۔ کچھ دیر کے بعد بوڑھا شخص دوبارہ بولا۔

''جب تم قصر خلافت میں پہنچ ہی چکے تھے تو پھر تم نے اپنے منصوبے میں تاخیر کیوں کی؟''

''میں خود کو محفوظ کرنا چاہتا تھا کہ خلیفہ کے قتل کا الزام براہ راست مجھ پر نہ آئے اور جب تک اس قتل کی حقیقت کھلے تو میں وہاں سے نکل کر قہستان کی حدود میں پہنچ چکا ہوں''۔

''خلیفہ کے قتل کا ارادہ کرتے ہوئے تمہیں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا''۔ بوڑھے شخص نے پوچھا۔

''حقیقت تو یہی ہے کہ میں خلیفہ کو قتل کرنے میں دل سے رضامند نہیں تھا مگر گل وتوژ کی صورت جب میری نگاہوں کے سامنے مچلتی تو میں بے خود سا ہو جاتا تھا''۔ مطیع الدین نے بتایا۔

بوڑھا شخص اس کی بھاگ دوڑ بھری زندگی سے خاصا متاثر ہو رہا تھا مگر اس کے دل میں خلیفہ کے اقدام قتل پر مطیع الدین کے لئے کوئی رعایت باقی نہیں تھی۔ وہ دونوں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہے۔ باتوں باتوں میں ہی رات ہو گئی۔ مطیع الدین نے بوڑھے شخص کو آرام کرنے کے لئے کہا مگر وہ یہ جانتا تھا کہ وہ چین کی نیند نہیں سو سکے گا۔ موت کا خوف اسے تین دن تک سونے نہیں دے گا۔ وہ اتنے عرصے بعد دل کھول کر بولتا رہا، اپنی کہانی سنا کر وہ خود کو بے حد ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ زندگی بھی کیسی سنگدل ہوتی ہے مطیع الدین یہی سوچتا سوچتا نیند کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

دوسری صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے بوڑھا شخص وہاں دکھائی نہیں دیا تو حیران و پریشان رہ گیا۔ جب اس کے لئے ناشتہ لایا گیا تو اس نے چھوٹتے ہی اس بوڑھے شخص کے بارے میں سوال کیا، کھانا لانے والے نے بتایا کہ رات میں ہی اس بوڑھے شخص کی حرکت قلب بند ہو گئی تھی، صبح صفائی کرنے والے نے اس کی موت کی خبر دی تو اس کی لاش کو وہاں سے اُٹھا لیا گیا، اس وقت تم بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ مطیع الدین بوڑھے شخص کی موت کی خبر سن کر افسردہ سا ہو گیا۔ موت کا خوف اتنا شدید تھا کہ وہ ایک رات بھی نکال نہیں پایا بے چارہ بوڑھا...... کمزور اعصاب کا مالک۔

❁ ❁ ❁

شیخ ابوراضیاء کو جب یہ معلوم ہوا کہ گل وتوژ نے فراہم کردہ زہر کی قلیل مقدار شیخ الرئیس کے پانی میں ملا دی تھی تو وہ پریشان ہو کر رہ گیا۔ اسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ گل وتوژ اتنی جلدی وار کر جائے گی۔ وہ تو شیخ الرئیس کو اپنے سامنے اچانک پا کر گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا اور غلام کی آمد پر اس پر یہ خوف طاری ہوا تھا کہ کہیں وہ غلام نہ آ جائے جسے اس نے خصوصی طور پر شیخ الرئیس کے قریب رہنے کی ہدایت کی تھی۔ گل وتوژ اسے مطلع کر کے واپس لوٹ گئی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے وہ رات کانٹوں کے بستر پر گزاری۔ فجر کے قریب نیند کے شدید غلبے نے اس پر چھائی ہوئی بے کلی کے پنجے سے اس کا دامن چھڑایا۔ اسے سوئے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا گیا۔ وہ ناگہانی افتاد پر ہڑ بڑا کر اُٹھا تو اسے مطلع کیا گیا کہ رات کو شیخ الرئیس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ اسے طبی مدد پہنچائی جاتی، اس کا انتقال ہو گیا۔ شیخ ابوراضیاء یہ خبر سن کر ہکا بکا بیٹھا رہ گیا۔ پھر اس کے ذہن کے پردوں پر گذشتہ رات کا منظر پھیلنے لگا۔ گل وتوژ کا جملہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔ وہ تیزی سے بستر سے نکلا اور قریباً بھاگتا ہوا شیخ الرئیس کے شاہی کمرے تک پہنچا۔ شیخ الرئیس کبیر الدین بستر پر یوں لیٹا ہوا تھا جیسے گہری نیند سو رہا ہو۔ شیخ ابوراضیاء نے پریشانی کے عالم میں اس کی نبض ٹٹولی، اس کا جسم سرد پڑ چکا تھا۔ اچانک شیخ ابوراضیاء کی نگاہ شیخ الرئیس کے کان کی جڑوں پر پڑی تو وہاں ہلکی سی نیلی لکیر دکھائی دی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھی کہ شیخ الرئیس کی موت زہر سے ہی ہوئی ہے۔ اگر کچھ دیر مزید وقت گزار دیا جاتا تو یہ لکیر پھیل کر پورے جسم کو نیلاہٹ میں ڈبو دیتی اور پھر کسی سے یہ چھپانا مشکل نہ ہوتا کہ شیخ الرئیس کی موت کیسے واقع ہوئی ہے، شیخ ابوراضیاء نے فوری طور پر تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور راز کے فاش ہونے سے پہلے پہلے ہی اسے لحد میں اتار دیا۔

شیخ کبیر الدین سلطنت قہستان کا ادھورا خواب دل میں لئے گزر گیا تھا۔ اس کی تمام عمر کی کوششیں رائیگاں ہو چکی تھیں۔ وہ خود کو شیخ الجبال ہشتم کہلوانے کی آرزو پوری نہ کر سکا۔ اس نے ساری زندگی فدائیت کی بقاء و تبلیغ کے لئے صرف کی اور مختلف حیلوں حربوں سے ایسے ایسے مہارت یافتہ افراد پیدا کئے کہ جنہوں نے ایل خانی سلطنت سے لے کر بلادِ مصر تک کئی اہم شخصیات کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ وہ عمر کے اس آخری داؤ میں

بھرپور عسکری تیاریاں کر رہا تھا۔ باطنی فدائیوں کا زبردست لشکر وجود میں آچکا تھا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو یقیناً وہ ایل خانی حکمران اباقہ خان سے ایک فیصلہ کن معرکہ لڑتا۔

شیخ ابوراضیاء شیخ الرئیس کے سب سے زیادہ قریب تھا اس لئے تمام قلعوں اور عساکر کے انتظامات اس کے کندھوں پر ڈال دیئے گئے۔ شیخ ابوراضیاء جس پریشانی و فکر میں غلطاں تھا وہ شیخ الرئیس کی موت کی صورت میں کافور ہو چکی تھی۔ گل وتوڑ اس دن سے ایسی غائب ہوئی تھی کہ دوبارہ اس کا نشان بھی نہیں مل پایا۔ شیخ ابوراضیاء نے تمام انتظامات و اقدامات کا جائزہ لینے کے بعد مختلف کارروائیاں کیں۔ فدائی امراء نے متفقہ طور پر اسے اپنا نیا شیخ الرئیس تسلیم کر لیا تھا۔ یہ امر جہاں اس کے لئے مسرت کا باعث تھا وہیں گل وتوڑ کی ذات اس کی آنکھوں کا کانٹا بن کر رہ گئی۔ وہ کسی بھی وقت اسے سب کے سامنے ذلیل و خوار کر سکتی تھی اور اس سے اپنے ناجائز مطالبات منوا سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے سب سے پہلے اپنے خاص غلاموں کو گل وتوڑ کی تلاش پر مامور کیا۔ قلعہ بانیاس سمیت تمام فدائی قلعوں کے خفیہ احاطوں میں تلاشی لینے کا حکم دیا گیا۔

شیخ ابوراضیاء نے سلطنت قہستان کے قیام کی کوششیں تیز کر دیں، اس نے نہ صرف اپنے صلیبی حلیفوں کے ساتھ کئی نئے معاہدے کئے بلکہ یورپ کے نصرانی بادشاہوں کے پاس اپنے قاصد بھیجنا شروع کر دیئے۔ خصوصاً عیسائی نواز بادشاہوں نے مملوک حکومت کے متبادل بلادِ شام کی سرحدوں پر اس نئی حکومت کے قیام کو انتہائی اہم خیال کیا اور کئی قسم کی مراعات فراہم کرنا شروع کر دیں۔ نئی دوستیاں اور یورپ سے سفارتی تعلقات سے فدائی گروہ کے حوصلے بڑھ گئے۔ صلیبی جنگجوؤں کی مانند حشیشی گروہوں نے بھی بلادِ شام کے سرحدی شہروں کو اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ پہلے بھی جاری تھا مگر اب اس میں شدت پیدا ہو چکی تھی۔ شرانگیزی اور مفسدانہ رویہ نقطۂ عروج کو چھونے لگا۔ کئی والیوں نے بلادِ شام کے منتظم امیر سیف الدین قلادون الفی سے شکایت کی۔ امیر قلادون الفی اس ضمن میں سنجیدگی سے غور و خوض کرنے لگا۔

شیخ ابوراضیاء نے کئی اہم شخصیات کے قتل کے لئے فدائی سلطنت اسلامیہ میں روانہ کئے مگر ان میں چند ایک ہی اپنی کارروائی میں کامیاب ہو سکے۔ شیخ ابوراضیاء اس قدر مصروف ہو چکا تھا کہ اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس کے وہ خاص غلام جو گل وتوڑ کو تلاش کرنے خفیہ احاطوں میں گئے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہا تھا۔ وہ سب کے سب پراسرار موت مارے گئے اور خبر دینے کے لئے کوئی بھی نہیں بچ پایا۔

ذی قعدہ 671ھ کی ایک صبح سلطان بیبرس کے لئے ایک غم ناک خبر لئے طلوع ہوئی۔ اسے علی الصبح بیدار کر کے مطلع کیا گیا کہ شیخ السلام عزالدینؒ بن عبدالسلام دمشقی رات وفات پا گئے ہیں۔ سلطان بیبرس دیوانہ وار ننگے پاؤں بھاگتا ہوا شیخ عزالدینؒ کی جائے سکونت پر پہنچا۔ وہاں قاہرہ کے امراء اور مملوک سردار پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ سلطان بیبرس کو شیخ عزالدینؒ سے بے حد محبت تھی۔ وہ امور جہانبانی میں ان کی رائے کو ہمیشہ مقدم سمجھتا تھا اور تہہ دل سے ان کی عزت کرتا تھا۔ شیخ عزالدینؒ کا شمار علمائے حق کی اس مقدس جماعت میں ہوتا ہے جس کے علم و فضل، زہد، حق گوئی و بے باکی اور جرأت و استقامت کے درخشندہ واقعات سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ علامہ عزالدینؒ 578ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اس دور کے مشاہیر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں سلطان العلماء اور امام وقت تسلیم کیا گیا۔ علامہ شیخ جمال الدین ابن حاجبؒ لکھتے ہیں کہ فقہ میں عزالدینؒ بن عبدالسلام کا پایہ امام غزالیؒ کے برابر ہے۔ امام ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ عزالدین علم فقہ میں درجہ کمال پر پہنچے ہوئے اور درجہ اجتہاد ان کے رتبہ لائق تھا۔ شیخ عزالدینؒ بڑے خوددار، باوقار اور بارعب شخصیت کے

مالک تھے یہی وجہ تھی کہ وہ دربار داری کے جھنجھٹ سے ہمیشہ بالکل آزاد رہے۔ اپنے تبحر علمی، زہد و ریاضت اور حق گوئی کی بدولت وہ بلادِ شام و مصر کی سب سے بڑی دینی شخصیت متصور ہوتے رہے۔ شیخ عزالدینؒ نے چورانوے سال کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا۔ تمام بلادِ اسلامیہ میں ان کی وفات کا سوگ منایا گیا۔ سلطان بیبرس اپنے حقیقی رہنما اور روحانی مرشد کی وفات کے صدمے سے کئی دن تک نڈھال رہا۔ چالیس دن کے بعد جب اس نے شاہی دربار سجایا تو خصوصی طور پر شیخ عزالدینؒ کے لئے دعائے مغفرت کرائی اور تمام امراء و رؤساء کے سامنے اس امر کا برملا اقرار کیا کہ شیخ عزالدینؒ اپنی زندگی میں بلادِ اسلامیہ کے حقیقی سربراہ تھے میں تو محض ان کا ہتھیار تھا جسے وہ جیسے چاہتے استعمال کر لیا کرتے، ان کی وفات کے بعد مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے ایک پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا گیا ہو۔ میری حکمرانی کا عرصہ آج سے شروع ہو رہا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جیسے اس نے مجھے شیخ عزالدینؒ کی حکومت میں سرخرو کیا ہے ویسے ہی وہ مجھے آئندہ بھی عزت و ہدایت بخشے اور کامیابی و نصرت عطا فرمائے۔

671ھ بمطابق 1273ء کے اواخر میں سلطان بیبرس نے ایک بار پھر تمام افواج کو فوری طور پر تیاری کا حکم دیا۔ تمام مملوک سالار لشکر کشی کا حکم سن کر حیران و پریشان رہ گئے کہ اب سلطان بیبرس کا کیا ارادہ ہے؟ کیونکہ تمام صلیبی حکمرانوں سے دس سال دس ماہ کا معاہدۂ امن طے پا چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے قبل از وقت کسی کو بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ کس جانب حملہ کرنے کا خواہش مند ہے۔ تمام چھوٹی بڑی عسکری تیاریاں عمل میں لائی گئیں اور بھاری بھر کم حربی ساز و سامان ساتھ لے لیا گیا۔ اس قدر وسیع پیمانے پر عسکری تیاری دیکھ کر تمام مملوک سالاروں کو یہ یقین ہو گیا کہ اس مرتبہ سلطان بیبرس کا ارادہ یقیناً قسطنطنیہ فتح کرنے کا ہے۔ سلطان بیبرس تمام لشکروں کے ساتھ قاہرہ سے نکلا اور بلادِ مصر کا سینہ چیرتا ہوا سیدھا ارضِ حجاز میں داخل ہوا اور وہاں سے بلادِ شام کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوتا بلادِ عراق میں نمودار ہوا۔ یہ راستہ کسی بھی صورت میں قسطنطنیہ کی طرف نہیں جاتا تھا۔ بلادِ عراق کا وسیع حصہ ابھی تک ایل خانی منگولوں کے قبضے میں تھا۔ منگولوں کو جب سلطان بیبرس کی لشکروں سمیت ان علاقوں میں آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے فوری طور پر اپنی تیاریاں مکمل کرنا شروع کر دیں۔ مملوک سالار ابھی یہی اندازہ لگا رہے تھے کہ ان کی منزل ایل خانی منگول ہیں کہ سلطان بیبرس نے بلادِ عراق سے یکایک اپنا رخ پہاڑی علاقوں کی طرف موڑا اور بالائی جانب بڑھتا چلا گیا۔ دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرتا ہوا وہ کئی دن کی مسافت کے بعد قلعہ القائن کے سامنے نمودار ہوا۔ یہ ایل خانی سرحد پر فدائیوں کا آخری قلعہ تھا۔ دوسری جانب کے تمام فدائی قلعے ان کے ہاتھوں میں سے نکل کر اب منگولوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان بیبرس نے اس پہاڑی قلعے کو مکمل طور پر محاصرے میں لے لیا اور سفر منہوں اور منجنیقوں سے زبردست سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حشیشی جنگجوؤں کو اس بات کی توقع تک نہیں تھی کہ سلطان بیبرس کسی وقت یہاں پہنچ سکتا ہے۔ انہوں نے فوری صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے فی الوقت قلعہ بند ہو کر لڑائی کا آغاز کیا مگر یہ سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ صرف سترہ دن بعد ہی وہ ہمت ہار بیٹھے اور جان کی امان کے طالب ہوئے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے بلادریغ تمام فدائیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ فدائیوں کے قتل عام کی وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان بیبرس انہیں مسلمانوں کا پوشیدہ اندرونی دشمن قرار دیتا تھا۔ قلعہ القائن کو نہایت سرعت کے ساتھ منہدم کر دیا گیا۔ اس قلعے کی تباہی و بربادی سے فارغ ہو کر اسلامی لشکر تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے قلعہ خوابی کو اپنے حصار میں لے لیا۔ قلعہ القائن کی تباہی و بربادی کی خبر کسی کو بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ اچانک حملے

کی زد میں آئے تھے، جبکہ قلعہ خوابی سے پُراسرار انداز میں خفیہ راستوں کے ذریعے دوسرے قلعوں میں سلطان بیبرس کی آمد اور حملے کی خبر پہنچا دی گئی اور مزید کمک کی درخواست کی۔

قلعہ خوابی کافی بڑا قلعہ تھا جو ایک بڑی پہاڑی کو تراش کر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قلعہ کو باقاعدہ چھاؤنی کا درجہ حاصل تھا اسی لئے یہاں ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ افراد موجود تھے۔ قلعہ کے منتظم اعلیٰ نے شیخ الرئیس کی جانب سے کسی حکم ملنے سے پہلے اپنے تئیں کوئی عسکری کارروائی نہیں کی۔ قلعے کو چاروں جانب سے مضبوطی سے بند کر لیا گیا۔ اسلامی لشکر سلطان بیبرس کے حکم کا منتظر تھا کہ کب اس قلعہ پر ہلّہ بول دیا جائے مگر سلطان بیبرس اہل قلعہ کی جانب سے چھائی ہوئی خاموشی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ سلطان بیبرس کو بخوبی معلوم تھا کہ اس قلعہ میں کثیر تعداد میں لڑاکے موجود ہیں۔ محاصرے کے دوران قلعے کے منتظم نے باقاعدہ سفارت بھیجی اور خود کو بے قصور ثابت کرتے ہوئے محاصرہ اُٹھا لینے کی درخواست کی۔ سلطان بیبرس نے آنے والی سفارت کو فدائیوں کے جرائم کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ اگر امان چاہتے ہیں تو اس قلعہ کو فی الفور خالی کر دیں اور خاموشی سے جنگی قیدی بننا قبول کر لیں، دوسری صورت میں انہیں اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ فدائی سفارت اپنے مقاصد نہ پا کر ناکام واپس لوٹ گئی۔

منتظم قلعہ خوابی کو شیخ الرئیس کی جانب اسی دوران پیغام مل گیا کہ وہ انفرادی طور پر جنگ کی ہرگز کوشش نہ کرے بلکہ باہر نکل کر اسلامی لشکر کو فریب دے سکے تو بہتر ہے اور کسی بھی طرح قلعہ الکہف یا بانیاس کی جانب سفر کرے کیونکہ شیخ الرئیس ٹکڑوں کی صورت میں مقابلہ کرنے کے بجائے سلطان بیبرس سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا خواہش مند ہے۔ منتظم قلعہ نے نہایت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ صدر دروازے کی جانب سے نکلنا کسی بھی لحاظ سے ممکن نہیں اگر حشیشی جنگجو سیدھے رستے باہر نکلے تو انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی اسلامی لشکر سے نبرد آزما ہونا پڑے گا اور سلطان بیبرس کبھی انہیں بآسانی فرار ہونے کی اجازت نہیں دے گا لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ قلعے کے تمام خفیہ راستے استعمال کئے جائیں۔ قلعے میں سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ خفیہ راستوں سے نکلنے کے لئے خاصا وقت درکار تھا۔ منتظم قلعہ نے بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ جو بھی ہو، خفیہ راستے ہی موزوں ہیں، پورا لشکر نہ نکل پایا تو کم از نصف تو نکل ہی جائے گا۔ منتظم اعلیٰ کی جانب سے اشارہ ملتے ہی تیزی سے خفیہ نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اُدھر سلطان بیبرس قلعہ خوابی کی خاموشی پر حیران تھا کہ فدائی مدافعتی کارروائیاں کیوں نہیں کر رہے۔ سلطان بیبرس نے چند بہادر سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ خاموشی سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں تاکہ صورتِ حال واضح ہو سکے۔ سپاہیوں نے جونہی فصیل کا نصف راستہ طے کیا تو تیروں کی تیز بارش نے انہیں ناکامی کی موت میں دھکیل دیا۔ سلطان بیبرس اس کارروائی سے سمجھ گیا کہ قلعے کے مکین کسی اہم تیاری میں مصروف ہیں اور جنگ کا معاملہ ٹالنا چاہ رہے ہیں، سلطان بیبرس نے لشکروں کو صف آراء کرتے ہوئے سفرمنھوں اور منجنیقوں سے سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کارروائی کا مقصد ان کی کی جانے والی خفیہ تیاری میں خلل ڈالنا تھا۔ اسی انداز میں دو ہفتے گزر گئے۔ سلطان بیبرس نے بڑی بڑی ڈھالوں کے سائے میں قلعے کی فصیل میں شگاف ڈالنے کا حکم دیا۔ قلعے کی دیوار ٹھوس پتھر کی تھی اس میں شگاف ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ فصیل پر مقرر فدائی محافظوں نے ڈھالوں پر آگ کے گولے پھینک کر بے شمار مجاہدین کو زخمی کر دیا۔ سلطان بیبرس اس دوران قلعہ کا چاروں جانب سے جائزہ لے چکا تھا۔ قلعہ اس قدر مہارت سے تعمیر کیا گیا تھا کہ کوئی ایسا کمزور رخنہ موجود نہیں تھا جو قلعے کی فتح کا باعث بنتا۔ سلطان بیبرس کے لئے یہ صورتِ حال نہایت اہمیت اختیار کر گئی۔

تیسویں دن سلطانی مخبروں نے اطلاع دی کہ ایک زبردست فدائی لشکر قلعے سے کچھ کوس دور مغربی سمت میں موجود ہے جو کسی بھی وقت اچانک حملہ آور ہو سکتا ہے۔

یہ خبر بڑی اہم تھی۔ سلطان بیبرس نے فوری طور قلعہ کی کارروائی کو روک دیا اور لشکر کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کر کے اس طرح پھیلا دیا کہ قلعے کا محاصرہ بھی ختم نہ ہو پائے اور دونوں میدانی سمتوں سے کسی بھی آنے والے فدائی لشکر کا موزوں انداز میں مقابلہ کیا جائے۔ اسلامی لشکر کے مخبروں نے فدائی لشکر کو اپنی نظروں کے حصار میں لے لیا تھا، وہ ان کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ جب فدائی لشکر اچانک اپنا پڑاؤ اُٹھا کر مخالف سمت میں روانہ ہو گیا تو مخبروں نے فوری طور پر سلطان بیبرس کو اطلاع دی۔ اس اطلاع پر وہ جلد ہی معاملے کی اصلیت کو سمجھ گیا کہ قلعہ خوابی کا لشکر کسی خفیہ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ سلطان بیبرس نے قلعہ خوابی پر بھرپور انداز میں حملہ کرتے ہوئے فصیل میں شگاف ڈال دیا۔ قلعہ میں موجود سپاہیوں نے ڈٹ کر سلطانی لشکر کا مقابلہ کیا مگر وہ تعداد میں چند سو ہی تھے اس لئے مختصر دورانئے میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ باقی تمام قلعہ خالی ملا۔ فدائی نہایت تیزی اور ذہانت سے تمام اسباب حرب سمیٹ کر لے جانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ سلطان بیبرس نے اس فدائی کامیابی پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ مجاہدین کو قلعہ کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں ہی مجاہدین نے قلعہ کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیا۔

قلعہ خوابی سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس نے مزید پیش قدمی کی اور تیزی سے سفر کرتا ہوا قلعہ الکہف کے قریب پہنچا۔ سلطان بیبرس ابھی یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ قلعہ کا محاصرہ کیا جائے کہ سلطانی مخبروں نے ایک نئی اطلاع دی کہ فدائی لشکر بھرپور تیاری کے ساتھ قلعہ بانیاس سے متصل ایک بڑے میدانی حصے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے اس کا منتظر ہے۔ سلطان بیبرس نے اپنے لشکر کو قلعہ الکہف کے قریب ہی ٹھہرنے کا حکم دیا۔ وہ قلعہ سے چند میل دور موجود تھا۔ یہ صورتِ حال بڑی نازک تھی کیونکہ اگر سلطان بیبرس فدائی لشکر کی خبر گیری کے لئے روانہ ہوتا تو اس بات کا قوی اندیشہ موجود تھا کہ قلعہ الکہف میں موجود فدائی لشکر عقبی جانب سے ان پر حملہ آور ہو جاتا۔ اس صورت میں اسلامی لشکر دو محاذوں میں بٹ کر رہ جاتا اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ فدائیوں کے حصار میں بری طرح گھر جاتا۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ پڑاؤ ڈالے ہوئے فدائی لشکر کا خود جا کر معائنہ کرے تا کہ صورتِ حال کو سمجھنے میں آسانی ہو اور کوئی حل نکالا جائے۔

***

گل وقوژا ایک عرصے سے روپوش رہنے پر مجبور تھی کیونکہ شیخ ابوراضیاء فدائیوں کا شیخ الجبال بننے کے بعد خاص طور پر اس کی تلاش میں تھا کیونکہ شیخ الرئیس کبیرالدین کے خلاف کی گئی سازش میں گل وقوژا ہی واحد گواہ تھی۔ شیخ ابوراضیاء اس سے کسی قدر خوفزدہ بھی تھا شاید اسی وجہ سے وہ اس کی جان کے درپے بھی تھا۔ گل وقوژا اپنی ذہانت کی بدولت فوری طور پر فدائی قلعوں کے خفیہ حصوں میں چھپ گئی، یہ الگ بات تھی کہ شیخ ابوراضیاء کی جانب سے آنے والے تمام وفادار غلام ایک ایک کر کے اس کے خنجر کا نشانہ بنتے رہے، جس کی خبر شیخ ابوراضیاء کو کبھی نہ ہو سکی۔ شیخ ابوراضیاء، شیخ الرئیس کی ذمہ داریوں میں کچھ ایسا اُلجھا کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گل وقوژ کی طرف سے بھی لاپرواہ ہوتا چلا گیا۔ گل وقوژ شیخ ابوراضیاء کی مصروفیت پر بدستور نگاہ رکھے رہی۔ وہ کسی مصلحت کے تحت فوری طور پر منظر پر نہیں آنا چاہتی تھی کیونکہ اسے خاص وقت کا انتظار تھا...... اور وہ وقت، قہستان کی خودمختار ریاست کے قیام کے بعد ہی شروع ہونا تھا۔ اسی وقت وہ اپنی مضبوط حیثیت کا پانسہ پھینک کر تمام بازی اُلٹ سکتی تھی۔ شیخ ابوراضیاء کے صلیبی حکمرانوں سے سفارتی تعلقات اور بلادِ مصر کی

حکومت کے مخالفین سے گٹھ جوڑ قہستان کے قیام کے منصوبے کو مستحکم بنا رہے تھے کہ اچانک سلطان بیبرس کی آمد کی خبر نے فدائی قلعوں میں ہلچل سی مچا دی۔ شیخ ابوراضیاء قاہرہ سے اتنی دور سلطان بیبرس کی موجودگی کی خبر پا کر بھونچکا رہ گیا۔

گل وقوژ نے جب فدائیوں کو خاص قسم کی تیاریوں میں مصروف دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔ اس نے صورتِ حال سے آشنائی کے لئے خفیہ حصوں کو خیر باد کہتے ہوئے قلعے کی راہداریوں کو استعمال کیا اور نہایت خفیہ انداز میں سفر کرتی ہوئی ایک قلعے سے دوسرے اور پھر تیسرے قلعے میں پہنچتی رہی۔ اسے جب بلادِ مصر کی افواج کے حملوں کی تصدیق ہوگئی تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ سلطان بیبرس کے بارے میں کئی قسم کی خبریں اس نے پہلے سے سن رکھی تھیں۔ صلیبی قلعوں کی بربادی اور ایل خانی منگولوں کی شکست کے باعث سلطان بیبرس کا چرچا عام تھا۔

فدائی جنگجو جوش وخروش سے سلطان بیبرس کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گل وقوژ ان کے درمیان گھومتی پھرتی رہی مگر کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔ گل وقوژ کوئی تنہا عورت نہیں تھی جو ان کے درمیان موجود تھی، اس جیسی کئی دوسری عورتیں بھی قلعوں میں اپنے اپنے امور سرانجام دے رہی تھیں۔ گل وقوژ کے ذہن میں کئی قسم کے خدشات سر اُٹھا رہے تھے۔ اس نے سب سے پہلے اسلامی لشکر کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ وہ غیر محسوس انداز میں اسلامی لشکر کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ سلطان بیبرس کا لشکر قلعہ الکہف سے کچھ دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ گل وقوژ کی دوربین نگاہوں نے بہت جلد ہی تاڑ لیا کہ فدائیوں کے مقابلے میں سلطان بیبرس کی تیاریاں زیادہ بہتر اور بھرپور ہیں مگر اس کے ذہن کے کسی خانے میں یہ امید بھی قائم تھی کہ ان پتھریلے میدانوں میں اسلامی لشکر بہت زیادہ عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ نہیں دکھا پائے گا۔ فدائیوں کے جوشیلے جذبات بھی اس کی نگاہوں کے سامنے تھے جو اپنے شیخ الرئیس کی حفاظت میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ گل وقوژ نے حالات کی اس عجیب وغریب کشمکش سے الگ رہتے ہوئے قلعہ الکہف کی بالائی پہاڑی کے ایک غار میں ڈیرہ جمالیا۔ وہ اپنے ساتھ تمام ضروری اسباب بھی لائی تھی تاکہ غیر متوقع حالات کے پیشِ نظر اسے فرار ہونا پڑے تو اسے کسی مشکل کا سامنا نہ ہو۔ وہ فیصلہ کن معرکے کے انتظار میں تھی جس میں فدائی جنگجو فتح یاب ہو کر سرخرو ہو پاتے۔ گل وقوژ کا ہدف فدائیوں کی کامیابی کے بعد پیش آنے والے وہ اہم حالات تھے جن میں وہ اس ''خاص عہد'' کا فائدہ اُٹھا سکتی تھی جو کہ شیخ الرئیس کبیر الدین نے اسے قاہرہ روانہ ہونے سے پہلے تھمایا تھا۔

❁ ❁ ❁

''قاآن اعظم! مقدس کلیسا کی جانب سے آیا ہوا ایک قاصد شرفِ ملاقات کا متمنی ہے''۔ خاص شاہی کمرے کے دروازے پر نمودار ہونے والے محافظ نے تعظیم دیتے ہوئے خبر دی۔ ایل خانی منگولوں کا حکمران، ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پڑپوتا ''اباقہ خان'' چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

''اسے ہمارے پاس بھیج دو''۔ اباقہ خان چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

محافظ حکم پا کر واپس لوٹ گیا کچھ دیر بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایک سیاہ چغے میں ملبوس ایک ادھیڑ عمر شخص تھا جس کے گلے میں لٹکی ہوئی بڑی سی چاندی کی صلیب اس کے رتبے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ وہ کلیسا کا ایک اسقف تھا۔ قاصد نے اندر داخل ہوتے ہی ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے صلیب بنائی اور پھر اباقہ خان کو تعظیم پیش کی۔ اباقہ خان نے بھی جواباً صلیب بناتے ہوئے اسے ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسقف دھیمے انداز میں چلتا ہوا کرسی پر جا بیٹھا۔

''ایل خانی خادم مقدس باپ کی کیا خدمت کر سکتا ہے؟'' اباقہ خان نے دریافت کیا۔

''خداوند یسوع کا سایہ ابد تک آپ پر قائم رہے۔ آپ کی دینداری و روحانی خدمت پر کلیسا کو دلی مسرت ہے اور وہ ہر وقت آپ کی صحت کی دعاؤں میں مشغول رہتی ہے۔ کلیسا کے پوپ اعظم شاہ قسطنطنیہ کی جانب سے خادمِ مسیح کے لئے یہ پیغام لانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہے، اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اس کا متن پڑھ کر آپ کو سنا سکتا ہوں''۔ اسقف نے کہا۔

اباقہ خان نے سر سے اثبات کا اشارہ کیا۔ اسقف نے اپنے لبادے سے ایک سنہرا رول برآمد کیا اور اس کی تہیں کھولنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے گلا صاف کرتے ہوئے پیغام پڑھنا شروع کیا۔

''بیزنطینی کلیسا کی جانب سے منگولوں کے بہادر اور جری حکمران اباقہ خان کے نام! کلیسا کو ایل خانی منگولوں کے خلوصِ ایمان اور وفاداری کے وہ تمام دن بخوبی یاد ہیں جو کہ قاآن اعظم منگو خان اور قاآن اعظم ہلاکو خان کے دور میں گزرے ہیں۔ بڑے افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منگولوں کی عظیم تر دینیت ماضی کے دھندلکوں میں کھوتی جا رہی ہے اور دین نصرانیت کی ترویج واشاعت کا سلسلہ خواب وخیال بنتا جا رہا ہے۔ دین نصرانیت کے دشمن ایک بار پھر متحد ہو کر اپنے بلوں سے باہر نکل آئے ہیں اور ان کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ اس قدر بڑھ چکا ہے کہ ارضِ مقدس کی نصرانی رعیت ہولناک عذاب کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ ہمارے بھائیوں پر دن رات حملے ہو رہے ہیں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں انہیں موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا ہے۔ ایک بار پھر کلیسا کو دین نصرانیت کی بقاء کے لئے اپنے خاص مسیحی خادموں کی فوری ضرورت پیش آ رہی ہے۔ یورپی دُنیا کے حکمران مسلمانوں سے یوں گھبراتے ہیں جیسے وہ کوئی عجیب مخلوق ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کلیسا کمزور پڑنے لگا ہے اور سلطان بیبرس جیسے حقیر حکمران بھی ارضِ کلیسا کو فتح کرنے کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ ہم تم سے خاص طور پر استدعا کرتے ہیں کہ اس وقت تم ہی وہ واحد قوت ہو جو مسلمانوں کو اس خطرناک ارادے سے باز رکھتے ہوئے ان کے اتحاد و یکجہتی کو متزلزل کر سکتی ہے۔ اپنی ذاتی مصروفیات کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے بقاء نصرانیت کی جانب توجہ دو اور عیش کوشی ترک کر کے تاتاری لشکروں کے ساتھ مردانہ وار نکلو اور کلیسا کو آخری ہچکی لینے سے بچاؤ۔ اگر تم نے بھی اس نازک ترین وقت میں کلیسا کی کوئی مدد نہ کی تو یاد رکھو کہ دین نصرانیت اپنوں کی بے وفائی اور لاپرواہی کے باعث خوفناک شکست سے دوچار ہو جائے گا اور پھر آنے والی نسلوں میں سے کوئی اس دین کو یاد نہ رکھے گا''۔

اسقف متن پڑھنے کے بعد خاموش ہو چکا تھا۔ اباقہ خان کلیسا کی آہ و بکا سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ذاتی طور پر دین نصرانیت کا سچا اور پکا پیروکار تھا اور اسے مسلمانوں سے اتنی ہی نفرت تھی جتنی کہ صلیبی جنگجوؤں میں پائی جاتی تھی۔ اباقہ خان کے دل میں کئی بار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا دُنیا کی فتوحات پر نکلے مگر ہر بار اس کے خاص دشمن آڑے آ جاتے تھے اور وہ خاص دشمن اس کے بھائی بند اردوئے زریں کے منگول تھے جو کہ اپنے سلطان برقائی خان کے دور میں شروع ہونے والی اور نہ ختم ہونے والی لڑائی کو مسلسل جاری رکھے ہوئے تھے۔ برقائی خان تو وفات پا چکا تھا اور اس کی جگہ توگائی خان لے چکا تھا مگر ایل خانی منگولوں سے دشمنی کم ہونے کے بجائے بڑھتی چلی گئی۔ دونوں کے درمیان خیر و شر کی لڑائی تھی۔ اردوئے زریں کے منگول دین اسلام کی بالادستی کے قائل تھے تو ایل خانی منگول دین نصرانیت کی حاکمیت کا مطالبہ کرتے تھے۔ دونوں گروہوں کے پاس اس قدر طویل رقبہ سلطنت تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کن معرکہ ممکن نہیں تھا۔ لاکھوں منگول ان آپسی جھڑپوں کی غذا بن چکے تھے مگر ابھی تک مدافعت و مزاحمت برقرار

تھی۔ اباقہ خان نے کئی بار بھرپور تیاری کے ساتھ اردوئے زریں پر چڑھائی کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا، ہر بار اسے ناکام و نامراد واپس لوٹنا پڑا۔

''قاآن اعظم کا اگر فوری جواب دینے کا ارادہ نہیں ہے تو خادم کسی اور وقت میں حاضر ہو جائے گا''۔ اسقف نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو اباقہ خان خیالوں کے بھنور سے نکل آیا اور کسی قدر دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مقدس باپ سے جا کر کہہ دیجئے کہ اس خادمِ مسیح کو کلیسا کی مصیبت کا بخوبی احساس ہے آپ فکرمند نہ ہوں کیونکہ بہت جلد ہی میں ارضِ مقدس کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور سلطان بیبرس کے ساتھ تو ہمارا ذاتی قرض بھی باقی ہے جسے اُتار کر میں یہ ثابت کر دوں گا کہ ایل خانی منگول ہی اس دُنیا کے اصل حاکم ہیں''۔

یہ سن کر اسقف کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اس نے شکریئے کے طور پر تعظیم دی اور اجازت طلب کی۔ اباقہ خان اس کے جانے کے بعد اس خیال میں غلطاں ہو گیا کہ وہ بلادِ شام تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس چند لمحے پہلے اپنے لشکر میں واپس لوٹا تھا۔ وہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق تنہا فدائی لشکر میں گھوم کر ان کی تیاریوں کا جائزہ لے چکا تھا۔ فدائی لشکر تعداد میں کافی بڑا تھا مگر ان کے پاس عسکری آلات کی کمی تھی۔ یہی اہم بات تھی جس سے سلطان بیبرس نے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ قلعہ الکہف کی جانب سے کسی قسم کے خطرے کے پیشِ نظر سلطان بیبرس نے کئی دستے پڑاؤ کے مقام پر اس انداز میں تعینات کئے کہ وہ پھیلے ہوئے دکھائی دیئے۔ دور سے دیکھنے والا یہی خیال کرتا کہ وہ کوئی بڑا لشکر ہے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ دستوں کو قریبی نشیبوں میں چھپا دیا گیا تاکہ قلعہ الکہف کی جانب سے ہونے والی کسی بھی سرگرمی پر بر وقت قابو پایا جا سکے۔ تمام انتظامات سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس نے تمام لشکروں کو عشاء کے وقت پڑاؤ اُٹھانے کا حکم دیا اور نہایت خاموشی سے پیش قدمی کی ہدایت کی۔ اسلامی لشکر اپنے ساز و سامان کے ساتھ دھیمی رفتار سے آگے بڑھا اور فدائی لشکر کے بالکل سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ یہ سب کارروائی اس قدر راز داری سے کی گئی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ قلعہ الکہف کے مکین یہی سمجھتے رہے کہ اسلامی لشکر ان کے قریب ہی موجود ہے۔

سلطان بیبرس رات بھر فدائی لشکر سے نبرد آزما ہونے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔ تمام رات منجنیقوں اور سفر منہوں کو درست کیا گیا اور ہر قسم کی حربی تیاری مکمل کر لی گئی۔ جب صبح کی سپیدی چار سو پھیلی تو فدائی جنگجو اسلامی لشکر کو اپنے سروں پر دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ سلطان بیبرس انہیں مزید تیاری کرنے اور ہوشیار ہونے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا اسی لئے اس نے فوری طور پر طبل جنگ بجوا دیا۔ فدائی نقارہ کی آواز سن کر تیزی سے اپنی صفیں سیدھی کرنے لگے۔ اسلامی لشکر پہلے سے تیار کھڑا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد باقاعدہ لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دونوں جانب سے جوشیلے سپاہی آگے بڑھ کر ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔ سلطان بیبرس اپنے سپاہیوں کی ہمت بندھانے کے لئے خود ان کے ساتھ درمیانی حصے میں پہنچ کر شمشیر زنی کی مہارت دکھاتا رہا۔ فدائی جنگجوؤں کو کافی طویل عرصے کے بعد باقاعدہ حربی معرکہ آرائی کا موقعہ ملا تھا اس لئے ان کی جارحیت شدید تھی۔ وہ اپنی فدائی سلطنت کے قیام و بقاء کے لئے بھی کوشاں تھے جو یقیناً ان کی شکست کی صورت میں بکھر کر رہ جاتا۔

سلطان بیبرس جہاں اپنی افواج کی ہمت بندھاتا رہا وہیں وہ فدائی جنگجوؤں کا جوش و جذبہ دیکھ کر بھی حیران ہوتا رہا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ لوگ راہِ حق سے بھٹک نہ جاتے اور دینِ اسلام پر قائم و دائم رہتے تو یقیناً ہلاکو خان جیسے کئی منگول حکمران اکٹھے مل کر بھی بغداد فتح نہیں کر سکتے تھے۔ تمام دن

گھمسان کا رن پڑا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اسی طرح روزانہ زوردار معرکہ آرائی ہوتی رہی اور پھر رات پڑ جانے پر معاملہ اگلے دن پر ملتوی ہو جاتا۔ تیرہ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سلطان بیبرس کو جلد ہی اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ فدائیوں کا حاکم شیخ الجبال لڑائی کو جان بوجھ کر طول دے رہا ہے کیونکہ اسے صلیبی کمک کا بے چینی سے انتظار ہے۔ شیخ الرئیس کے تعلقات آرمینیہ و قسطنطنیہ سے بہت اچھے تھے جن کے باعث ممکن تھا کہ وہ دونوں ریاستیں سلطان بیبرس کے خلاف اس کی مدد کرنے سے نہ ہچکچاتیں۔ آرمینیہ سلطان بیبرس کے ہاتھوں زخم خوردہ تھی تو قسطنطنیہ کو اپنی سلامتی کے لئے فدائیوں کی مدد کرنا ضروری تھی۔ یہ مرحلہ تشویش ناک تھا کیونکہ سلطان بیبرس مکمل طور پر حصار میں تھا۔ عقبی جانب سے قلعہ الکہف کی کارروائی کا اندیشہ تھا تو بالائی جانب سے صلیبی اور تاتاری حریفوں سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ سامنے کی جانب فدائیوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ سلطان بیبرس نے وقت کی نزاکت کے تحت چودہویں دن اپنی افواج کو حکم دیا کہ پیش قدمی اور دو بدو لڑائی کو محدود کر دیا جائے اور منجنیقوں اور سفر منہوں کا کثرت سے استعمال کیا جائے۔ جب نقارۂ جنگ کی صدا گونجی تو ساتھ ہی منجنیقوں اور سفر منہوں نے اپنا منہ کھول دیا۔ بڑے بڑے پتھر اور جلتے ہوئے تیروں کی بارش نے فدائی لشکر کو بوکھلا ڈالا۔ کئی فدائی جان ہتھیلی پر رکھتے ہوئے منجنیقوں تک پہنچے مگر وہ کوئی کارروائی نہ کر پائے اور مجاہدین کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے۔

فدائی لشکر ڈھالوں کی چھاؤں میں آگے بڑھا مگر اسلامی لشکر نے اپنے حملوں میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ انہیں پیش قدمی جاری رکھنا محال دکھائی دینے لگا۔ سلطان بیبرس تمام جانب مکمل طور پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ فدائیوں نے تمام دن مختلف انداز میں اسلامی لشکر کے قریب پہنچنے کی کوشش کی مگر انہیں خاص کامیابی نہیں ہو پائی۔ شام کو حسبِ معمول لڑائی بند ہو جانا چاہئے تھی مگر سلطان بیبرس نے حملے جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ فدائی جنگجو اس غیر متوقع صورتِ حال سے پریشان ہو گئے۔ شیخ الرئیس نے سلطان بیبرس کے جارحانہ عزائم کو بھانپ لیا اور فدائی دستوں کو منظم انداز میں پیچھے ہٹانے لگا۔ سامنے کی جانب والے دستوں کو اسلامی لشکر سے الجھائے رکھتے ہوئے وہ نہایت عمدگی سے اپنے لشکروں کو قلعوں کے پاس لے گیا۔ سلطان بیبرس سمجھ چکا تھا کہ فدائی لشکر قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کو قلعے کے اندر جانے اور دروازہ بند کرنے کا ہرگز موقع نہ دیں۔ اسلامی لشکر آگے بڑھ کر پوری شدت سے حملہ آور ہوا مگر انہیں یہ قدم اُٹھانے میں دیر ہو چکی تھی۔ فدائی لشکر قلعہ بند ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے قلعہ بانیاس کا محاصرہ کرتے ہوئے مجاہدین کو کڑی ہدایت کی کہ وہ رات کی نیند کو قربان کرتے ہوئے قلعہ پر سنگ باری کا سلسلہ جاری رکھیں۔ منجنیقوں کے منہ قلعے کی جانب موڑ دیئے گئے۔ جو نے بڑے پتھروں پر چربی ڈال کر انہیں آگ لگا دی جاتی اور پھر انہیں قلعے کے اندر پھینک دیا جاتا۔ قلعہ کی فصیل بلند و بالا تو ضرور تھی مگر مجاہدین کے جذبے کے سامنے وہ حقیر پڑ گئی۔ آگ کے گولوں نے بہت جلد ہی کام دکھایا۔ قلعے کے مختلف حصوں میں آگ بھڑک اُٹھی۔ فدائی تمام رات آگ کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔

اگلی صبح فدائیوں نے اسلامی لشکر کی بے خوابی کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اسلامی لشکر گذشتہ آٹھ پہر سے سخت کوشی کے باعث تکان کا شکار ہو چکا تھا۔ انہیں فوری طور پر آرام کی ضرورت تھی مگر سلطان بیبرس نے ایسے جوشیلے الفاظ میں ان کے جذبۂ ایمان کو چنگاری دکھائی کہ ان کی انگارہ آنکھوں میں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ فدائی سپاہی فصیل کی آڑ میں سے مسلسل تیر اندازی میں مصروف تھے۔ منجنیقوں نے چیختے ہوئے دوبارہ سنگ باری کا سلسلہ جو شروع کیا تو فصیل پر مورچے سنبھالے ہوئے سپاہی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے فصیلوں

سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان بیبرس مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لئے خود بڑے بڑے پتھر اُٹھا کر منجنیقوں تک لاتا رہا۔

مجاہدین کا خصوصی دستہ کدالیں لے کر فصیل کی بنیادوں پر حملہ آور ہوگیا۔ پتھریلی زمین میں کدالیں چلانا بڑا دشوار کام تھا مگر ان کی محنت بہت جلد رنگ لائی اور وہ دو پہر تک فصیل کا بڑا حصہ کھوکھلا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی جانب سے تکمیل کا اشارہ ملتے ہی سلطان بیبرس کی ہدایت کے مطابق منجنیقوں نے فصیل کے اس حصے کو اپنا نشانہ بنایا۔ چند گھنٹوں کی خوفناک ضربوں کے بعد فصیل کا ایک حصہ خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ حسب توقع زمین بوس ہوتا چلا گیا۔ سلطان بیبرس پہلے سے ہی اس موقعے کا منتظر تھا جونہی فصیل کا حصہ گرنا شروع ہوا تو سلطان بیبرس نے مجاہدین کو تیز رفتاری سے اس حصے پر قبضہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ اگر فدائی جنگجو اس حصے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو جاتے تو لڑائی کا سلسلہ طول پکڑ سکتا تھا۔ مجاہدین بھی شاید اس بات سے واقف تھے اسی لئے انہوں نے رتی بھر کوتاہی نہیں کی اور اس حصے کے ساتھ ساتھ قلعے کے اندرونی راستوں پر بھی قابو لیا۔ اسی اثناء میں دوسری جانب کی فصیل بھی اسی طریق کار سے منہدم کر دی گئی۔ اسلامی لشکر کو دو اطراف سے راستہ مل چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے فدائیوں کا مکمل صفایا کرنے کا حکم جاری کیا تو مجاہدین جارحانہ انداز میں فدائیوں کو کاٹتے ہوئے قلعے کی اندرونی جانب بڑھنے لگے۔ فدائی جوش و جذبے کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے مگر ان کی مدافعت و مزاحمت میں پہلے جیسی گرم جوشی نہیں تھی تمام دن کی لڑائی کے بعد رات کے آغاز پر فدائیوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور امان کے طالب دکھائی دیئے۔

سلطان بیبرس کو جب اس نئی صورتِ حال کی خبر ہوئی تو اس نے ہاتھ روک لینے کا حکم دیا۔ تمام فدائیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور انہیں قلعے کے باہر لا کر ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ قلعہ بانیاس کی مکمل تلاشی لی گئی اور خفیہ حصوں میں چھپے ہوئے فدائی بھی گرفتار کر لئے گئے۔ جو فدائی سپاہی معمولی سی مزاحمت کرنے کی کوشش کرتا تو بلا دریغ اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا۔ فدائیوں کی گرفتاری کے بعد شیخ الجبال کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ لڑائی کے دوران ہی خفیہ راستوں سے فرار ہو کر قلعہ میصاف کی جانب فرار ہو گیا ہے۔ سلطان بیبرس نے نصف لشکر کو آرام کرنے کی ہدایت کی اور نصف لشکر کو حالات پر نظر رکھنے کے لئے ہوشیار رہنے پر مامور کیا۔ تہجد کے وقت سوئے ہوئے سپاہیوں کو بیدار کر دیا گیا اور پہرہ دینے والوں کو سلا دیا گیا۔ تمام رات سلطان بیبرس میدان جنگ کے اطراف میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے خدشہ تھا کہ قلعہ میصاف کی جانب سے کوئی تازہ دم فوج ان پر شب خون مارنے کی کوشش نہ کرے۔ جب صبح ہوئی تو سلطان بیبرس نے تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا اور پھر بیدار ہونے کے بعد قلعہ کو تباہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی اثناء میں قلعہ الکہف کی جانب تعینات کئے گئے دستے بھی وہاں بلا لئے گئے۔ اسلامی لشکر کو بہت قلیل آرام میسر آیا۔ دو پہر کے بعد سلطان بیبرس نے گرفتار شدگان کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے انہیں دائرہ اسلام میں لوٹ آنے کی تلقین کی۔ فدائیوں کی گمراہی پر انہیں برا بھلا کہا اور ساتھ ہی ان پر واضح کر دیا کہ وہ مسلمان ہونے والے فدائی کو تو معاف کر دے گا مگر کسی مرتد کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔ فدائیوں کی ایک بڑی جماعت نے اس اعلان کے خلاف احتجاج کیا اور اپنے مسلک کو درست قرار دیا۔ سلطان بیبرس نے انہیں مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو بالآخر ان کی موت کا فرمان سنا دیا گیا۔ مجاہدین نے آناً فاناً ان مرتدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک مختصر تعداد جان کے خوف سے اس کارروائی میں الگ تھلگ کھڑی رہی۔ انہوں نے فدائی مذہب کو ترک کرنے کا اعلان کیا تو انہیں امان دی گئی۔ اکیس روز تک سلطان بیبرس قلعہ بانیاس میں

موجود رہا۔ مجاہدین حکم شاہی کے مطابق قلعے کی بنیادیں کھودتے رہے۔ بائیسویں دن قلعہ اس قدر خستہ حال کھنڈر بنا دیا گیا کہ اس میں کسی کا قیام ممکن نہ رہا۔ قلعے کے تمام ساز و سامان کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا۔ سلطان بیبرس نے وقت ضائع کرنے کے بجائے لشکروں کو جمع کرتے ہوئے قلعہ میصاف کی جانب بڑھنے کا حکم دیا۔

❀ ❀ ❀

شیخ الرئیس ابوراضیاء سمجھ چکا تھا کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے۔ فدائیوں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے کا جذبہ سرد پڑ چکا تھا یا پھر مشیت ایزدی ان کے طوفانِ فتنہ انگیز کو مزید برداشت کرنے پر تیار نہیں تھی۔ شیخ الرئیس کو جس بات کا سب سے زیادہ صدمہ تھا وہ صلیبی حلیفوں کی بے وفائی و بے اعتنائی تھی۔ انہیں بار بار مدد کے لئے پیغام بھیجنے کے باوجود کسی نے بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا جس سے ان کی ذرا سی ہمت بندھ پاتی۔ اس نازک ترین دور میں پہلی بار شیخ ابوراضیاء کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے گل دقوث کی بات مان کر غلطی کی تھی۔ شیخ کبیر الدین اگر زندہ ہوتا تو یقیناً حالات کا رُخ کچھ اور ہوتا۔ اس نے اپنے داعی رفقاء کے ساتھ طویل نشست میں صلاح و مشورہ کیا۔ سلطان بیبرس کے تیور دیکھتے ہوئے انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ وہ انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ کچھ رفقاء نے سلطان بیبرس کے ساتھ معاہدہ امن کا مشورہ دیا مگر پُر جوش داعیوں نے یہ پسپائی و ذلت گوارہ نہیں کی اور قلعہ بند ہو کر لڑائی کو ترجیح دی۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پائے کہ اسلامی لشکر نے قلعہ میصاف کا گھیراؤ کر لیا اور تاخیر کئے بغیر منجنیقوں سے سنگ باری شروع کر دی۔ قلعہ بانیاس کے حشر کی بازگشت پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھی اس لئے اہل قلعہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے۔

قلعہ میصاف میں عام فدائی سپاہیوں کے علاوہ بڑی تعداد میں جنگجو عورتیں موجود تھیں جنہیں خنجر زنی کی خصوصی مہارت سے آراستہ کیا گیا تھا۔ شیخ ابوراضیاء نے قلعے میں موجود افراد کی تفصیل معلوم کی تو اسے بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ قلعے میں عورتوں سمیت سپاہیوں کی تعداد سات ہزار تھی۔ فدائیوں کی بڑی تعداد پہلے معرکے کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ شیخ ابوراضیاء نے اپنی عسکری قوت کی کمی کے پیشِ نظر اس بات پر زور دیا کہ فی الوقت سلطان بیبرس کے ساتھ صلح کر لینا زیادہ بہتر ہے مگر داعیوں نے اسے خوف سے تعبیر کرتے ہوئے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اعلان کیا۔ شیخ ابوراضیاء کو فدائیوں کی شکست واضح دکھائی دے رہی تھی مگر وہ اپنے داعیوں کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا۔

تمام سپاہیوں کو فصیلوں پر تعینات کر دیا گیا تا کہ وہ اسلامی لشکر کو فصیل میں شگاف ڈالنے سے باز رکھیں۔ فصیل سے تیروں کی بوچھاڑ کی گئی جس کے باعث اسلامی لشکر کو کسی قدر پیچھے ہٹنا پڑا۔ سلطان بیبرس نے صورتِ حال کو طول دینے کے بجائے آگ کے گولے برسانے کا حکم دیا۔ بڑے بڑے پتھر آگ کے شعلوں میں لپٹے ہوئے قلعے کے مختلف حصوں کو نشانہ بنانے لگے۔ فصیل پر ایسے تابڑ توڑ حملے کئے گئے کہ فدائیوں کے لئے مورچے سنبھالنا مشکل ہو گئے۔ دو دن کی لڑائی کے بعد ہی اسلامی لشکر فصیل میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر مجاہدین نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے قلعہ میصاف میں داخل ہو گئے۔ مجاہدین نے سلطان بیبرس کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی نہایت بے دردی سے مرتد فدائیوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ قلعہ میصاف کے گلی کوچے لاشوں سے بھر گئے۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ مجاہدین نے بلا تمیز قتل عام کیا۔ فدائی عورتیں بھی تیزیٔ شمشیر سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ شیخ ابوراضیاء اور اس کے خاص رفقاء اور

منتظمین سلطنت بھی بچ نہ سکے اور گمنامی و ذلت کی موت مارے گئے۔ سلطان بیبرس اطمینان سے قلعہ کے باہر اپنے خیمے میں بیٹھا رہا۔ شام پڑنے پر مجاہدین کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا اور بچے ہوئے افراد کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا۔ قلعے کے مختلف حصوں سے چھپے ہوئے افراد کو نکال کر باہر لایا گیا۔ ان کی تعداد بارہ سو کے قریب تھی۔ سلطان بیبرس نے انہیں بھی دین اسلام پر واپس لوٹنے کی ترغیب دی جس پر وہ بلاتردد متفق دکھائی دیئے۔

سلطان بیبرس نے فدائیوں کے تین اہم قلعوں کی فتح کے بعد قلعہ الکہف کی جانب توجہ کی۔ یہ قلعہ بھی زیادہ مدافعت نہ کر سکا اور ایک ہفتے کی مزاحمت کے بعد ڈھیر ہو گیا۔ فدائیوں کی کثیر تعداد کو بے دریغ ہلاک کر دیا گیا۔ سلطان بیبرس نہایت اطمینان سے فدائیوں کا خاتمہ کرتا چلا گیا۔ چوبیس قلعوں کو ان کے قبضے سے چھڑا کر سلطانی تحویل میں لے لیا گیا۔ کچھ قلعوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا جبکہ کچھ اہم قلعوں کی مرمت کرتے ہوئے وہاں اسلامی چھاؤنیاں بنا دی گئیں۔ گیارہ ماہ تک جاری رہنے والی اس پرصعوبت مہم سے فارغ ہو کر سلطان بیبرس نے قاہرہ واپسی اختیار کی۔ باطنی فدائیوں پر سلطان بیبرس کی اس کاری ضرب نے ان کا کلیتہً خاتمہ کر دیا تھا۔ بلادِ شام کے اطراف میں موجود یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے مٹ چکا تھا۔ باطنی فدائیوں کی ہولناک تباہی کا اثر قریبی تمام صلیبی حلقوں پر پڑا اور وہ بے چین دکھائی دیئے کیونکہ سلطان بیبرس کی اسلامی سلطنت کی سرحدیں ان کے بالکل ساتھ جڑ چکی تھیں۔ ان کے خاص فدائی حلیف طبقے کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے اس قدر سخت انتظامات کئے کہ قلعوں میں سے کوئی شخص پہاڑی علاقوں میں فرار نہ ہو پایا۔ مختلف خفیہ راستوں کو پہلے ہی منہدم کر دیا گیا تھا۔ اگر کچھ فدائی ان پہاڑی علاقوں میں روپوش ہونے میں کامیاب بھی ہوئے تھے تو ان کی روپوشی اسلامی ریاست کے لئے نقصان دہ نہیں تھی کیونکہ وہاں قائم کی گئی چھاؤنیاں ان کے خاتمے کے لئے ہر وقت موجود تھیں۔ سلطان بیبرس نے گرفتار شدہ فدائی افراد کو بلادِ مصر کے مختلف شہروں میں آباد کرتے ہوئے یوں بکھیر دیا کہ وہ شاید ہی کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھ پائے۔ ان فدائیوں کی کڑی نگرانی رکھی گئی جو کوئی مشکوک حرکت میں مبتلا دیکھا گیا تو فوراً اس کی خبر گیری کی گئی۔ چند بار کی کھچائی کے بعد فدائیوں کو یقین ہو گیا کہ انہیں اگر بلادِ اسلامیہ میں رہنا ہے تو وہ صرف پُرامن مسلمان شہری بن کر ہی رہ سکتے ورنہ کوئی خفیہ مخبر انہیں زندگی کی قید سے نجات دلا دے گا۔ سلطان بیبرس کی حکمت عملی کے باعث مرتدین اسلام کا یہ گروہ پُرامن شہری بننے پر مجبور ہو گیا۔ حسن بن صباح کی شروع کی ہوئی اسلام دشمن تحریک ایک سو بیاسی سال تک اپنی فتنہ انگیزی اور دہشت گردی کا طوفان برپا کرنے کے بعد صفحہ ہستی سے مٹا دی گئی۔ سلطان بیبرس کے اس اہم قدم کے باعث تمام علماءِ دین اور اسلام پسند عناصر نے اسے بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا۔

❁ ❁ ❁

گل وتوژ قلعہ بانیاس کی لڑائی کا انجام دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ اب بازی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے لہٰذا اس کا مزید وہاں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ اسی لئے اس نے اپنے گھوڑے کو تیار کیا اور ضروری اسباب کاٹھی سے باندھ لئے۔ جونہی شام کے سائے گہرے ہوئے تو اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ وہ تیز رفتاری سے اس عتاب زدہ علاقے سے نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ پہاڑی راستوں سے سفر کرتی ہوئی کوہ قفقاز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی منزل کیا ہے اور اسے اب کس جانب جانا چاہئے؟

کوہ قفقاز کے نزدیک پہنچتے ہی اس کی نگاہ مخصوص قسم کے مورچوں پر پڑی جو پہاڑیوں پر ایک ترتیب سے بنائے گئے تھے۔ اسے یہ مورچے دیکھ کر کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا وہ گہری سوچ میں پڑ گئی کہ ان مورچوں میں ایسی کیا خاص بات ہے جو اسے پریشان کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ تھوڑی دیر تک غور کرنے

کے بعد اس کا ذہن جیسے کھل سا گیا۔ اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگنے لگی۔ اس کی یادداشت نے وہ خاص بات اس پر عیاں کر دی تھی مورچوں کی تعمیر کا انداز زرّیں خیل قبائل کا تھا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہ آئی کہ وہ زرّیں خیل سلطنت کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ اسی سلطنت کے دارالحکومت سرائے میں اس کے اپنے مقیم تھے۔ اپنوں کی یاد نے اسے چند لمحوں کے لئے جھنجھوڑ دیا مگر دوسرے ہی لمحے اس کا تلخ ماضی اس کا منہ چڑانے لگا۔ اس کے سگوں نے ہی تو اس کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اس کی زندگی کی خوشیوں کو اپنے مفادات کے لئے بربادی میں بدل ڈالا۔ اسی لمحے تخیل کے پردوں پر اسے اپنے ناتا منگ آنہ کا مکروہ چہرہ دکھائی دیا جو اسے آخری رسم کی بھینٹ چڑھا کر اطمینان سے زندگی بسر کر رہا ہو گا۔ اپنی بربادی کے ایک مجرم شنگ خان کو تو گل وتوژ نے سزا دے ہی دی تھی مگر اس کا اصلی مجرم قبیلہ سرخ غر کا سردار منگ آنہ ابھی باقی تھا۔ اسی لمحے گل وتوژ نے فیصلہ کر لیا کہ اگر اس نے زندگی کا بڑا حصہ سسکتے تڑپتے گزارا ہے، تو ان لوگوں کو بھی زندہ رہنے اور ہنسی خوشی کی زندگی بسر کرنے کا حق نہیں دے گی۔ وہ ان کی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا ڈالے گی۔ اسی لمحے اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں سرائے کی جانب موڑ لیں، اسے اپنی منزل اور جینے کا مقصد مل چکا تھا...... خون کے رشتوں کی خوشیوں کا خاتمہ!

❁ ❁ ❁

وہ برق رفتار گھڑ سوار ہوا سے باتیں کرتا ہوا ٹریپولی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ شکل و صورت سے وہ عیسائی زائر دکھائی دے رہا تھا جو کہ کسی مقدس مقام کی زیارت کے لئے ٹریپولی پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کے گھوڑے کے عقبی جانب ایک ہرن لٹک رہا تھا جسے شاید اس نے راستے میں شکار کیا ہو۔ ٹریپولی عیسائیوں کا ایک بڑا قلعہ نما شہر تھا جسے سلطان بیبرس سے معاہدہ امن کی صورت میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ یہ شہر انطاکیہ کے ساتھ متصل تھا اور نہایت خشک اور پتھریلے علاقے پر واقع تھا۔ شام و لبنان سے نکالے گئے عیسائی اور صلیبی بھگوڑے یہیں پناہ گزین تھے انہی میں انطاکیہ کا سابق بادشاہ بوہمنڈ (بوہیمان) بھی شامل تھا۔ شاہ بوہمنڈ جن دنوں ریاست نوبہ میں گیا ہوا تھا، انہی دنوں میں سلطان بیبرس کی زبردست یلغار اس کی سلطنت کو بہا لے گئی تھی۔ ارضِ نوبہ سے شکستہ حال وہ ٹریپولی پہنچا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اس کی نئی ریاست انطولیہ قرار پائی تھی۔ یہ ریاست برائے نام ہی تھی کیونکہ نہ تو اس میں زیادہ آبادی تھی اور نہ ہی زیادہ رقبہ۔ خشک سالی کی دشوار زندگی گزارنے کے بجائے عیسائی خاندان قریبی ریاست قسطنطنیہ میں چلے جانا زیادہ بہتر سمجھتے تھے پھر بھی عیسائیوں کی کافی بڑی تعداد یہاں آباد تھی۔

وہ گھڑ سوار جب ٹریپولی پہنچا تو شکار کیا ہوا ہرن دیکھ کر بے شمار افراد کے منہ کھلے رہ گئے۔ گھڑ سوار نے چند لوگوں سے شاہی دربار کا راستہ معلوم کیا اور سیدھا دربار جا پہنچا۔ اس نے درباری محافظوں کو اطلاع دی کہ وہ بلادِ مصر کا قاصد ہے اور ایک ضروری سلسلے میں شاہ بوہمنڈ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔ جب شاہ بوہمنڈ کو معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس کی جانب سے کوئی پیغام آیا ہے تو وہ حیران دکھائی دیا۔ اس نے قاصد کو دربار میں طلب کر لیا۔ قاصد بڑے فخریہ انداز میں کندھوں پر ہرن ڈالے ہوئے دربار میں داخل ہوا۔ سب لوگ حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ قاصد سے آمد کا مقصد دریافت کیا گیا تو اس نے ہرن فرش پر ڈالتے ہوئے مخصوص سفارتی انداز میں کہا۔

''شاہ بوہمنڈ! میرے آقا الملک الظاہر سلطان رکن الدین محمود بیبرس کو بے حد افسوس ہے کہ آپ انطاکیہ سے بے دخل کئے جانے کے بعد اس پتھریلے ملک میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ انطاکیہ کی بہاریں

تو آپ کو واپس مل نہیں سکتیں جہاں آپ بلاخوف ہرن کے شکار کا شوق فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ ٹریپولی میں تو ہرن دستیاب نہیں ہوتے لہٰذا میرے آقا نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ ہرن شکار کر کے آپ کے لئے بطور ہدیہ بھیجا ہے تا کہ آپ کے جذبات کو تسکین مل سکے۔ اسے قبول کر کے میرے آقا کو شکر گزار ہونے کا موقعہ دیجئے''۔

قاصد کی کڑک دار آواز نے پورے دربار پر گہرا سکوت طاری کر دیا تھا شاہ بوہمنڈ اس عجیب پیغام اور تحفے کو دیکھ کر کافی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کمزور لہجے میں سلطان بیبرس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس تحفے کو قبول کرنے کا اظہار کیا۔ قاصد کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرائے جانے کا حکم دیا گیا تو قاصد نے معذرت کرتے ہوئے فوری واپسی پر اصرار کرتے ہوئے بتایا کہ سلطان بیبرس اس کے جواب کا بے تابی سے منتظر ہے۔ یہ دوسری بات تھی جس نے پورے دربار کو سراسیمگی میں مبتلا کر دیا کہ سلطان بیبرس ٹریپولی کے قریب ہی موجود ہے۔ شاہ بوہمنڈ نے سلطان بیبرس کے نام پیغام میں پوری یقین دہانی کرائی کہ وہ کسی بھی ایسی نامناسب سرگرمی میں شامل نہیں ہے جو بلادِ اسلامیہ کے خلاف ہو اور نہ ہی اس کا ریاست قسطنطنیہ کے کسی معاملے میں شریک بننے کا کوئی ارادہ ہے، سلطان بیبرس کو اس کی جانب سے بے فکر رہنا چاہیے۔

قاصد اجازت لے کر وہاں سے نکلا اور دربار سے باہر کھڑے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ابھی وہ چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک شخص تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ قاصد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ شخص قریباً ہانپ رہا تھا۔ خشک موسم اور ہلکی سردی کے باوجود اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

''سنو بھائی! کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو؟'' وہ شخص تیزی سے بولا۔

''میں تو شاہی قاصد ہوں، میں بھلا تمہیں اپنے ساتھ کیسے لے جا سکتا ہوں؟''

''میں تمہیں خداوند یسوع کا واسطہ دیتا ہوں...... میں اس خوفناک پتھریلی زندگی سے عاجز آ چکا ہوں، مہربانی کر کے مجھے اپنے ساتھ ارضِ مقدس لے چلو''۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ میں ارضِ مقدس ہی واپس لوٹوں گا؟''

''کیا مطلب؟...... تم ارضِ مقدس میں نہیں رہتے ہو''۔ اس شخص کا چہرہ حیرت سے اٹ گیا

''میں نے بتایا تو ہے کہ میں شاہی قاصد ہوں۔ میں یہاں سے سیدھا سلطان کے پاس جاؤں گا جو کہ آج کل دمشق میں موجود ہے''۔

''تو تم مجھے دمشق ہی لے چلو''۔ وہ شخص لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہیں یہاں رہنے میں کیا مسئلہ درپیش ہے؟'' قاصد نے دریافت کیا۔

''بھائی کیا بتاؤں! جب انطاکیہ میں رہتا تھا تو زندگی کی سب آسائشیں میسر تھیں جب سے وہاں سے دربدر ہوا ہوں اسی دن سے افلاس وفقر نے میرا گھر دیکھ لیا ہے''۔

''مگر میرے آقا نے انطاکیہ سے تو کسی عیسائی کو زبردستی نہیں نکالا''۔

''اس قصے کو جانے دو۔ تم مجھے دمشق لے چلو وہاں کم از کم کچھ کرنے کو تو ملے گا یہاں تو کرنے کے لئے کام بھی نہیں ملتا''۔ وہ شخص اپنی ضد پر قائم تھا۔

''یہ بات تو طے ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ دمشق نہیں لے جا سکتا البتہ تمہیں اپنی ایک قیمتی انگوٹھی دے سکتا ہوں اسے شاہی دربار میں دکھا کر تم کچھ انعام پا سکتے ہو۔ اس رقم سے کچھ کر سکو تو مجھے خوشی ہوگی''۔

قاصد نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہ شخص انگوٹھی ہاتھ میں

لئے شکر گزار نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا۔ وہ ابھی انگوٹھی ٹٹول رہا تھا کہ دو درباری محافظوں نے تیزی سے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ وہ شاید پہلے سے ہی اسے تاڑے بیٹھے تھے۔ وہ شخص انگوٹھی ہاتھ سے جاتی دیکھ کر بلند آواز میں شور وغلغلہ مچانے لگا۔ محافظوں نے جب معاملہ بگڑتا دیکھا تو وہ اسے گرفتار کر کے دربار میں لے گئے اور اس پر قاصد کے ساتھ سازباز کا الزام لگایا۔ شاہ بوہمنڈ ابھی تک سلطان بیبرس کے پیغام کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے نرمی سے اس شخص سے معاملہ دریافت کیا۔ اس شخص نے قاصد کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو دہرادی۔ شاہ بوہمنڈ نے جب یہ سنا کہ وہ انگوٹھی دکھا کر دربار سے انعام حاصل کر سکتا ہے تو اس کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ انگوٹھی میں ایسی کیا بات ہے جو اسے انعام دینے پر مجبور کر دے گی۔ اس نے انگوٹھی ہاتھ میں لی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ انگوٹھی قیمتی اور نفیس تھی جس کے بڑے نگینے پر الملک الظاہر کے الفاظ کندہ تھے۔ شاہ بوہمنڈ یہ عبارت دیکھ کر شک وشبے میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے چند افراد کو انگوٹھی کا معائنہ کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد سب کی رائے اس کے پاس پہنچ گئی کہ یہ انگوٹھی بلادِ اسلامیہ کے سلطان بیبرس کی ہی تھی۔ شاہ بوہمنڈ قاصد کے پاس اس انگوٹھی کی موجودگی کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ایک درباری مصاحب نے اُٹھ کر دھیمے لہجے میں بتایا کہ وہ کافی دیر تک اس شک میں مبتلا رہا تھا کہ یہ قاصد عیسائی زائر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اتفاق سے اس نے انطاکیہ کی جنگ میں سلطان بیبرس کی ایک جھلک دیکھی تھی، اس لئے وہ اس قاصد میں اس کی شباہت کو محسوس کر رہا تھا مگر چونکہ یہ ناممکنات میں سے تھا کہ سلطان بیبرس خود یہاں آتا اس لئے اسے یہ سب وہم لگا مگر انگوٹھی کے معاملے کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ قاصد کے روپ میں آنے والا شخص کوئی اور نہیں سلطان بیبرس خود ہی تھا۔ اس کی تصدیق پر پورے دربار کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ہر شخص کا چہرہ مجسمۂ حیرت بنا دکھائی دیا۔ شاہ بوہمنڈ کی حالت بھی ان سے الگ نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمایاں تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ سلطان بیبرس کا مقصد کیا تھا۔

سلطان بیبرس ٹریپولی قاصد کے بہروپ میں صرف یہ جائزہ لینے آیا تھا کہ قسطنطنیہ کا رستہ کیسا دشوار ہے اور انطولیہ کی حکومت اس سے کس قدر مزاحم ہو سکتی ہے؟ ہرن کا شکار تو ایک بہانہ تھا جو کہ دربار تک رسائی کا ذریعہ بنا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ سلطان بیبرس نے قاصد کے روپ میں شاہ بوہمنڈ کو پوشیدہ الفاظ میں دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اب بھی اسلامی لشکر کی راہ میں آیا تو اسے شکار پہنچانے کی نوبت بھی باقی نہیں رہے گی۔

❀ ❀ ❀

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مطیع الدین کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی تنہائی اور اندھیری قید کی صعوبتوں نے اسے نیم دیوانہ بنا ڈالا وہ اکثر بیٹھے بیٹھے خود ہی سے باتیں کرتا رہتا۔ کبھی وہ بلند آواز میں قہقہے لگاتا رہتا تو کبھی زنداں خانے کے درودیوار سے اس کی آہ وبکا کی سسکیاں سرٹکراتی رہتیں اس کی زندگی قبر کا نمونہ بن کر رہ گئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یادداشت بھی کمزور پڑ چکی تھی۔ اسے صحیح طرح سے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ اپنی زندگی کے کتنے برس اس زنداں خانے میں بسر کر چکا تھا۔ وہ کبھی کبھی یہ بھی سوچتا کہ سید احمد البدویؒ نے شاید اسی طرف اسے اشارہ دیا تھا اور یہی وہ تیسرا چکر تھا جس میں صرف پچھتاوے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ اس تنہائی وتاریکی کی قید سے نجات کے لئے مرنا چاہتا تھا مگر موت اس سے کوسوں دور بھاگ رہی تھی۔ چند ایک بار وہ بیمار بھی ہوا مگر طبیب کی فوری کوششوں نے اسے موت کے کنویں میں گرنے سے بچالیا۔

پھر وہ دن اس کی زندگی میں ایک نیا پن لایا جب اسے اس تاریک زنداں سے باہر نکالا گیا اور اس نے

وضع قطع درست کی گئی۔ اس کے بڑھے ہوئے الجھے بالوں کو جب تراشا گیا تو مطیع الدین کا چہرہ بجھ سا گیا۔ کٹے ہوئے بالوں میں کئی سفید گچھے موجود تھے جو کہ اس کی ڈھلتی ہوئی جوانی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ بڑھاپے کے آثار دیکھ کر وہ خاموش رہا۔ جانے کیوں اس میں اتنی ہمت ہی پیدا نہ ہو پائی کہ وہ کسی سے یہ دریافت کر لیتا کہ یہ تبدیلی کیونکر رونما ہوئی ہے؟ اسے نہلا دھلا کر سفید لباس پہنایا گیا اور عمدہ کھانا پیش کیا گیا۔ مطیع الدین کھانا کھانے کے بجائے محض خلاء کو گھورتا رہا۔ دربانوں نے اسے کھانا کھانے کے لئے کہا تو وہ باوجود کوشش کے کچھ نہ کھا پایا۔ دسترخوان سمیٹ لیا گیا۔ شام کے وقت اسے آگاہ کیا گیا کہ اسے کچھ دیر بعد سلطان بیبرس کے سامنے پیش کیا جانے والا ہے۔ یہ خبر سن کر وہ چپ رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ارزق کا چہرہ نمودار ہوا۔ وہی ارزق جسے اس نے اپنا دوست سمجھا تھا مگر اچانک وہ سلطان بیبرس ثابت ہوا اور اس نادیدہ دوست نے اچانک اس کی زندگی کو تاریکیوں کے حوالے کر دیا۔

شام کو مطیع الدین کو سلطان بیبرس کے خاص شاہی کمرے میں لے جایا گیا۔ سلطان بیبرس قیمتی قالین کے فرش پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ مطیع الدین کو اس کے مقابل بٹھا دیا گیا۔ سلطان بیبرس نے محافظ کو اشارہ کیا تو وہ باہر نکل گیا۔ کچھ دیر تک دونوں جانب گہری خاموشی چھائی رہی۔ سلطان بیبرس مطیع الدین کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مطیع الدین کی آنکھیں کسی قدر اندر دھنس چکی تھیں اور جبڑے کی استخوانی ہڈیاں زیادہ واضح دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ سلطان بیبرس کچھ دیر بعد اس سے مخاطب ہوا۔

''مجھے افسوس ہے کہ دوسری مصروفیات کے پیش نظر مجھے تمہارا خیال نہیں رہا اور تم اپنے جرم سے زیادہ سزا بھگتتے رہے''۔

''میں فدائی تو نہیں تھا''۔ مطیع الدین نے دھیمے انداز میں شکوہ کیا۔

''تم کیا تھے اور کیا ہو...... اس بارے میں تمہیں کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے، یہ میری غلطی ہے کہ مجھے تمہارا معاملہ بہت پہلے نبٹا دینا چاہئے تھا مگر شاید قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا''۔

''میں تمہیں اپنا دوست سمجھتا تھا مگر......'' مطیع الدین نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''میں آج بھی تمہارا دوست ہوں، اگر آج تم میرے سامنے بیٹھے ہو تو یہ ایک دوست کی ہمدردی ہے ورنہ تم شاید یونہی کسی دن زنداں میں ہی مر جاتے''۔ سلطان بیبرس نے جواب دیا۔

''میرا جرم کیا تھا جو مجھے یہ سزا دی گئی''۔ مطیع الدین نے تلخی سے پوچھا۔

''مرتدوں کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے عزائم کو پایہ تکمیل پہنچانے کی کوشش کرنا، یہی تمہارا حقیقی جرم تھا۔ تم خلیفہ اسلام کی جان کے درپے تھے۔ فدائیوں کے ہاتھوں میں کھیل کر تم مسلمانوں کو وہ سنگین نقصان پہنچانے والے تھے جس کا ازالہ ہونا بڑا مشکل تھا۔ میں نے دن رات ایک کر کے تمام امت کو یکجا کیا، ان میں اتحاد و یکجہتی کو فروغ دیا اور انہیں احساس دلایا کہ وہ کمزور نہیں ہیں صرف ان کے جذبۂ ایمان پر زندگی سے محبت اور مال و حرص کی دھول پڑ گئی تھی۔ مسلمانوں کو بکھرنے سے بچانے کے لئے میں نے قاہرہ میں خلافت کی شمع روشن کی اور تم اپنی خود غرضی کے پیشِ نظر اسے ہی بجھانا چاہتے تھے۔ افسوس صد افسوس...... قسم خدا کی تمہارا جرم ایسا بھیانک ہے کہ اگر میں تمہیں اسی وقت موت کی سزا سنا دیتا تو بھی مجھے کوئی دکھ نہ ہوتا''۔ سلطان بیبرس کا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔ مطیع الدین کا چہرہ ندامت میں ڈوب گیا اور سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

''مطیع الدین!'' سلطان بیبرس کچھ توقف سے بولا۔ ''تم بھی دوسروں کی مانند ایک انسان ہو، چونکہ

غلطیاں کرنا انسان ہی کا کام ہے، اس لئے تم نے بھی ایک غلطی کی اللہ تعالیٰ نے مجھے سلطان بنایا۔ لوگوں کے حقوق اور جان و مال کی حفاظت مجھے سونپی، میں نے اس اعزاز کو اپنی جان و آرام سے مقدم سمجھا اور ہمیشہ اس کی انجام دہی میں مصروف رہا۔ ممکن ہے کہ اس دوران مجھ سے بھی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں، جن کے لئے میں اپنے مالک سے ہمیشہ معافی کا خواستگار رہتا ہوں اور مجھے قوی امید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا۔ اگر میرا رب مجھے معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے تو مجھے بھی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے کی اہلیت کا ظرف پیدا کرنا ہوگا میں نے تمہیں صرف اسی لئے زنداں سے باہر نکلوایا ہے کہ تمہیں مزید سزا دینے کے بجائے عزت کی زندگی بسر کرنے کا ایک اور موقعہ فراہم کر سکوں شاید یہ موقعہ تمہاری سزا کی صعوبت کا کچھ مداوا کر دے''۔

مطیع الدین کے چہرے پر ندامت کسی قدر کم ہوئی تو ذہن کے دریچوں میں روشنی پھیلنے لگی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ سلطان بیبرس کو کیسے معلوم ہو گیا؟

''کیا تمہیں کامل یقین ہے کہ میں یہاں سے باہر نکل کر دوبارہ فدائیوں سے نہیں ملوں گا؟'' اچانک اس نے لاشعوری انداز میں سوال کیا۔ سلطان بیبرس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی اس نے قریب پڑی ہوئی نفیس صراحی سے شربت ایک جام میں انڈیلا اور مطیع الدین کی جانب بڑھا دیا۔ مطیع الدین تذبذب میں مبتلا تھا۔

''یقیناً اب تم کسی بھی فدائی سے ملاقات نہیں کر سکو گے...... اس لئے کہ بلاد شام کے اطراف میں کوئی فدائی زندہ نہیں بچا''۔ سلطان بیبرس نے بتایا تو مطیع الدین کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' مطیع الدین بمشکل بول پایا۔

''اسلامی لشکر نے شدید کارروائی کے بعد تمام فدائی قلعوں پر قبضہ کر لیا ہے اور تمام فدائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے البتہ جو توبہ کرنا چاہتے تھے انہیں امان دے کر مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا ہے۔ اگر تم وہاں جانا چاہو تو میں تمہیں وہاں بھجوانے کا انتظام کر دیتا ہوں تاکہ تم اپنی آنکھوں سے حقیقت کا مشاہدہ کر لو''۔

مطیع الدین گنگ بیٹھا رہ گیا۔ اس کا ذہن بار بار گل وتوژ کی جانب بھٹک رہا تھا۔ ''تو کیا گل وتوژ بھی ماری گئی''۔ ایک خیال ذہن میں پیدا ہوا۔ سلطان بیبرس اطمینان سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا پھر جیسے شاید اسے کچھ خیال آیا۔

''ہاں ایک بات تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا کہ ان فدائیوں کے بیچ میں مجھے ایک ایسی عورت کو دیکھنے کا موقعہ ملا جو یقیناً تاتاری النسل تھی۔ وہ تمام کارروائی کے دوران فدائیوں سے الگ تھلگ رہی اور ایک بلند پہاڑی پر بیٹھ کر شاید یہ سمجھتی رہی کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے''۔

''وہ یقیناً گل وتوژ ہوگی''۔ مطیع الدین بے تابی سے بول اُٹھا۔ اس کا ستا ہوا چہرہ کھل سا گیا

''میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہو سکتی ہے چونکہ اس نے نہ تو فدائیوں کی کچھ مدد کی اور نہ ہی ہمارے خلاف ہتھیار اُٹھایا، اس لئے میں نے اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی۔ وہ چند دن کے بعد وہاں سے کوہ قفقاز کی طرف روانہ ہو گئی اور شاید اس کی منزل سرائے ہی ہو''۔ سلطان بیبرس نے کہا۔

مطیع الدین آخری جملے پر چونک سا گیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا کہ سلطان بیبرس اس سے اتنی دیر سے اس گفتگو میں بے شمار باتیں ایسی بھی کر چکا ہے جو یقیناً اسے معلوم نہیں ہونا چاہئے تھیں کیونکہ مطیع الدین نے اس سے کبھی بھی اتنی تفصیل سے پہلے بات چیت نہیں کی تھی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے سلطان بیبرس کی

جانب دیکھنے لگا۔

''میں نے اتنی باتیں تمہیں کبھی نہیں بتائیں پھر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا؟'' الجھا ہوا ذہن خاموش نہ رہ سکا۔ سلطان بیبرس نے اس کی پریشانی پر صرف یہی کہا۔

''اس راز کو دفن رہنے دو تو زیادہ بہتر ہے...... تمہارے حق میں یہی بھلائی ہے کہ تم سرائے لوٹ جاؤ اور اپنے باپ کے بارے میں معلوم کرو کہ اس کا کیا بنا؟ اگر وہ زندہ ہے تو اس کی خدمت کرو اور اگر وہ گزر چکا ہے تو اپنی زندگی کی فکر کرو۔ اگر گل دتوژ دکھائی دے تو اس سے ضرور ملنا......''

''میں نہیں جانتا کہ تمہیں ان سب باتوں کی خبر کیسے ہو گئی ہے جو کہ سالوں سے میرے سینے میں پوشیدہ ہیں، مگر یہ سچائی ہے کہ اگر تم میرے دل کا حال نہ پڑھ سکتے تو شاید میں اتنا عرصہ زنداں خانے میں نہ رہتا''۔ مطیع الدین نے سر جھکائے اعتراف کیا۔

''اگر تم واقعی سرائے لوٹ جاؤ گے تو شاید آج کے بعد ہماری ملاقات کبھی نہ ہوگی۔ کل صبح تمہارے جانے کا انتظام ہو چکا ہے اگر تمہیں کچھ اور ضرورت ہو تو برملا کہہ سکتے ہو''۔

''اگر میں سرائے واپس نہ جانا چاہوں تو......'' مطیع الدین نے بے تکا سا سوال کیا۔

''اس ضمن میں مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ یہ یاد رکھنا کہ تم ہر وقت نگرانی کے حصار میں رہو گے اور اگر اس دوران تم سے کوئی بھی غلط حرکت سرزد ہوئی تو اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا''۔

''اب مجھے غلط حرکت کرنے کی ضرورت نہیں''۔

''میں جانتا ہوں کہ تم گل دتوژ کے پاس پہنچے بغیر نہیں رہ پاؤ گے''۔ سلطان بیبرس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ رینگ گئی جبکہ گل دتوژ کا ذکر سن کر مطیع الدین کا چہرہ لرز سا گیا۔

دوسری صبح محافظوں نے دو عربی النسل گھوڑے مطیع الدین کے حوالے کیے۔ ان میں ایک گھوڑے پر سامان لدا ہوا تھا جبکہ دوسرا گھوڑا اس کی سواری کے لئے تھا۔ مطیع الدین کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی زندگی میں واقعی دوبارہ صبح نمودار ہو چکی ہے یا پھر یہ سب خواب ہے۔ وہ روانہ ہونے والا تھا کہ سلطان بیبرس وہاں آن پہنچا۔ مطیع الدین نے گھوڑے سے اُتر کر اس سے گلے ملا اور شکریہ ادا کیا۔ سلطان بیبرس نے اسے الوداع کہتے ہوئے موٹے نوتاجو خان کو سلام کہنے کو کہا تو مطیع الدین بے اختیار مسکرانے لگا۔

''میں نے سرائے جانے کا فیصلہ کیا ہے، شاید میں قاہرہ دوبارہ نہ آ سکوں۔ جانے سے پہلے میں تم سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟'' مطیع الدین نے اچانک سوال کیا تو سلطان بیبرس چونک پڑا۔

''کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ تم مجھ سے یہ سوال نہ کرتے؟''

''میں باقی عمر اس پہیلی کو حل کرنے میں نہیں گزارنا چاہتا ہوں''۔

یہ سن کر سلطان بیبرس کسی سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے بھاری سی آواز بناتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''زنداں خانے میں مرنے والا بوڑھا شخص کوئی اور نہیں میں ہی تھا''۔

مطیع الدین سلطان بیبرس کے منہ سے وہ لہجہ اور آواز سن کر ششدر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہہ پاتا۔ سلطان بیبرس لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا واپس محل کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ مطیع الدین کے چہرے پر عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔

❀ ❀ ❀

673ھ بمطابق 1274ء میں ایلخانی سلطنت کے قاآن اباقہ خان کو اردوئے زرّیں کے حملوں سے کسی قدر نجات مل گئی۔ زرّیں خیل منگولوں کا حاکم نوگائی خان شدید بخار میں مبتلا ہو گیا اور اس کی حالت کافی تشویش ناک ہو کر رہ گئی۔ نظام سلطنت میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی تو سرحدی حملوں کو کچھ عرصے کے لئے ختم کرتے ہوئے اندرونی نظام کی جانب توجہ دی گئی۔ یہ اباقہ خان کے لئے سنہرا موقعہ تھا، وہ اپنے اجداد کے طریقہ کار پر چلتے ہوئے دُنیا کی فتح کا دیرینہ خواب پورا کر سکتا تھا اس نے فوری طور پر وسیع پیمانے پر عسکری تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں اس نے تمام یورپی رہنماؤں کو مراسلے بھیجے کہ وہ بہت جلد ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ نکلنے والا ہے اور بلادِ شام و مصر کو روندنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ اس نیک مقصد کے پیچھے اس کا جذبہ نصرانیت کارفرما ہے۔ اس بڑی مہم کے لئے اسے ان تمام حکمرانوں کا ساتھ درکار ہے۔ اگر وہ سب اپنی افواج کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیں تو دُنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کا وجود مٹنے سے نہیں بچا سکتی۔ یورپی عیسائی بادشاہوں کے ساتھ اس کا نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ فرانس اندرونی مسائل کے باعث معذرت خواہ ہو گیا تو دوسرے عیسائی حکمرانوں نے بہانہ بازی سے کام لیا۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ اوّل نے 26 جنوری 1275ء کو جواب میں لکھا:

''منگولیانہ سلطنت کا قاصد پادری ڈیوڈ ہمارے دربار میں پہنچا اور اس نے وہ سب خطوط ہمیں دکھائے جو آپ نے مقدس باپ پاپائے اعظم اور یورپ کے دوسرے فرمانرواؤں کو بھیجے ہیں، ان خطوط میں آپ نے دین نصرانیت کے ساتھ جس محبت و خلوص کا اظہار کیا ہے ہم اس گرانقدر جذبے کی تہہ دل سے قدر کرتے ہیں اور ہم آپ کے اس مبارک عزم کو بھی سراہتے ہیں جو آپ ارضِ مقدس کو دین مسیحی کے دشمنوں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ ہم آپ سے پُرزور استدعا کرتے ہیں کہ اس مبارک ارادے کو ضرور عملی جامہ پہنائیں۔ جہاں تک ہماری آمد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ہم فی الحال یقین کے ساتھ کچھ کہہ نہیں سکتے کہ کب تک ارضِ مقدس میں پہنچ سکیں گے کیونکہ ابھی تک ہمارے اسقف اعظم کسی واضح فیصلے تک نہیں پہنچ سکے''۔

یہ تاریخی خط آج بھی محفوظ ہے جو کہ شاہ انگلستان کی دین نصرانیت سے ہمدردی و خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اباقہ خان تمام یورپی بادشاہوں کے بہانوں سے دل برداشتہ ہوا اور اس نے تنہا ہی سلطان بیبرس سے نبٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے پُر جوش انداز میں اپنے لشکروں کو پکارا اور انہیں سنہرے ماضی کی یادوں سے تڑپا ڈالا۔ ایل خانی لشکروں نے بلند آواز میں عہد کیا کہ وہ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی یادیں ایک بار پھر سے تازہ کر دیں گے۔

❀ ❀ ❀

ریاست نوبہ (سوڈان) افریقہ کی واحد ریاست تھی جسے کسی بھی دور میں مسلمان فاتحین کلی طور فتح نہیں کر پائے۔ اس ریاست پر سب سے پہلے 33 ہجری میں یلغار کی گئی جس کی قیادت حضرت عبداللہ ابن ابی سرحؓ نے کی مگر وہ باوجود کوشش کے اسے فتح نہ کر سکے اور صلح کر کے واپس لوٹ آئے۔ اس کے بعد اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں فوج کشی کی گئی مگر ناکامی ہوئی۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کی چڑھائی بھی فتح کا مژدہ نہ سنا سکی۔ تکین زنگی، کافور اخشیدی، ناصر الدولہ بن حمدان اور توران شاہ ایوبی برادر صلاح الدین ایوبی نے یکے بعد دیگرے اس ریاست پر حملے کئے مگر اسے فتح نہ کیا جا سکا۔ یہ ریاست نصرانی پرچم کے ساتھ قائم دائم رہی۔

سلطان بیبرس کے دور میں اس ریاست پر شاہ ڈیوڈ حکمران تھا۔ شاہ ڈیوڈ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ سلطان بیبرس کو صلیبی قلعوں کی تباہی و بربادی سے باز رکھ سکے مگر وہ کامیاب نہ ہو پایا۔ 675ھ کے آغاز میں شاہ قسطنطنیہ نے اسے طویل ترین مراسلے میں شرم دلائی کہ وہ دین نصرانیت کی بقاء کے لئے وہ کچھ بھی نہیں کر پایا اور احمقوں کی طرح محض ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ ساتھ ہی یہ آگاہی بھی دی کہ منگول حاکم اباقہ خان مراغہ سے نکل چکا ہے اور بہت جلد وہ سلطان بیبرس کو عبرت ناک شکست سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ منگولوں کی یورش کا سن کر اسے کامل یقین ہوگیا کہ اب سلطان بیبرس کو ہولناک شکست سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس یقین نے اسے اس قدر نڈر بنا ڈالا کہ وہ کھل کر صلیبی حکمرانوں کی سرپرستی کرنے لگا۔ اس نے صلیبی جنگجوؤں کو ہی نہ صرف عسکری قوت بہم پہنچائی بلکہ اپنے سرحدی علاقوں میں بھی مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔

سلطان بیبرس کو پہلے ہی سے یہ یقین تھا کہ صلیبی جنگجو معاہدۂ امن پر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکیں گے اور جب اسے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی کی خبر ہوئی تو اس نے وقت ضائع کیے بغیر اپنے لشکروں کو آراستہ کیا اور برق رفتاری سے ریاست نوبہ کا رخ اختیار کیا۔ وہ طوفانی انداز میں ارض نوبہ میں داخل ہوا۔ شاہ ڈیوڈ کو سلطان بیبرس کی نقل و حرکت کی خبر مل چکی تھی اس نے نصرانی افواج کو مخصوص انداز میں سرحدی علاقوں میں یوں تعینات کیا کہ نصرانی دستوں کی فصیل دار پرتیں بن گئیں۔ شاہ ڈیوڈ نے تمام نصرانی سپاہیوں کو یہ ہدایت کی کہ وہ کھل کر جنگ کرنے کے بجائے عسکری چالوں سے کام لیں اور اسلامی لشکر کو زیادہ سے زیادہ الجھائے رکھیں۔ جونہی اسلامی لشکر غالب آتا ہوا دکھائی دے تو پسپائی اختیار کر کے پیچھے ہٹیں اور عقبی پرت میں ضم ہو جائیں۔ اس تمام کارروائی کا مقصد صرف یہ تھا کہ وقت گزرتا جائے اور اباقہ خان بلادِ اسلامیہ میں داخل ہو جائے۔ شاہ ڈیوڈ کو یقین تھا کہ جونہی منگول حملے کی اطلاع سلطان بیبرس کو ملتی، وہ یقیناً یہ مہم چھوڑ کر تیزی سے بلادِ شام کی جانب روانہ ہو جاتا۔ شاہ ڈیوڈ نے صرف اسی پر تکیہ نہیں کیا بلکہ اس نے بھرپور انداز میں تیاری کر رکھی تھی کہ سلطان بیبرس کی بلادِ شام کو روانگی کے ساتھ ہی وہ ایک زبردست ہلہ بول کر ان تمام قلعوں کو اپنے قبضے میں لے سکتا تھا جو صلیبی مقبوضات سے نکل چکے تھے۔ سلطان بیبرس کی شکست کی صورت میں وہ ارضِ مقدس کو بھی ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا۔

سلطان بیبرس کسی بھی وقت شاہ ڈیوڈ کی جانب سے غافل نہیں رہا۔ وہ صرف معاہدۂ امن کے باعث خاموش بیٹھا رہا۔ جونہی معاہدہ امن کی دھجیاں اڑائی گئیں تو وہ اپنی کچھار سے بھوکے شیر کی مانند نکلا اور بغیر رُکے نصرانی صفیں پھاڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہ کارروائی اس قدر تیز رفتار تھی کہ شاہ ڈیوڈ کی منصوبہ بندی بری طرح ناکام ہو کر رہ گئی۔ اسلامی لشکر رُکے بغیر ارض نوبہ کے قصبوں، شہروں کو روندتا ہوا تیزی سے بڑھتا چلا گیا۔ نصرانی لشکر کسی بھی مقام پر طے کردہ عسکری چال کو کامیاب نہیں بنا پائے۔ صرف اٹھارہ دن میں نصف سے زائد ریاست تباہ و برباد کر دی گئی۔ سلطان بیبرس نے دارالحکومت دُنقلہ (ڈنگولا) کا گھیراؤ کر لیا۔ شاہ ڈیوڈ سلطان بیبرس کی آمد کی خبر پاتے ہی دُنقلہ چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا۔ اسلامی لشکر کو دُنقلہ پر قبضہ کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ سلطان بیبرس نے فوری طور پر مزید پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے دُنقلہ میں ہی قیام کیا۔ نصرانی رعیت کے ساتھ عمدہ سلوک کیا گیا اور دُنقلہ کو تباہ و برباد کرنے سے اسلامی لشکروں کو منع کر دیا گیا۔ اسی دوران سلطان بیبرس کو خبر ہوئی کہ شاہ ڈیوڈ اپنی تمام افواج کو از سر نو منظم کر کے فیصلہ کن لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ مخبروں نے شاہ ڈیوڈ کی تیاریوں کی تفصیل سلطان بیبرس کے سامنے رکھ دی تو اس اہم موقعے پر سلطان

بیبرس نے بے حد عجیب فیصلہ کیا۔ اس نے بہترین مملوک لشکروں کو الگ کرتے ہوئے نامور سپہ سالار امیر آقسنقر کی قیادت میں شاہ ڈیوڈ کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔ اس کے دور حکومت میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے کسی معرکہ کی قیادت خود کرنے کے بجائے کسی امیر کو سونپ دی تھی۔ امیر آقسنقر نے سلطان بیبرس کے اعتماد کو اپنی بہادری اور جرأت سے بحال رکھا اور شاہ ڈیوڈ کو اس کے خاص عمائدین کے ساتھ زبردست معرکہ آرائی کے بعد زندہ گرفتار کر لیا۔ شاہ ڈیوڈ بھرپور عسکری قوت کے باوجود جم کر نہ لڑ سکا اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا۔ شاہ ڈیوڈ کو جب اسیری کی حالت میں سلطان بیبرس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گڑگڑا کر معافی کا خواست گار ہوا۔ اس کی ندامت اور التجا کو سلطان بیبرس نے رد نہ کیا بلکہ تمام معرکے کا تاوان کی ادائیگی کی شرط اور سالانہ خراج مقرر کیا جو کہ شاہ ڈیوڈ نے بلا تامل منظور کر لی اور معاہدۂ امن کو جاری رکھنے کا وعدہ کیا سلطان بیبرس نے اس کے لئے اتنی سزا ہی کافی خیال کی اور مملوک لشکروں کو ساتھ لے کر قاہرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ شاہ ڈیوڈ جان بخشی جانے پر سلطان بیبرس کا شکر گزار ہوا اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ سلطان بیبرس کے متعلق اس کے اندازے صحیح نہیں تھے۔

❀ ❀ ❀

گل وقوژ کو سرائے میں آئے ہوئے دسواں روز تھا۔ دریائے والگا کے کنارے آباد اس شہر کا نقشہ ہی بدل چکا تھا، زرد خیموں کی جگہ پختہ مکانات نے لے لی تھی۔ خیموں کے بازار گلی کوچوں میں گم ہو چکے تھے۔ بڑی بڑی مساجد، مدارس اور اسلامی طرز تعمیر نے سرائے کو مسلمانوں کا شہر بنا دیا تھا۔ زریں خیل منگول روایتی لباس کے بجائے عربی چغوں اور عماموں میں ملبوس دکھائی دیئے تو گل وقوژ کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ کئی برسوں تک مسلمانوں اور فدائیوں کے بیچ رہتے ہوئے آج بھی جاودانی آسمان کی سچی پجارن تھی۔ سرائے کی اس تبدیلی کو اس کا دل تسلیم نہیں کر پایا۔ گل وقوژ بڑی مشکل سے خون کے رشتوں کی تلاش میں کامیاب ہوئی۔ جب اسے یہ معلوم پڑا کہ اس کے بھائی نہ صرف مسلمان ہو چکے ہیں بلکہ ان میں تین سرحدی معرکوں میں شہادت کا جام نوش کر چکے ہیں تو قریبا رو دی۔ اس کے چہرے پر غم و غصے کے آثار دکھائی دیئے۔ وہ سوچنے لگی کہ اگر اس کا باپ قوتائی خان زندہ رہتا تو کم از کم اس کے خاندان میں یہ تبدیلی تو رونما نہ ہوتی۔ قدم قدم پر انہونی سچائیوں نے گل وقوژ کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جب اپنا گھر تلاش کر کے وہاں پہنچی تو وہاں فقط ایک پرانا بوڑھا غلام پایا جو شاید گھر کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھا اس نے اس سے اپنے باقی بھائیوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ان میں ایک تو سمرقند میں قاضی کے منصب پر فائز ہے جبکہ باقی سب بھائی فوج میں مختلف مناصب پر فائز ہیں۔ وہ کبھی کبھار اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہاں آتے ہیں اور مختصر قیام کے بعد رخصت ہو جاتے ہیں۔ بھائیوں کی آباد زندگی کا سن کر گل وقوژ کے دل پر ٹھیس سی لگی۔ اس نے قوتائی خان کی بیویوں کے بارے استفسار کیا تو غلام نے آہ بھر کر ان کی وفات کی خبر دی۔ جانے کیوں گل وقوژ نے اس سے اپنے ہی بارے میں پوچھ لیا تو وہ غلام دھیمے انداز میں ہنسنے لگا اور بتایا کہ میری بینائی اور یادداشت دونوں ابھی تک سلامت ہیں جو گل وقوژ ایک عرصے پہلے کھو گئی تھی وہ آج اس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے ہی بارے میں سوال کر رہی ہے۔ گل وقوژ اس کی بات سن کر دم بخود رہ گئی کہ کیا ان بوڑھی آنکھوں میں آج بھی اس کا چہرہ منقش ہے؟ پھر کیا تھا غم کا دریا تھم نہ سکا اور آنسوؤں کے سیلاب میں وقت کی اذیتیں بہتی چلی گئیں۔ بوڑھا غلام اسے اپنے سینے سے چمٹائے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ گل وقوژ کی سسکیاں بڑھتی چلی گئیں۔

بوڑھے غلام نے گل وقوژ کے لئے ایک کمرہ صاف کیا اور اس کے رہنے کا انتظام کیا۔ گل وقوژ کو بڑا

عجیب سا لگا کہ بوڑھے خادم نے اس سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ اب تک کہاں رہی؟ نہ ہی اس کی ہمت پڑی کہ وہ اسے کچھ بتا پاتی۔ بوڑھا غلام جب فرصت پاتا تو اسے ماضی کی باتیں بتاتا رہتا۔ ایک دن گل دقوڑ نے خود ہی کہہ ڈالا کہ اس کی زندگی کے گزرے دن بھی کچھ خوشگوار نہیں ہیں تو بوڑھا غلام اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں بولا۔ ''بیٹی! میں جو کچھ جانتا ہوں شاید تم بھی ان سے واقف نہیں۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ اور مستقبل کی فکر کرو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا...... جتنا دہراؤ گی اتنی ہی اذیت بڑھے گی اور تکلیف ہمیشہ خود کو اپنوں سے دور کر دیتی ہے۔ کرب و تنہائی کی زندگی جینے سے زیادہ بہتر ہے کہ خود کو سمجھوتوں کے خول میں ڈھال لیا جائے''۔

پھر ایک دن گل دقوڑ نے سردار منک آنہ کے بارے میں دریافت کیا تو بوڑھا خادم عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ گل دقوڑ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ نہ پائی۔ بوڑھا خادم کچھ دیر کے بعد گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ منک آنہ کا نام تمہاری زبان پر کیونکر آیا ہے؟ مگر اب کچھ فائدہ نہیں، منک آنہ پانچ برس پہلے مر چکا ہے۔ میں تمہیں پھر یہی کہوں گا کہ ماضی کی کڑواہٹوں کو بھلا دو گی تو باقی ماندہ زندگی آسان ہو جائے گی، مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا...... وہ سراسر ظلم تھا''۔

گل دقوڑ اس نئی زندگی میں قدم رکھ کر زیادہ بہتر محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس زندگی میں کوئی جوش نہیں تھا، کوئی رنگینی نہیں تھی، شاید کوئی مقصد بھی نہیں تھا۔ سب کچھ اسے پھیکا پھیکا سا محسوس ہوتا۔ گھر کا نقشہ بھی ویسا نہیں تھا کہ وہ یہی اندازہ کر پاتی کہ اس کے بچپن و جوانی کے لمحے کہاں کہاں بیتے تھے۔ وہ سارا سارا دن خیالوں میں کھوئی رہتی یا پھر بوڑھے خادم کے ساتھ بیٹھ کر اس سے کچھ دیر تک ماضی کے خوشگوار دنوں کی باتیں سنتی رہتی یا پھر وہ نامہ اپنے سامنے رکھ کر اسے گھورتی رہتی جس میں شیخ کبیرالدین نے اسے خودمختار ریاست قہستان کی بااختیار ملکہ کی تقرری لکھ کر دی تھی۔ خودمختار قہستان جو ہمیشہ کے لئے خواب پارینہ بن چکا تھا۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ گل دقوڑ کے چہرے پر پھیل جاتی...... قہستان کی ملکہ گل دقوڑ!

ایک شام گل دقوڑ نے بوڑھے خادم سے نورالدین کے بارے میں پوچھا جو کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کے برابر والے گھر میں رہا کرتا تھا۔ گل دقوڑ کا سوال سن کر جانے کیوں بوڑھے خادم کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی بھی سرائے میں ہی رہتے ہیں۔ نورالدین بستر مرگ پر زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا، اسے کامل یقین ہے کہ جب تک اس کا بیٹا اس کی نظروں کے سامنے نہیں آئے گا، اس کا دم نہیں نکلے گا۔ وہ انتہائی ضعیف العمری کے عالم میں آج بھی اس کی واپسی کا منتظر ہے۔ گل دقوڑ یہ سن کر حیران رہ گئی اس کے لبوں سے بے اختیار یہ جملہ پھسل گیا کہ کیا واقعی اس کا بیٹا واپس لوٹ آئے گا؟ بوڑھا خادم یقین کے ساتھ بولا۔ ''بیٹی! تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ خدائے جاودانی آسمان بستر مرگ پر پڑے ہوئے انسان کی دعا سب سے پہلے قبول کرتا ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی واپس لوٹ آئے گا بالکل اسی طرح جیسے تم لوٹ آئی ہو''۔ بوڑھے خادم کی بات بڑی گہری تھی جس نے گل دقوڑ کے ذہن کے سب تار جھنجھنا دیئے۔

❀ ❀ ❀

675ھ بمطابق 1275ء کے اواخر میں اباقہ خان شاہ قسطنطنیہ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق ایک لشکر جرار کے ساتھ بلادِ اسلامیہ کی سرحدوں کے قریب پہنچا۔ شام، فلسطین اور آرمینیہ کی سرحدوں پر منگول لشکروں کی وسیع پیمانے پر نقل و حرکت شروع ہوگئی۔ سلطان بیبرس ابھی دنقلہ سے واپس لوٹا تھا کہ اسے تاتاری سیل کی یلغار کی خبر ملی تو اس نے فوری طور پر دمشق میں پیغام بھیجا کہ وہاں موجود تمام سپاہیوں کو تیار رہنے کا حکم

دیا جائے۔ سلطان بیبرس بہت جلد وہاں پہنچنے والا ہے۔ سلطان بیبرس نے مختصر قیام کے ساتھ برق رفتاری سے سفر طے کیا اور دمشق میں پہنچ کر صرف چند گھنٹوں میں ضروری انتظامات کرتے ہوئے رضاکار مجاہدین اور تربیت یافتہ مملوک افواج کے ساتھ سینکڑوں میل کا پُرصعوبت سفر کرتا ہوا ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔ سلطان بیبرس نے ابلستین نامی پتھریلے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو کئی مملوک سالار پریشان ہوگئے خوف و خدشات سر اُٹھانے لگے۔ اسلامی لشکر بلادِ اسلامیہ سے کافی دور منگولوں کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ سلطان بیبرس نے یہ قدم صرف اس لئے اُٹھایا تھا کہ وہ منگولوں کو اپنی سلطنت میں داخل ہونے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے اباقہ خان سے نبٹنے کے لئے اسی کی سرزمین کا انتخاب کیا تھا۔

اباقہ خان کو سلطان بیبرس کی ابلستین میں پڑاؤ ڈالنے کی جب خبر ہوئی تو وہ اپنے لشکروں کے ساتھ اسی جانب بڑھ آیا۔ دونوں حریف ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئے۔ سلطان بیبرس نے مملوک افواج کو خصوصی ہدایات دیں اور انہیں منگولیانہ جنگی مہارت کے بھرپور استعمال کی تلقین کی۔ منگولوں کی مخصوص عسکری تربیت کا سہرا، تغاتی خان کے سر پر تھا جس نے اچھے وقتوں میں بہترین لڑاکا قاہرہ بھیج کر سلطان بیبرس کی مدد کی تھی اباقہ خان کے پرچم تلے پچاس ہزار تاتاریوں کے لشکر تھے جبکہ سلطان بیبرس کے پاس بھی چالیس ہزار سے زائد سپاہ موجود تھی، جن میں اعلیٰ تربیت یافتہ خاص مملوک لشکر بھی شامل تھے۔

ابتدائی طور پر دونوں جانب سے سفارتی پیغامات کا تبادلہ ہوا جو کہ دونوں فریقین کو کسی صورت میں قبول نہیں تھے۔ اباقہ خان کا مطالبہ تھا کہ سلطان بیبرس اپنا پرچم سرنگوں کر کے اس کی سیادت قبول کرلے تو وہ بغیر جنگ کے واپس لوٹ جائے گا جبکہ سلطان بیبرس کا مطالبہ تھا کہ منگول تمام اسلامی مقبوضات کو خالی کر کے دشت مراغہ میں لوٹ جائیں۔ سفارتی سلسلے کی ناکامی کے بعد باقاعدہ جنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابلستین سے متصل بیرالناب کا وسیع میدان، میدانِ جنگ قرار پایا۔ پہلے ہی دن اسلامی لشکر نے ایسا خوفناک انداز اختیار کیا کہ منگول گھبرا اُٹھے۔ پہلی بار ایل خانی منگولوں کو یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی فتوحات کے پیچھے محلاتی سازشیں اور بزدلی کے محرکات متحرک تھے۔ اباقہ خان نے بھرپور انداز میں اپنی افواج کی ہمت افزائی کی اور ان کے شانہ بہ شانہ خود میدان میں اترا۔ سلطان بیبرس بھی حسب روایت عام سپاہی کی مانند لڑتا رہا۔ اس کی ولولہ انگیز قیادت اور شوق جہاد نے اسلامی لشکر میں بھی بے پناہ عزم و ہمت اور ناقابل تسخیر جذبۂ جہاد پیدا کر دیا تھا۔ ایل خانی منگولوں کو مد مقابل دیکھ کر مسلمانوں کو سقوط بغداد کے شعلے یاد آنے لگے، اسی وجہ سے جنگ میں جارحانہ پن بڑھتا چلا گیا۔ تلواریں منگولوں کو بے دریغ کاٹتی چلی گئیں۔ سلطان بیبرس تمام وقت میدان جنگ میں برق رفتاری سے ادھر سے اُدھر چکر کاٹتا رہا وہ اپنی فوج میں کسی محاذ پر کمزوری کے آثار دیکھتا تو فی الفور وہاں پہنچ جاتا اور بے دریغ دشمن کی صفوں میں گھس جاتا اور جب تک انہیں درہم برہم نہ کر لیتا اتنی دیر تک پیچھے نہ ہٹتا۔ اس کی جانبازی دیکھ کر سپاہیوں کا جوش و خروش بھی بڑھ جاتا۔ پہلے ہی دن کی زوردار لڑائی نے اباقہ خان کے چھکے چھڑا دیئے۔ شام کے قریب منگولوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اسلامی لشکر نے بڑھ کر ان پر شدید وار کرنا چاہا مگر سلطان بیبرس نے انہیں روک دیا۔ وہ اس پسپائی کو چال سمجھ رہا تھا مگر جب منگول لشکر دوسرے دن واپس نہ لوٹے تو سلطان بیبرس کو یقین ہو گیا کہ اباقہ خان اب کچھ زیادہ تیاری کے ساتھ ہی واپس لوٹے گا

ایل خانی منگول اپنے پیچھے چھ ہزار سات سو ستر لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس معرکے نے ایل خانی منگولوں پر سلطان بیبرس کی طاقت کا رعب بٹھا دیا تھا اور انہیں اچھی طرح باور ہو چکا تھا کہ اب بلادِ شام و مصر پر

حملہ کرنا آسان کام نہیں ہوگا بلکہ بہت مہنگا سودا ہوگا۔ عین جالوت کے بعد بیرُ الناب کے معرکے نے تمام دُنیا
پر چھائے ہوئے تاتاری رعب کی دھجیاں اڑا دی تھیں۔ سو سال سے چھائے ہوئے چنگیز خان کی ہیبت کے
بادل چھٹ چکے تھے۔ نصرانی دُنیا بھی سمجھ چکی تھی کہ اب ایل خانی منگول اُن کے مقاصد کے لئے زیادہ مؤثر
نہیں ہیں۔

اسلامی لشکر نے میدان جنگ سے مال غنیمت جمع کیا اور لاشوں کو ٹھکانے لگایا۔ شام کے وقت اعلیٰ
سالاروں کو معلوم ہوا کہ سلطان بیبرس اس معرکے میں شدید گھائل ہو چکا ہے۔ اس نے تمام دن اپنے زخم کو
چھپا کر میدان تو مار لیا تھا مگر رات کے قریب اس کی اپنی زندگی شدید خطرے سے دوچار ہوگئی۔ فوری طور پر
طبیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ سلطان بیبرس کے شانے پر تلوار کا گہرا گھاؤ لگا تھا۔ فوری طور پر توجہ نہ کرنے
کے باعث زخم بگڑ چکا تھا۔ اعلیٰ قیادت اس اچانک صورتِ حال سے بوکھلا چکی تھی۔ سلطان بیبرس کی صحت کا
حال چھپانا بے حد ضروری تھا ورنہ پورا لشکر بددلی کا شکار ہو سکتا تھا اور وہ سب دشمن کے علاقے میں موجود تھے۔
دشمن کا پلٹ کر حملہ کرنا زیادہ خوفناک صورت پیدا کر سکتا تھا۔

❀ ❀ ❀

مطیع الدین طویل ترین سفر کے بعد سرائے پہنچا۔ عجیب بات تھی کہ جب وہ قاہرہ سے نکلا تھا تب ہی
سے اس کے دل میں سرائے پہنچنے کی بے تابی پیدا ہونے لگی۔ وہ تمام راستے عجیب سی بے قراری میں مبتلا رہا۔
وہ فوری طور پر سرائے پہنچ جانا چاہتا تھا جونہی اس نے سرائے میں قدم رکھا تو اس کی بیقراری میں مزید اضافہ ہو
گیا۔ وہ چونکہ کافی عرصے بعد سرائے آیا تھا اس لئے اسے وہاں کا ماحول اجنبی سا لگا۔ مختلف لوگوں سے پتہ
پوچھتا ہوا وہ بالآخر اپنے گھر تک آن پہنچا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔
دروازہ کھلا تو اسے اجنبی صورت دکھائی دی۔ وہ نوعمر لڑکا تھا جو اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مطیع
الدین اسے دیکھ کر ذہن پر زور دینے لگا کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟ مگر اس کا ذہن اسے پہچاننے میں ناکام رہا۔
لڑکے نے مطیع الدین سے دریافت کیا تو اس نے اپنے باپ نورالدین کا نام لیا۔

”دادا ابو تو عرصے سے بیمار ہیں، وہ تو باہر نہیں آ سکتے“۔ لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا
مطیع الدین اس کا جواب سن کر دم بخود سا رہ گیا۔ وہ اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھا پھر یہ پوتا کہاں سے
ٹپک پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکے کے عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔ مطیع الدین کو وہ آواز کچھ آشنا سی محسوس
ہوئی۔ وہ ابھی ذہن پر زور دے رہا تھا کہ لڑکے کے پیچھے سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کی نگاہ جب مطیع الدین
پر پڑی تو اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ مطیع الدین بھی اس آشنا صورت کو اپنے گھر میں دیکھ کر ہکا بکا دکھائی دیا۔
دوسرے لمحے اس کے چہرے پر بشاشت سی پھیل گئی

”موٹے! تو ابھی تک پتلا نہیں ہوا“۔ مطیع الدین لاشعوری انداز میں بولا۔

”مطیع الدین!“ اس کے منہ سے محض اتنا ہی نکلا۔ وہ اس کا پرانا رفیق فونتاجو خان تھا۔

دونوں لپک کر ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ لڑکا حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ فونتاجو
خان نے مطیع الدین کا بازو تھام کر کئی بار جھٹکا جیسے اسے ابھی تک اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کی
نگاہوں کے سامنے مطیع الدین ہی موجود ہے۔ جب فونتاجو خان کسی قدر پیچھے ہٹا تو مطیع الدین کی انگلی اس نوعمر
لڑکے کی جانب اُٹھ گئی۔ فونتاجو خان نے چونک کر اسے بتایا کہ وہ اس کا بیٹا عبداللہ خان ہے۔ مطیع الدین نے
غیر یقینی انداز میں فونتاجو خان کی جانب دیکھا۔

”یعنی تم بھی مسلمان ہو گئے ہو“۔ مطیع الدین جلدی سے بولا۔

فونتاجو خان کھسیانا سا ہو کر ہنسنے لگا۔ شاید اسے اپنی اسلام دشمنی کے جملے یاد آ گئے تھے۔ پھر جیسے فونتاجو
خان کو کچھ یاد آ گیا اس نے مطیع الدین کا بازو پکڑا اور اسے قریباً گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ مطیع الدین محض احتجاج
کرتا رہ گیا۔ فونتاجو خان اسے ایک کمرے میں لایا جہاں بستر پر کوئی شخص دراز تھا۔ مطیع الدین کی نظر جونہی اس
پر پڑی اس کی تیزی طراری کافور ہو کر رہ گئی۔ وہ سب کچھ بھول کر اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں
میں آنسو اتر آئے۔ بستر پر لیٹا ہوا شخص کوئی اور نہیں، اس کا بدنصیب باپ نورالدین تھا جو کئی برسوں سے اسی
بستر پر مطیع الدین کی واپسی کا منتظر تھا۔ مطیع الدین اس کے سرہانے کے قریب بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے
باپ کا چہرہ ٹٹولنے لگا۔ اسی گھڑی نورالدین کے جسم میں جنبش سی پیدا ہوئی، اس کی کمزور پلکیں ذرا سی دیر کے
لئے لرزیں۔ نورالدین اپنے قریب کسی کی موجودگی کو محسوس کر رہا تھا۔ اسے اپنے بیٹے کا لمس محسوس ہوا تو جسم
میں اطمینان سا پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔

”مطیع الدین! اس مرتبہ تو نے آنے میں بڑی دیر لگا دی، تیرے انتظار میں تو میری آنکھیں ہی پتھرا
گئیں“۔ نورالدین کے منہ سے سرگوشی نما جملے نکلے۔ مطیع الدین کا دامن برداشت چھوٹ گیا اور وہ بچوں کی
مانند رونے لگا۔ اسی لمحے نورالدین کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا اور ہاتھ پاؤں اکڑتے ہوئے محسوس ہوئے اور پھر
یکدم اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا وہ اپنے خالق حقیقی کے پاس جا چکا تھا۔ اسے صرف اپنے بیٹے کا انتظار تھا۔ مطیع
الدین اپنے باپ کو بازوؤں میں لے کر کافی دیر تک سسکتا رہا۔ فضا بے حد غمناک تھی۔ فونتاجو خان کی آنکھیں
بھی نم تھیں۔ وہی تو ایک سہارا تھا جس نے مطیع الدین کی غیر موجودگی میں نورالدین کا خیال رکھا۔ برقائی خان
کی وفات کے بعد فونتاجو خان کا دل فوج سے اچاٹ ہو گیا اور وہ نورالدین کے پاس چلا آیا۔ یہیں اس نے
دین اسلام کا بغور جائزہ لیا اور مسلمان ہو گیا پھر اس نے شادی کر لی۔ نورالدین کو تنہا چھوڑ کر وہ جا نہ سکا۔ اسی کی
خدمت کو اپنے لئے اعزاز سمجھا۔ وہ ہر روز اللہ سے یہی دعا کرتا رہتا تھا کہ وہ نورالدین کی حالت پر رحم
فرمائے۔ اس دن اس کی دعا قبول ہوگئی۔ نورالدین طویل ترین اذیت ناک بیماری کے بعد بالآخر نجات پا گیا
تھا۔ مطیع الدین نے فرطِ غم میں اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی۔

❀ ❀ ❀

سلطان بیبرس نہایت عالی ہمت شخص تھا۔ کاری زخم کے باوجود وہ زیادہ دیر تک بستر پر نہ رہ پایا۔
طبیبوں کے منع کرنے کے باوجود اس نے باہر نکل کر مجاہدین کو ان کی جرأت و بہادری پر خراج تحسین پیش کیا۔
ایسا کرنا بے حد ضروری تھا، سلطان بیبرس اپنے لشکریوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔ وہ چند دن تک اس کی
صورت نہ دیکھتے تو یقیناً قیاس آرائیوں کا شکار ہو جاتے۔ یہ صورت اس نے معرکہ منصورہ کے موقعے پر اپنے
آقا سلطان الملک الصالح کی ناگہانی موت کے بعد دیکھی تھی۔ سلطان بیبرس بڑی شان سے واپس لوٹا اور
دمشق سے ہوتا ہوا قاہرہ پہنچا۔ تمام سلطنت اسلامیہ میں بھرپور جشن منایا گیا۔ منگولوں کی عبرت ناک شکست
نے سقوط بغداد کا غم دھیما کر ڈالا تھا۔ سلطان بیبرس نے اپنی بگڑتی ہوئی حالت کی خبر کسی کو بھی ہونے دی۔
طبیبوں نے بھرپور انداز میں اس کا علاج کیا۔ زخم کسی قدر ٹھیک ہو چکا تھا مگر سلطان بیبرس کو مکمل صحت یابی
کے لئے بھرپور آرام کی ضرورت تھی جو اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ امیر فخر الدین لقمان نے سلطان بیبرس کو
سمجھانے کی کوشش کی مگر سلطان بیبرس نے اپنے معتمد خاص کو مسکراتے ہوئے مطمئن کر دیا۔ وہ لاجواب سا ہو کر
قصر جبل سے لوٹ آیا۔

675ھ کے آخری ماہ میں سلطان بیبرس نے اپنے تئیں ارادہ باندھا کہ ایل خانی منگولوں کا خطرہ ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوا ہے، وہ لوگ پھر دوبارہ لوٹ کر زیادہ شدید حملہ کر سکتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایسی کارروائی کریں، ان کے قبضے سے تمام اسلامی مقبوضات چھڑا کر ان پر ثابت کر دیا جائے کہ اگر انہوں نے دوبارہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ان کی سلطنت پر بھی قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس عظیم کام کی انجام دہی کے لئے کثیر سرمائے کی ضرورت تھی۔ سلطان بیبرس نے خزانے کا حال دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں جو کچھ موجود ہے وہ اتنی بڑی مہم کے لئے ناکافی ہے۔ مختلف سالاروں اور رفقاء سے مشوروں کے بعد یہ طے پایا کہ جہاد کے مصارف پورے کرنے کے لئے کچھ اقدامات اُٹھائے جائیں۔ مدارس کے وظائف میں تخفیف کی جائے اور کچھ نئے خراج لگا کر لوگوں سے رقم جمع کی جائے۔ سلطان بیبرس نے خلیفہ اسلام الحاکم بامر اللہ سے اس بارے میں بات چیت کی تو اس نے بھی اجازت دے دی۔ مدارس کا معاملہ چونکہ علماء دین سے وابستہ تھا لہٰذا ان کا فتویٰ بے حد ضروری تھا۔ سلطان بیبرس نے بلادِ مصر کے علماء سے جواز کا فتویٰ لے کر مخصوص نئے خراج لگائے اور پھر اپنے رفقاء کے ساتھ دمشق چلا آیا۔ وہاں بھی اس نے علماء کی جماعت کو بلوایا اور بلادِ مصر کے علماء اور امیر المومنین کی اجازت کا ذکر کرتے ہوئے مصارف جہاد کے لئے نئے خراج کے جواز میں فتویٰ طلب کیا۔ کچھ علماء نے فتویٰ جاری کر دیا تو کچھ نے تامل سے کام لیا۔

امام یحییٰ بن اشرف محی الدین نوویؒ دمشق کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ شرح مسلم و بخاری میں ان کا بڑا نام تھا۔ ان کے پاس جب سلطان بیبرس کا جواز فتویٰ پہنچا تو انہوں نے خود دمشق کے دربار کی راہ لی۔ سلطان بیبرس کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ خود دروازے پر پہنچا اور ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ امام نوویؒ اس کے ہمراہ دربار میں آئے اور ایک نشست سنبھال لی۔ سلطان بیبرس نے وجہ آمد دریافت کی تو امام نوویؒ نے سلطانی جواز کے فتویٰ کا ذکر کیا اور اسے رد کرتے ہوئے باقاعدہ اس کی مخالفت کی۔ سلطان بیبرس نے امام نوویؒ سے فتویٰ کی تصدیق نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے مصارف جہاد کا سلطانی عذر تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اسے خالصتاً ظلم سے تشبیہ دیتے ہوئے درشت گوئی سے کام لیا۔ سلطان بیبرس نے تحمل سے تاتاری حالات بیان کئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ تصدیق فرما دیں تاکہ جہاد کا سلسلہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے مگر امام نوویؒ نے سختی سے فتویٰ رد کرتے ہوئے لگائے جانے والے تمام خراج کو غیر اسلامی قرار دیا۔ سلطان بیبرس امام نوویؒ کی تند و تلخ انداز گفتگو سے واقف تھا اس لئے اس نے نرمی اختیار کئے رکھی اور بار بار اپنے مؤقف کی دلیلیں پیش کرتا رہا۔ امام نوویؒ سلطان بیبرس کے اصرار پر آپے سے باہر ہو گئے اور فرط طیش میں بولے۔

"سلطان بیبرس! یاد کرو وہ وقت جب تم امیر بندقدار کے زرخرید غلام تھے اور ایک جبہ کے بھی مالک نہیں تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں سلطنت دی ہے اور تم اس قدر غلاموں اور کنیزوں کے مالک ہو جن کے ساز و سامان تک طلائی ہیں۔ جب تک تم ان سے سارا مال و سامان فوجی ضرورت کے لئے نہ لے لو، میں غریب مسلمانوں سے مال لینے کا فتویٰ تیرے حق میں ہرگز نہیں لکھوں گا"۔

"علامہ نوویؒ! آپ بلاشبہ درست کہتے ہیں، میں وہی ہوں جسے امیر بندقدار نے دمشق کے بازار سے خریدا تھا، یہ بھی سچ ہے کہ میری جیب میں ایک جبہ بھی نہیں تھا۔ میں نے دن رات ایک کرتے ہوئے کڑی محنت کی، اپنے آقاؤں کی ہر طرح سے خدمت و تواضع کی، اللہ تعالیٰ نے میرے خلوص کے انعام میں مجھے آزادی بخشی، یہ سلطنت میری خواہش نہیں تھی، مجھے فارس الدین اقطائی نے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا۔ معرکہ عین جالوت

میں، میں نے اپنا نام کمانے کے لئے جرأت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا بلکہ میں مسلمانوں کو اس عذاب سے بچانا چاہتا تھا جو سیلاب کی مانند سب کچھ اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا مصر کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ بغداد تباہ ہو گیا، بلادِ شام کھنڈر بنا دیا گیا، بلادِ فلسطین و لبنان صلیبی مقبوضات میں چلے گئے۔ ایک ایسے وقت میں جب دین کی روشنی معدوم ہو رہی تھی، علم دریائے فرات کی نذر کیا جا چکا تھا، میں نے آگے بڑھ کر ان چراغوں میں اپنا خون پسینہ ڈال کر انہیں بجھنے سے بچایا۔ بلادِ مصر سے لے کر بلادِ عراق تک جگہ جگہ مدارس تعمیر کرائے، علم کی روشنی کو ہر گھر تک پہنچانے کی کوششیں کیں، بھاری وظائف دے کر لوگوں کو درس و تدریس کی جانب راغب و مائل کیا تاکہ لوگ تاتاری عتاب کے خوف میں بے علم نہ رہ جائیں۔ رعیت کی خدمت میں اپنی ساری زندگی گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی اور آج اپنے لئے نہیں بلکہ اسی رعیت کے محفوظ مستقبل کے لئے میں کچھ حصہ ان کے مال میں سے لینے کا اقدام اُٹھا رہا ہوں تو آپ اسے رد کرتے ہیں"۔

"سلطان بیبرس! شاید تمہیں عاقبت کے بجائے دُنیا میں ہی اجر لینے کا شوق پیدا ہو چکا ہے، یہ گمراہی کی علامت ہے، تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ میں کم از کم تمہیں یہ اجر غریب مسلمانوں سے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دوں گا"۔

"علامہ نوویؒ! آپ شاید بھول رہے ہو کہ میں مسلمانوں کا سلطان بھی ہوں، میرے منہ سے نکلا ہوا ہر جملہ حکم کی حیثیت رکھتا ہے مگر میں علماء و فضلاء کی تہہ دل سے قدر کرتا ہوں اور انہیں ہمیشہ سے امور جہانبانی میں برابر شریک رکھتا آیا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو بھی کوئی مجھے غلط نہ کہتا مگر میں نے ہمیشہ شعائر اسلامی کی حفاظت کی ہے اور مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کو زیادہ مقدم سمجھا ہے"۔ سلطان بیبرس کے لہجے سے ناگواری جھلکنے لگی۔

"سلطان بیبرس! تمہارے لہجے میں تکبر جھلکنے لگا ہے اللہ سے ڈرو اور ایسی بات منہ سے نہ نکالو جو مالک کائنات کو ناگوار گزرے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری سلطانی کا رعب مجھ پر چل جائے گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں موت کو قبول کر سکتا ہوں مگر کسی غلط جواز کے لئے فتویٰ جاری نہیں کر سکتا"۔ امام نوویؒ کے لہجے میں درشتی شدت اختیار کر چکی تھی۔ سلطان بیبرس مسلسل نرم روی اختیار کئے ہوئے تھا۔ امام نوویؒ کی ضد پر وہ کبیدہ خاطر ہو گیا اور اس نے فتویٰ کی تصدیق نہ کرنے کی صورت میں انہیں دمشق چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ امام نوویؒ حکم سلطانی پر بگڑ گئے اور اسی وقت دربار سے نکل کر اپنے گھر آئے۔ تمام سامان سمیٹ کر انہوں نے اپنے آبائی وطن نویٰ کی راہ لی۔ امام نوویؒ کا دمشق بدر کیا جانا علماء کے حلقے کو بے حد شاق گزرا۔ وہ ایک وفد کی صورت میں سلطان بیبرس کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ امام نوویؒ علماء حق کی شان ہیں، تمام شامی علماء انہیں اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔ دمشق میں ان کی موجودگی باعث فخر و سعادت سمجھی جاتی ہے، ان کی عدم موجودگی میں دمشق میں تاریکی پھیلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ سلطان اپنے حکم پر نظرثانی کریں تو یہ علماء کے لئے باعث فخر ہوگا۔ علماء کے وفد نے کچھ ایسے پیرائے میں اپنا مدعا بیان کیا کہ سلطان بیبرس اپنے تئیں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ امام نوویؒ کی عدم موجودگی کا اسے بھی شدت سے احساس تھا اس نے انتہائی رقت کے عالم میں اپنا حکم منسوخ کیا اور وفد کو اجازت دی کہ وہ امام نوویؒ کو اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس دمشق لے آئیں۔

علماء کا وفد امام نوویؒ کی خدمت میں نویٰ پہنچا اور انہیں سلطان بیبرس کی خواہش کے بارے میں بتایا تو انہوں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔ علماء کی جماعت نے بہتیری کوششیں کیں کہ امام نوویؒ غصہ ترک کر کے دمشق لوٹ آئیں مگر ان کے لب و لہجے میں سلطان بیبرس کے لئے سخت نفرت دکھائی دی۔ امام نوویؒ نے صاف

الفاظ میں کہہ دیا کہ سلطان بیبرس کی زندگی میں میں کبھی بھی دمشق نہیں جاؤں گا۔ علماء کا وفد مایوسی کے عالم میں دمشق لوٹ آیا۔ سلطان بیبرس کو جب امام نوویؒ کے جواب سے مطلع کیا گیا تو وہ شدتِ غم سے رو دیا۔ اس نے وفد سے وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی خود امام نوویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں منا کر دمشق واپس لائے گا۔

اسی شام سلطان بیبرس کو شدید بخار ہو گیا۔ طبیبوں نے سلطان بیبرس کی حالت دیکھتے ہوئے بتایا کہ عدم توجہ کے باعث زخم کافی خراب ہو چکا ہے اور یہ بخار بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ طبیبوں نے ہر ممکنہ علاج کیا مگر اس زخم پر کسی علاج نے کارگر نہیں ہوتا تھا۔ 27 محرم 676ھ کو تاریخ اسلام کے اس بطل جلیل نے ستاون برس کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سلطان بیبرس کی وفات کا اعلان ہوتے ہی تمام بلادِ اسلامیہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگ اپنے ہر دلعزیز سلطان کی جدائی برداشت نہ کر سکے اور سڑکوں پر دیوانہ وار روتے رہے۔ دمشق کو ایک بار پھر یہ شرف حاصل ہوا اس نے تاریخ کے ایک اور بڑے مجاہد اسلام کے جسد خاکی کو اپنی خاک میں جذب کر لیا۔ اس سے پہلے یہ شہر سلطان نور الدین محمود زنگی اور مجاہد کبیر سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی کا مدفن بننے کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ قدرت کا اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ اسلام کی ان تینوں شخصیتوں نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ صلیبی جنگجوؤں کے خلاف معرکہ آرائیوں میں بسر کیا اور تینوں نے دمشق پہنچ کر سفر آخرت اختیار کیا اور پھر یہیں آسودۂ خاک ہوئیں۔

سلطان بیبرس تاریخ عالم کے شجاع ترین حکمرانوں میں سے ایک تھا جو صحیح معنوں میں اس شعر کا مصداق تھا۔

وہ جس کی تیغ ہیبت ناک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے
تھے

❀ ❀ ❀

وہ دن گل وقوژ کی زندگی کا سب سے اہم دن ثابت ہوا جب اسے بوڑھے خادم نے یہ اطلاع دی کہ بوڑھا نور الدین مر گیا اور اس کا بیٹا طویل عرصے کے بعد واپس لوٹ آیا ہے۔ مطیع الدین کی واپسی کا سن کر گل وقوژ کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ بوڑھا خادم گل وقوژ کے چہرے پر مسرت کی کلیاں پھوٹتے دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ وہ تو پہلے ہی دن سے اس لمحے کا منتظر تھا کہ گل وقوژ کی اُداس زندگی میں بھی بہار کے رنگ دیکھے۔ قونائی خان کی دوسری اولاد اپنے گھر بار میں مشغول تھی۔ صرف گل وقوژ ہی تنہا رہ گئی تھی۔ مطیع الدین کے ساتھ اس کی وابستگی بوڑھے خادم سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اسی لئے اس نے گل وقوژ کو محبت بھرے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اب مطیع الدین کا ہاتھ پکڑنے میں تامل نہ کرے کیونکہ اب کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جسے ان کے رشتے پر کوئی اعتراض ہوتا۔ گل وقوژ نے کافی سوچ بچار کے بعد بوڑھے خادم کو کہا کہ وہ مطیع الدین کو اس کے ... ے میں آگاہ کرکے اس کا عندیہ لے کہ کیا وہ اب بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی کسی زمانے میں اس کے لبوں پر مچلتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

بوڑھا خادم گل وقوژ کی آمادگی پر برق کی مانند مطیع الدین کے پاس جا پہنچا۔ مطیع الدین تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے پہچان گیا۔ یہ وہ غلام تھا جس نے اسے گل وقوژ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ قبیلہ سرخ غر میں قید ہے۔ مطیع الدین نے بلا تاخیر اس سے گل وقوژ کے بارے دریافت کیا تو بوڑھا خادم سمجھ گیا کہ آگ دونوں

طرف یکساں بھڑک رہی ہے۔ اس نے گل وقوژ کے بارے میں مختصراً بتاتے ہوئے اس کا سوال اس کے سامنے دوہرا دیا۔ مطیع الدین نے بے خودی کے عالم میں بوڑھے خادم کو کہا کہ اس بات کا جواب وہ خود گل وقوژ کو دینا چاہتا ہے۔ بوڑھے خادم نے اسے فی الوقت صبر کی تلقین کرتے ہوئے واپسی اختیار کی اور گل وقوژ کو اس کی کیفیت سے آگاہ کر دیا۔ گل وقوژ مطیع الدین کی وارفتگی کا حال سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کئی دن تک وہ خاموشی سے اس بارے میں غور و فکر کرتی رہی۔ یہ حقیقت تھی کہ اب فیصلہ کا اختیار اسی کے پاس تھا کوئی بھی اسے روکنے ٹوکنے والا موجود نہیں تھا۔ گل وقوژ کا ذہن بار بار ماضی کی جانب بھٹک جاتا۔ تلخ ماضی کی یاد اسے بے چین کر دیتی تھی۔

ایک شام اس نے اپنے بوڑھے خادم کو کہا کہ وہ مطیع الدین کو بلا لائے وہ اس سے بالمشافہ ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ بوڑھا خادم فوراً مطیع الدین کے پاس پہنچا جو فراق کے عالم میں دیوانہ بنا بیٹھا تھا۔ قونائی خان کو جب سے گل وقوژ کے بارے میں پتہ لگا تھا جانے کیوں اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ گل وقوژ فدائیوں کے ساتھ رہی تھی اور جہاں تک وہ جانتا تھا، فدائیوں کا مذہب اسلام ہرگز نہیں تھا۔ اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مطیع الدین کو سمجھانے کی کوشش کی کہ فدائیہ کے ساتھ محبت کرنا مناسب بات نہیں ہے مگر مطیع الدین نے اس کی بات کو ہوا میں اڑا دیا۔ وہ گل وقوژ کو فدائیہ تسلیم کرنے پر قطعی تیار نہیں تھا۔ مطیع الدین انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے بعد گل وقوژ سے ملاقات کے لئے بوڑھے خادم کے ساتھ روانہ ہوا۔ بوڑھا خادم اسے گھر لایا اور ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد گل وقوژ اس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے وہی تاتاری لباس زیب تن کر رکھا تھا جو وہ محبت کے دنوں میں پہنا کرتی تھی۔ مطیع الدین کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ بے قرار سا ہو گیا۔ دونوں کئی لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مطیع الدین کے چہرے پر محبت کے دریا موجزن تھے جبکہ گل وقوژ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھنے میں مشغول تھی۔

''مجھے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں واقعی تمہیں دیکھ رہا ہوں''۔ مطیع الدین چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ گل وقوژ کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جب موت سامنے ہوتی ہے تو اچھے بھلوں کی بصارت دھوکا دے جاتی ہے''۔ گل وقوژ کا لہجہ بڑا کاٹ دار تھا۔ مطیع الدین اس کے منہ سے غیر متوقع جملہ سن کر چونک پڑا۔ اسی لمحے اس کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کی نظریں اپنے سراپے کی طرف اُٹھیں تو خوف کی سرد لہر نے اس کا ذہن منجمد کر ڈالا۔ گل وقوژ کے تیز خنجر نے اس کے پیٹ کا کافی حصہ ادھیڑ ڈالا تھا۔ پیٹ سے جیسے خون کی ندی بہہ نکلی تھی۔ مطیع الدین کی آنکھوں میں کرب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہ کرب اس گھاؤ کا نہیں تھا جو گل وقوژ نے اسے تحفتاً دیا تھا بلکہ اس بے وفائی کا تھا جو اس کے حصے میں آئی تھی۔ اسی لمحے اس کے ذہن میں سید احمد البدویؒ کا جملہ گونجا اور اسے اب سمجھ آ گیا کہ تیسرا چکر کیا تھا؟ سرائے سے باہر نکلنے والا ہر قدم چکر کا آغاز تھا اور واپسی اس چکر کی تکمیل۔ مطیع الدین کو گل وقوژ کی حرکت پر دلی صدمہ پہنچا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک اس کرب کو برداشت نہ کر پایا اور اس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ کچھ دیر پہلے جیتا جاگتا شخص بے جان گٹھڑی کی طرح زمین پر پڑا تھا جبکہ گل وقوژ سپاٹ نگاہوں سے اُسے تکے جا رہی تھی۔

اسی لمحے بوڑھا خادم کمرے میں داخل ہوا۔ مطیع الدین کی لاش کو دیکھ کر اس کے قدم زمین سے چپک کر رہ گئے۔ اس نے دُکھ بھری نگاہوں سے گل وقوژ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں احتجاج کرتی ہوئی دکھائی دیں کہ گل وقوژ تم نے اپنے ماضی کو بھلانے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی۔ گل وقوژ بوڑھے خادم سے بے خبر

خاموش کھڑی مطیع الدین کو دیکھتی رہی۔ بوڑھا خادم مزید کسی اور کو موت کے منہ میں جاتا نہیں دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے فوری طور پر کوتوالی میں جا کر خبر کی۔ کوتوال شہر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا آیا۔ گل وقوژ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے اپنی گرفتاری میں کوئی مدافعت نہیں کی۔ وہ مطیع الدین کے قتل کے بعد سکتے میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ایک ایسے سکتے میں جس سے صرف موت ہی اسے نجات دلا سکتی تھی۔

ختم شد